



سائنس

انجمن ترقی اردو

کا  
مابورسہ

میر/سولیم

۱۹۶۶





## سائنس

انجمن ترقی اردو (ہند) کا ماہوار رسالہ

منظورہ سررشتہ تعلیمات حیدرآباد، صوبہ پنجاب، صوبہ بہار، صوبہ مدراس، ميسور، صوبہ متوسط (سی۔ پی)، صوبہ سرحد، صوبہ سندھ، صوبہ دہلی، قیمت سالانہ محصول ڈاک وغیرہ ملا کر صرف پانچ روپے سکھ انگریزی (پانچ روپے ۱۴ آنے سکھ عثمانیہ)۔ نمونے کی قیمت آٹھ آنے سکھ انگریزی (دس آنے سکھ عثمانیہ)

## قواعد

- (۱) اشاعت کی غرض سے جملہ مضامین بنام مدیر اعلیٰ رسالہ سائنس جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن روانہ کئے جائیں۔
- (۲) مضمون کے ساتھ صاحب مضمون کا پورا نام مع ڈگری عہدہ وغیرہ درج ہونا چاہئے
- (۳) مضمون صرف ایک طرف اور صاف لکھے جائیں۔
- (۴) شکلیں سیاہ روشنائی سے علیحدہ کاغذ پر صاف کھینچ کر روانہ کی جائیں۔ تصاویر صاف ہونی چاہئیں۔ ہر شکل اور تصویر کے نیچے اس کا نمبر، نام اور مضمون پر اس کے مقام کا حوالہ درج کیا جائے۔
- (۵) مسودات کی حق الامکان حفاظت کی جائیگی لیکن ان کے اتفاقیہ تلف ہو جانے کی صورت میں کوئی ذمہ داری نہیں لی جاسکتی۔
- (۶) جو مضامین سائنس میں اشاعت کی غرض سے موصول ہوں، مدیر اعلیٰ کی اجازت کے بغیر دوسری جگہ شائع نہیں کئے جاسکتے۔
- (۷) کسی مضمون کو اگر سال فرمائے سے پیشتر مناسب ہوگا کہ صاحبان مضمون مدیر اعلیٰ کو اپنے مضمون کے عنوان، تعداد صفحات، تعداد اشکال و تصویر وغیرہ سے مطلع کر دیں تا کہ معلوم ہو سکے کہ اسکے لئے پرچے میں جگہ نکل سکے گی یا نہیں۔ عام طور پر مضمون دس صفحہ (فلسفہ) سے زیادہ نہ ہونا چاہئے۔
- (۸) تنقید اور تبصرہ کے لئے کتابیں اور رسالے مدیر اعلیٰ کے نام روانہ کئے جائیں قیمت کا اندراج ضروری ہے۔
- (۹) انتظامی امور اور رسالے کی خریداری و اشتہارات وغیرہ کے متعلق جملہ مراسلت معتمد مجلس ادارت رسالہ سائنس حیدرآباد دکن سے ہونی چاہئے۔





# سائنس

مئی ۱۹۴۳ء

نمبر

جلد

## فہرست مضامین

صفحہ	مضمون نگار	مضمون	نمبر شمار
۲۴۷	سید محمد حسنی صاحب	» ہم «	۱
۲۵۶	محمد عجمی صاحب	صنعتی پیداوار	۲
۲۶۴	مترجم - محمد زکریا صاحب مائل	حسابی اعمال پر کیمیا فی تصرف	۳
۲۷۱	غلام جیلانی صاحب	دبا سلائی کی ایجاد اور اسکی ترقی	۴
۲۷۷	ریاض الحسن صاحب قریشی ایم - ایس - سی ایشمانیہ	ہماری غذا	۵
۲۸۲	ادارہ	سوال و جواب	۶
۲۸۹	ادارہ	معلومات	۷
۲۹۹	ادارہ	سائنس کی دنیا	۸
۳۰۶	ادارہ	آسمان کی سیر	۹

## مجلس ادارت رسالہ سائنس



- (۱) ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب معتمد انجمن ترقی آردو (ہند) صدر
- (۲) ڈاکٹر مظفر الدین قریشی صاحب - صدر شعبہ کیمیا جامعہ عثمانیہ مدیر اعلیٰ
- (۳) ڈاکٹر سر ایس - ایس بھٹناگر صاحب - ڈاکٹر بورڈ آف سائنٹیفک اینڈ انڈسٹریل ریسرچ گورنمنٹ آف انڈیا رکن
- (۴) ڈاکٹر رضی الدین صدیقی صاحب - پروفیسر ریاضی جامعہ عثمانیہ رکن
- (۵) ڈاکٹر بابر مرزا صاحب - صدر شعبہ حیوانیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ دکن
- (۶) محمود احمد خان صاحب - پروفیسر کیمیا جامعہ عثمانیہ رکن
- (۷) ڈاکٹر سلیم الزمان صدیقی صاحب - رکن
- (۸) ڈاکٹر محمد عثمان خان صاحب - رکن دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ رکن
- (۹) ڈاکٹر ڈی - ایس کوٹھاری صاحب - صدر شعبہ طبیعیات دہلی یونیورسٹی رکن
- (۱۰) آفتاب حسن صاحب - انسپکٹر تعلیم سائنس - سررشتہ تعلیمات سرکار عالی حیدرآباد دکن رکن
- (۱۱) محمد نصیر احمد صاحب عثمانی ریڈر طبیعیات جامعہ عثمانیہ (معتمد اعزازی)

## ”ہم“

(سید محمد حسنی صاحب)

یہ تھا کہ اکثر جہاز توپوں سے مار کر کرالے جایا کرتے تھے۔ لیکن آج کل کے بمبار جہاز اتنے زبردست ہیں کہ وہ ٹنوں وزن کے بم بہ آسانی ایک جگہ سے دوسری جگہ پھیک کر آسکتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کی رفتار، قوت اور بڑے فاصلے طے کرنے کی صلاحیت اس قدر بڑھ گئی ہے کہ وہ بندرہ سو میل کے فاصلے پر بم پھیک کر چند گھنٹوں میں اپنے اڈے پر واپس آسکتے ہیں۔ امریکہ کے جدید ترین جہاز جنکی رفتار ۳۰۰ سے زیادہ میل فی گھنٹہ بتاتی تھیں۔ مگر ان کے وزن کے بم بہ آسانی پھیک کر اپنے اڈوں پر ۱۰۰۰ میل کے فاصلے پر با آسانی آسکتے ہیں۔ اس کے علاوہ موجودہ بم ہلے کے مقابلہ میں زائد طاقتور، بڑے اور وزنی ہیں چنانچہ جرمنی کا سب سے بڑا بم ”شیطان“ ۲۲ ٹن وزن کا ہے اور یہ اتنا طاقتور ہے کہ بڑے سے بڑے جنکی جہاز کو نشانہ مار کر غرق کر سکتا ہے۔ شاید اس سے زائد وزنی بم اس لڑائی میں اور کوئی استعمال نہیں ہوا۔

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے گذشتہ جنگ عظیم میں شہروں پر بم پھیکے گئے تھے اور

یہ جنگ گذشتہ جنگ عظیم سے بھی بہت زائد خطرناک ہے۔ انسان کا دماغ نئے نئے آلات ایجاد کرنے میں لگا ہوا ہے تاکہ انسانوں کو با آسانی موت کے کھاٹا تارا جاسکے اور ان کی عمر بھر کی کاپی اور املاک کو مٹوں میں ملیا میٹ کر دیا جائے۔ جنگ کے زمانہ میں ایسی تباہی اور بربادی پھیلائی جائے کہ سطح زمین پر انسان کی زندگی مشکل اور دوبارہ ہو جائے۔ یوں تو تباہی کے لئے بہت سے آلات ایجاد ہو چکے ہیں اور رات دن ہورہے ہیں لیکن ان تباہ کن چیزوں میں جو مرتبہ بموں کو حاصل ہے وہ شاید کسی دوسری چیز کو نصیب نہیں ہے۔ وہ خوفناک حربہ ہے جس سے شہر، صنعتی مقامات، ریلیں، پل، جنگی جہاز مٹوں میں تباہ اور برباد کر دیے جاتے ہیں ہزاروں انسانوں کو سیکنڈوں میں موت کے آغوش میں ہمیشہ کو سلا دیا جاتا ہے۔

گذشتہ جنگ عظیم میں جرمن کے زہلیں جہاز لندن پر آ کر گولے برساتے تھے لیکن نہ تو وہ گولے اس قدر زبردست تھے اور نہ ان جہازوں کی رفتار ہی زیادہ تیز تھی۔ اس کا نتیجہ

ہیں۔ اس تبدیل کے وقت تین باتیں مشاہدہ میں آتی ہیں۔

(۱) حرارت کی پیدائش۔

(۲) کیمای مرکبات کی کیسوں میں تبدیل۔

(۳) اور ان پیدا شدہ کیسوں کا ایک دم غیر معمولی پھلاؤ۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کونسے مرکبات ہیں جو یہ خوفناک اثرات پیدا کر سکتے ہیں۔ ابھی تک یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کون کون دھما کو ہیں جو ہٹوں میں استعمال ہو رہے ہیں۔ لیکن جہاں تک عام معلومات کا تعلق ہے یہ قرین قیاس ہے کہ حسب ذیل استعمال ہو رہے ہونگے نئے ایجاد شدہ دھما کو کا پوری پوری طرح علم جنگ ختم ہوئے سے قبل تقریباً ناممکن ہے۔

(۱) نائٹرو گلسرین (۶) نائٹرو ازانڈ

(۲) نائٹرو سیلولوز (۷) ٹرائی نائٹرو ٹولونین

(۳) نائٹروکن پاؤڈر (۸) ڈائٹائیٹ

(۴) نائٹرو ہائیڈرین (۹) گلاکٹائٹ

(۵) نائٹرو ٹولینٹینک مرکری (۱۰) امٹول

اور سلور (ہیڈر) ہڈک پارہ (۱۱) امونل

اور چاندی)

دھما کو عموماً چار قسموں میں تقسیم کئے جاتے ہیں اور مختلف مقاصد پر مختلف دھما کو اپنی اپنی نوعیت کے اعتبار سے استعمال ہوتے ہیں۔

اس کو سب سے اول اہل جرمنی نے استعمال کیا تھا لیکن ہوائی جہازوں کے ذریعہ اس طرح بم بھینکنے کی ابتدا جس طرح کہ آج کل بھینکنے جاتے ہیں۔ اہل اسپین کا کارنامہ ہے۔ وہیں کے ایک جنرل نے اول اول ہٹوں کو مراکش کے ہتھے مسلمانوں پر استعمال کیا تھا۔ لیکن شاید اس کو یہ خبر نہ تھی کہ یہ ایجاد خود موجودین کے لئے عذاب ہو جائیگی۔ چنانچہ جس بے دردی سے اہل اطالیہ اور اہل جرمن نے ہٹوں کو میڈرڈ اور بارسیلونا کی تباہی کیلئے استعمال کیا ہے اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ جرمن اور اہل اطالیہ، ہسپانیہ کی خانہ جنگی میں اندرونی طور پر شریک تھے اور انہوں نے یہ بھی فیصلہ کر لیا تھا کہ ان کو ایک اور جنگ عظیم لڑنی ہے اس لئے نئے آلات کا امتحان کرنا ہے اس کا تجربہ ہسپانیہ میں کیوں نہ کر لیا جائے چنانچہ وہاں ان لوگوں کو ایک وسیع میدان اپنے تجربوں کے لئے ہاتھ آگیا اور ان کو وہ تمام باتیں بخوبی معلوم ہو گئیں جو مزید تحقیق کی محتاج تھیں۔ ان خوفناک تجربوں نے شروع شروع میں جرمن اور جاپان کو متعین کے مقابلے میں بعض کامیابیوں میں بڑی مدد دی۔

بم حقیقت میں ایک فولادی خول ہے جس میں دھما کہ سے بھٹنے والے کیمای مرکبات بھرے ہوتے ہیں۔ جب ان مرکبات کو صدمہ یا حرارت پہنچائی جاتی ہے تو وہ کیسوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ یہ کیس اس قدر مقدار میں پیدا ہوتی ہیں کہ خول کے ٹکڑے ہو جاتے ہیں اور یہ ٹکڑے فضا میں اڑنے لگتے

ہوتے ہیں اور ان میں مختلف کیمیائی مرکبات استعمال ہوتے ہیں۔ ان کی بیرونی ساخت بھی مختلف ہوتی ہے لیکن ایک اصول کے طور پر فوری جلنے والے بموں میں وہ کیل جو ٹنکر کھانے سے بھڑکنے والے مسالے والی ہے، ان کے آگے لگی ہوتی ہے تاکہ ٹنکراتے ہی بم فوراً پھٹ جائے۔ لیکن وہ بم جن میں دیر میں پھٹنے والا فلیٹہ لگا ہوتا ہے ان میں کیلہ زیادہ تر نیچے ہوتا ہے تاکہ بم عمارت میں پوری طرح داخل ہونے کے بعد پھٹے اور تعمیر کو پوری طرح منہدم کر دے۔

اگر بموں کے خوفناک اثرات کو دیکھتے ہوئے ان کی تقسیم کی جائے تو یہ چار قسموں میں تقسیم کئے جاسکتے ہیں۔

- (۱) عمارتوں کو توڑنے والے بم
- (۲) ٹکڑے ٹکڑے کر دینے والے بم
- (۳) اسلحہ توڑ بم
- (۴) آگ لگانے والے بم

ان بموں کو مختلف موقعوں پر مختلف ضروریات کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے عمارتوں کی تباہی کے لئے پہلے قسم کے بم استعمال ہوتے ہیں۔ یہ بم بہت زور سے پھٹتے ہیں اور ان سے سخت دھماکہ پیدا ہوتا ہے۔ یہ دھماکہ عمارتوں کو ہلا کر مٹیوں میں تباہ و برباد کر دیتا ہے اور عمارتوں انسانوں کو ہلاک کر ڈالتا ہے اور جو مال و مناع بچ جاتا ہے اس کو آگ لگانے والے بم جلا کر خاک و سیاہ کر دیتے ہیں دوسری قسم کے بم زائد تر انسانوں کی

۱۔ محرك (Propellant) یہ دھماکو زائد ترکم رفتار کے دھماکے پیدا کرتے ہیں اس قسم کے خاص خاص دھماکو (۱) گن کاٹن Gun Cotton (۲) بالسٹائیٹ Ballistite (۳) کارڈائٹ Cardite ہیں۔

۲۔ متبدي (Initiators) یہ دھماکو بہت جلد آگ پکڑ لیتے ہیں اور فوراً جل اٹھتے ہیں اس قسم کے خاص دھماکو (۱) مرکزی نلہ خیت (Mercury fulminate) اور سیسے کا ازانڈ (Lead Azides) ہے۔

۳۔ آتش بازی کی طرح چھوٹنے والے اور آگ لگانے والے یہ زائد تر (۱) دھوب کی چادر (۲) رنگین روشنی کے بان اور آگ لگانے والے بموں میں استعمال ہوتے ہیں۔

۴۔ توڑنے والے۔ یہ زائد تر چٹانوں، محفوظ مقامات اڑانے میں استعمال ہوتے ہیں اور دھماکے سے اطراف کی چیزوں کے ٹکڑے اڑا دیتے ہیں۔ اس ضمن کے خاص دھماکو (۱) مائع اکسیجن، کلکائیٹ اور ڈائنائٹ ہے۔

عام طور پر کسی مخصوص دھماکہ کو پسند کر لیا جاتا ہے اور اسکو بھر کر بم کے ذریعہ بھیجا جاتا ہے۔ لیکن بعض اوقات مختلف ضروریات کا خیال رکھتے ہوئے مختلف دھماکوں کا آمیزہ استعمال کیا جاتا ہے تاکہ مطلوبہ اثر پیدا کیا جاسکے۔ اس کے علاوہ مختلف ملکوں کے بم ایک دوسرے سے بالکل مختلف



عمارتوں کو زاید سے زاید نقصان پہونچائیں ان کا وزن عموماً ۵۰ پونڈ سے لیکر ۱۰۰۰ پونڈ تک ہوتا ہے۔ ان کے پھٹنے سے ہزاروں فولادی ٹکڑے بکھر جاتے ہیں اور ہوا کا زبردست جھٹکا پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ ہی ان کی کامیابی اور کثرت استعمال کا راز ہے۔ ان میں ابر میں چھوٹنے والا خلیہ لگا ہوتا ہے۔

(۳) آبدو توڑ بم سے بہت زبردست موج پیدا ہوتی ہے بہ اکثر بندرگاہوں وغیرہ تباہی کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں یہ مختلف وزن کے ہوتے ہیں اور ان میں اکثر دیر میں چھوٹنے والا خلیہ لگا ہوتا ہے۔

(۴) آدم کش بم عام طور پر زاید وزنی نہیں ہوتے عموماً ان کا وزن ۲۰ پونڈ ہوتا ہے یہ بڑی تعداد میں ٹکڑے بکھر دیتے ہیں جو کہ فضا میں اڑ کر انسانوں کو ہلاک یا زخمی کر دیتے ہیں۔ کوشش یہ کی جا رہی ہے کہ اس بم کے ٹکڑے زمین کے بالکل متوازی اڑیں تاکہ کھڑے ہوئے انسانوں کو کھائل کیا جاسکے۔ اس معاملے میں سب سے زاید کامیابی اہل جاپان کو نصیب ہوئی ہے۔ ماہرین کا خیال ہے کہ ان کے آدم کش بموں کے ٹکڑے تقریباً ۲ فٹ سے لیکر ۶ فٹ کی بلندی تک زمین کے متوازی اڑتے ہیں۔ جب تک کہ کسی خندق یا تالی میں پناہ نہ لی جائے ان سے چھٹکارا مشکل ہے۔ ان بموں میں اکثر فوری جلنے والا خلیہ لگا ہوتا ہے۔

ہلاکت کے لئے مستعمل ہونے میں خاصکر کے فوج کے دستوں پر بکثرت پھینکے جاتے ہیں تاکہ بڑی سے بڑی تعداد کو بہ آسانی ہلاک کیا جاسکے۔ تیسری قسم کے بم عام طور پر بہت مضبوط اور مستحکم مقامات، جنگی جہاز اور قلعوں پر پھینکے جاتے ہیں جہاں معمولی اور کمزور بم کام نہیں دے سکتے ہیں یہ م فولادی چادروں کو توڑ ڈالتے ہیں۔ اور استحکامات کو منہدم کر ڈالتے ہیں۔ اس قسم کے بم بہت بڑے ہوتے ہیں اور اس لئے سوائے مخصوص موقعوں کے کم استعمال ہوتے ہیں۔ لیکن بعض ماہرین فن اس قسم کی تقسیم سے مطمئن نہیں وہ اس کی تقسیم بم کے خول کے لحاظ سے کرتے ہیں ان کی تقسیم یہ ہے۔

(۱) بھاری خول والے

(۲) اوسط خول والے عام کام کے

(۳) ہلکے خول والے ابدوز توڑ

(۴) آدم کش

(۱) بھاری خول والے بم زاید ۲۵۰ پونڈ سے

لیکر ۲۰۰۰ پونڈ تک وزن ہوتے ہیں اور مضبوط مقامات کی تباہی کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں ان کو حقیقت میں اسلحہ توڑ بموں کا قائم مقام سمجھنا چاہئے۔ ان میں اکثر دیر میں چھوٹنے والا خلیہ لگا ہوتا ہے۔

(۲) اوسط خول والے یہ بم بہت سے کاموں

کے لئے بکثرت استعمال کئے جاتے ہیں۔ یہ شہروں پر پھینکے جاتے ہیں تاکہ جانوں اور

یہ ہم مختلف وزن اور جسامت کے ہوتے ہیں۔ ذیل کی جدول سے ان کی چند طبی خصوصیات کا بخوبی علم ہو سکیگا۔

نمبر	قسم ہم	لبائی ٹون میں	فطرائیجوں میں
۱	ہلکے خول والے ۲۰۰۰ پونڈ	۱۳۰۹	۲۳۰۹
۲	بھاری خول والے ۱۱۰۰ پونڈ	۵۰۹	۱۲۰۰
۳	اوسط خول والے ۵۵۰ پونڈ	۴۰۹	۱۴۰۹
۴	اوسط خول والے ۲۲۰ پونڈ	۳۰۵	۹۰۹
۵	اوسط خول والے ۱۰۰ پونڈ	۳۰۹	۸۰۹
۶	ادم کش ۲۰ پونڈ	۱۰۹	۴۰۹

ہمیں کی ساخت میں اس بات کا خاص طور پر خیال رکھا جانا ہے کہ ان کے وزن اور ان کے بارود کے وزن میں ایک خاص تعلق قیام رہے تاکہ دھماکو زائد خرچ نہ ہوں اور فائدہ پورا حاصل ہو۔ ہم ہر ملک کے اس قدر مختلف ہیں کہ ان کے متعلق صحیح اعداد و شمار ملنا مشکل ہیں ذیل میں جرمن ہوں کے متعلق اعداد و شمار پیش کئے جاتے ہیں ان کی مدد سے ایک عام اندازہ ہو سکے گا۔

قسم ہم	بارود کا وزن ہم کا وزن فیصدی	کل وزن
ادم کش	۱۶ سے لیکر ۲۱ تک	۲۰ پونڈ
ہلکے خول والے	۵۱ سے لیکر ۶۱ تک	۵۰ پونڈ سے لیکر ۳۰۰۰ پونڈ تک
اوسط خول والے	بہت معمولی	
بھاری خول والے	۲۶ سے لیکر ۴۱ تک	

ابھی تک ہم نے صرف یہ بیان کیا ہے کہ ہم کس قوت سے آکر ٹکراتا ہے۔ اب ہم دوسری بات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں یعنی ہم کے ٹکرانے کے بعد کیا اثرات ہوتے ہیں۔ یہ ظاہر کہ جب ہم کس عمارت سے ٹکرائے گا تو اس میں جو دھماکو مرکبات بھرے ہوتے ہیں وہ فوراً آگے بکڑ لیجے اور وہاں کیمیائی تبدیلیاں واقع ہونگی۔ یعنی دھماکو فوراً کیسوں میں تبدیل ہو جائیگے اور یہ کیسے ہم کے بند خول میں پھیلنا چاہیں گی حقیقت میں کیسوں کا یہ پھیلاؤ اس قدر زبردست ہوتا ہے کہ ہم کا فولادی خول اپنے حجم سے تقریباً ۱ گنا پھیل جاتا ہے اس کے بعد دباؤ کی زیادتی کی وجہ سے پھٹ جاتا ہے اس وقت ان کیسوں کا دباؤ ۶۰۰ ٹن فی مربع انچ سے لیکر ۱۰۰ ٹن فی مربع انچ تک ہوتا ہے لیکن جیسے جیسے یہ کیس پھیلنے جاتی ہیں ان کا دباؤ تیزی کے ساتھ کم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ۵۰۰ پونڈ کے ہم کا دباؤ ۵۰ فٹ کے فاصلہ

ان اعداد و شمار کو دیکھنے کے بعد انسان خوفناک بموں کا اندازہ لگا سکتا ہے اندازہ لگایا گیا ہے کہ اگر ۲۰۰۰ فٹ کی باندی سے ایک ۱۰۰ پونڈ کا ہم کسی عمارت پر پھینکا جائے تو یہ ہم تقریباً ۶۰۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے آکر عمارت سے ٹکرائیگا اور عمارت کو ۶۵ فٹ ٹن حرکی توانائی کا صدمہ پہونچے گا۔ ظاہر کہ معمولی عمارتیں یہ صدمہ برداشت نہیں کر سکتیں اس لئے جیتک کہ ان کو خاص طور پر مستحکم نہ بنایا جائے وہ ہم کے لگنے ہی سمبار ہو جائیں گی۔ حساب لگایا گیا ہے کہ اگر ۵۰۰ پونڈ کا ہم جسکی تراشی کثافت (Sectional Density) پانچ پونڈ فی مربع انچ ہو تو وہ تقریباً ۸۲۵ پونڈ فی سکینڈ کی رفتار سے آکر زمین پر ٹکرائے گا اور فٹوں زمین میں دھس جائیگا۔ ذیل میں ایک نقشہ دیا جاتا ہے جس سے قیاس ہو سکیگا کہ یہ ہم مختلف چیزوں میں کہاں تک ٹکرا کر پیوست ہو جائیگا۔

نام	کھراپی فٹوں میں	نام	کھراپی فٹوں میں
جونے کا پتھر	۳۰۱	ریشیلینی	۲۰۰۱
لوہا ملا ہوا کفریٹ	۲۰۲	اوسط مضبوطی کی زمین	۱۵۰۰
معمولی کنکریٹ	۳۰۳	نرم زمین	۳۴۰۰
پتھر کی جڑائی	۵۰۰	ہلکی زمین	۲۶۰۴
اینٹ کی جڑائی	۱۰۰۰	کاشت دار زمین	۲۳۰۰

معمولی کنکریٹ ۱۶  
مٹی اور بالو ۳۱  
ٹوٹے ہوئے پتھر ۲۵

چنانچہ وہ مقررہ وقت پر پہنچنے والا ہم جو سینٹ ہال پر پھیکا کیا تھا اتنا زبردست تھا کہ جس وقت کہ وہ پھوڑا گیا ہے تو اس نے ۱۰۰ فٹ چوڑا غار بنادیا تھا۔ عام اندازہ یہ ہے کہ ۳۰۰ سے لیکر ۲۲۰۰ پونڈ تک کام ۱۰۰ فٹ سے لیکر ۱۰۰۰ فٹ تک مٹی کے دھڑوں کے کناروں پر جمع کر دینا ہے یا فضا میں منتشر کر دینا ہے اس کے علاوہ زمین میں ایک زبردست زلزلہ پیدا کر دینا ہے کہ مستحکم سے مستحکم عمارت کی بناہل جاتی ہے اور اگر وہ خاص طور پر مضبوط نہ بنائی گئی ہو تو فوراً عمارت منہدم ہو جاتی ہے۔

لیکن یہاں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ہم کے اثرات کا تعلق اسکے وزن کے علاوہ دیگر چیزوں سے بھی ہے۔ کامیاب نشانہ اندر ای اور زاید تباہی کیلئے یہ ضروری ہے کہ ہم زمین پر عمودی اکر کرے وہاں وہ جتنا عمود سے ہٹتا جائیگا، اس کی رفتار کم ہوتی جائیگی اور اس میں اس بات کا احتمال بڑھتا چلا جائیگا کہ ہم زمین پر لگ کر اچٹ جائے اور پوری پوری تباہی نہ پھیلا سکے۔ عام طور پر ہم اس طرح پھیکے جاتے ہیں کہ وہ عمود سے کم سے کم زاویہ بنائیں اکثر ہم ۱۵ سے لیکر ۳۰ تک زاویہ بناتے ہوئے زمین سے ٹکراتے ہیں۔ ذیل کا دیا ہوا نقشہ اس کو بخوبی واضح کرتا ہے۔ یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ جہاز تقریباً ۲۰۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اڑ رہا ہے۔

پر صرف ۶ پونڈ فی مربع انچ رہ جاتا ہے۔ اس پھیلاؤ کے لئے ۱ سکند ڈرکار ہوتے ۱۰۰۰۰

ہیں اور اس وقت کیس ایک دم ۲۰ سے لیکر ۲۵ فٹ کے نصف قطر کے کرہ میں پھیل جاتی ہے اور ان سے مثبت اور منفی لہریں پیدا ہوتی ہیں جسکی لمبائی ابتدا میں تقریباً ۲۰ فٹ ہوتی ہے اور ان کے درمیان ایک سکند کے پانچ ہزاروین حصے سے لیکر ۲۵ ہزاروین حصے تک کا وقفہ لگتا ہے۔ اور ہم کے ۳۰۰۰ سے لیکر ۶۰۰۰ ٹکڑے ہو جانے ہیں جن کا وزن تقریباً ایک اونس کے قریب قریب ہوتا ہے۔ یہ ٹکڑے نہایت تیزی سے فضا میں اڑتے ہیں۔ چنانچہ جس جگہ ہم پہنچا ہے وہاں سے تقریباً ۱۵ فٹ کے فاصلہ پر ان کی رفتار ۴۰۰۰ م سے لیکر ۷۰۰۰ فٹ فی سکند تک ہوتی ہے۔ لیکن ۴ رفتار تیزی سے کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ چنانچہ ۵۰ فٹ کے فاصلہ پر صرف ۲۵۰۰ فٹ سے لیکر ۵۰۰۰ فٹ تک رہ جاتی ہے۔ یہ ٹکڑے بند مقامات پر ۵۰۰ فٹ تک بخوبی انسانوں کو ہلاک کر سکتے ہیں اور کھل ہوتی جگہ پر ۳۰۰ سے لیکر ۱۲۰۰ گز تک تباہی پھیلا سکتے ہیں۔ یہ ٹکڑے اتنی زور سے آکر لگتے ہیں کہ فولاد وغیرہ میں پیوست ہو جاتے ہیں ذیل کے نقشہ سے یہ بخوبی معلوم ہو سکیگا کہ یہ ٹکڑے مختلف چیزوں میں کہاں تک داخل ہو سکتے ہیں۔

کھراٹی انچون میں

۱۶

۱۳

نام

نرم فولاد

ایسٹ کی ٹھوس جڑائی

ہم پہنکتے وقت بلندی فٹوں میں	زمین سے ٹکرانے کا زاویہ	ٹکرانے کی ٹی رفتار سیکنڈ تقریباً
۱۰۰۰	۴۵	۴۰۰
۳۰۰۰	۳۵	۵۵۰
۵۰۰۰	۲۵	۶۲۵
۷۵۰۰	۲۰	۷۵۰
۱۰۰۰۰	۱۹	۸۰۰
۱۲۵۰۰	۱۷	۸۵۰
۱۵۰۰۰	۱۶	۹۵۱

سے فولادی شہیر ہم کے مرکز سے پڑے جھک جاتے ہیں لیکن اس کے بعد ہی جو کہہ بیچنے یا جذب کرنے والی موجیں آتی ہیں وہ ان شہیروں کو ہم کے مرکز کی طرف کہہ بیچ لے جاتی ہیں۔ اور اکثر شکستہ شدہ عمارتوں کو بالکل ڈھیر کر دیتی ہیں۔

ابھی تک ہم نے جون کا عام حال بیان کیا ہے اور ان کی ہلاکت خیزی کا مختصر ذکر کیا ہے لیکن دشمن تباہی کے علاوہ شہر میں دہشت اور ریشائی بھی پھیلا چاہتا ہے چند بچہ جرمین کے یون میں اس قسم کی سیٹیاں لگائی گئیں ہیں جن سے بہت زائد شور پیدا ہوتا ہے اور باشندے خیال کرتے ہیں کہ ہزاروں بم بیک وقت گر رہے ہیں۔ یہ ہم اگرچہ نقصان تو صرف محدود و رقبہ کو پہنچا سکتے ہیں لیکن شہر کے امن و امان میں بہت بڑا خلل پیدا کر سکتے ہیں اس کے علاوہ بعض اوقات دوسری ترکیبیں بھی

ان باتوں کے علاوہ جو اوپر بیان کی گئی ہیں، تین باتیں ہم کے بھٹنے وقت اور دیکھنے میں آتی ہیں۔ ہم کے بھٹنے وقت آگے آگے فولادی ٹکڑوں کی ایک قوس ہوتی ہے اس کے پیچھے دھماکے سے پیدا شدہ کیسوں کا کرہ ہوتا ہے جو موجیں مارتا ہوا تیزی کے ساتھ آگے بڑھتا ہے اس کو ہم جھونکے کی موجیں یا جھٹکے کی موجیں کہہ سکتے ہیں یہ لہریں اسقدر قوت کی حامل ہوتی ہیں کہ بہت کم وقفے میں بڑی بڑی عمارتوں کو گر ادیتی ہیں اور جانداروں کو بری طرح زخمی کرتی ہیں ان کے بعد کہہ بیچنے والی موجیں ہوتی ہیں جو کہ جھونکے والی موجوں کا لازمی نتیجہ ہیں۔ اکثر دیکھتے ہیں آیا ہے کہ ہم سے شکستہ عمارتیں اگر اوہے اور کمتر یٹ کی بنی ہوئی ہوں تو وہ ہم کے مرکز کی طرف جھکی ہوتی پائی جاتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اول تو جھونکے والی موجوں کی وجہ

تقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ماہرین کا خیال ہے کہ جب تک کہ کوئی خاص مستحکم مقام کی تباہی منظور نہ ہو شہر یوں ۲۰۰ پونڈ سے زائد کے ہم کہی استعمال کئے جانگے بائکہ جھوٹے جھوٹے ہم بڑی تعداد میں مستعمل ہونگے۔ اس می نظریہ کو پیش نظر رکھکر ۱۰۰ پونڈ کا ٹوکرا، ایجاد کیا گیا ہے۔ یہ روسیوں کی ایجاد ہے۔ اس کو حقیقت میں بہت بڑا ہم سمجھنا چاہئے جس کا طول تقریباً ۸ فٹ اور قطر تقریباً ۳ فٹ ہوتا ہے۔ یہ ہم دو حصوں میں تقسیم ہوتا ہے جو ایک دوسرے سے ملے ہوتے ہیں۔ جس وقت یہ ہم پھکا جاتا ہے اس کے دونوں حصے فضاء میں علحدہ علحدہ ہو جاتے ہیں اور ان میں سے بہت سے جھوٹے ہم نکل کر منتشر ہو جاتے ہیں اور زمین کے ایک وسیع رقبہ پر کر کر تباہی اور بربادی پھیلاتے ہیں۔ ان کے علاوہ آگ لگانے والے ہم بھی ہوتے ہیں جو بہت زیادہ نقصان کے باعث ہوتے ہیں۔ ان کے لئے ایک علحدہ مضمون کی ضرورت ہے۔ فی الحال طوالت کے خیال سے ان کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔

مستعمل ہوتی ہیں تاکہ بموں کو زائد سے زائد موثر بنایا جاسکے۔ مثلاً بموں میں زبردست دھماکوں کے ساتھ ساتھ زہریلی گیس بھی جاسکتی ہے۔ یا ان میں آگ لگانے والے مسالے رکھے جاسکتے ہیں تاکہ جو املاک تباہ ہو وہ فوراً جلا ہی دی جائے۔ چنانچہ وہ ہم جو جاپان نے رنگون میں استعمال کئے تھے ان کا وزن تقریباً ۱۳۰ من کا تھا ان میں زبردست دھماکوں کے ساتھ ساتھ آگ لگانے والی گولیاں بھی تھیں جنہوں نے ان بموں کو اور زائد خوفناک اور تباہ کن بنادیا تھا۔ مزید برآں یہ بات تجزیوں سے ثابت ہو چکی ہے کہ ایک ۲۰۰۰ پونڈ کے ہم سے اتنی تباہی نہیں پھیلائی جاسکتی جتنی کہ چار ۵۰۰ پونڈ کے بموں سے پھیلائی جاسکتی ہے۔ یا حتیٰ کے ۱۰۰ پونڈ کے ہون سے پھیلائی جاسکتی ہے اتنی ۵۰۰ پونڈ کے ایک ہم سے نہیں پھیلائی جاسکتی۔ اس کے علاوہ ہوائی جہاز پر سے ہم پھیک کر صحیح نشانہ لگانا جبکہ حمز ۲۰۰۰ فٹ کی بلندی پر ۳۰۰ میل کی رفتار سے اڑ رہا ہو تقریباً ناممکن ہے اسلئے اگر بڑا ہم اپنے نشانہ پر نہ لگے تو بجائے ناکامی کے انشا



## ضمنی پیداوار

(محمد حمیس صاحب)

اگر آپ نے آم کے آم اور کٹھلیوں کے دام والی مثل سنی ہے تو اس کو آسانی سے سمجھ جائینگے۔ ظاہر ہے کہ اون کے سلسلے میں کٹھلی خواہ غواہ کو ہاتھ لگتی ہے۔ اگر کسی طور پر کٹھلیاں کارآمد ثابت ہوں اور ان کے دام کھڑے ہو سکیں تو انسان کو کیا کچھ خوشی نہ ہوگی۔ کٹھلیوں کا کارآمد ثابت ہونا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ لیکن فرض کیجئے کہ ایسا ہو بھی گیا تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کون شریف آدمی گھر گھر بھر کر دو دو چار چار کٹھلیاں جمع کرتا پھرے گا۔

بڑے بڑے کارخانوں میں یہ بات ہوتی ہے کہ ضمنی چیز بن بیک وقت کافی بڑی مقدار میں حاصل ہوتی ہیں، ان کی کہ ان بلاؤں سے چھٹکارا پانے میں بھی ایک دقت کا سامنا کرتا پڑتا ہے لیکن چونکہ بڑے بڑے کارخانے واؤن کے پاس روپیہ کافی ہوتا ہے اس لئے وہ کچھ سائنسدانوں کو اس بات کی تحقیق کرنے کے لئے بٹھا دیتے ہیں کہ ان فاضل اشیا سے کیا کیا کارآمد چیزیں بن سکتی ہیں۔ جب اس کا پتہ لگ

سائنس کی بڑھی ترقی کے ساتھ جب بڑے بڑے کارخانے قائم ہونے لگے تو سائنسدانوں کو ایک نئی دقت نے پریشان کرنا شروع کیا۔ وہ دقت ضمنی پیداوار کے استعمال کی تھی۔ اب ان کے ہاتھوں دار ضمنی پیداوار کا مطلب بھی سمجھ لیجئے۔ عام طور پر اس دنیا میں دیکھا گیا ہے کہ جب ہم کوئی چیز بنانے کی کوشش کرتے ہیں تو اس سلسلے میں اصلی چیز کے ساتھ ساتھ خواہ غواہ کی ہمیں دو تین چیزیں اور بھی حاصل ہوجاتی ہیں، جو بظاہر بالکل بے کار معلوم ہوتی ہیں۔ ان ہی بظاہر بیکار چیزوں کو ہم ضمنی پیداوار کہتے ہیں۔ اب آپ کہیں گے کہ جب دنیا کا ہمیشہ ہی سے دستور رہا ہے کہ ہر کام میں فاضل اشیا حاصل ہوں، تو پھر اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟ جو حشر ہمیشہ سے فاضل اشیا کا ہوتا چلا آرہا ہے وہی اب بھی ہونا چاہئے۔ تو اس کے جواب میں آپ کو میرا پہلا جملہ یاد کرنا چاہئے۔ میں نے اکھا ہے کہ یہ دقت بڑے بڑے کارخانوں کے قائم ہونے پر پیدا ہوئی۔ ایسے اب یہ دیکھنے کی کوشش کریں کہ اگر ان بڑے بڑے کارخانوں کے قائم ہونے سے کیا خاص بات پیدا ہو گئی۔

یہ انعام جیت لے کیا۔ اس کے طریقے میں نمک پر سلیفروک ترشے کا عمل کیا جاتا ہے جس سے سوڈیم سلفیٹ اور ہائیڈروکلورک ترشہ کی کیس حاصل ہوتی ہے۔ سوڈیم سلفیٹ کو لکڑی کے کوئلے اور کھریا کے ساتھ گرم کیا جاتا ہے تو سوڈیم کاربونیٹ حاصل ہوتا ہے اور ایک بھاری دھوئیں رنگ کی کیچڑ جیسی چیز بچ جاتی ہے۔

اب اس طریقے میں سوڈے کے ساتھ در ضمنی چیزیں یعنی ہائیڈروکلورک ترشہ اور کیچڑ جو حاصل ہوئیں وہ ابتدا میں سخت تکلیف دہ ثابت ہوئیں۔ ہائیڈروکلورک ترشہ کی کیس فضا میں پھیل جاتی تھی اور عوام کے صحت کے لحاظ سے سخت نقصان دہ تصور کی جاتی تھی۔ اگر کہیں سولوے کا طریقہ پہلے دریافت ہو چکا ہو تو پھر لبلانک کا طریقہ کبھی آگے بڑھ نہیں سکتا تھا۔ لیکن غنیمت ہوا کے میدان ابتدا میں اس کے ہاتھ تھا۔ جب ان ضمنی بلاوں سے جان چھڑانی مشکل ہو گئی تو پھر اس کو کام میں لانے کی فکر لوگوں کو ہوئی۔ اس کو پھر اس طرح کام میں لایا گیا کہ اس سے جو چیزیں بنیں وہ سوڈے سے بھی زیادہ قیمتی ثابت ہوئیں۔ ہائیڈروکلورک ترشے سے رنگ کٹ سفوف وغیرہ حاصل کیا گیا اور کیچڑ بھی بہت بیش قیمت ثابت ہوئی اس کی بدبو کندھک کے سبب تھی ایک طریقہ ایسا دریافت کیا گیا جس سے پوری کی پوری کندھک اس سے نکالی گئی۔ ۱۸۷۲ تک سوڈا بنانے کا اور کوئی طریقہ معلوم نہ تھا اس لئے لبلانک کا طریقہ ہی ہر جگہ

جاتا ہے تو اصلی کارخانوں کے ساتھ ہی ان چیزوں کے چھوٹے چھوٹے کارخانے قائم ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اجمال کارخانوں میں مشکل ہی سے کوئی چیز بیکار جانے دی جاتی ہے۔ سائنسدانوں کا محض یہی کام نہیں ہوتا کہ وہ دیکھیں کہ ضمنی چیز کی مصرف میں لانی حاسکتی ہے یا نہیں بلکہ ان کو یہ بھی دیکھنا ہوتا ہے کہ ضمنی چیز سب سے بہتر کس مصرف میں لانی جاسکتی ہے۔

کہاں تو وہ دن تھے کہ لوگ ضمنی چیزوں سے بڑا مانگتے تھے اور ان کو اپنے کارخانے کی بچتی شمار کرتے تھے اور اب یہ دن آگیا ہے کہ بعض کارخانے اپنے ضمنی پیداوار ہی کے بل پر جلتے ہیں۔ کارخانہ قائم کرتے ہیں ایک چیز کے لئے، لیکن صحیح نفع اٹھاتے ہیں ان چیزوں سے جو کارخانے میں ضمنی طور پر حاصل ہوتی ہیں۔ اس کی سب سے بہتر مثال لبلانک کا طریقہ ہے۔ سوڈیم کاربونیٹ بنانے کے دو طریقے ہیں ایک لبلانک کا طریقہ اور دوسرا سولوے اور نیا کا طریقہ کہلاتا ہے۔ سولوے کا طریقہ لبلانک کے طریقے سے بہت آسان اور سستا ہے لیکن لبلانک کے طریقے میں ضمنی طور پر رنگ کٹ سفوف اور کلورائیٹ وغیرہ حاصل ہو جاتے ہیں۔

سوڈا یعنی سوڈیم کاربونیٹ بہت اہم چیز ہے۔ ایک بار فرانسسیسی اکیڈمی نے یہ اعلان کیا کہ جو شخص نمک سے سوڈے کی تیاری کا کامیاب طریقہ دریافت کرے گا اس کو سو ہاونڈ انعام دیا جائیگا۔ لبلانک (۱۷۵۲-۱۸۰۶) میدان میں آیا اور



ان کارخانوں میں کوئلے سے جب گیس نکالی جاتی تھی تو ضمی طور پر ایک نہایت بدبودار، سیاہ، چکنی چیز نکلتی تھی جو تارکول کہلاتی تھی یہ بد بخت چیز اس قدر تکلیف دہ تھی کہ کارخانے والے اس سے پریشان رہتے تھے اس کو رکھنا اور پھینکا دونوں مشکل تھا۔ رکھی جائے تو بے کار چیز جگہ کہہ رہے ہوئے رہتی تھی پھینکی جائے جو جس جگہ ڈالی جائے اس کو بد بو سے خراب کر دے جس دریا یا تالاب میں گرائی جائے اس کے پانی کو ناقابل استعمال بنادے اس لئے مجبوراً کارخانے والے اس کو آبی سے بہت دور پھینکوانے تھے اور اس سلسلے میں کافی نقصان اٹھانے تھے۔ اس کے علاوہ ایک اور پانی جیسی چیز نکلتی تھی جس کو امونیاوی مائع کہا جاتا تھا کیونکہ اس کے اندر سے امونیا جیسی بو نکلتی رہتی تھی۔ یہ چیز بھی ایک آفت تھی۔ اس کو بھی پھینکوا یا جاتا تھا یا جرمائنگٹا تھا اس کو اونے پونے دے دیا جاتا تھا۔

غرض کہ کوئلے سے جب گیس نکالی جاتی تھی تو دو ضمی چیزیں حاصل ہوتی تھیں۔ تارکول اور امونیاوی پانی۔ اب کو کارخانے والے ایک خواہ غواہ کی پریشانی تصور کرتے تھے۔ لیکن بے چارے کو کارخانے والوں کو معلوم نہ تھا کہ جس چیز کو وہ آفت سمجھ رہے تھے وہ ان کے لئے سب سے بڑی راحت کا سامان پیدا کرنے والی تھی۔ ان دونوں ضمی چیزوں پر کیمیا دانوں نے تجربے شروع کئے اور دنیا کو بتا دیا کہ جو چیزیں بے کار سمجھی جاتی

استعمال ہوتا رہا لیکن اس سال بلجیم کے مشہور کیمیا دان ارنسٹ سولوے نے ایک دوسرا طریقہ ایجاد کیا جو آج تک اسی کے نام سے مشہور ہے۔ غالباً سوڈا بنانے کا اس سے بہتر اور کوئی طریقہ نہیں ہے۔ اس میں لبلانک کے طریقے سے ادما ایندھن استعمال ہوتا ہے اور کوئی کیچڑ یا رسوب باقی نہیں بچتا۔ اس نئے طریقے کے ایجاد ہونے ہی لبلانک کے طریقے کو طبیعت موت مرجانا چاہتے تھے لیکن وہ زندہ رہا اور اب بھی زندہ ہے۔ اور جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے بہت سے کارخانے والے سوڈا بنانے کے لئے لبلانک کے طریقے کو خاص کر اسی لئے استعمال کرتے ہیں کہ سوڈے کے ساتھ ساتھ اس میں زنگ کٹ، سفوف اور گندک وغیرہ بھی کو یا مفت ہی دستیاب ہو جاتا ہے۔

یہاں تک تو سوڈے کے متعلق ہوا اب کوئلے کو لیجئے کوئلے کو آج کل سیاہ سوڈا کہا جاتا ہے۔ اور صحیح معنی میں یہ اس قدر بیش قیمت چیز ہے کہ سوڈا اس کے ہاسک نہیں آسکتا۔ ایک زمانے میں کوئلے سے گیس نکالی جاتی تھی جس کو جلانے کے کام میں لایا جاتا تھا۔ اس کے بڑے بڑے کارخانے تھے۔ کوئلے کو بند بھٹیوں میں گرم کیا جاتا تھا اور اس سے جو گیس نکلتی تھی اس کو ٹائپ کے ذریعے مختلف جگہوں میں پہنچایا جاتا تھا اور پھر اس کو روشنی یا حرارت حاصل کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ گیس نکل جانے کے بعد جو کوئلہ بچ جاتا تھا وہ ہلکا کوئلہ ہوتا تھا۔ جلانے کے لئے بہتر ہوتا تھا کیونکہ اس میں دھواں نہ ہوتا تھا۔

سے امونیا نکال لی جاتی ہے اور اس سے امونیم سلفیٹ تیار کی جاتی ہے جو کاشتکاری میں کھاد کی حیثیت سے کثرت کے ساتھ استعمال ہوتی ہے۔

ایک بڑے لوہے کے کارخانے پر نگاہ ڈالئے تو اس میں ضمنی پیداوار کا تماشا نہایت خوبصورتی سے نظر آتا ہے۔ لوہے کی یکدھاتوں کو کونلے کے ساتھ جلایا جاتا ہے۔ لیکن کونلے کو اس میں استعمال کرنے سے پہلے ہلکا کر لیا جاتا ہے۔ یعنی اس کی ساری صعود پذیر اشیا کو نکال لیا جاتا ہے۔ اس کام کے لئے کونلے کی بڑی بڑی بند بھٹیاں ہوتی ہیں۔ پہلے بھٹیاں کھلی رہتی تھیں اور کونلے کا دھواں اڑ جایا کرتا تھا لیکن حب لوگوں کو معلوم ہوا کہ اس دھوین میں سیکڑوں بیش قیمت چیزیں پوشیدہ ہیں تو اس کو جمع کرنے کا انتظام کیا گیا۔ اور اب بھٹیوں کے اوپر بڑے بڑے نل لگے ہوئے ہیں جن کے ذریعے دھواں اور گیس کو محفوظ کر لیا جاتا ہے۔ گیس جو اس طرح حاصل ہوتی ہے اس کو پھر ان ہی بھٹیوں کو جلانے اور گرم رکھنے کے کام میں لایا جاتا ہے۔ لیکن جلانے سے قبل گیس اور دھوین میں جو کول تار، امونیا اور بڑول وغیرہ ہوتا ہے اس کو الگ کر لیا جاتا ہے۔ اور پھر ان سے، ساتھ کے کارخانوں میں، طرح طرح کی چیزیں بنائی جاتی ہیں۔

کونلے سے جو کچھ نکلتا تھا جب نکل چکتا ہے تو یہ مسام دار اور ہلکا ہو جاتا اور پھول جاتا ہے۔ اس کو اصطلاح میں کوک کہتے ہیں۔

تھیں وہ نہ صرف یہ کہ باکار تھیں بلکہ اس قدر بیش قیمت تھیں کہ ان کے مقابلے میں کونلے کی کیس کوئی حقیقت نہیں تھی۔

تارکول سے اس وقت تقریباً دو ہزار رنگ نکالے جاتے ہیں۔ اور ان کی خوبصورتی ایسی ہے کہ قوس قزح کے رنگ ان کے سامنے ماند پڑ جائے ہیں۔ دلچسپی کی خاطر آپ کو اتنا بتا دینا کافی ہوگا کہ ایک ٹن کونلے سے اتنا رنگ نکل سکتا ہے کہ اس سے اگر ایک ہون کز چوڑے نل لائن کے تھان کو رنگا جائے تو زرد رنگ سے دو میل، سرخ رنگ سے دیرھ میل، بنفشی سے ہون میل، شوخ قرمزی سے چودہ سو فیٹ، رُکی رڈ سے سات سو فیٹ، اور نارنجی سے تین سو ستر فیٹ لائے تھان رنگے جاسکتے ہیں۔

اور ایک رنگ بھی پر کیا، موقوف ہے تارکول کی جدید زمانے میں اتنی اہمیت ہے کہ ہماری روزانہ زندگی میں کام آنے والی شاید ہی کوئی چیز ہو جس میں تارکول سے نکلی ہوئی اشیا کسی نہ کسی طرح کام نہ آتی ہوں۔ رنگوں کے علاوہ تارکول کی کشید سے بڑول حاصل ہوتا ہے جسے موٹروں میں پٹرول کی جگہ، حلایا جاسکتا ہے، بچ حاصل ہوتا ہے جسے سڑکوں پر بچھایا جاتا ہے۔ کریوسوٹ ایل حاصل ہوتا ہے جس سے نفٹلین اور کاربولک ترشہ تیار ہوتا ہے۔

کاربولک ترشہ سے جراثیم کشی کے علاوہ پکڑک ایسڈ تیار کیا جاتا ہے جس سے زبردست دھماکو مسالے تیار ہوتے ہیں۔ امونیاوی پانی

پائپوں پر چڑھا دیا جاتا ہے جس کے سبب ان کی گرمی باہر جانے نہیں پاتی۔ بعض طریقوں کو کام میں لا کر اس کو روٹی کی طرح دھن دیا جاتا ہے اور پھر اس سے جو غیر موصل چیزیں بنائی جاتی ہیں وہ اسبسٹوس کی چیزوں سے بھی بہتر ہوتی ہیں۔

آپ نے دیکھ لیا کہ ایک لوہے کے کارخانے میں، جس کا صحیح مقصد صرف لوہا تیار کرنا ہونا چاہئے تھا، خواہ مخواہ کی متعدد ضمی چیزیں تیار ہو جاتی ہیں، جو اپنی اہمیت کے سبب سے کارخانے والوں کو بہت فائدہ پہنچا دیتی ہیں۔ اسی طرح کسی کارخانے پر نظر ڈالئے تو اس کے ساتھ ساتھ متعدد کارخانے ایسے نظر آئینگے جو ضمی پیداوار کی خواطر قائم ہو کئے ہیں۔ ابھی حال حال کی بات ہے کہ ہندوستان میں شکر کی صنعت کو بہت ترقی ہو گئی ہے۔ شکر کی صفائی کے دوران میں ٹنوب شیرہ (Mollascas) ضمی پیداوار کے طور پر حاصل ہوتا ہے۔ لیکن اس سے کوئی خاص کام نہیں لیا جاتا اس کو سستے داموں بیچ دیا جاتا ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ اس کا استعمال یہ ہوتا ہے کہ تمباکو بنانے والے اس کو تمباکو میں مٹھاس پیدا کرنے کے لئے ڈالتے ہیں۔ لیکن ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ ہندوستان میں پٹرول نہیں ہے جو آتا ہے باہر سے آتا ہے۔ اب سوائے اس کے چارہ نہیں کہ مصنوعی طور پر پٹرول یا تو کوئلے سے بنایا جائے یا پھر شکر یا اس کے شہرے سے الکوحل بنایا جائے جس سے گاڑیاں چل سکیں۔ شکر کا نصف، ظاہر ہے کہ موثر

اس کوک کو لوہے کی یکدھات میں ملایا جاتا ہے اور اس کے ساتھ چونے کا پتھر بھی ہوتا ہے۔ جب اس امیزہ کو بھٹیوں میں ڈال کر جلایا جاتا ہے تو یہ سارا مادہ پگھل جاتا ہے۔ لوہا گلی کر الگ ہو جاتا ہے اور لوہے کی یکدھات میں جو کچھ لوٹ تھا وہ چونے سے مل کر ایک رقیق مادے کی حیثیت سے باہر نکل کر جم جاتا ہے۔ اسے کارخانے والے سلینگ کہتے ہیں۔ یہ بھی ایک ضمی چیز ہے۔ جس کو ابتدا میں بہت دور لے جا کر بھیکا جاتا تھا۔ اور اب بھی بعض کارخانوں میں ایسا ہی کیا جاتا ہے اور ان کے اطراف سلینگ کے بڑے بڑے پہاڑ کھڑے نظر آتے ہیں۔ لیکن اب اس چیز کو بھی ایک خاصی اہمیت ہو گئی ہے۔ جرمنی اور امریکہ میں اس سے نہایت اعلیٰ درجے کی سمٹ بنائی جاتی ہے۔ بسیمیر کے طریقے پر لوہا بنانے میں جو سلینگ نکلتا ہے اس کو پیس کر کھاد کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اس میں فاسفورس ہوتا ہے۔ فاسفورس لوہے کو خراب کرتا ہے لیکن سلینگ کو کھاد کی حیثیت سے مفید بناتا ہے۔ اس لئے لوہے کی جتنی صفائی کی جائے گی، اس سے جس قدر فاسفورس نکال کر باہر کر لیا جائیگا، اتنا ہی سلینگ بھی کھاد کے لحاظ سے اچھا ہوگا۔ سلینگ میں جتنی مقدار فاسفورس کی ہوتی ہے اسی لحاظ سے اس کی قیمت اٹھتی ہے۔

سلینگ کا کام یہیں پر ختم نہیں ہو جاتا ہے۔ اس سے نہایت اعلیٰ درجے کے حرارت کے غیر موصل غلاف بنائے جاتے ہیں جن کو اسٹیم

استعمال کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائے۔

ہڈیوں، کھالوں اور انتوں سے جن کو ہم اور آپ بے کار سمجھتے ہیں وہ سریش اور جلیں جیسی کارآمد چیزیں تیار کرتے ہیں۔ دراصل جن بافتوں (Tissues) سے سریش اور جلیں بنتے ہیں وہ جانوروں کی ہڈیوں، آنتوں اور کھالوں ہی میں پائے جاتے ہیں۔ گرم پانی میں ان کو ابانے سے سریش بنانے والی چیزیں کھل کر الگ ہو جاتی ہیں۔ اور پھر جب اس محلول کو تبخیر کرتے ہیں تو جیل قسم کی ایک چیز حاصل ہوتی ہے جس کو سریش یا جیلین کہتے ہیں۔ سریش دراصل جیلین کی غیر خالص شکل کو کہتے ہیں۔ جو کہ لکڑی کاغذ اور چمڑا وغیرہ چپکانے کے کام آتا ہے۔

جیلین ایک قسم کا پروٹین ہوتا ہے جس کے بذات خود بے شمار فوائد ہیں۔ سب سے پہلے تو یہ بحیثیت پروٹین ہونے کے غذا کے کام میں آتا ہے۔ بچوں کو حو گائے کا دودھ پلاتے ہیں اس میں ملا دینے سے معدے میں ایک قسم کی دھمی کے بڑے بڑے ٹکڑے ہیں بنتے جو کہ ولسے دودھ اور معدے کے اندر کے ترشوں کے ملنے سے بن جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ بیماری میں پھیر وں کی ہڈیوں سے نکلا ہوا جیلین آپ خود بھی نوش فرما سکتے ہیں۔ آسکریم کے کارخانوں میں بھی اس کی بے حد ضرورت پڑتی ہے۔ یہ برف کے بڑی بڑی قلبیں بننے سے روکنا ہے۔ دودھ کے شیرے (Emulsion) کو قائم رکھتا ہے اور آسکریم کو جسمیت بخشتا ہے۔ اس کے علاوہ دوا کی

میں ڈالتے سے بہتر، لوگوں کو معلوم ہے۔ اس لئے اب رہ گیا شیرہ جو اب تک ایک غیر اہم ضمنی حاصل تھا۔ اب اس کو کام میں لایا جانے لگا ہے۔ حیدرآباد میں بودھن شکر فیکٹری کے ساتھ اب ایک پاور الکوحل کا کارخانہ قائم کیا گیا ہے جس میں اسی شیرے سے لاکھوں کیلی پاور الکوحل تیار کیا جا چکا ہے اور برابر تیار ہو رہا ہے اس طرح حو چیز تقریباً بے کار جاتی تھی اب بہت کام کی ہو گئی ہے۔ کتنے سے رس نکال لینے کے بعد صرف کھوٹیا (کھوجڑ) بیج جاتا ہے۔ اس کو ہندوستان میں تو عام طور پر جلا ڈالتے ہیں لیکن مغربی ممالک میں اس ضمنی چیز سے بھی پورا فائدہ اٹھایا جاتا ہے اور اس سے موٹا کاغذ اور دہتی وغیرہ بنائی جاتی ہے۔

آپ نے ضمنی پیداوار کے متعلق بہت کچھ سن لیا لیکن اس سلسلے کی سب سے دلچسپ مثال غالباً شکار کو کی گوشت بھججنے والی کمپنیاں ہیں۔ کیونکہ وہاں کی حالت یہ ہے کہ وہاں حو جانور گوشت کے لئے ذبح کئے جاتے ہیں ان کا ایک بال بھی ضائع نہیں ہونے دیا جاتا۔ اب سنٹے کہ کیسے۔

ہم آپ تو ایک جانور کی زیادہ سے زیادہ بھی قدر کر سکتے ہیں کہ گوشت کھا جائیں کھال بیچ دیں اور ہڈیاں اور دیگر لوازمات کتوں کو ڈال دیں چلتے فرصت ہو گئی۔ لیکن شکار کو کی گوشت بھججنے والی کمپنیوں کے لوگ اس کے قابل نہیں وہ تو جانور کے ایک ایک جز کو

والوں کے حوالہ کیا جائے اس سے روغن پھوڑا لیتے ہیں۔ اس روغن سے صابون اور حسن و جمال کی آرائش کے لئے نوع نوع کے تیل اور عطریات اور دوسرے سامان بنتے ہیں۔  
قبل حل گانے کا گوشت لرزہ میں طافت کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ یہ بہاے می سے مضمت شدہ اور گرشت کی ایک مرکب شکل ہوتی ہے۔

آنتوں سے ساوسج کے، حوکہ ایسے گوشت سے بنائے جاتے ہیں جس کے ویسے بکھنے کی کوئی وجہ نہیں ہوتی، خول بنائے جاتے ہیں۔

الغرض اس کے علاوہ گلیسرین، منہ دھونے کا پوڈر، سینڈ پیپر، برش وغیرہ سب می چیزیں تیار ہوتی ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ ایک لاکھ بھڑوں کے غدد جمع کر کے آدہ سیر سپر اپنیل (Suprarenelin) تیار کی جاتی ہے۔ جو کہ نازک آپریشنوں کے لئے ایک بہت ہی کارآمد دوا ثابت ہوتی ہے۔ کوکین کے ساتھ اس کا انجکشن دینے سے آنکھ، ناک، اور دوسرے نازک اعضا کا بلا خون نکالے ہوئے آپریشن ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ جراحی کے صدمے کے سبب ہاکور و فارم کی وجہ سے حس مریض کے خون کا دباؤ کم ہونے لگتا ہے تو اس کا انجکشن اس دباؤ کو بڑھا کر جان بچا لیتا ہے۔

اس مثال سے اب آپ اچھی طرح اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ضمی پیداوار کا استعمال کس حد تک ترقی کر چکا ہے۔

کولیوں پر چرہانے اور کولیاں رکھنے کی جہل ڈیان (Capsules) بنانے میں بھی کام آتا ہے۔ جیلیٹن کے پوسٹم ڈائکرو ویت کے ساتھ روشنی میں ملنے سے ایک قسم کی جیلی بنتی ہے جو سوکھنے کے بعد کسی چیز میں نہیں کھلتی۔ اس خاصیت کو فوٹوگرافی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ چنانچہ فوٹوگرافی کے لئے پلیٹ، فلم، اور کاغذ سب اسی اصول پر بنائے جاتے ہیں۔

یہ تو سریش اور جیلیٹن کا تذکرہ ہوا جو کھالوں، ہڈیوں اور آنتوں کو ابالتے سے حاصل ہوتے ہیں۔ اس کے بعد سینک، کھر اور ہڈیوں کا نمبر آتا ہے۔ جن سے ہٹن، پائپ، بالوں میں لگانے کا بن اور شکاری چاقوں کے ہینڈل وغیرہ بنائے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ بندوق بھی ہڈیوں کے کوئلہ می سے سخت کی جاتی ہے۔

خون میں الومن ہوتا ہے۔ اس سے کسی چیز میں تحلیل نہ ہونے والی ایک قسم کی چھاپنے کی روشنائی بنتی ہے۔ اس کے علاوہ چمڑے کی جھک اور شکر کی دل آویز سفیدی بھی اسی کا نتیجہ ہوتی ہے۔

خشک خون، ہڈیاں، زمین پر کری بڑی بڑی کار بھری، کھر اور سینک بڑے براز ناٹروجن کھاد کا کام دیتے ہیں۔ اور اسی کھاد کو جب ہم ترشی فاسفیٹ کے ساتھ ملائے ہیں تو اس یوں سمجھئے کہ ناکارہ زمین بھی سونا اگلنے لگتی ہے۔

اون سے کپڑے کل وغیرہ بنتے ہیں لیکن قبل اس کے کہ اون کپڑے کے کارخانے

آپ کو یہ سن کر تعجب ہوگا کہ کوڑے کرکٹ کو جلانے سے اتنی قوت حاصل کی جاسکتی ہے کہ اس سے شہر میں روشنی کی جائے اور گاڑیاں چلائی جائیں۔ بہت سے جدید شہروں میں کوڑے کرکٹ کو اہم ضمنی پیداوار سمجھا جاتا ہے۔ اور حالانکہ ایندھن کے نقطہ نگاہ سے کوڑے کرکٹ اور کوئلے میں کوئی مناسبت نہیں، ایک من کوئلہ جلانے سے جو بات حاصل ہوتی ہے اسی کے لئے پانچ سے پندرہ من کوڑا جلاتا بڑا ہے اور پھر یہ کہ یہ آسانی سے جل بھی نہیں سکتا، اس کے لئے خاص قسم کے چولہے بنائے جاتے ہیں، لیکن ان ساری دقتوں کے باوجود کوڑے کو جلایا جاتا ہے اور اسی کندی، بدبودار، جراثیم سے بھری ہوئی ناپاک چیز سے اتنی بجلی پیدا کی جاتی ہے کہ اس سے پورا شہر روشن کیا جاتا ہے اور جو بجلی بیچ رہی ہے اس سے گاڑیاں چلائی جاتی ہیں۔

اور کچھ کارخانوں پر ہی موقوف نہیں ہے خود آپ کا کھر، آپ کا شہر اس کے بازار اس کی سڑکیں اور گلیاں اسی جگہیں ہیں جہاں ہر وقت ضمنی پیداوار ہوتی رہتی ہے۔ کوڑا کرکٹ آپ نے ادھر ادھر پھینکا ہوا اور مختلف جگہوں میں جمع کیا ہوا دیکھا ہوگا۔ اور اسے محکمہ صفائی والوں کو گاڑیوں میں لاد لاد کر لے جاتے ہوئے اور شہر سے دور میدانوں میں ڈالتے ہوئے بھی دیکھا ہوگا۔ یہ چیزیں آپ کی روزانہ زندگی کے کارخانے کی ضمنی پیداوار ہیں جب تک آپ ہیں کوڑا کرکٹ بھی رہے گا اور روزانہ پیدا ہوتا رہے گا۔ اب یا تو آپ روپے خرچ کیجئے گاڑیوں میں لادیے اور اسے شہر سے باہر پھینک دیجئے اور اس کے پہاڑ کے پہاڑ کھڑے کر دیجئے اور اچھی خاصی زمیں کے ایک بڑے رقبے کو برباد کر دیجئے یا پھر عقل سے کام لیجئے اور اس بے کار چیز کو باکار بنائے۔



دوست - (حیوانیات کے طالب علم سے) بتاؤ کونسی مچھلی کی آنکھیں قریب قریب ہوتی ہیں۔  
طالب علم - مجھے تو کوئی ایسی خاص مچھلی نہیں معلوم۔  
دوست - چھوٹی مچھلی کی۔

## جسمانی اعمال پر کیمیائی تصرف

(ترجمہ از۔ محمد زکریا صاحب مائل)

کے طرز اور نمونے نظر انداز کر کے ان میں بے مقصد طور پر ادھر ادھر پہرنے پر قانع رہے گا۔ دوسری طرف، اگر شہر کی تاریخ ایسے موہنے اور لبھانے میں کامیاب ہوئی تو وہ بہت جلد لندن کے خاکے کا ایک ایسا صحیح اور صاف نقش قائم کر لے گا جسے ایک عالی و معمولی سیاح ہر کو پسند نہ کرے گا۔ فعالیت کا ماهر نقشہ کش یا جادو قبول کرنے والے سیاح سے مشابہ ہے۔ وہ عضویہ کی پیچیدہ فعالیتوں سے دلچسپی رکھتا ہے اور اسکے باوجود اسکی قابل مشاہدہ ساخت سے کوئی بڑا گہرا یا قریبی تعلق نہیں رکھتا۔ ماهر شکلیات (Morphologist) یا ہر تشریح کی مثال اس سیاح کی سی ہے جو (Baedeker) ہاتھ میں لئے ہوئے لگاتار اس تلاش میں رہتا ہو کہ اصولی طور پر اپنے آس پاس کی مشغول زندگی سے محفوظ تاریخی دلچسپی کے مناظر ڈھونڈ نکالے۔

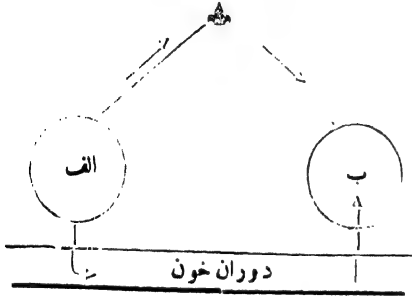
نغمز مائے کے مخصوص اعمال یا اسکی قومی و اہم صفات بھی ایسی ہی ہیں خواہ عضویہ کیسا ہی پیچیدہ یا سادہ ہو۔ سادہ ترین فرو محض خلیہ یعنی نغمز مائے کا ایک دقیق جو ایک تو وہ چھوٹے سے

مادہ حیات یا نغمز مایہ کو کسی نادر یا انوکھے کیمیائی عنصر پر مشتمل نہیں ہوتا تاہم وہ اسامی طور پر غیر ذی حیات مادے سے مختلف ہوتا ہے۔ یہ مادہ ہمیشہ مرتب و منظم ہوتا ہے۔ زندہ مادے کی وحدت سالہ نہیں بلکہ عضویہ ہے۔ مزید براں عضویہ ہمیشہ پہلے سے موجود رہنے والے عضویوں سے وجود میں آتے ہیں۔ اسی وجہ سے نغمز مائے کی مرئی ساخت کا مطالعہ تاریخی مطالعے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس صورت میں حیاتیات کا علم جو زندہ مادوں یا جسموں کے علم کا دوسرا نام ہے دو گونہ فرائض رکھتا ہے۔ (۱) نغمز مائے کے وظائف و فعالیت کا بیان کرنا اور (۲) عضویہ کی مختلف ساختوں کا انکی تاریخ یا ارتقا کی روشنی میں مطالعہ کرنا۔

اس مفہوم کو ایک تشبیہ سے زیادہ واضح کیا جاسکتا ہے۔ فرض کیجئے کہ ایک شخص اپنے آپ کو لندن میں پاتا ہے۔ اگر وہ نا تجربہ کار اور نا واقف قسم کا عالی شخص ہے تو وہاں کی چھوٹی اور پیچ در پیچ سڑکوں میں بری طرح کہو جائے گا۔ لیکن اگر اسے اپنے گرد و پیش کی زندگی سے پہلے سے دلچسپی ہے تو وہ سڑکوں

افعال ہیں۔ دوسرا کام یہ ہے کہ توازن عضوئے کے اندر اس غرض سے قائم رہے کہ وہ ماحول پر ایک اکائی کے طور پر اثر انداز ہوگا۔ اسی چیز کو دائرہ کے اندر کے متخالف تیروں سے ظاہر کیا گیا ہے۔ اعضا کو اپنے فرائض موزون و متوافق طور پر انجام دینا چاہئیں ان کے ایسا کرنے کا۔ مفہوم یہ ہوگا کہ ایک کی فعلیت دوسرے کی فعلیت پر اثر ڈالنے کے قابل ہے۔

اعصابی مرکز

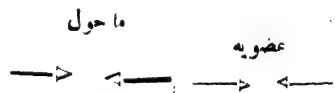


شکل نمبر (۲)

یہ کام دو صورتوں سے انجام پاتا ہے جو شکل نمبر (۲) میں ظاہر کی گئی ہیں۔ (الف) کی فعلیت اعصابی نظام کی وساطت سے (ب) کو متاثر کرتی ہے جو خراش پذیری اور ابصالی میں خصوصی مہارت رکھتا ہے۔ (الف) ایک عصبی حرکت (ایک کیمیائی تغیر) ترتیب دیتا ہے جو دماغ یا حرام مغزین جہاں ایک دوسرا عصبی خیلہ واقع ہے عصبی دشتے پر عصبی مرکز تک فی ممکنڈ سوٹ کی رفتار سے جاری رہتی ہے۔ اس خلیے میں ایک دوسری عصبی حرکت شروع ہو جاتی ہے جو خلیے سے متعلق عصبی دشتے پر روان و دوان

کردی جسم یا نواہ پر مشتمل ہے۔ ماہر کے لئے سب سے زیادہ دلچسپ چیز عضوے ہیں خواہ ہمارے اجسام کی طرح کتنے ہی پیچیدہ کیوں نہ ہوں کیونکہ ان اجسام کے اندر رحمت و مشقت یا انکے متعلقہ کام منقسم ہیں اور خلیوں کے گروہ خاص خاص اور اہم فرائض ادا کرنے میں خصوصی مہارت رکھتے ہیں مثلاً خراش پذیری ابصالی، حرکت یا تولید۔ خلیوں کے اسی قسم کے خصوصی مہارت یافتہ گروہ سے اعضاء عضلات، دماغ اور بھیڑے وغیرہ وجود میں آئے ہیں۔

اب یہ معلوم ہونا چاہئے کہ عضویہ کی حسامت یا پیچیدہ کی خواہ کتنی اور کیسی ہی کیوں نہ ہو وہ دو کام ضرور کرتا ہے جنہیں شکل نمبر (۱) میں ظاہر کیا گیا ہے۔



شکل نمبر (۱)

ایک تو وہ اپنے ماحول کے ساتھ اپنا توازن برقرار رکھتا ہے جیسا کہ تیر کے نشانات سے عیاں ہے جن کے سرے دائرہ کی بیرونی سمت میں ایک دوسرے کی طرف نمایاں ہیں۔ اس کے مثالیں کھانے اور پانی کی تلاش، مفرط حرارت یا برورد کے ضرر سے بچنے کی کوشش وغیرہ۔



کا سبب بننے والے مادے کی ساخت عضوے میں تبدیلیاں رونما کرتی ہے جو اس مادے کی تباہی کا وسیلہ بنتی ہیں۔

زندہ خلیوں کے خصوصی کروہوں کے درمیان بعض کروہ ایسے بھی ہیں جو "افرازات"، نامی مادوں کو اتمام تک پہنچاتے ہیں۔ ان خلیوں کا ایک کروہ ایک غدہ ہے۔ اس غدے میں قنات یا نلکی موجود ہوتی ہے جس میں سے یہ افرازات گزر کر جسم کی سطح تک پہنچتے ہیں جیسا پسینے کی صورت میں واقع ہوتا ہے جو جلد کو نم کرتا ہے یا لعاب یا تھوک پیدا کرتا ہے جس سے منہ تر رہتا ہے۔ علم افعال اعضا یا فعلیات میں جو ترقیاں ہوتی ہیں ان میں نہایت دلچسپ چیز غدے کی ایک خاص شکل کی شناخت ہے جس میں کوئی قنات نہیں اور اس کے باوجود وہ اپنے افرازات کا ترشح براہ راست خون پر کرتا رہتا ہے۔ یہ غدہ اندرونی افراز کا یا درون افرازی عضو ہے۔ یہ خون کے اندر ایک ایسا مادہ پہنچاتا ہے جو غذا کی طرح توانائی کا منبع تو نہیں ہوتا مگر دوران خون میں داخل ہونے کا مخصوص فرض ادا کرتا ہے اور دوسرے اعضا تک پہنچ کر ان کی فعلیت کو درست و باقاعدہ بناتا ہے۔

### غید قناتی غدود کی رطوبت

درون افرازی عضو سے جو رطوبت پیدا ہوتی ہے وہ ہارمون (اکسانے والا کاشتہ) کہلاتی ہے۔ ہارمون دوسری عضوی پیداواروں کے مقابلے میں کم سالماتی وزن

رہ کر (ب) کے اندر ایسی کیمیائی تبدیلیاں پیدا کرنے لگتی ہے جو اسکی فعلیت کو کھٹاتی یا بڑھاتی رہتی ہیں۔ اس نوع کی مطابقتیں جو اعصاب اور مراکز اعصاب پر مشتمل ہیں انعکاسی اعمال کہلاتی ہیں اور سرعت اور نہایت مختصر دوران ان کی نمایان خصوصیت ہے۔

اس موقع پر ہمیں (الف) کی (ب) پر مطابقت کے زیادہ سست اور زیادہ ابتدائی طرز پر غور کرنا ہے جو دوران خون میں واقع ہوتی ہے (الف) کی فعلیت کے نتیجے کے طور پر کچھ مادہ اس قسم کا پیدا ہوتا ہے جو خون میں داخل ہوتا ہے اور دوران خون کے ذریعہ سے (ب) تک پہنچتا ہے۔ یہاں (ب) اسے جذب کرتی ہے اور نتیجہ (ب) کی فعلیت میں کمی یا بیشی رونما ہوتی ہے مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ جب ورزش کی جاتی ہے تو عضلہ میں ایک ترشہ پیدا ہوتا ہے جسے لینی ترشہ یا لیکٹک ایسڈ کہتے ہیں اور خون کے دوران میں شامل ہو جاتا ہے۔ یہ ترشہ جو تھب و تکان کا موجب ہے دوسرے عضلات میں پہنچتا ہے جو اسے جذب کرنے ہیں اور ان سے عمل کٹے بغیر خستگی اور تھکن کی علامات ظاہر ہونے لگتی ہیں۔ پھر یہی ترشہ خون سے حصہ دماغ تک جاتا ہے جو

تنفس میں باقاعدگی پیدا کرتا ہے۔ یہاں مرکز تنفس کے خلیے اسے جذب کرتے ہیں اور تنفس کی سرعت اور گہرائی میں اضافہ ہو جاتا ہے تاکہ خون کو آکسیجن زیادہ مہیا ہو سکے اور آکسیجن کی ضرورت مادہ تکان یعنی لیکٹک ایسڈ کو تباہ کرنے کے لئے پیش آتی ہے۔ اس طرح تکان

انسولین کے انجکشن بار بار دے جائیں تو قابو میں آسکتی ہے۔ جیسے ہی انسولین صناعی طور سے جسم میں پہنچتی ہے، باقیے ایک بار پھر شکر کو منع توانائی ہونے کی حیثیت سے استعمال کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں اور پہلے کی طرح اس غذا کی کثیر مقدار مہیا کر سکتے ہیں۔ مریض کا وزن بڑھنے لگتا ہے اور جب تک یہ علاج جاری رہتا ہے اس میں طاقت پیدا ہوتی رہتی ہے۔ اگر انسولین کا انجکشن ترک کر دیا جائے تو مرض بھر عود کر آتا ہے۔

یہ معلوم کرنا دلچسپی کا باعث ہو گا کہ مچھلی بالگئے کے لبلبے سے تیار کی ہوئی انسولین انسانی ذیابیطس پر بھی قابو پاسکتی ہے۔ انسولین خواہ کسی ماخذ سے بنی ہو ایک ہی ہے۔ مچھلی کے خون میں جو انسولین ہے وہ بھی ایسا ہی کیمیائی مرکب ہے جیسا انسانی خون کی انسولین میں ہوتا ہے۔

ہارمونوں کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ وہ جسم کے اندر تیزی سے تباہ ہو جاتے ہیں۔ جیسے ہی وہ خون کے اندر پیدا ہو کر مختلف اعضا کی فعلیت میں تغیر و تبدل پیدا کر چکے ہیں ویسے ہی ان کی ضرورت ختم ہو جاتی ہے اور تباہی کا پیام آپہنچتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ اگر ہارمون منہ کے ذریعے جسم میں پہنچائے جائیں تو ایک استثنائی صورت کے سوا ان کا کوئی اثر نہیں ہوتا کیونکہ ہضم کرنے والے دس انہیں تیزی سے ضائع کر دیتے ہیں۔

والے سادہ کیمیائی مرکبات ہیں۔ اسی وجہ سے وہ خون کی رگوں (عروق دہویہ) کی دیواروں میں آسانی سے نفوذ کر سکتے ہیں اور زندہ خلیوں میں پہنچ کر ان کی فعلیت کو متاثر کر دیتے ہیں۔ اس سے بھی زیادہ خاص بات یہ ہے کہ جو ہارمون ایک حیوان کے درون افزائی کے عضو سے تیار ہوتا ہے اگر اسے دوسری جنس کے حیوان کے بدن میں پھکاری سے داخل کیا جائے تو اس پر بھی وہی عمل کرتا ہے جو پہلے حیوان پر کرتا تھا۔ انسولین جو ابلے کے اندرونی خلیوں کے چند کروہوں سے بنی ہے اس لئے درکار ہوتی ہے کہ جسم کے ہاتھوں کو شکر سے کام لینے کے قابل بنادے۔ یہی وہ خوراک ہے جو عضلاتی حرکت یا سمٹاؤ کے لئے توانائی کا سرچشمہ ہے۔ اگر ہارمون انسولین مفقود ہے تو اس کے نتیجے میں مرض ذیابیطس اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ اس مرض میں باقیے شکر کی تکسید (آکسیجن ملانا) نہیں کر سکتے اور دوسرے غذائی مادے، جبری، اور پروٹین (لحمیہ) اس کے نتیجے میں نامکمل طور پر استعمال میں آتے ہیں کیونکہ وہ شکر کی بہ نسبت کم سمولت سے جلتے ہیں۔ شکر جسے جسم جلانے سے قاصر رہتا ہے خون میں بافراط ظاہر ہوتی ہے اور اسے گردے نکال پھینکتے ہیں جب شکر کے ذخائر جگر اور عضلات میں ختم ہو جاتے ہیں تو باقیے خود ٹوٹ پھوٹ کر شکر بنانے لگتے ہیں جو پیشاب میں بھی نمودار ہونے لگتی ہے اور بالآخر مریض ضائع ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ بیماری لا علاج نہیں ہے۔ اگر مریض کو

## نشو و نما پید غدد در قیہ کا اثر

اگر کافی آہوڈین بہم نہ پہنچے تو درق غدے آہوڈین کی نا مناسب سربراہی سے تھاراکسین کی مقررہ مقدار حاصل کرنے کی سعی میں پھیل جاتے ہیں۔ انہی دریاقتوں کی بنا پر جہاں کہیں کہیکہے کی پیاری پھیل ہو وہاں کے طلباء مدارس کو آہوڈین استعمال کرایا جاتا ہے۔

دنیا کے ان حصوں میں جو کہیکہے کے لئے مشہور ہیں خصوصیت سے ان یونوں کا نفرت انگیز نمونہ اکثر دیکھا جاتا ہے جو قی (شاء دولہا کے چوہے) کہلاتے ہیں۔ یہ قی (Cretin) احمق ہوتے ہیں اور داغ کی طرح ان کے اجسام بھی غیر مکمل و غیر مرتب ہوتے ہیں۔ ان کے قد و خال بھدے اور کھانے ہوئے ہیں۔ پیٹ باہر کو نکلے ہوئے اور حرکات کزور اور بے مصرف و ناموزوں ہوتی ہیں۔ اس قسم کے افراد تیس سے اوپر شاذ و نادر ہی عمر پاتے ہیں۔ ان کی موت کے وقت معائنہ سے معلوم ہوا کہ غدہ در قیہ سرے سے غائب ہے۔ یہ غدہ یا تو ان میں مکمل ہونے نہیں پایا یا انحطاط پذیر ہو گیا۔ اگر درق غدے کی کمی کی تشخیص بچپن ہی میں ہو جائے تو بچے کے خشک غدے کی کچھ مقدار باقاعدگی سے استعمال کرائے درق ہارمون پیدا کئے جاسکتے ہیں اور غدہ در قیہ اس عمل سے اپنی مقررہ نشو و نما کو پہنچ سکتا ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا چکا ہے درق ہارمون ہی ایک ایسا ہارمون علم میں آیا ہے جو ہضم کرنے والے رسوں کے عمل سے ضائع نہیں ہوتا۔ تھاراکسین کی

جو چیز صحیح طور سے انسانی ساخت کو متین کرتی ہے اس کا صحیح علم ہمیشہ سے حیرت و استعجاب کا موضوع رہا ہے۔ لوگ جس طرح ایک لمبے ٹرنکے دیو پیکر شخص کو تعجب سے دیکھتے ہیں اسی طرح پستہ قد اور بونے آدمی پر بھی ان کی نگاہیں بے اختیار اٹھ جاتی ہیں۔ گذشتہ چند برسوں کے اندر اس مسئلے سے متعلق صحیح معلومات فراہم ہوئی ہیں جن میں هنوز اضافہ جاری ہے۔ دراصل اب درقہ افزائی ریش کے دو عضووں یعنی غدہ در قیہ و غدہ نخامیہ کے ہارمونوں کی تبدیل و ترتیب کی بدولت انسان تجربی طور پر بونے یا طویل القامت ہو سکتے ہیں۔ غدہ در قیہ دو لختوں پر مشتمل ہے جو ہوا کی نالی کے دونوں سروں پر واقع ہیں۔ غدوی باقتوں کے یہ تودے جب بڑے ہو جاتے ہیں تو گردن کے پھول جانے کا باعث بنتے ہیں اور اس حالت کو کہیکہا کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بعض علاقوں میں سے ایک امریکہ میں گرٹ لیکس (Great Lakes) کے کنارے واقع ہے یہ بیماری بہت عام ہے۔ باور کیا جاتا ہے کہ یہ کیفیت پانی میں آہوڈین کی کمی سے پیدا ہو جاتی ہے۔ غدہ در قیہ کی اندرونی رطوبت یعنی تھائیراکسین (Thyroxin) کا تجزیہ حال ہی میں صحیح طور سے کیا جا چکا ہے اور اب وہ تالیفی طور سے بھی تیار کی جا سکتی ہے۔ دریافت ہوا ہے کہ اس کی ترکیب میں آہوڈین ایک اساسی عنصر ہے۔ اسی لئے

یا بکریوں کی مدت حیات معمولاً صرف دو سال ہوتی ہے۔

بالیدگی پر غدہ درقیہ کی اس مصرط تاثیر کا سبب نہایت مادہ اور غیر مبہم ہے۔ یہ غدہ زندہ جسم میں کیمیائی تغیرات کو ترقی دیتا ہے۔ جب درقی غدہ دوران خون میں تھراکسین داخل نہیں کرتا تو بافتوں کے اندر کیمیائی تغیرات کی شرح کم ہوجاتی ہے اور جوان جانور میں بالیدگی اور نمو دونوں رک جاتی ہیں۔ ناقص درقی رطوبت کی خاص علامت دیکھنا ہو تو اذنی ایچ مائے (Metabolism) کی شکل میں دیکھی جاسکتی ہے۔

#### غده 'نخامیہ اور اس کے هارمون

اندرونی رطوبت کا ایک اور غدود جو نشو و نما پر اثر انداز ہوتا ہے غده نخامیہ ہے۔ یہ غده اس بانستی کا ایک چھوٹا تودہ ہے (انسان میں ہیزل نٹ (Hazel Nut) کے برابر پایا جاتا ہے) جو دماغ کی اندرونی جانب ایک چھوٹی ڈٹھل جیمی ساخت سے لٹکا ہوتا ہے۔ بصری اعصاب کے دماغ میں داخل ہونے وقت جو چلیبا بتا ہے ٹھیک اس کے نیچے اس کا محل وقوع ہے۔ دراصل یہ ایک میں دو غدے ہیں۔ اس جگہ ایک آگے کو نکلا ہوا لختہ ہے جو بالیدگی پر اثر کرنے والی رطوبت خارج کرتا ہے اور ایک پیچھے کی طرف ابھرا ہوا لختہ ہے جس کی اندرونی رطوبت متعدد اثرات پیدا کرتی ہے۔ مثلاً پیشاب کی ساخت میں تحریک، دودھ میں روانی اور رحم کا انقباض یا تنگی۔ آخر الذکر تاثیر

جو مقدار مقررہ نشو و نما و قیام کے لئے ضروری ہے اتنی کم ہوتی ہے کہ کمی وقت بھی تلاش کی جائے جسم بھر میں صرف چند ملگرام (ایک گرام کا ہزارواں حصہ) مل سکتی ہے۔

فعلیات دان اپنے تجربات بودے کرنے کے لئے بیماری کے انتظار میں بیٹھنے کا عادی نہیں ہوتا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ درقی هارمون کے افعال کی نسبت همارا علم جانوروں پر تجربات کی بدولت ترقی کر گیا ہے۔ مثال کے لئے نمو اور بالیدگی پر تھراکسین کے اثر سے متعلق هماری نہایت صحیح معلوات جو ان جانوروں کے درقی غدے دور کرنے اور اسی عمر کے معمولی جانوروں سے ان کی نشو و نما کا مقابلہ و موازنہ کرنے حاصل ہوئی ہیں۔ مثال کے لئے تین بکروں کا ذکر مناسب ہے جن پر تجربات کئے جاسکے ہیں ان میں سے ایک معمولی قد کا تھا۔ اور باقی دونوں افسردہ (باڑہ مارے ہوئے) مجربی قی (شاہ دولہا کے چوہے) (Cretin) تھے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جب یہ جانور نو عمر تھے اسوقت ایک مقامی مخدر دوا استعمال کر کے ایک غیر تکلیف دہ عملیے سے ان کا غدہ درقیہ نکال دیا گیا تھا۔ اس مثال سے واضح ہے کہ یست قد بکرے کو درقی رطوبت سے محروم کر کے ہونا نا دیا گیا اس عمل سے ہوئے بکروں کا خلیہ بھی نہایت مکروہ اور بھدا ہو گیا۔ ان بکروں کی نہ صرف ترقی ہی رک کئی بلکہ تکیل بھی۔ یہ اپنی ناقص جسامت کے علاوہ ہر اعتبار سے بچے نظر آنے لگے۔ اس نوع کی بھڑوں

بڑھا دیتی ہے۔ لختہ مقدم کی اندرونی رطوبت جس کیمیائی ترکیب سے بنی ہے اس کا حال بجز اس کے کچھ نہ معلوم ہو سکا کہ اس رطوبت کو تھراکسین سے بالکل مختلف ہونا چاہئے۔

یہ معلوم کرنا موجب دلچسپی ہوگا کہ درون افزائی ریش کے بہ دو عضو جو نو پر متصرف ہیں باہم متعلق معلوم ہوتے ہیں۔ اگر غدہ درقہ عاجدہ کر دیا جائے تو نغامی غدہ بڑھ جاتا ہے۔ انسانیات کے عالموں نے مختلف انسانی اقوام کی جسمانی خصوصیات مثلاً ساخت، خدو خال کی وضع و شکل، سر وغیرہ کا تعلق ان اندرونی رطوبت کے غدوں کی فعالیت سے بیان کرنے کی کوشش کی ہے جو ایسے حیرتناک طریقے سے نو اور بالیدگی پر اثر انداز ہیں۔

اب تک اس سلسلے میں جو کچھ کہا جا چکا ہے اس سے ظاہر ہے کہ نغز مائے کی فعالیتوں سے متعلق کسی قسم کی تحقیقات میں مجموعی حیثیت سے عضوئے کوہرگز نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اگر ہم کسی خاص عضو کو اپنا کام انجام دیتے ہوئے دیکھتے ہیں تو بات یہیں تک ختم نہیں ہوتی بلکہ خود بخود بڑھ جاتی ہے اور ہم مجموعی طور پر عضوئے کے اندر عضو کے باہمی تعلقات کا مطالعہ کر کے اس کا اختتام کرتے ہیں۔ ہر خاص تحقیقات عضوئے کے اندر توازن کی ماہیت اور عضوئے اور اس کے ماحول کے درمیان ہزاری بصیرت کو عمیق و وسیع بنادیتی ہے۔

کی وجہ سے لختہ موحر کا ہارمون، یعنی نغامی مادہ (پیتوٹین) (Pituitrin) پچسے کی پیدائش میں سہولت پیدا کرنے کے لئے جسم میں پھکاری سے داخل کیا جاتا ہے۔

نغامی عضو کے لختہ موحر کا دور کر دینا مہلک نہیں ہوتا لیکن اگر غدے کا لختہ مقدم (آکے کو نکلا ہوا گوشہ) اکھاڑ پھینکا جائے تو نتیجہ ہمیشہ موت ہوتا ہے۔ اب یہ دریافت ہو چکا ہے کہ اگر جوان حیوان سے اس لختے کا بیشتر حصہ علیحدہ کر لیا جائے تو بالیدگی رک جاتی ہے اور جانور بونا بن کر رہ جاتا ہے۔ دوسری طرف اگر نغامی عضو کے لختہ مقدم کے باقیے کا خلاصہ باقاعدہ وقفوں سے معمولی نشو و نما والے جانور میں انجکشن سے داخل کیا جائے تو وہ قد و قامت میں بڑھتے بڑھتے دیو بن جائے گا۔ اس کے تجربے کے لئے ایک ہی جھول کے دو چوہے چار سو دن کی عمر کے لئے گئے۔ ان میں سے ایک کو اصل حالت پر رکھا دوسرے چوہے کو نغامی عضو کے لختہ مقدم کا خلاصہ پھکاری سے دبا گیا۔ نتیجہ اس کا قد غیر معمولی طور پر بڑھ گیا جس کا باعث جربی کا اجتماع نہیں بلکہ ڈھانچے یا قالب کے غیر معمولی بڑھاؤ کا ثمرہ تھا۔

اب یہ معلوم ہو چکا ہے کہ بہت سے انسانی دیو بڑھا ہوا نغامی عضو رکھتے ہیں اور اسی لئے اس عضو کے لختہ مقدم کے نمونہ ہارمونوں کی غیر معمولی مقدار ان کے قد و قامت کو

## دیاسلائی کی صنعت

(غلام جیلانی صاحب)

دار کر لوہے کو پتھر پر مار کر، لکڑی کو لکڑی سے رکڑ کر آگ نکالا کرتے تھے۔ یہ آگ کافی محنت اور دقت سے نکلتی تھی اور جب ایک دفعہ آگ نکل جاتی اور کوئی چیز سلگ جاتی تو پھر اس کو ہمیشہ روشن رکھنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ آج بھی دیہات میں یہ نظارہ دیکھنے میں آتا ہے کہ ایک جگہ آگ سلگتی رہتی ہے اور جس کسی کو آگ جلانے کی ضرورت ہوتی ہے اسی آگ سے جلی ہوئی لکڑی یا کوئلہ لے جا کر کام چلاتا ہے۔

سب سے پہلے جو دیا سلائی بنائی گئی وہ اس طرح کہ سلائیوں کو گرم موم میں ڈبا کر ان کے سرے پر پوٹاسیم کلورائیڈ اور شکر کا امیزہ لگا دیا جاتا تھا اور خشک ہونے پر ان پر کندک کا تیزاب لپکایا جاتا تھا جس کے سبب سلائی فوراً مشعل ہو جاتی تھی۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ طریقہ اطمینان بخش نہیں تھا۔ اور نہ اس میں سہولت تھی کیونکہ ہر شخص ان دیا سلائیوں کو اپنے ساتھ رکھ نہیں سکتا تھا۔ جو لوگ رکھتے تھے ان کو سلائیوں کے ساتھ ساتھ کندک کے تیزاب کی شبیہ بھی ساتھ رکھنی پڑتی تھی۔

اس جنگ کے سبب جہاں اور بہت سی آفتیں ہندوستان پر آئی ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے۔ کہ ہم بہت سی ضروری اشیاء سے محروم ہو گئے ہیں۔ اور جیسے جیسے وقت گزرتا ہے ہمیں یہ چیز نہایت وضاحت کے ساتھ معلوم ہوتی جاتی ہے کس طرح معمولی سے معمولی چیزوں کے لئے بھی غروں کے محتاج ہیں۔

دیاسلائی ایک معمولی سی چیز ہے جس کی ضرورت ہر شہر، ہر گاؤں اور ہر گھر میں دن رات پڑتی ہے۔ لیکن یہ ضروری چیز بھی دن بدن کم ہوتی جا رہی ہے اور جو ملتی ہے وہ زیادہ قیمت پر۔ دیاسلائی کو ہندوستان میں سسے ایک ہے لیکن وہ اجڑا ہنی پوٹاسیم کلورائیڈ اور سرخ فاسفورس وغیرہ جن پر دیاسلائی کی تیاری کا دار مدار ہے باہر سے آیا کرتے تھے۔ ان کا اتنا آجکل بند ہو گیا ہے اور یہی سبب دیاسلائی کی گرانی اور کمیابی کا ہے۔ ابھی تک ہندوستان میں ان کی تیاری کا کوئی انتظام نہیں کیا گیا ہے۔ اگر ہو گیا ہوتا تو پھر ہر دقت پیش نہ آتی۔

دیاسلائی کی ایجاد سے پہلے لوگ آگ نکالنے میں کافی محنت سے کام لیتے تھے۔ پتھر کو پتھر پر

زرد فاسفورس ، پٹاشیم بائیکرومیٹ ، سفوف کالج اور زنگ اکسائیڈ کا مرکب لگا کر خشک کر لیا جاتا ہے اور ڈیہ کی سطح پر مریش لگا کر اس پر ریت چپکادی جاتی ہے تاکہ اس پر سلائیوں کو دگڑ کر خلابا جاسکے ۔

ان سلائیوں کو ڈیہ کی سطح کے علاوہ اگر کسی پتھر یا چوبی تختے یا کارڈ بورڈ پر محقی سے دگڑاجائے تو جل جاتی ہیں ان کے غیر محفوظ کمپلائیکا سبب یہ ہے کہ زرد فاسفورس کا دھواں انسانی صحت کیلئے بے حد مضر ہوتا ہے ۔ حسن زمانہ میں غیر محفوظ دیا سلائی عام طور پر کارخانوں میں بکثرت تیار کی جاتی تھی اسوقت کے اعداد و شمار سے پتہ چلا ہے کہ سیکڑوں ، زرد جو دیا سلائی سازی کے کارخانوں میں کام کرتے تھے زرد فاسفورس کے دھوئیں سے امراض میں مبتلا ہو کر فوت ہو گئے ۔ نتیجہ یہ نکلا کہ برن میں ۱۹۰۶ ع میں ایک بین القوامی کانفرنس میں یہ طے کیا گیا کہ زرد فاسفورس کو دیا سلائیوں میں بالکل استعمال نہ کیا جائے ۔ اس کے علاوہ ماہرین دیا سلائی سے اس عظیم نقص کو دور کرنے کے لئے اور بھی تحقیقات کی اور آخر کار ایسی دیا سلائی بنانے میں کامیابی حاصل کر لی جس میں مندرجہ بالا نقص بالکل موجود نہیں ہے ۔ کسی کھر دوری سطح پر دگڑنے سے حل اٹھنے والی دیا سلائی اب بھی بنتی ہیں لیکن ان میں زرد فاسفورس کی بجائے فاسفورس کاسٹکس سلفائیڈ استعمال کیا جاتا ہے ۔ جس سے کوئی نقصان نہیں ہوتا ۔ اس کے علاوہ ایک اور دیا سلائی ایجاد کی جو زمانہ موجودہ میں تقریباً ہر جگہ زیر استعمال ہے اور اس کو محفوظ دیا سلائی کہتے ہیں ۔

چنانچہ سائنس دانوں نے دیا سلائی کو آسان بنانے کی کوشش جاری رکھی ۔ اور یہ کوشش دراصل فاسفورس کے دریافت کے بعد ہی کامیاب ہو سکی ۔

فاسفورس جیسا کہ آپ سمجھ جاتے ہیں دو قسم کا ہوتا ہے ایک سرخ ایک زرد ۔ زرد کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ فوراً آگے پکڑ لیتا ہے ۔ چنانچہ اس خصوصیت کو کام میں لا کر پہلے چل دیا سلائی بنائی گئی ۔

یوں تو ایک قسم کی دیا سلائی ایسی بنائی جا چکی تھی جو ایک حد تک کامیاب تھی لیکن اس کو جلانے میں بڑی دقت ہوتی تھی ۔ اس کو دگڑ کی دیا سلائی یا موسی فر کہا جاتا تھا ۔ اس دیا سلائی کے سرے پر ، شکر ، پوٹاشیم کلورائیڈ اور بیول کے گوند کا امیزہ لگا دیا جاتا تھا ۔ اس کو جلانے کا طریقہ یہ تھا کہ ان سلائیوں کو سینڈ پیپر کے درمیان ڈبا کر زور سے کھینچتے تھے ۔ جن سے ان کو آگے لگنا جاتی تھی ۔ لیکن یہ طریقہ تکلیف دہ تھا اور ان میں مشکل سے آگے لگتی تھی ۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ ان سلائیوں میں ایسا مسالہ لگایا جائے جو فوراً آگے پکڑ لے ۔ اس کی کو زرد فاسفورس نے پورا کیا ۔ زرد فاسفورس سے جو دیا سلائی بنائی گئی اس کو غیر محفوظ دیا سلائی کہتے ہیں ۔

غیر محفوظ دیا سلائی گندک کی دیا سلائی غیر محفوظ دیا سلائی کو کارخانوں کی اصطلاح میں کہا جاتا ہے ۔ اس کی تیاری کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے سلائیوں کے پانچ حصہ کو پگھلی ہوئی گندک میں ڈبا کر ۔ ان کے سروں پر مریش ، پٹاشیم کلورائیڈ

## ہندوستان میں دیاسلائی سازی

### کی ابتدا

انیسویں صدی کے اوائل میں ہندوستان میں اس صنعت کی ابتدا ہوئی ابتدا میں دیاسلائی کیلئے اکڑی جاپان یا سویڈن وغیرہ سے منگائی جاتی تھی لیکن بعد میں تحقیقات سے معلوم ہوا کہ ہندوستان میں اس اکڑی کی کمی نہیں ہے بلکہ کثیر مقدار میں موجود ہے۔ علاقہ جنوبی ملبار میں ملبار آسپاں (درخت) کثیر مقدار میں ہیں اسکی اکڑی دیا سلائی سازی کیلئے بہترین ثابت ہوئی ہے اس اکڑی کا رنگ سفید ہوتا ہے اور یہ ہلکی اور مضبوط ہوتی ہے دیاسلائی کیلئے اکڑی میں بھی صفات ہونا ضروری ہیں۔

ملبار آسپاں کے علاوہ دوسرے درجہ پر سیمل درخت کی اکڑی بھی دیاسلائی کیلئے کارآمد ثابت ہوئی ہے نیم کے درخت سے بھی سلائی بن سکتی ہیں لیکن یہ سلائی زیادہ مضبوط نہیں ہونگی۔ درخت چیر (دودھا) کی اکڑی بھی دیاسلائی کے لئے کارآمد ہوتی ہے یہ اکڑی ریاست میسور اور نیپال کے جنگلوں میں کثرت سے موجود ہے سخت کارڈ بورڈ کی بھی سلائی بنائی جاتی ہیں ان سلائیوں کا رواج انگلستان میں زیادہ ہے۔

کارخانوں میں دیاسلائی بنانے کا طریقہ درختوں کے ایسے حصے جو بالکل سیدھے اور ہموار ہوں اور انکی گولائی کم از کم دو ٹھ ہو جنگلوں سے فراہم کر لئے جاتے ہیں ان تنوں

## محفوظ دیا سلائی

محفوظ دیاسلائی کے اجزائے ترکیبی میں ٹاشیم کلورائیٹ، ٹاشیم ہائیکروائیٹ، زنک آکسائیڈ، سفوف کالج، گندک، منیکیز ڈائی آکسائیڈ، اور آرن آکسائیڈ شامل ہیں ان اجزاء کو پگھلاتے ہوئے سریش میں حل کر لیا جاتا ہے اور سلائیوں کو پہلے موم میں ڈبا کر یہ مرکب ان کے سروں پر لگایا جاتا ہے اور ڈبہ کی سطح پر سرخ فاسفورس، لانی مونی سلفائیڈ پگھائے ہوئے سریش میں ملا کر لگایا جاتا ہے سرخ فاسفورس میں مضر صحت اثرات بالکل نہیں ہیں۔ ان دیاسلائیوں کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ جب تک ان کو سرخ فاسفورس سے تیار کی ہوئی محفوظ سطح پر رکھا نہ جائے یہ جل نہیں سکتیں اس کے علاوہ ایسا انتظام بھی کر لیا جاتا ہے کہ چلی ہوئی سلائیوں کے کرنے کا خطرہ کم سے کم ہو جائے کہ اس کام کے لئے راشیدہ سلائیوں کو پہلے ایک حوض میں ڈبایا جاتا ہے جسکے پانی میں امونیا یاوڈر اور فاسفورس ایسڈ حل کیا ہوا ہوتا ہے چند منٹ کے بعد حوض میں سے نکال کر سلائیوں کو دھوپ یا ہوا میں خشک کر لیا جاتا ہے یہ عمل کرنے کے بعد اگر سلائیوں حلائی جانیں تو راک نہیں بنتی بلکہ کونلے کی شکل اختیار کر لیتی ہیں سلائیوں کے راکہ بننے میں نقص یہ ہے کہ جلتے وقت ہاتھ سے ٹوٹ کر لباس یا فرش پر گر جاتی ہے جس سے جانے کا خطرہ ہے اتفاقاً جانت لینے کے بعد اب مناسب ہو گا کہ ہندوستان میں دیاسلائی کی صنعت کے متعلق کچھ بیان کیا جائے۔



مواد طور پر کھڑی حالت میں جم جائیں اور ایک دوسرے سے فاصلہ پر رہیں تاکہ ان پر کیمیاوی عمل کرنے میں دقت پیش نہ آئے۔ جن فریموں میں سلائیاں بھری ہوئی ہیں ان کو لوہے کی پلیٹ پر یکے بعد دیگرے رکھ کر پریس کیا جاتا ہے تاکہ اونچی نیچی نہ رہیں اور پلیٹ آگے کے ذریعہ گرم ہوئی ہے تاکہ اگر سلائیاں پورے طور پر خشک نہ ہوئی ہو تو خشک ہو جائیں۔

اس کے بعد بگھلے ہوئے گرم موم کی سطح پر رکھ کر سلائيوں کا کچھ حصہ موم میں ڈبا دیا جاتا ہے۔ اگر یہ عمل نہ کیا جائے تو سلائیاں حلائے میں بڑی مشکل ہوگی کیوں کہ سلائيوں کو ڈیہ کی سطح پر رکڑنے سے جو شعلہ برآمد ہوتا ہے اس میں اتنی طاقت نہیں ہوتی کہ فوراً سلائی کو مشتعل کر دے اور وہ شعلہ دیر با بھی نہیں ہوتا فوراً بجھ جاتا ہے۔ لیکن موم فوراً اس شعلہ کو اپنی جانب منتقل کر لیتا ہے اور اس طرح سلائی گرم ہو کر جلنے لگتی ہے۔ سلائيوں پر موم کا عمل کرنے کے بعد مرکب میں جو پہلے سے تیار شدہ ڈینگ پلیٹ (مرکب لگانے کی میز) میں جو موحود ہوتا ہے ڈبا کر خشک کر لیا جاتا ہے۔ سلائيوں کا مرکب خشک ہونے کے لئے اگر موسم گرم ہو تو نصف گھنٹہ کافی ہوتا ہے لیکن موسم بارواں یا سردی میں زیادہ عرصہ لگتا ہے۔ ایسی صورت میں خاص طور پر گرم کرے بنائے جاتے ہیں جہاں آگ یا برقی طاقت سے حرارت پہنچائی جاتی ہے ان کمروں میں سلائیاں بہت جلد خشک ہوجاتی ہیں۔ خشک ہوجانے پر سلائيوں کو فریم سے

کو ایک ایک فٹ کے ٹکڑوں میں منتقل کر لیا جاتا ہے انکا پوست علیحدہ کر کے مشین پر فٹ کر دیا جاتا ہے۔ مشین کی حرکت سے یہ ٹکڑا تیزی سے گھومنے لگتا ہے۔ اس کے قریب لوہے کی تیز چھریاں لگی ہوتی ہیں۔ مشین چلنے پر چھریاں لکڑی سے قریب ہوتی جاتی ہیں۔ جب لکڑی سے مل جاتی ہیں۔ تو باریک باریک پٹیاں ساڑ کے مطابق لکڑی سے اترنا شروع ہوجاتی ہیں۔ ان پٹیوں پر ساتھ ہی ساتھ لائن پڑتی جاتی ہے تاکہ جب انکو ہوا ڈال جائے تو ٹوٹ نہ جائیں ان تمام پٹیوں کو نہ بہ نہ جا کر دوسری مشین پر رکھ کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بنائے جاتے ہیں ان ٹکڑوں کو موٹر ڈبیاں بنائی جاتی ہیں۔ ڈبیاں مشین پر بنتی ہیں اور دستی طریقہ پر بھی بنائی جاتی ہیں۔ تراشیدہ پٹیوں پر صرف کاغذ چپکانا ہوتا ہے اگر مشین پر بنائی جائیں تو ایک دن میں ایک مشین سے تقریباً بیس ہزار ڈبیاں تیار ہوسکتی ہیں۔ اور دستی طریقہ پر ایک شخص جس کو اچھی مشق ہو پویمہ ۳ ہزار بنا سکتا ہے۔ سلائیاں بنانے کیلئے دیگر پٹیاں اتاری جاتی ہیں اور ان پٹیوں کو نہ بہ نہ مشین میں رکھ کر سلائیاں تراشی جاتی ہیں۔ فی منٹ دس ہونڈ سلائیاں ایک مشین تراش سکتی ہے تراشیدہ سلائيوں کو اس حوض میں ڈبا یا جاتا ہے جس کے پانی میں فاسفورس ایسڈ اور امونیا پوڈر حل کیا ہوا ہوتا ہے تاکہ جلتے وقت سلائیاں راکھ نہ بن سکیں بلکہ کوئلہ بن جائیں۔ اس عمل کے بعد سلائيوں کو ہوا یا دھوپ میں خشک کر کے مشینوں کے ذریعہ بکھا کر لیا جاتا ہے یعنی فریموں میں اس طور پر جمع لیا جاتا ہے کہ سلائیاں بالکل

امریکہ وغیرہ سے منگائی جاتی ہیں۔ موجودہ جنگ کے سبب ان کی درآمد تقریباً دو سال سے بند ہے پہلے کا ذخیرہ جو کچھ موجود ہے اسی پر کام چل رہا ہے اگر یہ ذخیرہ ختم ہو جائے تو ہندوستان میں دیاسلائی کے تمام کارخانے بند ہو جائیں گے۔ جن اجزاء سے پوٹاشیم کلورائیڈ اور فاسفورس بنائی جاتی ہیں وہ ہندوستان میں کافی مقدار میں مہیا ہو سکتے ہیں اگر حکومت ہند ان ضروری اجزاء کی تیاری کا انتظام ہندوستان میں کرتی تو فی زمانہ اس مفید صنعت کے ختم ہونے کا اندیشہ نہ ہوتا۔

اب سے دس سال پیشتر دیاسلائی سازی کا ایک معمولی کارخانہ جاری کرنے کے لئے تقریباً دو لاکھ کے سرمایہ کی ضرورت ہونی تھی گویا کم سرمایہ دار اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے تھے لیکن موجودہ زمانہ میں دستی طریقہ پر بھی اس کام سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے کیونکہ تراشیدہ سلاخیاں اور ڈیاں دوسرے کارخانوں مثلاً ساونہ، لمبار سے مہیا ہو سکتی ہیں صرف ان پر کیمیائی عمل کرنا پڑتا ہے۔ دستی کارخانے میں مختصر مشینری کی مدد سے تقریباً ایک سو گز بومیہ دیاسلائی تیار ہو جاتی ہے۔ اسے کارخانے کے لئے پندرہ ہزار کا سرمایہ کافی ہو سکتا ہے۔

#### دیاسلائی پز گورنمنٹ کی نگرانی

سنہ ۱۹۳۴ء میں دیاسلائی کے کارخانوں پر گورنمنٹ کی نگرانی قائم ہوئی اور دیاسلائی کیلئے ایک قانون مرتب کیا گیا۔ اس قانون کی رو سے بغیر حصول لائسنس کوئی شخص دیاسلائی تیار نہیں

علحدہ کر کے خانہ دار کشتی میں منتقل کر دیا جاتا ہے یہ کام بھی مشین کے ذریعہ ہوتا ہے۔ اب ان سلاخیوں کو تیار شدہ ڈبیوں میں ہاتھ یا مشین کے ذریعے بھر دیا جاتا ہے اور ڈبیوں کی سطح پر برش کے ذریعہ مرکب لگا کر خشک کر دیا جاتا ہے۔ ان تمام کاموں کو انجام دینے کے لئے ایک معمولی کارخانے میں چار سو آدمی ہوتے ہیں ان سب کا رہنا یا نگرانکار صرف ایک آدمی ہوتا ہے جسکو کیسٹ (دوا ساز) کہا جاتا ہے یہ آدمی اکثر جاپانی یا جرمن ہوتا ہے۔ اسکا خاص کمرہ (کیکل روم) علحدہ ہوتا ہے اجرائے ترکیبی کا وزب کرنے وقت دوسرا کوئی شخص کمرے میں نہیں جاسکتا کیونکہ کیسٹ اجزاء کا صحیح تناسب پوشیدہ رکھتا ہے اسی لئے اس کو اپنی خدمات کا معقول معاوضہ ملتا ہے اگر اس کام کو دوسرے بھی سیکھ جائیں تو کیسٹ کی اہمیت باقی نہیں رہ سکتی۔ فی زمانہ بعض کارخانوں میں ہندوستان کیسٹ بھی دیکھے جاتے ہیں جو کسی نہ کسی طرح اس کام میں مہارت حاصل کر چکے ہیں۔ لیکن غیر ملکی ماہرین کے مقابلہ میں بہت کم معاوضہ ایسی خدمات کا پاتے ہیں۔

#### بعض اجزاء ہندوستان میں تیار

##### نہیں ہوتے

دیاسلائی سازی میں دو چیزیں بہت اہم ہیں پوٹاشیم کلورائیڈ اور سرخ فاسفورس اگر یہ چیزیں موجود نہ ہو تو دیاسلائی تیار کرنا ناممکن ہے۔ یہ دو چیزیں ابھی تک ہندوستان میں تیار نہیں ہوئیں۔ جاپان، سویڈن، جرمنی

دیاسلائی ارزاں فروخت ہوتی ہے کیونکہ کارخانوں کو کوئی ٹکس ادا کرنا نہیں پڑتا۔

ہندوستان میں دیا سلائی کا سب سے بڑا کارخانہ

ہندوستان میں سب سے بڑا اور مکمل کارخانہ دیاسلائی کا (و م کو) یعنی ویسٹرن انڈیا میاج کمپنی ہے یہ کارخانہ بمبئی سے تقریباً پچاس میل کے فاصلہ پر عنبر ناتھ میں ہے اس کارخانہ میں تقریباً چالیس لاکھ سرمایہ لگا ہوا ہے یہ کارخانہ سویڈن کے کارخانوں کی ایک شاخ ہے ہندوستان کے مختلف حصوں میں اسکی شاخیں موجود ہیں اور ہر بڑے شہر میں اسکی ایجنسیاں قائم ہیں اس کارخانے میں ہر ایک کام مشین کے ذریعہ کیا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ بمقابلہ دیگر کارخانوں کے اس کارخانے کی تیار شدہ دیاسلائی اچھی ہوتی ہے تقریباً دس ہزار کرز یومیہ دیاسلائی تیار ہوتی ہے۔ یعنی تقریباً بیس ہزار روپیہ یومیہ انڈیا اکسٹرن ڈیوٹی کی شکل میں اس کارخانے سے ادا کیا جاتا ہے۔

موجودہ زمانہ میں دیاسلائی کی صنعت تجارتی نقطہ نظر سے کافی منفعت بخش ہے اگر اسکے وہ اجزاء جو دوسرے ممالک سے تیار حالت میں منگائے جاتے ہیں ہندوستان میں ہی تیار ہونے لگیں تو یہ صنعت خالص ہندوستانی صنعت کہلانے کی مستحق ہو سکیگی۔

کر سکتا کیونکہ دیاسلائی انڈیا اکسٹرن ڈیوٹی قائم کی گئی ہے ہر دیاسلائی کی ڈیبا پر انڈیا اکسٹرن کی علامت کے لئے ایک کاغذی رول جس پر سلائیوں کی تعداد اور ٹکس کی شرح درج ہوتی ہے چسپان کیا جاتا ہے جس ڈبیہ پر چسپان نہ ہو وہ قابل گرفت ہے۔

اس ٹکس کی ادائیگی کا طریقہ یہ ہے کہ سرکاری خزانوں میں مطبوعہ بینڈ رولس جمع ہوتا ہے کارخانے والے حسب ضروری نقد قیمت ادا کر کے اسکو خرید لیتے ہیں اور ڈبیوں پر چسپان کر دیتے ہیں۔ اس قانون کی باقاعدہ تعمیل کی نگرانی کیلئے ہر کارخانے پر گورنمنٹ کے نمائندے مقرر ہیں جو اسکے حساب و کتاب کی نگرانی کرتے ہیں ہندوستانی ریاستوں کیلئے اس قانون میں ایک رعایت رکھی گئی تھی مثلاً ایسے کارخانے جو کسی ریاست کی حدود میں جاری ہیں ان پر انڈیا اکسٹرن ڈیوٹی (ٹکس) عائد کرنا یا نکرنا اس ریاست کی حکومت پر منحصر ہوگا اگر ٹکس عائد نہ کیا جائے۔ تو شرط یہ تھی کہ وہاں کی تیار شدہ دیاسلائی علاقہ برٹش گورنمنٹ میں نہ بھیجی جاسکیگی اس رعایت کے مد نظر چند ریاستوں نے مثلاً جو ناگڈہ اسٹیٹ (کٹھیاواڑ) جام نکر اسٹیٹ، بہاؤ نکر اسٹیٹ وغیرہ نے برٹش گورنمنٹ سے معاہدہ کر لیا ہے کہ وہاں کی تیار شدہ دیاسلائی انگریزی علاقہ میں نہیں بھیجی جائیگی اسلئے وہاں کی دیاسلائی پر یہ ٹکس یا پابندی نہیں ہے ان ریاستوں میں

# مہاری غذا

(ریاض الحسن قریشی صاحب)

کی جسمانی صحت خراب ہونے کی وجہ سے ان میں بیماریوں کے مقابلے کی قوت باقی نہیں رہتی جس کی ذمہ داری ایک بڑی حد تک نقص تغذیہ پر مبنی ہے۔ اگر غذا اچھی اور مختلف قسم کی ہو تو علاوہ اس کے اس سے لوگوں کی صحت میں ترقی ہوگی اور ان کی بیماریوں سے بچنے کی قوت بڑھ جائے گی۔ اس کا ایک نتیجہ یہ بھی نکلے گا کہ ملک کی پیداوار اور صرف دولت میں بہتر تناسب قائم ہو جائے گا۔

قوموں کی زندگی میں سب سے بڑا مسئلہ زندگی کا ہے۔ ہاپکنس کا قول ہے کہ غذا کی ضرورت اس کی مقدار اور نوعیت نے قوموں کی قسمتوں کے فیصلے میں بڑا حصہ لیا ہے۔ تغذیہ کے علم نے گزشتہ چند سال میں بڑی سرعت سے ترقی کی ہے اور جو معلومات حاصل ہوتی ہیں ان کی بدولت صحت عامہ کی پانسی نئی کروٹ بدل رہی ہے۔ آج کل غذا کے مسئلہ پر حکومتیں زیادہ توجہ کر رہی ہیں۔

غذا کا مزیدار ہونا ضروری ہے۔ انسان کے خیال کا ہاضمہ کے فعل پر بہت اثر پڑتا ہے۔ اور یہ عام تجربہ ہے کہ بد مزہ کھانا جس سے طبیعت اکٹا جائے درمیان میں ہضم ہوتا ہے۔ یہ خلاف اس کے خوشگوار اور مزیدار کھانا جو خوبصورت برتنوں میں عمدہ طریقہ سے بھجا کر سامنے رکھا گیا ہو آسانی سے ہضم ہو جاتا ہے۔ اور جز و بدن ہو کر فائدہ بخشنا ہے طبیعت کا غم و غصہ یا فکر انکار سے خالی ہونا بھی غذا کو جلد ہضم کرنے اور جز و بدن بنانے میں بڑی مدد دیتا ہے۔

بین الاقوامی انجمن مزدوروں جس کا مقصد قیام ہی یہ ہے کہ مزدوروں اور کاربگروں کو مشکلات اور فاقہ کشی سے بچائے اور انہیں کافی مزدوری دلا کر زندہ رہنے کے قابل بنائے۔ پورے طور پر اس امر کی کوشاں ہے کہ تمام دنیا میں غذا کا معیار علمی اور فنی اصولوں کی بنا پر رائج کرادے۔ آج کل عام لوگوں کو تغذیہ کے علمی اور فنی اصولوں کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ کثرت سے لوگ بری غذاؤں کے استعمال سے روزمرہ مختلف بیماریوں کا شکار ہوتے رہتے ہیں۔ عام طور پر لوگوں

جربے سے حرارت خارج ہوتی ہے۔ یہ جسم میں بطور ذخیرہ جمع رہتی ہے۔

معمولی غذا میں مختلف قسم کے ٹک ہیں۔ اگر ان ٹکوں کی مقدار کم ہو تو صحت میں خرابی پیدا ہوتی ہے۔ کیلیم کے باعث ہڈیوں میں سختی قائم رہتی ہے۔ غذا میں مموولی ٹک (سوڈیم کلورائیڈ) کی سب سے زیادہ مقدار ہونی ہے جس سے نہ صرف ذائقہ بہتر ہو جاتا ہے بلکہ جسم کی ضرورت بھی پوری ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ فاسفورس، اواہ گندک ہر ایک اپنا اپنا فعل انجام دیتا ہے۔ ان کو ہم اکثر ترکیبوں سے حاصل کرتے ہیں۔

جو پانی جسم سے پسینہ وغیرہ کے ذریعہ خارج ہوتا ہے اس کی تلافی ضروری ہے۔ جسم کا بیشتر حصہ پانی سے بنا ہوا ہے۔ پانی غذائی نالی میں غذائی اشیا کو حل بھی کرتا ہے اور جب تک غذائی اشیا محلول کی شکل میں نہ ہوں آنتوں میں جذب نہیں ہوتیں۔ جسم کو کاربوہائیڈریٹس اور جربوں کی تکسید سے بھی پانی حاصل ہوتا ہے۔

آکسیجن زندگی کے لئے ضروری ہے۔ ہوا، سانس لینے سے پہنچنے والوں کے ذریعہ جسم میں داخل ہوتی ہے۔ اس میں صرف آکسیجن ہی ایسی گیس ہے جو کیمیائی ترکیب میں حصہ لیتی ہے۔ خون آکسیجن کو جذب کرتا ہے۔ جس سے ہیمو گلوبن، آکسی ہیمو گلوبن میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ آکسیجن غذا کے ساتھ مل کر اس کو آکسائیڈس میں تبدیل کر دیتی ہے۔ غذا چونکہ زیادہ ترکیبیں پر مشتمل ہوتی ہے

ہماری غذا کے حسب ذیل اجزاء ہیں۔  
(۱) پروٹین (۲) کاربوہائیڈریٹس (۳) جربیاں (۴) ٹک (۵) پانی (۶) آکسیجن (۷) جاتین جسم کے ہانتوں کے ٹوکے لئے پروٹین کی سخت ضرورت ہے کیونکہ اس کے ذریعہ جسم کو ٹائروجن اور گندک مہیا ہوتی ہے۔ ٹائروجن یوریا اور دوسرے مرکبات کی شکل میں روزانہ خارج ہوتی رہتی ہے۔ اور اس خارج شدہ ٹائروجن کی تلافی کے لئے پروٹین کا استعمال ضروری ہے۔ پروٹین کی زیادہ مقدار گوشت، دودھ اور انڈے میں ہوتی ہے اس کے علاوہ بعض نباتی اشیا مثلاً، براؤ پھلیوں میں بھی اس کی کافی مقدار موجود رہتی ہے۔ آلو اور آٹے میں بھی اس کی کچھ مقدار موجود ہوتی ہے۔

جب تک جسم میں کاربوہائیڈریٹس کا مکمل احتراق نہ ہو اس وقت تک جربوں کا احتراق مکمل نہیں ہوتا۔ کاربوہائیڈریٹس جسم میں تحلیل ہو کر کاربن ڈائی آکسائیڈ اور پانی میں تبدیل ہو جاتے ہیں اگر جسم میں کاربوہائیڈریٹس کا احتراق کم ہو تو جربوں کی تکسید مکمل نہیں ہوتی۔ کاربوہائیڈریٹس چاول اور ٹماٹوں میں زیادہ مقدار میں ہوتے ہیں۔

جربیاں آنتوں میں تقریباً مکمل طور پر جذب ہو جاتی ہیں جربوں کا انجذاب، غذا استعمال کرنے کے پانچ یا چھ گھنٹوں کے بعد عمل میں آتا ہے۔ اگر غذا میں جربے نہ ہوں تو وہ بہت جلد جذب ہو جاتی ہے اور کھانے کے کچھ دیر بعد ہی بھوک محسوس ہونے لگتی ہے۔

ان کو حیاتین (وٹامنس) کے نام سے موسوم کیا گیا۔ ویٹا، زندگی کو کہتے ہیں۔

ابتداء جب حیاتین کے متعلق تحقیق جاری تھی تو علم کی کمی کی وجہ سے ان کو نام دینا مشکل تھا۔ مختلف حیاتین کو ان کے مختلف افعال کی بنا پر مختلف نام دئے جاتے تھے۔ لیکن بعد کو ان کے نام بطریق اجدد، ب، ج، د اور ہ وغیرہ رکھے گئے۔

حیاتین الف کا ماخذ بودے ہیں اور کلوروفل ان کا افرار کرتا ہے۔ حب جانور، ان بودوں کو کہاتے ہیں تو یہ چربی میں حل ہو کر حگر میں جمع ہو جاتے ہیں۔ یہ حیاتین دودھ، مکھن، بھلی کا تیل، انڈے کی زردی اور دوسری نباتی غذاؤں میں پائی جاتی ہے۔ گرم کرنے سے حیاتین الف کی تفسیہ ہوتی ہے۔ دودھ کو آبال دینے سے یہ ضائع ہو جاتی ہیں۔ حیاتین الف جانوروں کی بالیدگی قائم رکھتی ہے۔ اس کی کمی سے جانور ٹھڑ جاتا ہے۔ اور وزن کم ہونے لگتا ہے۔ جسم میں اس کے منقود ہونے سے جانور جراثیم کا با آسانی شکار ہو جاتا ہے۔ آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں اور جلنے لگتی ہیں۔ بالآخر بصارت خالی رہتی ہے۔ اور جانور کی تولید میں بھی فرق رونما ہوتا ہے۔

حیاتین الف کثیر مقدار میں بھلی کے تیل اور بکرے کی کلیجی میں موجود ہوتا ہے۔ متوسط مقدار میں مکھن، بالائی چربی، مکی گیموں، ہڈ، گاجر، پالک، موز، اناس، بیر، ٹائو دودھ اور انڈے کی زردی میں موجود ہے۔ لیکن مسور، انروٹ، بھول کوئی، آلو کھجور،

اس لئے کاربن ڈائی آکسائیڈ پیدا ہوتی ہے۔ سائنس جو باہر چھوڑی جاتی ہے اسی میں کاربن ڈائی آکسائیڈ اور آبی بخارات ہوتے ہیں۔ آبی بخارات کسی ایک صاف شیشے کی سطح پر سائنس چھوڑنے سے نمایاں ہو سکتے ہیں۔ چونے کے پانی میں کچھ دیر تک پھونکنے سے کاربن ڈائی آکسائیڈ کی موجودگی کا ثبوت ملتا ہے۔

ان مرکبات کے علاوہ غذا میں دوسری نہایت اہم چیزیں بھی موجود ہیں جو صحت کے برقرار رکھنے میں مدد دیتی ہیں۔ سنہ ۱۹۰۶ ع سے سنہ ۱۹۱۲ ع تک کیمبرج میں بف۔ جی ہاپکنس نے مختلف تجربے کئے اور معلوم کیا کہ جن چوہوں کو ایسی مصنوعی غذا پر جن میں جملہ پروٹینی اجزاء چربی، کاربو ہائیڈریٹ، نمک وغیرہ تھے پالتے کی کوشش کی گئی ان کا وزن کم ہو گیا اور وہ بالآخر مر گئے۔ برخلاف اس کے وہ چوہے جن کی غذا میں تازہ دودھ کے چند قطرے شامل کر دئے جاتے تھے تندرست رہے۔ ہاپکنس نے اس امر پر غور کرنا شروع کیا کہ تازہ دودھ میں ضرور کوئی ایسی شے موجود ہے جو اس فرق کا باعث ہے۔ قدیم زمانے میں جب سفر مہینوں تک جاری رہتا تھا مسافروں میں بعض امراض پھوٹ پڑتے تھے۔ ان میں اسکر بوط اور بری بری بہت مشہور امراض ہیں۔ تازہ میوہ استعمال کرنے سے یہ امراض نہیں پھیلتے تھے۔ اس سلسلہ میں تجربے کرنے پر عجیب و غریب چیزوں کا پتہ چلا جو خاص خاص اغذیہ میں رہتی ہیں اور جو زندگی قائم رکھنے کے لئے ضروری ہیں۔

حیاتین ج پانی میں حل پذیر ہے۔ سبز ترکاریوں اور تازہ میووں میں پائی جاتی ہے۔ اس کی کمی سے اسکر بوط اور پیری پیری کے امراض پھیلتے ہیں۔ گزشتہ جنگ میں انگریزی فوج عراق میں چند ماہ تک کھری رہی۔ اس عرصہ میں سپاہی اسکر بوط کے مرض میں مبتلا ہوئے اور اس کے ساتھ پیری پیری کا مرض بھی پھیل گیا۔ پیری پیری کی وجہ یہ بتلائی جاتی ہے کہ ہندوستانی فوج چاول کی پیچ استعمال کرتی تھی اور گودوں کو مصفا چاول دے جاتے تھے۔ جن میں حیاتین ج موجود نہیں ہوتی تھی۔ یہ حیاتین ہڈیوں اور دانتوں کے نشوونما میں بھی نمایاں حصہ لیتی ہے۔ اور دانتوں کو جلد ضائع ہونے سے روکتی ہے اس کی کمی سے جوڑوں کا درد ہوتا ہے۔ حیاتین ج خشک میوے میں نہیں پائی جاتی اور گرم کرنے اور خشک کرنے سے بہت جلد تباہ ہو جاتی ہے۔ متوسط مقدار میں ، پیاز ، آلو ، مولی ، شلجم ، سیب ، موز ، اناس میں موجود ہے لیکن کم مقدار میں بالائی ، مسور ، ناشپاتی ، شہد اور دودھ میں موجود ہے۔

حیاتین د نہایت اہم حیاتین ہے۔ اس حیاتین کی کمی سے ہڈیاں تڑھی ہو جاتی ہیں اس کے علاوہ قوت ہاضمہ میں بھی فرق آ جاتا ہے۔ حیاتین د پھلی کے تیل ، انڈے کی زردی ، مکھن اور دودھ میں ہوتی ہے۔ اس کی کمی سے دانت بہت جلد خراب ہو جاتے ہیں۔ جسم پر بالائی بنفشی شعاعیں ڈالنے سے حیاتین د پیدا ہوتی ہے۔

انجیر ، لیمون پیاز ، مولی میں کم مقدار میں موجود ہے۔

حیاتین ب ، ایک پیچیدہ شے ہے جو دو اجزا پر مشتمل ہے۔ حیاتین ب۱ پیچ کے بیرونی رت میں ہوتی ہے۔ چاول کا بھوسہ نکالنے سے اس کے ساتھ حیاتین ب بھی نکل جاتی ہے اور بعد میں کچھ بچا ہوا حصہ بھی پانی میں حل ہو جاتا ہے یہ ہضم کرنے کی قوت کوڑھاتی ہے اور ہضمی نظام کے افعال کو بحال رکھنے میں مدد دیتی ہے۔ حیاتین ب کی غیر موجودگی سے پیری پیری وغیرہ کے امراض پیدا ہوتے ہیں۔ حیاتین ب۱ اور ب۲ دونوں کا اثر بالیدگی پر ہوتا ہے۔ حیاتین ب۱ کثیر مقدار میں جوار ، مکئی ، مین موجود ہوتی ہے۔ سیب ، مسور ، مٹر اور گوشت مین متوسط مقدار لیکن کم مقدار مین بادام ، پالک ، شلجم ، سیب ، آم ، موز ، ٹماٹو اور انڈے مین مین پائی جاتی ہے۔

حیاتین ب۲ ان ہی اشیاء میں پائی جاتی ہے جن میں ب۱ ہوتی ہے۔ لیکن یہ ب۱ سے علاحدہ ہے کیونکہ ب۲ الکوحل میں حل نہیں ہوتی لیکن ب۱ آسانی حل ہو جاتی ہے۔ انڈے کی سفیدی اور انجیر میں ب۲ زیادہ مقدار ہوتی ہے اس کی کمی سے آنکھوں میں جلن محسوس ہوتی ہے۔ ہاضمہ خراب ہو جاتا ہے۔ اور انسان نحیف و لاغر ہو جاتا ہے۔ ان کے علاوہ دماغ کمزور ہو کر نسیان یعنی بھول اور دوسری اعصابی کمزوریاں پیدا ہوتی ہیں۔ اس کی متوسط مقدار کبھوں ، مٹر ، پالک ، گوشت اور انڈے میں ہوتی ہے لیکن کم مقدار مکئی ، جوار ، پیاز ، آلو ، سیب ، آم ، موز اور ٹماٹو میں موجود ہے۔

غذا میں ہر ایک کی موجودگی ضروری ہے۔ ایسی ہی غذا صحت کو برقرار رکھتی اور کارکردگی میں نمایاں حصہ لیتی ہے۔ صحت کو برقرار رکھنے کے لئے اگر ایک طرف مناسب لباس اور مکان کی ضرورت ہے تو دوسری طرف غذا کا مسئلہ نہایت اہمیت رکھتا ہے۔ صحت اور قوت کارکردگی کو بڑھانے یا برقرار رکھنے کے لئے متوازن قسم کی غذا کا استعمال ضروری ہے۔ ”متوازن غذا“، اسے روزمرہ کی وہ مستعملہ غذا مراد ہے جس میں صحت اور قوت کارکردگی کو بڑھانے یا برقرار رکھنے والے جملہ اجزاء ایک موزوں تناسب میں پائے جاتیں۔

چربی، زیتون کے تیل، پالک میں کم مقدار میں ہوتی ہے۔

حیاتین چربیوں میں حل پذیر ہے۔ اس کا ماخذ نباتات ہے ڈاکٹر ہربرٹ اور ایم رپودانس نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اگر چوہوں کو یہ حیاتین میسر نہ آئے تو ان میں ہانچین پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ حیاتین، متوسط مقدار میں مکھن، خوبانی، گائے گوشت کلیجی اور انڈے کی زردی میں پائی جاتی ہے۔ زیتون کے تیل، چاول اور دودھ میں کم مقدار میں موجود ہے۔

غذا کے مختلف حصوں سے ظاہر ہے کہ ہر ایک جز کس قدر اہمیت رکھتی ہے۔ ہماری



# سوال و جواب

نورسی کا آلہ بنایا جاتا ہے۔ اس میں ایک سولی لگی ہوتی ہے جو برقی رو سے متاثر ہوتی ہے جب روز زیادہ قوت کی ہوتی ہے تو سولی زیادہ حرکت کرتی ہے، کم قوت کی ہوتی ہے تو کم۔ اس آلے کے متعلق کچھ تفصیلات بھی دی گئی تھیں۔ خیال تھا کہ آپ اتنا ہی جاننا چاہتے ہیں لیکن اب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو نور برقی خانوں پر ایک مستقل مضمون کی ضرورت ہے۔ ظاہر ہے کہ سوال و جواب کے باب میں مستقل مضامین کی گنجائش نہیں ہے۔

نور برقی خانوں کے متعلق اگر آپ مزید معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں تو پھر طبیعیات کی بڑی اور مستند کتاب میں نور برقی اثر (Photo electric effect) کا باب ملاحظہ فرمائیے۔ اس کے علاوہ انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا میں بھی یہ عنوان آپ کی معلومات میں کافی اضافہ کرے گا۔ دی بک آف پاپولر سائنس (The Book of Populer Science) (ایڈیٹر ڈی ایس کیمبال۔ ناشر کروئیر سوسائٹی نیویارک) کی چوتھی جلد میں نور برقی خانوں پر ایک مضمون

**سوال -** دو آلہ نورپیا، کی نسبت میرے سوال کا جواب رسالہ سائنس کے مارچ سنہ ۳۴ ع نمبر میں طبع ہوا ہے، بہت بہت شکریہ۔ جواب غیر تشفی بخش ہے۔ مہربانی فرما کر اس کی پوری ساخت سے آگاہ فرمائیں تاکہ آلہ مذکور بنایا جاسکے۔ یا اس کی نسبت کسی کتاب کا حوالہ دین جس سے مقصد حاصل ہو سکے۔

مصدر سعید مسلم صاحب - کلفت

**جواب -** افسوس ہے کہ جواب سے آپ کی تشفی نہ ہو سکی۔ آپ نے یہ دریافت فرمایا تھا کہ نورپیا کس اصول پر کام کرتا ہے۔ جواب میں بتایا گیا تھا کہ اس اصول کو نور برقی اصول کہتے ہیں۔ بعض دھاتوں میں یہ خصوصیت ہوتی ہے کہ جب ان پر نور کی شعاعیں پڑتی ہیں تو ان سے برقیے نکلتا شروع ہوتے ہیں۔ روشنی جس قدر تیز ہوتی ہے اس لحاظ سے برقیوں کی تعداد بھی زیادہ ہوتی ہے۔ اسی اصول کو کام میں لا کر



کہ تیش بپا کی حرارت بڑھنے لگی۔ جس سے ثابت ہوا کہ گو سرخ کے بعد روشنی کی کوئی شعاع نظر نہیں آتی ہے۔ لیکن شعاع موجود ضرور ہے کیونکہ اس کے اثر سے پارہ اوپر چڑھ رہا ہے یعنی یہ بات معلوم ہوئی کہ اس شعاع میں خصوصیت کے ساتھ حرارتی اثرات زیادہ ہیں۔ اس شعاع کا نام پائین سرخ شعاع رکھا گیا۔ اس طرح بنفشی رنگ کے بازو میں فوٹوگرافی کا ایک کاغذ رکھا گیا تو وہ سیاہ پڑ گیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہاں پر بھی کوئی شعاع بڑھ رہی ہے۔ جو آنکھ سے نظر نہیں آتی لیکن فوٹوگرافی کے کاغذ پر اسی طرح اثر کرتی ہے جس طرح معمولی روشنی کی شعاع اس شعاع کا نام بالائے بنفشی (Ultra Violet) شعاع رکھا گیا۔

ان تجربوں سے معلوم ہوا کہ سورج کے طیف میں دراصل بہت سی شعاعیں مگر انسانی آنکھ کی صلاحیت بہت محدود ہے وہ سرخ سے لابی طول موج کی با بنفشی سے چھوٹی طول موج کی شعاع کو نہیں دیکھ سکتی۔ یہ شعاعیں آنکھوں پر پڑتی ضرور ہیں لیکن ان کا اثر کچھ نہیں ہوتا آنکھ کے لئے ان کا ہونا ناہونا برابر ہے۔

انسانی آنکھ ان کے لئے بیکار ضرورت ہے لیکن کیمرے کی آنکھ انسانی آنکھ سے زیادہ تیز ہوتی ہے اور فوٹو کی پلیٹس یا فلم ان دونوں شعاعوں کے اثر کو قبول کر سکتی ہیں۔ اور ان کے ذریعہ تصویریں لی جاسکتی ہیں۔

**جواب۔** ہاں آپ کا یہ کہنا ٹھیک ہے کہ روشنی نہیں تو تصویر بھی نہیں لی جاسکتی۔ لیکن پائین سرخ شعاع خود روشنی کی شعاع ہے گو ہماری آنکھیں اس کو دیکھ نہیں سکتیں لیکن کیمرے کے آنکھ ہم سے زیادہ تیز اور اس کی فلم یا پلیٹ ہماری آنکھوں کے پردے سے زیادہ حساس ہوتی ہے۔ یہی سبب ہے جو شعاع ہماری آنکھوں پر اثر نہیں کرتی وہ کیمرے پر اثر کر جاتی ہے اور اس سے تصویریں لی جاسکتی ہیں۔

لیکن اس بیان کو آگے بڑھانے سے پہلے مناسب ہو گا کہ آپ پہلے یہ سمجھ لیں کہ پائین سرخ شعاع کیا چیز ہے اور اس کو پائین سرخ کیوں کہا جاتا ہے۔ یہ تو آپ جانتے ہونگے کہ سورج کی روشنی جو بظاہر سفید معلوم ہوتی ہے دراصل سات رنگوں کا مجموعہ ہے۔ اگر سورج کی روشنی کو کسی منشور (Prism) سے گزارا جائے تو سامنے دیوار یا پردے پر سات رنگوں کی ایک پٹی نظر آئے گی۔ جس کو سائنس کی زبان میں طیف کہتے ہیں۔ طیف میں ایک طرف سرخ اس کے بعد نارنجی، پوریلا، پھر سبز آسمانی، پھر بنفشی ہوتا ہے۔

پہلے لوگ سمجھا کرتے تھے کہ سورج کی روشنی میں بس اتنے ہی رنگ ہیں۔ لیکن ایک روز اتفاقاً سرولیم پرشل نے سرخ رنگ کے بازو میں جہاں پر کوئی روشنی پڑ نہیں رہی تھی ایک تیش بپا رکھا۔ تبجب ایگز بات یہ واقعہ ہوتی

پائیں سرخ سے متاثر ہونے والی پلیٹ ڈال کر آئینے کے سامنے رکھ دیا جائے تو آپ کی تصویر آجائیکی۔ تصویر میں وہ کرم چیز ایسی نظر آئیگی جیسی کہ کوئی روشن چیز ہوتی ہے۔ اس کام کے لئے خاص قسم کی پلیٹیں بنائی جاتی ہیں۔ ان پر پائیں سرخ شعاعوں کا خاص اثر ہوتا ہے۔ دن کے وقت ان پلیٹوں سے جب تصویر لی جاتی ہے تو ایک حیرت انگیز نقشہ دیکھنے والوں کے سامنے آتا ہے۔ تصویر میں بارہ پندرہ میل کے مناظر ایسے نظر آتے ہیں جیسے کے سامنے موجود ہیں اور گرد و غبار اور بادل باکھر وغیرہ کا نام تصویر میں نہیں رہتا۔ کو تصویر لیتے وقت فضا میں کتنا ہی گرد و غبار کیوں نہ ہو۔

پائیں سرخ میں سب سے بڑا کمال یہی ہے کہ اس پر بادل یا کھر یا گرد و غبار کا اثر نہیں ہوتا۔ آپ کے سامنے کھرے سے کھر اکھر کیوں نہ ہو! اگر آپ اسی شعاع سے تصویر لینگے تو کھر کے اس پار کی چیز صاف تصویر میں آجائیکی۔ آجائیکل اس کا سب سے بڑا کام یہی ہے کہ دور دور کی چیزوں کی تصویر اس سے لی جاتی ہے۔ جو چیزیں معمولی آنکھ نہیں دیکھ سکتیں یہ دکھائی دیتی ہے۔

**سوال۔** میرے ایک عزیز دوست بد قسمتی سے کوئٹہ قامت اور بد شکل واقع ہوئے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ انہوں نے اپنے قد کو بڑھانے کی کوشش کی اور دوا نیچ کے اضافے تک میں کامیاب

اگر ہماری آنکھوں میں ایسی قوت آجائے کہ ہم پائیں سرخ شعاعوں کو دیکھ سکیں تو پھر عجیب و غریب تماشہ نظر آئے۔ اندھیری رات میں کرم پانی کا ایک اوٹا ہمارے لئے وہ کام دے جو روشنی کا ایک ٹیمپ دے سکتا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ جو چیز کرم ہوتی ہے اس سے کثرت کے ساتھ پائیں سرخ شعاعیں نکلتی رہتی ہیں۔ اگر آپ کسی چیز کو کرم کرنا شروع کریں تو پہلے اس سے حرارتی شعاعیں مثلاً پائیں سرخ شعاعیں نکلتا شروع ہونگی آپ اس کی حرارت کو محسوس کر سکیں گے لیکن وہ شعاعیں نظر نہ آئیں گی۔ اور زیادہ کرم کیجئے۔ تو وہ چیز سرخ ہو جائیگی۔ حسن کا مطلب یہ ہوا کہ اب اس میں پائیں سرخ کے ساتھ ساتھ سرخ شعاع بھی نکلتا شروع ہوئی۔ سرخ شعاع آنکھ کو نظر آتی ہے اس لئے ہمیں وہ چیز سرخ دکھائی دیگی۔ جیسے جیسے آپ اس چیز کو کرم کرتے جائیں گے ویسے ویسے دوسری شعاعوں کا اضافہ ہوتا جائیگا۔ سرخ کے ساتھ نیلی پھر آسمانی پھر سبز پھر بنیلی وغیرہ ملیں گی۔ یہاں تک کہ ساتوں شعاعیں نکلنے لگیں گی اور وہ چیز سفید ہو کر چمکنے لگے گی۔

کسی چیز کو سفید رنگ سے دھکانے کے لئے تو کافی حرارت کی ضرورت ہوتی ہے لیکن معمولی پائیں سرخ شعاع کے لئے تو بڑی حرارت بھی کافی ہے۔ کسی چیز کا کرم محسوس ہونا ہی اس بات کی علامت ہے کہ اس سے پائیں سرخ شعاعیں نکل رہی ہیں۔

اندھیرے کمرے میں کوئی کرم چیز آپ کے سامنے رکھ دی جائے اور کیمیرے میں ایک

کی جائے اور قد کو بڑھانے کی سورتیں  
ڈھونڈھی جائیں۔ اگر ہم آپ کے دوست کی  
جگہ ہوتے تو نہایت اطمینان کے ساتھ اسی  
چہرے کو لٹے ہوئے بازوؤں اور سڑکوں پر  
گھومتے اور ذرہ برابر غم نہ کھاتے۔

آپ کہہ سکتے ہیں کہ آپ کا رسالہ سائنس کا  
ہے بجائے اخلاقیات پر لکچر دینے کے مناسب  
یہ ہو گا کہ سوال کا جواب دیجئے۔ اگر آپ ایسا  
کہیں گے تو ہمیں رنج ہو گا۔ ہم یہ ماننے کو  
تیار نہیں ہیں کہ سائنس والوں کو دل نہیں ہوتا۔  
اور انہیں اس کا حق نہیں پہنچتا کہ دو جملے  
نصیحت کے ادھر ادھر بول سکیں۔

بہر حال جواب دینا چونکہ ضروری ہے  
اس لئے عرض ہے کہ جدید زمانے میں جراحی  
نے اس قدر ترقی کی ہے کہ چہرہ بدلا جاسکتا  
ہے۔ چینی ناک کی جگہ لابی اور خوبصورت  
ناک لگائی جاسکتی ہے۔ بڑے کان چھوٹے کیئے  
جاسکتے ہیں۔ ہونٹوں کو بتلا اور دھانے کو  
کم کیا جاسکتا ہے جراحی کے اس کمال کے لئے  
بھی جنگ کو دعا دینی چاہئے۔ جنگ کے سبب  
ہزاروں لاکھوں انسانوں کے اعضا بری طرح  
زخمی اور مجروح ہو جاتے ہیں۔ چہرہ اس  
بری طرح کٹتا ہے اور ٹکڑے ٹکڑے  
ہو جاتا ہے کہ اگر زخمی اچھا بھی ہو جائے تو  
وہ عوام کے سامنے جانے کے لائق نہ رہے۔  
جدید جراحی ان کے لئے رحمت کا پیام لیکر آئی  
ہے۔ ہوشیار سرجن متعدد نشتر دے کر اور  
پیوند کاری کر کے چہرے میں ایسی تبدیلی کر  
دیتا ہے کہ۔ زخم بھر جاتے ہیں۔ گوشت مل

ہوئے۔ لیکن افسوس ہے کہ چہرے کی  
بد صورتی میں کمی نہ ہو سکی۔ کیا آپ  
مجھے براہ کرم بالتفصیل بتا سکتے ہیں  
کہ عصر جدید کی سائنس میں ایسی  
ایجادات ہوتی ہیں جن سے بدھیتی  
اور کوتاہ قلمتی کو بدلا سکے۔

میں نے اکثر اخباروں میں پڑھا ہے کہ  
یورپ میں بیوٹی ٹریٹمنٹ کا علاج  
ہوتا ہے۔ مہربانی فرما کر ان دو اخوانوں  
کے پتے اور مصارف سے مطلع فرمائیے  
تا کہ میں اپنے دوست کے لئے کچھ  
سبیل کرنے کی کوشش کروں۔

محمد عبدالقوی صاحب

محمد پور۔ نظم نظام آباد دکن

**جواب۔** کوتاہ قلمتی کا تو پتہ چل گیا  
لیکن کاش کہ آپ اپنے دوست کی تصویر بھی  
بھیج دیتے تا کہ ہمیں ان کی بد صورتی کا صحیح  
اندازہ ہو سکتا۔ ویسے بغیر دیکھے ہوئے  
کچھ کہنا بہت مشکل ہے۔ آخر آپ کے دوست  
میں کیا عیب ہے۔ کیا ناک چبٹی ہے؟ کیا کان  
بڑے ہیں؟ کیا ہونٹ موٹے اور آگے کو نکلتے  
ہوئے ہیں؟ کیا رنگ خراب ہے۔ بات کیا ہے۔  
جو آپ لوگوں کو اور خود ان کو اس قدر  
پریشانی ہے۔

بد صورت ہونا کچھ جرم نہیں ہے۔ اور  
مرد کے لئے خاص طور پر یہ ایسی چیز نہیں ہے  
کہ اسکے غم میں نڈھال رہا جائے۔ یا پھر شہر  
شہر اور دوکان دوکان افزائش حسن کی تلاش

تو اس زحمت میں وہی لوگ پڑتے ہیں جن کو اس کے بغیر چارہ نہیں ہے۔

یہ علاج زیادہ تر کاہیابی کے ساتھ یورپ اور امریکہ میں ہوتا ہے۔ بد قسمتی سے ہمارے پاس اس وقت اس قسم کے افزائش حسن کے اداروں کا پتہ نہیں ہے کیونکہ آپ کا اس قسم کا پہلا سوال ہے۔ ہمیں اب تک صحیح طور پر اس کا اندازہ ہی نہیں ملا کہ کن سوالات کا جواب دینا ہے ورنہ اس کا سامان پہلے سے کر رکھتے۔ انراجات کا معمول تخمینہ پر سمجھنے کے یورپ یا امریکہ آنے کا خرچ اور پھر آپریشن کے لئے کم از کم پچاس ساٹھ ہزار روپے کوئی ایک لاکھ کے اندر علاج ہو جائے گا۔

کیا آپ اپنے دوست کے لئے اتنا خرچ برداشت کر سکیں گے؟ یا اگر آپ نے برداشت بھی کر لیا تو اس کا حاصل کیا ہوگا مان لیجئے کہ چہرہ درست بھی ہو گیا تو صرف بھی ہوگا انہیں تھوڑی سی تسکین حاصل ہو جائے گی۔ اندر سیہا کی پران تو ان کے سامنے سجدہ کرنے سے رہیں۔ کیونکہ بہت ہوا تو چہرہ پہلے سے کچھ ٹھیک ہو جائیگا۔ حسن یوسف اس میں آنے سے رہا۔ ہماری رائے اگر آپ مانیں تو بجائے علاج کرانے کے ان کو روپیے ہی دے ڈالئے تاکہ آرام و چین کی زندگی گزاریں۔ مگر آپ کے دوست کو چاہئے کہ اپنے چہرے کا خیال چھوڑ دیں۔ آئینہ دیکھنا ترک کر دیں۔ نہ دیکھیں گے

جاتا ہے۔ اور بعض صورتوں میں عمل جراحی کا نشان تک نہیں رہتا۔ مریض جب اسپتال سے باہر نکلتا ہے تو خدا کا شکر ادا کرتا ہے کہ آج سے وہ بیس سال پہلے زخمی نہ ہوا کیونکہ اس زمانے میں اس کے زخموں کا علاج ہو سکتا تھا۔ لیکن کوشش کی کمی کو پورا کرنا، زخموں کے داغ دھبوں کو دور کرنا اور غائب شدہ اعضا کو از سر نو لگانا ڈاکٹروں کے بس کی بات نہ تھی۔ یہ کام آج کل کا ہی ڈاکٹر کر سکتا ہے۔

اس گفتگو سے آپ کو اندازہ ہوا ہوگا اس قسم کی جراحی دراصل جنگ کے زخمیوں پر زیادہ کامیابی کے ساتھ کی گئی۔ اس کے بعد یہ چیز آہستہ آہستہ ہر جگہ پھیل گئی ہے۔ زخمی جنگ کے سبب ہو یا کسی دوسرے حادثے کے سبب سب کا علاج ہوتا ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ علاج مجبوری کا علاج ہے حادثے کے بعد اس قسم کا علاج ضروری ہو جاتا ہے۔ لیکن بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو پولیس اور قانون کے ڈر سے اپنا چہرہ بدلوالیتے ہیں۔ امریکہ کے بدمعاشوں کا قصہ پڑھئے تو اس قسم کے واقعات اکثر ملینگے۔

ایک بات یہ ان پر اور بتا دینی ضروری ہے کہ اس تبدیلی سے چہرہ تو یقیناً بدل جاتا ہے لیکن اس میں قدرتی خوبصورتی بھی آجاتی ہے یا نہیں یہ بالکل مریض کے پہلے چہرے اور ڈاکٹر کی ہوشیاری پر منحصر ہے۔ اور سچ ہو چہئے

ہے۔ کچھ معلوم ہو تو اسی حساب سے جواب دیا جائے۔ بہتر ہو گا کہ اس کے متعلق وہ ویڈیو روس بی ایم / ہائیٹ لندن ڈیلیو می کو لکھیں امید ہے کہ تین چار اچھوت کا اضافہ ہو جائیگا۔

(د - ح)

نہ خیال آئیگا۔ اور اگر کبھی غلطی سے خیال بھی اجائے تو یا قسمت کہہ یا نصیب کر خاموش بیٹھ جائیں۔ یہاں تک تو چہرے کے متعلق ہوا اب رہا قد کا سوال آپ نے یہ نہیں لکھا کہ آپ کے دوست کا قد کتنا ہے۔ دو انچ تو وہ بڑہ ہی چکے اب آگے کہاں تک پہنچنے کا ارادہ



# معلومات

ہوائی جہازوں کی صنعت میں تازہ ترین  
اصلاحیں

مستند اطلاعاتیں مظہر ہیں کہ روسیوں اور  
برطانویوں دونوں نے ہلائی وڈ (امریکن تختہ  
یا ایک قسم کی پرت دار لکڑی) کے ڈھانچے  
کے لڑاکو ہوائی جہاز بنائے اور استعمال کئے ہیں  
ایک مدت سے اطالوی بھی میڈیٹرینین میں  
استعمال کرنے کے لئے دو موٹر اور تین موٹر والے  
ہلائی وڈ کے ڈھانچے کے بمبار ہوائی جہاز کام  
میں لارہے ہیں۔

ممالک متحدہ (امریکہ) میں فوجی حکام  
اعلیٰ نے تربیتی اغراض کے لئے لکڑی کے  
ہوائی جہازوں سے کام لیا ہے۔ حال ہی میں  
کریٹس رائٹ نے فوجوں کے لئے ۴۰ فٹ کے  
بارباردار ہوائی جہاز بھی پہلی پہلی ہلائی وڈ سے  
تیار کرنا شروع کئے ہیں۔

”چند منافع“

فوج اور سامان لے جانے والے جہازوں  
کی تمام قسموں میں لکڑی اچھا کام دے سکتی

ہے ایسے جہازوں کو تمام دھات سے بنے  
ہوئے جہازوں پر چند وجوہ ترجیح حاصل ہیں۔  
ہوائی جہازوں میں جو دھات مستعمل ہے  
لکڑی اس کے مقابلہ میں دیرس اور زیادہ  
آہستگی کے ساتھ جلتی ہے اور یہ بھی حقیقت  
ہے کہ بہت سے حالات میں آگ کے خطرہ سے  
زیادہ محفوظ رہتی ہے۔

لکڑی بم کے ٹکڑوں اور گولیوں کو بھی  
بہتر طور سے جذب کر سکتی ہے۔ اسی لئے  
بنظر احتیاط تمام دھات سے بنے ہوئے لڑاکو  
اور بمباروں پر بھی لکڑی کی چادر چڑھا دی  
جاتی ہے تاکہ گولیوں سے جو سوراخ ہو جاتے  
ہیں لکڑی پر کر ان کے درمیان آجائے۔

جس وقت ہوائی جہاز دھاکے سے زمین  
پر گرتا ہے تو اگر اس کا چوکٹھا یا ڈھانچہ  
ہلائی وڈ کا ہو تو صرف اس کے بیرونی حصہ  
کو نقصان پہنچتا ہے اور کچھ ٹوٹ بھوٹ کی  
کی شکایت پیدا ہو جاتی ہے لیکن اگر دھات کا  
ہو تو وہی فریم آرکن باجے کی طرح تہ ہو جاتا  
ہے اور ہوائی جہاز نشین سخت خطرہ میں



### نیا دستی ریڈیو سٹ

جنگ کی بدولت ایک بیا تعجب خیز ریڈیو سٹ ایجاد ہوا ہے۔ یہ اتنا چھوٹا ہے کہ سپاہی کی پیٹھ پر آسانی باندھا جاسکتا ہے اور اسے ہاتھ سے لانے لیجانے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی اس سے پیغام بھیجنے اور وصول کرنے کے دونوں کام لٹے جاسکتے ہیں۔

اس خاص سٹ کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ پیغام بھیجنے والے کے پیام اس کی بدولت ہیڈ کوارٹس کو گلے کی حرکات سے واپس ارسال کیے جاتے ہیں۔

جب اس پر کام کرنے والا فوجی جاسوسی پر مستعد رہکر کوئی اہم بات دیکھتا یا سنتا ہے تو وہ کچھ بولکر خبر دسانی نہیں کرتا بلکہ صرف سرکوشی سی کرتا ہے۔ باقی کام یہ سٹ انجام دیتا ہے جو اس کے گلے میں بندھا ہوتا ہے۔ اس کی کھمر پھسر سے جو حرکات، افق ہوتی ہیں انہیں آلہ جذب کر کے ہیڈ کوارٹس کو منتقل کر دیتا ہے۔ آج کل یہ دستی وائریس سٹ مشرق وسطیٰ میں استعمال ہو رہا ہے۔

### جنگ میں حصہ لینے والی شہد کی مکھیاں

ممالک متحدہ (امریکہ) میں شہد کی مکھیاں ضروریات جنگ کے سلسلے میں اہم کام انجام دے رہی ہیں۔ لیکن یہ کام ان کے شہد سے نہیں بلکہ موم سے نکل رہا ہے جو چار سو سے زیادہ صنعتی اشیاء میں کارآمد ہیں۔ ان چیزوں میں دوائیں، اسلحہ، گولی بارود اور جنگی

پڑ جاتے ہیں۔ ایسی مثالیں بہت ملتی ہیں جن میں لکڑی کے ڈھانچے کی وجہ سے ایسے تصادم کے وقت بیٹھنے والے بغیر کسی ضرر کے جانبر ہو گئے۔

جب کبھی ہوائی جہاز بہت زیادہ پھوار اور ترشح کی زد میں آ جاتے ہیں اس وقت بھی لکڑی دھات سے کہیں زیادہ مستحکم ثابت ہوتی ہے۔

الحکدار اور کھڑی ہونی پلائی وڈ ہوائی جہاز کے بازو اور چوکھٹے کی چادر کیلئے بہت کارآمد اور مضبوط ثابت ہوتی ہے۔ پلائی وڈ کے بجائے مکھائی، پاپلار (درخت حور) اور دوسری قسم کی لکڑی بھی استعمال ہو سکتی ہے۔ پہلے کھڑائی یا ڈھلائی سرد دباؤ (Cold pressure) اور جنین (کسٹین) کے سریش یا گوند سے کی جاتی تھی اب میڈیسن، ممالک متحدہ کے جنگلاتی معمولوں میں جن نئے طریقوں کو رواج دیا گیا ہے ان میں کرم داب اور رال کے گوند سے کام لیا جا رہا ہے۔

رال لکڑی کو اتنا بوجھل کر دیتی ہے کہ اس سے بنا ہوا ڈھانچہ قوت اور پائیداری میں یوری طرح ایلومینیم کا مقابلہ کرتا ہے۔ اس طرز کے بنے ہوئے جہاز ممالک متحدہ میں حمل و نقل کا کام کافی مددگی سے انجام دے چکے ہیں جن کی بدولت توقع ہے کہ فوجی ہوائی پروگرام میں اس قسم کے بارردار ہوائی جہازوں کو وسیع تر مقام حاصل ہو جائیگا۔

## آنکھ سے گرد نکالنے کے لئے زبان کا استعمال

بریشی کے دور دراز گاؤںوں میں آنکھ سے گرد صاف کرنے کا ایک عجیب طریقہ رائج ہے۔ جب ایسی تکلیف دہ صورت پیش آتی ہے تو کسی دوست یا سنا سے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی زبان سے اسے نکال دے۔

یہ عمل قواعد حفظ صحت کے لحاظ سے شائد چنداں اصولی نہیں مگر مجرب و کارگر ضرور معلوم ہوتا ہے۔ زبان کا نرمی سے مس کرنا دیدے کو کوئی تکلیف نہیں دیتا اور گرد کے جو ذرے آنکھ میں گھس جاتے ہیں زبان کے تر ہونے کی وجہ سے ان میں لیس پیدا ہو جاتی ہے۔ وہاں زبان کا سرا آنکھ کے اندر دوا یا مرہم لگانے کے لئے بھی کام میں لایا جاتا ہے۔

## غید مہلک بندوقین

سب بندوقین ہلاک کرنے ہی کے لئے نہیں بنتی ہیں ان کی بعض قسمیں صنعتی کاموں میں بھی کارآمد ہیں۔

بے شبہ دھماکا مادہ سپاہی کی رائفلیں تو انائی کا مجتمہ سرچشمہ ہے لیکن اسے اور طریقوں سے بھی کام میں لایا جاسکتا ہے۔ مثلاً آپ کو ایک آدھ انچ دبیز فولادی چادر میں انچ بھر گول سوراخ کرنے کی ضرورت پیش آسکتی ہے۔ ممکن ہے آپ یہ کام برص سے لینا چاہیں۔ لیکن اس میں دیر لگے گی۔ پینچ کا بھی خیال آسکتا ہے جس سے۔ ٹرام اور بس وغیرہ کے

طیارے سب شامل ہیں۔ شہد کی مکھیان پالنے والوں نے سنہ ۱۹۴۲ ع میں (۳۳۸۰۰۰۰) پونڈ موم جمع کیا۔ ممالک متحدہ کی تاریخ میں ایک سال میں موم کے اتنے ذخیرے کی یہ بہترین مثال ہے۔

## بچھڑوں کے لئے پر اسرار خوراک

آج کل جوان بچھڑوں کو ایک پر اسرار طریقے سے تیار کی ہوئی خوراک استعمال کرائی جا رہی ہے جس کا ادنیٰ کرشمہ یہ ہے کہ اس طرح کھلائے ہوئے ہر بچھڑے کی بدولت چالیس کیلن دودھ انسانی صرف کے لئے بچ رہتا ہے۔

یہ خوراک ایک مخفی نسخے سے بنائی جاتی ہے اس لئے اسکے اجزا تو نہیں بنائے جاسکتے مگر اتنا ضرور کہا جاسکتا ہے کہ عنقریب رسد میں کفایت پیدا کرے کے لئے بہت سے غذائی مرکز اسے تیار کرینگے۔ یہ مرکب خوراک بچھڑوں کو انکی پیدائش کے تیسرے ہفتے سے دلیسے بالیسے کے طور پر بڑی مقدار میں شروع کرادی جاتی ہے اور جس مقدار میں انہیں فطری خوراک کے طور پر دودھ ملتا تھا اس میں اسی ماسب سے کمی کر دی جاتی ہے۔

اس مرکب خوراک کی تیاری وزارت اغذیہ و وزارت زراعت کے قریبی تعاون کا نتیجہ ہے اسٹانفورڈ شائر فارم انسٹی ٹیوٹ کی بچھڑوں کو اس پر پرورش کیا گیا تو ان سے دس پونڈ فی ہفتہ زیادہ دودھ حاصل ہوا۔

یہی قاعدہ اوزاروں میں بحری تار کائنسے کے لئے مستعمل ہے۔ دونوں والی کیلیں ایسے اوزاروں کی مدد سے گزادی جاسکتی ہیں جو آلہ ان کیلوں کو ہٹاتا ہے وہ ہاتھ کی گرفت میں رہتا ہے اور کیلوں کے سرے پر سے ایک لمحہ پہنچ کر دبا کر اس شے سے علاحدہ کر لیا جاتا ہے جس میں سوراخ کرنا مطلوب ہے۔

ان اوزاروں میں سے بعض ایسے ہیں جن کو غوطہ خور اشخاص پانی کے اندر استعمال کرتے ہیں۔ ان کی وضع قطع معمولی بند وقوں سے ممتاز ہوتی ہے۔ ان کا نشانہ با پھیلی ہوئی۔ کھل مند (Piston) جو کو یا اسکی گولی ہے ان بند وقوں سے کبھی جدا نہیں ہوتی۔ اسکا یہ مطلب ہے کہ دھماکے سے جو کیسیں پھیلی ہیں وہ تالی میں رک جاتی ہیں۔ اس سے اتنا زیادہ شور نکلتا ہے جتنا گولی کے رائفل سے نکل چکنے کے بعد ہوتا ہے اور فراڈ کیسین پیچھے کی طرف دھکا دیتی ہیں۔

#### مشین سے تیل کے کنوئیں کی پروڈنا

غالباً صنعتی بند وقیں مشین سے تیل کے کنوئیں کھودنے میں سب سے زیادہ مستعمل ہیں۔ بہت سے لوگ تیل کے کنوئیں کو بھی زمین کا معمولی سوراخ یا بل تصور کرتے ہیں۔ یہ کنوئیں اگرچہ کئی کئی میل تک اندر چلے جاتے ہیں مگر عموماً ان کی دیواروں پر سیمنٹ لگی رہتی ہے اور سیمنٹ کے اندر فولادی غلاف ہوتا ہے۔ بسا اوقات ان میں کئی مختلف طبقے ہوتے ہیں جن سے تیل حاصل کیا جاسکتا ہے

کنڈ کر اپنے ٹکٹوں میں سوراخ کیا کرتے ہیں مگر اس کے لئے تاروں اور نلکیوں کی ضرورت ہوگی جو اسے صحیح طویق سے توانائی کے ایک بڑے سرچشمے سے وابستہ رکھیں۔

#### ”فولاد میں سوراخ کاٹنا“

ان صورتوں کے علاوہ ایک شکل یہ بھی ہو سکتی ہے کہ آپ فولادی چادر کو بندوق کا نشانہ بنا کر مطلوبہ سوراخ بنالیں۔ شائد آپ کے خیال میں اس قسم کی بندوق آسانی سے نہ آئیگی۔ یہ بندوق بھی فولاد ہی سے بنتی ہے مگر اس کی وضع عام بند وقوں سے مختلف ہوتی ہے۔ شکل میں جلی خط میں اکھٹے ہوئے حرف (C) سے مشابہ ہوتی ہے۔ اس میں جو کارتوس رکھا جاتا ہے وہ ایک معمولی قسم کے سادہ کارتوس سے بہت چھوٹا ہوتا ہے۔ یہ جس وقت سر ہوتا ہے تو اس سے ایک لاکھ پونڈ کا دباؤ ڈالنے والی کیسین خارج ہوتی ہیں اور فولادی چادر میں سوراخ ہو جاتا ہے جو نہایت مکن گول اور چمکا ہوتا ہے اور اسکیے دونوں طرف کمرام کو نہیں ہوتی۔

اس بندوق کا وزن (۷۰) پونڈ ہوتا ہے۔ جو بندوقیں اس سے چھوٹی ہوتی ہیں ان میں (۲۷) پونڈ وزن کی بندوق (۷۰۰۰) پونڈ کا دباؤ ڈالتی ہے۔ اس قسم کی کسی بندوق سے کام لیا جائے تو لوہے کی ہیلوں (کڑس) میں فی گھنٹہ تیس چار میال کے حساب سے سوراخ کٹے جاسکتے ہیں۔

سے کام لینا مقصود ہوتا ہے۔ اس تار پیڈو کے اطراف بہت سے منہ ایسے بنے ہوتے ہیں جن میں بڑے جوز سے مشابہہ چیزیں اسکرو سے کسی ہوتی ہیں۔

یہ ”جوز نما“، چیزیں فائر کرنے والی اکائیاں ہیں اور ایک بندوق میں (۲۴) تک استعمال ہوتی ہیں۔ ہر اکائی بارود، نالی اور نوکدار فولادی گولی پر مشتمل ہوتی ہے۔ جب بندوق مناسب کھرائی کی طرف جھکا دی جاتی ہے اس وقت یہ اکائیاں ایک وقت میں ایک کے حساب سے برقی قوت سے فائر کرتی ہیں۔

چونکہ اس بندوق کی نالی بہت چھوٹی ہوتی ہے اس لئے اس کی گولی میں ضروری دباؤ پیدا کرنا بھی خاصہ اہم مسئلہ تھا۔ رائل کے اندر دھا کے سے جو کیسیں پہناتی ہیں جب تک گولی بندوق کے اندر چلتی رہتی ہے اس پر برابر اپنا دباؤ ڈالتی رہتی ہیں۔ مگر برمانے والی بندوق کی چھوٹی نالی اس کے لئے کم وقت دیتی ہے۔ جلد سلسلہ اٹھنے والی پستول کی بارود سے بھی گولی اتنی جلدی نکل جاتی ہے کہ اس میں ضروری توانائی پیدا ہونے کا بہت کم موقع رہتا ہے۔

اس مشکل پر قابو پانے کے لئے ایک کترا ہوا پتر (Shear dix) استعمال کیا جاتا ہے جو ایک دھات کا ہوتا ہے اور بندوق کی نالی اور بارود کے درمیان داخل کر دیا جاتا ہے۔ یہ پتر کیسوں کو اس وقت تک روکے رہتا ہے جب تک ان سے پورا دباؤ پیدا نہ ہو جائے۔ اب پتر ٹوٹتا ہے اور دھا کے کی قوت فوراً گولی پر پڑتی

اور کنواں کھودنے وقت یہ تیل بہت زیادہ کھرائی میں چلا جاتا ہے۔ یہ عمل اس لئے کیا جاتا ہے کہ اس میں کفایت زیادہ متصور ہے۔ جب برمانے یا کھودنے کے لئے سب انتظام ہو چکے ہوں تو ایک آدمی سیدھا کھرائی میں جا کر ایک طبقے میں سوداخ کر دیتا ہے، اس کے تھوڑی دیر بعد دوسرے طبقے میں اس سے زیادہ کھرا سوداخ کرتا ہے اور سارا کام آسانی سے انجام پا جاتا ہے۔

جب کنواں اچھی طرح تیار ہو جاتا ہے اور تمام راستے میں غلاف بچھ جاتا ہے اس وقت ضرورت ہوتی ہے کہ اس کے اندر شکاف یا سوداخ بنائے جائیں جن سے تیل بہ کر آسکے۔ سنہ ۱۹۰۳ ع میں ایک میکینیکی برمسے یا سوداخ کرنے والے آلے سے اس قسم کے دھانے بنانے کی ایک تدبیر پیش کرانی گئی تھی۔ اس آلے میں مسطح یا افقی نوکدار پن لگے ہوتے تھے جو غلاف کے درمیان سے باہر کی طرف اس طرح پھینکی جاتی تھی جس طرح پھر اوزار ڈھکیلی جاتی ہے۔ سنہ ۱۹۲۶ ع میں بھی کام ایک بندوق سے اپنے کی تدبیر پیش کی گئی جو دراصل کسی نہ کسی صورت میں سنہ ۱۹۰۳ ع ہی سے زیر کار تھی۔

ظاہر برمانے والی بندوق اور سپاہی کی رائل میں کوئی تعلق نظر نہ آئے گا۔ یہ بندوق بمقابلہ کسی اور ہتیار کے ایک نہایت پتائے تار پیڈو سے زیادہ مشابہہ معلوم ہوتی ہے۔ اس کا قطر تین انچ سے پانچ انچ تک ہوتا ہے اور یہ کنوئین کے سوداخ پر نصب ہوتی ہے جس میں اس

کہتے ہیں۔ اس کی ساخت میں یہ خیال کارفرما ہے کہ اس میں ایک تار ایسا رکھا جائے جو بارود میں سے ہو کر گزرے۔ اگر بار غیر معمولی ہو تو تار کرم ہوتا ہے، بارود بھڑکتی ہے اور دھماکا برقی رو کو توڑ دیتا ہے۔ اس ایجاد کی ایک شکل میں ایک سادہ کارتوس روابط کو جدا کر دیتا ہے اور بیک وقت دباؤ تیل جیسے ایک حاجر سیال کو روابط کے درمیان سے علحدہ کر کے اثر انداز طریقے سے اس عراب کو قطع کر دیتا ہے جو ان کے مابین بن سکتی ہے۔ اس کی ہلکی، مرکب تدریج سے نہایت وزنی کرنٹ حاصل کیا جاسکتا ہے جسکے لئے پہلے قدیم نمونے کے بڑے پٹاخوں (Breakers) کی ضرورت ہوا کرتی تھی۔

#### جنگ اور سائنسی انکشافات

جنگ کی مقتضیات و ضروریات سے متاثر ہو کر سائنسدانوں نے عموماً کیمیا دانوں نے خصوصاً نہایت انقلاب آفرین چیزیں مواد اور ساخت و حکمت وغیرہ کے لحاظ سے نا ڈالی ہیں جن کی بدولت سنہ ۱۹۴۰ء کا زمانہ عہد کہن معلوم ہوتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے مہینوں کی ایسی تکمیلی مدت میں سمٹ آئی جس کے بروئے کار آنے کے لئے صدیاں درکار ہوتیں صرف دو برس پہلے جو چیزیں احاطہ خیال سے باہر تھیں وہی آج حقائق کی شکل میں جلوہ گر ہیں۔

تالیفی ربر کی صنعت میں ترقی دنیا بھر میں خام ربر کی پیداوار کو ترقی دینے میں تقریباً ایک صدی سے زیادہ مدت لگی

ہے، اسے باہر کی طرف نکال پھینکتی ہے اور اس عظیم الشان دباؤ پر قابو پالتی ہے کنواں میل دو میل کھرا ہو کر پانی سے بھر جاتا ہے۔ اس وقت کوئی کنوئیں کے غلاف میں کھس جاتی ہے اور بعض اوقات لوہے اور سیمنٹ کی پرتوں کو بھی اپنے دائرہ اثر میں لے لیتی ہے۔

جب کافی سوراخ کنوئیں کے خول میں بندوق سے بن چکتے ہیں تو بندوق اوپر کھینچ لی جاتی ہے اور تیل بہہ نکلتا ہے۔ جب یہ پرتیں کام آچکتی ہیں تو ان کے اوپر کنوئیں میں ایک ڈاٹ لگا دی جاتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو اوپر کی پرت میں سوراخ کرنے کی صورت میں تیل بجائے اوپر چڑھنے کے نیچے بہنے لگے۔ ڈاٹ لگانے وقت بھی دھماکا اشیاء سے مدد لی جاتی ہے۔

#### ”ہیلیم برادر بندوقیں“

بندوقوں سے جس طرح تیل نکالا جاتا ہے اسی طرح ہیلیم کیس بھی بندوقوں کی مدد سے فوجی و بحری جھوٹے ہوائی جہازوں میں بھری جاتی ہے۔ اس کے علاوہ بندوقوں سے ادویہ اور صنعت کے سلسلے میں اور بہت سے کام لائے جاتے ہیں مثلاً بعض خاص بندوقیں ان خوفناک اور مہیب اعطاف (bends) کو دور کرتی ہیں جو پانی کے اندر کام کرنے والوں اور غوطہ زنوں کو متاثر کرتے ہیں۔ ہیلیم کے بڑے عالمی سرچشمے ٹیکساس کے کیسون کے کنوین ہیں۔ صنعتی بندوق کا ایک اور نمونہ وہ ہے جسے دھماکا رو شکن، (Explosive circuit breaker)

## قدیم وسائل سے نئی دولت کا حصول

میکینیشیم وزن کے اعتبار سے ایلومینیم کے مقابلے میں تقریباً (۶۰) فیصدی ہے اور لوہے کے وزن کا تقریباً ۱/۲ وزن رکھتی ہے۔ سنہ ۱۹۱۵ء میں اس کی قیمت ہشلنگ فی پونڈ تھی اور چند سال قبل تک اسے ایک مصنوعی حیرت خیز چیز کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ آج کل یہی شے مربع فٹ سے فاپ کر ساڑھے بائیس سنٹ (سنٹ ۱/۲ ڈالر) فی پونڈ کے حساب سے فروخت ہوتی ہے اور ایلومینیم سے زیادہ ارزاں ہے جو (۱۵) سینٹ فی پونڈ کے حساب سے بکتی ہے۔ اوسطاً نصف ٹن میکینیشیم امریکہ کے ہرازا کو ہوائی جہاز کی تیاری میں کام آنے کے لئے چلا جاتا ہے۔ جنگ کے بعد صنعتی دھاتوں میں اس سب سے زیادہ ہائی دھات کی پیداوار و ساخت کی قابلیت قوم میں ایلومینیم کی مقدار پیداوار سنہ ۱۹۳۹ء کی دوکئی سے زیادہ ہوئی۔

ہوائی جہاز کے علاوہ میکینیشیم کی جو غالب مقدار صنعتی اغراض میں کارآمد ہے اس کا ماخذ بھی اتنا ہی اہم ہے۔ تاریخ میں پہلی مرتبہ ایک صنعتی دھات کیمیائی ترکیبوں سے سمندر سے حاصل کی جا رہی ہے۔ بڑے بڑے زبردست پمپ پیچیدہ ساخت کے آلات سے روزانہ (۳۰۰۰۰۰۰۰۰۰) ٹیس کروڑ کین پانی سمندر سے نکالنے میں مصروف ہیں۔ سردست میکینیشیم اور برومان ہی ایسے مادے ہیں جو شتابکاری سے سمندر سے نکالے جا رہے ہیں۔

جب کہیں اس کی مقدار پیداوار سالانہ دس لاکھ ٹن تک پہنچی۔ اب ممالک متحدہ امریکہ دو سال سے کم مدت میں اتنا ہی ٹن اکارناہہ پٹرولیم، الکحل، کوئلے اور چونے سنگریزوں سے کیمیاوی برتیار کر کے انجام دے رہے ہیں۔ اسی طرح ایلومینیم کی پیداوار کا حال ہے۔ ممالک متحدہ میں جتنی مقدار میں ایلومینیم ۱۹۳۹ء میں پچاس سال کی سخت تدریجی ترقی کے بعد پیدا ہوئی تھی ۱۹۴۳ء کے آخر میں اس کی مقدار سات گنی زیادہ ہو جائیگی۔ اسکے ساتھ جب سائنسی طریقے اور تدبیریں سمندر کے نمکین پانی اور دوسرے وسائل و ماخذ کے متعلق عالم آشکار ہوئی تو میکینیشیم جتنی مقدار میں ۱۹۳۹ء میں برآمد ہونی نہیں کم از کم اس سے سو گنی زیادہ حاصل ہو سکے گی۔ ۱۹۳۹ء میں میکینیشیم کی صنعت (۲۴) سال کی عمر پا چکی تھی اور اب صرف (۴) سال کے اندر اسکی پیداوار میں اتنا عظیم الشان اور حیرت انگیز اضافہ ہوگا۔

اب کی دنیا جب اس جنگ کے بھنور سے نکلے گی تو اس کا دامن پلاسٹک (ملائم شکل پذیر مادہ)، تالیفی سوت، نائٹریس، ہائڈروکاربن، ہائی آکسین کیسولین اور حقیقتاً بیسیوں دوسری کیمیائی اشیاء اور خام مواد کی پیداوار سے مالا مال ہوگا اور یہ سب چیزیں اتنے وسیع اور بہتر پیمانے پر اسکے پاس موجود ہونگی کہ صرف دو سال قبل ان کا تصور کرنا دشوار تھا۔

ہے۔ کوشش جاری ہے کہ اس کے تحفظ کے متعلق کوئی مناسب حل دریافت ہو جائے۔

### موٹر کے ایندھن کا ارتقا

پٹرولیم پر بھی ہر حیثیت سے نظر رکھتے اس کا ارتقا بھی کہیں سے کہیں پہنچ جائے گا۔ چند سال پہلے لوگوں کو یقین تھا کہ موٹر کے ایندھن کی انتہائی حد طاقت میں کیسولین سے ملتی جلتی ایسی شے کی ایجاد ہوگی جو اپنی شور بند (Antiknock) خصوصیت و قوت میں خاص آئسو آکٹین (Iso-octane) کی نظیر ہو۔ آئسو آکٹین ان اعتبارات میں اتنا بڑھا ہوا ہے کہ اس کے لئے ہنگامی طور پر آکٹین نمبر (۱۰۰) کا نشان مختص کر دیا گیا جو کیسولین کے ارتقا کے لئے معیار قرار پایا۔

شاہی ہوائیہ نے (رائل ایر فورس) جو انگلستان کو بچانے کے لئے شدید حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے ماہ بماء اپنی قوت میں اضافہ کیا وہ بھی دراصل بہتر ایندھن پیدا کرنے کے لئے کیمیا دان کی جدوجہد کا مظاہرہ ہے جس کی بدولت وہ ہوائی جہازوں کو زمانہ سابق کے مقابلے میں کم سے کم وقت میں تیز سے تیز رفتار سے طویل سے طویل مسافتی حلقوں میں پرواز کے قابل بنادے گا۔ سچ بوجھتے تو برطانیہ کی جنگ اس لحاظ سے ایک آزمائشی معمل بن گئی ہے جس میں ایک قوم کی صلاحیتیں اور جانیں اپنا دم خم دکھا رہی ہیں۔

اس برطانوی اور امریکی معمل میں جو کام ایک غیر معمولی تجربے کی حیثیت سے انجام

لیکن ظن غالب اور پورے امکان کے ساتھ کیا جاسکتا ہے کہ جتنے عناصر زمین پر پائے جاتے ہیں ان میں سے ہر ایک عنصر کے آثار سمندر میں موجود ہیں۔ کیا عنقریب افسانوں کے تخیلات سے زیادہ والا اور جدید کیمیا کا میدان تیار ہونے والا ہے؟ توقعات کچھ ایسی ہی ہیں گو اب تک پورے یقین کے ساتھ اس کا جواب نہیں دیا جاسکتا۔

ادھر فولاد بھی اپنی نوبت پر دعوت مقابلہ دے رہا ہے۔ ادنیٰ قسم کی بھرت کا فولاد اور اعلیٰ قسم کی بھرت کا فولاد حال ہی میں معمل سے تازہ دم نکلا ہے اور پرواز کے کاموں میں یا جہاں بھی ہلکا پن اور مضبوطی ناگزیر طور پر درکار ہو اس کا استعمال روز افزوں ہے۔ آج کل ماهر کاریگروں کی باوثوق رائے کے مطابق دیو پیکر ہوائی جہازوں کا ذکر بہت آتا ہے جن میں زیادہ تر فولاد ہی کا دخل ہے۔ یہ نئے بھرت وزن میں ایلومینیم سے تین گنے اور میگنیشیم سے تقریباً پانچ گنے ہیں لیکن ان کی کھینچنے والی قوت مربع انچ میں (۱۹,۰۰۰) پونڈ کے لگ بھگ ہے۔ یہ خوبی حجم کو کھٹا کر اور غیر ضروری سہارے دور کر کے وزن کے کم ہونے کا موقع ہم پہنچاتی ہے۔

فولاد کے کیمیا دان کہتے ہیں کہ جیسے جیسے آئندہ ہوائی جہاز تعداد میں بڑھینگے نئے فولادی مرکبات کے استعمال کا رجحان ترقی کرتا جائے گا۔ ان مرکبات میں معمولی لوہے سے کم زنگ لگتا ہے، مگر گنتے کا مادہ ایلومینیم سے زیادہ

اسٹر، (Esters = الکحل اور ترشے کے اتحاد سے بنا ہوا مرکب) ترشے، محلات، خوشبوئیات، دوا سازی کے مواد اور ہر نمونے کے عضوی تالیفی مرکبات حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ وہ عمل انگیز (Catalytic) (شقاف) (Cracking) طریقہ عمل جن کو حال حال میں عمل پذیر کی کے اعلیٰ درجہ پر پہونچایا گیا ہے۔ آج کل اسی منزل کی رہنمائی کر رہی ہیں اور پٹرولیمی کیمیا کو اس احاطے میں لجا رہی ہیں جو کبھی کولتاری کیمیا کے لئے مخصوص تھا۔

یہ تکمیلی مرحلہ جسے سنہ ۱۹۳۹ء میں طے کرنے کی سعی جاری تھی اور جس کی حدود میں جنگی ضرورتوں نے عظیم الشان وسعت پیدا کر دی ہے موجودہ و مروجہ خیالات کی دسترس سے باہر ہے۔ تالیفی ربر جیسا کہ ہر

کیمیا داں واقف ہے ایک سرے سے ربر ہے ہی نہیں بلکہ ایک وسیع تر اور زیادہ اہمہ افزا کام آنے والا نیا کیمیاوی مرکب ہے جو ہیوٹاڈین (Butadiene) اور اسٹیرین (Styrene) نامی مادوں سے حاصل کیا جا رہا ہے اور خود یہ مادے وہ ہیں جنہوں نے پٹرولیم سے تالیف پائی ہے۔ ٹولوین (Toluene) ٹولو اور تارکول (کامرب) جو نہایت اہم تھے اعلیٰ دھماکو مادوں میں سے ایک کی اساس کی حیثیت سے بہت مشہور ہے اور ساتھ ہی کیمیا رنگ سازی اور بہت سی دوسری صنعتوں کا بھی نہایت ضروری جزو ہے آج کل پٹرولیم کی پیداوار ہے۔

ہا چکا ہے اس نے موٹر کے ایندھن کی صنعت میں ایسی سرین اور فوری تبدیلیاں پیدا کی ہیں جن کی صدا صلح ہو جانے کے بعد بھی ایک مدت تک فضا میں گونجتی رہے گی۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ یہ ایندھن اب آکٹینی معیار سے بھی آگے بڑھ سکتا ہے۔ ان کے تخمینہ کردہ آکٹینی نشانات (۱۱۰) یا (۱۱۵) بلکہ اس سے بھی متجاوز ہیں۔ آکٹین ایندھن نمبر ۱۰۰ سے جتنی طاقت حاصل ہوسکتی ہے اس سے ڈیوڑھی ان سے حاصل ہوا کر یکی۔ جنگ کے بعد کے حالات کی جو علامات نمایاں ہیں ان پر نظر کرتے ہوئے پٹرولیم کا ماحر کیمیا آج کل کی موٹروں کو نکمی اور دقیاؤسی خیال کرتا ہے۔ اس کے نزدیک موٹر کے ایندھن میں جو کون کون جدتیں اور اصلاحیں ہوں گی موجودہ موٹروں میں ان کی گنجائش نہ ہوگی۔

### تیل کے پیپے کی کرامات

اب پٹرولیم کی کیمیا کے ایک اور پہلو پر نظر کیجئے۔ تیل کے پیپے میں یوں تو معمولی سے تیل کے سوا کچھ نہیں لیکن غور کیجئے تو یہی پیپہ بلا مبالغہ ہزاروں کیمیاوی مرکبات کا خزانہ ہے۔ کیمیا داں مدت سے اس تیل کی ان صفات پر فریفتہ ہے اور اسے اس کا امکان نظر آتا ہے کہ سورج کے نیچے قریب قریب ہر چیز، ہائیڈروجن اور کاربن کے کیمیاوی سنگ تعمیر سے بنائی جاسکتی ہے۔ وہ محسوس کرتا ہے کہ مناسب ترکیب سے صرف آکسیجن اور دوسرے عناصر شامل کر کے تیل سے الکحل



تول سکتے ہیں۔ اس کی نمائش چند روز قبل ناپٹاؤن کے امریکی وفاق میں کی گئی تھی۔ اس آلہ کا خیال امریکہ کی ایک ٹاپینا عورت ایویلی وائسن کو آیا تھا۔ اس کے اندر یہ خوبی دکھائی گئی ہے کہ اس کو تولنے کی ہر مشین میں لگایا جاسکتا ہے اور یہ مختلف وزن پر ایک علیحدہ آواز دیتا ہے۔ توقع ہے کہ اس آلے کی تکمیل کی بدولت جنگی صنعتوں کے بہت سے ابواب اندھوں کے لیے کھل جائیں گے۔

#### نیورگڈنی میں پہاڑی بوٹوں کا انکشاف

نیورگڈنی کے علاقے میں پہاڑی بوٹوں کے ایک عجیب قبیلے کا پتہ لگا ہے۔ یہ لوگ پہاڑی باغوں کی دکھوالی سے گزر بسر کرتے ہیں اور درختوں کی چھال سے تن ڈھانکتے ہیں۔ ان میں سے سب سے بڑے قد کا آدمی (۳۸) انچ سے کچھ اوپر ہے۔ زیادہ تعداد ایسے ہی لوگوں کی ہے جن کے قد (۳۶) انچ یا اس سے بھی کم ہیں۔

ان علاقوں میں بوٹوں کے متعلق گزشتہ زبانوں میں بھی خبریں کشت کر رہی ہیں مگر ان کے موجود ہونے کی یہ پہلی تصدیق ہے جو آسٹریلیا کے سپاہیوں کی بدولت حاصل ہوئی ہے۔ (م-م-م)

پٹرولیم کا ماہر کیمیا تقریباً مساوی سہولت کے ساتھ ایک طرف ہیں ایتھیلین (Ethylene = الکحل کی ایک قسم) دے سکتا ہے، دوسری طرف بئرن۔ ساتھ ہی انہیں ٹاپ تول سے روزانہ سیکنڈوں کی مقدار میں فراہم کر سکتا ہے۔ اس کارنامے کی مثال ایسی ہے جیسے ایک ہی پیسے یا خم سے شراب بھی نکالی جائے اور پانی بھی یا ایک ہی جانور سے گائے کا گوشت بھی برآمد کیا جائے اور سور کا بھی بالکل یہی صورت ایتھیلین اور بئرن کی ہے جو بالکل کیمیاخانوادوں کے رکن ہیں باوجود اس کے بک پٹرولیم سے دونوں حاصل ہوتے ہیں۔ عملی حیثیت سے دیکھتے تو ان سے بالکل مختلف کام لگے جاتے ہیں جیسے اسٹیرین پلاسٹک کی ساخت یا تالیفی ربر کے دونوں نمونے جو بنا (Buna) اور تھکول (Thickol) کہلاتے ہیں، دوائیں، رنگ اور نیلون (Nylon) کی تیاری۔

#### اندھوں کے لئے وزن کرنے کا آلہ

حال ہی میں ایک نیا آلہ ایجاد ہوا ہے جسے پیمانہ سماعت (Audio-scale) کہتے ہیں۔ یہ آلہ آواز کی مدد سے اندھوں کو اس قابل بنا دیتا ہے کہ وہ جھوٹی چیزیں بھی صحیح طریقے سے

# سائنس کی دنیا

## ہندوستان میں جیپسم کے ذخیرے

جیپسم کیلیم کا آئیدہ سلفیٹ  $(CaSO_4, 2H_2O)$  ہے۔ یہ قدرت میں مختلف شکلوں میں پایا جاتا ہے۔ مثلاً الباسٹر جیپسم کے سفید باریک ذرات پر مشتمل ہوتا ہے۔ سلیٹ ٹائٹ جیپسم کی قلمی شکل ہے اور دو سائز اسپار، ریشہ دار قسم ہے۔ جیپسم میں سختی نہیں ہوتی۔ ناخن سے اس پر خراش پڑھ جانا ہے تاہم یہ بلفم سے زیادہ سخت ہے یہ پانی سے  $\frac{1}{2}$  گنا بھاری ہے۔ جیپسم پیرمی پلستر کی تیاری میں کام آتا ہے۔ جو نیم آبی کیلیم سلفیٹ  $(CaSO_4, \frac{1}{2} H_2O)$  ہے جیپسم کو معتدل حرارت دے کر اس کا تین چوتھائی پانی خارج کرنے پر پلستر باقی رہتا ہے۔ اس میں پانی ملائے سے یہ آہستہ آہستہ سخت ہو جاتا ہے۔ ہستکی کے دوران میں حجم میں بھی تھوڑا سا بھیلتا ہے۔ اسی خاصیت کی بنا پر پیرمی پلستر کو سانچے بنانے میں اور تعمیرات میں دیوار کی استرکاری وغیرہ میں استعمال کرتے ہیں۔ پلستر کی تیاری کے علاوہ جیپسم سمٹ بنانے میں، ٹین

پلیٹ پر بالٹ کرنے اور بعض وقت زراعت میں کھاد کے طور پر بھی کام آتا ہے۔ نیز کاغذ، پینل، پینٹ اور ربڑ کی صنعتوں میں بھی اس سے کام لیا جاتا ہے۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ ہندوستان میں جیپسم کے ذخیرے وسیع طور پر پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے اہم حسب ذیل مقامات پر ملتے ہیں۔

- (۱) بلوچستان
- (۲) بھوٹان
- (۳) بمبئی
- (۴) وسط ہند
- (۵) مدراس
- (۶) صوبہ سرحد
- (۷) پنجاب
- (۸) راجپوتانہ
- (۹) سندھ
- (۱۰) صوبجات متحدہ

سنہ ۱۹۳۸ء میں ہندوستان میں مجموعی طور پر ۶۰۸۲۳ ٹن جیپسم نکالا گیا اور مختلف اغراض کے لئے استعمال کیا گیا۔ دوران جنگ کے صحیح اعداد ابھی تک شائع نہیں ہوئے۔

## ہندوستان میں تیل کے بیجوں کی پیداوار اور ان سے استفادہ

ہندوستان کی زرعی دولت کا ایک بڑا حصہ تیل کے بیجوں پر مشتمل ہے۔ اندازہ ہے کہ ۳ ارب ایکڑ کے مجموعی زیر کاشت رقبہ میں سے ۲۵ فیصد زمین پر تیل کے بیجوں کی کاشت کی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں ۹۰ کروڑ ایکڑ کے جنگلات سے بھی بعض اہم تیل یا بیج حاصل ہوتے ہیں۔ ذیل میں بکثرت اکٹھے والے تیل کے بیجوں کا زیر کاشت رقبہ اور سالانہ پیداوار درج کی جاتی ہے۔

سنہ ۱۹۳۸ ع کے اعداد سے ظاہر ہے کہ ہندوستان کی مجموعی پیداوار کا ۹۸٪ حصہ حسب ذیل چار اہم مراکز سے حاصل ہوا۔ ضلع جہلم (پنجاب) ۰۰۰٪، ریاست پیکانیر (راجپوتانہ) ۲۸۰۶٪، ریاست جودھپور (راجپوتانہ) ۱۵۰۰٪، ضلع ترچناہلی (مدراس) ۱۳۰۴٪۔ ہندوستان میں جیسم کی پیداوار کو آسانی بڑھایا جاسکتا ہے اور اس کی کھیت میں کوئی دقت نہ ہوگی۔ کیونکہ آرٹ اسکولوں میں بیسی بلسٹر کی طلب بڑھ گئی ہے نیز سمٹ کی صنعت بھی توسیع پا رہی ہے۔ زراعت کی ترقی کے ساتھ جیسم کا استعمال کھاد کے طور پر بڑھتا جائیگا علاوہ ازیں جیسم سے کدک بھی تیار کی جاسکتی ہے۔

بیج کی قسم	زیر کاشت رقبہ	سالانہ پیداوار
۱۔ بنہ	۲ کروڑ ۵۰ لاکھ ایکڑ	۲۰ لاکھ ٹن
۲۔ مونگ پھلی	۱ کروڑ	۳۳
۳۔ رائی	۷۰ لاکھ	۱۰
۴۔ المی	۵۰ لاکھ	۵
۵۔ کنکلی	۵۰ لاکھ	۶
۶۔ ارندھی	۲۰ لاکھ	۲
۷۔ کھوپرا	۱۴ لاکھ	۱۴
۸۔ خشخاش	۵ لاکھ	۲

ریڈ آئیل (۳) جلانے کے تیل مع موم بتیان۔  
گلسرین اور دھماکو اشیاء۔ (۵) پینٹ، وارنش،  
اور پلاسٹکس اور ر بڑ کے قائم مقام۔  
(۶) جوتوں اور چمڑوں کے صاف کرنے اور  
پالش کرنے میں۔ (۷) سادہ اور مرکب چمکانے  
والے تیل۔ (۸) لن اولیم اور آب روک کپڑے،  
(۹) طبی تیل اور ادویاتی آمیزے۔ (۱۰) مختلف  
قسم کے ہلکے کیمیائی اشیاء مع تالیبی خوشبوئیات  
کے۔

تیلوں کے استعمال کے متعلق جو سائنسی  
معلومات ہیں اس کے مقابلہ میں کھلی کے متعلق  
نہایت سطحی معلومات ہیں۔ تیل کے مقابلہ میں  
اس کی کھلی صناعی اور سائنسی اہمیت میں کم نہیں  
ہے۔ بلکہ بعض صورتوں میں خوردنی اشیاء  
موشیوں کے چارے اور کھاد کے طور پر ان  
کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔ علاوہ ازیں کھلیوں سے  
دھنی اشیاء، گلوکوسائیڈز، الکلائڈز، اور  
بیروزیے جو دواؤں اور مصنوعی اشیاء کے طور  
پر کام آتے ہیں حاصل کئے جاسکتے ہیں اور  
لطف یہ کہ ان اشیاء کے نکالنے کے بعد کھلیوں  
میں پروٹیز، کاربوہائیڈریٹس اور معدنی اجزاء  
کی کمی واقع نہیں ہوتی۔ اس لئے کھلی پر باقاعدہ  
سائنسی تحقیقات ضروری ہیں۔

بیجوں کے خول اور بھوسہ کے متعلق علمی  
معلومات کا بالکل فقدان ہے۔ اور خیال ہے  
کہ اس سے فنولز، فرفرال ڈی ہائیڈ  
وغیرہ کی سی قیمتی اشیاء حاصل ہو سکتی ہیں  
جو تالیبی پلاسٹکس کی تیاری میں بے حد ضروری  
ہیں۔ علاوہ ازیں خول اور بھوسہ سے پوٹاش

علاوہ ازیں عصار، کک، چل موگرا،  
نیم، ریٹھا، کاجو، کسم، حشیش وغیرہ بھی کم مقداروں  
میں پیدا ہوتے ہیں اور صناعی اہمیت رکھتے ہیں۔  
ان تمام ذرائع سے مجموعی پیداوار ایک  
کروڑ ٹن قرار دی جاسکتی ہے جس کی قیمت  
تقریباً ایک ارب روپیہ ہوتی ہے۔ لیکن افسوس  
کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ان بیجوں سے خاطر  
خواہ فائدہ نہیں اٹھایا جا رہا ہے۔

تیل کے بیجوں سے خاطر خواہ استفادہ کے  
لئے اس کے تینوں حصوں کا استعمال ضروری  
ہے یعنی (۱) بیرونی خول اور بھوسہ۔ (۲) بیج  
سے حاصل ہونے والے تیل۔ (۳) کھلی۔ ان اجزاء  
میں سے صرف تیلوں کے باقاعدہ استعمال اور  
فروخت کا انتظام ہے۔ دیگر اجزاء سے استفادہ  
کی باقاعدہ کوشش نہیں کی گئی۔

اس ضمن میں یہ بتانا بے عمل نہ ہوگا کہ اب  
تک ہندوستان میں ایک ہزار قسم کے مختلف  
بیجوں کے بودوں کی جن کا تعلق ۱۲۵ گروہوں  
سے ہے باقاعدہ تشریح کی گئی اور ان کے اندر  
پائے جانے والے مرکبات کا امتحان اور ان سے  
نکلنے والے تیلوں کے خواص کا مطالعہ کیا گیا  
یہ دیکھا گیا کہ گروہ کے بودوں کے اندرونی مرکبات  
اور تیلوں میں کافی مشابہت پائی جاتی ہے۔ تیلوں  
کے نکالنے کے مختلف طریقوں اور مختلف صنعتوں  
میں استعمال کے لئے تیلوں پر جو عمل کرنے پڑتے  
ہیں ان کا ذکر ہاں غیر ضروری ہے۔ البتہ یہ  
بتایا جاسکتا ہے کہ ان کا صناعی استعمال حسب ذیل  
طریقوں پر ہو سکتا ہے۔ (۱) خوردنی تیل اور  
نباتی گھی۔ (۲) مختلف قسم کے صابن مع ترکی

قیام میں حصہ لیا۔ اس سرورس کا قیام اور تنظیم غالباً پروفیسر ڈنیکلف کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔

اپنی ملازمت کے ابتدائی زمانہ میں پروفیسر ڈنیکلف نے اس ضرورت کو شدت سے محسوس کر لیا کہ ہندوستان میں کیمیکل پروفیشن (کیمیائی پیشہ) کی تنظیم ہونی چاہئے اور اسے مستقل بنیادوں پر قائم ہونا چاہئے۔ سنہ ۱۹۱۸ء میں انہیں ہندوستانی اسامعہ کے بورڈ کے تحت کارڈائٹ فیکٹری (اروون کڈو) میں ورکس کیسٹ مقرر کیا گیا جب یہاں سے وہ سنہ ۱۹۲۱ء میں سبکدوش ہوئے تو ان کو لیوریٹری کے فاضل کی حیثیت حاصل تھی۔ اور انہوں نے اپنی مخصوص قابلیت سے کئی ایک کیمیائی تحقیقات انجام دیں جو اسامعہ کے نقطہ نظر سے بڑی اہم تھیں۔ حکومت ہند کے ایما پر پروفیسر موصوف نے سنہ ۱۹۲۸ء میں ہندوستان اور برما کی بڑی بندرگاہوں پر آزمائشی تجربہ خانوں (ٹسٹنگ لیبوریٹریز) کی ایک وسیع اسکیم بنائی۔ لیکن سنہ ۱۹۲۹ء میں خود اپنی اصلی خدمت پر (گورنمنٹ کالج لاہور) واپس ہو گئے۔ یہاں حکومت پنجاب کی منظوری سے گورنمنٹ کالج لاہور میں سنٹرل بورڈ آف زیونیو کا کیمیائی تجربہ خانہ میں قائم کر لیا۔ اس تجربہ خانہ مالیاتی کیمیا (زیونیو کیمسٹری) کا پورا کام انجام پاتا رہا اور بہت جلد اس میں توجہ ضروری ہو گئی۔ جس کی وجہ سے اسے ایک علیحدہ ادارہ کی حیثیت دینا ضروری ہو گیا۔ پروفیسر ڈنیکلف کی تحریک پر سنہ ۱۹۳۷ء میں سنٹرل ریونیوز کیمیکل

اور فاسفٹس بھی حاصل ہو سکتے ہیں جو قیمتی اشیاء ہیں۔ فی الحال بیجوں کے خول اور ہوسے کو جلانے میں یا کبھی کبھی مویشیوں کے چارے میں استعمال کیا جاتا ہے۔

مندرجہ بالا تفصیل سے واضح ہے کہ ہندوستان میں تیل کے بیجوں سے جو اس وقت صرف ایک ارب روپیے کی لاگت رکھتے ہیں سائنسی تحقیقات اور صنعتی استفادہ سے کم از کم پانچ ارب روپیہ آسانی حاصل کیا جاسکتا ہے۔

### پروفیسر ایچ۔ بی۔ ڈنیکلف

یہ خبر افسوس سے سنی جائیگی کہ پروفیسر ڈنیکلف سنٹرل ریونیوز کیمیکل لیوریٹری کی چیف کیمسٹ کی خدمت سے بہت جلد سبکدوش ہو جائینگے۔ پروفیسر وریس برٹ ڈنیکلف کو گذشتہ تیس سال سے ہندوستان کے کیمیا دانوں میں ایک ممتاز درجہ حاصل رہا۔ لندن اور کیمبرج میں ممتاز جامعی زندگی گزارنے کے بعد آپ سنہ ۱۹۰۸ء میں ہندوستان آ گئے اور ایم۔ اے او۔ کالج (علی گڑھ) میں پروفیسر سائنس بن گئے سنہ ۱۹۱۳ء میں انہیں انڈین ایجوکیشنل سرورس کا وکٹ بنایا گیا۔ اور خالصہ کالج (امرتسر) میں پروفیسر کیمیا مقرر کیا گیا۔ سنہ ۱۹۱۷ء میں ان کی خدمات گورنمنٹ کالج لاہور منتقل کر دی گئیں جہاں یہ کچھ عرصہ تک پرنسپل بھی رہے۔ لاہور میں پروفیسر ڈنیکلف نے نہ صرف غیر نامیاتی اور تشریحی کیمیا میں تحقیقات کیں بلکہ ہندوستان کے لئے سنٹرل ریونیوز سرورس کے

(حیاتین الف) کی کمی سے ملیریا کے لئے حساسیت بڑھ جاتی ہے اور اس حیاتین کی مناسب مقدار ملیریا کے لئے مزاحمت بڑھا دیتی ہے۔ راک فیلر انسٹیٹوٹ کی طبی تحقیقات کے پرنسپل اسٹیشن ریڈاکٹر ولیم ٹریگر (W. Trager) نے مرغوں اور بطوں پر تجربے کر کے متذکرہ نتیجہ اخذ کیا۔

اس انکشاف سے اب یہ راز پہلی دفعہ کھل گیا کہ بعض اشخاص کیوں ملیریا کے لئے زیادہ حساس ہوتے ہیں اور یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ ایک خاص حیاتین ایک خاص مرض سے بہت اہم تعلق رکھتا ہے۔ اس امر کی اہمیت اس واقعہ کے لئے نظر بہت بڑھ جاتی ہے کہ زیر بحث مرض دنیا کے لاکھوں کھانا انسانوں کی تکلیف اور موت کا باعث ہے۔ اس سے ملیریا کی روک تھام کے لئے ہمارے ہاتھ ایک نیا حربہ آجاتا ہے۔ کیونکہ بی اوٹین انڈے کے چھانکوں، جگر، دودھ وغیرہ میں پایا جاتا ہے جس سے ظاہر ہے کہ تغذیہ کی کمی اور متعدی بیماری کے لئے حساسیت میں خاص تعلق پایا جاتا ہے

### کئی امراض کی دوا

آکسفورڈ کے پروفیسر اور مسز فلوری (Florey) نے رسالہ لانسٹ (Lancet) کی حالیہ اشاعت میں ایک نئی دوا پر وسیع تجربات کے نتائج بیان کیے ہیں۔ یہ دوا ”پنی سی لین“ (Penicillin) کہلاتی ہے اور توقع ہے کہ تاریخ طب میں یہ دور آفرین ثابت ہوگی۔ ”پنی سی لین“

مرویس کا قیام عمل میں آیا اور کلکتہ، بمبئی، مدراس، غازی پور، سامبر، اور دہلی میں تجربے خانے قائم کر دے گئے جن میں ۱۴ اعلیٰ عہدہ دار اور کئی ایک ماتحتین کیکل سرویس میں کام کرنے لگے۔ سنٹرل ریونیوز کیکل لیورڈی کا قیام سنہ ۱۹۳۹ ع میں ہوا اور پروفیسر ڈنیکف اس کے چیف کیمسٹ بن گئے۔ پروفیسر ڈنیکف کا نام ہمیشہ سنٹرل ریونیوز سرویس اور لیورڈی کے بانی اور تنظیم کنندہ کے طور ادب اور احترام سے یاد کیا جائے گا۔

پروفیسر ڈنیکف نے غیر نامیاتی اور تشریحی کیمیا میں کئی ایک تحقیقی مقالے شائع کئے۔ انہوں نے حال میں کی ٹمک صنعت (سانٹ انڈسٹری) کے ضمنی حاصلوں پر جو تحقیقات کیں اسے ساری دنیا میں پسند کیا گیا۔ سنہ ۱۹۳۹ ع میں مرکزی حکومت اور پنجاب کے لئے ان کی خدمات کے صلہ میں سی۔ آئی۔ ای کا اعزاز عطا کیا گیا۔ بورڈ آف سائنٹفک اینڈ انڈسٹریل ریسرچ میں یہ قدرتی طور پر پائے جانے والے ٹمکوں کی کئی کے صدر ہیں اور حکومت ہند کے ادویہ کے مشاورتی بورڈ اور ادویہ کی رسد کی کئی کے رکن ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ پروفیسر موصوف خدمت سے علیحدگی کے بعد ایک طویل اور پرسرگ زندگی بسر کریں۔

### ملیریا اور بی اوٹین

رسالہ سائنس (امریکا) کی حالیہ اشاعت میں اس امر کا انکشاف کیا گیا کہ بی اوٹین

دوا و ام کے لئے قابل حصول نہیں۔ اس کی تھوڑی سی مقدار تیار کرنے میں طویل اور صبر آزما عملوں کی ضرورت ہے۔ لیکن توقع ہے کہ تحقیقات سے اس دقت پر قابو پایا جائے گا اور اس کی تالیف کے آسان طریقے ایجاد کئے جائیں گے۔

(ض۔ م)

سلفان ایمائیڈ دواؤں اور سلفاتھائیوزول کے مقابلہ میں سیکڑوں گنا طاقت ور ہے اور یہ نفعی بخار (منجائی ٹس)، سمیت خون (سپی سیمیا) وغیرہ کا موثر علاج ہے حالانکہ سلفان ایمائیڈ دواؤں ان امراض میں بے کار ثابت ہوئیں۔

اس دوا کو کھا سکتے ہیں اور جسم کے متضرر حصوں پر لگا سکتے ہیں۔ لیکن ابھی یہ



# آسمان کی سیر

جون سنہ ۱۹۴۳ء

۲۲ - جون سنہ ۱۹۴۳ء کو سورج برج سرطان میں داخل ہوگا۔  
 عطارد صبح کا ستارہ ہے بتاریخ ۲۷ جون ۴۳ء عطارد ساکن ہوگا اور اس کی اعظم تابین ۲۳۰° بجانب غرب بتاریخ ۱۸ جون واقع ہوگی۔ وہ ۳۰ - جون کو زحل کے ساتھ قریبی اقتران میں ہوگا۔  
 زہرہ شام کا ستارہ ہے۔ اور جون ۲۸ ۴۳ء کو اس کی اعظم تابین ۵۰° بجانب مشرق واقع ہوگی۔  
 مریخ صبح کا ستارہ ہے۔  
 مشتری شام کا ستارہ ہے۔  
 زحل ۷ جون کو سورج کے ساتھ اقتران میں ہوگا یہ مہینے کے آخری دنوں میں صبح کا ستارہ ہو جائیگا۔  
 ( رصد گاہ نظامیہ )

## فرہنگ اصطلاحات

جلد اول	اصطلاحات کیمیا	قیمت ایک روپیہ سکھ انگریزی
جلد دوم	معاشیات	” ایک روپیہ ”
جلد سوم	طبیعیات	” ایک روپیہ ”
ان فرہنگوں میں کیمیا، معاشیات اور طبیعیات کی تمام ضروری اصطلاحات آگئی ہیں۔ مترجموں کے لئے یہ فرہنگیں بہت کار آمد ہیں		
المشتر		

انجمن ترقی اردو (ہند)، دریا گنج دہلی

رسالہ سائنس میں اشتہار دیکر اپنی تجارت کو ترقی دیجئے



# اطلاع

جملہ خریدار صاحبان کو اطلاع دیجاتی ہے کہ براہ کرم بوقت خط و کتابت  
نشان خریداری کا حوالہ ضرور دیا جائے

”ادارہ“

---

رسالہ سائنس میں اشتہار دیکر اپنی تجارت میں ترقی کیجئے

مضمون نگار صاحبان ! مضمون صاف اور خوش خط لکھیں

---

اُردو ٹائپ کا واحد مرکز

”بنیادی ٹائپ“

ہر مرقع کے طباعت کے لئے نہایت موزوں ہے

انتظامی پریس عثمان کنگ ہدر آباد دکن

## تین اہم کتابیں

۱۔ سیر کائنات۔ یہ کتاب نامور سائنس دانٹ سر جیمس جینس کی مشہور و معروف کتاب (Through Space and Time) کا ترجمہ ہے جس میں زمین، ہوا، آسمان، مہتاب، آفتاب سیاروں اور ستاروں وغیرہ پر نہایت بسط و تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ طرز تحریر نہایت دلچسپ اور سادہ ہے۔ اور ترجمہ میں اصطلاحات سے حتی الوسع اجتناب کیا گیا ہے۔ اسلئے خواص کے علاوہ عوام بھی بغیر کسی دقت کے اس سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ ایٹمو کے متعدد نقشوں اور تصویروں کے علاوہ ہاف ٹون کی ۲۷ تصویریں بھی شامل ہیں۔ جن سے کتاب کی افادی حیثیت میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا ہے کتابت و طباعت عمدہ اور جلد مضبوط اور گرد پوش خوبصورت۔ قیمت دو روپے آٹھ آنے۔ مکتبہ جامعہ دہلی۔

۲۔ ہم کیسے پڑھائیں - از جناب سلامت اللہ صاحب ایم۔ اے۔ بی۔ ٹی۔ معلم استاد دون کا مدرسہ۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی۔ یہ کتاب ٹریننگ اور نارمل اسکولوں کے زیر تربیت اساتذہ کی ضروریات، پڑھانے کے عام طریقوں، بچوں کی نفسیات ہندوستان کے مخصوص حالات اور استادوں کی عام مشکلات کو پیش نظر رکھ کر مرتب کی گئی ہے۔ اور ان تمام اصولوں کو موزوں متناوب کے ذریعہ واضح کیا گیا ہے۔ جو عام تعلیم کے طریقوں سے متعلق ہیں۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے۔

تعلیمی خطبات - یہ مجموعہ ہے ڈاکٹر ذاکر حسین خان صاحب شیخ الجامعہ کے ان خطبوں کا جو وقتاً فوقتاً ملک کی مختلف کانفرنسوں میں پڑھے گئے۔ مثلاً کاشی و دیا پیٹھ، بنارس، مسلم ایجوکیشنل کانفرنس، علی گڑھ۔ طیبہ کالج پٹنہ، بنیادی قومی تعلیمی کانفرنس جامعہ نگر وغیرہ۔ ان مضامین کا جو آل انڈیا ریڈیو کے ذریعے نشر ہوئے۔ مثلاً اچھا استاد، بچوں کی تربیت، بچہ اور مدرسہ وغیرہ۔

تعلیم کے تمام نقائص و حودہ تحریکوں، جدید رجحانات اور تعام و تربیت کے لئے اصولوں کو معلوم کرنے کے لئے اس کتاب کا مطالعہ نہایت مفید اور از بس ضروری ہے۔ قیمت ایک روپیہ چار آنے۔

مکتبہ جامعہ دہلی، قزلباغ

شاخیں۔ دہلی، لکھنؤ، بمبئی نمبر ۳

المشترک۔ منیجر انجمن ترقی اردو (ہند) دریا گنج دہلی

## شہرت یافتہ

اور

یونیورسٹیوں، کالجوں اور اسکولوں میں مقبول ترین  
سائنس کے آلات اور متعلقہ سامان کے ماہرین

ایچ۔ ڈبلیو احمد اینڈ سنس

سہارنپور، (یو۔ پی)

کے پاس سے

حرارت، نور، آواز، مقناطیسیت، برق، ماسکونیات سپال، مہکائیات  
اور ہوائیات کے علاوہ کیمیائی، طبعیاتی، تحقیقی اور شکر کے تجربہ خانوں کے  
تمام سامان مل سکتے ہیں۔

نمائندہ برائے مالک محروسہ سرکار عالی حیدر آباد دکن و برار

اسٹار ایجوکیشنل سپلائی کمپنی

، پاکستان، ڈاک خانہ کاروان حیدر آباد دکن

# HARGOLAL & SONS,

The Science Apparatus Workshop.

AMBALA CANTT.



*We are*

**STILL DELIVERING THE GOODS,**

- War has inevitably brought in its train, all its handicaps.
- Still ingenuity is always at work busy in facing the difficulties. Over 90% of the articles, previously imported, are now being made in our factory and with remarkable success. War has created a marvellous opportunity for producing numerous range of Scientific Instruments here in India.
- Large labour and resources, helped by zealous research, are at constant work and today *we have stood against the odds with no small success.*
- Indian Research Laboratories, Schools Colleges and the Department of War Supply, Govt. of India, are having their requirements from us at very suitable prices.

You may sometime pay a visit to our Factory and Science Museum and watch us work. You will have occasion to appreciate the quality and approve of the prices of a wide range of articles we now turn out.

SOLE AGENT :

**MANIAN & SONS**

**875, SULTAN BAZAR, HYDERABAD DN.**





# اُردو

انجمن ترقی اردو (ہند) کا سہ ماہی رسالہ

( جنوری، اپریل، جولائی اور اکتوبر میں شائع ہوتا ہے )

اس میں ادب اور زبان کے ہر پہلو پر بحث کی جاتی ہے۔ تنقید اور محققانہ مضامین خاص امتیاز رکھتے ہیں۔ اردو میں جو کتابیں شائع ہوتی ہیں ان پر تبصرے اس رسالے کی ایک خصوصیت ہے۔ اس کا حجم ڈیڑھ سو صفحات یا اس سے زیادہ ہوتا ہے۔ قیمت سالانہ محصول ڈاک وغیرہ ملا کر سات روپے سکھ انگریزی ( آٹھ روپے سکھ عثمانیہ )۔ نمونہ کی قیمت ایک روپیہ بارہ آنے ( دو روپے سکھ عثمانیہ )۔

## نرخ نامہ اجرت اشتہارات ”سائنس“

۱ ماہ	۲ ماہ	۳ ماہ	۴ ماہ	۵ ماہ	۶ ماہ	۷ ماہ	۸ ماہ	۹ ماہ	۱۰ ماہ	۱۲ ماہ
۲۰ روپے	۳۰	۴۰	۵۰	۶۰	۷۰	۸۰	۹۰	۱۰۰	۱۱۰	۱۲۰
۸/۳	۱۳	۱۸	۲۳	۲۸	۳۳	۳۸	۴۳	۴۸	۵۳	۵۸
۲	۴	۶	۸	۱۰	۱۲	۱۴	۱۶	۱۸	۲۰	۲۲
۱۲	۳۰	۴۰	۵۰	۶۰	۷۰	۸۰	۹۰	۱۰۰	۱۱۰	۱۲۰
۶	۱۸	۲۳	۲۸	۳۳	۳۸	۴۳	۴۸	۵۳	۵۸	۶۳

جو اشتہار چار بار سے کم چھپوائے جائیں گے ان کی اجرت کا ہر حال میں پیشگی وصول ہونا ضروری ہے۔ البتہ جو اشتہار چار یا چار سے زیادہ بار چھپوایا جائے گا اس کے لئے یہ رعایت ہوگی کہ مشہر نصف اجرت پیشگی بھیج سکتا ہے اور نصف چاروں اشتہار چھپ جانے کے بعد۔ معتد کو یہ حق حاصل ہوگا کہ سبب بتائے بغیر کسی اشتہار کو شریک اشاعت نہ کرے یا اگر کوئی اشتہار چھپ رہا ہو تو اس کی اشاعت ملتوی یا بند کر دے۔



## ۴۔ مکالمات سائنس

مؤلفہ۔

پروفیسر محمد نصیر احمد صاحب عثمانی  
ارتقاء انسانی کی تشریح سوال  
جواب کے پیراے میں۔ نہایت  
دلچسپ کتاب ہے۔

قیمت مجلد دو روپیہ

## ۵۔ حیوانی دنیا کے عجائبات

مؤلفہ عبدالصبر خان صاحب

انسانی طرز کی چل کتاب ہے۔ بیشمار  
چھوٹے بڑے جانوروں کے  
اطوار و عادات نہایت دلچسپ  
طریقے پر پیش کئے گئے ہیں۔  
ایک سہ رنگی تصویر۔ متعدد  
دوسری تصاویر قیمت مجلد دو  
روپیہ ۶ آنے۔ بلا جلد دو روپیہ۔

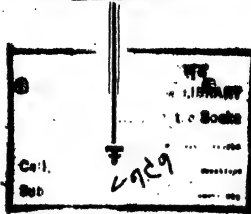
## ۶۔ بیماری غذا

مؤلفہ۔ رابرٹ میکرسن مترجمہ  
سید مبارز الدین احمد رفعت  
اردو میں اپنی نوعیت کی چل  
کتاب ہے۔ تمام غذاؤں پر تفصیل  
نظر ڈالکر اس کی ماہیت، افادیت  
پر بحث کی گئی ہے۔ کوئی کھرم  
اس کتاب سے خالی نہ رہنا  
چاہئے۔ قیمت مجلد ایک روپیہ  
دس آنے بلا جلد ایک روپیہ  
چار آنے۔

المشتر منیجر امین قوی اردو (ہند)

دروا کینج دہلی

MAY 1943



SCIENCE

The  
Monthly Urdu Journal  
of  
SCIENCE

Published By

Anjuman-e-Taraqqi-e-Urdu (India)

DELHI



Printed at

The Intizami Press, Hyderabad-Deccan

سائنس کی چند  
نادر کتابیں

## ۱۔ معلومات سائنس

مؤلفہ۔ آفتاب حسن، شیخ عبدالحمید  
و جودھری عبدالرشید صاحبان  
اس کتاب میں سائنس کے چند  
نہایت اہم موضوعات مثلاً حیاتی  
جراثیم، لاسلکی، لاشعاعیں، ریڈیم  
گرامونون وغیرہ پر نہایت دلچسپ  
عام فہم زبان میں بحث کی گئی ہے۔  
قیمت مجلد سہ روپہ رنگا جیکٹ  
ایک روپیہ بارہ آنہ

## ۲۔ حیات کیا ہے؟

مؤلفہ۔ محشر عابدی صاحب۔  
حیات پر سائنسی نقطہ کی کئی  
نہایت دلچسپ کتاب ہے۔  
قیمت مجلد ایک روپیہ دس آنہ

## ۳۔ انسانی فیت

مؤلفہ۔ ڈاکٹر رضی الدین صدیقی  
سائنس کے مشہور مسئلہ انسانیت  
کی تشریح نہایت سہل اور عام  
فہم زبان میں کی گئی ہے۔ اردو  
زبان میں اس قسم کی یہ واحد  
کتاب ہے۔

قیمت مجلد ایک روپیہ چار آنہ







جے خوش نصیب انسان ہر محنتی مصنف کا انکشاف کرتا ہے۔ اور دوسرا جے پردہ ہر چھپائے تعصبات کو کرتا ہے



## اطلاع

- ( ۱ ) اشاعت کی غرض سے جملہ مضامین اور تبصرے بلام ایڈیٹر سائنس ۹۱۷، کلب روٹ، چادر گھاٹ حیدر آباد دکن روانہ کئے جانے چاہئیں —
- ( ۲ ) مضموں کے ساتھ صاحب مضموں کا پورا نام مع تذکرہ و عہدہ وغیرہ درج ہونا چاہئے تاکہ ان کی اشاعت کی جاسکے بشرطیکہ اس کے خلاف کوئی ہدایت نہ کی جائے —
- ( ۳ ) مضموں سات لکھے جائیں تاکہ ان کے کھپوز کرنے میں دقت واقع نہ ہو۔ دیگر یہ کہ مضموں صفحے کے ایک ہی کالم میں لکھے جائیں اور دوسرا کالم خالی چھوڑ دیا جائے۔ ایسی صورت میں وزن کے دونوں صفحے استعمال ہو سکتے ہیں —
- ( ۴ ) شکلوں اور تصویروں کے متعلق سہولت اس میں ہوگی کہ علحدہ کاغذ پر سات اور واضح شکلیں وغیرہ کھینچ کر اس مقام پر چسپاں کر دی جائیں۔ ایسی صورت سے بلاں سازی میں سہولت ہوتی ہے —
- ( ۵ ) مسودات کی ہر ممکن طور سے حفاظت کی جائے گی۔ لیکن اُن کے اتفاقیہ تلف ہوجانے کی صورت میں کوئی ذمہ داری نہیں لی جاسکتی۔
- ( ۶ ) جو مضامین سائنس میں اشاعت کی غرض سے موصول ہوں امید ہے کہ ایڈیٹر کی اجازت کے بغیر دوسری جگہ شائع نہ کئے جائیں گے۔
- ( ۷ ) کسی مضموں کو ارسال فرمانے سے پیشتر مناسب ہوگا کہ صاحبان مضموں ایڈیٹر کو اپنے مضموں کے عنوان، تعداد صفحات تعداد اشکال و تصاویر سے مطلع کر دیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ اس کے لئے پُرچہ میں جگہ نکل سکے گی یا نہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی مضموں پر دو اصحاب قلم اٹھاتے ہیں۔ اس لئے اس توارف سے بچنے کے لئے قبل از قبل اطلاع کر دینا مناسب ہوگا۔
- ( ۸ ) بالعموم ۱۵ صفحے کا مضموں سائنس کی اغراض کے لئے کافی ہوگا۔
- ( ۹ ) مطبوعات برائے نقد و تبصرے ایڈیٹر کے نام روانہ کی جانی چاہئیں۔ مطبوعات کی قیمت ضرور درج ہونی چاہئے —
- ( ۱۰ ) انتظامی امور و اشتہارات وغیرہ کے متعلق جملہ مراسلت منیجر انجین ترقی اردو اور فنک آباد دکن سے ہونی چاہئے —

# جلد ۶ سائنس جولائی سنہ ۱۹۳۳ء

مرتبہ

مولوی محمد نصیر احمد صاحب عثمانی ام - اے - بی - ایس - سی -  
( ہلیک ) معلم طبیعیات کلیہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

## فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	تخلیقِ انسان (۸)	پاپولر سائنس	۳۲۱
۲	ایوکیٹرو	جناب رفعت حسین صاحب صدیقی ام ایس سی ۳۴۰	
		ریسرچ انسٹیٹیوٹ طبیہ کالج دہلی	
۳	پترولیئم	جناب محمد عبدالعلی صاحب متعلم بی ایس ۳۳۷	
		سی الہ آباد یونیورسٹی	
۴	گرفت پر برقی حیثیت	جناب سید عبدالحکیم صاحب ایم ایس ۳۵۶	
	سے نظر	سی : ایل ٹی -	
۵	فنِ دباغت ( ۳ )	حضرت " دباغ " سیلانی	۳۶۸
۶	ہلم کیمیا کا انقلابی دور	جناب آتھا رام صاحب ام ایس سی ایچرس ۳۸۸	
	اور آنسیجن کانکشن	وکتوریہ ریڈر شعبہ کیمیا الہ آباد یونیورسٹی	
۷	ابوالوفابوز جانی العاصم	جناب محمد زکریا صاحب مایل ۴۰۷	
۸	دلچسپ اقتباسات	ایڈیٹر و دیگر حضرات ۴۲۲	
۹	دلچسپ معلومات	" " " ۴۳۸	
۱۰	تبصرے	" " " ۴۴۶	



## تخلیق حیات و انسان

پر

ایک مکالمہ

( ۸ )

مصنف : عداوت ، اور خوف ہماری زندگی پر کھوں مسلط ہیں

نرت :- لاکھوں برس اُدھر زندہ جیلی کے ایک ننھے ننھے سے ذرے سے وہ عجیب و غریب مفلوک جس کو " موجودہ انسان " کہتے ہیں ، عالم وجود میں آئی ، اور اپنی تمام محبتوں ، عداوتوں اور خوفوں کے ساتھ آئی ۔ ڈاکٹر ولیم کے گریگوری نے یہ سلسلہ داستان اسی مقام سے شروع کیا تھا ۔ اس کے بعد ڈاکٹر ہر ہرت روکس نے یہ بتلایا کہ انسان اپنی خصوصیات اپنی اولاد میں کیونکر منتقل کرتا ہے ۔ پچھلے نمبر میں ڈاکٹر روکس نے اندرون افرازی حدود کا حال بیان کیا تھا ۔ آج کی صحبت میں جا معہ کو لہبیا کے شعبہ نفسیات کے صدر ڈاکٹر اے ۔ ٹی ۔ پفن ہر گر نے یہ بتلایا ہے کہ ہمارے اہمال و افعال پر ہمارے جذبات کہاں تک حاوی ہیں —

مسٹر ماک :- ڈاکٹر صاحب ۔ میں آپ کی خدمت میں جذبات کی داستان سنیے آیا تھا ۔ براہ کرم ارشاد فرمائیے کہ لوگ ایک دوسرے



تخلیق حیات و انسان سائنس جولائی ۱۹۳۳ء

سے محبت اور نفرت کیوں کرتے ہیں اور خوت کیوں کھاتے ہیں۔ اور خفا کیوں ہوجاتے ہیں۔ قصہ مختصر، یہ فرمائیے کہ جذبہ (Emotion) کس کو کہتے ہیں؟

ڈاکٹر یفن برگر :- مجھے اس سوال کے جواب سے شروع کرنے دیجیے جس سے ہر کس و فاکس دلچسپی رکھتا ہے۔ لوگ ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ لاکھوں برس اُدھر بعض ننھی سی ابتدائی مخلوق، اپنے تکرے کرتے کرتے تھک گئی، آپ جانیے کہ توالد کا اصلی طریقہ یہی تھا، اور بالآخر تکثر کا صلفی طریقہ اختیار کر لیا گیا۔ صنفوں کے درمیان کشش کی حیثیت سے محبت لاکھوں کروڑوں برس کے نشوونما اور تغیر کی یادگار (Vestige) ہے۔

مسٹر ماک :- میں تو سمجھا تھا کہ یادگار سے مطلب کسی انسان یا حیوان کا وہ حصہ یا وظیفہ ہے، جو اب کار آمد نہیں رہا مثال کے طور پر زائدہ (Appendix) کو دیکھ لیجئے۔ میوں سمجھ میں نہیں آتا کہ اس عضو میں اور جذبہ محبت میں کون سی قدر مشترک ہے۔

ڈاکٹر یفن برگر :- کوئی ضروری نہیں کہ کوئی عضو یا جذباتی جواب بالکل کار آمد نہ رہنے ہی پر یادگار کہلاے۔ وہ اس وقت یادگاری ہو جاتا ہے جب اس کی فائدہ مند و زائل ہونے لگتی ہے۔

مسٹر ماک :- تو آپ کا مطلب یہ ہے کہ محبت کی فائدہ مند و کچھ زائل ہوگئی ہے؟

ڈاکٹر یفن برگر :- بہت کچھ - اس میں شک نہیں کہ صلی جذبہ اس پر اسرار تغیر کے لیے بہت ضروری تھا، جس کو ہم ارتقا کہتے ہیں۔ ہر منفرد نوع کے تحفظ کے لیے بھی اس کی ضرورت تھی۔ انسان کی صورت میں تو آج یہ خیال قریب قریب یقین کے درجے کو پہنچا ہوا ہے کہ اب اس کی ضرورت بہت کم رہ گئی ہے۔ ابتدائی زمانے میں بہت سے لوگوں کو پیدا ہونے کی ضرورت تھی تاکہ نسبتاً ایک چھوٹی تعداد زندہ رہے۔ اب درازی عمر کے وہ ذرائع استعمال کئے گئے ہیں کہ شرم اسوات میں کمی واقع ہوگئی ہے اور اس لیے اب اتنے لوگوں کے دنیا میں آنے کی ضرورت باقی نہیں رہی —

مسٹر ماک :- بایںکہ یہ جذبات لطیف اب بھی ہم پر حکمراں ہیں — ڈاکٹر یفن برگر :- درست ہے۔ لیکن چونکہ اس جذبہ کی فائدہ مندی برابر گھٹ رہی ہے اس لیے ممکن ہے کہ اس جذبے سے متاثر ہونے کی قابلیت ہم میں کم ہوتی جائے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسی ان اعضاء کی جو اس وقت غائب ہو جاتے ہیں جبکہ ان کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ لیکن اس کے وقوع کا امکان ایک لاکھ برس سے ادھر تو ہے نہیں اس لیے آپ پریشان نہ ہوں —

مسٹر ماک :- پریشانی کو مجھے کو نہیں۔ لیکن میں یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا صورت محبت ہی وہ جذبہ ہے جو یاد گاری ہے ؟

ڈاکٹر پفن برگر :- نہیں۔ اس تعبیر پر تو ہمارے پاس کہنا چاہیے کہ ایسے جذباتی جوابوں ( Emotional Responses ) کا پورا ایک مجموعہ ہے جو اپنی فائدہ مندی بہت کچھ کھو چکے ہیں۔ ان میں سے بعض تو قطعی طور پر مضرت رساں ہیں۔ لیکن ہم اپنی داستان سے آگے نکل گئے۔ اس پر بحث میں آگے چل کر کروں گا۔ پہلے میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ہمارے اساسی یا ابتدائی جذبات کیا ہیں —

مسٹر ماک :- وہ کون کون سے ہیں؟

ڈاکٹر پفن برگر :- مہمور ماہر نفسیات ڈاکٹر جان بی واٹسن جب جامعہ جانس ہاپکسن میں نفسیاتی تجربہ خانے کے ناظم تھے، تو انہوں نے چند گھنٹوں کے نوزائیدوں پر تجربے کیے تھے۔ ان کی آزمائشوں سے یہ پتہ چلا کہ طبعی حالات میں پیدائش کے فوراً بعد تمام بچے تین جذباتوں سے متاثر ہوتے ہیں یعنی 'خوف' غصہ اور محبت سے —

مسٹر ماک :- نوزائیدہ کو محبت کا تجربہ کیوں کر ہوتا ہے؟

ڈاکٹر پفن برگر :- صورت موجودہ میں محبت سے سرائ جلد پر ہاتھ پھیرنے سے خوشگوار اثر کا محسوس ہونا ہے۔ بالفاظ دیگر بچہ اپنے وقت ولادت ہی سے چاہتا ہے کہ کوئی اس پر ہاتھ پھیرے اور پیار کرے۔ بقول ڈاکٹر واٹسن یہی اساس محبت ہے۔ ہر بالغ انسان کی جذباتی زندگی ان ہی تین اساسی ابتدائی جذبات پر مبنی ہے —

مسٹر ماک :- ڈاکٹر واٹسن کو یہ کیوں کو معلوم ہوا کہ نوزائیدہ ان تین

جذبوں کو محسوس کرتے ہیں؟

ڈاکٹر پفن برگر :- انہوں نے بچوں کو خاص خاص طریقوں سے ہر انگیکھتہ کیا، اور پھر ان کے بشرے اور حرکات سکلات پر نظر رکھی، انہوں نے اور ان کے جانشیلوں نے ان کی متحرک تصاویر لیں۔ ان تجربات سے یہ دلچسپ امر منکشف ہوا کہ بچوں میں دو طرح پر خور کے جذبہ کو ہر انگیکھتہ کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح دو طرح سے غصہ بھی دلایا جاسکتا ہے۔

مسٹر ماک :- بچے کن دو چیزوں سے تررتے ہیں؟

ڈاکٹر پفن برگر :- وہ یک باریکی زور کی آواز سے بہت تررتے ہیں اور پھر سہارے کے ہٹ جانے سے بھی وہ بہت گھبراتے ہیں یعنی وہ گرنے سے تررتے ہیں۔

مسٹر ماک :- اس میں تو کوئی عجیب بات نہیں معلوم ہوتی۔ ان چیزوں سے تو ہم سب تررتے ہیں۔

ڈاکٹر پفن برگر :- درست۔ لیکن عجب بات یہی ہے کہ بچے کسی اور چیز سے مطلقاً نہیں تررتے۔

مسٹر ماک :- اچھا تو بچے کو غصہ میں لانے والی دو باتیں کون سی ہیں؟  
ڈاکٹر پفن برگر :- اس کی حرکات کو روکنا، مثلاً ہاتھوں کو پہاڑ سے ہالہ دینا، اور بھوک۔ اس کے علاوہ کوئی چیز بچے کو خفا نہیں کرتی۔ اثر مدد سے کو ہر انگیکھتہ کرنے کے لئے واٹسی نے بھی معلوم کیا کہ آہستگی سے ہاتھ پھیرنے پر، بالخصوص جسم کے حساس حصوں میں، یہ کیفیت پیدا ہوسکتی ہے۔

مسٹر ماک :- تجربوں میں یہ کیوں کر معلوم ہوا کہ بچے ہاتھ پھرنے کے لاتے پیار کو پسند کرتے ہیں؟

ڈاکٹر پگن برگر :- انکی مسرت کے بے ساختہ اظہار سے ۔ جس کو آپ تبسم سمجھ سکتے ہیں ۔ بالکلہہ ان آزمائشوں میں وہ کامیابی نہیں ہوئی جو ان آزمائشوں میں ہوئی جن میں خوت اور غصہ کا اظہار ہوا ۔ ”محبت“ کے سلسلے میں بھی کچھ زیادہ کامیابی نہیں ہوئی، کیوں کہ بچوں سے ”کھیلنے“ کے خلاف ایک طرح کا قدیم اور بجا طور پر شدید تعصب ہے ۔

مسٹر ماک :- آپ نے فرمایا کہ ہر بالغ کی جذباتی زندگی خوت، غصہ اور محبت کے تین اساسی جذبات پر قائم ہے ۔ یہ کیوں کر ہوتا ہے ؟

ڈاکٹر پگن برگر :- عمل تشریط [ Conditioning process ] سے ۔

مسٹر ماک :- اس سے آپ کا کیا مطلب ہے ؟

ڈاکٹر پگن برگر :- یعنی ہل اختیار یا قدیم تجربوں کے ساتھ نئے تجربوں کا تطابق ۔ اس کی بہترین توضیح ایک سادہ سی مثال سے ہوسکتی ہے جس کو ڈاکٹر واٹسن نے بیان کیا ہے ۔ نفسیات کے قدیم علما، بشمول مشہور و معروف ولیم جیمس کے، یہ سمجھتے تھے کہ بچے متعدد قسم کے خوفوں کو ساتھ لیے پیدا ہوتے ہیں ۔ مثلاً تاریکی کا خوت، بالدار جانوروں کا خوت وغیرہ ۔ واٹسن کا دعویٰ یہ تھا کہ اس قسم کے تمام خوت ابتدائی شیر خوارگی میں لاحق ہو جاتے

ہیں۔ اس کے ثبوت کے لیے اس نے ہند مہینے کے ایک بچے کو لہا اور کھیلنے کے لیے اُسے ایک خرگوش دیا۔ بچہ بالکل اس سے نہ ترّا۔ پھر موصوت نے عمدّاً بچے کو خرگوش سے ترنا سکھایا۔

مسٹر ماک :- کہوں کر؟

ڈاکٹر پفن برگ :- ایک دن جب بچہ خرگوش سے کھیل رہا تھا تو واٹسن نے بچے کے کان کے پاس ایک دھماکی سیلاخ بجائی۔ اس سے دفعتاً زور کی آواز پیدا ہوئی جس نے بچے میں تر پیدا کیا۔ اب کیا ہوا؟ بچے کے دماغ میں آواز خرگوش کی موجودگی سے وابستہ تھی؛ اس لیے اس کے بعد بچہ جانور سے ترنے لگا۔ اسی کو عکس تشریطی (Conditioned Reflex) کہتے ہیں۔ یعنی ایک عمل ہے جس سے کوئی جوابی عمل ایک نئے مہیج (Stimulus) کے ساتھ وابستہ ہو جاتا ہے جو ابتدائے اس مہیج کے ساتھ نہ ہوا۔ جس کی وجہ سے جوابی عمل وجود میں آیا۔ اس طرح اکثر لوگوں کے بچپن میں خوفوں کا ایک ”خوفناک سبب“ تیار ہو جاتا ہے۔

مسٹر ماک :- کیا خوت تاریکی کا اکتساب کسی دفعتاً زور کی آواز کے ذریعہ ہوا؟

ڈاکٹر پفن برگ :- جی ہاں۔ چھوٹا بچہ رات کے وقت تاریکی سے اس وقت ترسکتا ہے جب کہ ہادل کی گرج یا کھڑکھڑاہٹ وغیرہ سے اس کی آنکھ کھلے۔ بچہ کے لیے آواز کے ساتھ

تخلیق حیات و انسان سائنس جولائی سنہ ۳۳ ع

جو کچھ بھی ہوتا ہے ' بصورت موجودہ آواز ' وہی آواز کا سبب بن جاتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ سانپ ' چوہے ' مکڑی اور دیگر حشرات کا خون بھی اسی طرح پیدا ہو جاتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ بہت سے لوگ اس خون کو دور نہیں کر سکتے۔

مسٹر ماک - مگر سانپ ' چوہے اور مکڑیوں سے تو یکبارگی کوئی زور کی آواز نہیں نکلتی ؟

ڈاکٹر پفن برگر :- آواز تو کوئی نہیں نکلتی۔ لیکن بچے کی ماں ان کو دیکھ کر چیخ اُٹھتی ہے۔ بچہ آواز سے تر جاتا ہے ' سانپ ' چوہے یا مکڑی کو دیکھتا ہے اور اُن کو آواز کے ساتھ وابستہ کر دیتا ہے۔ ڈاکٹر واٹسن کے انکشافات کی اہمیت اسی سبب سے ہے کہ اس کے مطالعہ کرنے سے پیشتر کوئی ان باتوں کو جانتا نہ تھا۔ جیسے اور اس کے متبعین نے یہ دعویٰ کیا کہ مثلاً پانچ یا سات برس کے بچے کی جذباتی زندگی فطری ہوتی ہے۔ یعنی اس عمر میں جن جذبات کا وہ اظہار کرتا ہے وہ پیدائش سے اس کے ساتھ ہوتے ہیں۔

مسٹر ماک :- جو چیز سب سے زیادہ مجھے تعجب میں ڈالتی ہے وہ یہ ہے کہ نورانیہ بچہ بھی ان گنتی کے جذبات کا اظہار کرتا ہے۔ میری ذہن میں تو یہ تھا کہ جذباتی حیثیت سے چند گھنٹوں کا بچہ بالکل معرا ہوتا ہے۔ اب مثلاً اس کا کہا سبب کہ ایسا بچہ بھی یکبارگی زور کی آواز سے

پریشان ہو جاتا ہے —

ڈاکٹر ہفن برگر :- میرے نزدیک تو اس کا سبب یہ ہے کہ قبل ولادت کی حالت میں تہیج قوی کوئی ہوتا ہی نہیں۔ بالفاظ دیگر ولادت سے پیشتر کوئی بچہ بھی غالباً کبھی پریشان نہیں ہوتا، اور نہ کسی چیز سے خاص طور پر خوش ہوتا ہے۔ جہاں تک ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ ایسی جگہ ہوتا ہے ”کہ آنچا آزارے نہا شد“ —

مسٹر ماک :- کیا اکتسابی خوفوں کو بچہ سے دور کیا جاسکتا ہے؟ ڈاکٹر ہفن برگر :- جی ہاں۔ لیکن ذرا کارے دارد کا مضہون ہے۔ ان خوفوں کو جاگزیں کرنے کے لیے ایک ہی واقعہ کافی ہے، لیکن کسی ایک خوف کو دور کرنے کے لیے درجنوں آزمائشیں کرنی پڑتی ہیں۔ جب ایک مرتبہ وہ میکائیت سمجھ میں آجائے، جس سے خوف کا انتساب عمل میں آتا ہے تو پھر تقریباً اسی عمل سے اس کو دور بھی کیا جاسکتا ہے۔ اس عمل کو ہم عمل باز تشریط یا ضد تشریط (Reconditioning or deconditioning) کہتے ہیں۔ مثال کے طور پر اس بچے کو لیجئے جو بالوں والے خرگوش سے تڑپتا ہے۔ فرض کیجئے کہ اس بچے کو ناشتہ مہن کوئی خاص غذا مثلاً دلیا پسند ہے۔ اب طریقہ یہ ہوگا کہ اس خوفناک شے کو بچے کے قرب میں لایا جائے جب کبھی وہ دلیا کھا رہا ہو۔ لیکن اس عمل کو بتدریج کرنا چاہیے۔ اگر بہت جلدی سے کام لیا جائے گا تو نتیجہ معکوس



ہوگا، یعنی ممکن ہے کہ بچہ دلیپے ہی سے ترلے لگے۔  
 ایسی صورت میں ایک نشہ دو شدہ کا مضمون ہو جائے گا۔  
 پس پہلی مرتبہ خرگوش کو بچہ کی کرسی سے فاصلے  
 پر رکھنا ہوگا، اس کے بعد ہر مرتبہ اس کو نزدیک  
 تر کرتے رہنا چاہئے۔ رفتہ رفتہ بچہ دلیپے کے خرگوار  
 احساس کے ساتھ خرگوش کو وابستہ سمجھنے لگتا ہے۔  
 اور اس طرح وہ خوت مغلوب ہو جاتا ہے۔

مسٹر راک :- کیا عمر والے لوگوں میں بھی غیر طبعی خوت اسی  
 طرح پیدا ہوتے ہیں۔

جی ہاں۔ عمر والوں میں بھی یہی مہکانیت کام کرتی  
 ہے، اور بہت سے عصبی خلل اسی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔  
 جنگ عظیم میں گولوں کے پھٹنے سے جو مددات پہنچے  
 ان سے یہ اسر بالکل واضح ہو گیا۔ ان آدمیوں کا علاج  
 یوں ہی کیا گیا کہ شفا خانوں میں ان کو بالکل سکون  
 اور خاموشی میں رکھا گیا۔ اس کی ضرورت بھی تھی،  
 کیونکہ کتاب کے گرنے سے بھی ان میں ہیجان پیدا  
 ہو جاتا تھا۔ اکثر ایسا بھی ہوا کہ جو مریض بہت کچھ  
 اچھا ہو گیا تھا وہ دُعا پور مبتلا ہو گیا، اور وہی  
 ابتدائی علامات، پسینہ چھوٹنا، تشنچ اور عارضی فالج  
 نمودار ہو گئیں۔ ابتداءً تو مرض کے عود کرنے کا سبب  
 ایک راز بنا رہا، بعد میں معلوم ہوا کہ بیمارستان  
 میں ایک شخص ورہی پھنے آ گیا تھا۔ اس سپاہی کا

محض نظر آجانا ہی مرض کے عود کا سبب بن گیا، کیونکہ مریض کا ابتدائی تجربہ وردی پوشوں ہی سے وابستہ تھا۔ بالفاظ دیگر مریض کا ایک بے ضرر سپاہی سے اس درجہ خوت زد ہونا عکس تشریطی تھا۔ اب آپ سمجھے کہ مریض میں اس وردی پوش کا جو خوت (جو ہرگز اس خوت کا سبب نہ تھا) پیدا ہوا تو اسی مہکانیت کی وجہ سے جس کی بدولت وائسن کے تجربے میں بچہ خرگوش سے ترا تھا، اگرچہ درحقیقت ایک شور نے نہ کہ خرگوش نے یہ خوت پیدا کیا تھا؟

مستور ماک :- جی ہاں۔ میں سمجھا - آپ نے ابھی فرمایا کہ گولوں کے اثر سے لوگوں میں تشنج اور عارضی فالج پیدا ہو گیا لیکن یہ تو ایک غیر طبعی صورت تھی۔ کیا طبعی جذبات بھی جسم پر اسی طرح عمل کرتے ہیں؟

ڈاکٹر پین برگر :- مجھے خوشی ہے کہ آپ نے یہ سوال کیا۔ کیونکہ اس سے مجھے خود جذبہ کی تشریح کا موقع مل گیا۔ جذبہ درحقیقت نام ہے ایک ہیجان، تہیج، یا تہوچی حرکت۔ اس کو احساس [ Feeling ] کے ساتھ ملتے نہیں نہ کیجئے۔ جذبہ کا خاصہ یہ ہے کہ اس میں ہیجان میں آنے کا تجربہ ہوتا ہے۔ مشہور امریکی نفسیاتی ولیم جیمس متوفی ۱۹۱۰ کا قول ہے کہ جذبہ جسم کے اندر تغیرات کا شعوری تجربہ ہے۔ احساس میں یہ عکسیت (Reverberation) نہیں ہوتی۔ احساس غالباً جذبہ کی ایک ہلکی شکل ہے۔

اسی عکسیت کا ددم یا وجود فرق پیدا کر دیتا ہے ۔  
 مسٹر ماک :- میں نہیں سمجھا کہ آپ نے ”عکسیت“ سے کیا مطلب  
 لیا ۔ یہ فرمائیے کہ جذبہ کی صورت میں کون سے جسمانی  
 تغیرات واقع ہوتے ہیں ؟

ڈاکٹر پفن برگ :- کیا آپ کبھی شرمائے نہیں ؟ کیا محبوب کو دیکھ کر آپ  
 کے قلب کی حرکت کبھی تیز نہیں ہوئی ؟ کیا استعان  
 کے نتیجے کے انتظار میں آپ کا دل کبھی بیتھا نہیں ؟  
 اس قسم کے مظاہر اس قدر عام ہیں کہ یہ سب باتیں اب  
 روز سرہ میں داخل ہیں ۔ ہا ینہمہ یہ سب نتیجے ہیں  
 قالب کی حرکت یا تنفس کی شرح میں حقیقی تغیر کا ،  
 خون کی تقسیم کا ، اور جسم کے مختلف حصوں میں  
 عضلاتی تلمشوں کا ۔ بقول جیہس کے ان اور ان  
 جیسے دیگر طبیعی تعاملات میں سے گزرنا ہی جذبہ ہے ۔  
 بالفاظ دیگر جب آپ خرت زدہ ہوتے ہیں تو آپ کے  
 دماغ میں کوئی غیر محسوس چیز نہیں ہوتی بلکہ آپ  
 کے جسم ہی میں چند تغیرات ہونے لگتے ہیں جن کا  
 آپ کو احساس ہوتا ہے ۔

مسٹر ماک :- میں تو سمجھتا تھا کہ اس کے بالکل برعکس صحیح ہوگا  
 یعنی طبیعی تعاملات جذبات ہی کا نتیجہ اور اثر ہوں  
 گے ۔ آپ کا کیا خیال ہے ؟

ڈاکٹر پفن برگ :- ذاتی طور پر تو میرا یہ خیال ہے کہ جیہس کا قول  
 درست ہے ۔ لیکن اس سے کسی امر کا اثبات نہیں ہوتا ۔

سائنس دانوں نے نزدیک اس نظریہ کی صداقت ابھی کھاتقہ ثابت نہیں ہوئی ۔ اس سلسلہ میں ہاروارڈ کے مدرسۂ طب کے معلم فعلیات ڈاکٹر والٹر کینن نے بہت کچھ غور و فکر اور مطالعہ کیا ہے ۔ انہوں نے جذبات کے دوران میں طبعی تغیرات کی پیمائش بہت احتیاط کے ساتھ کی ہے ۔ ان کا بیان ہے کہ وہ مختلف جذبات کے تحت طبعی تعاملات میں کوئی فرق نہ پاسکے ۔ مثلاً انہوں نے غصہ کی حالت میں ایک شخص کی نبض ، حرکت قلب ، اور تنفس کو دیکھا اور ساتھ ہی فشار خون ( Blood Pressure ) کی پیمائش کی اور دیگر وظائف مثلاً معدے کے اندر ہضمی حرکات کا مشاہدہ کیا ۔ پھر اس شخص کو خوت کی حالت میں دیکھا ۔ تو ہر دو صورتوں میں قریب قریب ایک ہی قسم کے برآمد ہوئے —

مسٹر ماک :- کیا یہ ممکن نہیں کہ خوت اور غصہ کے طبعی اثرات ایک ہی ہوں —

ڈاکٹر یفن برگ :- اگر جیہس کا نظریہ صحیح ہے تو ممکن نہیں ۔ اگر جذبہ جسمی تغیر کا شعوری وقوت ہے تو اس کے معلی یہ ہوے کہ مختلف جذبات مختلف جسمی تغیرات کا وقوت ہوں ۔ میرے نزدیک دشواری یہ واقع ہوئی ہے کہ بعض طبعی تغیرات ، جن میں شاید بعض کیمیاری بھی ہوں ، پیمائش بلکہ شناخت سے بھی رہ گئے ۔ پھر حال مثلاً فہم کی حالت میں طبعی تغیر بہ حیثیت مجموعی پورے جسم

تخلیق حیات و انسان سائنس جولائی سنہ ۳۳ ع

کا تغیر پارہ عمل ہے۔ چنانچہ عضلات، جلد، خون، اعصاب، غدود، سب کے سب اس تغیر میں حصہ لیتے ہیں۔ ایسی پیچیدہ حالت میں بہت ممکن ہے کہ باوجود احتیاط کے کوئی جز پیمائش کرنے سے رہ جائے۔

مسٹر ماک :- تو کیا جذبات اور جسمانی تغیرات کے درمیان اس علاقہ

کی جانچ کا کوئی اور طریقہ نہیں؟

ڈاکٹر پفن برگ :- جی ہاں، ہیں۔ ان طبعی تغیرات کی تازہ ترین کوشش نفسی برقی عکس یعنی جلد کی برقی مزاحمت کے ذریعہ ان کی پیمائش ہے۔ اس برقی مزاحمت کی نسبت معلوم ہوا ہے کہ وہ تقریباً ہر قسم کے جذبہ کے تحت بہت کچھ کم ہو جاتی ہے۔ دو برتنوں میں نمک کا محلول ہوتا ہے۔ برتن برقی آلے سے ملے ہوتے ہیں۔ شخص زیر امتحان ایک ایک انگلی ہر برتن میں ڈالتا ہے۔ ایک برتن سے دوسرے برتن میں انگلیوں میں سے ہو کر ایک ہلکی برقی رو گزاری جاتی ہے۔ برقی آلے کے ذریعہ ان انگلیوں کی مزاحمت دریافت کی جاتی ہے۔ یہ آلہ اصلاً مشہور و معروف معیاری وہیتسٹون کا پل ہوتا ہے۔ اگر معمول یعنی شخص زیر امتحان مشتعل ہو، یا خوں زد ہو، یا کسی دوسرے کا اس کو قوت ہو تو یہ جلدی مزاحمت بہت کچھ کم ہو جاتی ہے۔ کبھی کبھی اس آزمائش کو "شلاخت کلاب" کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں لیکن اس غرض کے لیے یہ ترکیب کچھ زیادہ کارگر نہیں

## ثابت ہوئی —

مسٹر ماک :- جذبات اور درون افرازی غدد کے درمیان کیا علاقہ ہے ؟  
 ڈاکٹر پگن برگ :- آپ کو یاد ہو گا کہ گزشتہ صہبت میں ڈاکٹر روکس نے فرمایا تھا کہ اس کے متعلق بہت کم معلومات ہیں ! اگرچہ اس میں شک نہیں کہ ایسا علاقہ ہے ضرور۔ ڈاکٹر کینن نے اس علاقہ کو ایڈرینیلین [یعنی غصہ فوق الکلیہ کا افرازی] اور کتے بلیوں کے غصے کے لیے ثابت کر دکھایا ہے۔ دلچسپ تجربوں کے ایک سلسلے میں انہوں نے ثابت کیا ہے کہ غصہ کے دوران میں خون میں ایڈرینیلین کا حقیقی اضافہ ہوتا ہے۔ یہ تجربے بہت دقیق ہیں۔ اور حقیقت تک پہنچنا بہت مشکل ہے، کیوں کہ بقول ڈاکٹر روکس کے درون افرازی غدد کی بیماریاں حیثیت سے توازن کی حالت میں ہیں —

مسٹر ماک :- تو ڈاکٹر کینن نے کیا کیا ؟

ڈاکٹر پگن برگ :- انہوں نے تجربہ خانے میں ایک بلی کو میز سے بائذہ دیا۔ بلی نے اس سے پہلے کھانا کھایا تھا۔ اس کے معدے کی حرکات کی پیمائشیں بہت احتیاط سے کی گئیں اور لاشعاعی تصویریں بھی لی گئیں۔ اس کا فشار خون معلوم کیا گیا۔ اس کے قلب کی حرکت اور قنفس کی مدت دیکھی گئی وغیرہ وغیرہ۔ بلی بالکل طبعی حالات میں اور سنجیدہ رہی۔ اب اس کے بعد کتا لایا گیا کتے نے دست و پا بستہ بلی پر بھرنکنا شروع کیا اور دائرہ دکھالے لگا۔

بلی کو بالکل فطری طور پر غصہ آگیا۔ فوراً ہی نئی پیمائشیں کی گئیں۔ جن سے معلوم ہوا کہ معدے کے ہضمی انقباضات فوراً رک گئے۔ خون کے دوران اور فشار میں ایسی تبدیلیاں واقع ہو گئی تھیں جنہوں نے بلی کو حملہ کے لئے بالکل تیار کر دیا۔ دوسرے دن تجربہ دہرایا گیا۔ بلی کو پھر کھانا کھلا کر میز سے باندھ دیا گیا۔ اور حملہ پیمائشیں کی گئیں۔ لیکن اس مرتبہ تجربہ خالے میں کوئی کتا نہ لایا گیا۔ اس کی بجائے بلی کے اندر ایڈرینیلین کی ایک مقدار بذریعہ پچکاری پہنچادی گئی تو نتیجہ بالکل وہی نکلا۔ اس سے تو جیہس کے نظریہ کی تائید ہوتی ہے۔ بلی غصہ میں آگئی یا کم از کم اس نے علامات غصہ کا اظہار اس وجہ سے کیا کہ اس کے خون میں ایڈرینیلین کا اضافہ ہو گیا —

مسٹر ماک :-

ڈاکٹر یفن برگ :- بالکل درست۔ جذبات کے ان طبیعی جوابات کی ایک دلچسپ تعبیر یہ ہے کہ دوران ارتقاء ان کا بھی نشو و نما ہوتا رہا کیونکہ حفاظت کے لیے یہ سہہ تھے۔ چنانچہ غصہ کی حالت میں طبیعی جوابات نے حیوان کو حملہ کے لیے موزوں کر دیا اور خوت کے جوابات نے مدافعت کے لیے مستعد کر دیا۔ انتہائے خوت کی حالت میں یہی جوابات شل کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ اس کی بہترین مثال اوپوسم (Opossum) ہے جو ایک

چھوٹا سا نحیف الجٹہ جانور ہے، جو خوف کی حالت میں بالکل شل ہو جاتا ہے۔ اور اس بے حرکتی کی وجہ سے نظر میں نہیں آتا۔ اور اگر نظر میں آگیا تو اس کے دشمن اس کو مردہ سمجھ کر چھوڑ دیتے ہیں۔ میں اس سے پیشتر بھی عرض کر چکا ہوں کہ ہم میں اب بھی متعدد جذباتی جوابات یادگاری صورت میں موجود ہیں۔ لیکن بجائے مفید ہونے کے وہ ہمارے لئے اب مضر ہیں۔ مثلاً کسی سڑک پر موٹر یا لاری کو اپنے اوپر آنا دیکھ کر ہمارے اعضا عارضی طور پر شل ہو جاتے ہیں۔ تو ابتدائی زمانے میں یہ یقیناً مفید رہا ہو گا لیکن اب تو قطعی طور پر خطرناک ہے۔ اسی طرح غصہ کے جوابی تغیرات عہد فار ہاشی میں بہت کچھ مفید رہے ہوں گے لیکن اب تو ہماری راہ میں رکاوٹ ہی ہیں۔ متمدن معاشرہ (Society) میں عام طور پر غصہ کے اظہار کی بجائے اس کا اخفا بہتر سمجھا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ ایک دن ایسا آئے کہ یہ جوابی عمل ہم میں نہ پیدا ہوں۔ لیکن اس قسم کے حشو و زوائد کا دور کرنا بغایت بطلی العہل ہے۔ جیسا کہ میں نے محبت کے جوابی عمل کے سلسلہ میں کہا تھا، اس کا امکان دس لاکھ برس سے ادھر تو نہیں ہے۔

مستمر خاک :- یہ تو آپ نے ابتدائی جذبات خوں، غصہ اور محبت کی



داستان سنائی۔ اب فرمائیے کہ ہمارے دیگر احساسات کا کیا حال ہے ؟

ڈاکٹر پفن برگر :- ان تین ابتدائی جذبات کو تو آپ بڑیاد قرار دیکھئے۔ ان پر حافظہ، تخیل، اور قلازمہ کی مدد سے ایک پیچیدہ عمارت تیار ہوتی ہے جس کو حسیت (Sentiment) کہتے ہیں۔ جذبات کے مقابلے میں اوسط متمدن آدمی کے وقوت و تجربہ کو یہ حسیات زیادہ ظاہر کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر محبت کی حسیت کو لیجئے۔ وہ ابتدائی جذبہ سے بہت کچھ دور ہو گئی ہے۔

مسٹر ماک :- میں ایک بات یہاں واضح کر لینا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ محبت کا ابتدائی جذبہ کیا وہی ہے جس کو صنفی محرک (Sex Impulse) کہتے ہیں ؟

ڈاکٹر پفن برگر :- نہیں۔ محبت کا ابتدائی جذبہ وہ ہے جس سے صنفی محرک اور حسیت محبت دونوں نے نشوونما پائی ہے۔ وہ تو لذت کا ابتدائی وقوت ہے جس کو ڈاکٹر واٹسن نے نوژائیدہ بچوں میں معلوم کیا —

مسٹر ماک :- کیا نفرت ابتدائی جذبہ نہیں ہے ؟

ڈاکٹر پفن برگر :- نہیں نفرت تو ایک حسیت ہے۔ وہ غصہ کے جذبہ؛ مظالم کی یاد، نا کردہ مظالم کے خیال، اور آئندہ ہونے والے مظالم کی توقعات سے مرکب ہے —

مسٹر ماک :- تو پھر خوشی اور غم، رونے اور ہلسنے کو کیا کہئے گا ؟

ڈاکٹر پفن برگر :- اس گفتگو میں میں نے ان ابتدائی جذبات کا نقشہ کھینچنے

کی کوشش کی ہے جو ہماری جذباتی زندگی کی بنیاد  
 ہیں۔ لیکن ایک متہدن شخص ان جذبات کو جیسا چاہئے  
 ظاہر نہیں کرسکتا۔ رسم و رواج، آداب معاشرہ،  
 قانون اور تعلیم، سب کے سب اس میں مائع ہیں۔  
 یہ امور جذبات کو ایک خاص رخ پر قائل دیتے ہیں۔  
 لیکن اس پر ہم پھر کبھی گفتگو کریں گے۔



## ایوو گیٹرو

از

( جناب رفعت حسین صاحب صدیقی - ایم۔ اس۔  
سی۔ پی۔ ڈی۔ انسٹیٹیوٹ طبیبہ کالج دہلی )

---

” اشیا یا اجسام سے جواہر کی کیمت اضافی اور تقاضب ترکیبی معلوم کرنے کا طریقہ “ یہ اس مشہور و معروف مضمون کا عنوان ہے جو رسالہ طبیعیات سنہ ۱۹۱۱ ع ( جلد ۷۳ صفحہ ۵۸ تا ۷۶ ) میں شایع ہوا اور اس میں ایوو گیٹرو (Avogadro) کے کلیہ کی اشاعت ہوئی۔ یہ دراصل اس کلیہ کی صد سالہ یادگار تھی اور ایک خوبصورت کتاب کی شکل میں منائی گئی تھی۔ اُسے ٹیورن (Turin) کی رائل اکیڈمی آف سائنس نے شائع کیا تھا۔ مقدمہ کتاب پروفیسر اچی لیوگواریشی (Ichilio Guareschi) کا لکھا ہوا ہے جس میں مصنف کے حالات بھی درج ہیں۔ ذیل میں اسی مقدمہ سے اس کے مختصر سوانح حیات سپرد قلم کئے جاتے ہیں —

ایوو گیٹرو کا پورا نام لارینزو رومانو امیدیو کارلو ایوو کیدرونی کو ارینائی دی کریٹو (Lorenzo Romano Amedeo Avogadro di Quaregna e di Cerreto) تھا۔ ۹ اگست سنہ ۱۷۷۶ ع کو ٹیورن میں پیدا ہوا۔ خاندانی نام ایوو گیٹرو

غالباً تی ایڈوکیتس ( De Advocatis ) کا بگڑا ہوا ہے جو زبان کی تبدیلی سے رفتہ رفتہ ایڈوکیرائی ( Advocarii ) ایوو کیرائی ( Avocarii ) اور بالآخر ایوو گیترو ( Avogadri ) ہو گیا۔ یہ نام غالباً قانونی فرائض کی بنا پر ہوا جو زمانہ سابق میں اس خاندان کو امور مذہبی کے سلسلے میں انجام دینا پڑتے تھے۔ بعد میں یہی نام خاندانی ہو گیا۔ خاندان کی درشاخیں تھیں جن میں ایک کا سلسلہ ٹریویزے ( Trevis ) سے اور دوسرے کا ور چیلی ( Vercelli ) سے تھا —

ایوو گیترو کے باپ ' کیو یلیرو فلیپو ایوو گیترو ( Cavaliere Philippo Avogadro ) کا سلسلہ نسب ورچیلی سے ملتا ہے ' کیو یلیرو و فلیپو سنہ ۱۸۱۲ع میں فوت ہوا۔ ایوو گیترو کی ماں کا نام انا ور چیلونے ( Anna Vercellone ) تھا۔ یہ بیلا ( Biella ) کی رہنے والی تھی جو لمبارتی ( Lombardy ) میں ایک چھوٹا سا مقام ہے اور خاندان ایوو گیترو کی املاک جس جگہ تھی اس جگہ کے قریب ہے —

امیتڈیو ایوو گیترو نے سنہ ۱۷۸۹ع میں فلسفہ کی تدری حاصل کی اور سنہ ۱۷۹۲ع میں اصول قانون کی اور آخر میں قانون مذہبی میں تدری کی تدری سے سر فراز ہوا۔ کچھ مدت تک قانون پھشہ رہا مگر سنہ ۱۸۰۰ع میں نہایت سنجیدگی سے حساب و طبیعیات کو پڑھنا شروع کیا۔ سنہ ۱۸۰۹ع میں پروفیسر ورچیلی کے رائل کالج یا اکاڈمی میں طبیعیات کا پروفیسر مقرر ہوا۔ اس کا پہلا کام جس میں اس کا بھائی فیلپ ( Felice ) بھی شریک تھا، برق کے متعلق تھا جو تیورن کی سائنس اکاڈمی میں ۲۰ ستمبر سنہ ۱۸۰۳ع کو پیش ہوا —

سنہ ۱۸۲۰ع میں وکٹر ایما نوئل اول ( Victor Emanuel I ) نے جامعہ تیورن میں

ریاضیاتی طبیعیات کی جگہ قائم کی۔ اس جگہ پر ایوو گیترو سنہ ۱۸۲۱ ع کے اختتام تک مامور رہا۔ بعد ازاں سیاسی معاملات کی وجہ سے یہ عہدہ حذب کر دیا گیا۔ اب ایوو گیترو کو امپیریٹس (Emeritus) پروفیسر کا خطاب ملا اور چھ سو لیرے سالانہ تنخواہ ملنے لگی —

اس دوران میں ایوو گیترو طبیعیات و کیمیا کے خاص سائنٹفک مضامین میں مشغول رہا جن سے اسے بہت دلچسپی تھی۔ اور اپنی سرگزشت توڑک ایوو گیترو کے نام سے سنہ ۱۸۱۱-۲۱ ع کے درمیان شایع کی۔ اس کے بعد اس کی دوسری سرگزشت جو پہلی سے زیادہ دل چسپ تھی ۳۰ سال کی مدت میں شایع ہوئی —

سنہ ۱۸۳۲ ع میں ریاضیاتی طبیعیات کی پروفیسری کا عہدہ پھر قائم ہوا۔ لیکن اس مرتبہ اس جگہ فرانسیسی طبیعیات دان کوشی (Cauchy) کا انتخاب ہوا۔ دو سال بعد ایوو گیترو پھر اس عہدہ پر مقرر ہوا اور سنہ ۱۸۵۰ ع تک فائز رہا۔ بعد ازاں خود ہی سبکدوش ہو گیا اور اس کا شاگرد فلیچ چیو (Felice chio) اس کا جانشین ہوا —

ایوو گیترو کی شادی تونا فلیچیٹا مازی (Donno Felicita Mazzi) سے ہوئی۔ اسکے بطن سے چھ لڑکے ہوئے جن میں سے دو بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوئے۔ کاؤنٹ لوئگی (Count Luigi) اطالوی فوج میں جنرل ہوا اور ایڈوکیت فلیچ (Felice) عدالت مرافعہ کا صدر بنایا گیا —

ایوو گیترو کی زندگی بڑے انہماک کی تھی۔ وہ بہت سے عہدوں پر جنکا تعاقب قومی اعداد و شمار (Meteorology) اوزان اور پیمائشوں سے تھا مامور رہا۔ تعلیم عامہ کی مجلس اعلیٰ کا ممبر ہوا۔ اس کی زبان دانگی کا یہ عالم تھا کہ وہ صرف اطالوی زبان ہی کا ماهر نہ تھا بلکہ یونانی و لاطینی میں ادب دسترس ہونے کے

علاوہ انگریزی اور جرمن زبانوں سے بھی واقف تھا۔ وہ محنت اور حیا میں ڈالٹن و شیل (Scheele) سے ملتا جلتا تھا۔ اعلیٰ مراتب اور اعزازات کی مطلق پروا نہ کرتا تھا۔ اسی لئے سنہ ۱۸۳۰ ع میں ٹیورن میں جو سائنٹفک کانگریس منعقد ہوئی اس میں وہ صدر کا نائب بھی نہ ہو سکا۔ دراصل اس کی زندگی زمانہ سلف کے فلسفی کی طرح تھی۔ وہ ہمیشہ اپنے تعلیمی مشاغل میں محو رہتا تھا۔ لیکن اپنے فرائض جو شہری ہونے اور گھر کا مربی ہونے کی حیثیت سے اس پر عائد ہوتے تھے انہیں کبھی فراموش نہ کرتا تھا۔ جس کلیہ کی بنا پر اس کا نام مشہور ہے نہ تو اس سے فوراً اس کی قدر دانی ہوئی نہ وہ مقبول ہوا۔ خیال کرنے کی بات ہے کہ سنہ ۱۸۱۱ ع میں اس نے یہ دعویٰ پیش کیا تھا۔ اس وقت تک کیمیا دان نظریہ جواہر سے بھی بشوہی واقف نہ ہوئے تھے۔ بعد میں ڈالٹن اور اس کے معاونوں نے مشہور کیا۔ لفظ سالہ اس وقت سائنٹفک ادب میں مفقود تھا۔ مگر ایوو گیترو نے اپنے مضمون مطبوعہ رسالہ طبیعیات جولائی ۱۸۱۱ م میں کثرت سے اس کا استعمال کیا۔ اس مضمون سے قارئین کے دماغوں میں کچھ الجھن پیدا ہو گئی اور کہنے لگے کہ یہ ایک نیا الجھاوا ہے جو پہلے نہ تھا۔

یہ کچھ مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ اس کے سنہ ۱۸۱۱ ع کے مضمون کو تھام و کھال دھرایا جائے جو انگریزی میں ازل سے آخر تک الہمک کلب ریپرنٹس ( Alembic Club Reprints No. 4 ) میں شائع ہو چکا ہے اور جس کا لب لباب ہر ایک جدید کیمیاوی کتاب میں موجود ہے۔ لیکن پروفیسر وائر ( Walker ) کے مناسب نرت کا تذکرہ کرنا ضروری ہے جو بالکل صحیح ہے اور ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

”ایوو کیڈرو پر یہ الزام لگایا گیا ہے کہ اس کے لفظ سالہ (مالیکول) کے استعمال میں مطابقت نہیں ہے لیکن اس کے مضمون کے عہیق مطالعہ سے صاف ظاہر ہے کہ اس نے اس لفظ کو مختلف جگہوں پر مختلف صفتوں کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس وجہ سے استعمال میں عدم مطابقت بالکل نہیں ہے۔ ذیل کی مثالوں سے یہ امر بالکل واضح ہو جاتا ہے —

”Mole'cule“ جس کا انگریزی ترجمہ مالیکول ہے۔ جدید کیمپاری اصطلاحات میں جہاں کہیں بغیر صفت کے استعمال کیا گیا ہے، وہاں اس سے یا جوہر مراد ہے یا سالہ —

”Molecule integrante“ ترجمہ انٹیگرل مالیکول (Integral Molecule) اس سے عام مالیکول مراد ہے لیکن اس کو صرف مرکبات کے واسطے استعمال کیا ہے —

”Molecule constituante“ ترجمہ کانستٹیوٹنٹ مالیکول (Constituent molecule) عنصری شے کے سالہ کے لئے استعمال کیا ہے —

”Molecule Elementaire“ ترجمہ الیمینٹری مالیکول (Elementary Molecule)

سے مراد عنصری شے کا جوہر ہے —

ناظرین کو معلوم ہونا چاہئے کہ ایوو کیڈرو ہی وہ شخص تھا جس نے سب سے پہلے یہ بتایا کہ بہت سے عناصر کے سالہات ایک سے زیادہ جوہر سے بنے ہیں۔ اس لئے بہت سے تعاملات کی ترکیبی کیفیت دکھائی جاسکتی ہے۔ جیسا کہ فی زمانہ دھری تخریب یا تجزیہ (Double Decomposition) میں علامات کے ذریعہ سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ اس وقت ہم صرف دو ترکیبی تعاملات کی طرف توجہ مبذول کرنا چاہتے ہیں۔ ایک میں ہائیڈروجن کلورین کے ساتھ ملی ہے اور دوسری میں آکسیجن سے متحد ہے۔ ان تعاملات کو حسب ذیل مساوات سے ظاہر کیا گیا ہے —



اس سے اور اسی قسم کی دوسری مثالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عنصر یا حاصل مرکب جب تک ایک ہی درجہ تپش اور دباؤ کے ایک ہی درجہ پر کیسی حالت میں رہتے ہیں ان کا حجم بھی ایک ہی ہوتا ہے —

یہ سوچ کر بہت افسوس ہوتا ہے کہ ایورگیٹرو اور اس کے انکشافات کے ساتھ ایک مدت تک کافی انصات نہیں ہوا۔ سنہ ۱۸۱۴ ع میں فرانسیسی طبیعیات دان امپیئرے (Ampe're) نے برتھولیت (Berthollet) کو ایک خط لکھا جس میں اس نے ایورگیٹرو ہی کے الفاظ استعمال کیے۔ حالانکہ اس کے یہ خیالات و الفاظ تین سال قبل شائع ہو چکے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فرانسیسی ایک عرصہ تک اس دعویٰ یا کلیہ کو امپیئرے کے نام سے منسوب کرتے رہے۔ لیکن سنہ ۱۸۵۶ ع میں جب ایورگیٹرو وفات پا چکا تو کیہمیائی دنیا، کنی زارو (Cannizzaro) کی تحریک پر اس کے ہم وطن کی ذہ صرت خوبیاں اور اوصاف مافقیہ پر بلکہ اس کا کلیہ با اصول بھی تسلیم کرنے پر مجبور ہوئی۔ ناظرین اگر ایورگیٹرو کے ان مختصر حالات کی تفصیل چاہتے ہوں تو کنی زارو کے اس مضمون کا مطالعہ کریں جو اس نے اسی سلسلہ میں قلمبند کیا ہے اور اس پر کچھ بحث یہی کی ہے —

ہرزلیس کی وفات کے بعد سنہ ۱۸۴۸ ع میں علمی کیہمیائی بڑی کشمکش کی حالت میں تھی جس سے نکلنے میں اس کو بیس سال لگے۔ مرکب اصلہ (Compound redical) کا نظریہ بنسن (Bunsen) کی کیکوٹائل (Cacodyle)



کی تصدیقات کی بنا پر اور لیبگ و ویر (Wohler) کے بنزوائل (Benzoyl) اصلہ کی وجہ سے مقبول ہو چکا تھا لیکن ساخت یعنی سالہ میں قریب جواہر کے خیالات بہت ہی پوچ و خام تھے۔ اور ہونا بھی ایسا ہی چاہیے تھا کیونکہ عناصر کے ترکیبی قاعدے یا گرفت عناصر کے وہ اصول جس کی بنا پر وہ ایک دوسرے سے متحدہ ہوتے ہیں بالکل معدوم تھے۔ جہاں بلندی نظام نمونہ (Type system) کی بنا پر اپنے بھپن میں تھی۔ ولیمسن اور فرینکلینڈ کے کام کی اشاعت بغیر مزید ترقی کے نہیں ہوسکتی تھی۔ ایسے وقت میں اطالوی سائنس دان اسٹینسلاو کفی زارو (Stanislao Cannizzaro) نے ایوو وگیترو کے کلیہ کی تشریح کر کے بڑا کام کیا۔ اگرچہ یہ کام سائنٹفک دنیا کے سامنے سنہ ۱۸۵۸ ع میں شائع ہوا جب کہ اس کلیہ کے موجد ایوو وگیترو کے مضمون کی اشاعت کو نصف صدی گزر چکی تھی۔

دنیا میں بہت سے لوگ ایسے گذرے ہیں جنہوں نے اپنی زندگی میں شہرت و عزت کی مطلق خواہش نہ کی۔ نام و نمود سے ہمیشہ اجتناب کیا اور قلیل عرصہ حیات کو کسی نہ کسی بہتر کام میں صرف کرنے کی کوشش کی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا کام ان کی وفات کے بعد دنیا میں نمایاں ہوا۔ اپنی معنت کے اٹھارے سے وہ خود زندگی میں مستغید نہ ہوسکے۔ یہی حال ایوو وگیترو کا تھا جو سنہ ۱۸۵۶ ع میں انتقال کر گیا اور دنیا میں ایسا کلیہ یا قانون چھوڑ گیا جس سے اس کا نام فاسی اوراق تاریخ میں ہمیشہ جلی قلم سے درخشاں نظر آئے گا۔

## پٹرولیم

اور اس سے حاصل شدہ اشیا

از

( مسجد عبدالحی صاحب متعلم بی، ایس، سی، الہ آباد یونیورسٹی )

پٹرولیم بھی قدرت کی ان بے بہا نعمتوں میں سے ہے جن کی قدر انسان نے بہت دیر میں جانی۔ اور ابھی نہیں کھا جا سکتا آیا اب بھی وہ اس سے تمام امکانی فائدہ اٹھا سکا ہے یا نہیں۔ پٹرولیم کے وجود کے علم کا پتہ تو بہت پرانے زمانے میں لگتا ہے۔ بائبل میں بھی اس کا ذکر متعدد جگہ ہے اور دیگر پرانی تصنیفات میں بھی اس کا حوالہ اکثر ملتا ہے۔ ہیروڈوٹس یونانی ( Herodotus ) نے اس کا ذکر اکثر کیا ہے اور اس کو ”بہت تیز ہو دینے والا“ لکھا ہے۔ اس نے بابل کے قریب تیل کے چشموں کا ذکر کیا ہے۔ ساتویں صدی میں جاپان میں اس کا نام ”جلنے والا پانی“ رکھا ہے۔ سترھویں صدی کے آخر میں مار کو پولو نے ہاکو کے قریب تیل کے چشموں کا ذکر کیا ہے۔ تیل کے چشموں کے قریب کچھ گھسیں بھی نکلا کرتی ہیں جو جلنے والی ہوتی ہیں۔ ہاکو میں ان ہمیشہ جلنے والے چشموں کے گرد آتش پرستوں کے معبد رہے ہیں اور اس کو آسمانی نور جان کر مدتوں تک مسجد بتایا گیا ہے۔ موجودہ استعمال میں آنے سے پہلے تقریباً

ایک ہزار سال قبل سے باکو پارس زائرین کا مرکز رہا ہے۔ ہر سال کے دریاؤں میں انٹروپترولیئم کا جزو ملا ہوا پایا جاتا ہے۔ اس دھنیت کو مدتوں تک وہاں کے باشندوں نے اس کو ان معتوبین کی چربی جانا ہے جو اپنے اھمال کی سزا میں دروزخ میں جلے اور جن کی جلی ہوئی ہڈیاں دریاؤں میں بہادی گئیں۔ ان تمام باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے وجود کا علم بہت پرانا ہے مگر اس کو کام میں لانے اور اس سے ہزاروں ضروریات زندگی کو پورا کرنے کی ذہنت ابھی حال میں آئی ہے۔ قبل اس کے کہ ہم یہ بتائیں کہ کن کن ممالک میں اور کس کس طرح اس کے استعمال اور صنعت کو ترقی ہوئی ایک بڑی دلچسپ بات بیان کرتے ہیں۔ جو سائنس دانوں کے لیے اب تک ایک زبردست مبحث رہی ہے۔ سوال یہ ہے کہ آخر پترولیئم زمین کے اندر آیا کہاں ہے ؟

سب سے پہلے میلندایف (Mendeleeff) نے اپنی رائے بیان کی۔ اس نے کہا کہ شاہد پترولیئم لوہے کے کاربائیڈ (Iron carbide) سے بنا ہے۔ یہ تو معلوم ہی ہے کہ لوہا اور کاربن زمین کے اندر بکثرت موجود ہیں۔ ان کی ترکیب سے لوہے کا کاربائیڈ بنا اور جب یرگرم بھاپ (Super-heated steam) نے اس کاربائیڈ پر اثر کیا تو پترولیئم بنا۔ میلندایف نے تجربہ خانے میں اس تجربہ سے ایک چیز بنائی جو پترولیئم سے ملتی جلتی تھی —

مگر اس رائے پر سائنس دانوں نے ایک اعتراض کیا کہ اگر پترولیئم بطور ارض میں غیر نامیاتی (Inorganic) اشیا (کاربائیڈ) سے بنا ہے تو اس کو مناظری طور پر عامل (Optically Active) نہ ہونا چاہیے مگر چون کہ وہ مناظری عامل ہے لہذا یہ خیال صحیح نہیں ہے —

اس کے بعد اینگلر (Engler) نے اپنی رائے ظاہر کی۔ اس نے بتایا

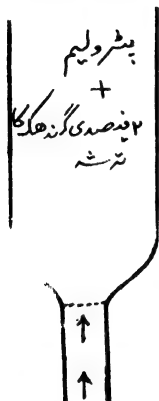
کہ یہ حیوانی مادہ کی کشیدہ فارق ( Destructive Distillation ) سے بنا ہے جو زمین کے اندر بڑے دباؤ کے ماتحت عمل میں آئی ہے ۔ اس نے بھی اس عمل کو تجربہ خانے میں کیا اور ایک چیز حاصل کی جو مثل پٹرولیم کے تھی اور ملاطری حامل بھی تھی ۔ مگر اب سوال یہ پیدا ہوا کہ اس قدر کثیر حیوانی مادہ ایک جگہ کیوں کر جمع ہو سکا ۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ ممکن ہے کہ یہ جانور ہاتھی کی طرح بڑے ہوں اور ایک جگہ مل کر رہتے ہوں یا کھڑوں کی طرح ایک جگہ جمع ہوتے اور مرتے رہتے ہوں ۔ اس طرح ایک جگہ اس قدر حیوانی مادہ کا جمع ہونا کچھ نا ممکن نہیں ۔ دوسرا اعتراض اس رائے پر یہ ہوا کہ ہر حیوانی مادے میں فائٹروجن جزو لازم ہے مگر پٹرولیم میں اس کا پتہ نہیں ۔ آخر یہ فائٹروجن کہاں گئی ؟ اس کا کوئی اطمینان بخش جواب نہ ملا اور اس طرح یہ رائے بھی مسترد کر دی گئی —

اس کے بعد ہیفلر ( Heffler ) نے کہا کہ نباتاتی مادہ کی کشیدہ فارق کا نتیجہ ہے مگر نباتاتی مادہ کی خشک کشیدہ فارق میں کوئلہ لازمی طور پر پیدا ہوتا ہے لہذا پٹرولیم کے نزدیک کوئلہ پایا جانا چاہیے ۔ مگر صورت حال یہ ہے کہ تقریباً تمام پٹرولیم کے کنٹینر سے کوئلہ بہت دور پایا جاتا ہے ۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ ممکن ہے کہ پٹرولیم زمین کے اندر اندر دور تک نکل گیا ہو اور کوئلہ سے دور ہو گیا ہو ۔ مگر دوسرے اعتراض کا کوئی جواب نہ دیا جاسکا ۔ وہ اعتراض یہ تھا کہ بالعموم نباتاتی مادہ میں گندھک کا جزو نہیں پایا جاتا مگر تقریباً ہر قسم کے پٹرولیم میں کم از کم ۲ فی صدی گندھک کا جزو ہوتا ہے ۔ یہ کہاں سے آیا ؟ اس کا کوئی جواب نہ دیا جاسکا اور یہ رائے بھی شبہ میں پڑ گئی ۔ آج تک یہ مسئلہ سائنس دانوں کے درمیان زیر بحث ہے —

پٹرولیم زمین کے اندر مختلف گہرائیوں پر پایا جاتا ہے۔ بعض مقامات پر یہ زمین کے اندر ایک بڑے دھاڑ کے ماتحت ہوتا ہے۔ چنانچہ جب اس کو نکالنے کے لیے زمین میں سوراخ کیا جاتا ہے تو یہ بغیر پمپ کئے ہوئے خود بخود بڑے زور سے فوارہ کی شکل میں نکلتی لگتا ہے۔ بعض اوقات یہ بہت دور تک پھیل جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ بہت سے ہائیڈرو کاربن (Hydro Carbon) گیس کی شکل میں نکلتے ہیں۔ زمین سے نکالنے کے لئے سخت چٹانوں میں سوراخ کرنا پڑتا ہے۔ اس سوراخ کا قطر ۴ فٹ سے لیکر ۱۲ فٹ تک ہوتا ہے اور چلہ فٹ سے لیکر ۶ ہزار فٹ تک گہرا ہو سکتا ہے۔ سوراخ کرنے کے لئے برے کی قسم کا آلہ ہوتا ہے جو بھاپ کے انجن سے چلایا جاتا ہے۔ اس میں ایک تہبیر ایسی کی گئی ہے کہ اس کی دھار خود بخود تیز ہوتی رہے اور کام برابر جاری رہے۔ یہ ممکن ہے کہ دوران عمل اس آلہ کی نوک اس قدر گرم ہو جائے کہ پگھل جائے یا نرم ہو کر مڑ جائے یا زمین سے نکلتی ہوئی پٹرولیم کی گیسوں کو جلا دے۔ لہذا اس آلہ کو خول دار بنایا جاتا ہے اور ٹھلے پانی کی رو برابر اس کے اندر جاری رکھی جاتی ہے یا برت سے ٹھنڈا کیا ہوا گارا استعمال کیا جاتا ہے۔ سوراخ ہونے کے بعد یا تو پٹرولیم خود زمین کے اندر سے اُبلتا ہے یا مشینوں کے ذریعہ پمپ کر کے نکالا جاتا ہے۔

نکالنے کے بعد سب سے پہلا عمل اس کے صاف کرنے کے متعلق یہ کیا جاتا ہے کہ اس کو کشیدہ فارق کے ذریعہ مختلف ہائیڈرو کاربنوں میں علیحدہ کر لیا جاتا ہے۔ اس کی مفصل تشریح ابوی بیان کی جائے گی۔ صاف کرنے میں پانی کی کثرت سے ضرورت ہوتی ہے لہذا صاف کرنے

والی فیکٹریاں دریاؤں کے کناروں یا سمندر کے ساحلوں پر واقع ہوتی ہیں۔ جہاں اندرون ملک سے پٹرولیم پائپ لائن کے ذریعہ لایا جاتا ہے۔ پٹرولیم کو مخروطی شکل کے ظرت میں رکھا جاتا ہے اور ۲ فی صدی گندھک کا ترشہ ملا دیا جاتا ہے۔ بہت دباؤ والی ہوا کے



ذریعہ متحرک کیا جاتا ہے۔ پھر پانی سے بار بار دھوکر ۴۰ فی صدی کاسٹک سوتا (Sodium Hydroxide) ملایا جاتا ہے۔ اس طرح پٹرولیم پہلے قلعوی اجزا اور پھر قرشتی اجزا سے پاک ہو جاتا ہے۔ اب پٹرولیم کا رنگ سیاہ سے ہلکا بھورا ہو جاتا ہے۔ پہلے اس کو سفید کرنے کے لئے اتلے برتنوں میں بھر کر کانچ کی پتلی چادروں سے تھک دیا جاتا تھا

دباؤ والی ہوا حرکت دینے کے لئے

اور دھوپ میں رکھا رہنے دیا جاتا تھا۔ مگر اب

سفوت رنگ کت (Bleaching powder) استعمال کیا جاتا ہے۔ پٹرولیم صاف کرنے والی فیکٹریوں کے قریب رنگ کت سفوت کی بھی فیکٹریاں قائم ہیں۔ صاف کرنے کے بعد پھر کشید فارق کا چھل ہوتا ہے اور اس طرح یہ عمل پورا ہو جاتا ہے۔ اس کشید فارق سے بہت سی مختلف الفوائد اشیا دستیاب ہوتی ہیں۔ قبل اس کے کہ ان اشیا کا مفصل حال بیان کیا جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پٹرولیم کی کیمیاٹی ماہیت کے متعلق کچھ بتا دیا جائے۔

پٹرولیم میں خاص اجزا کاربن (C) اور ہائیڈروجن (H) ہیں۔

کچھ تھوڑی گندھک اور آئسین بھی پائی جاتی ہیں۔ خاص اجزا کے مرکبات کا اجماعی نام ہائیڈرو کاربن ہے اور دوسری چیزیں ملاوت

سمجھی جاتی ہیں۔ ہائیڈروکاربن مندرجہ ذیل تین اقسام کے پائے جاتے ہیں —

۱ - دھنیت والے ( Aliphatic )

۲ - بورکھنے والے ( Aromatic )

۳ - بورکھنے والے جن میں ہائیڈروجن کے جوہر کا تناسب زیادہ ہے -

Hydro-aromatic

۱ - دھنیت والے ہائیڈروکاربن میں مندرجہ ذیل اشیا شامل رہتی ہیں (۱) پیروان ( Paraffine ) جن کے سالمہ میں ہائیڈروجن کے جواہر کی تعداد زیادہ سے زیادہ ہوتی ہے۔ اور کسی مزید جوہر کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ ان کا عام ضابطہ ( General Formula )  $(C_n H_{2n+2})$  ہوتا ہے۔ ان میں مندرجہ ذیل اشیا شامل ہیں

Methane

میٹھین

Ethane

ایٹھین

Propane

پروپین

وغیرہ

(ب) اولی فین ( Olefin ) جن کے سالمہ میں ہائیڈروجن کے جواہر کی تعداد پیروان کے مقابلہ میں کم ہوتی ہے اور جن کا عام ضابطہ  $(C_n H_{2n})$  ہوتا ہے۔ ان میں مندرجہ ذیل اشیا شامل ہیں —

Ethylene

ایٹھیلین

Propylene

پروپیلین

Butylene

بیوٹی لین

وغیرہ

(۲) ہو رکھنے والے ہائیڈرو کاربن میں مندرجہ ذیل اشیا پائی جاتی ہیں

Benzine

بنزین

Toluene

ٹولوین

Naphthalene

نپتھلین

Anthracene

اینٹھراسین

۳ - ہو رکھنے والے جن میں ہائیڈروجن کے جوہر کا تناسب زیادہ ہے۔ اس

قسم میں مندرجہ ذیل نوعیت کے مرکبات پائے جاتے ہیں مثلاً ہائیڈروجن

کے ۶ جوہر زیادہ والی بنزین - Hexahydrobenzine

یہ تمام ہائیڈرو کاربن مختلف قسم کی اشیا کی شکل میں پٹرولیم سے علیحدہ کیے جاتے ہیں۔ ان کو جدا جدا کرنے کے لیے جیسا کہ اوپر بیان ہوا کشیدہ فارق کا عمل کیا جاتا ہے۔ کشیدہ فارق سے ہمارا مطلب یہ ہے کہ اس صاف کیے ہوئے پٹرولیم کو پہلے دھیمی اور پھر رفتہ رفتہ تیز حرارت کے زیر اثر کشیدہ کیا جاتا ہے۔ درجہ حرارت کے اختلاف کے ساتھ ساتھ مختلف اشیا حاصل ہوتی ہیں جو مختلف کاموں میں لائی جاتی ہیں۔ ان کی تفصیل حسب ذیل ہے :-

صفر درجہ مٹی (سیلمٹی گریڈ) سے ۴۰ درجہ مٹی تک :-

اس تپش پر صرف گیسوں حاصل ہوتی ہیں۔ ہندوستان اور برما میں چونکہ موسم گرم ہوتا ہے اس وجہ سے یہ پہلے ہی خارج ہو جاتی ہیں۔ یہ گیسیں بہت سازی میں کام آتی ہیں۔

۴۰ درجہ مٹی سے ۷۰ درجہ مٹی تک :-

پٹرولیم ایتھر حاصل ہوتا ہے جو رال، سوم، چربی، تیل وغیرہ کے

حل کرنے میں کام آتا ہے اور سورہ مالک میں پٹرول کے ساتھ ملا دیا جاتا



ہے تاکہ وہ جلد آگ پکڑ سکے —

۷۰ درجہ مٹی سے ۱۲۰ درجہ مٹی تک :-

پٹرول کشید کیا جاتا ہے جو موٹروں اور ہوائی جہازوں کے انجنوں میں جلایا جاتا ہے —

۱۲۰ درجہ مٹی سے ۱۶۰ درجہ مٹی تک :-

ہلکا مٹی کا تیل حاصل ہوتا ہے جو اعلیٰ قسم کا ہوتا ہے ( مثلاً اشرفی یا ہاتھی مارکہ وغیرہ ) یہ تیل لیمنیوں اور بعض بڑے انجنوں میں جلانے کے کام آتا ہے —

۱۶۰ درجہ مٹی سے ۱۸۰ درجہ مٹی تک :-

اوسط درجہ کا مٹی کا تیل ملتا ہے جو کچھ بھورے رنگ کا ہوتا ہے اور جلنے میں اتنا اچھا نہیں ہوتا جتنا کہ ہلکا تیل - یہ خاص قسم کے لیمنیوں میں جلایا جاسکتا ہے - بہت بڑے انجنوں میں بھی جلایا جاتا ہے —

۱۸۰ درجہ مٹی سے ۲۲۰ درجہ مٹی تک :-

رنگین مٹی کا تیل ملتا ہے جو روشنی صاف نہیں دیتا ہے اور دقت سے جلتا ہے - ریلوے کے سگنلوں وغیرہ میں استعمال ہوتا ہے - سستا ہونے کے باعث اور لوگ بھی استعمال کرتے ہیں —

۲۲۰ درجہ مٹی سے ۲۶۰ درجہ مٹی تک :-

ہلکا تھ ہینٹی تیل ( Lubricating oil ) حاصل ہوتا ہے جو ہلکی مشینوں کے پرزوں کی تھ ہیں میں کام آتا ہے - مثلاً چھوٹے انجنی ہائسکل - سپنے کی مشین وغیرہ —

۲۶۰ درجہ مٹی سے ۳۰۰ درجہ مٹی تک —

اوسط درجہ کا تھ ہینٹی تیل ملتا ہے جو سیاہ رنگ کا ہوتا ہے اور

بڑے انجنوں کے پروزوں میں اگانے کے کام آتا ہے —

۳۰۰ درجہ مٹی سے ۴۵۰ درجہ مٹی تک —

”بھاری“ تدهینی تیل ملتا ہے جو بہت بڑے بڑے انجنوں یا ریل گاڑی کے پمپوں کے دھروں کے چکنا کرنے میں کام آتا ہے۔ یہ بہت گاڑھا ہوتا ہے اور بھاری مشینوں میں کچھ ٹھہر سکتا ہے جہاں ہلکا تیل کام نہیں لے سکتا —

۴۵۰ درجہ مٹی سے ۶۰۰ درجہ مٹی تک —

ویسلین (Vaseline) دستیاب ہوتی ہے جو صحت اور خوشبو دار بنا کر بازار میں فروخت ہوتی ہے۔ یہ مختلف قسم کے مرہموں میں کام آتی ہے۔ اور بہت سی ادویات میں بھی استعمال ہوتی ہے۔ بذات خود اچھا مسہل ہے۔ اور کو زنگ سے محفوظ رکھنے کے لئے بھی استعمال ہوتی ہے —

۶۰۰ درجہ مٹی سے زیادہ —

پیرفن ویکس (Paraffin wax) حاصل ہوتا ہے۔ یہ سفید موم کی قسم کی ایک شے ہے۔ جس میں ۳ سے لے کر ۱۵ فی صدی تک اسٹیرک ترشہ (Stearic Acid) ملا کر موم بتیاں بنائی جاتی ہیں۔ اگر ویکس کچھ عرصہ تک ہلکے دباؤ کے تحت رکھا جائے تو اس کے ساتھ میں جواہر کی ترتیب میں فرق ہونے کی وجہ سے یہ شفات ہو جاتا ہے۔ مگر ذرا سی ٹھیس لگنے سے یہ ترتیب بگڑ جاتی ہے اور ویکس پھر اپنی اصلی صورت پر آ جاتا ہے —

اس کے بعد سیاہ کوئلہ یا Coke باقی رہ جاتا ہے —

## گرفتار پر بروقی حیثیت سے نظر

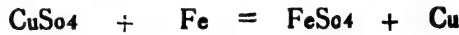
از

( جناب سہد محمد الحکیم صاحب ایم ایس سی ' ایل ٹی )

ہرے سے ہرے اجرام فلکی اپنی ساخت میں کچھ وہی مشابہت رکھتے ہیں جو کائنات کے چھوٹے سے چھوٹے ذروں میں پائی جاتی ہے۔ ہماری سائنس آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہی ہے۔ مگر اس بحر بے بایاں میں باوجود اتنی مسافت نے جب نظر اُٹھتی ہے تو ساحل کی دوری کچھ ویسی ہی نظر آتی ہے جیسی پہلے تھی۔ ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ ایک دوسرے میں عناصر کی تبدیلی کے خیال کو سائنس کی مسئلہ ہستیوں نے ایک خیال موہوم سے زیادہ تصور نہ کیا تھا۔ مگر چند تابکار (Radio Active) عناصر (ریڈیم - ایکٹیویم - پولونیوم - یورے نیم اور تھوریئم) کے انکشاف نے 'جو نہایت سرعت سے ایک دوسرے میں تبدیل ہو جاتے ہیں' اس بھولے ہوئے افسانے کو از سر نو تازہ کر دیا۔ انسانی دماغ اب اس جستجو میں پڑ گیا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ قانبعے اور سیسے کے مثل کم قہمت دھاتیں سونے اور چاندی کی طرح قیمتی دھاتوں میں تبدیل ہو سکیں۔ دوسرے لفظوں میں کیا یہ ممکن ہے کہ عناصر کی قلب ماہیت ہو سکے۔ اپنے اس قیاس کو کامیاب بنانے کے واسطے

اُس نے یہ ضروری سمجھا کہ عناصر کے جزو لا یتجزا کی ماہیت کو کامل طور سے سمجھنے - لیکن جوہر کی اصل حقیقت کا پتہ اسی وقت سمجھ میں آتا ہے جب گرفت (Valency) کے پیچیدہ مسئلے کو حل کیا جاسکے - 'گرفت' سے مراد مادے کی وہ صفت ہے جو مختلف اشیا کو آپس میں ترکیب دینے کا باعث بنتی ہے - گرفت کے تشریم طلب معنی کو چند ہمای مثالوں سے سمجھا دینا نامناسب نہ ہوگا -

اگر نیلے تھوٹے (CuSO<sub>4</sub>) کے محلول میں لوہے کا ایک ٹکڑا ڈال دیا جاتا ہے تو درجہ ذیل تبدیلی واقع ہوتی ہے -



تانبا کسٹیس لوہا نیلے تھوٹا

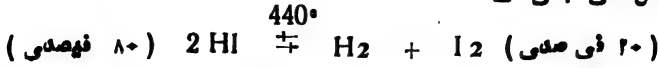
لوہا تانبے کی جگہ پر آ جاتا ہے اور تانبا علیحدہ ہو جاتا ہے - بجائے نیلے تھوٹے کے کسٹیس کا محلول بن جاتا ہے - اس صفت یا قوت کا نام جس نے لوہے کو اخذ کر کے تانبے کو آزاد کر دیا 'گرفت' ہے - اسی طرح پر سلور نائٹریٹ (AgNO<sub>3</sub>) کا محلول معمولی نمک کے محلول سے ترکیب پانے پر سلور کلورائیڈ (AgCl) بناتا ہے -



سوتیم نائٹریٹ سلور کلورائیڈ نمک سلور نائٹریٹ

یہاں پر اس صفت کے تحت چاندی (Ag) اپنے قدیمی دوست (NO<sub>3</sub>) کا ساتھ چھوڑ کر کلورین (Cl) کا ساتھ دیتی ہے - اور مجبوراً سوتیم (Na) اپنے اولین دوست کو خدا حافظ کہہ کر (NO<sub>3</sub>) کے ساتھ رشتہ اتحاد جوڑتا ہے - اس قوت کا نام جس نے سوتیم کو کلورین سے اور چاندی کو (NO<sub>3</sub>) سے جھا کر دیا اور نئے رشتہ اتحاد پیدا کر دئے 'گرفت' ہے - ایک

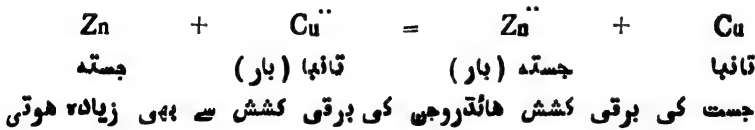
اور مثال دی جاتی ہے —



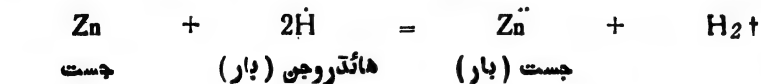
اس صورت میں جب ہائیڈروجن آئیڈائیڈ (HI) (۴۴۰°) کی تپش پر ہائیڈروجن اور آئیڈین میں منتشر ہوتی ہے تب یہ آخری دو عناصر پھر آپس میں مل جاتے ہیں اور ہائیڈروجن آئیڈائیڈ بنادیتے ہیں۔ ایک طرف (۴۴۰°) کی تپش ان دونوں عناصر کو منتشر کرتی ہے اور دوسری طرف ایک چھپی ہوئی کشش جس کا نام گرفت ہے ان دونوں کو پھر ملا دیتی ہے۔ اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کبھی بھس فی صدی سے زیادہ ہائیڈروجن اور آئیڈین منتشر نہیں ہوتیں۔ ایسی ہی بے شمار مثالوں پر نظر ڈالنے سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا سبب ہے کہ کوئی سی دو یا ان سے زیادہ چیزیں کبھی تو آپس میں مل کر ایک نئی صورت پیدا کر لیتی ہیں اور کبھی دوسرے عناصر کی موجودگی میں یہ منتشر ہو کر نئے مرکبات یا عناصر پیدا کر دیتی ہیں۔ جستجو میں رہنے والے صاف چہن سے نہیں بیٹھتے۔ مختلف خیالات آتے ہیں۔ کبھی تو یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیمیاری کشش جو مختلف چیزوں کے درمیان میں رشتہ اتحاد پیدا کرتی ہے کہیں اُن جذبات سے تو مشابہ نہیں ہے جو دوست دوست میں یا دشمن دشمن میں پائے جاتے ہیں۔ وہ روم اور جسم کے پیچیدہ مسئلے پر غور کرتا ہے لیکن اس مشابہت سے بھی اُس کو تسلی نہیں ہوتی۔ وہ مقناطیسی کشش کے قوانین کی طرف فور کرتا ہے اور دیکھتا ہے کہ شمالی قطب اپنے مخالف قطب کو اپنے طرف کھینچتا ہے۔ لیکن کسی مقناطیس کے شمالی قطب سے کسی دوسرے مقناطیس کا شمالی قطب

دور ہٹ جاتا ہے۔ چونکہ یہ مقناطیسی کشش صرت فولاد کے مثل چند چیزوں کے واسطے مخصوص ہے اس خصوصیت نے اُس کے خیالات کو بھی محدود کر دیا اور وہ اب آگے بڑھتا ہے اور برق کی جانب متوجہ ہوتا ہے۔ مقناطیس کی طرح یہاں پر بھی اُس کو قوت برقی کی دو مخالف قسمیں ملتی ہیں لیکن ان کا دائرہ اثر مقناطیس کی طرح چند چیزوں پر محدود نہیں ہے۔ اب وہ اس فکر میں پڑتا ہے کہ گرفت کے مسئلے میں قوت برقی کس طرح ہر کام کرتی ہے۔ بیشمار پہلی تجربات کے بعد یہ اس پایہ ثبوت کو پہنچتا ہے کہ دنیا کی ہر چیز میں یہ دونوں متضاد برقی قوتیں مساوی طور پر موجود ہیں۔ اور ہر ایک کیمیائی تبدیلی دراصل اسی برقی قوت کے تحت کام کرتی ہے۔ برزیلیس (Berzilius) فراتے (Fraday) اور دوسرے علمائے سائنس نے ایک سو برس قبل اس بات کو ثابت کر دیا تھا کہ تمام مرکبات اپنے محلول میں دو روانوں (ions) میں منتشر ہوجاتے ہیں اور ہر دو رواں علیحدہ علیحدہ ان ہی دو متضاد برقی قوتوں کے زیر اثر ہوتے ہیں۔ ایک رواں پر مثبت برق کا بار ہوتا ہے اور دوسرے پر منفی برق کا اثر ہوتا ہے۔ مثلاً نمک کے محلول میں سوڈیم اور کلورین روانوں کی ایک آمیزش ہوگی ( $\text{NaCl} = \text{Na}^+ + \text{Cl}^-$ ) سوڈیم پر مثبت بار اور کلورین پر منفی بار ہوگا۔ یہ واضح رہے کہ سوڈیم اور کلورین کے جوہر برق کے زیر اثر معمولی سوڈیم اور کلورین کے جوہروں سے جو برق سے اثر پذیر نہیں رہتے اپنے اپنے خواص میں بالکل جدا ہوتے ہیں۔ برقیایا ہوا سوڈیم ( $\text{Na}^+$ ) معمولی سوڈیم سے بالکل مختلف ہے اور جب تک یہ برقی قوت سے وابستہ ہے یہ اپنے حسب معمول خواص کا اظہار نہیں کرسکتا۔ یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ ان روانوں پر جو برقی بار موجود رہتے ہیں وہ مختلف عناصر میں مختلف تعداد میں معین رہتے ہیں۔ اور جس استواری اور مضبوطی سے یہ بار عناصر کے ساتھ وابستہ رہتے ہیں وہ بھی

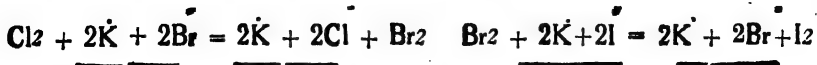
ہر صورت میں علعده + علعده ہے۔ پوٹاشیم (K) سوڈیم (Na) کلورین (Cl) وغیرہ ہر جو بار رھتے ہیں۔ وہ ان عناصر سے نہایت مضبوطی کے ساتھ وابستہ رھتے ہیں اور اس وجہ سے ان روانوں کو قوی روان (Strong ions) کہتے ہیں۔ برخلاف اس کے چاندی Ag, OH, Cy اپنے باروں کو آسانی کے ساتھ علعده کر دیتے ہیں۔ ان کو کم زور روان (Weak ions) کہتے ہیں۔ جس قوت سے کسی عنصر کا کوئی روان ان برقی بار کو اپنے سے وابستہ رکھتا ہے وہ قوت برقی کشش یا برقی گرفت (Electrical affinity) کہلاتی ہے۔ روانوں پر برقی کشش زیادہ رھتی ہے اس لئے اُن کو خالص حالت میں تیار کرنا مشکل ہوتا ہے۔ کیوں کہ وہ علعده ہوتے ہی فوراً دوسرے عناصر یا مرکبات سے مل جاتے ہیں۔ برخلاف اس کے کم زور روان آسانی سے تیار ہو جاتے ہیں۔ جب کسی قوی روان کا عنصر کسی کم زور روان کے عنصر سے ملتا ہے تو آخر الذکر روان کا برقی بار اول الذکر عنصر پر منتقل ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر جست پر برقی کشش زیادہ تیز ہوتی ہے بمقابلہ تانبے کے۔ ایسی صورت میں اگر تانبے کے کسی ٹک کے معلول میں جست ڈال دیا جائے تو تانبا علعده ہو جائے گا اور تانبے کا برقی بار جست پر منتقل ہو جائے گا۔



ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جست ہائڈروجن کو ہلکے قرشے سے نکال دیتا ہے۔



اسی طرح پر کلورین برومین کو اور برومین آیوڈین کو ان عناصر کے نمکوں کے محلولوں سے علعده کر دے گا۔



اس برقی کشش کے استحکام کے لحاظ سے عناصر

کی ایک فہرست حاشیہ پر دی جاتی ہے۔

ابھی تک کیٹھوٹی (Cathode)، لیڈارٹی (Lenard)

اور رنٹگنی (Rontgen) شعاعوں کا انکشاف نہیں ہوا تھا۔

ان شعاعوں کے انکشاف پر برقیے کا ظہور وجود میں آنا

ہے۔ اور کیٹھوٹی شعاعوں کی نسبت یہ خیال کیا گیا کہ

وہ اس گیس کے چھوٹے چھوٹے ذرات پر

مشتمل ہیں جو نلی میں خلا پیدا کرنے کے بعد تھوڑی

سی باقی رہ جاتی ہے۔ اور ان ذرات پر منفی برق کا بار

ہے۔ لیکن یہ خیال غلط ثابت ہو گیا کیونکہ ان برقیوں

کا کوئی تعلق گیس کے ساتھ نہ تھا۔ جے۔ جے تھا مسن

نے جلد صحیح رائے کا اظہار کر دیا۔ ان کے خیال کے

موجب یہ برقیے جوہر کے منتشر ہونے پر پیدا ہوتے

ہیں۔ ان پر منفی برق کا بار رہتا ہے اور اپنے وزن میں

ہائڈروجن کے جوہر سے تین ہزار گنا چھوٹے ہوتے ہیں۔

مختلف گیس سے جو برقیے بنے ان میں آپس میں

کوئی فرق نہیں ہوتا۔ اس بناء پر یہ خیال کیا گیا کہ

تمام گیسوں میں ایک ہی قسم کے برقیے مشعرک ہیں۔

مرطوب ہوائیں اس برقیوں کی ایک بار بار سارنے پر پانی

کے چھوٹے چھوٹے ذرات ہر برقیے کے چاروں طرف

چمٹ جاتے ہیں اور پانی کی بوندیں برس پڑتی ہیں۔

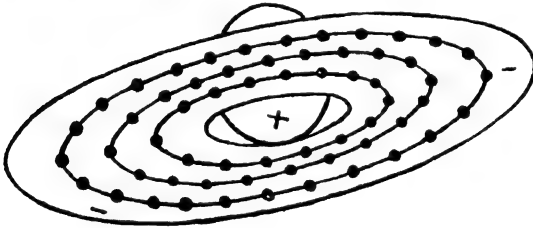
امریکہ کے ماہرے سائنس نے آرتے بادلوں پر برقیوں

کی بار بار کر ہمگی طور سے پانی برسایا ہے۔

Elements	عناصر
Caesium	سیزیئم
Rubidium	روبیڈیم
Potassium	پوٹاشیم
Sodium	سڈیم
Lithium	لیتھیم
Barium	باریم
Strantium	اسٹرانشیئم
Calcium	کیلشیم
Magnesium	مگنشیئم
Aluminium	الومینیم
Chromium	کرومیم
Manganese	مینگیٹیز
Zinc	جست
Iron	لہوا
Cobalt	کوبلت
Nickel	نکل
Tin	رائگ
Lead	سیسہ
Hydrogen	ہائڈروجن
Antimony	انتی مونی
Bismuth	بسمت
Arsenic	آرسنیک
Copper	تانبہ
Mercury	پارہ
Silver	چاندی
Palladium	پلیٹینم
Platinum	پلیٹینم
Gold	سونہ
Iridium	ایریدیئم
Rhodium	روڈیم
Osmium	آسمیم
Silican	سلیکون
Carbon	کاربن
Boron	بورون
Nitrogen	نائٹروجن
Selenium	سلیمن
Phosphorus	فاسفورس
Sulphur	گندھک
Iodine	آیوڈین
Bromine	برومین
Chlorine	کلورین
Oxygen	اکسیجن
Fluorine	فلورین



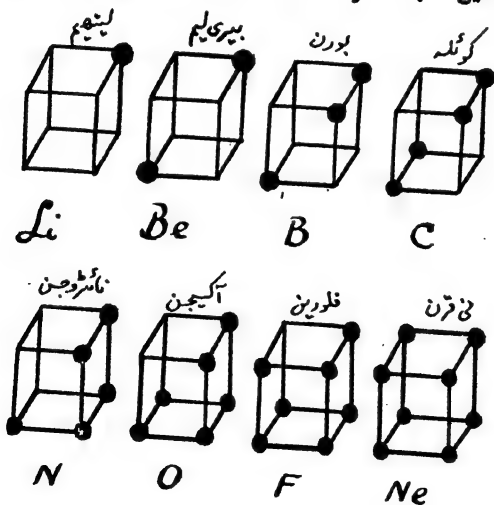
منفی برقیوں کے ساتھ ساتھ دوسری شعاعوں میں مثبت برقیے بھی دریافت ہوئے ہیں۔ مثبت برقیوں کا وزن منفی برقیوں سے قریب قریب سترہ سو گنا ہوتا ہے۔ اگرچہ مثبت برقیوں کی نسبت ابھی تک بہت کم معلومات حاصل کی گئی ہیں — اس نکتہ نظر سے عنصر ایسے ذروں کا مجموعہ ہوا جن کو جوہر کہتے ہیں اور ہر جوہر ذروں میں منقسم ہو سکتا ہے۔ ایک تو مرکز پر قائم رہنے والا حصہ جس کو مرکزہ (Nucleus) کہتے ہیں۔ اور دوسرا حصہ ان برقیوں کا جو مرکزہ کے چاروں طرف گردش کرتے ہیں اور ان پر منفی بار ہوتا ہے۔ مختلف عناصر میں برقیوں کی تعداد اور گردش کے راستے مختلف ہوتے ہیں۔ ان برقیوں کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ وہ بڑی تیزی سے ایک گولے کے مرکز کے چاروں طرف ایک خاص ہم مرکز بیضوی راستوں پر گردش کرتے رہتے ہیں۔ چونکہ ان پر منفی بار رہتا ہے لہذا گردش کے دوران میں وہ ایک دوسرے کو ہٹاتے رہتے ہیں۔ اور چونکہ مرکزے پر مثبت بار رہتا ہے لہذا وہ ان برقیوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ مگر ان کی تیز رفتاری کی وجہ سے ان میں ایک قسم کی مرکز گریز قوت (Centrifugal Force)



جے جے تھامسن کے خیال کے بموجب ہر ذرے ایک گولے کے گرد جس پر مثبت بار ہے ہم مرکز بیضوی راستوں پر گردش کر رہے ہیں۔ اور یہ صورت مانند (زحل) سیارے کی ہے —

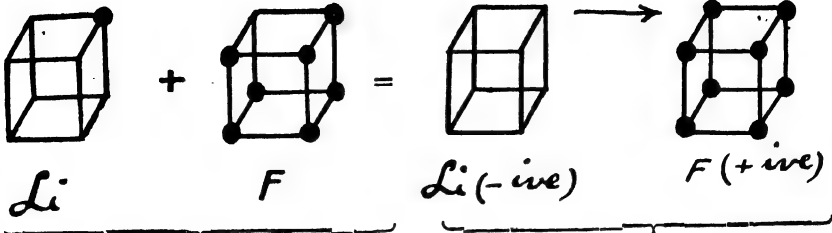
پیدا ہو جاتی ہے۔ جو ان کو مرکز سے ایک خاص فاصلے پر گردش میں رکھتی ہے۔ اوئی (Lewis) اور لانگ فیر (Longmuir) اس مسئلے پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ برقیے متحرک نہیں ہیں بلکہ مرکزے کے اطراف مختلف ہم مرکز کھوکھلے مکعب کے گوشوں پر آویزاں رہتے ہیں۔ ان منفی بار دار برقیوں کی تعداد اتنی ہی ہوتی ہے جتنی مرکزے پر مثبت بار دار آراء

برقیہ جن کو بدویہ (Proton) کہتے ہیں، ہوتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ تعداد کسی عنصر کے جوہری عدد (Atomic Number) کے مساوی ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر ہیلیم پر دو برقیہ رہتے ہیں اور اس کے مرکزے پر اس طرح پر دو مثبت بار والے بدویے آزاد ہوجاتے ہیں۔ اور یہی ہیلیم (He) کا جوہری عدد ہے۔ ان برقیوں کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ وہ مرکزہ کی متضاد سمتوں میں آویزاں رہتے ہیں۔ جب بیرونی مکعب کے تمام گوشوں پر یہ برقیہ آویزاں ہوجاتے ہیں اور کوئی گوشہ خالی نہیں رہتا تب اس کے اطراف دوسرے ہم مرکز مکعب کا وجود ہوتا ہے۔ اور اس نئے مکعب کے وہی تمام گوشے بالترتیب ایک برقیہ سے لے کر آٹھ برقیوں میں پورے ہوجاتے ہیں۔ جوں جوں یہ برقیہ گوشوں پر لٹکتے جاتے ہیں اسی طرح نئے عناصر وجود میں آتے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر ہیلیم (He) کے اوپر جو ہم مرکز مکعب کا خول چڑھتا ہے اور اس مکعب کے گوشوں پر ایک سے آٹھ برقیہ آویزاں ہوجاتے ہیں تب مندرجہ ذیل عناصر وجود میں آ جاتے ہیں —



ان عناصر کے جوہروں کا خاکہ جو ہیلیم پر مکعبی خول چڑھنے پر پیدا ہوتے ہیں اور ان کے گوشوں پر برقیہ آویزاں ہونے پر وہ مختلف عناصر میں تبدیل ہوجاتے ہیں —

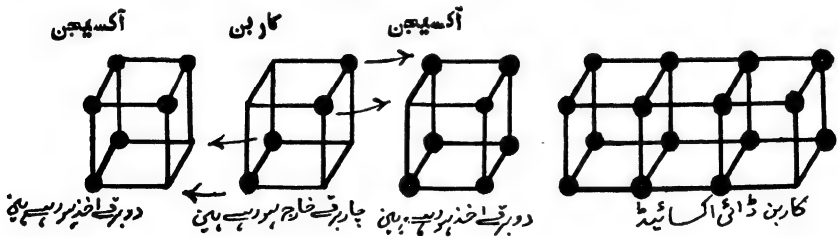
اس طرح پر لیتھیم سے ابتدا ہوتی ہے اور یہ سلسلہ نیاں پر جاکر ختم ہو جاتا ہے۔ اب ان پر تیسرا ہم مرکز مکعبی خول چڑھتا ہے اور دوسرے عناصر وجود میں آتے ہیں۔ پس اگر ہم کسی طرح ان مکعبی خولوں کے چڑھانے اور ان کے گوشوں پر برقیہ آویزاں کرنے پر قدرت حاصل کر لیں تو ہم عناصر کو بھی ایک دوسرے میں تبدیل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اور انسان نہایت آسانی سے تانبے یا سیسے کی مثل کم قیمت دھاتوں کو سونے یا چاندی کے مثل قیمتی دھاتوں میں تبدیل کر سکے گا۔ اور اپنے دیرینہ خیالات کو عملی جامہ دینے میں کامیاب ہو جائے گا۔ اس سمت میں سرتور کوشش کی جا رہی ہے اور بہت کچھ کامیابی حاصل ہو چکی ہے۔ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ان برقیوں میں کمی یا زیادتی صرف ان برقیوں پر ہو سکتی ہے جو سب سے اوپر کے مکعبی خول پر آویزاں ہوتے ہیں۔ اگر کسی خول پر ایک برقیہ کی کمی ہو جاتی ہے تو اس کو برقی مثبت (Electro Positive) اور اگر زیادتی عمل میں آتی ہے تو برقی منفی (Electro Negative) کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ یہ مسئلہ مندرجہ ذیل مثالوں سے صاف ہو جاتا ہے۔ جب لیتھیم اور فلورین عناصر کے درمیان ترکیب کیمیاوی وقوع میں آتی ہے تب لیتھیم فلورائیڈ (Lif) کا مرکب اس طرح پر بنتا ہے کہ لیتھیم ایک برقیہ خارج کرتا ہے اور فلورین اس کو حاصل کرتا ہے۔ اب چونکہ لیتھیم کے جوہر سے ایک برقیہ خارج ہو جاتا ہے لہذا اس میں ایک بدویہ کی زیادتی ہو جاتی ہے (اولاً برقیہ اور بدویہ مساوی تعداد میں موجود تھے) اور اب اس جوہر پر مثبت برق کا اثر ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس کے بالکل خلاف فلورین پر اثر پڑتا ہے۔ یعنی وہ منفی برق کا اثر ظاہر کرتا ہے۔ اور اسی وجہ سے برقی منفی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ کیمیاوی تحریر میں یہ تبدیلی اس طرح پر ظاہر کی گئی ہے —



اس وقت دونوں عناصر بالکل تعدیلی (Neutral) ہیں یعنی ان پر منفی اور مثبت برق نے ایک دوسرے کے اثر کو بالکل زائل کر دیا ہے۔ چونکہ ہر جوہر میں مثبت اور منفی برقیے مساوی تعداد میں ہوتے ہیں —

اب ایک پر منفی بار ہے اور دوسرے پر مثبت بار اور دونوں متضاد برق کی کشش سے متحد ہو کر ایٹمیئم فلورائیڈ (LiF) بناتے ہیں۔ اگرچہ بظاہر دونوں علیحدہ علیحدہ معلوم ہوتے ہیں —

اور چونکہ ان دونوں عناصر میں صرف ایک برقیہ خارج کرنے یا حاصل کرنے کی صلاحیت ہے لہذا ان کو ایک گرفتہ عناصر کہتے ہیں۔ ایسی ہی دلیل کے تحت آکسیجن دو گرفتہ اور کاربن چار گرفتہ عناصر قرار پائے ہیں۔ مثال کے طور پر کاربن اور آکسیجن کی کیمیائی ترکیب دکھائی جاتی ہے —

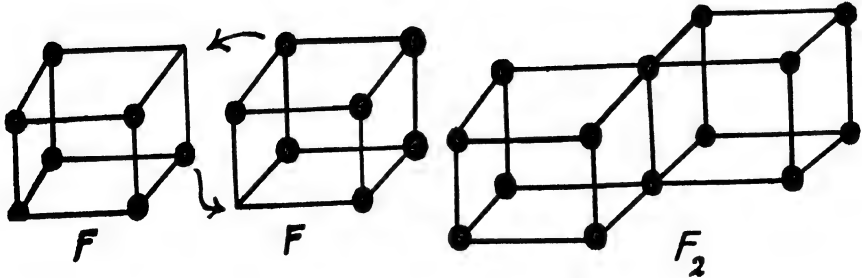


اوپر بیان کئے ہوئے دو عناصر میں کاربن اپنے سے چار برقیے خارج کرنے کی اور آکسیجن اپنے میں دو برقیوں کو اخذ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ لہذا کاربن بہ نسبت آکسیجن کے برقی منفی ہے۔ آکسیجن دو گرفتہ

اور کاربن چہار گرفتہ ہوا۔ ذیل میں اپنی گرفت کے لحاظ سے چارہ مشہور  
عناصر کی گرفت کی جدول دی جاتی ہے۔

یک گرفتہ	دو گرفتہ	سہ گرفتہ	چہار گرفتہ	پنج گرفتہ	شش گرفتہ	ہفت گرفتہ
لیتھیم	آکسیجن	بورن	کاربن	نائیٹروجن	گندہک	کلورین
سوڈیم	میگنیشیم	الہیم	قین	فسفورس		برونین فلورین
پوٹیشیم	کیلشیم		سیسہ	اینٹی مونی		
کلورین	جستہ					
فلورین	بیریم					
برونین	پارہ					
آئڈین	سونا					
چاندی						

یہ بھی ممکن ہے کہ کسی عنصر کے دو جوہر جن کے مکعبی خول کے  
گوشوں پر جگہ خالی ہے آپس میں متحد ہو جائیں اور اس طرح اُس عنصر  
کا مستحکم سالمہ بنا دیں۔



یہاں پر فلورین جوہر کے دونوں خالی گوشوں پر دو برقیہ مشترکہ

طور پر آریزاں ہو کر فلورین کا مستحکم سالمہ بنا رہے ہیں —  
لوئی اور لانگ نیر کے خیالات ہے کہ برقیہ بیضوی ہم مرکز راستوں پر بڑی رفتار  
سے گردش کر رہے ہیں۔ ہے۔ ہے تھامسن کے اصول کے تحت بہت سے دریافت  
شد مسائل مثلاً کیمیائی ترکیب کیسے بدل میں آسکتی ہے 'گرفت' تابکاری  
دھاتوں اور دھاتوں کی برقی گرفت کے لحاظ سے تقسیم وغیرہ نہایت  
خوبی سے واضح ہو جاتے ہیں لیکن میلندلیف کے کلیہ ادوار (Periodic Law)  
کی وضاحت میں یہ اصول کام نہیں دیتا۔ تھامسن اس امر کی بھی خاطر خواہ  
وضاحت نہ کر سکا کہ مثبت برق کا اجتماع کہاں پر ہوگا اور برقیوں کا  
راستہ ہمیشہ ہم مرکز بیضویوں میں کیوں ہوگا۔ برخلاف اس کے لانگ نہرلوئی  
کے اصول کے تحت برقیہ متحرک نہیں ہیں بلکہ ساکن ہیں۔ کلیہ ادوار کی  
وضاحت اس اصول کے تحت نہایت خوبی سے ہو جاتی ہے —

## فن دباغت

(۳)

از

(حضرت دباغ سیلانی)

کچا چہڑا اور اس کی حفاظت

ایک زمانہ تھا جب کسی ملک یا سلطنت کی مالی حالت کا اندازہ اس کی فوج کی تعداد اور سپہ سالار کی شجاعت اور بہادری سے کیا جاتا تھا۔ لیکن موجودہ زمانے والے کہتے ہیں کہ تجارت سلطنت کی پیشوا ہے۔ اس لئے کسی ملک یا سلطنت کی مالی حالت کا اندازہ کرنا ہو تو سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ ملک کی خام پیداوار کیا ہے اور یہاں کے باشندے ان خام اشیا کو جو ان کے روزانہ کے استعمال سے بچ رہتی ہیں غیر ملک کے لئے مغیہ بنا کر باہر بھیج سکتے ہیں یا نہیں۔ اگر یہ ملک کی قدرتی پیداوار کا بجا استعمال کرتے ہیں اور ان کی چیزیں بناکر غیر ملک سے تجارت کرتے ہیں تو ان کو قابل سمجھا جاتا ہے اور اگر صرف خام اشیا دیگر ممالک کو بھیجتے ہیں اور جب انہیں خام اشیا سے بنی ہوئی چیزیں ان ممالک کی قیمت سے دیکھی، چونکہ قیمت دے کر خریدتے ہیں تو ان کو کم قابل سمجھا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر روئی، سن (Jute) گیہوں اور اسی وغیرہ پر غور کیجئے کہ یہ کس قیمت

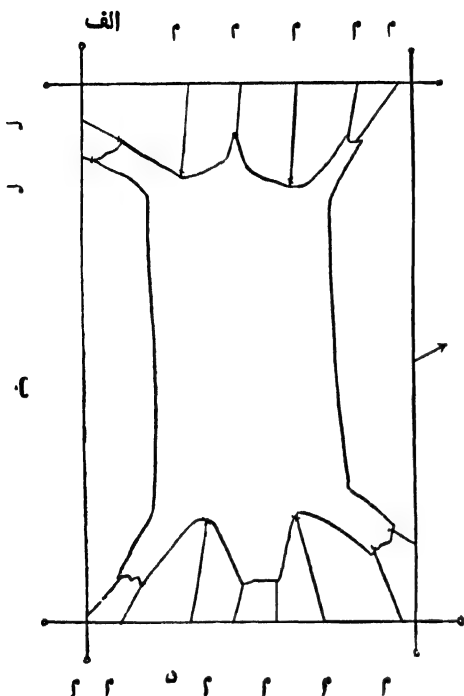
سے فروخت کی جاتی ہیں اور ان سے جو مختلف اشیاء مثلاً کپڑے، مصنوعی ریشم، بسکت، وارنش وغیرہ بن کر آتی ہیں ان کو کیا نام دے کر خریدتے ہیں تو اندازہ ہوگا کہ جیت میں کون رہا یا فائدے میں کون۔ اس لئے ہر ملک اور قوم کا فرض ہونا چاہئے کہ خدا کی دی ہوئی نعمتوں کا بجا استعمال کرے اور ملک قوم اور بادشاہ وقت کو اس طرح فائدہ پہنچائے —

قدرت کی دی ہوئی نعمتوں میں زمین کی پیداوار سونا، چاندی، لوہا، کوئلہ، درخت، پھل، پھول، گائے، بھینس، بکری، بھیڑ، وغیرہ وغیرہ بے شمار نعمتیں ہیں اور یہاں صرف ایک چیز یعنی خام چرم کا ذکر کیا جاتا ہے جو ہندوستان میں کثرت سے ہوتی ہے —

ہندوستان کے زراعتی ملک ہونے کی وجہ سے اس کے بیشتر باشندے زراعت کا کام کرتے ہیں اور بیل، بھینس، وغیرہ سے کاشت کا کام لیتے ہیں۔ مرنا، جینا، سب جاندار چیزوں کے ساتھ لگا ہوا ہے اس لئے ہر شہر موضع اور ہر چھوٹی سے چھوٹی آبادی میں چار کا آباد ہونا نہایت ضروری سمجھنا چاہئے۔ یہ غریب کاشتکاروں کی جوتیاں بناتا ہے۔ ان کی مرمت کرتا ہے اور ان کو آب پاشی کے لئے سوتھہ، چرس، یا کوہر چھڑے کی بنا کر دیتا ہے جس سے کسان اپنی فصل کو پانی دے کر زیادہ فائدہ اٹھاتا ہے۔ جب گائے، بھینس، بھیر ہوتی ہے تو یہ مویشیوں کے تاکثر کا کام دیتا ہے اور جب ان میں سے کوئی مرجاتا ہے تو اس کو کسان کے مکان سے بیشتر اس سے کہ وہ بدبو دینے لگے لے جاتا ہے۔ اس کی کھال کھینچ کر کسانوں کی جوتی، سوتھہ وغیرہ بناتا ہے۔ اور ہڈی، سینگ وغیرہ فروخت کر کے اپنی شکم پوری کرتا ہے۔ یہ



اُس زمانہ کا ذکر ہے جب کسان صاحب اور ان کے ساہوکار زمین دار صاحب اور وکیل صاحب یا پتواری صاحب سال میں صرف ایک جوتا استعمال کرتے تھے اور یہ سال بھر کے لئے ان کو بالکل کافی ہوتا تھا۔ مگر اب تو زمانہ بالکل بدل گیا ہے۔ وکیل صاحب اور پتواری صاحب وغیرہ کو ایک نہیں بلکہ دو دو بوت ایک سیاہ، ایک باداسی، اسی قدر شوز، سائپر اور ہات سلپپر اور چمڑے کے صندوق وغیرہ وغیرہ کے بغیر کام ہی نہیں چلتا ہے۔ مگر غریب چمار کے لئے یہ ایک بہت بڑا کام ہو گیا۔ اس لئے ساتوں قومیں اس کا ہاتھ بٹانے لگی ہیں اور مسٹر این ایس۔ ٹی۔ چاری میسور کورم اور کلکتہ کورم ٹینڈک کے مشہور و معروف دباغ اور مسٹر پنڈت آت ایسٹرن انڈیا ٹینریز کمپنی بمبئی کے ناسور دباغ جو برہمنوں میں چوٹی کے برہمن مالے جاتے ہیں۔ ایسی ہستیاں بھی ان کی اسدا کرتے پر معبود ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ غریب چمار کی چھوٹی سی تجارت ایک چھوٹے سے چھوٹے موضع سے چل کر بڑے بڑے شہروں میں آباد ہو گئی اور مقدس ہاتھوں میں پہنچ کر اس کو وہ فروغ ہوتا جاتا ہے کہ چمار چمار ہی رہا اور اب اس اکیلے کے کام کو ساتوں ذاتیں مل کر مشکل سے انجام دے رہی ہیں۔ موضع سے قصبہ اور قصبے سے شہر اور شہر سے ملک در ملک چمڑے کی تجارت ہونے لگی تو خام اشہا (کھال) کی تلاش، تحقیق اور حفاظت کے مسئلہ پر غور کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی اور اس نتیجہ کو پہنچے کہ ہندوستان سے خام چرم بیرون ملک سب سے پہلے تینہارک کے لوگوں نے سنہ ۱۶۴۴ ع میں روانہ کیا (ملاحظہ ہو اکبر تا اورنگ زیب از مورلیند) اور یہ تجارت دن بدن ترقی کرتی گئی۔ چنانچہ سنہ ۱۸۲۹ اور ۱۸۳۰ ع میں قریباً ۹۳۰۰۰ فرد قیامتی قریباً ایک لاکھ چھ ہزار روپیہ کی اور بکری



بانس کا چوکھٹا جس میں

کھال تان کر فرمہ بنا یا جاتا ہے

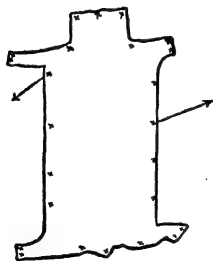
(الف - ب - ج - د) کھال فرمہ

م رسی جس سے کھال

فرمہ پر تانی جاتی ہے —



پتھر کی دھوڑی کھال



لکڑی کی کھونٹی یا لوہے

کی میخ سے کھال زمین

پر قائم

کی کھال قریباً ۲۷۰۰۰۰۰ فرد قیمتیں قریباً ( ۹۴۰۰۰ ) روپیہ کی بیرون ملک روانہ کی گئی اور تقریباً سو برس پہلے ہندوستان کا کچھا چمڑا دوسری ولایتوں کو بھی جاتا تھا۔ ذیل میں ایک نقشہ درج کیا جاتا ہے جس سے معلوم ہوگا کہ سنہ ۱۸۵۱ ع ۱۸۵۲ ع میں ہندوستان سے کن کن ولایتوں کو کتنی کتنی تعداد میں اور کن کن جانوروں کی کھالیں کلاکتہ کی بندرگاہ سے روانہ کی گئیں ( ملاحظہ ہو نقشہ نمبر ۱ ) —

نقشہ نمبر ۱ جس سے یہ معلوم ہوگا کہ ۱۸۵۱ - ۵۲ میں کس قدر کچھا چمڑا

دیگر ولایتوں کو ہندوستان سے بھیجا گیا —

نام ملک	کانے کا چمڑا		پھینس کا چمڑا		بکری کا چمڑا	
	تعداد فرد	قیمت	تعداد فرد	قیمت	تعداد فرد	قیمت
(۱) انگلستان	....	۱۸,۵۷,۶۸۱	۶,۲۹,۷۳۹	۲,۷۳۱	۹,۵۲۳	۱۸,۸۶۹
(۲) امریکہ	....	۱۵,۷۳,۸۰۳	۶,۸۹,۸۲۲	۲۸,۳۰۲	۳۹,۸۳۵	۹۹,۶۷۰
(۳) جفیرا	....	۱,۵۵,۵۶۳	۱,۳۷,۸۷۳	....	....	....
(۴) فرانس	....	۱,۱۶,۳۸۶	۹۱,۰۶۵	....	....	....
(۵) ہمپرک	....	۲۱,۳۴۳	۲۰,۷۲۳	....	....	....
(۶) ایٹک ورپ	....	۱۱,۳۰۳	۱۱,۳۰۳	....	....	....
(۷) ٹریسٹ	....	....	۲۹,۶۸۲	۲۹,۷۶۱	....	....
میزان	....	۳۷,۳۷,۲۸۰	۲۵,۷۷,۵۲۷	۶۰,۷۱۵	۶۰,۷۹۵	۱,۱۸,۵۳۹

نقشہ نمبر (۲) سنہ ۷۷ - ۱۸۷۶ ع یعنی ۲۵ سال بعد کا نقشہ

پائی آنکھ روزیہ	تعداد فرد	قیمت لاکھوں میں	اوسط قیمت فی فرد
۲ ۸ ۰	۵۱,۹۱,۷۶۲	۱,۳۵,۰۰۰۰۰	
۰ ۱۲ ۰	۲۳,۱۳,۲۹۸	۱۶,۰۰,۰۰۰	" "

سنہ ۷۳ - ۱۸۷۲ ع میں قحط ہونے کی وجہ سے قریباً اٹھاسی لاکھ چھڑے اور اس کے بعد سنہ ۱۹۰۰ ع کے قحط عظیم میں ایک کروڑ سے زیادہ چھڑے ہندوستان سے باہر مہالک کو روانہ کئے گئے۔ اوسطاً ساٹھ لاکھ سے اسی لاکھ فرد تک مہالک غیور کو ہندوستان سے بھیجا جاتا تھا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اب بھی کم و بیش اسی تعداد میں چھڑا بیرونی مہالک کو جاتا ہے۔ ان اعداد میں بھیڑ، بکری کی کھال شریک نہیں ہے جس کا کہیں اور ذکر کیا جائے گا۔

سنہ ۲۵ - ۱۹۲۴ ع میں گائے بھینس کا شمار کیا گیا تھا تو ہندوستان میں ان کی تعداد کا تخمینہ اُنیس کروڑ بتایا گیا تھا۔ پیداوار کے متعلق مبصرین کی رائے میں آپس میں بہت اختلاف ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ کم از کم سالانہ پیدائش تین کروڑ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ صرف دو کروڑ ہے لیکن ہر شخص اپنا اندازہ خود لگاتا ہے اس کے لیے نقشہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ جس سے مویشی کی تعداد ان کی اوسط عمر سے پیدائش کا اندازہ ہر شخص کر سکتا ہے۔

نام مویشی تعداد اوسط عمر تخیلہ پیدائش

گائے بھینس اُنیس کروڑ ۱۴ سے ۶ سال تین سے چار کروڑ

بکری پانچ کروڑ ۳ سال ۱ سے ۱ کروڑ تک

بھیڑ ۳ کروڑ تین سال ۱ کروڑ

تحت سالہ جانوروں کی بیماری وغیرہ ایسے اسباب ہیں کہ بہتر سے بہتر تخیلہ بھی صحیح نہیں ہو سکتا لیکن اوپر جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے اندازہ کیا گیا تو ہندوستان میں دو کروڑ سے تین کروڑ تک کی سالانہ پیدائش مویشی ہماری ضروریات کے لئے بالکل کافی سمجھنا چاہئے۔

بکری، بھینس کے متعلق یہ مانی ہوئی بات ہے کہ ہندوستان میں تمام دنیا جہاں سے بکری کی کھال زیادہ تعداد میں ہوتی ہے۔ میک وائر صاحب اپنی کتاب ”ہند کی تجارت پر تمصرہ“ میں فرماتے ہیں کہ دنیا بھر کی بکریوں کی کھالوں کا ایک تہائی حصہ ہندوستان میں ہوتا ہے۔ ارنالڈ صاحب کا قول ہے کہ بکری کی کھال کی پیداوار ہندوستان میں سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ بکری کی کھالوں کی پیداوار ہندوستان میں تقریباً پونے تین کروڑ فرس اور بھینس کی تقریباً ایک کروڑ کے سمجھی جاتی ہے۔

اوپر جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے تمام ہندوستان میں ریاستوں کو مستثنائی کر کے گائے، بھینس، بکری اور بھینس کی کھال کی پیداوار تقریباً بیس کروڑ روپیہ سالانہ کی ہے اور اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ملک کی یہ کس قدر ضروری اور کیسی گراں قدر دولت ہے۔

## نقشہ نمبر (۳) کس قدر چمڑا کن ممالک کو جاتا ہے

سنہ ۱۹۲۸-۲۹ء	سنہ ۱۹۲۷-۲۸ء	سنہ ۱۹۲۶-۲۷ء	کائے کا کچا چمڑا
ٹن	ٹن	ٹن	
۱۲۷۸۳	۱۶۳۳۳	۹۶۵۰	(۱) جرمنی — — —
۳۷۹۶	۳۳۴۳	۵۲۲۳	(۲) اٹلی — — —
۲۰۴۳	۱۵۴۸	۲۵۸۱	(۳) اسپین — — —
۱۱۸۳	۲۸۳۵	۱۰۳۲	(۴) انگلستان — — —
۱۵۸۷	۵۵۵	۳۶۹	(۵) نیدر لینڈس — — —
۱۰۳۷	۲۷۹	۳۵۵	(۶) یونان — — —
۱۰۱۳	۲۳۰	۱۲۳	(۷) بلجیم — — —

ٹن	ٹن	ٹن	بکری کا چمڑا
۱۸,۶۱۶	۱۵,۶۸۹	۱۵,۵۸۲	(۱) امریکہ — — —
۸۸۰	۷۱۲	۱,۵۰۷	(۲) فرانس — — —
۶۳۱	۸۹۶	۱,۰۱۱	(۳) انگلستان — — —
۳۸۵	۶۵۷	۵۶۲	(۴) نیدر لینڈس — — —
۲۸۱	۳۹۸	۱۹۳	(۵) جرمنی — — —

نقشہ نمبر (۳) کس قدر چھڑا کن ممالک کو جاتا ہے

سنہ ۲۶ - ۲۷	سنہ ۲۸ - ۲۹	سنہ ۳۰ - ۳۱	بھینس کا چھڑا
ٹن	ٹن	ٹن	
۱,۵۵۱	۲,۵۲۸	۲,۲۷۱	(۱) جرمنی — — —
۶۲۳	۶۳۹	۱,۰۳۶	(۲) بلجیئم — — —
۵۵۰	۱,۹۷۲	۹۸۰	(۳) امریکا — — —
۳۶۷	۵۳۵	۶۲۵	(۴) ترکی — — —
۳۳۳	۸۷۹	۳۹۸	(۵) انگلستان — — —

نقشہ نمبر ۳ سے ثابت ہوا کہ کس تعداد میں ہندوستان سے سالانہ کھالیں

غیر ملکوں کو جاتی ہیں۔ اور باقی کے متعلق یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ ملک

میں استعمال کے لیے یا مدراس اور بھٹائی اور ان کے قرب و جوار کی ریاستوں

میں مثلاً ریاست حیدرآباد، مہسور، بلگلور وغیرہ میں جہاں آنول، ترورما یا

آورم کے درخت کثرت سے ہوتے ہیں پختہ کر کے انگلستان، امریکا اور جرمنی

وغیرہ ملکوں کو روانہ کی جاتی ہے۔ نقشہ نمبر ۴ سے ظاہر ہوگا کہ پکا کیا نقشہ نمبر ۴

سنہ ۱۹۲۸-۲۹ ع	سنہ ۱۹۲۷-۲۸ ع	سنہ ۱۹۲۶-۲۷ ع	بچھیل (کاٹے بچھڑکی کہاں)		
ٹن	ٹن	ٹن			
۳۲۶	۳۹۳	۱۱۱	—	—	(۱) جرمنی
۲۷۸	۲۳۳	۲۲۱	—	—	(۲) اسپین
۲۸۲	۲۱۱	۱۰۸	—	—	(۳) اٹلی
۱۸	۲۲	۲۰	—	—	(۴) انگلستان

نقشہ نمبر ۵

ٹن	ٹن	ٹن	(بھڑی کا چمڑا)		
ٹن	ٹن	ٹن			
۸۳۰	۱۲۳	۳۳	—	—	(۱) جرمنی
۱۱۸	۱۱۱	۳۰	—	—	(۲) اٹلی
۱۶۸	۷۳	۷	—	—	(۳) فرانس
۱۱۱	۳۶	۶	—	—	(۴) امریکا
۵۲	۲۲	۶۶	—	—	(۵) انگلستان

نوٹ۔ ٹن۔ ایک ٹن سٹائپس من کا ہوتا ہے۔ اور ایک من تراسی پونڈ کا ہوتا ہے۔ ایک ٹن ۲۲۳۰ پونڈ کا ہوتا ہے۔  
نقشہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ کس ملک کو ہندوستان کا کونسا چمڑا زیادہ تعداد میں جاتا ہے۔



ہوا چھڑا کس قدر بیرونی ممالک کو بھیجا جاتا ہے ۔ کانپور پنجاب اور دیگر اضلاع کا پکا یا ہوا چھڑا ہندوستان کی ضرورت پوری کرتا ہے اور ملک سے بہت کم باہر جاتا ہے —

بیس کروڑ روپیہ کے خام چھڑے کے متعلق یہ خیال کیا جاتا ہے کہ قریباً پچاس فی صدی اس میں کا مختلف ولایتوں کو کچا روانہ کیا جاتا ہے ۔ اور باقی ماندہ ہندوستان میں پکا کر کے استعمال کیا جاتا ہے ۔ جو نقشے جو درج کیے گئے ہیں ان سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ کچا اور پکا چھڑا کس قدر ہندوستان سے باہر جاتا ہے ۔ اگر اس کی قیمت کو کل بیس کروڑ روپیہ میں سے کم کر دیا جائے تو ہندوستان کم و بیش دنیا کی ایک تہائی گالے اور بیہنس کے چھڑے کی ضرورت کو پورا کرتا ہے اور بکری بھیڑ اور خاص کر بکری کا چھڑا ایک تہائی سے بھی زیادہ دیگر ولایتوں کو بھیجتا ہے ۔ ہندوستانی مال کچا یا پکا جیسا بھی اس وقت بھیجا جاتا ہے انگلستان جرمنی اور امریکہ میں اچھا سمجھا جاتا ہے ۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ پکا کیا ہوا چھڑا تقریباً کل صرت مدراس سے ولایت کو جاتا ہے اور بمبئی وغیرہ کا حصہ اس میں صرت ۱۰ یا ۱۲ فی صدی ہوتا ہے —

کچا چھڑا ہندوستان کی ضرورت سے بہت زیادہ پیدا ہوتا ہے ۔ یہ پہلے بیان کیا گیا ہے اور اس کا مطالب یوں سمجھنا چاہئے کہ ملک میں اس قدر چھڑا پکا کرنے کے کارخانہ نہیں ہیں جو سب کو پکا کر سکیں اس لیے باقی ماندہ چھڑے کو ہی ملک سے باہر روانہ کر دیا جاتا ہے ۔ چھڑا خاص موسم کا اچھا سمجھا جاتا ہے مثلاً بارش کے بعد ستمبر سے لے کر آخر مارچ تک جو چھڑا آتا ہے وہ اور سردیوں سے بہت اچھا ہوتا ہے ۔ اس لیے ولایت سے خریداری انہیں دنوں میں ہوتی ہے اور اپریل سے لے کر اکتوبر تک خرید بالکل بند رہتی ہے ۔ وجہ یہ

معلوم ہوتی ہے کہ اس زمانہ میں جانور دبلے ہوتے ہیں اور سردی میں موتے نازے جس کا اثر کھال پر بھی ضرور پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ نسل اور آب و ہوا کا چھڑے پر بہت بڑا اثر ہوتا ہے۔ مدراس بھیمئی وغیرہ (اس میں ریاست میسور کی مشہور نسل اور گجراتی نسل کو شریک نہ سمجھنا چاہئے) کے جانور پنجاب اور یوپی کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہوتے اور یہی حال آگرہ، میرٹھ، دہلی اور پشاور وغیرہ کی کھالوں کا ہے اور یہی وجہ ہے کہ مدراس اور بھیمئی وغیرہ میں بیشتر کچا چھڑا کانپور آگرہ، میرٹھ، انبالہ، لاہور کا خریدتے ہیں۔ کلکتہ میں جو خریداری ہوتی ہے، اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ کچا چھڑا وہاں سے دیگر ممالک کو روانہ کیا جاتا ہے اس لئے ہندوستان کا کل چھڑا وہاں جمع ہو جاتا ہے —

اس قدر زیادہ تعداد میں چھڑے فوری پختہ نہیں ہو سکتا اور نہ اس کی معقول حفاظت کرنے سے پیشتر اس کو عرصہ تک کارخانہ میں رکھا جاسکتا ہے اور نہ باہر بھیجا جاسکتا ہے۔ اس لئے اس کو بگڑنے سے بچانے کی کئی صورتیں ہیں جو ذیل میں درج کی جاتی ہیں جس کی مدد سے یہ کئی ماہ بلکہ ایک سال تک محفوظ رہ سکتا ہے۔ ورنہ قانونِ فطرت کے مطابق ایک سو روز کے بعد خراب ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اور ایسے خراب چھڑے سے جو چھڑا پکا کیا جائے گا بے کار ہوگا۔ اس کی حفاظت کے لئے زیادہ تر نمک طعام، کھاری نمک اور سنکھیا استعمال ہوتا ہے۔

۱۔ اقسامِ چرم میں سے کوکھ (کائے)، بھیدس، بھیڑ، بکری کے چھڑے زیادہ تر ہندوستان میں استعمال ہوتے ہیں اور ولایت اور دیگر ممالک کو جاتے ہیں —

ان کی تیاری کی مختلف صورتیں ہیں اور ویسے ہی ان کے نام

رائج ہیں۔ چونکہ ہر شہر میں کھیلہ (یاکیل) خانہ نہیں ہوتا اس لئے ان کو محفوظ کر لینا کہتے ہیں تاکہ وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے قابل ہو جاوے۔ گوکھہ یعنی گالے کا چھڑا، ازل حالت جو کہ کیل خانہ میں جانور کو ذبح کرنے کے بعد ہوتی ہے اس کا نام گوکھہ کھیلہ یا حلالی عام طور سے مشہور ہے۔ دباغت والے اس چھڑے کو دباغت کے لئے بہت ہی اچھا سمجھتے ہیں اور اس سے پختہ چھڑا یعنی لیڈر نہایت عمدہ تیار ہوتا ہے۔ اُردو میں کچا چھڑا (Hide) اور پکا چھڑا (Leather) بولا جاتا ہے۔ اور سہت کے اعتبار سے اس کے دو نام رائج ہیں۔ پورب اور پچھم۔ پورب کی طرف سے پورب اور پچھم کی طرف سے پچھم کہلاتا ہے۔ کھیلہ سے نکلنے کے بعد اس کی تیاری کے کئی طریقہ ہیں۔ سب سے سہل طریقہ یہ ہے کہ کھیلہ کے گوکھہ کو گوشت صاف کر کے فرمہ یعنی بانس کے چوکھتے میں تان دیا اور تاننے کے بعد پانی سے دونوں رخ سے دھو دیا اور دھوپ میں رکھ کر خشک کر لیا اب اس کا نام گوکھہ فرمہ (Frame) یا گوکھہ مصالحہ بولا جاوے گا۔

اگر اس کو ولایت روانہ کرنا ہے تو اس کو حوضوں میں سنکھیا کے پانی میں تہو کر خشک کر لیتے ہیں جس سے وہ عرصہ تک کپڑے وغیرہ سے محفوظ رہتا ہے۔ سنکھیا کا پانی اس طرح بہاتے ہیں کہ سفید سنکھیا پندرہ سیر اور سوتا سارے سات سیر تال کر ایک ہڑے کڑھاؤ میں آگ پر پکا لیتے ہیں۔ سوتا صرت سنکھیا کو گلا دینے کے لئے شامل کیا جاتا ہے۔ یہ دو ہزار فرد کے لئے کافی ہے۔ پھر سنکھیا کے پانی کو حوض کے پانی میں ملا دیتے ہیں کہ جس میں چھڑا توب جاوے۔ سنکھیا دیے ہوئے گوکھہ مصالحہ کو انگریزی میں (Arsenicated cow)

کہتے ہیں۔

۲ - دوسری صورت، کمپلہ سے لانے کے بعد گوشت صاف کر کے اور پانی سے دھو کر، اس کو ایسی میز پر، جس کے دونوں سروے تھالو اور بیچ میں اونچا ہو بچھاتے ہیں۔ پھر دو آدمی ایک اس طرف دوسرا دوسری طرف کھڑا ہو کر اس میں سانپر نمک کم و بیش پانچ پونڈ جو چھڑے کے ناپ پر منحصر ہے، تال کر خوب رگڑتے ہیں۔ دوسرے روز پھر دو پونڈ اور نمک تال کر ملتے ہیں تیسرے دن صرف ایک پونڈ جہاں پر ضرورت ہو لگا کر ملتے ہیں۔ اب یہ چھڑا محفوظ ہو گیا۔ صرف دوسرے تیسرے روز ہاتھ لگا کر ذرا دیر مل دیتے ہیں۔ یہ صورت صرف دیگر مہاک کے جانے والے چھڑوں کے لئے ہے۔ اس کو سانپر نمک کا گوکھ یا گوکھ سانپر (Table Salted or Green Salted) کہتے ہیں۔ روانگی کے وقت اس میں نصف پونڈ کھاری نمک لگادیتے ہیں۔ اس کے لگادینے سے چھڑے میں ذرا سختی آ جاتی ہے۔ صرف سانپر نمک کا گوکھا زائد عرصہ تک نہیں رہ سکتا، کل جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔ یہ گوکھا پوروں میں روانہ کیا جاتا ہے —

۳ - تیسری صورت، جو چھڑا ہندوستان میں ایک شہر سے دوسرے شہر میں جاتا ہے اس کو زمیں میں بچھا کر سانپر نمک دیتے ہیں اور ترکیب وہی ہے۔ صرف میز کے بجائے زمیں میں نمک لگاتے ہیں اور یہ ایک کے اوپر ایک بچھاتے جاتے ہیں۔ نئے چھڑے اس کے اوپر بچھاتے جاتے ہیں اور جب روانہ کرنا چاہا گئی بنا کر روانہ کردیتے ہیں۔ ولایت والوں میں صفائی وغیرہ بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اور ولایت کے جانے والے جو میز پر تیار کیے جاتے ہیں وہ کسی منڈی میں تیار کیے جاتے ہیں۔ ہر شہر میں نہیں بنتے —

زمین پر بچھا کر نمک لگانے کا طریقہ گاؤں تک نہیں، جہاں چھڑے کا کام

ہوتا ہے ' جاری ہے۔ اس کو گیلا سانبر کا کوکھا ( Wet Salted Sambhar ) کہتے ہیں۔

۳ - چوتھی صورت وہ ہے جس میں کھاری نمک ( جو مٹل سبزی کے ہوتا ہے۔ اور زیادہ تر عہدہ اور مشہور مظفر پور میں تیار کیا جاتا ہے ) استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ ہندوستان میں ایک شہر سے دوسرے شہر میں جو چھڑے جاتے ہیں ان میں لکایا جاتا ہے اور ہندوستان سے باہر دیگر ممالک کو جو چھڑے جاتے ہیں ان میں بھی لکایا جاتا ہے۔ کھاری نمک کو لکڑی کے پیپوں میں یا لکڑی کی بڑی بالٹیوں میں جو اس کام کے لیے بغالی جاتی ہیں ' گھول کر موتی بنالیتے ہیں۔ چھڑے کو زمین پر پھیلا کر یہ موتی اس پر تال کر ہاتھوں سے مل کر ان میں جذب کرتے ہیں۔ یہ ہلکی دھوپ میں کرتے ہیں۔ صبح سے دس بجے تک۔ اسی طرح کئی روز تک یہ عمل جاری رکھتے ہیں۔ جب ان میں تعداد کے مطابق کافی رس جذب ہو جاتا ہے تو اس کو سیٹ کر خشک کر دیتے ہیں۔ اس آخو خشک کرنے کا نام سیٹ دینا یا ستائی کرنا کہتے ہیں۔ یعنی ہاتھ کلاہ ( گلا گردن ) یعنی سر کی طوط سے دم کی طوط لے جاتے ہیں کہ سطح بالکل چمکی ہو جاوے۔ اب یہ چھڑا خشک ہو کر سفید زردی مائل ہو جاتا ہے۔ اسی صورت میں روٹیں صاف کر کے یہ ولایت روانہ کیے جاتے ہیں۔ اس کو پتہ کوکھا یا کھاری کا کوکھا ( Dry Salted Khan ) کہتے ہیں۔ اوپر جو قسمیں کوکھ کی ہیں ان کی کئی ہیں وہ صرف ان جانوروں کی کھالیں ہوتی ہیں جو ذبح کیے جاتے ہیں۔ سب کے اعتبار سے یورپ سے پچھم کا کوکھا اچھا ہوتا ہے اور زائد قیمت سے فروخت ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ مردار ( یا سگتی ) کھال ہوتی ہے یعنی ان جانوروں کی جو خود مر جاتے ہیں خواہ کسی وجہ سے مرے ہوں جس طرح

ذبیحہ پورب کی اور پچھم کی کھال ہوتی ہے ، اسی طرح اس کے ہر خلات مردار میں اوتر اور دکن مشہور ہے ۔ اوتر کا گوکھا اندر سے تر ہوتا ہے یعنی اس کی رطوبت اس کو بالکل خشک نہیں ہونے دیتی یا یوں سمجھنا چاہئے کہ چربی زائد ہوتی ہے جس سے کہ ان کی قدرتی رطوبت ( Gelatine ) باقی رہتی ہے ۔

دکن میں تری نہیں ہوتی اور وہ مثل لکڑی کے خشک ہوتی ہیں اور ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے میں اکثر ٹوٹ جاتی یا چٹخ جاتی ہیں ۔ یہ ہندوستان میں ایک جگہ سے دوسری جگہ دھوپ سے خشک کی ہوئی ہی جاتی ہیں ۔ اور ولایت بھی روانہ کی جاتی ہیں ۔ جن کو مثل حلالی کے سنکھیا یعنی مصالحہ دے کر روانہ کرتے ہیں ۔ ان میں سوائے سنکھیا دینے کے اور کوئی صورت تیاری کی نہیں ہے ۔

بھینس کی کھال بھی مثل گوکھ کے تیار کی جاتی ہے ۔ گوکھ کی طرح مثل دوسری صورت کے یعنی میز پر بھینس کی کھال نہیں بنتی ۔ اس لیے کہ بھینس کو اس قدر ملایم رکھنے کی ضرورت نہیں ۔ کیوں کہ اس سے تالے اور مشین کے پتے وغیرہ کا کام لیتے ہیں ۔ گوکھ چونکہ زیادہ تر ملائم کام میں استعمال کیا جاتا ہے اور تازہ کھیلے نہ ملنے کے بعد گیلا سانبر لگا ہوا ملایم رہتا ہے اس لیے میز کا طریقہ رایج ہوا ۔ باقی اور سب صورتیں تیاری کی اس میں مثل گوکھ کے ہوتی ہیں ۔ لہک کی تعداد بھینس میں کم و بیش دوگنی کے برابر استعمال کی جاتی ہے ۔ اس میں بھی دوسہ مشہور ہیں وہ ہی پورب اور پچھم ۔ ذبیحہ میں اور مردار ( سکتی ) میں اوتر اور دکن اور مثل مردار گوکھ کے اس کی بھی تیاری صرف سکھلا کر کی جاتی ہے ۔ اور کوئی طریقہ نہیں ہے ۔ اور یہ مردار ( یا سکتی ) بھینس ( Buffalo Sukhte ) کہلاتی ہے ۔

بھیڑ ہندوستان میں بھی استعمال ہوتی ہے اور ولایت بھی جاتی ہے ۔

مگر اس کی روانگی کی صورت بیرون ممالک کو مثل گوکھ کے نہیں ہے —

یہ زیادہ تر پکی ہوئی یعنی لیدر کی صورت میں ولایت جاتی ہے ۔

کیل خانہ میں ذبح ہونے کے بعد اس کا نام کیل بھیڑی ہوتا ہے یا تو اس کو اسی طرح خشک کر لیتے ہیں ۔ اگر شہر کے شہر میں ٹینری یا دباغت والے خرید کرتے ہیں تو اُس سے بہت اچھا چھڑا قیام ہوتا ہے ۔ دیسی طور پر پکائی والے ( دیسی سے سراہ کھٹیک وغیرہ جو اوک ہندوستان میں عام طور پر فائدہ وغیرہ میں پکا کر لیتے ہیں ) اس کی اُون رانہی سے اُکھار لیتے ہیں اور ٹینری والے کیلی خریدنے کے بعد اس کو چونہ کے ساتھ گوشت کی طرح سو تیم سلغائڈ ( Sodium Sulphide ) لگا کر رات بھر رکھ دیتے ہیں اور صبح کو اُون بہت آسانی سے ہاتھ سے بغیر نوچے ہوئے نکل آتی ہے ۔ اُون الگ فروخت ہو جاتی ہے اور چھڑا پکا کر لیتے ہیں ۔ غرض کہ اُون دار اگر خرید کرتے ہیں تو اس کی اُون ضائع نہیں ہونے دیتے ۔ اگر ایک شہر سے دوسرے شہر روانہ کرنا ہوا تو اس میں سانبر نمک ایک پونڈ سے دیتے پونڈ تک اُسی طریقے پر جو گوکھ میں بیان کیا گیا ، لگاتے ہیں ۔ اس کو ایک پر ایک بچھانے کے بجائے ایک ایک کی جلد جلد کٹی بڑا بڑا کر رکھتے ہیں اس لیے کہ اس کے روئیں میں نمک نہ لگے ورنہ اُون خراب ہو جائے گی ۔

جیسا کہ اوپر بتایا ہے کہ زائد تر پکی کی ہوئی کہااں ولایت جاتی ہیں ۔ بھیڑ یا بڑا اس کو کہتے ہیں کہ اس کو بعد اُون نکالنے کے نمک لگا کر خشک کر دیتے ہیں اور اس کی گانتھہ باندھ کر باہر ملکوں کو روانہ کرتے ہیں سوائے اس کے اور کوئی صورت نہیں ہے ۔ اول صورت پکی ہوئی جانے کی دوسری صورت پاہڑا جانے کی ہے —

بکری - بکری زیادہ تر بلکہ ستر اسی فی صدی ولایت جاتی ہے جس میں قریب ساٹھ فی صدی امریکہ جاتی ہے اور امریکہ میں ۵۰ مقام اس کے جانے کے لیے مشہور ہیں - نیویارک ( New York ) اور فیلڈلفیا ( Philadelphia ) - ان میں اس کی ٹینریاں ہیں - اور دنیا میں بکری کی کھال امریکہ سے بہتر کہیں نہیں پکی کی جاتی - اس لیے زیادہ تر امریکہ جاتی ہے اور کم تر بوسٹن ( Boston ) یا دوسری جگہ جاتی ہے - ہندوستان میں بکری کی کھالیں بہت کم پکاٹی جاتی ہیں جس کی وجہ خاص کر یہ سمجھی گئی ہے بلکہ تجربہ بتلاتا ہے کہ بکری کی کھال کو جھسا پکنا چاہیے ویسی تیار نہیں ہوتی آج تک اس میں کامیابی نہیں ہوئی —

بلکہ یہاں تک دیکھا گیا ہے کہ امریکہ کے دباغوں نے جو اس کو وہاں خصوصیت کے ساتھ بنانے میں مشہور ہیں ' ہندوستان میں آکر پختہ کیا مگر وہ بات پیدا نہ ہوئی - کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ ہندوستان میں بکری سے گلیس کڈ ( Glace Kid ) نہ بن سکے - افسوس ہے کہ کلکتہ گلیس کڈ کمپنی ( Calcutta Glace Kid Co. Ltd. ) کا کارخانہ جو ہندوستان میں اپنی نظیر نہیں رکھتا ، مالی دشواریوں کی وجہ سے بند ہو گیا - ورنہ چاری صاحب جگہوں نے کروڑ کا چھڑا ہندوستان میں بنا کر شہرت حاصل کی تھی ضرور گلیس کڈ بھی تیار کرنے میں کامیاب ہوتے —

بکری کے تیار کرنے کی دو تین صورتیں ہیں - اول بکری کھال سے لاکر اس کو صاف کر کے اس میں سائبر نمک لگاتے ہیں - ایک پونڈ سے تیز پونڈ تک ، پھر اس کو گدی بنا کر رکھ دیتے ہیں -



دوسرے صبح پھر قدرے نمک تال کر ہاتھ ملتے ہیں۔ تیسرے دن پھر قدرے نمک تال کر ملتے ہیں۔ اسی طرح پر دو پوندت نمک یا کم و بیش جو کھال کی ٹاپ پر منحصر ہے ، لگا یا جاتا ہے ۔ چوتھے دن اس کی گدی تھ لگائی ہوئی ، ریڑھ پر سے دھرا کر کے تھاپ یا ٹھیکے لگا دیتے ہیں ۔ ہندوستان میں ایک شہر سے دوسرے شہر بھجھنے کے لیے اس کو بوروں میں بھر کر روانہ کرتے ہیں — اور دیگر ممالک امریکہ وغیرہ روانہ کرنے کے لیے ان کو لکڑی کے پیپوں میں بھر کر روانہ کرتے ہیں ۔ یہ لکڑی کے پیپے دوسری ولایت سے شراب تیل وغیرہ کے آتے ہیں جو یہاں خالی ہو کر اس کام کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں ۔ اس میں بکری ایک ایک ۸ فرد کی گدی بنا کر پیپے میں بھر دیتے ہیں ۔ اس کو گیلی بکری ( Wet Salted Goatskin ) کہتے ہیں —

دوسری صورت دیہاتوں میں ، جہاں بنانے کے طریقہ جاری نہیں ہیں یہ ہے کہ وہاں قدرے نمک یا کھاری نمک لگا کر یا ویسے ہی زمین پر کھولتی لگا کر تان کر خشک کر دیتے ہیں اور بڑے شہروں میں فروخت کرنے کی فرض سے لے جاتے ہیں۔ اور بڑے شہر کے تیار کرنے والے اس کو گیلا کر کے بنا لیتے ہیں مگر خشک بناتے ہیں ، قر اس کی اچھی نہیں بنتی۔ اور ولایت بھی سوکھی ( Brined ) بکری جاتی ہے ۔ تیسری صورت یہ ہے کہ کھیاہ سے لا کر کھاری سے تیار کرتے ہیں ۔ کھاری کی تعریف اوپر ہو چکی ہے ۔ اس کا رس بنا ہوا بکری پر تالتے ہیں لیکن عمدہ بنانے والے اس کو تختوں پر کیل سے جرتے ہیں اور پھر اس پر رس تالتے ہیں اور ہاتھ سے جذب کرتے ہیں۔ دو تین روز اسی طرح کر کے پھر اس کو مٹل گوکھ کے لپیٹ دیتے ہیں ۔

اور بہت سے لوگ اس کو بجائے تختوں کے زمین پر کیلوں سے تان دیتے  
 ہیں اور رس دے کر آخر میں سیت دیتے ہیں۔ اب اس کو پتلہ بکری  
 (Dry Salted Goats) کہتے ہیں۔ اس کی بہترین تیاری کے لیے پورنیہ  
 بنگال مشہور ہے۔ اس کے بعد مظفر پور مشہور ہے جہاں کھاری نمک پیدا  
 ہوتا ہے۔ اس کی کانتھہ باندھ کر بیرون مہالک کو روانہ کرتے ہیں —



## علم کیمیا کا انقلابی دور اور آکسیجن کا انکشاف

از

(جناب آتما رام صاحب - ایم ایس سی - ایمپرس ویکٹوریہ  
(پتہ: 'شعبہ کیمیا' جامعہ الہ آباد)

علم کیمیا کے پڑھنے والوں میں شاید ہی کوئی ایسا بشر ہوگا جو اس عجیب علم کی تاریخ سے کچھ نہ کچھ واقفیت نہ رکھتا ہو۔ یہ بات قریب قریب سب ہی کو معلوم ہے کہ کیمیائی دور سے قبل سائنس دانوں کا خاص مقصد ادنیٰ دھاتوں سے بہتر دھاتوں کا تیار کرنا تھا اور اُن کی خاص تشویش پارس پتھر (Philosopher's Stone) کی تلاش میں تھی۔ پارس پتھر اُس زمانہ میں ایک ایسی عجیب شے خیال کی جاتی تھی کہ جس کے چھو جانے سے لوہا وغیرہ جیسی ادنیٰ دھاتیں سونے میں تبدیل ہو سکیں۔ اس زمانہ کو عام طور پر الکیمیائی دور (Alchymical period) کہتے ہیں۔ اس دور کے بعد ایک دوسرا دور آیا جس کو طبی کیمیائی دور کہتے ہیں۔ اس وقت کے کیمیا دانوں کا خاص ملشا یہ تھا کہ علم کیمیا کو طب کے طریقہ پر پڑھا جائے۔ اس دور میں وان ہیلہمٹ (Van Helmont) اور بیسل ویلنٹین

( Basil Valentine ) کے ایسے عالم پیدا ہوئے۔ اس کے بعد ایک عجیب دور آیا جو فلوجستی دور ( Philogiston period ) کے نام سے مشہور ہے۔ اس وقت کے عالموں میں بیکر ( Becker ) اور اسٹال ( Stahl ) کے نام خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ ان دونوں کا قول تھا کہ جب کوئی شے جلتی ہے تو اُس میں سے نلو جسٹن نکل جاتا ہے جس ہم آج کل آکسائنڈ کے نام سے پکارتے ہیں۔ اسی طور پر اور بہت سی چیزوں کے کیمیاؤں عمل سمجھائے گئے۔ اس مضمون میں یہ بات دکھانے کی کوشش کی جائے گی کہ فلوجستی کے نظریہ کو کس طرح غلط ثابت کیا گیا اور ساتھ ہی ساتھ اُس وقت کے خاص عالموں کا کچھ حال بیان کیا جائے گا۔ اس زمانہ میں ہی جدید کیمیا کی بنیاد تالی گئی اور اسی وجہ سے اس کو کیمیا کا انقلابی دور کہتے ہیں۔

اس وقت کی دنیا کے کیمیا میں پانچ شخص سب میں پیش پیش رہے ہیں۔ بلیک، کیونڈش، پریسٹلی، شیل، اور لیواے ( Black, Cavendish, Priestley, Scheele, Lavoisier )۔ ان عالموں کے سوانح حیات اور تحقیقات صحت صحت بتلانے کے لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا بیان الگ الگ کیا جائے۔

بلیک کی پیدائش سنہ ۱۷۲۸ ع میں جوزف بلیک ( ۱۷۲۸ - ۱۷۹۹ ) اسکات لینڈ میں ہوئی۔ پہلے وہ معمولی طور

پر عطاری کرتا تھا۔ بعد ازاں کلاسکو یونیورسٹی میں پروفیسر مقرر کیا گیا۔ اُس کی خاص تحقیق میگنیشیم کاربونات ( Magnesium carbonate ) کی بابت ہے۔ پہلے وہ فلوجستی نظریہ کا پیرو تھا مگر لیواے کے نئے نظریہ کے بعد وہ لیواے کی پیروی کرنے لگا اور اُس کی کافی مدد کی۔ یہ بات ہرمہ سے معلوم تھی کہ کالشیئم کاربونیٹ ( Calcium Carbonate ) کو

گرم کرنے سے کاربی قلی ( Caustic alkali ) بن جاتا ہے۔ پہلے عالموں کا یہ خیال تھا کہ جب کیلشیم کاربونیٹ کو گرم کرتے ہیں تو اُس میں آگ کے چھوٹے چھوٹے ریزے مل جاتے ہیں اور ان کے مل جانے سے اس میں تیزی دیا ہو جاتی ہے۔ اسی بنا پر اُس کو کاربی قلی کہنے لگے۔ لیکن سنہ ۱۷۵۵ع میں بلیک کے کارناموں سے لوگوں کو یہ معلوم ہو گیا کہ ہلکے ( Mild ) قلی کو گرم کرنے سے کاربی قلی کیوں کر بن جاتا ہے۔

اس نے میگنیشیم کاربونیٹ ( میگنیشیا ایلبا ) ( Magnesia alba ) کو خوب جوش دیکر میگنیشیم آکسائیڈ ( میگنیشیا اسٹا ) ( Magnesia Usta ) تیار کیا۔ اُس زمانہ میں عام طور پر کاربونیٹوں کو ہلکا قلی کہتے تھے اور آکسائیڈوں کے محلول کو کاربی قلی۔ اس تجربہ سے بلیک نے یہ دکھلایا کہ کس طرح کاربونیٹوں سے آکسائیڈ بنتے ہیں۔ اس تجربہ سے مندرجہ ذیل باتیں بھی ظہور میں آئیں:—

۱۔ میگنیشیم کاربونیٹ کا وزن گرم کرنے کے بعد نصف رہ جاتا ہے۔  
 ۲۔ میگنیشیم ایلبا کو گندھک کے ترشہ ( Acid ) کے ساتھ گرم کرنے سے میگنیشیم سلفیٹ ( Magnesium Sulphate ) بنتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ ایک گیس بھی خارج ہوتی ہے ( آج کل اس گیس کو کاربن ڈائی آکسائیڈ کہتے ہیں ) —

۳۔ مگر میگنیشیم آکسائیڈ کو گندھک کے ترشہ کے ساتھ گرم کرنے سے بغیر کسی گیس کے خارج ہوئے ہی میگنیشیم سلفیٹ بن جاتا ہے —

۴۔ میگنیشیم سلفیٹ کے محلول میں جب پوٹاشیم کاربونیٹ ( Potassium Carbonate ) ڈالا جاتا ہے تو ایلبا یعنی میگنیشیم کاربونیٹ کا رسوب نیچے بیٹھ جاتا ہے۔

ان تجربوں کے ملاحظہ سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ ہلیک نے کس طرح ان سب باتوں کو ایک نئے اور دوست طریقہ پر سمجھایا۔ نمبر ۲ و ۳ کی مدد سے یہ بتلایا گیا کہ میگنیشیم ایلبا اور میگنیشیم اسٹا میں صرف یہی فرق ہے کہ ایلبا اور ترشہ کو ساتھ ساتھ گرم کرنے سے ثابت ہوا (Fixed air) (یہ کاربن ڈائی آکسائیڈ کا پرانا نام ہے) خارج ہوتی ہے۔ مگر میگنیشیا اسٹا کو ترشہ کے ساتھ گرم کرنے سے کوئی گیس خارج نہیں ہوتی اس لئے ایلبا میں ثابت ہوا ضرور شامل ہوگی جو ایلبا کو گرم کرنے سے خارج ہوتی ہے اور اسٹا باقی رہ جاتا ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو ہمارے موجودہ خیالات اور ہلیک کے قول میں کچھ بھی فرق نہیں۔

(ہلیک) میگنیشیا اسٹا + کاربن ڈائی آکسائیڈ = میگنیشیا ایلبا  
(موجودہ) میگنیشیم آکسائیڈ + کاربن ڈائی آکسائیڈ = میگنیشیم کاربونیٹ

ہلیک نے ان سب تجربوں کو دہرایا اور انہیں تجربوں کو سنگ سرس کے ساتھ بھی کیا۔ وہ ہر حالت میں اسی نتیجہ پر پہنچا۔ یہیں سے فلوجستی نظریہ کے خلاف بنیاد پڑنی شروع ہو گئی۔ اس وجہ سے بہت سے اسکاج (Scotch) مصنف ہلیک کو ہی موجودہ علم کیپیا کا بانی قرار دیتے ہیں۔ جب ایک مرتبہ لیواسیے نے فلوجستی نظریہ کو غلط ثابت کر دیا تو ہلیک نے فوراً ہی اس کو قبول کر لیا اور اس کی حتی الامکان مدد کی۔ اب میں ایک دوسرے عالم کا ذکر کروں گا جس کی تحقیقات سے فلوجستی نظریہ کو بہت صدمہ پہنچا۔

جوزف پریسٹلی پریسٹلی کی پیدائش ۱۳ مارچ سنہ ۱۷۳۳ ع کو یارکشائر کے (۱۷۳۳-۱۸۰۴) قریب بمقام فیلڈہیڈ ہوئی۔ اس کی تندرستی صوماً خراب رہتی تھی اور اسی وجہ سے وہ کسی اسکول میں تعلیم پانے سے

معہوم رہا مگر اس کے سنجیدہ والد نے ایک قابل معلم کو کھر ہی پر تعلیم دینے کے لئے مقرر کر دیا تھا۔ اس کی تعلیم میں بہت دقتیں پیش آئیں۔ مگر پھر بھی اس کو کتب پڑھنے کا بہت شوق تھا اور اس نے متعدد کتابیں ایسی پڑھیں جو فطرت اور اس کے رازوں پر کافی روشنی ڈالتی تھیں۔ اس کو وعظ دینے کا بہت زیادہ شوق تھا اور اسی وجہ سے وہ سنہ ۱۷۵۵ ع میں نیڈھیم کے گرجے کا پادری مقرر کیا گیا مگر وہ اپنی صحت کی وجہ سے مجبور رہتا تھا اور اسی وجہ سے وہ اس کام کو بخوبی انجام نہ دے سکا۔ اس دوران میں بھی پریستلے کیہیائی مضامین کا مطالعہ کرتا رہا کیونکہ اس کو کیہیائی باتوں سے سب سے زیادہ دلچسپی تھی اور اسی وجہ سے اس نے پادری کے عہدہ کو ترک کیا اور دنیاائے کیہیا میں قدم رہا۔ سنہ ۱۷۶۶ ع میں لندن کی رائل سوسائٹی نے ممبر منتخب کر کے اس کو عزت بخشی اور سنہ ۱۷۷۲ ع میں فرانس کے دبستان سائنس نے بھی اس کو اپنا ممبر بنایا۔ اس کے ایک ہی سال بعد وہ لارڈ شیلبرن کا ادبی سیکریٹری مقرر ہوا۔

پریستلے مختلف طرح کے علمی مشاغل میں مصروف رہتا تھا۔ اس نے فلسفہ پر بہت سی کتابیں تصنیف کیں مگر علم کیہیا پر اس کی تحریریں اور کتابیں نہایت مفید ہیں۔ مثلاً ”مختلف قسم کی ہواؤں پر تجربات“۔ اس کا خیال تھا کہ علمی انکشافات اتفاقہ ہوا کرتے ہیں اور اسی وجہ سے بہت سے مصنف اس کو ”اتفاق پرست“ کہتے ہیں۔ پریستلے کا سب سے نمایاں کار نامہ نیوماتک ٹروٹ (Neumatic trough) میں پانی کے بجائے ہارے کا استعمال تھا۔ اس کی مدد سے وہ بہت سی ایسی کیسوں تیار کرسکا جو عام طور پر پانی میں حل ہوجاتی تھیں۔ جیسے

نہک کا ترشہ (گیس) سلفر ڈائی آکسائیڈ (Sulphur dioxide) اور امونیا وغیرہ۔ اس نے نہک کے ترشے کا نام ترشتی ہوا رکھا اور ایہونیا کا نام اساسی ہوا (Basic air)۔ اس کا خیال تھا کہ دونوں کی آمیزش سے تعدیلی ہوا (Neutral air) بن جائے گی اور اس طریقہ سے اس نے ایہونیم کلورائیڈ (نوشادر) تیار کیا۔

اس نے ایہونیا سے ہوقی شرارہ (Electric spark) کے ذریعہ سے ہائڈروجن تیار کیا اور اس تجربہ سے اُس نے امونیا کی بناوت سمجھانے کی کوشش کی مگر اس میں اس کو کچھ زیادہ کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔

پریستلے نے پودوں کے تنفس (Plant respiration) اور ہم احتراق (Combustion) میں مشابہت دکھانے کی کوشش کی اور سنہ ۱۷۷۲ ع میں ہی جب کہ اس نے آکسیجن کا انکشاف بھی نہ کیا تھا انسانی اور پودوں کی زندگی کا آپس میں مقابلہ کیا اور بتلایا کہ اگر ایک ہوا میں جس میں کم سو م بقی جلتے جلتے بچھ جائے کسی پودے کو رکھا جائے تو پھر وہی ہوا انسانی زندگی کے لئے کار آمد ہو سکتی ہے۔ یعنی موجودہ نقطہ نظر سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ پودے کی غذا کاربن ڈائی آکسائیڈ ہے اور یہ گیس پودے میں جذب ہونے کے بعد آکسیجن میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے پودوں کی صفائی کلندہ کہا جاتا ہے۔ اس طرح پریستلے نے ضیائی تالیف (Photo Synthesis) کی بنیاد ڈالی۔

سنہ ۱۷۷۳ ع میں اُس کو اتفاقاً ایک بہت بڑا اور عرصہ عدسہ (Lens) ہاتھ لگ گیا۔ اور اس کی مدد سے اس نے قریب قریب ہر ایک چیز کو جو اس کو مل سکی گرم کرنا شروع کیا۔ اس طرح سے جو گیسیں تیار ہوتی تھیں ان کو اکٹھا کرنے کا شوق اُس کو دن بدن بڑھتا ہی گیا۔ یہ پہلے ہی



بتلایا جا چکا ہے کہ نیوسیتک تھرت میں پانی کے بجائے پارے کا استعمال پہلے اُس نے ہی شروع کیا تھا۔ ایک روز جب کہ پریستلے پارے کی سرخ آکسائیڈ (Lead Oxide of Mercury) کو اپنے عدسہ کی مدد سے گرم کر رہا تھا تو یکایک اُس کو ایک ایسی گیس ملی جس کا سانس لینے سے جسم بہت ہلکا اور طبیعت نہایت بشاہ معلوم ہونے لگی اور سب سے زیادہ حیرت انگیز بات تو یہ تھی کہ اگر اِس نئی گیس میں کسی چوہے کو رکھا جائے تو وہ اس گیس میں ہوا کی بہ نسبت زیادہ اچھی طرح رہ سکتا تھا۔ پریستلے نے اپنی کتاب میں اس نئی تحقیق کا حسب ذیل الفاظ میں

بیان کیا ہے —

”اس آلہ کی مدد سے میں نے کافی تجربے کیے جن کا مختصر حال کسی دوسری جگہ بیان کروں گا۔ ۱ اگست سنہ ۱۷۷۴ ع کو میں نے پارے کے آکسائیڈ سے ایک نفی گیس نکالی جو اس عدسہ کی مدد سے نہایت سہولیت کے ساتھ تیار ہوتی ہے۔ اس گیس کو کافی مقدار میں تیار کر کے میں نے اس کو پانی میں حل کرنا چاہا مگر کیا دیکھا کہ یہ گیس پانی میں حل نہیں ہوتی۔ مگر ایک بات دیکھ کر مجھے بہت ہی زیادہ تعجب ہوا جس کا بیان کرنا میرے قابو سے باہر ہے اور وہ یہ کہ ایک سوم بتی نفی گیس میں بڑی چمک اور نہایت تیزی کے ساتھ جلنے لگی۔ ان سب باتوں کو سمجھانے کی کوشش میں میں بالکل نا کام ہوں“

پریستلے نے نفی گیس کا نام ”غیر فلوجسٹی (Dephlogistigated Air)“

رکھا۔ اس کا خیال تھا کہ جب کسی چیز کے گرم کرنے سے فلوجسٹن نکلتا ہے تو اس گیس میں مل جاتا ہے کیوں کہ اس میں فلوجسٹن نہیں

ہوتا ۔ اس خیال کی مضبوطی پر فائٹروجن کا نام ”فلوجستی ہوا“ رکھا ۔ اگر واقعی یہ بات درست ہے تو چیزوں کے جلنے پر فائٹروجن نمودار ہونی چاہئے مگر ایسا نہیں ہوتا اور نہ اس کو اس بات کا خیال ہی ہوا —

شیل کی طرح پریستلے بھی اپنی تحقیقاتوں کی اہمیت کو ٹھیک ٹھیک سمجھ نہ سکا ۔ اس کو فلوجستی نظریہ پر اتنا قوی یقین تھا کہ کبھی اُس کی مخالفت کا خیال بھی اُس کے دماغ میں نہ آیا اور نہ اس کو یہ ہی تھیک معلوم ہوتا تھا کہ چیزوں کے جلنے پر اُن سے کوئی چیز نکالنے کے بجائے ان میں کوئی چیز مل بھی سکتی ہے ۔ صرت اتنا ہی نہیں بلکہ وہ آخر تک ایوانس کے نظریہ کا سخت مخالف رہا اور فلوجستی نظریہ کی ہی تائید کرتا رہا —

پریستلے کو فرانس کے انقلابی جھگڑوں میں پڑ کر انگلستان سے امریکہ بھاگ جانا پڑا ۔ کیونکہ انگلستان میں مخالف گروہ کے حامیوں نے اُس کے مکان اور گرجے وغیرہ کو جلا کر خاک کر ڈالا تھا ۔ اس وجہ سے اس نے بھاگ کورناتھمپر لینڈ میں پناہ لی اور وہیں سکونت اختیار کر لی ۔ اسی جگہ ۱۴ فروری سنہ ۱۸۰۴ ع میں اُس کا انتقال ہوا ۔ پریستلے کی تحقیقات کو علم کی دنیا کی بنیاد خیال کرنا چاہئے اور اس کے بعد ہی اس علم نے اپنی اصلی صورت اختیار کی ۔ اس لیے وہ بھی موجودہ علم کی دنیا کا پیش رو خیال کیا جاتا ہے —

کیولتھ کی پیدائش سنہ ۱۷۳۱ ع میں نیس | ہنری کیولتھ (۱۷۳۱-۱۸۱۰) |  
میں ہوئی ۔ یہ دیونشاہ کے تیسرے دیوک  
کا بھتیجا تھا ۔ سائنس کے میدان میں بہت سے ایسے اشخاص نے حصہ لیا ہے  
جو کافی دولت مند تھے مثلاً رابرٹ بائل ( Robert Boyle ) اپنے زمانہ میں

کیونٹش کا شمار بھی وہاں کے رؤساء میں تھا۔ مگر اس کو علم سے خاص دلچسپی تھی اور یہ دلچسپی اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ اُس نے اپنے تمام عیش و آرام اور دولت کو ترک کر دیا اور نہ شادی ہی کی بلکہ اپنی تمام زندگی حق کی تلاش میں صرف کی —

اس کی سب سے اعلیٰ تحقیق ہائڈروجن کا معلوم کرنا ہے۔ حالانکہ اس گیس کے بارے میں پیراسلسس (Paracelsus) اور وان ہیلہمٹ کو بھی کچھ نہ کچھ واقفیت ضرور تھی مگر اس گیس کی کامل تحقیقات کا سہرا کیونٹش کے ہی سر ہے۔ اس نے ہائڈروجن کا نام ”جلنے والی ہوا“ رکھا کیونکہ یہ گیس آکسیجن کے ساتھ فوراً جلنے لگتی ہے۔ اس کا خیال تھا کہ شاید یہ ہی فلوجستی ہو۔ کیونکہ اگر کسی دھات میں فلوجستی شامل ہے تو ترشہ کے عمل سے اس سے فلوجستی نکلتی چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ جست پر ڈنڈھک کے ترشہ کے عمل سے ہائڈروجن پیدا ہوتی ہے —

پرستلے کے آکسیجن بنانے کے بعد کیونٹش نے سنہ ۱۷۸۳ ع میں آکسیجن اور ہائڈروجن کی ملانے کی کوشش کی۔ اس تجربہ میں اس کو برقی شرار کی ضرورت پڑی اور اس طوح اس نے ثابت کیا کہ پانی میں کون کون سے اجزا شامل ہیں۔ یعنی آکسیجن اور ہائڈروجن کے ملنے سے پانی بن جاتا ہے یعنی پانی میں صرف آکسیجن اور ہائڈروجن ہی شامل ہیں۔ اسی طرح سنہ ۱۷۸۵ ع میں ان تجربوں کے دوران میں اس کو معلوم ہوا کہ جب آکسیجن اور ہائڈروجن کی آمیزش پر برقی شرار کا عمل کرتے ہیں تو ان کے ملنے سے جو گیس ملتی ہے وہ فوراً پانی سے مل کر شور کا ترشہ پیدا کر دیتی ہے۔ یہ ایک بڑے تعجب کی بات ہے کہ جب کبھی اس نے ہوائی ہائڈروجن سے تجربہ کیا تو اس میں کچھ نہ کچھ گیس

ہیشہ باقی رہ جاتی تھی جو قریب قریب تمام حجم کا ایک سو بیسواں حصہ تھی۔ مگر تب بھی کیوندش بہت سی ایسی گیسوں کا پتہ نہ لگا سکا جو اس باقی ماندہ حصے میں شامل تھیں جیسے آرگن (Argon) وغیرہ۔ ان گیسوں کا پتا سو برس بعد سر ولیم ریجر نے لگایا —

گو کیوندش نے ہائیڈروجن کو تیار کیا مگر افسوس وہ بھی پریستلے کی طرح فلوجستی نظریہ کا دل دادہ تھا۔ اس نظریہ کو غلط ثابت کر دینے کے لیے اس کے پاس کافی سامان موجود تھا۔ پریستلے پہلے ہی سے آکسیجن کا نام ”غیر فلوجستی ہوا“ رکھ چکا تھا اور چونکہ ہائیڈروجن آکسیجن سے مل جاتی تھی اس لیے کیوندش کو کا مل یقین ہو گیا کہ ہائیڈروجن فلوجستی ہے۔ وہ پریستلے کے ہر خلات ایوایسے کے نظریہ کا مخالف نہیں تھا تاہم وہ فلوجستی نظریہ کی تائید کرتا تھا —

کیوندش کا دوسرا قابل تعریف کارنامہ ہوا کی تشریح (Analysis) پر ہوا۔ اس نے اپنے تجربوں سے دکھلایا کہ ہوا کی آکسیجن اور نائٹروجن میں ۷۹.۶۱۴ : ۲۰.۶۸۶ کی نسبت ہے۔ ہارجوویکھ سائنس ائمے اونچے درجہ پر پہنچ چکی ہے اس نسبت میں کوئی خاص فرق نہیں آیا۔ موجودہ نسبت یہ ہے ۷۹.۶۰۴ : ۲۰.۶۹۶

کیوندش نے طبیعیات میں بھی اعلیٰ درجہ کی تحقیقاتیں کیں۔ اُس کا خاص کام زمین کی کثافت معلوم کرنا ہے اس کا یہ تجربہ اور اُس کا نتیجہ ابھی تک صحیح مانے جاتے ہیں۔ وہ ایک عجیب شخص تھا۔ وہ کسی سے ملاقات کرنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ اتنا شرمیلا تھا کہ زندگی بھر کسی مجلس میں نہیں بولا۔ رائل سوسائٹی کی مجلسوں میں اگر کوئی اُس سے تقریر کرنے کی درخواست کرتا تو وہ فوراً گھر چلا جاتا۔ اُس کو اپنے مشاغل نے سوا کسی اور چیز میں

دلچسپی نہ تھی اور اتنا دولت مند ہوکر بھی نہایت سادہ طریقہ پر زندگی بسر کرتا تھا۔ دنیا میں ایسے اعلیٰ خیالات کے شخص شاذ و نادر ہی پیدا ہوتے ہیں اور ہوتے ہیں تو ہمیشہ آئندہ نسلوں کے لیے ایک نئی مثال چھوڑ جاتے ہیں۔

کیونڈس کا انتقال ۱۸۱۰ میں ہوا۔ اس کی یادگار میں کیمبرج میں طبیعیات کا ایک نہایت عالی شان تجربہ خانہ قائم کیا گیا ہے۔ یہ تجربہ خانہ اپنی قسم کے تمام تجربہ خانوں میں اعلیٰ ہے اس کے صدر نلارک میکسویل 'لارڈ ریے' سر جوزف ڈامسن اور لارڈ رڈ فورڈ جیسے اشخاص ہوئے ہیں جن کی تحقیقاتوں نے دنیا میں ایک انقلاب پیدا کر دیا ہے۔ اس وقت لارڈ رڈ فورڈ اس کے صدر ہیں۔

کارل ولیم شیل دنیا میں شیل کے سرتپہ کے عالم بہت کم ہوئے ہیں (۱۷۶۲ - ۱۷۸۶) تجربہ اور مشاہدہ کرنے کی صلاحیت جتنی شیل میں تھی اتنی بہت کم عالموں میں پائی جاتی ہے۔ عام لوگوں کا خیال ہے کہ شیل اٹھارویں صدی عیسوی کا سب سے بڑا مکتشف تھا۔ اس کی پیدائش ۱۹ دسمبر سنہ ۱۷۴۲ ع کو اسٹرال سنڈ کے ایک فریب خاندان میں ہوئی۔ وہ ۱۴ برس کی عمر میں ایک حکم کے پاس نوکر ہو گیا۔ یہاں اس نے آٹھ سال تک کام کیا۔ بعد ازاں سنہ ۱۷۶۴ ع میں میل سویل کے پاس چلا گیا اور سنہ ۱۷۷۰ ع سے سنہ ۱۷۷۵ ع تک اپساہ میں رہا۔ پھر کوینڈک جانر ایک مکان خریدا اور اُسی میں اپنا ایک چھوٹا سا تجربہ خانہ بنا لیا اور یہیں پر آخر دم تک کیمیائی انکشافات میں مصروف رہا۔

ال اول اس نے بیریم (Barium) اور میگنیز (Manganese) شیل کی تحقیقاتیں

نے بنائے کا طریقہ بتلایا اور کلورین (Chlorine) و آکسیجن

کی تحقیق کی۔ اُس نے میلنگنز تائی آکسائیڈ سے کئی قسم کے مرکبات تیار کئے جو اب بھی خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ دراصل شیل آکسیجن کو پریستلے سے دو سال قبل تین یا چار طریقوں سے تیار کر چکا تھا مگر اُس کے تحقیقی کارنامے چوپ نہ سکے تھے۔ اسی وجہ سے یہ بات کہ آکسیجن پہلے کس نے تیار کی، مختلف فیہ ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اِس کا سہرا شیل کے سر ہے اور بعضوں کا قول ہے کہ نہیں آکسیجن کو اول اول پریستلے نے معلوم کیا۔

شیل نے ٹنگسٹن (Tungsten) اور مالب تینم (Molybdenum) دھاتوں کو معلوم کیا۔ جن معدنیات سے اُس نے نکالا وہ اُس وقت تک گریفائٹ (Graphite) خیال کی جاتی تھیں۔ اُس نے ان دونوں میں فرق بتلایا اور دکھلایا کہ گریفائٹ ایک قسم کی کاربن ہے۔ پہلے پہل ہائڈروجن سلفائیڈ (Hydrogen Sulphide) پر تشریم کے ساتھ اُسی کی تحقیقاتیں ہیں۔ آرسینک (Arsenic) پر تجربہ کرتے ہوئے اُسے ایک نئے رنگ کا پتہ چلا جو ”شیل کا ہوا رنگ“ کے نام سے مشہور ہے۔ آرسینک کا کم سے کم مقدار میں پتہ لگانے کے لیے اُس نے آرسین (Arsine) تیار کی۔

فاسفیاتی کیمیا کے میدان میں بھی اُس کے کارنامے کم نہیں ہیں۔ اُسی نے سب سے پہلے بولی ترشہ (Uric acid) اور گلی سرین (Glycerine) کو معلوم کیا اور فاسفیاتی ترشوں کے تیار اور صاف کرنے کا ایک طریقہ معلوم کیا جس پر اب تک عمل کیا جاتا ہے۔ وہ طریقہ یہ ہے کہ پہلے ان ترشوں کے کیمیاوی نمک بنائے جائیں اور ان نمکوں کو گندھک کے ترشے کے ساتھ گرم کیا جائے۔ اِس طرح سے فاسفیاتی ترشہ الگ ہو جائے گا۔ اِس طریقے سے اسلے آزیلک، سٹرک، میلک، کھلک اور ٹارٹرک ترشے وغیرہ تیار کئے اور کھتے ہوئے سے لیکر تک ترشہ

Lactic acid بنایا —

اُس کے کارناموں میں سے ایک خاص کام "پروشین نیل (Prussian Blue) کا تیار کرنا ہے کیوں کہ اسی سے ہائڈرو سیانک ترشہ تیار کیا گیا جس کی صفات کا ذکر اُس نے کافی تشریح کے ساتھ کیا ہے مثلاً اُس کی بو اور ذائقہ وغیرہ۔ مگر اس کی اہمیت سے وہ واقف نہ تھا۔ اِس کے مطالعہ سے یہ پتا چل جائے گا کہ شیل نے اِس قدر تھوڑے عرصہ میں کتنا زیادہ کام کیا —

سنہ ۱۷۷۷ ع میں اُس نے ایک کتاب تصنیف کی جس کا نام "آتش اور ہوا" رکھا۔ اِس کتاب میں اُس نے جانے کی بابت اپنے خیالات کا پورا اظہار کیا ہے۔ شیل نے ایسے بہت سے تجربے کئے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہوا دو چیزوں سے مل کر بنی ہے۔ ان میں سے ایک جلمے میں مدد کرتی ہے جس کا نام "آتش ہوا" (Fire air) اور دوسری کا نام "خراب ہوا" (Impure air) رکھا۔ ہوا کے ایک معلوم شدہ حجم کے اندر کسی چیز کو جلا کر بچی ہوئی شے کا حجم معلوم کر کے اُس نے دونوں کی نسبت معلوم کی۔ بعد ازاں اُس نے احتراق کے نظریہ کو سمجھایا۔ آتش ہوا کیا ہوجاتی ہے؟ جب کوئی چیز جلتی ہے تو روشنی اور حرارت پیدا ہوتی ہے۔ اُس کا قول ہے کہ آتش ہوا فلوجستی سے مل کر روشنی اور حرارت کی شکل میں خارج ہوجاتی ہے۔ کیونکہ آتش ہوا پانی میں بھی حل نہیں ہوتی۔ فلوجستی نظریہ کو تھپک ثابت کرنے کے لیے اُس نے ایک اور تجربہ کیا اور وہ یہ کہ جب کاپر آکسائیڈ (Copper Oxide) کو (جس میں فلوجستن نہیں ہے) شورو کے ترشے میں ڈالتے ہیں تو کوئی گیس پیدا نہیں ہوتی کیوں کہ اس رد

عمل میں سرخ رنگ کا دھول نکلتا ہے۔ اس نے یہ بھی بتلایا کہ چاندی کے نمکوں پر یعنی سیلور کلورائیڈ پر روشنی کا کیا عمل ہے۔ اور اس عمل کو فلوجستی نظریہ سے ثابت کیا۔

شیل کی تحقیقاتوں کو اننی تھوڑی جگہ میں بیان کرنا ایک نہایت مشکل امر ہے۔ یہ تو صرف مشتے ٹھونہ از خروارے ہے۔ اس فہرست ہی کو دیکھ کر لوگوں کو یہ پتا لگ جائے گا کہ وہ کتنا بڑا عالم تھا۔ اُس کے دماغ سے اننی باتوں کا ظاہر ہونا اور خاص کر ایک ایسے وقت میں کہ جب دنیا نے کیہیا میں تاریکی چھائی ہوئی تھی کچھ کم اہمیت نہیں رکھتا۔ اگر اس کا مقابلہ کسی اور ہستی سے کیا جاسکتا ہے تو وہ ایہیل فیشر ہے۔ سنہ ۱۷۸۶ ع میں صرف ۴۴ برس کی عمر میں شیل کا انتقال ہو گیا۔

اینتوئین لویواسیے | اس کی پیدائش ۲۶ اگست سنہ ۱۷۴۳ ع میں یہقام پیرس (۱۷۴۳-۱۷۹۴)

حاصل کی۔ اس کا خاص کام فلوجستی نظریہ کو غلط ثابت کر دینا ہے اور اس کی خاص وجہ کیہیائی تجربات میں توازن کا استعمال ہے۔ اگر لیواسیے نے توازن کا استعمال نہ کیا ہوتا تو شاید ہی اتنا کامیاب ہوتا کیونکہ بغیر توازن کی مدد کے یہ بات کس طرح ظہور میں آتی کہ جلنے پر چیزوں کا وزن بڑھ جاتا ہے نہ گھٹتا ہے جیسا کہ فلوجستی نظریہ کے حامیوں کا دعویٰ تھا۔

الکیہیائی دور کے عالموں کا خیال تھا کہ پانی سے مٹی بنی سکتی ہے۔ سب سے پہلے لیواسیے نے اس کی مخالفت کی۔ اس نے قریب قریب تین سو سال تک کانچ کے ایک برتن میں پانی گرم کیا۔ گرم کرنے سے پہلے



سب چیزوں کو تول لیا گیا اور اس بات کو مد نظر رکھا گیا کہ پانی اُڑنے نہ پائے۔ تجربہ کے بعد وزن کرنے سے معلوم ہوا کہ اس کے وزن میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا ہے۔ پھر تمام پانی کو جلا دیا اور جو کچھ باقی بچا اس کو تول لیا گیا۔ پانی کا وزن پہلے ہی سے معلوم تھا۔ اس تجربہ سے یہ ثابت ہوا کہ پانی اور سفید شے (جو پانی کے جلنے سے بن گئی ہے) کا مجموعی وزن پانی کے وزن سے زیادہ ہے یعنی نئی چیز میں کوئی نہ کوئی چیز ہر تن سے خارج ہو کر مل گئی۔ پھر ہر تن کا وزن کیا گیا۔ ہر تن کا وزن اتنا ہی کم ہو گیا تھا جتنا کہ پانی اور سفید شے کے مجموعی وزن میں اضافہ ہوا تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ نئی چیز صحت پانی سے نہیں بلکہ پانی اور کانچ کے ملنے سے پیدا ہو گئی ہے۔ اس بات کو شیل نے بھی اسی طرح سمجھا یا تھا مگر چونکہ اس نے ترازو کا استعمال نہیں کیا تھا اس وجہ سے اس کی کوئی اہمیت نہیں دی جاتی۔

احتراق ہو لیواسیے | ان تحقیقاتوں میں بھی اس نے ترازو کا استعمال کیا۔  
کی تحقیقات

تھا۔ اور وزن کی ہی بنا پر اپنے خیالات ظاہر کرتا تھا۔ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے یہ ہی اس کی کامیابی کی خاص وجہ تھی۔

لیواسیے نے معلوم کیا کہ گندھک کا وزن جلنے کے بعد بجائے کم ہونے کے بڑھ جاتا ہے یعنی ایک پونڈ گندھک سے ایک پونڈ سے زیادہ گندھک کا ترشہ حاصل ہوتا ہے۔ اس وزن کے بڑھ جانے کی وجہ یہ ہے کہ جلتے وقت گندھک میں تھوڑی بہت ہوا بھی شامل ہو جاتی ہے۔ اس کے مطالعہ سے فوراً معلوم ہو جائے گا کہ کتنی صفائی اور عمدگی نے ساتھ

لیوواسیے اپنے خیالات کو ظاہر کرتا تھا۔ وہ لکھتا ہے "میرا خیال ہے کہ سب چیزوں کا وزن جلتے کے بعد بڑھ جاتا ہے مثلاً گلدھک و فاسفورس وغیرہ دھاتوں کا بہس یا آکسائیڈ کا وزن بڑھنے کی بھی یہی وجہ ہے۔ میں نے ایک بند برتن میں سیسے کے سرخ آکسائیڈ کو خوب گرم کیا۔ گرم کرنے پر اس میں سے ایک قسم کی ہوا نکلی (پرانے زمانہ میں کیس کے لئے ہوا کا لفظ استعمال کیا جاتا تھا) جس کا حجم اس چیز سے ہزاروں گنا تھا اور سیسہ دھات پیدا ہو گئی۔

اوپر کے بیانات سے یہ صاف ظاہر ہے کہ لیوواسیے نے ان تجربوں کو کتنی ہوشیاری اور قابلیت سے انجام دیا۔ اب یکے بعد دیگرے تجربے ہونے لگے۔ سنہ ۱۷۷۴ ع میں اس نے رانگ کے جلتے کی بابت اپنی تحقیقات شائع کی۔ اُس نے دھات کا ایک مقررہ وزن کانچ کے ایک برتن میں بند کیا اور دونوں کا مجموعی وزن معلوم کیا۔ ان کو خوب گرم کرنے کے بعد پھر تولا مگر وزن میں کوئی فرق نہ معلوم ہوا۔ جب برتن کے منہ کو توڑا گیا تو یک بارگی ہوا برتن میں گھس گئی۔ اس تجربے سے یہ معلوم ہوا کہ اندر کی ہوا کا کچھ حصہ رانگ کے جلتے پر آکسائیڈ بننے پر صرف ہو گیا۔ اس نے یہ بھی دکھلایا کہ اگر زیادہ مقدار میں رانگ برتن کے اندر رکھا جائے تو اسے کتنا ہی گرم کیا جاوے پھر بھی کچھ نہ کچھ دھات باقی رہ جاتی ہے اور تمام ہوا صرف بھی نہیں ہوتی۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ ہوا کا تھوڑا ہی حصہ جلتے میں صرف ہوتا ہے۔ اُس نے پھر پارے کے ساتھ تجربے شروع کئے اور دکھلایا کہ جتنا وزن پارے کو ہوا کے ساتھ گرم کرنے سے بڑھ جاتا ہے اتنا ہی سرخ آکسائیڈ کو گرم کرنے سے گھٹ جاتا ہے یعنی پارے کی سرخ آکسائیڈ پارے کے ہوا کے ساتھ ملنے سے بنتی ہے۔ سنہ ۱۷۷۷ ع میں اُس نے جلتے کے نظریہ

کو اس طرح پیش کیا —

۱ - ہر ایک چیز کے جلمے پر روشنی و حرارت پیدا ہوتی ہے —

۲ - چیزیں صرت خالص ہوا میں ہی جلتی ہیں۔ یہ آکسیجن کا پہلا نام تھا —

۳ - یہ ہوا جلمے میں صرت ہوتی ہے اور جلمے والی چیز کا وزن اتنا ہی بڑھ جاتا ہے جتنا کہ ہوا کا وزن کم ہو جاتا ہے —

۴ - جلمے والی چیزیں زیادہ تر جل کر بوسم یا آکسائیڈ میں تبدیل ہو جاتی ہیں —

گویواسیے اپنے خیالات کو ان تجربوں سے ثابت کر چکا تھا مگر پھر ایسے لوگ کم تھے جو اس کے خیالات سے متفق ہوتے۔ اس نے پانی کی ترکیب بھی معلوم کی۔ سنہ ۱۷۸۹ ع میں اس نے ایک کتاب تصنیف کی جس میں اس نے فلو جستی نظریہ کی پوری مخالفت کی اور اپنے نقطہ نظر کو سمجھا یا۔ لوگوں کے خیالات پر اس کتاب کا کافی اثر پڑا۔ اور اسی کو کیمیاؤں انقلاب کہتے ہیں کیوں کہ اس نے کیمیاؤں کے خیالات کو بالکل بدل دیا۔ اور اس وجہ سے لیواسیے کو موجودہ کیمیا کا بانی کہا جاتا ہے —

لیواسیے نے بقائے مادہ کے کلیہ ( Law of the Conservation of mass )

کو معلوم کیا۔ یعنی اس نے بتلایا کہ مادہ نہ تو پیدا کیا جاسکتا ہے اور نہ ضایع۔ اور اسی اصول پر اس نے کیمیاؤں مساوات کا طریقہ نکالا جس سے علم کیمیا کو بے حد فائدہ پہنچا۔ نامیاتی چیزوں کی تشریح میں وہ نہایت قابل اور مشاق تھا۔ کسی چیز میں کاربن اور ہائیڈروجن کے معلوم کرنے کا موجودہ طریقہ اسی کا نکالا ہوا ہے یعنی نامیاتی چیز کو جلانا اور اس طرح

جلانے پر جو کاربن تائی آکسائیڈ اور پانی حاصل ہوتا ہے اس کا وزن معلوم کر کے ریاضی کی مدد سے چیز کی ترکیب معلوم ہوسکتی ہے —

مذکورہ بالا نمبر ۴ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا خیال تھا کہ سب ترشوں میں آکسیجن ضرور ہونی چاہئے ۔ اس کو ” ترشوں کا نظریہ آکسیجن “ کہتے ہیں ۔ اسی وجہ سے اس ہوا کا نام پہلے ترشٹی ہوا پڑا تھا ۔ آکسیجن کا لفظ ہی ترشہ سے لیا گیا ہے اس کا مطلب ہے ترشہ پیدا کرنے والا ۔ حالانکہ یہ نام موجودہ زمانہ میں درست نہیں ہے کیوں کہ آج کل آکسیجن کے بجائے ہائڈروجن ترشوں کا خاص جز ہے جیسا کہ تیوی نے بتلایا تھا ۔ پھر بھی لیوآسیے کے زمانہ میں یہ بالکل ٹھہک تھا —

لیوآسیے نے زندگی کے مظہر پر بھی نظر ڈالی ۔ اُس کا خیال تھا کہ زندگی بھی کیمیاائی عمل ہے یعنی جو غذا ہم کھاتے ہیں وہ پیت میں جا کر ہضم ہوجاتی ہے اور ہضم ہونے میں حرارت پیدا ہوتی ہے ۔ اسی توانائی پر زندگی کا دار مدار ہے —

اُس نے ملکی کاسوں میں بھی کافی حصہ لیا اور بہت سی ملکی انجمنوں کا ممبر منتخب کیا گیا تھا ۔ جب فرانسیسی انقلاب شروع ہوا تو بہت سے فرانسیسی اُس کے خلاف ہو گئے اور اُس کا تجربہ خانہ جو کہ سارہوں میں تھا جلا دیا ۔ جمہوری سلطنت قائم ہونے پر اس پر مقدمہ چلایا گیا اور اس کو قتل کی سزا تجویز ہوئی اور ۸ مئی سنہ ۱۷۹۴ ع کو قتل کر دیا گیا ۔ ایسا عالم کہ جس کے احسان سے دنیا اور خاص طور پر کیمیاائی دنیا کبھی سبکدوش نہیں ہوسکتی اس بے رحمی کے ساتھ ہمیشہ کے لئے اس ناپاک دنیا سے رخصت کر دیا گیا —

لیوآسیے کو تمام دنیا موجودہ علم کیمیا کا بانی مانتی ہے اور

اس میں کوئی شک بھی نہیں کہ اس نے ہی موجودہ کیمیا کی بنیاد  
تالی - اس بے رحمی کی مخالفت میں لیگرینج ( ایک فرانسیسی سائنس دان )  
نے کہا تھا :

” گو اُس کا قتل کرنے میں ایک پل بھی صرت  
نہ ہوا مگر اُس کا ثافی پیدا کرنے میں صدیاں  
گذر جائیں گی “



## ابوالونا بوزجانی الکاسب

از

(جناب معہد زکریا صاحب مائل)

عرب علما کے غیر فانی علمی کارنامے دنیا کے لئے ہمیشہ مشعل ہدایت کا کام دیں گے۔ اور جب تک تہذیب و تمدن کا نام لینے والے موجود ہیں۔ یہ حقیقت بھی ثابت و قائم رہے گی کہ موجودہ عصر ترقی کی داغ بیل انہی عربوں کے آثار پر مبنی ہے۔ مگر ساتھ ہی اس اثر کا اعتراض بھی ناگزیر ہے کہ مشرق نے اپنے ان باکمال اور بے نظیر عقل و دماغ والے ماہران فن کی یاد دل سے معو کر دی تھی اور اپنے جہود و غفلت یا بے مائگی و مجبوری کے بدولت اسات کے بے بہا علمی ذخیرے دوسروں کے ہاتھ میں دے دئے تھے۔ اس لئے ان کا ان علمی خزانوں سے معروم رہ جانا ایک قدرتی امر تھا۔ ان کے مقابل مغربی اقوام کو دیکھئے تو ان کے داس اس نوع کے بے شمار جواہرات سے معور نظر آئیں گے اس لئے اب جو کچھ ہمیں اسات کے عظیم الشان اور شاندار آثار کے متعلق ملتا یا معلوم ہوتا ہے اس میں زیادہ حصہ مستشرقین کی سعی و عرق ریزی کا ثمرہ سمجھنا چاہئے۔

بارجود اس کے یہ دیکھ کر تعجب کر ہوتا ہے کہ مستشرقین نے بہت

سے جلیل القدر عرب علما کے حالات پردہ خفا میں رکھے۔ نہ ان کا کسی انسائیکلو پیڈیا میں ذکر کیا نہ اور کسی تذکرہ یا مستقل کتاب میں ان کے حالات سے بحث کی۔ حالانکہ بعض یورپین علما کی ممتاز کتابیں ان کے افادات سے بھری ہوئی ہیں —

انہیں غیر معروف یا فراموش کردہ علما میں بعض علمائے ریاضی بھی ہیں جن کا ذکر 'ریاضیات کا سرمایہ تاریخ بہت کم اور اس کے مآخذ نہایت مختصر ہونے کی وجہ سے عہدیت کے ساتھ جگہ نہ پاسکا اور دنیائے ریاضی اچھی طرح ان کے جلالت قدر اور مہارت فن کا اعتراف نہ کر سکی —

ریاضی میں عربوں کا فضل تقدم سب کو تسلیم ہے۔ آج ریاضی کے جن معرکہ آرا تحقیقاتی مباحث اور نظریوں نے مغرب کو ساری دنیا سے استقامت ملوایا ہے ان میں کمتر ایسے ہیں جو براہ راست یورپین ریاضی دانوں کے زائیدہ فکر ہیں۔ فرما (Fermat) کا \* مسئلہ جو مسئلہ فرما کے نام سے موسوم ہے یا دیکارت اور تھامس باکر (Descartes and Thomas Baker) کا مسئلہ + تیسرے درجہ کے معادلات متعلق یہ سب بظاہر نئے اور یورپ کے قائم کئے ہوئے مسئلے معلوم ہوتے ہیں مگر خود علمائے یورپ کی زبانوں ان کی نسبت اعتراف کر چکی ہیں کہ ان کا اکتشاف عربوں ہی کا رہیں منت ہے —

\* الکلیدہ صفحہ ۲۶۷ مئی سنہ ۱۹۲۸ ع وہ نظریہ یہ ہے "در مکعب عددوں کا مجموعہ عدد مکعب نہیں ہوتا"

+ گجوری تاریخ ریاضیات سنہ ۱۹۲۳ ع جلد ۷۷ صفحہ (۱۰۷)

اسی سلسلہ میں یہ بات بھی نظر انداز کئے جانے کے قابل نہیں کہ بعض یورورپین مصنفوں نے اکثر مسائل ریاضیہ پر کتابیں لکھیں مگر جن سے انہیں مرتب یا تالیف کیا ان کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ اس طرز عمل سے ان کی نیت کا حال روشن ہے۔ وہ ان مولفات کو براہ راست اپنے ہی دماغ کی کارش کا فتنہ ظاہر کرنا چاہتے تھے اور دنیا کو یہ باور کرانے کے خواہشمند تھے کہ ریاضی کے کمال اور مہارت فن میں ہم کسی دوسری قوم کے معنون نہیں ہیں۔ ورنہ ماخذوں کا ذکر یا حوالہ کتاب میں ضرور درج کرتے۔ اس دھوے کے ثبوت میں لیونارڈ (Leonard of Pisa) جیسے نامور ریاضی دان کا نام لیا جانا کافی ہے۔ لیونارڈ نے عالم جبر و ہندسہ پر جو کچھ لکھا ہے اس کے متعلق واضح ہو چکا ہے کہ اس موضوع کی کتابیں لکھتے وقت بہت سی عربی مولفات اس کے پیش نظر رہی ہیں۔

کارپنسکی (Karpinski) نے ثابت کیا ہے کہ لیونارڈ نے کتاب \* جبرابی کمال سے بہت کچھ اخذ کیا ہے۔ اسی طرح بعض علمائے انگلستان نے چودھویں صدی عیسوی کے اوائل میں جو بعض کتابیں مثلثات پر لکھی ہیں وہ بھی عربی کتابوں سے ماخوذ تھیں + —

یوحنا ملر (John Muller) کی بہت سی تصنیفات ریاضی کا بھی یہی حال ہے۔ یہ شخص ریچو مونٹا نومس (Regiomantanus) کے نام سے زیادہ مشہور تھا اور اس نے پندرہویں صدی عیسوی کے وسط میں بہت سی کتابیں مغربی ادب میں منتقل کی تھیں۔ اس کی تصنیفات میں سب زیادہ اہم کتاب (De Triangulis)



ہے جسے ہم المثلثات کے نام سے موسوم کرسکتے ہیں۔ یہ کتاب پانچ بڑی بڑی فصلوں میں منقسم ہے۔ ان میں سے چار فصلیں مثلثات مستویہ کے متعلق ہیں اور ایک فصل مثلثات کرویہ کے متعلق۔ اب اگر کوئی یورپین اہل علم اس بات کا مدعی ہو کہ اس کتاب کے کل مسائل ملر ہی کی ایجاد ہیں تو یہ بداہتاً غلط ہوگا کیوں کہ ملر نے کتاب زیر بحث کی پانچویں فصل میں جن اصولوں کا اتباع کیا ہے یعنی مثلثات کرویہ کے اصول یہ بعینہ وہی اصول ہیں جو اس موضوع پر چوتھی صدی ہجری میں عربوں کے رہیں منت ہوچکے تھے \* کروی مثلثات کے علاوہ مثلثات کے اور مسائل بھی جو ملر کی طرف منسوب ہیں حال ہی میں ان کے متعلق ثابت ہوچکا ہے کہ وہ ملر کے نہیں بلکہ عربوں کے وضع کئے ہوئے ہیں † جو ان مسائل پر بہت پہلے توجہ کرچکے ہیں ‡ —

عرب ریاضی دانوں میں جن علما کو ممتاز اور بلند علمی حیثیت حاصل ہے؛ انہی میں ایک سے اہم ہستی ابوالوفا بوزجانی کی بھی ہے۔ یہ العباس کے نام سے مشہور تھے۔ ان کا نام معہد تھا سنہ ۳۲۸ھ مطابق سنہ ۹۴۰ع میں بوزجان میں پیدا ہوئے تھے جو ہزارہ اور نیشاپور کے مابین ایک چھوٹا سا شہر ہے † —

ابوالوفا نے علم الاعداد و حساب کی تعلیم اپنے چچا ابو عمرو مغازلی اور اپنے ماموں ابو محمد الفہمید ابن عبدسہ سے پائی تھی۔ ابو عمرو مغازلی علم ہندسہ میں ابو یحییٰ ماوردی اور ابوالعلاء ابن کرنیپ کے شاگرد

\* صالح زکی۔ آثار ہائیدہ جلد اول صفحہ ۱۵۴ — † کاجوری تاریخ الرہیات

صفحہ ۱۲۳ — ‡ معجم البلدان جلد اول صفحہ ۳۰۲ —

تھے \*۔ جب ابوالوفا بیس سال کے ہو گئے تو بوزجان ترک کر کے بغداد میں سکونت اختیار کی اور وہاں اکثر کتابیں تالیف کیں —

ابوالوفا نے تاریخ وفات میں اختلاف ہے، کتاب قاسوس الاعلام کی روایت سے ان کا سال وفات سنہ ۲۷۶ھ اور مدفن بوزجان معلوم ہوتا ہے اور کتاب آثار باقیہ میں سنہ وفات سنہ ۳۸۸ھ اور مقام وفات بغداد درج ہے۔ آخری روایت سے ابن قفطی نے بھی استناد کیا ہے اور اپنی کتاب اخبار العلماء باخبار الحکما میں لکھا ہے ”پھر ابوالوفا بغداد ہی میں مقیم رہا یہاں تک کہ ۳ رجب ۳۸۸ھ کو وفات پائی“†۔ اور ہمارے نزدیک بھی دونوں روایتوں میں سے دوسری ہی کو ترجیح ہے۔ جس کے کئی وجوہ ہیں۔ ابن خلکان نے وفیات الاعلام میں پہلی روایت کو لیا ہے مگر مقام وفات کا ذکر نہیں کیا۔ ابن ندیم نے کتاب الفہرست میں اس کے متعلق کچھ نہیں لکھا۔ کتاب الاعلام مولفہ خیرالدین زرکلی کی روایت ہے کہ ابوالوفا نے بغداد میں ۳۷۶ھ میں انتقال کیا مگر انہوں نے اس روایت کا ماخذ نہیں لکھا۔ ان کے سوا انگریزی و امریکی مورخین کو لیا جائے تو یہ دوسری روایت کے موافق ہیں لہذا ہم بھی عدم صحت اور عدم وثوق کی وجہ سے پہلی روایت کو نظر انداز کر کے دوسرے کو اختیار کرتے ہیں۔ اور اب نفس مضمون پر قلم اُٹھاتے ہیں —

ابوالوفا ان گنتی کے علما میں تھے جو فلکیات و ریاضیات کے

\* ابن الندیم - الفہرست صفحہ ۳۹۵ —

† اخبار العلماء باخبار الحکما مطبوعہ سنہ ۱۳۲۶ھ صفحہ ۱۸۹ مولفہ

مجمع البحرین یا ان دونوں علوم کے مسلحہ و متبحر عالم تھے۔ انہوں نے ان علوم پر بلند پایہ کتابیں لکھیں جن کا ذکر مجملہ اس مضمون میں کسی جگہ درج کیا گیا ہے اور بعض کتابوں کے اہم حصوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

یورپ کے بعض بلند رتبہ علمائے ریاضی نے ان کی نسبت اعتراف کیا ہے کہ یہ عالم ہندسہ کے فاضلوں میں سب سے زیادہ کامل الفی اور مشہور تھے۔ ابن خلکان نے ان کے حالات میں لکھا ہے کہ ”ابوالوفا نے علم ہندسہ میں عجیب و غریب مسائل کا استخراج کیا ہے جو اس سے پہلے کسی نے نہ کیا تھا اور اوتار (جہج و تر) کے استخراج میں بھی ایک نہایت عمدہ کتاب تالیف کی تھی \*۔

بغداد میں ابوالوفا نے اپنی ساری زندگی تالیف و رصد و تدریس میں گزار دی۔ ان کا تمام وقت علمی مشاغل کے لیے وقف تھا۔ وہ تھوڑے ہی دنوں میں اپنی بے لوث علمی خدمت اور زبردست عالی دماغی کی بدولت بغداد کے ممتاز ترین علما میں شمار ہونے لگے اور ریاضی میں ان کی شخصیت نہایت اعلیٰ تسلیم کر لی گئی۔ اس کا اظہار اس طرح ہوا کہ ابوالوفا، رصد خانہ سوائے شرف الدولہ کے رکن بنائے گئے + جو شرف الدولہ نے خود بڑے اہتمام سے بنایا تھا۔ ابوالوفا کو اس کی رکنیت سنہ ۳۷۷ھ میں حاصل ہوئی۔

ابوالوفا کو سبائی مثلثات میں بہت شغف تھا، وہ بڑے انہماک و توجہ

\* وفیات الاعیان جلد دوم صفحہ ۸۱ - † حلاوت و فہیات الامہان کے کتاب

آثار باقیہ جلد اول صفحہ ۱۶۶ اور تاریخ ریاضیات صفحہ ۱۰۵ سے بھی اس راوی کی

کے ساتھ اس موضوع پر تحقیقات و اختراع میں مصروف رہتے تھے۔ ان کے اس الہام کی بدولت اس شعبہ میں بہت سی نئی معلومات و اکتشافات کا اضافہ ہوا۔ جس سے نہ صرف انہوں نے بلکہ یورپ کے بیگانوں نے بھی خاطر خواہ استفادہ کیا۔ اور ابوالوفا کے علمی احسانات کا اعتراف کرتے ہوئے نسیم کیا کہ ابوالوفا پہلے ریاضی دان ہیں جنہوں نے سب سے پہلے مثلثات میں مہاس کو داخل کیا (\*) —

اس بیان کے آخری جزو کے متعلق علامہ ابوریحان البیرونی کا قول ہے " اس شکل ( شکل ظلی یا مہاس ) کے استنباط میں سبقت بلا اختلاف ابوالوفا ہی کے حصہ میں آئی تھی + "۔ ابوالوفا کے متعلق یہ بھی مشہور ہے کہ انہوں نے مثلثوں اور زاویوں کے قیاس میں مہاس اور قواطع و نظائر وغیرہ کو سب سے پہلے استعمال کیا تھا۔ یورپ کے ایک ریاضی دان کا قول ہے کہ ابوالوفا نے کل اعداد، مثلثات اور ریاضی جداول کے عمل کو مہاس اور نظیر مہاس کے قاعدہ میں داخل کر لیا تھا +۔

جیبی جداول ریاضیہ کے عمل کا طریقہ بھی ابوالوفا ہی کا ایجاد کیا ہوا ہے۔ اس میں انہیں اتنی کامیابی ہوئی کہ انہوں نے زاریے کے جیب کی صحیح قیمت نصف درجہ سے تقریباً نو درجہ اشاریہ تک دریافت کر کے اہل ریاضی کو حیران کر دیا §۔ ریاضیات کی انگریزی کتابوں میں شکل

\* انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا بیان مثلثات ( Trigonometry )

+ صالح زکی آثار باقیہ جلد اول صفحہ ۵۴

‡ بول - مختصر تاریخ الرياضیات سنہ ۱۸۸۱ ع صفحہ ۱۵۵

§ گجری - تاریخ الرياضیات صفحہ ۱۰۶

کے متعلق ابوالوفا کا ایک مقالہ عمل ہندسی (Geometric Construction) کے نام سے ملتا ہے جس کا اصل عربی نام اور ترتیب یا ہندسی بنا کا حال معلوم نہ ہو سکا \* -

ان مسلمات کی بنا پر اگر یہ استدلال کیا جائے کہ عرب دنیا کی پہلی قوم ہے جسے سطح کرہ پر شکل بنانے کا اصول معلوم ہوا تو یہ استدلال ذرا بھی بیجا اور نادرست نہ ہوگا اور اس کی شہادت تاریخ سے ملتی ہے کہ عربوں نے اس اصول کو معلوم کر کے سرسری نظر سے نہیں دیکھا اور اسے نظر انداز نہیں کیا بلکہ اس پر قابو پا کر اس میں نمایاں ترقی کی اور امتیازی سہارت پیدا کر کے اسام فن بن گئے ۔

حرکت قمر میں بعض قسم کے خلل معلوم کرنے کی مہم بھی عربوں ہی کی سر کی ہوئی ہے ' مگر اس کے منسوب کرنے میں اہل مغرب کو اختلاف رہا ہے ۔ بعض یورپین ریاضی دان اسے قیخوبراہی کی طرف منسوب کرتے تھے اور بعض ابوالوفا سے نسبت دیتے تھے +۔ شکر ہے کہ کچھ مدت پہلے یہ اختلاف بھی رفع ہو گیا اور یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ اس اکتشاف کا سہرا فقط ابوالوفا کے سر ہے +۔

ابوالوفا کی سہارت ریاضی کا ایک کارنامہ یہ بھی قابل ذکر ہے کہ انہوں نے چوتھے درجہ کے معادلات کو بھی نہ چھوڑا اور دو معادلوں کا ہندسی حل کر دیا ۔

ابوالوفا نے دسویں صدی عیسوی کے اصف میں علم حساب میں ایک

\* کاجری تاریخ الرياضیات صبحہ ۱۰۶

+ فنڈیک - العلم الہیئۃ صبحہ ۱۲۷ + کاجری تاریخ الرياضیات - صبحہ ۱۰۵

کتاب لکھی جس میں ہندی رتھین استعمال نہیں کیں \*۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ رتھیں حررت سے لکھتے تھے مگر ایسا عمل علمائے عرب میں ابوالوفا کے سوا کسی نے نہیں کیا۔ اگر کیا بھی تو اس کی حیثیت الشاذ کا الہعدوم کی ہے۔ مثلاً ایک نام کرخی کا اور ملتا ہے جس نے ابوالوفا کی طرح ہندی رتھیں لکھنا چھوڑ دی تھیں —

ایسا کیوں تھا، اس کی تشریح کانتور (Cantor) نے خوب کی ہے۔ وہ کہتا ہے اس زمانہ میں اعداد کی کتابت کے دو مختلف مذہب پائے جاتے تھے۔ ایک کے یہاں ہندی طریقہ رائج تھا دوسرا یونانی طریقے کا اتباع کرتا تھا۔ یہ دونوں یعنی ابوالوفا اور کرخی انہی لوگوں میں سے ہیں جو یونانی طریقے کے پیرو تھے +۔ بہر حال کانتور کے سوا اور علما کو ابوالوفا اور کرخی کے ہندی رقم ترک کرنے کا سبب معلوم نہ ہو سکا اسی لیے ہمیں عرب تذکرہ نویسوں کے یہاں اس خصوص میں کوئی بحث نہیں ملتی —

ابوالوفا کی بعض کتابیں | ابوالوفا نے اپنی بے نظیر قابلیت اور خدا داد روشن دماغی سے کام لے کر قالیفات کی شکل میں جو غیر

فانی اور قادر علمی ذخیرہ فراہم کر دیا تھا وہ دنیاۓ علم کے لیے ہمیشہ فخر و قازے کا سرمایہ بنا رہے گا۔ اہل علم و فضل اس کی ان کوششوں کو کہوی فراموش نہ کریں گے جو اس نے ریاضیات کی کتھیوں کے سلجھانے میں کیں اور آئندہ نسلوں کے لیے قابل ذکر سہولتوں کا دروازہ کھول دیا —

\* کاجری تاریخ ریاضیات طبع قدیم صفحہ ۱۰۷

+ کاجری تاریخ ریاضیات - طبع قدیم صفحہ ۱۰۷

چوتھی صدی ہجری یا دسویں صدی عیسوی کا زمانہ و زمانہ تھا جس میں علمائے ریاضیات کی کوششیں بڑی حد تک عملی صورت میں عوام کے سامنے نہ آئی تھیں۔ ریاضی اور اس کے رموز و دقائق زیادہ تر علما تک محدود تھے۔ اس وقت تک یہ فن ہموں حیثیت سے سب کے لیے کار آمد نہ بن سکا تھا۔ ابوالوفا کی ضرورتوں نے اس وقت کو پالیا اور عوام کی رہنمائی کے لیے ایک کتاب الہمازل فی الحساب کے نام سے لکھی \*۔ یہ کتاب اس دور کے لیے نہایت اہم اور بے حد ضروری تھی۔ لوگ ایسی کتاب کے لیے چھم ہوا تھے۔ جو مشکلات حساب کے حل کرنے میں مدد دیتی اور وقت بے وقت پریشانی و سرگردانی سے بچاتی۔ جب ابوالوفا کی یہ کتاب مرتب ہو گئی تو سب نے اسے اپنی نوعیت کی پہلی اور مفید ترین کتاب سمجھ کر اس کی بیش از بیش قدر کی۔ اور اس سے کتابوں اور مکتبوں کی بہت سی دشواریاں دور ہو گئیں۔ اس زمانہ کے سادہ کار اور لیں دین کرنے والے ہموں اسی کتاب سے مدد لیتے اور اسی کے اصول پر تمام معاملات کا دار و مدار رکھتے تھے۔ مولف کے بعد بھی بہت دن تک حساب پیشہ اصحاب اسی کتاب کو شمع ہدایت بنائے رہے۔

”الہمازل فی الحساب“ سات بابوں پر تقسیم تھی اور ہر باب کا نام منزل رکھا تھا۔ یہ ابواب حسب ذیل تھے۔

پہلی منزل	نسبت کے بیان میں
دوسری منزل	ضرب و تقسیم کے بیان میں
تیسری منزل	مساحتوں کے بیان میں

چوتھی منزل	اخراج کے ہمال میں
پانچویں منزل	مقاسات کے اہمال میں
چھٹی منزل	حررت کے دہان میں
ساتویں منزل	معاملات تجارت میں *

یہ کتاب تو حساب کے لیے مخصوص تھی۔ اس کے دلاوہ فن جبر و مقابلہ میں بھی ابوالوفا کی دو کتابوں کا حال معلوم ہوا ہے۔ ایک کا نام تفسیر دیوفانتس (Diophantus) اور دوسری کا نام تفسیر ابرخس ہے۔

مولف کتاب آثار باقیہ نے دوسری کتاب کے نام کے متعلق لکھا ہے "ابوالوفا نے جس کتاب کی تفسیر لکھی ہے اس کے نام میں اختلاف ہے۔ فہرست العلوم کے بعض نسخوں میں ابرخس کا نام ابوحنسن کی طرح + لکھا ہے اور تاریخ الکما کے بعض نسخوں میں ابو یحییٰ یا ابن یحییٰ درج ہے۔ ایک فہرست میں ابرخس پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے "ابرخس کی ایک علمی یادگار "کتاب التعریفات" کے نام سے مشہور ہے۔ اس کتاب کا ترجمہ و تصحیح ابوالوفا نے کی ہے اور بعض ہندسی دلائل سے اُس کی شرح بھی لکھی ہے۔"

اگر آخری قول کو تسلیم کر لیا جائے جس کے قرائن موجود ہیں تو ابوالوفا کی مذکورہ بالا تفسیر بعینہ کتاب ابرخس کی تفسیر ثابت ہوتی ہے۔ رہے ابو یحییٰ جن کا ذکر تاریخ الکما میں ابرخس کے بجائے آیا ہے تو یہ غالباً ابو یحییٰ ماوردی ہوں گے جنہوں نے ابوالوفا کے استاد کو حساب و

\* ابن النہیم الذہری ص ۳۹۴ -  
+ غالباً فہرست العلوم کے مولف نے ابرخس اور ابوحنسن میں تشابہ کی وجہ سے غلطی کی ہے۔



ہندسہ کی تعلیم دی تھی مگر اس قول پر حصر دشوار ہے ۔  
ابن ندیم کی کتاب الفہرست میں ابرخس کی نسبت لکھا ہے " اس  
کی مصنفات میں ایک کتاب صلاعات الجبر ( علم جبر و مقابلہ ) کے متعلق ہے ۔  
اس کتاب کی نقل و اصلاح ابوالوفا محمد ابن محمد الحاسب نے کی اور  
اس کی ایک شرح بھی لکھی جس میں ہندسی براہین و دلائل سے اصول  
کتاب کی تفسیر و تعلیل درج کی ہے " † —

ابرخس کی اسی کتاب کو صاحب کشف الظنون نے ' ابوالوفا کے مصنفات  
میں کتاب الحدود کے نام سے لکھ کر ظاہر کیا ہے کہ یہ کتاب حکیم ارسطیقوس  
یونانی کی کتاب کا عربی ترجمہ ہے ' اسے کتاب الجبر بھی کہتے ہیں ۔ ابوالوفا  
نے ترجمہ کے علاوہ اس کی اصلاح اور تشریح و تعلیل بھی کی ہے ۔  
صناعوں اور دستکاروں کے ابوالوفا کی مولفات میں اوپر منازل الحساب کا ذکر  
لیے ایک مفید اور کتاب ہو چکا ہے جو افادیت کے نقطہ نظر سے اپنی قسم  
کی پہلی کتاب تھی ۔ اب ایک اور مفید تالیف کا ذکر کیا جاتا ہے جو  
ابوالوفا نے صناعتوں اور دستکاروں کی سہولت اور ان کی فائدہ رسانی کے  
خیال سے ہندسی اعمال کے موضوع پر لکھی تھی ۔ یہ کتاب بھی نہایت  
کارآمد اور اچھی تھی ۔ اس کا زمانہ تالیف سنہ ۳۸۰ ھ اور سنہ ۳۸۸ ھ  
کے مابین ہے ۔ اس کی تالیف میں بہاء الدواء کے ایما کو بھی دخل تھا  
اور وہ چاہتا تھا کہ اہل صناعت کو جو دشواریاں بالعموم پیش آتی رہتی  
ہیں وہ کسی ماہر فن ریاضی دان کی ہمت سے دور ہو جائیں ۔ چونکہ یہ  
کتاب ایک طبقہ کے لیے مخصوص تھی اس لیے ابوالوفا نے اسے ریاضی دلائل

نے خالی رکھا۔ اس کا ایک نسخہ اب بھی جاسح ایا صوفیہ کے کتب خانہ میں محفوظ ہے —

اس کتاب کا نام صاحب کشف الظلمون نے کتاب الہند سے لکھا ہے اور ظاہر کیا ہے کہ اس میں مسطر ، گونیا اور پرکار اور اشکال هندسی کے طریقے بہت شرح و بسط سے لکھے ہیں اور کتاب کو تیسرا ابواب میں تقسیم کیا ہے — اس کتابوں کے علاوہ ابوالوفا نے اور مفید کتابیں بھی لکھی تھیں جن میں سے بعض کا ذکر ابن الدیم نے کتاب الفہرست میں کیا ہے ۔ ذیل میں ان کے نام درج کیے جاتے ہیں —

۱ - تفسیر کتاب الخوارزمی فن جبرو مقابلہ میں

۲ - کتاب الہد خل الارثا طیقی

۳ - ایک نامعلوم الاسم کتاب جو کتاب الہد حل سے پہلے حفظ کرنے کے لیے لکھی تھی —

۴ - ایک نامعلوم الاسم کتاب جس میں دیوفنطس کے استعمال کیے ہوئے قضایا کے دلائل و براہین پر بحث کی ہے

۵ - کتاب معرفۃ الدائرہ فلکیات میں۔

۶ - کتاب الکامل یہ کتاب تین مقالوں میں تقسیم ہے

( پہلا مقالہ ) ان امور کے بیان میں جن کا جاننا حرکات کواکب کا علم حاصل کرنے سے پہلے ضروری ہے

( دوسرا مقالہ ) حرکات کواکب کے بیان میں

( تیسرا مقالہ ) ان امور کے بیان میں جو حرکات کواکب کو لاحق ہوتے ہیں

۷ - کتاب استخراج ضلع الکعب

ان کتابوں کے علاوہ ابوالوفا کی جن کتابوں کا حال کتاب ابن القفطی، کتاب اخبار العلماء، باخبار العلماء اور کتاب آثار باقیہ میں ملتا ہے ان کے نام یہ ہیں —

۱ - کتاب العمل بالجدول المتینلی۔

۲ - کتاب استخراج الاوتار۔

۳ - کتاب الزیج الشامل۔

۴ - کتاب المجسطی۔

آخر الذکر کتاب ابوالوفا کی نہایت مشہور یادگار ہے اور اس کا ایک ناقص نسخہ پیرس کے وطنی دارالعلوم میں محفوظ ہے، غالباً یہ نسخہ سنہ ۳۷۷ھ کے بعد تالیف ہوا تھا —

مضامات ابوالوفا کی یہ فہرست اور اس کے سوانح زیادہ تر قدری حافظ طوفان کے ایک مضمون مطبوعہ المقتطف سے ماخوذ ہیں۔ مگر ہمیں اس کے چند حصوں سے اختلاف ہے جنہیں یہاں واضح کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ مگر فاضل مضمون نگار نے ابوالوفا کے حالات میں لکھا ہے کہ ”ہندی رقموں کا استعمال ابوالوفا اور کرخی کے سوا کسی نے نہیں کیا“۔ یہ بیان محلِ تامل ہے۔ کیوں کہ ابوالوفا اور اس سے پہلے عموماً حروف سے اعداد کا کام لیا جاتا تھا۔ ہندی رقم کا استعمال تو ہروج اسلام کے کئی صدی بعد ہوا۔ اس وقت تک علماء ریاضی بالعموم یونانی طریقہ کا اتباع کرتے تھے۔ چنانچہ بعض زیچیں اور ریاضی کی جدولیں جو تیسری صدی اور اس سے پہلے کی بنی ہوئی ہیں ان میں حروف ہی اعداد کے بجائے لکھے ہوئے ہیں۔ مصر کے عجائب خانہ میں تیسری صدی ہجری کا بنا ہوا ایک اصطرباب اب بھی محفوظ ہے جس میں تمام اعداد

حروٹ کی صورت میں منقوش ہیں۔ جرجی زیدان نے تاریخ آداب اللغة العربیہ میں اس کا فوٹو بھی شائع کیا ہے —

اس کے علاوہ مضمون متذکرہ بالا میں کتاب الکامل اور کتاب الزیج الشامل کو دو جداگانہ کتابوں کی حیثیت سے درج کیا ہے۔ حالانکہ کتاب الکامل سرے سے ابوالوفا کی تالیف ہی نہیں ہے بلکہ اصل میں اس کی کتاب الزیج الشامل ہے، اس کی شرح کا نام کتاب الکامل ہے جو سید حسن ابن علی القومناقی نے لکھی تھی۔ اس سے پہلے سید حسن کے باپ سید علی القومناقی اسی زیج کی شرح لکھ چکے تھے۔ پھر سید حسن نے سلطان یلدرم بایزید کے لیے کتاب الکامل لکھی —



## دلچسپ اقتباسات

### (حضرت آدم و حوا کا قصہ اور آثار قدیمہ)

حضرت آدم و حوا کا قصہ کتب مقدسہ تورات و انجیل وغیرہ میں مذکور ہے، اور نصوانی علما کا اس خیال پر اتفاق ہے کہ سفر تکوین جس میں یہ قصہ بیان کیا گیا ہے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے تقریباً سنہ ۱۷۰۰ قبل مسیح میں تحریر فرمایا تھا۔ حال ہی میں کچھ آثار تقریباً دو ہزار سال پہلے کے بعض ماہران آثار قدیمہ کو ایسے دستیاب ہوئے ہیں جن پر حضرت آدم و حوا کا قصہ منقوش ہے —

یہ قصہ حقیقی ہو یا مجازی، اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ اس کی اشاعت قدیم ترین زمانہ سے ہوتی چلی آئی ہے۔ اخلاص اپنے اسات سے اس روایت کو بتواتر نقل کرتے رہے ہیں۔ یہ قصہ تورات میں جس فہم سے مسطور ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ”اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کر کے ان کی فاک میں روح پھونکی۔ پھر ان کی رفاقت کے لیے حضرت حوا کو پیدا کیا۔ جس کی شکل یہ ہوئی کہ حضرت آدم پر فیئد طاری فرمائی۔ جب وہ سو کر اٹھے تو اپنے ایک جانب حوا کو پایا۔ حضرت آدم ان کے ساتھ جنت میں عیش و آرام سے بسر کرتے رہے۔ جنت

میں جتنے پھول پھل اور میوے وغیرہ تھے ان میں سے کوئی چیز ان کے ایسے مہلوع نہ تھی ۔ البتہ ایک درخت کو چھونے اور اس کے پھل کھانے کی سخت ممانعت تھی جو خیر و شر کی معرفت کا درخت تھا ۔ اس ممانعت نے دونوں کے دل میں اس کے پھل کھانے کی حرص پیدا کر دی ۔ اس سے شیطان نے فائدہ اٹھایا اور سانپ کی صورت بن کر حضرت حوا کے پاس پہنچا اور انھیں شجر مہلوعہ کے پھل کھانے کی ترغیب دی ۔ حضرت حوا اس کے بھکانے میں آگئیں ۔ اس کے پھل خود بھی کھائے اور حضرت آدم کو بھی لالچ دلا کر کھلائے ۔ اس نافرمانی سے دونوں پر خدا کا غضب نازل ہوا ۔ یہ جنت سے نکال دیے گئے اور زمیں بھی ان کے وجہ سے لعنت میں مبتلا ہو گئی ۔“

جزئیات کو چھوڑ کر نفس روایت قرآن کریم میں بھی تقریباً اسی طرح مذکور ہے اور دوسری اقوال قدیمہ کے یہاں بھی کم و بیش اسی قسم کی تفصیل پائی جاتی ہے ۔ بہر حال قصہ کا خلاصہ جو زیادہ سے زیادہ ہو سکتا ہے اتنا ہی ہے جو اوپر بیان ہوا ، اب مضمون کے دوسرے اجزا سے بحث کی جاتی ہے —

علمائے آثار کا اتفاق ہے کہ انسان اول کا ظہور ان مشہور شہروں میں ہوا جو دو دریاؤں کے مابین واقع تھے اور روایات توریت کے تھام قرینے اس پر دلالت کرتے ہیں کہ باغ عدن ، خواہ اس سے مکان حقیقی مراد ہو یا مکان مجازی ایسی ہی جگہ تھا ۔ اس مقام کی آب و ہوا وہاں کے چشمے اور کھوئیں اور پھل پھول وغیرہ سب چیزیں انسانی رغبت کے لحاظ سے بہترین تھیں —

حضریات کی تازہ خبروں سے معلوم ہوتا ہے کہ علمائے آثار کو

کچھ چیزیں ایسی دستیاب ہوئی ہیں جن سے قصہ آدم و حوا کی کابل تائید ہوتی ہے۔ یہ اشیاء ایسے شہر کے کھنڈروں میں ملی ہیں جو بلاشبہ انسان کے آباد کئے ہوئے شہروں میں سب سے زیادہ قدیم ہے یعنی شہر ”قیب جورا“ جو چھ ہزار سال پہلے تعمیر ہوا تھا —

ان چیزوں میں ایک تھیکری کا ٹکڑا خصوصیت سے اہم اور قابل ذکر ہے، اس ٹکڑے پر ایک مرد اور ایک عورت کی شکل کندہ ہے۔ تصویر سے معلوم ہوتا ہے کہ رنج و ملال نے دونوں کی کمر جھکا دی ہے اور حزن و ملال کے آثار ان کے چہرے سے نمایاں ہیں۔ یہ دونوں جنت سے بربہ نہ نکلے ہیں۔ ان کے پیچھے ایک سانپ کھڑا ہوا ان کی نگرانی کر رہا ہے جو گویا ان کی نخوست کی تصویر ہے جس کی بدولت یہ مصیبت میں مبتلا ہوئے ہیں —

ان مرد اور عورت کا نام تو نہیں لکھا ہے لیکن تصویری قرائن دلاتے ہیں کہ یہ دونوں سانپ کے جال میں پھنس گئے تھے جو ان کے جنت سے نکالے جانے کا باعث ہوا۔ ورنہ اس سے پہلے عیش و راحت کی زندگی بسر کر رہے تھے —

اس امر کی تحقیق سے پتہ چلا ہے کہ جس نقاش نے اس شکل کو کندہ کیا ہے وہ تقریباً تین ہزار سات سو قبل مسیح یعنی اب سے کوئی پانچ ہزار سات سو برس پہلے موجود تھا۔ یہ زمانہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ تخلیق عالم اور قصہ آدم و حوا کے لکھنے سے دو ہزار سال پہلے کا ہے۔ تھیکری پر جو نقش بنا ہوا ہے وہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ یہ قصہ اس زمانہ میں بھی متداول تھا اور کچھ بعید نہیں کہ یہ قصہ اپنی نوعیت کا پہلا قصہ ہو جسے انسان نے اپنے جد امجد کی

سرگزشت کے طور پر نسل بعد نسل روایت کیا ہو اور اسے مختلف طریقوں سے محفوظ رکھنے کی سعی کی گئی ہو —

شہر ”تیب جورا“ جس کا اوپر ذکر کیا گیا بلاد بین النہرین کے شمال مشرق میں واقع ہے۔ جن لوگوں نے اس شہر کے کھنڈر دریافت کئے ہیں وہ ایک عالمی مہم کے ممتاز ارکان ہیں۔ یہ مہم امریکہ کے کئی کالجوں اور یونیورسٹیوں کے اہتمام سے ڈاکٹر سمیزز مشہور ماہر آثار کی سرکردگی میں بھیجی گئی تھی —

اس مہم کے کئی سال شہر ”اور“ کی کھدائی میں صرف ہوئے۔ یہ وہی شہر تھا جس کے متعلق گہان ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کا مولد تھا۔ اور اب سے پہلے یہ بھی خیال کیا جاتا تھا کہ ”اور“ ہی انسان کا بسایا ہوا قدیم ترین شہر ہے۔ جب یہ مہم شہر ”اور“ سے فارغ ہوئی تو دوران تلاش میں اسے شہر ”تیب جورا“ کے کھنڈروں کا پتہ ملا جن کی کھدائی سے واضح ہوا کہ یہ شہر تو کلدانیوں کے شہر سے بھی زیادہ پرانا ہے بلکہ علمائے آثار نے پورے تجسس اور فور کرنے کے بعد بعض چھوٹے قریوں، غاروں کو مستثنیٰ کر کے انسان کا قدیم ترین شہر ”تیب جورا“ ہی کو قرار دیا۔ ظاہر ہے کہ ایسی قدامت معلوم ہونے کے بعد حضرت آدم و حوا علیہما السلام کے قصہ والی ٹھیکری ماننے پر کوئی تعجب کی گنجائش نہیں رہتی —

جو لوگ نص تورات کے بنا پر اس عقیدہ کے قائل ہیں کہ باغ عدن بین النہرین واقع تھا ان کا عقیدہ توریت کی ان آیات سے ماخوذ ہے —

”شرقی عدن میں ایک باغ لگایا اور اس میں آدم کو رکھا۔

عدن سے ایک دریا نکلتا تھا جو اس کو سیراب کرتا تھا اور



وہاں سے تقسیم ہو کر اس سے چار دریا بہنے لگے تھے۔ ایک دریاے فیشون جو سرزمین ”حویلہ“ کو محیط تھا جس میں سونا کوئل اور حجر الجزع (سنگ) پیدا ہوتا تھا۔ دوسرا دریاے جذعون جو سرزمین کوس کو احاطہ کئے ہوئے تھا۔ تیسرا دریاے حد اقل جو اشور کے جانب مشرق رواں ہے چوتھا

دریاے فرات۔ ( سفر تکوین الاصحاح ۲ : ۸ ) —

بعض مفسرین تورات کا خیال ہے کہ فیشون بھر ہند کا نام ہے۔ اور باغ عدن اس کے ساحل پر ہندوستان میں تھا۔ بعض کی رائے میں دریاے جیعوں، دریاے نیل ہے اور یہ جلت اس کے کنارے مصر میں بنی تھی۔ مگر جہور مفسرین کو اس سے اختلاف ہے۔ وہ بتا کید بیان کرتے ہیں کہ جنت عدن بین النہرین واقع تھی یعنی کسی ایک دریا یا سمندر کے ساحل پر نہ تھی۔ اس کا محل وقوع اور کے درمیان تھا —

جب ماہرین آثار نے ان دریاؤں کے مابین، کھنڈروں کی کھدائی شروع کی تو وہ اشور بابل اور بلاد کلدان کی تاریخ سے بہت کم واقف تھے۔ ان کی معلومات کا زیادہ حصہ تورات کے بیان تک محدود تھا۔ اسی سے ان شہروں کے تمدن قائم ہونے اور ان کے تباہ ہونے کا پتہ چلا تھا۔ مگر ان کے آغاز و انجام کی شرح و کیفیت اور مدت مرور وغیرہ کی تاریخ سے بالکل ناواقف تھے۔ یہی صورت، کنعانیوں، فلسطینیوں اور عبرانیوں کے تمدن کی تھی، جن کا تعلق کچھ نہ کچھ مذکورہ تمدنوں سے رہا ہے۔ گزشتہ صدی کے نصف آخر میں علما نے وحشی اقوام کے آثار کھودنا شروع کئے اور ان کی مدنیت کے اسرار معلوم کرنے کی سعی کی۔ اس میں انہیں قابل ذکر کامیابی ہوئی اور بکثرت آثار کا پتہ چلا۔ ان کے مطالعہ سے عبرانی

تہذیب کا وحشی اقوام کے تہذیب سے صحیح تعلق اور رشتہ معلوم ہو گیا۔ خصوصاً اشوری اور بابلی تہذیب کا ربط اچھی طرح آشکارا ہو گیا۔ دوران تحقیق میں ان قوموں کی تاریخ اور روایات کی نسبت بہت سی چیزیں معلوم ہوئیں۔ جن میں ایک قصہ طوفان بھی ہے جو انہیں تمام و کمال بابلیوں کے قصص میں حاصل ہوا تھا۔ اس قصہ میں نوح علیہ السلام کے نام کی جگہ ایک اور نام ”اوت نابشتیم“ درج تھا۔ ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل بابل، ارواح، ملائکہ، کروہیم، سرافیم وغیرہ کے وجود پر ایمان رکھتے تھے جو عبرانی مذہب کے مسلمات ہیں۔

علمائے آثار ان انکشافات کے بعد قصہ آدم و حوا علیہما السلام کے آثار پا کر چنداں حیران نہیں ہوئے۔ کیونکہ بابلی اور عبرانی تہذیب کے درمیان مضبوط علاقہ ہونے کی قوی دلیلیں پہلے سے موجود تھیں۔ علاوہ ازیں یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ ان قومی و مذہبی قصوں کا مصدر جلدی بابلی اور عبرانی نقل کرتے آئے ہیں اصل میں ایک ہو۔

چند سال ہوئے جب علمائے آثار کو ایسے آثار اور بھی دستیاب ہوئے تھے جن میں حضرت آدم و حوا کی حکایت کے غیر صریح اشارے پائے جاتے تھے۔ اور قرائن سے یہ ثابت ہوا تھا کہ حضرت آدم و حوا اور ان کے بھٹکنے کا قصہ اہل بابل کے یہاں بھی مشہور تھا۔ قرائن اور اشاروں کی حیثیت و شان الہیہ علما کے سامنے وجہ اختلاف رہی ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ قرائن اس قصہ پر صریحاً دلالت کرتے، بعض انہیں غیر صریح سمجھتے ہیں۔ بہر حال نفس دلالت

کے سب قائل ہیں —

بابلی اور عبرانی روایات کے درمیان جو ربط معلوم ہوا ہے اس کے مبدع و منشأ میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ مشہور ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل جن کے متعلق علمائے تورات کا بیان ہے کہ یہودیوں کی امت انھیں سے بنی، کلدانیوں کے شہر ”اور“ سے نکل آئے تھے۔ یہ شہر ان کا مولد و مسقط الراس تھا۔ چونکہ اس کا نام ہی ”کلدانیوں کا اور“ ہے جو خود اس پر دلالت کرتا ہے کہ حقیقت میں یہ شہر بابلی تھا اس لئے ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم کے ساتھ بابل کی بہت سی روایتیں اور قصے بھی عبرانیوں میں منتقل ہوئے ہوں گے۔ پھر یہودیوں مرور زمانہ سے ”ارض موعود“ میں کنعانیوں سے جا ملے ہوں گے —

کنعانی اور فلسطینی لوگ اپنے نسب کو اہل بابل سے منسوب کرتے آئے ہیں اور ان میں بابلیوں کے بہت سے قصے اور ان کے حالات جن میں مرور زمانہ سے تغیر و تعریف بھی ہوئی ہے، رائج ہیں۔ غالباً جب عبرانی کنعانیوں اور فلسطینیوں میں شامل ہوئے ہوں گے تو انھیں کنعانیوں میں بابلی عقائد و اخبار دیکھ کر کوئی تعجب نہ ہوا ہوگا —

اس موقع پر قدرتا یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خلقِ آدم و حوا اور ان کے بہتکلنے کا قصہ اہل بابل کو کیونکر پہنچا کہ انہوں نے اس قصہ کو نقوش کی صورت میں مرتب کر دیا۔ سر دست اس کا جواب مشکل ہے۔ غالباً مستقبلِ خود جواب دے لے گا۔ اس وقت تک جو کچھ ثابت ہے وہ یہ ہے کہ حضرت آدم و حوا کی پیدائش اور

ان کے غلطی میں مبتلا ہونے کا قصہ دنیاے بشریت کو کم از کم حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دو ہزار سال پہلے بھی معلوم تھا۔ بلکہ غالباً اس سے بھی بہت پہلے بنی نوع انسان میں متداول تھا۔

بہت زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ اہل بابل (۵۷۰۰) پانچ ہزار سات سو سال پہلے قہدن میں اس درجہ ترقی کرچکے تھے کہ اپنے قصص اور عقائد دینیہ کو ٹھیکروں پر نقش کر دیتے تھے۔ جس ٹھیکرے پر حضرت آدم و حوا کی تصویر کندہ ہے اس کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نقش نہایت باریک اور نفیس ہیں۔ حضرت آدم کی داڑھی نمایاں ہے، جسم برہنہ ہے، صرت سر پر ایک پوش ہے۔ وہ جنت عدن سے نکل کر جا رہے ہیں۔ حضرت حوا بھی برہنہ ہیں اور آدم علیہ السلام کو پکڑے ہوئے ہیں۔ دونوں کے بشرے سے ندامت و مسکنت کے آثار عیاں ہیں۔ غرض تصویر اپنے نقوش کے ذریعہ سے توریت کی پوری روایت کا منظر سامنے کر دیتی ہے۔

ڈاکٹر سبیز کو یہ تاریخی ٹھیکرا ”تھب جورا“ کے کھنڈروں میں ملا تھا جن کے تفحص سے واضح ہوا ہے کہ اس مقام کے طبقات پر آٹھ شہر اور آباد ہو کر معدوم ہو چکے ہیں۔ ان کھنڈروں میں علمائے آثار کو لوہے یا تانبے کے آلات و ظروف کا کوئی پتہ نہیں ملا۔ اس لئے شہر تیب جورا بلا شبہ حبری زمانہ میں تعمیر ہوا ہوگا۔ ان سب باتوں سے مجموعی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تیب جورا کے کھنڈر انسان کے دریافت کئے ہوئے کھنڈروں میں سب سے زیادہ قدیم ہیں۔ اس موقع پر یہ ذکر کر دینا بھی مناسب ہوگا کہ اس شہر کے کھنڈر ترقی یافتہ قہدن پر دلالت کرتے ہیں۔ ان کھنڈروں کے مزید حالات یہ ہیں۔

" شہر کے وسط میں ایک وسیع میدان ہے جس میں ایک بڑا مندر بنا ہوا تھا ۔ اس مندر کے پاس ایک مضبوط قلعہ تھا ۔ آثار سے ظاہر ہے کہ شہر کا جلوبی حصہ ٹونکروں کے سکونت کے لیے مخصوص تھا ۔ شہر کے لیے باقاعدہ سرکیں بنی ہوئی تھیں ۔ جن میں سے ایک شاہراہ عام بھی تھی ۔ "

یہ بھی ظاہر ہے کہ شہر کی تعمیر کرنے والے دور رس نگار رکھتے تھے ۔ مختلف اطوار اور تہذیب کے متلوع طرز پسند کرتے تھے ۔ انہیں جنگ کے وقت حصار سے کام لینے کا اصول معلوم تھا ۔ اسی لیے انہوں نے شہر کی فصحوں کے اندر پانی کی خندق بنا رکھی تھی جس کی گہرائی ایک سو فٹ سے زیادہ تھی ۔

شہر کے ہندسی آثار اس پر دلالت کرتے ہیں کہ اس قوم کا فن تعمیر نمایاں ترقی کرچکا تھا ۔ شہر کے مکانوں میں سے کوئی گھر کھڑکیوں ، چھجوں اور سناروں وغیرہ سے خالی نہ تھا ۔ یہ لوگ پل اور برجوں اور چوکیوں کی تعمیر کا راز جانتے تھے ۔ یہ تمام معلومات ان کے ذوق سلیم اور فنی مہارت کی شاہد ہیں ۔

## نیند کے اوہام و حقائق

امریکہ کے دو مشہور سائنس دان لایرٹ اور سولر فیند کے متعلق علمی نقطہ نظر سے بہت کچھ تحقیق کرچکے ہیں ۔ انہیں اسی سلسلہ میں

بہ کثرت حقائق معلوم ہوئے اور بہت سے اوہام کی لغویت کا ثبوت ملا ۔  
کچھ مدت ہوئی دونوں نے اپنی متفقہ تحقیقات کی رپورٹ شائع کی تھی ۔  
اس رپورٹ کا ملخص ذیل میں شائع کیا جاتا ہے —

نیند کے متعلق یہ بات بہت زیادہ مشہور ہے کہ سونے والا پہلے کھنٹہ  
میں بہت کھری نیند میں ہوتا ہے ۔ اتنی کھری نیند بعد کے دوسرے کھنٹوں  
میں نہیں ہوتی ۔ جو آواز اسے دوسرے کھنٹہ کی نیند سے بیدار کرنے کے  
لیے کافی ہوسکتی ہے وہ پہلے کھنٹہ کی نیند سے اٹھانے کے لیے کافی نہیں  
ہوتی ۔ اسی طرح یہ خیال بھی بہت عام ہے کہ نصف شب کے پہلے حصہ  
میں کھنٹہ بھر سو لیٹا نصف آخر میں دو کھنٹہ کی نیند کے برابر ہے ۔  
یہ خیالات بے بنیاد ہیں ۔ تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ اگرچہ انسان کی  
نیند پہلے کھنٹہ میں کھری ہوتی ہے تاہم جسم کے عضلات دوسرے اور  
بعد کے کھنٹوں میں زیادہ تھیلے اور سست ہوتے ہیں ۔ اس سے کم سے  
کم یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جسم کی چستی و تازگی کم اور پست ہورہی ہے ۔  
یہی کمی اور پستی کھری نیند کی لازمی شرط ہے ۔ حقیقت میں نیند کی  
حالت مدت کے لحاظ سے بہت اہم ہے ۔ اگر نیند سیٹھی اور کھری ہو تو  
چار کھنٹہ کی نیند سے اتنا فائدہ ہوتا ہے جتنا نو کھنٹہ کی اچات نیند  
سے نہیں ہوتا —

ریاضت اور نفسی اثرات | تحقیقات سے معلوم ہوا کہ سونے سے پہلے بدنی  
ریاضت کرنے سے اونگھ غائب اور نیند اچات  
ہو جاتی ہے ۔ صبح کو جب آدمی سوکر اٹھتا ہے تو ہلکوں پر نیند کا  
بوجھ محسوس کرتا ہے ۔ فکری و دماغی ریاضت و محنت کا معاملہ اس  
کے برعکس ہے ، کیونکہ سونے سے پہلے قوالے فکریہ سے کام لیٹا نیند پر

کوئی ناگوار اثر نہیں ڈالتا۔ یہ حقیقت ہے کہ جب انسان کی نفسی حالت سوتے وقت پر سکون ہوگی، اسے کسی نوع کی پریشانی یا کوفت نہ ہوگی تو اسے نیند بھی آرام و سکون سے آئے گی۔ اور اگر سوتے وقت کسی خوت یا آئندہ مصیبت و افتاد کے امیدوار ہوتے ہیں تو انہیں میٹھی نیند سونا نصیب نہیں ہوتا۔

بالغ نظر اشخاص کی رائے میں بے خوابی کے بھوک اور غذا کا نیند پر اثر اہم اسباب تین ہیں۔

(۱) ایسی غذا استعمال کرنا جو معدہ کے لیے نامناسب ہو

(۲) کھانا، فاکانی کھانا

(۳) دیر ہضم اور بے مشکل ہضم ہونے والی غذا استعمال کرنا۔

ان میں سے ہر سبب بے خوابی کا باعث ہے اور انسان کو میٹھی نیند

سے محروم کر دینے کے لیے کافی ہے۔

معدہ کا کام کھانا ہضم کرنا ہے۔ اس لیے وہ کھانے کے تقریباً چار گھنٹہ

بعد خالی ہو جاتا ہے۔ کوئی شخص دن کا کھانا صبح کو آٹھ بجے کھاتا ہے اور رات

کا شام کو سات بجے۔ ایسی صورت میں اس کا معدہ رات کو گیارہ بجے کے

قریب خالی ہو جائے گا اور نو گھنٹے تک مسلسل خالی رہے گا۔ اس کا

لازمی نتیجہ بے خوابی ہوگا۔ بالفرض اگر ایسا شخص سوتے میں کامیاب ہوا

تو بھی اسے آرام کی اور میٹھی نیند نہ آئے گی اور صبح کو جب اٹھے گا تو اس

کی طبیعت سخت مکدر رہے گی اور دن بھر نیند کا غلبہ رہے گا۔

برخلاف اس کے اگر رات کا کھانا دیر کر کے کھایا جائے اور اس کا خیال

رہے کہ غذا زود ہضم ہو اور بستر پر جانے سے پہلے معتدل حواریت کا کوئی

میٹھا شربت، دودھ یا ہلکی چائے وغیرہ پی لی جائے تو نیند خوب آئے گی۔

جن عصبی مزاج اشخاص کو چاہے خصوصیت سے نقصان پہونچاتی ہو، انہیں چھوڑ کر باقی سب کے لیے رات کے کھانے کے ساتھ چاہے اور قہوے کا استعمال بہت مناسب ہے۔ اس سے بے خوابی بالکل نہ ہوگی —

چاہے اور قہوے کے متعلق بہت سے اشخاص اسی وہم میں مبتلا ہیں کہ رات کو اس کا استعمال بے خوابی کا باعث ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ وہم بے بنیاد ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جو بے خوابی کہی کہی کسی محرک چیز کے استعمال کرنے والوں کو ہو جاتی ہے اس کا سبب یہ چیز نہیں بلکہ کچھ اور ہوتا ہے۔ مثلاً افراط حرکت یا سونے سے پہلے زیادہ دیر تک لہو و لعب میں مشغول رہنا - وغیرہ - اگر اس قسم کی حرکات سے بے خوابی کی شکایت ہو جائے۔ تو اس کا بہترین علاج یہ ہے کہ گرم حمام کھا جائے۔ اس سے بہت فائدہ ہوا اور نیند اچھی طرح آنے لگی —

کمرے کی فضا | کمرے کی فضا کو نیند کے ساتھ بڑا لگاؤ ہے۔ اسی طرح جسم کے درجہ حرارت کو بھی اس باب میں نمایاں اہمیت حاصل ہے۔ اگر کوئی کہے کہ کمرے کی فضا اس حد تک سرد ہونا چاہئے کہ لعنت یا بیماری کھل وغیرہ اڑھنے کی حاجت ہو تو اس کا یہ کہنا بڑی جہالت کی دلیل ہے۔ کیونکہ اڑھنے کی یہ چیزیں سوتے میں عضلات کے اچھی طرح پھیلنے میں مزاحم ہوتی ہیں اور بدن پوری طرح تھیلنا ہونے اور کافی آرام پانے سے قاصر رہتا ہے۔ اسی طرح اگر کمرے بہت سرد ہو اور اڑھنے کے لیے اتنی ہلکنی پوشش سے کام لیا جائے کہ جسم میں معتدل گرمی نہ آئے تو جسم ضرور مناسب درجہ حرارت قائم رکھنے کے لیے غیر معمولی جد و جہد کرے گا اور جب آدمی سوکر اٹھ گا اور اسے سردی محسوس ہوتی ہوگی تو اسے خود معلوم ہو جائے گا کہ وہ آرام کی نیند نہیں سہا —



تجربات نے ثابت کر دیا ہے کہ جو تھڑ آواز سونے والے آواز اور روشنی کے قریب ہلکے ہوتی ہے وہ اس کے عضلات پر ضرور اثر کرتی ہے اور قریب قریب اسے بیدار کر دیتی ہے۔ جو لوگ تراسوں اور ریلوں کی پٹری کے قریب سوتے ہیں یا اس طرح کے اور مواقع پر سونے کی کوشش کرتے ہیں انہیں جیسی چاہئے ویسی آرام کی نیند نہیں آ سکتی۔ خواہ انہیں ٹرینوں اور مختلف سواریوں کے جھٹکے برداشت کرنے کی عادت ہو کیوں نہ ہو اور وہ سوتے ہیں ان جھٹکوں سے بیدار ہوتے ہوں یا نہ ہوتے ہوں۔ یہی صورت روشنی کی ہے کیونکہ اس کی شعاعیں سونے والے پر ضرور اثر انداز ہوتی ہیں اور اکثر نیند آنا دیتی ہیں۔ تجربات سے ثابت ہو چکا ہے کہ روشنی سونے کے کمرے کی فضا میں نہایت سرعت سے گزرتی ہے اور اس کے اثر سے سویا ہوا شخص بے چین ہونے لگتا ہے۔ گو ظاہر میں خود اسے اس کا واضح اور نمایاں شعور نہیں ہوتا —

اس سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ کمرے کا رنگ بھی نیند پر خاصہ موثر ہے اور یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ نیند کی نوعیت اور راحت بعضی سے رنگوں کو بڑا تعلق ہے۔ اگر کمرے کا غالب رنگ ساڈل، بے سبز یا سفید ہوگا تو اچھی طرح آئے گی اور اگر گہرا سیاہ یا کوئی اور گہرا رنگ ہوگا تو اس کا اثر برعکس ہوگا یعنی نیند اچانک رہے گی —

لباس اور جسم کی وضع | نیند کی نسبت سے لباس کا معاملہ بھی کچھ کم اہم نہیں ہے۔ بعض لباس اس وضع کا ہوتا ہے کہ اس سے اعضا کو اچھی طرح پھیلانے اور آرام لینے کا موقع نہیں ملتا اور بعض آرام دہ ہوتا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ جو لوگ سوتے وقت کپڑے بالکل اتار دیتے ہیں انہیں خوب گہری نیند آتی ہے —

تخت یا پلنگ پر سوتے وقت کسی خاص وضع یا کروت سے لیٹنے کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ کیونکہ جسم حالت خواب میں تقریباً ہر پندرہ منٹ میں ایک وضع سے دوسری وضع پر ہوجاتا ہے۔ طبیعت خود اسے مناسب وضع پر متوجہ کردیتی ہے۔ اس لیے سونے والے کبھی پیت پر کبھی پیٹھ پر سوتے نظر آتے ہیں۔ کوئی دائیں کروت پر سونے کا عادی ہے کسی کو بائیں کروت سے سونے کی عادت ہے۔ بہر حال یہ ایک قطعی امر ہے کہ کم و بیش پندرہ منٹ تک ایک ہی وضع پر لیٹے رہنے کی فوہ بہت کم آتی ہے۔ یہ ضرور ہے کہ پیٹھ کے بل اور دائیں پہلو پر سونے سے جتنا فائدہ ہوتا ہے اتنا فائدہ پیت کے بل اور بائیں پہلو پر سونے سے نہیں ہوتا۔

غذا اور خواب | علمائے فہیات کی غالب رائے یہی ہے کہ رویا یا خواب کا اثر نیند پر زیادہ نہیں ہوتا۔ بعض لوگ البتہ کبھی کبھی تراویں خواب دیکھ کر خوت زدہ ہوجاتے ہیں لیکن ان پر عام حکم نہیں لگایا جاسکتا۔

تازہ ترین علمی تحقیقات یہ ہے کہ جو شخص دن کو مصروفیت کی وجہ سے آرام کی طرت متوجہ نہیں ہونے پاتا اسے خواب بہت نظر آتے ہیں۔ غذا کے متعلق واضح ہو چکا ہے کہ جس کھانے میں غذائیت زیادہ ہوتی ہے وہ کھانا جسم کی ان قوتوں کا بدل بن جاتا ہے جو بیداری میں زائل یا کم ہوتی رہتی ہیں۔ اگر کسی شخص کی کوئی رات بیداری میں کمی ہو تو وہ اچھی غذا کی مدد سے ایک حد تک اس قوت کو بحال کر سکتا ہے جس کی توقع عموماً نیند ہی سے کی جاتی ہے۔ تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ شکریا ایسی چیزوں کو

کثرت سے استعمال کرنا جن میں شکر زیادہ ہو، ایک دو گھنٹہ زیادہ نیند لانے کا باعث ہوتا ہے۔ اس لیے جب آدمی سوکر اٹھے اور نیند کا غلبہ محسوس ہو تو اسے کچھ شیرینی کھانا چاہیے کیونکہ یہ اس کی قوت شدہ نیند کی قلافی کو دے گی۔ اسی طرح اگر کوئی بہت سویرے اٹھے بیٹھے اور اسے اس کا احساس ہو کہ کافی سونے کو نہیں ملا ہے تو وہ بھئی کوئی ایسی چیز کھا کر باز رفتہ قوت حاصل کر سکتا ہے جس میں کاربوہائیڈریٹ (شکر) زیادہ شامل ہو۔ غرض اس خصوص میں مٹھائی عجیب و غریب چیز ہے۔ ضرورت ہو تو اس سے ضرور فائدہ اٹھانا چاہیے۔

شکر کی طرح کیماسیم کا اثر بھی اس مقصد کے لیے اچھا ہوتا ہے اور یہ چیز دودھ میں کافی ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اگر غذا کم ہوگی یا ایسی چیزیں کھانے میں آئیں گی جن میں غذائیت کم ہو تو گہری اور آرام کی نیند کم آئے گی۔

جو چیزیں نفسیاتی انفعالات کا باعث ہوتی ہیں وہ انفعالات اور اونگھ | بھئی بلاشبہ نیند کے معاملہ میں خاص اثر رکھتی ہیں۔ جو شخص کسی اضطراب یا انفعال کی حالت میں سوتا ہے یا ایسا کام کرتے کرتے سو جاتا ہے جس میں تمام افکار و قویں مشغول ہوں تو اسے اچھٹی ہوئی نیند سے دو چار ہونا پڑتا ہے۔ ایسا شخص آرام سے نہیں سو سکتا اور خلاف اس کے جس شخص کو صرف قوالے بدنیہ سے کام لینے کی نوبت آئے خواہ اس میں کتنی ہی مشقت کیوں نہ ہو، اس شخص کو نیند خوب آئے گی۔

اہل علم کا تجربہ ہے کہ سونے سے پہلے کچھ پڑھنا اور مطالعہ کرنا

نیلند خوب لاتا ہے - اور بیداری کا اندیشہ کرنا اور اس کے خیال سے  
 ترنا بے خوابی کا باعث ہوتا ہے - بیداری پر قابو پانے کا بڑا ذریعہ یہی  
 کتاب اور اس کا مطالعہ ہے - اطباء نے بار بار اس کا تجربہ کیا اور اسے  
 کامل الاثر پایا —

انسان غذا کو تو دنوں اور ہفتوں کے لیے چھوڑ دینے پر قدرت رکھتا  
 ہے مگر وہ بغیر سوئے ہوئے ایک ہفتہ بہ مشکل گزار سکتا ہے - بلکہ یہ بات  
 اس کے قابو سے بالکل باہر ہے - اگر کوئی شخص مسلسل ایک ہفتہ تک نہ سوئے  
 تو یقیناً ہلاک ہو جائے گا - پینتیس سال سے زیادہ عمر ہونے کے بعد سونے کی حاجت  
 کم ہوتی ہے اور مدت خواب کے کھت جانے سے خطرہ بھی کم ہو جاتا ہے —

( ۲ - ز - ۲ )



## دلچسپ معلومات

سفید فام زندگی | زندگیوں کے متعلق مسئلہ مسئلہ ہے کہ "بشستن نگر دہ سفید"۔ مگر اب زمانہ کی بوقلمونی اسے بھی جھٹلانے کے لیے تیار ہے۔ آج کل امریکہ میں ایک زندگی کا رنگ تبدیل ہو جانے پر بڑے بڑے عقلا دنگ ہیں اور اس عجیب واقعہ سے بڑی دلچسپی پیدا ہو گئی ہے۔ اسمیوں تو فن فام کا ایک زندگی ہائیٹی کا باشندہ ہے۔ کچھ مدت سے مریض تھا۔ اس نے ہائیٹی کے بعض جادو گروں کا علاج شروع کیا جس کا اثر یہ ہوا کہ اس کا بشرہ یکا یک سفید ہو گیا۔ امریکی اطباء اور سائنس دان بڑی سرگرمی سے کوشش کر رہے ہیں کہ کسی طرح اس دوا کی ترکیب وغیرہ معلوم کر لیں جس کا یہ عجیب و غریب اثر ظاہر ہوا ہے۔

چھپا لیس درجہ حرارت | لاس انجلس (امریکہ) کے ایک شفا خانہ میں اپنی قسم کی ایک نئی مریضہ زیر علاج ہے، اس مریضہ کا درجہ حرارت چھپا لیس سنٹی گریڈ ہے، 'بارجود اس کے زندہ ہے!۔ اب تک کی تحقیقات سے یہ تسلیم کیا جا چکا ہے کہ جب درجہ حرارت بیالیس سنٹی گریڈ سے بڑھ جائے تو موت واقع ہو جاتی ہے۔ اطباء نے اس عجیب واقعہ کی توجیہ

یہ کی ہے کہ مریضہ کے اجزاء دماغ میں کسی جگہ قدانی (سل) درم ہو گیا ہے جو طبعی کیفیت کے ساتھ حرارت جسم کو منظم رکھنے سے مانع آتا ہے —

تیراک اور موٹر | مسٹر وارن ولیمز نے لاس انجلس میں ایک مشین ایجاد کی ہے جو بخاری کشتی کے موٹر سے مشابہ ہے۔ وہ اس موٹر کو اپنی پیٹھ کے پیچھے رکھ کر پانی میں اُترتے ہیں۔ جب خود تیرتے تیرتے تھک جاتے ہیں تو موٹر کو چالو کر دیتے ہیں اور اس کے ذریعہ سے تیرنے لگتے ہیں —

پر دار بلیاں | حضرت سعدی کا مقولہ ”گربہ مسکین اگر پر داشتے“ والا بہت مشہور ہے جو ایک مسلمہ صداقت ہے۔ لیکن آج اس کلیہ کا بھی استثنا موجود ہے۔ آکسفورڈ کے باغ حیوانات میں ایک بلی ہے جس کے دو برس پہلے اس بلی کا پتہ مسز ہیوز گریفتھ کو ملا۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے اس بلی کو ان بڑوں سے بالکل اسی طرح کام لیتے دیکھا ہے جس طرح پرندے اپنے بچوں سے کام لیتے ہیں —

بغیر آواز اور | انگلینڈ کے ایک تجربہ کار ماہر جنگ نے یہ محسوس دھوئیں کی بندوق | کیا کہ نشانہ اندازی کی تعلیم میں رنگروٹوں کو بندوق کی آواز اور اس کے دھوئیں سے بہت نقصان پہنچتا ہے، ان کے اعصاب مردہ ہو جاتے ہیں اور درد سر کا عارضہ مستقل ہو جاتا ہے۔ اس لیے اس نے ایک بندوق ایجاد کی جس سے نہ دھواں اُٹھتا ہے نہ آواز پیدا ہوتی ہے۔ سر ہوتے وقت نشانہ پر صرف ایک شعاع سی پڑ جاتی ہے —

زہین کا حالہ | سب کو معلوم ہے کہ سورج اور روشنی تاروں کے ارد گرد ہالے ہیں اور جن اجرام فلکیہ میں نور اصلی نہیں ہے ان

کے ہالے نہیں ہیں۔ مگر پروفیسر لارس وگارتہ مہم فلکیات جامعہ اولو نے ایک نیا علمی نظریہ قائم کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کرۂ ارض کے بھی حالہ ہے جو فضاے محیط میں ۷۰ کیلو میٹر سے آئینہ سو کیلو میٹر کی بلندی تک دیکھا جاسکتا ہے۔ یہ حالہ سورج کی شعاعیں کرۂ ارض پر چھائی ہوئی کیسوں پر پڑنے سے پیدا ہوتا ہے۔ یا اس وقت وجود میں آتا ہے جب نائٹروجن گیس کرۂ ارضی پر برقی رو کے گزرنے سے مشتعل ہوتی ہے۔

علمی تجربات سے واضح ہوا ہے کہ انسان و حیوان کہی اشتہا کا سبب میں بھوک اس وقت کم ہوتی ہے جب غذا میں حیاتیات (ب) نہیں ہوتی۔ بسا اوقات اس مادہ کی کمی یا فقدان سے بھوک بالکل ہی جاتی رہتی ہے اور کبھی ناکھانی موت بھی واقع ہو جاتی ہے۔

اجرام فلکی کے اختلات سے قوت جاذبیت میں اجرام مختلفہ میں جاذبیت اختلات ہوجاتا ہے۔ مثلاً سورج میں زمین سے بہت زیادہ قوی جاذبیت ہے۔ اگر کوئی معمولی قن و توش کا آدمی جس کا وزن زمین پر ۱۲۰ پونڈ سے زیادہ نہ ہو بالفرض کرۂ شمس میں منتقل ہوجائے تو وہاں اس کا وزن تقریباً تین ہزار نو سو پونڈ ہوجائے گا۔ اور فقط اس کے ہاتھوں کا وزن تقریباً تین سو پونڈ ہوگا۔ یہ بوجھ اتنا ہوگا کہ اس کے ہاتھ ہالنے سے معذور ہوں گے۔ اور اگر اسی شخص کی رسائی کرۂ قہر میں فرض کی جائے جہاں قوت جاذبیت سورج کے مقابلہ میں کم زور ہے تو وہاں اس کا وزن صرف (۲۲۰) تین سو بیس پونڈ رہے گا۔ اور یہی وزن سرخ میں پہنچ کر صرف (۵۳) تین پونڈ

رہ جائے گا۔ کرۂ قمر اور کرۂ سرخ دونوں میں جسٹ و خیز کی قوت بہت قوی اور سرعت سیر بے حد بڑھ جائے گی حتیٰ کہ جدید ترین تیز رفتار گرہیں بھی اس رفتار کا مقابلہ نہ کر سکیں گی۔

کرۂ ارض کا رنگ | امریکہ کے عالم فلکیات پروفیسر سلیمور کا بیان ہے کہ اگر ہم کرۂ شمس تک پہنچ سکیں تو ہمیں زمین کے کرۂ کا رنگ ارزق (نیلگون) نظر آئے گا۔ ان کے اس قول کی تصدیق علمی ذرائع سے بھی ہو چکی ہے۔ پروفیسر موصوت نے یہ بھی کہا ہے کہ سیارہ پلوٹو کا رنگ جو نہایت روشن اور چمکیلا ہے، سورج کی روشنی کو بڑی قوت سے لوٹا دیتا ہے اور اس میں اس درجہ لمعانیت پیدا ہو جاتی ہے کہ اس کے فوٹو کو دیکھ کر اس کا درجہ معلوم کرنا ناممکن ہے۔ اس موقع پر یہ معلوم کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ اجرام فلکیہ کے رنگ درجہ مقابل کے اختلاف سے بدلتے رہتے ہیں کبھی سرخ نظر آتے ہیں کبھی نیلگوں اور کبھی کسی اور رنگ کے۔

سانپ اور کھاری پانی | سانپ کے نہمت مشہور ہے کہ کھاری پانی یعنی سمندر کے پانی سے ترستا ہے اور اس کے قریب نہیں جاتا مگر میٹھے پانی کے دریاؤں میں خرسی سے تھیرتا اور رہ سکتا ہے۔ لیکن علمائے حیوانات نے ایک قسم کے سانپ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ سمندر میں بہت تھیرتا ہے بلکہ سوائے سمندر کے پانی کے اور کسی پانی میں جاتا ہی نہیں۔ یہ قسم استوائی افریقا کے سوا اور کہیں نہیں پائی جاتی۔

حیاتیات کے مباحث سے واضح ہے کہ فضا کے حوالی فضا اور جنسی غدود | اور درجہ بروڈت و حرارت کو غدودی افراوات میں عموماً اور جنسی غدود میں خصوصاً بڑا دخل ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ جنسی



تازگی و توانائی جمہور کے اعتقاد کے خلاف بلاد بارہ میں زیادہ پائی جاتی ہے۔ اتنی بلاد حارہ (گرم ممالک) میں نہیں ہوتی۔ معتدل ممالک میں نسبتاً جو نسلی تلامض پایا جاتا ہے وہ فضا کے عوامل سردی و گرمی کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق مدنیت کے مخصوص عوامل سے ہے۔

یہ غدہ حنجرہ کے بالائی جانب رہتا ہے اور انسانی غدہ درقیہ کے افعال جسم میں اس کی بڑی قیمت ہے، اس کی بدولت

جسم کے بہت سے کام انجام پاتے ہیں۔ اس غدہ کا حجم عہر اور فصلوں کے اختلاف سے کم و بیش ہوتا رہتا ہے۔ جرمنی کے ڈاکٹر وان کولڈنز نے کئی اشخاص کے غدہ درقیہ دیکھے اور تحقیقات سے معلوم کیا کہ یہ غدہ ۴۰ سال کی عہر تک حجم میں بڑھتا رہتا ہے پھر اس کا حجم کم ہونے لگتا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی پتہ لگا کہ عورت کا غدہ درقیہ حجم میں سرد کے غدہ سے بڑا ہوتا ہے مگر عورت کے غدہ میں آبوتائی کا عنصر کم ہوتا ہے۔ اس غدہ کا وزن ماہ اپریل سے ماہ جولائی تک بڑھتا ہے پھر ماہ اکتوبر تک اپنی حالت پر قائم ہو جاتا ہے بعد ازاں سال کے باقی مہینوں میں اس کے حجم میں کمی ہونے لگتی ہے۔

غدہ درقیہ کے متعلق یہ بیان تازہ ترین تحقیقات کا نتیجہ ہے۔

امریکہ کے ایک علمی جماعت کے اخبار مظهر ہیں کہ ڈاکٹر مارفیا کا بدل

ڈاکٹر ایڈی جو شیگی یونیورسٹی کے پروفیسر ہیں ایک ایسی نہاتی دوا کے دریافت میں مصروف ہیں جو اعصاب کی تھپہر (سن کرنا) میں مارفیا کی پوری خاصیت رکھتی ہو ساتھ ہی مضمرات کے استعمال کی عادی بھی نہ ہونے لے۔ گویا مارفیا کا بے عیب بدل معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ پروفیسر موصوف نے اب تک جو تجربات کئے

ہیں وہ ان کی کامیابی کی توقع دلاتے ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ انہوں نے مارفیا کا وہ جزو معلوم کر لیا ہے جو خاصاً مشہور ہے۔ اس کی مدد سے انہیں اپنے اکتشافات میں بہت مدد ملی۔

ایک نئے طرز کا امریکہ میں عمل تنویم کے بعض عجیب حادثے پیش آچکے عمل تنویم ہیں۔ وہاں کے جرائم پیشہ لوگ تنویم سے بھی عجیب عجیب طرح کے کام لیتے ہیں۔ ایک واقعہ خود امریکی پولیس کے ساتھ ہوا تو معلوم ہوا کہ یہ لوگ دوران عمل میں ایک عجیب سیال دوا سے مدد لیتے تھے۔ پولیس نے یہ سیال امتحان و تجزیہ کے لیے ایک معمل میں بھیج دیا جس کی تحقیقات سے معلوم ہوا کہ اس سیال میں جو عناصر شامل ہیں ان میں فیرونل اور پربیٹریک ایسٹ بھی ہیں۔ یہ سیال تنویم میں کام آنے والے مشہور سیالوں سے مختلف ہے۔ اس کا ایک نقطہ بھی فی الفور تنویم طاری کرنے کے لیے کافی ہے۔ ٹائٹائڈ بخار کے متعدد علمی تجارب سے ثابت ہوا ہے کہ روشنی کی چھوٹی جراثیم اور اسواج نور چھوٹی شعاعیں ٹائٹائڈ بخار کے جراثیم کو ہلاک کر دیتی ہیں۔ امریکہ کے دو ڈاکٹر، فابین اور گراہم نے اس کا ثبوت دیا ہے کہ چھوٹی موجوں والی شعاعیں، علم الجراثیم کی بعض معلوم قسموں اور ٹائٹائڈ کے جراثیموں پر ڈالنے سے اس مرض کا استیصال ہو جاتا ہے۔ اس نظریہ کی بنا پر آج کل کے ڈاکٹر اس کوشش میں ہیں کہ ریڈیو کی چھوٹی موجوں سے خلا کو پاک کرنے کا طریقہ معلوم کریں اور ٹائٹائڈ سے بچنے کے لیے ان کی تاثیر دریافت کریں۔

بعض امریکی سائنس دانوں نے اپنے جدید تجربات امریکن

مہلک شعاعیں

کیہکل سوسائٹی کے سامنے پیش کر کے اپنے اس دعوے کو

ثابت کیا کہ بالائے بنفشی شعاعیں نغز مایہ کے خلیوں کو فنا کر دیتی ہیں اور اس جلسہ میں جو خلیے طحال سے اخذ کئے تھے انہیں پیش کر کے ان پر شعاعیں ڈالیں جن کا طول (۳۵۰) انگسٹرام سے (۲۲۵) انگسٹرام تک تھا۔ اس مہل کو ۱۵ منٹ بھی نہ ہوئے تھے کہ تمام خلیے ہلاک ہو گئے اور ان کی غشائے خارجی پر ہلہلے سے نمودار ہونے کے بعد زندگی کا ذرا بھی اثر باقی نہ رہا۔

جعلی نوت دریافت | جعلی پرامیسی نوت کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے کرنے کا آلہ | ایک انگریز نے ایک آلہ ایجاد کیا ہے جس کا تعلق فوٹو گرافی سے ہے۔ اس آلہ میں بالائے بنفشی شعاعیں پیدا کرنے والی مشین نصب ہے۔ جب کسی نوت کے اصلی ہونے میں شبہ ہوتا ہے تو اس نوت پر یہ شعاعیں ڈالی جاتی ہیں۔ پھر اگر وہ نوت حقیقت میں مصنوعی ہوتا ہے تو اس کے جن حصوں میں جعل کیا گیا ہے وہ صات اور آشکارا نظر آنے لگتے ہیں۔

ایک عجیب ٹیلیفون | آسٹریا کے دو انجینئروں نے ایک عجیب آلہ ایجاد کیا ہے جو ٹیلیفون کے پاس لگا دیا جاتا ہے۔ اس آلہ کی عجیب خصوصیت یہ ہے کہ جس نے گھر میں یہ لگا ہوا اگر اس سے کوئی شخص ٹیلیفون سے بات کرے اور گھر والا موجود نہ ہو تو بجائے اس کے یہ آلہ جواب دیتا ہے اور جس وقت صاحب خانہ کے ملنے کا امکان ہے اس وقت سے مطلع کرتا ہے۔

کالی کھانسی کا ٹیکہ | کالی کھانسی جسے بعض جگہ کوکر کھانسی اور انگریزی میں ہوپنگ کف کہتے ہیں بچوں کو اکثر ہو جایا کرتی ہے اور سخت تکلیف دیتی ہے۔ اس کے لیے بعض

اطباء ، بعض قسم کے انجکشن ( ٹیکہ ) بھی دیتے ہیں مگر اب تک کوئی انجکشن ایسا نہیں ملا جو اس مرض کے لیے علاج شافی ثابت ہوتا —

حال ہی میں ڈاکٹر لیوس ساور ( Dr. Louis Saur ) نے جو امریکہ کے شہر ایونسٹن کے ایک کاسیاب ڈاکٹر ہیں - امریکہ کی مجلس طبی میں اپنے ایجاد کردہ کھانسی کے ٹیکہ کا ذکر کیا اور اسے دوائے شافی ثابت کیا۔ اس کے بعد سے یہ ٹیکہ برابر استعمال ہوتا اور مفید ثابت ہوتا چلا جاتا ہے۔ اب تک تین سو بچوں کو یہ ٹیکہ دیا جاچکا ہے اور تجربہ کے لیے تعدیہ کی کوشش کی گئی ہے مگر ان بچوں میں سے کسی کو اس کھانسی کی شکایت نہیں ہوئی۔ امریکہ کے ایک اخبار نے لکھا ہے کہ یہ ٹیکہ بعض جراثیم کے اجسام عضویہ سے تیار کیا جاتا ہے جنہیں ”ہیموفیلوس پرتوسس“ کہتے ہیں۔ جو کالی کھانسی کے جراثیم سمجھے جاتے ہیں —

پہلا انسان اور کوہ ہمالیہ | موت ایورسٹ کی سیاحت کے لیے جو مہم گئی ہوئی تھی اس کی رپورٹ اور دوسرے ذرائع

تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ سلسلہ کوہ ہمالیہ پرستانی دور میں انڈا بلند نہ تھا جتنا اب ہے ، بلکہ اس زمانہ میں اس کی بلندی رو بہ ترقی تھی۔ حجری زمانہ کا انسان اس کی گھاؤں اور غاروں میں سکونت رکھتا تھا۔ علمائے آثار کو اس دور کے انسانوں کی بنائی ہوئی مختلف سنگین اشیاء دستیاب ہوئی ہیں۔ جن میں تیز اور کاٹنے والے آلات زیادہ نمایاں ہیں۔ اسی سلسلہ میں بعض ہڈیاں اور بعض خوں خوار جانوروں کے سم بھی ملے ہیں جو اس دور میں ان پہاڑوں میں رہتے تھے —

# تہذیب

A Text Book of Heat for Junior Students از ڈاکٹر ایم این سہا

بی این سریواسٹو، مطبوعہ اقدیں پریس، الہ آباد، صفحات ۱۸ + ۵۳۱،  
طباعت ۱۹۳۳ء قیمت پانچ روپیہ کلدار —

یہ کتاب در اصل اس بڑی کتاب کا اقتباس ہے جو مصنفین نے بی  
ایس سی ( آنرس ) اور ایم ایس سی کی جماعتوں کے لیے لکھی ہے۔ جس  
کا ذکر اس سے پیشتر ان صفحات میں آچکا ہے —

اس کتاب کے مضامین کی ترتیب تقریباً بڑی کتاب کی ترتیب کے مماثل  
ہے۔ بعض عنوانات مثلاً مادہ کا نظریہ، تحرک، حرکیات اور اشعاع حرارت  
پر جدید طریقوں سے بحث کی گئی ہے۔ حرارتی انجلیوں اور گیسوں کی  
اسات کے متعلق ملاحظہ باب دئے گئے ہیں —

اگرچہ مصنفین کی رائے میں یہ بی ایس سی ( پاس ) کے طلبہ کے  
لیے معیاری کتاب ہے لیکن ایسے بعض اہم مضامین بھی اس میں شریک  
ہیں جو ایم ایس سی کے طلبہ کو تحقیقاتی تجربوں میں رہبری کرسکتے ہیں۔

ہذا ہرگز یہ کتاب انٹرمیڈیٹ کے طلبہ کے لیے سوزوں نہیں رہتی —  
 فی الحقیقت مصنفین نے اپنی بڑی کتاب لکھ کر کافی شہرت حاصل کر لی  
 ہے ۔ اس لیے نفس کتاب کے متعلق اس کا نام ہی اب کافی ضمانت ہے ۔ البتہ  
 اگر اس کتاب میں بھی حرارتی نظریوں کا ذکر کر دیا جاتا تو بہت مناسب ہوتا —  
 پھر حال کتاب کے عہدہ اور اعلیٰ ہونے میں کوئی شبہ نہیں ۔ امید کہ  
 طلبہ اس سے عام طور پر مستفید ہوں گے —

### جدیدی نصاب طبیعیات

برائے جماعت ہائے عثمانیہ میٹرک ، حصہ اول ، خواص مادہ ، از محمد  
 سردار خاں بی اے ( عثمانیہ ) بی ٹی ( علیگ ) و ابوالکارم فیض محمد  
 صدیقی بی اے ، ڈپ ، ایڈ ( عثمانیہ ) مدرسین سائنس مدرسہ فوقانیہ  
 ۱۳۵۱  
 عثمانیہ ، دارالعلوم بلدہ حیدرآباد دکن ، صفحات ۱۵۶ مطبوعہ  
 ۱۹۳۳  
 قیمت ایک روپیہ —

جامعہ عثمانیہ نے جہاں دماغوں میں جنبش پیدا کر دی ہے وہاں قلوبوں  
 میں بھی حرکت پیدا کر دی ہے چنانچہ کتاب زیر بحث کے ہر دو مصنفین  
 جامعہ عثمانیہ ہی کے فارغ التحصیل ہیں اور اب مسند درس پر متمکن ہیں —  
 جامعہ عثمانیہ نے میٹرک کے نصاب میں جو تبدیلیاں کی ہیں  
 اس کے مطابق لائق مصنفین نے یہ کتاب تیار کی ہے —

مضامین کی ترتیب بہت مناسب ہے ، زبان بھی صاف اور سہل استعمال

کی ہے ۔ جا بجا مشقی سوالات بھی جمع کئے ہیں ۔ اور کوشش کی ہے کہ ہر مضمون طالب علموں کی سمجھ میں اچھی طرح سے آ جائے ۔ بہر حال لائق مصنفین کی یہ پہلی کوشش مستحق مبارکباد ہے ۔ لیکن چونکہ یہ ”نقش اول“ ہے اس لیے چند امور گوش گذار کر دینا مناسب ہو گا ، تا کہ ”نقش ثانی“ بہتر ہو جائے ۔

سب سے پہلے کتاب کے متن کے متعلق کچھہ عرض کرنا ہے اور وہ یہ کہ چونکہ باب میں طول کی پیمائش کے سلسلے میں ”سرل چاپ“ کا ذکر کیا ہے ، اور وہ بھی اس قدر مختصر کہ نہ ہونا بہتر تھا ، سرل چاپ کے سلسلے میں ”کسوپیم“ کی تفہیم زیادہ بحث چاہتی ہے ۔ اس کے علاوہ اگر مختلف قسم کے طولوں کی پیمائش کے طریقے بیان کیے جاتے تو اچھا ہوتا ۔

پانچویں باب میں رفتار کے سلسلے میں لکھا ہے ”اگر کہا جائے کہ موٹر کی رفتار پچاس میل فی گھنٹہ ہے تو اس سے یہ سمجھا جائے گا کہ موٹر خاص سمت میں پچاس میل فی ساعت کی شرح سے فاصلہ طے کرتی ہے ۔“

چونکہ ہماری زبان میں ابھی ”رفتار“ اور ”چال“ کا باریک فرق عام فہم نہیں ہے اس لیے ”پچاس میل فی ساعت“ کی رفتار سے سمت کا مفہوم ذہن میں نہ آے گا ۔ ایسی صورت میں مناسب ہوتا کہ کسی ایسی چیز کی مثال لی جاتی جس میں سمت کا تغیر زیادہ واضح ہوتا ۔ سائنس کی کتابوں میں مسائل اور مثالوں میں ابہام نہ ہونا چاہئے ۔ یہ ضرور ہے کہ اس قسم کی مثالیں کتاب میں زیادہ نہیں ہیں ۔

زبان کے متعلق یہ عرض ہے کہ اگرچہ یہ حیثیت مجبوری زبان صحت

اور سادہ استعمال کی گئی ہے ، تاہم معاورے اور زبان کی خاصیاں متعدد ہیں ۔ مثلاً

( ۱ ) تم سمجھ گئے ہوں گے ۔ ” تم سمجھ گئے ہو گے “ ہونا چاہئے —

( ۲ ) ... ایک ہی فضا میں ” نہیں سہائی جا سکتیں “ ۔ ” نہیں سہا سکتیں “ ہونا چاہئے —

( ۳ ) زمین پر کے تمام اجسام دیگر اجسام کی اضافت سے ساکن ہیں ۔ یہ فقرہ واضح نہیں ۔ جب تمام اجسام لے لیے گئے تو دیگر کی کنجائش نہ رہی ۔ اس کو یوں ہونا چاہئے : - ” زمین پر تمام اجسام ایک دوسرے کی اضافت سے ساکن ہیں “ —

طباعت اور املا کی غلطیاں اس کے علاوہ ہیں —

اصطلاحوں میں بھی اصلاح کی ضرورت ہے ۔ لفظ ” طبعی “ فطری یا نیچرل کے معنوں میں ہے ۔ یہاں دراصل ” طبعی “ مراد ہے جو فزیکل کا مراد ہے —

” استخراجی “ اکائیوں کی بجائے ” ماخوذ “ اکائیاں ہونا چاہئے ۔

” چپک “ کی بجائے ” التماس “ ہونا چاہئے کہ منظور شدہ یہی لفظ ہے ۔ بہر حال ہمارے نزدیک یہ حیثیت مجبوری کتاب قابل قدر اور طلبہ کے لیے قابل استفادہ ہے —

## ہندوستانی بابت جولائی سنہ ۱۹۳۳ ع

ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد کا مشہور سہ ماہی رسالہ ہے ۔ جولائی نمبر ہمارے سامنے ہے ۔ دیگر قابل قدر اعلیٰ مضامین کے ساتھ ایک مضامین ” آکرہ کی ہوائی رصدگاہ “ پر بھی ہے ۔ واقعہ یہ ہے کہ بہت کم لوگ ہوں گے جن کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ آکرہ میں کوئی ہوا کی رصدگاہ بھی ہے ۔ مسٹر



کرشن چندر صاحب ایم ایس سی نے یہ واقعی بڑا احسان کیا جو اردو میں اس کا پورا حال لکھ دیا۔ اور ساتھ ساتھ متعدد فوٹو بلاک بھی ہیں جن سے مضمون اور بھی دلچسپ ہو گیا ہے —

اس کے متعلق ہمیں صرف یہی عرض کرنا ہے کہ اصطلاحات وضع کرنے کی بجائے جامعہ عثمانیہ کی اصطلاحات سے کام لیا جاتا تو زیادہ بہتر تھا۔ مثلاً اب تو ”تھرمسٹر“ کی بجائے ”درجہ حرارت یا حرارت“ کانوں کو ناگوار معلوم ہوتا ہے۔ ان معنوں میں ”تھش“ زیادہ گوس آگیا ہے۔ ”Humidity“ کے لیے برودت صحیح نہیں۔ رطوبت یا سرطوبیت ہونا چاہئے۔ تھرماسیٹر کے لیے ”تپش پیما“ کی بجائے مقیاس الحرارة ثقیل ہی ہے۔ اسی طرح دیگر اصطلاحیں اصلاح طلب ہیں —

یہ صحیح ہے کہ فی الحال ایسی کوئی لغت تیار نہیں جس میں اس قسم کی جملہ اصطلاحیں یک جا مل سکیں۔ لیکن ایک حد تک یہ ضرورت اوراق ”سائنس“ کے مطالعہ سے بھی رفع ہو سکتی ہے —

طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی

۴

بے مثل ماہوار طبی رسالہ

## طبیہ کالج میگزین

قدیم و جدید طب کے بلند پایہ مضامین شایع کرتا ہے۔ زبان سلیس اور  
شستہ ہوتی ہے۔ قدیم طب کو جدید طب کے ہم آہنگ بنانا میگزین کا خاص  
مقصد ہے۔ بعض مضامین مثلاً جدید طب، بچوں کے امراض، اکتشافات طب،  
بے نالی کے غدد کے متعلق اصولی معلومات، امراض چشم کی مسلسل  
اشاعت کی جارہی ہے۔ فوٹو اور متعدد ڈائی گرام بھی ہوتے ہیں۔ کاغذ  
مہذب۔ کتابت طباعت نفیس۔ حجم کم و بیش ۶۴ صفحہ سائز  $\frac{30 \times 40}{8}$

سرورق بہترین اور خوش نما ہوتا ہے۔

چند سالانہ دو روپیہ آٹھ آنے۔ طلباء سے بھرط تصدیق دو روپیہ چار آنے

ملنے کا پتہ

دفتر طبیہ کالج میگزین، طبیہ کالج، مسلم یونیورسٹی۔ علی گڑھ

## نیرنگ خیال خاص نمبر

شائع ہو گیا ہے

نیرنگ خیال کا خاص نمبر چھپ گیا ہے۔ جس میں جناب حامد اللہ صاحب افسر بی۔ اے، قاضی عبدالغفار مصنف لیلئ کے خطوط، حضرت جلیل قدوائی ایم۔ اے، خان بہادر چودھری خوشی معین صاحب ناظر بی۔ اے، حضرت آرزو لکھنوی، حضرت یاس یگانہ لکھنوی، خان بہادر رضا علی خان وحشت، مولانا سہا، حضرت وقار انبالوی، پروفیسر محمد دین صاحب تاثیر ایم۔ اے کے تازہ افکار زینت رسالہ ہیں۔

---

بہترین کاغذ، عمدہ لکھائی چھپائی، حجم تقریباً ۲۰۰ صفحات، متعدد رنگین تصاویر ہندوستان کے بہترین رسالے کا یہ بہترین شاہکار ہے۔ دو سو صفحہ حجم میں ایک ہزار کتابی سائز کا چیدہ چیدہ انتخاب ہے۔ اور یہ خاص نمبر ہو پہلو سے کامیاب ہے۔ اس میں

لیلئ کے خطوط

کی ایک تازہ قسط بھی درج کی گئی ہے جس کے مطالعہ سے آپ کے افکار دور ہو جائیں گے۔ اس مضمون کا ایک ایک حوت قابل مطالعہ ہے۔ نیرنگ خیال کا سالانہ چندہ صرف تین روپے چھ آنے ہے۔ اور جو لوگ جولائی سے خریدار ہوں گے۔ ان کو اس چندہ میں یہ رسالہ ملے گا۔ گویا مفت ملے گا۔ اس لیے جولائی سے خریدار ہو جائیے۔ ورنہ بعد میں یہ نمبر ایک روپیہ میں آپ کو خریدنا پڑے گا۔

ملنے کا پتہ

ملھیر رسالہ نیرنگ خیال لاہور (شاہی محلہ)







## اطلاع

- ( ۱ ) اشاعت کی غرض سے جملہ مضامین اور تبصرے بلام ایڈیٹر سائنس ۹۱۷، کلب روٹ، چادر گھاٹ حیدر آباد دکن روانہ کئے جانے چاہئیں —
- ( ۲ ) مضمون کے ساتھ صاحب مضمون کا پورا نام مع تگزی و عہدہ وغیرہ درج ہونا چاہئے تاکہ ان کی اشاعت کی جاسکے، بشرطیکہ اس کے خلاف کوئی ہدایت نہ کی جائے —
- ( ۳ ) مضمون صحت لکھے جائیں تاکہ ان کے کپیوز کرنے میں دقت واقع نہ ہو۔ دیگر یہ کہ مضمون صفحے کے ایک ہی کالم میں لکھے جائیں اور دوسرا کالم خالی چھوڑ دیا جائے — ایسی صورت میں ورق کے دونوں صفحے استعمال ہو سکتے ہیں —
- ( ۴ ) شکلوں اور تصویروں کے متعلق سہولت اس میں ہوگی کہ علحدہ کاغذ پر صحت اور واضح شکلیں وغیرہ کھینچ کر اس مقام پر چسپاں کر دی جائیں — ایسی صورت سے بلاک سازی میں سہولت ہوتی ہے —
- ( ۵ ) مسودات کی ہر ممکن طور سے حفاظت کی جائے گی — لیکن اُن کے اتفاقیہ تلف ہوجانے کی صورت میں کوئی ذمہ داری نہیں لی جاسکتی —
- ( ۶ ) جو مضامین سائنس میں اشاعت کی غرض سے موصول ہوں امید ہے کہ ایڈیٹر کی اجازت کے بغیر دوسری جگہ شائع نہ کئے جائیں گے —
- ( ۷ ) کسی مضمون کو ارسال فرمانے سے پیشتر مناسب ہوگا کہ صاحبان مضمون ایڈیٹر کو اپنے مضمون کے عنوان، تعداد صفحات، تعداد اشکال و تصاویر سے مطلع کر دیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ اس کے لئے پرچہ میں جگہ نکل سکے گی یا نہیں۔ کہیں ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی مضمون پر دو اصحاب قلم اٹھاتے ہیں۔ اس لئے اس توارف سے بچنے کے لئے قبل از قبل اطلاع کر دینا مناسب ہوگا۔
- ( ۸ ) بالعموم ۱۵ صفحے کا مضمون سائنس کی اغراض کے لئے کافی ہوگا۔
- ( ۹ ) مطبوعات پرانے نقد و تبصرے ایڈیٹر کے نام روانہ کی جانی چاہئیں — مطبوعات کی قیمت ضرور درج ہونی چاہئے —
- ( ۱۰ ) انتظامی امور و اشتہارات و غیرہ کے متعلق جملہ مراسلت منیجر انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن سے ہونی چاہئے —

جلد ۶ سائنس اکتوبر سنہ ۳۳ ع نمبر ۲۲

مرتبہ

مولوی محمد نصیر احمد صاحب عثمانی ام اے - بی ایس سی (علیگ)  
معلم طبیعیات کلیۃ جامعۃ عثمانیہ - حیدرآباد دکن

## فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	تخلیق انسان (۹)	پاپولر سائنس	۴۵۱
۲	رنگ اور رنگ کی رویت	جناب پروفیسر منہاج الدین صاحب اسلامیہ کالج - پشاور	۴۷۲
۳	سر جگدیش چندربوس	جناب محمد عبدالغنی صاحب متعلم بی ایس سی الہ آباد یونیورسٹی	۵۱۰
۴	ہوا	جناب رفعت حسین صدیقی صاحب ام ایس سی (علیگ) ریسرچ انسٹی ٹیوٹ طبیہ کالج دہلی	۵۳۰
۵	محمد ابن موسیٰ خوارزمی	جناب محمد زکریا سایل صاحب	۵۸۴
۶	فن دباغت (۴)	حضرت "دباغ" سیلانوی	۵۹۳
۷	تعلیل و تغریب اشیا	حضرت "دباغ" سیلانوی	۶۰۳
	اور اس کا تدارک		
۸	تعلیل عقامت کا جدید نظریہ	جناب محمد زکریا سایل صاحب	۶۱۱
۹	دلچسپ اقتباسات (ریٹیم) ع ۱۰ - ع		۶۱۹
۱۰	دلچسپ معلومات	م - ز - م	۶۲۵





## تخلیق حیات و انسان

پر  
ایک مکالمہ

(۱)

اس سلسلے کے ابتدائی مضامین میں امریکہ کے متحف تاریخ طبعی کے مشہور سائنس دان ڈاکٹر ولیم کے گریگوری نے یہ بتلایا تھا کہ ایک نفع سے زندہ ذرے سے جملہ حیات کا نشو و نما کیونکر ہوا ، اور پھر اس کا بتدریج ارتقا انسان پر کیونکر ختم ہوا ۔ اس کے بعد کلیہ نیویارک کے شعبہ حیاتیات کے ڈاکٹر ہربرٹ روکس نے یہ بتلایا کہ انسان اپنی خصوصیات اپنی اولاد میں کیونکر منتقل کرتا ہے ۔ پچھلے نمبر میں جامعہ کولمبیا کے صدر شعبہ نفسیات : ڈاکٹر اے ٹی پین برگر نے یہ بتلایا کہ ہماری جذباتی زندگی خوت ، غصہ ، اور محبت پر مبنی ہے ۔ آج کی گفتگو میں ڈاکٹر پین برگر نے یہ بتلایا ہے کہ حالات اور قہمیں کا اثر ہمارے انفرادی جذبات پر کیا پڑتا ہے ۔ اور ایک انسان اشرافیت اور دوسرا مفید شہری کیونکر بنتا ہے ۔

مسٹر ماک :- ڈاکٹر پین برگر صاحب ۔ ایک روز ایک ماہر نفسیات نے مجھ سے کہا تھا کہ نیپولین نے یورپ کی فوجوں کو

اس وجہ سے شکست دے دی کہ اس میں مغلولہ فروتری (Inferiority Complex) موجود تھا - یہ مغلولہ کیا ہلا

ہے - میں آج کل اس کا بہت ذکر سنتا ہوں —

ڈاکٹر یفن برگر :- جو کچھ آپ سنتے ہیں اس پر ایمان نہ لے آئیے - آپ کے ماحر نفسیات کے نظریہ کے بموجب نیپولین نے دنیا کو فتح کرنے کا ارادہ اس لیے کیا تھا کہ اس کو اپنے قد کے پانچ فٹ دو انچ ہونے کی وجہ سے اس احساس فروتری کو دور کرنا تھا - اس خیال میں سب سے بڑی دقت یہی ہے کہ کوتاہ قد تو بہت سے ہیں ، لیکن نیپولین کوئی بھی نہیں - ممکن ہے کہ ہونا پارت میں مغلولہ فروتری ہو ، لیکن اس کی کاسیابی کے اسباب اور بھی تھے - اب میں آپ کے سوال کا جواب دیتا ہوں - مغلولہ فروتری کسی شخص کی خواہش اظہار نفس میں خلل اندازی کا نتیجہ ہوتا ہے —

مسٹر ماک :- ذرا اس کی تشریح فرما دیجئے ؟

ڈاکٹر یفن برگر :- ابھی عرض کرتا ہوں - میں پہلے یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ جن لوگوں میں مغلولہ فروتری ہوتا ہے ان کی شناخت کیونکر کی جائے - سر سری طور پر ہم ان کو دو قسموں میں تقسیم کرسکتے ہیں - ایک تو وہ ہیں جو بیداری میں خواب دیکھا کرتے ہیں یعنی وہ ” فوام ایوم “ (Day Dreamers) ہوتے ہیں - دوسرے وہ جو شیخی باز ہوتے ہیں اور دھونس جھپا کرتے ہیں —

مسٹر ماک :- سبب ایک ہی ہے تو اس قدر مختلف نتیجے کیوں ؟

ڈاکٹر یفن برگ :- جب زندگی میں کسی شخص کو کسی خاص موقع سے سابقہ پڑے اور وہ اس موقع کا مقابلہ کرنے سے قاصر رہے تو پھر اس میں مخلوط فروتری پیدا ہو جاتا ہے ۔

جو شخص اس طرح قاصر رہتا ہے وہ اپنے قصور کا بدل کسی دوسرے طریقے سے کرنا چاہتا ہے ۔ جس طریقہ سے وہ اس قصور کا بدل چاہتا ہے اس کو ہم عمل تلافی کہتے ہیں ۔ بعض اوقات مخلوط فروتری کا اظہار اس طرح ہوتا ہے کہ اس شخص میں از خود کسی کام کے کرنے کی صلاحیت کا فقدان ہوتا ہے ۔ اس کی قوت ارادی بالکل مغلوج ہو جاتی ہے ۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ ایسے شخص کی زندگی مشین کی طرح ہوتی ہے ۔ ایسی صورتوں میں وہ بیداری میں خواب دیکھ کر اس کی تلافی کرتا ہے ۔

مسٹر ماک :- آپ کا مطلب یہ کہ وہ بس حیرتی بنا بیٹھا رہتا ہے ۔

ڈاکٹر یفن برگ :- نہیں بالکل ایسا تو نہیں ۔ اچھا ایک مثال پیش کرتا ہوں ۔ فرض کیجئے کہ نیویارک کے ایک کارخانے کا ایک معمولی اہلکار ہے ۔ وہ کارخانے جا رہا ہے ۔ وہ ٹرام کے ذریعے جاتا ہے ۔ ٹرام بالکل بھری ہوئی ہے ۔ وہ خود بھی لوگوں میں دبا ہوا ہے ۔ بائیں ہاتھ وہ ایک خوبصورت لڑکی کو نزدیک بیٹھی دیکھتا ہے ۔ اور اپنے بالکل سامنے ایک ایسے شخص کو بیٹھ دیکھتا ہے جس کی آنکھوں سے خونخواری ٹپکتی ہے ۔ گاڑی چلتی ہے تو وہ اپنے آپ کو بالکل

ایک معمولی شخص محسوس کرتا ہے۔ لیکن اس سب کے عقب میں ایک خیال اس کے ذہن میں دوڑتا ہے کہ ”اگرچہ میں ایک معمولی آدمی ہوں لیکن فی الحقیقت میں عجیب و غریب شخص ہوں۔ میری پوشاک ان ہی لوگوں جیسی ہے۔ اور قدرتاً ان کو اس کا اندازہ نہیں ہوتا کہ میں کون ہوں۔ اور کیا ہوں۔ لیکن ذرا اس بدنہاد کو اس لڑکی کو چھیڑنے دیجئے۔ میں فوراً وہاں پہنچتا ہوں۔ اس پری کو دیو کے پنچے سے چھڑاتا ہوں۔ دیو کو نیچے کراتا ہوں، اور میدان میرے ہاتھ رہتا ہے۔ اب ہر شخص پوچھتا ہے ”یہ کون ہے۔“ ”یہ کون ہے۔“ اب میرا موقع آیا۔“ اب ہمارا ہیرو بیدار ہوتا ہے تو اس کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے مقام سے چھہ مقام آگے نکل گیا ہے۔

مسٹر ماک :-

کیا ہم سب اس قسم کے خواب روئے نہیں دیکھا کرتے۔ مجھے یاد ہے کہ جب میں مدرسے میں پڑھتا تھا تو میں اپنے آپ کو ایک کامیاب تراسا نویس تصور کرتا تھا، اور یہ خیال کرتا تھا کہ تھیٹر میں جب تراسا کھیلا جائے گا تو سارا تھیٹر بڑے بڑے لوگوں سے بھرا ہوگا اور ہر شخص دریافت کرے گا کہ اس کا مصنف کون ہے۔

ڈاکٹر پفن برگ :- جی ہاں۔ اس قسم کے منصوبے بچپن اور عنفوان شباب میں بہت قائم ہوا کرتے ہیں۔ ایک لڑکا یہ تصور کرتا ہے کہ وہ ایک بڑا جرنل ہے، جو کسی جنگ سے کامیاب ہوکر کھوڑے پر سوار ہوکر واپس آ رہا ہے۔ دوسرا یہ

تصور کرتا ہے کہ جس دن اس کے بنائے ہوئے پل کا افتتاح ہو گا اس دن وہ ایک بڑا انجینئر مانا جائے گا۔ لڑکی اگر سخت کثیر والدین کی اولاد ہے، تو بالعموم یہ تصور کرتی ہے کہ ایک دن ایسا آئے گا کہ سب جان لیں گے کہ وہ ایک شہزادی ہے جس کو ایک ملکہ راء چلتے چھوڑ گئی ہے۔ باینہمہ جوان ہونے پر اس قسم کے تصورات اُن ہی لوگوں میں زیادہ قائم رہتے ہیں جن میں مغلوطہ فروتنی ہوتا ہے۔

مسٹر ماک :- شیخی بازی اور دھونس کی نسبت کیا ارشاد ہے ؟  
 ڈاکٹر پفن برگ :- شیخی بازی اور دھونس دونوں نفس پر بے اعتدالی کی تلافی کی مختلف صورتیں ہیں۔ ایسی صورتوں میں وہ فرد دوسروں پر دھونس جھا کر اپنی نظروں میں ہا وقعت بننا چاہتا ہے، اور اگر تھوڑا بہت اس نے کوئی کام انجام دیا ہے تو دوسروں کے سامنے اس کو بہت بڑھا چڑھا کر بیان کرتا ہے، یا پھر بالکل جھوٹ بول کر اپنی طرف ایسے امور کو نسبت دیتا ہے جو اس نے کبھی سر انجام نہیں دیے۔ جو شخص اپنی بہادری کی لمبی چوڑی داستانیں بیان کرتا ہے وہ دراصل اپنے بزدل ہونے کا اعلان کرتا ہے۔ اس سے بھی لطیف تر شیخی کی اور صورتیں ہیں، مثلاً ضرورت سے زائد انکسار - جو شخص یہ کہتا ہے کہ ”میں بھی کیا بے وقوت ہوں“ وہ دراصل چاہتا ہے کہ آپ اس سے اتفاق نہ کریں۔ اور جب اس

تخلیق حیات و انسان سائنس جولائی سنہ ۳۳ع

سے یہ کہتے ہیں کہ ”اے مشہور کیوں کرتے ہو“ تو وہ خفا ہو جاتا ہے۔ مظلومہ فروتری والے لوگ ہی اکثر آپ سے باہر ہو جاتے ہیں۔ چیختے ہیں اور چلاتے ہیں۔ جاہ اور شہرت طالبی اس کی دوسری علامت ہے۔ جب کسی گروپ کا فوٹو لیا جا رہا ہو اور کوئی شخص خواہ مخواہ مرکز میں آنا چاہے اس میں ضرور مظلومہ فروتری ہوتا ہے۔ اسی طرح آپرا کی وہ رقاصہ بھی اس مظلومہ میں مبتلا ہوتی ہے، جس کو مطلب میں ناکامی کی وجہ سے دررہ پڑ جاتا ہے۔ وہ حوادث زندگی کا مقابلہ معقول طریقے پر نہیں کر سکتی۔

مسٹر ماک :- تو کیا مظلومہ برتری (Superiority Complex) پیو کوئی چیز ہے ؟

ڈاکٹر پٹن برگر :- نام نہاد مظلومہ برتری کی صورتیں عام طور پر وہ صورتیں ہوتی ہیں جن میں ایک شخص اپنے احساس فروتری پر غالب آنے کا کوئی انوکھا اور دلگیر طریقہ اختیار کرتا ہے۔ ایک کروڑ پتی جو کالجوں میں نہایت فیاضی سے امداد دیتا ہے، ممکن ہے کہ اس کی تعلیم بہت تھوڑی ہو یا بالکل نہ ہوئی ہو۔ جو شخص اپنے ملازموں یا زیر دستوں کی خطائیں معاف نہیں کرتا، غالباً ابتدا میں اس کے والدین، اساتذہ یا اس کے پہلے بالادست نے اس پر بہت سختی کی ہوگی۔ یا پھر ممکن ہے کہ مدرسہ میں نمایاں طور پر

وہ برا طالب عام رہا ہو ۔ ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں ۔ جن میں برتری کا احساس بہت زبردست ہوتا ہے ، لیکن اس کا اظہار اس طریقے پر کرتے ہیں کہ احساس فروتری والے اشخاص کے طریقے سے بہت کم فرق رہ جاتا ہے ۔

مسٹر ماک :- آپ نے فرمایا تھا کہ مغلو طہ فروتری کسی شخص کے تقاضے اظہار نفس میں مزاحمت کا نتیجہ ہوتا ہے ۔ یہ تقاضا کیا ہے ؟ کیا یہ بھی کوئی جذبہ ہے ؟

ڈاکٹر پفن برگر :- ہرگز نہیں ۔ پچھلی صحبت میں میں نے آپ سے عرض کیا تھا کہ ہماری جذباتی زندگی خوں ، غصہ اور صحبت کے تین ابتدائی جذبات پر مبنی ہے ۔ جذبات کے علاوہ محرکات یا تقاضے ہیں جو غالباً جذبات کی بنیاد ہیں ۔ مسٹر ماک :- ” بنیاد “ ہونے سے آپ کا کیا مطلب ؟

ڈاکٹر پفن برگر :- ایک مثال سے مطلب واضح ہو جائے گا ۔ جذبات کو آپ موٹر کے پھیپے تصور کیجئے اور ان محرکات یا تقاضوں کو موٹر کا انجن قرار دیجئے جو پھیپوں کو حرکت میں لاتا ہے ۔ فرق یہ ہے ۔ ایک مشین صرف بیرونی تحریک کا اثر قبول کرتی ہے ، چنانچہ آپ کی موٹر کا انجن پھیپوں کو اس وقت تک نہیں چلاے گا جب تک کہ آپ استارٹر پر پیر نہ رکھیں ۔ اگر آپ پیر نہ رکھیں گے تو موٹر اپنی جگہ سے قطعاً نہ ہلے گی ۔ اب انسانی یا حیوانی مشین کو لیجئے ۔ یہ بھی بیرونی تحریکات کا اثر قبول کرتی ہے لیکن اس کے علاوہ وہ خود کار بھی ہے ۔ ہم



تخلیق حیات و انسان سائنس اکتوبر سنہ ۳۳ع

کہہ سکتے ہیں کہ یہ مشین ان تحریکوں یا تقاضوں سے  
باردار ہے۔ بیرونی حادثہ اس بار کو حرکت میں لاسکتا  
ہے، لیکن یہ بیرونی تحریک مفقود ہو تو بھی یہ  
حرکت میں آسکتا ہے۔

مسٹر ماک :- مجھے اندیشہ ہے کہ میں ابھی آپ کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔  
ڈاکٹر پفن برگ :- مجھے یقین ہے کہ آپ ذرا سی دیر میں سمجھ جائیں گے۔  
اچھا تو یوں دیکھئے کہ قوی ترین تقاضا تو بھوک کا ہے۔  
جب کوئی کتا بھوکا ہو اور آپ اس کے سامنے ایک پلیٹ  
میں کھانا رکھ دیں تو وہ پلیٹ کی طرف جھپٹ کر  
آئے گا۔ یہ مثال ایک بیرونی تحریک کی ہے جو بار کو  
حرکت میں لے آئی۔ آپ نے گویا اسٹارٹر پر قدم رکھ  
دیا۔ اب فرض کیجئے کہ آپ کتے کو کھانے کو نہ دیں  
اور اس کی بھوک بہت بڑھ جائے تو وہ کیا کرے گا۔

مسٹر ماک :- وہ غذا کی تلاش میں نکل کھڑا ہوگا۔

ڈاکٹر پفن برگ :- بالکل درست۔ یعنی کتا ایک خود کار مشین ہے۔ اور  
بھوک وہ اندرونی تقاضا یا تحریک ہے جس نے کتے کو عمل  
پر مجبور کر دیا۔

مسٹر ماک :- اگر میں نے آپ کے مطلب کو صحیح سمجھا ہے تو وہ  
غالباً یہ ہے کہ جب کتا کسی ہڈی پر لڑتا ہے یا بچہ  
دودھ کے واسطے روتا ہے، تو غصے کا جذبہ جو کتے یا  
بچے سے ظہور میں آتا ہے وہ بھوک کے تقاضے کا نتیجہ ہے۔  
ڈاکٹر پفن برگ :- درست۔ اسی لیے میں نے فرض کیا تھا کہ تحریکیں یا

تقاضے جذبات کی بنیاد ہیں۔ گزشتہ صحت میں میں نے آپ سے عرض کیا تھا، مشہور ماہر نفسیات ڈاکٹر واٹسن نے تجربے سے ثابت کیا ہے کہ نوزائیدہ بچے کو صرف دو ہی چیزیں غصے میں لاسکتی ہیں ایک تو بھوک اور دوسری حرکات و سکنات میں رکاوٹ۔ ایک صورت میں غصہ اگر بھوک کی تحریک کی بناء پر پیدا ہوتا ہے تو دوسری صورت میں تقاضے فعالیت کا نتیجہ ہوتا ہے — مسٹر ماک :- لہکن بچے کو غصہ کیوں آتا ہے؟ کیا ان تحریکات سے صرف غصے ہی کا جذبہ بروے کار آتا ہے —

ڈاکٹر پفن برگر :- ہرگز نہیں۔ میں ابھی عرض کرچکا ہوں کہ حیوانی مشین ان تحریکوں یا تقاضوں سے بار دار یا بھری ہوتی ہے۔ یہاں نکتہ یہ ہے کہ اس بار کو خالی کر دیئے سے اطمینان پیدا ہوتا ہے اور اس میں رکاوٹ ہے اطمینانی پیدا کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بچے کو اگر وقت پر دودھ ملتا رہے اور اس کی حرکات و سکنات میں رکاوٹ نہ ہو تو وہ مطمئن رہتا ہے۔ اسی بنا پر جب اس کو وقت پر دودھ نہیں ملتا اور کھلائی اس کو گود میں لے کر باتیں کرتی ہو تو وہ غصے میں آجاتا ہے۔ جب آپ کو بھوک لگتی ہے تو کیا آپ بھی تلک مزاج ہو جاتے ہیں؟

مسٹر ماک :- تلک مزاج نہ کہیے۔ میں تو ایسے وقت چڑچڑا اور نامعقول سا ہو جاتا ہوں —

ڈاکٹر پفن برگر :- یہی میرا بھی حال ہے۔ یہ وہی ہے اطمینانی ہے جو

تخلیق حیات و انسان سائنس اکتوبر سنہ ۳۳ ع

بھوک کی تحریک کو پورا نہ کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ اور یہی تحریک بچے کو بھی دودھ کے لیے رلاتی ہے۔ ہم میں اور بھوں میں صرف اتنا فرق ہے کہ ہم کو اپنے تجربے سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ چیخلا چلانا ہمارے حق میں کھانے کے لیے مفید نہیں۔ بھوک کی اس تحریک کی بنیاد طبیعی ہے۔ اس کا سبب جسم کے نشوونما کے لیے چند اشیاء کی کمی ہے۔ لہذا آپ کہہ سکتے ہیں کہ اس کا سبب کھپاری ہے۔ پیاس کی تحریک کی بھی یہی صورت ہے۔ حیوان ہو یا انسان دونوں پانی کی تلاش میں دور دھوپ کرنے لگتے ہیں، جب کہ جسم کے اندر مائیت کم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح طبیعی بنیادوں پر دوسری تحریکیں اور دوسرے تقاضے کام کرتے ہیں۔ جسم میں چونکہ طبیعی توانائی ہوتی ہے اس لیے وہ اپنا ظہور چاہتی ہے۔ لہذا نقل و حرکت کا تقاضا پیدا ہوتا ہے، جس کا اظہار کھیل کود وغیرہ سے ہوتا ہے۔ آرام کی ضرورت بھی ایک تحریک ہے، جو جسم کے اندر تکانی سمیت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ کامل ایقان کے ساتھ تو نہیں، البتہ کسی قدر وثوق کے ساتھ یہ کہا جاسکتا ہے کہ نام نہاد صنفی تحریک (Sex drive) کی طبیعی بنیاد جسم کے اندر چند اشیاء مثلاً افرازات غدودی، ہارمون، یا دیگر کھپاری ماہے کی کمی ہے۔ ان محرکات کے علاوہ متعدد دیگر تقاضے بھی ہیں جو

سب کے سب ہمارے وجود جسمانی کے عنصر ہیں، لیکن ان کے لیے ابھی تک ہم کوئی طبیعی بنیاد قرار نہیں دے سکے ہیں۔

مسٹر ماک :- وہ دیگر تقاضے کون کون سے ہیں؟

ڈاکٹر پفن برگ :- میں یہاں چند کا ذکر کرتا ہوں، جن کو آپ نے اپنے انہر یا دوسروں میں مشاہدہ کیا ہو گا۔ ضرورت مدنیت، ضرورت دوستی، ضرورت محبت متاھلانہ، جو لوگوں کو گھروست بلانے پر مجبور کرتی ہے۔ اور ضرورت پابندی وضع۔ پھر وہ تقاضا ہے جس کا میں نے ابتدا میں ذکر کیا تھا، یعنی دوسروں پر اپنی فرقیت ظاہر کرنے کی ضرورت۔ بالفاظ دیگر اظہار نفس کا تقاضا۔

مسٹر ماک :- کیا آپ ان ضرورتوں اور خواہشوں کو بھوک کی طرح کے محرکات کہیں گے؟

ڈاکٹر پفن برگ :- یقیناً۔ ان میں سے بعض بھوک کی طرح زبردست نہ ہوں گے۔ لیکن ہمیں سب کے سب بنیادی طور پر تقاضے۔ تمام طبیعی انسانوں میں یہ پائے جاتے ہیں اور ان کے برعکس پر اثر دالتے ہیں۔ ان کو محرکات ہم اس وجہ سے کہتے ہیں کہ ان میں حرکت میں لانے کی قوت ہے۔ وہ فی الحقیقت ایک انسان کو مجبور کر دیتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو خاص خاص صورتوں میں ظاہر کرے۔

مسٹر ماک :- آپ نے فرمایا کہ یہ تقاضے تمام طبیعی انسانوں میں پائے جاتے ہیں۔ میں ایک طبیعی انسان ہوں لیکن مجھ میں

وضع کی پابندی یا دوسروں کی طرح ہونے کی کوئی خواہش نہیں —

ڈاکٹر پفن برگر :- کیا واقعی نہیں ہے ؟ کیا آپ گرمی میں بھی بھاری ٹوپی پہنے رہیں گے ؟ یا جازوں میں آپ دوستیوں کا لہذا پہنے پھریں گے ؟ آپ اور ہم سب آخر آستیلوں میں ہونے کیوں لگاتے ہیں ؟ عرض کروں کہ کیوں ؟ معص اس لیے کہ ہم سب وضع ( فیشن ) کے غلام ہیں ۔ خواہ ہم اس کو تسلیم کریں یا نہ کریں —

مسٹر ماک :- میرے نزدیک تو اس پابندی کا سبب خوت تضعیک ہے — ڈاکٹر پفن برگر :- اچھا یوں ہی سہی ۔ لیکن اگر پابندی وضع کا تقاضا آپ میں قوی نہ ہو تو آپ اس تضعیک سے نہ ترسے گے ۔ اس وقت بجائے وضع کی پابندی کے آپ خود ایک وضع قائم کر دیں گے ۔ اب ایک بالغ انسان کو لیجیے تو اس کے اندر ان محرکوں اور تقاضوں کی ایک پوت کی پوت ہو گی ۔ وہ سوتے میں کاربن ڈائی آکسائیڈ کی طرح اس کے اندر بند ہیں ، اور ہر وقت ابھرنے کے لیے تیار ۔ اس کو اخراج کا موقع دینے سے انسان کو تسکین ہوتی ہے ۔ خود انسان کو اس کا موقع ملتا بھی ہے یا نہیں ؟

ڈاکٹر پفن برگر :- ہمیشہ تو نہیں ۔ تمدن و تہذیب کا قدم درمیان میں آجاتا ہے ، اور وہ مانع ہوتے ہیں ۔ معاشری رسم و رواج ، اخلاق ، تمیز ، آداب اس کو چاروں طرف سے گھیر لیتے ہیں ۔ مہذب معاشرہ ( Society ) اوسط انسان کے حق میں وہی

حیثیت رکھتا ہے جو دایہ بچے کے حق میں رکھتی ہے ' یعنی جس طرح دایہ بچے کو چمکتا کر دبا لیتی ہے اسی طرح معاشرہ بھی انسان کے ذاتی انداز کو دبا دیتا ہے —

مسٹر ماک :- اس کا نتیجہ ؟

ڈاکٹر پگن برگ :- نتیجہ یہ کہ اس کو اپنے محرکات اور تقاضوں کا اظہار توہم شدہ صورت میں یا با اصطلاح ماہران تجزیہ نفس ( Psychoanalysis ) تصعیدی شکل ( Sublimated form ) میں کرنا پڑتا ہے —

مسٹر ماک :- یہ تو آپ نے بڑا زبردست لغت استعمال کر دیا - اس کے معنی کیا ہوں ؟

ڈاکٹر پگن برگ :- اس کا مطلب یہ کہ انسان اپنے تقاضاؤں کو ایسے راستوں پر قائل جن کو دنیا پسند کرتی ہے - تعلیم و تربیت کا عمل در اصل ایک تصعیدی عمل ہے یعنی اپنے محرکات اور تقاضوں کو اچھے راستے پر قائلے کا عمل ہے —

مسٹر ماک :- لیکن تعلیم کو ہمیشہ اس میں کامیابی نہیں ہوتی - کیوں جناب —

ڈاکٹر پگن برگ :- بد قسمتی سے ایسا ہی ہے - لیکن اس کے متعلق میں ابھی عرض کروں گا - پہلے میں یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ تصعید کیا مراد ہے - مثال کے طور پر اظہار نفس کے تقاضے کو لیجئے - ابتدائی انسان میں یہ تقاضا جسمانی لڑائی کی صورت اختیار کرتا تھا - آج ایک شخص انتخابات

تخلیق حیات و انسان سائنس اکتوبر سنہ ۳۳ ع

میں دوسرے شخص کو شکست دیتا ہے اور اس طرح  
سیاسیات میں اپنا نام پیدا کرتا ہے۔ دوسرا شخص اپنے  
حریفوں کو کاروبار میں فیہا دکھاتا ہے، تیسرا شخص  
سائنس اور ایجاد میں نام پیدا کرتا ہے، چوتھا شخص  
دک کے وقت جمع کرنے میں سب سے سبقت لے جاتا ہے۔

مسٹر ماک :- میں نے تو سنا ہے کہ شاہ انگلستان شاہ راقین (Stamp Collector) بھی ہیں۔ تو کیا آپ کا یہ مطلب ہے کہ وہ اپنے تقاضائے  
اظہار نفس کو اس طرح پورا کرتے ہیں۔

ڈاکٹر پفن برگ :- بے شک۔ آج کل بادشاہوں کے لیے اور طریقہ ہی کون  
سا ہے۔ اگر وہ پانسو برس اُدھر ہوتے تو غالباً ان  
کو شاہ فرانس یا شاہ اسکاچستان سے جنگ کرنے کے لیے  
جانا پڑتا۔ واقعہ یہ ہے کہ ہر قسم کی دھن کی تہ میں  
یہی تقاضائے اظہار نفس ہوتا ہے۔ اور تمام مقابلوں کی  
بنیاد بھی اسی پر ہے۔ ہر صورت میں انسان دوسروں  
پر اپنی فوقیت اس طرح جتاتا ہے جو معاشرہ کے لیے  
مفید ہوتا ہے اور خود اس کے نفس کو اطمینان بخشتا  
ہے۔ ویانا کے مشہور ماہر نفسیات فروت اور ان کے  
متبعین تو یہاں تک کہتے ہیں کہ تمام شاعری، نقاشی،  
اور صورت تراشی تقاضے صنفی (Sex) کی تصعیدی  
شکل ہے، یعنی اس کے اظہار کی ایک ترمیم  
شدہ صورت ہے۔

مسٹر ماک :- تو کیا عہد حاضر میں جملہ عشق و تعشق تقاضائے صنفی

کی تصدیق نہیں ہے۔ مثلاً اگر کوئی اپنی محبوبہ کو ایک غزل لکھ بھیجے یا اس کو پھولوں کا ایک گلدستہ بھیجے تو کیا یہ نشانیاں انسان کے مورث اولین کے طریقوں کا بدل نہیں ہیں، جب کہ وہ اپنی پسند کردہ دو شیزہ کو اپنے غار تک گھسیت لے جاتا تھا —

ڈاکٹر پگن پرگر :- اصولاً یہ صحیح ہے لیکن واقعاً اس سے بہت پہچیدہ ہے۔ آپ جانتے کہ عہد جدید کے عشق میں صرف صفت ہی شامل نہیں ہے۔ اس میں خود نہائی کو بہت کچھہ دخل ہے، دوسروں کو خوش کرنے کی آرزو بھی اس میں موجود ہے، احساس حسن بھی اس میں ہے اور نہ جانے کیا کیا ہے —

مسٹر ماک :- اچھا اگر اپنے محرکات اور تقاضوں کو ہم اچھے راستے پر نہ ڈال سکیں تو کیا ہوتا ہے ؟

ڈاکٹر پگن پرگر :- ابھی صرف تقاضائے اظہار نفس تک ہی محدود رہتے، کیونکہ ہمارے بہت سے مسائل کی تہ میں یہی تقاضا ہے۔ جب تعلیم [ جس میں بچپن کی قربیت بھی شامل ہے ] اس کو صحیح راستے پر ڈالنے میں کامیاب نہیں ہوتی تو ہمیشہ دقتیں پیدا ہوتی ہیں۔ بچوں میں ضد کی صورت میں یہ نمودار ہوتی ہے۔ بالغوں میں یہی دھونس کی صورت اختیار کرتی ہے۔ اسی سے اشخاص جرائم پیشہ بھی بنتے ہیں اور تھارز مزن میں مبتلا رہتے ہیں —



مسٹر ماک :- تمہاری ؟

ڈاکٹر یفن برگ :- جی ہاں۔ یہ بھی ایک مظہر ہے تقاضے اظہار نفس کا۔ یہ ایک طریقہ ہے جس سے ایک شخص دوسروں کو اپنی طرے متوجہ کر لیتا ہے۔ اب رہے جرائم پیشہ تو آج کل کے راہزموں اور قضاہوں کے سرغلہ تقاضے اظہار نفس کے غلط اطلاقی بہترین مثالیں ہیں۔ بدنام زمانہ قمار باز راتھسٹائن نامی اور الکیوں دونوں نے سرداری کی اہلیت کا ثبوت دیا، لیکن بے محل۔ راتھسٹائن چاہتا تو سو برآوردہ بیلگر بن سکتا تھا، اسی طرح الکیوں نے اپنی قابلیتوں سے اچھا کام لیا ہوتا تو ہم پلٹے فلوین ہو سکتا تھا، یا پھر صنعتی یا سیاسی تنظیم اچھی طرح کر سکتا تھا — مسٹر ماک :- جب تقاضائے صنفیت کو صحیح طریقے پر پورا نہیں کیا جاتا تو کیا نتیجہ پیدا ہوتا ہے ؟

ڈاکٹر یفن برگ :- ایسی صورتوں میں بے اطمینانی اور بے قراری پیدا ہو جاتی ہے، اس کی سادہ ترین مثال آپ بچے میں دیکھتے ہیں جب کہ اس کے بازو دبالیے جائیں۔ بدترین صورت میں غیر طبعی برتاؤ کی نوبت آ جاتی ہے، جس کو ہمارے اخلاق آداب قبول نہیں کر سکتے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ صنفیت سے نفرت ہو جاتی ہے۔ لوگوں میں ”تصلح“ (Prudery) کی یہی بنیاد ہے اور پھر یہی لوگ تقلید میں مبالغہ سے کام لیتے ہیں —

مسٹر ماک :- کیا اسی کو امتناع (Repression) کہتے ہیں ؟

ڈاکٹر پفن برگر :- ہاں امتناع سے مراد ان فطری تقاضوں کے پورا کرنے پر معاشری رسم و رواج کی پابندی ہے ۔ ان ہی کو نواہی

( Taboo ) کہتے ہیں —

مسٹر ماک :- تو کیا آپ کے نزدیک جہلہ نواہی برے ہیں ؟ ۔  
ڈاکٹر پفن برگر :- ہرگز نہیں ۔ معنیت میں معاشرہ کے لیے ضروری ہے کہ فرد جہالت کی بے پرواہی کے لیے اپنی آزادی کا ایک حصہ ایثار کرے ۔ اس کو کس قدر ایثار کرنا چاہئے ؟ اس کا تعین ایک ایسا معاشری مسئلہ ہے جس کا جواب اب تک نہیں دیا جاسکا ہے ۔ مختلف تاریخی معاشروں میں یہ تحدید مختلف رہی ہے اور اب بھی مختلف ملکوں میں یہ مختلف ہے حتیٰ کہ ایک ہی ملک کے مختلف معاشروں میں بھی یہ مختلف ہے —

مسٹر ماک :- امتناع اور اجتناب ( Inhibition ) میں کیا فرق ہے ؟  
ڈاکٹر پفن برگر :- اگر کوئی فرق ہے تو یہ ہے کہ امتناع باہر سے ہمارے معرکوں اور تقاضوں پر ایک پابندی ہے ۔ بالعموم ہمارے برتاؤ پر یہ پابندیاں عائد ہوتی ہیں ۔ اجتناب و پابندی ہے جو ہم خود اپنے نفسوں پر عائد کریں —

مسٹر ماک :- اور مخلوط کیا ہے ؟  
ڈاکٹر پفن برگر :- یہ نفس کی وہ حالت ہے جو مسلسل امتناع کی حالت میں رہنے سے پیدا ہو جاتی ہے —

مسٹر ماک :- تو کیا یہ طبعی حالت ہے ؟  
ڈاکٹر پفن برگر :- جی نہیں ۔ طبعی حالت تو امتناع سے نہیں پیدا ہوتی

بلکہ تصدیق سے پیدا ہوتی ہے اور تصدیق کے متعلق مرض کرچکا ہوں کہ یہ گویا ہمارے محرکوں اور تقاضوں کا کار آمد اور پسندیدہ طریقوں میں منتقل ہو جانا ہے ۔ اگر کوئی مظلوم اس قدر سلگین ہو جائے کہ اس کے علاج کی ضرورت لاحق ہو جائے تو پھر تصدیق کے عمل سے یہ مظلوم ”تحلیل“ ( Resolved ) ہو جاتا ہے ۔

مسٹر ماک : اس سے آپ کا کیا مطلب ہے اور یہ کیونکر انجام پاتا ہے ؟

براؤن : فرض کیجئے کہ ایک شخص تقاضے جنس کے استناع کی وجہ سے ایک مظلوم میں مبتلا ہو جاتا ہے ۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ اس کا اظہار مختلف طریقوں سے ہوتا ہے ۔ ممکن ہے کہ وہ اس حد تک پہنچ جائے کہ اس شخص کے اعصاب کو بالکل تباہ کر دے ۔ ایسی صورت میں علاج یہ ہوگا کہ اس شخص کے متنبہ تقاضے جنس کو عمل تصدیق سے ایسے پسندیدہ امور میں لگا دیا جائے جیسے کہ فنون لطیفہ اور خدمت خلق ہوں یا پھر کسی ایسے مفید کام میں اس کو لگایا جائے جو خود اس شخص کو مرغوب اور پسندیدہ ہو ۔ اس قسم کے تبدلات میں بڑی ہوشیاری کی ضرورت ہے ۔ اس کو صرف ایک ماہر فن ہی انجام دے سکتا ہے ۔ ماہر کے لئے بھی لازمی ہے کہ وہ فطرت انسانی کا عمیق مطالعہ کرچکا ہو ۔

مسٹر ماک : کیا اسی کو نفسی تجزیہ ( Psychoanalysis ) کہتے ہیں ؟

ڈاکٹر پفن برگ: - جی ہاں۔ مخلوطوں کے سلسلے میں میں نے شروع ہی میں آپ سے عرض کیا تھا کہ مخلوط فروتری کسی شخص کے تقاضے اظہار نفس میں مزاحمت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ میرا مطلب تقاضے اظہار نفس کے امتناع کے نتیجہ سے تھا۔

مسٹر ماک: - جی ہاں میں سمجھ گیا۔ آپ نے یہ فرمایا کہ طبعی انسانوں میں اظہار نفس کا تقاضا ہوتا ہے۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ بعض انسان میں مہتج ہو جاتا ہے اور بعض میں نہیں؟

ڈاکٹر پفن برگ: - زندگی کے ابتدائی سالوں میں جو تربیت ملتی ہے اس کو اس میں بہت کچھ دخل ہے۔ مثلاً ہر بچہ کسی نہ کسی وقت جن معرکوں یا تقاضوں میں مزاحمت پاتا ہے اُن کے اظہار کی کوئی نہ کوئی غیر اطمینان بخش صورت ضرور اختیار کرتا ہے۔ اس کی ادنیٰ مثال ضد کرنا اور بھالنا ہے۔ فرض کیجئے کہ ایک بچہ سے کہا گیا کہ وہ ایک خاص غذا کھائے۔ وہ بجائے کھانے کے سڑے غصے کے فرش پر لیٹ جاتا ہے، ہاتھ پیر مارتا ہے اور غل مچاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کے علاج کی ضرورت ہے۔

مسٹر ماک: - تو نا تجربہ کار والدین کو آپ کیا رائے دیں گے۔

ڈاکٹر پفن برگ: - اس کے دفعیہ کی ایک ترکیب تو وہی پرانی ترکیب ہے یعنی 'ضرب' کی گردان اچھی طرح کردی جائے۔ دوسری ترکیب یہ ہے کہ بچہ کی تمام حرکتوں سے بالکل انجان

تخلیق حیات و انسان سائنس اکتوبر ۱۹۳۳ ع

بن جانا چاہئے۔ اگر کچھ نہ کیا جائے گا تو حوادث زندگی کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک غیر طبعی طریقہ کی بنیاد پڑ جائے گی۔ اب گویا بچے کے ہاتھ میں ایسا ہتھیار آگیا ہے جس سے وہ اپنے تقاضوں کو جبراً پورا کرا سکتا ہے۔ اس میں دقت یہ ہوتی ہے کہ آگے چل کر جب زندگی میں وہ قدم رکھتا ہے تو وہ ہتھیار بے کار ہو جاتا ہے، اس لیے وہ زندگی کے معمولی حوادث سے بھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ نتیجہ کیا ہوا؟ اس میں مظلومہ فروتری پیدا ہو گیا، جس کا اظہار میرے بیان کردہ طریقوں میں سے کسی نہ کسی ایک طریقے سے ہوتا ہے —

مسٹر ساک :- آپ کا مطالبہ یہ ہے کہ مظلومہ فروتری کی جملہ صورتیں بچپن میں نامناسب تربیت سے پیدا ہوتی ہیں۔ اگر واقعی ایسا ہے تو دنیا میں اس کی کثرت ہونی چاہئے یا ہم سب کو اس میں مبتلا ہونا چاہئے —

ڈاکٹر یفن برگ :- آپ کا سوال دو جواب چاہتا ہے۔ پہلا تو یہ کہ اس کی کثرت دنیا میں اس سے زیادہ ہے جتنا کہ آپ کے خیال میں ہے۔ دوسرا یہ کہ ہم کو بالکل یہ یقین نہیں ہے کہ بعض لوگ فروتری کی طرف پیداؤشی میلان نہیں رکھتے۔ اس کو قطعی طور سے دریافت کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ لیکن اتنا ہم جانتے ہیں کہ چند گھنٹوں کا نوزائیدہ بچہ بھی اتنا جان جاتا ہے کہ رونے

سے اس کی خواہشیں پوری ہو جائیں گی اور اس کو  
 خوب پیار کیا جائے گا۔ ممکن ہے کہ اس طرح معرکوں  
 اور تقاضوں کو پورا کرنے سے بالکل ایک غلط طریقہ کی  
 بنیاد پڑ جائے۔ اگر آپ اس کو یوں ہی چھوڑ دیں گے  
 تو آپ بچے کو ایک غلط راستے پر تال دیتے ہیں۔ اور  
 ممکن ہے کہ آپ مخلوط فروتنی کی بنیاد تال دیں  
 تو بعد میں چل کر اس شخص کے لیے بہت مضرت رساں  
 ثابت ہو —

## رنگ اور رنگ کی رویت

از

جناب پروفیسر منہاج الدین صاحب ، اسلامیہ کالج، پشاور

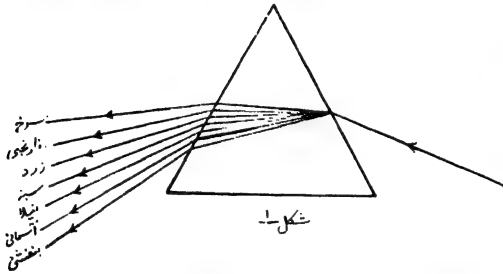
جب ہم اپنے ارد گرد کی اشیا پر نظر ڈالتے ہیں تو اُن میں تین طرح کے اختلاف دیکھتے ہیں۔ اول تو اُن کی شکلیں مختلف ہوتی ہیں۔ دوسرے بعض اشیا تیز روشن ہوتی ہیں اور بعض مدہم۔ تیسرا اختلاف جس کے متعلق میں اس مضمون میں بحث کروں گا، رنگوں کا اختلاف ہے۔ کوئی چیز سوخ ہے کوئی سبز اور کوئی بنفشی —

ہماری حس باصرہ مختلف رنگوں میں تھیز کر سکتی ہے۔ اُس کی وجہ یہ ہے کہ آنکھ کے پردہ اول پر ہر رنگ کی چیز کا اثر الگ ہوتا ہے۔ اسی طرح کان پر مختلف سروں کا اپنا اپنا اثر ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے ہم سروں میں تھیز کر سکتے ہیں —

سوال پیدا ہوتا ہے کہ رنگوں کا اثر مختلف ہونے کا طبیعی سبب کیا ہے۔ یعنی کیا وجہ ہے کہ کوئی چیز تو ہمیں سرخ نظر آتی ہے اور کوئی سبز۔ اس لیے پہلے میں طبعی نقطہ نظر کو لے کر بتاؤں گا کہ چیزوں کے رنگ ان کی کس خاصیت کے ساتھ وابستہ ہیں —

## رنگ کی ماہیت

اگر تاریک کمرے میں آفتاب کی شعاعیں باریک شکات کے مسلسل طیف راستے داخل ہو رہی ہوں - تو سامنے کی دیوار پر سفید روشنی کی لکیر سی بن جائے گی - اب اگر ان شعاعوں کے راستے میں شیشے



کا تگون یا منشور (م) رکھ دیا جائے تو سفید کرنیں منشور میں سے گذرنے کے بعد مختلف رنگوں کی شعاعوں میں تبدیل ہو جائیں گی - اور دیوار پر

ایک چوڑی رنگین دھاری نمودار ہوگی جس کے رنگ مندرجہ ذیل ہوں گے -

سرخ - نارنجی - زرد - سبز - فیلا - آسمانی اور بنفشہ —

یہ رنگ وضاحت کے ساتھ بالکل الگ الگ نظر نہیں آتے - بلکہ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ایک رنگ کہاں ختم ہوا اور دوسرا کہاں سے شروع ہوا - اور دونوں کناروں پر بھی رنگ آہستہ آہستہ مدھم ہوتے جاتے ہیں -

دھاری اور تاریکی کے درمیان کوئی واضح حد فاعل نہیں ہوتی —

رنگین دھاری جو آفتاب کی شعاعوں کے منشور میں سے گذرنے پر نمودار ہوتی ہے آفتاب کا طیف (Spectrum) کہلاتی ہے - طیف کا مقام دیکھنے پر معلوم ہوا کہ وہ اُسی سمت میں نہیں ہے - جس میں آفتاب کی شعاعیں منشور پر پڑنے سے پہلے جاری تھیں - بلکہ منشور میں سے گذر کر سب شعاعوں کی سمت بدل گئی ہے - ان رنگوں میں سے بنفشہ شعاعوں کا انحراف سب سے زیادہ ہوا ہے - اور نیلے رنگ کا سبز رنگ سے زیادہ - سبز کا زرد سے زیادہ اور زرد کا سرخ سے زیادہ - سرخ شعاعوں کا انحراف



اور سب رنگوں سے کم ہے —

اب اگر پردہ میں اُس جگہ جہاں زرد رنگ کی دھاری بنتی ہے شکات کر دیا جائے تو زرد رنگ کی شعاعیں شکات میں سے گذر جائیں گی۔ ان شعاعوں کے راستے میں ایک اور اُسی قسم کا منشور حائل کر دیا جائے جیسا کہ آفتاب کی روشنی کے راستہ میں حائل کیا گیا تھا تو اُس میں سے گذرنے میں زرد شعاعیں اتنی ہی منعرت ہوں گی جتنی پہلے منشور میں سے گذرنے میں منعرت ہوئی تھیں۔ لیکن ان کا رنگ زرد ہی رہے گا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر منشور زرد شعاعوں میں معین انحرافات پیدا کرتا ہے۔ اسی طرح ہر منشور سرخ شعاعوں میں معین انحرافات پیدا کرتا ہے جو زرد شعاعوں کے انحرافات سے کم ہوتا ہے وعلیٰ هذا القیاس —

چونکہ سب رنگوں کی شعاعیں سفید نور سے حاصل ہوتی ہیں اس لیے ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ معمولی سفید روشنی سات رنگوں پر مشتمل ہے۔ منشور میں سے گذرنے پر وہ مختلف رنگوں میں اس لیے پھٹ جاتی ہے کہ ہر رنگ کا انحرافات مختلف ہوتا ہے۔ نور کے رنگوں میں اس طرح بت جانے کو انتشار نور کہتے ہیں —

ہم ایلی حس باصرہ کے ذریعے مختلف انحرافات والی شعاعوں میں اُن کے رنگوں کو دیکھ کر تمیز کرتے ہیں۔ مگر جن شعاعوں کو مثلاً ہم سبز رنگ کی شعاعیں کہتے ہیں اُن سب کا انحرافات بالکل برابر نہیں ہوتا۔ بلکہ بعض کا کسی قدر کم ہوتا ہے اور بعض کا زیادہ۔ اس فرق کو ہماری آنکھ محسوس نہیں کر سکتی۔ اس لیے ہم سب شعاعوں کو سبز کہتے ہیں۔ نیز بسا اوقات رنگ کی تمیز بھی مشکل ہوتی ہے۔ مثلاً سبزی مائل نیلے رنگ کو بعض لوگ نیلا کہہ دیتے ہیں اور بعض سبز۔ ان وجوہات کی بنا پر انحرافات

کے ذریعے شعاعوں کو معین کرنے کا طریقہ زیادہ صحیح ہے —

اگر شعاعیں ایک واسطے (ہوا) سے دوسرے واسطے (شیشہ) میں گذریں تو اُن کی سمت بدلتی ہے۔ اس مظہر کو انعطاط نور کہتے ہیں۔ سفید روشنی میں مختلف قسم کی شعاعیں ہوتی ہیں۔ جن میں سے بعض زیادہ انعطاط پذیر ہوتی ہیں اور بعض کم۔ پس شعاع کو معین کرنے کے لیے صرف یہ جاننا ضروری ہے کہ وہ کس حد تک انعطاط پذیر ہے —

اب ہم اس مسئلہ پر غور کرتے ہیں کہ انعطاط کا اختلاف کیوں ہوتا ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ نور کی خاصیات اسواج کی سی ہیں۔ پس نور کی اشاعت کے لیے تہوج کی ضرورت ہے۔ یہ تہوج مبداء نور سے روانہ ہوتا ہے۔ اور اثر \* میں سے ہوکر آنکھ سے ٹکراتا ہے تو رویت کی کیفیت پیدا ہوتی ہے —

مبداء نور سے اسواج روانہ ہونے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اُس کے ذرے نہایت سرعت کے ساتھ تہر تہراتے ہیں۔ اور مختلف رنگوں کی روشنی کا اختلاف اس لیے ہوتا ہے کہ ذروں کی تہر تہراہٹ کی تیزی بواہر نہیں ہوتی۔ مثلاً بنگشتی شعاعوں کا تعدد + ارتعاش سرخ شعاعوں کے تعدد ارتعاش سے تقریباً دگنا ہوتا ہے۔ اس لیے اگر ہمیں کسی خاص سبز شعاع کو متعین کرنا ہو جس کا انعطاط معلوم ہو تو ہم صرف اس شعاع کے متعلق

\* موجودہ قہاس کے مطابق تمام نضائے بسوط میں ایک واسطہ موجود ہے جس کا نام اثر ہے۔ اثر سے کوئی جگہ خالی نہیں۔ نور اور لاسلکی امواج کی اشاعت اثر کے ذریعے ہوتی ہے —

+ جعلی مرتبہ کوئی ذرہ ایک ثانیہ میں تہر تہراتا ہے اُسے ذرہ کا تعدد ارتعاش کہتے ہیں —

ذروں کا تعدد ارتعاش بیان کر دیں گے۔ اس ترکیب سے شعاع بالکل معین ہو جائے گی —

فضا یا ہوا میں نور کی رفتار تقریباً ۱۸۶۰۰۰ میل یا ۳۰۰۰۰۰ کلومیٹر فی ثانیہ ہے۔ اور جتنا فاصلہ کسی خاص رنگ کی شعاعیں ایک ارتعاش کے دوران میں طے کر لیتی ہیں اُس فاصلہ کو شعاعوں کا طول موج کہتے ہیں۔ پس اگر شعاع کے تعدد ارتعاش کو طول موج میں ضرب دیا جائے تو ایک ثانیہ میں طے کردہ فاصلہ یعنی رفتار نور حاصل ہوگی۔ اس سے ظاہر ہے کہ اگر کسی شعاع کا طول موج معلوم ہو تو اُس سے بھی شعاع متعین ہو جائے گی —

ہماری حس باصرہ صرف اُن امواج کو محسوس کر سکتی ہے جن کا طول موج خاص حدود کے درمیان واقع ہوتا ہے۔ مندرجہ ذیل جدول میں مرئی شعاعوں کا طول موج دیا گیا ہے —

سرخ	۶۷۲۳۰	مائیکروں * سے	۶۱۳۷۰	مائیکروں تک
نارنجی	۶۱۴۷۰	" سے	۵۸۵۰	" تک
زرہ	۵۸۵۰	" سے	۵۷۵۰	" تک
سبز	۵۷۵۰	" سے	۴۹۲۰	" تک
نہلا	۴۹۲۰	" سے	۴۵۵۰	" تک
آسمانی	۴۵۵۰	" سے	۴۲۲۰	" تک
بنفشہ	۴۲۲۰	" سے	۳۹۷۰	" تک

\* مائیکروں  $\frac{1}{1000}$  ملی میٹر یا  $\frac{1}{1000000}$  میٹر کے برابر ہوتا ہے —

یہی امواج جب آپس میں خلط ملط ہو کر آنکھ سے نکراتی ہیں۔ تو سفید نور کا احساس ہوتا ہے۔ اگر انہری امواج کا طول موج مذکورہ بالا حدود کے اندر نہ ہو تو اُن کا آنکھ پر کوئی اثر نہ ہوگا۔ لیکن اور مختلف طریقوں سے ان کا احساس ہو سکتا ہے۔ مثلاً سرخ شعاؤں سے زیادہ طول موج کی لہریں ہم حرارت کی شکل میں محسوس کرتے ہیں۔ اور بنفشتی شعاؤں سے کم طول موج کی شعاؤں کو اُن کے کیمیائی عمل سے شناخت کر سکتے ہیں۔ بہت لمبے طول موج کی شعاؤں بے قار پیام رسانی میں استعمال ہوتی ہیں۔ ان شعاؤں کا طول موج  $\frac{1}{10}$  ملی میٹر سے ۱۳۰۰۰ میٹر تک ہوتا ہے۔

ظاہر ہے کہ رنگوں کا اختلاف کوئی حقیقی اختلاف نہیں۔ محض ہمارے احساس کا اختلاف ہے۔ بعض آدمی فیلے اور آسمانی رنگ میں تمیز نہیں کر سکتے۔ ان کی حس باصرہ کے مطابق طیف کے چہ رنگ ہوتے ہیں۔ بعض آدمیوں کی حس باصرہ اتنی کم زور ہوتی ہے کہ وہ اور رنگوں میں بھی صحیح طور پر تمیز نہیں کر سکتے۔

خلا یا ہوا میں ہر رنگ کی روشنی کی رفتار برابر ہوتی ہے۔ لیکن کثیف واسطوں میں روشنی کی رفتار رنگ پر منحصر ہوتی ہے۔ یہی رفتار کا فرق ہے جس سے انعطات کا اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ کسی خاص رنگ کی شعاؤں کا طول موج مختلف واسطوں میں مختلف ہوتا ہے۔

بخارات کا طیف | سورج کی کرنوں کا طیف مسلسل ہوتا ہے۔ اس میں سات رنگ ہوتے ہیں جو ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ واقع ہوتے ہیں۔ لیکن اگر ہم گیس کا شعلہ روشن کریں اور کسی سلاخ میں نہک لگا کر شعلہ پر رکھ دیں تو شعلہ کا رنگ زرد ہوگا۔ اور اُسے

رنگ اور رنگ کی رویت سائنس اکتوبر سنہ ۲۳ ع

منشور میں سے دیکھنے پر مسلسل طیف کی بجائے زرد خط نظر آئے گا جو طیف کے خاص مقام پر راقع ہوگا۔ نمک سوڈیم کا مرکب ہے۔ شعاع میں رکھنے سے سوڈیم کے بخارات بھڑک اُٹھتے ہیں۔ اور ان بخارات کا طیف ایک خط ہوتا ہے۔ یہی حال اور چیزوں کا ہے۔ جس عنصر کو شعلے میں رکھ کر بخارات میں تبدیل کیا جاتا ہے اس کے طیف میں خاص خاص مقامات پر خاص رنگوں کے خط نظر آتے ہیں۔ اُس کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی عنصر بخارات میں تبدیل ہو کر بھڑک اُٹھتا ہے تو اُس سے خاص طول موج کی لہریں پیدا ہوتی ہیں۔ اور اُنہی لہروں کے مطابق خطوط طیف میں پائے جاتے ہیں۔ اسی بڑا پُر کسی مرکب کے طیف کو دیکھ کر ہمیں معلوم ہو سکتا ہے کہ اُس میں کون سے عنصر موجود ہیں۔

وسیع معنوں میں رنگ کا اطلاق تنویر یعنی روشنی رنگ فرعی یا لون کی تیزی پر بھی ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے رنگ اختلاف تین طرح سے ہو سکتا ہے۔

۱۔ حدت یا تنویر کا اختلاف۔

۲۔ سیری کا اختلاف یعنی رنگ خاص ہے یا اس میں سفید روشنی

کی آمیزش ہے۔

۳۔ رنگ فرعی یا لون کا اختلاف۔

آفتاب کی روشنی کو جس میں طیف کے تمام رنگ شامل ہوتے

ہیں سفید رنگ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

رنگ فرعی یا لون سے سراہ اصل رنگ سے ہے۔ مثلاً کوئی چیز سرخ

ہو تو اُس کا رنگ فرعی سرخ ہے۔ اور سبز ہو تو اُس کا رنگ فرعی یا لون سبز

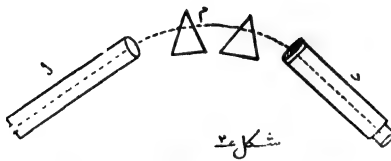
ہے۔ عام اصطلاح میں صرف رنگ فرعی کو رنگ کہتے ہیں۔

رنگ کی سیری کا مطالب یہ ہے کہ خالص رنگ میں سفید روشنی کس نسبت سے ملی ہوئی ہے۔ مثلاً اگر کوئی شعلہ زرد شعلے اور سفید شعلے سے مل کر بنا ہو اور اُس میں زرد رنگ کے مطابق طول موج کی شعاعوں کی تیزی کل شعلہ کی تیزی کا نصف ہو تو شعلے کا رنگ زرد نظر آئے گا۔ مگر وہ خالص زرد نہ ہوگا۔ بلکہ اُس کی سیری ۵۰ فی صدی ہوگی۔

### رنگ کا تجزیہ اور ترکیب

رنگوں کا تجزیہ | مرکب رنگ کو مفرد رنگوں میں تقسیم کرنے کے لیے طیف نما استعمال ہوتا ہے۔ اس آلہ کے اجزا حسب ذیل ہیں: —

۱۔ منشور (م)۔ اگر زیادہ تشریح کی ضرورت ہو تو دو یا تین منشور استعمال ہوتے ہیں۔



۲۔ نلی (الف) جس کے ایک سرے پر باریک شکات ہے اور دوسرے سرے پر محدب عدسہ۔ شکات کے سامنے

منور جسم رکھا جاتا ہے اور اس کی شعاعیں شکات میں سے گذر کر آتی ہیں تو عدسہ انہیں متوازی کر دیتا ہے۔ یہ متوازی شعاعیں منشور کے ذریعے مختلف رنگوں میں تقسیم ہوتی ہیں۔

۳۔ (د) ایک چھوٹی سی دوربین ہے جو طیف کو دیکھنے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ دوربین منشور کے گرد گھوم سکتی ہے۔ اس لیے اُسی کو گھما کر طیف کے ہر حصہ کا معائنہ ہو سکتا ہے۔

اگر طیف نما میں سوڈیم کا شعلہ دیکھا جائے تو وہ باریک زرد خط

نظر آئیں گے۔ جو بالکل قریب قریب واقع ہوں گے۔ یہ خط سوڈیم کے مخصوص خط کہلاتے ہیں۔ سوڈیم کے شعلے کی شعاعیں منشور میں سے گذر کر پڑے پر پڑیں تو صرف ایک خط نظر آتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سوڈیم کے دونو خط پاس پاس ہوتے ہیں منشور میں سے گذرنے پر وہ علیحدہ علیحدہ نظر نہیں آتے۔ طیف نما میں الگ الگ نظر آجاتے ہیں۔

اگر سوڈیم کی بجائے کسی اور عنصر کے بخارات کو بھڑکا کر طیف نما میں دیکھا جائے تو اس عنصر کے مخصوص روشن خط دکھائی دیں گے۔ لیکن اگر آفتاب یا برقی لمپ کی روشنی کا مشاہدہ کیا جائے۔ تو مسلسل طیف نظر آئے گا۔ پھر اگر معمولی لمپ اور آفتاب کی روشنی کا مقابلہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ آفتاب کی روشنی کا بنفشتی حصہ نہایت تیز روشن ہے اور لیمپ کی روشنی کا سرخ حصہ تیز روشن ہے اور بنفشتی حصہ مدہم۔ پس ہم طیف نما کے ذریعے نہ صرف یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ کسی خاص مبداء نور میں سے کون کون سے طول موج کی امواج خارج ہو رہی ہیں؛ بلکہ یہ بھی معلوم کر لیتے ہیں کہ کن امواج کی تنویر زیادہ ہے اور کن کی کم۔

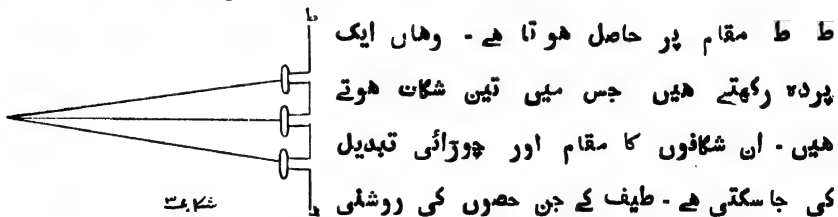
طیف کے رنگور اگر طیف کے سامنے ایک مناسب عدسہ مناسب فاصلے پر کی ترکیب رکھا جائے تو عدسہ تمام رنگوں کی روشنی کو ایک مقام پر جمع کر دے گا اور وہاں سات رنگوں کی دھاری کی بجائے سفید لکیر دکھائی دے گی۔

طیف کے رنگوں کی ترکیب کا ایک اور طریقہ یہ ہے کہ طیف کو ایک بکس پر تالا جائے جس کے چاروں پہلوؤں پر آئینے لگے ہوں۔ اور پھر بکس کو کھپایا جائے۔ بکس کو کھانے سے سب رنگ باری باری آنکھ

کے سامنے آتے جائیں گے۔ اور رویت کے استہرار کی وجہ سے آنکھ پر ان سب کا مجموعی اثر پڑے گا۔ ایسا معلوم ہوگا کہ آنکھوں سے سفید روشنی منعکس ہو کر آرہی ہے۔

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ ایک گول قرص پر نصف قطر کھینچ کر اسے سات حصوں میں تقسیم کیا جائے اور ان قطعوں پر طیف کے رنگ ترتیب وار لگا کر قرص کو تیزی کے ساتھ گھمایا جائے۔ قرص کا رنگ دھندلا سفید یا مٹیالا سا نظر آئے گا۔

مذکورہ بالا طریقوں میں طیف کے سب رنگ آپس میں خلط ملط ہوتے ہیں۔ اور ان کے باہم ملنے سے سفید نور یا خاکستری رنگ حاصل ہوتا ہے۔ لیکن رنگوں کی مکمل تحقیقات کے لئے ضروری ہے کہ خاص طول موج کی اسواج کو طیف سے الگ کیا جائے اور پھر انہیں کسی اور طول موج کی اسواج کے ساتھ ملا کر مشاہدہ کیا جائے۔ اس مطلب کے لیے سفید نور کے طیف میں سے خاص رنگوں کی روشنی لیکر انہیں باہم ملاتے ہیں۔ طیف پیدا کرنے کے لیے طیف نما استعمال کرتے ہیں۔ جس میں دوربین کی بجائے ایک عدسہ ہوتا ہے۔ عدسہ کے محل سے واضح اور مسلسل طیف



کو باہم ملانا مقصود ہوتا ہے۔ ان کے سامنے شکات لے آتے ہیں۔ شکافوں کے سامنے عدسے ہوتے ہیں جو شکافوں کی روشنی پردے کے ایک معین مقام



پر جمع کر دیتے ہیں۔ جہاں طیف کے رنگوں کا مجبوعی اثر مترقب ہوتا ہے۔  
طیف کے رنگوں کی آمیزش سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ ہوئے ہیں۔

سرخ روشنی + سبز روشنی = زرد روشنی

سبز روشنی + آسمانی روشنی = طاوسی فیلی روشنی

آسمانی روشنی + سرخ روشنی = قرمزی روشنی

نہز یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ 'سرخ' سبز اور آسمانی رنگوں کی مناسب آمیزش سے ہر رنگ پیدا ہو سکتا ہے۔ اسی بنا پر رویت کا یہ رنگی نظریہ قائم ہوا ہے کہ آنکھ کے شبکیہ میں تین قسم کے رنگ گیرندے ہیں۔ جن میں سے ایک سرخ رنگ کا احساس کرتا ہے دوسرا سبز رنگ کا اور تیسرا آسمانی رنگ کا۔ جب ان تینوں گیرندوں کو مناسب تحریک ہوتی ہے تو سفید رنگ کا احساس دماغ کو منتقل ہوتا۔

مختلف رنگوں کی ترکیب کا سادہ طریقہ یہ ہے کہ ایک گول قوس الوان قوس لیں اور رنگوں کو جس نسبت سے ملانا مقصود ہو اسی نسبت سے نصف قطر کھینچ کر قوس کے حصے کر لیں۔ اور اُن پر رنگ لگا دیں۔ پھر قوس کو کھوائیں۔ رویت کے استہوار کی وجہ سے ایک رنگ کا اثر غائب ہونے سے پہلے دوسرے رنگ آنکھ کے سامنے آتے جائیں گے اس لیے سب رنگوں کے مجبوعی اثر کا احساس ہوگا۔

ہر رنگ کی روشنی کے مطابق ایک ایسا رنگ ہوتا ہے۔  
اتھامی رنگ کہ جب دونوں کو باہم ملایا جاتا ہے تو اُن کی ترکیب سے سفید روشنی کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ ان رنگوں کو اتھامی یا تکمیلی رنگ کہتے ہیں۔ طیف کے اکثر حصوں کا اتھامی رنگ بھی طیف کا کوئی اور حصہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل جدول سے ظاہر ہے۔

رنگ اور طول موج	رنگ اور طول موج
اتھامی رنگ اور طول موج	سرخ ۶۵۶ مائکرون
نیل کون سبز ۴۹۲ مائکرون	نارنجی ۶۰۸ مائکرون
فیلا سبز ۴۹۰ مائکرون	زرہ ۵۸۵ مائکرون
فیلا ۴۸۵ مائکرون	سبزی مائل زرہ ۵۶۲ مائکرون
بنفشہ ۴۳۲ مائکرون	

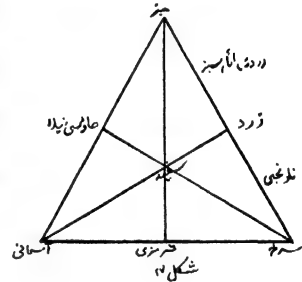
مختلف طول موج کے رنگوں کی ترکیب سے وہ رنگ تو پیدا ہوسکتے ہیں جن کا طول موج اُن کے بین بین ہو۔ لیکن سرخ اور بنفشہ رنگ اور رنگوں کی ترکیب سے پیدا نہیں ہوتے۔ اس لیے ان دونوں رنگوں کو اصلی یا اساسی رنگ کہتے ہیں۔ سرخ اور بنفشہ کو ملانے سے قرمزی رنگ حاصل ہوتا ہے۔ اور ان کے ساتھ سبز رنگ شامل کرنے سے سفید رنگ پیدا ہوتا ہے۔ پس سبز رنگ کا اتھامی رنگ قرمزی ہے۔

رنگین شیشوں والے لپ یا رنگ دار جسم کی جو روشنی آنکھوں میں پہنچتی ہے وہ ہم طور پر خالص طیفی رنگوں پر مشتمل نہیں ہوتی۔ یعنی اس میں محدود طول موج کی امواج نہیں ہوتیں۔ بلکہ وہ مختلف امواج کے سلسلوں کی مرکب روشنی ہوتی ہے۔ اس قسم کی روشنی کی طبعی تعبیر کے لیے یہ دیکھتے ہیں کہ مرکب نور میں کون کون سے طول موج کی لہریں موجود ہیں اور ہر طول موج کی لہروں کی تئویر کیا ہے اگر یہ معلوم ہو جائے تو اسی رنگ کی روشنی کا پیدا کرنا کچھ مشکل نہیں کھونکہ مناسب نسبت سے طیفی رنگوں کو ملانے سے جو روشنی حاصل ہوگی اس کا آنکھ پر بے ہیدہ اسی رنگ کی روشنی کا سا اثر ہوگا۔

یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ اگر دو جسموں کی روشنی کا آنکھ پر بالکل یکساں اثر مترقب ہو تو ضروری نہیں کہ جو ساہت پہلے جسم کی

روشنی کی ہے وہی دوسرے جسم کی روشنی کی ہو مثلاً طہفی سبز رنگ اور طہفی سرخ رنگ کو باہم ملانے سے ایسا زرد رنگ حاصل ہوتا ہے کہ آنکھ اس رنگ میں اور خالص طہفی زرد رنگ میں مطلق تمیز نہیں کر سکتی۔ اور جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے تین اساسی رنگوں کی مناسب آمیزش سے تمام رنگ بن سکتے ہیں۔

طیف کے مختلف رنگوں کی ترکیب سے جو لا تعداد رنگ حاصل ہوتے ہیں ان کو دکھلانے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ شکل نمبر ۴ کے مطابق مثلث الوان بنالیا جائے۔ مثلث متساوی الاضلاع ہے۔ تین اساسی رنگ سرخ، سبز اور آسمانی اس کے کونوں پر ہیں۔ اساسی رنگوں کے اتھاسی رنگ اضلاع کے وسط میں ہیں۔ اور سفید مرکز میں۔ طیف کے رنگ یعنی سرخ، نارنجی، زرد، زردی مائل سبز اور سبز اوپر کے ایک ضلع پر ہیں اور سبز اور نیلا دوسرے ضلع پر۔ قاعدہ ۴ پر



سرخ، کلماری، ارغوانی، قرمزی اور نیلگوں بذقشئی رنگ ہیں۔

خالص یا سیر رنگ تو پہلوؤں پر واقع ہیں۔ مدہم رنگ مثلث کے اندر سفید کے ارد گرد ہیں۔ مثلاً اگر ہم سرخ رنگ والے کونے سے مرکز کی طرف جائیں تو سرخ رنگ میں سفیدی ملتی جائے گی اور رنگ کی سرخی گھٹتی جائے گی۔ حتیٰ کہ مرکز پر رنگ سفید ہو جائے گا۔ مرکز سے گزر کر سفید رنگ میں کچھ نیلا پیدا ہوگا۔ جس کی سبزی بڑھتی جائے گی۔ پہلو پر پہنچ کر رنگ خالص طاؤسی نیلا ہوگا۔

دو رنگوں کی ترکیب سے جو رنگ حاصل ہوتا ہے وہ ان کے خط

اصل پر واقع ہوتا ہے۔ اگر دونوں رنگوں کی تنویر برابر ہے تو ان کا مرکب رنگ خط واصل کے درمیانی نقطہ پر ہوگا۔ مثلاً سورخ اور سبز کا مرکب زرد ہے۔ جو پہلو کے وسط میں ہے۔ اگر ایک رنگ کی تنویر دوسرے سے زیادہ ہو تو ان کا مرکب خط واصل کے عین درمیان میں نہ ہوگا۔ مثلاً اگر ایک رنگ کی تنویر دوسرے سے دگنی ہو تو مرکب رنگ کا مقام خط کو ایک اور دو کی نسبت میں قطع کریگا۔ زرد رنگ کو نیلے رنگ سے ملا کر سفید رنگ حاصل کرنا ہو تو شکل کے مطابق زرد کی تنویر نیلے رنگ سے دگنی ہونی چاہئے۔

سفید سیاہ اور سواں پھندا ہوتا ہے کہ سفید رنگ سے صحیح مراد کیا خاکستری رنگ ہے۔ یعنی روشنی کا وہ کونسا معیار ہے جس پر ہم سفید روشنی کا اطلاق کر سکیں۔ آفتاب کی روشنی کو طیف نما میں دیکھیں تو صبح کے وقت مختلف رنگوں کی تنویر کچھ ہوگی۔ دوپہر کو کچھ اور شام کو کچھ اور۔ اسی طرح اگر گرہ ہوائی میں گرد و غبار ہو تو تنویر میں فرق پڑ جائے گا۔ اس سے ظاہر ہے کہ اگر کسی خاص وقت اور خاص حالات میں آفتاب کی روشنی کو سفید روشنی کا معیار قرار دیا جائے تو حالات کے تبدیل ہونے سے رنگوں کی تنویر بدل جائے گی۔ اور روشنی سفید نہ رہے گی بلکہ اُس میں بعض رنگ اصلی معیار کے مقابلے میں زیادہ شوخ ہوں گے۔

سفید روشنی کا اطلاق عام طور پر اس روشنی پر کیا جاتا ہے جو آفتاب سے دوپہر کے وقت مطلع صاف ہونے کی صورت میں آتی ہے۔ مصنوعی لیمپ جلہیں ہم سفید کے نام سے موسوم کرتے ہیں فی الواقع سفید نہیں ہوتے۔ ان میں نیلے رنگ کی کمی ہوتی ہے۔

رنگ اور رنگ کی رویت سائنس اکتوبر سنہ ۳۳ ع

ہماری حس باصرہ اصلی سفید روشنی کی شناخت نہیں کرسکتی۔ اس کا تو یہ حال کہ دو اقسامی رنگوں کی مرکب روشنی اور طیف کے ساتوں رنگوں کی مرکب روشنی میں تمیز نہیں کرسکتی۔ حالانکہ دونوں کے اجزائے ترکیبی میں زمین و آسمان کا فرق ہے —

اگر کوئی جسم سفید روشنی کا کچھ حصہ جذب کر لے اور جذب انتخابی نہ ہو یعنی سب رنگوں کی روشنی کا تناسب قائم رہے تو جسم کا رنگ خاکستری نظر آئے گا۔ اگر تمام روشنی جذب ہو جائے تو جسم کا رنگ سیاہ ہوگا —

### رنگوں کی تقسیم و ترتیب

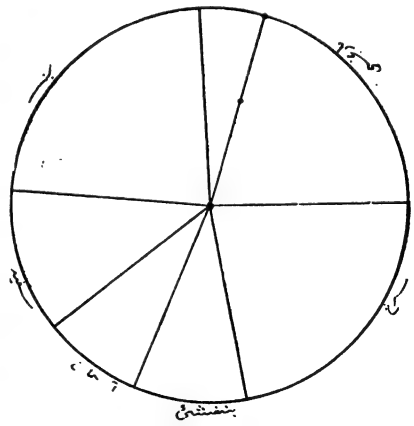
رنگوں کی کئی طرح سے تقسیم و ترتیب ہوسکتی ہے۔ اوستوالڈ (Ostwald) کی تقسیم نہایت سادہ ہے۔ اس تقسیم میں سفید اور سیاہ رنگوں کا نام مدہم رکھا گیا ہے۔ اور طیف کے سات رنگوں کا نام شوخ رنگ - مدہم رنگوں کے سلسلہ میں بھی شوخ رنگوں کی طرح تمام مدارج ہوسکتے ہیں۔ سیاہ اس سلسلے کے ایک سرے پر ہوگا اور سفید دوسرے سرے پر۔ مختلف خاکستری رنگ درمیان میں واقع ہونگے۔ ایک خاکستری رنگ کا دوسرے خاکستری رنگ سے اختلاف اس طرح ہوسکتا ہے کہ دونوں میں سفیدی اور سیاہی کی نسبت مختلف ہوگی۔ اگر دو خاکستری رنگوں کو ملایا جائے تو تیسرا خاکستری رنگ حاصل ہوگا جو ایک سے زیادہ روشن ہوگا اور دوسرے سے کم روشن۔ خاکستری سلسلہ کے تمام رنگوں کی تمیز ان کی وضو سے ہوسکتی ہے۔ یعنی اگر یہ معلوم ہو جائے کہ کتنے فی صدی روشنی منعکس ہوئی ہے تو ہمیں رنگ کا درجہ معلوم ہو جائے گا۔ مثلاً خاکستری رنگ نمبر ۹۵ وہ رنگ ہوگا جس سے واضح روشنی کا ۹۵ فی صدی حصہ منعکس ہو جائے۔ ایسا رنگ

سفید نظر آتا ہے اور خالص جست کے رنگ سے ملتا ہے۔ خاکستری نمبر ۸۰ خالص چاک کا رنگ ہوتا ہے۔ جو خاکستری رنگ ۴ فی صدی سے کم روشنی منعکس کریں انہیں سیاہ کہہ سکتے ہیں اور جن سے ۸۰ فی صدی سے زیادہ روشنی منعکس ہو ان پر سفید کا اطلاق ہو سکتا ہے۔

طیف کے رنگ اور ( خاکستری اور سفید کے علاوہ ) اور سب رنگ جو ان کو ملا کر پیدا ہوتے ہیں شوخ رنگ کہلاتے ہیں۔ رنگوں کا یہ سلسلہ نہایت وسیع ہے۔ پہلے تو ہم طیف کے مختلف رنگوں کو باہم ملا کر بہت سے رنگ پیدا کر سکتے ہیں۔ پھر ایک رنگ لے کر کسی سفید یا خاکستری یا سیاہ رنگ کے ساتھ اس کو ترکیب دے سکتے ہیں۔ اور پھر جب ایک شوخ اور ایک مدہم رنگ انتخاب کر لیں تو ان کو جس نسبت سے چاہیں ملا سکتے ہیں۔ اس لئے شوخ رنگوں کی تو قیاس اور شناخت اس قدر آسان نہیں جیسی کہ مدہم رنگوں کی۔

ہمیں طیف کے معائنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک سرے پر سرخ رنگ

ہے۔ وہاں سے شروع ہو کر رنگ کی سرخی بدلتی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ نارنجی ہو جاتا ہے۔ اس سے آگے نارنجی بتدریج زرد ہوتا ہے۔ اسی طرح بدلتے بدلتے بلفشتی رنگ ہو جاتا ہے۔ لیکن ہم نے کہیں غور نہیں کیا کہ بلفشتی کو بتدریج تبدیل کرنے سے سرخ رنگ بن سکتا ہے۔ اس کا مطالب یہ ہے کہ طیف کو خط مستقیم میں پھیلانے کی بجائے دائرے کی شکل میں پھیلا سکتے ہیں۔ اس دائرے پر کہیں



شکل نمبر ۵

سے روانہ ہوں مختلف رنگوں میں سے ہوتے ہوئے پھر وہیں پہنچ جائیں گے۔

اور تمام سفر میں رنگوں کی تبدیلی بتدریج ہوگی۔ پروفیسر اوستوالد زرد رنگ کے عین وسط میں سے جہاں نارنجی اور سبز کا نشان تک نہیں ہوتا دائرہ شروع کرتے ہیں۔ اور اس سمت میں روانہ ہوتے ہیں۔ جس میں وہ پہلے سبز رنگ میں داخل ہوتے ہیں۔ اور وہاں سے نیلے بلفشٹی سرخ اور نارنجی میں ہوتے ہوئے پھر زرد رنگ میں آجاتے ہیں۔

اوستوالد کا دائرہ ۱۰۰ برابر حصوں میں منقسم ہوتا ہے۔ اور ہر حصے میں طول موج کا اختلاف برابر ہوتا ہے۔ اس میں آسمانی رنگ ایک دوسرے کے مقابل واقع ہوتے ہیں۔ اگر زرد اور نیلے آسمانی رنگوں میں سے گذرتا ہوا قطر کھینچ دیا جائے تو ایک نصف دائرہ میں زرد، نارنجی، سرخ، بلفشٹی اور آسمانی رنگ ہوں گے اور دوسرے نصف دائرہ میں آسمانی، نیلا اور سبز۔ مزید براں ہر ایک نصف دائرہ کے رنگوں کی ترتیب ایسی ہے کہ ہر دو رنگوں کو ملا کر ان کا درمیانی رنگ بن جاتا ہے۔

دائرے کے ۱۰۰ حصوں میں سے ہر حصے کا رنگ الگ قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حصے کے اندر رنگ کا اختلاف اس قدر کم ہوتا ہے کہ نظر سے بالکل معلوم نہیں ہو سکتا۔ رنگوں کو صفر سے ۹۹ تک اعداد سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ صفر رنگ گندھک کا سا زرد ہے۔ صفر سے ۲۴ تک زرد سے شنگرفی سرخ تک تمام رنگ ہیں۔ شنگرفی سرخ سے ۲۵ تک رنگ ۲۹ تک ہیں۔ ۵۰ سے ۷۴ تک آسمانی سے شروع ہو کر نیلگوں سبز میں ختم ہوتے ہیں اور ۷۵ سے ۹۹ تک نیلگوں سبز سے گندھکی زرد تک۔

جب سفید مدھم رنگ کو کسی شوخ رنگ کے ساتھ ملایا جاتا ہے تو

روشن شوخ رنگ حاصل ہوتا ہے۔ دائرہ کے سو رنگوں میں سے ہر ایک رنگ اس طوم سے شوخ رنگ میں تبدیل ہو سکتا ہے۔ مثلاً نمبر ۲۱ رنگ سرخ ہوتا ہے اس لیے ۲۱ سے مراد خالص سرخ رنگ ہوگا۔ لیکن ۷۵ ۶ ۲۱ سے مراد وہی سرخ رنگ ہوگا جس میں ۷۵ فی صدی اصلی رنگ ہو اور ۲۵ فی صدی سفید رنگ —

اسی طرح جب خاص رنگ کو سیاہ رنگ کے ساتھ ملائے ہیں تو تاریک شوخ رنگ بن جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں ۷۵ ۶ ۲۱ سے یہ مراد ہوگی کہ ۷۵ فی صدی رنگ سرخ ہے اور ۲۵ فی صدی سیاہ۔ رنگ کے بیان کرنے میں یہ بتانا ضروری ہے کہ رنگ روشن شوخ ہے یا تاریک شوخ۔ ۷۵ ۶ ۲۱ سے یہ بات معلوم نہیں ہوتی —

جس شوخ رنگ میں سفید اور سیاہ دونوں رنگ ملے ہوں اسے متیلا رنگ کہتے ہیں۔ ایسے رنگ کے بیان کرنے میں تینوں رنگوں کی فی صدی نسبت دینی چاہئے۔ اگر دو رنگوں کا فی صدی تناسب معلوم ہو تو تیسرے کا خود بخود نکل آتا ہے۔ مثلاً ۴۰ - ۲۲ - ۲۱ سے متیلا سرخ رنگ مراد ہے۔ ۲۱ سے معلوم ہوا کہ رنگ سرخ ہے۔ ۲۲ کا مطلب یہ ہے کہ ۲۲ فی صدی خالص رنگ ہے۔ اور ۴۰ سے مراد یہ ہے کہ ۴۰ فی صدی سفید رنگ اس میں ملا ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ باقی ۳۶ فی صدی سیاہ رنگ ہوگا —

کسی خاص رنگ کی ترکیب معلوم کرنی ہو تو اوستوالد کے دائرہ اوان کے رنگوں کو ملانے کا کوئی مفادری آلہ ہونا چاہئے۔ قرص الوان اس مقصد کے لیے موزوں ہے۔ پہلے قرص الوان پر مختلف رنگ لگا کر اسے کھائیں تو رنگ کی اصلیت معلوم ہو جائے گی۔ پھر اس میں سفید اور سیاہ کی



مختلف مقادیر ملا کر اسے دیے ہوئے رنگ کے مطابق کر لینا چاہئے —

یہ تو ایک رنگ ہو گیا۔ بہت سے ایسے رنگ بھی بن سکتے ہیں جن میں دو رنگوں کی جھلک ہو۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ اس طرح سے ۴۵ لاکھ مختلف رنگ بن سکتے ہیں۔ مگر ہماری ضروریات کے لیے ۵۰۰ سے ۲۰۰۰ تک رنگ کافی ہیں۔ کیوں کہ جتنے رنگ زیادہ ہوں گے اتنا ہی ایک دوسرے میں اختلاط کم ہوگا —

چونکہ رنگوں کی تعداد بڑھ رہی ہے اس لیے استواء کی تقسیم و ترتیب رنگوں کی شناخت کے لیے نہایت ضروری اور مفید ہے —

### اجسام کے رنگ

جب کسی جسم پر نور کی شعاعیں پڑتی ہیں تو ان کے کچھ اجزا جسم میں جذب ہو جاتے ہیں کچھ جسم سے منعکس ہوتے ہیں اور کچھ اُس میں سے گذر کر پار نکل جاتے ہیں۔ اس اعتبار سے مادی اجسام دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ ہیں جو نور کی شعاعوں کے لیے شفاف ہیں۔ ان اجسام میں جذب سے بچی ہوئی روشنی جسم میں سے پار نکل جاتی ہے۔ دوسری قسم میں غیر شفاف اجسام شامل ہیں۔ جو جذب سے بچی ہوئی روشنی کو منعکس کر دیتے ہیں —

سفید روشنی مرئی طیف کی مختلف امواج پر مشتمل ہوتی ہے۔ اگر اس روشنی میں کوئی جسم مثلاً سرخ کپڑا رکھ دیا جائے تو وہ سرخ اس لیے نظر آتا ہے کہ طیف کے سرخ حصہ کے سواے اور سب رنگوں کی روشنی جذب کر لیتا ہے۔ اور سرخ روشنی اُس سے منعکس ہو جاتی ہے۔ جو جسم طیف کے تمام رنگوں کی روشنی برابر مقدار میں منعکس کر دیتا ہے وہ سفید دکھائی دیتا ہے۔ سفید کاغذ اسی سبب سے سفید نظر آتا

ہے۔ جس جسم میں تمام رنگوں کی روشنی جذب ہو جاتی ہے وہ سیاہ نظر آتا ہے۔

اگر ایک کاغذ پر سرخ رنگ اگا لیا جائے۔ اور پردہ پر طیف پیدا کر کے سرخ کاغذ اُس کے مختلف حصوں میں رکھا جائے تو وہ طیف کے سرخ حصہ میں سرخ دکھائی دے گا اور اُس کے سوائے طیف کے باقی تمام رنگوں کی شعاعوں میں سیاہ نظر آئے گا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سرخ کاغذ سرخ شعاعوں کے سوائے اور سب شعاعوں کو جذب کر لیتا ہے۔

عام طور پر رنگ دار جسم صرف ایک ہی رنگ کی روشنی منعکس نہیں کرتا۔ بلکہ منعکس شدہ روشنی میں اور رنگوں کی امواج بھی کم و بیش ملی ہوتی ہیں۔ مثلاً معمولی نیلی چیز نہ صرف نیلے رنگ کی شعاعیں منعکس کرتی ہے، بلکہ سبز، آسمانی اور بنفشتی شعاعیں بھی قلیل مقدار میں اُس سے منعکس ہوتی ہیں۔ اسی طرح زرد جسم کی منعکس شدہ شعاعوں میں سبز، نارنجی، اور سرخ رنگ بھی قلیل مقدار میں ملے ہوتے ہیں۔

اکثر اجسام کی بیرونی سطح سے سفید نور کا کچھ حصہ تبدیل ہوئے بغیر منعکس ہو جاتا ہے۔ لیکن زیادہ حصہ تھوڑی دور تک اندر چلا جاتا ہے۔ وہاں اندرونی انعکاس و انعطاف کی وجہ سے کئی رنگوں کی شعاعیں جذب ہو جاتی ہیں۔ اور بعض رنگوں کی روشنی منعکس ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے اُن اجسام کے رنگ خاص رنگ نہیں ہوتے۔ بلکہ اُن میں سفید روشنی کی ملاوت ہوتی ہے۔

اس بات کو ثابت کرنے کے لیے کہ جسم کی سطح سے سفید روشنی کا انعکاس ہوتا ہے ایک رنگ دار شیشے کا ٹکڑا لے کر اُس کے ریزے



رنگوں کی شعاعیں گذر جاتی ہیں۔ اس لیے وہ سفید نظر آتے ہیں —  
 اگر شفات جسم کی موٹائی کم ہو تو اُس میں سے گذرنے والی  
 شعاعوں کا رنگ خالص نہیں ہوتا۔ لیکن جوں جوں موٹائی بڑھتی ہے  
 رنگ زیادہ خالص ہوتا جاتا ہے۔ چونکہ رنگ دار شفات جسم میں سے  
 خاص رنگ کی روشنی گذر سکتی ہے اس لیے وہ اُس روشنی کو الگ  
 کرنے کے لیے استعمال ہو سکتا ہے۔ جب وہ جسم روشنی کے انتخاب کے  
 لیے استعمال ہوتا ہے تو اُسے رنگ بین (لون فلٹر) کہتے ہیں —

بعض چیزوں کی خاصیت ہے کہ اُن کی موٹائی کم ہو تو ایک رنگ  
 کی روشنی اُن میں سے گذرتی ہے۔ لیکن اگر موٹائی بڑھ جائے تو پار  
 گذرنے والی روشنی کا رنگ بدل جاتا ہے۔ اس مظہر کو اختلات لون کہتے  
 ہیں۔ مثلاً اگر کو بات کی تختی باریک ہو تو اُس میں سے نیلی روشنی  
 گذرتی ہے۔ لیکن اگر تختی موٹی ہو تو اُس میں سے سرخ روشنی پار  
 نکلتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کوبلت سرخ شعاعوں کو جذب نہیں کرتا  
 نیلی شعاعوں کو کم جذب کرتا ہے۔ اور ان کے علاوہ اور سب رنگوں کی  
 شعاعوں کو بالکل جذب کر لیتا ہے۔ اب اگر کوبلت کی باریک تختی ہو  
 تو اُس میں سے سرخ روشنی گذرے گی اور اُس کے ساتھ نیلی روشنی کی  
 کافی مقدار بھی گذر جائے گی۔ لیکن سرخ روشنی کی تفویر نیلی روشنی  
 کے مقابلے میں بہت کم ہوتی ہے۔ اس لیے روشنی کا رنگ فیلا نظر  
 آئے گا۔ تختی موٹی ہو تو نیلی شعاعیں بھی اُس میں جذب ہو کر رہ  
 جائیں گی۔ اس لیے صرف سرخ روشنی خارج ہوگی۔ بہت سے رنگ دار  
 مادوں میں یہ خاصیت پائی جاتی ہے —

گو اکثر اجسام کے رنگ جذب نور کی وجہ سے ظہور میں آتے ہیں۔

لیکن بعض چیزوں کا سطحی رنگ بھی ہوتا ہے۔ مثلاً سونے کا زرد رنگ سطحی ہوتا ہے۔ اگر سونے کا ورق لیکر دو شیشے کی تختیوں کے درمیان رکھا جائے اور اُس میں سے سفید روشنی کا معائنہ کیا جائے تو ورق سبز نظر آئے گا۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ سونے کا اصلی رنگ سبز ہے۔ یعنی سبز کے سوائے اور سب رنگوں کی روشنی اُس میں جذب ہو جاتی ہے۔ زرد رنگ سطح سے انعکاس کی وجہ سے نظر آتا ہے۔

آسمان کا نیلا رنگ | آسمان کا نیلا رنگ نظر آنے کی وجہ یہ ہے کہ ہوا میں چھوٹے چھوٹے خاکی ذرات ہوتے ہیں جو آفتاب کی روشنی کو چاروں طرف بکھیر دیتے ہیں۔ نیلے رنگ کا طول موج کم ہوتا ہے۔ اس لیے ذرات کا اثر نیلے رنگ پر زیادہ ہوتا ہے۔ سرخ رنگ پر طول موج کے زیادہ ہونے کی وجہ سے ذرات کا عمل کم ہوتا ہے۔ پس ذرات سے منتشر ہو کر جو روشنی ہماری طرف آتی ہے وہ نیلی ہوتی ہے۔

ظاہر ہے کہ انتشار سے بچ کر جو روشنی سیدھی گذر جائے گی وہ مقابلتاً سرخ ہوگی۔ اس میں نیلی اور دیگر چھوٹی امواج کی شعاعوں کی کمی ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ شام کو سورج کا رنگ سرخ نظر آتا ہے۔ سورج کی نیلی شعاعیں ادھر ادھر بکھر جاتی ہیں۔ اور سرخ رنگ کی شعاعیں کرۂ ہوائی میں سے گذر آتی ہیں۔

### رنگوں کے آمیزے

اگر ہم ایک امتحانی نلی میں قرمزی رنگ دوسری میں زرد اور تیسری میں نیلا رنگ حل کر لیں اور پھر ایک اور نلی لے کر اُس میں قرمزی رنگ کو نیلے رنگ کے ساتھ ملائیں تو سرخ رنگ حاصل ہوگا۔ زرد کو نیلے رنگ کے ساتھ ملانے سے سبز رنگ بنے گا اور نیلے کو سرخ

کے ساتھ ملانے سے ارغوانی رنگ - زرد اور نیلے رنگوں کو ملانے سے سبز رنگ بن گیا۔ لیکن ہمیں معلوم ہے کہ زرد اور نیلے طیفی رنگوں کا مرکب سفید ہوتا ہے۔ تو یہ اختلاف کیسے پیدا ہوا ؟

اختلاف کا سبب یہ ہے کہ طیفی رنگوں کی ترکیب سے جو رنگ پیدا ہوتے ہیں وہ اُن رنگوں کے مجموعی اثر سے مترتب ہوتے ہیں۔ لیکن رنگ دار مادہ کا رنگ وہ ہوتا ہے جو جذب ہونے سے بچ گیا ہو۔ مثلاً زرد مادہ اس لیے زرد نظر آتا ہے کہ سفید روشنی میں سے نیلے اور بنفشتی رنگوں کی شعاعیں جذب کر لیتا ہے۔ اور زرد روشنی منعکس کرتا ہے۔ لیکن کوئی زرد چیز ایسی نہیں جو صرف زرد روشنی کو منعکس کرے۔ بلکہ اُس کے ساتھ سرخ اور سبز روشنی بھی منعکس ہوتی ہے۔ زرد رنگ کی تیزی کی وجہ سے سرخ اور سبز رنگ ماند پڑ جاتے ہیں۔ اس لیے مادے کا رنگ زرد نظر آتا ہے۔ اسی طرح نیلا رنگ دار مادہ اس لیے نیلا نظر آتا ہے کہ سرخ اور زرد رنگ جذب کر لیتا ہے۔ اور سبز رنگ کے ساتھ ملی ہوئی نیلی روشنی منعکس کر دیتا ہے۔ اب اگر زرد اور نیلے رنگوں کا آمیزہ تیار کیا جائے تو زرد رنگ نیلی شعاعیں بالکل جذب کر لے گا اور نیلا رنگ زرد روشنی جذب کرے گا۔ پس دونوں رنگوں کے متحده عمل سے سبز رنگ کے سوائے اور سب رنگوں کی شعاعیں جذب ہو جائیں گی۔ اس لیے آمیزہ کا رنگ سبز ہوگا۔ حقیقت میں سبز رنگ نیلے اور زرد رنگ کا مرکب نہیں ہے۔ بلکہ وہ رنگ ہے جو نیلے اور زرد رنگدار مادوں کے جذب سے بچ جاتا ہے۔

رنگدار مادوں کی ترکیب سے جو مختلف رنگ پیدا ہوتے ہیں

رنگدار فلٹر

اُن کے مطالعہ کے لیے رنگدار فلٹر ملتے ہیں۔ تین فلٹر اس طرح بنے ہوتے ہیں کہ پہلے فلٹر میں مسلسل طیف کا ایک طرت کا تھائی

حصہ ہوتا ہے، دوسرے میں بیچ کا تہائی حصہ، اور تیسرے میں دوسری طرف کا تہائی حصہ۔ پہلا سرخ نظر آتا ہے۔ دوسرا سبز اور تیسرا فیلا۔ تین اور رنگدار فلٹروں پر ان تینوں رنگوں کے اتھامی رنگ ہوتے ہیں۔ گویا ان میں سے ہر ایک طیف کا دو تہائی حصہ ہوتا ہے۔ سرخ کے اتھامی فلٹر کا رنگ طاوسی فیلا ہوتا ہے۔ سبز کے اتھامی فلٹر کا قرسی اور نیلے کے اتھامی فلٹر کا زرد —

اب اگر نیلے اور زرد فلٹروں کو جوڑ دیا جائے تو ان میں طیف کا مشترک حصہ سبز رنگ ہو گا۔ پس ان کو باہم ملانے سے وہی رنگ حاصل ہو گا جو زرد اور نیلے رنگوں کی آمیزش سے حاصل ہوتا۔ اگر تیسرا اتھامی فلٹر بھی شامل کیا جائے۔ تو سب رنگ جذب ہو جائیں گے۔ یعنی رنگ سیاہ ہو جائے گا۔ مختلف فلٹروں کو باہم ملا کر یہ تحقیق ہوسکتا ہے کہ مختلف رنگوں کے آمیزوں کے رنگ کیا کیا ہوں گے —

[ رنگدار مادوں کی آمیزش سے جو رنگ پیدا ہوتے ہیں وہ شکل ۶

(ج) سے ظاہر ہیں ] —

### رنگ پر تنویر کا اثر

اگر آنکھ کے چاروں طرف کسی خاص رنگ کی روشنی پڑ رہی ہو تو وہ اسی کے زیر اثر ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دن کی روشنی میں جو اختلافات پیدا ہوتے رہتے ہیں وہ عموماً نظر انداز ہو جاتے ہیں۔ بلکہ اگر ہم دن کی روشنی سے مصنوعی روشنی میں جائیں تو خاص فرق محسوس نہیں کرتے۔ البتہ اگر دونوں کا تقابل ہو جائے تو فرق نمایاں ہو جاتا ہے —

مختلف لہروں کی روشنی میں اختلاف اسی وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ تپش (ٹھپریچر) کی کبھی بیشی سے مختلف طول موج کی شعاعوں کی طاقت

تنبویر میں فرق ہو جاتا ہے۔ ہر مبداء نور کا رنگ اُس کی تپش پر منحصر ہوتا ہے۔ معمولی لہپ جن کی تپش کم ہوتی ہے زردی مائل سرخ ہوتے ہیں۔ اس سے زیادہ گرم کاربن کے برقی لہپ ہوتے ہیں۔ جن کا رنگ زرد ہوتا ہے۔ دھات کے سوت والے تیز روشن برقی لہپ جو آج کل عام طور پر استعمال ہوتے ہیں مقابلتاً سفید ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ زیادہ گرم ہوتے ہیں۔ اور ان میں فہلی اور بلفشٹی شعاعیں بھی پیدا ہوتی ہیں۔ برقی قوس اور بھی گرم ہوتی ہے اور اس کا رنگ دیگر لہپوں کے مقابلے میں زیادہ سفید ہوتا ہے۔ اور زیادہ سفید لہپ کیس کے لہپ ہیں۔ جن میں حباب [ Mantle ] استعمال ہوتے ہیں۔ حباب کی ترکیب

شکل نمبر ۶ کا بلاک وقت پر تیار نہ ہو سکا اور رسالہ کے شایع ہونے میں دیر ہوتی تھی لہذا یہ شکل بلاک بن کر آنے کے بعد جنوری سنہ ۳۴ ع کے رسالے کے ساتھ شایع کر دی جائے گی۔

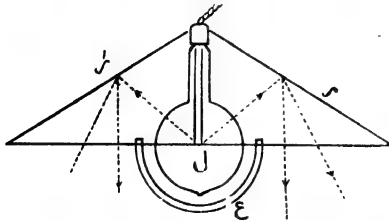
رکھ دیں گے، کاغذ کا رنگ بھی وہی ہو جائے گا۔ مثلاً فیلی روشنی میں وہ نیلا نظر آئے گا۔ اور سرخ روشنی میں سرخ۔ اس کا سبب یہ ہے کہ سفید کاغذ ہر رنگ کی روشنی منعکس کر دیتا ہے۔ اگر سفید کاغذ کی بجائے سرخ کپڑا فیلی روشنی میں رکھا جائے تو سیاہ نظر آئے گا۔ سرخ روشنی میں وہ تیز سرخ ہوگا اور زرد روشنی میں نیم زرد۔ نیلا مادہ سرخ نارنجی یا زرد روشنی میں سیاہ نظر آتا ہے۔ اور سبز روشنی میں



سبزی مائل - اس کی وجہ یہ ہے کہ نیلے مادہ میں سبز رنگ کلی طور پر جذب نہیں ہوتا —

اگر رنگدار کپڑوں کا مشاہدہ لمپ کی روشنی میں کیا جائے تو ان کے رنگ وہی نظر نہیں آتے جو آفتاب کی روشنی میں نظر آتے ہیں ۔ خاص طور پر نیلے کپڑوں کے رنگ میں نمایاں تبدیلی پائی جاتی ہے ۔ مثلاً جو کپڑا دن کو نیلا نظر آتا ہے وہ معمولی لمپ کی روشنی میں تقریباً سیاہ نظر آے گا ۔ سبب یہ ہے کہ وہ نیلے رنگ کے سواے اور رنگ جذب کر لیتا ہے ۔ اور لمپ کی روشنی میں نیلا رنگ تقریباً مفقود ہوتا ہے — رنگ کی تبدیلی ان کپڑوں میں اور بھی نمایاں ہوتی ہے جن سے کئی رنگوں کی روشنی منعکس ہوتی ہے ۔ بعض کپڑے جو دن کی روشنی میں سبز یا نیلے نظر آتے ہیں لمپ کی روشنی میں بھورے یا سرخ دکھائی دیتے ہیں —

روز نما لمپ | چونکہ مصنوعی سفید روشنی میں کپڑوں کے رنگ دن کی روشنی سے مختلف نظر آتے ہیں اور رنگوں کی شناخت نہیں ہو سکتی اس لیے بزاروں کو خاص ساخت کے لمپوں کی ضرورت پڑتی ہے ۔ جن میں کپڑوں کے رنگ وہی نظر آئیں جو دن کی روشنی میں نظر آتے ہیں ۔ ان لمپوں کو روزنہ لمپ کہتے ہیں ۔ ایک قسم کے 'روز نما' میں



شکل ۷

ایک معمولی برقی لمپ 'ل' ہے جس کے ایک طرف مجہا عکس انداز 'ع' ہے ۔ جو لمپ کی روشنی منعکس کر کے رنگین عکس انداز پر ڈالتا ہے ۔ رنگین

عکس انداز پر مختلف رنگوں کے قطعے لگے ہوتے ہیں جن میں سبز اور نیلے رنگوں

کے قطعے زیادہ ہوتے ہیں۔ پس لمپ کی روشنی کے سبز اور نیلے رنگ کے اجزا کا انعکاس نسبتاً زیادہ ہوتا ہے۔ اور رنگدار عکس انداز سے جو روشنی منعکس ہو کر آتی ہے وہ دن کی روشنی کے مشابہ ہوتی ہے۔ —

### رنگ کی رویت

رنگ ایک احساس ہے جو خاص طول موج کی شعاعوں کے شبکیہ یا آنکھ کے پردہ اول پر عمل کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ احساس دو باتوں پر منحصر ہوتا ہے۔ ایک تو نور کی طبیعی تحریک پر اور دوسرے اس امر پر کہ شبکیہ کے کس حصے پر عمل ہوا ہے۔ شبکیہ کا وسطی حصہ جو اور سب حصوں سے زیادہ حساس ہے زرد داغ کہلاتا ہے۔ اگر روشنی اس حصے پر پڑے تو یہ حصہ ۴۰۰ سے زیادہ رنگوں میں تیز کر سکتا ہے۔ اس سے باہر درمیانی طبقہ میں صرف ان رنگوں کی تیز ہوتی ہے جن کا طول موج زرد اور نیلے رنگوں کے آس پاس ہوتا ہے۔ اگر روشنی تیز ہو تو شبکیہ کے کناروں تک رنگ کا احساس ہوتا ہے۔ —

سوال پیدا ہوتا ہے کہ رنگوں کا اختلاف ہم کیونکر محسوس کرتے ہیں۔ ممکن ہے کہ جب اثر کے ارتعاشات کا سلسلہ شبکیہ کے ساتھ تکرار ہو تو ان کے ہم آہنگ ارتعاشات فسون کے سروں پر پیدا ہو جاتے ہوں۔ اور وہ دماغ کو منتقل ہوتے ہوں۔ اس صورت میں تسلیم کرنا پڑے گا کہ جب بہت سی مختلف امواج عمل کرتی ہیں تو ان کا متفقہ اثر دماغ کو منتقل ہوتا ہے یعنی یہ ارتعاشات باہم مل کر ایک اور ارتعاش پیدا کرتی ہیں۔ یا ممکن ہے کہ مختلف طول کی امواج حساس پردے پر پڑ کر اس کی کیمیائی تبدیلی کو تیز یا مدہم کردیتی ہوں۔ اور کیمیائی تبدیلی کا فرق حساس فسون میں تبدیلی پیدا کرتا ہو۔ جس سے احساس کا

اختلافات پیدا ہوتا ہو —

رنگ کی بصارت کے متعلق نظریوں کا موازنہ کرنے کے لیے  
رنگ کے متعلق تمام معشق اسور کو پیش نظر رکھنا چاہئے ۔ مندرجہ ذیل  
اسور تحقیق ہو چکے ہیں —

۱ - سرخ ، زرد ، سبز اور نیلے رنگوں کا الگ الگ اثر ہوتا ہے ۔ نیز  
سفید رنگ کا اثر ان سب رنگوں سے مختلف ہوتا ہے —

۲ - ۲۰۰ کے قریب فرعی رنگ ہیں جن میں آنکھ تھیز کر سکتی ہے —  
۳ - مختلف رنگوں کی رویت اور تفویز اسواج کے طول پر منحصر  
ہوتی ہے —

۴ - طیف کے تین رنگوں یعنی سرخ ، سبز اور آسمانی سے تمام فرعی رنگ  
پیدا ہو سکتے ہیں —

۵ - آنکھ کے شبکیہ کی ساخت اور اس پر روشنی کا عمل ہمیں  
بخوبی معلوم ہے —

۶ - جس چیز کا عکس پردہ شبکیہ پر پڑتا ہے وہ چیز کے غائب ہونے کے  
بعد بھی ذرا سی دیر تک قائم رہتا ہے —

۷ - جب آنکھ پر ایک رنگ کی روشنی کا عمل کچھ دیر تک جاری رہے  
تو وہ اس رنگ سے اُتتا یا تھک جاتی ہے —

اب میں رنگ کے احساس کے متعلق دو نظریے بیان کروں گا ۔ اور ان پر

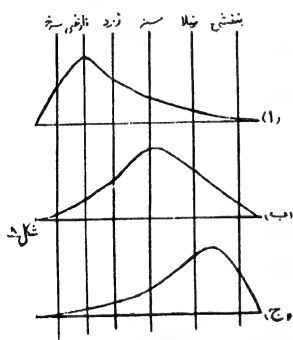
مختصر بحث کروں گا —

<p>ہیلیم ہولٹس [ Helmholtz ] اس نظریہ کی بلما سے رنگی بصارت پر ہے ۔ اس کا دھوئ یہ ہے کہ شبکیہ میں تین قسم</p>	<p>کا نظریہ</p>
-------------------------------------------------------------------------------------------------------------------	-----------------

کے عصبی نظام ہیں ۔ ان تیلوں میں سے ایک نظام کی تحریک سے خالص سرخ

رنگ کا احساس پیدا ہوتا ہے - دوسرے نظام کی تحریک سے خالص سبز کا اور تیسرے کی تحریک سے آسمانی کا - ہر طول موج کی روشنی تینوں اعصاب میں تحریک پیدا کرتی ہے - لیکن رنگدار روشنی سے سب اعصاب کی تحریک برابر نہیں ہوتی -

لہٰذا امواج سے سرخ عصبی نظام کی تحریک خوب ہوتی ہے - لیکن سبز اور آسمانی اعصاب کی تحریک کم ہوتی ہے - درمیانی امواج سے سبز عصبی نظام کی تحریک زیادہ ہوتی ہے اور چھوٹی امواج سے آسمانی عصبی نظام کی - شکل نمبر ۸ (۱) میں مختلف رنگوں کی شعاعوں سے سرخ نظام



شکل ۸

کی تحریک کا مقابلہ کیا گیا ہے - اسی طرح شکل (ب) میں سبز عصبی نظام اور شکل (ج) میں بنفشتی عصبی نظام کی تحریک کا منحنی دکھایا گیا ہے -

ہیلم ہولتس کے نظریہ کے مطابق طبیعی رنگوں کے احساسات کی تشریح یہ ہے :

۱ - سرخ رنگ سے سرخ عصبی نظام کی تحریک زبردست ہوتی ہے - لیکن باقی دونو نظاموں کی تحریک نہایت کم ہوتی ہے - اس لیے احساس سرخ ہوتا ہے -

۲ - زرد رنگ سے سرخ اور سبز دونو محرک ہوتے ہیں - لیکن نیلے اعصاب میں تحریک بالکل خفیف ہوتی ہے - اس لیے احساس زرد ہوتا ہے -

۳ - سبز رنگ سے سبز عصبی نظام کی تحریک خوب ہوتی ہے - لیکن

باقی دونوں اعصاب کی کم - اس لیے احساس سبز ہوتا ہے -

۴ - نیلے رنگ سے سبز اور ہلکے فلفش نظام دونوں محرک ہوتے ہیں - لیکن سرخ

اعصاب پر اثر خفیف ہوتا ہے - اس لیے احساس نیلا ہوتا ہے -

۵ - ہلکے فلفش رنگ سے ہلکے فلفش نظام کی تحریک خوب ہوتی ہے لیکن سرخ

اور نیلے اعصاب پر اثر کم ہوتا ہے - اس لیے احساس ہلکے فلفش ہوتا ہے -

۶ - سفید رنگ سے تینوں قسم کے اعصاب کی تحریک برابر ہوتی ہے - اس

لیے احساس سفید ہوتا ہے -

اس نظریہ کی رو سے تین رنگوں کے احساسات اساسی ہوتے ہیں

اور ان تینوں کی مختلف ترائیب سے سب فرعی رنگ پیدا ہوتے ہیں -

اگر بالکل خاص سرخ رنگ کی امواج شبکیہ سے ٹکرائیں تو اسی رنگ

کے متعلق عصبی نظام میں زیادہ تحریک پیدا ہوگی - اسی طرح سبز اور

ہلکے فلفش رنگوں سے ان کے متعلق اعصاب اثر پذیر ہونگے - لیکن اگر رنگوں کے

کسی آمیزہ کی امواج شبکیہ پر پڑیں تو اس رنگ میں ہر عصبی نظام

کے متعلق جتنی زور دار امواج ہونگی اسی نسبت سے وہ اثر قہول کرے گا -

تینوں قسم کے اعصاب کے متفقہ عمل سے اس خاص رنگ کا احساس

پیدا ہو جائے گا - جیسا کہ تینوں کی برابر تحریک سے سفید روشنی

محسوس ہوتی ہے -

ہیرنگ (Hering) کا اگر ہم رنگوں کے نفسیاتی آثار کو مد نظر رکھیں تو

متضاد رنگی نظریہ معلوم ہوتا ہے کہ طیف کے رنگوں میں سے چار رنگ

یعنی 'سرخ' 'زرد' 'سبز' اور 'نیل' نفسیاتی اعتبار سے ایک دوسرے سے بالکل

الگ ہیں - ان کے علاوہ طیف کے اور رنگوں کا اثر اپنے قریب کے رنگوں

کے بین بین ہوتا ہے - مثلاً نارنجی رنگ کو دیکھ کر ذہن فوراً سرخ اور

زرد رنگوں کی طرف مغتقل ہوتا ہے۔ گویا نارنجی کا احساس سرخ اور زرد رنگوں کا یک جائی احساس ہے۔ بنفشتی رنگ بعض آدمیوں کو نیلے اور سرخ کے آمیزہ کے مشابہ معلوم ہوتا ہے۔ پس ڈھنی نقطۂ نظر سے اسی رنگ تین فہمیں بلکہ چار ہیں۔

ان چاروں رنگوں میں سے سرخ رنگ سبز کا انتہائی رنگ ہے اور زرد نیلے کا۔ چونکہ سرخ اور سبز کو ملانے سے سفید روشنی پیدا ہو سکتی ہے اس لئے سبز کو سرخ کا متضاد کہہ سکتے ہیں۔ اسی طرح زرد رنگ نیلے رنگ کی ضد ہے۔ اور سیاہ رنگ کو ہم سفید رنگ کا متضاد کہہ سکتے ہیں۔

ان باتوں کو مد نظر رکھ کر ہیرنگ نے متضاد رنگی نظریہ پیش کیا۔ نظریہ کا مفہوم یہ ہے کہ شبکی دماغی آلہ احساس میں تین بصری جوہر موجود ہیں۔ ان میں ایک جس کا نام سفید سیاہ بصری جوہر ہے ہر طول کی امواج سے ان کی تلوڑ کے مطابق اجزا میں تقسیم ہوتا ہے اور روشنی کی عدم موجودگی یعنی تاریکی میں پھر ترکیب پاتا ہے۔ یہ کیہیائی تبدیلیاں سفید اور سیاہ کا احساس پیدا کرتی ہیں —

دوسرا بصری جوہر جو سرخ سبز کھلاتا ہے سرخ رنگ کے اثر سے اجزا میں منقسم ہوتا ہے اور سبز رنگ کے اثر سے ترکیب پاتا ہے۔ تیسرا بصری جوہر زرد نیلا ہوتا ہے اس کا زرد رنگ سے تجزیہ ہوتا ہے اور نیلے رنگ سے ترکیب —

جب کسی قسم کی روشنی آنکھ پر عمل نہیں کرتی تو ہر بصری جوہر خود بخود اجزا میں تقسیم ہوتا رہتا ہے اور ترکیب پاتا رہتا ہے۔ گویا ہر بصری جوہر کے تجزیہ اور ترکیب میں توازن قائم رہتا ہے۔ اس لئے

کسی روشنی یا رنگ کا احساس نہیں ہوتا —

اب فرض کرو کہ سرخ اور سبز رنگوں کی روشنی ایک ہی وقت پر آنکھ پر پڑتی ہے۔ دوسرے جوہر کا سرخ روشنی سے تجزیہ ہوگا اور سبز سے ترکیب۔ پس اس حالت میں اس میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوگی اور وہ کسی رنگ کا احساس کرنے سے قاصر ہوگا۔ البتہ سفید سیاہ جوہر دونوں رنگوں سے متاثر ہوگا اور خاکستری رنگ کا احساس پیدا ہوگا۔

نظاریوں کا موازنہ | ۱- رنگدار جسم کے سامنے سے ہٹ جانے کے بعد بھی آنکھ پر اثر باقی رہتا ہے۔ اس مظہر کی توجیہ متضاد رنگی نظریہ سے بخوبی ہوتی ہے۔ فرض کرو کہ شبکیہ پر سرخ روشنی کا عمل ہو رہا ہے۔ اس سے دوسرے بصری جوہر کا تجزیہ ہوگا۔ اب اگر رنگ کو دور کر لیں گے بعد بھی جوہر کا تجزیہ کچھ دیر تک جاری رہے تو سرخ رنگ کا احساس ہوتا دیکھا۔ یعنی مثبت خیال پیدا ہوگا۔ اس کے بعد جوہر کو اپنی اصلی حالت پر آتا ہے۔ اس لئے اس کے اجزا کی باہم ترکیب شروع ہوگی جس سے سبز رنگ کا خیال یعنی منفی خیال پیدا ہوگا۔

۲- اگر سرخ روشنی کا آنکھ پر مسلسل عمل جاری رہے تو رفتہ رفتہ دوسرے جوہر کا کلی تجزیہ ہو جانا چاہئے۔ اور اگر وہ ساتھ ساتھ پیدا بھی ہو تو سرخ روشنی کے زیر اثر اسے غائب ہو جانا چاہئے۔ اگر ایسا ہو تو سرخ رنگ کا احساس باقی نہ رہے گا۔ بلکہ سرخ روشنی آنکھ کو خاکستری نظر آنے لگے گی۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ گو آنکھ کسی خاص رنگ سے اکتا جاتی ہے لیکن خاکستری رنگ نمودار نہیں ہوتا۔ یہ بات متضاد رنگی نظریہ کے مخالف ہے۔

۳- متضاد رنگی نظریہ کا یہ نظریہ سے بڑا اختلاں یہ ہے کہ سفید رنگ کا

احساس اور رنگوں کے احساسات کے مجھوہ اثر سے پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ بالکل جداگانہ احساس ہے۔ جو پہلے بصری جوہر کے تجزیہ سے پیدا ہوتا ہے۔ اور تاریکی میں اس جوہر کی ترکیب ہوتی ہے۔ اب اگر کچھ دیر تک مکمل تاریکی چھائی رہے تو پہلا جوہر مکمل ہوجائے گا اور اس کی ترکیب بند ہوجائے گی۔ پس اس صورت میں تاریکی کا احساس جاتا رہے گا اور تاریکی میں خاکستری رنگ کا احساس مستقل طور پر قائم ہوجائے گا۔ مگر فی الواقع ایسا نہیں ہوتا متضاد رنگی نظریہ پر یہ بھی ایک بہت بڑا اعتراض ہے۔

### رنگ کوری

بعض آدمی رنگوں کی صحیح شناخت نہیں کرسکتے۔ انہیں رنگ کور کہتے ہیں۔ ان میں سے بعض کی بینائی اس قدر کمزور ہوتی ہے کہ وہ سرخ اور سبز میں مطلق تمیز نہیں کرسکتے۔ لیکن بعض کی آنکھیں بہتر ہوتی ہیں۔ اور وہ اچھی روشنی میں کم غلطی کرتے ہیں۔ لیکن جب تھکے ہوئے ہوں یا روشنی کم ہو تو سرخ نارنجی اور سبز میں اور زرد اور سفید میں فرق نہیں کرسکتے۔

یہ نقص مردوں میں عورتوں کے مقابلے میں بہت زیادہ پایا جاتا ہے۔ ۵ فی صدی مرد مادر زاد رنگ کور ہوتے ہیں۔ لیکن ہزار عورتوں میں سے صرف چار اس مرض میں مبتلا ہوتی ہیں۔ بیماری موروثی اور لاعلاج ہوتی ہے اور عورتوں کی وساطت سے پھیلتی ہے۔ لیکن عورتوں پر اس کا اثر نہیں ہوتا۔

بعض اوقات آنکھ کی بیماریوں کے اثر سے بھی رنگ کا احساس ناقص ہوجاتا ہے۔ مثلاً تھپاکو اور دیگر منشیات کی سہیت سے آنکھ میں نقص پیدا ہوتا ہے۔ مگر یہ نقص مقامی ہوتا ہے یعنی شبکیہ کے خاص مقام



تک محدود ہوتا ہے۔

یہ معلوم کرنا نہایت مشکل ہے کہ رنگ کور آدسی کے احساسات کیسے ہوتے ہیں۔ کیوں کہ ہمارے پاس سوائے اس کے اور کوئی ذریعہ نہیں کہ اپنے احساسات کا ان کے ساتھ مقابلہ کریں۔ ہم نے اپنے احساسات کی بنا پر رنگوں کی طویل فہرست بنائی ہے۔ اور ان کے نام مقرر کئے ہیں رنگ کور آدسی بھی تفویز کی کمی بیشی اور شکلوں وغیرہ کو پیش نظر رکھ کر ان سب رنگوں کے نام سیکھ سکتا ہے اور اگر تعلیم کے بعد اُس سے پوچھا جائے کہ فلاں رنگ کیا ہے تو وہ اپنے اندازے سے صحیح جواب دے گا۔ یہ ممکن ہے کہ سرخ رنگ کا نابینا کبھی غلطی سے سرخ کی بجائے سیاہ لباس پہن لے۔ اُس کی وجہ یہ ہے کہ سرخ رنگ کا اثر اُس کی آنکھوں پر برائے نام ہوتا ہے۔

یہ سوال کہ آیا سرخ کور آدسی سبز رنگ کو بعینہ ویسا دیکھتا ہے

جیسا کہ ہم نہایت مشکل ہے۔

دورنگی اور سہ | اگر بہت سے رنگ کور آدمیوں کا امتحان لیا جائے اور رنگی بصارت | انہیں کہا جائے کہ رنگوں کے ذریعے طیف کے سب رنگ

پیدا کرو تو وہ دو رنگوں کو مختلف تناسب سے ملا کر اپنی بصارت کے مطابق طیف کے سب رنگ اور سفید رنگ بنالیں گے۔ پھر اگر رنگ کور آدمیوں کا آپس میں مقابلہ کیا جائے۔ تو وہ دو قسموں میں تقسیم ہو جائیں گے۔ ایک قسم کے آدمی دو رنگوں کو معین نسبتوں سے ملا کر اور رنگ حاصل کریں گے اور دوسری قسم کے آدمی مختلف نسبتوں سے دو رنگوں کو ملائیں گے تو دوسرے رنگ حاصل ہوں گے۔ امتیاز کے لیے پہلی قسم کے آدمیوں کو گر وہ الف کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور دوسری قسم کے آدمیوں کو گر وہ ب کے

نام سے چونکہ رنگ کوور آدسی دو رنگوں سے سب رنگ پیدا کرسکتا ہے۔ اس لیے اُس کی بصارت کو دو رنگی بصارت کہہ سکتے ہیں۔ معمولی آدسی کی بصارت سے رنگی ہوتی ہے۔ نیز چونکہ رنگ کوور دو رنگوں کی مناسب ترکیب سے سفید روشنی پیدا کرسکتا ہے اور انہیں رنگوں سے سب رنگ بنا سکتا ہے اس لیے اُس کی رویت کے مطابق طیف کا کوئی حصہ ایسا بھی ہونا چاہئے جو سفید رنگ سے ملتا جلتا ہو یعنی خاکستری ہو۔ اسے دو رنگی بصارت کا نقطہء تعدیلی کہتے ہیں۔ گروہ الف کے آدسیوں میں اس نقطے کا طول موج ۶۴۸۹ مائیکرون ہوتا ہے اور گروہ ب کے آدسیوں میں تقریباً ۶۵۰۰ مائیکرون گویا دونوں کے تعدیلی نقطے نیلگوں سبز حصہ میں ہیں۔

طیف کے مختلف رنگوں کی تنویر الف گروہ کے آدسیوں کو معمولی آدسیوں سے مختلف نظر آتی ہے۔ اُن کی بصارت کے مطابق طیف کا سب سے زیادہ روشن حصہ کسی قدر سبز رنگ کی طرف جھکا ہوا ہوتا ہے۔ ب گروہ کو تنویر تقریباً معمولی آدسیوں کی سی نظر آتی ہے۔

ہیام ہولٹز کے نظریہ کے مطابق رنگ کووری کی وجہ یہ رنگ کووری کی توجیہ

مفقود ہوتا ہے۔ الف گروہ کے آدسیوں کا سرخ عصبی نظام غائب ہوتا ہے اس لیے وہ سرخ کوور کہلاتے ہیں۔ ب گروہ کا سبز نظام نہیں ہوتا اس لیے وہ سبز کوور ہوتے ہیں۔ اگر اس نظریہ کو صحیح مان لیا جائے تو بعض ایسے آدسی بھی ہونے چاہئیں جن کا آسمانی نظام نہ ہو۔ اُن کو سرخ اور سبز رنگ صاف نظر آئیں گے لیکن وہ نیلے رنگ اور زرد رنگ میں قویک تمیز نہ کرسکیں گے۔ تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ چند اشخاص کی

بصارت اس قسم کی ہوتی ہے۔

رنگ اور رنگ کی رویت سائنس اکتوبر سنہ ۲۳ ع

اس کے علاوہ یہ بھی ممکن ہے کہ بعض آدمیوں کے تینوں عصبی نظام الگ الگ نہ ہوں۔ بلکہ ایک مرکزی نظام میں شامل ہوں۔ ایسے آدمیوں کو رنگوں کی بالکل تمیز نہ ہوگی۔ وہ صرف تلویر کے اختلافات میں تمیز کر سکیں گے۔ تجربہ سے یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ بعض آدمیوں کی رنگوں کی بینائی بالکل مفقود ہوتی ہے یعنی وہ مطلق رنگ کور ہوتے ہیں۔ رنگ کوری میں اور بھی کئی قسم کے اختلافات پائے جاتے ہیں۔ بعض آدمیوں کے شبکیہ کو سبز اور نیلے رنگوں سے اُقتی ہی تحریک ہوتی ہے جتنی کہ معمولی آدمیوں کو لیکن سرخ رنگ انہیں معمول سے زیادہ مدہم نظر آتا ہے۔ اسی طرح بعض آدمیوں کو سبز رنگ نظر تو آتا ہے مگر نہایت مدہم۔ البتہ سرخ اور نیلا رنگ طبیعی نظر کے مطابق شوخ دکھائے دیتے ہیں۔ اس قسم کے آدمیوں کو جزوی رنگ کور کہتے ہیں۔ ان کے دو عصبی نظام بالکل صحیح سالم ہوتے ہیں۔ لیکن تیسرا کم حساس ہوتا ہے۔

ہیرنگ کے نظریہ سے رنگ کوری کی تشریح مشکل ہے۔

رنگ کوری کا امتحان | اس امر کی خاص احتیاط رکھنی چاہئے کہ رنگ کور آدمی کو ایسے پیشوں میں ملازمت نہ دی جائے جن میں رنگوں کے ذریعے اشارات کیے جاتے ہیں۔ مثلاً ریل گاڑی کے ترائور یا گارتے اور جہازوں کے جہازران رنگ کور نہ ہونے چاہئیں۔

اس مقصد کے حصول کے لیے امیدواروں کا امتحان لیا جاتا ہے۔ اُس کی وجہ یہ ہے کہ کو بعض رنگ کور آدمیوں کا آسانی سے پتہ چل سکتا ہے لیکن بعض کا پوری تحقیقات کے بغیر کچھ علم نہیں ہو سکتا۔ امیدوار جو امتحان میں پاس ہونے کے لیے کوشاں ہوتا ہے عام طور پر روشنی کی

سائنس اکتوبر سنہ ۳۳ ع رنگ اور رنگ کی رویت ۵۰۹

کمی زیادتی سے رنگ کا اندازہ لگایا جاتا ہے ۔ مثلاً اگر سرخ کور کو سرخ روشنی دکھائی جائے تو اُسے مدہم رنگ نظر آئے گا پس وہ غالباً روشنی کی کمی کو دیکھ کر صحیح رنگ بتلا دے گا۔

رنگ کوری کے امتحان کے کئی طریق ہیں ۔ محکمہ تجارت نے لالٹین کے ذریعے آنکھوں کے امتحان کا یہ طریقہ مقرر کیا ہے کہ امیدوار لالٹین کے پہلو کے دو سوراخوں کا اُٹیلہ میں عکس دیکھتا رہے ۔ اُن کی جسامت وہ ہوتی ہے جو مگنلوں کی روشنی کی معین فاصلہ سے نظر آتی ہے ۔ سوراخوں کے رنگ جلد جلد بدلے جاتے ہیں اور اُن کی تلویز برابر رکھی جاتی ہے ۔ پھر امیدوار سے کہا جاتا ہے کہ رنگوں کے تبدیل ہونے پر اُن کے نام لیتا جائے ۔



## سوجکیش چندر بوس

از

(محمّد عبد الحی، معلم بی۔ یس سی کلاس - الہ آباد یونیورسٹی)

بچپن اور ابتدائی تعلیم | ”بچپن آئندہ زندگی کا نمونہ ہے“ یہی وجہ ہے کہ سیرت لکھتے وقت بچپن کے حالات لکھنا ضروری خیال کیا جاتا ہے۔ بچپن کی معصومانہ عادتیں اور لڑکپن کی طفلانہ حرکات آئندہ ہونے والی ہستی کے کردار پر کافی روشنی ڈالتی ہیں۔ ڈی وگنی (De Vigny) کا قول ہے کہ ”اعلیٰ زندگی کیا ہے؟ یہ اوائل عمر کے چلہ سالوں میں حاصل شدہ خیال ہے۔“ یہی وجہ ہے کہ بچے کے تخیل اور مشاغل کو آئندہ زندگی کے بنانے میں کافی دخل ہے۔ علم النفس کی ترقی کے ساتھ ساتھ یہ تحقیق ہوتا جاتا ہے کہ انسان پر صرت اسات کی طبع و طینت کا ہی اثر نہیں پڑتا بلکہ بچپن کے مشاغل، واہیات، اور تخیلات بھی آئندہ زندگی کے بنانے یا بگاڑنے میں کارفرما ہوتے ہیں۔

مشرقی بنگال کے دارالسلطنت تھانہ کے مغرب میں وکرم پور ایک سرسبز و شاداب علاقہ ہے۔ اسی علاقہ کے موضع راوی کھال میں ۳۰ نومبر

سنہ ۱۸۵۸ ع کو جگدیش چندر بوس پیدا ہوئے۔ بچپن فرید پور میں بسر ہوا۔ فرید پور میں ان کے والد بھاگیاں چندر بوس تپتی مجسٹریٹ تھے۔ ۱۸۶۹ م میں جب جگدیش ۱۰ برس کے تھے ان کے باپ بردوان کے اسسٹنٹ کمشنر ہو گئے۔ جہاں وہ ۱۸۷۴ م تک اس عہدہ پر فائز رہے۔ پھر ۱۸۷۵ میں کٹوا سب تو بیڑن کے ایگزیکوٹو انسپر ہو گئے۔ اپنے کثرت کار اور مشاغل کی گونا گوں نوعیت کے باوجود مسٹر بوس اپنے بچہ کی تعلیم سے غافل نہ رہے۔ تعلیم کی ذمہ داری کا بار اپنے ہی اوپر رکھا۔ وہ اپنے بچہ جگدیش کے ایسے ایک رہنما دوست ہی نہ تھے بلکہ فلاسفر بھی تھے۔ دن بھر کی محنت کے بعد باپ شام کا کھانا کھا کر اپنے بچہ کے پاس لیت جاتا۔ اور ان مختلف العلوم سوالات کے جوابات دینے کی کوشش کرتا جو یہ چھوٹا مستفسر کیا کرتا۔ یہ سوال خاص ہوتا تھا۔ ”میں نے آج ایسا ایسا دیکھا۔ باپ یہ کیوں تھا۔“ غرض ہر بات کی تحقیق کرنے کے لیے بچہ ”کیوں؟ اور کیسے؟“ کی بھر مار کر دیتا۔ اس کا جواب جہاں ممکن ہوتا تھا باپ دے دیتا تھا ورنہ اکثر اس کا جواب یہی ہوتا تھا ”بیٹا! میں نہیں جانتا۔ میں نہیں بتا سکتا۔ ہماری معلومات بہت کم ہیں۔“ اس قسم کے جوابات کی وجہ اکثر تو یہ ہوتی تھی کہ بچہ ایسی باتیں جاننا چاہتا تھا جو اس کی سمجھ سے باہر تھیں۔ مگر کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ درحقیقت باپ کے دائرہ معلومات سے دور سوالات کا جواب طلب کیا جاتا تھا۔ مگر کچھ بھی ہو ان جوابات کا ایک بڑا فائدہ یہ تھا کہ بچہ کی قوت استفسار کو برقرار رکھنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ اس کے ہر سوال کو غور سے سنا جاتا تھا اور حتیٰ الوسع جواب دینے کی کوشش کی جاتی تھی۔ برخلاف ان نا سمجھ باپوں کے جو اس قسم کے سوالات پر

بچوں کو اکثر دانت دیتے ہیں اور اس طرح ان کی قوت استفسار کو ہمیشہ کے لیے سرد کر دیتے ہیں —

۵ سال کی عمر میں جگدیش کو اسکول بھیجا گیا - اگرچہ فرید پور میں ایک انگریزی اسکول بھی تھا مگر مسٹر بوس نے ان کو ورنا کیولر اسکول میں بھیجا - ان کا خیال تھا کہ بچہ کو پہلے اپنی مادری زبان اور اپنے ماحول سے مناسبت حاصل کرنا چاہئے - جگدیش کے اسکول کے ساتھی ملاحوں اور کسانوں کے لڑکے تھے - ان کی غریبانہ زندگی اور خانگی معاملات کے تذکروں نے جگدیش میں نہ صرف حب وطن کے جذبات پیدا کیے بلکہ ان کو ہندوستان کی غریبانہ طرز معاشرت سے بھی آگاہ کر دیا - اب جگدیش کی باری دوسرے اسکول میں جانے کی آئی - اس وقت ان کے باپ کا قبائلیہ بردوان بہ حیثیت اسسٹنٹ کمشنر ہو چکا تھا - اب وہ سینٹ زیویئر (St. Xavier) اسکول میں داخل کر دیے گئے - یہ اسکول تقریباً انگریز بچوں کا تھا - وہاں جگدیش کو اجنبیت نے بہت پریشان کیا - دوسرے یہ کہ وہ ابھی دیہاتی زندگی سے نکل کر آئے تھے - شہری زندگی کے متعلق ان کو کچھ بھی تجربہ نہ تھا - چہیزم اور مذاق اڑانے کی مصیبت سے زیادہ پریشان کن اسکول اور بورنگ کی اجنبیت تھی —

کالج کی زندگی - کلکتہ | سولہ سال کی عمر میں جگدیش اسکول سے فارغ ہو کر اور انگلینڈ میں سینٹ زیویئر کالج میں داخل ہوئے - وہاں پروفیسر فادر

کیفلٹ کی تعلیم سے میلان طبع طبعیات کی طارت ہوا - اس میلان طبع نے سفر انگلینڈ کے ابتدائی خیال میں اور بھی انگلیں پیدا کر دیں اور یہ نوجوان طالب علم اپنی دنیائے خیال میں انگلینڈ اور اس کی اعلیٰ تعلیمات کی سیر دیکھنے لگا - مگر اس وقت مسٹر بوس کی مالی حالت ٹھیک نہ تھی -

ان کے قرض اور مزید برآں اقساط سود کی ادائیگی نے تمام پس انداز کرنے کے مواقع کو مسدود کر دیا تھا۔ فووان بوس کو فوالحال ڈاکٹری پڑھنے کا شوق تھا اور وہ اس شوق کو سہلدر پار جاکر پورا کرنا چاہتے تھے۔ مگر باپ کی مالی حالت کسی طرح اجازت نہ دیتی تھی۔ بالآخر اس مجبوری نے بوس کو اٹاس رھنے پر مجبور کر دیا۔ اس اداسی کو ان کی شفیق اور علم دوست ماں برداشت نہ کر سکی اور باوجود تمام خاندان کی مخالفت نے اس امر پر مستعد ہو گئی کہ وہ اپنے تمام زیورات اور جواہرات فروخت کر تالے گی اور اپنے جگدیش کو تحصیل علم کے لیے انگلستان بھیجے گی۔

لندن پہونچکر بوس نے میڈیکل کالج کا پہلا سال شروع کیا۔ طبعیات و کیمیا کے مضامین ان کے لیے نئے نہ تھے مگر حیوانیات کا نیا مضمون پروفیسر رے لنکاسٹر کے ماتحت ان کے لیے نئی دلچسپی کا باعث ہوا۔ مگر جب کالج میں تشریح البسن کی تعلیم شروع ہوئی تو بوس نعشوں کو چوتا ہوا نہ دیکھ سکے چہ جائیکہ بذات خود ان کو چیرتے۔ ان کو اس کھرے کی بو سے بخار چڑھ آتا تھا۔ چنانچہ ڈاکٹر رفجر کے مشورہ پر ان کو اپنی ڈاکٹری کی تعلیم مسدود کر کے لندن کو خیر باد کہلا پڑا۔ اب وہ کیمہ برج سائنس کی تعلیم کے لیے گئے۔ جنوری ۱۸۸۱ ع کو کرائسٹ کالج میں داخل ہو گئے۔ یہاں تھیوڈور بک (جو بعد کو علیگڈہ کالج کے پرنسپل ہوئے) 'تارسی تھامسن اور دیگر اہل علم سے مراسم پیدا ہو گئے۔ یہاں بوس کالج کی تعلیم کے علاوہ متعدد تجربہ کاموں کی سیر اور بہت سے اصحاب فن و ذوق کی صحبت سے فیضیاب ہوئے۔ ان میں مائیکل فاسٹر، فرانسس بالفور اور پروفیسر ہیوجز خاص طور سے قابل تذکرہ ہیں۔

لندن اور کیمہ برج کی اعلیٰ تگریوں سے مالا مال ہوکر بوس کلکتہ واپس



آے۔ یہاں پر یسی تَنسی کالج میں طبیعات کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ مگر ان کی نظروں میں یہ انتہائے عروج نہ تھا۔ وہ جانتے تھے کہ ابھی ان کو بہت کچھ کرنا ہے۔ چنانچہ ۳۰ نومبر ۱۸۹۴ ع کی پینتیسویں سالگرہ کے بعد انہوں نے تہیہ کر لیا کہ اب وہ علمی انکشافات کی طرت متوجہ ہوں گے۔ تین ہی مہینے کے اندر بغیر کسی تجربہ گاہ کی مدد کے انہوں نے ایسے آلات بذایہ جن کی مدد سے انہوں نے بجلی کے نہایت اہم انکشافات کی تکمیل کی۔ اس میں ان کو فوری کامیابی ہوئی۔ رائل سوسائٹی نے ان کے انکشافات کی اشاعت کی اور ان تحقیقات کو آئندہ جاری رکھنے کی ہمت دلائی۔ ان کے انکشافات کو دیکھ کر لندن یونیورسٹی نے بغیر کسی امتحان کے ڈاکٹریٹ آف سائنس کی ڈگری عطا کی۔

تھام دن پڑھانے اور اس کی تیاری کرنے کے بعد جو کچھ وقت ملتا تھا اسی میں وہ اپنی تحقیقات کیا کرتے تھے اور اپنی ہی آمدنی سے اپنے تجربہ گاہ کا خرچ بھی برداشت کرتے تھے اگرچہ آخر میں ان کے کاموں کی اہمیت کا اندازہ کر کے گورنمنٹ نے تھائی ہزار روپیہ سالانہ کی امداد ان کی تحقیقات علمی کے اخراجات کے لیے منظور کر دی تھی۔

سرجیکدیش چندر ہوس کی تمام و کمال تحقیقات و انکشافات کی تفصیل کے لیے ایک بڑی ضخیم کتاب بھی شاید کفایت نہ کرے۔ ان کی مکمل فہرست پیش کرنا موجودہ مضمون کی وسعت سے باہر ہے۔ بہر حال ذیل میں ان کے کچھ ایسے انکشافات کا مجملہ ذکر کیا جاتا ہے جنہوں نے دنیاے علم میں ایک گراں قدر معلومات کا اضافہ کیا ہے اور جن کی وجہ سے ہمارے ملک کا ایک فرد مغربی مہذب دنیا کے طبقہ عالم کے افراد کے لیے ایک قابل رشک ہستی بنا ہوا ہے۔

بوس کے انکشافات کا اجمال یہ ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے طبیعیات کی دنیا میں قدم بڑھایا۔ اس کے بعد ان کی توجہ نباتیات میں فعلیات (فزیاالوجی) کی جانب مبذول ہوئی۔ چونکہ وہ ایک اچھے ماہر طبیعیات رہ چکے تھے اور اس صنف میں ان کو انہماک بھی رہا تھا لہذا نباتیات میں بھی انہوں نے جو کچھ کیا وہ بہت کچھ طبیعیات کا پہلو لیے ہوئے تھا۔ اور نباتیات کا یہ وہ رخ تھا جس کی طرف ابھی بہت کم دماغ مائل ہوئے تھے۔ انہوں نے اس سلسلہ میں ایسے حیرت انگیز انکشافات کئے کہ دنیا بھر کے سائنس انگشت بدنداں رہ گئی۔ انہوں نے ایسی باتوں کو آنکھوں سے دکھا دیا جن کو سن کر کسی شخص کو یہ یقین نہ آئے گا کہ وہ اصل حقیقت ہیں۔ جو باتیں اب تک افسانہ سے زیادہ اہمیت نہ رکھتی تھیں وہ دنیا نے آنکھوں سے مشاہدہ کر لیں۔

اب تک اہل مغرب کا یہ خیال تھا کہ مشرق والے صرف تخیلات کے مرد میدان ہیں۔ ان کا ذہن مابعدالطبیعیات، فلسفہ، علم ہندسہ، شاعری جیسی چیزوں سے آگے بڑھ کر تجربہ و مشاہدہ کی دنیا میں کچھ نہیں دکھا سکتا۔ مگر بوس نے دنیا کو دکھا دیا کہ اہل مشرق بھی وہ کر سکتے ہیں جس پر اہل مغرب کو ناز ہے۔ رہی یہ بات کہ مواقع کے بہترین استعمال پر کس کو اختیار ہے، اس سے انسان مجبور ہے۔ بہر حال بوس کے انکشافات میں حقیقی سائنٹفک روح کے ساتھ مشرقی تخیل کی بھی چاشنی ہے اور یہی وہ فوقت ہے جس نے بوس کو آسمان سائنس پر چاند بنا کر چھکایا ہے۔ نباتیات میں انہوں نے انکشافات کر کے بتلایا کہ درخت محسوس کرتے ہیں۔ ان کے دل ہوتا ہے۔ ان میں اعصاب کے ذریعہ بیرونی حوادث کا احساس ہوتا ہے۔ وہ بھی سنتے ہیں مگر ہم سے ۱۱ گنا تیز۔ وہ بھی دیکھتے ہیں

مگر ہم سے کہیں زیادہ - ہماری بینائی کا احساس محدود ہے - صرف ان مادوں تک جو سرخ، نارنجی، پیلے، سبز، نیلے، اور اورے رنگ کی شعاعوں کو منعکس کرسکیں۔ اگر روشنی کا طول موج (Wave length) ایک مقررہ مقدار سے چھوٹا ہوتا ہے تو ہم دیکھنے سے قاصر رہتے ہیں۔ اگر ہم بالابالغشعاعوں کو دیکھنا چاہیں تو طاقفور سے طاقفور خورد بین بھی ہم کو جواب دیدے گی۔ مگر درخت ان شعاعوں کو بھی محسوس کرتے ہیں۔ ہمارا احساس اثیری تہوج (Ethereal wave) سے متاثر نہیں ہوتا حالانکہ درخت اس اثیری تہوج کو بھی محسوس کرتے ہیں جو لاسلکی کے باعث پیدا ہو۔ ہم حواس خمسہ کے علاوہ ایک چھٹی حس 'ادراک' پر نازاں ہیں۔ درخت بھی اس حس سے محروم نہیں۔ ہماری رگوں میں خون دھرتا ہے جس سے قلب کی حرکت نبض کے ذریعہ معلوم ہوتی ہے۔ درختوں کی بھی "نبض" دیکھ کر ان کے "قلب" کی ضربات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

اس کے علاوہ بوس نے درختوں کی رفتار نمو (Growth) کو دریافت کیا۔ انہوں نے بتلایا کہ درختوں میں نمو کی مقدار گھونگے (Snail) کی رفتار کا ۶ ہزار واں ( $\frac{1}{6000}$ ) حصہ ہے۔ عام طور پر درختوں کے بڑھنے کی مقدار کا اوسط یہ ہے کہ وہ ایک ملین سکینڈیا ۶۵۷۳۰۰۰ ۱۱ دن میں ایک انچہ بڑھتے ہیں۔ مگر بانس کا درخت سب درختوں سے جلد بڑھنے والا ہے۔ وہ صرف ۲۴ گھنٹہ میں ۹ انچہ سے لیکر ۱۲ انچہ تک بڑھتا ہے۔

بوس کے حیرت افزا الکشافات کا اختتام صرف درختوں میں حس دریافت کرنے پر نہیں ہوتا بلکہ انہوں نے دکھلا دیا کہ دھاتوں میں بھی حس موجود ہے۔ دھات میں بھی "تازگی" "افسردگی" اور "موت" کی

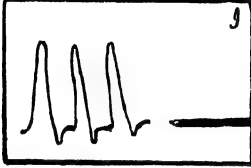
کیفیات پائی جاتی ہیں۔ دھات زھر کے اثر سے مر جاتی ہے اور اگر عین وقت پر اس کو کوئی دوا ایسی دیدی جائے جو زھر کے اثر کو زائل کر دے تو پھر سے ”زندہ“ ہو جاتی ہے اور اگر دیر تک زھر کا اثر رہے تو پھر کوئی دوا جلانے میں کار گر نہیں ہوتی۔

یہ باتیں پڑ کر ایک اجنبی کا حیرت و استعجاب اس درجہ بڑھے گا کہ وہ کسی طرح بھی ان ناممکنات (اپنے ذہن و علم کے موافق) کو ماننے کے لیے تیار نہ ہوگا۔ وہ ان کو صرف ایک افسانہ سمجھے گا۔ مگر سائنس کی دنیا وہ ہے جہاں کوئی بات اس وقت تک کہی نہیں جاتی جب تک کہ وہ دکھلائی نہ جاسکے۔ یہاں واقعات پر اعتبار مشاہدات کے ذریعہ ہوتا ہے۔ صرف تخیلات کی مدد سے کسی امر کو نہیں منوایا جاسکتا۔ چنانچہ بوس کے انکشافات کا بیان بھی اس عام قاعدہ سے علیحدہ نہیں۔ اس کے بیان کے لیے بھی تعارُب و مشاہدات شاہد ہیں۔ اگرچہ ہمارے موجودہ مضمون کی وسعت اس امر کی حامل نہیں ہوسکتی کہ ہم تمام و کمال انکشافات و تجربات کی عملی اور نظری تفصیل پیش کر کے قارئین کو مطمئن کرسکیں تاہم کچھ مختصر اور عام فہم تشریح پیش کی جاتی ہے جس سے ان ”معجزات“ کے متعلق امکان کا گمان ہوسکے۔

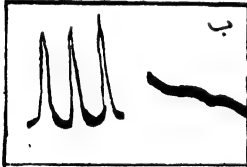
پودوں اور دھاتوں	پودوں اور پودوں میں حس دریافت کرنے کے لیے
میں حس	بوس نے جو آلہ استعمال کیا اس کی ساخت یا عمل کی

تشریح یہاں بے محل ہوگی۔ صرف یہ جان لینا کافی ہے کہ ناسیاتی اور غیر ناسیاتی اشیا میں برقی رو سے متاثر ہونے کی مقدار دریافت کرنے کے لیے بوس نے ایک خاص قسم کا رو پیما (Galvanometer) بنایا تھا جس کی سوئی کی حرکت سے کافذ پر جو خطوط بشکل منحنی ملتے تھے ان سے اس

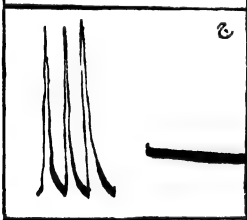
قادر کا پتا لگتا تھا جو کہ اشیاء زیر عمل میں برقی رو کے لیے موجود تھا۔ چنانچہ اس اثر کو مختلف اشیاء میں مختلف صورتوں میں مشاہدہ کیا گیا اور اس سے عجیب و غریب نتائج اخذ کئے گئے۔



اس سے پہلے برقی رو کا اثر حیوانی اعصاب میں دریافت ہو چکا تھا اور اس کا منحنی بھی دریافت ہو گیا تھا۔ بوس نے انہی اصولوں میں کچھ ردوبدل کر کے برقی رو سے متاثر ہونے کا منحنی پودوں میں دریافت کیا۔



پہلے اس نے اس رو سے متاثر ہونے کی مقدار کو باغ میں اگلے والے پودوں میں دریافت کیا پھر ان ترکاریوں میں جو بازار میں دستیاب ہو سکیں۔ ایک مرتبہ ایک ترکاری برقی رو سے بالکل متاثر نہ ہوئی۔



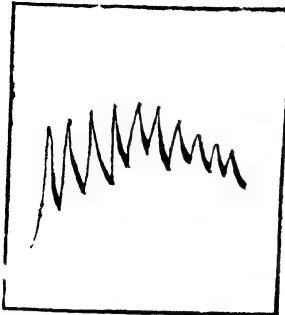
دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ شہر لاتے وقت اس پر سخت برت باری ہوئی تھی۔ دوسری مرتبہ جب اسی ترکاری کو قازہ حالت میں دیکھا گیا تو وہ

شکل نمبر ۱ کھڑے خطوط زہر دینے سے قبل کی حالت بتاتے ہیں اور مسلسل بڑے خطوط زہر دینے کے بعد جس کے بالکل مردہ ہوجانے کی کیفیت بتلاتے ہیں۔

الف۔ حیوانی اعصاب پر زہر کا اثر  
ب۔ پودوں پر زہر کا اثر  
ج۔ دھاتوں پر زہر کا اثر

حسب معمول رو سے متاثر ہوتی تھی۔ اس اثر کی مقدار اس منحنی سے معلوم ہوتی تھی جو رو پیما خود بخود کاغذ پر بنا سکتا تھا۔ اب اس نے دھاتوں پر تجربہ کیا اور ان کا بھی منحنی معلوم کیا۔ اب حیوانی اعصاب، پودوں اور دھاتوں کے منحنی جب ایک دوسرے

کے مقابلے میں لائے گئے تو وہ اس درجہ ایک دوسرے سے ملتے جلتے تھے کہ ان میں امتیاز دشوار تھا (دیکھئے شکل نمبر ۱)۔ گویا کہ حیوانات، نباتات اور فلزات برقی رو سے مساوی مقدار میں متاثر ہو سکتی تھیں۔ یا بالفاظ دیگر مادہ

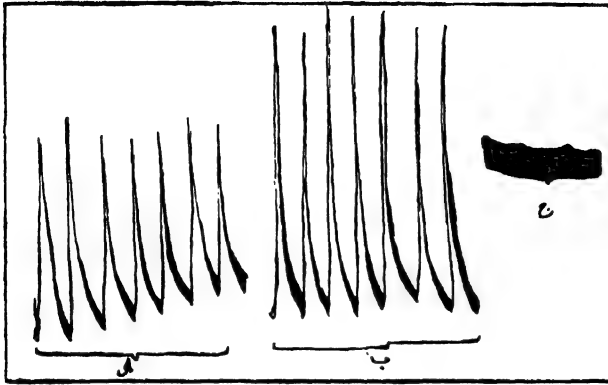


شکل نمبر ۲ - دھات ( راتک ) میں برقی رو سے متاثر ہونے کا منحنی - خطوط کے بتدریج گہٹنے سے دھات کے مضبوط ہونے کا پتہ لگتا ہے —

کی یہ تینوں شکلیں برقی رو کے احساس میں برابر تھیں —

اب ایسے پودوں یا دھاتوں پر تجربہ کیا گیا جو مسکرات، مخدرات یا زہر کے زیر اثر رہ چکی تھیں۔ چنانچہ کلو رو فارم ( Chloroform ) کے اثر سے پودوں میں برقی رو سے متاثر ہونے کی قوت

اسی طرح جاتی رہی جس طرح جانداروں میں۔ اور جب ان پودوں کو دیر تک تازہ ہوا میں رکھا گیا تو پھر ان میں وہ احساس کی قوت عود کر آئی۔ پودوں پر زہر کا اثر بھی دیکھا گیا۔ زہر کے اثر سے پودوں میں برقی رو کو محسوس کرنے کی قوت رفتہ رفتہ کم ہو کر بالکل غائب ہو گئی گویا کہ وہ زہر سے سر گئے۔ اب بوس کو ایک بالکل نئی بات سوچی۔ اس نے وہ کیا جس کی طرف آج تک کس کا دماغ گیا ہی نہ تھا۔ اس نے دھات کو زہر دیا یعنی جست، تانبہ، پیتل، پلیٹینم وغیرہ دھاتوں کو مختلف زہروں میں رکھا۔ اور پھر جب ان میں برقی رو سے متاثر ہونے کی مقدار کا اندازہ لگایا تو ایک بڑی حیرت انگیز حقیقت کا انکشاف ہوا۔ کیونکہ دھاتوں نے بھی زہر سے وہی اثر لیا جو حیوانی اعصاب یا پودوں نے لیا تھا اور معلوم ہوا کہ زہر کے طویل اثر سے دھاتیں بھی گویا مرجاتی ہیں۔ زہر دی ہوئی دھاتوں کا منحنی بھی وہی تھا جو زہر دیے ہوئے حیوانی اعصاب یا زہر دیے ہوئے پودوں کا تھا۔ دھاتوں پر آکزیلک ترشہ ( Oxalic Acid ) کا زہریلا اثر بہت تیز ثابت ہوا —



شکل نمبر ۳ خطوط ا و ب کے مقابلے سے پتہ لگتا ہے کہ دھاتوں کو تھوڑا سا زھر دینے کی وجہ سے کس طرح ان میں برقی رو سے متاثر ہونے کی قوت بڑھ جاتی ہے۔ حالانکہ زھر کی زیادہ مقدار سے وہ بالکل بے حس یا مردہ ہو جاتی ہیں۔

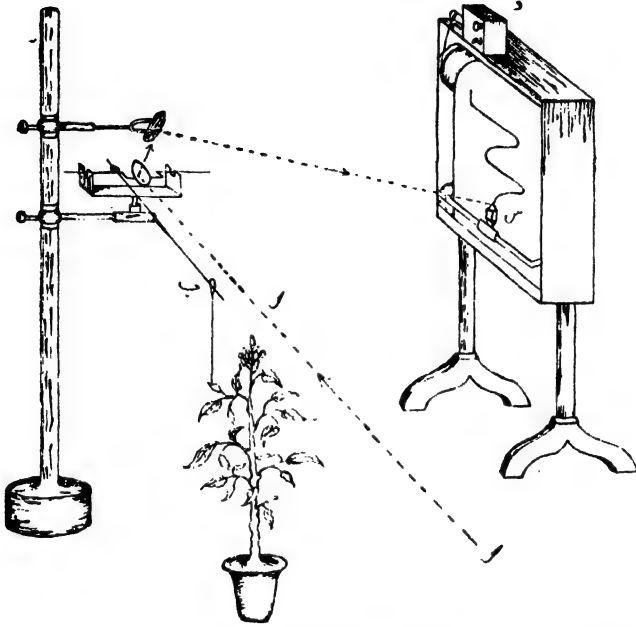
بوس نے ۱۰ مئی ۱۹۰۱ ع کو رائل انسٹی ٹیوشن میں ان تجارب کی تشریح کرتے ہوئے جو کچھ کہا اس کا خلاصہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے —

”..... ان مختلف تجارب سے ہم نے یہ معلوم کر لیا کہ جس طرح جانداروں اور درختوں میں تھکاوٹ کے اثر سے (درختوں میں عموماً شام کو) برقی رو کا احساس کم ہو جاتا ہے اسی طرح دھاتوں میں بھی کام کرتے کرتے اضافہ حال کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں۔ جس طرح درختوں اور جانداروں کو تقویت بخش غذا دیدیئے سے یہ احساس بڑھ جاتا ہے اسی طرح دھاتوں میں بھی یہ قوت تیز ہو جاتی ہے اور جس طرح حیوانی اعصاب اور پودے زھر کے اثر سے مر جاتے ہیں اسی طرح دھاتیں بھی زھر کے اثر سے مردہ ہو جاتی ہیں اور برقی رو سے کچھ

بھی متاثر نہیں ہوتیں ..... کیا ان مشاہدات سے ہم کو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ مادہ کی کچھ خصوصیات عام ہیں؟ ..... کیا ہم ان سے یہ نہیں معلوم کرتے کہ حس جالدار اور بے جان دونوں میں سوجود ہے؟ ..... کیا اس حقیقت سے اس خیال کی تصدیق نہیں ہوتی کہ تمام کائنات کے پس پردہ صورت ایک ہی 'حقیقت' کام کر رہی ہے اور ایک ریت کا چمکتا ہوا ذرہ اور دنیا کو روشن کرنے والا آفتاب ایک ہی 'نور' کے پرتو ہیں۔ ..... اب زندگی میں پہلی مرتبہ مجھے اس دھوی کی حقیقت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے جو میرے اساتذہ نے تیس صدیوں پیشتر دریائے گلگا کے کنارے کیا تھا۔ "وہ لوگ جو کائنات کی گونا گوں نورنگیوں میں صورت ایک ہی ہستی کا جلوہ دیکھتے ہیں وہی درحقیقت ابدی صداقت کے عارت ہیں ..... اور کوئی نہیں! اور کوئی نہیں!!"

پودے بیرونی حوادث یا اپنی ہی توانائی (Energy) سے پودوں میں تاثر بھی متاثر ہوتے ہیں۔ زندہ اجسام میں اس قسم کے تاثر کا پتہ نبض کی رفتار سے لگایا جاتا ہے۔ نبض کی رفتار کی نوعیت سے اس طاقت کی کمی و بیشی کا اندازہ ہوتا ہے۔ نبض کا سست ہونا طاقت یا بالفاظ دیگر حرارت غریزی کے کم ہونے کی علامت ہے۔ پودوں میں بھی اس حرارت غریزی کے کمی و بیشی کا اندازہ ان کی "ضربات نبض" سے ہو سکتا ہے۔ بوس نے ان ضربات نبض کو ٹھیک ٹھیک معلوم کرنے کے لیے ایک آلہ ایجاد کیا (دیکھیے شکل نمبر چار)۔ اس کا نام نبض نگار Pulse Recorder رکھا۔ اس کے عمل سے جو نتائج اخذ کیے گئے وہ بے افتہا



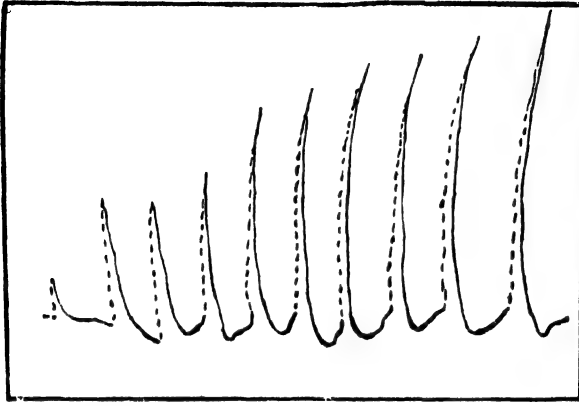


شکل نمبر ۴ - "نبض نگار" (Pulse Recorder)

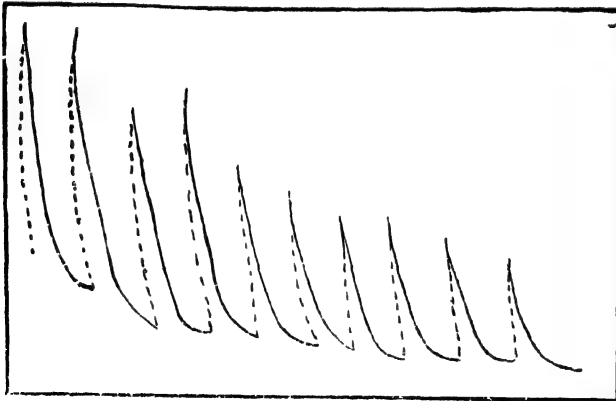
- ۱ - روشنی کی شعاع جو دو آنٹوں سے منعکس ہو کر کاغذ پر پڑ رہی ہے -
- ب - لیور - جو حرکت کرنے والے درخت کی پتی سے ملا ہوا ہے -
- س - روشنائی کا ذخیرہ جس میں ایک باریک ٹوک کا قلم لگا ہے اور جو منعکس شعاع کے منعکس کو کاغذ پر بنا تا رہتا ہے -
- د - گھڑی کی طرح ایک مقررہ رفتار پر خرد بخود چلنے والی مشین - جو ان پیلوں کو گھماتی رہتی ہے جن پر کاغذ لپٹا ہوا ہے -

حیرت انگیز ثابت ہوئے۔ اس آلہ نے ظاہر کیا کہ درخت جب کام کرنے کے بعد تھک جاتے ہیں تو کس طرح ان کی ضربات نبض مدہم ہوتی چلی جاتی ہیں۔ (یہاں درختوں کے کام سے مراد دن بھر پتیوں کے ذریعے اپنے ایسے غذا بہم پہنچانا ہے) اور جب ان درختوں کو غذا یا دوا کے ذریعہ تقویت پہنچائی جاتی ہے تو کس طرح ان میں زندگی اور طاقت کے آثار پیدا

ہو جاتے ہیں۔ ( اشکال نمبر ۵ و ۶ ملاحظہ ہوں )۔

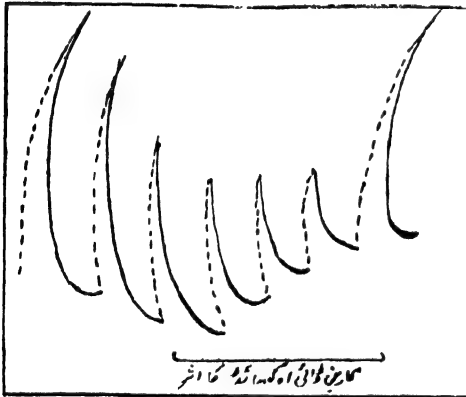


شکل نمبر ۵ - درخت میں مقدار حس کا مسلسل اضافہ - دیکھئے حس کے اضافہ کے ساتھ نبض پیماس کس طرح ضربات نبض کے بڑھنے کا پتہ دیتا ہے۔ —



شکل نمبر ۶ - درخت میں مقدار حس کا مسلسل گھٹناؤ - دیکھئے تھکاوٹ کے آثار کو نبض پیماس کس طرح ظاہر کرتا ہے۔ —

اب تک سائنس دانوں کا خیال تھا کہ حیوانات کی موت نباتات کی زیست کا باعث ہے کیونکہ اجسام حیوانی کے گلنے سرنے سے کاربن ڈائی آکسائیڈ کیس پیدا ہوتی ہے جو پودوں کی غذا ہے۔ مگر ہوس نے دریافت کیا کہ اگرچہ کاربن ڈائی آکسائیڈ پودوں کی غذا ہے مگر جس طرح کاربن ڈائی آکسائیڈ کے زیر اثر جانوروں کا دم گھٹنے لگتا ہے اسی طرح پودے کی ضربات نبض بھی بہت مدہم ہوکر اس کے ”دم گھٹنے“ کا پتہ دیتی ہیں۔ اور جب پھر تازہ ہوا بہم پہونچائی جاتی ہے تو یہ ضربات پھر اپنی اصلی حالت پر آ جاتی ہیں۔ (شکل نمبر ۷ دیکھئے)۔ اوزون (Ozone) کے ساتھ ضربات



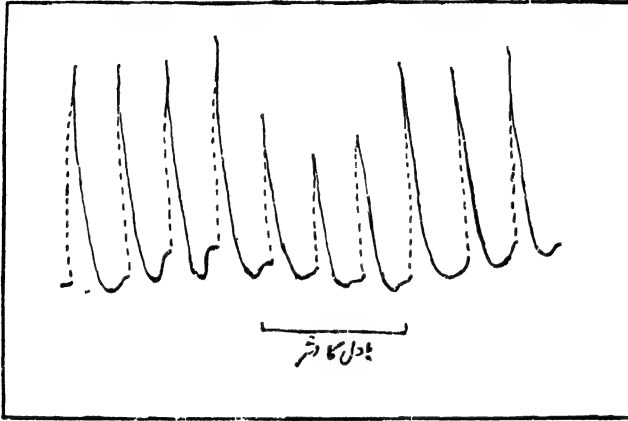
نبض کا شمار اور بھی بڑا جاتا ہے۔ پودوں میں غلیظ کیسوں سے متاثر ہونے کی قوت بہت تیز ہے۔ سلفیوریک آکسائیڈ (Sulfurated hydrogen) کا خفیف جزو بھی پودوں کے لیے مہلک ہے۔

پودے روشنی سے بھی متاثر ہوتے ہیں۔ سورج کی روشنی کی زیادتی سے ان کی ضربات نبض تیز ہوتی ہیں اور اس کی خفیف سی کمی سے بھی ان ضربات میں کمی ہو جاتی ہے۔ روشنی کے احساس میں پودے اس قدر زود حس ہیں کہ اگر ہادل کا ایک ٹکڑا ان کے اوپر سے گذر جائے تو وہ روشنی کی اس کمی سے بھی متاثر ہوتے ہیں اور ہادل آجانے سے ان میں

شکل نمبر ۷- کاربن ڈائی آکسائیڈ کے زیر اثر ضربات نبض میں اضافہ

دیکھئے - پھر تازہ ہوا ملنے سے ضربات کس قدر بڑھ جاتی ہیں

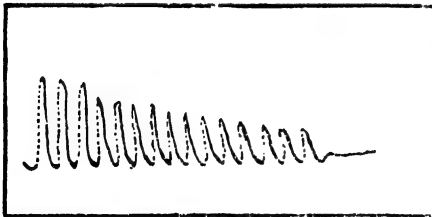
اضہلال کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں (شکل نمبر ۸ دیکھئے) - اگر درخت زیادہ



شکل نمبر ۸ - بادل آجانے سے شریات نبض میں کمی

دیر تک تاریکی میں رہے تو رفتہ رفتہ وہ اپنے اضہلال کو کم کر دیتا ہے - بالکل اسی طرح جیسے کہ ہم یکبارگی اندھیرا چھا جانے سے کچھ نہیں دیکھ سکتے مگر کچھ دیر کے بعد اندھیرے میں بھی کچھ نظر آنے لگتا ہے -

درختوں کو زخم کا بھی احساس ہوتا ہے - اس احساس کا پہلا اثر نمو پر پڑتا ہے - اس کا ذکر کیا جا چکا ہے کہ بوس نے ایک آلہ نمو نگار (Crescograph) درختوں کی مقدار نمو ناپنے کو بتایا تھا - چنانچہ اس



نے ایک ایسے درخت میں جس کا نمو اس آلہ کے ذریعہ ناپا جا رہا تھا ایک سوئی چبھو کر دیکھی تو معلوم ہوا کہ یکبارگی اس کی رفتار نمو چوتھائی رہ گئی اور پھر

شکل نمبر ۹ - درخت کی موت کے قریب شریات نبض

کا بتدریج مدہم ہونا اور بالآخر ختم ہو جانا -

اصلی حالت پر آنے میں اس کو تقریباً

۴: کہتے لگے۔ پھر جب چاقو سے زخم لگا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ رفتار نہو بالکل ختم ہو گئی اور بہت دیر کے بعد درخت دوبارہ اپنے تہل نہو کو جاری کر سکا۔

اس سوال کا جواب دینے میں کہ کنول (نیلوفر) رات درختوں کا سونا

سائنس دان پر سبقت لے گیا۔ اس کے خیال میں کنول کے رات کو جاننے کا سبب یہ ہے کہ ”وہ چاند پر عاشق ہے اور جیسے ہی کہ اس کے محبوب کی پہلی کرن اس کی پتیوں پر پڑتی ہے وہ آنکھیں کھول دیتا ہے۔ اور پھر تمام رات اس کے دیدار سے شغل رکھتا ہے۔ اور صبح کو جیسے ہی سورج کی تند و تیز شعاعیں اس کے رخساروں پر پڑتی ہیں وہ اپنی پتیاں بند کر کے سو رہتا ہے۔“ گو شاعر نے پھل کے کھلنے اور بند ہونے کی وجہ بتائی مگر اس نے یہ نہ کیا کہ کسی اندھیری رات کو چراغ لیکر جاتا اور دیکھتا کہ چاند کی عدم موجودگی میں بھی کنول کی پتیاں کھلی ہوئی ہیں۔ شاعر سے ایسی امید کرنا ہی حماقت ہے۔ وہ صرف بیان پر قادر ہے ترجیح پر نہیں۔ کسی بیان کی صحت کے لیے مشاہدات و تجربات سے ثبوت حاصل کرنا سائنس دان کا حصہ ہے۔ پھر یہ کہ کنول سورج کی روشنی کے اثر سے بند ہوئی نہیں ہوتا۔ کیونکہ ایسے کنول بھی مشاہدہ کیے گئے جو ۱۱ بجے دن تک کھلے رہتے ہیں۔ لہذا کنول کھلنے اور بند ہونے کی شاعرانہ توجیہ تو پادار ہوا تھی ہی مگر ابھی تک کسی سائنس دان نے بھی کوئی صحیح وجہ بیان نہ کی تھی۔ اس مسئلہ پر سب سے پہلے برس نے روشنی ڈالی۔

بوس نے خیال کیا کہ شاید درجہ حرارت کی کمی بیشی کے ساتھ،

کنول کھلتا بند ہوتا ہے۔ چنانچہ اس نے پھول کے کھلنے اور بند ہونے کی رفتار کو اہلک منحنی واضح کیا۔ یہ منحنی ۲۴ گھنٹہ کا بنایا گیا۔ اور ساتھ ہی ساتھ دوسرا منحنی ۲۴ گھنٹہ میں درجہ حرارت کی تبدیلی کا بنایا گیا۔ اب جو دونوں منحنی مقابلہ میں لائے گئے تو معلوم ہوا کہ واقعی کنول کا کھلنا اور بند ہونا درجہ حرارت کے تغیر پر منحصر تھا۔

شام کے ۶ بجے کے بعد جب درجہ حرارت گرتا گیا کنول کا پھول کھلتا گیا۔ یہاں تک کہ رات کو ۱۰ بجے پھول پورا کھل گیا۔ اور جب صبح کو ۶ بجے سورج کی گرمی سے درجہ حرارت بڑھنا شروع ہوا تو پھول بند ہوتا گیا یہاں تک کہ ۱۱ بجے جب خوب گرمی کا وقت ہو گیا تو پھول بالکل بند ہو گیا۔

ہلال کے ایک ضلع فرید پور میں ایک خاص قسم کا تار کا درخت پایا جاتا ہے۔ اس کی خاصیت ہے کہ شام کو غروب کے وقت جھک کر زمین پر آ رہتا ہے۔ گویا کہ سجدہ کر رہا ہے۔ صبح ہوتے ہی پھر سیدھا کھڑا ہو جاتا ہے۔ یہ درخت اپنے اس ”عمل عبادت“ کو روزانہ دہراتا ہے۔ اس عجیب و غریب خاصیت نے اس درخت کو اس علاقہ میں خاص اہمیت دے دی ہے اور یہ زائرین کا خاص سرج ہو گیا ہے۔ اس تار کا علمی نام *Phoenixdactylifera* ہے۔ اس کا قلم تقریباً ۵ — گز لمبا اور ۱۰ — انچہ سوتا ہے۔

اسی قسم کا ایک واقعہ نور پور (انگلینڈ) کے قریب بھی مشاہدہ کیا گیا۔ بوس کے ایک دوست نے وہاں کے ایک اخبار (سورخہ ۳۱ دسمبر ۱۸۱۱ ع) کا مندرجہ ذیل اقتباس ان کے پاس بھیجا۔

”..... یہاں بیٹے مجنوں (Willow) کا ایک درخت ہے جو بہت

لانگبا ہے اور جس کے تلے کا محیط تقریباً ۳ گز ہے..... دیکھا گیا

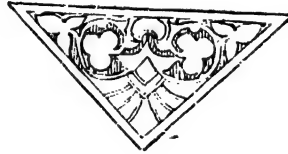
ہے کہ یہ درخت رات کو تمہم کا تمام زمین پر دراز ہوجاتا ہے اور صبح کو پھر سیدھا کھڑا ہوجاتا ہے۔ اگرچہ یہ عجیب بات معلوم ہوتی ہے مگر یہ ایسا واقعہ ہے جس کو صدہا آدمیوں نے تعجب سے دیکھا ہے۔“

ان عجیب و غریب واقعات کی طرت بوس کی توجہ بھی مبذول ہوئی۔ انہوں نے بہت سے مشاہدات کرنے کے بعد اس واقعہ کی توجیہ کی۔ مگر سائنس دانوں نے اس توجیہ کو ان مشاہدات و تجارب کا درست نتیجہ نہ ٹھہرایا جو انہوں نے اس سلسلہ میں کئے تھے۔ چنانچہ یہ بھید اب تک بھید ہی رہا اور کوئی مطمئن کن وجہ اس امر کی نہ بتائی گئی۔

بوس ریسرچ | پچھن سال کی عمر پوری ہونے کے بعد بوس کو سنہ ۱۹۱۳ ع انسٹی ٹیوٹ میں پریسی دنسی کالج کی خدمات سے سبکدوش ہوجانا چاہیے تھا۔ مگر حکومت بنگال نے بوس کی شخصیت اور ان کے ان احسانات کا خیال کرتے ہوئے جن سے کالج زیور بار تھا ان کو سنہ ۱۹۱۵ ع تک کالج سے علیحدہ نہ ہونے دیا۔ کالج سے علیحدہ ہوکر اگرچہ عمر کا تقاضا تھا کہ بوس اپنی باقی ماندہ زندگی سکون و آرام سے گزارتے مگر مدت سے ان کے دماغ میں ایک ایسا دارالتجربہ قائم کرنے کا خیال تھا کہ جس میں ہندوستانی طلبہ تحقیق و تدقیق کرسکیں۔ اس خیال نے ان کو نہ چھوڑا نہ بیتھنے دیا۔ آخر کار انہوں نے اپنی انسٹیٹیوٹ سالگرہ ۳۰- نومبر سنہ ۱۹۱۷ ع کو اس دارالتجربہ کا افتتاح کیا۔

دارالتجربہ کی شافدار عمارت عہد اسلامی سے قبل کے ہندوستانی طرز پر بنی ہوئی ہے۔ جس میں جا بجا فن و حرفت کے اعلائی نہونے سوجوہ ہیں۔ عمارت کے سامنے ایک چھوٹا سا خوشنما باغیچہ ہے جس میں

زیادہ تر حساس (Sensitive) پودے لگائے گئے ہیں۔ مہارت میں ایک وسیع ہال ہے جہاں شیشہ کی ہاریوں میں وہ آلات قرینہ سے رکھے ہوئے ہیں جن سے ہوس نے طبیعیات اور نباتات میں تحقیقات کیں۔ باقی ماندہ مہارت مختلف شعبہ جات تحقیق پر مشتمل ہے۔ مہارت میں ایک بڑا لکچر ہال ہے جس میں تیرہ ہزار (۱۵۰۰) سامعین کی گنجائش ہے۔ یہاں ہندوستان کے ہر طبقہ کے طلباء مختلف شعبہ جات سائنس میں تحقیقات کرتے ہیں۔ اور وہ وقت کچھ دور نہیں جب کہ ہوس کے لگائے ہوئے اس ”پودے“ سے ایسے ”پھل پھول“ پیدا ہوں کہ جن سے ہندوستان صف علمی میں پھر نمایاں حیثیت حاصل کر سکے۔





ہوا

از

( جناب رفعت حسین صدیقی صاحب - ایم - ایس - سی

( علیک ) ریسرچ انسٹی ٹیوٹ طبیبہ کالج دہلی )

ہوا کے راز نے صدیوں سے شعرا اور حکما کو معو حیرت بنا رکھا ہے ۔  
یہ امر واقعہ کہ ہم ایک نظر ذہ آنے والی شے کے بھر پے کنار میں رہتے  
ہیں اس ابتدائی زمانہ سے معلوم ہے ، جب کہ انسان عالم وجود میں آیا ،  
اور اس نے ہوش سلجھایا اور بود و باش اختیار کی ۔ احمق ترین وحشی  
انسان بھی اس کو بغیر محسوس کیے نہ رہ سکتا تھا کیونکہ اس نے اس شے  
کی قوت و توانائی کا مشاہدہ بڑی بڑی آندھیوں اور طوفان میں کیا جو  
بڑے سے بڑے درخت کو خس و خاشاک کی طرح پھیٹک دیتے ہیں ۔ اور  
جن میں جنگل کے جنگل ایک آن میں تباہ و برباد ہوجاتے ہیں ۔ لیکن وہ  
اس قوت عظیم کو اپنے معبودوں یعنی دیوتاؤں ، شیطانوں اور بہت پریت  
کی غضب آلودہ جلوہ آریاں تصور کرتا تھا جو آسمان پر اور فضاء میں سیر و  
تفریح کرتے پھرتے ہیں اور جن کی ناراضگی قضا و ہرادی کا باعث ہوتی  
ہے ۔ وہ ہوا کے تیز جھونکوں کو دیوتاؤں کی چہل پھل ، درختوں کی  
سنسناہٹ اور شائیں شائیں کو اُن روحوں کی آواز و زاری ؛ نالہ وشیون خیال

کرتا تھا جو تکلیف و مصیبت میں تھیں۔ اس کے نزدیک ارض و فلک سرہستہ راز تھے۔ کوئی جگہ خوت و خطرہ سے خالی نہ تھی۔ ہر جگہ ایک نیا طلسم تھا —

آفرینش عالم کو ایک زسانہ گذر چکا ہے جس کا تعین بھی ممکن نہیں۔ تہذیب بھی ہے، تمدن کو بھی فروغ ہے، لیکن فی زمانہ بھی عوام کی قوہم پرستی بزبان حال بیان کر رہی ہے کہ الولد سرلابیہ۔ ہمارے مورث کے ضمیر میں جن اور بھوتوں کا ایسا خوف شامل ہوا تھا جو نہ ٹکلتا تھا اور نہ نکلا۔ ترکہ جیسی مہم ہم بھی اس سے مستفیض ہوئے۔ باوجود روشن دماغ حالی خیال ہونے کے ہم ان کا شفاقت، نظر نہ آئے والا، غیر مادی وجود تصور کرتے ہیں۔ یہ وجود ہمیشہ شب کیسویہ دراز کی تنہائی و تاریکی میں ہوا کے تیز و تند طوفانوں میں، بجلی کی چمک، بادل کی گرج، موسلا دھار پانی میں جس وقت سناتا چھایا ہوتا ہے اور ایک عجیب ہوکا عالم ہوتا ہے نمودار ہوتا ہے۔ اور پھر لطیف ہوا میں غائب ہو جاتا ہے۔ ان خیالات کی کچھ حقیقت ہو یا نہ ہو لیکن اتنا ضرور ہے کہ یہ زسانہ جاہلیت کی یادگار ہیں اور نسل بعد نسل سینہ بہ سینہ منتقل ہوئے ہیں —

یونانیوں کے دیوتا کیا ہیں، جو اپنی قوت کو بادلوں، بارش، ژالہ باری اور برق و رعد کی شکل میں پیش کرتے ہیں۔ وہ صرف اسی ہوا کی پرستش کی یادگار ہیں۔ سناں اور سرد شمالی خطہ کے جنگجو اور جری باشندے تمام قدرتی مظاہر کو دیوتاؤں کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ چنانچہ حیرت انگیز افق شمالی کو جو گرج، چمک اور زلزلہ کے ساتھ آسمان کو روشن کر دیتا ہے دیوتاؤں کی قوت کا معجزہ قرار دیا گیا —

" The light thou beholdest  
 Stream through the heavens  
 In flashes of crimson  
 Is but my red beard  
 Blown by the night wind  
 Affrighting the nations !  
 Mine eyes are the lightning  
 The wheels of my chariot  
 Roll in the thunder ;  
 The blows of my hammer  
 Ring in the earthquake . "

یہ وہ الفاظ ہیں جو بادشاہ اولٹ ( Olaf ) کے قصہ میں تھور ( Thor ) دیوتا کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں۔ اسی طریقہ پر کوہ جدوی کی باطل پرستی کے مطابق بجلی کی کڑک دیوتاؤں کی گازیوں کے پھیوں کی کڑکڑاہٹ تصور کی جاتی ہے جو آسمان پر نہایت تیزی سے چلتی ہیں اور انہیں کی رگڑ سے آسمان کے فرش پر بجلی کی خیرہ کن چمک پیدا ہوتی ہے —

دنیا میں حیات و مہات کا سلسلہ ایک غیر متعین زمانہ سے جاری ہے۔ یونانیوں کا فلسفہ، روما کا دیوبہ، مصریوں کا عروج، عربوں کا اقتدار، صرف ماضیء قریب کی یادگار تصور کرنا چاہیے۔ شاید ہی کوئی زمانہ ایسا گذرا ہو جس میں کم و بیش علم و حکمت کا چرچہ نہ رہا ہو لیکن ہوا کی ماہیت کا راز کبھی نہ حل ہو سکا —

ابتدائی زمانہ میں یونانیوں میں یہ خیال پیدا ہوا کہ ہوا لطیف اور نظر نہ آنے والی شے ہے۔ اس کی ساخت جوہری ہے۔ وٹروویس ( Vitruvius ) نے

یقین کے ساتھ بیان کیا کہ اس میں وزن ہے۔ ارسطو نے بھی ہوا کا وزن ثابت کرنے کی غرض سے خالی اور ہوا سے بھر کر تھیلی کا وزن کیا مگر اس کے نتائج امید افزا ثابت نہ ہوئے اس لیے کہ مناسب آلات موجود نہ تھے۔ اس کے بعد دنیا کے علمی افق پر دو ہزار سال تک جہالت و ظلمت کی تاریک گھٹائیں منڈلاتی رہیں۔ اب فلسفہ مابعدہ الطبیعیات کا دور شروع ہوا۔ اس کو تجربہ سے نفرت تھی۔ انکشافات سے رغبت نہ تھی تو سائنس کی دستگیری ہوتی تو کیسے۔ ظلمت دور ہوتی تو کیونکر۔ تاریک افق منور ہوتا تو کیسے۔ نئی نئی مشکلات تھیں۔ نئے نئے مذہب تھے۔ لہذا سیکڑوں برس تک علم و حکمت (سائنس) کی تمام امیدیں سپرد خاک رہیں (ح) اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔ تجسس و تفتیش کے تمام در بندہ رہے۔ قدیم تہذیب و تمدن علوم فنون کا جنگجو وحشیوں نے قلع قمع کیا اور مذہبی رہنماؤں نے ثواب دارین حاصل کر کے اس کو اس سے بھی زیادہ سلیا میت کیا جو افواج اٹیل (Attila) \* سے

\* چوتھی صدی کے ربع آخر میں ہنوں نے جنوبی و مشرقی یورپ پر قبضہ کرایا۔ ایک عرصہ تک آپس میں ان لوگوں میں ففاق رہا مگر بعد ازاں سردار روگیلس نے ان کو متحد کر دیا۔ اس کی وفات پر اس کے دو بھتیجے بلیڈا اور اٹیل جانشین مقرر ہوئے۔ اٹیل نے بلیڈا کو قتل کروا دیا اور خود قذفا حکمران ہوا۔ حکومت کے پہلے آٹھ سال میں تمام وحشی قوموں کو مطیع کیا اور قتل و غارت کا بازار گرم کیا۔ اس نے مشرقی سلطنتوں پر اور آرمینیا، شام، حجلہ، قزاق وغیرہ پر کئی مرتبہ چڑھائی کی۔ ایران بھی اس کی زد میں آگیا تھا اور فدیہ دے کر آزاد ہوا۔ اٹلی پر بھی حملہ کیا تھا مگر سپاہ بیمار ہو گئی اور مجبوراً واپس آنا پڑا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک لڑائی میں اس نے ایک دن میں ۱۷۵۰۰ یا ۳۰۰۰۰ آدمی قتل کروائے۔ پھر کیف بیس سال تک اس نے کیسپن سے رائن تک بغیر کسی کی مزاحمت کے حکومت کی۔

سرزد ہوا تھا —

پندرہویں سولہویں صدی عیسوی میں سائنس نے اپنی مشعل علم کو رفتہ رفتہ پھر بلند کرنا شروع کیا اور اس کے فروغ و ترقی سے ہوا کی ساخت کے مسئلے میں بھی واقفیت بڑھتی گئی اور اضافہ ہوتا گیا —

ہوا سادہ ہے اس میں وزن ہے۔ اگرچہ نظر نہیں آتی ہے لیکن حقیقتاً وہ ویسی ہی مادی شے ہے جیسے کہ پتھر یا سنگریزہ لٹکچر کے چھوٹے سیر کھرے میں بھی اس کے قیس چالیس تین ہوتے ہیں۔ اگر کھرے کی یہ سب ہوا منجمد ہو کر فرش پر چھت سے کرائی جائے تو نیچے جو چیز بھی ہوگی وہ سفوت ہو کر میدہ ہو جائے گی اور گرنے کی آواز سیکڑوں گز کے فاصلہ تک سنائی دے گی۔ اس کا اندازہ اس وقت زیادہ بہتر ہو سکتا ہے جب اسی قدر لوہا برابر کی بلندی سے گرایا جائے تو جس شے پر بھی وہ گرے گا قطعاً چکنا چور ہو جائے گی۔ تمام کرۂ ہوائی کا وزن تقریباً ۵۲۱۰ بلین تین ہے۔ ہر ایک مربع گز زمین پر آٹھ یا نو تین ہوا ہوتی ہے —

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ہوا حقیقتاً مادی شے ہے تو کیا وجہ ہے کہ ہم اس کو نہیں دیکھ سکتے۔ وہ نظر نہیں آتی۔ وجہ یہ ہے کہ ہم اس میں غرق ہیں۔ وہ ہر طرف سے ہمارا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ ہم پانی کو دیکھ سکتے ہیں لیکن غرق آب مچھلیاں اس کو محسوس نہیں کر سکتیں۔ تاہم پانی میں ہم ہوا کے بلبلوں کو اسی طرح دیکھ سکتے ہیں جیسے ہوا میں پانی۔ نظر نہ آسکنے کے لیے مادی شے میں حدود کا ہونا لازمی ہے۔ نظر آنے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ساحول میں اور اس چیز کے رنگ و شکل میں کچھ فرق ہو، جس کو دیکھنا ہے۔ تاکہ آنکھ اُس کو دیکھ سکے اور دماغ محسوس کر سکے۔ ہم کسی شے کو نہیں دیکھتے ہیں بلکہ وہ

اس کے خواص ہیں جن کو دماغ متمیز کرتا ہے۔ ہوا چونکہ شفات ہے اور اس میں کوئی رنگ ہے اور نہ اُس کی کوئی اپنی شکل ہے اس لیے ہم اس کے دیکھنے سے قاصر ہیں۔ اسی طریقہ پر ہمارے پس و پیش، چپ و راست ایک ایسی شے ہے جس کو ائیر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور جو بھر بھرے پتھر (Granite) سے ہزارہا گنا زیادہ وزنی اور فولاد سے کروڑہا گنا زیادہ مضبوط ہے۔ حالانکہ ہم اس کے وجود سے قطعاً ناواقف ہیں۔ طبعی تجربات اس کے وجود کا پتہ دیتے ہیں —

گیس کے اس متحرک بحر ذخار میں جس کو ہم کرۂ ہوائی کے نام سے موسوم کرتے ہیں مادہ کا پیہم و مسلسل دوران اور اس نے تمام تغیرات نہایت سرعت کے ساتھ جاری ہیں۔ ہوا کا یہ غلات نہ ہوتا تو تمام دنیا ایک ویرانہ ہوتی۔ اگر نظر تعمق سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہمارے خوبصورت جہان کی زیب و زینت، آرائش و زیبائش، بناو سنگھار، سجاوٹ و سرصح کاری، حسن و خوبی، قصہ مختصر تمام مخلوق کی حیات کا گہوارہ یہی کرۂ ہوائی ہے۔ اگرچہ اس کے بعض تغیرات نہایت غضبناک ہوتے ہیں اور ہلاکت و تباہی کا موجب ہوتے ہیں لیکن زیادہ تر اس کا سلوک مشفقانہ اور ہمدردانہ ہے۔ اسی کی وجہ سے ہم فضا کی سردی سے محفوظ ہیں۔ ہمارے جہان کے باہر طبقات بالا میں انتہائی سردی ہے۔ تپش ۰۲۷۳ مئی ہے۔ اس سردی کا اندازہ اس وقت ہوسکتا ہے جب کہ منطقہ باردہ کی سرد و تاریک ترین شب کی تپش سے اس کا مقابلہ کیا جائے۔ جو برت کے نقطہ اساعت سے بہت زیادہ نیچے نہیں کرتا ہے۔ اگر یہ غلات ایک رات کے واسطے ہٹا دیا جائے تو زمین، چٹانیں ایسی یخ بستہ ہوجائیں جس پر حیات حیوانی ممکن ہی نہیں ہوسکتی اور سلسلہ حیات ایک دم منقطع ہوجائے —

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں نہیں ہوتا - اس کی وجہ یہ ہے کہ کرۂ ہوائی زمین کی اس طرح حفاظت کیے ہوئے ہے جیسے موسم سرما میں گرم کھبل - یہی وجہ ہے کہ ہم پر اس سردی کا اثر نہیں ہوتا - کرۂ ہوائی میں وہ سب خواص موجود ہیں جو شیشہ کے ایک گرم مکان میں ہوتے ہیں - سورج سے روشنی اور حرارت کی ملور شعائیں سطح زمین تک آتی ہیں اور اس کو گرم کرتی ہیں لیکن حرارت کی تاریک شعاعیں اس میں ہو کر نہیں گذر سکتیں اور نہ زمین کی حرارت فضاء میں واپس جا سکتی ہے - اس طریقے سے سورج کی گرمی زمین پر جمع ہوتی رہتی ہے اور اس کو سرد ہونے سے بچائے رکھتی ہے جیسے کہ اور کوٹ سردی کے موسم میں تھنڈک سے محفوظ رکھتا ہے اور جسموں کو گرم کرتا ہے -

کرۂ ہوائی ہم کو آسمانی گولہ باری سے بھی بچائے رکھتا ہے - ہوا میں ہماری تیز سے تیز گولی نصف میل فی ثانیہ کی رفتار سے بھی کم سفر کرتی ہے - لیکن فضاء کی خالی گہرائیوں میں بے شمار لوہے کے سنگ شاہی جن کے قد و قاست مختلف ہوتے ہیں حتیٰ کہ کہیں تو وہ افتہائی چھوٹے ہوتے ہیں اور کہیں ان کے مقابلہ میں پہاڑوں کی بھی کچھ وقعت نہیں بلکہ وہ بالکل ہیچ ہیں 'ایتھرمیں بغیر کسی مزاحمت کے بیس تا سو میل فی ثانیہ کی رفتار سے سفر کرتے ہیں - اگر کرۂ ہوائی ہم کو ان سے نہ بچائے تو وہ دن رات بارش کی طرح سطح زمین سے اس زور سے ٹکرائیں کہ مضبوط ترین شے بھی چور چور ہو جائے اور پہاڑوں اور چٹانوں کی جگہ سو سو میل گہری وادیاں بن جائیں - ذرا غور کیجئے کہ بارہ انچ کی بندوق کی گولی جو صرف ایک تہائی میل کی رفتار سے نکلتی ہے وہ فولاد میں

سے اس طرح گزرتی ہے جیسے کہ فولان کاغذ کی دفتی ہو ، تو یہ آسمانی گولے جن کی رفتار سیکڑوں گلی زائد اور جو قوت و توانائی اور قہ و قاست میں ہزاروں گنے زیادہ ہیں ، وہ کس قدر زور سے ٹکرائیں گے اور ان کے ٹکرائے سے کیا حشر بپا ہوگا ۔ لیکن خوبی کی بات یہ ہے ، اگرچہ تعجب خیز معلوم ہوتی ہے ، کہ زیادہ رفتار کی وجہ سے ہی ہم ان آسمانی پتھروں سے محفوظ ہیں کیونکہ جس قدر تیزی سے وہ کرۂ ہوائی میں داخل ہوتے ہیں اتنی ہی ان کی مزاحمت ہوتی ہے ۔ مزاحمت کی وجہ سے وہ سفید گرم ہو جاتے ہیں اور ہم تک پہنچنے سے قبل ہی جل کر خاکستر ہو جاتے ہیں ۔ سنگ شہابی کا دفعاً مشتعل ہونا اور آسمان پر آہستگی سے نہایت چمک دسک کے ساتھ گذر کر ختم ہوجانا آسمانی گولے کا وجود آخری ہوتا ہے ۔

سو ، سوا سو میل کی بلندی پر شہابی پتھروں کو مشتعل پایا گیا ہے ۔ لہذا اتنی اونچائی پر بھی کافی ہوا ہوتی ہے ۔ ارہینیس کے تخمینہ کے مطابق کرۂ ہوائی کی بلندی ۲۵۰ میل ہے ۔ لیکن بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ۵۰۰ میل ہے ۔ جو کچھ بھی ہو لیکن بہر کیف یہ ضرور ہے کہ جتنا ہم کرۂ ہوائی میں زیادہ بلندی پر جاتے ہیں اتنا ہی ہوا کی مقدار اور اس کے دباؤ میں کمی آتی جاتی ہے ۔ ۴۲۹۶ میٹر کی بلندی پر یعنی پوتاسی ( Potasi ) پر سطح سمندر کے مقابلے میں ہوا کا دباؤ صرف ۶۲ + ۷۴ جاتا ہے ۔ گلیشیر ( Glaishier ) نے اپنے غباروں کے سفر میں معلوم کیا کہ چھ سات میل کے درمیان کرۂ ہوائی کا دباؤ تقریباً چہارم تھا ۔ پچاس کلومیٹر یا اکتیس میل کی بلندی پر دباؤ ۶۳ + ۷۴ ہوتا ہے ۔ جب کہ سطح سمندر کا ۷۶۰ مہر ہوتا ہے ۔ اسی طرح سو کلو گرام یا ۶۲ میل کی



اونچائی پر دباؤ صرت ۲۰۰۰ مہر رہ جاتا ہے۔ لہذا ۶۰ میل کی اونچائی پر ہی ایسا خلا پیدا ہو جاتا ہے جیسا کہ ہوائی پمپ سے حاصل ہوتا ہے۔ ایسی بلندی پر پہنچ کر انسان دفعتاً تشلج میں مبتلا ہو کر ختم ہو جائے گا اور اگر یکبارگی ہم ہوا کے دباؤ میں آجائیں، جو فی مربع انچ پندرہ پاؤنڈ یا پورے جوان آدمی کے واسطے ۱۴ ٹن ہے، تو ہمارے خون کی تمام نالیوں بہت جائیں گی اور دماغ، کان، ناک اور آنکھوں سے خون جاری ہو جائے گا۔ یہ حالت تو صرت ۶۰ میل کی بلندی کی ہے حالانکہ کرۂ ہوائی کی وسعت سیکڑوں میل ہے۔ ٹروبرج (Trowbridge) [ از دی فورم جلد ۲۶ صفحہ ۵۶۱ سنہ ۱۸۹۸ فت نوٹ ] کا بیان ہے کہ ”ایسی نا معلوم فضاء عظیم موجود ہے جو سائنٹفک نقطۂ خیال سے قطب شمالی کے برفیلے خطوں سے بھی کہیں زیادہ دلچسپ ہے۔ ہوا کے بالائی طبقوں میں کسی کی بھی رسائی ممکن نہیں۔ اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے تو سانس لینے کے واسطے اس کو کافی ہوا کی اور گرم رکھنے کے واسطے کافی ایندھن کی ضرورت ہوگی۔ کیونکہ صرت دس میل کی بلندی ہی پر ہوا اس قدر لطیف ہوتی ہے کہ تنفس میں دقت واقع ہوتی ہے اور اس قدر سردی ہوتی ہے کہ تپش پیما کا پارہ درجہ صفر سے کہیں کم ہوگا۔ اگر کسی پہاڑ کی چوٹی کی یہ تپش ہو تو وہ ہمیشہ برف سے تھکی رہے گی۔ اس اونچائی پر ایک شخص اپنے غبارہ میں اپنے دوست کی آواز قریب کے غبارے میں سے نہیں سن سکے گا خواہ وہ اتنے قریب کیوں نہ ہوں کہ ہاتھ ملا سکیں۔ آواز کی اسوج ایسی جگہ گشت نہیں کرسکتیں۔“

پھر بھی ہوا کے یہ بالائی طبقے بغیر ساخت کے نہیں ہیں اور نہ قائم ہیں۔ بلکہ متحرک ہیں۔ اس فضا کا ہر ایک حصہ پیچیدہ کردہ

کی حالت میں ہے وہاں زبردست ہوائیں ہمیشہ تقریباً ستر میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتی ہیں۔ کرۂ ہوائی کا مقابلہ ایک بڑی مشین سے کیا جاسکتا ہے جو سورج کی شعاعوں کی گرمی کی وجہ سے متحرک ہے۔ یہ مشین غیر محدود زمانہ سے چل رہی ہے اور اس میں سے مختلف پیچیدہ ہوائی رویں جاری ہیں جن کی مکمل تحقیق و تفتیش کے واسطے صدیاں درکار ہیں۔ جدید انکشافات نے ہوا کے بالائی طبقوں کے رموز میں اور بڑی اضافہ کر دیا ہے۔ اس لیے کہ یہ ثابت ہوا ہے کہ یہاں زبردست برقی رویں موجود ہیں جو ترو برج کے قول کے مطابق تمام زمین کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ یہ رتوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ بلند طبقوں کی لطیف ہوا برق کی ویسی ہی موصل ہے جیسے کہ بہترین دھاتیں موصل ہوتی ہیں۔ اس میں بڑی شک نہیں کہ سورج غیر معین زمانہ سے کرۂ ہوائی کے بالائی طبقوں میں مذقی بار کے ذرات مسلسل طریقہ سے شامل کر رہا ہے۔ برقی روؤں کی وجہ سے ان کا رخ زمین کے قطبین کی طرف ہوجاتا ہے۔ شمالی طبقوں میں یہ جمع ہوجاتے ہیں اور ان سے ان عجیب و غریب قدرتی برقی مظاہر کا ظہور ہوتا ہے جس کو اُنق شمالی (Aurora Borealis) کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ جس کی بینجانی 'سبز اور ارغوانی روشنی کے شرارے بھالوں کے مشابہ ہوتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے بقول شخصے کہنا پڑتا ہے:—

“ Fierce fiery warriors fight upon the clouds,

In ranks and squadrons and right form of war. ”

کرۂ ہوائی کی گیس کے افزائش و پیدائش کا مسئلہ سائنس دانوں میں ایک عرصہ تک معرض بحث میں رہا ہے۔ اب یہ یقینی کیا جاتا ہے کہ

کرہ ہوائی کچھہ بھی نہیں ہے سوائے اس آتشی سحابیہ (Nebula) کے جس میں سے زمین، سورج اور نظام شمسی پیدا ہوئے ہیں۔ ابتداءً ایک مشتعل گولا تھا لیکن ایک زمانہ کے بعد تپش کم ہو جانے پر ہماری دنیا عالم وجود میں آئی اور تپش اس قدر کم ہو گئی کہ غیر طیران پذیر اجزاء زمین کے مرکزی طبقوں میں مائع حالت میں جمع ہو گئے اور پھر تپش اور کم ہو جانے کی وجہ سے اس پر ایک جامد تہ بن گئی۔ اس طریقہ سے ہماری زمین کی ساخت عمل میں آئی۔ زیادہ طیران پذیر گیسوں اور بخارات جو باقی بچے وہ کرہ ہوائی میں شامل ہو گئے۔ کرہ ہوائی میں اس وقت سحابیہ کے وہ اجزاء شامل ہیں جو سطح زمین کی موجودہ تپش میں گیسو حالت میں قائم رہ سکتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ سحابیہ کی تکثیف کا مسئلہ ابھی پورے طریقہ سے حل نہیں ہوا ہے۔ زمانہ مستقبل میں جب کہ زمین کی تپش اور کم ہو جائے گی اور وہ سرد ہو جائے گی تو گیسو ہوا پہلے مائع شکل میں منتقل ہو جائے گی اور بعد ازاں جامد شکل اختیار کر لے گی۔ اس وقت ہم یہ کہہ سکیں گے کہ آتشی سحابیہ کی مکمل تکثیف ہو گئی۔

یہ کیسی تعجب خیز بات ہے کہ موسم گرما کی باد سموم، موسم بہار کی باد نسیم اور موسم سرما کے سرد جھونکے جو دن رات کبھی فرحت و مسرت کا سامان مہیا کرتے ہیں اور کبھی باعث کلفت اور رنج و معن ہوتے ہیں ان کی عہر پرانی سے پرانی پہاڑیوں اور قدیم ترین سہندروں کے مقابلہ میں بہت ہی زیادہ ہے۔ یہ پہاڑ و سہندر کل کے بچے معلوم ہوتے ہیں۔ یہ ہوا اس وقت سے چلنا شروع ہوئی ہے جب کہ ہماری زمین کی کوئی شکل نہ تھی بلکہ گیسو وسعت تھی یا ایک میدان تھا، اور

اس وقت تک ہر اہر چل رہی ہے اور شب و روز غیر معین زمانہ تک یوں ہی چلتی رہے گی جب تک کہ سورج سرخ شفق جیسی حالت میں نہ آجائے اور پھر شب تاریک کی طرح بالکل تاریک نہ ہو جائے۔ اس وقت اور صرف اس وقت کرۂ ہوائی کا دور دورہ ختم ہوگا اور ہمارے ارد گرد سخت چٹانوں کی شکل میں اس کی تکثیف ہو جائے گی۔

ہوا مختلف گیسوں کا آمیزہ ہے لیکن زیادہ تر مقدار نائٹروجن اور آکسیجن کی ہے جو ۱:۴ کے تناسب میں ہیں یعنی ۴ حصہ نائٹروجن کے اور ایک حصہ آکسیجن کا۔ ہوا کا حامل جز آکسیجن ہے جس سے ہمارے جسموں کا احتراق ہوتا ہے۔ نائٹروجن غیر عامل شے ہے جو نہ معین احتراق ہے اور نہ معین تنفس۔ دوسری گیسوں کا تناسب ہوا میں بہت ہی کم ہے۔ نقشہ ذیل میں جدید انکشافات کی بناء پر ہوا کے اجزا کا تناسب دیا جاتا ہے۔

نقشہ

خشک ہوا کے ایک مکعب میٹر (یا ۱۰۰۰ لٹر) میں [میٹر = ۳۹۶۳۷۱

انچ اور ایک پاؤنڈ = ۴۵۴ گرام] —

۷۸۰۶۳ لٹر	نائٹروجن	گیس	۹۷۵۶۸۰	گرام
۲۰۹۶۹	آکسیجن	”	۲۹۹۶۸۳	”
۹۶۴	آرگن	”	۱۶۶۷۶	”
۳۶۳	کاربن ڈائی آکسائیڈ	”	۰۶۵۹	”
۰۶۱	ہائیڈروجن	”	۰۶۰۱	”

۱۲۹۳۶۰۰

۱۰۰۰

ان گیسوں کے علاوہ دوسری غیر عامل گیسیں موجود ہیں جو حال

ہی میں معلوم ہوئی ہیں: —

۰۰۰۱۵	لٹر نیاں ( Neon )	۰۰۰۱۳۳۹	گرام
۰۰۰۰۱۵	" ہیلیم ( Helium )	۰۰۰۰۰۲۷	"
۰۰۰۰۱۵	" کریپٹن ( Krypton )	۰۰۰۰۰۱۸	"
۰۰۰۰۰۰۰۹	" زینان ( Xenon )	۰۰۰۰۰۰۳	"

ان کے علاوہ اوزون، امونیم نائٹریٹ، فائٹریٹ، سلفریٹ، ہائڈروجن۔

خورد بینی جراثیم، ذرات خاک وغیرہ کی بھی انتہائی قلیل مقدار شامل ہے —

کریہم کی ایک تفصیل سے یہ توازن اور زیادہ واضح و صاف

ہو جاتا ہے —

وہ بیان کرتا ہے کہ فرض کرو کہ ہوا کے اجزا ایک بیک علدہ

علدہ ہو جائیں اور وہ ایسے علدہ ہوں کہ آپس میں نہ مل سکیں اور ان

کی ثقافت اضافی کا بھی لحاظ ہو، تب سطح زمین پر یکے بعد دیگرے

حسب ذیل غلات ہوں گے —

پانی (مائع) ... .. ۱۵ انچ

کاربن ڈائی آکسائیڈ ... .. ۱۳ فٹ

آرگن ... .. ۹۰ گز

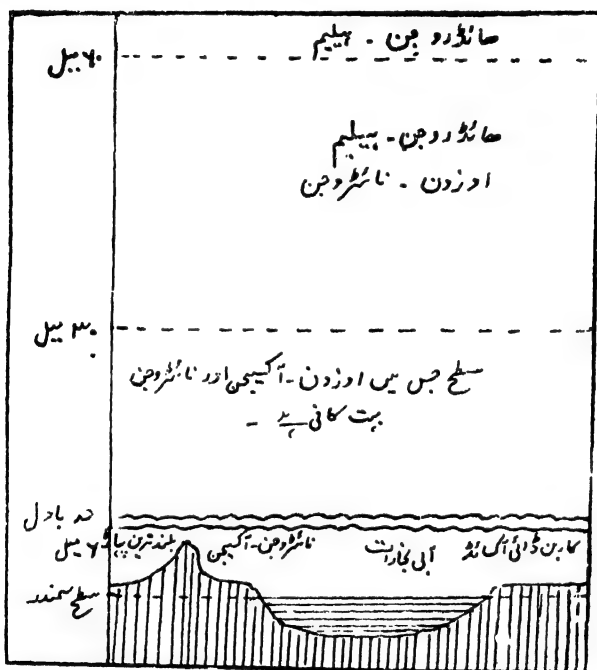
آکسیجن ... .. ۱ میل

نائٹروجن ... .. ۴ میل

یہ اس وقت ممکن ہو سکتا ہے جب کہ یہ فرض کر لیا جائے کہ گیسیں ہر

جگہ گرتے ہوئے کے دباؤ پر ہیں —

پانی کی مقدار جو ہوا میں بخارات کی شکل میں موجود ہے وہ کچھہ زیادہ نہیں ہے۔ ہوا کے سو حصوں میں ۱۶۳ حصے آبی بخارات کے ہوتے ہیں۔ ہوا کے وزن کے اعتبار سے یہ ۸۳۶ فی صدی ہوگا۔ ہوا کے ایک مکعب میٹر میں دس گرام آبی بخارات ہوتے ہیں۔ ظاہر یہ مقدار بہت ہی قلیل معلوم ہوتی ہے لیکن اگر ہم تمام کرۂ ہوائی پر اور پھر آبی بخارات



زمین کے کرۂ ہوائی کا ایک حصہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ  
بلندی پر کس طرح ترکیب مختلف ہوتی جاتی ہے۔

پر غور کریں تو معلوم ہو کہ یہ کس قدر ہے۔ اس کے تقریباً پچاس  
بلین ٹن ہوں گے اور اس سے بارہ ہزار مربع میل کی ایک میل گہری جھیل  
بن سکتی ہے۔

ان آبی بخارات کا دنیا کی آب و ہوا پر بہت بڑا اثر پڑتا ہے اگر یہ سب دور ہو جائیں تو کرۂ ہوائی کی تپش تقریباً ۲۰ درجہ مٹی کم ہو جائے اور سطح زمین کا بیشتر حصہ برت کے ایسے ویرانہ میں منتقل ہو جائے جیسا کہ منطقہ بارہ میں موجود ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آبی بخارات سورج کی منور شعاعوں کے واسطے شفات ہیں لیکن غیر منور کے واسطے کثیف۔ اس میں سے ہو کر سورج کی شعاعیں زمین تک آتی ہیں اور اس کو گرم کرتی ہیں لیکن حرارت کی تاریک شعاعیں جو زمین سے خارج ہوتی ہیں وہ پھر فضاء میں واپس نہیں جاسکتیں۔ ان سب کو کرۂ ہوائی کے آبی بخارات اور کاربن ڈائی آکسائیڈ روکے رکھتی ہے اور اس وجہ سے تمام سطح زمین کی اوسط تپش میں کمی نہیں پیدا ہونے پاتی۔

آبی بخارات ہوا سے بہت ہلکے ہوتے ہیں۔ مساوی الحجم خشک ہوا کے مقابلہ میں ان کا وزن ۶۶۲ء ہوتا ہے۔ اس سے مطلب یہ ہے کہ وہ ہوا سے بہت ہلکے ہیں۔ وہ اتنے ہلکے ہوتے ہیں جیسے گول گیس (Coal gas) جو غباروں کے بھر نے میں کام میں آتی ہے۔ سبک پن ہی ابھروں سے بھری ہوئی ہوا کو کرۂ ہوائی کے بالائی سرد طبقوں کی طرف بھیجتا ہے۔ اور وہاں بخارات کی تکثیف پانی کے قطروں کی شکل میں ہو جاتی ہے اور یہی بادل ہیں جو آسمان پر گھومتے پھرتے ہیں۔ یکہی وجہ ہے کہ سطح زمین سے عام طور پر بہت زیادہ بلندی پر پائے جاتے ہیں۔ اب ذرا غور کیجئے کہ سائنس کے ایک ادنیٰ واقعہ سے کس قدر رسوا وابستہ ہیں۔ مثلاً لیجئے اگر بخارات کا وزن خشک ہوا کے مقابلہ میں زیادہ ہوتا تو مرطوب ہوا سطح زمین کو ہرگز نہ چھوڑتی۔ اس سے

ہماری زندگی پر بہت کچھ اثر پڑتا - ہماری آنکھیں نہ سورج کی روشنی کو دیکھ سکتیں اور نہ چرخ نیلگوں کا لطف اُٹھا سکتیں - ہم ہمیشہ کھر میں رہتے - ہم سیکڑوں نٹ موٹے کھر میں مقید ہوتے - دنیا کے تمام پرفضا و دلفریب مناظر کی ہم پر کوئی کیفیت نہ طاری ہوتی - نہ کسی پہاڑی کی گلکاریاں دیکھنے کا موقع ہوتا اور نہ کسی وادی کی سرسبزی و شادابی کا - ہر جگہ سنسان اُداس اور پٹھان ہوتی - ہم صرف فاصلہ سے ہی آبشار نیاگرا اور سمندر ساحل کی اسواج کا شور سن سکتے - زیادہ کھر کی وجہ سے کبھی بھی ہماری آنکھیں اس کو نہ دیکھ سکتیں - غالباً ہم کو ان کا سبب ہی نہ معلوم ہوتا - تمام بحر اور بحیروں پر کھر کی انتہائی موٹی چادر ہوتی - کسی نئی جگہ کا انکشاف نہ ہوا ہوتا - تاریکی و ظلمت ہی میں اسوقت تک پڑی ہوتی - ہر جگہ بیدار 'اسرار' خوت اور تر سے پر ہوتی - اس میں شک ہے کہ ایسی صورت میں انسان خود بھی مہذب ہوا ہوتا یا نہیں -

ہوا میں کاربن ڈائی آکسائیڈ کی مقدار اگرچہ کم ہے (۰.۰۳ فیصدی) لیکن وہ بھی بہت زیادہ اہم ہے - کیونکہ حیوانی و نباتی اشیاء کی سب کاربن اسی سے حاصل ہوتی ہے - اس کی مقدار ہر جگہ مختلف ہوتی ہے - قصبات کے مقابلے میں بڑے بڑے شہروں میں زیادہ ہوتی ہے اور سمندر کے مقابلے میں بڑے بڑے قصبات میں - سطح زمین کے مقابلے میں (۰.۰۲۹ فیصدی) کچھ بلندی پر زیادہ ہوتی ہے (۰.۰۳۳ فیصدی) - اس کی وجہ یہ ہے کہ اوپری حصوں میں آتش فشاں پہاڑ اور اونچی اونچی چمپیاں ہوا میں ہمیشہ اس گیس کی بہت زیادہ مقدار شامل کرتی رہتی ہیں - اور بخلات اس کے پودے نیچے کے حصوں میں سے اس کو حاصل کرتے رہتے



ہیں۔ آدسی روزانہ اس گیس کی تقریباً تیز سلیں تین مقدار خارج کرتے ہیں لیکن اس سے کہیں زیادہ مقدار دوسرے ذرائع سے، مثلاً نباتی و حیوانی مادے کے سڑنے و گلنے سے، آگ سے، آتش فشاں پہاڑوں سے، اور زمین کے دراڑوں اور شکافوں سے، خارج ہو کر ہوا میں شامل ہوتی رہتی ہے۔ اوزون کی مقدار بھی ہوا میں ہر جگہ مختلف ہوتی ہے۔ سطح زمین کے قریب بڑے بڑے شہروں میں وہ بالکل نہیں پائی جاتی لیکن جیسے ہی ہم کرۂ ہوائی میں بلندی پر پہنچتے جائیں اس کی مقدار بہت تیزی سے بڑھتی شروع ہو جاتی ہے۔ بڑے بڑے پہاڑوں پر زمین کے مقابلہ میں چار گنی ہوتی ہے۔ بہت زیادہ بلندی پر جہاں انتہائی سردی اور بہت ہی کم دباؤ ہے برق کی بڑی بڑی روئیں اور اوزون پیدا کرنے والی سورج کی بالا بلغشتی شعاعیں ہوتی ہیں، وہاں اس کی مقدار بہت ہی زیادہ ہوگی۔ ان طبقوں میں ہوا کی آکسیجن اوزون میں منتقل ہو جائے گی۔ اس گیس کی قلیل مقدار جو اچھے کے حصوں میں پائی جاتی ہے وہ صرف اوپر سے چھن چھن کر شامل ہو گئی ہے۔

کرۂ ہوائی کی سبک ترین گیسیں جو ہمیشہ زمین سے نکل کر ہوا میں شامل ہوتی رہتی ہیں وہ آہستہ آہستہ اوپر اٹھتی ہیں لیکن انتہائی اونچے طبقوں میں پہنچتی ہیں۔ لہذا سو ۱۰۰ کلو گرام یا ۶۲ میل کی اونچائی پر کرۂ ہوائی میں ۹۹ فیصدی ہائیڈروجن اور نصف فیصدی ہیلیم ہوگی [از کتاب غیر نامیاتی کیمیا مصلفہ ارتمان صفحہ ۳۶۷]۔ سنہ ۱۹۰۶ء خطبہ برٹش اسوسیشن از دیوار صفحہ ۲۰ سنہ ۱۹۰۲ء۔ یہ واقعات خیالی نہیں ہیں بلکہ مشاہدات کی بناء پر اخذ کئے گئے ہیں اس لیے کہ سنگ شہابی جب سو میل کی بلندی پر مشتعل ہو کر نظر آتے

ہیں تو ان کے طیف سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہائڈروجن اور ہیلیم کے کرۂ ہوائی میں دور لگا رہے ہیں۔

اگر کسی طریقہ سے کوئی پہاڑ اسقدر بلند ہو جائے اور اس پر پہونچنا بھی کسی صورت سے ممکن ہو جائے پھر بھی کوئی جاندار اس پہاڑ کی چوٹی کی ہوا میں ایک لمحہ بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس لیے کہ سانس لینے کے واسطے آزاد آکسیجن نہیں ہوگی اور انسان دم گھٹ کر مر جائے گا ایسی جگہ کی ہوا میں موم بتی روشن نہیں ہو سکے گی اور کوئلہ اور کاغذ ایسے ہی غیر احتراق پذیر ہوں گے جیسے ایلٹ یا پتھر۔

یہ تعجب کی بات ہے کہ کھیاپ اور وزنی کرپٹن ناسی گیس سو میل سے زائد کی بلندی پر پائی جاتی ہے جیسا کہ افق شمالی کے طیف سے معلوم ہوتا ہے۔ ہائڈروجن کے مقابلے میں اس گیس کا جوہر ۸۱۶۲ گنا زیادہ وزنی ہوتا ہے اور اس لحاظ سے اس قدر بلندی پر اس کو جمع نہیں ہونا چاہئے تھا۔

ہوا کے طبقات بالائے متعلق بہت سے ایسے مسائل ہیں جو عجیب و غریب معلوم ہوتے ہیں۔ ان کے مسائل کا حل ہونا تو درکنار ہم ان کے متعلق ابھی تک کچھ واقعات ہی جمع کر رہے ہیں۔

معمولی حالات میں ہوا کی کوئی شکل نہیں ہوتی ہے۔ لیکن تاریک کمرے میں اگر کھڑکی وغیرہ کی دراز یا کسی سوراخ میں سے جس میں سے ہوکر روشنی گذرتی ہو؛ دیکھا جائے تو ہم کو وہ چمکیلی معلوم ہوتی ہے۔ اس میں ہزارہا خوردبینی ذرات متحرک نظر آئیں گے۔ کسی بڑے شہر پر ایسے ذرات کا ایک بڑا سمندر ہوتا ہے۔ کرۂ ہوائی کی بہت زیادہ بلندی جہاں کہ رسائی ممکن ہے وہاں بھی یہ موجود ہوتے ہیں لیکن وہاں

ان کی مقدار بہت کم ہوتی ہے۔ آخر یہ کہاں سے آتے ہیں؟ سطح زمین کے قریب یہ خاک کے ذرات ہوتے ہیں۔ ساحل سمندر کے قریب ریت اور نمک کے اور پھر ان میں مفید و مضر جراثیم شامل ہو جاتے ہیں۔ ہوا ان کو ہر جگہ اڑائے پھرتی ہے۔ اور کرۂ ہوائی میں خوردبینی ہونے کی وجہ سے یہ قائم رہتے ہیں۔

کرۂ ہوائی کے بلند طبقوں میں ان ذرات کے ہونے کی وجہ اور ہے۔ وہاں صدیوں سے اوپر کے طبقوں میں کرۂ ہوائی کی حدود سے باہر ذرات شامل ہوتے رہے ہیں اور سلسلہ تا ہنوز جاری ہے۔ یہ ذرات کائناتی (Cosmic) خاک کے ہیں کیونکہ ہمارے جہان میں ہر ایک ستارہ، ہر ایک سورج، اور تقریباً ہر ایک سیارہ خواہ وہ ظاہر ہو یا پوشیدہ فضاء میں چھوٹے چھوٹے ذرات متواتر مسلسل طریقہ سے داخل کر رہا ہے۔ کوہ آتش فشاں کے پھٹنے سے بھی کچھ خاک نکل کر فضاء میں جا پہنچتی ہے۔ سورج اور لگھو کہا دوسرے اجسام میں جو رات کے وقت آسمان کو منور کر دیتے ہیں ان کی سطح پر ہر لمحہ ایسے سیکڑوں دھماکے ہوتے ہیں جن کی آواز اور جن کا زور ارضی شدید ترین دھماکوں سے کہیں زیادہ ہوتا ہے۔ یہ سیکڑوں ٹن خاک فضاء میں شامل کر دیتے ہیں۔ اس طریقہ سے سورج ایک سال میں 'تین کھرب' ٹن خاک خارج کر کے فضا میں پہنچاتا ہے اور اتنے ہی وقفہ میں کم از کم بیس ہزار ٹن خاک کا زمین پر اضافہ ہوتا ہے۔

تمام فضاء میں یہ سلسلہ غیر معدود زمانہ سے جاری ہے۔ تمام جہان، جہاں تک دوربینیں کام دیتی ہیں، خاک سے بھرا ہوا ہے۔ تمام خاک جو زمین یا سورج میں جمع ہے وہ ایک زمانہ میں فضاء میں گردش کرتی پھرتی تھی اور پھر ایک زمانہ گزرنے کے بعد ایک ہی مرتبہ نہیں بلکہ

بہت سی دفعہ پھر اسی میں گردش کرے گی ۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ سورج ختم نہیں ہو جاتے اس کی وجہ یہ ہے کہ جس قدر خاک وہ خارج کرتے ہیں اسی قدر ان میں آکر شامل بھی ہو جاتی ہے ۔ اسی وجہ سے جہاں میں ایک توازن قائم ہے ۔ یہ خاک سورج یا ستارے سے نکلتے ہی ہزاروں میل فی سیکنڈ کی رفتار سے گردش کرتی پھرتی ہے ۔ بالآخر یہ ذرات متحد ہو جاتے ہیں اور ان سے سلک شہابی بنتے ہیں ( اور بعد ازاں ان کا وجود مدار ستاروں ( Comets ) سحابیوں ( Nebulae ) سورج اور سیاروں میں منتقل ہو جاتا ہے ۔ ہر ایک سنگ شہابی ( Meteorite ) جو ہمارے کرۂ میں داخل ہوتا ہے وہ پھر رگڑ سے خاک ہو جاتا ہے جو زمین پر آکر گر جاتی ہے —

اس میں سے زیادہ تر خاک برقائی ہوئی ہوتی ہے اور اس منفی برق کی حامل ہوتی ہے جو مطلقہ بارش شہابی و جنوبی کے باشندوں کو حیرت میں ڈال دیتی ہے ۔ برق جو ہمارے کرۂ ہوائی میں آہستہ چلنے والی آتشی گیند کی صورت میں گردش کر رہی ہے وہ کچھ تو سورج سے حاصل ہوتی ہے جس کا فاصلہ کروڑ ہا میل ہے اور کچھ ستاروں سے خارج ہوتی ہے جو اس قدر فاصلہ پر ہیں کہ ان کا بعد مسافت انسان کے تخیل میں بھی نہیں آسکتا —

یہ خاک ہمارے واسطے بہت ہی مفید شے ہے ۔ اسی پر ہوا کے آبی بخارات کی بارش و بادلوں کی شکل میں تکثیف ہوتی ہے ۔ اگر ہوا میں مطلق خاک نہ ہوتی تو غالباً زمین خشک ہوتی ! بغیر پانی کا ویرانہ ہوتی ، کہیں بھی بارش نہ ہوتی اس لیے کہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ بغیر کسی مرکزہ ( Nucleus ) کے آبی بخارات کی تکثیف نظر آنے والے قطرات کی شکل

میں نہیں ہوسکتی —

جب ہم خاک کے ان چھوٹے چھوٹے ذرات کی حرکت و گردش پر غور کرتے ہیں تو ہم کو احساس ہوتا ہے کہ ہوا حقیقتاً اس سے بھی کہیں زیادہ پیچیدہ ہے جتنا کہ ہم نے خیال کیا تھا۔ اسی خاک نے یونان و ہندوستان کے حکما و فلاسفا کے دماغوں کو نظریہ جواہر کی طرف منتقل کیا۔ ہندی فلسفیوں کے مطابق ہر ذرہ کو چھ مرتبہ تقسیم کرنے پر جواہر حاصل ہوسکتے تھے لیکن اب ہم کو معلوم ہے کہ جواہر ہزار ہا لکھو کہا مرتبہ تقسیم کے بعد حاصل ہوسکتے ہیں۔ اگر ہم ہوا کو کروڑ ہا گنا زیادہ بڑا کریں گا کہ اس کے سالمات اس قدر بڑے ہوجائیں کہ وہ نظر آسکیں تو اس کی پیچیدگی اور بھی زیادہ محو حیرت بنا دے گی۔ اس وقت خاک کا ایک ذرہ کھکشاں سے سیکڑوں کروڑ ہا گنا زیادہ بڑا ہوگا اور اس میں جواہر صرت اخروٹ کے قد و قامت کے نظر آئیں گے۔ یہ بہت ہی قریب قریب ہوں گے اور نہایت سرعت کے ساتھ متحرک ہوں گے۔ گردش کا سلسلہ پیہم و متواتر ہوگا۔ ذرہ کے ارد گرد ہر سمت میں ہوا نے بے شمار سالمات تقریباً ۴۸۵ میٹر فی سیکنڈ کی رفتار سے گھرائیں گے۔ ہوا کے سب سالمات بھی ایک ہی طرح کے ذہ ہوں گے بلکہ مختلف نوع کے ہوں گے۔ اگر ہم ایک جگہ بیٹھ کر اس کی سیر کریں تو معلوم ہوگا کہ دس ہزار سالمات میں ۷۸۰۰ فائٹروجن کے ہیں، ۲۱۰۰ آکسیجن کے ۹۴ آرگن کے، ۳ کاربن ڈائی آکسائیڈ کے اور ایک ہائڈروجن کا۔ دوسروں کی مقدار اس قدر کم ہے کہ اگر ہوا کے سالمات ایک مرتبہ فی سیکنڈ کی رفتار سے گردش کریں تو زیلاں کے ایک سالہ کو دیکھنا پانچ سال بعد نصیب ہوگا بشرطیکہ ہم دن و رات اس کو نہایت غور سے دیکھتے رہیں اور کرپٹن کا ایک سالہ کا جلوہ

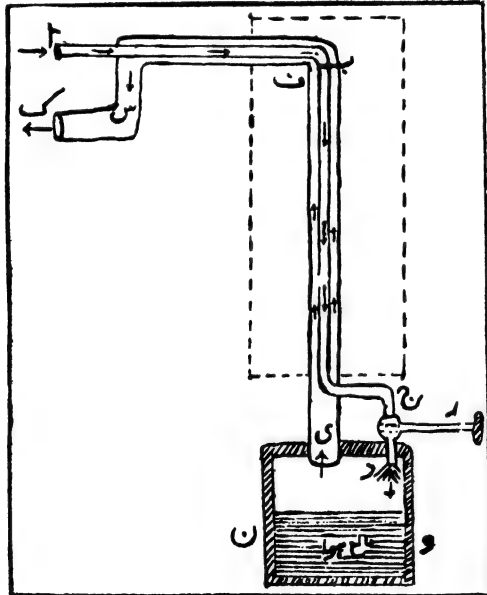
آٹھ ماہ بعد نصیب ہوا۔ ہیلیم کے سالہ کے واسطے تین ماہ اور نیاں کے واسطے تقریباً ایک ہفتہ درکار ہوا۔ بخلات اس کے ایک منٹ میں فائٹروجن کی ۴۸ اور آکسیجن کی ۱۲ گردشیں ہوتی ہیں۔ کس قدر بڑا فرق ہے۔ اس حالت کا کچھ اندازہ ہم کو اس وقت ہوسکتا ہے جب ہم ایک ہرت کے طوفان کا منظر اپنے پیش نظر رکھیں جس میں بہت ہی زیادہ ژالہ باری ہو رہی ہو۔ اس میں ہم کو خیال کرنا پڑے گا کہ ہر ایک اولہ ۵۰۰ کز فی سیکنڈ کی رفتار سے متحرک ہے تاکہ اس کی رفتار ہوا کے سالمات کی رفتار کے برابر ہو جائے۔ ایسی حالت میں ہوا کے سالمات یا اولے بلذوق کی گولیوں کی طرح نہایت ہی تیزی سے متحرک ہوں گے۔ اب ذرا خیال کیجئے کہ ایک مکعب سنتی میٹر ہوا میں کم از کم ۳۶ سلکھ (Sixty Trillion) سالمات ہوتے ہیں۔ اب ذرا کل کرہ ہوائی کا خیال کرو جو ہر سمت میں میلوں دور تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ اعداد و شمار بے انتہا زیادہ ہیں۔ خیال و وہم میں بھی نہیں آسکتے۔ اب ان زبردست ہوائی رٹوں کا خیال کیجئے جو ہر سمت میں طوفانوں وغیرہ کی شکل میں آشکارہ ہوتی ہیں۔ ہوائیں بے شمار سالمات کے طوفان عظیم ہیں۔ جو ایک ہی سمت میں بپا ہوتے ہیں۔ اگر ایک ایسے پتنگے کا خیال کیا جائے جو ہوا کے صرت ایک سالہ میں بالکل اس طرح سکونت پذیر ہو جیسے کہ ہم زمین پر ہیں تو اس پر چپ و راست نہایت تیزی سے گردش کرنے والے لکھو کھا سالمات کی وہ کیفیت طاری ہوگی جو کہکشاں کی زمین کے ہیئت دانوں پر ہوتی ہے۔ آخر اس پیچیدگی کی غرض و غایت کیا ہے اور اس کا اختتام کب ہوگا؟ ہر سالہ کی اپنی انفرادی ہستی ہے اور ہر ایک کا ایک سلسلہ حیات ہے ہر ایک خاص قوانین کے ماتحت بدوں خلل و رزی

اسی طرح مصروت گردہی ہے جیسے سیارے اپنے مدار پر سورج کے گرد گردہی کرتے ہیں —

ہمارے باپ دادا کو جب کہ وہ جوان تھے یہ بتایا جاتا کہ مستقبل قریب میں نظر نہ آنے والی ہوا کو وہ چمکتی ہوئی مائع کی شکل میں دیکھ سکیں گے جو برت کی تپش پر بھی جوش کھانے لگے گی، الکوحل کو منجمد کر دے گی، تو ان کے تعجب و حیرت کی کوئی انتہا نہ رہتی۔ اور اس وقت تو حیرت سے سہر بہ سکوت ہوتے اگر ان سے کہا جاتا کہ بعد ازاں اس کو برت جیسی جامد شکل میں بھی حاصل کر لیا جائے گا۔ یہ اس قدر سرد ہوگی کہ صرف چھونے سے نہایت تیز آگ کی طرح جلنے لگے گی۔ اب ہم قارئین کو کچھ جدید انکشافات سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں جن کی بناء پر یہ عجیب و غریب نتائج حاصل ہوئے ہیں —

”دیوار (Dewar) کا بیان ہے کہ معمل میں مائع ہوا کا پیدا کرنا انتہائی دشوار امر ہے جیسے بھاپ سے پانی کا حاصل کرنا جب کہ وہ سفید حرارت (White heat) پر ہو اور ماحول و آلات بھی اسی بلند درجہ تپش پر ہوں۔ اس میں صرف یہ دشواری نہیں ہے کہ انتہائی سردی کیسے پیدا کی جائے بلکہ یہ بھی ہے کہ تیار ہونے کے بعد وہ ارہ گرد کے نسبتاً گرم ماحول سے کیسے محفوظ رہے۔“ ایک صدی کی جانفشانیاں اور استقلال کے ساتھ کاوشیں برداشت کرنے کے بعد انسان کو اس پر فتح حاصل ہوئی اور نتیجہ یہ ہوا کہ مائع ہوا ایک مرتبہ میں صرف کیلوں کی مقدار ہی میں تیار نہیں ہوسکتی ہے بلکہ وہ ہفتوں تک ایسے ظروٹ میں بھی رکھی جاسکتی ہے جن کو دیوار نے ایجاد کیا ہے، اور جن پر ماحول کی گرمی کا مطلق اثر نہیں ہوتا ہے —

ہوا کی اماعت میں جن اصولوں کو دخل ہے وہ بہت ہی آسان ہیں، جب گیس کو دبایا جاتا ہے تو حرارت پیدا ہوتی ہے۔ بخلات اس کے جب اس کو آزادی سے اور دفعۃً پھیلنے دیا جاتا ہے تو سردی پیدا ہوتی ہے۔ گیس کی ابتدائی تپش جس قدر کم ہوگی پھیلنے میں اسی قدر زیادہ سردی حاصل ہوگی۔ ان ہی اصولوں پر ہوا کی اماعت کے واسطے لنڈے (Linde) ہامپسن (Hampson) ٹرپلر (Tripler) نے مشینیں تیار کی ہیں۔ لنڈے کی مشین کا خاکہ شکل ۲ میں دیا گیا ہے۔ معمولی تپش اور ۲۰۰ ایٹما سفیر کے دباؤ پر ایک مضبوط نلی الف ب ج د میں ہوکر ہوا داخل ہوتی ہے۔



شکل ۲ ہوا کی اماعت کے واسطے لنڈے کا آلہ

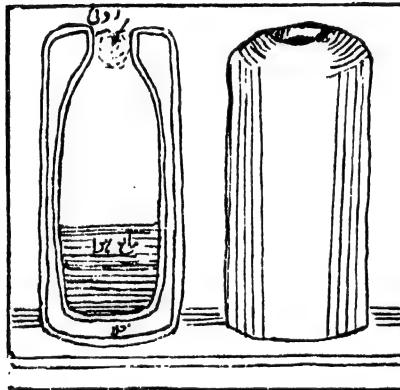
صہام (Valve) ر کو درست کرکے ٹھہرے ن و میں جہاں کہ دباؤ صرت ۲۰ ایٹما سفیر ہوتا ہے۔ اس کو یک بارگی پھیلنے دیا جاتا ہے۔ اس عمل میں



بہت سردی پیدا ہوتی ہے اور ہوا سرد ہو کر نلی ی ت س ک میں گذرتی ہے اور نلی الف ب ج د میں نئی داخل ہونے والی ہوا کو سرد کر دیتی ہے۔ اس کے بعد یہ سردی ہوا ج پر آکر پھیلتی ہے۔ اس کی تپش نسبتاً کم ہوتی ہے اور جب یہ نلی ی ت س ک میں گذرتی ہے تو داخل ہونے والی ہوا کو اور زیادہ ٹھنڈا کر دیتی ہے۔ یہ سلسلہ جاری رہتا ہے یہاں تک کہ تپش اس قدر کم ہو جاتی ہے کہ ج پر پھیلتے ہی اس کی اماعت بے رنگ مائع میں ہو جاتی ہے جو نہایت تیزی سے کمرہ ن و میں جمع ہو جاتا ہے۔ سرد ہوا جو ی ت س ک میں ہو کر گذرتی ہے پھر نلیوں میں بہو نہائی جاتی ہے اور اس کو ۲۰۰ ایٹماسفیر کے دباؤ پر دبایا جاتا ہے اور معمولی تپش پر پانی سے ٹھنڈا کیا جاتا ہے اس لئے کہ دبانے سے وہ بہت گرم ہو جاتی ہے۔ اور بعد ازاں اس کو پھر داخل ہونے والی نلی میں گزارا جاتا ہے۔ چونکہ ان نلیوں میں اندر تپش انتہائی کم ہوتی ہے اس لئے ان کو باہر کی حرارت سے اون یا پروں کے ذریعہ سے بچائے رکھنا چاہیے۔ مشینوں میں نلیوں کے حصے ب اور ی کے درمیان سیکڑوں کڑاہے ہوتے ہیں لیکن ان کو مرغولہ کی طرح بنایا جاتا ہے اس لئے کہ جگہ میں آ جاتے ہیں۔ مائع ہوا سے آکسیجن اور نائٹروجن کا علحدہ کرنا آکسیجن کیس کی تیاری کے سلسلہ میں بتایا جا چکا ہے۔

مائع ہوا تیار ہونے کے بعد اس کا قائم رکھنا بھی کوئی آسان کام نہیں۔ یہ بھی اتنا ہی مشکل ہے جتنا پانی کو قائم النار کر دینا۔ دیوار نے اس مسئلہ کو بھی حل کر دیا۔ اس کے رکھنے کے واسطے اس نے دوہری دیواروں کے برتن تیار کئے۔ دیواروں کے درمیان کی جگہ میں پہلے ہی خلا کر دیا گیا تھا۔ خلا کی وجہ سے باہر کی حرارت کا مائع

ہوا پر مطلق اثر نہیں ہوتا ہے اور وہ ہفتوں تک اس میں رکھی جاسکتی ہے ۔ ایسے ظروٹ میں نقصان یا ضائع ہونے کا تر نہیں ہوتا اور وہ ہزاروں میاوں کے فاصلے پر بھیجی جاسکتی ہے حالانکہ جس ماحول میں کہ وہ ہے وہ مقابلتاً سوخ گرم کہلائے جانیکا مستحق ہے ۔ اب ذرا ان عجیب و غریب امکانات پر بھی فور کیجئے جو دیوار کی صراحیوں نے پیدا کر دیے ہیں ۔ صدیاں گذرنے کے بعد جبکہ دنیا کا کوئہ تقریباً ختم ہو جائے گا



شکل ۳

مائع ہوا رکھنے کا خلا دار ظرٹ - ایسی صراحیوں میں گرم یا سرد مائع ایک عرصہ تک رکھے جاسکتے ہیں ۔

اور آگ کا روشن کرنا ایک اسرگراں بھا ہو گا اس وقت یہ خلا والے ظروٹ مائع چیزوں کو گرم یا سرد رکھنے میں عام طور سے استعمال ہونے لگیں گے بلکہ مکانوں کی دیواروں پر بھی سردی یا گرمی کا کچھہ اثر نہ ہو گا ۔ بجائے اس کے کہ گرم چاء دن میں کئی مرتبہ تیار کی جائے سہینے میں ایک یا دو مرتبہ تیار کر ایلا کافی ہو گا ۔ ایسے ظررف میں رکھنے سے وہ گرم رہے گی اور خواہ کبھی کبھوں نہ پی جائے گرم ہی ملے گی ۔

مائع ہوا پانی کے براہِ وزنی اور ویس ہی صاف اور شفاف ہوتی ہے۔ کھالی ہوا میں وہ سفید کھر کی شکل میں معلوم ہوتی ہے اور صراحی سے خوبصورت بادل اٹھتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ملاحظہ تقریباً بالکل وہی ہوتا ہے جو ابلتے ہوئے پانی کی بھاپ کا ہوتا ہے۔ انتہائی سردی کی وجہ سے قریب کی ہوا کی رطوبت کے بادل بن جاتے ہیں —

دنیا میں کوئی دوسری شے سوائے مائع ہائڈروجن یا مائع ہیلیم کے



شکل ۳

مائع ہوا گرائی جا رہی ہے۔ جب کلا یہ مائع ہوا اس طرح گرائی جاتی ہے تو ماحول کی ہوا کی تمام رطوبت کی انتہائی سردی کی وجہ سے تکثیف ہو جاتی ہے اور بڑے بڑے بادل جیسے کلا شکل میں دکھائے گئے ہیں بن جاتے ہیں —

اس قدر سرد نہیں ہے جتنی کہ مائع ہوا۔ مگر پھر بھی اس میں ہاتھ

قبویا جا سکتا ہے۔ یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہاتھ ملائم تکبہ پر ہے۔ یہ خلات توقع ضرور ہے لیکن اس کی وجہ یہ ہے کہ مائع ہوا کے مقابلہ میں ہاتھ بہت زیادہ گرم ہوتا ہے لہذا فوراً اس پر بخارات کا ایک غلات چڑھ جاتا ہے اور اسی کی وجہ سے ہاتھ مائع کے متصل نہیں ہونے پاتا۔ پھر بھی ہاتھ ایک سیکنڈ سے زیادہ مائع میں نہیں رہنا چاہیے اس لیے کہ اگر زیادہ دیر تک رہا اور مائع سے متصل ہو گیا تو ایسا زہر دست زخم پڑ جائے گا جو مہینوں میں اچھا ہو سکے گا۔ آدمی کے ہاتھ پر صرف چند قطرات ہی وہ حالت پیدا کر دیں گے جو سفید گرم لوہا پیدا کر سکے گا۔ اسی باعث عمل جراحی میں جہاں



شکل ۵

مائع ہوا کی کیٹلی جو ہر پر جوش کھا رہی ہے۔ مائع ہوا کے مقابلہ میں ہر ۱۸۰ درجہ زیادہ گرم ہے۔ کیٹلی بہت جلد پالے سے تنک جاتی ہے۔

کہ داغیے (Cauterisation) کی ضرورت ہوتی مائع ہوا کو کام میں لایا جاتا ہے۔ فاسد گوشت آنا فنا ہوں جل کر ختم ہو جاتا ہے۔ نیویارک کے ایک مشہور طبیب نے اس سے سرطان کو جلایا۔ مریض کی حالت قابل علاج نہ تھی لیکن اس علاج سے وہ شفایاب ہوا۔ اس سلسلہ میں امید افزا نتائج حاصل ہونے کا گمان ہے لیکن ابھی تک کسی کو اس طریقہ کے کامیاب بنانے کا خیال پیدا نہیں ہوا ہے۔

مائع کی انتہائی سردی کو بہت سے تجربوں سے دکھایا جاسکتا ہے ہر جو ہم کو اس قدر سرد معلوم ہوتا ہے اس کی تپش بھی مائع ہوا کی تپش سے بقدر ۱۸۰ درجہ مٹی زیادہ ہے۔ یا یوں سمجھیے کہ دونوں کی حالت میں اسی قدر فرق ہے جتنا ہماری حالت اور اس شے کی حالت میں

ہوتا ہے جو کڑھائی مہن تلی جاتی ہو یا بیہونی جارہی ہو یا جو کہ پگھلے ہوئے سیمسہ اور اُبلتے ہوئے پانی میں ہوتا ہے۔ لہذا اگر مائع ہوا کو برت پر ڈالا جائے تو وہ ویسا ہی شور مچائے گی جو سرخ گرم اوہے پڑ پانی ڈالنے سے ہوتا ہے۔ اگر مائع ہوا کو چاء کی کیتلی میں بھر کر برت میں ڈبایا جائے تو فوراً ہوا نہایت تیزی سے جوش کھانے لگے گی اور بھاپ جیسے سفید بخارات تھکن وغیرہ سے نکلنے لگیں گے۔ اگر کیتلی کو روشن کوئلہ پڑ رکھا جائے تو مائع نہایت تیزی سے اُڑ جائے گا اور بھاپ کا فوارہ بہت زیادہ بلندی تک جائے گا۔ اگر مائع ہوا کے جوش کھا کر ختم ہوجائے گے بعد کیتلی میں پانی ڈالا جائے تو وہ فوراً برت ہوجائے گا اور کیتلی کی تلی میں کاربونک ترشہ منجمد ہو کر جم ہو جائے گا۔ یہ سب باتیں اسی وقت تکمیل کو پہنچ جاتی ہیں جب کہ آگ برائے نام جل رہی ہو۔ اگر کوئی شخص مائع ہوا کے کھلے برتن میں پھونک مارے تو اس کی تمام رطوبت ایک دم منجمد ہوجائے گی۔ اسی طریقہ سے آبلے ڈالنے والی بھاپ بھی فوراً جامد شکل اختیار کرلے گی کیونکہ مائع ہوا اور بھاپ کی تپش میں ۳۰۰ درجہ مٹی کا فرق ہوتا ہے۔ پارا بھی چاندی کی طرح چمکتی دھات کی شکل اختیار کرلے گا۔ اس وقت پارا کریڈائٹ (Granite) کی برابر سخت ہوگا۔ اس کے اوزار و تلواریں نہایت آسانی سے بن سکیں گی۔ اگر ہتھوڑے کی شکل کا دھتے کا ایک تہہ بنایا جائے اور اس میں پارا بھر کر بیچ میں لکڑی کا ایک دستہ لگا کر اس کو مائع ہوا میں رکھا جائے تو ویسا ہی عہدہ ہتھوڑا بن جائے گا جو کہ سخت لکڑی میں کیلیں تھوکنے کے کام میں آتا ہے۔ یہ سب کی سب کیسی

تعجب خیز باتیں ہیں --

ایسے تجربات سے فضا کی سردی کا کچھہ نقشہ ہمارے پیش نظر ہو جاتا ہے۔ فضاء کی سردی کے مقابلہ میں مائع ہوا کی سردی کوئی سردی نہیں ہے۔ اب ذرا غور کیجئے کہ اس شخص کے واسطے جو فضا کی ویران تاریکی و سردی میں رہتا ہو ہمارے جہان کی حرارت کس غضب کی ہوگی۔ وہاں کا باشندہ ہمارے سیارے کے فرش پر قدم رکھتے ہی پتھر کو کباب ہو جائے گا اور جل کر خاکستر ہو جائے گا جیسے کہ گوشت تنور میں ہو جاتا ہے۔ مسٹر ویلیس کے قول کے مطابق اگر یہ شخص خدا نخواستہ اپنے سرد و تاریک مسکن کو کسی طرح واپس ہو جائے اور وہاں جاکر کتاب لکھنے بیٹھے تو وثوق و کامل یقین سے یہ ثابت کرے گا کہ ایسے جہان میں 'جیسے ہماری دنیا' حیات ممکن ہی نہیں ہو سکتی۔

یہ واضح رہے کہ دوسری گرم چیزوں کی طرح سطح زمین سے بھی گرمی اور روشنی کی شعاعوں کا اخراج ہوتا ہے لیکن ہماری آنکھیں اس کو محسوس نہیں کر سکتیں۔ لاہون (Lebon) کے مطابق "صفر مطلق تک کی قیاس پر بھی چیزوں سے روشنی کی امواج نکلتی ہیں جن کو ہم نہیں دیکھ سکتے۔ غالباً وہ جانور اس کو محسوس کرتے ہوں گے جو تاریکی میں رہتے ہیں، دن کی روشنی سے اجتذاب کرتے ہیں اور شب کی تاریکی میں اپنی چھل پھل میں مصروف ہوتے ہیں۔ ان کو ایک ذی حیات مخلوق کے جسم کے ارد گرد جس کی حرارت ۳۷ درجہ مٹی ہو ایک منور حلقہ معلوم ہوتا ہوگا جس کو ہماری قوت بصارت دیکھنے سے قاصر ہے۔ حقیقتاً دنیا میں کوئی تاریک شے نہیں ہے بلکہ یہ ہماری کوتاہ نظری کا نتیجہ ہے۔ تمام اجسام نظر آنے والے اور پوشیدہ اشعاع کا مخرج ہیں۔ یہ ایک

قسم کی ہوں یا زیادہ لیکن ہمیشہ روشنی کی شعاعیں ہوتی ہیں ” —  
 مائع ہوا کا درجہ حرارت  $18^{\circ}$  مٹی ہے ۔ بلند تپش پر وہ ویسے  
 ہی جوش کھانے لگے گی جیسے پانی سو درجہ سے زائد کی تپش پر ۔ جو  
 رشتہ بھاپ اور پانی میں ہے وہی ہوا اور مائع ہوا میں ہے ۔ سطح  
 زمین کل تپش مائع ہوا کے نقطۂ جوش سے  $200^{\circ}$  درجہ مٹی زائد ہے ۔ لہذا  
 اس مائع اور سطح زمین میں بھی وہی رشتہ قائم ہے جو کوئلہ کی آگ  
 اور پانی میں ہے ۔ پس ہمارے چاروں طرف جو بھتی ہے اس میں مائع  
 ہوا کو کھولنے سے وہ فوراً جوش کھانے لگے گی اور اس پانی کی طرح ‘  
 جس کے ارد گرد آگ ہو ‘ بخارات پیدا کرے گی جن کے پھیلنے سے قوت  
 حاصل کی جاسکتی ہے ۔ لہذا ہم مائع ہوا سے قوت محرک ( Motive power )  
 حاصل کرسکتے ہیں —

مائع ہوا کو کیسی شکل اختیار کرنے کے لیے بہت زیادہ دباؤ کی  
 ضرورت ہوتی ہے ۔ کوئی بند برتن اس کی قاب نہیں لاسکتا ۔ اس کے  
 سمجھنے میں اس وقت آسانی ہوگی جب ہم خیال کریں کہ ایک مکعب فٹ  
 مائع ہوا کی تکثیف  $750^{\circ}$  مکعب فٹ ہوا سے ہوتی ہے جو معمولی درجہ  
 حرارت و دباؤ پر ہو ۔ اب اگر اس کو ماحول کی حرارت جذب کرنے کے  
 لیے چھوڑ دیا جائے تو وہ اسی قدر قوت سے پھیلے گی یا اگر اس کو ایک  
 برتن میں بند کر کے روکا جائے تو معمولی تپش و دباؤ پر دس ہزار پاونڈ  
 ( ساڑھے چارٹن ) فی مربع انچ کے دباؤ سے مقید ہوگی ۔ اگر اس کو گرم  
 کیا جائے تو دباؤ دس تا تیس ٹن فی مربع انچ ہوگا ۔ ایسے دباؤ کا بڑے  
 سے بڑا جوشدان بھی متحمل نہیں ہوسکتا ۔ اگر یہ قوت قبضہ قدرت میں  
 آجائے تو انتہائی طاقت حاصل ہوسکے گی ۔ بعض لوگوں کا مشورہ ہے کہ

یہ قوت ان بڑے بڑے انجمنوں کے چلانے اور اڑانے میں مفید ثابت ہوئی جہاں ہلکے پن کا خیال بھی ملحوظ ہو - اس کے استعمال میں صرف ایک رکاوٹ ہے اور وہ اس کی اشیاء کو منجمد کردینے والی خاصیت ہے - مشین پر نہایت تیزی سے ہوا کی رطوبت ہرث کی شکل میں منجمد ہو جاتی ہے - بالخصوص اس جگہ جہاں سے کہ سرد ہوا باہر نکلتی ہے - اس سے باہر خارج کرنے والی نلی بند ہو جائے گی اور اس کی وجہ سے مشین - اس کے علاوہ اور بھی خرابیاں اور مشکلات ہوں جن کا یہاں بیان کرنا مناسب نہیں - مائع ہوا کی پھیلنے والی قوت بھی تمہیلاً دکھائی جاسکتی ہے - ایک نہایت مضبوط تات سے بند کی ہوئی فولادی نال میں اس کو بند کرو - بہت ہی جلد تات بھٹاتا ہوا ایک دھماکہ کے ساتھ ہوا میں سیکڑوں فٹ کے فاصلہ پر جا کر گرے گا - اگر تانبے اور فولاد کی نلیوں میں مائع ہوا کو بند کر کے سر بہ مہر کر دیا جائے تو بہت جلدی وہ تائلمیٹ کے گولوں کی طرح پھٹ جائے گی اور دھات کے ٹکڑے ہر سمت میں نہایت زور سے اڑ کر جائیں گے —

مائع ہوا پانی جیسی بے ضرر ہے - اور جب تک وہ مقید نہ ہو خود دھماکہ پیدا نہیں کرے گی لیکن دوسری اشیاء کے ساتھ ملنے سے اس قدر عظیم دھماکہ پیدا ہوتا ہے جس کا تائلمیٹ بھی مقابلہ نہیں کر سکتا - فیو یارک کے مسٹر ٹریپلر (Tripler) نے ایک تجربہ کیا - افہوں نے تیل سے بھیگی ہوئی روئی کو مائع ہوا میں تر کر کے ایک لٹری کی نلی میں رکھا جو دونوں جانب کھلی ہوئی تھی - یہ نلی ایک دوسری نلی میں رکھی گئی اور وہ بھی دونوں جانب کھلی ہوئی تھی - جب کہ روئی کو فٹیلے (Detonating fuse) سے جلایا گیا تو اس قدر بڑا دھماکہ ہوا کہ صرف اندر



کی نلی ہی تگڑے تگڑے نہیں ہو گئی بلکہ باہر کی نلی میں بھی  
سوراخ ہو گیا —

جرمنی میں اس کو کوئلہ کی کانوں کو اڑانے میں کام میں لایا گیا۔  
روٹی میں پسا ہوا کوئلہ بھر کر اس کو ہوا سے تر کیا گیا اور کوئلے میں  
سوراخ کر کے اس کو رکھا اور سب کو فتیلہ (Detonator) کی مدد سے  
اڑایا۔ دھماکہ تائنا میت سے کم نہ تھا لیکن اس کے ناکوار اثرات اس میں  
نہ تھے اور نہ کسی قسم کا خطرہ تھا۔ اگر اس پر فتیلہ کا فوراً اثر نہ  
ہو تو صرت پسا ہوا کوئلہ اور روٹی باقی رہے گی۔ مائع ہوا اڑ جائے گی۔  
یہی اس کے استعمال کی خوبی ہے۔ یہ وصف تائنا میت میں موجود نہیں۔  
اگر تائنا میت میں کسی وجہ سے دھماکہ نہ ہو تو پھر اس کو  
ہٹانا کوئی آسان کام نہیں۔ اس میں سالانہ بہت سی زندگیاں  
تلف ہوتی ہیں —

مائع ہوا کی یہ خاصیت آکسیجن کی وجہ سے ہے جو اس میں نہایت  
ہی مرتکز حالت میں موجود ہوتی ہے۔ جب یہ کسی ایسی چیز سے ملائی  
جائے جو آکسیجن میں بہت تیزی سے جلتی ہو اور آمیزہ کو فتیلہ سے  
روشن کیا جائے تو نہایت تیزی سے دھماکو احتراق شروع ہو جاتا ہے  
اور زیادہ حرارت پیدا ہونے کی وجہ سے گیس اس قدر تیزی اور شور کے  
ساتھ نکلتی ہے جیسے کہ کوئی گولا پھٹ گیا۔ درنوں کے تعاملات میں بھی  
تقریباً کوئی فرق نہیں ہے —

ہوا میں، جیسا کہ ہم بھان کر چکے ہیں ۲۱ حصے آکسیجن کے اور  
۷۹ حصے نائٹروجن کے ہوتے ہیں۔ ۱۹۵ درجہ مٹی پر جوش کھانے لگتی  
ہے۔ نائٹروجن کا نقطہ جوش ۱۹۵ درجہ مٹی ہے۔ پہلے نائٹروجن جوش

کھاتی ہے اور آکسیجن باقی رہ جاتی ہے تپش آہستہ آہستہ بڑھتی ہے یہاں تک کہ وہ ۱۸۳ ° درجہ سٹی ہو جاتا ہے ۔

جیسے ہی فائٹروجن کی مقدار کم ہوتی جاتی ہے مائع کا رنگ زیادہ نیلا ہو جاتا ہے اور وہ وزنی بھی ہو جاتا ہے ۔ اس تبدیلی کو ایک بوتل میں کچھ پانی بھر کر اور اس میں مائع ہوا ڈال کر دکھایا جاسکتا ہے ۔ ایک لمحہ تک وہ پانی پر تیرتی ہے اور نہایت تیزی سے جوش کھاتی ہے ۔ جب کل فائٹروجن اُتر جاتی ہے تو آکسیجن جو پانی سے زیادہ وزنی ہوتی ہے رو پہلے بالہوں کی شکل میں تہ نشین ہو جاتی ہے ۔ جو نہایت تیزی سے جوش ہو کر ختم ہو جاتے ہیں ۔ مائع ہوا کے چند قطرے پانی میں پھینکتے ہی وہ اس کے ارد گرد منجمد ہو جاتا ہے اور یہ برت کی کشتیاں اُس وقت تک پانی میں تیرتی رہتی ہیں جب تک کہ مائع ہوا بالکل اُتر نہ جائے ۔ یوں کھلا رکھنے سے پہلے فائٹروجن اترتی ہے اور آکسیجن کی مقدار رہ جاتی ہے اور یہ آکسیجن عجیب و غریب شے ہے ۔ معمولی اونٹنی تو ہی آگ میں بہ مشکل تھام جلے گی لیکن اگر مائع آکسیجن میں یا صرف مائع ہوا میں ڈبایا جائے تو اسی قدر تیزی اور شور سے جلے گی جیسے دھماکو روٹی ۔ لکڑی کی ایک کھپچ کو اگر مائع آکسیجن میں تر کر کے جلایا جائے تو وہ تارچ کی طرح نہایت ہی تیزی سے جلے گی ۔ اگر چمکتی ہوئی کھپچ کو مائع ہوا میں ڈالا جائے تو فوراً ہی بڑا زبردست شعلہ پیدا ہو جائے گا ۔ اور وہ برتن جس میں مائع ہے گرمی سے ریزہ ریزہ ہو جائے گا ۔

مائع ہوا فولاد کو بھی جلا دے گی ۔ اس کو دکھانے کے لیے برت کا ایک کپڑا برتن بدایا جاتا ہے اور وہ تقریباً نصف مائع آکسیجن

سے بھر دیا جاتا ہے۔ اب ایک فولادی کھانی پر ایک جلتی ہوئی دیاسلائی لگا کر سب کو برتن میں ڈالو۔ فولاد جلنے لگے گا۔ شرارے نکلیں گے اور چکاچوندہ پیدا کرنے والی چمک ہوگی۔ جلتے ہوئے فولاد اور مائع آکسیجن میں تقریباً دو ہزار درجہ مٹی کا فرق ہوتا ہے لیکن برت کے برتن پر کچھ اثر نہیں ہوتا۔ احتراق شروع ہونے سے پہلے آکسیجن کیسی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ بجائے فولادی کھانی کے بجلی کی روشنی کے کاربن کا سرخ گرم حصہ اسی قدر تیزی سے جلے گا۔ مائع ہوا کی انتہائی سردی اس کو جلانے سے قطعاً نہیں روکتی ہے۔

مائع ہوا کو دیکھ کر خیال پیدا ہوتا ہے کہ سرد جہاں ہماری دنیا سے قطعاً مختلف ہوگا۔ ایسے کم درجہ تپش پر تمام چیزوں کے خواص بالکل تبدیل ہو جائیں گے۔ دُڈیا کے تمام مہذب ملکوں میں مادے کے خواص کی ایسے سرد ماحول میں جانچ و پڑتال جاری ہے۔ لوہے اور فولاد کی مضبوطی بہت زیادہ ہو جاتی ہے لیکن ساتھ ہی وہ اس قدر بھر بھرے ہو جاتے ہیں جیسے کہ شیشہ۔

مائع ہوا اور مائع ہائڈروجن میں بیچ مہیلوں تک منجمد رہ سکتے ہیں لیکن خوبی یہ ہے کہ وہ ضائع نہیں ہوتے۔ اگر بعد ازاں ان کو بویا جائے تو وہ اُگ آتے ہیں اور ان کی بالیدگی میں بھی کوئی فرق نہیں آتا۔ ایسی سردی میں بہت سے جراثیم بھی نہیں مرتے ہیں۔ بے شمار مہلک جراثیم کو مائع ہوا میں چھ مہینہ تک منجمد حالت میں رہنے کے بعد بھی جب نکالا گیا تو انہوں نے اپنی پہلی چہل پہل پھر شروع کر دی۔ سر بہ مہر بند نلیوں میں پروفیسر میک کیڈنڈرک (Mc Kendrick) نے گوشت اور دودھ وغیرہ کو ۱۸۲° مٹی پر رکھا۔ جب ان کو کھولا گیا

تو خون کے درجہ حرارت پر کئی دن رکھنے کے بعد معلوم ہوا کہ ان میں تعفن موجود ہے۔ جراثیم عمل انجماد میں بھی نہیں سرے تھے۔ ایسی حالت میں حیاتی مادہ نہ مرقا ہے اور نہ زندہ رہتا ہے۔ یہ ایک درمیانی حالت ہے جس میں حیاتی رزم و بزم کچھ مدت تک ملتوی ہو جاتی ہے۔ ہزار ہا برس تک وہ بغیر کسی تبدیلی کے پتھر کی طرح ساکت رہتا ہے اور مناسب تپش میں آتے ہی پھر ان کی تگ و دو شروع ہو جائے گی —

یہ سب صرف چھوٹی چھوٹی مخلوقات کے لیے ہے۔ بڑے بڑے جانور اس سردی کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ وہ ان کو مارتالے گی۔ آدسی یا سور مائع ہوا میں منجمد ہو کر سخت اور بھر بھرا ہو جائے گا اور پھر اس خواب سے کبھی بیدار نہ ہوگا خواہ اس کو کتنے ہی بہتر ماحول میں لاکر کیوں نہ جگا یا جائے۔ البتہ یہ ضرور ہوگا کہ ان کا گوشت ایسی حالت میں بالکل تازہ رہے گا۔ دنیا کے مختلف حصے سے منجمد گوشت انگلستان کو روانہ کیا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ ایک دلچسپ بات ہے کہ میموتھ (Mammoth) کی لاشیں جو کہ ایک قسم کا بالدار ہاتھی ہوتا تھا اور اب معدوم ہے، برت میں دفن پاٹی گئی تھیں اور ایسی تازہ حالت میں ہیں گویا کہ وہ کل مرے تھے حالانکہ برت و یخ کے ویرانہ کی سردی میں مرے ہوئے ان کو صدیاں گذر چکی ہیں۔ ان کا گوشت قطعاً خراب نہیں ہوا۔ آدمیوں نے اور بھیڑیوں نے ان کا گوشت کھایا ہے لیکن ان کو کسی قسم کا نقصان نہیں ہوا —

ان واقعات کا ایک بڑا دلچسپ پہلو ہے۔ اریٹینس (سویڈش کیمیا دان) کا بیان ہے کہ اسی حالت کی وجہ سے غیر محدود فضا میں ایک جہان سے جہان تک حیات کا ایک زبردست چشہ بہہ رہا ہے۔ اس کے مطابق حیات کے

چھوٹے چھوٹے کیڑے، چھوٹے چھوٹے تخمک (Spores) چھوٹے چھوٹے جراثیم ہواؤں اور طوفانوں کی وجہ سے کرۂ ہوائی کے بالائی حصوں میں پہنچ جاتے ہیں اور پھر سورج کے اشعاعی دباؤ (Radiation pressure) کی وجہ سے فضاء کی تخیل میں نہ آنے والی گہرائیوں میں پہنچ جاتے ہیں۔ اس حالت میں وہ بہت متحرک ہوتے ہیں۔ ان کی رفتار سیلکڑوں، نہیں بلکہ ہزاروں میل فی سیکنڈ کی ہوتی ہے اور پھر فضاء کی مطلق سردی و تاریکی میں مقیم ہوتے ہیں۔ یہاں غیر معین زمانہ تک وہ فضاء کے ویرانوں میں گردش کرتے رہیں گے۔ ان کو نہ سردی مار سکتی ہے اور نہ وقت ان کو تباہ و برباد کر سکتا ہے۔ وہ غیر محدود زمانہ تک یوں ہی گردش کرتے رہیں گے یہاں تک کہ وہ بالکل سرد ہو جائیں گے۔ تپش تقریباً اس وقت ۲۷۳ درجہ مٹی ہوگی۔ جدید انکشافات سے یہ معلوم ہوا ہے کہ ایسے جراثیم سورج کی روشنی کی بالا بنفشئی شعاعوں میں کرۂ ہوائی کے حدود میں داخل ہوتے وقت ختم ہو جاتے ہیں۔ اگر فرض کیا جائے کہ وہ زندہ رہیں گے تو وہ کسی دور و دراز کی دنیا کے کرۂ ہوائی کے بالائی طبقوں میں ضرور پہنچ سکیں گے۔ ایسا سیارہ ان کی نشو و نما کے واسطے مناسب نہ ہوگا یا تو وہ بہت گرم ہوگا یا بہت سرد اور پس جراثیم یا توضائع یا خوابیدہ (Dormant) حالت میں ہو جائیں گے اس حالت میں سیکڑوں ہزاروں سال تک رہیں گے یہاں تک کہ ایک نوعی تبدیلی پیدا ہوگی اور کارزار ہستی کی جلوہ آرائیاں پھر شروع ہو جائیں گی۔

بعض مرتبہ یہ ہوتا ہے کہ جراثیم سیدھے ایسے سیارے میں پہنچتے ہیں جہاں حیات کے واسطے مناسب کیفیت موجود ہے۔ جب ایسا ہوتا ہے تو ایک کیڑے سے لکھو کھا مختلف قسم کی حیات کا سلسلہ لامتناہی

شروع ہو جاتا ہے جو کہ ابتداءً سادہ ہوتا ہے اور پھر انتہائی پیچیدہ ہو جاتا ہے۔ اور ہم کو بقول شخصے کہنا پڑتا ہے :-

“ From earth to lichen, herb to flowering tree,

From cell to creeping worm, from man to what shall be. ”

اس طریقہ سے ایک سیارہ جو ابتداءً ویران تھا جہاں زندگی معدوم تھی، وہ چھوٹے چھوٹے جراثیم، بڑے بڑے جانور، پودوں، درختوں، چڑیوں اور کیڑے مکوڑوں سے پر ہو جائے گا جو خشکی و تری و سمندروں میں ہر جگہ پھیل جائیں گے۔ ان سے ذہ ہوا خالی ہوگی اور نہ سمندر کی کھرائیاں۔ یہاں تک کہ حیوان ناطق کا ظہور ہوگا۔ پھر تو بڑے بڑے شہر آباد ہو جائیں گے اور علوم و فنون کا چرچا ہوگا۔ تہذیب بھی ہوگی، تمدن بھی ہوگا، سیاست بھی ہوگی، تدبیر بھی ہوگا۔

ایک زمانہ گزرنے کے بعد پھر اس سیارے پر حیات کے موافق ماحول نہیں رہے گا اور رفتہ رفتہ وہ پھر ویرانہ ہو جائے گا۔ خاموشی پھر اس پر اپنا تسلط کر لے گی اور وہ جہاں جو علم و حکمت کا گہوارہ تھا اس پر اب ہو کا عالم ہوگا اور ایک سناٹا ہوگا۔ غالباً ہمارا چاند یہ سب مراحل طے کر چکا ہے اور اب بغیر حیات کا خاموش ویرانہ ہے۔ ہمارا جہاں بھی اور تمام دوسرے جہاں جو اس وقت حیات کی سرگرمیوں میں منہمک ہیں ایک زمانہ غیر معین کے بعد تباہ و برباد ہو جائیں گے۔

اگرچہ بحالت موجودہ ہوا میں چار حصے فائٹروجن کے اور ایک حصہ آکسیجن کا ہے لیکن قارئین کو اس سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کر لینا چاہیے کہ ہوا کی ترکیب ہمیشہ یہی تھی۔ ہر چیز ہمیشہ آہستگی سے یا تیزی سے بدل رہی ہے اور جو اشیاء قائم معلوم ہوتی ہیں وہ صرف اُن کی

ظاہری کیفیت ہے۔ حقیقتاً یہ واقعہ نہیں ہے۔ ہوا بھی اس قاعدہ کلیہ سے مستثنیٰ نہیں۔ اس کی ترکیب بھی نہایت ہی آہستگی سے بدل رہی ہے لیکن اس تبدیلی کی رفتار اس قدر کم ہے کہ چھ ہزار سال کی مدت میں کوئی خصوصی تبدیلی پیدا نہیں ہوسکتی ہے۔ یونانیوں اور رومیوں نے تقریباً اسی ترکیب کی ہوا میں سانس لی ہوگی جس میں ہمارا عمل تنفس جاری ہے۔ لیکن اگر ہم لکھو کھا اور کرورہا برس سے مقابلہ کریں تو حالت یقیناً مختلف ہوگی۔ آہستہ اور مسلسل تغیر جو مدت دراز سے جاری ہے اس کے تاثرات بھی تصور افزا ہیں۔ فرض کیجیے کہ آکسیجن کی مقدار ہزار سال میں صرف  $\frac{1}{1000}$  فی صدی کم ہوئی۔ یہ تغیر کسی حساب سے نہیں معلوم ہو سکتا۔ تاہم دس ہزار سال میں ایک فی صدی مقدار کم ہو جائے گی اور دو لاکھ دس ہزار سال میں آکسیجن بالکل نہیں رہے گی۔ اب زمین کی صحر کرورہا سال سے بھی زائد ہے۔ اس وقفہ دراز میں کرۂ ہوائی کی ساخت صرف ایک مرتبہ ہی نہیں بلکہ بارہا تبدیل ہو چکی ہوگی۔ ہم کو یہ وثوق کے ساتھ معلوم ہے کہ زمانہ گذشتہ میں ہوا کی ترکیب موجودہ ترکیب سے قطعی مختلف تھی۔ دنیا کی تاریخ کے اس تاریک اور مظنی زمانے میں جب کہ تمام سیارے کی سطح ایک سفید گرم پگھلی ہوئی چٹان کا ایک سمندر تھا تو ہوا کی ترکیب میں بھاپ، کاربن ڈائی آکسائیڈ، نائٹروجن، مارش گیس اور غالباً ہائیڈروجن اور ہیلیم شامل تھی۔ آزاد آکسیجن جو معین تنفس اور مہد حیات ہے اس وقت قابل ذکر مقدار میں ہرگز نہ تھی۔

اس ابتدائی زمانے کے کرۂ ہوائی کے متعلق بہت زیادہ مہموت بنادینے

والی چیز کاربن تائی آکسائیڈ کی مقدار ہے۔ اس گیس کی مقدار کثیر جو کہ اب چاک اور چوٹے کے پتھروں میں شامل ہے اس وقت آزادانہ طور پر ہوا میں شامل تھی۔ تمام وادیاں، تمام غار و سو راخ اس سے پر تھیں۔ زمین پر ہر جگہ اسی کا دور دورہ تھا۔ صرت اس گیس کا حجم موجودہ کرۂ ہوائی کے حجم سے سیکڑوں گنا زیادہ تھا۔ ہاگبوم (Hogbom) اور چیمبرلین (Chamberlin) نے بہت ہی ہوشیاری سے حساب لگا کر معلوم کیا ہے کہ چاک اور دولومائٹ (Dolomite) میں کاربن تائی آکسائیڈ کی مقدار موجودہ کرۂ ہوائی کے حجم سے ۱۰۰ تا ۹۰۰ گنی زیادہ تھی۔ لیکن یہ مقدار بھی بہت کم ہے اس لئے کہ اس میں پیش کمبری (pre cambrian) زمانے کے چوٹے پتھروں کی مقدار کا حساب بالکل شامل نہیں کیا گیا ہے۔

اس ابتدائی کرۂ ہوائی کے دباؤ سے بھی ہم کو حیرت ہوتی ہے۔ وہ غالباً پندرہ گنی فی مربع انچ یا اٹھارہ ہزار فی مربع کز سے بھی زیادہ تھا۔ ایسی حالت میں اور ایسے کرۂ ہوائی میں کوئی متلفس، جانور یا انسان جو فی زمانہ دنیا میں اپنی سیر و تفریح میں مشغول ہے ایک منت بھی زندہ نہیں رہ سکتا تھا۔

یہ حالت بہت زیادہ زمانہ تک نہیں رہی۔ جیسے ہی زمین ٹھہلتی ہوئی شروع ہوئی، بھاپ کے رفتہ رفتہ بحر اور بحیرہ بن گئے اور ساتھ ہی ساتھ چٹانوں نے آہستہ آہستہ ٹھہلتا ہونے میں کاربن تائی آکسائیڈ کو جذب کر لیا یہاں تک کہ اب موجودہ ہوا میں اس کی مقدار کے صرت اثرات ہی باقی ہیں (۳۰۰۰ فی صدی)۔

ابتدائی زمانے میں بہت ہی کم یا بالکل آکسیجن نہ تھی۔ یہ صرت تخیلات نہیں ہیں بلکہ واقعات پر مبنی ہیں اور اس کے متعلق شہادت موجود ہے۔



پہلی بات یہ ہے کہ پگھلی ہوئی زمیں میں دوسری اشیاء کی اس قدر مقدار عظیم تھی کہ وہ آکسیجن سے متحد ہو گئیں اور تمام آکسیجن ختم ہو گئی۔ کیوں کہ کاربن کی موجودہ مقدار جو کوئلہ وغیرہ کی شکل میں جمع ہے وہ تمام موجودہ آکسیجن کی ۱۲۱۶ بلین گن کی مقدار سے متحد ہونے کے واسطے کافی ہے۔

فلکی شہادت سے ان نتائج کی تصدیق ہوتی ہے۔ کیونکہ سورج کے کرۂ ہوائی میں آزاد آکسیجن اور ہائڈروجن موجود ہے۔ زمین کا ابتدائی کرۂ ہوائی بھی بالکل اسی نوعیت کا تھا ( ایک زمانے میں وہ بھی اس آتش سیلابیہ کا ایک جز تھا جس میں سے ہمارے سورج یا جہان کی تشکیل ہوئی ہے ) اور اس میں ہائڈروجن موجود تھیں۔

جیسے ہی کل نظام ٹھنڈا ہونا شروع ہوا آکسیجن اور ہائڈروجن کے متحد ہونے سے پانی بن گیا لیکن آزاد ہائڈروجن کی ایک بڑی مقدار کرۂ ہوائی میں باقی رہ گئی۔ غالباً ابتدا ہی کرۂ ہوائی میں مارہا گیس اور ایتھین وغیرہ کی بھی بہت زیادہ مقدار موجود تھی کیوں کہ ان گیسوں کی موجودگی دھندلے ستاروں میں جو کبھی کبھی نظام شمسی میں داخل ہو جاتے ہیں، پائی جاتی ہے۔ مہلک سیانوجن گیس اور ہائڈرو سیانک ترشہ کے بخارات بھی قلیل مقدار میں اس میں شامل تھے۔ فائڈروجن کی مقدار میں غیر عامل ہونے کی وجہ سے کوئی فرق ضرور نہیں آیا ہے حالانکہ اس قدر زمانہ گزر چکا ہے۔ اس کی عمر بہت ہی زیادہ ہے۔

ڈپسن کا خیال ہے کہ بہت سے بڑے بڑے اوز بہت سے جراثیم اس کرۂ ہوائی میں جس میں صرف کاربن ڈائی آکسائیڈ اور ہائڈروجن ہوں نشو و نما پاسکیں گے۔ لہذا اس وقت بھی جب کہ ابتدائی زمانہ میں معتد بہ

آکسیجن ہوا میں موجود نہ تھی۔ سادہ پودے موجود تھے۔ بعض جراثیم کے واسطے آکسیجن ہلکے تو وہ تو صرت اسی وقت پھول پھل سکتے تھے جب کہ آکسیجن بالکل نہ تھی۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ آکسیجن کہاں سے آگئی۔ یہ نہایت حیات کا نتیجہ ہے جو وسیع پیمانہ پر ابتدائی زمانہ میں سرسبز و شاداب تھی اور جس کے تھام و ہر باد ہونے سے تمام زمینیں بھر گئی اس لیے کہ سبز پودے اہلی خوراک میں اس گیس کی انتہائی قلیل مقدار شامل کرتے ہیں۔ سورج کی روشنی میں کاربن ڈائی آکسائیڈ کا تجزیہ ہو جاتا ہے۔ کاربن کو وہ جذب کر لیتے ہیں اور آکسیجن آزاد ہو جاتی ہے۔ کاربن سے درخت اور پودوں کا تھام تھم رہتا رہتا اور آکسیجن آزاد ہو کر ہوا میں شامل ہوتی رہتی ہے۔ اریٹھیس کا خیال ہے کہ ابتدائی پودے جو بغیر آکسیجن کے کرہ ہوائی میں جس میں کاربن ڈائی آکسائیڈ اور ہائیڈروجن اور مارش گیس شامل تھی انہوں نے آہستہ آہستہ آکسی ہائیڈروجن کو آزاد کیا اور برقی باروں کے اثر نے (اس لیے کہ اس ابتدائی دنیا میں بھی برق و رعد کی کڑک اور چمک موجود تھی) آزاد ہائیڈروجن سے پانی بنا دیا اور مارش گیس اور ایتھین وغیرہ کی تکسید کاربن ڈائی آکسائیڈ اور پانی میں ہو گئی۔ جب تک کہ وہ بالکل ختم نہ ہو گئیں۔ بے شمار زمانہ گذر چکا ہے۔ اس وقت سے لاکھوں پودے مسلسل طریقہ سے آکسیجن کی مقدار خاموشی سے کرہ ہوائی میں شامل کر رہے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ موجودہ ترکیب کا کرہ ہوائی بن گیا۔ موجودہ ترکیب حاصل کرنے کے واسطے تقریباً آکسیجن کے ۱۲۱۶ بلین ٹن درکار تھے۔ یہ کام موسم گرما کی چمکتی ہوئی گرم سورج کی روشنی نے تکمیل کو پہنچایا ہے۔ یہ اس زمانہ کا واقعہ ہے جب کہ انسان کا وجود بھی نہ تھا۔ وہ صفحہ ہستی پر ظاہر

نہیں ہوا تھا۔ اور نہ اس کی آواز نے جہان کی خاموشی کو توڑا تھا۔ ماحرین نباتات کا خیال ہے کہ پودوں کی نشوونما کے واسطے کچھ آکسیجن لازمی ہے۔ ارہینیس اس کا یہ جواب دیتا ہے کہ جب کہ آتشی صحابہ سے دنیا کی پہلے پہل تکثیف ہوئی تو ہر جگہ تپش انتہائی زیادہ تھی اس کی وجہ سے سبک ترین گیسیں مثلاً ہائیڈروجن اور ہیلیم فضا میں جا داخل ہوئیں اس لئے کہ زمین کی قوت جاذبہ اس قدر کافی نہ تھی کہ گیس کے انتہائی متحرک سالمات کو اس درجہ تپش میں جو اس وقت موجود تھا روک سکتی۔ بخلاف اس کے فائٹروجن اور آکسیجن وزنی گیسیں جنکی رفتار بھی نسبتاً بہت کم تھی باقی وہ گئیں اہلذا زمین کے سخت ہونے سے قبل ہی ہائیڈروجن اور ہیلیم غائب ہو چکی تھیں اور زمین کی تپس شکل کے فوراً ہی بعد آکسیجن، فائٹروجن، کاربن ڈائی آکسائیڈ اور بھاپ تھی۔ لیکن اس بحث سے بھی نتیجہ جو اخذ کیا جا چکا ہے جس کا اشارہ پہلے نے اور اس سے قبل کوہیلے (Koehne) نے ۱۸۵۶ء میں بروسلز میں کیا تھا، یعنی یہ کہ آکسیجن کو پودوں نے کاربن ڈائی آکسائیڈ کا تجزیہ کر کے آزاد کیا ہے اس میں کوئی فرق نہیں آتا۔

بہر کیف اس میں شک نہیں کہ حیات حیوانی کے واسطے آکسیجن کا وجود لازمی امر ہے۔ حیوان مثل طفیلیوں کے ہیں جن کی زندگی کا انحصار صرف پودوں پر ہے۔ بخلاف اس کے پودوں کو مناسب درجہ حرارت کے علاوہ کاربن ڈائی آکسائیڈ کی اور پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ گیسیں غالباً تمام سیاروں کے کرہ ہوائی میں موجود ہیں اور ان کے چمکتے ہوئے حصے کے ٹھنڈے ہونے کی وجہ سے فضلہ کی شکل میں خارج ہوئی ہیں۔

پس کرۂ ہوائی غیر عامل گیسوں کا مجموعہ نہیں ہے جس میں تغیر و تبدل نہ ہو۔ اس میں تبدیلی جاری ہے اور یہ تسلسل اس زمانے سے جاری ہے جب کہ وہ فضاء میں آتش شکل میں گردش کرتی پھرتی تھی اور متحرک تھی۔ اس کی موجودہ حالت صدیوں کے بعد تدریجی ارتقاء سے حاصل ہوئی ہے۔ ہوا خود اپنے سفر کا ابتدا کا انتہا قصہ بیان کرسکتی ہے۔

اور وہ پریوں کے تمام فرضی فسانوں سے کہیں زیادہ دلچسپ ہوگا —

کرۂ ہوائی کی قسمت کا آخر بھی رنج و الم کی ایک داستان ہے۔ بالآخر وہ سطح زمین سے قطعاً غائب ہو جائے گا۔ دوائر ایسے ہیں جو قلم یا مل کر اس کام کو انجام دیں گے۔ ان میں سے پہلا تو بیرونی زمین کا سورج کی اشعاعی قوت کے کم ہو جانے کی وجہ سے ٹھنڈا ہو جانا ہے۔ جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کرۂ ہوائی اس ابتدائی سحابیہ کا ایک حصہ ہے جس میں سے دنیا کی تکیوں ہوئی ہے اور جو خود مائع یا جامد حالت میں اس وجہ سے نہیں آسکا ہے کہ سطح زمین کی تپش اس قدر بلند ہے کہ اس کی کیسی حالت کو قائم رکھ سکتا ہے۔ سطح زمین کی تپش کا انحصار سورج کی گرمی پر ہے جو اس سے خارج ہوتی ہے۔ چونکہ سورج بھی ٹھنڈی ہونے والی چیز ہے، آہستہ آہستہ اس کی گرمی اور روشنی بھی کم ہوتی جائے گی اور بالآخر بالکل ختم ہو جائے گی۔ تب ہماری روشنی ختم ہو جائے گی اور تمام فضا شمس سردی و تاریکی میں غرق ہو جائے گا۔ لہذا جیسے جیسے سورج کی حرارت کم ہوتی جائے گی، زمین بھی سرد پڑتی جائے گی۔ پہلے تمام دنیا پر ایک کھر فہو دار ہوگا اور قہام پانی منجمد ہو کر برت بن جائے گا۔ بعد ازاں ہوا کی حالت میں فرق آئے گا۔ پہلے وہ مائع ہوگی اور پھر جامد۔ یہ اس وقت ہوگا جب کہ سطح زمین کا درجہ

حوارت ۱۸۰ درجہ مٹی ہوگا۔ یہ تپش بہت زیادہ نہیں ہے اگر اس کا مقابلہ اس سے کیا جائے جو دنیا کے سرد ترین طبقوں میں موجود ہے۔ کپتان امولڈسن (Amundsen) نے بوتھیا (Bothia) واقع کیلیڈا میں سنہ ۱۹۰۵ء میں ۶۱۶۷ مٹی قلمبند کیا ہے۔ قطعیں میں کبھی کبھی یہ ۹۰ مٹی ہو جاتا ہے۔ اب ہوا کو مائع شکل میں لانے کے واسطے یہ خیال کیجئے کہ اسی قدر درجہ تپش اور کم ہو گیا۔ جب کہ دنیا ٹھنڈا ہونا شروع ہوئی تو یقیناً ایک وقت ایسا آئے گا جب کہ ہوا کے بالائی طبقوں میں سفید بادلوں کی شکل میں جو کہ مائع ہوا کے قطرات سے بے ہوں گے، بستگی ہوگی۔ بعد ازاں ان کے اُتلے ہلکے نیلے رنگ کے سمندر بن جائیں گے۔ یہ سمندر اس قدر سرد ہوں گے کہ پگھلے ہوئے سینسہ کی طرح ہم کو جلا دیں گے۔ یہ سمندر وہاں بہنے لگیں گے جہاں آج کل بڑے بڑے بحر ہیں جن کا پانی ایک زمانہ پہلے منجمد ہو چکے گا اور سنگ سرد و یا گار پتھر کی طرح چمکتا ہوگا۔ انسان تو اس وقت ہوں گے نہیں۔ اگر ارزا بہ اندام ہوے بھی تو اس کو انتہائی سردی کی وجہ سے بے حد خوفناک تصور کریں گے۔

اس وقت جو پانی کا حال ہے وہ اس زمانے میں مائع ہوا کا ہوگا۔ اس وقت جیسے ہم بارش میں پانی کے قطرات پاتے ہیں اسی طرح اس زمانہ میں ۱۹۰ مٹی پر مائع ہوا کی بارش و بوجھار ہوگی۔ زمین پر کہیں کہیں منجمد سفید ہوا ملے گی اور اس کی نوعیت وہی ہوگی جو کہ آج کل قطعیں پر ہوتی ہے۔ اور جامد ہوا مائع ہوا کے سمندروں میں ہوتی ہے پھرتی ہے۔

جب کہ درجہ حرارت ۲۱۰ مٹی ہوگا ہوا ۳۵ فٹ موٹی شفات چٹان کی شکل

میں منتقل ہو جائے گی - زمین پر پھر کوئی کرۂ ہوائی نہیں ہوگا - وہ بالکل سرد تاریک ویرانہ ہو جائے گی - پھر زمانہ ہالے دراز کے بعد ہڑی ہڑی حرکتوں اور تبدیلیوں کے بعد ہمارے سیارے پر خاموشی مطلق ہوگی - نہ کہیں حرکت ہوگی اور نہ کوئی آواز - اس کو قطعی آرام نصیب ہوگا - اس لیے کہ جب اوپر ہوائی غلات نہ ہوگا تو نہ ہوا کی سلسلہات ہوگی - نہ بجلی کی گرمی ہوگی - نہ میلہ کی بوجھار کا پتہ ہوگا - نہ کسی چشمہ کی آواز ہوگی - آدسی ' پرند یا حیوان کی ایک آواز بھی شب کی سیاہی و تاریکی میں ابدی خاموشی کی مہر سکوت کو نہ توڑ سکے گی - دنیا کی سطح ایک مکمل خلا ہوگی جیسی کہ دیوار کی خلا دار مراچیوں میں ہوتی ہے - ستارے کوئلے جیسے سیاہ آسمان سے مرصہ جہاں پر جو کہ قضا کی گرفت میں بالکل سخت ہو چکے گا چمکتے ہوں گے اور تاریکی میں جلے ہوئے سورج کے ارد گرد گردش کرتے ہوں گے - لیکن زمین کی چند میلوں کی گہرائی کے اندر بھرونی سردی کے مقابلہ میں ہڑی ہڑی بھتیاں جو قوت و توانائی کا سرچشمہ ہیں اب بھی چمکتی ہوں گی - دنیا اس حالت میں صدیوں رہے گی اور فرق صرت اس وقت پڑے گا جب اس کا مادہ حل ہو کر یا کسی صورت سے ایتھر میں نہ آجائے یا کسی کاغذاتی تکر میں وہ پھر ایک چمکتا ہوا صحابیہ نہ ہو جائے - ایسا ہونے پر پھر حیات کا دورہ شروع ہو جائے گا -

اگر سورج کی قوت اشعاع ایک غیر محدود زمانہ تک قائم رہے تو بھی زمین کے کرۂ ہوائی کا خاتمہ ضروری ہے اس لیے کہ زمین کی اندرونی حرارت کی وجہ سے بھی سطح زمین پر ہوا کا ایک غلات موجود ہے - چند میل کی گہرائی میں سفید گرم چمکتی ہوئی بھتیاں اکر وہاں ہوا یا پانی کا کوئی قطرہ پہنچ جائے تو اس کو فوراً بھکا دیتی ہیں -

اب اگر زمین کا اندرونی حصہ، جو کہ بالآخر ہو کر رہے گا، ٹھنڈا ہو جائے تو تمام کرۂ ہوائی معہ پانی کے اسی طریقہ سے جذب ہو جائے گا جیسے اسونیا کوئلہ میں یا پانی جاذب میں۔

پس زمین جو اپنے تغیرات و تبدلات میں مصروف ہے کرۂ ہوائی بھی جو اس کے ارد گرد ہے اس میں ہمیشہ زبردست تبدیلیاں ہوتی رہیں گی۔ کرۂ ہوائی کا ایک عجیب و غریب ماضی رہا ہے اور اس کا مستقبل بھی نہایت دلچسپ و شاندار رہے گا۔

حساب لگا کر معلوم کیا گیا ہے کہ آسمان پر دس کروڑ سے زائد سورج موجود ہیں۔ بعض کے متعلق طیف نمائی شہادت ہے کہ ان کے بھی سیاری نظام ہیں جو ان کے گرد گردش کرتے ہیں۔ ہر ایک کے ایک یا زیادہ سیارے موجود ہیں۔ اس طریقہ سے سیارے بھی کم از کم اسی قدر موجود ہیں جو کہ ہماری زمین سے مشابہ ہیں اور ستاروں کے نظام میں پھیلے ہوئے ہیں۔ لہذا ان کے کرۂ ہوائی کی ساخت کا دلچسپ سوال پیدا ہو جاتا ہے۔

پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہماری زمین کے کرۂ ہوائی کی طرح ان کے کرۂ ہوائی ہیں یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان جہانوں کے کرۂ ہوائی ہر اس ممکن ساخت کے ہو سکتے ہیں جن کا کہ ہم خیال کر سکتے ہیں۔ بعض پر وہ اشیاء جو ہمارے کرے پر بے اقتبا موجود ہیں قطعاً نہیں ہیں۔ اور بعض پر وہ چیزیں بہ افراط ہیں جو ہمارے کرے پر انتہائی قلیل مقدار میں موجود ہیں۔ بعض سیاروں کا کوئی کرۂ ہوائی نہیں ہے۔ اس لیے کرۂ ہوائی ہونے کے واسطے جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں یہ لازمی شرط ہے کہ اس کے سیارے کا اندرونی حصہ سرخ گرم یا سفید

گرم ہو یا بالفاظ دیگر اس قدر اندرونی حرارت ہونا چاہیے جو تمام گیسوں کو اندر سے نکال کر پھینک دے اور اس کی سطح پر قائم رکھ سکے۔

ہر کرے کی ایک رفتار فاصل ہوتی ہے۔ اگر کوئی چیز رفتار فاصل سے یا اس سے زائد رفتار سے اوپر پھینکی جائے تو وہ پھر واپس نہیں آئے گی۔ تھمیلگہ زمین کی حالت لیجیے۔ اگر سات میل فی سیکنڈ کی رفتار سے کوئی گولی اوپر پھینکی جائے تو وہ واپس نہیں ہوگی لیکن اگر یہ رفتار جس سے کہ وہ اقتصادی بلندی پر پرواز کرتی ہے سات میل فی سیکنڈ سے کم ہے تو وہ چیز ایک بلندی پر پہنچنے کے بعد واپس ہونی شروع ہوگی۔ جب کہ رفتار، رفتار فاصل سے زائد ہوتی ہے تو اس کا سفر جاری رہتا ہے اور پھر اس چیز کو زمین کی قوت جاذبہ واپس نہیں بلا سکتی۔ اب سب گیسوں کو جو ایک نہ ایک وقت سیاروں کی سطح پر ہوتی ہیں یہ فرض کر لیتا چاہیے کہ اترنے والے سالہات ہیں اور اگر ان کو روکنے کے واسطے زمین کی قوت جاذبہ کافی نہیں ہے تو نہایت تیزی سے متعرج سالہات آہستہ آہستہ فضا میں چلے جائیں گے اور کرۂ ہوائی ان کو مستقل طریقہ سے کھو دے گا۔ ایک خاص قدر و قامت کا سیارہ گیس کرۂ ہوائی کو قائم رکھ سکتا ہے۔ ہر ایک نہیں رکھ سکتا۔ اس دھوے کی فلکی شہادتیں بھی تصدیق کرتی ہیں۔

ڈاکٹر جان استون استونی نے دریافت کیا ہے کہ سبک گیسوں کے ذرات بہ نسبت وزنی گیسوں کے زیادہ تیزی سے سفر کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے ہائڈروجن زمین پر قائم نہیں رہ سکتی۔ وجہ یہ ہے کہ معمولی تپش پر ہائڈروجن کے ذرات سات میل فی سیکنڈ کی رفتار یعنی زمین کی رفتار فاصل سے زائد



تیزی سے سفر کرتے ہیں اور اس لیے وہ فضا میں چلے جاتے ہیں۔ خلائی اس کے کرۂ ہوائی کے دوسرے اجزاء مثلاً آکسیجن، فائٹروجن، آرگن، اور کاربن ڈائی آکسائیڈ زمین سے باہر نہیں جاتے۔ وہ ان کو برقرار رکھتی ہے۔

چاند میں حالات بالکل مختلف ہیں۔ زمین کے مقابلے میں اس کی قوت جاذبہ — ہے۔ لہذا اگر کسی کیسی سالہ کی رفتار ۱۶۲۵ میل فی سیکنڈ ہے تو وہ آرکر فضاء میں پہنچ جائے گا۔ چاند کی سطح کی زیادہ سے زیادہ تپش ۱۵۰ ہے۔ اس تپش پر ہائڈروجن کے سالمات کی رفتار ۱۶۳۵ میل فی سیکنڈ ہوگی یا بالفاظ دیگر یہ رفتار، رفتار حاصل سے زائد ہوگی۔ لہذا ہائڈروجن چاند کے اس حصے سے جہاں کہ یہ تپش ہے غائب ہو جانا چاہیے۔ وہ برابر غائب ہوتی رہتی ہے جب تک کہ قطعاً ختم نہ ہو جائے اور یہی وجہ ہے کہ ہائڈروجن اگر وہ ہمارے سیارۂ تابع (Satellite) میں توئی تو وہ بہت جلد ختم ہوگئی۔ یہی دہلہ آکسیجن، فائٹروجن اور کم و بیش آرگن کے لیے بھی ہے۔ لہذا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ چاند پر کوئی کرۂ ہوائی نہیں ہے۔ اس کی گہری وادیوں میں اور زمین دوز غاروں میں ممکن ہے اب بھی کاربن ڈائی آکسائیڈ ہو۔ لیکن چاند کی سطح کا بیشتر حصہ ایسی مکمل خلا کی حالت میں ہے جو بہترین پمپ پیدا کر سکتے ہیں۔ اس کی چٹانی سطح پر بہت سے آتش فشانی دھانے ہیں جن کے ارد گرد گیارہ ہزار بارہ ہزار فٹ اونچی دیواریں ہیں۔ آبی بخارات کا ہمارے کرۂ ہوائی پر بہت کچھہ دخل ہے۔ لیکن چاند پر اس کا ایک قطرہ بھی نہیں۔ اس وجہ سے اس کی وادیوں میں اور پہاڑ کی چوٹیوں پر نہ کبر ہے اور نہ بلال ہیں اور نہ نشیبی سطح پر دریا و سمندر ہیں۔ بعض دور حاضر کے مصنفین کا دعویٰ ہے کہ چاند کی سطح برف و یخ کے صندوق میں بند

ہے۔ بعض مثلاً ٹائی کو اور کوپرنیکی کے بڑے بڑے دھانوں سے بڑی جیسی شعاعیں یا چشمے نکلتے ہیں جن کے متعلق خیال ہے کہ یہ قدیم گلیشہر کے چشمے ہیں۔ یہی وجہ بڑے پہاڑ ارستارکس (Aristarchus) کی سفیدی کی بھی بیان کی جاتی ہے۔ بہر کیف چونکہ وہاں ہوا اور پانی نہیں ہے اس لیے اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کی سطح پر خاموشیء مطلق موجود ہے۔

زہرہ (Venus) بھی زمین کے برابر اور اس میں بھی تقریباً وہی گیسیں ہیں۔ اس کا کرہ ہوائی زیانہ اونچا اور کثیف ہے۔ جس کا وزن ہمارے کرہ ہوائی سے تقریباً دوگنا ہے۔ اس میں آبی بخارات موجود ہیں۔ تمام سیارے پر بھاپ کے زبردست بادل ہیں جو اس کی سطح کو چھپائے ہوئے ہیں اور اس وجہ سے دریا، براعظم اور بحر اعظم نظر نہیں آتے ہیں۔ جدید انکشافات سے ظاہر ہے کہ ایک حصہ مستقل طریقہ سے سورج کے سامنے ہے اور گرم رہتا ہے اور دوسرا اس سے دور رہتا ہے اور سرد و تاریک ہے۔ اگر ایسا ہے تو زبردست ہوائیں گرم حصہ کی جانب سے سرد حصہ کی جانب چلنا لازمی ہیں اور گرم حصہ کا پانی سرد حصہ میں آکر بالکل منجمد ہو جائے گا۔

ارہینیس کا خیال ہے کہ اوسط تپش ۴۰ درجہ مئی ہے اور یہ اس قسم کی زندگی کے واسطے بالکل مناسب ہے جیسی کہ ہماری زمین پر ہے۔ بڑے بڑے شہر مخلوق کی چہل پھل سے پُر ہوں گے۔ ذہین و ذکی مخلوق ہوگی۔ لیکن جب تک کہ بادل اس کی سطح کو چھپائے ہوئے ہیں کوئی انسانی آنکھ اس وجود کا پتہ نہیں لگا سکتی۔

مریخ (Mars) زمین کے مقابلہ میں — ہے۔ اس کی قوت جذبہ بھی ایک تہائی ہے۔ لیکن یہ اس قدر کافی ہے کہ آکسیجن، نائٹروجن، آبی

بخارات اور کاربن ڈائی آکسائیڈ کو روک سکے۔ باوجود چھوٹے ہونے کے اس کا ایک پتلا کرۂ ہوائی ہے جس کا ثقل اضافی ہمارے کرۂ ہوائی کے مقابلہ میں  $\frac{1}{7}$  ہے۔ اس قدر لطیف ہونے پر بھی سربخی کرۂ ہوائی میں کھر موجود ہے اور بادل پائے جاتے ہیں۔ آخر اکتوبر سنہ ۱۸۹۴ع میں یورپ سے زائدہ حصہ بارش کے بادلوں سے تھکا رہا۔ صاۃ آسمان میں سورج نہایت چمک دمک سے چمکتا ہے اور اس کے چشمے اور پہاڑ اس کی دوپہر کی شان و شوکت کا ثبوت دیتے ہیں۔ کرۂ ہوائی کی گردش نہایت خاموشی سے جاری ہے تاکہ گرم ملک کی خاموشی پر کچھ ہرج واقع نہ ہو۔ پانی کرۂ ہوائی میں موجود ہے۔ طیف نما سے اس کا پتہ چلتا ہے اور اس کے ہر فیلے قطبین، سمندر اور انجنیری کے بڑے بڑے کاموں کا پتہ چلتا ہے جن کے متعلق لوویل (Lowell) کا خیال ہے کہ وہ ہوشیار لوگوں کا کام ہے۔ سبزی بھی اس چھوٹے کرۂ ہوا پر موجود ہے اس لیے کہ میدانوں کا اور نہروں کا سال کے مختلف حصوں میں رنگ تبدیل ہو جاتا ہے۔ حال میں اس کے کرۂ ہوائی میں آکسیجن بھی دریافت ہوئی ہے۔ عطارد زمین کے مقابلہ میں بہت چھوٹا ہے اور اس کا کوئی کرۂ ہوائی نہیں ہے۔ اس کی رفتار فاصل صرت تین میل فی سیکنڈ ہے جب کہ زمین کی ۷ میل فی سیکنڈ ہے۔ لہذا وہاں بہت ہی کم آبی بخارات اور بہت ہی ہلکے ہوائی غلات ہوں گے۔

بڑے بڑے سیارے مشتری، زحل، یورانس، نپتون، سب بہت گرم

معلوم ہوتے ہیں اور ان کا وجود یا تو کیسی ہے یا سائچ حالت میں۔ ان کی سطحیں بھاپ کے زبردست بادلوں میں پوشیدہ ہیں۔ یہ سیارے بہت وزنی اور کثیف ہیں لہذا ہلکی کیسیں بھی وہاں ہوں گی۔ ان کے بالائی طبقوں میں بھاپ کے علاوہ ہائڈروجن، ہیلیم، فائٹروجن، کاربن ڈائی آکسائیڈ، سلفر ڈائی آکسائیڈ ہوگی۔ ان کے نیچے کے طبقے سفید گوم ہیں اور ان میں غالباً دھاتیں مثلاً لوہا یا کیلسیم وغیرہ کیسی حالت میں ہوں گی۔ طیف نما سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے کرۂ ہوائی میں ایسے نامعلوم عناصر موجود ہیں جو ہماری زمین پر نہیں پائے جاتے ہیں۔ مشتری اور زحل کے طیف میں ایک سرخ حلقہ پایا جاتا ہے اور یہ کسی زمین کے عنصر سے نہیں ملتا۔ یورانس اور نیپٹون کی روشنی میں دیگر نامعلوم عناصر کا وجود پایا جاتا ہے —

سورج زمین سے ۳۳۲,۰۰۰ گنا زیادہ بڑا ہے اور وہ سبک ترین کیسی سالہات کو قبضہ میں رکھ سکتا ہے۔ قبل اس کے کہ وہ آزاد ہوں ان کے سالہات کی رفتار ۳۹۱ میل فی سیکنڈ ہونی چاہیے۔ بہت کم کیسی سالہات کی یہ رفتار ہے۔ پس سورج کا کرۂ ہوائی بہت ہی زیادہ بڑا ہے۔ اس کے بالائی طبقوں میں ہائڈروجن، ہیلیم اور دوسری ہلکی کیسوں کی جو ہماری دنیا میں نہیں پائی جاتی ہیں بڑی زبردست مقدار موجود ہے۔ ہائڈروجن سے اوپر نامعلوم کورونیم (Coronium) موجود ہے جس کی روشنی نہایت صاف سبز ہوتی ہے۔ سورج کے نیچے کے طبقوں میں کیسی لوہا، کیلسیم، میگنسیم اور دوسری دھاتیں موجود ہیں کیوں کہ سورج کی تپش انتہائی

زیادہ ۷ جس میں دھاتیں جوش کھا کر اسی طرح اُڑ کر سطح پر آجاتی ہیں جیسے مائع ہوا اُڑ کر ہماری زمین پر بادلوں کی شکل میں چھا جاتی ہے۔

فضا میں اور بھی بے شمار جہاں موجود ہیں جو کہ ہم کو نظر نہیں آتے۔ ہم کو ان کے کرۂ ہوائی کا مطلق علم نہیں اور نہ ان کے دیکھنے یا معلوم کرنے کی کوئی اُمید ہے۔

بعض کے کرۂ ہوائی ایسے ہوں گے جیسے ہماری زمین کے۔ دوسروں کے کیسی غلات ہوں گے لیکن نظام شمسی سے بالکل جدا کائنات ان عجیب و غریب دور کے جہانوں میں جو رموز پوشیدہ ہیں وہ ہر اس بات سے زیادہ دلچسپ ہوں گے جو ہمارے تخیل میں آسکتی ہے۔

اس میدان میں عقل فکر کے جس قدر بھی گھوڑے دوڑائے ہماری مشکلات میں اضافہ ہی ہوتا گیا۔ ہم نے یہ ضرور محسوس کیا کہ ایک گتھی ہے۔ یہ ضرور معلوم کیا کہ ایک عقدہ ہے لیکن یہ مشکل کہ وہ گتھی کیوں کر سلجھے اور وہ عقدہ کیوں کر حل ہو ہماری فہم و ذکا سے کہیں بالاتر ہے۔ ان صفحات میں جو کچھ ہم بیان کیا گیا ہے دراصل یہ ہمارے لیے بچوں کے خوش نہا کھلونوں کے مانند ہیں جن کی بیرونی سطح ملمع کاری سے چمک دمک رہی ہے۔ بچے جس طرح خوش رنگ اور خوش منظر نئے نئے کھلونوں کو دیکھ کر خوش ہوا کرتے ہیں اسی طرح ہماری آنکھوں کے سامنے جب کائنات ہستی کا کوئی نیا خوش منظر شکوفہ کھلتا ہے تو ہم پر اس سطحی اور رنگ منظر سے

تھوڑے اور خوشی کا ایک عجیب عالم طاری ہو جاتا ہے ۔ رہا یہ اُس کہ ہمیں اس خوش نہا شگوفہ کی اصل حقیقت کا کہاں تک علم ہے تو لا علمی کی انتہائی مجبوری اور مایوسی میں ہمیں اقرار کرنا پڑتا ہے کہ حقیقت کا علم بس خدا ہی کو حاصل ہے ۔



## محکمہ ابن موسیٰ خوارزمی

از

( جناب محمّد زکریا صاحب مائل )

سابقہ اشاعت میں ابوالوفا بوز جانی کے حالات اور ان کے ساتھ اہل مغرب کی سرد مہری کا ذکر ہو چکا ہے اب دنیائے ریاضی کی ایک اور اہم شخصیت کے سوانح و کمالات حوالہ قلم کئے جاتے ہیں —

اس حقیقت کا اظہار ناگزیر ہے کہ ایسی عالی مرتبہ اور ناقابل فراموش ہستیوں کے ذکر جھیل اور علمی خلود کی طرف سے بے پروائی برتنے کی بڑی ذمہ داری زیادہ تر ہمیں پر عائد ہوتی ہے۔ ادب و تاریخ کے بڑے بڑے نامور و کن جن پر مشرق کو بجا طور پر فخر و فارش کا موقع ہے ہمارے مشرقی ہونے کے باوجود اس طرح ہمارے تساہل و سہل افکاری کا شکار ہو چکے ہیں کہ دنیا ان کے نام و نشان تک سے ناواقف ہے۔ اگر ہم اس عبرت ناک جہود و غفلت میں مبتلا نہ ہوتے تو خدا جالے کتنے مہرین ریاضی و طبیعیات اور دوسرے اہم علمی شعبوں کے ہاکمال حاصلوں کے خزانے تحقیق و نتائج فن ہمارے سامنے ہوتے اور آج کسی کو یہ دعویٰ کرنے کی جرأت نہ ہوتی کہ ”عرب کبھی مفتوح اور موجد کی حیثیت نہ حاصل کرسکے۔ انہوں نے ہمیشہ غیر اقوام کی نقالی کی اور دوسروں کا سرمایہ کمال تراجم کے ذریعے سے اپنے یہاں منتقل

کر لیا۔ حالانکہ یونان اور ہندوستان کے علوم سے استفادہ کے سوا عربوں نے بیشتر علوم اور احسان مدنیت میں اتنے اہم اور عظیم الشان اضافے اور ایجابیں کیں جو بلا اختلاف مغرب کی حضرات موجودہ کا اساس شمار کی جانی ہیں۔ جن کی بنا پر عربوں کی فضیلت ذکر و بحث کی محتاج نہیں رہی۔ خود مغربی مصنفین نے کھلے دل سے علم کیمیا و جبر و مقابلہ اور مثلثات و فلکیات وغیرہ میں ان کا فضل تقدم تسلیم کیا ہے اور اعتراف کیا ہے کہ عربوں نے فلکیات کو اپنے یہاں لینے کے بعد اس میں بہت سے اضافے کئے اس کے اصول مدون و مرتب کئے۔ اسی طرح جبر و مقابلہ کو مکمل کیا جو تکمیل واستیعاب کے ساتھ یونانیوں کو معلوم نہ تھا۔ اس کے بہت سے نظریے بنائے جو آج دنیا کو معلوم ہیں اور جن کے ذریعہ سے حل اشکال وغیرہ کی مختلف ترکیبیں اور معادلات کے متعدد حل واضح ہو گئے ہیں۔ علم حساب میں بھی بہت سے اہم اضافے کئے خصوصاً نظریۂ اعداد میں۔ چنانچہ عام طور پر مشہور ہے کہ لفظ صفر ٹھیک انہی معنوں میں جن میں آج مستعمل ہے سب سے پہلے عربوں ہی نے استعمال کیا۔ مثلثات میں نہایت کمال و مہارت پیدا کی اور اس فن میں عجیب عجیب اختراعیں کیں۔ جیہڑوں کے قانون قناسب کی دریافت اور مثلثات کرویہ کے حل کا عام قانون انہیں کی عقل و ہمداری دماغ کا مہنوں ہے، 'مماس التمام'، قاطع اور قاطع التمام کے لیے جد اول ریاضیہ سب سے پہلے انہیں نے وضع کیں۔ غرض ان تمام امور میں عربوں کے لیے فخر و مباہات کا کافی مواد موجود ہے۔

حاصل تہذیب یہ ہے کہ انہیں فاضل ہستیوں میں ایک معبد ابن موسیٰ خوارزمی ہی ہیں اور علوم ریاضیہ کے تقسم و ترقی میں انہیں بڑا درجہ حاصل ہے۔ انہوں نے ریاضی کی سب سے اہم شاخ جبر و مقابلہ کے اصول



مرتب کرنے میں بہت مہارت و دماغ سوزی کا ثبوت دیا۔ ان کے متعلق ایک یورورپین فاضل کا مقولہ ہے کہ ”محمد ابن موسیٰ عرب کا سب سے بڑا ریاضی دان تھا جو ماسوں کے عہد میں فاسور ہوا“ \* اور حقیقت میں یہ مقولہ ذرا بھی غلط نہیں ہے —

مغربی سوانح نگاروں نے محمد ابن موسیٰ اور ابو جعفر محمد ابن موسیٰ ابن شاکر کو ایک سمجھہ کے خلط مبعث کر دیا ہے، کیونکہ موہرالذکر بھی ایک مدت سے ابو جعفر کے نام سے مشہور تھا —

محمد ابن موسیٰ خوارزمی ترکی الاصل تھے + - خراسان میں پیدا ہوئے اور بغداد میں سکونت و اقامت اختیار کی۔ یہ اس مہم کے ایک ممتاز رکن تھے جو ماسوں رشید نے بحث و تحقیق کے لیے افغانستان بھیجی تھی۔ مختلف علوم میں ان کی متعدد تالیفات ہیں خصوصاً ریاضیات اور فلکیات میں۔ یہ علوم اولین سے واقفیت پیدا کرنے کے بڑے شائق تھے اور ان پر بہت زیادہ غور و بحث کیا کرتے تھے۔ ان خصوصیات میں وہ اپنے معاصر علما کے دوش بدرش تھے۔ اسی مہارت مطالعہ اور زبردست شوق تحقیق کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے علم جبر و مقابلہ میں ”کتاب المختصر فی حساب الجبر والمقابلہ“ جیسی اہم اور قابل قدر کتاب یادگار چھوڑی — کہا جاتا ہے کہ خوارزمی پہلے شخص میں جبر و مقابلہ کو علمی شکل سے وضع کیا اور اس فن میں سب سے پہلے تالیف کا کام کیا۔ گو بظاہر اس بیان میں مبالغہ معلوم ہوتا ہے لیکن جب مورخین کے اقوال

پر نظر پڑتی ہے تو اس کی صداقت چندان مشتبہ نہیں رہتی۔ یہاں چند اقوال درج کیے جاتے ہیں۔ علامہ ابن خلدون اپنے مقدمے میں لکھتے ہیں۔ ”خوارزمی سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے جبر و مقابلہ میں کتاب لکھی“ —

ابو کامل شجاع ابن اسلم نے کتاب ”الوصایا بالجبر والمقابلہ“ کے مقدمے میں لکھا ہے۔ خوارزمی ہی نے سب سے پہلے عالم الجبر کو مدون و مرتب کیا \* —

پھر انہیں ابو کامل نے ”کتاب الجبر والمقابلہ“ کے مقدمے میں اس حقیقت کا صحت لفظوں میں اعتراف کیا ہے کہ خوارزمی جبر و مقابلہ کے موضوع پر کتاب لکھنے میں مجہد سے سمیت لے گئے + اور لکھا ہے کہ ”میں نے جبر و مقابلہ میں ایک کتاب جو تالیف کی اور اس میں بعض معلومات معتمد ابن موسیٰ کی درج کیں جو انہوں نے اپنی کتاب میں لکھی تھیں اور ان کی شرح لکھی، جن بیانات کو معتمد ابن موسیٰ نے بلا شرح و وضاحت کے درج کیا تھا میں نے ان کی تشریح و توضیح کی“ —

اس اعتراف سے یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ”کتاب الخوارزمی“ کے بعض دقیق مسائل کی شرح لکھے جانے سے کتاب الخوارزمی کی قدر و قیمت کم نہیں ہوئی بلکہ اور بڑھ گئی —

خوارزمی کی وہ کتاب جس پر اس وقت ہمیں کچھ لکھنا ہے، بہت سے وجوہ سے تالیف کی گئی تھی جن میں سے بڑا سبب یہ ہے کہ

\* صالح زکی آثار باقیہ جزء دوم صفحہ ۴۸ —

+ ایضاً آثار باقیہ جزء دوم صفحہ ۲۴۹

مہند ابن موسیٰ خوارزمی سائنس اکتوبر سنہ ۳۳۰ ع

مہند ابن موسیٰ خوارزمی نے دیکھا کہ لوگوں کو ایک ایسی کتاب کی سخت ضرورت ہے جو تجارتی معاملات، اراضی کی پیمائش اور دشوار حسابی مسائل کے حل میں سہولت پیدا کرے، اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے انہوں نے یہ کتاب لکھی —

اس موقع پر یہ معلوم کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ سب سے پہلے لفظ ”جبر“ کا استعمال سروجہ اصطلاحی معنوں میں خوارزمی ہی نے کیا۔ اس کے بعد اہل فرنگ نے اپنے یہاں لے کر اس عام کا نام ”الجبرا“ رکھا —

کتاب متذکرۃ ہالا کا نام ”کتاب المختصر فی حساب الجبر والمقابلہ“ ہے اور یہ پانچ ابواب میں منقسم ہے —

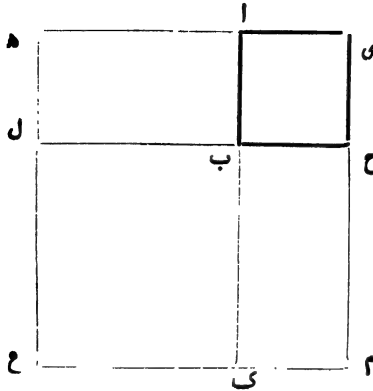
پہلا باب - اس میں پہلے اور دوسرے درجہ کے معاملات اور ان کے حل کرنے کا بیان ہے۔ اس میں معادلات کو چھ قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ ب س = ح س و ب س = د س، د ب س + ح س = د ب س + د = ح س، ب س + د = ح س —

خوارزمی نے صحیح طور پر مثبت جذر نکالے وہ اس سے بے خبر نہ تھے کہ دوسرے درجہ کے معادلہ کے دو جذر ہوتے ہیں۔ چنانچہ معادلہ کے دونوں جذر نکال کر دکھا دیے —

دوسرے باب میں بعض قواعد جبر و مقابلہ کے دلائل حسابی طریقہ سے لکھے ہیں۔ تیسرے باب میں اسی علم کے مقداروں کو ضرب دینے کے نظریہ پر بہت مفصل بحث ہے۔ مثلاً (س - ب) کو (س - ح) سے ضرب دینا —

چوتھے باب میں معادلات کے ہندسی حل بہت سے طریقوں سے واضح کیے ہیں

اس بحث کی اہمیت سمجھنے کے لئے حسب ذیل مثال پر غور کرنا چاہئے۔



$$س^۲ = ۸ + ۲۰$$

فرض کرو  $[ب \times ا] = س$

ح ب پر ایک مربع ب م ی ا بنائو۔ اور ی ا کو ہ تک اور ی ح کو م تک خارج کرو۔ اور  $ا = ۸$  اور  $ب = ۲$ ۔  $۸ \times \frac{۱}{۲} = ۴$ ۔ اب شکل ہ م م ی مکمل کرو۔

مربع ا ح = س  $\times$  س = س<sup>۲</sup>

مستطیل ب ہ =  $۲ \times ۲ = س$

مستطیل ب م =  $۲ \times ۴ = س$

اس لئے س<sup>۲</sup> + ۸ = س برابر ہے مربع ا ہ اور دو مستطیلات ب ہ

ب م کے مجموعہ کے لیکن س<sup>۲</sup> + ۸ = ۲۰ اس لئے مربع ا ہ اور دو

مستطیلات ب ہ اور ب م کا مجموعہ برابر ہے ۲۰ کے

مگر مربع ب ع =  $۴ \times ۴ = ۱۶$

جب ہم نے ب ع کی پیمائش ہر طرف سے بنوائی تو نتیجہ نکلا

س<sup>۲</sup> + ۸ + ۱۶ = مربع ا ح + مستطیل ب ہ + مستطیل ب م + مربع ب ع

$$\text{لیکن } ۸س + ۱۶ = ۱۶ + ۲۰ = ۳۶$$

اور مربع ۱۸ اور دونوں مستطیل ب ۶، ب ۱۶ اور مربع ب ۶ کے برابر  
 ہے مربع ۱۶ کے ۱۶ اس لئے مربع ۱۶ = ۳۶ یعنی ضلع ۱۶ برابر ہے ۶ کے  
 مگر ۱۶ برابر ہے ۱۶ + ۱۶ کے اس لئے ۱۶ = ۳۶ س = ۲

چوتھا باب مقادیر جبر و مقابلہ کے قواعد و جمع وغیرہ پر  
 مشتمل ہے اس میں تفریق و ضرب و تقسیم کے طریقے بھی بیان کئے ہیں۔  
 آخری باب سین ریاضی کے بعض مسائل اور بعض نظریات کی تطبیق  
 کی ہے جن میں سے بعض بعض مدارس ثانوی کی درسی کتابوں میں نظر  
 سے گزرے ہیں۔

" کتاب المختصر فی حساب الجبر و المقابله " کو بڑی تاریخی اہمیت حاصل  
 ہے۔ کیوں کہ اس کتاب کے بعد جتنی کتابیں علما نے لکھی ہیں وہ سب  
 اسی کے آثار پر مبنی ہیں۔ لاطینی زبان میں اس کا ترجمہ رابرٹ آف  
 چسٹر (Robert of Chester) نے بارہویں صدی عیسوی میں کیا \*۔ یہ شخص  
 ریاضیات میں مشرقی مآثر سے اتنی دل بستگی رکھتا تھا کہ اس نے بڑے  
 اہتمام کے ساتھ اپنی غرض پوری کرنے کے لئے اندلس کا سفر کیا اور دوشاونہ  
 میں ریاضی کی تعلیم پائی۔ لاطینی زبان میں قرآن مجید کا پہلا ترجمہ  
 بھی اسی رابرٹ کا کیا ہوا ہے +۔

لاطینی میں جبر و مقابلہ کا ترجمہ ہوجانے سے قرون وسطیٰ اور قرون  
 جدیدہ کے بہت سے علما نے اس علم سے استفادہ کیا۔ اور یہ علم ان کی  
 ریاضی کی تحقیقات اور مطالعہ کا مدار علیہ قرار پا گیا۔ اس سلسلے میں جن

لوگوں کو شہرت حاصل ہوئی وہ یہ ہیں : فیبوناچی (Fibonacci) ' لوقا دو بورگو (Lucas de Burgo) ' پاچیولی (Paccioli) ' کارڈان (Cardan) ' تار تا غلیا (Tartaglia) اور فراری (Ferrari) وغیرہ \*۔

عبداللہ ابن حسن ابن الکاسب صید لانی نے " کتاب المختصر " کی شرح لکھی اس کا یہ نام رکھا " کتاب شرح کتاب محمد ابن موسیٰ الخوارزمی فی الجبر " اسی طرح سنان ابن فتم حوافی نے بھی اسی کتاب کی ایک شرح لکھی اور اس نام " کتاب الجبر و المقابله الخوارزمی " رکھا ۔

اس کے علاوہ محمد ابن موسیٰ خوارزمی کی مشہور تالیفات میں ایک کتاب کتاب الحساب الہندی کے نام سے ہے جو انہوں نے کتاب المختصر کے بعد تالیف کی تھی ۔ عجیب بات ہے کہ یہ کتاب مفقود ہے اور اساسی کتب کی مشہور فہرستوں میں اس کا نام نہیں ملتا ۔

بارہویں صدی عیسوی میں انگلینڈ میں ایک شخص Adelard of Bath کا نام یونان و مصر اور بعض بلاد عرب کی سیاحت میں بہت مشہور ہوا اور ساتھ ہی یہ شہرت بھی ہوئی کہ یہ شخص علوم مشرقیہ سے استفادہ کی جد و جہد میں مصروف ہے ۔ اس شخص نے بہت سی عربی کتابیں لاطینی زبان میں ترجمہ کیں ۔ ان منتقل شدہ کتابوں میں کتاب ہندسہ اقلیدس اور کتاب المختصر فی حساب الہندی الخوارزمی ہے جس کا عنوان ( Algoritimi de Numero Indorum ) کے نیچے لکھا ہے اور لفظ غور یتھی ( Algoritimi ) مولف کتاب خوارزمی کی نسبت استعمال کیا ہے ۔

حساب کی یہ کتاب اہلی نوعیت کی پہلی کتاب ہے جو یورپ میں آئی۔ اسی لئے علم حساب ایک مدت تک یورپ میں فورسہوس (Algorismus) † کے نام سے، موسوم رہا جو فور یتیمی یعنی (Algoritimi) سے ماخوذ ہے۔ چونکہ ان دونوں کتابوں کو قاری اور ریاضیاتی نقطہ نظر سے بڑی اہمیت حاصل تھی اس لئے ان کی بدولت ان کے مولف کی بھی شہرت ہوئی اور ان کا نام اور کارنامہ ہمیشہ کے لئے یاد گار ہو گیا۔ ان کتابوں کے علاوہ خوارزمی کی اور مولفات بھی ہیں۔ یہاں صرف ان کا نام درج کرنا کافی معلوم ہوتا ہے۔ ”زنج الخوارزمی“ ”کتاب الخرامہ“ کتاب العمل بالاصطراب اور کتاب التاریخ - (ماخوذ)

† صالح زکی آثار ہائیکہ ص ۲۵۱

## فن دباغت

از

حضرت دباغ سیلانی

(۴)

کھال کی خرید و فروخت کو اس مضمون سے زیادہ  
 کھال کی خرید و فروخت | تعلق نہیں ہے مگر ہماری میدان میں جو کچھ توجہ  
 میں آیا ہے اس کے نتائج سے واقف ہوتے ہوئے اس کو نظر انداز کرنا  
 بڑی غلطی ہوگی۔ اس لیے چند معمولی طریقے جن کا ملتی میں رواج ہے  
 مختصر طور پر لکھ جاتے ہیں۔ ہندوستان کی موجودہ رفتار صنعت و  
 حرفت اور تجارت کو دیکھتے ہوئے نہ مالک کارخانہ کو الزام دے سکتے  
 ہیں کہ وہ ایک ماہر فن سے تاجر، منشی، محاسب، وغیرہ سب کا کام  
 کیوں لیتا ہے، اور نہ کسی فن کے وقف کار کو ہی کوئی الزام لگا سکتے  
 ہیں۔ مالک کارخانہ (سرمایہ دار) اول تو صنعت و حرفت اور کوئی اس  
 قسم کا کام کرنا پسند نہیں کرتا اور کبھی کسی کے کہنے سننے یا اپنے شوق  
 تجارت میں کرتا بھی ہے تو یہ سمجھتا ہے کہ ٹینر صاحب کو معقول تنخواہ  
 دی جاتی ہے اور یہ جاپان، انگلستان، امریکہ اور جرمنی کے تعلیم یافتہ  
 ہیں اس لیے ان کو ان کے فن کے متعلق خرید و فروخت، لین دین سب



میں مہارت ہونا لازمی ہے اور اس لیے جتنا کام چاہو مہار صاحب سے لے لو۔ مہار فن جن کی قابلیت کی قدر کرنے کے لیے ملک بالکل تیار نہیں ہے یہ سمجھ کر کہ اگر کسی کام کے لیے نفی میں جواب دیتا ہے تو مالک صاحب اُسے ناقابل سمجھیں گے اور ملازمت ملنا دشوار ہوگا اس لیے ان سے جو سوال کیا جاتا ہے فرماتے ہیں کہ اگر میں اس کو نہیں جانتا تو دنیا میں اور کون اُسے جان سکتا ہے۔ چنانچہ یہ ہر فن مولا ہو جاتے ہیں۔ قصہ مختصر یہ کہ یہ دونوں صاحب اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہیں اور ان کی اس ہت دھرمی کا برا نتیجہ کارخانہ کو برداشت کرنا ہوتا ہے۔ اس حد تک تو زیادہ افسوس نہیں ہوتا۔ کیونکہ ملک میں جدید صنعت و حرفت قائم کرنے کے لیے ہم کو بہت سی قربانیاں کرنا لازم ہے اور اس کے بعد کی نسل ہماری ان فاکسیوں سے فائدہ اُٹھائے گی۔ مگر سرمایہ دار صاحب اور مہار فن کی غلطی سے کوئی برا نتیجہ پیدا ہو تو ملک کے اور احباب جو اس بات کے منتظر تھے کہ فلاں صاحب کا کاغذ کا کارخانہ یا شکر کا کارخانہ یا چمڑے کا کارخانہ اگر کامیاب ہوا تو اللہ کا دیا ہمارے پاس بھی بہت سرمایہ ہے اور ہم بھی کچھ نہ کچھ ضرور کر سکتے ہیں، وہ سب کے سب پست ہمت ہو جاتے ہیں اور ہماری صنعت و حرفت کی رفتار برسوں کے لیے بند ہو جاتی ہے اور ملک اور قوم کو بجائے فائدہ کے سخت نقصان ہوتا ہے۔

کھال سے چمڑا پکا کرنا اور بات ہے۔ خرید و فروخت، لین، دین، لوٹ و پھیر وغیرہ سے اس کو کوئی تعلق نہیں۔ مہار فن کا کام یہ ہونا چاہیے کہ کھال سے جو ملک میں نہایت کثرت سے ہوتی ہے، عمدہ سے عمدہ چمڑا بنائے اور اس کی لاگت ایسی کم ہو کہ کارخانہ کا مال چمڑے کی منتقلی میں اوروں کے مقابلہ میں آسانی سے اور نفع سے جلد فروخت ہو جائے۔ اگر

یہ صاحب کچھ سمجھ رکھتے ہیں تو شروع ہی سے اس کا پورا پورا خیال رکھیں گے کہ مال کی لاگت کم آئے ورنہ مال تو بہت عمدہ ہوگا اور ملتی میں نہایت خوشی سے سوداگر خرید بھی لیں گے ' مگر بازار کے نرخ سے فروخت کرنے میں بجائے نفع کے کارخانہ کو نقصان ہوگا۔ تجربہ کہتا ہے کہ کھال کی خرید اور بیکے چمڑے کی نکاسی (فروخت) سے واقف نہ ہونے کی وجہ سے ہندوستان کے بہت سے کارخانوں کو سنہ ۱۹۱۴ع سے اس وقت تک سخت نقصان اٹھانا پڑا ' چنانچہ بہت سے بند ہو گئے ہیں۔ سالی دشواریاں اور مالک کارخانہ و ماہر فن کی بدگمانیاں بھی اس ناکامی کی بڑی حد تک ذمہ دار ہیں۔ اس کے برعکس کھال کے فروخت کرنے والے اور چمڑے کے خریدنے والے نسبتاً فائدہ میں رہتے ہیں ' کیونکہ یہ تمام عہد صرت ایک کام کرتے رہتے ہیں اور اس کی اونچ نیچ سے مالک کارخانہ اور دباغ صاحب سے زیادہ واقف ہوتے ہیں۔ جس کارخانہ کا مالک یا ماہر کھال کی خرید و فروخت سے واقف ہوتا ہے اس کی سب سے بڑی مشکل آسان ہو جاتی ہے۔ جس کو کارخانہ کی بڑی کامیابی سمجھنا چاہئے۔ اس لیے کارخانہ میں تقسیم فرائض اور ان کی باقاعدہ انجام دہی نہایت ضروری ہے۔ جو کارخانے بڑے پیمانے پر چلائے جاتے ہیں وہاں تقسیم فرائض کا انتظام بہت ہوشیاری سے کیا جاتا ہے۔ اس میں جو ماہر ہیں وہ کارخانہ کے لیے صیغوں میں سے صرت ایک میں کھال رکھتے ہیں اور برسوں ایک کارخانہ میں صاحب کھال سمجھے جاتے ہیں۔ مگر اس کے دوسرے صیغوں سے بالکل ناواقف ہوتے ہیں اور جس خوبی اور کھال کے ساتھ اپنے صیغہ کا کام انجام دیتے ہیں اسی کارخانہ کے کسی دوسرے صیغہ کو اس خوبی اور کھال کے ساتھ نہیں چلا سکتے —

کھال کی خرید و فروخت کے کئی طریقہ ہیں۔ ان میں سے چند، جن کا زیادہ رواج ہے، درج کئے جاتے ہیں —

- ۱ - کمیشن پر مال خریدنا :- قصاب کارخانہ کی ضرورت کے مطابق گائے بھینس کی کھال کھیلے سے خریدتا ہے اور اگر کارخانہ اُسی شہر میں ہوا تو جلد از جلد مال کو وہاں بھیج دیتا ہے لیکن اگر کارخانہ شہر سے فاصلہ پر ہے اور مال ریل سے جاتا ہے تو کھال کو کھیلے سے مکان پر لاتا ہے۔ اُس کو خوب دھو کر کھانے کا نمک لگاتا ہے اور جب وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ ہفتہ دو ہفتہ سفر میں خراب نہ ہو تو اس کو ریل سے روانہ کر دیتا ہے۔ کھیلے سے مکان پر لانا، نمک لگانا، گتھری باندھنا اور ریل پر مال چڑھانا، اس کے کل اخراجات کارخانہ کے فسمہ ہوتے ہیں اور عام طور پر قصاب کو اس کا مسفٹانہ چار آلے فی فرد گائے اور آٹھ آلے فی فرد بھینس کے حساب سے دیے جاتے ہیں۔ بعض کارخانہ دار آڑھت سے کام کرتے ہیں جس کے یہ معنی ہیں کہ خرید کرنے والا اور مال فروخت کرنے والے کے درمیان ایک اور صاحب ہوتے ہیں جن کو آڑھتیا یا کمیشن دار کہتے ہیں اور زیادہ تعداد میں کام کرنے والے ان کی معرفت اپنی ضرورت کا مال خریدتے ہیں۔ اس صورت میں کمیشن دار ایک حد تک دونوں فریق کا خیال رکھتا ہے اور بعض اوقات یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ آپس میں کوئی قرار نہ بھی ہو تو بھی کارخانہ میں اگر مال میں کوئی عیب نکل آیا، تو بیچ بھاڑ کر کے کارخانہ کے ساتھ کچھ رعایت کرا دیتا ہے —
- ۲ - خرید مکرر :- خرید مکرر اُس کو کہتے ہیں جس میں قصاب کھال کو اُٹھا کر اُس کے وزن اور جھانسی کا اندازہ کرنے کے بعد اس کی قیمت

طے کر کے مال خرید لیتا ہے۔

۳۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ ذبح کے بعد کھال کا وزن کر لیا جائے اور فی

سن یا سہر سے جو قیمت طے ہو ادا کر دی جائے۔

۴۔ بہترین طریقہ کار خانہ کے لیے چوہہ کے وزن پر کھال خریدنے کا

معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس طریقہ میں جب کھال کے بال چھیننے

وغیرہ صحت کر دیے جاتے ہیں تو اس وقت اس کی کل خوبیاں

خامیاں آسانی سے معلوم ہو جاتی ہیں۔ اس کے مطابق سال کو پرکھ کر

اس کا وزن کر کے قیمت ادا کی جاتی ہے۔ بالوں میں کھال کے

عیب پوشیدہ رہتے ہیں جس کو صرف وہی لوگ تازہ جانتے ہیں جو

سہر بھر اس کام کو کرتے رہے ہیں مگر قازہ ولایت دباغ صاحب کو

یہ عیب اُسی وقت معلوم ہو سکتے ہیں جب مال چوہہ سے صحت کیا

جائے۔ اور اب قیمت چونکہ ادا ہو چکی اس اس لیے ان کے پاس

اس کا کوئی علاج نہیں ہوتا۔

اس طریقہ سے مراد وہ طریقہ ہے جس میں مال کو  
چولے کے وزن کا طریقہ

اصل چمڑا وزن کیا جاتا ہے۔ کمیلہ سے آنے کے بعد بھی کسی قدر

باریک گوشت جھلی یا جھنی لگی رہتی ہے جو اُس وقت یعنی قازہ ہونے

کی حالت میں چھڑے سے علیحدہ نہیں ہو سکتی۔ یعنی ہاتھ کی گرفت

میں نہیں آتی۔ اس کو چوہہ سے تیار ہو جانے کے بعد چھری سے

چھیل دیتے ہیں اور گھری 'ہم' چھوٹی اگر لگی ہو سب کات دیتے

ہیں۔ اس کا نرخ ہارلڈ فی روپیہ میں پیشتر سے طے ہو جاتا ہے اور

پرکھائی، جھائی یا اول، دریم، سویم، داغی کا ایک الگ نرخ طے

ہو جاتا ہے۔ یہ بہترین طریقہ ہے جو ہندوستان میں رائج ہے۔ اور گورنمنٹ ٹیلری کانپور میں بھی یہی طریقہ کام میں لایا جاتا ہے۔ تجربہ بتلاتا ہے کہ چونہ کا وزن کمیلہ کے تازہ چھڑے کے وزن سے دو پونڈ فی چھڑا بھینس میں اور ایک پونڈ فی چھڑا گائے میں کم ہو جاتا ہے۔ بعد ذبح گوشت نکال کر چھڑا بالکل صاف کر کے پانی سے دھویا جائے اور خون وغیرہ سے صاف کر کے دم، چوٹی، کھری کات کر پانی نکال دیئے گئے بعد وزن کیا جاوے تو چونہ میں یہ ہی وزن آوے گا —

۵۔ مردار یا سکتی گوکھ اور بھینس من کے نرخ سے فروخت ہوتا ہے اور ولایت کے خریدار بھی جو ہندوستان میں خریدتے ہیں وہ بھی من کے نرخ سے خریدتے ہیں —

۶۔ مصالحہ یعنی فرسے کا گوکھ بھینس بیس بیس پونڈ کے نرخ سے فروخت ہوتا ہے۔ ولایت میں بھجوانے والے بھی بیس پونڈ ہی پر نرخ طے کرتے ہیں۔ بھاری بھڑی اور بکری کا عام رواج فی سیکڑہ ہوتا ہے۔ ہندوستان اور ولایت ہر جگہ فی سیکڑہ کا نرخ رائج ہے۔ فی سیکڑہ کا نرخ ناپ پر ہوتا ہے خواہ وہ کیلی ہو خواہ خشک۔ پتنہ بنی ہوئی ہو سب کا نرخ ناپ پر سے ہوتا ہے —

بکری کی ناپ اس طرح ہوتی ہے :- چھوٹی (Kid) ۲۸ — ۳۰ انچ (Light) ۳۰ — ۳۲ انچ، درمیانہ (Medium) ۳۲ — ۳۶ انچ، بھاری (Heavy) ۳۶ — ۴۰ انچ (تیل بھاری (Extra Heavy) ۴۰ سے اوپر) —

اب ان پیمائشوں پر نرخ طے ہو جاتا ہے۔ ۵ پسی خوردہ فروش بھی

جیسا کہ عام رواج ہے فرد فرد فروخت کرتے ہیں —

پانی

پانی جس کثرت اور افراط کے ساتھ چھڑا پختہ کرنے کے لیے کارخانوں میں استعمال ہوتا ہے اس کا اندازہ کرنا نہایت ضروری ہے ورنہ کارخانہ کو دن بھر میں لاکھ دو لاکھ مشک پانی کی ضرورت ہوتی ہے اور اس سے کم کا انتظام کیا جاتا ہے۔ اس لیے اس کا لحاظ کر کے انتظام کرنا چاہیے کہ کنویں میں گرمی کے موسم میں بھی کارخانہ کی ضرورت سے بہت زیادہ پانی ہونا چاہیے اور ذخیرہ کے حوض میں جمع کرنے کے لیے اگر انجن کنویں یا ندی پر لگایا جائے تو اس میں کافی سوت ہونے چاہئیں۔ پانی کے ذرائع ندی، کنویں وغیرہ کے سوا اور کوئی نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ نلوں سے پینے کا پانی لینا نہایت گراں ہوگا۔ اس لیے کارخانہ کو اپنا انتظام آپ کرنا نہایت ضروری ہے۔

پانی عام طور سے ہلکا اور بھاری کہا جاتا ہے۔ ہلکا پانی وہ سمجھا جاتا ہے جس سے کھانا جلد ہضم ہو اور اس کے استعمال سے کوئی بیماری نہ ہوتی ہو۔ ہندوستان کے مختلف حصوں (اور ہندوستان ریاست کے) بعض صوبہ کے متعلق یہ اکثر سنا گیا ہے کہ وہاں کا تبادلہ تو کالے پانی کا تبادلہ سمجھنا چاہئے۔ اس کے معنی سمجھ میں یہ آتے ہیں کہ ان مقامات کا پانی صحت کے لیے خراب ثابت ہوا ہے۔ اور جانے والوں کو بخار وغیرہ امراض کی شکایت ہو جاتی ہے۔ بعض مساوی الحجم پانیوں کو وزن کر کے اندازہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پانی ہلکا ہے یا بھاری۔ سمجھ دار لوگ بھاری یا خراب پانی کو ہمیشہ جوش دے کر ٹھنڈا ہونے کے بعد استعمال میں لاتے ہیں۔ جوش کرنے کے بعد بہت سے نیک پانی کی تہہ میں بیٹھ جاتے ہیں اور مہکن ہے کہ یہ مضر صحت ہوں۔

پانی سب سے اچھا اور صاف ستھرا وہ سمجھا جاتا ہے جو بارش کے

موسم میں زمین پر گرنے سے پیشتر جمع کیا جاتا ہے - اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ موسم باران میں ایک نہایت صاف دھوبی کی دھالی ہوئی چادر کو خیمہ کی طرح میدان میں تان دیا جائے اور اس کے نیچے ایک صاف قلعی دار برتن رکھ دیا جائے تاکہ بارش کا پانی چھن کر اس برتن میں جمع ہو جائے - اس کو استعمال کیا جائے - دوسرا طریقہ یہ ہے کہ انجن کی بھاپ کو کسی ترکیب سے سرک کر کے جمع کر لیا جائے یا قریبیق کے ذریعہ سے پانی کشید کیا جائے - یہ طریقے چلند نفوس کے لئے اور دوا سازوں کے لیے مفید ہو سکتے ہیں مگر تجارتی پیمانہ پر جہاں پانی کا لاکھوں مشک روزانہ صرف ہوتا ہو وہاں ان کا گذر نہیں ہو سکتا - قدرت نے جہاں اچھا پانی عنایت کیا ہے اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے -

بارش کا پانی زمین پر بہہ کر اور اس میں جذب ہو کر کنوؤں میں جمع ہوتا ہے - زمین میں بہت سے ٹہک، جو قدرت نے کسی مصلحت سے اس میں رکھے ہیں وہ اس پانی میں گھل کر شریک ہو جاتے ہیں - کسی کنویں کا پانی کھارا کسی کا سیٹھا اور کسی کا بد ذائقہ کھا جاتا ہے - اس کی وجہ ٹہک، شور، سوتا، کی موجودگی ہو سکتی ہے - زمین کے بہت سے نمکوں میں سے بعض نمک کارخانہ کے لیے مفید نہیں ہوتے اس لیے کارخانہ کے لیے عمدہ پانی کا افراط سے ہونا نہایت ضروری ہے -

ٹہک اور اسی قسم کی اور چیزیں اگر پانی میں ہوتی ہیں تو چھال، پتی، اور دیگر کارخانہ کی قیمتی چیزوں کو پھار کر بیکار کر دیتے ہیں اور قلیل مقدار میں موجود ہوں تو جب مال پختہ ہو کر کودام میں آتا ہے، تو اس میں عیب آ جاتے ہیں، جو آسانی

سے اور بلا خرچہ کے دور نہیں ہوسکتے ، اس لیے کارخانہ کے قیام کے وقت پانی کی جانچ پڑتال نہایت ضروری ہے ۔ کیمیاوی طریقہ سے پانی کی اصل خرابی کو دور کیا جاسکتا ہے مگر اس پر جو صرفہ ہوگا وہ کارخانہ کے لیے مفید ثابت نہیں ہوسکتا —

اور وجوہات کے علاوہ جہاں تک خیال کیا جاتا ہے واقعات اس کے شامد ہیں کہ کانپور ، لاہور ، جالندھر ، پھگوارہ ، کرانچی ، بمبئی ، مدراس ، حیدر آباد دکن ، اور میسور وغیرہ کے پختہ چھڑے کی جو تعریف ہندوستان ، انگلستان ، جرمنی اور امریکہ میں کی جاتی ہے اس میں پانی کا بڑا حق ہے ۔ پختہ چھڑا بنانے والے کارخانوں کو اس سے فائدہ ہوا ۔ نہایت افسوس کی بات ہے کہ اس پر زیادہ توجہ نہیں کی گئی کہ ہندوستان کے ایسے مقامات پر جہاں خاص خاص صنعتیں زیادہ فروغ پاتی ہیں ، وہاں ایسی کیا خصوصیات ہیں کہ کارخانے اس خاص مقام پر زیادہ کثرت سے قائم ہوتے ہیں ، ورنہ سائنس ضرور امداد کرتی اور ملک کو معلوم ہوجاتا کہ کانپور اور دیگر مقامات کا پختہ چھڑا کیوں مشہور ہے ، اور اس میں اچھے پانی کا کس قدر حصہ ہے ۔ موجودہ صورت حال میں بیبی کہا جاسکتا ہے کہ اور اسباب کے علاوہ ان مقامات کا پانی بھی اس صنعت و حرفت کے لیے نہایت مفید ثابت ہوا ہے —

پانی خواہ ندی سے لیا جائے یا کنوئیں سے اس کو کارخانہ میں ایک بڑا ذخیرہ بنا کر جمع کرنا چاہئے تاکہ مٹی وغیرہ ہو تو اس کی تہہ میں بیٹھ جائے اور اگر انجین میں کوئی



خرابی ہو جائے یا کوئی اور رکاوٹ پیدا ہو تو یہ کار آمد ثابت ہو۔ یہ ذخیرے کا حوض کارخانے کے سب گوداموں سے کافی اونچا ہونا چاہئے تاکہ کارخانے کے ہر گودام اور حصے میں نہایت آسانی سے پانی تل کے ذریعہ سے وہاں ہر وقت پہنچ سکے اور کارخانے کے ایک حصہ سے دوسرے حصہ میں پانی لے لے جانے کا ہا اکل صرفہ نہ ہو۔



## تحلیل و تخریب اشیا اور اس کا تدارک

از

(جذاب حضرت دباع سیلا نوی)

دنیا کی جس قدر چیزیں ہیں وہ سب فانی کہی جاتی ہیں۔ بعض گھنٹوں میں، بعض چلک دنوں میں، بعض چند ماہ میں اور بعض سال بھر میں غرض گھنٹوں سے لے کر سالوں تک جہلہ اشیا میں کوئی نہ کوئی خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور یہ اس وقت زیادہ وونما ہوتی ہے جب کوئی جز اپنے کل سے ہلحد ہو یا اس کو ہلحد کیا جائے۔ مثلاً دودھ وغیرہ اور اسی قسم کی اور چیزیں۔ دودھ جب تک گائے بھینس کے تھیں میں رہتا ہے تب تک اُس کو کوئی چیز خراب یا بگاڑ نہیں سکتی مگر دودھ جہاں نکالا تو اس کا گرم کرنا لازمی ہوا تاکہ وہ زیادہ ٹھیر سکے۔ اس کو وقت پر استعمال کر لیا تو ٹھیک ورنہ پھت جائے گا اندیشہ ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اونٹ کا دودھ گائے بکری وغیرہ کے دودھ سے بھی جلد خراب ہو جاتا ہے۔ گوشت پوست کا بھی یہی حال ہے۔ جب تک جانور زندہ ہے تب تک یہ بگڑتے اور خراب نہیں ہوتے لیکن جہاں جانور اپنی موت مرا یا ذبح کیا گیا وہاں گوشت پوست میں ابتداء شروع ہوئی اور اگر ان کا فوری تدارک نہ کیا گیا تو نہ گوشت

کھانے کے قابل رہتا ہے اور نہ کھال سے کوئی تجارتی فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ اس لئے ان کو یا تو فوراً استعمال میں لانا چاہئے یا ان کو خراب ہونے سے پہلے کی فکر کرنا چاہئے ورنہ یہ سب مٹی ہو جائے گا۔

جائے کے موسم میں جب کہ جانور بارش کے بعد نہایت تندرست اور توانا ہوتا ہے، سردی کی وجہ سے گوشت پوست وغیرہ کے بگڑنے اور خراب ہونے کا کم اندیشہ ہوتا ہے۔ اس موسم میں آگرہ وغیرہ سے نمک وغیرہ لاکر بہت کثرت سے گوشت برما اور ان مقامات کو بھیجا جاتا ہے جہاں فوج کا قیام ہوتا ہے یا جہاں کے باشندے گوشت خور ہوتے ہیں اور گوشت اُن کے یہاں کم ہوتا ہے یا اچھا نہیں ہوتا۔ اس کی اچھی خاصی تجارت ہوتی ہے۔ کھال بھی مختلف طریقہ سے محفوظ کر کے مہالک غیر کو روانہ کی جاتی ہے جس کا کہیں اور ذکر کیا گیا ہے۔ اس موقع پر صرف یہ بتانا منظور ہے کہ کھال وغیرہ کے بگڑنے کے اسباب کیا ہیں اور ان کی خرابی کی روک کس طرح ہوسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے کھانے پینے اور آرام کی بے حساب نعمتیں دنیا میں پیدا کی ہیں اور یہ اپنی روزانہ کی ضرورت نہایت آسانی سے پوری کرسکتا ہے۔ مگر دیوانہ انسان کچھ ایسا طامع اور غاصب واقع ہوا ہے کہ ہر روز کی ضرورت کو روزانہ پورا کر کے مطمئن نہیں ہوتا بلکہ چاہتا ہے کہ تمام دنیا اور اس کا کل سامان اپنے اکیلے کے لیے جمع کر لے۔ اور اپنے ہی قبضہ میں رکھے۔ اس کو خوب معلوم ہے کہ یہ خود اس سے بیس تیس سال سے زیادہ فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ مگر یہ اسی دہن میں اس فضا میں رہتا ہے، اس میں لڑتا جھگرتا ہے، نفع نقصان دونوں اُٹھاتا ہے؟ دنیا سے نالان ہے، اس پر بھی اس سے عائد ہونا اس کو منظور نہیں ہے۔ چنانچہ اسی اُدھیڑ میں میں عمر تمام ہو جاتی ہے اور بالآخر ایک روز دنیا

سے رخصت ہو جاتا ہے۔ روزانہ یہی ہوتا رہتا ہے —

پھل، پھول، گوشت، پوست وغیرہ ایسی چیزیں واقع ہوئی ہیں جو بہت جلد خراب ہو جاتی ہیں۔ انگور کو لٹھئے۔ یہ جنت کا مہوار کچھ دنوں اچھا رہ سکتا ہے مگر جلد خراب ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ لیکن کشمش پر غور کیجئے جو خشک انگور ہوتے ہیں اور جن کو خشک انگور کہنا بھلا نہ ہوگا۔ یہ کئی ماہ تک اچھی حالت میں رہتا ہے اور یہی حال خشک ترکاریوں اور اسچور وغیرہ کا ہوتا ہے۔ لیکن اگر ہم کو آم، سیب وغیرہ کو خشک کی بجائے تازہ یا کچھ اصلی حالت میں زیادہ عرصہ تک محفوظ رکھنا ہے تو ہم کو اور طریقہ اختیار کرنا ہوگا۔ ہم ان کا مربہ اچار وغیرہ بنا کر ان کو رکھ سکتے ہیں۔ یا پھر انگریزی طریقہ پر تباوں میں بند کر کے ان کو محفوظ رکھ سکتے ہیں تاکہ بے موسم کے زمانہ میں ان سے لطف اُٹھائیں۔ مربہ شکر کی چاشنی میں اور اچار تیل وغیرہ میں بنائے جاتے ہیں اور کم از کم ایک سال تک خراب نہیں ہوتے لیکن ان کو چاشنی یا تیل سے علیحدہ کر کے زیادہ عرصہ تک اچھی حالت میں نہیں رکھ سکتے کیونکہ ان پر پھپھوند آنا شروع ہو جاتی ہے اور یہ جلد خراب ہو جاتے ہیں اور کھانے کے قابل نہیں رہتے — اور جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ترچیزیں جلد خراب ہو جاتی ہیں اور خشک خراب نہیں ہوتیں۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اگر کسی چیز کو خراب ہونے سے بچانا منظور ہے تو اُسے خشک کر کے بھایا جاسکتا ہے۔ اور یہ ممکن نہیں ہے تو چاشنی، شہد اور تیل وغیرہ میں رکھ کر ان کو محفوظ رکھا جاسکتا ہے۔ یہ وہ عمل ہے جو ہر ادنیٰ اور اعلیٰ گھرانوں میں موسم کے لحاظ سے عمل میں آتا ہے جس کا سب کو تجربہ ہے۔ اچار، مربہ، کشمش، اسچور وغیرہ کے دیکھنے سے یہ نتیجہ

نکلتا ہے کہ یہ چیزیں پانی کی تری یا نہی اور ہوا کی موجودگی میں خراب ہو جاتی ہیں۔ اس لیے اگر ان کو اچھی حالت میں رکھنا منظور ہے تو ان کو یا تو خشک کر لینا چاہیے تاکہ نہ ان میں نہی ہو اور نہ یہ خراب ہوں اور اگر یہ ممکن نہیں ہے تو شکر کی چاغی، 'شہد' تیل وغیرہ ایسی چیز میں رکھ دیا جائے تاکہ ان تک ہوا کا گذر نہ ہو اور یہ خراب نہ ہو سکیں —

پھپھوند جس کا ذکر آیا ہے اس کو ایک قسم کا خمیر سمجھنا چاہئے جو کائی کی طرح گشت وغیرہ کے شوربہ پر آ جاتی ہے جس کا اندیشہ پیدا ہوتے ہی باررجی اور ہوٹل والے اس کو خوب جوش دے کر کچھ دیر کے لیے ٹھیرا لیتے ہیں تاکہ یہ کسی کے کام آ جاے اور پھیدکے کی نوبت نہ آے۔ لیکن یہ آگ سے علحدہ ہونے کے بعد زیادہ نہیں ٹھیر سکتا ہے اس لیے اگر جلد استعمال نہ ہوا اور کچھ نہی اس میں باقی رہی تو یہ پھر خراب ہو جاتا ہے اور ایسی صورت میں اس کا استعمال خلاف اصول صحت ہوتا ہے۔ اسی طرح مچھلی وغیرہ جو جلد خراب ہو جاتی ہیں ان کو یا تو بھون کر یا تھل وغیرہ میں تل کر دیر تک اچھی حالت میں رکھ سکتے ہیں یا مچھلی کو برف میں رکھ کر ہم محفوظ رکھ سکتے ہیں اور شہلہ وغیرہ مقامات پر جہاں قدرتی برت کثرت سے دستیاب ہو سکتا ہے وہاں مچھلی وغیرہ کو برت میں رکھنا معمولی بات ہے۔ بھٹی کی مشہور مچھلی جس کو پام فریٹ کہتے ہیں؛ اسی طرح برت میں رکھ کر بھٹی سے باہر بھیجی جاتی ہے۔ اسی اصول کے مطابق امسال ہندوستان کا مشہور میوہ آم ولایت کو روانہ کیا گیا اور بڑی قیمت سے ولایت میں فروخت ہوا۔ بھٹی کا مشہور آم (الفانسو) ہا پوس وغیرہ ایک مشین میں جس کو کیلوی نیٹر (Kelvinator) کہتے ہیں یا اسی قسم کا کوئی اور آلہ یا (Ice chamber) برت کی کوٹھری میں رکھ کر ولایت روانہ

کہیے گئے۔ اس مشین کی حرارت ایسی ہوتی ہے کہ اگر اس میں معمولی پانی رکھ دیا جائے تو وہ بڑھتا ہوا بن جاتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خرابی پیدا کرنے والی چیز خواہ وہ خمیر ہو یا پھپھوند وغیرہ ہو کسی چیز کو اس وقت تک خراب نہیں کر سکتی جب تک یہ چیز بالکل خشک ہے یا یہ بڑھتا رہتا ہو۔ ان دو صورتوں میں خمیر وغیرہ کا اس پر کچھ برا اثر نہیں ہوتا اور یہ عرصہ دراز تک اچھی حالت میں محفوظ رہ سکتی ہیں۔ خشک آٹے میں کبھی خمیر کا اٹھنا نہیں سنا سکر اس کو پانی سے گوندھا جاتا ہے تو اس میں خمیر اٹھ آتا ہے اور اس کی روٹیاں اچھی ہوتی ہیں لیکن اگر خمیر حد سے زیادہ ہوا تو روٹی بد ذائقہ اور قروش ہو جاتی ہے اس لیے خمیر ہمارے لیے مفید بھی ہوتا ہے اور مضر بھی۔ ہم کو اس کے منافع سے فائدہ اٹھانا ہے اور اس کی ضرورتوں سے بچنا چاہئے۔

سائنس یہ کہتی ہے کہ یہ خمیر اور پھپھوند جس کو خرابی کا باعث سمجھا جاتا ہے یہ کسی جاندار چیز کے وجود سے پیدا ہوتا ہے اور ہوا، نمی اور دیگر غذاؤں کی موجودگی میں بڑی سرعت سے ترقی دینے والی طرح بڑھتے رہتے ہیں۔ مگر ان کی بقا کے لئے نمی، تری اور ہوا کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ ان کی بقا کی ضرورت کے اسباب میں سے کسی ایک چیز کو کسی ترکیب سے بلند کر دیا جائے تو ان کا جینا دشوار ہو جاتا ہے۔ خمیر کا آٹا زیادہ عرصہ تک نہیں رہ سکتا مگر خمیری روٹیاں خمیر کے آٹے کے مقابلہ میں زیادہ تھیر سکتی ہیں۔ اسی طرح مرغی کے اڈے بھی عرصہ دراز تک اچھے نہیں رہ سکتے اور گلے ہو جاتے ہیں لیکن اگر وہ گڑک مرغی کے نیچے رکھ دیے جائیں تو اکیس بائیس روز میں ان میں

سے بچے نکل آتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ گرمی، حرارت، یا سورج کی تپش حیات کے لیے کس قدر ضروری ہے اور قدرت کی ایک بے جان چیز میں جان تال دیتی ہے۔ اگر اندوں کو مرغی کے جسم کی حرارت ایسی جگہ یا کسی ایسے آلہ میں جس میں مرغی کی حرارت کسی ترکیب سے قائم رکھنے کا انتظام ہو سکتا ہے رکھا جائے تو اندوں میں سے بلا مرغی کے بٹھائے بچے نکل سکتے ہیں اور اسی اصول پر ولایت والوں نے وہ مشین یا آلہ ایجاد کیا ہے جس کی امداد سے بلا مرغی کے اندوں سے بچے نکالے جاتے ہیں —

قدرت کی چیزوں کے خراب ہونے اور بگڑنے کے اسباب اور ان کی روک تھام کے موئے موئے اصول اس لیے بیان کئے گئے ہیں کہ کہاں جو قدرت کا ایک عجیب کرشمہ ہے، اس کو یہ سب مشکلات پیش آنے والی ہیں۔ ان کا حل کرنا اور کہاں کو زیادہ کارآمد بنانا اصلی مقصد سمجھنا چاہئے۔ چرم خام سے لے کر پختہ چمڑا ہونے تک اس کو مہینوں روزانہ خمیر اور پھپھوند وغیرہ سے سابقہ پڑتا رہے گا۔ مہینوں اُن کے مضر اثر سے بچا کر اس کو کارآمد بنانا اور اس گردش میں جہاں اور جس صیغہ عمل میں خمیر وغیرہ سے مفید یا مضر کا سامنا پڑے اُس سے بچنے اور فائدہ اٹھانا ضروری سمجھنا چاہئے —

انہیں اصول کے مطابق ہم کہاں کی حفاظت کرتے ہیں تاکہ یہ خراب نہ ہونے پائے۔ شکر کی چاشنی، شہد اور تیل وغیرہ اس قدر قیمتی اجزاء ہیں کہ ہم کسی حالت میں ان سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ آگ پر رکھ کر خشک کرنا کہاں کو تباہ کرنے سے کسی طرح کم نہیں اور برے میں رکھ کر اس کو خرابی سے بچانا خیال خام سے زیادہ وقت نہیں رکھتا —

تجارتی اصول کی بنا پر ملک کی وہ چیز جو افراط سے ملک میں پیدا ہوتی ہو ، اور نہایت کم قیمت سے ملتی ہو اس کو کام میں لانا یہی کامیابی کا پہلا ذیلہ سمجھنا چاہئے ۔ اس لیے کھانے کا نمک ، کھاری نمک ، اور ریہہ \* ( ریو ) وغیرہ جو نہایت کثرت سے ہندوستان میں پیدا ہوتی ہے ان کا استعمال زیادہ مفید معلوم ہوتا ہے ۔ کھانے کا نمک اور کھاری نمک کھال میں سے پانی اور رطوبت کو کھینچ کر نکال دیتا ہے اور یہ دونوں کھال میں خرابی پیدا کرنے والی چیزوں کے لیے ایک حد تک قائل ثابت ہوئے ہیں ۔ کھاری نمک یا پتھہ کے نمک میں جزو اعظم ایک دوا ہوتی ہے جس کو سوڈیم سلفیٹ ( Soaium sulphate ) کہتے ہیں — کھال کو کئی طرح سے نقصان پہنچتا ہے مگر خاص طور پر دو قابل ذکر معلوم ہوتے ہیں ۔ ایک وہ کرم یا کیتڑا جس کو معمولی طور سے دیکھہ کہتے ہیں دوسرے وہ کرم جن کو بلا اسدک خوردبین نہیں دیکھہ سکتے ۔ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ اگر کھال کی دیکھہ بھال وقت پر نہیں کی گئی تو اس کو کرم کھا جاتے ہیں اور کھال خراب ہو جاتی ہے ۔ اس لیے گودام میں عام رواج ہے کہ مال کی صفائی رکھی جاتی ہے ۔ ورنہ مال کرم خوردہ ہو کر کم قیمت کا ہو جاتا ہے ۔ اسی وجہ سے فرسہ وغیرہ کے مال کو سردی کے موسم میں ہوا اور صبح کی دھوپ میں بانس کے

\* یہ وہ مٹی ہے جس کو دھوبی لوگ کیتڑا دھرنے میں استعمال کرتے ہیں اور سردی کے موسم میں ندی ، نالوں کے کنارے کثرت سے سپرد برف کے جیسے زمیں کے اندر سے باہر کی سطح پر جمع ہوتی ہے —



چوکھٹے پر تان کر خشک کر لیا جاتا ہے اور خوب اچھی طرح خشک ہو جانے کے بعد اس کو سنگھٹے کے پانی میں غوطہ دے دیا جاتا ہے کہ کرم اس کو کھا کر نقصان نہ پہونچائے اور جو کرم اس کی جرأت کرے ان کو سنگھیا ہلاک کر دیتا ہے ۔ وہ کرم جن کو دیکھ نہیں سکتے وہ نمی نہ ہونے اور سنگھیا اور کھاری نمک وغیرہ کی وجہ سے پیدا نہیں ہو سکتے ۔ لیکن جہاں کھال میں کسی قسم کی نمی آئی اور یہ تقویٰ دل اس پر قوت پڑتا ہے —



## تعلیل و عظمت کا جی دی نظریہ

از

( جناب معتمد زکریا سائل صاحب )

حجم دساغ سے ذکاوت | عوام میں یہ خیال بہت زیادہ رائج ہے کہ حجم دساغ کو کوئی علاقہ نہیں | اور ذکاوت کے مابین نمایاں ترین علاقہ ہے ' عوام ہی نہیں بلکہ بعض متعلم بھی اس خیال کے موید نظر آتے ہیں ۔ یہ لوگ اس پر یقین رکھتے ہیں کہ انسان کا دساغ جتنا بڑا ہوگا اتنی ہی اس کی عقل قوی اور بڑی ہوگی ۔ ”سو بڑا سردار کا“ ایک پرانی ضرب المثل ہے ! اس کی عمارت بھی تقریباً اسی خیال پر قائم ہے ۔ رہا امثال و شواہد کا معاملہ تو بظاہر بہت سی مثالیں اس خیال کے صحیح ہونے پر دلالت کرتی ہیں مگر ساتھ ہی بہت سی مثالیں ایسی بھی ہیں جن سے اس کی کوئی تائید نہیں ہوتی ۔

دنیا میں عظمت و ناموری کا راز معلوم کرنے کے لیے ہمہ حاضر کے مفکر علما نے پیہم کوششیں کیں اور آخر اس کی لم ہی معلوم کر کے چھوڑی اور تحقیقات سے ثابت کر دیا کہ عاسی اور عالم کے دساغوں میں نہایت واضح فرق پایا جاتا ہے ۔

اس سلسلہ میں یہ بھی واضح ہو گیا کہ فرق خواہ کتنا ہی نمایاں

ہو، اس کا تعلق حجم دماغ یا تلافیف دماغ ( دماغ کی لپیٹیں ) ( Convolutions ) سے کوئی نہیں۔ برخلاف اس کے دماغ میں پہنچنے اور اس کا تغذیہ کرنے والے خون سے اس فرق کو نہایت قوی علاقہ ہے۔ خون کی یہی مقدار یا کمیت ممتاز ذکاوت کا سبب واضح کرتی ہے اور کسی شخص میں دوسروں سے زیادہ جو خاص قابلیت یا کمال پایا جاتا ہے اس کا راز فاضل کرتی ہے۔

جن علما نے دماغ اور ذکاوت و عظمت کے باہم تعلق کا علم حاصل کیا ان میں ڈونالڈسن سب سے پیش پیش ہیں۔ یہ فیلاتو لگیا کے ویسٹر کالج میں علم تشریح کے پروفیسر ہیں۔ انہوں نے کئی سال، متوفی علما کے دماغوں کا مطالعہ کرنے میں گزارے اور عام اشخاص کے دماغوں سے مقابلہ کر کے ان کا فرق اور عظمت کا سبب معلوم کرنے کی کوشش کی۔ ان کا دستور تھا کہ وہ ان دماغوں کے مقیاس و اوزان، ان کی شکلیں اور ان میں پہنچنے والے خون کی مقدار وغیرہ پر غور کیا کرتے اور علمی نقطہ نظر سے ہر بات کی تحلیل و توجیہ کرتے۔ آخر وہ اپنی اس مسنت میں کامیاب ہوئے اور انہیں قطعی طور پر یہ معلوم ہو گیا کہ جو خون دماغ کو لپیٹنے والی غشاء و عائی (جوت دار جہلی) اور جہل شوکی (وہ نکاس جو مہروں کی پشت پر کانتے کی شکل کا ہوتا ہے Spine) کے واسطے سے دماغ میں پہنچتا ہے اور جسے اطباء کی اصطلاح میں غشاء لین \* یا ام رقیق (Piamater) کہتے ہیں، وہی خون عظمت و ذکاوت کا باعث ہوتا ہے۔ یہ غشاء نہایت باریک شفات اور

---

\* غشاء لین دماغ کے نرم ارد باریک پردہ کو کہتے ہیں جو بھیجے کے اوپر

سگریٹ کے کاغذ سے زیادہ پتلا ہوتا ہے اور پورے دماغ پر اپنے ابھاروں کے ساتھ چھایا ہوا ہوتا ہے اور جو خون اوعیہ دسویہ (خون پہنچانے والے جوت) سے اپنی جانب کھینچتی ہے اسی سے دماغ کا تہذیبہ کرتی ہے —

اگر بچہ پورے یا گوسالہ کے دماغ کو چیر کر دیکھا جائے تو اس میں جیسے ہونے خون کی باریک باریک پھتکیاں ملیں گی اور ان میں سے کسی کو جدا کرنے کی کوشش کی جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ پھتکی ایک باریک تانت کے ذریعہ سے اور پھتکیوں سے بندھی ہوئی ہے۔ یہی غشاء لین ہے جس کے تمام تار باہم جڑے ہوئے ہیں اور ان کے مجموعہ سے نہایت فزک پردہ سا بن جاتا ہے۔ اسی میں وفات کے بعد خون کی ننھی ننھی پھتکیاں موجود ہوتی ہیں —

ڈاکٹر رونالڈسن نے ایک مردہ شخص کے دماغ پر تحقیقات کرتے ہوئے، غشاء لین کو علیحدہ کر کے ایک طرف رکھ دیا تاکہ دماغ کے دوسرے حصوں پر کام کرنے کے بعد اس غشاء پر خصوصیت سے غور و خوض کریں —

اس موقع پر ڈاکٹر نے جدید علمی تحقیقات اور اس کے مسلمات سب کو پیش نظر رکھا۔ ڈاکٹر کو معلوم تھا کہ غشاء مذکور میں اوعیہ دسویہ (تجاریف خون) کی ترتیب، اشخاص کے اختلات سے مختلف ہوتی ہے اور اس اختلات کا ایک خاص مقصد ہوتا ہے۔ حقیقت میں مطلق دلائل ہمیں یہ تسلیم کرنے پر مجبور کرتے ہیں کہ دماغ جن مختلف مادوں سے مرکب ہے ان مادوں کو دماغ کے حجم و شکل میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اور قرآن بھی سب اس پر دلالت کرتے ہیں کہ خون ہی وہ قوت ہے جس پر دماغ کی حرکت و حیات منحصر

ہے۔ اسی لیے جو عوامل و اسباب دماغ میں خون پہنچاتے ہیں انہیں نظام جسم میں نمایاں حیثیت دی جاتی ہے۔ دماغ کی نسبت سے خون کی جو قیمت ہے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اگر دماغ سے خون نکال لیا جائے تو بے ہوشی واقع ہو جاتی ہے۔ اور آدمی ہر طرح بے ہوش ہو جاتا ہے۔

ڈاکٹر ہیڈز نے ترکیب اومیہ دماغ کی تحقیق کی تو اس ترکیب اور قول عقلیہ کے درمیان بڑا علاقہ معلوم ہوا۔ یہ امر خوب واضح ہو گیا کہ جب یہ قوی اعلیٰ و اکمل ہوں گے تو غشاء لپن میں اومیہ دومیہ کی ترکیب ضرور پیچیدہ اور بہت باریک نظر آئے گی۔ اور جب اومیہ دومیہ زیادہ و پیچیدہ ہوں گی تو اعصاب کے خلیوں کا تغذیہ بہت کافی اور اتم ہوگا۔

ان تمام حقائق کو سامنے رکھ کر ڈاکٹر روفالڈسن نے یہ مطلق نتیجہ نکالا کہ ”دماغ جسم کے ہر حصہ کی طرح اسی وقت بہت اچھا کام کرتا ہے جب اس کا تغذیہ کرنے والے خون کی مقدار بہت ہوتی ہے“ بالفاظ دیگر ”خون اور قوت عقل کے مابین جو علاقہ قائم ہے“ اس کا انکار ناممکن ہے۔“

اب ایک اور مفروضہ پر نظر کرنا ضروری ہے جو یہ ہے کہ مادہ کی کمیت میں نہیں بلکہ خود مادہ دم کی ترکیب میں قوت عقل کے ساتھ مضبوط اور گہرا تعلق پایا جاتا ہے۔ بعض علما نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ دماغ جو خون حاصل کرتا ہے وہ اعصاب دماغ کے خلیوں میں نمایاں طور پر اثر انداز ہو کر اس میں واضح ترین تغیرات کا باعث ہوتا ہے اور یہ تغیرات، وظیفہ دماغ کے تغیرات سے بالکل متفق ہوتے ہیں۔

مگر اس تمام تحقیق و تلاش کے باوجود، یہ تسلیم کرنا ناگزیر ہے کہ نتیجہ کے لحاظ سے ہلوز اس منزل کی طرف پہلا قدم ہے اور علم یا سائنس غشاءلین (Piamater) میں ارمیہ دسویہ کی تعداد بڑھانے سے عاجز نظر آتا ہے۔ اب تک صرف اتنا ہوسکا ہے کہ خون کے خلیوں میں پھنسنے اور اس کو بہتر بنانے والے خون کی نوعیت بہتر کرنے کے لیے مواد غذائی معین کر دیے گئے۔ اس سے زیادہ کوئی خاص فائدہ حاصل نہ ہوسکا۔

اس موقع پر یہ بیان کر دینا بھی ضروری ہے کہ علمائے فراست کا کچھ مدت پہلے تک عقیدہ تھا کہ بعض لوگوں کے دماغوں میں دماغ کے تمام ابھاروں اور قہعدو \* (کدی کی ہڈی) کے ساتھ قوالے عقلیہ کے رقبہ کا نہایت قوی اکاؤ دیکھا جاتا ہے۔ مگر ان کا یہ عقیدہ جو بالے تحقیق مفکرین کے لیے کافی نہ تھا اس لیے انہوں نے بحث و تفحص سے افراد کے مابین قوالے عقلیہ کے فرق معلوم کرنے کی مہم جاری رکھی۔

علمائے اس گروہ کے مقابل ایک مخالف گروہ بھی تھا۔ جس نے انیسویں صدی کے نصف اول میں کوشش کی تھی کہ کاسٹ سر کی شکل اور قوالے عقلیہ کے درمیانی تعلق کو دلائل سے ثابت کرے۔ اس گروہ کا پیشوا ”فرانز جول“ تھا۔ اس نے کاسٹ سر کے ساتھ کھوپڑی کے تمام ابھاروں کو بھی اس تعلق میں شریک کر دیا تھا۔

اس کا مقولہ تھا کہ کھوپڑی کے بالائی ابھار دماغ کے اندرونی ابھاروں کے مقابل ہیں اور ہر ابھار کا ایک فرض یا عمل مقرر ہے۔ مگر فرانز

جول اور اس کے گروہ کی کوششیں مشکور نہ ہوئیں اور یہ نظریے جہور علما کے نظر میں قابل قبول نہ تھے۔ تاہم فرانز جول کی جدوجہد سے یہ فائدہ ضرور ہوا کہ علماے فراست کی توجہ بجائے چہرے کے دماغ پر مبذول ہو گئی۔

جب فرانز جول والا گروہ اپنی نوبت پوری کر چکا تو اس گروہ کے علما میدان میں آئے جس نے دعویٰ کیا کہ دماغ کے وزن اور قوای عقلیہ میں شدید علاقہ ہے۔ اس لئے دماغ انسانی جتنا وزنی ہوگا اقلی ہی اس کی عقلی قوتیں زیادہ اور قوی ہوں گی۔ یہ نظریہ حالات کے زیادہ مطابق تھا۔ ایسی صورتیں بہت رونما ہوتی تھیں جن سے اس کی تصدیق ہوتی رہتی تھی مگر چونکہ مستحکمیات کی بھی کثرت تھی اس لئے علما اس کی صحت و صداقت میں شک کرنے لگے۔ مثالیں دیکھتے تو دونوں طرح کی ملتی ہیں۔ جیسے لارڈ بیرن جو انگلستان کے چوٹی کے شاعر تھے ان کا دماغ بہت بڑا تھا، اس کے مقابل نیپولین اور اناطول فرانس وغیرہ عظامے تاریخ کے دماغ چھوٹے تھے۔ لوئیسیس اگا سیز مشہور امریکی سائنس دان کا سر بڑا تھا۔ لیکن جب وہ مرا اور اس کے دماغ کو تو لا کیا تو نہایت ہلکا اور خفیف وزن نکلا۔

اس کے بعد اس نظریہ کی باری آئی جو "نظریہ تلافیف دماغ" یا دماغ کے اپیتوں والا نظریہ کہے جانے کا مستحق ہے اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ دماغ کی تلافیف جس قدر زیادہ اور پیچیدہ ہونگی اسی قدر قوای عقلی ترقی یافتہ اور کامل ہوں گے۔ مگر اس نظریہ کی نسبت بھی یہ لکھنا ناگزیر ہے کہ بعض حالات میں اس کی تصدیق ہوتی ہے اور بعض میں نہیں ہوتی۔

ان سب نظریوں کے بعد جو نظریہ قائم کیا گیا وہ بہت عظیم الشان ہے اور اب تک نہایت اہمیت سے دیکھا جاتا ہے۔ اس کی اصل یہ ہے کہ دماغ میں چند مرکز ہیں اور ہر مرکز کا ایک کام یا وظیفہ معین ہے۔ مثلاً ایک سماعت کے لئے ہے، ایک بصارت کے لئے ہے، ایک گویائی کے لئے، ایک حافظہ کے لئے ایک زبانیں سیکھنے کے لئے ہے۔ اسی پر اور قوتوں کو قیاس کر لیجئے۔

جب سے یہ نظریہ وجود میں آیا ہے بہت سے لوگ سرنے سے پہلے وصیت کرنے لگے ہیں کہ ہمارے دماغ بعد وفات علمی اداروں کو دے دئے جائیں تاکہ علما ان کا مطالعہ و تحقیق کر کے فرق مراتب عقل کا راز معلوم کریں۔ اس نوع کے مطالعہ و تحقیق کے لئے آج کل یورپ و امریکہ میں متعدد ادارے کھل گئے ہیں جن کا خاص کام دماغ پر تحقیقات کرنا ہے۔ ان میں سب سے بڑا ادارہ کورنیل یونیورسٹی امریکہ کا ہے اور اسی کے برابر و ستر کالج کا ادارہ تحقیقات دماغ ہے۔ اسی آخر الذکر ادارہ میں ڈاکٹر ڈونالڈسن نے اپنی تحقیقات جاری کی جس کے ذکر میں یہ مضمون مرتب کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر موصوف نے بہت سے عضلا کے دماغوں پر تحقیقات کی، ان کا وزن کیا، ان پر قیاس درجایا، ان کی ترکیب اور اپیتوں کا مطالعہ کیا، جعبوں اور شکلوں پر غور و فکر کر کے نتیجے نکالے۔ اس تمام جد و جہد کے بعد انہوں نے یہ عقیدہ قائم کیا کہ تمام قرینے اس پر دلالت کرتے ہیں کہ جو عامل یا سبب قوالے عقلیہ میں کار فرما ہو کر انہیں ضعیف یا قوی کرتا ہے وہ اسی خوں کی مقدار ہے جو غشائے لہن میں اوعیہ دومیہ کے واسطہ سے دماغی خلیوں کا تغذیہ کرتا ہے، ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ بعض دماغوں کا ثقل ان دماغوں کے اعصابی خلیوں کے ثقل سے پیدا ہوتا ہے۔ اور بعض



دماغوں کے حجم کی بڑائی انہیں اسبابِ نہو کی کثرت کی دلیل ہے اور دماغ یا کاسہ سر کے بھاری ہونے سے قوالے عقلیہ کو ذرا بھی نسبت نہیں ہے۔ برخلاف اس کے قوالے عقلیہ کا گہرا تعلق اس خون کی مقدار سے ہے جو غشائے لپیں کے ارمیہ د مویہ کے ذریعہ سے دماغ کا تغذیہ کرتا ہے۔

(ماخوذ)

—\*—

## دل چسپ اقتباسات

ریڈیم اور اس کے معیر العقول کر رہے

جدید انکشافات کی موجودہ رفتار کی بنا پر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ہمارے اس بے حقیقت سیارے پر ہی خدا کے بے شمار عطیوں میں سے کوئی ایسی شے ہاتھ نہ لگ جائے گی جو زندگی اور موت کے مسئلوں کو یکسر بدل دے۔ ہم نے جن چیزوں کو سلسلہ اور واجب سمجھ کر اپنے افعال کو ایک نہج پر ترتیب دیا ہے ممکن ہے کہ کسی فنی دریافت کی روشنی میں ان میں ایک انقلابی تغیر لازم آجائے۔ اس سلسلہ میں سر فریڈرک ہاپکنس کے الفاظ قابل توجہ ہیں جو انہوں نے مانتھورٹ ہال میں برطانوی سائنٹفک ایسوسی ایشن کو خطاب کرتے ہوئے اپنے صدارتی خطبہ میں فرمائے۔ حیاتی کیمیا (Biochemistry) کی جدید ترین تحقیقات ہر سمت میں ترقی کر رہی ہے۔ انسانی اغراض و مقاصد پر اس کا اثر بہت واضح ہوگا..... جہاں جدید سائنس فلسفہ کے ساتھ ہم آہنگ ہوتی ہے وہاں ان امور پر چلک معرکہ الارا مقالات میں بدکھا یا گیا ہے کہ انسانی ذہن اور نفسیاتی عمل طبیعیات کے ساتھ کس حد تک وابستہ ہیں اور خود خدا کی ذہنی تشکیل پر ظن آراں کہاں تک ممکن ہے۔ حیاتیات کے علم اور عمل کا تعلق جو معاشرتی ترقی کے سلسلہ میں نہایت اہم ہے افسوس ہے کہ اب ہوی توجہ کا محتاج ہے... .. جو اوک تغذیہ اور صحت پر چٹان بین کر رہے ہیں عرصہ ہوا اس نتیجہ پر پہنچ چکے ہیں کہ انسان کے لئے سب ترین یا مفید ترین غذا اب تک دریافت

فہمیں ہوئی۔ یہ کہ النسب غذا وہ ہوگی جو انعطاط اور فنا کا سد باب کرے بالکل قرین قیاس ہے۔ نسل کا موجودہ تغذیہ کے ساتھ اب تک چلے جانا کوئی دلیل نہیں کہ آئندہ ترقی کی گنجائش نہیں —

زندہ اجسام پر کیمیائی ترکیب کا اثر بہت دور رس ہے اور انکشاف کا میدان نہایت وسیع۔ اس بنا پر کچھ بعید نہیں کہ کسی نئی تحقیق پر ہمارا زاویہ نگاہ زندگی اور اُس کے لوازم کی بابت بالکل بدل جائے۔ ہم ساری اشیا کے خواص اور اُن کے کیمیائی امکانات اس قدر محدود طور پر جان سکے ہیں کہ کوئی تعجب نہیں کہ حوادث کے مقابلہ میں ہماری بے بسی ویسی ہی ہے جیسی مثلاً دو ہزار برس قبل تھی۔ دنیا ایک غیر محدود معمل ہے اور انسان محقق۔ کسر صرف اتنی ہے کہ محقق کو اشیا کا باقاعدہ جائزہ نہیں دیا گیا۔ لہذا اُسے جو کچھ مشاہدات اور تجربات کرنا ہیں اپنی اراکے تحریک سے کرنا ہوں گے اور نتائج میں کامیابی اُسی حد تک ہوگی جس حد تک معمل کے ارکان معملی ضوابط پر کاربند ہوں گے۔ تجربات کا منشا انسانیت کی تکمیل ہے —

موجودہ صدی کے فکشافات میں سے فضا کی تسخیر کے علاوہ کوئی انکشاف اس قدر حیرت انگیز نہیں جتنی ریڈیم کی دریافت، جسے سنہ ۱۸۹۸ ع میں پروفیسر وینڈیم کیوری نے حسب اتفاق معلوم کرلیا۔ اس طرح اگرچہ اس کا راز اُنیسویں صدی کے آخر میں کھلا لیکن چونکہ اس کے مختلف خواص بتدریج ہی حاصل ہو سکے۔ ہیں اس لیے فی الحقیقت اُسے بیسویں صدی سے منسوب کرنا زیادہ مناسب ہوگا۔ ریڈیم کے متعلق ہم طور پر لوگ صرف دو باتیں جانتے ہیں۔ ایک تو اس کی کیمیائی اور بیش قرار قیمت، دوسرے اس کی مخصوص حدت۔ لیکن اس کے امکانات اور دیگر خواص سے ماہرین اور اہل سائنس کے

علاوہ کم لوگ واقف ہیں لہذا اس عجوبہ روزگار معدنی جوہر کے متعلق یہ چند سطور دلچسپی سے خالی نہ ہوں گی —

حقیقت یہ ہے کہ رنٹگنی ( Rontgen ) شعاعوں کی دریافت کے بعد سے اہل فکر ریدیو کے عمل تابکاری ( Radio activity ) کی بابت نئے نئے امکانات پر طعن آرائی کرنے لگے اور بالآخر پروفیسر کیوری نے تابکاری کے اس عظیم الشان خزانہ سے دنیا کو روشناس کرایا ۔ یہ ایک تابکار دھات ہے اور برخلاف نور کی اور شکلوں کے اس میں اس قدر طاقت ہے کہ کثیف ( Opaque ) اجسام میں سے روشنی اور حدت گزار دیتی ہے ۔ تابکار اشیاء بعض اور بھی ہیں مثلاً تھوریئم اور یورانیم ۔ مگر یورانیم ہماری بحث کے سلسلہ میں اس لیے کار آمد ہے کہ ریدیئم کا وجود اُن ہی مادی ذخائر میں ہوا جن میں اس نے معینہ اجزا شامل ہوں گے ۔ چنانچہ فی الحقیقت یورانیم وہ عنصر ہے جو تابکاری کا ماخذ ہے ۔ اس گراں قدر دھات کے ذخائر اس قدر جستجو اور کاوش و محنت کے بعد ملتے ہیں کہ ۱۵ ہزار پونڈ فی گرام بھی یقیناً اس کے لیے کم قیمت ہے ۔ زیکو سلاقیہ ، وسط افریقہ ، آسٹریلیا کو لوروتو اور پرتگال میں بعض خام معدنیات ہوتے ہیں جن سے یورانیم اور بالآخر ریدیئم حاصل ہوتے ہیں ۔ اور ۶ ٹن یا ۱۶۵ من خام دھات میں سے سات کلو گرام پر ایک گرام ریدیئم نکل سکتا ہے ۔ لیکن عملاً ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ کسی معدنی ذخیرہ میں ۵۰ فی صدی یورانیم موجود ہو ۔ چنانچہ خام دھات کے ۱۰ ٹن ( ۲۷۵ من ) میں بھی اگر گرام بھر ریدیئم برآمد ہو جائے تو اس ذخیرے کو غنیمت سمجھا جاتا ہے اور بعض اوقات دوسو ٹن میں سے ایک گرام بھی نکل آئے تو اس معدن پر کام کیا جاتا ہے —

ریدیئم نکالنے کے طریقوں میں اب تک کوئی مزید ترقی نہیں ہو سکی ۔ اسی

لیے یہ عوام کی دسترس سے باہر ہے اور انسان کی زندگی اس سے کافی طور پر مستفید نہ ہو سکی —

ریڈیم کی شکل کیا ہے؟ یہ ایک سیسہ کی فلکی میں رکھا جاتا ہے جس کے اندر کی جانب ایک باریک سا شیشے کا پردہ ہوتا ہے۔ یہ شیشہ سیوریہن والا ہوتا ہے اور اس کے اندر آلپین کے سرے کی برابر ایک مدہم پیلی روشنی ہوتی ہے۔ یہ ہے لاکھوں روپیہ کی قیمت کی حقیقت! تاریکی میں یہ روشنی بہت تیز ہو جاتی ہے اور دور سے دکھائی دیتی ہے۔ اس کا نور متزہر یا عارضی نہیں ہوتا بلکہ اشعاعی قوت ہوتی ہے۔ جس میں صدیوں اور قرونوں تک کوئی فرق نہیں آ سکتا بلکہ اپنے محدود وقت کی نسبت سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمیشہ برقرار رہے گا۔ اس میں اتنی حدت ہوتی ہے کہ اسی قدر وزن کے پانی کو گھنٹہ بھر میں اُبال دے گا۔ یہ عمل ہزار برس تک جاری رہ سکتا ہے۔ اس کی حدت تپش کے کسی تغیر کے تحت کیوں نہ دیکھی جائے ہمیشہ یکساں رہے گی۔ لا شعاعوں کی نفوذی طاقت کو سیسہ کی ایک خاص دبازت روک دیتی ہے۔ لیکن ریڈیم کا نور پتھر کی دیواروں اور جہازوں کی فولادی پلیٹوں میں سے بھی نفوذ کر جائے گا۔ کہتے ہیں کہ ریڈیم کے ایک ٹیوب کو انسانی درد کو دور کرنے کے لیے پچاس نسلوں تک کام میں لایا جاسکتا ہے۔ اس زبردست قوت سے انسانی زندگی میں کس قدر انقلاب ہو سکتا ہے۔ قیاس کرنے کی بات ہے —

فی الحقیقت ریڈیم کے شفا بخش عمل کے ساتھ جو وہ زندہ اجسام پر کرنے کے قابل ہے بڑی بڑی امیدیوں وابستہ کی جا رہی ہیں۔ اس وقت تک تمام عالم کے جید اطباء اور حفظان صحت کے ماہرین سلطان کے سرس کو لا علاج سمجھتے رہے ہیں اور اس سے شفا یا بی تقریباً محال سمجھی گئی ہے

لیکن ریڈیم کے ماہرین نے بالآخر موت کے اس زبردست گھاٹہ کو بھی مسخر کر لیا اور خون کی تحریک و تولید سے قطع نظر درد اور تکلیف کو بالکل زائل کر دیا ہے۔ چنانچہ انٹر عمل جراحی کی ضرورت اس کی وجہ سے دور ہو گئی۔ مضر اندرونی ہالید کی ہر اس کا اثر فوری ہوتا ہے حالانکہ دوسرے حصوں کو ساڑت ہونے سے روکنا اب تک ممکن نہیں ہوا۔ گوشت خور (Rodent ulcer) کے علاج میں ریڈیم کو نمایاں کامیابی حاصل ہوئی ہے اور فی الحقیقت وہ ماہرین طب ہمارے شکر یہ کے مستحق ہیں جو مختلف انسانی کھزوریوں پر اس کو آزما رہے ہیں۔ ممکن ہے کہ مستقبل قریب میں شاندار نتائج پیدا ہوں — مگر انسانی کھزوریوں کے علاج کے مساوا تندرست جسموں پر اس کا عمل زیادہ بار آور ہوگا۔ حال ہی میں یہ بات منکشف ہوئی ہے کہ کولورو تو میں ریڈیم کی کانوں میں کام کرنے والے مزدور عموماً نہایت تندرست رہتے ہیں۔ ایک امریکن طبی ماہر نے کئی سال تک اُس مقام پر اپنے مشاہدات قائم رکھے اور آخر کار اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ کان کلون کی عہدہ صحت کا راز یہ ہے کہ اُس مقام کے پانی میں ریڈیم کا خفیف اثر آگیا ہے۔ اس دریافت کے بعد سے ماہرین نے ریڈیم زدہ گولیاں اور تکیاں تیار کی ہیں کہ استعمال عمر رسیدہ اور ضعیف اشخاص کے لیے نہایت مفید اور صحت بخش ثابت ہوا۔ بعض صورتوں میں برسوں کا درد کچھ دنوں کے استعمال سے رفع ہو گیا۔ مریض کی بھوک بھل گئی اور زندگی کے نئے ولولے پیدا ہو گئے۔ بالفاظ دیگر شباب کا دوبارہ حاصل ہونا اور برقرار رکھنا اس کی بنا پر قرین فہم ہو گیا ہے۔ ممکن ہے کہ آئندہ ریڈیم اور خدود کے ایک مشترکہ طریقہ علاج سے ہم اسی برس کے نوجوان پیدا کر سکیں۔ اس کو بیجا امید پر مسمول نہ کرنا چاہئے۔ آج جو باتیں ہم دیکھ رہے ہیں

سن رہے ہیں اگر پچاس برس اُدھر کسی پرجوش فردائی سے کہتے تو وہ بھی ہمیں 'بیوقوفوں کی بہشت' کا مستحق قرار دیتا۔ حقیقت میں مستقبل کے امکانات کی کوئی حد بلدی نہیں کر سکتا —

قیمتی پتھروں اور جواہرات پر ریڈیم کا عمل اور زیادہ حیرت انگیز ہے۔ لعل، پکھراج، فیلم وغیرہ کے معمولی رنگ بوجہ اندرونی ٹوٹوں کے ایسے معلوم ہوتے ہیں ورنہ خالص ہونے پر اُن کی آب و تاب نہایت نظر فریب ہوتی۔ چنانچہ ریڈیم کی شعاعوں سے جب ان کو متواتر جلا دی جاتی ہے تو اندرونی لونی دور ہو جاتی ہیں۔ اُس وقت وہ جواہرات حقیقت میں اپنی قیمت کے اہل ہوتے ہیں —

غرض کہ کوئی کہہ نہیں سکتا کہ ریڈیم کے خواص اُتار دہ کس طور پر افسانہ کی کار براری میں حصہ لیں گے اور طبیعی زندگی کس حد تک اس کی رہیں منت ہوگی۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ جب میڈیم کیوری وغیرہ نے دنیا کے آگے اس گراں بہا کھلونے کو پیش کیا تو اُنہوں نے اپنے ہم نسلوں کی ایک زبردست خدمت کی اور سائنس کی ترقی میں مستقل حصہ لیا۔ ہم خدا کی اس عجیب ترین نعمت سے محض سطحی طور پر آگاہ ہوئے ہیں اور زندگی کے لوازم میں سے صرف چند چیزوں پر اسے تجربہ کیا ہے۔ یقین ہے کہ جتنا زیادہ ہم اسے جانیں گے اُتنا ہی زیادہ حیرت کا مقام ہوگا اور اس درمیان میں دوسری ترقیوں کے دھوے بدھ نہ معلوم کہاں تک پہنچ جائیں گے —

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں

محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا ہے کیا ہو جائے گی

## دلچسپ معلومات

بھینک کی ایجاد | مہوٹا خیال کیا جاتا ہے کہ بھینک جدید تمدن کی پیداوار ہے ، مگر کچھ مدت ہوئی جب ارضیاتی تحقیقات سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ بھینک کا طریقہ قدما میں بھی رائج تھا ۔ عراق میں جو آثار برآمد ہوئے ہیں ان سے پتہ چلا ہے کہ اہل بابل دو ہزار سات سو برس پہلے بھینک کی قسم کا لہن دین کرتے تھے —

ان آثار میں پختہ ایلت کی جو تختیاں لکھی ہوئی دستیاب ہوئی ہیں ان سے استدلال کیا گیا ہے کہ شہر بابل میں ( ۷۰۰ ) سال قبل مسیح ایک بھینک ” ایچی بی اور شرکا “ کے نام سے تھا جو مروجہ بھینکوں سے بالکل مشابہ تھا اس میں حسابات جاریہ ، معاہدات ، دستاویزیں ، حصص وغیرہ سب کی معاملہ ہوتی تھی —

چونکہ اس زمانہ تک کاغذ ایجاد نہیں ہوا تھا اس لیے لوگ پکی ایلت پر عبارت کندہ کر کے حرارت کے ذریعہ سے تحریر کو محفوظ کر لیتے تھے اور دھارت اتلی پختہ اور محفوظ ہو جاتی تھی کہ اب بھی اسی طرح اچھی حالت میں نظر آتی ہے —

دول یورپ میں کتاب کے اوپر بھی بڑی منافست اور سب سے بڑی کتاب | مقابلہ رہا ہے ۔ ہر ایک نے اس کی کوشش کی کہ ہمارے



یہاں سب سے بڑی کتاب ہو —

یہ بڑی کتابیں زیادہ تر تورات و انجیل ہوتی ہیں مگر اب معلوم ہوا ہے کہ جرمنی کی روستوک یونیورسٹی میں جو یورپ کی سب سے پرانی یونیورسٹی ہے ایک کتاب سب سے بڑی محفوظ ہے جس کا طول دو میٹر اور عرض سوا میٹر ہے۔ اس کتاب کو اتنے عمدہ نقش و نگار اور فنی خوبیوں سے مزین کیا گیا ہے کہ اس کا شمار نادر کتابوں میں ہوتا ہے۔ کتاب کی موجودہ زیب و زینت سولہویں صدی کے ماهر دستکاروں کی رہین منت ہے۔ موضوع کے لحاظ سے یہ کتاب مختلف علوم پر حاوی ہے 'جغرافیائی'؛ 'ہندسی'؛ ادبی اور تاریخی معلومات کا اچھا ذخیرہ ہے۔ اس کے اوراق نہایت اچھی حالت میں باریک کپڑے پر چسپانہ ہیں اور اس کی حفاظت کے لیے خاص اہتمام و انتظام کیا جاتا ہے ' اور اسے دیکھ کر وغیرہ سے محفوظ رکھنے کے لیے تازہ ترین ایجادوں سے کام لیا جاتا ہے۔ تاکہ کتاب کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچ سکے —

مچھلیوں کا انجھاہ | مچھلیوں کے متعلق مشہور ہے کہ وہ جم کر برت کے ٹکڑے کی طرح ہوجاتی ہیں اور پھر بھی زندہ رہتی

ہیں۔ اس کے مائلے میں بعض سائنس دانوں کو شک ہوا اور فرانس کے ایک عالم نے میٹھے پانی کی مچھلیاں جمع کر کے ان پر تجربات کیے۔ مچھلی اور برت کو ملا کر ایک ٹکڑا بنا لیا اور مقررہ احتیاطوں کے بعد اُسے توڑا مگر جب برت پگھلی تو مچھلی میں جان آگئی اور تیرنے لگی۔ واضح رہے کہ اس تجربہ میں درجۂ انجھاہ صفر سے نیچے ۲۰ درجہ سے زیادہ نہ ہونا چاہئے —

دساغوں کا عجائب خانہ | وائلا میں ایکو نو مو نام کے ایک ڈاکٹر نے بڑے بڑے عالی دساغوں کے عجائب خانہ | رتبہ آدمیوں کے دساغوں کا ایک عجائب خانہ بنایا ہے۔

اس ڈاکٹر کا یہ کام ہے کہ وہ ماہرین فن، عالمان، ادیبوں اور باکمال جنرلوں اور سیاست دانوں کے دماغ جمع کرتا رہتا ہے۔ جو دماغ اسے ملتا ہے اسے ایک شیشہ کے صلہ و قچہ میں محفوظ کر کے جس شخص کا دماغ ہے اس کا نام اور دماغ کارزن وغیرہ لکھ دیتا ہے اور اس کی بڑی حفاظت کرتا ہے۔ ڈاکٹر ایکونومو کو اب تک کچھ بہت زیادہ دماغ نہ مل سکے۔ مگر اب وہ ہر قوم کے مشاہیر سے سراسر کر کے توجہ دلا رہا ہے کہ وہ لوگوں کو وصیت کر دیں کہ ہمارے مرنے کے بعد ہمارا دماغ اس عجائب خانہ کو بھیج دیا جائے۔ دنیا کی جدت پسندی یقین دلاتی ہے کہ تہوڑے ہی دنوں میں یہ عجائب خانہ بہت وسیع اور قابل دید ہو جائے گا اور لوگ بڑے ذوق و شوق کے ساتھ اس کی سیر کیا کریں گے۔

ابھی ہلدوستان کے لوگ دور حاضر کے سب سے بڑے علمی و قومی رہنما سر سید مرحوم کو نہ بھولے ہوں گے جن کے متعلق عام شہرت تھی کہ بارہا ان کے دماغ کی قیمت لک چکی ہے اور انگریز اس کی بڑی سے بڑی قیمت ادا کرنے کو تیار تھے۔ اسی مناسبت سے جرمنی کے شاعر اعظم ہرماں سو درماں کا تذکرہ بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا جس کے انتقال کو ابھی زیادہ زمانہ نہیں ہوا۔ اس شخص نے انتقال سے پہلے وصیت کی تھی کہ میرا دماغ ”کایزر فہلم“ برلن کے ایک ادارہ کو دے دیا جائے۔ اگر اس وقت واڈنا والا دماغوں کا عجائب خانہ موجود ہوتا تو بلاشبہ جرمنی شاعر کا دماغ اسی کے حصہ میں آتا۔

ولہم ویدماں جرمنی کے ایک ۸۰ سال والے بدھے سگریٹ کے تہوں کا محل | شخص کے دل میں مدت سے دیواروں کو کافدوں

ہے سچائے کا خیال جاگزیں ہے، بہت دن سے وہ اسی مشغلہ میں تھا،

پھر اسے خیال آیا کہ سگریٹ کے تباہوں سے قصر سانسوے کے نمونہ کا ایک محل بنائے جو فریڈوک اعظم نے بو تسدام میں بنایا تھا۔ اس خیال کی تکمیل میں اس کے ۸ سال گزرے مگر آخر وہ اس ارادہ میں کامیاب ہوا اور بالکل اسی نمونہ کا محل تیار کر لیا۔ اس واقعہ سے اس کی مہارت واستقلال کا اندازہ آسانی سے کیا جاسکتا ہے۔

اندھوں کی عینک | ڈاکٹر ولیم فنیلوم امریکی نے سات سال کی مسلسل تحقیق کے بعد دوربین کی ایک عینک ایجاد کی ہے جسے وہ لوگ استعمال کر کے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں جن کی قوت بینائی ۲ فی صدی ہو۔ یہ تسلیم کیا جا چکا ہے کہ جس شخص کی قوت بینائی ۲ فی صدی ہو وہ اندھا شمار کیا جاتا ہے۔

صفر مطلق | درجہ صفر مطلق وہ درجہ ہے جس کے اثر سے ہر حرکت سرد ہو جاتی ہے یہاں تک کہ جوہر فرد اور برقیہ بھی اپنی حرکت کو کھو بیٹھتے ہیں۔ غالباً یہی وہ درجہ ہے جو ابھی تک انسانی دسترس سے باہر ہے۔ یہ دنیا کے کل جوانب اور اجرام فلکیہ کے ہر جرم میں پایا جاتا ہے۔ علما نے صنایعہ تدبیروں سے اسے حاصل کرنے کی کوشش کی تو صرف ۴۵۹۱ فارن ہیت تک پہنچ سکے۔ جو درجہ صفر مطلق ۲۷۳ سلتی گریڈ یا ۴۵۹۱۸ سے سات اعشاریہ کم ہے۔ علما ہلوز تدابیر سے غافل نہیں ہیں اور برابر اسی کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ آخری درجہ اپنے انتہیک تجربات سے معلوم کر لیں۔ اس درجہ کو معلوم کرنے کی زیادہ کوشش اس لیے ہے کہ اس کی بدولت بہت سی علمی مشکلات حل ہوجائیں گی۔ منجملہ ان کے علمی نقطہ نظر سے خلاء تام حاصل کرنا ہے اور سخت اور نہایت مضبوط قسم کا فولاد بنانا مکمل نظر ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت سے

مسائل بھی ہیں جو آخری درجہ صفر مطلق معلوم ہونے پر خود بخود حل ہو جائیں گے۔

یہ مادی عناصر کا اکسٹرواں عنصر ہے جسے علما اب عنصر ایلینیم کی نہ جدا کر سکے تھے۔ حال کی علمی خبروں سے معلوم ہوا ہے کہ پروفیسر سورنسی کوری (پروفیسر کوری سکتشف عنصر ریتیم کے بھائی) نے پروفیسر تکنوریان کی مدد سے عنصر ایلینیم بھی معدود کر دکھایا ہے۔ یہ عنصر ان مشہور عناصر میں سے ہے جو بیش قیمت ارضیات کہے جاتے ہیں، اور معدنی اوکسائیڈ کے مرکبات ہیں۔ اس عنصر کے جو خواص معلوم ہوئے ہیں وہ ریتیم سے بہت مشابہ ہیں۔

حرارت شمس ڈاکٹر چارلس ایبٹ ایک امریکی عالم کا بیان ہے کہ جو حرارت سورج سے پیدا ہوتی ہے وہ آئندہ دو سال میں بہت کم ہو جائے گی۔ یہ کہی اس صدی کے آغاز سے محسوب ہوگی۔ مگر آفتاب کی حرارت کی یہ کہی زمین کے حالات پر کچھ اثر نہ کرے گی کیوں کہ یہ حالات بہت سے دوسرے عوامل و اسباب سے وابستہ ہیں۔

لکڑی کو سخت بنانے کا نیا طریقہ معدنی اشیا کی طرح سخت بنانے کا طریقہ دریافت کیا ہے۔ نرم لکڑی لے کر خاص طریقوں سے اس کے داخلی خلیوں کی تمام ہوا جذب کر لی جاتی ہے۔ پھر ان خلیوں پر میکانیکی طاقت سے دباؤ پہنچا جاتا ہے جس کی بدولت لکڑی نہایت سخت اور ٹوٹنے کی طرح مضبوط ہو جاتی ہے۔ مضافی نہ وہ کہ لکڑی کو سخت کرنے کا ایک طریقہ اور بھی وہاں مشہور ہے اور وہ یہ ہے کہ لکڑی کے ریشے تلے اوپر رکھے کر

ان پر ایک دم زبردست دباؤ ڈالا جاتا ہے جس سے لکڑی نہایت سخت ہوجاتی ہے اور معمولی لکڑی سے بوجھ چند بہتر و افضل ہوتی ہے خصوصاً اس کا وزن نہایت کم ہوتا ہے۔ اور اس طرح بناائی ہوئی لکڑی لوہے پیتل وغیرہ کی مانند اچھی طرح صیقل کی جاسکتی ہے۔

**نور آفتاب** | اب تک علما کا خیال تھا کہ جو روشنی معیط آفتاب سے خارج ہوتی ہے وہ اپنی تابش اور چمک میں مرکز آفتاب سے صادر ہونے والی روشنی کے برابر ہے۔ مگر جدیدہ عالمی تحقیقات اور رصد گاہوں کی رپورٹیں ظاہر کرتی ہیں کہ معیط آفتاب کی روشنی مرکز کی روشنی سے بہت کم زور ہوتی ہے۔

**کوئا قد چھپانزی** | علمائے حیوانیات نے دریائے کانگو کے جنوبی علاقہ میں چھپانزی بندر کی ایک نئی قسم معلوم کی ہے۔ اس صنف کے بندر بہت کوئا قد ہیں۔ چھپانزی بندروں میں ان سے چھوٹا بندر کوئی نہیں ہوتا۔ اس بندر کی آنکھیں اور کان امتیازی طور پر چھوٹے ہیں اور اس کی آواز تمام بندروں کی آواز سے مختلف ہے۔ چند سال قبل بعض امریکی علما نے اس نوع کو معلوم کر کے خیال کیا تھا کہ یہ چھپانزی سے جہا صنف کا بندر ہے مگر جدید دریافت سے یہ خیال دور ہو گیا۔

دستاویزوں کا جعل و فریب آسٹریا کے ایک عالم کیمیا نے دستاویزوں کا جعل معلوم کرنے کا طریقہ سے سرکاری کغذات اور دستاویزوں کا جعل و فریب بآسانی ظاہر ہوجاتا ہے۔ یہ طریقہ آسٹریائی گورنمنٹ کو بہت مفید معلوم ہوا اور وہاں اس قسم کے حوادث میں اسی طریقہ سے کام لیا جاتا ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ دنیا کی تمام روشنائیاں کسی نہ کسی شکل کا کلورائڈ مادہ رکھتی ہیں۔ فرق کمیت کا ہوتا ہے (معمولی فہک بھی ایک کلورائڈ ہے)۔ یہ مادہ ورق میں پھیل کر کاغذ کے خلیوں میں بتدریج جذب ہو جاتا ہے لیکن بعض آنکھ اسے دیکھنے سے قاصر رہتی ہے۔ اگر کسی نوشتہ پر کیمیائی عمل کیا جائے تو کلورائڈ کا اثر ورق پر اتنا واضح ہوتا ہے کہ اس سے تاریخ نوشتہ معلوم کر سکتے ہیں۔ مثلاً اگر تحریر ایک گھنٹہ پہلے کی ہے تو کلورائڈ کے آثار نہایت واضح اور جلی ہوں گے، ایک دن پہلے کی ہوگی تو یہ آثار واضح مگر ان کے خطوط عریض نظر آئیں گے۔ چار دن پہلے کی ہوگی تو غیر جلی۔ اور دو مہینہ یا سال دو سال پہلے کی تحریر پر دوسری علامات واضح طور پر نظر آئیں گی۔ اس طریقہ سے جہل و فریب کا عمل دستاویزوں پر چھپانا بہت دشوار ہو گیا ہے۔

عجیب مرض | امریکہ کے ایک علمی رسالہ کی خبر ہے کہ کیپٹن چارلس مارٹل نام کا ایک ملازم جہاز ایک عجیب مرض میں مبتلا ہو گیا جس نے تمام اطبا کو حیران کر دیا ہے۔ یہ شخص اضافی غدہ درقیہ کے ورم میں مبتلا ہوا جس سے اس کی ہڈیاں چھوٹی ہونے لگیں یہاں تک کہ اس کا قد چند روز میں بارہ انچ کم ہو گیا۔ اس کے بعد اس کی ہڈیوں میں انکسار کی کیفیت بہت بڑھ گئی۔ ذرا سے صدمہ میں ہدی ٹوٹ جاتی تھی۔ تا کثروں نے اس کی ہڈیوں کی اصلاح کے لیے آتھہ عمل جراحی کئے جن میں سے آخر کے چار آپریشن خود کیپٹن مارٹل کی خواہش سے ہوئے کیوں کہ وہ اپنی زندگی سے مایوس تھا اور چاہتا تھا کہ اطبا اس کے عجیب مرض کا راز معلوم کریں۔ اطبا نے اسے ترایا بوی کہ اس صورت میں تم جلد مر جاؤ گے مگر وہ آپریشن کئے جانے پر اصرار کرتا رہا اور

وصیت کی کہ میرا جسم وفات کے بعد کسی طبی ادارہ کو دے دیا جائے۔ بہر حال آپریشن ہوئے اور وہ مر گیا مگر اب تک اطباء اس کے مرض کا راز نہ معلوم کر سکے۔

ذیابیطس کے مریض | کہا جاتا ہے کہ ذیابیطس یا بول شکری کے مریض جن کا علاج انسولین (Insulin) سے ہوا ہے صرف یورپ اور

ولایت امریکہ میں ایک ملین سے زیادہ ہیں۔

دوران خواب میں پرواز | ایک انگریز انجینئر ایدورٹ ہومز نے ایک فنی کے لیے ایک فنی مشین جس کی بدولت طیارچی دوران پرواز میں آرام سے سو سکے گا۔ اور یہ مشین اس کا کام کرتی رہے گی۔ دو فوجی طیارچی جانیورہ اور نیکیولیتز نے اس مشین کا تجربہ کیا اور ہوائی سفر میں نہایت آرام سے سوئے۔ توقع ہے کہ اس ایجاد کا اثر پرواز کے مستقبل پر بہت اچھا پڑے گا۔

بھک سے اڑ جانے والے مادوں | اکثر جرائم پیشہ اشخاص بم اور دوسرے آتشگیر سے بچنے کے لیے لباس

ہیں اور یہ پارسل دوران تفتیش میں ذلتاً بھٹ کر بھک سے اڑ جایا کرتے ہیں۔ اس بلا سے محفوظ رہنے کے لیے برلن میں ایک لباس لباس تیار کیا گیا ہے جسے تاک خانہ کے ملازم مشکوک پارسلوں کے تفتیش کے وقت پہن لیتے ہیں اور حادثہ کے وقت خطرہ سے محفوظ رہتے ہیں۔

امریکہ کی ایک جغرافیائی مہم تحقیقات کی غرض سے | ہرن کی سرعت رفتار | سوئٹزرلینڈ کی سیاحت کر رہی تھی

اتفاقاً ایک ہرن موٹر کے سامنے آئے بھانٹے لگا۔ اس موقع پر ارکان مہم کو اندازہ ہوا کہ ہرن پہلے تین کیلومیٹر مسافت میں ۴۵ کیلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے چلا پھر ۳۳ کیلومیٹر فی گھنٹہ مسافت طے کی اس لیے ہرن کی اوسط رفتار (۲۰) کیلومیٹر کے فاصلہ میں 'فی گھنٹہ ۲۵ کیلومیٹر ہوئی اور موٹر کی متوسط رفتار بھی تقریباً اتنی ہی ہے۔

ایک نئے ستارہ کا انکشاف | حال ہی میں رصد خانہ جوهانسبرگ نے ایک نئے ستارہ کا پتہ لگایا ہے جو ان کے اندازہ میں

زمین سے تین سو ملین کیلومیٹر کی بلندی پر ہے۔ یہ ستارہ بہت چھوٹا ہے، اور اس کا قطر سو میٹر ہے۔ اس ستارہ سے پہلے جو ستارہ دریافت ہوا تھا اس کی مسافت زمین سے ۱۰ ملین کیلومیٹر تھی۔

سزائے قتل کا نیا طریقہ | ولایت نیوٹا کی مجلس داخلی (ہوم تپارٹمنٹ) نے سزائے قتل کے ایک نئے طریقے کو رواج دینے

کی منظوری نافذ کی ہے۔ اور اسے جملہ ممالک متحدہ امریکہ میں بھی رواج دینے کے لیے واشنگٹن کی جنرل کانگریس میں پیش کیا ہے۔

وہ طریقہ یہ ہے کہ واجب القتل مجرم کو وقت و مقام سزا کی اطلاع دیے بغیر ایک آخری تحقیقات اور باز پرس کے بہانہ سے ایک کمرہ میں لے جاتے ہیں جو بہت آراستہ ہوتا ہے اور اس میں بہت سے سہکتے ہوئے پھول گلہانوں میں رکھے ہوتے ہیں۔ مجرم کمرہ میں داخل ہوتے ہی تین ملت کے اندر سو جاتا ہے، مگر یہ خواب حقیقت میں خواب مرگ ہوتا ہے۔ کیونکہ گلہانوں کے پھول زہریلے ہوتے ہیں، ان کی سمیت آمیز خوشبو خواب مرگ سے ہمکنار کر دیتی ہے۔

اس طریقہ کو اس لیے ترجیح دی گئی ہے کہ مجرم آخر وقت تک



اپنی موت سے بے خبر رہتا ہے۔ حکام اسے معافی کے وعدہ سے اطمینان دلاتے رہتے ہیں۔ اور جب سزا بھگتنے کے لیے اس گھر میں داخل ہوتا ہے اس وقت بھی اسے کسی درد یا تکلیف کا احساس نہیں ہوتا بلکہ ایک سرور و بیخوشی کے عالم میں قالب تہی کرتا ہے۔

ریڈیو کی چوری | ریڈیو کی چوری

ہے۔ کیونکہ ان ممالک میں ریڈیو استعمال کرنے والے بہت ہیں۔ ریڈیو کی چوری اس طرح ہوتی ہے کہ ہر شخص بغیر کسی کے اطلاع کے ریڈیو کا ایک چھوٹا آلہ اپنے گھر میں نصب کر کے مرکز بلکہ تمام دنیا کی ریڈیو والی خبروں اور کانوں سے استفادہ کر سکتا ہے اور محصول سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا۔

ایسی چوری زیادہ تر موسم سرما میں کی جاتی ہے کیونکہ لوگ عموماً کھڑکیوں کو بند رکھتے ہیں اور آواز باہر نہیں جانے پاتی۔ لیکن موسم گرما میں ایسا نہیں ہوتا اور رات کو پھر دینے والی پولیس ریڈیو کی آواز سن کر ریڈیو کے باقاعدہ خریداروں اور حصہ داروں سے دریافت کرتی ہے اور مجرم کا پتہ لگا لیتی ہے۔ امریکہ میں ریڈیو کی چوری کے لیے دس تالی جرمانہ مقرر ہے۔ امداد و شمار سے معلوم ہوا ہے کہ حال بھر میں اس قسم کی دس ہزار چوریاں ہوتی ہیں۔ اس طرح ہر سال حکومت کو ایک لاکھ تالی جرمانہ ریڈیو کی مد میں وصول ہو جاتے ہیں جو ہلکوسستانی سکے سے تیس لاکھ روپے کے برابر ہوں۔

## ہندوستانی

جنوری ، اپریل ، جولائی ، اکتوبر میں شائع ہوتا ہے ۔

زیر نگرانی

- ۱ — پروفیسر ڈاکٹر قارا چند ، ایم ۔ اے ۔ ، تی ۔ فل ۔
  - ۲ — ” عہدالستار صدیقی ، ایم ۔ اے ۔ ، پی ایچ ۔ تی ۔
  - ۳ — ” سید مسعود حسن صاحب رضوی ، ایم ۔ اے ۔
  - ۴ — ملشی دیا نرائن نگم صاحب ۔ بی ۔ اے ۔
- مدیر

مولوی اصغر حسین صاحب ” اصغر ”

مشہور علماء اور مصنفین کے مضامین ہمیشہ شائع ہوتے ہیں ۔ چاند سالانہ پانچ روپیہ ۔ ایک نمبر کی قیمت ۱ روپیہ ۴ آنہ

علاوہ معقول قاک

رسالے کے پڑانے پرچہ ہوں مل سکتے ہوں ۔

—\*—

مطبوعات اکیڈمی اور دیگر کتب کے لیے فہرست طلب کیجئے

## کتاہستان

ماہر کتابیات

ہندوستانی اکیڈمی کی تمام اُردو مطبوعات کے واحد ایجنٹ

۱۷ ۔ سٹی روڈ ، الہ آباد

## نیرنگ خیال خاص نمبر

شائع ہو گیا ہے

نیرنگ خیال کا خاص نمبر چھپ گیا ہے۔ جس میں جناب حامد الدہ صاحب افسر ہی اے 'قاضی عبد الغفار مصنف لیلیٰ کے خطوط' حضرت جلیل قدوائی ایم۔ اے 'خان بہادر چودھری خوشی محمد صاحب ناظر بی۔ اے' حضرت آرزو لکھنوی 'حضرت یاس یگانہ لکینوی' خان بہادر رضا علی خان وحشت 'مولانا سہا' حضرت وقار انبالوی 'پروفیسر محمد دین صاحب تاثیر ایم۔ اے کے تازہ افکار زینت رسالہ ہیں۔



بہترین کاغذ - عمدہ لکھائی چھپائی - حجم تقریباً ۲۰۰ صفحات - متعدد رنگین تصاویر ہندوستان کے بہترین رسالے کا یہ بہترین شاہکار ہے۔ دو سو صفحہ حجم میں ایک ہزار کتابی سائز کا چیدہ چیدہ انتخاب ہے۔ اور یہ خاص نمبر ہر پہلو سے کامیاب ہے۔ اس میں

لیلیٰ کے خطوط

کی ایک تازہ قسط بھی درج کی گئی ہے جس کے مطالعہ سے آپ کے افکار دور ہوجائیں گے۔ اس مضمون کا ایک ایک حرت قابل مطالعہ ہے

نیرنگ خیال کا سالانہ چندہ صرت تین روپے چھ آنے ہے

اور جو لوگ جولائی سے خریدار ہوں گے۔ ان کو اسی چندہ میں یہ رسالہ ملے گا۔ گویا مفت ملے گا۔ اس لیے جولائی سے خریدار ہوجائیے

ورنہ بعد میں یہ نمبر ایک روپیہ میں آپ کو خریدنا پڑے گا۔

ملنے کا پتہ

ملیجر رسالہ نیرنگ خیال لاہور (شاہی محلہ)

## گل صد رنگ

یعنی

ادبی، علمی، تاریخی، تعلیمی، صنعتی اور حفظان

صحت کے متعلق بہترین مضامین کا بہترین مجموعہ

حیرت انگیز فسانے۔ دلچسپ تراجم۔ پاکیزہ نظمیں

نظم و نثر کے ۱۶۳ فادر مضامین، قدیم و موجودہ انشا پردازوں کے ایک

سو نایاب فوٹو۔ متعدد سہ رنگی تصاویر۔ مشاہیر ادب اُردو کے ہاتھ کی

تحریروں کے قیمتی عکس اس مجموعہ کی زینت ہیں۔ (ملک کے قریباً تیز

سوفاضلوں اور ادیبوں نے اس کی تیاری میں حصہ لیا ہے۔) سائز  $20 \times 30$

ضخامت قریباً ۷۵۰ صفحات۔ لکھائی چھپائی بہترین۔ متعدد صفحات رنگین۔

### ہمارا پر زور دعویٰ ہے کہ

اس سے زیادہ شاندار اور ضخیم مجموعہ مضامین اب تک اُردو زبان

میں شائع نہیں ہوا۔ اس کی تیاری میں آٹھ ہزار روپیہ نقد خرچ کیا گیا ہے۔

### اگر آپ نے

ادب اُردو کی اس انسائیکلو پیڈیا کو فوراً نہ منگوایا تو یقیناً آپ

پچھتائیں گے۔ کسی وجہ سے یہی ناپسند ہو تو بلا قائل واپس فرمائیں۔

قیمت باوجود اتنی بڑی ضخامت اور اس قدر فوٹوؤں کے

صرف دو روپیہ آٹھ اے۔ مجلد ۳ روپیہ ۴ اے

ملنے کا پتہ

ماسٹر جگت سنگھ پرو پرائٹر رسالہ تعلیم۔ لاہور۔ رام گلی۔ نمبر ۵۵۰

بے مثل ماہوار طبی رسالہ

## طبیہ کالج میگزین

قدیم و جدید طب کے بلند پایہ مضامین شائع کرتا ہے۔ زبان سلیس اور سنا ہوتی ہے۔ قدیم طب کو جدید طب کے ہم آہنگ بنانا میگزین کا خاص مقصد ہے۔ بعض مضامین تجدید طب، بچوں کے امراض، اکتشافات طب، بے نالی کے غدد کے متعلق اصولی معلومات، امراض چشم کی مسلسل اشاعت کی جارہی ہے۔ فوٹو اور متعدد نائی گرام بھی ہوتے ہیں۔ کاغذ

۲۰ × ۳۰

عہدہ۔ کتابت طباعت نفیس۔ حجم کم و بیش ۶۴ صفحہ۔ سائز ۸

سر ورق بہترین اور خوش نما ہوتا ہے —

چند سالانہ دو روپیہ آٹھ آنے طلباء سے بشرط تصدیق دو روپیہ چار آنے

ملنے کا پتہ

دفتر طبیہ کالج میگزین، طبیہ کالج، مسلم یونیورسٹی - علی گڑھ

---

## رسالہ " زمانہ " کانپور

اردو کا بہترین رسالہ

جو سنہ ۱۹۰۳ ع سے اب تک روز افزوں ترقی کے ساتھ جاری ہے

ایڈیٹر:- منشی دیا فراین نگم، بی، اے

زمانہ میں ہر قسم کے بہترین مضامین شائع ہوتے ہیں

زمانہ میں مطبوعات جدید پر بے لوث تنقیدیں شائع ہوتی ہیں

زمانہ میں متعدد قابل دید رنگین و سادہ تصاویر دیجاتی ہیں

زمانہ میں بہترین شاعروں کی بہترین نظمیں درج ہوتی ہیں

زمانہ میں ملک کے بہترین ہندو مسلم انشاپردار مضامین لکھتے ہیں

قیامت فی پرچہ ۸ آنے قیامت سالانہ پانچ روپیہ

کسی ماہ کا پرچہ ملاحظہ فرما کر خریداری جاری فرمائیے

المشہد

مشیخ " زمانہ " کانپور

# اردو

انجمن ترقیء اردو اورنگ آباد دکن کا سہ ماہی رسالہ ہے جس میں ادب اور زبان کے ہر پہلو پر بحث کی جاتی ہے۔ اس کے تلقینی اور محققانہ مضامین خاص امتیاز رکھتے ہیں۔ اردو میں جو کتابیں شائع ہوتی ہیں اُن پر تبصرے اس رسالہ کی ایک خصوصیت ہے۔

یہ رسالہ سہ ماہی ہے اور ہر سال جنوری، اپریل، جولائی اور اکتوبر میں شائع ہوتا ہے رسالہ کا حجم تیزاً سو صفحے ہوتا ہے اور اکثر اس سے زیادہ۔ قیمت سالانہ محصول تاک غہرہ ملاکر سات روپے سکے انگریزی [آٹھ روپے سکے عثمانیہ] المہتہر: انجمن ترقی اردو اورنگ آباد۔ دکن

## نرخ نامہ اجرات اشتہارات اردو و سائنس

چار بار کے لئے	ایک بار کے لئے	کالم
۴۰ روپے سکے انگریزی	۱۰ روپے سکے انگریزی	دو کالم یعنی پورا ایک صفحہ
۲۰ روپے سکے انگریزی	۵ روپے سکے انگریزی	ایک کالم (آدھا صفحہ)
۱۰ روپے سکے انگریزی	۸ آنے سکے انگریزی	نصف کالم (چوتھائی صفحہ)

رسالے کے جس صفحے پر اشتہار شایع ہوگا وہ اشتہار دینے والوں کی خدمت میں نمونہ کے لئے بھیج دیا جائے گا۔ پورا رسالہ لیلا چاہیں تو اس کی قیمت بحساب ایک روپیہ بارہ آنے سکے انگریزی برائے رسالہ اردو اور رسالہ سائنس دو روپے سکے انگریزی اس کے علاوہ لی جائے گی۔

المہتہر: انجمن ترقیء اردو اورنگ آباد۔ دکن

## سائنس

۱ - یہ رسالہ انجمن ترقی اُردو کی جانب سے جنوری، اپریل، جولائی اور اکتوبر میں شائع ہوتا ہے —

۲ - یہ رسالہ سائنس کے مضامین اور سائنس کی جدید تحقیقات کو اُردو زبان میں اہل ملک کے سامنے پیش کرتا رہے گا۔ یورپ اور امریکہ کے اکتشافی کارناموں سے اہل ہند کو آگاہ کرے گا اور ان علوم کے سیکھنے اور ان کی تحقیقات میں حصہ لینے کا شوق دلائے گا —

۳ - ہر رسالے کا حجم تقریباً ایک سو صفحے ہوگا —

۴ - قیمت سالانہ محصول داک وغیرہ ملا کر آٹھ روپے سکہ انگریزی ہے (نو روپے چار آنے سکہ عثمانیہ)

۵ - تمام خط و کتابت :- آنریری سکرٹری، انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد دکن سے ہونی چاہئے —



(باہتمام معتمد صدیق حسن منیجر انجمن اُردو پریس اُردو باغ اورنگ آباد دکن میں چھپا اور دفتر انجمن ترقی اُردو سے شایع ہوا)









سبیل





# ادارۂ ادبیات اردو حیدرآباد دکن کا ماہ نامہ

زیر نگرانی  
ڈاکٹر سید محمد الدین قادری رور  
مجلس ادارت  
خواجہ حمید الدین ایم اے  
سکینہ بیگم



نشان طبعہ آصفیہ ۱۵۲  
نشان طبعہ برطانیہ ایم ۳۹۵۰  
طبعی فون نمبر ۲۲۰۹  
چند سالانہ چار روپیے آٹھ آنے  
بچوں کا سب دن ایک روپیہ آٹھ آنے  
فی پرچہ آٹھ آنے

جلد ۹ بابت ماہ نومبر و دسمبر ۱۹۴۶ء شماره ۱۱ و ۱۲

## فہرست مضامین

- ۱۔ عرض حال ادارہ
- ۲۔ پیام اقبال (نظم) سکندر علی وجدی اے۔ ایچ سی ایس۔
- ۳۔ خواتین اور سماج رشیہ سلطانہ ایم اے
- ۴۔ کافرانہ بنیادی (نظم) سید علی منظور
- ۵۔ لوطیہ کسان (نظم) پرو فیسر خواجہ ایم ایل ایل بی
- ۶۔ غزل خاور درانی ایم اے۔ بی ٹی (ٹونگ)
- ۷۔ وقت (نظم) جمیل ملک (راولپنڈی)
- ۸۔ برسات (نظم) سلیمان اربیب
- ۹۔ ناکام آنسو { (افسانچے) رونق ظہیر بی ایس سی (غنائیہ)
- ۱۰۔ ماں (فانہ) نجمہ سمیع
- ۱۱۔ سر رہے (نظم) خورشید الاسلام
- ۱۲۔ کون جانے (فانہ) جی۔ جیلانی (غنائیہ)
- ۱۳۔ ایک سوال (نظم) اختر الامیان
- ۱۴۔ محبت کی جیت (فانہ) زبیدہ (غنائیہ)
- ۱۵۔ دلہی مرغامنی مجلس قانون ساز علامہ نوری
- ۱۶۔ نفیروز میں احساس اصول امجد علی
- ۱۷۔ ایک نظم (نظم) ولی احمدی
- ۱۸۔ اہمیت صحرا اور موجودہ حالت کراچی (نظم) خواجہ حسین الدین احمد (غنائیہ)

خواجہ حمید الدین ایم اے کے اہتمام سے دستگیر پریس میں چھپکر دفتر ادارہ رور منزل خیرت آباد سندھ پبلشنگ ہاؤس

# عرض حال

اس پر سچے کی اشاعت کے ساتھ سب رس کی زندگی کا نوں سال ختم ہوتا ہے اور اب وہ اپنی زندگی کی دہائی منزل میں قدم رکھ رہا ہے۔ علم ادب کی دنیا میں نرسال کا عرصہ شاید کچھ زیادہ نہ معلوم ہوتا ہو لیکن ایک ادبی رسالہ کے لئے یہ مدت یقیناً قابل اعتنا ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر دہشتہ رسالے ابتدائیں تو بڑی آب و تاب کے ساتھ شائع ہوتے ہیں، اور چند سال بلکہ چند ماہ بھی گزر گئے نہیں پاتے کہ ان کا وہ طمراق باقی نہیں رہتا اور بہت جلد وہ اپنی زندگی کی آخری منزل پر پہنچ جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ ادبی دنیا میں ان کا نام و نشان تک باقی نہیں رہتا۔ شمالی ہند اور حیدرآباد کے کئی رسالے ایسی ہی گستاخی کا شکار ہو چکے ہیں اور بہت کم خوش قسمت رسالے ایسے ہیں جو دنیا کے ادب میں اب تک اپنے وجود کو برقرار رکھے ہوئے ہیں۔

سب رس نے بھی ان تمام کھٹن اور دشوار گزار منزلوں کو طے کرتے ہوئے اپنے وجود کو قائم رکھنے میں دامن انتقامت ہاتھ سے جانتے دیا۔ ادارے کو بعض وقت ایسی رکاوٹیں پیش ہوئیں کہ سب رس کا شائع کرنا دشوار معلوم ہونے لگا۔

بالخصوص یہ سال سب رس کی زندگی میں بہت محسوس اور نامساعد ثابت ہوا۔ کاتبوں کا کٹا ہوا مطالعہ کا بڑا کام انجام نہ دیا اور کاغذ کی فراہمی میں تاخیر ایسے اسباب تھے کہ کام کرنے والوں کے جی جھوٹ گئے اور رسالہ حسب توقعہ اور پابندی سے نہ چھپ سکا۔ سب رس کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ ہر مہینے کے پہلے مہنت میں شائع ہو جاتا تھا لیکن اس سال وہ اپنی اس خصوصیت کو برقرار نہ رکھ سکا۔ تاخیر کو دور کرنے کے لئے ایک دو شمارے مشنر کے بھی شائع کئے گئے لیکن ہمیں انوکس ہے کہ بائیں ہم اس مشکل پر قابو نہ پاسکے۔ چونکہ سال ختم ہو رہا تھا اس لئے نومبر و دسمبر کے شمارے بھی مشترک طور پر شائع کئے جا رہے ہیں تاکہ آٹے والے سال میں رسالہ ہر ماہ وقت پر شائع ہو سکے۔ اگر خدا نے چاہا تو جنوری سے اپریل کا پرچہ دوسرے مہینے میں چھپ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو جائے گا اور پھر بہار پہلے مہنت میں اس کی اشاعت ہوتی رہے گی۔

ادارہ سب رس کے قدردانوں سے معذرت خواہ ہے کہ اس سال ان کو انتظار کی زحمت اٹھانی پڑی۔ اکثر اصحاب نے سب رس کی دیررسی کی شکایت بھی کی اور وہ حق بجانب ہیں۔ امید ہے کہ وہ ہماری غیر محتاجی مجبوریوں کے پیش نظر ہم کو معاف فرمادیں گے۔ اور محض اس شکایت کی بنا پر سب رس کی سرپرستی اور معاونت میں درج ذلک فرمائیں گے۔ ہم انتہائی کوشش کر رہے ہیں آئندہ قارئین سب رس کو کسی قسم کی شکایت کا موقع پیدا نہ ہونے پائے۔

## پیامِ اقبال

آتشِ غم کا مداوا نہ خند	دم بہ دم نالہ نہ کر مثلِ پسند
چند روزہ زندگی کے کام چند	فرضِ انسان سہی و صبر و ذکر و فکر
ہر مصیبت ایک پنہاں تلخ پسند	ہر مسرت آشکارا اجڑ کار
طالبِ زرِ خوار و مایوس و نشترند	طالبِ حقِ مطمئن، مستِ عمل
بے یقینی و جھبہ صخرِ رنج و گزند	نورِ ایماں باعثِ آرامِ جاں
ڈال مہر و ماہ و انجم پر کمند	زورِ بازو آزمانے کے لئے
رکھ تخیل کو سدا بے قید و بند	جسم کی پابندیاں کچھ بھی نہیں
ہو تری اپنی نظر اپنی پسند	دوسروں کی آنکھ سے دنیا نہ دیکھ
سادگی، فکرِ ساءِ عزمِ بلند	مردِ مومن کی متاعِ زندگی
گفتگو میں کیفیتِ روح شہدِ وقتند	جستجو میں گرمیِ برقِ تپاں

فانش کر دیتی ہے اسرارِ حیات

سکندر علی وجہ

سودبتاں اک نگاہ ہو شہمند

# خواتین اور سماج

سماج پر خواتین کے احسانات اور خواتین کے سماجی فرائض بتانے سے پہلے میں اس کی تشریح ضروری سمجھتی ہوں کہ سماج ہے کیا چیز؟

سماج کا لفظ ہمارے کانوں کے لئے غیر ناؤس نہیں۔ آئے دن ناووں اور فلموں میں سماج کے مظالم کا حال پڑھتے اور دیکھتے ہیں۔ بالخصوص ہندوستانی فلموں میں ہیرو اور ہیروئن کی جدائی کا باعث یہ کہ بخت سماج ہی ہوا کرتا ہے۔ ہر افسانے میں سماج کو برا بھلا کہنا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سماج انسانوں کی اس جماعت کا نام ہے جو شعوری طور پر جغرافی، لسانی یعنی اپنی بول چال اور دینی فطریات کی خاطر متحد اور مل کر رہتی ہو۔ اور جو ان افراد کے اعمال و افعال پر ایسی نگرانی رکھتی ہے جو اس کے حلقہ اثر میں ہوں۔ اب قدرتی طور پر یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خواتین کو ان امور سے کیا تعلق؟ ان کی زندگی کو نفس کی تیلوں سے سرگرنے بسر ہوتی ہے ان کو معاشرہ کی سود و بہود سے کیا واسطہ لیکن واقعہ یہ نہیں۔ خواتین کا سماج سے آنا ہی تو تعلق ہے قننا زندگی سے۔ ہوا پانی اور غذا کا۔ کیونکہ سماج کی تشکیل عورت ہی کی رہن منت ہے۔ اس کی تعمیر میں بھی اس کا دست مل کار فرما ہے ورنہ حضرت انسان دور تجربہ کی طرح آج بھی اپنا اسباب سر پر اٹھاتے خانہ بدوش زندگی بسر کرتے۔ گھر کا تصور عورت کی وجہ سے پیدا ہوا اس لئے کہنا چاہئے کہ اجتماعی زندگی کی ابتدا عورت کے ہاتھوں بڑی اور ظاہر ہے جب فرد کا کوئی مرکز ہی نہ ہوتا اور وہ در بدر کی خاک چھانٹا تو سماج کی ابتدا کیونکر ہوتی جس طرح عورت نے سماج کی ابتدا کی اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ اس کے ارتقا اور نشو و نما میں حصہ لیا اس نے انسانوں کو ان کی حیثیت سے ان فرائض اور ذمہ داریوں سے آگاہ کیا جو ان معاشرہ کی صورت میں اس پر عاید ہونی چاہئیں۔ اس نے ہی ایسی شخصیتوں کو جنم دیا جنہوں نے سماج کی تخیل کو اجاگر کیا اور سماج کو انسانی خوشیوں کا محور بنایا اس طرح دیکھا جائے تو ایک بہتر اور برتر سماج کی آفرینش عورت ہی کے ہاتھوں بڑھ سکتی ہے وہ فرعون اور شداد جیسے لوگوں کو بھی جہنم دے سکتی ہے اور حضرت محمدؐ کو جاتا ہوا، حضرت عیسیٰؑ وغیرہ جیسے مقدس اور پاک ہستیوں کو بھی وہ اپنے اشارہ اور سے میلن اور کلہو پڑا کا روپ دھار کر سماجی نظام کو بہتر و بالا بھی کر سکتی ہے اور فلا رنس، ٹائٹل انگلیں، فاطمہ بنت عبد اللہؓ چاندنی بی، نورجہاں کی طرح سماج کے مقاصد کو اپنے خون جگر سے پہنچ بھی سکتی ہے۔

نفیاتی نقطہ نظر سے بھی عورت کا سماج پر بڑا اثر ہے سماجی قوت اور اہمیت کو برقرار رکھنے کا موجب بھی عورت ہی ہے۔ عورت کو سماج کے لحن طبع کا بڑا امثال رہتا ہے اور وہی سماج میں نام و نمود حاصل کرنے کے لئے فضول رسومات اور فنونِ خریج کا باعث ہوتی ہے۔ علم سماج کے ماہر بیان کرتے ہیں کہ سماجیت کا وجود انسان کے جذبہ تقلید مشیخت و نمود داری کی وجہ سے ظہور میں آتا ہے۔ مثلاً اس نظریہ کے تحت کہ پیدائش اور موت کے بعد کی رسوم اگر نہایت شان و شوکت سے ادا کی جائیں تو بڑا نام ہوتا ہے۔ سماج میں نام اور امتیاز حاصل کرنے کے لئے لوگ یہ رسومات بہت دھوم سے کرتے ہیں اور ان کو اس عمل پر کسانے والی خواتین ہی ہوتی ہیں گویا فرد کو سماجی سانچے میں ڈھالنے والی بھی عورت ہی ہوتی ہے۔ گالز ورڈی (M. G. Ward) اور ایچ جی دیزل کا یہ خیال بالکل ٹھیک ہے کہ خواتین ہمیشہ ہیئت اجتماعی اور تمدن کی علمبردار رہی ہیں۔

علم سماج کے ماہرین نے سماجی ذہنیت میں تبدیلی کی کوششیں کو تفریق کے نام سے تعبیر کیا ہے۔ تفریق خیر بھی ہوتی ہے اور تخریب بھی۔ دونوں صورتوں میں مخالف قوتوں کا سامنا ہوتا ہے۔ — اہموم دیکھا گیا ہے کہ تعبیری تفریق میں زیادہ دقتوں کا مقابلہ ہوتا ہے۔ تخریبی تفریق کی بنیاد چونکہ خود غرضی پر ہوتی ہے اس لئے دوسروں کے نقصان سے اپنا فائدہ چاہئے، اسے افراد ہاں میں ہاں ملاتے دیکھتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کو سماجی باغی کہا جاتا ہے تاریخ عالم کے صفحات پر نظر ڈالیں تو تخریبی تفریق میں کسی قانون کا نام نہیں ملتا۔ اس کے برخلاف تفریق تفریق اکثر و بیشتر خواتین کی رہن منت ہے اگر وہ پیش منظر پر نہ بھی آئے تو پس منظر میں اس کا دست عمل ضرور کارفرما رہتا ہے۔

علاوہ ازیں معاشرہ میں کوئی تبدیلی بغیر عورت کی تائید کے نہیں حاصل کی جاسکتی سماج کا یہ طبقہ عقائد ہی کی حفاظت کو سماجی خدمت سمجھتا ہے اور پوری قوت سے نئے خیالات کی مخالفت کرتا ہے۔ اسی لئے نیگورنے عورت کو قدامت پسند کہا ہے۔ عورت سماج کی آنکھ ہے جس طرح بغیر آنکھ کے انسانی جسم بے کار ہے، اسی طرح بغیر عورت کے انسانی معاشرہ بے کار ہے۔ لیکن یہ خواتین کا فرض ہے کہ وہ اپنی اس اہمیت کو پہچانیں۔ موجودہ جمہوری دور میں افراد بچائے خود کوئی چیز نہیں۔ جب تک وہ سماج سے وابستہ نہ ہوں، اسی طرح جس طرح موج دریا کے باہر کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ چنانچہ اب سماج ہی آمر بھی ہے اور مامور بھی۔ کارفرما بھی ہے اور کار گزار بھی۔ سماج کی اہمیت کے مدافع فرانس کے مفکر آگسٹ کوانٹ نے اسے باقاعدہ دھڑ، ہنگامہ عریانیات کے نام سے اٹھارہویں صدی میں اہل دنیا کے سامنے پیش کیا۔ خواتین کا فرض ہے کہ وہ اس علم سے مکافہ واقفیت حاصل کریں اور معاشرہ میں اپنا صحیح مقام پہنچاں۔ حالیہ زمانے میں خواتین کو سماج میں خاص اہمیت دی گئی ہے۔ موجودہ سماج سے خواتین کو مرد کا نصف بہتر تسلیم کر کے سیاسیات میں بھی حصہ لینے کا موقع دیا۔ اس نظریہ سے خواتین خود بھی سماج کی کارآمد و مفید رکن بن سکتی ہیں اور سماج کے لئے کارکن اور کارفرما افراد کو بھی جنم دے سکتی ہیں۔

اس کے علاوہ خواتین دیگر سماجی کام بھی بحسن و خوبی انجام دے سکتی ہیں۔ کیونکہ مرد کا زیادہ تر وقت فاعل میں بسر ہوتا ہے۔ وہ اپنا زیادہ وقت سماج کی فلاح و بہبود میں صرف نہیں کر سکتا۔ اس کے برخلاف عورتیں چونکہ اس فکر سے بری رہتی ہیں اس وجہ سے وہ آسانی سے اپنا وقت سماجی فلاح و بہبود کے کاموں میں دے سکتی ہیں۔ تعلیم بالخال ہی کے مسئلے کو لیجئے۔ عورتیں گھر میں بیٹھے زیادہ سے زیادہ افراد کو تعلیم دے سکتی ہیں اور ملک کی ان نکتہ تعداد کو مفید شہری بنا سکتی ہیں۔ عورت کے دل کو تبکینہ سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ اس لئے کہ وہ دوسروں کے درد کو بہت جلد محسوس کر لیتا ہے۔ وہ بھی قلب میں احساس رکھے تو اپنے سماج کے ان معذور اشخاص کے لئے روزی فراہم کر سکتی اور ان کی آسائش کے اسباب ہیا کر سکتی ہے جو سماج کی گردن کا بوجھ بنے ہوئے ہیں لیکن یہ امر قابل حیرت ہے کہ سوشل ریفارمرز یعنی سماجی مصلحوں اور کار گزاروں میں خواتین جمہور کی تعداد بہت کم ہے۔ حیدرآباد کی حد تک مسز سروجنی ناٹیڈو۔ بیگم رستم جنگ۔ مس ہدیا ناٹیڈو۔ بیگم رحمت اللہ، بیگم امیر حسن اور خود شہزادیاں والاشان کی سماجی امور سے گہری دلچسپی اور اہتمام کو بھلایا نہیں جاسکتا۔ لیکن ابھی اس فہرست میں اضافے کی ضرورت ہے۔ مجھے امید ہے کہ جامعہ عثمانیہ کی وہ طالبات جنہیں موقع حاصل ہے اس میدان عمل کو اپنی جولان گاہ بنائیں گی۔ (حیدرآباد ریڈیو سے پڑھا گیا)

رفیعہ سلطانہ



## کافرانہ بے نیازی

کافر سے مراد وہ ہیں ہے فی الحال جو حُسنِ آفریں ہے  
 اللہ رے بے نیاز کافر ہر ڈھنگ سے رنگِ حُسنِ ظاہر  
 نورِ دل و جان و پیکرِ نور پیرایہ جلوہ ہائے مستور  
 سر دفترِ دلبرانِ خوش رُو سرنامہ داستانِ دل جو  
 پیانہ آرزوئے گلکلام ! افسانہِ جستجوئے خوش کام  
 ہیں حُسنِ مجسم اس کے جلوے

چو میں ہمہ دہر اس کے تلوے

ہر آن میں نشانِ بے نیازی ہر شان میں آنِ بے نیازی  
 خود سر خود دار خود نگر دوست خوش و خوش کام خوش سیر دوست  
 یہ دوست خزانہ دارِ عرفان یہ دوست فسانہ سازِ ایمان  
 کس دشمنِ جاں کو کہہ دیا دوست کہنا ہی پڑا کہ جاں ہمہ دوست  
 کہتا ہے مالِ حُسنِ فطرت نظارہ حُسن ہے عبادت

نیچر کی عطا بُتِ حمیں ہے

معیوب اسے پوچھا نہیں ہے

بیش سے ملا جو ذوقِ دانش      جائز ہوئی حُسن کی پرستش  
 مقصود بصیرت و بصارت      کیا ہے؟ دل چشمت کی طہارت  
 جب تزکیہٴ دل و نظر ہو      یہ کافر قدس جلوہ گر ہو  
 ہے حُسنِ نظر کا مدعا کیسا      میں دیکھ کے اس کو دیکھتا کیا  
 حُسنِ بہتہ کافر اور دیکھوں      جانچوں اسے اس کے طور دیکھوں

اس کی ہر ادا ہے پیاری پیاری

منکمل ہے بہت ادا شمار نمی

اس پر بھی میں کچھ نہ کچھ کہوں گا      ہاں جائزہ اس حسیں کا نوں گا  
 سوجھیں کبھی شوخیاں جو اس کو      بے چین دل اور مضطرب ہو  
 ہنس دے یہ حسیں تو چاند شرمائے      چاند ابر میں دل میں یہ جگہ پائے  
 جھینپے تو نگاہ اور چمکے !      چھپ جائے غلاف میں حرم کے  
 سہمے تو خدائے دلبری ہو      مسجود بُتائے آذری ہو

اس حُسن پہ یہ ادا طرازی

بے جا نہیں اس کی بے نیازی

علی منظور

## بوڑھا کسان

دن بھر پر دیسوں کے گیت پنگھٹا رہتے تھے بھگتے باز دیتے چھلکے ہوئے لگا کر نہ تھے  
 آپکی تھیں، دختران کوہ و صحرا اپنے گھر گاکے تھے گیت چرواہے ہوا کے ساز پر  
 بھولے ہونے کا فلوں کی رہگذاروں کے چراغ دور افتادہ جھلملاتے تھے تاروں کے چراغ  
 وادیاں کھولے ہوئے تھیں، دو تاشاںوں پہ بال غلمیں پکڑ لڑیوں پر بند ہی تھیں اپنا جال  
 کھل چکے تھے کالے کالے بادلوں کے بادباں ایک چاندی کا سفید تھا اندھیرے میں رواں  
 پھیلتے جاتے تھے کھیتوں پر پھیرے رات کے ڈوبتے جاتے تھے کچے راستے دیہات کے  
 ناگہاں اک شخص یوں آیا نظر صرف حرام لے رہے تھے جس کے سوچ سے اندھیرے انتقام  
 کھوئی تھی جس کی پیری ٹھوکر سی کھانے کی تاب جس کا چلنا تھا قیامت جس کا گنا تھا عذاب  
 ڈمگاتی ایک میت لڑکھڑاتی ایک لاش جس کے ہر احساس پر بیتے زمانوں کی خراش  
 گر چکا تھا جو تنگوں کی نظر سے وہ چراغ جس کو ہونٹوں سے لگا کر پھینک دیں ایسا یاغ  
 ایک سمجھوتہ ہنسی اور آنسوؤں کے درمیاں اپنے مستقبل کی ذلت اپنے ماضی کی فغاں  
 صبح کا اک تہی، اک چاندنی کا سو گوار سانس لیتی ایک تربت چلتا پھرتا اک مزار  
 نبض ڈوبی، دل فردہ، حوصلے چھوٹے ہوئے ایک ایسا ساز جس کے تار سب ٹوٹے ہوئے  
 مجھ سے کہتا تھا ”سنائے اقامت جنگ پر لوٹ کر میاں سے آتے ہیں سپاہی اپنے گھر“  
 ”موت کو بیچا ہے میں نے سیکڑوں صبحوں کا نور اپنی فصلوں کی امانت، اپنے کھیتوں کا غور  
 ایک مادر کا کلیبا، ایک دلہن کا سہاگ ایک ایسا پھول ہنسنا تک جسے آیا نہیں  
 ایک کچی کا تبسم جس کے سر سایہ نہیں میں نے تاریکی میں آنکھوں کی بصارت پہنچ دی  
 گولیوں کے دام گھر کی ساری دولت پہنچ دی

دیکھتے ہو راستوں پر کس قدر اندھیرے ہے  
 صبح ہونے کے لئے اب اور کتنی دیر ہے؟  
 شور

## غزل

دل درد سے معور ہے معلوم نہیں کیوں  
 زخموں سے جگر چور ہے معلوم نہیں کیوں  
 اک آتش دل سوز اور اک آتش ربار  
 ہر سانس میں مستور ہے معلوم نہیں کیوں  
 یوں لب پہ تقسیم ہے کہ میں آنکھوں میں  
 دنیا مری مجبور ہے معلوم نہیں کیوں  
 گردِ آبِ بلا میں رہا امیدوں کی شتی  
 قیمت کو یہ منظور ہے معلوم نہیں کیوں  
 لب تک جو نہ آئی کبھی وہ دل کی کہانی  
 ہر زخم میں مشہور ہے معلوم نہیں کیوں  
 ملتی ہے یہاں نیکی کے بدلے میں امی  
 دنیا کا یہ دستور ہے معلوم نہیں کیوں  
 ہماریک ہے گوشتِ غم سے مری دنیا  
 سینہ مرا پر نور ہے معلوم نہیں کیوں  
 ہر وادی ہے اب سیکر لئے وادی سینا  
 ہر کوہِ جبل طور ہے معلوم نہیں کیوں  
 خاور کو بجناز ہے شوریدہ سری پر  
 تو عقل پہ مغرور ہے معلوم نہیں کیوں

خاور و رانی

## وقت

وقت بہتا ہوا سمندر ہے  
 سال ہیں اس کی بے پندہ موجیں  
 کتنی ڈوبی ہیں، کتنی ڈوبیں گی  
 آکے اس میں جہان کی فوجیں  
 جو کوئی اس کی زد میں آتا ہے  
 وہ عدم کو سدھار جاتا ہے  
 اس کی پُر پیچ و نشہ موجوں نے  
 شاہزادوں کا دل نکالا ہے  
 خوں پلا کر نہ جانے کس کس کا  
 لٹے لٹے کو اپنے پالا ہے  
 اس کو ہر کام میں مہارت ہے  
 اس کی چپ چاپ میں ہرارت ہے  
 میں سمجھتا ہوں وقت کی انواع  
 خونِ انسانیت کی دھاریں ہیں  
 کیا خبر ہے عمیق تر کتنی  
 اس کی گہرائیوں میں غائب ہیں  
 کون آئے گا جو بتائے گا؟  
 وہ تو خود اس میں ڈوب جاگا!

جمیل ملک

## برسات

بادل کا آغوش لہراتی بجلی کے کنگن چمکاتی !  
دامن کی ٹٹاک ہو اسے دل کو آتش زار بناتی !

آئی لو برسات پھر آئی

آئی لو برسات پھر آئی

نیل کنول نے لی انگڑائی کلیوں نے گویائی پائی  
دور کہیں متانہ لے میں چرواہے نے تان اڑائی

آئی لو برسات پھر آئی

آئی لو برسات پھر آئی

دیرانوں میں آئیں بہاریں جنگل جنگل، مور پکاریں  
دھرتی کے پیاسے بوٹیوں پر امرت کی پڑتی ہیں بھواریں

آئی لو برسات پھر آئی

آئی لو برسات پھر آئی

کھیتوں پر آیا ہے جوبن ہروادی مالین کا دامن  
رنگ و بو کی ارزانی سے جنت و دجنت ہر گلشن

آئی لو برسات پھر آئی

آئی لو برسات پھر آئی

میخواری پھر عام ہوئی ہے توبہ خرق جام ہوئی ہے !  
آؤ، چھو بیٹھا نے ہائیں وقت سے چیلے شام ہوئی ہے

آئی لو برسات پھر آئی

آئی لو برسات پھر آئی

رم جھرم جھرم پانی برے چھم چھم کرتی آجا گھر سے  
آجا، آجا دید کو تیری آخر کوئی کب تک تر سے

آئی لو برسات پھر آئی

آئی لو برسات پھر آئی

سلیم اریب

# ناکام آنسو

# غلمسار

بچہ ہاتھ میں کھڑا لے جا رہا تھا۔ چپچپے سے  
ایک موٹر آئی..... ہارن گرجا..... بیٹہ ہلے موٹر کا  
دھکا اسے لگ ہی گیا..... وہ گر پڑا۔  
مٹی پر دو دو ایک سیاہ کار کے سفید لباس  
کی طرح پھیل گیا۔

موٹر کی اور چند خوش پوش اترے۔ بچے کو  
صحیح سلامت دیکھ کر ان کے چہروں پر آئے ہوئے  
نزد و کے اہم تر مسٹر امیٹوں کے پیچھے گم ہو گئے۔  
ایک نے کہا..... کہہ دو اسٹریک تیرے باپ کی  
ہے جو یوں بیچ بیچ میں سے چلتا ہے؟  
دوسرے نے کہا..... قسمت اچھی تھی جو بیچ گیا  
مردم جاتا:

بچے کے ہونٹ کانپ رہے تھے اور آنکھوں  
میں آنسو پھل رہے تھے..... اس لئے نہیں کہ  
چوٹ سے اس کے پاؤں میں تکلیف ہو رہی تھی.....  
اس لئے کہ اس کی مشقت کا معاوضہ اس کی اتنی  
بوختی جو وہ اپنی بیمار ماں کے لئے لیجا رہا تھا اس ٹرک  
پر پھیلی ہوئی تھی جس میں ابھی تک اس کے مرحوم باپ  
کی جینٹیں چمک رہی تھیں۔

آنسو نکل رہے تھے اور وہ سوچ رہا تھا  
ٹرک باپ کی ہے؟ وہ خوش قسمت ہے؟ ماں بیمار  
ہے!!!

وہ واپس ہو گئے۔ موٹر چلی۔ انجن کی آواز  
کے ساتھ قہقہوں کی صدا بھی پیچھے چھوڑتی گئی۔  
بیٹے والے ٹرک پیچھے دکھائے۔ وہ اس لئے  
ان کی آواز و دھڑک سنائی دیتی ہے لیکن رونے والے  
آلف اللف..... وہ تو نہیں تپ رہا تو نہیں کوئی.....

اُن..... یہ دن بھر کی محنت..... کاغذ  
جسٹر منسلک..... گالیاں..... اور تخرابہ برآمدہ.....  
بیوی کو بھی آج ہی میکہ جانا تھا؟ اس سے باتیں کرنے  
میں کچھ تو دل بہلنا..... شکنیں ہوتی..... تکان دور  
ہوتی..... دل کا بوجھ ہلکا ہوتا..... برکتی.....  
رات بھیاں ہو چلی ہے جو جانا چاہیے۔  
گلی میں یہ کون گفتگو کر رہا ہے؟ اتنی رات کے؟  
اس سنان گلی میں؟؟

میری سوہنی..... ٹیکر کہاں جاتی ہے۔ آتجے  
ایک بار حرم تو لوں.....

دشاش..... کسی..... کو لے آیا ہے۔  
نکن سکون ہوتا ہے جب تجھے گے سے نکال لیتا ہوں  
سب کچھ بھول جاتا ہوں.....  
جھوٹا..... فریبی..... کسی کو میٹھی میٹھی باتوں میں پھنسا  
رہا ہے۔ منہ سے الفاظ برا بر گل بھی نہیں رہے ہیں شاید  
غریب پی لی ہے۔

خوب جانتا ہوں..... تیری بے بسی کا سبب  
جانتا ہوں..... خوب..... یہ آوارہ اس گلی کو  
گھنٹائی کوڑے گا..... ٹیکر خبر لیتا ہوں۔

میں غصہ میں بھرا ہوا باہر نکل آیا.....  
!!!! جتھڑوں میں لمبوس ایک خف لوٹھا  
گو وہیں ایک کہ بہ صورت لاغر غلی کو لئے بیٹھا تھا اور  
کہہ رہا تھا.....

کی تو تجھے کہیں سے روٹی مل ہی جائے گی۔ پھر منہ  
تجھے آدمی کھلاؤں گا۔ آخر تیرے سوا میرا ہے کون؟

لہو نغمہ

لہو نغمہ

# ماں

اس کے خوبصورت سفید ہاتھ دعا کے لئے بند تھے اور وہ سراپا عزت نئی آہستہ آہستہ اپنے محبوبہ سے التفات کر رہی تھی۔ غصے کی کچی آناک سرخی میں اس کا متعلّق چہرہ چمک رہا تھا۔ چڑیوں کے غریب نغمات حسینہ سحر کا خیر مقدم کر رہے تھے۔ چنبیلی کی نازک ٹیکس ہوا کے نرم ہموں کوں سے جھوم رہی تھیں۔ گلاب کی پتیوں پر مجسم ہرکری بھی جیسے کسی کے رخسار پر نمودار ہوا آئینہ عرض فصیح طالع جو رہی تھی۔ یعنی۔ ارب کا نجات کی اولین نذرانی محبت تھوڑی تھوڑی کا چہل قدمی۔

ان کی آنکھیں بدلتی اور ہاتھ دعا کے لئے بند تھے۔ ناگہاں اس نے آنکھیں کھولیں اور اس کی فضا سامنے نکلتی ہوئی تھی پر بڑی جمال، روشن آفتاب طلوع آہستہ آہستہ بلند ہو رہی تھی اس کی زمین کریں۔ عمارت کبھر رہی تھیں اور بادلوں کا بیڑہ گل جہر کے جہروں کی گلیاں شعلہ داراں تھا۔ رخسانہ کی آنکھیں اس حسین منظر کو دیکھ کر ہلکے نہیں اور وہ آواز جو اس کی آنکھوں میں چمک رہا تھا۔ غور بڑی دیر کے لئے غائب ہو گیا۔ وہ اپنے ادول سے یکسر غافل ہو کر قدرت کی حق کاریوں میں گھوٹی مگر جلدی ہی آج سے بہت پہلے کی ایک حسین صبح اسے آئی اور اٹنی کے وصال نے نقوش ابھرنے لگے۔

آج سے بہت پہلے۔ جبکہ رخسانہ باپ کی شفقت و محبت سے محروم نہیں ہوئی تھی۔ ایسی ہی رنجین صبح تھی۔ رخسانہ اپنی بالکونی میں کھڑی حسین منظر سے غفلت انداز ہو رہی تھی۔ وہ بہت مسرور تھی کیونکہ میراٹک کا امتحان اس نے امتیاز کے ساتھ پاس کیا تھا اور آج اسی خوشی میں اس کی سہیلیاں آنے والی تھیں وہ اپنی کامیابی پر مسکرا رہی تھی کہ جیسے سے کسی نے اس کے کندھے پر

ہاتھ رکھا: بابا۔۔۔ کہہ کر وہ مڑی اور اس کا سراپہ باپ کے سینے سے لگ گیا۔ "رخسانہ۔ میری بچی۔ وہ شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگے۔ آج میں بہت خوش ہوں رخسانہ۔ بھاری اس کامیابی سے میرے حوصلے بڑھ گئے ہیں۔ میں تمہیں بہترین تعلیم دلاؤں گا۔ اعلیٰ تعلیم اور عمدہ تربیت سے تم میں بہترین صفتیں پیدا ہوں گی۔ تم ملک کی مائیدار لڑکی بنو گی۔ مجھے تعہد دے کر دے نہیں دیا وہ تم کو۔ اگر کوئی میرا غصہ البین تمہارے ذریعہ پورا ہو گا۔" ہاں بابا۔ میں اپنے آپ کو ایسا ہی ثابت کر دکھاؤں گی۔ میرے دل میں سوائے قوی درد و فلاح کے کچھ نہ ہو گا۔ خدا بخیر ایک ٹھیل اور کامیاب زندگی دے۔ ایسی زندگی کہ جس کا صلہ خود کو تحفہ عظیم اٹھانا اور دوسروں کو سکھانا ہو۔ انھوں نے آہستہ سے آمین کہا اور زیر لب سترائے چلے گئے۔

مگر آہ ان کی زندگی نے وہ زندگی اور وہ اپنی بیوی ناز و اور رخسانہ کو چھوڑ کر ہیشہ کے لئے چلے گئے۔ ماں غم سے بالکل سی ہو رہی تھی۔ میں سالہ سالی ہیشہ کے لئے بھول گیا تھا اور رخسانہ دیکھ رہی تھی کہ "رشتہ دار" ان کے غم کی پرواہ کے بغیر آہستہ آہستہ ان کی چیرل پر قبضہ چار رہے تھے۔ آہ یہ جو میں دیا۔ غم تازہ ہی تھا اور ان کو ترکہ کی فکر پڑی تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ جتنی جلدی ممکن ہو سکے وراثت کی تعمیر ہو جائے۔ ماں کو اتنا ہوش نہ تھا کہ کچھ خیال کرتی کہ رخسانہ سب کچھ سمجھ رہی تھی اور بے بسی تھی۔ اس کی بھوپلی بے دوسروں کو اپنے موافق کر لیا اور وہ مکان جو نہ جانے کتنی آہ زوہوں سے بنایا گیا تھا جس مکان میں رخسانہ کا نہیں گزرا تھا۔ کامیاب اور پرمست، وہ اب دوسروں کے قبضے میں تھا۔ بھوپلی نے اسے باپ کے ترکے سے محروم کر کے مکان پر قبضہ کر لیا۔ اور وہ اپنے باپ کی اس ایک چیز سے بھی محروم کر دی تھی جس وقت اسے معلوم ہوا کہ اب یہ گھر اس کی بھوپلی کا





وہ ایک لمحے کے لئے بھی اپنی ماں کو چھوڑنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ سب کچھ بھول کر اپنی ماں میں گھولی ہوئی تھی۔ بھوچھی اب بھی اپنی تعلیم کہ وہ ان کے بچوں کی دیکھ بھال کرے مگر رخصت کر دے کسی بھی چیز کا ہوش نہ تھا۔ وہ تمام وقت اپنی ماں کے پیٹنگ کے پاس زمین پر بیٹھی اس کے زرد چہرے کو دیکھا کرتی۔ ایک دن نازو کی حالت زیادہ خراب تھی۔ وہ مہر چوٹھی میں جانے لیا کیا یکا یک رہی تھی۔ رخصانہ بھی پہنچا آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی اور اس کے بالی اس کے مخموم زرد چہرے پر کھڑے ہوئے تھے۔ اپنی ماں کے کنارے چہرے کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں آنسو جھپک پڑے۔ اسے اپنی بے بسی کا شدت سے احساس ہونے لگا۔ آہ کہیں اس کی ماں بھی تو اس سے جا نہیں ہو رہی ہے۔ اس نے "ایک" ان دیکھی لے پناہ فوت کے سامنے عاجزی سے سر جھکا دیا اور آہستہ آہستہ رک رک کر اپنے مالک سے اتھا میں کرنے لگی۔ "نہیں، نہیں میرے مالک۔ میری ماں کو کچھ سے جدا کر۔ ان کی محبت کے سوا میرے لئے دنیا میں اور کچھ نہیں۔ انھیں مجھ سے مت چھین۔ آہ یہ وسیع و عریض دنیا۔ اس میں اچھے بھلا اور بے سہارا نہ چھوڑ۔ مجھے ماں کی محبت سے محروم نہ کر۔"

میرے محبوبہ

نجمہ سمیع

توانید و قربانی کی دیوی۔ منبر و رواشت کا مجسمہ۔ محبت و خلوص کی سرچشمہ تو اولاد کے لئے کیا کچھ نہیں ہستی؟ ماں رخصانہ خلاء میں جانے لیا کیا دیکھتی ہوئی بڑا ہراسی تھی اور ناز و حیران و مبہوت اسے دیکھ رہی تھی۔

رخصانہ اپنی مختصر سی زندگی میں نئے نئے تجربات سے روشناس ہو رہی تھی۔ بھوچھی کے تڑاؤ میں اب وہ پہلی سی محبت نہ رہی تھی۔ وہ بظاہر اس سے محبت کرتی مگر انہیں یہ پریشانی بھی تھی کہ کہیں رخصانہ اسے اپ کی دواشت کے لئے مصروف نہ کر دے اس کی بڑھتی ہوئی عمر کے ساتھ ان کا یہ اندیشہ بھی بڑھ رہا تھا۔ رخصانہ ان کے اس اندیشہ سے بے خبر اپنی پریشانیوں میں گم تھی۔ اس سے اپنی ماں کی حالت پر تشویش نہ تھی۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ نازو کی محبت روز بروز گرتی ہی جا رہی ہے۔ اگر کچھ دن ان کا علاج نہ کیا گیا تو اس کے آگے وہ سوچ نہ سکتی۔

بھوچھی کی لاہرہ دانیوں اور نازو کی زندگی سے بے ڈارگی نے آخر نازو کو سخت بیمار کر دیا۔ رخصانہ جیسے اپنے ہوش و حواس گھو بیٹھی۔ دن رات وہ ماں کی تیار و ادوی میں مصروف رہتی۔ اسے اپنے کھانے کی بھی پڑاؤ نہ تھی۔

من کی دنیا۔ حیدرآباد کے نوجوان افسانہ نگار رشید قریشی ایک آگے کے افسانوں کا نقش مجموعہ ہے۔ افسانوی ادب کی دلچسپی رکھنے والے ضرور اس کا مطالعہ کریں کتاب بہت دلچسپ اور افسانہ نگار کا بیان نہایت دلکش ہے۔ ہر فساد و رعنائی خیال اور رنگینی بیان کا بہترین نمونہ ہے۔ اردو کے نئے ادب سے دلچسپی رکھنے والے اور ترقی پسند فکروں کے پرستان افسانوں کے مطالعہ سے ضرور محظوظ ہوں گے جو صاحب اردو کے جدید ترین افسانوں کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں وہ اس نوجوان مصنف کے ان پرکیت افسانوں سے ضرور لطف اندوز ہوں گے۔

صفحات (۱۹۰) قیمت جلد عہ روپیہ

سب کس کتاب گھر۔ خیرت آباد سے طلب فرمائیے۔

## سحرِ اسے

رباب کا سانسوچ، تار کی سسائی  
 کوئی ڈھلی ہوئی دھوپ اور کچی ہوئی ٹوٹی  
 کوئی وہ موسم سرما کی چاندنی کم کم  
 کوئی ڈھواں سا چلتا ہوا فضاؤں میں  
 کوئی وہ موج رسیدہ جسے تدار کہیں  
 کوئی وہ تھک، کوئی فقط اک راز  
 کوئی وہ لہجہ جو داؤد کی زبور میں ہے  
 کوئی وہ مسکراہٹ آواز میں بدل جائے  
 کوئی خیال کی جولانیوں میں ایک قرار  
 کوئی سردی کے عالم میں بے دلی کم کم  
 کوئی تبسم ابر بہار و موسم گل  
 کوئی وہ میر کی افسردگی میں تازہ خیال  
 کوئی وہ برف جو کرنوں کے انتظار میں ہو  
 کوئی وہ بات جو الجھے ہوئے شراب میں ہو  
 کوئی وہ لے جو بڑے اور ساز ہو جائے

خوشیڈ الاسلام

یہ رنگ روپ، یہ سائے، یہ دھوپ بھائل، یہ جال  
 کہیں فریکہ و دہ عالم، کہیں خیال محال

# کون جانے!

چار روز کی چھیلیاں تھیں اور موسیقی اور نغمہیں عروج پر تھیں پھر سے بھاگے ہوئے نوکر تیار ہرگز سے کی طرح اپنے کھیتوں کی طرف اڑا جا رہا تھا۔ راستے میں ایک بگڑے ہوئے سی بارش بھی ہو گئی تھی۔ لیکن میں جانے کسی دھند کی آواز لینے کے بارش میں بھیگتا ہی رہا، جیسے مجھ میں اور بارش میں ایک منہدی ہو گئی ہو۔ لیکن بارش کو ہانا ہی چڑا اور پھر ذرا سی دیر میں پھر ب کی طرف لہرائی ہوئی قوس قزح نے بارش کے خاتمہ کا اعلان کر دیا۔ ہوا کے ہر دست چھوٹوں نے میرے کپڑے خشک کر دیے۔ تار کوئی کی بھیجی ہوئی سرنگ پر سا کیل کے تیری سے کھستے ہوئے بیسوں سے ایک مستقل سر ہیا ہو کر فضا میں تھیل ہو رہا تھا کہیں کہیں ٹرک کے کھڑے اور کھیتوں کے آس پاس گرہ ہوں میں بارش کا سرخ گدلا پانی جمع ہو گیا تھا جس میں خشک سے ٹوٹی ہوئی پتھیں بڑی ٹوٹ رہی تھیں۔ راستے میں کسی گاؤں سے گزر جانا تو جیسے ہوئے گوبر کی بو دماغ میں جھپٹے تھی جھپٹنے کے ہوئے کوڑے کو کر کے ہوئے گاؤں کے قریب کتے ایک نظر اٹھا کر میری طرف دیکھ لیتے۔ لیکن میں گاؤں کے اہل بھٹوں کے سامنے میں بڑے ہوئے بھولوں کو دیکھنے لگا۔ بھولے کی ہر ہینک کے ساتھ سارا دھند بھوم جاتا اور آسمان کے پتوں پر پھیرا ہوا پانی موٹی موٹی لہریوں کی ایک جادر پھیلا دیتا۔ لیکن ٹپ۔ اور پھر ایک ٹپ کے لئے بھولا بھولتی ہوئی گاؤں کی اگھڑو شیرازوں کے دیے دیے لیکن ہر پستی سادھن کے گیت لگنا وہیں فستہ ہو جاتے۔ میرا ہی جانتا اس۔ مسکوین فضا کو کچھ دیر کے لئے سمیٹ کر اپنے دل میں رکھ لوں۔ لیکن آتی دیر میں بہت آتے

اور پھر میں الہم کا وہ صفحہ الٹ سکا۔ میں اٹھ کھڑا ہو گیا اور کمرے میں کچھ اعتدالی طور پر بیٹھنے لگا۔ سانسے میز پر تصویروں کا الہم کھلا پڑا رہا۔ اور میرا ذہن ماضی کے دھندلوں میں ڈوبتا چلا گیا۔ چودا ہی یہ اس تصویر کا نام تھا جو الہم کے کھلے صفحے پر میری نظروں کے سامنے پڑی تھی۔ جیسے ہوئے دھند کا ایک بہت مختصر سا واقعہ اس تصویر نے آج یاد دلایا تھا۔ مختصر ہی تو تھا وہ لیکن پھر بھی میں اسے آج تک نہ بھلا سکا، اس کی یاد جو ذہن کے کسی نامعلوم گوشے میں ڈوبی پڑی تھی آج اس تصویر کو دیکھتے ہی ابھر آئی تھی۔ ماضی کے سیکڑوں نقوش دماغ میں ابھر چلے آئے اور وقت کی ایک ہی جگہ کے ساتھ ہی برس پینے کا ایک دن میرے ذہن میں ٹھوم گیا۔ وہ برسات کی ایک جین شام تھی۔ آسمان کے نیلے سمندر میں سرمئی رنگ کے سیکڑوں بادل تیر رہے تھے۔ سورج کے غروب ہونے میں ابھی کوئی ایک گھنٹہ باقی تھا۔ زمین پر جھنگا دھک بھرہ ہی بڑھ پھیلا ہوا تھا۔ درختوں کی سٹھوں اور لہلہاتے ہوئے کھیتوں میں سے ہوا گیت گاتی ہوئی گزرتی تھی۔ جھاڑیوں میں خرگوش جھڑک رہے تھے اور درختوں پر لڑاتی ہوئی گلہریاں اور چڑیوں کا غل جچا ہوا تھا۔ فضا میں بے غودی اور برساتی ٹھلی ہوئی تھی۔ میں سا کیل سے اتر گیا اور سرنگ سے ہٹ کر سیدھے لہجہ کو جاتے والی گڈ پٹی پر ہو لیا۔ سامنے ایک اونچی سی پہاڑی کھڑی تھی اور میرا جی اس پر پہنچنے کو اپنے تاب ہو رہا تھا۔ مسلسل پانچ گھنٹے سا کیل پر بیٹھے بیٹھے دل اکتا گیا تھا۔ میں شہر سے اپنے گاؤں آ رہا تھا۔ کالج میں تین

ہی کسی منظر کو لافانی کر کے خدا نے محنت کی تخلیق کی ہوگی۔ میں سمجھا ہوں کہ راستے اس مہول کوئی جانا چاہتا تھا۔ اور اسی لئے مجھے اپنے پیچھے سے ایک آواز سنائی دی۔ شرارڈ میں نے حاکم دیکھا، لیکن کچھ نظر نہ آیا۔ کچھ قدم آگے بڑھ کر میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ پھر ایک مرتبہ دہلی ہی آواز آئی اور اس کی دھو میں نے اسے دیکھ لیا۔ وہ ایک چرواہی تھی۔ ہاتھ میں ایک لمبی سی دراختی لئے وہ ایک دشت پر چارھی پتہ توڑ رہی تھی۔ میرا لہ قریب چلا گیا اور اسے غور سے دیکھنے لگا۔ جوانی اور صحت ان کا ایا کل اتمزاج میں نے اسی دن دیکھا تھا۔ وہ سانولے سے رنگ کی ایک اطرسی لڑکی تھی، میلے سرخ رنگ کا ہون مگر جگہ سے جھٹ گیا تھا۔ بارش میں سبک کر کے لمبے لمبے بالوں کی ٹیلیں چہرے پر اور ادھر ادھر ہوں لگ رہی تھیں جیسے بڑی جڑیں۔ کانوں پر سیاڑی ہوئی بانیاں لگوانے کے ہر جھٹکے ساتھ آپس میں ٹکرا کر ایک لطیف جوجا پیدا کر دیتیں، اس کے چہرے کی سب سے نمایاں چیز اس کی آنکھیں، بڑی بڑی لمبے چہن سی، جیسے کچھ کہنے کے لئے بے تاب ہوں۔ وہ کچھ ایسی جیلن نہ تھی لیکن جن کا دوسرا نام شاہرہ جوانی اور صحت ہی تو ہے۔۔۔۔۔ میں اسے دیکھتا اور قریب چلا گیا۔ دراختی اس کے ہاتھوں میں رک گئی اور اس نے جلدی سے اپنی ننگی بائہ کو ہون کی پٹی ہوتی تھیں کھینچ کر ڈھک لیا۔ وہ درخت پر اسی جگہ کھڑی ہوئی تھی جہاں پہلے تھے سے ایک اور موٹی شلج پھوٹ نکلی تھی۔ دائیں طرف درختوں کی ٹہنیوں اور پتوں نے اس کے گرد ایک سبز جال سا بن دیا تھا۔ پس منظر میں نیلے آسمان پر تقریاً کناروں والے سرمئی رنگ کے اہل جھول رہے تھے۔ ایک ہاتھ میں دراختی تھامے اور دوسرے سے برابر کا ہٹنا کر لے، گردن اٹھائے وہ یوں کھڑی تھی جیسے کوئی یونانی مجسمہ۔

طبع چکا ہوتا اور اب فضا میں ان گیتوں کی بجائے طولوں اور میناؤں کا شور اور کوئل کی فریاد پھیل جاتی۔ پر تو نے ہوئے کوئل کی قطاروں وقف وقف سے کانٹیں کانٹیں کا ایک ٹل مچا دیتیں اور سبھے پھر وہ ساون کا گیت یا د آجاتا۔۔۔۔۔ جارے کا گاتی کے دیں۔

تو میں سائیکل سے اتر کر پیدل اس پہاڑی کی طرف بڑھنے لگا۔ پگڈنڈی کی دونوں جانب جھکی ہوئی جھڈیاں کے پتے ان پر ٹیرے ہوئے پانی کے بوجھ سے دبے جارہے تھے۔ میں ان سے بچتا بچتا اور چڑھ چہ جارہا تھا۔ کوٹ اتر کر میں نے نہروں پر ڈال دیا تھا اور تھلن کو پیٹ پر کافی اور صبح لیا تھا۔ سائیکل کی موجودگی اس چڑائی میں تخلیق تو بہت دیر ہی تھی لیکن پہاڑی پر پہنچنے کی زبردستی خواہش کے آگے بڑھے حقیقت تھی۔ بالآخر میں آخری چٹان کے پہلو سے ہو کر نیلے کی چوٹی پر پہنچ گیا۔

سائیکل کو زمین پر لٹا کر میں ایک پتھر پر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ مجھے یوں محسوس ہوئے لگ جیسے سائیکل سے سبیلوں تک چھلی ہوئی کائنات میرے قدموں کے پیچھے ہے۔ جیسے درختوں پر مٹلاتے ہوئے یہ بدند اور نیل گنڈا جھنگ نہ پہنچ سکیں گے، جیسے میں ایک کر مر پڑاؤں ہوئے ان بادلوں کے ٹکڑوں کو کھولوں گا۔ جیسے یہ غیر متکئی آسمان بھی کچھ دیر میں جھٹ کر جھ سے سرگوشیاں کرنے لگے گا۔۔۔۔۔ اور میں دنیے ہی کھڑا رہا۔ مغرب کی طرف غروب آفتاب کی تیاریاں شروع ہو گئی تھیں۔ بادلوں کے کنارے اپنا رنگ بدل رہے تھے اور دور افق تک پھیلے ہوئے سبز سے سرخی کی کرنیں پھوٹ پڑی تھیں۔ گنجائ درختوں کے درمیان بل کھاتی ہوئی سڑک کسی تصور میں بناؤ ہوئے لہجہ اے دریا کا منظر پیش کر رہی تھی۔ ہوا پہاڑی کے غور و دھچکوں کی خوشبو سے بھری ہوئی تھی۔۔۔۔۔ میں سوچنے لگا شاید ایسے

بیلے کی کوشش کر رہی تھی جسے دیکھ کر روکے ہوئے تھی۔  
 مگر تصویر تو میری ہے، انعام تمہیں کیوں ملے گا؟  
 میں سٹے لٹا گیا۔ اب اسے کیسے بھاؤں کہ یہ یوں ہی  
 ہوتا ہے۔  
 - بھی کہنی تو میں نے ہے!..... اس نے  
 انعام بھی کوٹے گا۔  
 - واہ! یہ بھی کوئی بات ہوئی، تصویر میری اور انعام

تمہیں ملے گا۔  
 - دیکھو نا یہ کیمرو میرا، اس کے اندر کی فلم میری  
 اور محنت کر کے تصویر آمارنے والا بھی میں.....  
 انعام تو.....  
 - مگر تصویر تمہو نے والی میں، میں نہ ہوتی تو  
 تصویریں کی آمارنے؟  
 - اچھا بھی۔ انعام ملے گا تو سارے کا سارا تمہیں

لا دوں گا۔  
 اور میں ہنس پڑا، وہ بھی ہنس پڑی۔ مجھے ایسا محسوس  
 ہوا جیسے حاملہ کے ذرے ذرے ایک قبضہ لگایا ہے۔  
 - تم چرواہی ہو؟  
 - ہاں۔  
 - تو تمہاری بھیڑیں، بکریاں کہاں ہیں؟  
 - انھیں میرا بھائی بیٹھا ہے، میں روز شام کو  
 تھوڑے سے چنے اٹھ کر گئے بکریوں کے بچوں کے لئے  
 لیجاتی ہوں۔ اس نے تونے ہوئے تھوڑے سے چنے

لیجاتے ہوئے کہا۔ میں ہمارا پی سا نیل اٹھا لایا۔  
 - تمہارا گاؤں کونسا ہے؟ میں نے کیمرو نیل  
 سے باندھتے ہوئے پوچھا۔  
 - وہ رہا سامنے، چند رنچو۔  
 - تو چلو، میرا راستہ بھی وہیں سے جاتا ہے؟  
 اور وہ چنل کا گٹھا سر پر کے میرے ساتھ ساتھ  
 پہاڑی پر سے اترنے لگی۔ ہمارے چلنے سے گڈنڈی پر

دفنشا میرے ذہن میں ایک خیال آیا اور میں دوڑا  
 ہوا جا کر سائیکل سے اٹھا کیمرو مکمل لایا۔ وہ میں کھڑا  
 ہوئی میری ان عجیب حرکتوں کو دیکھ رہی تھی۔ میں نے  
 اسے خاموش کھڑے رہنے کا اشارہ کیا اور اس کی  
 تصویر اتالی۔ اس کی کچھ میں یہ کھنڈ آیا۔ وہ دخت  
 سے بچے کو آئی اور میرے قریب آکر کیمرو کو غور سے  
 دیکھنے لگی۔  
 - یہ کیمرو ہے، اس سے تصویر کھینچی جاتی ہے۔

میں اسے بھاننے لگا۔  
 - تصویر! اور وہ کچھ گہرا سی گئی۔ شاید اس کے  
 ذہن میں گاؤں کے کسی بیلے کے سفری ٹوٹ کر اڑی دلا  
 کھوم گئی ہوگی۔ وہ اور زیادہ حیرت سے کیمرو کو کھورنے  
 لگی۔  
 - اس سے میں نے تمہاری تصویر آماری ہے، میں

کہا۔ میری تصویر.....  
 مجھ سے کہے بنا کیوں منجلی  
 تم نے؟ غصہ اور شرم سے اس کے گالوں کی رنخت ایسی  
 ہی ہو گئی جیسی اس وقت بورد کی طرف آسمان کی ہوسا  
 تھی۔ تو اس میں ہرج کوٹا ہے؟ اور میں اس کے  
 ہاتھوں سے گڑی ہوئی درختی لے کر دخت کے چتے توڑنے  
 لگا۔ اس کی لمبی لمبی پلکیں بڑی تیزی سے حرکت کر رہی  
 تھیں۔ شاید وہ سوچ رہی تھی۔ ہاں! اس میں ہرج  
 کونسا ہے؟..... اور یہ وہ اپنے میل اور نکلے

پیروں اور پیرن کے بیٹھے ہوئے محسوس کو دیکھنے لگی۔  
 - مگر میری تصویر کا ٹکڑا کیا کرو گے؟ اس کا قصہ اور فلم  
 اب ایک قسم کی دہلی ہوئی خوشی میں بدلنے لگے تھے۔  
 - ایسا ہے، اخبار میں بچوں کا۔  
 - اخبار؟

- ہاں، تمہاری تصویر چھپے گی، سب لوگ دیکھیں گے،  
 تمہاری تعریف کریں گے اور مجھے انعام ملے گا۔ اس کی پلکیوں  
 کی حرکت اب اور تیز ہو گئی تھی۔ اس کے ہاتھوں پر شادر سکر آٹ



سائیکل چلانے لگا۔

سڑک بہت فرا بہ حالت میں تھی اس لئے بار بار سائیکل ایک جاتی اور اس کا سر میرے سینے سے آٹھوتا۔ اس کے نرم نرم ہل چہرے پر پھیل کر گہ گہ سی کرتے تھے۔ اور ساتھ ہی وہ اور سکر جاتی۔ ایک جگہ سڑک کچھ ہموار تھی۔ میں نے سائیکل بوری رفتار سے چلا دی۔ سامنے سے آتے ہوئے ہوا کے زور کے جھونکوں کی وجہ سے شاید اس کے پیٹ میں گہ گہ سی ہو رہی تھی اس کی ہر منٹ کی بے چینی سے یہی ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بڑی مشکل سے تہی کر کے ہونے ہے۔ بالآخر تھک ہار کر بولی۔

”بس، بس، اب رو کو بھا۔۔۔۔۔ میرے گرد گردیاں ہو رہی ہیں یہ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے بدن کا سارا خون اس کے چہرے پر گھس ہو گیا ہے۔ وہ نہ ہاتھوں سے ہینڈل کو مضبوطی سے پکڑے وہ کھلے پاؤں تھی۔“ میں۔۔۔۔۔ اسے اسے مجھے ہول آ رہا ہے۔۔۔۔۔ مجھے آوارہ۔۔۔۔۔ مجھے۔“

لیکن میں نے رفتار اور بڑھا دی۔

”اوہ۔۔۔۔۔ رو کو، رو کو۔۔۔۔۔ نہیں تو میں کوہ جاؤں گی؟ اس کی بے چینی اب بہت بڑھ چکی تھی۔“ میں۔۔۔۔۔ خبردار، کوہ نامت، ورنہ ہاتھ پیر فٹ جائے گا۔“

لیکن اب اس کی حالت قابلِ رحم ہو چکی تھی۔ میں نے سائیکل روک لی۔ وہ کہہ کر بیٹھ اتر آئی۔ ایک دم آنکھوں کے کونوں سے میری طرف جھانک کر دیکھا۔ ان ہی بے چین نظروں سے۔۔۔۔۔ اور پھر ایک دم جس بڑی ”علوم نہیں کیوں!“ اس کا گلاں اب بہت قریب آ گیا تھا۔ میں نے کوٹ کا کارڈ پرہ دست کر لیا۔ اور اس پر ایک آخری نظر ڈال کر سائیکل اُٹے بڑھا دی۔ وہ ایک درخت کے

گٹھا زمین پر ڈالے میری طرف گھور رہی تھی وہی بڑی بڑی آنکھیں اب بھی کچھ کہہ رہی تھیں۔۔۔۔۔ جانے کیا! کچھ دور جا کر میں نے مڑ کر دیکھا وہ وہیں کھڑی اب تک بٹھے گھور رہی تھی۔ میں آگے بڑھ گیا۔ پھر ایک مرتبہ پلٹ کر دیکھا، وہ اسی طرح کھڑی تھی، پھر ایک مرتبہ میں مڑ کر دیکھا، اور پھر ایک مرتبہ اور۔۔۔۔۔ اور وہی طرح کھڑی رہی۔ لیکن میرے ہر پیڈل پر طعنے جاتے ہوئے اور ہم میں فاصلہ بڑھتا رہا کئی بار وہ نے کہا کہ ایک دفعہ واپس چسپو۔ لیکن میں آگے بڑھتا ہی گیا۔ کئی دور ایک موٹر پر وہ نظروں سے غائب ہو گئی۔ اور پھر میں تیری سے سائیکل چلانے لگا۔ سات میل فٹوں میں ملے کر کے میں اپنے گاؤں پہنچ گیا لیکن راستے بھر مجھے اب محسوس ہوتا رہا جیسے دو بڑی بڑی اور مضطرب سی آنکھیں میرا تعاقب کرتی رہی ہیں، جیسے وہ آنکھیں کچھ کہتی رہی ہیں، اور جیسے میں ان نظروں کی پہنچ سے ابھر نہیں سکتا۔ گا۔۔۔۔۔

دو بھر دو دن بعد جب میں واپس شہر جا رہا تھا تو چند گھر کے قریب سڑک سے ہٹ کر میں شیکرے پتھر پر ہولیا۔۔۔۔۔ ہاں غیر اعتدالی طور پر ہی! جانتا تھا سید ہا اپنے رستے پر چلا جاؤں لیکن میں ایسا نہ کر سکا۔ صبح کے کوئی سات یا آٹھ بجے کا وقت تھا، میں گاؤں کے بالکل قریب سے گزر رہا تھا۔ کوئی تیس چالیس جھوٹوں کا معمولی سا گوں تھا۔ جھوٹیاں مار کر کے میں دوسرے کنارے پر پہنچ گیا لیکن وہ کہیں نظر نہ آئی۔ باؤس ہو کر میں دائیں جانب پیٹائی کی طرف مڑنے ہی لگا تھا کہ وہ نظر آگئی۔ وہ سامنے کھینٹوں کی طرف سے آ رہی تھی۔ آگے آگے بکری کے دو سفید بچے کھیل رہے تھے دوڑے آ رہے تھے۔ اس وقت وہ ایک نو رنگ کی چھون پہننے ہوئے تھی جو پہلے پھرن سے فورا اچھی حالت میں تھی، اور اس کے سر کے بال، اور ہاڈا، نے کی بجائے ایک جگہ مضبوطی سے بندھے

ہوئے تھے۔ شائدان میں تیل ڈال کر نگلی بھی کی گئی تھی۔  
..... وہ اس وقت بڑی خوش نظر آ رہی تھی اور  
برکی کے دونوں بچوں کے پیچھے اپنی کی طرح تھاپیں مارتی  
ہوئی میری طرف چلی آ رہی تھی۔

لیکن میں ایک غیب سے، معلوم نہ کر سکتے  
ایک جھاڑی کی آڑ میں ہو گیا، میں نے ایسا کیوں کیا یہ  
خود مجھے بھی نہیں معلوم۔ لیکن وہ میرے پاس سے گزری  
چلی گئی اور میں سائیکل تھامے جھاڑی کے پیچھے کھڑا  
رہا۔ وہی بے چین آنکھیں اب بھی کچھ کہہ رہی تھیں،  
..... شائد۔ لیکن میں انھیں اس وقت اپنی طرح نہ  
دیکھ سکتا تھا۔

اس کے بعد میں چلا گیا۔ پہاڑی کے دامن سے  
کھیتوں کے بیچ میں سے، دیہاتوں کے سامنے سے اور  
باغوں کے کنارے سے، جہاں کہیں سے بھی میں گزرا  
ایک سوال براہ میرے ذہن میں ٹھوٹتا رہا۔  
اس نے وہ بال کیوں گوندہ رکھے تھے؟  
..... کیا۔

لیکن میں یہاں آکر رک جاتا اور پھر شروع  
سے سوچنے لگتا۔

کہتی ہوں۔۔۔۔۔ یا شائد اب بھی وہ کچھ کہتی ہوں۔۔۔۔۔ کون جانے!

## جی جیلانی

**محبت کی جھاڑوں :-** مرزا غفر الرحمن صاحب بی آ کے چودہ افانوں کا دلچسپ مجموعہ ہے۔ اس کے  
جلد افانے عشق و محبت کی ولولہ انگیز یوں اور حسن و شباب کی رعنائیوں سے معمور ہیں۔ ہر فسانہ میں تخیل کی  
جولانیاں اور مشاہدات کے تاثرات کا رفرہ ہیں۔ نوجوانوں کے نصب العین معاشرہ کی سچی نقویہ اور مصروف  
زندگیموں کے لمحات فرصت کے لئے ایک شانستہ ذہنی تفریح ہے۔ اس کا حسین و جمیل سرورق دیکھتے ہی اس  
کتاب کے بیناک اسلوب اور اس کے افانوں کے لیے پناہ شومی کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

چھوٹی قطع (۱۳۲) صفحات قیمت مجلد چھ

شہر پہنچا تو کچھ دن اور اسی سوال کو دہراتا رہا۔  
پھر رفتہ رفتہ میں اس واقعہ کو بھول گیا، اس سفر کو  
بھول گیا، اس پہاڑی کو بھول گیا، اس چرواہی کو  
بھول گیا۔۔۔۔۔ وہ سوال بھی میرے ذہن میں جانے  
کہاں وقت ہو گیا!..... اے اے کا استحسان دیکر  
جب میں لاری میں اٹنے کاؤں جا رہا تھا تو چند نر کے  
قریب سے بھی گزرا تھا۔ لیکن میں سب کچھ بھول چکا تھا۔  
مجھے یاد ہے، لاری میں اپنے کسی دوست کے ساتھ باتوں  
میں میں ایسا محو تھا کہ مجھے یہ بھی خبر نہ رہی کہ چند نر آ رہے  
اور کب گزر گیا۔۔۔۔۔ اور پھر برابر ایسا ہی ہوتا رہا۔

ہاں، وہ نقویہ میں نے دھوا کر اپنے الہم میں  
لگوئی تھی جو آج تک دہی ہی پڑی ہے۔ آج رسول کے بھیر  
اپنا الہم دیکھ رہا تھا کہ انا تک نظروں کے سامنے وہ نقویہ لگائی  
اور میرے ذہن کے سامنے تار مجھے کسی نے جھنجھوٹا ڈالے  
اس واقعہ کی یاد ذہن کی سب سے علی تہہ سے ابھر  
آئی اور پھر میں الہم کا وہ صفحہ الٹ سکا۔

جانتے وہ اب کہاں ہو؟ کسی ہو؟..... شائد اب  
پھر اس کے بال کھڑے ہوں اور شائد اس کی وہ بے چین  
آنکھیں اب بے چین ڈر رہی ہوں، شائد اب وہ کچھ  
.....



# ایک سوال

زمیں کے تاریک گہرے سینے میں پھینک دو اس کا جسم خاکی!  
 یہ سیگوں نرم نرم کر نہیں  
 جو ماہ و انجم سے پھولتی ہیں  
 یہ نیلگوں آسماں کی دنیا  
 یہ شرق اور غرب کے کنارے  
 یہ میوہ ہائے لذت و شیریں  
 یہ حین بے نام کے اشارے  
 کبھی نہ اس کو جگا سکیں گے!  
 جوان و کش حین چہرہ سے چھین لی غم نے تابناکی!  
 کھلی ہوئی بد نصیب آنکھیں  
 یہ دیکھتی تھیں کہ آدمی نے  
 اک اپنے ہی جیسے آدمی پر  
 تمام دروازے بند کر کے  
 بہیمیت کو جگا دیا سہنے!  
 لذت انبار نعمتوں کے  
 سیاہ پردوں میں دب گئے ہیں  
 اور آخرش راندہ جہاں سے زمیں کی آغوش وفا کی!  
 اسی لئے کیا اُگاکریں گے  
 یہ نرم پودے یہ نرم ستائیں  
 کہ ان کو اک روز ہم اٹھا کر  
 خزاں کی آغوش میں سلا دیں؟

احقر الایمان

# محبت کی حیات

عزیز احمد برسرِ طرکی کو ٹہلی میں غیر معمولی پہل پہل ہے کیونکہ ان کے ہاں چائے پر کچھ جہانِ معلوم اور یہ پارٹی شفیق احمد کو لندن سے واپسی کی خوشی میں دی جا رہی ہے۔ کوٹلی کو خوب سجایا گیا ہے۔ ڈرائنگ روم میں ایک نوجوان شیلے سوٹ میں ملبوس بے چینی سے کسی کا منتظر ہے۔ کھلتا ہوا رنگ کٹا چہرہ، بڑی بڑی آنکھیں ایک صوفے پر دراز کھڑا بیٹھے اتھلی سے اخبار پڑھ رہا ہے کہ گویا وقت گزارنے کی ناکام کوشش میں ہے۔ ریڈیو لوگ بھرا ہے لیکن شفیق پر بار چہرے پر سے اخبار ہٹا کر آہٹ کو بغور سنتا ہے۔ بے چینی کا یہ عالم ہے کہ سگریٹ پر سگریٹ سلگاتا ہے لیکن اس کو یہ بھی خبر نہیں کہ آیا وہ اس کو پی بھرا رہا ہے یا کوئی نئی جلائے جا رہا ہے۔ اتنے میں ایک اور نوجوان (جو گھٹس کے شفیق کا بے تحلف دوست معلوم ہوتا ہے) داخل ہوتا ہے۔ اس وقت ریڈیو پر ریگت کا یا جاز کا تھا

”ایک ندی کے دو کنارے ملنے سے محبوب“ شفیق اسی گیت کے سننے میں کچھ ایسا محو تھا کہ شاہد کے داخل ہونے کی اس کو خبر تک نہ ہوئی۔ شاہد نے اس کے شانے پر ہاتھ مارنے ہوئے کہا: ”کہو یار“ شفیق گویا کسی گہرے خواب سے چونک پڑا اور شاہد سے بڑے تباہ سے مصافحہ کیا۔ ”میں بھی کوئی خاص بات نہیں بتاؤں گی تمہارے انتظار میں۔۔۔“ شاہد نے بات کاٹ کر کہا میرے انتظار میں یا کسی اور کے۔ نہیں شاہد تمہارا ہی انتظار تھا۔ شفیق نے کہا۔ ارے تو بے وقوف۔ طاہر۔ انوکا تو اب تک پتہ نہیں۔ یہ ہندوستانی بھی بڑے وعدے کے پابند ہوتے ہیں!

شفیق نے منتظر تھا ہوں سے باہر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ شاہد۔ تو کیا تم ہندوستانی نہیں ہو جو ہندوستانی پر طنز کرتے ہو۔ انکشان کا کیا چکر لگا آئے ہو میں گویا اپنے آپ کو بھی پور وپن تصور کرنے لگے۔ دانشور شفیق مجھے تو ڈر لگتا ہے۔ خدا کے تھارے خیالات بالکل ہی تبدیل گئے ہوں۔ وہ کسی کی زندگی تباہ ہو جائے گی۔ شفیق نے بے چینی سے کہا۔ نہیں نہیں شاہد! تم کو غلط فہمی ہوئی میرے خیالات وہی ہیں جو آج سے چھ سال قبل تھے۔ یہی شاہد مجھے اب اپنے خیالات تبدیل کرنے پڑیں۔

”کیوں خبر تو ہے آج تم کچھ ایسی دسی باتیں کر رہے ہو“ شاہد نے کہا۔ خیر جھوٹو بھی اس جھوٹے کو اب انور۔ نعیم وغیرہ کو میرے خیال میں فون کرنا پڑے گا کہ آیا وہ آ رہے ہیں یا نہیں۔ یہ شفیق نے بات کا پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ شاہد۔ ارے یار دیکھو فون کرنے کی زحمت کیل گولڑا کرتے ہو۔ وہ رہے انور۔ نعیم۔ وغیرہ۔ شفیق اور شاہد بڑھ کر سب کے یکے بعد دیگرے لاتے ہیں۔ شفیق سے تو ہر ایک بطور خاص ملاقات کر رہا ہے۔ کیونکہ آج کی دعوت کا مرکز ہی وہی تھا۔ یہی گفتگو اور چائے سے فارغ ہو کر تمام دوست کچھ خوش گویوں کے بعد رخصت ہو گئے۔ اس طرح سات بجنے تک شفیق اور شاہد تنہا رہ گئے۔ لیکن شاہد موقع کی تلاش میں تھا کہ شفیق کی رنجیدگی کا حال کسی طرح معلوم کرے۔ چنانچہ شاہد اپنی جگہ سے اٹھ کر شفیق کے بازو پیٹ لیا اور بے تحلفی سے گلے میں باہیں ڈال کر پوچھا کہ ”بھیا شفیق آج تو تمہیں اپنی غائب دامغانی یا رنجیدگی کا اصل واقعہ سنا ہو گا۔ تمہاری کوئی بات مجھ سے تو پوشیدہ نہیں۔ واللہ تم کو یہاں سے اٹھنے سے دوں گا جب تک کہ سارا حال نہ کہہ ڈالو“ شفیق نے کہا۔ شاہد مجھے خود تم سے مشورہ لینا ہے۔ اس وقت میری جان عجیب

مکمل میں ہے۔ تم کو معلوم ہی ہے کہ میں انگلستان جانے سے پہلے کیسے خیالات رکھتا تھا اور وہاں کے قیام کے زمانے میں بھی جو امیدوں کے شجر لگانے تھے اور جن کی آبیاری اپنے خونِ جگر سے کی تھی، غزال کی نڈر ہونے سے معلوم ہو رہا ہے۔ میری بد قسمتی تو دیکھو کہ میرے انگلستان پہنچنے کے چند روز بعد ہی ابا جان اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے۔ اب رہیں امی تو ان بیچاری کا حال غم کی وجہ سے پہلے ہی سے اتبر ہے اس پر سر پر سودے کے مصداق پہنچی صاحب کی پوشیدہ کارروائیاں ان کے لئے سوہانِ روح ثابت ہو رہی ہیں۔

شادیات کاٹ کر یہ تمہاری پہنچی صاحبہ کو تو ایسے وقت میں تمہاری والدہ صاحبہ سے اور بھی زیادہ ہمدردی اور نگہ ساری کرنی چاہیے تھی۔

شفیق نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ہاں شاید تمہارا اکہنا بالکل ٹھیک ہے لیکن ان کو ظاہر کوئی تکلیف نہیں۔ لیکن تم کو یاد ہو گا کہ میرے انگلستان جانے سے قبل چچا صاحب نے اپنی اکلوتی لڑکی شمیمہ کو مجھ سے منسوب کر دیا تھا۔ اور اہرام سے وعدہ بھی کر چکے تھے۔ اور یوں بھی مجھے بچپن سے نہ جانے کیوں اس لڑکی سے کچھ انس سا ہے۔ لیکن اب جب کہ ابا جان نے رحلت فرمائی پہنچی صاحبہ کے خیالات بالکل بدل گئے ہیں۔ وہ یہ چاہتی ہیں کہ شمیمہ غیر گھر میں بیاہ دی جائے اور وہ ہیں سطرِ آبد نے کہا۔ کیا تمہارا مطلب اکبر حسین جاگیر دار کے لڑکے سے ہے؟

شفیق۔ ہاں۔ شاید کہ ان کے ہاں بڑی جاگیریں ہیں۔ اہرام کی ساری جائیداد کے تو چچا ہی مالک ہوں گے۔ پھر حصہ ہمیں بھی مل جائے گا۔ لیکن باجید کی تو پوری جائیداد اس طرح ان کے ہاتھ

لگ جائے گی؟ شاید نہ کہا۔ میرے خیال میں ان کو تم سے بہتر اور صالح لڑکا ملنا دشوار ہے۔ شفیق بولا۔ "تمہارے خیالات کا دوسروں سے متفق ہونا دشوار ہے۔" شام۔ شفیق دشوار نہیں بلکہ ضروری ہے کیونکہ سب کی رائے تمہارے متعلق اچھی ہے۔ بلکہ تمہارا انگلستان جانا سونے پر سہاگہ ہو گیا۔ اگر بی بی جان تم کو کھودیں گی تو سمجھ لو کہ انھوں نے دنیا کی انمول شے اُکھودی۔ شاید وہ یہ نہیں جانتیں کہ ہر جگہ جی چرمونا نہیں ہوتی۔

شفیق بولا۔ "ہاں تو شاید میں کیا کہہ رہا تھا کہ میرے لئے گھر میں کوئی دلچسپی سوائے امی کے باقی نہیں رہی البتہ شمیمہ کا وہی طرز اور اطمینان اب بھی دستور ہے کیونکہ اس کو اس تبدیلی کا علم ہی نہیں۔ مجھے یہ لڑکی درشت شہ صفت معلوم ہوتی ہے اس کی آنکھوں میں نہ جانے کیوں میرے لئے محبت کھلتی رہتی ہے۔ اس کی ہر حرکت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ میری دایسی پر بی بی خوش ہے۔ اس بیچاری معصوم کو ان جھگڑوں سے کیا سروکار۔ کل میں نے ان حالات کا اس سے ذکر کیا تو وہ بہت پریشان ہوئی اور اس وقت سے ہر لمحہ رنجیدگی اس کے معصوم چہرہ کا طواف کر رہی ہے۔ اس کا پھول سا چہرہ کھلا گیا ہے۔ امی جان نے اب تک اس کے کانوں کا رخ نہ کی تھی۔ آخر میرا اور اس کا معاملہ تمہا میں نے گل ڈرتے ڈرتے اس ذکر کو پھیل ہی دیا۔ وہ اتنا سنتے ہی اس قدر متاثر ہوئی کہ بس تکلیفیت بگڑی بخار ہی چڑھ آیا۔ اب تم ہی بتاؤ کہ اس صورت میں میں کیا کر سکتا ہوں۔

تم کو اپنے چچا صاحب کی رائے بھی معلوم کر لینی چاہیے تھی۔

شام نے کہا۔ اور اگر تم مناسب سمجھو تو شمیمہ کے خیالات کو بھی باجید کے متعلق دریافت کر لیتا۔

شفیق۔ اے بھئی ابا کو تو بوجھے مت جی مٹا  
نے ان کو کڑا پہلی ناک کا ہے۔ وہ تو ہر بار یہی کہتے ہیں  
کہ میں اپنے بھائی کی واحد یادگار کو کسی صورت مدافہ  
کروں گا۔ اور اپنا وعدہ پورا کروں گا۔ شاید نے کہہ  
"اماں پھر نصیب وار کس بات کا ہے۔"  
شفیق۔ سنا آج ہی صبح بچا صاحب نے مجھ کو  
بلا کر کہہ دیا کہ "میں نے تمھاری بیٹی سے اس معاملہ  
میں لاکھ بھاری طوط داری کرنی چاہی لیکن انوس  
تمھاری بیٹی کسی طرح راضی نہیں ہوئیں۔ میں مجبور ہوا۔"  
اور آپ تو اچھے بات چیت کی بھی رہو چکی ہو  
شاید۔ شمیمہ اگر ناراض ہو بھی تو کیا یہ کام  
ہو سکتا ہے شفیق۔ کیوں نہیں۔ بلکہ اس کو مجبور کیا  
جائے گا۔ اس بھاری کی کون سنس ہے۔ تم شمیمہ سے  
پھر ایک بار مل کر اس بات کی ترغیب دلاؤ کہ وہ نکلا  
کر دے۔ اسی میں تم دونوں کی بہتری ہے۔  
شفیق۔ اچھے یقین ہے کہ شمیمہ جیسی اعلیٰ فز  
اور درجہ رکھنی اس بات کو گوارا نہ کرے گی۔ اگر وہ نکلا  
کرے تو ہندوستان کے سماجی قانون کے لحاظ سے اس کے  
بہاس معصومیت پر دھتہ سالگ جاتا ہے۔ گفتگو نہیں  
تک پہنچی تھی کہ لازم نے آکر کہا کہ "حضور بڑی بیگم صاحبہ  
آپ کا کھانے پر انتظار کر رہی ہیں اور آپ کو یاد دلاتی  
ہیں۔"  
شفیق شام سے فرصت ہو کر اندر آیا تو کیا  
دیکھتا ہے کہ میز پر سوائے اس کی والدہ کے کوئی نہیں۔  
شفیق نے پوچھا۔ "بی سب کہاں ہیں اور شمیمہ۔"  
"بیٹا آج صبح سے شمیمہ کمرے سے باہر نہیں نکلی اس کی  
طبیعت ناساز ہے۔ بخار کچھ تیز ہو گیا ہے۔ اس نے تمھاری  
بیٹی جان شام وہیں ہیں۔ میں بھی ابھی تمھارے  
کھانے کے انتظام کے لئے آگئی۔" اچھی آپ میرے  
کھانے کی فکر نہ کیجئے میں کچھ دیر طیر کر کھالوں گا ابھی

مجھے کہنے بھی تو تبدیل کرنے میں۔ آپ شمیمہ کے پاس  
جائے۔ اگر ڈاکٹر کی ضرورت ہو تو اطلاع دیجئے۔ بیٹا  
وہ تم کو صبح سے یاد بھی کر رہی تھی۔ اگر تم ہی جانا تو  
بہتر ہے۔" اچھا اچھی جان آپ کا حکم ہو تو میں جانا ہوں۔  
یہ کہہ کر شفیق شمیمہ کے کمرے میں آتا ہے ایک آرامتہ  
کمرے میں ایک حسین دوشیزہ جس کی عمر ۱۵-۱۶ کے  
لگ بھگ ہے۔ مسہری پر آنکھیں بند کئے لیٹی ہے  
بال پریشان ہیں۔ دو پڑشاؤں سے ڈھلک کر  
آگیا ہے۔ سرخ و سفید رنگ۔ شریقی آنکھیں۔  
ابھی ہوئی زلفیں اس کی پیشانی پر اس طرح بکری  
ہوئی ہیں گویا وہ اس کے معصوم چہرے کی ملا میں  
لے رہی ہیں۔ پائنتی کر دین جیسی باتیں کر رہی ہے  
"شمیمہ کیا ہم اندر آ سکتے ہیں؟" شفیق۔ بولا۔  
شمیمہ (جیسے کسی سہلے خواب سے بیدار ہوئی ہے  
اپنی شریقی آنکھیں کھول کر)۔ "آئیے شفیق بیبا۔"  
مجھے آپ کا بہت انتظار تھا۔" اسے شمیمہ تم نے  
دور دراز میں رہی یہ کیا حالت بنائی ہے۔ کریں نے  
کہا۔ چھوٹے مہاں۔ دیکھئے ہر ڈیڑھ گھنٹے سے بنائی  
کو دو پلانے کی کوشش کر کے ٹھک جئے۔ آخر کو چھوٹی  
بیگم صاحبہ تو کسی کام سے اور پر جلی گئیں۔ بھلا میری تو  
کیا سنستے۔ ذرا آپ ان کو سمجھائیے۔"

"اچھا کریں تم مٹ جاؤ۔ آپ ہم کوشش کرتے ہیں  
دیکھیں شمیمہ۔ کیسے نہیں مانتی۔" شفیق نے آرام کرنا  
مسہری کے قریب کر لی۔ شمیمہ دیکھو بھی اگر تم نے  
دوانہ نہ تو ہم تمھارے کمرے میں نہ آئیں گے۔ یہاں  
کی ضد اچھی نہیں۔ تم دو اپنی کی تو جلد ابھی ہو جاؤ گی۔  
میر تم کو ہماری لائی ہوئی دلچسپ کتابیں پڑھنے کا  
موقع ملے گا۔ دیکھو نام تو پوری مرصعہ معلوم ہو رہی  
ہو۔"  
شمیمہ (گھبرا کر) شفیق بیبا میں دوا پیئے لیتی ہوں

خدا را آپ یہاں آنا نہ چھوڑیے۔ پھر جلدی پانی بھی لو۔ ورنہ ہم چلے۔“ شفیع نے شمیمہ کو سہارا دے کر دوا خود پلائی۔ شمیمہ بولی بیتی جب بھی آپ میرے کمرے میں آجاتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ میری کوئی کھوٹی ہوئی چیز مل گئی ہے۔ دو تین روز سے تو عجیب ہی کس کسٹل میں مبتلا تھی۔ لیکن آج آپ کے دشن ہوتے ہی ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ ساری الجھنیں دور ہو گئیں۔

ہاں شمیمہ ٹھیک ہے لیکن جہاں تم میرا اپنا خیال رکھتی ہو وہاں ایک اور بات مان لو تو کہم سب باتوں کو ٹھیک جائیں۔ شمیمہ نے بے چینی سے کہا: ”بیتا بتائیے تو وہ کیا بات ہے کیا میں نے کبھی آپ کی بات مان لی ہے۔“ یہ وہ یہ کہ تم اپنی حالت بہت جلد درست کر لو۔ اور ہاں یہ تم نے کالج پانا کیوں چھوڑ دیا۔ یہ شفیع نے سوال کیا۔

”کیا کہوں بیچارہ! دل کالج میں ہلک نہیں لگتا۔ جمبو۔“ دشاؤد کہتا بھی مجھ سے یہی کہتی ہیں۔ شمیمہ نے معصومانہ انداز سے کہا: ”کل سے تم کالج جایا کرو تاں بیمار و رنج ہو جائے گی اور ساری شملو صحت مند ہو جائے گی۔“ شمیمہ نے کچھ سوچ کر کہا تو اسے مجھے صحت مند ہو کر کیا کرنا ہے بھیا؟

شفیع نے جذبات کو ضبط کرتے ہوئے کہا: ”بیچارہ! بعد تو روز و شب تمہاری صحت کے لئے دست پا ہو گا نہ جانے کتنی مٹیں مان رہی ہوں۔“

شریفو بھیا آپ ہرگز اس کا نام زبان پر نہ لائیے۔ وہی تو میری بیماری کا سبب بنا ہوا ہے۔ میں مانتی ہوں کہ آپ بھی اس کا نام زبان پر لانا نہیں چاہتے لیکن کالج پھر کیوں اس کا ذکر چھڑا۔

شفیع نے کہا: ”شکوہ اب تو تم کو اسی کے ساتھ

زندگی۔۔۔۔۔ الفاظ گلے میں ایک کر رہ گئے۔ گلہ گزرا میں۔۔۔۔۔ تم کو زندگی اسی کے ساتھ گزارنا ہے۔ اب تمہیں ہم کو بھلائی کی کوشش کرنی چاہیے۔ شمیمہ نے کہا: ”میں نے جو تہیہ کر لیا ہے وہ پورا ہی کروں گی۔ اور انشا اللہ اپنے منصوبے پر مضبوطی سے قائم رہوں گی۔“

اری شمیمہ کیا تم بھی اب مضبوط منصوبے باندھنے لگی ہو۔ کیا تم وہی اطرطی کی ہو جو بار بار کاغذی ناؤ بنا کر پھر خود ہی بھگدڑی تھیں اور ریت کے ٹکڑے بنا کر اپنی ایک شعلہ کر کے پھر اس کو براد کر دیتی ہیں۔ تم میں اتنی قوت کیسے پیدا ہو گئی۔

شفیعہ۔ ”ہاں بہتاً منصوبے باندھنا آپ کی کل کی گفتگو نے سکھایا اور آپ کی محنت نے اس میں مضبوطی پیدا کر دی۔“ گھر وندوں اور ناؤ کا معاملہ اچھی

کھیل تھا لیکن یہ معاملہ میری دائمی زندگی کا کھیل ہے۔ تمہیں یہ بھی تو یاد ہو گا کہ پھر آپ میری ناؤ کو جوڑ بھی دیتے اور گھر وندے کو دوبارہ بنا دیا کرتے تھے۔

وہ زمانہ اور تھا شمیمہ دیا کو ایک پہلو قرار نہیں۔ شمیمہ نے معصومانہ انداز سے کہا: ”معلوم تو ایسا ہوتا ہے کہ قدرت ہم سے کھیل رہی ہے۔“

شفیع۔ ”بہاری زندگی قدرت کے ہاتھ کا کھلونا ہے۔ یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ ناؤ۔“ انور شمیمہ کی ماموں زاد

بہنیں آئیں۔ ان کی سنی باتوں سے شمیمہ اور شفیع بڑی دیر تک ہنستے رہتے۔ انور کی تو عجیبو باجی کہتے زبان

بھولتی تھی۔ (اتنے میں شمیمہ کی والدہ انور کو ڈھونڈتی ہوئی آئی تھیں۔ اسے انور پھل میں تجھے ڈھونڈتے ہوئے

کب سے مارے اسے پھر رہی ہوں۔ چھو باجی کی طبیعت عجیب نہیں تھیں۔ آگ مارنے دے۔“ شمیمہ نے کہا

”اجی اسے رہنے دیجئے اس کی بائیں مایسی پیاری ہیں کہ میرا دل بہل جاتا ہے۔“ بیٹی تمہیں حرارت تھی نا

یہ کہ اب تم کو اس چیز کا مادی بھی بننا ہے۔ اسی خیال سے ادھر نہیں آنا ورنہ کوئی بات نہ تھی۔ اتنا سنتے ہی شہیدہ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔

شفیق۔ اری تم کو تم یہ کیا کہہ رہی ہو۔ دیکھو تمہارے سرخ گال دُور درمیان تمہارے کپڑوں کی طرح زرد پڑ گئے ہیں۔ اور تمہاری اداس صورت کسی غیر معمولی واقعہ کا پتہ دے رہی ہے کم از کم دنیا والوں کو دکھانے کے لئے اپنی حالت سنبھالو ورنہ بڑا نام بھوجاؤ گی۔ شہیدہ یہ سب کچھ جو دنیا کے لئے برداشت کر رہی ہوں کیا یہ کچھ کم ہے جو آپ اس میں اضافہ چاہتے ہیں۔

شفیق۔ اچھی شہادت تم کو رنج ضرور ہو گا لیکن سنئے گھر میں اپنے تجوں ساتھی اور اپنے ناز برداروں میں رہ کر کبھی نہ کبھی تمہارا غم غلط ہو جائے گا لیکن کیا میری حالت تم سے زیادہ قابلِ رحم نہیں ہے کہ ابا کو سدھار کر ابھی ایک برس بھی نہ گزرا تھا کہ دُور جانچا مادہ پیش آیا۔ لیکن دیکھو قہر درویش ربان درویش سب سہارا ہا ہوں۔ جانتی ہو کس کی خاطر۔ تم کو چاہیے کہ نصبر کرنے میں میرا ساتھ دو۔ تم کو ایک بیون سا بھائی مل رہا ہے۔ میرا بیون ساتھی بھی نہ مانے مہیا کرو یا۔ یہی احسان کیا کم ہے۔ عین اسی وقت ریڈیو پر یہ ریکارڈ بچ رہا تھا۔

تو نے دیا ہے غم مجھ سے لے غم سے چار ہے۔  
سنٹی ہو شہو۔ ”غم“ میرا بیون ساتھی ہے جس طرح میں اپنے اس ساتھی کے سامنے سر تسلیم خم کر دوں گا اسی طرح تم کو اپنے بیون ساتھی، جد کے آئے۔

اس دوران میں شہیدہ روتے ہی گئی اور شفیق کی آنکھیں بھی پریم ہو گئیں۔ شہو کم کو میری قسم آئندہ بہانا۔ کیا تم اپنے غم کو کسی ایک اور آخری بات نہ مانو گی۔ وہ یہ کہ آج جو کچھ بھی ضرور

آرام کرو۔ (ماتھے پر ہاتھ رکھ کر) خدا یا تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تجارا ترکا اب تو غرضی کے دن نزدیک ہی ظلم ہوتے ہیں۔ جیسے شہو تم کھڑے کیوں ہو بیٹھ جاؤ۔ میں جاتی ہوں۔ شہیدہ کی ماں کیا آئیں ان دونوں کی خوشامیہ کو اپنے ایک فقرے کے ساتھ بھاگ گئیں۔ دین بج رہے تھے۔ شفیق بہت کچھ تسلی دیکر شہیدہ سے رخصت ہوا۔

جوں ہی شہیدہ کو محنت ہوئی اس کی شادی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ آخر وہ دن بھی آ گیا جب کہ شہیدہ کو ماتھے بٹھایا جانے والا تھا۔ شفیق کی ماں نے لاکھ وعدے یاد دلائے لیکن سب بے سود ثابت ہوئے۔ آج پھر ”عشرت منزل“ میں پہل پہل ہے اور کوئی کو سجا کر دہن بنا دیا گیا ہے۔ شفیق سب کچھ دیکھ رہا ہے لیکن زبان نہیں ہلا سکتا۔

شہیدہ زرد لباس میں ملبوس اپنے کمرے میں تنہا بیٹھی ہوئی تھی۔ ماں کو بڑی آرزو تھی کہ شہیدہ اکلوتی لڑکی تھی۔ مال و دولت کی کمی نہ تھی۔ گیارہ دن کے لئے مانگے بٹھایا گیا کہ دل کے ارمان غلبیں۔ شفیق اور شہیدہ کی تمنائیں آخری ہچکیاں لیتی معلوم ہو رہی تھیں۔

ریڈیو دھیمپل رہا ہے لیکن شہیدہ کسی خیال میں گم ست نہ بنی بیٹھی ہے۔ اسے میں پیچھے سے کسی کے چاپ کی آواز آتی ہے اور ساتھی شفیق کی رنج و اندوہ میں ڈوبی ہوئی آواز ”تم کو کیا ہم اندر آ سکتے ہیں“ شہیدہ (جو تک کر) اسے شہو۔

انفاد گھر میں ایک گئے (پھر کچھ سنبھل کر) آئیے آنکھیں آپ کا انتظار دیکھتے دیکھتے پھرا گئیں۔ پانچ چھ دن سے آپ کی صورت کو ترس گئی۔

شفیق میں ضرور آتا۔ پہلے تو یہ کہ تم کو ہانوں سے کب چھٹکارا ملتا ہے۔ دوسری چیز

آج جلوه کی رسم ادا ہونے والی ہے۔ لیکن حقیقت میں شفیق اور شمیمہ کے ارا مانوں کا جنازہ غلے والا ہے۔ شمو کی والدہ خوش ہیں کہ آخر اپنی مرضی کی شادی کر کے ہیں۔ حالانکہ وہ یہ بھی نہ جانتی تھیں کہ حمان کا داماد بن رہا ہے اس کے پوشیدہ حالات کیا ہیں۔ عزیز احمد بھی اس شادی سے بالکل بے لاگ ہیں۔ اور کمرے میں تنہا لیٹے ہیں۔

شب گشت کو دو لہا بڑی دھوم دھام سے "عشرت نزل" میں داخل ہوا۔ رات کا برجوش استقبال کیا گیا۔ صرت قاضی صاحب کچھ انتظار کے بعد آتے ہیں۔

اتنے میں باہر کچھ شور و شب سنائی دیتا ہے۔ ہر ایک عزیز احمد کو بلانے دوڑ رہا ہے۔ جب ان کو معاملہ کی اطلاع ملی تو وہ باہر نکلے۔ پورے واقعات معلوم کرنے سے قبل ہی کایک ایک انہی شخص ان کے پیروں پر گر پڑا۔ عزیز احمد نے بھر اس کو اٹھایا اور ماجرا دریافت کیا۔ معلوم ہوا کہ باجیاں جو اس وقت نوشہ بے ہوئے ہیں اس انہی شخص کی بہن زرنہ کو بیاہ چکے ہیں اور وہ شادی بھی اسی دھوکے میں کی کہ ان کے ہاں مال و دولت بہت ہے۔ لیکن بعد میں ہمیں معلوم ہوا کہ ان کی سب جاگیر ان کے بڑے بھائی کے قبضے میں ہے۔ اور میاں ماجد کو سوائے زرنہ بھائی کے کچھ نہیں ملا۔ اس شخص نے کہا اس وقت میری بہن سخت بیمار ہے مگر اس کے لڑکی پیدا ہوئی۔ جس کا انتقال ہو گیا۔ اب زرنہ کا آخری وقت ہے اگر ماجد آجائیں تو دیدار طیب ہو سکا گا۔ اتنا سننے پر عزیز احمد کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ دوڑے ہوئے بیوی کے پاس آئے سارا حال سن کر بیوی نے سر پیٹ لیا کہ ہائے میں لٹ گئی۔ اب رات کا لوٹا نا بھی جگ ہنسائی کا باعث تھا۔ لیکن دانشمند

وقت ملا ہے اس کو بھی طرح گزار دو۔ اور مجھ سے وعدہ کرو کہ تم مجھ کو بھلانے کی کوشش کرو گی۔

لیکن میں اس میں شائد ناکام رہوں گی۔ عظیمہ نے کہا۔ تم کو اپنی زندگی کا سیاب بنانے کے لئے اس کے ہر پہلو کو کامیاب بنانا پڑے گا۔ اور تم ہوش خوش رہنے کی کوشش کرنا، عظیمہ۔ حکم تو بہت سہل ہے لیکن چونکہ آپ نے بھی جان کی بازی لگادی ہے اس طرح اگر مجھ کو بھی اسی قیمت پر وہ شے حاصل ہوتی ہو تو مجھے کوئی دینا نہیں۔

شفیق (پریشان ہو کر) نہیں نہیں شمو میرا مطلب یہ تھا کہ تم جاننا چاہو دو۔ بلکہ تمہاری زندگی اور تمہاری خوشی میری خوشی اور تمہارا دکھ میرا دکھ ہو گا۔

شمیمہ شفو جیسا آج آخری موقع ہے۔ شمو سے آپ کو کوئی شکایت باقی نہ رہ جائے مکیئے اور کیا حکم ہے۔

شفیق شمو بس یہی کافی ہے۔ جو کچھ میں نے کہا ہے اسی کو نبھانے کی کوشش کرو۔ دیکھو ڈونیل بھی شائد آگئی ہیں۔ بچی جان آ رہی ہیں۔ پھر مجھے اچانک کو بھی نو لکھین دینی ہے ان کی حالت بڑی خراب ہے۔ عظیمہ۔ ہاں بڑی امان کو میرے ہاں بھجوائیے تاکہ تنہائی میں ان سے بھال لیں۔ لیکن جب تک تم آئو نہ پوچھ لو میں ہرگز نہ جاؤں گا۔ شمیمہ نے آئیل سے آئو شاک سی کہتے تھے کہ بھر بہر نکلے۔ جب اکو رکوانے کی ناکام کوشش نہ کیجئے۔ آج ہی کا تو دن ہے بہہ لینے دیجئے۔ وہ میرے اختیار میں بھی تو نہیں حقیقت۔ اری دیوانی ناکام کوشش کی

کامیابی رہی تو حقیقی خوشی حاصل ہوا کرتی ہے۔ اچھا خدا حافظ وہ دیکھو اب بھی آ رہی ہیں۔ شفیق تھوڑی دیر بعد شمیمہ سے رخصت ہو گیا۔

آرسی مصحف کے بعد دلہن رخصت کر دی گئی۔  
دلہن کو یہ بھی خبر نہ تھی کہ وہ جس گھر میں آئی ہے کس قسم  
کا ہے۔ وہاں کے لوگ کیسے ہیں۔ وہ کسے میں تھا  
اداس بیٹھی ہے کہ اتنے میں اس کے کان میں  
کسی کی دلربا آواز گونجی ہے۔ شوہر کیا ہم اندر آسکتے  
ہیں۔ آواز جانی بھائی تھی لیکن شیمہ کو اپنے کان پر  
اعتبار نہ آتا تھا۔ حیرت و استعجاب سے نگاہیں خود  
خود اوپر اٹھ گئیں تو منتظنین کو اپنے جواب کا منظر  
پایا۔

زربیدہ (خجندا)

مٹی فرما شوہر کو ایک طرف لیجا کر کہا ایسا بھابھا کہ وہ الٹے  
باؤں واپس چلے گئے۔ اور ہر آواز میں تپشانی  
کے عالم میں ساری باتیں جھٹلانے کی کوشش کر رہے  
ہیں۔  
شیمہ کا حال اتیرہ اب تک دو عین بار تو  
بے ہوش ہو چکی ہے۔ تمام سہیلیاں اور ہم عمر بہنیں بیٹھی  
تلی دے رہی ہیں۔ شام کو دو لہا میاں آرسی مصحف  
کے پلے لائے گئے، ہر ایک دوسرے کو دیکھنے کا مشتاق  
تھا۔ لیکن سہرا ان کے چہرے پر ایسے چھایا ہوا تھا کہ  
صورت دیکھنا دشوار تھا۔ سہیلیوں اور بہنوں نے  
ہر قسم کا ذرا کیا لیکن دولہا کی طرف سے جواب نہ دار۔  
کسی نے کہا کہ ارے تو بڑا س دو پلے نے تو گویا گونج  
کا گڑھا لیا ہے۔ غرض مٹی منہ اپنی باتیں۔

## حقیقی ترقی پسند ادب کے ترجمان ماہنامہ چمنستان

سالنامہ

۱۹۴۷ء کو شائع ہوا ہے جس میں بڑے محبوب ادبی اخلاق  
اور فن کاروں کا ذکر کیا گیا ہے۔

- پاکیزہ ادب
- زندگی کے آئینہ دار
- کائنات کا ترجمان
- صحت مند تنقید
- یہ سب اس ادب کے حسین نمونے ہیں جو ہمیں اپنی پس کی
- ترتیب میں چمنستان کے ایڈیٹر شاعر اہل کلام حصہ دے رہے ہیں
- مطالعہ آپ کے ادبی ذوق کی تکمیل کا باعث ہوگا۔

سالانہ کی قیمت ۵ روپے  
انچے ٹکڑے کی قیمت ۱ روپے  
فیبر چمنستان، قصہ شاعر، (پنسل روڈ ولی)

## ”نور و سُر“

شاعر جذبات اختر رضوانی کا نازہ محبوبہ کلام۔

یہ محبوبہ کیفیت وجدان کا مرقع ہونے کے علاوہ

موجودہ ہندوستان کے عوام جذبات کا

آئینہ دار ہے۔

مقدمہ شیخ سر عبد القادر نے رقم فرمایا ہے

ملنے کا پتہ: ناظم مکتبہ ادب سی ۱۸، انارکلی لاہور



# دیسوی مرغی مجلس قانون ساز

غلط کی سب سے بڑی منڈی کے میدان میں افسر خوراک کی اجازت بغیر ایک ہی رات میں سندھ کے احرار نے ایک وسیع پنڈال "آل انڈیا دیسی مرغی مجلس قانون ساز" کے اجلاس کے لئے تیار کر دیا تھا۔ تمام مسلم لیگی رضا کار تہجد کے وقت سے اس پنڈال کی حفاظت کے لئے کمر بستہ موجود تھے، پنڈال کا صدر دروازہ دیسی مرغیوں کے انڈوں سے نیا لگیا تھا اور صدر مجلس کے لئے "تخت سیرخ" بچھا لگایا تھا، مجلس کی صدر محترمہ سیدہ صاحبہ مارٹوزی نمبر ۲ تھیں جو بین الاقوامی مرغی کی یورپی مجلس میں ہندوستانی مرغیوں کی نمائندگی کے فرائض انجام دے چکی ہیں، مجلس کے سرکاری ممبروں کے مقابل آج کی تحریک کے محرک شہرود مرثیہ حضرت مارٹوزی صاحبہ صدر صاحبہ کی میز کے برابر برابر ہندوستان کے ہر سو بے کے دیسی مرغیوں کے سیکڑوں لٹاپے رکھے ہوئے تھے اور ہر ٹاپے کے اوپر ایک نمونہ کا انڈا تھا، صبح کو جیسے ہی کہ تمام آل انڈیا دیسی مرغیوں نے اذانوں کا آغاز کیا، سب سے پہلے اپنی یورپی صندوق کے مطابق اپنا لوی نمونہ اور مجلس قانون ساز کے اطالوی ممبر پنڈال میں داخل ہوئے۔

صدر صاحبہ ان کے کوئی گیارہ بجے کھانے والے سے فارغ ہو کر تشریف لائیں اور اطالوی اراکین مجلس سے اپنی ملکی کاہلی کی معافی چاہی، اس کے بعد ہندوستانی اراکین مجلس کا سلسلہ شروع ہوا جو عصر کی نماز کے وقت تک جاری رہا، اس پر اطالوی نمائندوں نے ہندوستانیوں کی ردِ امتیحا کاہلی اور غیر قانونی زندگی پر احتجاج کے طور پر اطالوی مرغیوں کے تمام ٹاپے

پنڈال سے باہر نکلوا دیئے، صرت چند ہی آپاس مرغیوں کے ٹاپے رکھ لئے گئے، اس کے بعد صدر صاحبہ نے غلطی برقعہ کے اندر سے مجلس کا ایڈا پڑھ کر حضرت مارٹوزی کو اپنی تحریک پیش کرنے کی اجازت دی۔ حضرت مارٹوزی آج ایک بڑے دیسی مرغی کے صرخ بھول کی ٹوٹی پہننے ہوئے تھے جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ اپنی عادت کے مطابق سخت بحث فرامیں تھے مارٹوزی صاحبہ کے کھڑے ہوتے ہی تمام اطالوی مرغیوں نے خطرہ کی وہ آوازیں بلند کیں جو بتی اور بیلے کو دیکھ کر مرغیوں کی کیا کرتے ہیں، اس کے بعد مارٹوزی صاحبہ ذیل کی تحریک پڑھ کر سنائی۔

ہر گاہ اس مجلس کے عوامی اراکین کے علم و شہ میں یہ بات آئی ہے کہ ہندوستانی لیکس اور ہندوستانی زبان و ادب کی طرح اب ہندوستانی مرغیوں کی قدیم نسل بھی اس طرح ضائع کی جا رہی ہے کہ جنگ کے زمانے کی لیک مارکیٹ قسم کی آمدنی سے چند ہندوستانی جو قدر سے قلیل "نودو" لیتے "ہو گئے ہیں اب ہمارے چند روزہ ثروت کے دیسی مرغیوں کے گوشت اور انڈوں سے نفرت کرنے لگے ہیں اور اطالوی مرغیوں کی نسل بڑھانے میں مصروف ہیں چونکہ اس طرح نمک کی ایک قابل اور نسل ہی ضائع نہیں ہوتی بلکہ اس طرح ہر غیر ملکی چیز سے موانعت اور ملکی چیز سے نفرت عام ہونے کا امکان پیدا ہوتا ہے، لہذا یہ مجلس حکومت سے سفارش کرتی ہے کہ ائندہ ہندوستان سے جو ہندوستانی سفیر ملکی میں مقرر کیا جائے انکو

اس موقع پر صدر صاحب نے ملازمی صاحب سے ان کے اس فقرہ کی شرح چاہی کہ "اطالوی مرغیوں کے انڈوں کی نالافتی ثابت ہے۔"

اس پر ملازمی صاحب نے فرمایا کہ:-  
محترمہ اطلالوی مرغیوں کے انڈوں کی نالافتی سے میری مراد یہ ہے کہ علم طب میں یہ بحث و تحقیق ہو چکی ہے کہ مرغ کا گوشت اور مرغی کے انڈے مقوی ہیں لہذا جس انسان کو مرغ مرغیوں کے گوشت اور انڈوں کی طاقت حاصل ہو وہ پھر طلوع آفتاب سے پہلے اگر بیدار ہو کر کھائے تو میں مصروف نہ ہو اور دن کے گیارہ بجے تک سوتا رہے تو اس کا مطلب صاف ہے کہ پھر گویا اطلالوی مرغیوں کے گوشت اور ان کی مرغیوں کے انڈوں میں طاقت کے عوض منعطف ہے جس کی بے بسی کے وجہ سے لوگ دس دس تک بستروں سے حرکت کے قابل نہیں ہو سکتے اس لئے جب اطلالوی مرغ مرغیوں کے گوشت اور انڈے نوش فرما کر بھی ہندوستانی طلوع آفتاب سے پہلے بیدار نہ ہوں اور دوسری غیر ہندوستانی قوموں کے برابر نوٹ کر کام نہ کریں تو ایسے قابل ہندوستانیوں کے لئے یورپی مرغ مرغیوں پر دولت صرف کرنا بیکار۔  
عین اسی طرح علم طب سے ثابت ہے کہ عمدہ قسم کے مرغ کے گوشت کی دہانوں میں سونے تولاد اور جوار کے جوتہ اعلیٰ کے غذا مرشال ہوتے ہیں ان سے انسان کے دماغی قوی کو کمال ملتی ہے لہذا ایک ضابطہ یہ بھی تیار پایا ہے کہ جو ہندوستانی اطلالیہ کی موٹی مرغی کے انڈے کھائے اور قسم اول کے اطلالوی مرغی اڑائے اس میں دوسرے ہندوستانیوں کے مقابل زیادہ ذہانت ہو لیکن ہندوستان میں لاکھوں اطلالوی مرغ مرغیوں کے گوشت اور انڈے کھا لینے کے بعد بھی آج جو ہندو مسلم مذاہات ہو رہے ہیں ان سے ثابت ہے کہ ہندوستانی کے دماغوں میں اعلیٰ درجہ کے اطلالوی مرغی کھا کر عمدہ

ہدایت کی جائے کہ وہ اطلالوی حکومت کے اس معاہدہ کو منوع کرانے کی کوشش کرے جو برطانوی حکومت کے عہد میں حکومت ہند کے نام سے ہوا تھا۔

اس تحریک کی تائید میں حضرت ملازمی نے ایک بچہ موٹے مرغے کو بغل میں دبا کر ہندوستان میں مرغی کھانے پھر مرغی لڑانے پھر انڈے کھانے اور پھر اطلالوی مرغ مرغیوں کی آمد اور ان کے انڈوں کی ترشی کے تمام تاریخی اسباب اس کمال جامعیت سے پیش فرمائے کہ عصر سے عشار کا وقت ہو گیا مگر ایک مسلمان ممبر نے بھی احتجاج کی ہمت نہ کی کہ دھرمنازین تفسا ہو چکی ہیں اس کے بعد ملازمی نے اپنی بغل میں دپے ہوئے مرغے کا ٹیٹو دبا کر اس کی آواز کی گرج سنوائی اور کہا کہ ہم ہندوستانی چونکہ جو کھٹ سے جو کھٹ جوڑ کر گھسان کے مکان بنا کر رہنے کے عادی ہیں اس لئے صبح کو ایک پورے محل کی آبادی کے لئے تنہا ایک سی مرغ کی آواز کافی ہوتی ہے لہذا کوئی وجہ نہیں کہ ہم اس سے بڑی آواز کے مرغیوں پر اپنی محدود دولت کو صرف کر سں، اس جگہ اطلالوی کا بندہ نے ثبوت کے طور پر اپنے مرغے کا ٹیٹو دبا کر کہا کہ ہمارے مرغیوں کی آواز میں تمام بستی کے لئے کافی ہوتی ہیں۔ لہذا صبح تیزی کے لئے اطلالوی مرغیوں کی ہندوستان میں ضرورت ثابت ہے لیکن ملازمی صاحب نے برجستہ فرمایا کہ ہندوستان میں دولت مند طبقہ تین بجے شب تک جگاؤ و تامل کھیلتا ہے یا یورپی کھیل کھاتوں میں مصروف رہتا ہے اس لئے وہ تین بجے جب کے بعد سوتا ہے لہذا مرغیوں کی آواز تو کم فٹ وہ توپوں کی گرج سے بھی دس بجے دن سے پہلے جب بیدار نہیں ہوتا تو اطلالوی مرغیوں کی آواز بیکار آؤ اطلالوی مرغیوں کے انڈوں کی نالافتی ثابت۔

# غزل

دشت پیائے محبت ہوں نہ چھیلو مجھکو  
ہمہ تن مائل وشت ہوں نہ چھیلو مجھکو  
نہ شفا سے مجھے مطلب نہ میا سے عرض  
میں مریض غم فرقت ہوں نہ چھیلو مجھکو  
نہ تو تکلیف کا احساں نہ راحت سے عرض

ہمہ تن در محبت ہوں نہ چھیلو مجھکو  
عیش و آرام کہاں صحبتِ احباب کہاں  
میں گرفتار محبت ہوں نہ چھیلو مجھکو  
دوست احباب بھی ہوتے ہیں غرضِ غریب  
میں تو لبریز شکایت ہوں نہ چھیلو مجھکو

غزلیا رنگ

قسم کھا لاوی انڈے اڑا کر بھی کوئی لاکٹ امتیاز نہ پتا  
پیدا نہیں ہوئی بلکہ اطالیہ کے جھنڈے کے مرے اور انڈوں  
کے استغالی سے ہندوستانوں میں بربریت اور ہمت  
کے ہیانات اور جذبات میں اضافہ ہو گیا جنھوں نے ہندو  
مسلمانوں کے فداوات کی صورت اختیار کر لی۔ لہذا اس  
دلیل سے اب میری تحریک اقتصادِ دوسرے بڑے کرسیاں  
اعتقاد سے بھی اس قابل ہو جائے کہ گورنمنٹ آف انڈیا کو  
دیسی مرغام غریبوں کو ترقی دینے کی خاطر غیر ملکی مرغام غریبوں  
اور غیر ہندوستانی انڈوں یا غیر ہندوستانی انڈوں  
سے بھی ہوئی دوسری ہرنوع کی غذائی دوا کو روک  
دے، ملازموزی صاحب نے جیسے ہی کہ دیسی مرغام غریبوں  
کے حق میں یہ زبردست دلیل بیان فرمائی تمام دیسی  
مرغام غریبوں کے بالوں میں ایک عظیم حرکت پیدا  
ہو گئی اور تمام دیسی مرے اذائیں دینے لگے۔  
اس موقع پر صدر صاحب نے شب کا کھانا کھا  
اور نمازیں قضا ہونے اور ان کے ادا کرنے کے وقفہ کا  
اعلان فرمایا۔  
اس موقع پر اطالوی نمائندے سائیر رائڈ  
جنھوں نے جوش کی منہج کے بعد تمام چٹائی انڈوں کے  
اطالیہ پہنچانے کے تجربہ کا شکریہ ادا کیا اور شش کی اہمیت  
جاری رہے اور انھوں نے ہندوستان کے مسلمانوں  
کے بعض ایسے شاعروں اور ایسی اسلامی انجمنوں کے  
اجلاوں کی اطلاعات پیش کیں جن کے دوران میں  
نمازوں کے اوقات گزر گئے مگر نہ صدر شاعر نے نماز  
کے لئے اجلاس بغاوت کیا نہ شرکار نے اس کی بڑا  
کی لیکن ملازموزی صاحب کی مداخلت سے صدر محترمہ  
نے اطالوی نمائندے کی کوشش کے خلاف اجلاس کو  
برنست کیا جانا ضروری قرار دیا۔

ملازموزی

## تصویروں میں احسانِ اصول

عمیق مطالعہ کی اہمیت

اس فقرے کے دونوں غیر متعلق عناصر نظم اور ارضیات، پہلے ہی قدم پر کچھ دیر کے لئے پس حیرت زدہ بنا دیتے ہیں۔ لیکن جو بھی یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ تخلیق کی بلند پروازی سے شاعر آسان پر چڑھ کر وہاں سے عرش کی خبر تو لیا جاتا ہے، لیکن فرش پر نظر آنے والی چیزوں کی باطنی کیفیت سے بالکل بے خبر ہوتا ہے تو ہمارا استعجاب جیشم زدن میں کافور ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ شاعر کی نظر اشیا کی مرن بیرونی سطح ہی تک محدود رہے گی، تو اس کے کلام میں استنادی شان ہرگز پیدا نہ ہوگی۔ پس شاعر کو چاہیے کہ وہ اپنے مشاہدے کو مکمل تر بنانے کے لئے مختلف علوم کی مدد سے اشیا کی باطنی گہرائی تک پہنچنے کی کوشش کرے۔ شاعر جس وقت لفظی تصویر کشی کرتا ہے تو ارضیات، نباتیات، فواعم صرورت و نحوہ عروص وغیرہ سب کو بالائے طاق رکھ دیتا ہے، تاکہ یہ احموی ذخیرہ ابتداء ہی سے اس کی بے ساختہ آمدیں ٹکراوٹ نہ بن جائے۔ جب وہ اپنی طبیعت کی روانی کو ظاہر کر چکتا ہے، تب وہ اس کے معیار کو جانچنے کے لئے مذکورہ بالا اصول کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

آرٹ میں قانون ارتقاء

ترقی پذیر عصر ہے..... یہ سچ ہے کہ مقصور  
سائنس دان ہونے کی وجہ سے مشہور نہیں ہو کر تے نام  
وہ سائنسی بننے پر مجبور ہیں۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ  
مصورین نے پیشہ ہی ایسا اختیار کر رکھا ہے جس کی  
حد و دین سائنس قدر تا داخل ہے پس جس بات پر  
میں زور دینا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ایک نبردست  
حقیقت ہے کہ سچو لے پھیلے اور آگے بڑھنے والا  
علم سائنس خود دفن صورت کی حد و دین موجود ہے  
اور یہی اس کا اہم ترین اور ترقی پذیر عنصر ہے۔

یہ قول بالکل صحیح ہے کہ:-  
 ”ہر شخص جو لکھنا سیکھ سکتا ہے، وہ نقاشی بھی  
 سیکھ سکتا ہے۔“

پس جو نقاشی سیکھتا ہے، اسے چاہیے کہ تصویروں کو ترتیب دینا بھی سیکھے۔ اساتذہ سلف کے ذہانت سے لے کر آج تک، جن قابل اور خوش ادانقاشوں نے اپنے تخلیقات سے پروہ تصویر (کرمی) یا صفحہ قرآن کو مزین کیا ہے، ان کے کارناموں میں بس یہی ایک چیز ترتیب دیکھنے میں نہیں آتی۔ حالانکہ ان تصویروں میں جزئیات کو تفصیل کے ساتھ ہوید کر نے کی قابلیت، تصویر کے ہر حصے اور ہر جزو سے عیاں ہے۔ جزئیات نگارسی ہی کی وجہ سے کہ مصور کے ابتدائی خیال میں ان تفصیلی اجزاء کا جو حقیقی زور تھا، وہ تصویر کے ان حصوں کی اجتماعی ہیئت میں ضم ہو کر کمزور پڑ گیا۔

علم ترتیب دراصل علم الاجتماع ہے، اور یہ قول ہے نہال اس گلستاں میں جتنے بڑے ہیں ہمیشہ وہ نیچے سے اوپر چڑھے ہیں دنیا کا آرٹ ترقی کرتا گیا ہے۔ یعنی مصورین، لفظ شیرخوار کی طرح پہلے پہل، اشیاء کی شکل سے واقف ہوئے۔ زان بعد تصویر سی مواد (Material) سے، اور آخر میں رنگ اور روپ دونوں کی ترکیب یا ہیئت اجتماعی سے (دیکھو صفحہ ۳۵) نشاۃ جدیدہ کے حسن کاروں کے ایسے کارنامے جو دنیا کی ساری تصویروں میں اپنی نظیر نہیں رکھتے، ان میں بھی مذکورہ بات کی تدریجی کیفیت کو بتلایا جاسکتا ہے۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ تدریجی ارتقاء کو مد نظر رکھتے ہوئے، ان سے نظیر شاہکاروں کو جب نشائی آرٹ کے کثیر حصے کے ساتھ مقابلہ کیا جاتا ہے، تو اچھے کے ساتھ بڑے کام میں جو نسبت دکھائی دیتی ہے، اسی نسبت کو دور حاضر کا آرٹ نسبت معکوس میں پیش کرتا ہے۔

**ترتیب اور رنگ کی اہمیت** ترتیب یعنی تصویر کی اجتماعی ہیئت کے متعلق ہم کسی بحث کو روشنی ڈالنے والی ایک ایسی ظاہری مثال کو پیش کر دینا کافی سمجھتے ہیں، جو آرٹ کے متلاشی، خواہ وہ عامی ہو، یا پیشہ ور حسن کار، دونوں کے لئے یکساں طور پر دعیب ہے۔ وہ یہ کہ تماشاخی جب یورپ کی تہسی قدیم آرٹ کیلری سے گذرتے ہوئے، جدید آرٹ کی کیلری میں قدم رکھتا ہے تو اس کی دماغی الغباخی کیفیت میں ایک دم سکون پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ اچانک تبدیلی اس امر کا ثبوت ہے کہ جدید آرٹ کیلری میں، متوازن خطوط، متوازن کمیتوں، اور متوازن رنگ کے ساتھ عام طور پر ایسی سادگی بھی پائی جاتی ہے، جو تصویر ہی ہم آہنگی کے لئے نہایت ضروری ہوتی ہے۔ پس ظاہر ہے کہ رنگ، روپ اور ترتیب ارکان ہی ہم آہنگی پیدا کرنے والے عناصر ہوتے ہیں۔ لیکن قدیم آرٹ میں ترتیب کی خامی ہی اس کی کمزوری کا سبب بن جاتی ہے۔ یاد رہے کہ ترتیب کی خامیوں کو الفاظ میں بیان کرنا آسان نہیں، اس لئے قدیم آرٹ کے اس جزو کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے، اور جہاں تک رنگ کا تعلق ہے، یہ بتلادینا ضروری ہے کہ امتداد زمانہ کے اثرات نے ان شہرہ آفاق شاہکاروں میں جو گہست لونی ہم آہنگی پیدا کر دی ہے، اس کو بھی ہم بادل ناخو اسے ہی شاید کسی اور چیز سے بدلنے پر راضی ہوں۔

## متقدمین میں گروپ بندی اور متاخرین میں دوپیکری ترتیب اچھی ہوتی ہے

ہر جن کاربھی طرح واقف ہے کہ ایک، تین اور  
کثیر پیکروں کی ترتیب سے دوپیکری ترتیب بے حد مشکل  
ہوتی ہے۔ اس اصول کو سامنے رکھتے ہوئے صرف  
دوپیکری تصویروں کو لے کر ان کی ترتیب پر غور کرنے  
سے معلوم ہوگا کہ ترتیب کی اس صنف میں متقدمین  
سے متاخرین بہت پیش پیش نظر آتے ہیں اس مثال

سے یہ سمجھ لینا کہ متاخرین کو متقدمین پر ہر صورت فعالیت حاصل ہے۔ اسی لئے دوپیکری تصویروں  
کے ساتھ ترتیب کی دوسری اصناف کا علم رکھنا بھی ضروری ہے، تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ منطقی  
ارکان کی گروپ بندی اور منظر کے اندر حیوانی یا انسانی پیکروں کو نہایت خوش اسلوبی سے منظر  
کرنے کا لطیف ترین احساس، آرٹ کی دنیا میں سلف کے باکمال اساتذہ فن ہی کی بدولت داخل  
ہوا ہے۔ ہر حال یہ امر واقعہ ہے کہ کثیر پیکروں والی تصویروں کی ماہرانہ ترتیب کی بعض مثالوں میں  
میکائل انجیلو، روبینس، کورجیو، اور ونیس کے دوسرے تاقدرین فن پر آج تک کوئی سبق نہ لے  
جاسکا۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ جہاں ہم ان اساتذہ کی نمایاں کامیابیوں کی ستائش کرتے ہیں وہاں  
ہم ان کی فرد گذاشتوں، یا ان کے معاصرین کاروں کی ترتیبوں میں سہو نظری کو ذرا موش بیکرنا چاہیے۔  
متقدمین ہمدردانہ ہوا اساتذہ مسلک کے مطابق ہوتی ہو، اور ایسی تعلیم اساتذہ سلف کے بحالوں کی اساس پر یا ان کے  
تعمید ہمدردانہ ہوا اساتذہ مسلک کے مطابق ہوتی ہو، اور ایسی تعلیم کو انھوں نے بلا حرج و چرا

سلیم بھی کر لیا ہو ان سے ہماری اسناد ماہر ہے کہ وہ اپنے دل کو قدیم روایاتی تعصب سے بالکل پاک  
کر دیں، اور ہر تصویر کو معصوم کے نام یا تاریخی حوالے کی مدد سے جاننے کی بجائے خوش ترشیبی کے  
اصولوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کا رنگاموں کے حسن و قبح کو دیکھیں تو بہتر ہوگا۔ ایسی تصدیق کے لئے  
غیر جانب دارانہ نقطہ نظر کی سخت ضرورت ہے، اور ایسا نقطہ نظر ہمدردی سے خالی نہ ہو، اور ایسا ہونا بھی  
نہ چاہیے۔ ورنہ صد ہا سال کے جمع شدہ ذخیرہ نقادیر کو جو ش عقیدت سے دیکھتے رہنے کے سبب  
ناظر کے خیالات میں قدامت پرستی کا جو میلان پیدا ہو جاتا ہے، وہ میلان زیر غور نقادیر کی تمام  
خوبیوں پر پانی پھیر دیتا ہے، اور تصویر پر متحد ستائش سے محروم ہو جاتی ہے۔

## جدید تصویر میں قدیم نمونے غیب پیدا کر دیتے ہیں

فن ترتیب پر اب تک جتنی اہم تعانیف دستیاب ہوئی ہیں  
ان سب میں برنٹ کی کتاب "نور و ظلمت قدیم تر ہے۔"  
اس زمانے کی تصنیف ہے، جب قدیم اساتذہ کے  
اثرات کا تذکرہ تھا، اور دعویٰ یہ اساتذہ ان پیش کیا جاتا  
تھا کہ اساتذہ قدیم کی تصویریں اپنی ترمیمی خوبیوں کے اعتبار سے ہرگز مورد الزام نہیں قرار  
پاسکتیں، اور چونکہ بائی جینی، رافائل، پال پاٹر، اور ونس، گوٹ، ڈاچی، چیتو، ڈیورر،  
فینیا وغیرہ سب قدیم اساتذہ ہیں، اس لئے ہم ان کے شاہکاروں کو نفیس ترتیب کے بغیر

نوع سے تسلیم کرتے ہیں، جن کی پیروی ہر زمانے میں کی جانی چاہیے۔ اس خوش اعتقاد کی تحت، اساتذہ قدیم سے مختلف نقطہ نظر رکھنے والے حسن کار، جب ان اساتذہ کے نمونوں کو آزادی سے اپنی تصویروں میں استعمال کر جاتے ہیں، تو ان کا بہترین کام بھی کمزور پڑ جاتا ہے۔ دو پر حاضری کے مصوریں کی بھی یہی کیفیت ہے، جو اساتذہ قدیم سے بالکل مختلف انداز میں کام کرتے ہیں، لیکن اپنی سادہ لوحی سے قدیم اساتذہ کے نمونوں پر اقتداء کرتے ہوئے انھیں اپنے کارناموں میں استعمال کر کے عملی حیثیت سے ایسی بے میل اور ناقابل برداشت چیز کو تصویر میں داخل کر دیتے ہیں جن کو نقادانِ فن بلکہ تصویر کے ناشرین تک پسند نہیں کرتے۔

گزشتہ تین سو سال کے دوران میں، فنِ مصوری کے احاطہ عمل کی حدود میں جو خفیف سی ترقی رونما ہوئی ہے، وہ حقیقت میں قدیم اساتذہ کے آرٹ ہی کی بدولت ہے۔ اگر اس طویل عرصہ کی لگاتار جدوجہد کے بعد بھی آرٹ کی دنیا میں کسی قسم کی ترقی نہ ہو، تو واقعی بڑی حیرت کی بات ہوگی۔ **وہ جو تصویر نہیں** اقصائی اور رنگ جس طرح تصویر کی مدافعتی چٹائیں خیال کی جاتی ہیں، اسی طرح کوئی وقعت حاصل نہیں ہوتی۔ دیوار سازی میں کچھ ہی ان پتھروں میں وحدت و چسپیدگی پیدا کرنے والا عنصر ہوتا ہے، جس کی عدم موجودگی سے سارے پتھر پر اگندہ اور غیر منظم کائناتیں بن جاتے ہیں۔ پس ظاہر ہے کہ ترتیب ہی تصویر کے تمام ارکان کو آپس میں مربوط کر کے ان میں وحدت پیدا کر دیتی ہے۔ اس طرح ناظر جب تصویر پر وحدت کے اصول کو تسلیم کر لیتا ہے تو ضمناً وہ یہ بھی مان لیتا ہے کہ جن تصویروں میں ترتیب پائی نہیں جاتی، انھیں تصویروں کے ذریعے سے کھائی پھینکا جائے۔ با ترتیب اور بے ترتیب تصویروں کی جماعت بندی میں ذیل کی سناری توضیحات خود بخود تصویروں کے ذریعے سے خارج ہو جاتی ہیں :-

۱۔ ایسی سائفلک توضیحات کا بیشتر حصہ، جس کا اصل مقصد کسی حادثے، واقعہ، مقام کا انظاہر

یا جغرافیائی منظر کشی ہوتا ہے۔

۲۔ ایسے منظر کشی کے گروپ یا ان کی نقل، جن میں تصویر کا ہر فرد اپنی حیثیت میں دوسرے کی برابری

کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ ایسی مساوات کی وجہ سے تصویر مختلف پیکروں کا مجموعہ بن جاتی

ہے۔ اور

۳۔ ایسی توضیحات جنہیں روزانہ اخباروں میں دیکھا جاتا ہے۔ جن میں تصویر کشی کے موقع کو

نمایاں کرنے کی بجائے یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ قائل کس جگہ سے فرار ہوا، مقتول کہاں گرا،

غلاں کس کہاں غرق ہوا، اور لطف یہ کہ ان واقعات و حادثات کو تصویر میں تیرنا

یا ستارہ نامحلات کے ذریعہ بتایا بھی جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ بالا تمام توضیحات تصویر میں نہیں ہوتیں، وہ تو صرف مقامی وار داتوں یا حادثات کے منظر کی نقشے جو کرتے ہیں۔

۴۔ ان کے علاوہ فن مصوری کی عمل کاری کے میدان میں کبھی کبھی مصوری ایسی ماہرانہ کارستانیاں بھی دیکھنے میں آتی ہیں جو بچائے خود رنگ اور فن کاری (ٹکنک) کے لحاظ سے تو بڑی دلچسپ ہوتی ہیں، لیکن ایسی دست کاریوں سے ایک متوازن دماغ کو کبھی مسرت حاصل نہیں ہوتی۔ کیونکہ ایسی کارستانیوں میں توازن اور ہم آہنگی کے ایسے بدیہی اصولوں کا فقدان پایا جاتا ہے جو کائنات میں ہر جگہ کار فرما نظر آتے ہیں۔

اسی لئے تو کہتے ہیں کہ جب آپ پتھر سے اٹھول توازن کو الگ کر لو گے تو اسے ہم آہنگی سے محروم کر دو گے، اور جب ہم آہنگی کو نکال لو گے تو ظاہر ہے انتشار و پرالگندی پیدا ہو جائے گی۔

**تصویر کی تعریف** آدمی، لکھو، درخت، پار، پہاڑ، درہ گزر وغیرہ کی ایک چیز میں تصویر کے اجزائے ترکیبی ہو سکتے ہیں لیکن یہ اچھی طرح یاد رہے کہ ان سب اشیاء کو کاغذ یا پردہ تصویر پر برائے نام کر دینے سے تصویر نہیں بنا کرتی، اور یقیناً اس وقت تک نہیں بنتی جب تک ان سب اشیاء میں ایک باقاعدہ نظم و ترتیب نہ پیدا کر دی جائے۔  
حاصل کلام یہ کہ بغیر ترتیب کے تصویر ناممکن ہے اور تمام تصویریں اکائیوں کی من حیث الحال ترتیب ہی کو تصویر کہتے ہیں۔

یہ بات ناممکن نہیں کہ کوئی شخص تصویریں ترتیب میں توازن اور وحدت کے اصولوں کی سادگی کو دیکھتے ہوئے انھیں بالکل ہی مفکرمند خیر چیز سمجھ بیٹھے کیونکہ ہمیں خود بھی یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوتی ہے کہ ایک طرف تو ابتدائی دور کے

**توازن، تناظر، تقابل، وحدت اور ہم آہنگی، ترتیب کے اجزاء ہیں**

ایسے باکمال اساتذہ جن کے شاہکار بہ اعتبار فن چوٹی کے شمار ہوئے ہیں، ترتیب کے اصول انہی کو بخلا دادے کہ نظروں سے اوجھل ہو گئے، اور دوسری طرف پتھر پرست یا ارتسام نگاری کے جدید تصویریں داستان نے انہی اصولوں کو اپنی دانست میں غیر لازم سمجھ بیٹھا۔ یہ انکار ہی تھا جس کی وجہ سے تمام ارتسامین مندرجہ ذیل ترتیب کے اصول سے اتفاق نہیں کرتے۔ حالانکہ اس اصول کی اس خوبی کو دیکھتے ہوئے جو اس کی ایک غیر منفک خصوصیت ہے، ارتسامین کے دعوے کی ترتیب میں ثبوت ملتا ہے۔  
یہی جوابی باقاعدگی (Symmetry) توازن ترکیبی اجزاء میں تنظیم، عالی جگہ کی پرکاری جیسے ترتیب کے بہترین قانون کی یکسانی برسی بدستبی ہے، جو اس کی مخالفت میں یوں اب کشائی کی جاتی ہے۔

”کیا پتھر خود اشیاء میں ترتیب پیدا نہیں کر سکتی، حالانکہ اسی ترتیب کو وہ اپنے خوش آئند انداز میں دس ہزار گنا ہنر طریقہ پر پیش کر سکتی ہے؟“

ایسا دعویٰ کرنا کہ ترتیب پتھر کے قانون کا ایک غیر منفک جزو ہے اور جو ترتیب اس کے ذریعہ عمل میں آتی ہے بہترین ہوتی ہے، تو اسی سانس میں ہم ایک جو نگار کا ایسا طنز بھی سن لیتے ہیں جو نہ صرف اس بے بنیاد دعوے کی تردید کرتا ہے، بلکہ سرے سے دعوے ہی کو لایعنی کر دینا چاہتا ہے، جو یہ کہتا ہے کہ ایسی مفروضہ دعوے کی لغت کے زیر اثر ہم اپنی تصویروں میں سے یکے بعد دیگرے ایسے عناصر کو دینی توازن وحدت و



ہم آہنگی، غلغلوہ کئے دیتے ہیں، جن پر یہ تصویریں بنائی گئی تھیں، اور آخر میں اس سے جو نتیجہ برآمد ہو گا (یعنی پرکندگی) اس کو پتھر پر ستھ صوری کے مصنف مسٹر بیس کے ملاحظہ میں پیش کر دیں گے۔

وہ سہل کہتا ہے :-

## یہ پتھر ہمیشہ غلط ہو ا کرتی ہے

انتخاب میں انتہائی احتیاط اور ذوق سلیم سے کام لیتے ہوئے سائنس کی مدد سے ان عناصر میں ایسی ترتیب پیدا کر دے، جس سے حسین ترین نتیجہ برآمد ہو۔ یہ عمل اسی طرح ہونا چاہیے جس طرح ہر ایک نغمہ ساز مطرب منقبتہ سرود کو جمع کرتے ہوئے، ان کے خوش آہنگ ملاپ کو دریافت کرتے ہوئے اپنی طریزیں یہاں تک ایجاد کرتا چلا جاتا ہے کہ آخر میں بے شکم شور میں سے ایک عظیم الشان ہم آہنگی پیدا کرنے میں وہ کامیاب ہو جاتا ہے۔ پس نیچری پیش لہا وہ صورت کو بحسنہ قبول کرے کہ یہ تصویر کتنا کمال پر آ رہا ہے، یعنی ہے جیسے کسی ساز نواز کو پانچ پر چڑھ بیٹھنے کا حکم دینا، جس سے یہ ایک وقت سارے سرود کے بچنے سے خوش آہنگی کی بجائے بے شکم شور پیدا ہو جائے گا، یہ کتنا کہ پتھر ہمیشہ صحیح ہوتی ہے، یہ اعتبار ان مصوری، صداقت سے بعید، صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ اس دعوے میں وہی غلطی پائی جاتی ہے جو عام طور پر کسی دعوے کو کفیل اپنی خوش فہمی سے صحیح ہو ا کرتی ہے۔ اس لحاظ سے یوں کہنا زیادہ صحیح ہو گا کہ پتھر عموماً غلط ہو ا کرتی ہے۔ یا پتھر میں مطلوب اشارے ایسے حالات و کیفیات جن سے تصویریں ضروریات کے مناسب حال کامل ہم آہنگی پیدا ہو سکے، پتھر نشاۃ صورتوں کے ہر گز عام نہیں ہوتے۔

**مکتبی تعلیم صورتوں میں بنائی گئی** [زندہ معمول اور بے جان نمونوں کے شبیہ کشی کراتے ہوئے، نگار خانے طلبہ کو پالیا تو جھوٹا ہر چیز کی تصویر بنا سکتے ہو۔ نگار خانوں کی اس ویرینہ نصیحت کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ ایسا لائف کلاس جس میں مدرسہ معمول (ماڈل) مکتبی انداز میں کھڑا یا بیٹھا رہتا ہے اور وہی معمول جب کسی منظر کے اندر خیال کے اظہار کا جزو اعظم بن جاتا ہے، تو ان دونوں صورتوں کی تصویر کشی میں زمین و آسمان کا فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ لائف اسکول کی ساہما سال کی صورت از تربیت کے باوجود اکثر طلبہ مذکورہ بالا نگار خانہ یعنی نصیحت کی نیم صداقت سے متاثر ہو کر ان واحدیں تصویر سازی کی منزل میں در آئے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن جو بھی وہ اس منزل میں قدم رکھتے ہیں ان کی کوتاہیاں اور خامیاں ان پر واضح ہو جاتی ہیں کہ روزانہ مشق کے ذریعہ ٹرینی ہو شادای و کھلائے ہوئے جو کچھ انھوں نے مدرسہ میں بنانا سیکھا تھا، وہ دراصل تصویر سازی کی نہایت آسان ترین شکل تھی، اور اب جبکہ اسی پیکر کو اپنے ماحول (پیش منظر یا پس منظر) میں موزوں کر کے ماحول

آیا ہے، مکتبی تعلیم نے ساتھ چھوڑ دیا ہے، اس لئے انھیں سخت سے سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں ایک طالب فن جو سات سال تک غیر ملکی نگار خانوں میں کام کر چکا تھا، یہی شکایت کرتا ہے کہ:-

میں نے آرٹ کو اس لئے ترک نہیں کیا کہ مجھے تصویر کشینی نہیں آتی، بلکہ اصل وجہ یہ تھی کہ مجھے جو معلومات تھیں، ان کو استعمال میں لانے کے طریقوں سے مدد میں مجھے لاعلم رکھا گیا تھا۔

شایقین فن ہی نہیں، اکثر شہید کش مصواری میں قلم قلب سے اس امر کا صاف صاف اعتراف کرتے ہیں کہ حقیقت میں انھیں پیکری موضوع کو اس کے مناسب حال تصویر ہی ماحول میں ٹھیک طور پر پیش (تصویر) کرنے کے لئے بڑی بڑی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ پس یہ بڑا دلچسپ اور غور طلب مقام ہے کہ شہید کش مصور کو صرف ایک ہی پیکری تصویر سازی کرنی پڑتی ہے۔ لیکن اس تنہا پیکر کو بھی وہ موزوں طریقہ پر تصویر ہی ماحول میں پیش کرنے سے قاصر رہتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پیکر کو اجاگر کرنے کے لئے جب پس منظر سے اسے کافی تاہید نہیں ملتی، تو وہ پیکر خود ہی اپنی ناموزوں تصویر کشی کے خلاف عدائے احتجاج بلند کرتے ہوئے تنقید کو مشتعل کر دیتا ہے۔

عامی جامعہ کے لوگ شاید اس ماحول کو اچھی طرح نہ سمجھ سکیں اور لظاہر یہ اصول انھیں غیر معقول اور بے معنی نظر آئے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس مگر کو ہی لوگ اچھی طرح سے سمجھ سکتے ہیں، جو تصویر نگار بن جاتے ہیں۔ تصویر معلوم اور نامعلوم، ادوار اور پریشانی جوتی ہے جس میں انسانی پیکر اپنی اثر انگیز قوت کے ساتھ شے معلومہ (known) کا شبہ ہی پیش کرتا ہے۔ اس کے برعکس پس منظر ایسے نامعلوم (unknown) فاصلہ بید میں

## بغیر مہارت کے جزئیات یا تفصیل نگاری ممکن نہیں

گھسے چلے جائے یا کشادہ ہوئے والی جگہ جوتی ہے، جو بڑھتے بڑھتے کنوش (Familiar) پیدا کرنے والے مقام میں جذب ہو جاتی ہے۔ تصویر کشی کے وقت اس اصول کو ضرور پیش نظر رکھنا چاہیے۔ کیونکہ جس طرح موسیقی میں صوتی نغموں کے مد و جزر کی خاص کیفیات ہی نغمہ کا اہم ترین جز ہوتے ہیں، بالکل اسی طرح تصویر ہی موضوع کے محاسن کو نمایاں کرنے کا دار و مدار بھی اجزاء کے تقابل و توازن پر ہوتا ہے۔ اس اصول کو نظر انداز کرنے سے تصویر غیر متوازن اور بے آہنگی کا نمونہ بن کر رہ جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہم توازن اور تقابل کے اصول کی تحقیق کی طرف رجوع ہوئے ہیں تو ہمیں صاف طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ اصل موضوع کی تصویر کشی سے کہیں زیادہ مہارت اس کے معنی اور ذیل لوازمات کو بنانے میں درکار ہوتی ہے۔ اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ اصول تقابل کے ذریعہ ہونے والے موضوع کو زیادہ سے زیادہ اجاگر کرنے کا پورا دار و مدار تصویر کشی کے معنی لوازمات و تفصیلات ہی پر ہوتا ہے۔ اس وجہ سے جب ہم تفصیل نگاری پر غور کرتے ہیں تو راست اصول ترتیب (یعنی تناظر، تقابل و توازن) کی طرف رہنمائی ہوتی ہے۔

طباع حسن کا زفن پر قدرت رکھتا ہے الفاظ پر نہیں

مختلف تصویروں کے گونا گوں اثرات کا گہری نظر سے مطالعہ کرنے کے بعد سرچو شوارینا لڈ کہتا ہے :-

طوفا کر باہی ہسی، اود سرے اثرات کی مانند، ایک صاحبِ جودت (صدمہ صدمہ) کے کارناموں کو بھی چند قاعدوں کا پابند ہونا پڑتا ہے۔ جب یہ معلوم کرنے کے بعد کہ ان تاثیرات کی کوئی نہ کوئی علت ضرور ہوتی ہے، تو پھر ان کے لئے خاص خاص قاعدوں کا ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ ایسی مستقل نوعیت کی خوبیاں یا محسن محض اتفاقات کی بنا پر تو پیدا نہیں ہو کر تے۔ یہ تمام خوبیاں ضرور کسی کسی تحقیق اور اس تحقیق پر استقلال سے مجھے رہنے کی بدولت پیدا ہوتی ہیں۔ پس ان محسن کی نوعیت ہرگز اتفاقی نہیں ہو سکتی۔ بڑے بڑے قابل افراد اور ایسے افراد جنہیں صاحبانِ طغنت (صدمہ صدمہ) کہا جاتا ہے، اپنی قاعدوں کی مدد سے کام کرتے چلے آئے ہیں۔ یہ ایسے قاعدے ہیں جن کو یا تو وہ اساتذہ اپنے مخصوص انداز مشاہدہ کی بدولت خود ہی دریافت کر لیتے تھے، یا ان کی بناوٹ (Texture) کے اثرات ہی میں ایسی نفاست و نزاکت پائی جاتی تھی جس کو یہ آسانی الفاظ کا جامہ پہنا سکتے تھے۔ یہ بیان کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مصوروں کی ایک بڑی اکثریت خصوصیت کے ساتھ اپنے خیالات کے نفی میں کش میں ماہر نہیں ہوتی۔ یہ قاعدے بادی النظر میں کہتے ہی غبارِ کم کیوں نہ معلوم ہونے ہوں، اور ان کو ضبطِ تحریر میں لانا کتنا ہی مشکل کیوں نہ ہو، پھر بھی مصور اپنے نفس میں انہیں دیکھتا، اور محسوس کرتا ہے، اور انہی کی مدد سے ایسے کامل نقیص کے ساتھ کام کرتا ہے، گو یا وہ ضابطے صفحہ قرطاس پر مجسم بن چکے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ ان نازک اور نفیس ترین اعمولوں کو ہمیشہ اس انداز سے محسوس نہیں کرایا جاسکتا، جس انداز سے کرٹ کے موٹے موٹے اور بھدے قاعدوں کو محسوس کرایا جاسکتا ہے۔ تاہم مذکور بالا بیان سے اس کے سوا لے اور کوئی لازمی نتیجہ نہیں نکلتا کہ نفس کو اس انداز سے تربیت دی جانی چاہیے کہ وہ ایک ایسے سائنٹفک احساس کی مدد سے تصویر کے موضوع کا انداز رکھ سکے، جس کی موردِ نیت کو الفاظ

عکس سے ادا نہیں کر سکتے۔

یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ سائنس کا تعلق تمام تر صداقت سے ہوتا ہے، اور آرٹ کا صداقت اور فن، دونوں سے۔ لیکن تصویر کی ترتیب کے وقت ان دونوں میں جب حق توجیح کا سوال پیش آتا ہے تو



# ایک نظر

از  
رفنا اتھوی

دیکھنے کو تجھے بیتاب ہوا جاتا ہوں!  
جیسے اک پیکر سیما ہوا جاتا ہوں!  
تپش شوق سے، پیرہنی پھینکا جاتا ہوں!  
شعلہ شوق سے جلتا ہوں بھنا جاتا ہوں!

سامنے آ کہ تجھے ایک نظر دیکھوں گا!

روبرولات کی بکھری ہوئی گھنیری زلفیں!  
بجھ جائیں، نور کو آغوش میں لیکر ملیں!  
اور یہ پہا ہوا اہٹا ہوا، منظر شاید  
آگیا گھبر موشی سے گذر کر شاید

سوچتا ہوں اس اندھیرے میں کہ عروہ کیوں نکلا!  
سامنے آ

دل کی دھڑکن کے سوا، ساری فضا ہے خاموش!  
جیسے کوئی نہیں، نیامیں ہے منت کش ہوش  
ہاں گر ایک فہم سے نہیں جی کو دکھاؤ!  
نیل ندی میں شگستہ سی رہ چاندی کی ہے ماؤ

اتنی فرصت ہے گر کب؟ جو ادھر دیکھوں گا!  
سامنے آ

کا ہے احساس دلاتا ہے، مسلسل سکوت!  
بجھ میں نامیں گئے پادک ترے نکل کے بھوت  
اس خیال سے معاً، دہشت، ایک گناہ لٹا ہوا  
کانپا لٹتا ہوں، کبھی کانپ کے کانپ لٹتا ہوں

خود کو کب تک؟ یوں ہی محسوس، اٹھو دیکھوں گا!  
سامنے آ

جان سنتی آرام ہے آنکھیں بے خواب!  
آرزو و تپش، اور تمنا بیتاب!  
جرا میں اب تو جوتی جاتی ہیں پامال، انوکھا!  
پڑتی جاتی ہے مرے دیدہ امید پاؤں!

کس طرح؟ تجھ کو سونے راہ گذر دیکھوں گا!  
سامنے آ

# اہمیت صحرا اور موجودہ حالت پر نظر ثانی

کوئی گناہ کی پھینکار جو قدرت کے خلاف عمل میں لائی گئی ہو، اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی کہ وہ قیامت کا دن اس کی ہنر پر شش سے ہٹایا جائے۔ جنگلات بالواسطہ اور بلا واسطہ زندگی کا معرک ہیں۔ اول الذکر بلحاظ اپنی پیداوار کے، موخر الذکر بسبب موسم، باقاعدگی نمی و حفظ صحت اور خدائی اثرات کے۔ بالواسطہ معرک صحرا کو پیداوار کی ذیلی میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پیداوار کی چوبینہ ہنرمند اور کوئلہ پر مشتمل ہے۔ قطع نظر کثرت کے صحرا سے بے شمار پیداوار، مثلاً چھال (جو عمر آدہ یا بخت کے کام آتی ہے) گوند، شہد، موم، لاک، بانس، بید، پتے، پھول، بیج، گھاس وغیرہ برآمد ہوتے ہیں۔ یہ تمام پیداوار ذیلی میں شمار کیے جاتے ہیں۔ دراصل پیداوار ذیلی بہ نسبت پیداوار کیلے زیادہ قیمتی ہے۔ پیداوار ذیلی کا بیشتر حصہ بغیر صحرائی چوبینہ کو نقصان پہنچائے صحرا سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ لیکن ہر وقت اس پر عمل نہیں کیا جاسکتا۔ اکثر ہم کو قید کرنا پڑتا ہے کہ آیا ہم اپنے جنگلات سے چوبینہ حاصل کریں گے یا کوئی ذیلی پیداوار۔

جیسا کہ بیان کیا گیا ہے، بالواسطہ فوائد کے علاوہ صحرا کے بلا واسطہ بہت سے فوائد ہیں جو کسی طرح بالواسطہ فوائد سے کم اہمیت نہیں رکھتے۔ بعض صورتوں میں بلا واسطہ فوائد بہ نسبت بالواسطہ فوائد کے بہت زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ ایک زمین ساکھڑا جو سبز پوش سے مختلف اسباب طبعی کو خوشگوار بنا کر سورتج کی گرمی کو کم اور نہو کو آجور پرت زمین سے متصل ہے معتدل کرتا ہے۔ ان اسباب کو حسب ذیل طریق برحقہ قرار سے بیان کیا جاتا ہے :-

الف۔ درختوں کا گھنٹا تاج زمین سے کسی قدر بلندی پر ایک چھت بناتا ہے جو سورج کی شعاعوں اور برسات کے پانی کو زمین پر گرنے میں رکھتا ہے۔ پیدا کرتا ہے۔ یشامیانہ ہوا کے جھونکوں کو روکتا، اور رات کے وقت گرمی کو کم کرتا ہے۔

ب۔ بے درخت گھاس گرمی کا مقابلہ کر کے پرت زمین کی حفاظت کرتے ہیں۔ ہوا اور پانی جو اس میں جذب ہوتے ہیں اس پر بڑا اثر کرتے ہیں۔

ج۔ درختوں کی جڑیں زمین کے اندر پھیلی ہیں اور اس کی ساخت کو مضبوط رکھ کر مٹی کے پورے جانے کو روکتی ہیں۔ اس کے برخلاف یہی جڑیں ایسی زمین کو جو سخت ہے، پھیلنے لگتی ہیں۔

ان کا دکنوں کے اثرات پر ہمیشہ غور کیا جانا چاہیے اور بعض صورتوں میں ایسے زمانے کی بھی تحریرات محفوظ ہیں کہ جن کا ٹھیک پتہ نہیں چلایا جاسکتا۔ لیکن شکل یہ ہے کہ صحرائی اثر کے فرق کو ان کا دکنوں کے

مقابلے میں کس طرح پہچانا جائے۔ کیونکہ ہر ماحول میں مختلف انواع و اقسام کے جاندار ہیں۔ مثال کے طور پر صحرائی آخر مختلف وجہ سے اعتدالی پذیر ہوتا ہے۔ جیسے جزائی محل وقوع۔ سطح سمندر سے بلندی۔ ڈھال۔ عام ہیئت۔ بالائی و زیریں پر ت زمین کی قدرتی ساخت اور وسعت جھکات وغیرہ۔ طے جیلے اسباب کی وجہ سے جو وقت واحد میں سرگرم کار ہیں، اور معلومات کی کمی کی وجہ سے بعض تجربے نوی معاشرہ میں اہمیت صحرا کے متعلق مبالغہ آمیز ہو گئے ہیں۔ حالانکہ دیگر مالک اس کی اہمیت کی طرف مائل نظر آتے تھے۔ یہی تجربے کیا گورل کو فرانس میں اور نارڈلجرا در کینٹرل کو جرمنی میں رہبری کے موجب ہوئے۔ اس کے بعد انہی تجربات کو دیکھتے فرانس میں اور ابر میرنے جرمنی میں وسعت دی۔ ان تجربوں کے نتائج اس قدر دیکھ پ ثابت ہوئے کہ دوسرے ملکوں نے ان کی تقلید کی۔ ان تجربات کی تفصیل میں جانا غیر ضروری ہے۔ ہمارے مطلب کے لئے یہ بات کافی ہے کہ صحرائیں جو صحرائی برش ایسا تجربی منعقد ہوئی تھی اس کے اقتباس کو جو تمام مشاہدات کا امتحان کرنے کے بعد مقرر ہوئی تھی درج کیا جائے۔

## موسم پر صحرائی اثر

الف۔ حرارت: پودے ہوائی حرارت کو کم کرتے ہیں۔ زندہ پودے اس قدر بلند گرم نہیں ہوتے جتنا کہ چٹان یا کھلی زمین۔ پودوں کے نیچے کی زمین سورج کی شعاعوں سے بہت زیادہ گرم نہیں ہوتی، کیونکہ یہ سبز شامیائے سے ڈھکی ہوتی ہے۔ پس صحرا زمانہ بالیدگی میں ہوائی حرارت کو ان کے اطراف اور اندر کم کرتا، اور نیز زمین کی حرارت کو کم کر کے برودت پیدا کرتا ہے۔ صحرا عام طور پر موسم سرما میں سردی کو کم کرتا ہے جیسا کہ شدت گرمی سے اکثر نقصانات ہوتے ہیں، اس کی تلافی سردی سے جو صحرائی اثر کے تحت ہے، بہت زیادہ مفید ہوتی ہے۔

ب۔ ہوا: صحرا ہوا کا زور کم کر کے حرارت میں کمی اور ہوا میں غلا پیدا ہونے نہیں دیتے۔ صحرا مقامی ہواؤں پر اثر پذیر ہوتے ہیں، اس لئے کہا گیا ہے کہ صحرا ہوائی رُے اثرات کو زائل کرنے میں بالکلیہ مفید ہیں۔

ج۔ بارش: یہ نسبت گنجان صحرا کے کسی مقام کی جغرافیائی ہیئت اصلی بارش پر

بہت زیادہ اثر پذیر ہوتی ہے، اس کے برخلاف صحرا ان ہواؤں کی گرمی کو جو رطوبت سے بھری ہوئی ہیں، کم کر کے مقامی بارش پر اثر انداز ہوتا ہے۔

د۔ فضا کی رطوبت: گنجان درختوں کی وجہ سے یہ نسبت میدان کے صحرا میں

ہوائی نمی بلند رہتی ہے۔ انتقال حرارت کا سلسلہ خرد بخو د صحرا کے اندر قریب کی

نئی کو بڑھاتا اور حرارت کو گھٹا کر انتہائی درجہ حرارت پر لے جاتا ہے۔  
 ۶۔ بھاپ : تجربوں سے ظاہر ہوا کہ زمینی حرارت بہ نسبت کھلے میدان کے صحرائیں کم ہے جس قدر ہوا زیادہ ہوگی اسی قدر حرارت بلند اور نمی نیچے ہو کر زمینی حرارت کو بڑھائے گی۔ نتیجہ کے طور پر صحرا حرارت کو کم اور ترابی نمی کو بڑھا کر ہوا کی رفتار کو کم کر کے حرارت میں کمی کرتا ہے۔ تجربے یہ بھی بتلاتے ہیں کہ میدان اور صحرا کے مقابلے میں پانی کی سطح پر حرارت کم ہوتی ہے۔ پودوں کی خاصیت سے حرارت میں اختلاف ہوتا ہے لیکن پھر بھی باوجود مختلف درختوں کے بڑھتے ہوئے اثرات کے صحرائی خاصیت سطح زمین سے حرارت کو کم کرتی ہے۔  
 مقامی موسم پر صحرائی تباہی کے اثر کو تعمیلی نے اختصار و صمت سے حسب ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے :-

”موسم، باوجود ان تمام اسباب کا مجموعہ ہونے کے صحرا کو تباہ کر کے بلاشبہ زمین کے ایک بہت بڑے حصہ کو برباد کرتا ہے۔ ایسی صورت میں کسی ملک کی آب و ہوا کو قدرے نویدائش صحرائی برداشت کر سکتا ہے۔ وسیع قدرتی صحرائی رقبوں کی مسلسل تباہی نتیجہ ہے سطح زمین کا خشک ہو کر پھٹ جانا اور افلاس پیدا کرنا“

پس اس سے صاف ظاہر ہے کہ صحرائی قدرت اور معاشرہ میں اہم حصہ لیکر انسان کے لئے بعض ضروری مفید اشیاء مثلاً ہیزم، میل، گوند، گھاس وغیرہ فراہم کرتے ہیں۔  
 تسلیم کرتے ہوئے کہ صحرائی سلامتی کے لئے ضروری ہے، یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ملک کے رقبے کا کتنے فی صد رقبہ صحرائی دکھاجائے۔

ہمارے ملک میں جو ہیزم استعمال کیا جاتا ہے اس سے ظاہر ہے کہ ایک اوسط خاندان کے لئے جو پانچ آدمیوں پر مشتمل ہو، روزانہ (۵) پونڈ سے (۱۰) پونڈ تک ہیزم کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ شہری اعداد و شمار ہیں جہاں ہیزم کے استعمال کی معاشرہ کو شدید ضرورت ہے اور صورت پکوان کی مدد تک استعمال میں لایا جاتا ہے۔ دیہات میں عموماً لوگ زیادہ ہیزم استعمال کرنے کے عادی ہیں۔ شہر اور دیہات میں ہیزم کی کچھ مقدار اشیاء کو گرم کرنے کے کام میں لائی جاتی ہے۔ کم سے کم گھریلو ضروریات کے لئے فی ہزار آدمی ہیزم ایک خاندان کے لئے کافی ہے جیسا کہ ملک محروسہ کی اوسط آبادی فی مربع میل (۱۹۶) ہے تو سالانہ ایک مربع میل میں بسے دس خاندانوں کو (۱۳۳۰۰) پونڈ یا (۶۴) ٹن کلہری کی ضرورت ہوگی۔ اب ہم کو یہ دیکھنا چاہیے کہ کل کتنا رقبہ (۶۴) ٹن ہیزم پیدا کر سکتا ہے ہندوستان کے کھلے صحرائیں ایک ایکڑ میں اوسطاً پانچ ہیزم برآمد ہوگا۔ لہذا (۶۴) ٹن کے لئے (۱۲۸) ایکڑ صحرائی ضرورت ہوتی۔ بالفاظ دیگر ہر ایک مربع میل میں (۱۲۸) ایکڑ یا صرف گھریلو ضروریات کے لئے ہیزم پیدا کرنے کے لئے (۲۰۱) فی صد رقبہ کی ضرورت ہے۔ گھریلو ضروریات کے علاوہ ہیزم کو



بہت سی ضروری بنیادی صنعتوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ مثلاً اینٹ بنانا۔ چونا جلانا اور لوہا پگھلانا وغیرہ۔ یہ کام ملک کے ہر گاؤں میں ہوتے رہتے ہیں۔ خاص کر شہری لوگ بجائے ہیزم کے گولہ زیادہ مقدار میں جلا رہے ہیں اور یہ بہت افزا ہے۔ لیکن قبل اس کے کہ گولہ ہیزم کی جگہ لے، دیہات میں لوگوں کی عادت اور ان کے چرخوں کی بناوٹ ایک عرصہ تک یوں ہی قائم رہے گی۔ بڑے شہروں میں گولہ کا استعمال عام ہوتا جا رہا ہے۔ ہیزم کی مانگ سے بجات دلائے گا یہ شکوہ نیک ہے۔ ہیزم کے علاوہ چار دی آج کل کی اعلیٰ مخلوق ماسو سائٹی میں چوبینہ بھی زیادہ استعمال میں آ رہا ہے۔ دراصل چوبینہ کا استعمال اس قدر کثرت سے ہے کہ یہ خیال کرنا ممکن ہے کہ انسان بغیر لکڑی کے نہیں رہ سکتا۔ چوبینہ کے بڑھتے ہوئے کثرت استعمال کا یہ مطلب ہو کہ علاوہ ہیزم کے ہم کو ایک بہت بڑا صحرائی رقبہ درکار ہے۔ چوبینہ کے علاوہ ذیلی پیداوار کثرت سے استعمال میں لائی جا رہی ہے۔ اکثر یہ دیکھ گیا کہ ذیلی پیداوار چوبینہ و ہیزم کی پیداوار پر اثر انداز ہوتی ہے۔ پس اس سے ظاہر ہو کہ جلد صحرائی رقبہ (۲۰) فی صد سے زائد ہونا چاہیے جس سے ہیزم برآمد ہو گا۔ ہماری یہ غلطی نہ ہوگی اگر ہم اس رقبہ کو (۲۵) فی صد بڑھا دیں۔

ایک دوسرا سوال یہ ہے کہ کسی ملک کی ضرورت کے لئے کم سے کم کس قدر رقبہ صحرائی رکھنا چاہئے۔ یورپ کے ممالک میں بلحاظ آبادی فی فو ایکریکل کی ضرورت ہے۔ اس طرح حیدر آباد میں فی مربع میل (۱۹۶) ایکریکل کی ضرورت ہے۔ اس کا اوسط (۳۰) فی صد ہو گا۔ مذکورہ بالا اعداد و شمار کو ممالک یورپ و امریکہ کے حوالوں سے جانچا جاسکتا ہے۔ یہ معلوم کیا گیا ہے کہ فرانس اور جرمنی میں (۲۵) فی صد صحرائی رقبہ کی ضرورت ہے۔ ممالک متحدہ امریکہ کے متعلق ایک مصنف نے یوں خامہ فرسائی کی ہے۔

”قوموں کی ضروریات زندگی کے لئے زمین کی خیالی تقسیم قدر تا بہت زیادہ ہوگی۔ معیار زندگی میں صنعتی و معاشرتی ترقی کے لحاظ سے ممالک متحدہ امریکہ میں حسب ذیل اعداد و شمار بلحاظ اوسط ضرورت فی ایکریکل زمین برائے کاشت ۳ ایکریکل برائے جنگلات ضروری ہے۔ یہ اعداد و شمار مشرقی ممالک کے لئے کم ہونا چاہیے، کیونکہ یہاں کا معیار زندگی گھٹا ہوا ہے کسی گنجان آبادی کے ملک میں صحرائی زمین اور چرائی کے قدرتی ذریعہ کم اعداد و شمار سے پہچانے جاسکتے ہیں۔“

(ڈاکٹر آر ایم۔ گوری)

اس طرح حساب کرنے کے بعد یہ کہا جاسکتا ہے کہ سب سے زیادہ ترقی یافتہ ممالک میں کل زمین کا (۲۵) فی صد رقبہ صحرائی ہونا چاہیے۔ اگر ذرا غمی و معاشرتی ترقی حاصل کرنا مقصود ہو تو بعض مستثنیات میں مثلاً برطانیہ، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ اور ڈنمارک۔ برطانیہ کی حالت جدا گانہ ہے، وہ ہمیشہ اسکندینیویا کے ممالک اور ماتحت سلطنتوں سے درآمد کرتا ہے۔ لیکن تاہم برطانیہ بھی گزشتہ جنگ کے تجربوں کے بعد سے

یہ ضروری خیال کرتا ہے کہ اپنا صحرائی رقبہ بڑھا یا جائے۔ خاص اسباب کی بناء پر ہالینڈ، بلجیم، ڈنمارک میں  
افزائش صحرا خارج از بحث ہے۔  
اب ہم کو حیدرآباد کی حالت پر غور کرنا چاہیے۔ حسب ذیل تحت سے مختلف قسم کے صحرائی رقبہ کا حال  
معلوم ہوتا ہے:-

مالک محروسہ کے صحرائی ڈویژن

پتہ	نام ضلع	نام ڈویژن	ضلع کا رقبہ برس میل میں	صحرائی رقبہ مربع میل میں			جلد	ضلع کا مجموعہ صحرائی رقبہ
				مجموعہ حصہ	صحرائے نمکین	صحرائے ہری		
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹
۱	شہر حیدرآباد	X	۵۳	X	X	X	X	X
۲	اطراف بلدہ	X	۲۶۵۱	X	X	X	X	X
۳	درنگل	درنگل	۷۹۳۳	۱۶۲	۱۱۸۲۳۰	۷۱۵	۲۱۱۹۵۵	۲۶۳۶۸
	محکمہ بیہ	X	۲۰۶۵۷	۵۱۶۳۳	۲۰۲۵۶۳			
۴	کریم نگر	کریم نگر	X	۳۵۷۳۱	۳۷۹۶۲	۲۳۳۳۳		
	کریشنا نگر	X	۵۷۳۲	۹۵۳۵	۶۳۹۵			
۵	عادل آباد	عادل آباد	۲۹۹۳	۱۳۰۷۳	۱۶۰۶۵۰	۳۳۵۰۰	۳۱۸۹۹۳	
	فصل	X	۳۹۱۶۵	۱۳۹۱۶۵	۹۵۵۵۵	۱۰۲۱۵۵		
۶	میدن	میدن	۳۱۹۸	۱۳۹۱۶۱	۱۳۳۲۶۶	۵۱۵۶۱	۲۵۵۸۸	۱۰۵۱۹
۷	نظام آباد	نظام آباد	۳۳۶۵	۵۸۵۳۲	۲۳۵۵۰	۱۹۱۰۱	۳۳۶۸۰	۱۰۵۳۲
	نظام آباد	X	X	X	X	X	X	X
۸	ننگر	ننگر	۶۰۳۹	۳۳۳۲۶	۲۲۸۵۵	۸۱۵۹۷	۲۹۳۶۸	۶۵۳۱
۹	محبوب نگر	محبوب نگر	۵۳۳۶	۲۸۵۳۰	۹۰۶۳۶۸	۲۳۳۲۳	۹۵۸۵۳۱	۱۸۵۰۰
۱۰	اورنگ آباد	اورنگ آباد	۶۲۱۲	۱۸۵۳۵	۲۶۰۳۶۶	۶۵۸۵	۲۸۵۶۶	۳۵۶۰
۱۱	اورنگ آباد	اورنگ آباد	۳۱۳۲	۷۵۳۷	۲۳۵۳۵	۵۱۶۵	۵۱۵۲۷	۷۵۳۲
۱۲	ناندی پور	ناندی پور	۵۱۳۵	۲۵۵۳۵	۶۲۵۳۳	۲۶۵۰۹	۱۳۹۱۳	۲۵۵۲
۱۳	ناندی پور	ناندی پور						
۱۴	ناندی پور	ناندی پور						
۱۵	عثمان آباد	عثمان آباد	۶۹۷۵	۲۸۵۸۱	۱۴۷۳۵	۳۹۷۸۰	۲۳۶۷۰۶	۳۵۳۸
۱۶	راپور	راپور	۳۵۲۶	۱۵۱۳	۱۱۰۵۰۷	۱۱۵۳۸	۱۳۲۵۹۶	۱۵۸۵
۱۷	بیدر	بیدر	۳۸۴۵	۳۵۳۳	۷۵۶۹	۳۷۷	۱۵۵۶۳	۰۵۳۲
میں سے ان			۸۲۶۹۸	۱۶۵۵۶۳	۶۹۵۲۵۸	۷۲۸۸۱	۹۵۷۵۳۰	۱۱۵۳۱

مالک محروسہ کا رقبہ (۸۲۶۹۸) مربع میل ہے جس کے علاوہ صرف (۹۷۵۳۳۰) مربع میل رقبہ  
صحرائی ہے۔ اس میں خانگی جنگلات کا رقبہ بھی شریک ہے اس سے خلق بیج ادا و شمار معلوم نہ ہو سکے لیکن  
اندازاً یہ کہا جاسکتا ہے کہ خانگی جنگلات کا صحرائی رقبہ سرکار عالی کے صحرائی رقبہ کا ۲۵ فی صد ہے۔ سوالیے

بڑی جاگیات اور دستاؤں کے خانگی صواک حالت تباہی کی طرف تیزی سے بڑھتی جا رہی ہے۔ دوسری ہندسی یہ کہ سرکاری و خانگی صواک ۵۰ فی صد رتبہ پہاڑوں اور پیشانیوں پر واقع ہونے سے ناقابل پیداوار ہے۔ ہمارے صواکوں کے رتبہ کی کمی کو معلوم کرنے کا بیج اندازہ کرنے کے لئے یہ امر خانی از دیکھی نہ ہوگا کہ اس کا مقابلہ برٹش انڈیا کے مختلف صوبوں سے کیا جائے۔

۱۹۳۶ء میں سرکار عظمت مدار کا صحرائی رتبہ مربع میل میں

صوبے	جملہ رتبہ	حاکم محروسہ کا صحرائی رتبہ			خانگی صوا	جملہ	رتبہ بمقابلہ صوبوں کے بنیاد خانہ
		صحرائی رتبہ	دوسرے جگہات	جملہ			
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸
امیرارادہ	۲۵۳۶۷	۰۰	۷۳	۷۳	۰۰	۷۳	۳
انڈیا کی گجرات	۲۵۵۰۸	۱۳۳۹۸	۶۹۱	۲۱۸۹	۰۰	۲۱۸۹	۸۷
آسام	۵۵۳۴۵	۲۲۸۴۱	۰۰	۲۲۸۴۱	۰۰	۲۲۸۴۱	۴۱
پنجستان	۵۲۹۲۵	۰۰	۲۲۲۱۸	۲۲۲۱۸	۰۰	۲۲۲۱۸	۴۳
بنگال	۷۸۷۰۸	۶۲۳۳۹	۵۲۹۵۴	۱۲۲۹۳	۱۵۹۶	۱۳۵۸۹	۱۷
بہار	۶۹۳۳۸	۱۷۷۰۱	۶۳۱	۲۳۳۲	۷۵۸۵	۹۵۹۱۷	۱۴
بھوٹان	۷۶۰۰۲۶	۶۵۵۵۴	۶۵۵۵۴	۶۵۵۵۴	۰۰	۱۲۹۲۰	۱۷
سی پٹی اور دار	۹۸۵۷۳	۱۳۵۴۳	۸۷۶۳۱	۲۳۰۷۴	۲۳۳۱۲	۲۷۳۸۶	۴۸
کوکچ	۱۵۵۸۲	۵۱۷	۳۱۸	۸۳۵	۳۴۷	۱۷۸۳	۷۵
مدراں	۶۵۱۶۳	۶۵۵۳۹	۱۲۲۶۹	۱۸۵۸۰۸	۱۳۸۷۱	۳۳۶۷۹	۲۷
شمال مغربی	۱۳۵۰۹۹	۱۳۶	۳۱۴	۳۶۰	۱۳۳	۵۹۳	۵
صحرائی صوبہ							
اڑیسہ	۳۲۵۳۹۸	۱۷۴۵۴	۸۱۳	۲۲۶۸	۶۷۷۷۸	۳۵۹۴۵	۱۲
پنجاب	۹۲۸۳۰	۱۷۹۷۷	۴۳۳۴	۶۵۳۰۱	۲۰۲	۶۵۵۰۳	۷
سندھ	۴۷۱۵۵	۱۷۱۳۵	۰۰	۱۷۱۳۵	۰۰	۱۷۱۳۵	۲
مہاراشٹر	۱۷۰۶۲۴۸	۳۵۴۹۱	۱۰۷۷۸۴	۱۷۲۷۵	۳۰۰۹۷	۱۷۲۷۵	۱۶
میسور	۵۵۸۱۳۷۵	۶۸۷۶۳۵	۵۳۳۸۶	۵۳۳۸۶	۵۳۳۸۶	۵۳۳۸۶	۲۰

بقیہ نمونہ ۱۷ ص ۱۱ (۴۱) پر



## ادارہ ادبیات اردو کی کتابیں

قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتاب
۱۲۸	سرگزشت حاتم	۲	سج کا جادو
۹۳	سرگزشت غالب	۸	طبیعیاتی کائنات
۴۰	نظام الملک	۶	متاع سخن
۳۳۰	تاریخ گولکنڈہ	۸	کیف سخن
۱۶۰	ریڈیو نمبر (۸ تصاویر)	۱	بادء سخن
۱۲۰	ارمغان جناب	۱۲	سراج سخن
۴۸	سوتیلی مان	۴	ایمان سخن
۱۶	سر سید احمد خان	۲	ذبیح سخن
۴۸	سر سالار جنگ	۶	موقع سخن جلد اول (۵۵ تصاویر)
۱۴۵	مغربی تصانیف کے اردو تراجم	۴	دوم (۵۰)
۱۳۲	معصیت کی چھاؤں	۴	نقد سخن
۲۶۸	اقبال نمبر	۴	نذر ولی
۱۱۲	سائنس کے کرشمے	۱	گریو و تبسم
۲۳۰	شعراء عثمانیہ	۳	مہامیر قلعہ ہار دکن
۳۰۰	مکتوبات شاد عظیم آبادی	۸	من کی دنیا
۱۶	دادا بھائی	۲	مدارس میں اردو
۲۰۰	ادو نامہ	۲	معہوم ذمہ
۸۵	حیدر آباد	۱۰	نذر دکن
۴۰	عماد الملک	۶	روح غالب
۵۶	اردو دانوں کی پہلی کتاب	۶	عامہ
۵۶	دوسری کتاب	۶	د فوری معلومات
۲۰۰	محمد حسین آزاد	۲	آپدور کشمیر اور سرنگ
۱۴۰	کاغذ کی ناؤ	۴	اردو مکتوبی کا ارتقاء
۹۲	فن تقریر	۱۲	نمود زندگی
۱۴۳	مقدمہ تاریخ دکن	۱	سرگزشت ادارہ
۱۴۰	ہندوستانی تمدن	۸	میر محمد مومن (۲۴) تصاویر
۸۰	پودوں کی کہانی	۱۰	پلکان
۱۰۰	سہ لقا	۱	خطا بیات
۴۸	پانی کی کہانی	۶	علم خانہ داری
۳۹۰	رسائل طیبہ	۸	چیونٹی (۱۶) تصاویر
۴۰	سلک گوہرین	۴	انوار
۱۷۲	تاریخ ادب اردو	۸	نغمش دانی (۴) تصاویر
۵۶	اشوک اعظم	۸	کارسان دقاسی
۸۴	پاتیں	۱	رات کا بھولا
۱۱۸	یو۔ پ۔ جنگ سے پہلے	۸	سکندر جاہ
۱۷۶	شہنشاہ	۸	بلاغت
۱۰۲	پانی زیاں	۱	ادارہ سنہ ۱۹۴۱ء میں
۳۰	ظام علی خان	۴	ناصر الدولہ
۳۹۶	دہرہ اردو - خطوطات جلد اول	۵	افضل الدولہ
۵۶	عرب اور عربستان	۱۰	نواب میر محبوب علی خان











( ماہ نامہ )

# محباس



۷۹۰۶۲  
حیدرآباد دکن

ادارہ ادبیات اردو



# ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد دکن کا ماہنامہ

زیر نگرانی  
ڈاکٹر سید محمد الدین غازی نذر  
مجلس ادارت  
خواجہ سید الدین ایم اے  
سکینہ بیگم

## سپرس

نشان پوسٹ آفس ۱۵۳  
نشان پوسٹ برطانیہ ایم ۳۹۵۰  
ٹیلیفون نمبر ۲۲۰۹  
چند سالانہ پاروں کے لئے  
بچوں کا رسکس ایکریڈیٹڈ آفیس

شمارہ ۱

ماہیت ماہ جنوری ۱۹۴۶ء

جلد ۹

### فہرست مضامین

- ۲۔ خواجہ محمد الدین ایم۔ اے (عثمانیہ)
- ۴۔ بشیر انصاری (نظم)
- ۹۔ خان بہادر عبدالرحمن حسینی
- ۱۲۔ رومی (اورنگ آباد)
- ۱۳۔ صحنی شاہ (عثمانیہ)
- ۱۴۔ جہاں باؤجی (ایم اے) نچراکھ ناٹ
- ۳۰۔ شمس الدین (جلیپور)
- ۲۱۔ فریدہ بی بی
- ۲۳۔ سلیمان اربیب
- ۲۵۔ قتیل شنائی
- ۲۶۔ محمود قادری
- ۲۷۔ قتیل شنائی
- ۲۸۔ محمد معین الدین ایم اے (آخری)
- ۳۲۔ مظفر الدین ظفر بی اے (عثمانیہ)
- ۳۳۔ شفیق بانو
- ۳۴۔ عظیم سید آبادی
- ۳۵۔ نواب مرزا سیف علی خان
- ۳۶۔ شید قریشی ایم اے (عثمانیہ)
- ۳۷۔ حلیہ (عثمانیہ)
- ۳۹۔ حبیب الرحمن
- ۵۲۔ افسر آذری
- ۵۵۔ محمد نسیم امیر شاہ
- ۵۶۔

- ۱۔ اردو میں سنی ادب
- ۲۔ قی پند فن کار سے (نظم)
- ۳۔ وصیت (افسانہ)
- ۴۔ نوید زندگی (نظم)
- ۵۔ جھنگل (افسانہ)
- ۶۔ نعت پر باد (افسانہ)
- ۷۔ جست و آواز (نظم)
- ۸۔ نیش
- ۹۔ خوش آوری (نظم)
- ۱۰۔ دو شطرنج
- ۱۱۔ محوسات (غزل)
- ۱۲۔ مشرق (ترجمہ)
- ۱۳۔ دھوکے (نظم)
- ۱۴۔ محمد علی قطب شاہ اور رومانیت
- ۱۵۔ غزل
- ۱۶۔ فریسیکل (افسانہ)
- ۱۷۔ تجلیات (غزل)
- ۱۸۔ بیتا لوں اور صحتی ادول میں نزول کی بجلی
- ۱۹۔ بی گامیوں
- ۲۰۔ نظارے (افسانہ)
- ۲۱۔ ابراہیم ظفر (افسانہ)
- ۲۲۔ وضع کیسائی
- ۲۳۔ حسین گمان (نظم)
- ۲۴۔ اندھیرا (افسانہ)
- ۲۵۔ تقدیر و تہرہ
- ۲۶۔

# اردو میں نسائی ادب

## (دہلی کالج کی خدمات)

اور سائیس کی تعلیم اردو میں دی جاتی تھی۔ مغربی علوم کو اردو میں پڑھانے میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ تھی کہ ان علوم میں اردو میں کتابیں نہیں لکھی گئی تھیں۔ اردو کے حامیوں نے اس کمی کو پورا کرنے کے لئے سوشلسٹ ع میں ایجوکیشنل کمیشن قائم کی۔ اس سے قبل اسکول بک سوسائٹی کی طرف سے ہزاروں نصابی کتابیں تیار ہو کر شائع ہوئیں لیکن یہ سب ابتدائی قسم کی کتابیں تھیں۔ سوشلسٹ ع میں ایجوکیشنل کمیٹی کے تحت ایک ذیلی کمیٹی کا قیام عمل میں آیا جس میں ایسے اصحاب کا انتخاب عمل میں آیا جو انگریزی زبان سے اردو میں ترجمہ کرنے کے اہل تھے۔ کمیٹی نے پہلے یہ طے کیا کہ درسی کتابوں میں غلطی نہ ہو اور پھر آہستگی پر قرار رکھنے کے لئے کتابیں پہلے انگریزی میں لکھوائی جائیں اور پھر ان کا اردو میں ترجمہ کرایا جائے۔

دہلی و دیگر سوسائٹی کے قیام کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ جدید ترین کتابوں کی تالیف اور ترجمہ کے ذریعہ سے اردو زبان کو ترقی دی جائے۔ اس مقصد کو آگے بڑھاتے ہیں ہندوستانی اور انگریز برابر کے شریک تھے۔ اس سوسائٹی کے اغراضات کی پابجائی کے لئے چندے اور عطیے لئے گئے شاہ اردو کے ان کے صاحبزادے اور ان کے عہدہ دار امراء نے بھی عطیے دیے۔ اسی طرح حیدر آباد میں سے نواب سراج الملک جہاد نے بھی رقمی عطیوں سے اس سوسائٹی کی مالی امداد کی اس سوسائٹی کے سرکاری مسٹر تیرس پرنسپل دہلی کالج تھے۔ سوسائٹی نے انگریزی سے اردو میں ترجمہ کرنے کے جو قواعد وضع کیے تھے ان کا ذکر نامزدوری ہے۔

- (۱) سائیس کا کوئی ایسا لفظ جس کا مترادف اردو میں نہ ملے تو ایسے لفظ کو اردو میں ترجمہ کے لینے میں کوئی قباحت نہیں۔ مثلاً سوڈیم کلورین وغیرہ۔
- (۲) اگر سائیس کا کوئی لفظ ایسا ہے جس کا مترادف اردو میں موجود ہے تو اردو لفظ ہی استعمال کیا جائے جیسے

شمس اللہ اور ادو شاپان اور دوسرے بعد اردو کو علمی موضوعات سے روشناس کرنے کی باضابطہ اور منظم کوشش دہلی کالج میں کی گئی۔ اس کا دائرہ عمل ان دونوں سے زیادہ وسیع اور منظم تھا۔ غرض کہ نسائی سے اس کو ایسے ذی علم اصحاب مل گئے تھے جنہوں نے اردو کے بڑی۔ دامن کو مغربی علوم کے جواہر پاروں سے آلاہل کر دیا۔ چونکہ اس کالج کا مقصد تعلیم اردو تھا اس لئے نصابی ضروریات کے تحت سائیس اردو کے مغربی علوم کی کتابوں کے ترجمے کئے گئے اور اس کے فیض یافتہوں نے بھی اس قسم کی کتابیں تالیف کیں۔ مختلف علوم اور سائیس کی اشاعت نے سوشلسٹ ع میں دہلی و دیگر ٹرانسلیشن سوسائٹی کا قیام عمل میں آیا جس نے پہلی دفعہ ترجمہ کے ایسے اصول مرتب کئے جو ترجمہ کی مشکلات کو دور کرنے میں بڑی حد تک مدد و معاون ثابت ہوئے۔ اس کے بعد یہ کالج سوشلسٹ ع میں قائم ہوا لیکن اس ابتدائی (۳۰) سال کے حالات پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ البتہ یہ نیاں کیا جاتا ہے کہ اس حصر تک اس میں انگریزی تعلیم کا کوئی انتظام نہ تھا۔ مثل دوسرے مدارس کے عربی فارسی کی مروریہ تعلیم ہوتی ہوگی۔ جس تعلیم عام کی سفارش پرنسپل میں اس کے لئے پانچ سو روپے ماہانہ مقرر کئے گئے اور باضابطہ تعلیم کا انتظام عمل میں آیا۔

سوشلسٹ ع جیسے رجائیس ملکات کی سفارش پر اس کے بعد سوشلسٹ ع کی جماعت کو ملی گئی۔ نواب احمد ولد لدو نے جس کی خال بہادر وزیر بادشاہ اردو نے سوشلسٹ ع میں ایک مبلغ مقرر فرما دیا جسے تعلیمی اغراض کے لئے بھرتی کر دیا۔

اس کے بعد سوشلسٹ ع کی جماعت اور اس کی کامیابی کے لئے سوشلسٹ ع کو قیام دیا اور دوسرا انگریزی کے دوسرے تمام مضامین لکھوا دی گئی، فلسفہ ہیئت

انگریز کے لئے لوہے کے سلفورک کے لئے گندھک وغیرہ

(۳) یہ ضروری نہیں کہ جو انگریزی الفاظ اردو میں لئے جائیں ان کو جگہ جگہ مانے بلکہ انہیں اردو میں ادا کرنے کی کوشش کی جائے مثلاً جیسٹ آفٹ وی نہیں کہ اردو میں جیسٹ میں کہہ سکتے ہیں۔

(۴) سائنس کی کتابوں کا ترجمہ چونکہ انگریزی ہی سے کیا جائے گا اس لئے انگریزی الفاظ کا اردو میں استعمال ناگزیر ہے۔ بعض الفاظ ایسے ہیں کہ جن کے مترادف کسی نہ کسی صورت میں اردو میں پائے جاتے ہیں تاہم انگریزی الفاظ اردو میں منتقل کرنے جائیں تو کوئی ہرج بلیکس مثلاً *specimen* و *specimen* وغیرہ

(۵) یہ بھی بات کی گئی کہ جہاں تک آسانی سے ممکن ہو انگریزی الفاظ کے استعمال سے احتراز کیا جائے۔ جو شخص کسی سائنس کی کتاب کا ترجمہ کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ اس سائنس پر کون سے اردو میں اس سے قبل عمی جائیں ہیں انہیں پیش نظر رکھے اور وہی اردو الفاظ اور اصطلاحیں استعمال کرے جو ان کتابوں میں استعمال ہوتی ہیں۔

(۶) اگر انگریزی جیلے میں کسی ایسے واقعہ کی طرف اشارہ ہو جس سے اہل ہند واقف ہوں تو مترجم کو چاہیے کہ حاشیہ پر یا مناسب ہوتو متن میں مختصر طور پر اس کی تشریح کر دے۔

(۷) ترجمہ نقلی نہ ہو بلکہ اردو میں مفہوم ادا کرنے کی کوشش کی جائے۔

(۸) کیمسٹری کی اصطلاحات کو جبکہ اردو میں لے لیا جائے۔ البتہ کیمیائی معنی صرح کے نام اردو میں موجود ہیں تو انہیں برقرار رکھا جائے لیکن مرکبات کے نام انگریزی ہی میں رہیں جیسے ہائیڈرو سلفورک۔ سلفورک۔ ایسڈ وغیرہ۔

دہلی کالج نے اردو میں سائنس کی جو کتابیں شائع کیں ان کی اشاعت میں مسٹر تروس پرنسپل

کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ انھوں نے یہ کام سے پہلے یہ کام چھوٹے پیمانے پر شروع کر دیا تھا۔ جب سوسائٹی قائم ہوئی تو اس کا کام بھی کالج والے ہی کرتے تھے۔ وینیکل سوسائٹی ٹرانسلیشن سوسائٹی اردو سوسائٹی۔ لائبریری آف پمفل کالج وغیرہ سب اسی کے نام ہیں مسٹر تروس کے نظریہ پر ڈاکٹر اسپرنگر پرنسپل ہونے جو ان کے بیچ معمول میں بائٹھیں تھے۔

اس سبھن کے قیام سے قبل دہلی کالج میں ترجمہ کا کام شروع ہو چکا تھا۔ چنانچہ کسی کالج کے تین طالب علم (جن میں مسٹر امجد ریش بھی تھے) اوقات درس کے بعض لحظہ اور ریاضی وغیرہ کی کتابوں کا ایک ایک صفحہ اردو میں ترجمہ کر کے مسٹر تروس کو دکھاتے اور وہ اس ترجمے کی اصلاح کرتے تھے۔ اس طرح جب ترجمہ مکمل ہو جاتا تو طباعت کے بعد نیچے کی جماعتوں کے نصاب میں داخل کر دیا جاتا۔ دہلی کالج میں تراجم کی ابتداء سلسلہ سے ہوئی جبکہ مسٹر تروس کا تقریر کالج پر پہلی بار ہوا۔ سلسلہ سے اس نصاب کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ سائنس کی تعلیم کس درجے تک تھی۔ سلسلہ سے تو سائنس کی حاجت الگ قائم ہوئی تھی اور حاجت اول تا ششم کی اردو میں سائنس کی تقسیم دیکھائی تھی۔

غرض دہلی کالج ہی ایک ایسی درس گاہ تھی جہاں مغربی علوم مثلاً مہیت، ریاضیات، فلسفہ وغیرہ کی تعلیم اردو میں دی جاتی تھی اور تین چار سال اچھے رہتے تھے۔ چنانچہ مسٹر کارنل پرنسپل دہلی کالج نے فری رپورٹ بابت اس سلسلہ میں یہ لکھا ہے کہ

مشرقی شعبے کا طالب علم اپنے مغربی شعبے والے حریف سے سائنس میں کم نہیں بلکہ ہوا ہے۔ اس رپورٹ پر نقض کرتے ہارڈ نے اس طرح لکھا خوشنودی کیا ہے۔ طلبہ (محبوبہ مشرقی) کی سائنس کی ترقی کے متعلق

• علم مثلث کروئی کے تحت قائم الزاویہ مثلثوں اور غیر قائم الزاویہ کروئی مثلثوں کے سوالات حل کرنے کے طریقے بتا کر بیان کئے گئے ہیں۔  
• تراشیں محو طوی کے تحت تین قسم کے خطوط کا حال درج ہے جن کو قریب البیضوی، بیضوی اور بعید البیضوی کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اور ہر خط کے متعلق ضروری معلومات اور اشکال دی گئی ہیں۔

• علم مندر بالجز میں علامات جبر کے تدریس سے مقادیر ہندی معلوم کرنے کی ترکیب، مساوات خط مستقیم و تراش ہائے محو طوی و غیرہ کا تفصیلی بیان ہے۔  
• تینہ کی سرخی کے تحت قوس اور کردہ و مخروط کی مساوات کا حال درج ہے۔

• اس کتاب کا اسلوب بیان تعریفی ہے جو اس سے پہلے کی کتابوں کا ہے۔ عربی الفاظ کا جو بکثرت استعمال ہوا ہے سلاطین علی الاستقامت، فی البیت، منتقل علی القوام، ماہین اور منطبق وغیرہ دیکھا کو مانا، ہاتھ کو ہات، نوکارم کو نوکارم لکھا ہے۔

• صفحہ ۲۶ کے بعد کتاب کے آخری صفحات (۳۱، ۳۲، ۳۳) غلطی سے لگ گئے ہیں۔ یہ کتاب مجتہد جامعہ عثمانیہ میں نمبر (۱۰) پر رکھی ہوئی ہے۔

(باقی آئندہ)

خواجہ حبیب الدین

صحیفہ مشین پریس میں چھپ کر دفتر ادارہ  
رفعت سنڈل زیریت آباد سے شائع  
ہوا۔

ہے کہ اگر بروقت مطالعہ کے اس کی مطلب دیاس پر مطلع ہوں  
تو اس خاکسار کی کم استعدادی پر نظر کر کے اعراض نظر اس  
سے واجب جانیں  
بیت  
پیش کش گرہ خطائی درسی و علمہ مزین  
کہ بیچ نفس بشر خالی از خطا و بود

یہ کتاب اپنے موضوع کے لحاظ سے بہت اہم اور  
معیار کے اعتبار سے بلند پایہ ہے۔ اس ضخیم کتاب میں مترجم  
نے بڑی محنت اور کاوش سے پورا مواد یکجا کر دیا ہے۔ ہر  
مشکل کو نہایت وضاحت کے ساتھ سمجھایا گیا ہے۔ ہندسی  
اشکال اور مثالوں سے اس کی تشریح کی گئی ہے۔

• علم مثلث مستقیم الاضلاع بالہندسہ کے تحت جدول  
مشکلی بنائے۔ در مثلثوں کے سوالات حل کرنے کے طریقے بتائے  
گئے ہیں۔ علم مثلث مستقیم الاضلاع بالجز میں جیب سنتی  
وجیب المماس کے جدول بنائے۔ ان کی ترتیب مثلث قائم الزاویہ  
حادثہ الزاویہ اور منفرجہ الزاویہ کے سوالات حل کرنے کے طریقے اور  
بیاض مثلثی وغیرہ کے سوالات مع اشکال درج کئے گئے ہیں۔  
اس حصے کی ایک عبارت یہ ہے جس میں طالب علم کو تہنیت  
کے یاد کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے۔

• اگر طالب علم خوب مہارت پیدا کیا جاوے تو علم مثلث  
میں اور خوب واقف ہوا جاوے تو فوائد مبروروں مذکورہ بالا کے  
سے اور بوسیدہ ان محدودوں کے اور محدودیں پیدا کرنے کی قوت  
ماہل کیا جاوے تو لازم ہے اسے کہ بہت شوق کرے اور ہر  
قیمت جس تلاش و محنت کا اور کس نام فائدہ دے کو خوب لے اور  
بغیر اعانت کسی کے ثابت کرے۔

• اس کتاب میں جو سوالات درج ہیں ان میں سے  
ایک کی عبارت یہاں نقل کی جاتی ہے۔  
مطلوبہ ہیں ہمیں جنہوں غلط ایک مثلث کے۔  
ہم دریافت کرنا غلط نظر اس دائرہ کا جو بنایا جاوے بیچ اس  
مثلث کے۔

# ترقی پسند فن کارے

اے ہمعصر! گو تری پرواز ہے بلند  
میری نظر سے تیرے مقاصد نہاں نہیں  
ہے تلخی حیات سے معمور تیرا جام  
تیری قوا میں جذب ہے آواز زندگی  
دل تیرا کائنات کا آئینہ دار ہے  
فطرت کو تو نے طرزِ تکلم سکھادیا  
لیکن بتا، کسی کو ترقی ہے ناپسند؟  
تیرے خلوص غم سے میں بدگمان نہیں  
تیرے فنی فکر میں قہر ہے بے بطنی نظام  
تیرے تفکرات ہیں دم ساز زندگی  
تیری صدا شگستہ دلوں کی پکار ہے  
احساسِ زندگی کو ادب میں بسادیا

لیکن، سمجھ رہا ہے یہ سارا زمانہ کیا۔؟

”کہتی ہے تجھ کو خلقِ خدا غائبانہ کیا۔؟“

سن! میں بتاؤں اصل حقیقت غائب کی  
وابستہ ہے جو شیشہ گراں ہنر سے تو  
رشحاتِ فکرِ خام کا تو پرودا ہے  
جو طے بخوں کی عام ہوئیں ریزہ کاریاں  
سطحِ ادب تباہی کی آماجگاہ ہے  
تنگ آگئی ہے منکر فرومایہ سے نظر  
فہر میں کرگسوں کے جوشاہکِ نام ہو  
مصور کر رہا ہے تجھے تیرا حسنِ ظن  
ہے مضمحل ضمیر ترا قید و بند میں  
اس طرح اپنے خونِ جگر کو تلف نہ کر  
اور اہل فن کی برہی و اقبال کی  
ہے دور دور اس لئے اہل نظر سے تو  
اہلِ نگارشات کا خوداشتہا ہے  
اہلیت بھی زعمِ ہنر میں ہے سرگراں  
اور خسارِ عقبتِ قلب و نگاہ ہے  
ہے مرگ ذوق، یہ ترا اندازِ درگزر  
چرچانہ کیوں ضمیر فروشی کا عام ہو  
تو دل شکن نہیں، ترا عنوان ہے اہل فن  
ناحق! سمجھ رہا ہے پسند ناپسند میں  
فطری صلاحیت کے تحفظ پر کر نظر



”جس کی بہار تو ہو، یہ ایسا چمن نہیں  
قابل تری نمود کے یہ انجمن نہیں“

ہر دور اپنے دور میں خود مجتہد رہا  
مقصد حیاتِ نو کا سدا متحدر رہا  
فرق و تمیز رنگ و اثر ناگزیر ہے  
ہر ذوقِ تندرست، ترقی پذیر ہے  
تابندہ یہ جو کاغذِ علوم و فنون ہے  
دیکھ، اس کے بند بند میں کس کس کا خون ہے  
تیرے بیان، تیرے قلم کی ہے جو زبان  
وہ خود ہے انقلابِ مسلسل کی داستان  
نقشِ دوام گرمی خونِ جگر سے ہے  
یہ ارتقاء، فن، تہذیب و تابِ ہنر سے ہے  
کسبِ کمال، سلسلہٴ ناہم ہے  
معمارِ سلف کا تو قائم مقام ہے  
امرا کاؤنات کا فن کار ہے امیں  
شاہیں کو احتیاجِ نشین، نہ انجمن  
اخلاصِ عالمی سے ہے پیدا دم یقین  
تو اپنی جاں نشانی کا عنوان بدل کے دیکھ !  
ہو ہر پیرا اپنی ندرتِ سنکرو عمل کے دیکھ !

بن کر صحابِ فیض، زمانے پہ چھا جا  
انسانیت نواز، ترانے سنائے جا  
افکارِ نو میں وحدتِ نوعی تلاش کر  
اور سرمدی حیات کے امرا فاش کر  
تیرا پیامِ سنکرو نظرِ عالمی رہے  
مررشتہٴ فروغِ عمل باہمی رہے  
پیدا یہاں تازہ ہو تیری نگاہ سے  
روشن ہو چشمِ دہر تری جلوہ گاہ سے  
والتہ تیرے دم سے ہے رنگینیِ حیات  
تیرے لہو سے گرم و رواں روحِ کائنات  
احسان کر، رحونیتِ احساں کو بھولنا  
سوزِ یقین میں شہرِ ترازوں کو بھولنا

ذوقِ سفر پہ عشرتِ سنکرو حرام ہے !  
تیرا تو ہر مقام سے آگے معتام ہے !  
بشیر البشیر





اپنی سرت کا اظہار دو سہروں پر ظاہر کرنا نہیں چاہتی تھی۔  
پان کا داغ چھوٹے انکڑ کے پتے کی شکل نہ تھا۔  
اور ایسا معلوم دیتا تھا، جیسے چھوٹا بڑھانے کے ساتھ ہی  
کسی نے وہاں اپنے کسی بچے کے کاغذ پر سیاہی لڑاکا کاغذ  
میں شکر ڈال کر ایک موم بوم کی شکل بنا دی ہے۔ آج پان  
کے اندر وہ اٹھی بیٹھتی چپ ساڑھے رکھی اور ہنسی ہنسی  
کرتے لگی، مگر پان کا داغ کسی کی نگاہ کا مرکز نہ بن سکا۔  
میں جب تانے کے پہلے گھوم رہے تھے، تو وہ ایک مضحکہ خیز  
آزادیش میں سے گزر رہی تھی اس کا خیال اور نگاہیں پان  
کے داغ کا پچھا کر رہی تھیں، اگر تانے کسی وجہ سے دھینا  
پڑ جاتا تھا تو اس کا ہاتھ بھر سوچے مجھے راتوں کے  
درمیان کھٹکھٹانے لگتا تھا۔ شکر بن بن کر پانی اور گم  
ہوتی جا رہی تھیں، اس نے ذرا تین کرنا انگلیوں میں اکر لیا  
پیدا کر لیا اس کا ہر سانس تانے کی آواز کے ساتھ چلتا جا  
تھا۔ اور وہ بسے پیار سے کبھی نینا سے اور کبھی روزا  
سے لگ جاتی تھی۔

فلیم پوری رفتار سے سکرین پر چل رہی تھی، ہر لمحہ  
ایک نیا منظر آنکھوں کے سامنے آتا تھا۔ ہر کوئی اپنے اپنے  
ذائق کے مطابق مسرور ہو رہا تھا۔ ساتھ والیاں بھی کافی  
سے زیادہ مطلق اندوز ہو رہی تھیں۔ نیلن دیکھ کر خیالات  
کا تسلسل ہر بار ٹوٹتا اور بنتا تھا۔ کبھی جیسے جیسے جاتی  
لینے لگتی۔ جیسے مٹھل ہوتی جا رہی ہو، اور کبھی سیٹ پر  
اپنا آپ پھیل دیتی، اور پان کا داغ نمایاں کر کے بیٹھ  
جاتی۔

انٹرول ہوتے ہی اس نے داغ اور بھی نمایاں  
کر دیا، داغ کو دیکھ کر اس کے اندر کچھ سہجان سا اٹھ  
رہا تھا۔ کاش یہ سہجان طوفان کی صورت اختیار کر لیتا  
اور اس میں وہ سیم بند جاتی، یا زنی سے اس کے چہرے  
کو مچھو دیتا تھا۔ اور انہیں بندہ ہوتی معلوم ہو رہی تھی۔  
جیسے سر سے پاؤں تک رگڑت لپٹتی لگتی ہو۔

رہتا۔ نینا۔ بڑا اور روزا، اپنی اپنی صحن میں محو تھیں، وہ  
محسوس بھی نہ کر سکیں کہ وہیم کیوں چپ چپ ہے، اور اس کے  
خیالات اسے کہاں سے کہاں لئے جا رہے ہیں۔  
وہیم ان سب کے درمیان ملبو لی مہالی لڑائی کی مانند تھی۔  
اس کے سامنے وہ بہت سی باتیں کرتی ہوئی بھجک بھجک  
جاتی تھیں، اور جب کسی اہم بات سے انہیں لذت حاصل  
ہوتی تھی اور وہ پروا داشتہ نہ رہ جاتی تھیں تو ایک دوسری  
کو اہتمام میں لے کر کہہ لگتی تھیں، وہیم کو ان جنبیاتی بھا  
سے باخبر کرنے کی ضرورت نہیں۔

وہیم اور اس کی سہیلیاں آج سے ایک ہفتہ پہلے  
اسی ٹھیٹر میں ایک امونک فلم دیکھنے آئیں تھیں، وہیم نے  
اس روز بھی یہی موٹیا شلوار پہن رکھی تھی۔ اور  
پان کا داغ اس کی شلوار پر ایک شام پہلے ہی لگا تھا۔  
آج سے ایک ہفتہ پہلے جب یہ جھنڈ کا جھنڈا اپنی اپنی جگہ  
پر بیٹھا تھا تو سب سے پہلے نینا کی نگاہ اس پان کے داغ  
پر پڑی تھی۔ وہ پان کے داغ کا ذکر کرتے کرتے اس کی ران  
ہاتھ رکے داغ کو سٹپے لگی تھی، پھر دوسری اور پھر تیسری  
اسی طرح باری باری سب نے داغ کو مسلا اور اس کا ذکر  
کیا تھا۔ اور اس کی قیمتی شلوار کے خراب ہو جانے کا افسوس  
ظاہر کیا تھا۔ جہاں جوں اس کی موٹیا شلوار کے داغ پر بات  
چلتی گئی، اس کی رانوں پر پہلے ایک پھر دوسرا اور پھر تیسرا  
ہاتھ حرکت کرتا رہا۔ اس سٹپے اور حرکت کرنے سے اس کے  
تمام جسم میں ایک نامعلوم سی سرسراہٹ رینگتی رہی۔  
وہیم چاہتی تھی، یہ سٹپے کیسی ختم ہو۔ فلم بند ہو جانے لائٹ  
فیل ہو جانے پر اس کے داغ کا ذکر چلنے لگے اور مختلف  
ہاتھ اس کو مسلتے رہیں۔ پان کا داغ دونوں رانوں  
کے درمیان لگا تھا۔ نیچے سے تھوڑا کوئی باشت بھر بیٹھا تھا  
تو اسے اندر کی طرف ہر کا کچھ پادبشی یا اس روز وہ اپنی موٹیا  
شلوار نہ پہنتی، داغ کی دم سے اس کے جسم میں زندگی  
کی بالیاں بھوٹ اٹھ تھیں۔ وہ کسی صورت بھی،

عورتوں کی نگاہ پان کدواغ پر جا پڑی، داغ اس گھڑی کچھ براہمدار سامن گیا، پہلی نے دوسری کے چٹکی لینے ہوئے کہا: "بی بی جو ہوئی، نادان ہی تو ہے۔" انجان پن میں خون کا دھبہ لگ گیا ہے، غریب کے! انڈول کے بعد فلم پھر چلنے لگا، ہال میں اندسرا چا گیا تھا، اس کی آنکھیں بڑبڑا آئیں، وہ آگے کی طرف جھکتی ہوئی سیکڑے بیٹھ گئی، پیسے بالوں والی کرسی میں دیکھ کر اپنے آپ کو نہ مانگا، محسوس کر رہی ہو، اس کی چھوٹی چھوٹی چھائیاں سڈول اور تناؤ لئے ہوئے نیم گلابی سٹینر میں ٹھنڈی ٹھنڈی ہو رہی تھیں۔ خاکسوس اور کٹن — فلم تیزی سے چل رہی تھی! چغتائی

گم سم کچھ ضرورت سے زیادہ پیچھے تھی، بیٹھی تھی۔ اور بازو دبا دھکیلے ہوئے تھے، پیچھے سے روزانہ وسیم کو زور سے جھجھکا اور کہا: "سب تیری طرف دیکھ رہے ہیں، رات بھر جانتی رہی تھی کیا۔" تیرے جمائیل لینے کا یہی وقت ہے؟" وسیم کے ساتھ والی سیٹ پر دو عورتیں بیٹھی تھیں، ایک کی گود میں کچھ تھا، بچہ چاہیوں سے کھیل رہا تھا، دوسری وسیم کو بڑے لاؤتے دیکھ رہی تھی، اسے متوجہ پا کر دوسری بھی دیکھنے لگی، دونوں وسیم کے بھولے پن سے نہایت متاثر ہوئیں اور اسے دو مردوں سے مختلف پایا۔

## نویذ زندگی

منتخب لا جواب ہو جائے  
جبکہ بیت عذاب ہو جائے  
صبر بھی آب آب ہو جائے  
ہر عمل کا میاں ہو جائے  
دل بھی اک آفتاب ہو جائے  
کام کو فی خسرا ب ہو جائے  
دل کی حرکت رباب ہو جائے  
فضل حق ہم رکاب ہو جائے  
راز حق بے نقاب ہو جائے  
پاک فرد حسرت ہو جائے  
ورنہ جینا حباب ہو جائے  
ہر سکون اضطراب ہو جائے  
زندگانی سرا ب ہو جائے

جب نظر انتخاب ہو جائے  
زندگی کو بھی جی سکے بتلا دے  
ضبط کر یہ جو گرا تو ایسا ہو  
عقل و تدبیر کے تعاون سے  
روشنی ہو وہ حسن ایماں میں  
یہاں آغاز ہو بھلائی کا  
گوں اٹھے صدائے حق اس سے  
عزم راسخ ہو جس کی فطرت میں  
گر تو پایا جائے نفس پرست ہو  
گر بڑے اشک انفعال اگر  
سے عمل ہی میں زندگی کی بہت  
گر تو سمجھے حیات کا مقصد  
نہ ہو گر نموجون جو اہفت و دست

تیری فطرت میں تھا یہی روحی  
شاعر بو تراب ہو جائے

”روحی“



برابر کچھ کہہ سن لیں سبیکل رکشا کے بارہوی۔ باز وہ کہہ رہی ہے ہٹا دیا گیا، بالکل نظر کے سامنے نہیں جیسے اگلے دنوں کی جان پہچان ہے۔ اسی ہی بات نظریں جھلا دیں تو کیا من پہچان ہی ہوتا ہے، اس کی نظریں نہیں چمکیں۔ سلام و تعارف کی ضرورت ہی کیا۔ انسان ہی کہہ دے تو ہیں۔ کہنے لگیں "تو آپ کا نام....." میاں نے کہا

میر پکرا یا۔ یا اللہ یہ تو دنیا دہی معلوم ہوتی ہیں میل خیال شائد صبح ہو، ہونہ ہو، جو یہ ہی ہو۔ جیسے سال پہلے کی بات ہے کہ پیک بڑی تھی یہی اسی اوجھل ہوئیں نظروں سے کہ جیسے وجود ہی نہیں ان کا۔ کہہ نہیں نہ آتا تھا کہ وہی، میں کہ کوئی اور۔ ایک نقشہ، بات بہت کا انداز آواز بالکل وہی لیکن وہ ذرا وہی، وہی نازک اندک نہیں۔ ابھن بڑی جلدی تھی۔ میں نے بول کھلا کہ جواب دیا "جی ہاں" لیکن اب وہ ہنس پڑیں۔ یہ شائد نہ معلوم ہو سکے آپ کو۔ میں اور بول کھلا کیا لیکن مسامتہ سے کہا "اچھا نہیں" فدا بل کھاتے ہوئے جواب دیا "تو کیا خدا کی ظلم ہے آپ کا لے چلے۔"

میں نے کہا "تو حاضر ہوتا ہوں پھر" اب وہ پکرا میں، اس چڑ چار کی طرح جس کے لیے وار بائش میں چڑ چایے چلے پھر پھر اگر کھل جائے۔ سرگ کا خیال رہا اور نہ راہ کیوں کا "چلائیں" سنئے تو..... اے صاحب..... میاں! ایک ذرا سنتے تو بائیں میری بات لیکن ہم پلٹ چکے تھے۔ نام معلوم کرنے کی صحت سوار تھی یہی رشتہ نگ کی دوکان پر پہنچے، کیاں عزت تھے نام معلوم کر لے کچھ دیر نہ لگی۔ وہی نہیں جن کا شبہ تھا۔ واہ ری عورت، وہ دن گئے کچھ بچی جاتی تھیں، سائے کی طرح چمٹی رہیں تھیں اور ہم جھانکے جھانکے پرتے تھے کہ آپائیں گی تو کیا کہیں گے؟ وہ دن آج کا دن۔ دنیا ہی بدل گئی۔ کیا ہی عورت کی نفسیات ہے اور ہی اس کی محبت کی طرف بڑے تھوڑے کی طرح آنکھیں پھیلے اور پائیں

کاؤں ہی میں نہ پڑے دل و روح کی گرائیوں میں بھی سناگے، ترن، شغریت اور نقوش بھی ٹوٹا گئے تھے۔ لیکن ہر ہونٹ کی سی، پھر پور ہندی اور کھلی کالی پتہ پر نظر پڑتے ہی دل سن سا ہوا۔ صغریٰ تو شادی ہو چکی۔ ابا! اندھا پار اچھانے لگا آنکھوں میں۔ جب یہاں کی ہیرے و ہیرے چھٹ گئی اور اہل فرش، ایرانی قاتین کٹاؤں، زبان، سرو قامت نکلتا جسم، دکتے عارض، گلا ہونٹ تحلیل سے ہو گئے کسی کی ادھٹ میں تو اسی ادھٹ میں وہی نقطہ ابھر نہ لگا۔ باریک سا، ہین ہین، چمکتا دکھنا، اجڑا ڈوٹنا۔ پھر وہی کڑی کمال، کڑی کریمہ، منظر چمکتی، دکتی، اچلی اچلی میٹائی کڑی

پھر نظریں جھنڈے لکھیں کڑی پھر نقطہ سا بننے لگا۔ وہی ڈوٹنا، اجڑا، چمکتا، نہ نقطہ، چمکا، ڈوٹنا، ابرا اور پھر غائب۔ اب جو ابرا تو پھینچنے لگا رکشا کے بلے رنگ پھینچے، ابھرے، پھیلے، سٹے۔ رکشا حرکت کرنے لگا۔ چھر چر ابدن، مہمانہ، نکھار، ایک نقشہ، نیکیے خط وخال، بڑی بڑی بادی آنکھیں، گھٹی ہلکوں سے ایسی جھانک رہی ہیں جیسے پہاڑوں میں جھڑ جھل جھل کر رہا ہو۔ پھنچیں، شروع پنچل جیسے کچھ کہہ رہی ہوں، کچھ گنگنا رہی ہوں کچھ یاد دلاری ہوں، بھولی ہوئی کہانیاں۔ کاؤں میں میں صرف لیے لیے ایک گے میں چند دن ہار ہاتھ میں دو دو چوڑا بان، تنھی سی تنھی گھڑی کلائی پر۔ سبز نہالی ساری لپٹی لپٹی سی، چت بلاؤں، ایسا کہ سینہ دگر کاہ نقش اولیٰ واضح اور جاذب نظر ہو گیا ہے۔ آواز بھاری بلکہ لوڈ پر آگ لگتی نہ ہو تو دور کا آدھی نہ پہچانے کہ مرد بولا کہ عورت۔

رکشا میں ابلی تنہا یہ تقدیر پہنچے کا پردہ ایک طرف سے کھلا، ایک لمحے کو پھینک نہیں۔ پردہ اٹھا، آنکھیں ملیں، کچھ کہہ لگیں، کچھ یاد دلانیں کچھ جھلا لگیں۔ پھر ویسے ہی یہ چلے گراؤں ہے، وہ بارہ دری، سلکٹ ڈاکٹر، کچھ دھڑکی یہ سامنے نیپل رہا۔ اب کی دیکھا تو آنکھیں کہہ رہی ہیں چلاؤ

ہوتا، جانے کیا بات ہے۔۔۔۔۔ ہاں تو وہ بیٹی ہیں۔  
 ہاتھ میں "سب کس" ہے۔ میں ان کے سلیٹیوں کا خلاصہ  
 بنارہا ہوں۔ پڑھتے پڑھتے بولیں "اللہ یہ کیسے نکلتے  
 ہیں آپ، ہمیں بھی لکھا دیکھئے نا" میں نے جودیت کیا  
 تو اجازت لے لی ہے اپنی اماں سے۔

تکلیف لگیں۔ چہرہ پر ہوا سا اڑنے لگیں، ہنرٹ  
 خشک ہونے لگے، کھپائی ہنسی نہیں، آنکھ میں آنسو بھر  
 آئے، کہنے لگیں "میں ہندستانی لڑکی ہوں۔۔۔۔۔ اور  
 اسی کو بنا رہی ہوں، کیوں اس سزا کو چھوڑیے گا بس میں  
 فساد کے مولا کچھ نہیں۔۔۔۔۔"

میں نے کہا "جی ہاں اور دنیا کو فریاد کی ضرورت نہیں۔  
 وہ رونے لگیں، گنگا جمنابلی پڑیں، چکیاں بندھ  
 گئیں۔ کانوں کے ایرنگ ہلنے لگے۔ ستر سے ایرنگ کاری کے  
 جال دانے، باریک باریک مہین مہین مسکتے سے جال جھولنا  
 بیچ کر دی۔۔۔۔۔ میں سوچنے لگا۔ لڑکیاں بھی تو بس بکریاں  
 ہی ہیں۔ ناک ناک کی، چکلی، بکری، دلی، موٹی، چکلی  
 شوخ بے آزار اور بس جی۔ کوئی موٹی یا چکلی ہے، کوئی  
 گھات لگائے بیٹھی ہے اور کوئی جھپٹ چکی ہے شکار پر۔  
 کوئی تلم کے زور سے جال پھیلا رہی ہے، کوئی مرز پر طنز کر کے  
 لیس ہو رہی ہے، کوئی کہتی ہے "اگر میں مرد ہوتی۔۔۔  
 جیسے ہم نے بڑا تیر مارا مرد ہو کے اور جو مرد ہو میں تو  
 سارے جہاں کے مردوں کی کڑوریاں دھو ڈالتیں۔  
 گارش کوئی انھیں سمجھائے۔ ماں، بیوی اور بہن تئیں تو  
 سب کچھ بنائیں مرد کی ساری "مردانگی" قربان ہے تم پر  
 لیکن یہاں تو بہن، کیو پترا، قرۃ العین اور رادہ رانی  
 کی کمی نہیں۔۔۔۔۔ اتن یہ لڑکیاں اور کڑیاں بھی تو جانت  
 سعادت کی ہوتی ہیں، اہلی اجلی، لال، لال، ملی، ملی،  
 موٹی بے آزار اور نہرتی۔۔۔۔۔"

بالوں کی ننھی سی لٹ پھلی اور کانوں پر کھڑکی، ایرنگ  
 کو گھیر لیا اپنے زنجیر سے میں، کیوں اس انداز سے جیسے دشمن

پا ہے تو قدموں پر گر پڑے، لاکھ بھاگے پر پھیلا پھوٹے  
 انجن پڑنے کی، تاریکی سی چھانے لگی۔۔۔۔۔ بیسیوں نقطہ  
 تھرکتے تھرکتے نا چھنے لگے اس تاریکی میں۔ آن کی آن میں سب  
 ڈوب سے گئے اور صرف ایک نقطہ رہ گیا وہی تھرکتا، چمکتا،  
 ابھرتا دھوتا۔۔۔۔۔ پھر وہی جال تھا، وہی لڑکی، کرہ نظر  
 شیا کی چمکی کر دی۔

پھر نظروں میں لگیں۔ نقطہ سا بننے لگا۔ ڈوبا، ابھرا  
 چو کا پھر غائب۔۔۔۔۔ وہ سلنے بیٹھیں، لگد لگد آہیں  
 بولنا ساق، سافولی سلونی رنگت، تکیے خط وخال، بڑی بڑی شہرا  
 انھیں، لمبی لمبی پھلیں اک دم موٹے ہنرٹ اودے اودے  
 طبقاتی چہرہ گال پر دو جا رہا ہے۔ اودی قود کی سفید سفید  
 سادی، اسی رنگ کا کرتا، چھوٹے داموں کا، پٹ ابرے  
 ہونے۔ پورے آئین پیسے پیسے، گلابی میں چنت، اردہ ہی  
 چو لیاں دانوں میں جیسی تن کی، بھلی ویسی ہی من کی لیکن  
 کٹھن کے کان موم کی، ناک، اناں اور بہن نے بدھ رہا موم  
 لیا جاتی ہیں کہ بہن ڈمک رہی ہیں لیکن یہ سکر رہی ہیں۔  
 کچھ من کی کڑو کچھ سعادت، مندی کا گھونڈ، استانی ہیں،  
 انھیں سے گھر چلتے۔ ماں بڑی بیٹی پر بھی جاتی ہیں۔ دارے  
 تیار ہو رہے ہیں، چھنچھن چلتی ہیں چلو، انھیں کوئی پھٹا  
 نہیں لیکن کیا حال کہ چیشانی پر کوئی بلی تک آجائے۔ بلکہ  
 بظاہر خود بھی شریک ہیں اس لاڈ میں۔ جو کھلا دیکھا لیا جو  
 پہنا دیا بہن لیا، نہ ٹھو نہ شکایت لیکن اندر والا ہی تو  
 مانے، کھلی جاتی ہیں اندر ہی اندر۔ بایں کاس ہے، ماں  
 کہتی ہیں، ابھی سچ ہے اور یہ دل پر پتھر رکھے چپ۔۔۔  
 کوئی سمجھ جاتا ہے، لیکن یہ نہیں بولتیں، ماں کو جو پند نہیں  
 اور ماں کو کیا پسند ہے یہ خود انھیں بھی نہیں معلوم ستار  
 خاندان کے سلی بخول مشہور ہیں لیکن یہ ادھر چپ اور وہ  
 ادھر خاموش۔ جانے کب چھوٹے یہ جوالا کھی و پیام سلام  
 بس انھیں کی زبانی، اللہ اللہ خیر صلہ۔ وہ جا رسال لے  
 انھیں پر ادھر کھائے بیٹھے ہیں ادھر ان کا بچا کچھ نہیں



اور کبھی ادھر کہ جیسے کہتی ہو ہاری ماؤ، ہم تمہارے لیڈر  
میں۔ لیکن وہ پھر بھٹانے لگیں جیسے کہتی ہوں اسن کی  
سنو میری اور آؤ۔۔۔۔۔ سر۔۔۔۔۔ ہوا کا تیز جھونکا  
آیا۔ دھڑل سے دروازہ کے دونوں پٹ کھل گئے اور  
پردہ لہرا کر بھٹ کو چھپنے لگا۔ آن کی آن میں جالا ٹوٹ  
گیا۔ کڑی فرس پر گر پڑی چڑیا نے بھٹ سے ایک لپٹ  
بلوے ہوئے جال ایک سرا ہوا میں لہا کر عجیب عجیب  
اور نقش تار ہاتھا۔ رام راج کا نقشہ، پاکستان کے حدود  
سکھستان کی سرحد، گاندھی، جناح، دیول، کرنجی، برلا  
کے کارٹون۔ دھیرے دھیرے یہ نقشہ دھندلا سے گئے  
جیسے ریڈیو پر کسی فوج میں آواز میں منظر میں ڈوب جاتی  
ہے اور نئی آواز نئی تان چھا جاتی ہے۔ ننھے ننھے سبز  
ہلالی رنگے جھنڈے لہرائے، ان سب پر سرخ پرچم سایہ سایہ  
کئے تھے۔ آسمان سے باتیں کر رہا تھا اور ہوا میں آواز  
بھر رہا تھا۔ اسے پائیس کڑا ہاتھ تھامے ہوئے تھے مزدور  
اور کسانوں کے ہاتھ ہماری بھر کم اور مضبوط۔ میں پلیٹ سے  
اچھل پڑا۔ جالا لہرا لیتا ہنسنا کی شکل بنانا نہ دیا میں تیر رہا تھا۔  
میں لگھلگھانے لگا۔

جب دست و قدم آگے بڑھیں گے پائیس کڑا سنانوں کے

حسینی شاہد

طالب علم ہندوستان کا نقشہ آنارنے کی کوشش کر رہا ہو۔  
مجھے ایسا محسوس ہونے لگا۔ جیسے یہ کالا زنجیر، یہ سبز جال  
اور کڑی سامراج، لیگ و کانگرس اور ولی والا صاحب  
ہیں اور پائیس کڑا کھلیاں، پڑھو کی اس دہرے جال  
میں پائیس بھٹنا رہی ہوں۔ کچھ دم توڑ چکی ہیں۔ جیسے  
جلیان والا باغ کے شہید اور کسوکے چار کسان، کچھ سوکھ  
بچکی ہیں صرف پڑھو کی رہ گیا ہے۔ جیسے جنگال کی دلاک  
فالتے کی شکار جتنا کچھ خیر جان ہیں جیسے ہم اور آپ مزدور  
اور کسان، لیکن ان کے لوگے ہاتھ بچنے نہ گئے ہیں، ٹھکیا  
کسی ہوئی ہیں، وہی ہوئی آنکھوں میں خون اتر آیا ہے  
زور و جھول پر عزم کی ہیبت چھائی ہوئی ہے۔ کیا رنگی بھٹنا  
میں خود ہوا۔ حرکت تڑپ اور ایک جھکلا۔۔۔۔۔ کڑی  
ہنچے آری جال ٹوٹ چکا تھا۔ سبز، ابھی ساہمچی، اور کھلیاں  
آزاد بھٹنا چٹا اور بڑی۔ میں چونک سا گیا۔۔۔۔۔  
ہاتھوں میں وہی جالا تھا، کڑی، بچوں بیچ بیچ ہوئی تھی۔  
سامنے دو کھلیاں، ایک ذرا بھوری اور دوسری سیاہ  
ایک دوسرے سے لٹھی ہوئی تھیں۔ اڑتیں، بھٹنا تیں  
گتھ جاتیں۔ اب کی بہت دیر تک لٹھی رہیں، پھر بڑی تیزی  
سے الگ ہوئیں۔ سامنے ہی جالا تھا، دونوں میں چمک  
سی لگیں۔ کڑی نے حرکت کی کبھی ادھر کو اور

محبت کی چھاؤں :-

مرزا ظفر احسن صاحب بی اے کے چودہ افسانوں کا مجموعہ ہے۔ اس کے جملہ افسانے  
عشق و محبت کی دولہ انگیزوں اور حسن و شباب کی رعنائیوں سے معمور ہیں۔ ہر شانہ میں خیال کی جولانیاں اور مشاہدات  
کے تاثرات کا لہر ہے۔ ان افسانوں کے نصب العین معاشرہ کی کئی تصویر اور مصروف زندگیوں کے لمحات فرصت کے لئے  
ایک شائستہ ذہنی تفریح ہے۔ اس کا سینہ و قریل سرور دیکھنے ہی اس کتاب کے لیے پاک اسلوب اور اس کے افسانوں  
لے پناہ شوقی کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

چھوٹی تفصیل (۱۲۲) صفحات قیمت مجلد چھ

# مکہت برباد

کسی نے پوچھا: افسانہ کیسے بنتا ہے؟ اس سوال کا جواب سنئے۔ میں ایسے ہی جیسے حضرت ابنے ہولنا میں کھلی کرتی ہے۔ یہ پھر سوال ہے۔ یہ بات کس کتاب میں لکھی ہوئی ہے؟ جواب ملاحظہ فرمائیے۔ یہ میرا طغداد خیال ہے۔ کھلی کا ایک ایک لہجہ جس کی تالیف دنیا کے قدیم ترین مصنف کے فن سے بھی برتری ہوئی۔ مروجہ کتب میں ایسا کتبہ برتری پیدا کر دیتا ہے اور کھلی جوتی کے ان گنت نمونہ رائے میں۔ دیکھ دیکھ میں۔ افسانہ لکھنے کے ان گنت ڈھنگ ہیں۔ تو میں یہ قصہ۔ یہ افسانہ بھی لکھا نہیں لکھو ایسا بار ہے۔ اس ترقی پسند زمانہ میں ہر عجبہ ترقی پسند ہی کہتا ہے۔ ہاں تو۔۔۔۔۔

جیسے جاتے تھے دن، بیس سال، اگر یہ جنگ جاری رہتی تو شانہ صد سال بیت جاتیں۔ شہت و خون کی آلودہ تہاؤں کی بولی۔ آرزوؤں کے بنائے جانے لگتے اور کھلتے۔ کتنی تہاؤں سے ہلاتا اس کے والدین نے اس کو بڑوں بعد تو اولاد ہوئی تھی۔ آرزو مان کا دخت ڈالانہ لگا۔ جری بھرتی کے احکام کھلے خسرو نے خوشی خوشی اپنا نام تصدوایہ جان کی بازی لگانے سے جانا کر دیا۔ یہاں پر پیش کرے۔ اپنے ملک اور اپنی قوم پر بیعت چڑھنا کتنی زبردست قربانی، کتنی دوج پروردگار۔ اس کی خود اعتمادی جرات و شجاعت کے جذبات پر والدین کو فخر سا ہونے لگا۔ اپنی قسمت پر اس پر ہنر رسومت کے غا زائد اقدام ہے۔۔۔۔۔

محمود۔ اس سے صرف دو ہی سال پہلے تھا۔ وہ کیا جانے تمام شہادت کا مزد۔ قربانیوں کا نفع موت کے فرشتے سے آنکھیں چاک کرنا۔ بڑی عاجزی کی کہ بھیانہ جاؤ۔ جاریہ دنیا تم بن سوتی جو جانے گی۔ اتنی کا رو تے رو تے برا حال ہو گا۔ اب کی زندگی کا چراغ بجھانے لگا ہے۔ مگر خسرو نے اس کی بزدلانہ انتہاؤں کو ٹھکر دیا۔

بچیں گیا نہیں بچہ نہیں آئی۔ مورکہ نہیں کا۔۔۔۔۔

والدین کی ایک اور دھڑکی تو تھمتھی۔ رضوانہ کی شادی خسرو سے ہو جائے۔ سہرا تو دیکھ لیں گے۔ پھر جانے قسمت میں کیا لکھا ہے۔ کتنی جیتا ہے اس کی دلچسپی مکہ رضوانہ اور خسرو آپس کے ساتھ کھیلے، جوں جوں جانے ہوئے محبت کی تیل بھی ساتھ ہی ساتھ مندوسے پڑا ہتی گی۔

خسرو کی فوج میں بھرتی۔ رضوانہ پرستہ ہی جیسے کھلی گری۔ جنگ گویا الارم ہے موت کا۔ اس سے وابستہ اقدار کی طرف ذہن انسانی کے زور و زبول پک نہیں جاتے۔ اب دہری محبت۔ اس کی قسمت میں تو طوفان کریں۔ بچپانی، ان کا ملی، ذلت، سب ہی بچے دھڑے ہیں۔ تو پھر اب ذری کا ہیکا قسمت۔ بزدلوں کی ڈھارس، خوش جہاں دم توڑ دیتی ہے جتنا جہاں اس سے دل جاتی ہے، امیدیں جہاں ایک ایک کر کے ساری کی ساری سلب ہو جاتی ہیں، وسیع ماحول میں سے منحصر مرنے پر جو جس کی امید۔

امید یاس کی دل بچھا جاتے ہیں۔ پناہ روپ دکھاتی ہے۔ قسمت و ہاں بلوہ فرما ہو کر ملی دینے لگتی ہے۔ یہ تقدیر کی دیوی۔ اسے اس کے تو کھیں کبھی نہ آئیں گی۔

روح میں کہیں چھپی ڈھکی لٹی خسرو کی محبت، اب جو بچیا تو رضوانہ کی ساری ہستی پر چھائی تھی محبت کی دکھائی تے غم و اہم پائے تھے۔ والہانہ کسک صدمہ سے دل پک تھی۔ اشتیاق و بغل پنہاں سے منھن ہو پکی تھی۔ اس کے جانے کے صرف خیال ہی سے اس کی دنیا زبردستی اندھیر ہی ہو جاتی ہے۔ وہ اقتدار میں نہ جانے کتنی مرتبہ مر چکی تھی۔ جنگ پھانے والوں کا کیا بھروسہ۔ ان کے کون سے کی بہت کم امید رہتی ہے۔ جیسے کوئی کسی بہت زیادہ خطرناک بیماری سے اٹھے۔ مردوں کو وہاں کرکے جانے۔ لیکن خسرو اس جہاد کے بندھن سے بہت پہلے ہی خسرو کی ہو چکی تھی۔

حقد و شادی — یہ سب غور فریب دنیا کے ظاہر و محسوس  
ہیں۔ روح تو منک ہو جاتی ہے۔ بہت پہلے ہی —  
میں کیا کروں گی اس سنا رہا ہوں کہ — خیر و شر  
بغیر زندگی۔ موت کیوں نہ کہوں اس زندگی کو غرض —  
آئے جانے والے خیالات تھے۔ اور رضوانہ کی مصطفیٰ نے  
راتیں، اس کی زندگی کے پرمقصد سے دن — یہی  
سوچتے جیتے جاتے۔  
خیر و شر ہم سب کو کم کھن نہ تھی۔ ایک طرف عزت و  
شہرت جیسے انمول خزانے تھے۔ دوسری جانب محبت  
جس کی آج تک کوئی قیمت ہی نہ لگ سکی۔ زندگی کے اس  
دور اس پر اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ وہ کون سا رخ اختیار  
کرے۔ محبت کی موڑ پر صرف رضوانہ تھی۔ — یکہ و تنہا —  
ایک دولت بیدار لئے ہوئے۔ عزت و شہرت کے رخ پر  
ساری دنیا تھی۔ دنیا والے تھے۔ سماج کی محنت ہیں نظریں  
تھیں۔ ملک کی امیدیں تھیں۔ قوم کی آرزوئیں تھیں —  
وہ اب کرے تو کیا کرے۔ بڑی بے بسی کا عالم تھا۔ اس نے  
جیسے اپنی سوجھ بوجھ ساری کھو دی ہو۔ اس نے سو بابت  
تو کیا۔ وقتی عذاب ہے۔ جہاں عقل کے پاساں نہیں آتے  
یہ وہ مقام ہے۔ یہ عذاب جیسے صلی سلگتا ہے، اس سے بڑا  
بڑی ہستی سے بچو بھی جانا ہے۔ ٹھنڈا بھی ہو گیا ہے۔  
غصہ مٹا تھا جب پوری ہو جاتی ہے، تو پھر کبھی نہیں جیتا  
نہیں میں۔ رہتے دو اس شر کو یوں ہی — سیکھتے — جلتے۔  
پھر اس نے یہ بھی تو سوچا۔ موت کی آنکھیں میں  
آنکھیں ڈال کر دیکھا۔ کتنی عزت آنکھ بھری ہوئی محبت  
توٹ جاتی تھی۔ لیکن اس انمول موت زندگی میں بار بار  
نہیں آتا۔ نہ جانے ہر کب جنگ چھڑے۔ شاید بڑا صاحبی  
ہو جاؤں اس وقت تک جو ان کا مقصد اس سے بہتر کیا  
ہو سکا ہے کہ ملک و قوم کے فوائد کے لیے چروں میں جک  
ویں — ان کے مقابلہ میں کیا ہے یہ زندگی —  
یہی محبت — اس کی حفاظت میرا دل کرتا رہے گا۔

کل شادی ہو جائے گی۔ اور پرہیزوں — خیر و شر  
کی جانب قدم بڑھائے گا۔ بڑی مصوم و حامی شادی  
ہوئی۔ ایک جنگ پر جانے والے دو لڑکے شادی شادیوں  
میں ایک ٹکٹیں سافٹ بھی چھپا چھپا تھا۔ جس کو کسی اور نے  
نہیں۔ صرف رضوانہ کے دل کی دھڑکنوں نے سنا۔ زندگی  
سنو رہی تھی بگڑنے کے لئے۔ قسمت کا ہندسہ دو دنوں کو  
ایک ہی دھاگہ میں باندھ رہا تھا۔ لیکن مدائی کا عقل  
جان لیوا طور پر روح فرس تھا۔ ہماروں کی کثرت تھی۔  
اس کی جان بازی نے اس کو ہیر و بنا دیا تھا۔ اور اس ہیر و  
کو دیکھنے ملک کے گوشے گوشے سے ملتے پلتے آتی تھی۔ پھول  
کے ہاروں نے اس کے قدم قامت کو ٹھک بٹھکا دیا تھا۔  
بس کہ میں ہم ایک بہار، اذ کے مارے ہوئے  
بلوہ گل کے سوا اگر وہ اپنے دھن میں نہیں  
پھولوں کی زبان کوں کہے۔ پھول سے پھول کب کہہ دے  
تھا۔ لیکن کیا —؟ شادی کے فتوں میں امام ضامن کی  
تھیں۔ حرز جان کی تھوڑی سی تھیں۔ غرض دوسرے ہی دن  
خیر و روانہ ہوا۔ اس کے پیچھے کیا ہوا۔ یہ ایک لیلہ شدہ امر ہے۔  
اور اس کا اعادہ ایک دور از کار کی بات — ان ہی  
سال، ایک دو تھیں، چھ سات سال گزر گئے۔ آنکھیں پتھر  
کیں

نئے شروع وصال نہ نظارہ جمال  
دلت ہوئی کہ ششی چشم و گوش ہے  
تین چار سال تک تو خط آتے رہے۔ اس کے بعد موت۔  
افواہیں در و دیوار سے سرگوشاں کرنے لگیں۔ جا پانی قیدی  
بھی آئیں آتے آزاد ہو سکتے ہیں خط لکھیں۔ وال تو  
بات پر زبان گھٹی ہے۔ کسی نے کہہ دیا زندہ ہوتے تو  
خط لکھتے۔ غرض بے پروا ہوتے۔ ہوشیار تنقیدیں عقل کی  
باگاہ سے جلتی ہوئی پھیل ادا نہیں۔  
رضوانہ جیسے جیتے ہی مر چکی تھی۔ اس خبر نے اس کی  
رہی ہی دنیا بھی لوٹ لی غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا اس پر لیکن

میں نہیں۔  
 رضوانہ ایک مجرم کی طرح زندگی بدمعاشی رہتی ہے۔ ہنسنا پڑتا  
 تو وہ بھول ہی چکی تھی۔ اس کے چہرے پر — سات سال  
 ہوئے انھیں وطن ہو کر۔

یہ نام نہاد دنیا دکھاوے کی شادی ہوئے ۶ ماہ گزرے  
 ہوں گے کہ جب تک امن سے بدل گئی۔ ماں باپ کے دلوں پر بار  
 اٹھے۔ تپنے خواب، اپنے اپنے لڑکوں کی واپسی کا  
 حسین خیال ان کے دل و دماغ کی پال دوٹیوں میں ٹھونسنے لگا  
 خسرو کے والدین کی تو اس ٹوٹ پھوٹ چکی تھی۔  
 اب کسی کا انتہائی رشتہ۔ اسی بناء پر رضوانہ خود کی تمناؤں کی  
 جھینٹ چڑھادی گئی تھی۔ باوجود انکار اور جدوجہد کے اس کی  
 ساری اہمیتیں ٹھکرادی گئیں۔ زبان رکھتے ہوئے بھی اس  
 اس قسم کا سلوک جیسے بے باؤں سے ہوتا ہے۔

مکندہ ستانی لڑائی کی تمنا اس کی اپنی تنہا کی ہوئی  
 ہے اس کے امانوں سے توجہ اکھلا جاتا ہے۔ اس کے اپنے  
 دل میں، اس کی اپنی خواہش — تو کوئی چیز ہی نہیں ہوئی۔  
 اور جو فتنہ نگاروں کا فتنہ ہے کہ عورت بے وقار ہے مگر  
 ہے اس کا ظاہر و باطن یکساں نہیں۔ اس کی ات کا  
 کیا جو وہ خیر — رونا اس کا ہے کہ قلدشمن کے  
 ہاتھ میں ہے۔

ع۔ کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی ٹھکانا ہوتا  
 لیکن اس کی تو آرزو یہ رہ گئی۔

خسرو لاکھوں تمناؤں کی دنیا کا مانی کا سہرا لٹے ہوئے  
 وطن واپس ہوتا ہے۔ وہ جیتا جاگتا ہے۔ قبیح و سالم ہے۔  
 رضوانہ اس کے مدد و تحیل سے ایک ٹھکانہ ٹھٹھکی آئین  
 یہاں اگر اپنے جمن حیات کو چھٹیں کی دست برد سے پال  
 وں باد و کچھ کر اس کا دل اس کے قابو میں نہیں رہتا۔  
 سارے گھر پر رونے سی چھا جاتی ہے۔ والدین کے  
 دلوں میں اب کس قسم کی انگلیں ہوں گی؟ رضوانہ کے  
 قلب کی بے پناہ دھڑکنوں میں کس نوعیت کی کیفیت کا

انسان میں برداشت کی قوت پیدا ہو جاتے تو ہر ٹی سی  
 جڑی مصیبت بھی اس کی ہتھوں کے آگے اپنا سر پھل کر رکھ دیتی  
 ہے۔ مصائب و آلام خود اتنے خوف کی نہیں ہوتے جتنا  
 ان کا خیال ہوتا ہے۔ بہادری و شجاعت صرف مرد کی  
 میراث ہی نہیں۔ یہ عورت کا بھی جوہر ہے۔ ایک نرول  
 عورت ایک سطحی و جانباز عورت کو کیسے جنم دے سکتی ہے۔  
 رضوانہ نے جہاں اس کی جدائی گوارا کر لی تھی۔  
 اب اس کی واپس کی جدائی کو سہارا بھی تو اس کے بس کی  
 بات نہ تھی۔ لیکن سہنے کے لئے خود کو بے بس پانی۔ وہ کبھی  
 کیا سمجھتی تھی۔ تقدیر کے سامنے انسان مجبور ہو جاتا ہے۔ تقدیر  
 کے اٹل قانون کیسے بدل سکتے ہیں۔ بشیت ایزدی —  
 اور کیا —

وہ ہر سے دھیرے دھیرے محمود کی ہمدی رضوانہ سے بڑھتی  
 جاتی تھی۔ ہمدی شاید محبت کا پہلا زینہ ہے۔ لیکن —  
 رضوانہ کے دل میں محمود نے وہ جگہ نہ لی جو خسرو کی ہو چکی تھی۔  
 یوں موت و اخلاق کے کارن وہ اس سے جبراً و قہراً متوجہ  
 بھی ہو جاتی۔ لیکن عورت شاید زندگی میں ایک ہی مرتبہ محبت  
 کر سکتی ہے۔

والدین محمود کے بھی دی گئے جو خسرو کے تھے۔ ان کی  
 تویہ دونوں آنکھیں تھیں۔ انھوں نے سوجا خسرو تو اب اس  
 سسرال میں نہیں۔ محمود سے رضوانہ کا عقد گردنیا بہتر ہو گا۔  
 مدد دہائی۔ اور سب — اس کا کون سا مقابلہ کرے۔

بزدل قسم کی مخلوق طرح سے بہت ڈرتی ہے۔ کاش  
 اتنا ہی خوف انھیں شمع کا ہوتا۔ ادھر سبج — اس کی  
 روح فرسائیوں سے خدا تہ پالا ڈالے۔

خسرو اس دنیا میں نہ ہو۔ لیکن رضوانہ کے دل  
 سے اس کو کون نکالے۔ ادھر والدین کی دھمکیاں۔ پھر سہ  
 ہی ساتھ پیا واد پر کار کی باتیں۔ غرض سب ہی کچھ۔ خست  
 محمود اور رضوانہ کا عقد ہو جاتا ہے۔ بغیر کسی دیا  
 کے اپنی لادشت میں یہ سمجھتے ہوئے کہ خسرو تو اب اس دنیا

۱۹ اصولاً و شرعاً — اس کا فیصلہ —

جہاں بانو

(نشر گاہ حیدرآباد سے نشر ہوا)

احساس ہو گا؟  
عمود کے نمبر اور اس کی اپنی جلد بازی کا آخر  
کیا نتیجہ ہو سکتا ہے؟ ہر عنوان اب درحقیقت کس کی پرکھ

## احترار

ان کی محفل میں نہ جاؤں گا نہ جاؤں گا کبھی

وہ مجھے بندہ بے دام سمجھتے ہیں ہنوز  
وہ مجھے نقش تہہ گام سمجھتے ہیں ہنوز  
زر کے زبریلے ببولوں سے ڈراتے ہیں مجھے  
اپنی محفل میں وہ ہنس ہنس کے رلاتے ہیں مجھے  
حسن مصمم کی سوگند ستم کر رہیں وہ  
میری نظروں میں خدا ہو گئے بھی کاؤں میں وہ  
وہ مرے فن کو سمجھتے ہیں جو اہر کا عوض  
ستارے سے بھی ہوتے نہیں شاعر کا عوض  
وہ مجھے شاعر خود دار سمجھتے ہی نہیں  
وہ تو تلوار کو تلوار سمجھتے ہی نہیں

میں اگر جا ہوں تو محفل تہہ و بالا کروں  
ساغر عیش بہر طاق الٹ کر رکھ دوں  
زہر شادی کو غزا خانہ بنا کر رکھ دوں  
برج طراغ شب عشرت کو بجھا کر رکھ دوں  
نور آدم ہوں فرشتوں کو بھی حیراں کروں  
شاہ غلام کے بھی دامن کو گریباں کروں  
میری تقدیر کی مشکل اگر آساں نہ ہوئی  
فطرت حسن اگر پھر بھی پشیاں نہ ہوئی  
اور پھر بھی وہ اگر سر بہ لکریاں نہ ہوئے  
اپنے محبوب شعل سے گرہنزاں نہ ہوئے

مستقل طور پر ہے میرا ارادہ سنی  
ان کی محفل میں نہ جاؤں گا نہ جاؤں گا کبھی

ساقی صیقی

# فیشن

داخل ہو گئے ہیں، ہندوب و تھل اور فیشن کا مطلب غلامی کا  
جیسا کہ رات فیشن کر لی گئی ہے کہ جب تک ظاہری تنگ  
ٹماکے سے سادگی اور بے گلی کا خون نہ کھا جائے انسان  
ہند (کھنڈ) نہ سمجھتا ہے، نہیں رہتا۔ اس طرح ہمارے  
زیر عمل ایک کھانا بکرو گئی اور ہماری ہر معمولی کام میں بناوٹ  
اور تصنع داخل ہو گیا شگلے جلنے میں کھانے پینے میں الفحش  
زندگی کے ہر شعبے میں۔

دی فیشن اچھا اور قابل تقلید ہے جس میں ہمیں آرام  
و چین نصیب ہو جس سے لوگوں کو انگشت نمانی کا موقع نہ  
ملے۔ آج کل جیروں عمدہ عمدہ رواج ہیں اور ان فیشنوں پر  
چلنے سے ہماری زندگی بہت اچھی ہو گئی ہے۔ مثلاً مکانات جو  
سومل پہلے بنائے جاتے تھے عموماً بے قرینہ اور صحت کے لئے  
خواب ہوتے تھے لیکن آج کل کے خوبصورت مکان میں راتیں  
کھانا اور حفظان صحت کا بھی بہت کچھ لحاظ رکھا جاتا ہے۔ ایسے  
مکانات بنانے کا مطلب ہندوستان میں بننے والی اور وہ  
اس حد تک اچھی بھی تھی لیکن جرم و ذلالت کے مکان جن کا  
جبد آباد میں بہت رواج ہے میرے خیال میں ہندوستان  
کے لئے موزوں نہیں۔ کیوں کہ ایسے مکانوں کی قیمت بہت  
سچی ہوتی ہے جو معرعی ممالک کے لئے کافی ہے کیونکہ وہاں  
کا موسم گرمی بہت سرد ہوتا ہے اور بہت مکان گرم ہوتے ہیں  
لیکن جلد آباد میں اسکی تقلید کرنا کیا ایک مناسب ہے؟  
کسی دوسرے ملک کے فیشن کی اندھی تقلید کے لئے حقیقت  
جننے سے پہلے بہتر ہے کہ ہم چیں کان و گونگا کیوں اس قسم  
کا فیشن اختیار کیا۔ کیا ہم اس کی تقلید میں کیا  
برائی اور کیا بھلائی ہے۔ اگر اس پر غور کر کے ہر کوئی حیرت  
کرے گا تو سمجھائے انھیں نہائی کے ہر قابل نہیں ہوں گے۔ ہم  
میں ادا کر گزروں میں بدیہی فرق ہے۔ وہ ہماری اچھی چیز  
چھین کر اپنے خاندان میں اور ان کا استعمال سلطنت سے کرتے ہیں  
برعکاس اس کے ہم بدیہی طرح بغیر سوچے بچے ان کی پیروی  
کرتے ہیں اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ "ادھر سے رہے نہ ادھر کے رہے"

انسان خواہ وہ کتنا ہی اچھا کام کیوں نہ ہو مسلسل کرتا  
کرے تنگ جاتا ہے اور اس میں کبھی پیدا کرنے کے لئے  
تبدیلی ضروری ہوتی ہے اور اسی تبدیلی کا نام فیشن ہے جو  
زمانے کے ساتھ ساتھ بدلتا رہتا ہے۔

فیشن کا بدلتا ضروری ہے۔ جوں جوں زمانہ گزرتا جاتا  
ہے نئی نئی ایجادیں ہوتی ہیں اور ہر ہی چیز میں معلوم  
ہو رہا ہے کہ فلاں چیز ہمارے لئے مفید ہے اور فلاں  
مضر۔ بعض مردم فیشن میں وہیں پیش آئے نکلی ہیں  
اس لئے اس کو ترک کر کے نیا فیشن اختیار کرتے ہیں۔ ایسی  
صعدت میں رواج کا ہر زمانے کے ساتھ بدلتا رہتا ہے اور ضروری  
ہے۔ مثلاً پچیس برس سال قبل ہندوستان میں انگریزوں کی  
رواج نہ تھا۔ مکان میں دیئے اور عموماً چلائی جاتی تھیں  
لیکن جب پہلی کی خصوصیات اور اس کے استعمال کی سہولتیں  
معلوم ہوئیں تو بجائے ٹیپ کے معمولی معمولی گھروں میں  
بجلی کی روشنی آئی۔

ملک کی فضا اور موسم کا بھی فیشن پر اثر پڑتا ہے۔  
ہر ملک کے فیشن بدلتے رہتے ہیں۔ ممکن ہے جو چیز ہندوستان میں  
کی گئی ہو کہ انگلستان میں غراب قرار دیں مثلاً مغربی ملک  
میں بال کا فیشن ہے۔ ہندوستان میں لانے بال رکھنا  
خوبصورتی میں شامل ہے۔ مغربی ملک میں دن میں تین چار  
مرتبہ کپڑے بدلتے رہتے ہیں۔ ہند میں اس طرح کرنا دقت  
کی برادری تصور کرتے ہیں۔ آج کل عموماً فیشن کے معنی صرف  
کپڑوں کی حد تک لیے ہیں لیکن دراصل اس کا پتہ انسان  
کی زندگی کے ہر شعبے سے چلتا ہے۔ مثلاً بودا باش پکڑنے  
کھانا پیتا وغیرہ۔

ہماری معاشرت میں آج کل بناوٹ بہت زیادہ  
ہو گئی ہے اور ہماری طرز زندگی میں خلعت اور نمائش بہت

جس کوئی بزرگ مدہمتی یا کوئی شہزادی کسی چیز کو اختیار کرتی ہے تو لوگ اس کی تقلید کرنے لگ جاتے۔ اس طرح نئے نئے عقین وجود میں آتے ہیں۔ یہ طریقہ ہر نسل اور ہر قوم کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ پنجاب میں اسٹیل نے اپنے ایک خط (دوستوں کے ساتھ) میں لکھا ہے کہ میں اس سسٹم پر کافی بحث کی ہے۔ مثلاً سکندر اعظم کی گردن ایک طوطا ذرا سی جھکی ہوئی تھی لوگ اس کی تقلید کرنے لگے۔ فیشن کے واسطے یہ ضروری نہیں کہ وہ کوئی نئی طرز اختیار کریں۔ آج کل پرانے فیشن کی طرف بہت میلان پایا جاتا ہے۔ اگر ہندوستانی نقالوں کے سامنے چند بدترین چیزیں فیشن بنا کر پیش کی جائیں تو وہ اس کو فوراً قبول کر لیں گے۔ ہم لوگوں پر تقلید اس قدر غالب ہوئی اور ہر چیز پر اس قدر بناوٹ غالب ہے کہ ہم خود مصنوعی ہو گئے ہیں۔ ہم ہر چیز میں انگریزوں کی پیروی کرتے ہیں مثلاً ہندوستانی کھانسی کے جانے جا کلٹ بند کرتے ہیں۔ روٹی کے کوریائی پر ترجیح دیتے ہیں۔ گودلی تو جانتا ہے کہ بریائی پھینک لیکن فیشن کے خیال سے روٹی مسکھ کھاتے ہیں۔ یہ ہے ہماری معاشرت کا رنگ۔

ہم نے جننے کے طریقوں میں بھی بہت نقل کر لے ہیں۔ مغربی ممالک کے لوگ فرش پر نہیں بیٹھے بلکہ صوفوں پر اپنی عمر گزارتے ہیں۔ لیکن اس کا سبب بھی ہے۔ وہاں فرش اس وجہ سے استعمال نہیں ہوتا کہ وہاں کا موسم بہت سرد ہوتا ہے اور پتھروں کی ٹھنڈک سے بیمار پڑنے کا اندیشہ رہتا ہے۔ برطانیہ اس کے ہندوستان جیسے گرم ملک میں ہمیشہ صوفہ پر بیٹھنا بہت تکلیف دہ ہوتا ہے لیکن کیا کریں فیشن ابل کھانے کی خاطر سب کے گوارا کر لیتے ہیں۔ موجودہ زمانے میں اپنے آپ کو بیمار بنانا شاید ایک فیشن سمجھا جاتا ہے۔ کچھ زمانہ پہلے کسی کو دیکھو وہ درگاہ میں مبتلا ہے چاہے درواس کے پاؤں میں ہوتا ہو چاہے مرض لیکن ہمیشہ وہ خود کو اس مرض میں مبتلا کرتا ہے۔ اب تو

ہمارے دوسرے ہندوستانی بھائی ہم پریشانہ ہیں اور انگیز بھی بیوقوف سمجھتے ہیں۔ اس بخود ہی تنقید سے بچا چنی انفرادیت کو خود دیتے ہیں۔ ایک صاحب کا خوب فرماتے ہیں کہ فیشن کا دوسرا نام "ایک عام میں سب تنگے" کا ہے۔ بظاہر تو کچھ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ فیشن کی اندھی تقلید جسے یا بھونڈی تقلید ہندوستان کی رباوی اور تباہی کا باعث ہے۔ دنیا کا ہر ملک دوسرے ممالک کی اچھی چیز کی پیروی کرتا ہے۔ لیکن ہندوستان میں تقلید اس طرح پھیلی ہے کہ دنیا کے کسی ملک میں نہیں ہے۔ بہت کم ہندوستانی ایسے نظر آتے ہیں جن کی خاصی خاص وضع پر قائم ہوں ورنہ عام طور پر غیر ممالک کی تقلید اس حد تک کرتے ہیں کہ اچھائی اور برائی کا بھی امتیاز باقی نہ رکھا۔ یورپ سرد ملک ہونے کی وجہ سے وہاں شراب کا استعمال کثرت سے ہوتا ہے۔ لیکن ہندوستانیوں نے اس کی نقل شروع کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ گرمی اور پھیپھڑے خراب ہو گئے۔ باوجود اس کے وہ خوش ہوتے ہیں تو ہم ہیں اور انگریزوں میں کوئی فرق نہیں بہتا۔

یورپی دنیا میں فیشن کا مرکز کئی سال سے فرانس ہے۔ یہاں جو فیشن رواج پاتا ہے ساری دنیا میں اسی کی تقلید ہوتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آج کل حیدرآباد ہندوستان کا پیرس بنا ہوا ہے۔ یہاں کسی دعوت یا جلسہ میں جائے قدم قدم کے لوگ نئے نئے روپ میں نظر آتے ہیں اور لطف تو یہ کہ خواہ انھیں وہ لباس اچھا معلوم ہو یا برا۔ انگریزوں کا لباس عریاں نہیں تو نیم عریاں تو طور ہے۔ ان کے محلہ دارستانی جیٹ رہتے ہیں۔ ہم بغیر غور کیے اس نمونے کے لباس پہنتے ہیں۔ اس بات کا خیال نہیں کرتے کہ ہم فیشن کی خاطر عریاں ہو رہے ہیں اس لئے ہمیں چاہیے کہ کسی فیشن کو اختیار کرنے سے پہلے امتیاز کریں آیا وہ اچھا ہے یا برا۔

ہے۔ کیسائیت کی زندگی سے موت بہتر ترقی کے لئے تبدیلی ضروری ہے لیکن کس قسم کی تبدیلی — تبدیلی ہمارے موافق ہو اور اس لئے ہمیں راحت و آرام ملے نہ دیر تعلیق جو ممکن ہے ہمیں پیرس کے کی طرح انجمنیں بنانے کی اجازت دے اور ہماری حالت اس شعر کے معادل ہو جائے۔  
ہوئے اس قدر مذہب کہ نہ کبھی گھر کی صورت  
کئی عمر ہو ٹولوں میں مرے ہسپتال باکر

فریدہ

ٹانسل کی شکایت عام ہو گئی ہے ممکن ہے آئندہ صحت مند لوگ ٹانسیا نڈ میں مبتلا نظر آئیں !!!  
آج کل سینما لوگوں کی زندگی کا ایک حصہ بن گئے ہیں سینما کا اثر فیشن پر بہت بڑا ہے۔ ۱۰ پیسے اخلاق والوں پر سینما کا اچھا اثر پڑتا ہے لیکن کمزور اطوار والے جاہل و حال و اس چیت، الغرض ہر ایک چیز میں ایکٹروں کی تقلید کرتے ہیں۔  
باوجود ان تمام باتوں کے فیشن کا جو ضروری ہے۔  
اگر ہم اس کو بھی طرح عمل میں لائیں تو یہ ایک بہت اچھی چیز

## نئی زندگی کا معرکہ آلا راس لانہ نمبر جو صرف مسلمہ پاکستان پر مشتمل ہے۔

جنوری ۱۹۳۶ء میں شائع ہو چکا ہے۔  
۵۰ صفحات کی غیر ملکی سرائے، پاکستان سے متعلق ایک کتاب ہے جس میں مشرور سے آخر تک اس سلسلے کی اپنی تاریخ اور اس کے مختلف پہلوؤں پر ملت پاکستان کی جوئی کے مطابق جدید علماء اور سیاسی رہنماؤں کے مضامین ہیں۔ وسیعہ پاکستان کی مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہیں علاوہ اس کے ادارے کی فراہمی کی جوتی اس سلسلے سے متعلق ہر قسم کی غیر معلومات اعداد و شمار اور متعدد نقشے اور تصاویر مل کر ایک پیکل بہا خزانہ ہے جو اس نمبر میں شامل کیا گیا ہے۔

نہایت اعلیٰ و اکتیسایہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ نئی زندگی کا یہ پاکستان نمبر اس سلسلے پر آخری نقطہ، آخری فقرہ ہے جو اگلے سال جاری ہو گا۔  
یہی نمبر ہمیں نظر سے نہیں گزرا۔  
جیم ۵۰ صفحات  
ماظن سے عرض ہے کہ کاغذ کی رانٹنگ کمزور ہے مگر زیادہ کامیاب شائع نہیں ہو سکے۔ اسلئے جب تک کہ یہ دور جو یہ دفتر میں بیٹھ کر لکھائی کا پی محض نہ کر لیں اور ایک ہی صبح تمام آراء معلوم ہو جائے تو زیادہ کامیاب ہو سکے۔ اسلئے کہ وہ یہاں کی ذمہ داری نہیں لے سکتے۔ بھلا ان خبرداروں کو یہ برداشت نہ کر لیا جائے گا۔ بہنیا پانچ سو پچھتر سالہ دنیا وہ یکجا متعلق جو رہا ہے۔

منجر سالہ نئی زندگی شہوش چندر با سو روڈ، الہ آباد، یو۔ پی



## خوش آمدید

یہ کون جھپکتا آتا ہے ! کیوں آتے ہوئے شرماتا ہے  
انداز تو چپنے کے ہیں وہی ہر گام پہ ہے اک موسیقی  
ہے قد میں وہی ڈالی کی ٹپک سو آئی نظر بندوں کی چمک  
وہ ہاتھ بے ساغر کھینکے ناہید نے پھیڑے ساز نے  
خوشبو کی پٹیلیں آتی ہیں دامنِ فضا ہکا تکی ہیں  
لو آہی گئے وہ آہی گئے اور دیدہ و دول پر چھا ہی گئے  
اب جائے کہاں کھو جاؤں گا  
میں ان پرندہ اہو جاؤں گا

## دو قطعے

گر نہیں تیرے لئے لطف بہاراں نہ ہی  
عیش و عشرت نہ ہی بزم و جنتاں نہ ہی  
ہو مبارک پہ جو انہروں کا جینا تجھ کو  
ہمتِ مور تو ہے ملکِ سلیمان نہ ہی

لطفِ سہل نہ ہی تلخیِ طوفاں نہ ہی  
فراہیاں نہ ہی غلٹِ عصیاں نہ ہی  
ہائے محرومی جاوید کہ یہ بھی تو ہمیں  
زندگی خواب نہ ہی خوابِ پریشاں نہ ہی

## محسوسات

مگکا ہوں میں بخار آتا ہوا محسوس ہوتا ہے

تصور جام چھلکتا ہوا محسوس ہوتا ہے

خرام ناز، اور ان کا خرام ناز، کیا کہنا!

زمانہ ٹھوکریں کھاتا ہوا محسوس ہوتا ہے

تصور ایک ذہنی جستجو کا نام ہے شاید!

دل ان کو ڈھونڈھ کر آتا ہوا محسوس ہوتا ہے

کسی کی نقرئی بازیب کی جھنکار کے صدقے

مجھے سارا جہاں گاتا ہوا محسوس ہوتا ہے

تھرکتا ہے گھٹا کا عکس موجوں کی روانی پر

کوئی آنچل سا لہراتا ہوا محسوس ہوتا ہے

لچکتا جسم رقصِ بنخودی میں دیکھنے والو

سہرا سانپ بل کھاتا ہوا محسوس ہوتا ہے

قتیلِ ابدل کی دھڑکن بن گئی ہے چاپ قدموں کی

کوئی میری طرف آتا ہوا محسوس ہوتا ہے

قتیلِ شہنائی

# مشرق

(از مولیان)

جیسے ہی مرا شروع ہوتا ہے میں اپنے دوست کو یاد کرنے لگتا ہوں جو بہت دور ایشیا کی سرحد پر رہتا ہے۔  
بچپن دفعہ میں اس سے ملنے گیا تھا۔ میں جانتا ہوں کہ دوبارہ اس سے ملاقات نہ ہو سکے گی۔ آج سے نکال قبل سترہ کی بات ہے کہ میں ایشیا گیا تھا میں نے وہاں اس کو اپنے دیوان خانے میں افیون کے نشہ میں نیم خوابی کی حالت میں پایا۔

اس نے بغیر حرکت کئے کہنا شروع کیا، بیٹھ جاؤ پھر تم جو کچھ چاہو گے میں اس کا جواب دیتا ہوں گا۔ لیکن میں حرکت نہیں کرتا، میں بیٹھ گیا اور پیرس کے سفارت خانہ پر اسی بائیں کہہ ڈالیں۔ لیکن اس نے کہا۔ تم کیا کہہ رہے ہو مجھے اس سے ذرا برابر بھی وہی نہیں لگا کہ میں ایسے مالک کا دلدار ہوں جو دوسرے تسمانوں سے شے ہیں۔  
اودہ بیچارہ کا شرمینو نے مشرق دیکھنے کی خواہش میں جان دیدی تم نہیں جانتے کہ یہ ملک کس طرح گھبراہٹ ہے۔ یہ مقدار ہی آنکھوں کی راہ ہوتا ہے وہاں پر بھاگتا ہے اور اپنی محبت کے بغیر میری دھاک میں باندھ لیتا ہے۔ میں یہاں افیون کی رنگینوں سے کھیلتا ہوں یہ کہہ کر اس نے آنکھیں بند کیں۔

میں کہا۔ تمہیں زہر میں کیا مضرہ لگا ہے۔ تمہیں اس سے کیا جسمانی لذت حاصل ہو رہی ہے جبکہ یہ بھاری ایک نہ ایک دن خاتمہ کر کے رہے گا؟ بات کاٹنے ہوئے اس نے کہا۔ یہ جسمانی لذت نہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر حسین شے ہے۔ افیون تمام دنیاوی جھگڑوں سے دماغ کو بے ہوش دلاتی ہے۔ کیا تم جانتا جانتے ہو مجھے کون کونسی چیزیں پسند ہیں۔ کوسو تو ایک تو چھ افیون اور وہ میرے ہے مشرق میں جب افیون کھا کر لیٹ جاتا ہوں تو پہلے ہلکا سا ساٹھا ہوتا ہے اس کے بعد تمام اعضاء پر یہ اثر چڑھ جاتا ہے۔

اس کے بعد میں بالکل بے خود ہوتا چلا، مجھے بے اندازہ مسرت ہوتی ہے جس کو میں بیان نہیں کر سکتا، میں خیالات کے اہلکام سندھوں میں بہتا ہوں مسرت و انبساط سے کھنکھار رہتا ہوں۔ دوبارہ اس نے آنکھیں بند کیں۔  
میں نے کہا۔ تم جو مشرق سے اتنی محبت کرتے ہو وہ صرف اس نشہ کی وجہ سے وہ نہ کوئی کیونکر اس وحشی ملک کو پسند کرے گا جہاں دماغ بے حس ہیں، جہاں خیالات پر مددوں کی روانہ ہو کر رہتا ہے، جہاں جدیدیات نام کو نہیں سمجھتے جس سے محبت کرتا ہوں وہ خواہ ہے وہ حیل ہے کہہ سکتے ہو۔ مشرق ایک وحشی ملک ہے، خاموش، بدتریزی یہ ایک فرشتوں کا ملک ہے وحشی مغرب کے لوگ ہیں جو اپنے آپ کو مستحق اور شان سے سمجھتے ہیں، ہم قابل نفرت وحشی ہیں جو حشوں سے بدتر زندگی گزارتے ہیں۔

ہمارے پتھر سے بنے ہوئے شہروں اور خوبصورت فنچوں کی طرف دیکھو ہماری ساری زندگی کہاں میں ہے۔ کمروں کے دو در کھنوں کو دیکھو جس میں سے خون کو کاٹنے والی ٹھنڈی ہوا میں اتنی کافی آتی ہیں کہ ان سے جلی چل سکتی ہے ہمارے ساری زندگی کریسیوں پر کھڑے گزرتی ہے۔ کتنی مسکندہ چیز ہے۔۔۔۔۔۔ ہمارے دماغی زندگی پر بھی نظر ڈالو جو کتنی مضبوطی اور نظم و ضبط کی آماجگاہ بنی ہوئی ہے۔ آئے دن لڑائیاں ہو کر رہتی ہیں مطلق ہمارے ہی کا بازار گرم ہے۔ وہ خود ہی دیر کے لئے خاموش ہو گیا پھر کتنا شروع کیا۔ میں اس مکان کو جانتا ہوں جس کو قریب میں خریدنے والا ہوں وہ ایک مشرقی وضع کا بنا ہوا لکڑی کا مکان ہے۔ تم اس مکان سے سمندر کو آسانی دیکھ سکتے ہو۔ سفید بادبان تھر تھرتے ہوئے دکھائی دیں گے، ترکوں اور دیوانیوں کی کشیدگی نظر آئے گی۔ مکان میں چھوٹا سا چمن ہے جس میں ٹھنڈی ٹھنڈی مٹھی ہوا میں سرسرا رہی ہیں اور حشوں کی شاخوں سے فوارے اچھٹے ہیں اور آبشار کی صورت



# محمد قلی قطب شاہ اور رومانیت

میں پایا جاتا ہے۔ لیکن نظر کا حصہ خاص طور پر محمد قلی کے دیار سے وابستہ ہے جس کے حسن و عشق کی ایک عجیب غریب تصویر (Epic of Love) ہو رہی ہے۔ اس دنیا میں محمد قلی کم ہو کر ساری کائنات سے بے غل جاتا ہو۔ فلسفہ اور حکمت اہل کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ ہاں اگر اہمیت ہے تو ان کی عین (Epic of Love) کے قول کے مطابق لکھا ہو چکا اور عیش کر دے کی جگہ چنانچہ نظم کی نارسائی کا شکار کر کے ہوئے عیش کا تھانہ وہ یوں کا تھانہ دنیا کا حکمت اور عیش کا ہر دم ہوا کے نام (Epic of Love) اس ترازو عیش کے لئے وہ اپنی تیار یوں کی محفل جاتا ہے۔ اور ان کے لئے محفل قیام کر دیا ہے۔ ان محفل میں ہر شخص کی نازنیاں بے تکلفی کے ساتھ اپنے حسن و جمال اور آرائش و زیبائش میں مصروف و متہنگ اور عشق و عشاق کی عجیب غریب کیفیتوں اور جوانی و جوانی کے لئے بے پناہ جذبات کے مظاہرے کرتی رہتی ہیں۔ محمد قلی کی پیاریوں میں شخصی ساؤنڈ کی پیاری، گندھی، چھیلی، لالا، بھینس، زامانی، ہندی، چھوری، پرسی، سندھ، مشہری اور بھاک متی وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں کیونکہ ان پر محمد قلی نے مستقل نظمیں لکھی ہیں۔ ان کے حسن و جمال کی داد دی ہے اور ان کے ساتھ اپنے عاشقانہ تعلقات کا اظہار کیا ہے۔ محمد قلی کو ان پیاریوں سے جو لگاؤ تھا اس کا اظہار ایک واقعہ سے ہوتا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ بھاک متی کی خاطر محمد قلی نے موسیٰ مدنی کی تیز ہندوستانی میں اپنا گھڑا ڈال دیا اور اپنی پیاری بھاک متی کی جان بچائی۔ اس حرم کی پادشہ میں اس کو محل میں چند روز قیام بھی رہا۔ اپنی پیاریوں کے حسن و جمال اور غمزہ و مشوہ کی تصویر پر محمد قلی نے اپنی نظموں میں بھیجی ہے اس کے چند اشعار ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

محمد قلی قطب شاہ کا عہد تاریخ گو گنبد کا وہ دور ہے جبکہ دکن ہند اسلامی ثقافت و تمدن کا سنگ بنا اور مندو مسلارٹ کا ایک حسین امتزاج پیدا ہوا۔ چنانچہ محمد قلی قطب شاہ پہلا کوئی مسلمان بادشاہ ہے جس نے ہندوؤں کے لباس اور طرز نامزد کو اختیار کیا۔ اسی کچھ گت اور مل طاب کا نتیجہ یہ ہوا کہ محمد قلی کے دربار اور محلات شادی میں ہندوؤں نے ماریاں مندرجہ کیا اور قلی کی حسن پرست طبیعت نے ایک عجیب غریب رومانی فضا پیدا کر دی۔

کلیات محمد قلی قطب شاہ اٹھا کر دیکھتے تو اکثر مشیر نظمیں ایسی ہیں جن کے پیچھے ہیں محمد قلی کے دربار میں حسن و عشق کے دوسرے کیلے جاتے نظر آئیں گے۔ یہ دیار کیا تھا تو یا حرم ازلی اور یہ نظمیں کیا ہیں گو اس جو زمانہ کی زندہ اور قیامی تصویریں ہیں۔ ان زمانہ ان کی فضاؤں میں محمد قلی کا دل جو زندگی اور کائنات میں سوا حسن و عشق کے کسی اور حقیقت کو کارفرما نہیں دیکھتا جو میں لکھنے تیرا نظر آتا ہے۔ محمد قلی میں حسن و عشق کا احساس پہچان ہی سے قدر تانے و ولایت کیا تھا اور رومانیت ایک سٹرمی کیف (Epic of Love) اس کی ساری زندگی میں رومال و رومال نظر آتا ہے۔

محمد قلی قطب شاہ کا کلیات دو حصوں پر مشتمل ہے ایک میں نظمیں کا طواری مجموعہ ہے اور دوسرے میں غزلیات ہیں غزل اور نظم اگرچہ مختلف کے اعتبار سے دو علم و فن ہیں لیکن یہ دونوں راگ کلیات محمد قلی قطب شاہ میں ایک ہی اسپرٹ سے نکلے ہیں اور وہ اسپرٹ رومانیت (Epic of Love) ہے۔ غزلوں میں یہ اسپرٹ رومانیت کے پردہ میں جھلکتی ہے اور محمد قلی قطب شاہ کی زندگی کے عام پہلو اس میں دکھائی دیتے ہیں۔ شاہ کے جذبہ و خیال کا ایک دھندلا سا احساس ان غزلوں

کچھ بھی سہائی نہیں دیتا تیری یاد کچھ اس طرح لگی ہوئی ہے کہ  
پھر کچھ بھی یاد نہیں آتا محبوب کی یاد اور اس کی مرکزیت  
کی شکل ہمیں خون میں لٹی ہے۔  
تم مرے پاس ہوتے ہو گو یا  
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

مشرقی کے متعلق لکھتا ہے۔  
عرا ہستی اسی کا، انوفہ نہن میں جایا ہو  
توج مستی تھے ادا بدگ باصفا ہو

اسی مستی کے تیش توں جب ہیا بہو دیں انا  
ہزاراں شکر و سجدے کر کہ کج سو مر جیہے

ہمن دل کے گنوارے میں جن کا نور دستیا  
سورج کران کی دوریاں یوں جھلکتی تھیں  
(شرح)۔ زندگی اسی کا ہے کہ جسم میں دل ہو اور ہمارا دل  
ہمارا مشوق ہے جس میں عشق کی ادبی مٹی ہے جس کی  
وجہ سے وہ ہمارے دل میں عرصہ سے جگ پائے ہوئے ہے۔  
جہاں اس کا نور سورج کی شاہوں سے زیادہ خوشا اور  
دوست ہے)

ان اقتباسات کے علاوہ ہیں کلیات مخمور قلی قطب شاہ  
میں یسویں نظموں ایسی ہیں گی جو محفل کی حسن افزا اور  
عشق لبریز زندگی کی آئینہ دار ہیں، اپنی پیاریوں کی محبت  
میں محفل کے جذبات و احساسات کا اظہار جس حسن کا راز نہ  
اندام میں کیا ہے وہ محفل کی قلابازیاں نہیں ہیں بلکہ سچی  
تصویر ہیں۔ ڈاکٹر زور صاحب نے کلیات کے مقدمہ  
میں بڑی خدمت اور عمیق بات بھی ہے۔

و دنیا کا کوئی شاعر اپنے کلام میں اپنی زندگی  
کو اتنا عیاں نہیں پیش کر سکتا تھا جتنا کہ  
مخمور قلی نے کیا اس کا کلام قلب کی گزرتوں

مشرقی۔  
دند کر لاج سوں اخیل و دمنی لگی جن  
اس مٹی والی اوپر کیوں لگی جو سیر یوں

لوکا سوں کریں جو غصہ و ناز کی باتیں  
جب ہونٹیاں تھے جھڑپے پونی بیونٹا سکھیں  
(شرح)۔ جب جن میں مٹی محو غم ہوئی ہے تو غم کے بارے  
میں اخیل والی لٹی ہے۔ معلوم نہیں کہ اس مٹی والی پر اخیل سے  
شباب کے پہل کیوں لگا گئے۔ جب وہ غصہ و ناز سے خط  
سرنکے اشارے سے بات کرتی ہے اور اس کے ہونٹ عرق آؤ  
چھانے ہیں تو دل چاہتا ہے کہ اس کو گن و بھیل)

کنولی۔  
تازگی تھے تازہ پھل آئی میرے برسنے  
بیل کول لے سبز پھل پھول جیتے پرسنے

کنولی باری پہلی باری ڈاوساری دادوں  
نین ناری رنگ و حار دی دھاری سرسنے

نہہ دمن کا ازمن کا پادوں جھلکا یوں  
آس من کا پیش تن کا ذوق کن کا پرسنے

(شرح)۔ یہ شگفتہ پھل پھر میرے یہاں سبز پھل اور میرے اور  
پھولوں کی کھنی لگائی ہوئی آئی۔ اس کی انگریزیاں سے  
شراب کا خمار اور آنکھوں میں رنگ کے دوسے نظارے  
ہیں۔ اس حسین کی محبت اور اس کے پاؤں کی جھلکا دل  
کے لیے امید زن کے لیے دلش اور کان کے لیے ذوق  
کا باعث ہے)

پیارے کے متعلق لکھتا ہے۔

رین دن کج جانے نا جو کوئی برعاش تہتر  
لگیا ہے یاد یوں تیرا کہ مٹی کج یاد لے گی  
(شرح)۔ جو دل سے ہر عاشق ہے اس کو رات اور دن

دواں ہے۔ "ماز نہیں" امر اسے شباب، انداز شباب،  
چھٹیل نہیں، ماہ ابرو، کعبہ، سرو خوش قد، چاندنی  
اور سخن۔

چاندنی اور سیاہ۔۔۔ ان تمام نظموں میں شباب  
کی لذتیں اور عیش کی وسعت گیر عانیال اپنے استہانی نقطہ  
بہ نظر آتی ہیں۔ لیکن اس کا یہ مدعا نہیں کہ عمر قلی کی عشق  
و عاشقی اس کے مادی ماحول (یعنی اپنی پیاریوں کی زلفوں  
میں) الجھ کر رہ گئی، بلکہ عمر قلی اس سے بھی آگے بڑھتا ہے  
اس کی محبت کی ابتدا عورت سے ہوتی ہے لیکن انتہا اس  
(Gual She) پر پہنچ کر کودا رہتا ہے۔

When a man loves a woman,  
Then he knows her's secret and  
secret of the world (Oskar Wilde)

اگرچہ آکر و اُن کی طرح میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ عمر قلی  
کی اس عشق و عاشقی نے اس پر کائنات کے سارے راز فاش  
کر دیے تھے۔ اور نہ ہی اس کا قائل ہوں کہ ایک رومانی  
شاعر کہاں تک فلسفہ طرازی کر سکتا ہے۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ  
جس مادی ماحول کی عمر قلی نے اپنے کلام میں عکاسی کی ہے وہ  
اپنی پوری گہرائیوں کے ساتھ اس میں موجود ہے اور یہ حافظ  
کے مطالعہ نے عمر قلی کی طبیعت پر تصویق و عرفان کا کچھ دیا  
تاکہ وہ دیا تھا کہ بعض تخلیق عافظ کی غزلیات کا باطل ترجمہ  
معلوم ہوتی ہیں۔

عمر قلی نے یہ معلوم اپنی پیاریوں کے قتل سے یہ کسی اور  
سیاسی وجوہ کی بنا پر یا رشتہ نگار دکن سے کچھ ایسے  
قریبی اور گہرے روالہ پیدا کر لئے تھے کہ "موج ابھرن  
یستبان کے بعد اداق اسلامی اور ہندو کلی کے دو ہرے  
گو گندہ کی سرزمین میں بیٹھے تھے چنانچہ اس نے بعض ایسی  
عیدیں اور بہار رائج کئے جو عورت اس کی روانہ پسند  
طبیعت میں سرخس پیدا کرتی بلکہ اس کی رواداری اور

نکلتا تھا اس کو باقاعدہ تصنع یا آدرو کی  
ضرورت ہی نہ تھی۔"

ایک اور مقام پر زور صاحب یوں رقمطراز ہیں۔

"شباب کی رنگارنگ رنگوں اور جذبات کی جھلانچوں  
کے انہما میں اس کا قلم غریبہ کی قدرت رکھتا تھا اور یہ  
قدرت تخلیق یا فرضی محفل و عاشقی سے نہیں پیدا ہو سکتی جو کئی  
صحیح معنوں میں اس میدان کا مرد تھا۔ اس کے رنج اشان  
محفل تھے بلکہ اصل میں عین قوی سن و نغمہ کی وسیع اور  
آراستہ ویراستہ نمائش کا ہی نہیں۔"

عمر قلی کی ان نظموں کا مقابلہ ہم اردو ادب کے شبابی  
پہنچہ خوش سنج آبادی کی نظموں سے کر سکتے ہیں۔ دونوں میں  
ہمیں وہی رومانیت کا شدید ترین احساس مشترک طور پر  
ملتا ہے۔ لیکن فرق یہ ہے کہ عمر قلی میں عریاں واقفیت  
ہے اور خوش میں جس کو غالباً عمر قلی کی بیجا جمالیاتی باتوں  
نفیس نہیں تخلیق اور واقفیت کا امتزاج ہے۔ عمر قلی  
نے پیاریوں کے ذکر میں بعض راز و نیاز کے معاملات بھی  
اس انداز سے پیش کئے ہیں کہ موجودہ ترقی پسند ادب  
کے بعض عریاں انسانوں اور نظموں کو بھی شرم آنے لگے۔  
لیکن یہ عمر قلی برکونی الزام نہیں کیوں کہ جیسا کہ ہم نے کیا  
کیسے عمر قلی اپنی زندگی کے ہر پہلو کو عریاں سے عریاں  
انما میں اور پوری پوری واقفیت کے ساتھ پیش کرتا ہے  
وہ شعرو سخن کا حقوق ادبیات میں کوئی خاص مقام حاصل  
کرنے کے لئے نہیں بلکہ اپنے بڑے عشق کی تسکین کے لئے لکرا  
ہے اور یہ مقصد بے مقصود یا کائنات کے نصف عالم میں

(عمر قلی کا شعر: "موج ابھرن یستبان")

اس کو صحیح معنوں میں ایک بڑا حسن کار بنا دیتا ہے۔ خواہ

اس کا پیرایہ انہما عریاں ہی کیوں نہ ہو چلے۔ چنانچہ  
"نقشہ وصل" "عیش وصل" اور "بعد وصل"  
وغیرہ اس کی عریاں نگاری کی مثالیں ہیں اپنی پیاریوں  
کے ناز و انداز پر بھی اس کا قلم جذب و کیف کے ساتھ دوا

کی نہیں ایسی نظر آتی میں بھیجے پہاڑیوں پر کالے کالے  
بادل چڑھائی کرتے آئے ہیں۔

بست بر ایک قصبہ کے چند اشعار ہیں :-  
پلا ساتی سر امرے کو تاہنے کشت ہمناکوں  
کہ اس سے تھ دیسے رنج کول سدا سب را بہانی  
عہر مورعو و مشک دز عفران کا رویت آیا  
اسی تھے باس انوکا جگ میں کرتا ہے گلستا  
بست بیل کا حامل پہن کر آئی انٹن میں وطن  
سو پہلی سدا کے نقش انٹن میں حیران ہے انی

(شرح :- اسے ساتی اشراب پلاتا جا تا کچھ کو کشت ہونے لگے  
کیونکہ شراب کی وجہ سے مجھ پر تشدید و راز بھی نظر آنے لگتے  
ہیں۔ عہر، عود، مشک، زعفران کی رت آئی ہے۔ اس وجہ  
سے ان سب کی خوشبو دنیا کو گلستا بنا دیتی ہے۔ بست  
کے پھولوں کی مالا پہن کر وہ جہیں جہن میں نکل آتی ہے۔  
جس کے پھولوں کے نقش انٹن کو دیکھ کر مانی بھی حیران ہے)

اسی طرح عید میلاد نبی شہب معراج، شہب رات، عید فک  
عید غدیر وغیرہ پر محمد علی کی بلند پایہ نظمیں ملتی ہیں۔ ان نظموں  
کی ایک خاص خصوصیت اس کی منظر نگاری اور محاکاتی پہلو ہے۔  
بعض بعض مقامات پر موسیقی کی غیتوں کو اس انداز سے پیش  
کرتا ہے کہ کول اور دوسرے کا دھواں ہونے لگتا ہے۔ اور اپنی  
پیاریوں کی وہ تصویریں (صور) جو  
عیش و طرب کی حالت میں اس کے پیش نظر ہوں اس انداز  
سے انہی حکاکی کرتا ہے کہ اس کی مثال مشکل سے ہمارے  
ادب میں ملتی ہے۔

جن کا یہ پرستار محمد علی جو یاہ اپنی شاعری میں کہتا  
ہے وہ رتبہ و کمن کی معاشرت اور تمدن کی تعمیر کاری میں بھی  
اسے شامل ہے۔ اپنے ہمد حکومت میں اس نے بعض ایسے

سیاسی قابلیت کا بھی پتہ دیتی ہیں۔ "نوروز" - "بست"  
شہب رات، عید عید اور دوسری عیدوں پر محمد علی نے  
جو نظمیں لکھی ہیں ان میں ان وہ نظمیں پہلوئوں کا اظہار ہوتا  
ہے۔ خاص کر "نوروز" اور "بست" میں محمد علی دیکھی  
سے صبر لیتا اور عیش و طرب کی داد دیتا تھا۔ ان موضوعات  
پر محمد علی خطبہ شاہ کے نہایت بلند پایہ قصیدے لکھیں  
ملتی ہیں جو اس کی انتہائی مسرت کی ترجمانی کرتی ہیں۔  
بست کی عید میں محمد علی کی ہندوستانی پرستی بھگاتی  
ہے اور یوں بھی عیش و طرب کے لئے (جو فطرت محمد علی کی ہیں  
جذبہ موجود تھا) بست سے بڑھ کر کون سا موسم ہو سکتا  
ہے۔ ان نظموں میں اس نے جس بے ساختگی اور رنگینی  
کے ساتھ اظہار خیال کیا ہے وہ اپنی آپ نظیر ہے۔

شہب رات پر ایک نظم میں لکھتا ہے :-  
ہر ٹیکہ دھن ہر یک گھن پہل درخ کے بریں  
پنی مدد بھلا بدن شہب کچن کول آئے ہیں  
کچھ شہب کے شہب کوں آفتاب جلن تباہ  
دکھائے گرفتار کول آفتاب کے بھلائے ہیں  
سو دھن لٹک کے جب بھلائے دونوں لٹک کے سو ٹیک  
بھگیا ملک پر تھے ملک بے سد ہو ملک کب آئے ہیں  
چھاتی پر چھاتی سندھ لٹا سیام ہر جگ تس بھتر  
جانے کر کالے ابر دو گریہ چلائے آئے ہیں

(توضیح :- ہر طرف سے جہاں ایک نازنین درخت کا لکڑا لٹک  
آئی ہے تاکہ بادشاہ کے ساتھ چمن میں نکلے شہب بخت  
پہننے سے ان کے جسم بھگنے لگے ہیں۔ اور اپنے نوجوان  
چہروں کے آداب و رنگ اور آفتاب جیسی بھلاک سے ہتھاب  
کو بے تاب بنا کر چھاتی ہے ناز میں اس انداز سے جو  
خوام ہے کہ اس کی زلفوں کے لہانے کی وجہ سے خوشبو  
آسمان تک پہنچی ہے اور سارا آسمان بھلاک گیا ہے۔ ایک  
سیاہی کے لپستان زیادہ خوبصورت ہیں جن پر سیاہ بادلو



والطہ، بانک اور اولیٰ پیر و خیرہ کے شاہکار ملے۔  
 انداز بیان میں فطری بہاؤ ہے اور کہیں بھی نہیں  
 دہرے ہوئے ہیں۔ ہوتا کہ شاعر نے خواہ مخواہ خیال آرائی  
 کی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ محمد علی کی شاعری غزل کی  
 بلند پروازیوں سے خالی ہے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اس کی  
 غزل کے پائل اس کے خیالی اور خیال کی بلند فضاؤں میں پرواز کرتے  
 ہیں۔

رسم و رواج کی بنیاد رکھی جو اس کے مرنے کے بعد ہمارے  
 دراز تک دامن میں قائم رہیں۔ چنانچہ ابھی شادی بیاہ  
 کی رسومات میں جلوہ اور احمدی محمد علی کی ہی روایت پر وہ  
 ہیں۔ ان رسومات پر بھی محمد علی کا نظم حسن اضافی کرتا چلا جاتا  
 ہے۔  
 محمد علی کے اسٹائل اور خیال میں وہ بادی اور  
 رنگینی پائی جاتی ہے جس کا مقابل ہم یا تو خوش کی شاعری  
 اور نیاز کے رومانی افسانوں سے کر سکتے ہیں یا چھوڑ سکتے

محمد معین الدین

## غزل

فریب پیہم سہی یہ جینا، مگر کہاں تک فریب کہاں  
 یہی جو ہے زندگی کا حاصل، تو کیوں نہ جینے ہی آئیں

جنوں کو کچھ اور آرائیں، حضور جی بھر کے مسکرائیں  
 مرے نشین کے تنکے تنکے پہ شوق سے جھلیاں گر لیں

غم گزشتہ کا تذکرہ کیوں، کششِ بیم و آرزو کیا  
 وہ دیکھو اٹھی ہیں پھر گھٹائیں اٹھاؤ سائے پڑ لیں

مجھے غم عشق دینے والے فسادِ غم پہ ہنس رہے ہیں  
 الہی! ایسا ہی وقت آئے، مر افسانہ مجھے سنائیں

مری طرف آپ دیکھئے تو جھکی جھکی سی ہیں کیوں لگیں  
 اگر جفاؤں پہ منفعل ہیں، مری وفاؤں کو بھول جائیں

مرے جنوں سے نہ مٹ سکے جو عینِ مائتہ کا کیا  
 مری وفاؤں کے نقش ہیں یہ مٹائیں آپ مٹائیں

کبھی جو تعین زندگی کا حاصل ظفر وہاں بھکی ہیں  
 وہ روج پرور سہانی راتیں، وہ بیگی بھگی ہوئی فضاں

منظف الدین ظفر



جوان بیٹے کا ہاتھ پکڑ دین دھاڑے نکال باہر کیا۔ اور اس کا سامان کچھ تو تھوڑا پھوڑا اور کچھ سڑک پر یہ کہہ کر بیٹے کو دیا۔ لے جاؤ یہ کات کٹا ہوا۔ اور پانچ دھوئی کرد۔ میرے بھائی کا مال ہے۔ میں مالک ہوں۔ اقبال نے کھڑے اور بڑے اپنا سر پیٹ ڈالا۔ اپنی بے بسی سے مجبور ہو کر تائے کے پاؤں پکڑائے لیکن اب بھلا کہاں تیرس آسکتا تھا۔ جون چڑھ چکا تھا۔ ٹوکر ماری تو سر سے خون چھوٹ پڑا۔ دوسرے کی زہہ لاش اڑ رہے سانپ کی طرح مرنے والے۔

محفل والے یہ تماشا دیکھتے رہے اور نہ بولے۔  
گھر کے چوٹے بڑے سب یہ منظر ہنس ہنس کر دیکھتے  
رہے اور دل نہ پسینا۔

اب اقبال خان بدوش پہ چٹا تھا وہ آسمان دیکھ رہا تھا  
کہ کہہ بی اے سہارا دے ۹

تمام تکلیفیں تو اٹھا چکا تھا۔ فائے کر چکا تھا۔ ماں کے ساتھ گھنٹوں رو رو کر چپ بیٹ چکا تھا پر گھر کی مصیبت رنج نما تھی۔

تائے اپنے زیرِ غریب سے حاصل کیا ہو امکان کھٹ  
سے اپنی بیٹھک بنالیا۔۔۔ عالی شان مکان میں اور  
علاء چھوٹا

کئی روز تک انہیں ٹکڑے کے لئے ایک ایک کاسہ تکتا پھرا۔  
تقریباً اس کو دس دن کی ایک غریب بہن کو ترس آگیا۔  
اس نے اس منہستہ میں اپنا باقہ بڑھایا۔ — اپنے

مقتدر سے ٹوٹے ہوئے مکان میں محبت سے بلا لیا مکان  
 اگر یہ ٹوٹا پہنچے تھا نیکیں دل غنی تھا۔ دل میں جذبہ تھا۔  
 درد تھا۔ جبر و ریختی۔ فریب کا دخل نہ تھا۔ —

انسانیت فخر کر رہی تھی۔ محبت سر اٹھائے  
سکلی شہرت دے رہی تھی کہ لاکھوں فریبوں کے دھما

فریادی تھا کہ اس کی مالک گھر سونا کر گئی۔  
 درو دیوار وشت سے خاموش تھے۔۔۔ اداسی  
 کی غمناک گھٹا چھائی ہوئی تھی۔۔۔ بیوں کا  
 درخت سر جھکاۓ منتظر تھا کہ نازک ہاتھ توڑیں گے  
 ۔۔۔ مرغیاں دلنے کو ڈھونڈتی پھر رہی تھیں۔۔۔  
 محبت سے دان پانی دینے والی اب کہاں تھی چمکھڑ  
 جو کر ملاتی۔۔۔ اقبال دیوار سے لگ لگ کر  
 روتا تھا۔ کپڑے پھاڑتا تھا۔ آوازیں دیتا تھا۔  
 ااا!۔۔۔ ااا!۔۔۔ ااے میری مااں۔۔۔

[illegible]

ایہ اقبال اس کھنڈ میں لایا: ارث سا پڑا رہتا۔  
 تائے صاحب تنائی صاحبہ کا غلبہ بھی بجا لانا۔

ایک دن اقبال نے کہا "تائے آبا پہ جو  
صحن میں میرے والد کا زمین آتے نے ابر کر لیا۔"

جو کے تو اس کا کچھ نہیں کیا۔ مگر یہاں تک کہ

اتھنے سے کہ کتاب مجھ پر بیان تعمیر  
رہے، تیرے ہاں کہ ہو سکتی ہے

گالیاں دیں۔ مارنے کو چڑھ دوڑے۔ چار

دلیا۔ احسانات گناہے۔

جوانے لیا جاتا تھا کیا جب بھی مضامین پڑھتا تو

یہ جواب پا کر ملّا کہ :  
خبرِ خوفِ خدا سے تائستھا ڈھیسے تائسے رہتے

ستارہ چمک رہا تھا۔۔۔۔۔ بازو پر انبیازی نشانات تھے۔ سینے پر تمذنگ لٹک رہا تھا۔۔۔۔۔ پاؤں میں بھاری بھاری جوتے تھے۔۔۔۔۔ لفٹ رائلٹ کے انداز سے قدم اٹھتے ہوئے۔۔۔۔۔ جیسے یہ ساری دنیا کو مرکز کرنے کا اعلان فرما رہے ہوں۔۔۔۔۔

اب وہ خاصہ خوبصورت جوان نکلا تھا۔ البتہ ماتھے پر چند شکنیں پڑ چکی تھیں جو ثبوت دیتی تھیں کہ دلی نے جو تلخیاں سہی ہیں ان کا گہرا اثر پہرہ پر نمایا ہو گیا۔۔۔۔۔

جو اپنے پرانے پر تھائیں سے بھوت کی طرح خوف کھا لے تھے اب فریب دینے کے لئے مختلف اختیار لے کر آگے بڑھے۔۔۔۔۔ کوئی ہراسہ نہ ہی کی باتیں لے کر۔۔۔۔۔ کوئی رشتہ داری کے بہانے سے۔۔۔۔۔ کوئی مبارک باد کے سنہرے الفاظوں کے ساتھ۔۔۔۔۔ کوئی دعوت کا کردہ بہانہ کر کے غرض سب نے فریب کے جال تیار کر کے قسمت آزمائی کی۔۔۔۔۔

اقبال بھولانہ قسا اسے سب کچھ یاد تھا۔ ایک ایک لوگ اس کے کایہ پر ناس بٹنا ہوا اب بھی موجود تھا۔۔۔۔۔ تب دنیا کو اس کی ضرورت اگر نہ تھی تو اب اقبال کو مطلق ان حکام لوگوں کی حاجت نہ تھی۔۔۔۔۔ اس نے سب سے بے ڈنکا کا بڑاؤ کر کے منہ پھیر پھیر لیا۔ فریبی رشتہ دار اپنے اپنے کمرہ در حال پھندے لے کر اٹے ڈالوس گئے۔۔۔۔۔

اقبال نے اپنی شادی کی پانچ راہ راست فود ایک غریب لیکن شریف گھر سے۔۔۔۔۔ جس کی اور شادی کے بعد ان ہی لوگوں میں رہتے سہنے لگا۔ وہ لوگ بھی اپنے بیٹے کی طرح جھٹکتے۔۔۔۔۔ بیوی قناعت کے ساتھ شوہر کی دلداری میں مصروف رہتی۔ صحیح معنوں میں سچی جہد ر، محبت پرست، نیک نیتی۔۔۔۔۔

جو کچھ فوج کی ملازمت سے لایا تھا اس روپے سے

ابھی اہل دل بھی باقی ہیں؟  
قیمت دھکے دیتی ہے تو دے چلی جاتی ہے۔ یکساں قسم کی ٹھوکریں۔۔۔۔۔ دکھ۔۔۔۔۔ بے بسی۔ محتاجی اور جب پلٹے ہیں۔۔۔۔۔ تاش کے پتوں کی طرح۔۔۔۔۔ اٹلی چال۔۔۔۔۔ تو ہر بانی کا پانسہ سیدھا پھینکتی ہے۔ اقبال کے دن جب پھرے تو ایک دنیا اسے اپنا اپنا رشتہ دار بتانے لگی۔۔۔۔۔ رستہ چلتے خود بخود "آپ تو میرا چچا زاد بھائی ہیں"

"ارے آپ تو ہمارے بہت قریب کے رشتہ دار ہوتے ہیں۔۔۔۔۔"

"آپ کے والد سے تو میری بہت دوستی تھی"

"آپ بے مد محبت والے ہیں۔ ہم تو آپ کی وادی کی بہن کے پوتے ہیں اتنا قریبی رشتہ ہے"

یہ آوازیں۔۔۔۔۔ یہ دعوے پرانے زخم ہرے کر ڈالتے ایسا لگتا جیسے کوئی ہزاروں پتھر کھینچ کھینچ کر رہا ہو۔ جنگ شعلہ کی بہت ہی بھاگوں ہوئی۔ بہتوں کو نو بے گھر، بے درخیم بیوہ بنا گئی لیکن بے سہاروں کو زندگی کا عملی سبق بھی دے گئی۔

اقبال نے جس وقت نام لکھوایا تو یہ سمجھ کر کہ میرا کوئی رونے والا تو ہے نہیں۔۔۔۔۔ بیوی بہی سہی۔۔۔۔۔ اگرچہ وہ خیالات میں بے حد آزاد تھا اور غلامی کو موت سے بدتر سوچا کرتا تھا لیکن نہ جانے کیوں فوج میں چلا گیا۔ جوں توں کر کے دو سال وہ مختلف جگہوں پر رہتا رہا۔ پھر مصر، عدن وغیرہ گھوم کر وطن لوٹا۔۔۔۔۔ اس بدیز وطن کی طرف جہاں وہ سگے تائے کے ہاتھوں خانہ بدوش ہوا تھا۔ جہاں اسے ٹھوکریں نصیب ہوئی تھیں جہاں سترہ اٹھارہ سال ماں کے ساتھ وہ فاقہ کشی کر چکا تھا۔

ہاں اس وطن میں اس نے اس انداز میں قدم رکھا کہ پچھتے ہوئے میں اس کی مدد میں تھے۔۔۔۔۔ تو پی میں

کر کے دوری اختیار کی۔

گھر کی چیزیں تو اندھے پن کے بعد ہی سب نیلام کر کے ختم کر ڈالی تھیں۔ اب تو صرٹ مٹی کے چند ٹھیکے بڑے رہ گئے تھے اور یا وہ عالی شان کھنڈر کھڑا رہ گیا تھا جس کے دروازے سے اقبال ٹھوکریں کھاتا ہوا فریادی نکلتا تھا۔

مدتوں سے مرمت طلب مکان یوں ہی کھڑا تھا۔

اچانک بارشیں ہوئیں۔ ایسی ایسی موسلا دھند کہ پختہ پختہ منزلیں سر بہ سجود ہو کے ڈھیر ہو گئیں۔ ایک رات کو پڑا رہنے کا ڈرا ٹھکانا تھا وہ بھی گیا۔ ورنہ سارے دن تو ٹکڑی کے سہارے دونوں بڑھے بڑھیا گلی کوچوں میں جھپک مانگتے پھرتے تھے۔ کبھی کبھی شہر کی طرف بھی نکل جاتے۔ جہاں بعض آنکھیں اب بھی ان ہستیوں کو پہچان لیتی تھیں۔

برسات جب رو رو کر اقبال کے مکان کو بالکل ڈھکا گئی صرف بنیادیں چھوڑ گئیں یا وہ یوں کاخاداب چھوٹا سا درخت جو بڑھ کر اب چھت سے بھی اونچا ہو چکا تھا تو موسم نے ایک اور کرٹ لی۔ یعنی سردیاں تو یہ کرانے آن پہنچیں۔

ایک دن سب معمول چھوڑے لگا ئے جھپک مانگنے جا رہے تھے۔ آہٹ پا کر بڑھے نے دردناک صدا لگائی بابا دے کچھ۔ اس ہاتھ دے اس ہاتھ

اقبال کا دل چاہا کچھ مار کر بھاگ جائے۔ یا

دونوں کی گردن دبا دے۔ کہنت اب بھی

کچھ اور غریب دینا چاہتے ہیں کیا؟ لیکن اچانک دل

کانپ گیا۔ نیکی نیک راہ۔ بدی پیش راہ۔ جھٹکھی

کا نوٹ پکڑا آگے بڑھ گیا۔ لیکن پاس ہی

کوئی محلہ کا جوان کھڑا تھا بولا او بڑھیا! بڑھے کی

تو خیر اندھی آنکھیں ہیں وہ تو بھلا کیا پہچانتا؟ کچھ ٹوٹے

جی پہچانا یہ کون تھا؟ وہی اقبال۔ اقبال

اس نے تجارت شروع کی نہایت کامیاب رہا۔

جن سال بعد اس کے پاس سب کچھ ہو گیا تھا۔

مکان، مکان، ٹوکرا، چاکر، عیش و عشرت۔ نیچے،

سکون و اطمینان۔ ہاں کبھی کبھی گزشتہ تنگیوں

یاد آ کر ضرور تڑپا دیا کرتی تھیں۔ ان تائے کا علیہ

کیا ہوا؟ خدا کی لاشی میں آواز نہیں ہوتی۔ بھارتیا۔

بہت تیز دبا، ڈاکٹر میں نے کہہ دیا کہ یہ علامت ہے

کہ چھپک حملہ کرے۔

آفرق وہی ہوا۔ چھپک نکلی اور ایسی زور و شور کی

کہ سانس لینا محال ہو گیا۔ زندگی سے سب ہاتھ دھو

ڈیٹھے۔ پاس کھڑا ہوتا نامکن تھا۔ بے حد تعلق تھی۔

اپنے تو خیر ہو گئے لیکن تمام سیم بد گوشت کی طرح۔

آنکھیں چھپک کی نذر ہو گئیں۔ گھر کی کھڑکتہ

سے گھبرائے لگا۔ یوں مارے ہاتھ سے اگر تھوڑا بہت

لہاٹ کیا بھی تو کیا؟ کاروان کا بہت زور شور اٹھا۔

ایسا معلوم ہوا کہ وہ اس غریبی دنیا میں غریبوں

سے تو بہ کرانے آیا ہے۔ تین جوان جوان لڑکے

منٹوں میں لوٹ پوٹ ہو کے رہ گئے۔ گویا قصائی

باپ کے گناہوں میں بے گناہ پس گئے۔ بڑھیا یا

پھر اندھا بن۔ یہ داغ دھکتے ہوئے انگارے تھے۔

جن پر ہر وقت نرپتا تھا اور بل اختیار تھا۔

ایک لڑکی رہ گئی تھی۔ اس کا بھی غریب سے نکاح

پڑھا دیا۔ باپ تو ٹوکری سے بیٹھ ہی چکے تھے۔

دانے دانے کو محتاج ہاتھ پاؤں سے کچھ تھوڑی بہت

بیوی خدمت کرنے کو تھی لیکن مغلسی نے اس کی صحت

پر بہت برا اثر ڈالا۔ آٹے، نیاجار رہنے لگی۔

ایک دن پھلی سسٹیک بک رہی تھی وہ بے لی۔ خدا جانے

کئے دن کی ستری کھلی تھی۔ پکا کر بھوک میں کھائی۔

اب قدرت نے سننے ڈھنگ سے انتقام لیا دونوں کا

جسم چوٹ نکلا۔ اور ہر دیکھنے والے نے تہہ تو بہ



# ہسپتالوں اور صحتی اداروں میں نرسوں کی کمی

(نرسوں کے لئے بہتر انتظامات اور اعلیٰ تعلیم و تربیت)

قلم کے تحقیقاتی کمیشن نے اپنی رپورٹ میں لکھا ہے کہ اگر زراعت پیشہ لوگ بیماری کے باعث جسانی اور ذہنی طور پر کمزور ہو چکے ہوں تو وہ بحیثیت جماعت ترقی نہیں کر سکتے۔ یہ بات شہری آبادی پر بھی صادق آتی ہے۔ مگر ہندوستان ابھی تک علاج، معالجہ اور صحت و صفائی کے انتظامات کے لحاظ سے دوسرے ممالک اور ترقی یافتہ ملکوں سے بہت پیچھے ہے۔ اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ صوبائی حکومتیں ان سروسوں پر اپنی آمدنی کا اوسطاً ساڑھے پانچ فی صدی حصہ صرف کرتی ہیں۔ لیکن امید ہے کہ مرکزی حکومت کی مالی امداد کے ساتھ صوبے ترقی کی بہتر اسکیمنوں پر عمل درآمد کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔

ان سروسوں کی ترقی کے ساتھ ساتھ تربیت یافتہ نرسوں کی تعداد میں بھی زبردست اضافے کی ضرورت ہے۔ یہ صبح ہے کہ زائد جنگ میں نرسنگ سروسوں کو ترقی دینے کے لئے بہت کچھ کیا گیا، لیکن ابھی تک ایسی نرسوں کی کمی شدت کے ساتھ محسوس کی جا رہی ہے جو عمدہ اور اعلیٰ تربیت حاصل کر چکی ہوں۔

نرسنگ سروسوں کی ترقی کا آغاز ۱۹۳۹ء میں ہوا اور انڈین نرسنگ نرسنگ سروس قائم کی گئی۔ مگر وہ بڑھتی ہوئی جنگی ضرورتوں کو پورا نہ کر سکی۔ اس کے بعد سرکاری رجسٹرڈ نرسیں اور شہری ہسپتالوں کی نرسیں بھرئی کی گئیں لیکن اس کے باوجود ہندوستانی فوجوں کے بیماروں اور زخمیوں کی غیر گنتی کے لئے مزید نرسوں کی ضرورت محسوس کی گئی اور ۱۹۴۲ء میں آکریمری نرسنگ سروس آٹ انڈیا قائم ہوئی۔ جس میں ہندو، مسلمان اور عیسائی خواتین شامل ہوئیں۔ اس کے علاوہ برطانیہ سے بھی نرسوں کے دستے آتے رہے۔ مگر مذکورہ کوششوں کے باوجود نرسوں کی بدستور کمی ہے۔

۲۰ نومبر ۱۹۴۵ء کو ٹرینڈرز سوسائٹس آف انڈیا کی چوتھی کانفرنس کا جو اجلاس **نرسوں کی کمی**

منعقد ہوا اس میں تعلیم و صحت و اراضی کے ممبر آئی بی سرو گنڈ سنگھ .... دیا کہ نرسوں کے رہنے پہنے اور ان کی تعلیم و تربیت کے متعلق اظہار خیال فرمایا۔ اس سلسلہ میں آپ نے اس امر پر زور ظاہر کیا کہ اگر سروس کے حالات کو ترقی دی جائے تو ہسپتالوں میں کام کرنے کے لئے تعلیم یافتہ خواتین کافی تعداد میں اپنی خدمات پیش کر دیں گی۔

اس کمی کا سبب یہ ہے کہ ہندوستان میں نرسنگ سروس اور اس کی معاون سروسوں نے اتنی تیزی سے ترقی نہیں کی جتنی تیزی سے طبی سروسوں نے ترقی کی ہے۔ چنانچہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ بڑے ہسپتالوں میں ۱۵ ہزار بیمار ہیں جن کی تیمارداری کے لئے ۱۷ ہزار نرسیں ہونی چاہئیں۔ مگر ان کی موجودہ تعداد ۷ ہزار ہے جن میں سے صرف نصف تربیت یافتہ ہیں اور چھوٹے ہسپتالوں میں تو حالت اور زیادہ خراب ہے۔

بہر کیف سروس کے حالات کو سدھارنے کے لئے زبردست کوششیں کی جا رہی ہیں۔

کل ہند نرسنگ کونسل کے قیام کے لئے مرکزی اسمبلی کے آئندہ اجلاس میں ایک مسودہ قانون پیش ہونے والا ہے۔ اس کے علاوہ نرسنگ کی اعلیٰ تعلیم کے لئے ایک ہندوستانی اسکول قائم کرنے کا مسئلہ بھی زیر غور ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ اسکول جلد کالج بن جائے جس میں انسٹرکٹرز کا نصاب پڑھایا جائے اور صحت عامہ کی نرسنگ کے متعلق بھی تربیت دی جائے۔

**تعلیم و تربیت کے بہتر استقامت** حکومت ہند نے نرسنگ کے متعلق صوبوں کے لئے چند معیار تجویز کئے تھے۔ صوبائی حکومتیں ان سے دلچسپی ظاہر کر رہی ہیں۔ چنانچہ بمبئی اور صوبہ متحدہ میں نرسنگ سروس کی نگران خواتین مقرر کی جا چکی ہیں۔ مدراس میں نرسنگ کی سپرنٹنڈنٹ لکڑی ہی میں مقرر کر دی گئی تھی اور اب بنگال میں بھی اس کا تقرر عمل میں آنے والا ہے۔

یورپی ملکوں میں نرسوں کی اعلیٰ تربیت کا سروسٹ چھوٹے پیمانہ پر بندوبست کیا گیا ہے۔ برطانیہ کے بعض ممتاز ہسپتالوں میں ہر سال ۳۲ ہندوستانی نرسوں کو تربیت دی جائے گی اور ان آموزگار نرسوں کے لئے دہی سہولتیں اور آسائشیں جہاں کی جائیں گی جو برطانیہ آموزگار نرسوں کے لئے جیسا کی جاتی ہیں۔ (۵) طالبات برطانیہ پہنچ چکی ہیں جن میں سے دو ”سینئر ٹیوٹر“ کے نصاب کی تکمیل کریں گی۔ حکومت ہند نے بنگال کی ایک قانون مس سوروما بسواس کو بھی رائل کالج آف لندن میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھیجا ہے۔

دو سال ہوئے سرچوزن بھور کے زیر صدارت ایک کمیٹی مقرر کی گئی تھی تاکہ وہ صحت عامہ کا جائزہ لے اور اپنی سفارشات پیش کرے۔ توقع ہے کہ یہ کمیٹی اپنی رپورٹ جلد پیش کر دے گی اور صحت عامہ کی منصوبہ بندی میں بھی نرسنگ سروس کی ترقی کو خاص اہمیت دی جائے گی۔

**ہلت و زمین خواتین** اس ضمن میں ڈائریکٹر جنرل میڈیکل سروس و صدر انجمن تپ و ہندوستان لفٹنٹ جنرل جے۔ بی۔ بانس کی وہ تقریر بھی دلچسپی سے پڑھی جائے گی جو انھوں نے تپ و ہلت و زمینوں کی کلاس کا افتتاح کرتے ہوئے علی ہی میں فرمائی ہے۔ یہ کلاس تپ و ہلت کے کلینک نئی دہلی میں قائم کیا گیا ہے۔

اس میں آپ نے ہلت و زمینوں کی اہمیت نہایت پر زور الفاظ میں بتائی جن میں خواتین کثیر تعداد میں شامل ہوں گی اور اس اور پر زور دیا کہ ”سینیئر ٹیوٹر“ کے علاوہ ”کلینک“ بھی کثیر تعداد میں قائم کئے جائیں جو تپ و ہلت کے ابتدائی درجوں کے علاج کے لئے نہایت ضروری ہیں اور ہر کلینک میں کئی اعلیٰ تربیت یافتہ مائیں اور سرگرم ہلت و زمینوں کو مقرر کیا جائے۔

اس کام کے لئے بھی ہندوستانی خواتین کی خدمات درکار ہیں اور وہ اسناد تپ و ہلت کے متعلق بھی نہایت مفید خدمات انجام دے سکتی ہیں۔

از علمہ اطلاعات ہند





## نظارے

میں صبح سے ارا مارا پھر تیار تھا۔ ٹھیک طور سے تو کہہ نہیں سکتا کہ میں جو ارا مارا پھر تیار ہوا تو وہ آخر کس سلسلے میں تھا۔ کوئی چیز خریدنی نہ تھی، کسی کی تلاش نہ تھی، کسی کا گھر دہشت کرنا نہ تھا۔ میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ میں کسی خاص وجہ کے تحت ارا مارا نہیں پھر رہا تھا۔ فرصت تھی، ہاں خوب یاد آیا، فرصت تھی۔ دفتر بند تھا اور گھر میں بیٹھے بیٹھے طبیعت آنا گئی تھی۔ وقت گزارنے کے لئے گھر سے نکلا تو بس ارا مارا پھر تیار رہا، ایک جگہ لوگ بھیڑ لگائے کھڑے تھے، میں بھی رک گیا اور ایک تماشائی کے ساتھ اس کا سہارا لے کر کھڑا ہو گیا۔ انہوں نے ہماری اس حرکت پر ایک جھٹکے کے ساتھ اپنی گردن موڑ لی۔ ارے وہ تو میرے ہم محلہ شیخ صاحب تھے۔ ”کہنے شیخ صاحب اچھے تو ہیں آپ یہ کیا تماشا ہو رہا ہے؟“ میں نے مسکراتے ہوئے شیخ صاحب سے پوچھا۔ شیخ صاحب کا بڑا ہوا چہرہ، بندریج اپنی اصلی حالت پر آ گیا۔ ”کہہ نہیں وہ کوئی حالیہ کی طرف سے آئے ہیں بعض جڑی بوٹیاں بہت خاص ہیں ان کے پاس۔ دیکھنے آپ بھی۔ دیکھئے خدا کی قدرت“ شیخ صاحب نے اپنی گردن پھری۔ وہ حالیہ کے باغی مجمع کے شیخ میں ایک کیڑا بچھائے اس پر جڑی بوٹیوں کا ڈھیر لگائے کھڑے تھے۔ میں بھی دیکھنے لگا اور میں نے دیکھا اس شخص نے تماشا یوں کو ایک گلاس بتایا، خالی گلاس، اس کے بعد اس نے اس میں پانی ڈالا۔ پھر تفصیل میں سے ایک جڑی بوٹی نکالی۔ کہنے لگا ”بھائیو! یہ جڑی بوٹی حالیہ کے دامن میں دستیاب ہوتی ہے اور اس کو پانے کے لئے پانچ سال میں نے جنگلوں میں گزارے، پانچ سال بھائیو۔ میں اس کی تعریف نہیں کرتا۔ اس کا کرشمہ دکھانا ہوں“ اس نے وہ جڑی بوٹی میں ڈال دی۔ تھوڑی دیر بعد سارے تماشائی پھٹے ہوئے دیدوں سے دیکھ رہے تھے کہ پانی بجھنے لگا۔ دوا کا کرشمہ دکھانے کے بعد اس نے کھنکار کر چاروں طرف فحشہ انداز نظر ڈالی اور ایک دفعہ پہلے سے بھی زیادہ زوردار کھنکار لگا کر کہنا شروع کیا ”اے گن بھی منو۔ یہ۔ بوڑھے کو.....“ میں نے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ لئے اور نہ سول پڑھتا ہوا اپنی راہ پر لگ گیا۔ پل پر سے گزرنے لگا تو کئی راہ گیر ایک جگہ جمع ہوتے جا رہے تھے اور جھانک جھانک کر نیچے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ میں بھی رک گیا۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ لوگ آخر کیا دیکھ رہے ہیں۔ میں نے بھی جھانک کر نیچے دیکھا، ندی بہہ رہی تھی۔ صرف ندی بہہ رہی تھی۔ میں نے اپنے بازو والے صاحب سے پوچھا ”کیا بات ہے جناب؟“ کہنے لگے ”میں بھی ابھی آیا ہوں۔ آپ سے پوچھئے؟“ ان صاحب کے بازو صاحب کھڑے تھے ان سے میں نے رکتے رکتے پوچھا ”دب؟“ معلوم ہے جناب، یہاں یہ سب کیوں جمع ہیں؟“ ”جی جی“ کہتے ہوئے انہوں نے پلٹ کر ادھر ادھر دیکھا۔ ”ارے“ وہ کہنے لگے۔ ”ارے۔“ دیکھئے جناب بات دراصل یہ ہے کہ یہاں ایک صاحب جھٹکے کھڑے تھے اور ان کے ساتھ ہم سب بھی جھٹکے لگے۔ وہ صاحب چلنے کہیں۔ درنہ ان سے پوچھ لیتے۔ ہم کو تو کچھ نظر نہیں آرہا ہے۔ ندی تو البتہ بہہ رہی۔ مگر صاحب کچھ تو ہو گا۔ کچھ تو ہو گا ضرور۔ تب ہی تو وہ بے چارے دیکھنے لگے۔ خود کشی کے امکانات پر غور کر رہے ہوں گے وہ“ میں نے وہاں سے ہستے ہوئے اپنے دل میں سوچا مجھے تو وقت گزارنا تھا۔ میں کیوں پل پر سے ندی میں جھٹکا تروں۔ پل کے فٹ پاتھ پر بیٹھے ہوئے دو فقیر آپس میں مکرار کر رہے تھے۔ ایک کہتا تھا کہ خواجہ والے کے تو نے ٹانگ کیوں ماری۔ دوسرا کہتا.....“ اور تو نے کیوں سارے بھیجے اس کے

ہڑپ کر لئے۔ میں جو ان کے قریب پہنچا تو وہ دونوں مسکین صورت بنائے سوال کرنے لگے۔ میں اپنی باتوں کو بچانا دور ہی دور سے جیوں میں ہاتھ ڈالے چلتا رہا۔ میں آگے بڑھ گیا تو وہ پھر باتیں کرنے لگے۔

”ایک روپیہ کا چکر ہے تیرے پاس؟“..... دوسرے نے کہا ”پار آئے کم ہیں۔ شام تک دیدوں گا۔ یہ بے بارہ تھے۔“ ایک تانگہ پان کی دکان کے آگے کھڑا تھا۔ تانگے والا پان سگریٹ خرید رہا تھا۔ ایک چٹا نے تانگے والے سے پوچھا ”کرایہ کرو گے؟“ تانگے والے نے جواب دیا ”کہاں چلتا ہے صاب؟“ ان صاحب نے کہا ”گھڑا روض“ تانگے والے نے پان بچاتے ہوئے کہا ”ایک روپیہ دلوائیے صاب“ ان صاحب نے ناک بہوں چڑھاتے ہوئے کہا ”ایک روپیہ نہیں تین آنے دیں گے“ تانگے والے نے سڑک پر پیک ٹھوکی۔ وہ صاحب آگے بڑھ گئے۔ تانگے والا کہتا رہا ”چنا چنگا، گھاس مہنگا۔ اور گھڑا روض تک کا کرایہ ایک روپیہ نہیں تین آنے“ اس کے بعد اس نے انھیں کچھ کہا۔ کرایہ بچانے والے صاحب تو آگے بڑھ گئے تھے۔

ساری باتیں مجھی کو سننی پڑیں۔ میں نے سوچ لیا کہ گھڑا روض جانا ہو تو تانگے والے کو تین آنے پر چلنے کے لئے نہ کہوں گا۔ ایک سڑک زیر تعمیر تھی، مردود پتھر اٹھا رہے تھے اور مردودیاں گتے دار صاحب کے پیچھے پیچھے ندی سے پانی لانے جا رہی تھیں۔ ایک صاحب سیکنڈ ہینڈ پر تیزی سے چل آ رہے تھے۔ دوسرے صاحب دوسری طرف سے ان سے بھی زیادہ تیزی سے آئے۔ دونوں ایک دوسرے سے ٹکرائے۔ چاروں گرے۔ دو سیکنڈ سوار اور دو سیکنڈ دونوں نے ایک دوسرے کو بغور دیکھا۔ کپڑے بھارتے ہوئے اٹھے۔ سیکنڈیں۔ بھائیں اور اپنی اپنی سمت چپ چاپ چل نکلے۔ میں مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ مگر مجھے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے میری فرحت کا وقت ختم ہو گیا ہے، کشتا کشتا نہیں۔ میں نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور پھر چلنے لگا۔ دو اخبار بیچنے والے لوہے کے آدازیں لگاتے بازو سے گزرے۔ میں نے ایک کو روک کر اخبار خریدا۔ ایک صاحب بوکھلائے ہوئے میری طرف آنے لگے۔ ”جناب، یا“ جی آپ مجھ سے کچھ کہنا چاہتے ہیں؟ میں نے ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔ ”دیکھئے جناب آپ یہاں کب سے کھڑے ہیں؟ میں نے کہا ”ایسی کچھ دیر تو نہیں ہوئی۔“ تو آپ نے ادھر سے کسی رکشا والے کو جاتے دیکھا۔ کچھ سامان تھا اس رکشا میں۔ کبوتروں کی ایک ڈکری بھی تھی۔ دیکھی ہے آپ نے؟“ میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا ”مجھے یاد تو نہیں۔ البتہ ایک رکشا.....“ ”جی بس شکریہ ادھر کی کو گئی ہے نا؟ میں نے بے بسی کے عالم میں گردن ہلادی۔ وہ اس طرف کو دوڑ پڑے۔ وہ تھوڑی دور ہی گئے ہوں گے کہ ایک رکشا کچھ سامان تھا جس میں ایک کبوتروں کی ڈکری تھی جس میں میرے سامنے آکر رکی۔ رکشا والے نے پوچھا ”صاحب ادھر سے کوئی صاحب گزرے دے دے عینک لگائے ہوئے چھوٹی سی ڈارمسی، میں مسکرا پڑا۔ وہ جانے کیا سمجھا۔ واپس ہونے لگا۔ میں نے جلدی سے کہا ”ارے بھائی ادھر ہی کو گئے ہیں وہ مجھے ڈھونڈتے ہوئے، کدھر بھٹکا رہا ہے انھیں“ رکشا والے نے کہا ”صاحب ایک دکان سے کچھ خریدنے کو گئے تو بس لاپتہ ہیں“ میں نے کہا ”اس طرف چلے جاؤ، وہ ابھی گئے ہیں تمہیں مل جائیں گے۔“ میں نے اخبار کھولا اور پڑھنے لگا۔ میں درخت کے نیچے کھڑا تھا۔ کوئی چیز اوپر سے عین اخبار کے صفحہ پر گری۔ میں نے اوپر نظر اٹھائی۔ ایک کوآڈلی پر بیٹھا کائیں کائیں کر رہا تھا۔ میں نے اخبار پھینک دیا اور پھر سے چلنے لگا۔ ایک کتا بھی میرے ساتھ ہو گیا کبھی کبھی وہ

مجھ سے بہت آگے نکل جاتا۔ لیکن وہ کسی پتھر یا دیوار کو سونگھتا کھڑا رہ جاتا تو میں آگے نکل جاتا۔ پھر ہم دونوں ساتھ ہو جاتے۔ ایک دفعہ تو میں نے اسے دھتکارا بھی۔ لیکن وہ تو جیسے خرطہ ماندھکر میرے ساتھ دوڑ رہا تھا۔ ایک گھر سے بتی نکلی تو وہ اس کے پیچھے لپکا۔ بتی ایک موری میں گھس گئی تو وہ موری کے آگے کھڑا رہ گیا اور میری طرف اس طرح دیکھنے لگا جیسے کہہ رہا ہو کہ دیکھئے اس موری میں گئی ہے بتی۔ وہ کتا بھی میری طرح بیکا رہتا تھا۔ مجھے صرت وقت گزارنا تھا۔ اس نے اب میرا ساتھ چھوڑ دیا اور ایک ہوٹل کے باورچی خانے کی طرف چلا گیا۔ ایک صاحب کالے اٹلس کی معدی پیسے کاتے ہوئے آئے۔ بلبل آ تو بھی گا۔ جوں جوں وہ مجھ سے قریب ہوتے گئے ان کی آواز بھی دھیمی ہوتی گئی۔ جب وہ میرے بالکل پاس پہنچے تو چپ ہو گئے اور آگے بڑھتے گئے تو پھر سے سکانے کی لے اویچی ہوتی گئی۔ بلبل آ۔ آ۔ آ۔ آ۔ ایک بھکاری اپنے دو مردہ نمابچوں کو سامنے ڈالے راہ گیروں کے آگے دست سوال دراز کر رہی تھی۔ ”دو دن کے بھوکے ہیں“ آفریں ہے اس ماں پر جو دو دن کی بھوک پر اس کے دو بچے دو دن کے بھوکے ہوں اور وہ ان بچوں کا پیٹ پالنے کے لئے بھیک مانگے۔ گلا گھونٹ کر مار نہیں ڈالا۔ آفریں ہے اس ماں پر۔

علائی کی دکان مٹھائیوں سے سبھی ہوئی تھی۔ دھڑا دھڑا تازہ تازہ مٹھائیاں بی جا رہی تھیں۔ کاکب لڑکیاں سنبھالے ہوئے بھیڑ سے نکل رہے تھے۔ کھیاں بھینھناری تھیں اور توندیلا سیٹھ اپنے نوکروں پر برس رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ اپنی گدی پر نیم دراز خزانے لینے لگا۔ مٹھائی تیار کرنے۔ جانے اور تولنے والے ملازم کالے جیتھڑوں میں ملبوس اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے تھے۔ دکان کے آگے دو بھکارن لڑکیاں کھڑی تھیں ان میں سے ایک کے ہاتھ میں مٹھائی کی بھینکی ہوئی لڑکی تھی۔ جس پر سے وہ دھیرے دھیرے دھاگہ کھینتی جا رہی تھی۔ وہ بل جوالی آنٹن میں بڑے تھے ان میں کچھ اوز بیچ بڑے جا رہے تھے۔ مٹھائی کی لڑکی سے پٹا ہوا قوام قطرہ قطرہ زمین پر ٹپک رہا تھا۔ بعض کاکب دکان پر ہی مٹھائی سے کام و دھن کی تواضع کر رہے تھے۔ گرم گرم جامین اور تازہ تازہ اترتیاں۔ بھکارن لڑکیوں کے ہاتھ آگے بڑھے ہوئے تھے۔ جھوٹے کاغذ اور پتے پھینک جا رہے تھے۔ ڈکاریں بی جا رہی تھیں۔ چنارے بھرے جا رہے تھے۔ لیکن ان بھکارن لڑکیوں کے ہاتھ پھیلنے کے پھیلے ہی رہے۔ ایک لڑکی کچھ اور آگے بڑھی۔ سیٹھ کی آنکھ لگ گئی تھی۔ ایک۔ کھیاں ان کی ناک میں گھس گئی تھی۔ ”سیٹھ“ اس لڑکی نے پکارا، چل بھاگ، اور انھوں نے اپنی چوکی کے نیچے سے ایک چھٹا سا ڈھیلا اٹھا کر لڑکی کی طرف دے مارا۔ سیٹھ صاحب نے ان بھیک منگوں کو مار بھگانے کے لئے اپنی چوکی کے نیچے چھوٹے چھوٹے ڈھیلوں کا ایک ڈھیر سا جمع کر رکھا تھا۔ ان ڈھیلوں کے بازو ہی پیسوں کا صندوق دھوا رہتا۔ لڑکی ڈھیلے کی چوٹ کھا کر سر تھاں کر بیٹھی۔ دوسری لڑکی ایک موڑ کے پردہ کے پاس بھیک مانگتی کھڑی رہی۔ اسے ایک پیسہ ملا۔ دوسری لڑکی کے پیچھے پیچھے موڑ چلی گئی۔ ایک پر دے لگا ہوا تانگہ گزرنے لگا تو اس میں سے ایک چھوٹے بچے نے سر نکالا اور مٹھائی کے لئے پل گیا۔ تانگہ رکوا یا گیا۔ اور مٹھائی لینے کے بعد بھیر سے چل پڑا۔ وہ دونوں لڑکیاں اس تانگے کے پیچھے بھاگنے لگیں۔ ان کے پاؤں اور زبائیں مٹھین کی طرح چل رہی تھیں۔ دو بھکاری

رہا کیوں اور ایک تازہ دم گھوڑے کا مقابلہ تھا۔ میں دور تک ان کو دیکھتا رہا۔ آخر ایک لمبی ٹھوکر کھا کر گر پڑی میں نے اپنی گردن پھیر لی اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔ ایک دکان پر بھیڑ لگ رہی تھی۔ معلوم ہوا سسٹے دکان کی دکان ہے، پیسے دے کر ایسی شکل سے اناج ملے۔ یہ عذاب الہی نہیں تو پھر کیا ہے۔ بڑے کتنا رہے ہیں جو ان آگے بڑھ رہے ہیں۔ غور میں ان کے پیچھے جگ نکال رہی ہیں لیکن سارے مجمع میں ایک سنسنی سی پھیلی ہوئی تھی۔ اناج بہر صورت حاصل کرنے کا مصمم اور خوفناک راہ ان کے چہروں سے اظہار ملتا تھا۔ بیٹا! تیری جے۔ ایک سیٹھ صاحب ایسے گاہک سے پوچھ رہے تھے۔ ”کیوں بھائی کچھ سا شلر زندہ ہے کہتے ہیں“ گاہک نے جواب دیا۔ ”بشیر نہیں دسکنا سیٹھ صاحب“ سیٹھ صاحب نے کہا ”تو پھر جنگ بھی ہو گی“ ”اں“ گاہک نے جواب دیا۔ ”اچھا چاول کا کیا بھلا ہے“ سیٹھ صاحب نے کہا ”چاول نہیں ہیں ہمارے پاس“ گاہک آگے بڑھ گیا۔ مزدور۔ اس سے کچھ کچھ بھری ہوئی ایک لاری سامنے سے گزری۔ مزدور کھاتے ہوئے جا رہے تھے۔ انہیں مزدور یاں بھی بڑھی چڑھی لی نہی تھیں اور سواری کے لئے موٹر بھی..... مر جائے شلر نہ کرے! جب میں ایک ہوئی کے قریب پہنچا تو مجھے وہ ریکارڈ سنائی دیا جس کی موسیقی میرے دل پر جاوے کرتی تھی۔ مجھے اس گانے کے بول یاد تھے۔ طرزیادہ ہو گئی تھی۔ میں گنگنا سکتا تھا، گانہ نہیں سکتا تھا۔ میں ایک درخت کے نیچے ٹھیک گیا اور اس کے بول ذہن نشین کرنے لگا۔ ریکارڈ ختم ہو گیا تو میری خوشی کا ٹھکانہ نہ تھا۔ مجھے پورا ایت حرف بہ حرف یاد ہو گیا تھا۔ لیکن آگے بڑھتے ہوئے اسے ٹنگنے کی جو کوشش کرتا ہوں تو ہائیں طرزیادہ بھول گئی۔ سانگوں، رکتاؤں اور سائیکل سواریوں کو دیکھتے دیکھتے ہراسہ لگو منے لگا۔ دنیا کی ہر چیز حرکت کر رہی تھی اور میں چاہتا تھا کہ ساری دنیا ٹھم جائے۔ سناٹا بچھا جائے اور میں اکیلا دل بہلاتا ہوا ہر چیز کا معائنہ کرتا پھروں۔ ٹانگے اپنے آڈن پر کھڑے رہیں۔ رکتائیں پھیر جائیں۔ سیکل رک جائیں۔ ٹوگ اپنے اپنے گھروں میں بند ہو جائیں۔ دو دو فروش امانیہ کی چوٹی پر چلا جائے۔ ریکارڈ بجاتا رہے اور میں ٹھٹھا ہوا یا تیز تیز چلتا ہوا یا دوڑتا ہوا چاروں طرف گھوموں۔ چاروں طرف پھروں اور میری فرصت کا وقت گزرتا جائے۔ لیکن دنیا کے کاروبار کبھی بند نہیں ہوتے۔ یہ کل کبھی رکتی نہیں۔ میں کچھ مضحکہ اور بہت زیادہ بے کیف اپنے گھر میں داخل ہوا۔ ایک بوجھ سا میرے دل سے اتر گیا۔ سات بج چکے تھے اور مجھے سواٹ رات کا کھانا کھا کر سوجانے کے اور کوئی کام نہ تھا۔

## رشید قریشی

من کی دنیا۔ حیدرآباد کے نوجوان افسانہ نگار رشید قریشی ایم اے کے افسانوں کا نفیس مجموعہ ہے۔ افسانوی ادب سے دلچسپی رکھنے والے ضرور اس کا مطالعہ کریں کتاب بہت دلچسپ اور انداز بیان نہایت شگفتہ ہے۔

ہر زمانہ رعنائی خیزان اور گنجشک بیان کا بہترین نمونہ ہے۔ اردو کے نئے ادب سے دلچسپی رکھنے والے اور ترقی پسند نظریوں کے پرستار ان افسانوں کے مطالعہ سے ضرور محفوظ رہوں گے۔ جو اصحاب اردو کے جدید ترین افسانوں کا مطالعہ کرتے چاہتے ہیں وہ اس نوجوان مصنف کے ان پر کیف افسانوں سے ضرور لطف اندوز ہوں گے صفحات (۱۷) قیمت تھلہ سب رس کتاب گھر۔ خیرت آباد۔ سے طب فرمائیے

# ابراہیم ظفر

گرم تھا۔ رعایا سے سن مانی مالگزاری وصول کی جا رہی تھی۔ پہلے پہل تو ”وطنی مجلس“ نے خفیہ طور پر کام جاری رکھا اور جب رعایا کو کافی اکسا دیا گیا تو اضابطہ طور پر کھلم کھلا تقریریں ہونے لگیں، جلے متفقہ کئے جانے لگے، ابراہیم ان سب کارہ نما تھا۔ عوام اس کے اشارے پر ناپٹتے تھے۔ بالآخر بغاوت ہو گئی، واسدیو حاکم نزل مع اپنے ساتھیوں کے قتل کر دیا گیا۔

سورج مغربی پہاڑیوں کے پیچھے تیزی سے بھاگا چلا جا رہا تھا، آسمان پر کلاہی ٹکڑے ادھر سے ادھر منڈلا رہے تھے۔ ایک سو اربا رنڈا گھوڑے پر زل سے لکلا اور شاہی پہاڑیوں کو پیچھے چھوڑتا ہوا جیس میل پر ایک گاؤں میں جا کر دم لیا۔ گھوڑا پسینے میں نر بلر رہا تھا، گھوڑے کی پیٹھ تھکی اور یک معمولی سے مکان میں داخل ہوا۔

”کون ہے ابراہیم! تم آگے میں کب سے تمہارا راہ دکھ رہی تھی۔ میں تو آج بہت پریشان تھی، سنا ہے زل میں بغاوت ہو گئی۔ ابراہیم! تم یہ سب کیا کر رہے ہو بغاوت کرو دینا آسان ہے اور اس کا نتیجہ؟ ابراہیم! یہ تم کیا کر رہے ہو؟ اپنی جان کو جان بوجھ کر خطرے میں ڈالنا کوئی عقل مند نہیں!“

”خاطرہ! تم اس کی فکر نہ کرو، سب ٹھیک ہو جائے گا۔“

اس نے نہ تو تم کو اصل بات بتائی ہی نہیں، سونگ کی تو پاگل ہو جاؤ گی۔ کہدوں؟

”ماں ہاں“

”اب تم فکر نہ ہو“ اور اس نے جھک کر اس کی پیشانی چوم لی۔ وہ گھڑی اس کا منہ تک رہی پھر ایک ایک اس کے ہاتھ ”دب میں تھک رہے بغیر یہاں نہیں رہ سکتی“ اس لیے میں جی بہت گھبراتا ہے، خوفناک خیالات تلاتے ہیں۔ رات کو کوئی مرتبہ بچ کر جاگ گئی“

”خاطرہ! اگر میں اب تمہیں اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتا۔ زل میں ہر طرف بغاوت کی آگ پھیلی ہوئی ہے۔ گو شاہ حیدر آباد کو جملہ ہوا اطلاعات ہو جائے گی لیکن وہ ابھی اس طرف

(اس افسانہ کا چلاٹ ان نصوص اور کہانیوں سے لیا گیا ہے جو زل کی پہاڑی بستی میں مشہور ہیں) مجید ”جہاں بنانا ہمارے جا سوسی نظام کے ذریعہ جو مملکت حیدر آباد کے طول و عرض میں جال کی طرح پھیلا ہوا اس مرتبہ نہایت ہی اہم خبریں وصول ہوئی ہیں۔ جن میں سب سے پہلے پرگنہ نزل کے متعلق یہ کہ ابراہیم نامی ایک نوجوان نے زل میں حکومت کے خلاف رعایا کو اکسا دیا ہے اور اگر اس طرف جلد توجہ نہ کی جائے تو بغاوت کا ہرجا“

سراج حیدر آباد کے طبقہ احرار کا ایک مشہور فرد تھا جس نے دوبارہ آصف جاہی میں یہ کیفیت پیش کرنے کی عزت حاصل کی۔

”ہم بہت جلد توجہ کر رہے ہیں“ اعلیٰ حضرت نے ارشاد فرمایا اس کے بعد دوسرے اور اہم معاملات پیش کئے گئے۔

زل، ایک پہاڑی بستی ہے کئی تالاب دار علاقہ کی شکل میں اس کو گھیرے ہوئے ہیں، ان تالابوں کے سروں پر چاروں طرف سیاہ دیوہیکل پہاڑ زل کے سنتری کی خدمات انجام دیتے ہیں۔ بائیس سال قبل سپاہیوں کا ایک گروہ زل آیا تھا۔

”یہ سامنے کو نشی بستی ہے“ سردار نے اپنے ساتھیوں سے دریافت کیا۔ ”یہ بستی زل کہلاتی ہے سردار“

بڑا ہی ریح افزہ مقام معلوم ہوتا ہے۔ بہتر ہے چند دن میں قیام کیا جائے، سینے ہی سبھوں نے یہیں سکونت اختیار کر لی اور تجارت کو ذریعہ معاش بنالیا۔ ان کا شمار متمول گھرانوں میں ہونے لگا۔ سردار کے گھر ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام ابراہیم رکھ گیا۔ ابراہیم زل ہی کو اپنے اسلاف کا وطن سمجھتا تھا۔

”وطنی مجلس“ کے صدر ابراہیم اور مجلس کی متفقہ طور پر یہ رائے قرار پائی کہ زل کے حکام کو سرزادی جانی چاہئے۔ اس لئے کہ شاہ وقت دوسرے کاموں میں مشغول تھے اور ان حکام کو جیسے قید سے رہائی مل گئی۔ رشوت خانی کا بازار

کے لئے تیار تھی۔

”جہاں پناہ! وہی ہو جس کا امیٹ تھا“ خدمت عالی میں آج سے ڈیڑھ سال قبل یہ عرض کیا تھا کہ نزل میں ابراہیم باقی ایک شخص رعایا کو حکومت کے خلاف بغاوت کرنے کی ترغیب دے رہا ہے اور اب وہی ”ابراہیم ظفر“ کے نام سے وہاں حکومت کر رہا ہے۔ نزل اس کا پائے تخت ہے ہمارے نمائندوں کو قتل کر دیا گیا ہے۔“

”بہت عالی ہیبت شخص معلوم ہوتا ہے“ اعلیٰ حضرت نے ارشاد فرمایا۔ ”حضور! باقی کو کیسے کرنا؟ کچھ پہنچانے کے لئے غلام کو اجازت مرحمت فرمائی جائے۔“

”یہ تو بہت معمولی سا کام ہے سراج! خیر ہم تمہیں اجازت دیتے ہیں“ اور پھر دربار ختم کرتے ہوئے سراج سے مسکرا کر فرمایا ”اس کی رگوں میں بھیجا بہادروں کا خون معلوم ہوتا ہے سراج!“

ایک ہی جھپٹے میں سراج نے اپنی فوج کو تیار کر کے نزل کی طرف کوچ کیا۔ ابراہیم ظفر کو جاسوسوں نے سراج کی آمد کی اطلاع دی اور نزل میں بھی اہل بگڑ بگڑ گیا۔

سراج تمہارا تیزی سے تین ہی دن میں نزل پہنچ گیا اور دیارے گوداری کے دوسرے کنارے پر پڑاؤ ڈال کر دوسرے ہی دن ”شام گڑھ“ پر حملہ ہوا۔ دن تمام خونریز لڑائی ہوئی رہی۔ ایک طرف سے گونڈوں کے بے حد رہبر نشان سٹن محلے دوسری طرف شام گڑھ کے اونچے قلعے سے آتشباری سراج کی فوج میں سراپا لگی کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ رات ہو گئی اور لڑائی دوسرے دن کے لٹوئی ہو گئی۔

دوسرے دن صبح سراج نے اپنے دو جنرل اور دو مشیران خاص ڈیروں میں مردہ پائے، بڑی جراتی ہوئی۔ سراج نے خود فوج کی کمان لی لیکن دوپہر ہونے ہونے تک انتشاری پہاڑوں کی گرمی اور سب سے زیادہ گونڈوں کے عجیب طرز جنگ نے سراج کو ہراساں کر دیا اور رات ہونے ہونے تک سراج اپنی فوج نے کہ نزل سے بھاگ رہا تھا۔ ابراہیم ظفر کے گونڈ پکستان نے کئی میل تک اس کا پیچھا کیا۔

مترجم ہونے کے قابل نہیں ہیں۔ وہ آج کل سلطنت کے دوسرے اور اہم معاملات میں الجھے ہوئے ہیں“ پھر اچھو بد لکر

”نزل میں کل مابدولت کی رسم تاج پوشی منائی جائے گی اور کل صابک خدمت میں شخصے روانہ کئے جائیں گے۔ غلطی تم خواہ خواہ افسردہ ہو رہی ہو تمہیں تو خوش ہونا چاہئے۔ کل تمہارے ابراہیم کی رسم تلخ پوشی ہے اور ہاں میں تو یہ کہنا بھول ہی گیا کہ سال یا ڈیڑھ سال کے بعد ہماری شادی بھی.....“ اور اس نے مسکرا کر غلطی کی طرف دیکھا، غلطی کے زخماں نگاروں کی طرح تپ رہے تھے۔

ابراہیم نے کپڑے اتارے اور چار پائی پریسٹ گیا۔ غلطی اس کے لئے گلاس میں دودھ کے آبی آدراس نے مسکراتے ہوئے اسے کر کے لیا کچھ دیر آرام کے بعد وہ زحمت ہونے لگا۔ ستارے آسمان پر پھل آئے تھے۔ ان کی چھاؤں میں دوڑوں خزاں گھر سے نکلے۔ پھر ایک جگہ رک گئے۔

”ہم بہت جلد میں گئے غلطی! ارے، تمہاری آنکھوں میں آنسو پہلے! سپاہی کی بیوی اور آنسو؟ غلطی! تم سپاہی کی بیوی ہو“ اور غلطی کے آنکھیں جیسے ان آنسوؤں کو پی لگیں۔ ”اچھا! اب ذرا ہنس دو“ اس نے کہا اور وہ مسکرا دی، چاند بادلوں کے پیچھے چھپ گیا۔

”ابراہیم ظفر الدولہ“ کی رسم تاج پوشی بڑے نزک، احتیاط سے منائی گئی اور خود مختاری کا اعلان کر دیا گیا، نزل کے پرہیزگاروں کے چہرے پر مسکراہٹ ناچ رہی تھی، مسکراہٹیں پیچھے پہلی پہل، ذہنیت نقادے، نزل دہن کی طرح سجایا گیا تھا۔

بالضابطہ طور پر حکومتی نظام تمام ہو گیا۔ ایک ہی سال کے اندر اندر رعایا خوش حالی کی زندگی بسر کرنے لگی۔ ایک فارغ ہوتے ہی ابراہیم ظفر نے حفاظتی تدابیر شروع کیں کیونکہ خطرہ روز بروز بڑھتا جا رہا تھا ستارہ آبی ہوئی خروش سے جنگ کا امکان قوی تر ہوتا جا رہا تھا۔

نزل کے اطراف، مخدقوں، قلعوں، موجوں وغیرہ کی تعبیر شروع ہو گئی اور فوج میں بھرتی بھی تین چار مہینوں کے اندر اندر تقریباً دس ہزار فوج باقاعدہ نزل کی حفاظت





منظر تھا، ابراہیم ظفر مجبور ہو گیا اور اس نے اپنی فوج کا بیشتر حصہ بتیس گروٹھ پہنچا دیا۔ شاہی فوجوں نے بتیس گروٹھ کا محاصرہ کر لیا۔

”حضور! صلح کر لینی بہتر ہے“ ایک فوجی افسر نے کہا

”جنگ جاری رکھو جبار!“

”جہاں پناہ!“

”یہیر حکم ہے“

”مگر حضور.....“

ٹھائیں اور جبار اس کی فوج کا ایک افرزین برغون میں بوٹ رہا تھا۔

”ہم اپنے آخری قطرہ خون تک جنگ جاری رکھیں گے“

اسد!“

”بے شک، جہاں پناہ“

”ہم بہادروں کی موت مرنا پسند کرتے ہیں“

ابراہیم ظفر خود چار دستوں کے ساتھ ایک سرنگ کے ذریعہ سے

شاہی فوج کے پچھلے حصے پر نمودار ہوا، شاہی فوج آسانی سے

یگھ گئی، شاہی کماندار پریشان ہو گیا۔ لیکن جلد ہی اپنی فوج

کو اس نے دو حصوں میں تقسیم کر دیا اور لڑائی نے شدت

افتیاد کر لی۔ ابراہیم ظفر اپنے ایک جرنیل کے سپرد یہ کام

کر کے قلعہ میں واپس آ گیا۔

”اوہ! تو بچی دیکھتے نہیں ہو، کیا کر رہے ہو؟“

وہ شیر کی طرح غرایا۔

”ہمارے فوج کے اس حصے پر زیادہ دباؤ پڑ رہا ہے

توپوں کے دہانے اس طرف پلٹ دو، تم ہٹ جاؤ، گدھے بچو“

اور اس نے توپچی کی جگہ سنبھالی۔ آتشباری تیر سے تیز تر

ہو گئی، زرعی جرنیل جو میدان میں شاہی فوج سے مقابلہ

کر رہا تھا اپنی جگہ پر جما ہوا تھا۔

”قلعہ کی اس طرف کی توپ سے“ شاہی کمان دار

نے بائیں طرف اشارہ کیا ”بہت زیادہ آتشباری ہو رہی ہے

ہماری فوج پر نشان ہو رہی ہے، خدا نخواستہ کہیں۔۔۔

اس توپچی کو ختم کر دو“ اور ایک افسر اس توپچی کی تاک

میں لگا ہوا تھا۔ زرعی جرنیل جڑے جڑے کر رہا تھا۔

قلعہ کی طرف سے آتشباری میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

ابراہیم ظفر کا چہرہ کھیل گیا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا تاکہ

دوسری طرف سے آتشباری تیز کرنے کا حکم دے۔

ٹھائیں!

آہ! اسد! بائیں طرف کی آتش باری.....

اور تیز..... کر دو“

”جہاں پناہ! یہ کیا ہو گیا حضور کو“

”جاؤ! اسد..... تم جاؤ..... پہلے جاؤ“

اور ابراہیم ظفر دم سے زمین پر گر گیا۔

”میرے سرتاج!“

”کون..... فاطمہ..... میری فاطمہ.....“

تم یہاں کیسے آ گئیں.....“

لڑائی زوروں پر جاری تھی۔

”میرے سرتاج! یہ کیا ہو گیا آپ کو؟ اتنا خدایا.....“

اور ابراہیم ظفر مسکرانے لگا۔

”فاطمہ۔۔۔ ہنسو۔۔۔ ہنسو۔۔۔ ایک بار.....“ میں بہادروں

..... کی موت..... مر رہا ہوں۔

فاطمہ! میں..... بہت خوش ہوں..... بہت“ اس کا سر

فاطمہ کی گود میں تھا۔ سینے سے خون بہہ رہا تھا اور وہ مسکرا

رہا تھا۔

فاطمہ! وطن کی فاطمہ سب کچھ.....“

ایک ہی گھنٹہ بعد آصفی پرچم..... بتیس گروٹھ..... پر لہرا

رہا تھا اور ابراہیم ظفر..... اپنی محبوبہ کی آغوش میں

ابدی نیند سو رہا تھا۔

عبدالحمید (عثمانیہ)

# وضع جسمانی

اس سے قبل کی تقریر میں میں نے بچپن کے زمانے کی وضع جسمانی کی نوعیت کو ضروری توضیحات کے ساتھ پیش کر کے اس کے اصلاحی پہلو کو واضح کیا تھا۔ آج کی تقریر میں زمانہ بلوغ کی وضع جسمانی پر روشنی ڈالی جائے گی۔ میں اس امر کی توضیح کی کوشش کروں گا کہ زمانہ بلوغ زندگی میں کس قدر اہم ہے اس زمانہ میں وضع جسمانی کی پرورش کس نوعیت پر ہونی چاہیے اور وہ کونسے ایسے داخلی اور خارجی امور ہیں جو زمانہ بلوغ وضع جسمانی پر خوش گوار یا غیر خوش گوار اثرات مرتب کرتے ہیں اور جس سے جوانی اور ہیڑن اور بڑاپے کے زمانے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔

بلوغ کا دور مختلف ممالک میں آب و ہوا کے لحاظ سے مختلف ہے۔ سرد ممالک میں بالعموم ۱۹-۲۰ اور ۲۱ سال کے درمیان زمانہ بلوغ میں قدم رکھتے ہیں لیکن گرم ممالک میں بچے کسی قدر قبل ہی بالغ ہو جاتے ہیں۔ ہمارے یہاں بچے بالعموم ۱۶-۱۷ اور ۱۸ سال کے درمیان بلوغ کے دور میں جاتے ہیں اور لڑکیاں ۱۵-۱۶ اور ۱۷ سال کے درمیان بلوغ کے زمانے میں پہنچ جاتی ہیں جنرالی حالات کے علاوہ غذا اور اس کی نوعیت کا تعلق بھی بلوغ کے دور سے بہت زیادہ ہے۔

گرم ممالک اور اور چٹ پٹی غذا کھانے والے بچے اس لیے بھی جلد زمانہ بلوغ کو پہنچتے دکھائی دیتے ہیں۔ قطع نظر اس تعلیمات کو بھی اس زمانے کے قبل از قبل آغاز سے زیادہ تعلق ہے۔ جسمانی سیلان اور اس کے متعلق معلومات کی فراہمی بچے میں نفرت موجد ہے۔ انہیں تعلیمات کے حصول کی اگر اس کی صحیح رہبری نہ ہو تو وہ خود اس کی کھرب میں گرفتار ہوتا ہے۔ عام حالات اور اس کے نتائج کے معلقہ راستے یہ کہنا بجا نہ ہوگا کہ اس قسم کی مخلوق اور اس کے راستہ یا بالواسطہ مخلوق کے طریقے بالعموم گمراہ کن ہی ہوا کرتے ہیں۔ وہ تمام اعلیٰ اور

مقدس تعلیمات جو ہمیں اعتبار سے دل اور دماغ میں پرورش پانے چاہئیں ان کی بجائے وہ نفسانی خواہشات کا شکار ہو کر اپنی انسانی قدر و قیمت کو کھو بیٹھتے ہیں۔ اسی وجہ سے ہر مذہب میں بلوغ کے آغاز کے ساتھ ہی ہر انسان پر مذہبی پابندیاں عائد کر دی گئی ہیں۔ جسمانی تعلقات کو اس قدر نازک ترین حالت میں واضح کئے گئے ہیں جن میں ذہنی اور نفسی ایک گناہ بکیرہ بن جاتی ہے۔ ہر حال اس مخصوص میں میں تفصیلات میں جانا نہیں چاہتا بلکہ صرف اس قدر اشارہ کئے دیتا ہوں کہ بچے کے بزرگوں کا یہ فرض ہے کہ اس میں جسمانی تعلیمات اور اس کی ذہنی کے حلیقے اس پر اس پر یہ ایسا کر جس جن کے ذریعہ ایک پاک اور مقدس خیال اس کے دماغ پر مسلط ہو جائے تاکہ وہ گمراہی سے بچ سکے اور اپنی زندگی کو تباہ و برباد نہ ہونے دے۔ چنانچہ اسی خیال کے تحت ہر ترقی یافتہ ملک میں جو بچے نو بہانوں کو تندرست اور قوی تر بنانا چاہتے ہیں، جسمانی تعلیم ان بچوں کے لئے عام اور لازمی کر دی گئی جو زمانہ بلوغ کے قریب تر ہیں۔ غرض مجھے یہاں یہ بتانا مقصود تھا کہ قبل از قبل جسمانی تعلیمات کو چاہیے جس سے بھی بلوغ کے زمانے کا آغاز کسی لڑکے یا لڑکی پر ہونے لگتا ہے۔

زمانہ بلوغ دراصل بچپن اور جوانی کے درمیان کا حدیصل ہے۔ انسان تعلیمات کے لائق ہے یا نہیں اس پر اگر یا معاشی تعلیمات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی زندگی کا مقصد کچھ ہی معین کر لے لیکن قدرت انسان سے بچہ اور ہی قریب رہتی ہے۔ زمانہ بلوغ میں انسان میں جسمانی سیلان کی پیدائش قدرت کی جانب سے ہوتی ہے۔ اس سیلان کو پیدا کرنے کا یہ فنکار ہے کہ انسان اس سیلان کی تباہی کرے کہ آئندہ اس کو ایک باب اماں بنائے اور اس شخص میں صحیح معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرے تاکہ اس کی ہونے والی پروردگارا اور طاقتور ہو سکے۔

ابھی جو میں بتا رہا تھا کہ بلوغیت کا زمانہ تباہی کا زمانہ ہے۔

اس زمانے میں وضع جسمانی میں کئی ایک تغیرات رونما ہوتے ہیں۔ بچوں میں نمودار ہوتا ہے اس لئے اسی مناسبت سے گشت میں اضافہ ہوتا ہے۔ جسمی نظام پر بھی اس کا گہرا اثر پڑتا ہے۔ گو یا جسم اور دماغ ہر دو میں تغیرات رونما ہوتے ہیں۔ بلوغ کا زمانہ جس قدر مختصر ہے اسی قدر زیادہ اہم بھی ہے۔ اس نچلے میں اگر وضع جسمانی کی دیکھ بھال نہ کی جائے تو اس کا برا اثر جوانی اور اس کے بعد اوپر پڑے گا اور بڑے بچے پر ضرور پڑے گا۔ دو بار بلوغ میں سب سے پہلے وضع جسمانی کی مبالغہ فک نہ نوادر جسم کے وزن سے کی جاتی ہے۔ اہر ان وضع جسمانی نے عمر کے زمانے سے قد اور وزن میں مختلف تحریکات کی بنا پر یہ خاص نتائج ملنے لگتے ہیں۔ ان کو خاص طور سے معیاری وزن آپا جاتا ہے۔ معیاری وزن کی بنیاد انہی پر ہے اس سے وضع جسمانی کی موازنہ کیا جاتا ہے۔ اگر وہ زیادہ یا کم ہو جاتا ہے۔ معیاری وزن کا انکشاف ہی سہی۔ تمام کی آپ دھوا : عورت کی نوعیت پر شہر سے شہر آپا جاتا ہے۔ اس کے لئے فک کے آپ دھوا اور نوعیت کے لئے دیکھنا اور واضح کرتے ہیں کہ زمانہ بلوغ میں وزن کا معیار کیا ہوتا ہے۔ سب سے پہلے ہم آپا کو بتاتے ہیں کہ ان کو ان کا معیاری وزن پر وزن بلوغ سے ملے گا۔

### ۱۰ سال کی عمر کے بچے

اگر ان کا قد ۵ فٹ ۰ اینچ ہو تو ان کا معیاری وزن ۹۰ پونڈ ہو

۹۰	۱۰	۴	۰	۰	۰
۸۵	۵	۵	۰	۰	۰
۸۰	۰	۰	۰	۰	۰
۷۵	۰	۰	۰	۰	۰
۷۰	۰	۰	۰	۰	۰
۶۵	۰	۰	۰	۰	۰
۶۰	۰	۰	۰	۰	۰
۵۵	۰	۰	۰	۰	۰
۵۰	۰	۰	۰	۰	۰
۴۵	۰	۰	۰	۰	۰
۴۰	۰	۰	۰	۰	۰

اگر ان کا قد ۵ فٹ ۰ اینچ ہو تو ان کا معیاری وزن ۱۳۴ پونڈ ہو

۱۳۸	۵	۰	۰	۰	۰
۱۳۴	۵	۰	۰	۰	۰
۱۳۰	۵	۰	۰	۰	۰
۱۲۶	۵	۰	۰	۰	۰
۱۲۲	۵	۰	۰	۰	۰
۱۱۸	۵	۰	۰	۰	۰
۱۱۴	۵	۰	۰	۰	۰
۱۱۰	۵	۰	۰	۰	۰
۱۰۶	۵	۰	۰	۰	۰
۱۰۲	۵	۰	۰	۰	۰
۹۸	۵	۰	۰	۰	۰
۹۴	۵	۰	۰	۰	۰
۹۰	۵	۰	۰	۰	۰

یہ ۱۱ سال کی عمر والے بچوں کا معیاری وزن آپ

ہم ۱۱ سال کی عمر والے بچوں کا، ان کے قد کے لحاظ سے معیاری وزن بتاتے ہیں۔

اگر ان کا قد ۵ فٹ ۱ اینچ ہو تو ان کا معیاری وزن ۹۵ پونڈ ہو

۹۵	۵	۰	۰	۰	۰
۹۰	۵	۰	۰	۰	۰
۸۵	۵	۰	۰	۰	۰
۸۰	۵	۰	۰	۰	۰
۷۵	۵	۰	۰	۰	۰
۷۰	۵	۰	۰	۰	۰
۶۵	۵	۰	۰	۰	۰
۶۰	۵	۰	۰	۰	۰
۵۵	۵	۰	۰	۰	۰
۵۰	۵	۰	۰	۰	۰
۴۵	۵	۰	۰	۰	۰
۴۰	۵	۰	۰	۰	۰
۳۵	۵	۰	۰	۰	۰
۳۰	۵	۰	۰	۰	۰
۲۵	۵	۰	۰	۰	۰
۲۰	۵	۰	۰	۰	۰
۱۵	۵	۰	۰	۰	۰
۱۰	۵	۰	۰	۰	۰
۵	۵	۰	۰	۰	۰

اسی طرح آپ ہم ۱۰ سال کے ان بچوں کے ان کے قد کے لحاظ سے معیاری وزن بتا رہے ہیں۔ ۱۰ سال میں بچے ہوتے والے ہیں۔ ان کا قد ۵ فٹ ۰ اینچ سے ۵ فٹ ۱ اینچ تک ہوتا ہے۔ ان کا بھی معیاری وزن بتاتے ہیں۔

اگر ان کا قد ۵ فٹ ۱ اینچ ہو تو ان کا معیاری وزن ۱۱۰ پونڈ ہو

۱۱۵	۵	۰	۰	۰	۰
۱۱۰	۵	۰	۰	۰	۰
۱۰۵	۵	۰	۰	۰	۰
۱۰۰	۵	۰	۰	۰	۰
۹۵	۵	۰	۰	۰	۰
۹۰	۵	۰	۰	۰	۰
۸۵	۵	۰	۰	۰	۰
۸۰	۵	۰	۰	۰	۰
۷۵	۵	۰	۰	۰	۰
۷۰	۵	۰	۰	۰	۰
۶۵	۵	۰	۰	۰	۰
۶۰	۵	۰	۰	۰	۰
۵۵	۵	۰	۰	۰	۰
۵۰	۵	۰	۰	۰	۰
۴۵	۵	۰	۰	۰	۰
۴۰	۵	۰	۰	۰	۰
۳۵	۵	۰	۰	۰	۰
۳۰	۵	۰	۰	۰	۰
۲۵	۵	۰	۰	۰	۰
۲۰	۵	۰	۰	۰	۰
۱۵	۵	۰	۰	۰	۰
۱۰	۵	۰	۰	۰	۰
۵	۵	۰	۰	۰	۰

اگر ان کا قد ۵ فٹ ۵ انچ ہو تو ان کا معیاری وزن ۱۲۷ پونڈ ہو	اگر ۱۵ سال کی لڑکیوں کا قد ۵ فٹ ۱۰ انچ ہو تو ان کا معیاری وزن ۱۳۶ پونڈ ہو
۶ ۵ ۱۳۰	۵ ۱۵ ۱۳۵
۷ ۵ ۱۳۲	۶ ۱۵ ۱۳۵
۸ ۵ ۱۳۶	۷ ۱۵ ۱۳۶
۹ ۵ ۱۴۰	۸ ۱۵ ۱۴۰
۱۰ ۵ ۱۴۵	۹ ۱۵ ۱۴۵
۱۱ ۵ ۱۵۰	۱۰ ۱۵ ۱۵۰
۱۲ ۵ ۱۵۷	۱۱ ۱۵ ۱۵۷
۱۳ ۵ ۱۶۵	۱۲ ۱۵ ۱۶۵
۱۴ ۵ ۱۷۰	۱۳ ۱۵ ۱۷۰
۱۵ ۵ ۱۷۵	۱۴ ۱۵ ۱۷۵
۱۶ ۵ ۱۸۰	۱۵ ۱۵ ۱۸۰
۱۷ ۵ ۱۸۵	۱۶ ۱۵ ۱۸۵
۱۸ ۵ ۱۹۰	۱۷ ۱۵ ۱۹۰
۱۹ ۵ ۱۹۵	۱۸ ۱۵ ۱۹۵
۲۰ ۵ ۲۰۰	۱۹ ۱۵ ۲۰۰
۲۱ ۵ ۲۰۵	۲۰ ۱۵ ۲۰۵
۲۲ ۵ ۲۱۰	۲۱ ۱۵ ۲۱۰
۲۳ ۵ ۲۱۵	۲۲ ۱۵ ۲۱۵
۲۴ ۵ ۲۲۰	۲۳ ۱۵ ۲۲۰
۲۵ ۵ ۲۲۵	۲۴ ۱۵ ۲۲۵
۲۶ ۵ ۲۳۰	۲۵ ۱۵ ۲۳۰
۲۷ ۵ ۲۳۵	۲۶ ۱۵ ۲۳۵
۲۸ ۵ ۲۴۰	۲۷ ۱۵ ۲۴۰
۲۹ ۵ ۲۴۵	۲۸ ۱۵ ۲۴۵
۳۰ ۵ ۲۵۰	۲۹ ۱۵ ۲۵۰
۳۱ ۵ ۲۵۵	۳۰ ۱۵ ۲۵۵
۳۲ ۵ ۲۶۰	۳۱ ۱۵ ۲۶۰
۳۳ ۵ ۲۶۵	۳۲ ۱۵ ۲۶۵
۳۴ ۵ ۲۷۰	۳۳ ۱۵ ۲۷۰
۳۵ ۵ ۲۷۵	۳۴ ۱۵ ۲۷۵
۳۶ ۵ ۲۸۰	۳۵ ۱۵ ۲۸۰
۳۷ ۵ ۲۸۵	۳۶ ۱۵ ۲۸۵
۳۸ ۵ ۲۹۰	۳۷ ۱۵ ۲۹۰
۳۹ ۵ ۲۹۵	۳۸ ۱۵ ۲۹۵
۴۰ ۵ ۳۰۰	۳۹ ۱۵ ۳۰۰
۴۱ ۵ ۳۰۵	۴۰ ۱۵ ۳۰۵
۴۲ ۵ ۳۱۰	۴۱ ۱۵ ۳۱۰
۴۳ ۵ ۳۱۵	۴۲ ۱۵ ۳۱۵
۴۴ ۵ ۳۲۰	۴۳ ۱۵ ۳۲۰
۴۵ ۵ ۳۲۵	۴۴ ۱۵ ۳۲۵
۴۶ ۵ ۳۳۰	۴۵ ۱۵ ۳۳۰
۴۷ ۵ ۳۳۵	۴۶ ۱۵ ۳۳۵
۴۸ ۵ ۳۴۰	۴۷ ۱۵ ۳۴۰
۴۹ ۵ ۳۴۵	۴۸ ۱۵ ۳۴۵
۵۰ ۵ ۳۵۰	۴۹ ۱۵ ۳۵۰

اب ہم ۱۵ سال کی لڑکیوں کا معیاری وزن ان کے  
تد کے تناسب سے بتاتے ہیں جو لڑکیاں ۱۵ سال کی عمر میں  
سین بلوغ میں داخل ہوتی ہیں وہ بالعموم بہت توانا اور  
تندرست رہتی ہیں ایسی لڑکیاں عمدہ اور صحت مند  
بچوں کی ماںیں ہوا کرتی ہیں ان میں شوقانی کھڑو دیاں  
جوان کی صحت کو تباہ کرتی ہیں۔ بہت کم پیدا ہوتی ہیں اور  
ان کے بچے بھی نہایت توانا اور مضبوط توانا کے ہوتے ہیں۔  
بچپن کی اموات بہت کم ہوا کرتی ہیں۔ اب ۱۵ سال کی  
لڑکیوں کا معیاری وزن بغیر سٹیک

۱۵ سال کی عمر رکھنے والی لڑکیوں کا وزن اگر وہ ۵ فٹ

ہو تو ان کا معیاری وزن ۱۵۷ پونڈ ہو  
یہ ہوا لڑکیوں کا معیاری وزن جو زائد بلوغ میں ہونا  
چاہیے۔ لڑکیوں کا سین بلوغیت لڑکیوں سے کسی قدر قبل  
ہی آغاز ہوتا ہے کیونکہ جنسی تخلیقات کی پیدائش لڑکیوں  
میں پہلے ہی ہونے لگتی ہے۔ چارہ ملک میں یہاں کی  
آب و ہوا اور غذا کے د نظر لڑکیوں کا سین بلوغ ۱۵-۱۶  
اور ۱۷ سال کے درمیان بالعموم شروع ہوتا ہے۔ اب ہم  
ان ہی سالوں کے لحاظ سے قدر کے تناسب کے د نظر ان کا  
معیاری وزن واضح کرتے ہیں۔ پہلے ہم ۱۵ سال کی لڑکیوں  
کا معیاری وزن بتاتے ہیں۔

اگر ۱۵ سال کی لڑکیوں کا قد ۵ فٹ ۹ انچ ہو تو ان کا معیاری وزن ۱۳۶ پونڈ ہو	اگر ۱۵ سال کی لڑکیوں کا قد ۵ فٹ ۱۰ انچ ہو تو ان کا معیاری وزن ۱۴۰ پونڈ ہو
۱۵ ۵ ۱۳۰	۱۵ ۵ ۱۳۵
۱۵ ۵ ۱۳۵	۱۵ ۵ ۱۴۰
۱۵ ۵ ۱۴۰	۱۵ ۵ ۱۴۵
۱۵ ۵ ۱۴۵	۱۵ ۵ ۱۵۰
۱۵ ۵ ۱۵۰	۱۵ ۵ ۱۵۵
۱۵ ۵ ۱۵۵	۱۵ ۵ ۱۶۰
۱۵ ۵ ۱۶۰	۱۵ ۵ ۱۶۵
۱۵ ۵ ۱۶۵	۱۵ ۵ ۱۷۰
۱۵ ۵ ۱۷۰	۱۵ ۵ ۱۷۵
۱۵ ۵ ۱۷۵	۱۵ ۵ ۱۸۰
۱۵ ۵ ۱۸۰	۱۵ ۵ ۱۸۵
۱۵ ۵ ۱۸۵	۱۵ ۵ ۱۹۰
۱۵ ۵ ۱۹۰	۱۵ ۵ ۱۹۵
۱۵ ۵ ۱۹۵	۱۵ ۵ ۲۰۰
۱۵ ۵ ۲۰۰	۱۵ ۵ ۲۰۵
۱۵ ۵ ۲۰۵	۱۵ ۵ ۲۱۰
۱۵ ۵ ۲۱۰	۱۵ ۵ ۲۱۵
۱۵ ۵ ۲۱۵	۱۵ ۵ ۲۲۰
۱۵ ۵ ۲۲۰	۱۵ ۵ ۲۲۵
۱۵ ۵ ۲۲۵	۱۵ ۵ ۲۳۰
۱۵ ۵ ۲۳۰	۱۵ ۵ ۲۳۵
۱۵ ۵ ۲۳۵	۱۵ ۵ ۲۴۰
۱۵ ۵ ۲۴۰	۱۵ ۵ ۲۴۵
۱۵ ۵ ۲۴۵	۱۵ ۵ ۲۵۰
۱۵ ۵ ۲۵۰	۱۵ ۵ ۲۵۵
۱۵ ۵ ۲۵۵	۱۵ ۵ ۲۶۰
۱۵ ۵ ۲۶۰	۱۵ ۵ ۲۶۵
۱۵ ۵ ۲۶۵	۱۵ ۵ ۲۷۰
۱۵ ۵ ۲۷۰	۱۵ ۵ ۲۷۵
۱۵ ۵ ۲۷۵	۱۵ ۵ ۲۸۰
۱۵ ۵ ۲۸۰	۱۵ ۵ ۲۸۵
۱۵ ۵ ۲۸۵	۱۵ ۵ ۲۹۰
۱۵ ۵ ۲۹۰	۱۵ ۵ ۲۹۵
۱۵ ۵ ۲۹۵	۱۵ ۵ ۳۰۰
۱۵ ۵ ۳۰۰	۱۵ ۵ ۳۰۵
۱۵ ۵ ۳۰۵	۱۵ ۵ ۳۱۰
۱۵ ۵ ۳۱۰	۱۵ ۵ ۳۱۵
۱۵ ۵ ۳۱۵	۱۵ ۵ ۳۲۰
۱۵ ۵ ۳۲۰	۱۵ ۵ ۳۲۵
۱۵ ۵ ۳۲۵	۱۵ ۵ ۳۳۰
۱۵ ۵ ۳۳۰	۱۵ ۵ ۳۳۵
۱۵ ۵ ۳۳۵	۱۵ ۵ ۳۴۰
۱۵ ۵ ۳۴۰	۱۵ ۵ ۳۴۵
۱۵ ۵ ۳۴۵	۱۵ ۵ ۳۵۰
۱۵ ۵ ۳۵۰	۱۵ ۵ ۳۵۵
۱۵ ۵ ۳۵۵	۱۵ ۵ ۳۶۰
۱۵ ۵ ۳۶۰	۱۵ ۵ ۳۶۵
۱۵ ۵ ۳۶۵	۱۵ ۵ ۳۷۰
۱۵ ۵ ۳۷۰	۱۵ ۵ ۳۷۵
۱۵ ۵ ۳۷۵	۱۵ ۵ ۳۸۰
۱۵ ۵ ۳۸۰	۱۵ ۵ ۳۸۵
۱۵ ۵ ۳۸۵	۱۵ ۵ ۳۹۰
۱۵ ۵ ۳۹۰	۱۵ ۵ ۳۹۵
۱۵ ۵ ۳۹۵	۱۵ ۵ ۴۰۰
۱۵ ۵ ۴۰۰	۱۵ ۵ ۴۰۵
۱۵ ۵ ۴۰۵	۱۵ ۵ ۴۱۰
۱۵ ۵ ۴۱۰	۱۵ ۵ ۴۱۵
۱۵ ۵ ۴۱۵	۱۵ ۵ ۴۲۰
۱۵ ۵ ۴۲۰	۱۵ ۵ ۴۲۵
۱۵ ۵ ۴۲۵	۱۵ ۵ ۴۳۰
۱۵ ۵ ۴۳۰	۱۵ ۵ ۴۳۵
۱۵ ۵ ۴۳۵	۱۵ ۵ ۴۴۰
۱۵ ۵ ۴۴۰	۱۵ ۵ ۴۴۵
۱۵ ۵ ۴۴۵	۱۵ ۵ ۴۵۰
۱۵ ۵ ۴۵۰	۱۵ ۵ ۴۵۵
۱۵ ۵ ۴۵۵	۱۵ ۵ ۴۶۰
۱۵ ۵ ۴۶۰	۱۵ ۵ ۴۶۵
۱۵ ۵ ۴۶۵	۱۵ ۵ ۴۷۰
۱۵ ۵ ۴۷۰	۱۵ ۵ ۴۷۵
۱۵ ۵ ۴۷۵	۱۵ ۵ ۴۸۰
۱۵ ۵ ۴۸۰	۱۵ ۵ ۴۸۵
۱۵ ۵ ۴۸۵	۱۵ ۵ ۴۹۰
۱۵ ۵ ۴۹۰	۱۵ ۵ ۴۹۵
۱۵ ۵ ۴۹۵	۱۵ ۵ ۵۰۰
۱۵ ۵ ۵۰۰	۱۵ ۵ ۵۰۵
۱۵ ۵ ۵۰۵	۱۵ ۵ ۵۱۰
۱۵ ۵ ۵۱۰	۱۵ ۵ ۵۱۵
۱۵ ۵ ۵۱۵	۱۵ ۵ ۵۲۰
۱۵ ۵ ۵۲۰	۱۵ ۵ ۵۲۵
۱۵ ۵ ۵۲۵	۱۵ ۵ ۵۳۰
۱۵ ۵ ۵۳۰	۱۵ ۵ ۵۳۵
۱۵ ۵ ۵۳۵	۱۵ ۵ ۵۴۰
۱۵ ۵ ۵۴۰	۱۵ ۵ ۵۴۵
۱۵ ۵ ۵۴۵	۱۵ ۵ ۵۵۰
۱۵ ۵ ۵۵۰	۱۵ ۵ ۵۵۵
۱۵ ۵ ۵۵۵	۱۵ ۵ ۵۶۰
۱۵ ۵ ۵۶۰	۱۵ ۵ ۵۶۵
۱۵ ۵ ۵۶۵	۱۵ ۵ ۵۷۰
۱۵ ۵ ۵۷۰	۱۵ ۵ ۵۷۵
۱۵ ۵ ۵۷۵	۱۵ ۵ ۵۸۰
۱۵ ۵ ۵۸۰	۱۵ ۵ ۵۸۵
۱۵ ۵ ۵۸۵	۱۵ ۵ ۵۹۰
۱۵ ۵ ۵۹۰	۱۵ ۵ ۵۹۵
۱۵ ۵ ۵۹۵	۱۵ ۵ ۶۰۰
۱۵ ۵ ۶۰۰	۱۵ ۵ ۶۰۵
۱۵ ۵ ۶۰۵	۱۵ ۵ ۶۱۰
۱۵ ۵ ۶۱۰	۱۵ ۵ ۶۱۵
۱۵ ۵ ۶۱۵	۱۵ ۵ ۶۲۰
۱۵ ۵ ۶۲۰	۱۵ ۵ ۶۲۵
۱۵ ۵ ۶۲۵	۱۵ ۵ ۶۳۰
۱۵ ۵ ۶۳۰	۱۵ ۵ ۶۳۵
۱۵ ۵ ۶۳۵	۱۵ ۵ ۶۴۰
۱۵ ۵ ۶۴۰	۱۵ ۵ ۶۴۵
۱۵ ۵ ۶۴۵	۱۵ ۵ ۶۵۰
۱۵ ۵ ۶۵۰	۱۵ ۵ ۶۵۵
۱۵ ۵ ۶۵۵	۱۵ ۵ ۶۶۰
۱۵ ۵ ۶۶۰	۱۵ ۵ ۶۶۵
۱۵ ۵ ۶۶۵	۱۵ ۵ ۶۷۰
۱۵ ۵ ۶۷۰	۱۵ ۵ ۶۷۵
۱۵ ۵ ۶۷۵	۱۵ ۵ ۶۸۰
۱۵ ۵ ۶۸۰	۱۵ ۵ ۶۸۵
۱۵ ۵ ۶۸۵	۱۵ ۵ ۶۹۰
۱۵ ۵ ۶۹۰	۱۵ ۵ ۶۹۵
۱۵ ۵ ۶۹۵	۱۵ ۵ ۷۰۰
۱۵ ۵ ۷۰۰	۱۵ ۵ ۷۰۵
۱۵ ۵ ۷۰۵	۱۵ ۵ ۷۱۰
۱۵ ۵ ۷۱۰	۱۵ ۵ ۷۱۵
۱۵ ۵ ۷۱۵	۱۵ ۵ ۷۲۰
۱۵ ۵ ۷۲۰	۱۵ ۵ ۷۲۵
۱۵ ۵ ۷۲۵	۱۵ ۵ ۷۳۰
۱۵ ۵ ۷۳۰	۱۵ ۵ ۷۳۵
۱۵ ۵ ۷۳۵	۱۵ ۵ ۷۴۰
۱۵ ۵ ۷۴۰	۱۵ ۵ ۷۴۵
۱۵ ۵ ۷۴۵	۱۵ ۵ ۷۵۰
۱۵ ۵ ۷۵۰	۱۵ ۵ ۷۵۵
۱۵ ۵ ۷۵۵	۱۵ ۵ ۷۶۰
۱۵ ۵ ۷۶۰	۱۵ ۵ ۷۶۵
۱۵ ۵ ۷۶۵	۱۵ ۵ ۷۷۰
۱۵ ۵ ۷۷۰	۱۵ ۵ ۷۷۵
۱۵ ۵ ۷۷۵	۱۵ ۵ ۷۸۰
۱۵ ۵ ۷۸۰	۱۵ ۵ ۷۸۵
۱۵ ۵ ۷۸۵	۱۵ ۵ ۷۹۰
۱۵ ۵ ۷۹۰	۱۵ ۵ ۷۹۵
۱۵ ۵ ۷۹۵	۱۵ ۵ ۸۰۰
۱۵ ۵ ۸۰۰	۱۵ ۵ ۸۰۵
۱۵ ۵ ۸۰۵	۱۵ ۵ ۸۱۰
۱۵ ۵ ۸۱۰	۱۵ ۵ ۸۱۵
۱۵ ۵ ۸۱۵	۱۵ ۵ ۸۲۰
۱۵ ۵ ۸۲۰	۱۵ ۵ ۸۲۵
۱۵ ۵ ۸۲۵	۱۵ ۵ ۸۳۰
۱۵ ۵ ۸۳۰	۱۵ ۵ ۸۳۵
۱۵ ۵ ۸۳۵	۱۵ ۵ ۸۴۰
۱۵ ۵ ۸۴۰	۱۵ ۵ ۸۴۵
۱۵ ۵ ۸۴۵	۱۵ ۵ ۸۵۰
۱۵ ۵ ۸۵۰	۱۵ ۵ ۸۵۵
۱۵ ۵ ۸۵۵	۱۵ ۵ ۸۶۰
۱۵ ۵ ۸۶۰	۱۵ ۵ ۸۶۵
۱۵ ۵ ۸۶۵	۱۵ ۵ ۸۷۰
۱۵ ۵ ۸۷۰	۱۵ ۵ ۸۷۵
۱۵ ۵ ۸۷۵	۱۵ ۵ ۸۸۰
۱۵ ۵ ۸۸۰	۱۵ ۵ ۸۸۵
۱۵ ۵ ۸۸۵	۱۵ ۵ ۸۹۰
۱۵ ۵ ۸۹۰	۱۵ ۵ ۸۹۵
۱۵ ۵ ۸۹۵	۱۵ ۵ ۹۰۰
۱۵ ۵ ۹۰۰	۱۵ ۵ ۹۰۵
۱۵ ۵ ۹۰۵	۱۵ ۵ ۹۱۰
۱۵ ۵ ۹۱۰	۱۵ ۵ ۹۱۵
۱۵ ۵ ۹۱۵	۱۵ ۵ ۹۲۰
۱۵ ۵ ۹۲۰	۱۵ ۵ ۹۲۵
۱۵ ۵ ۹۲۵	۱۵ ۵ ۹۳۰
۱۵ ۵ ۹۳۰	۱۵ ۵ ۹۳۵
۱۵ ۵ ۹۳۵	۱۵ ۵ ۹۴۰
۱۵ ۵ ۹۴۰	۱۵ ۵ ۹۴۵
۱۵ ۵ ۹۴۵	۱۵ ۵ ۹۵۰
۱۵ ۵ ۹۵۰	۱۵ ۵ ۹۵۵
۱۵ ۵ ۹۵۵	۱۵ ۵ ۹۶۰
۱۵ ۵ ۹۶۰	۱۵ ۵ ۹۶۵
۱۵ ۵ ۹۶۵	۱۵ ۵ ۹۷۰
۱۵ ۵ ۹۷۰	۱۵ ۵ ۹۷۵
۱۵ ۵ ۹۷۵	۱۵ ۵ ۹۸۰
۱۵ ۵ ۹۸۰	۱۵ ۵ ۹۸۵
۱۵ ۵ ۹۸۵	۱۵ ۵ ۹۹۰
۱۵ ۵ ۹۹۰	۱۵ ۵ ۹۹۵
۱۵ ۵ ۹۹۵	۱۵ ۵ ۱۰۰۰

۱۱۱ کا قدر رکھتی ہوں تو ان کا معیاری وزن ۹۸ چونڈ ہو۔  
۱۱۲ کا قدر رکھتی ہوں تو ان کا معیاری وزن ۱۰۳ چونڈ ہو۔  
۱۱۳ کا قدر رکھتی ہوں تو ان کا معیاری وزن ۱۰۹ چونڈ ہو۔

۱۱۴	۱۱۵	۱۱۶	۱۱۷	۱۱۸	۱۱۹	۱۲۰	۱۲۱	۱۲۲	۱۲۳	۱۲۴	۱۲۵	۱۲۶	۱۲۷	۱۲۸	۱۲۹	۱۳۰	۱۳۱	۱۳۲	۱۳۳	۱۳۴	۱۳۵	۱۳۶	۱۳۷	۱۳۸	۱۳۹	۱۴۰	۱۴۱	۱۴۲	۱۴۳	۱۴۴	۱۴۵	۱۴۶	۱۴۷	۱۴۸	۱۴۹	۱۵۰	۱۵۱	۱۵۲	۱۵۳	۱۵۴	۱۵۵	۱۵۶	۱۵۷	۱۵۸	۱۵۹	۱۶۰	۱۶۱	۱۶۲	۱۶۳	۱۶۴	۱۶۵	۱۶۶	۱۶۷	۱۶۸	۱۶۹	۱۷۰	۱۷۱	۱۷۲	۱۷۳	۱۷۴	۱۷۵	۱۷۶	۱۷۷	۱۷۸	۱۷۹	۱۸۰	۱۸۱	۱۸۲	۱۸۳	۱۸۴	۱۸۵	۱۸۶	۱۸۷	۱۸۸	۱۸۹	۱۹۰	۱۹۱	۱۹۲	۱۹۳	۱۹۴	۱۹۵	۱۹۶	۱۹۷	۱۹۸	۱۹۹	۲۰۰	۲۰۱	۲۰۲	۲۰۳	۲۰۴	۲۰۵	۲۰۶	۲۰۷	۲۰۸	۲۰۹	۲۱۰	۲۱۱	۲۱۲	۲۱۳	۲۱۴	۲۱۵	۲۱۶	۲۱۷	۲۱۸	۲۱۹	۲۲۰	۲۲۱	۲۲۲	۲۲۳	۲۲۴	۲۲۵	۲۲۶	۲۲۷	۲۲۸	۲۲۹	۲۳۰	۲۳۱	۲۳۲	۲۳۳	۲۳۴	۲۳۵	۲۳۶	۲۳۷	۲۳۸	۲۳۹	۲۴۰	۲۴۱	۲۴۲	۲۴۳	۲۴۴	۲۴۵	۲۴۶	۲۴۷	۲۴۸	۲۴۹	۲۵۰	۲۵۱	۲۵۲	۲۵۳	۲۵۴	۲۵۵	۲۵۶	۲۵۷	۲۵۸	۲۵۹	۲۶۰	۲۶۱	۲۶۲	۲۶۳	۲۶۴	۲۶۵	۲۶۶	۲۶۷	۲۶۸	۲۶۹	۲۷۰	۲۷۱	۲۷۲	۲۷۳	۲۷۴	۲۷۵	۲۷۶	۲۷۷	۲۷۸	۲۷۹	۲۸۰	۲۸۱	۲۸۲	۲۸۳	۲۸۴	۲۸۵	۲۸۶	۲۸۷	۲۸۸	۲۸۹	۲۹۰	۲۹۱	۲۹۲	۲۹۳	۲۹۴	۲۹۵	۲۹۶	۲۹۷	۲۹۸	۲۹۹	۳۰۰
-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----	-----

ہم نے زائے طبع اور اس زائے میں بچوں اور  
بچوں کا بلحاظ عمر معیاری وزن بتا دیا ہے۔ معیاری وزن  
در اصل صحت جسمانی اور عمدہ وضع جسمانی کا ایک معیار ہے۔  
اسی سے کسی کی عمر کا بھی تخمینہ کیا جاتا ہے اسی وجہ سے اگر شبیہ  
کچنیاں ہریکے وقت عمر اور وزن کے تناسب کا خاص خیال  
رکھتی ہیں۔ فوجی خدمات کے سلسلہ میں بھی معیاری وزن کو  
بطور خاص پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ بہر حال اب ہم صرف زائے طبع  
میں وضع جسمانی کے بعض حالات پر روشنی ڈالیں گے جس سے  
وضع جسمانی کی نوعیت صحت جسمانی کے اعتبار سے واضح ہو سکے  
طبع کے دور میں جسم کے بعض خصوصیات ایک نیا ہی تبدیلی پیدا  
ہوتی ہے اور یہ تبدیلی خاطر خواہ اس وقت ہوگی جب کہ اس  
خصوص میں بطور خاص خیال رکھا جائے کہ اس کے صحیح نشوونما کے لئے  
مناسب اور صحت بخش احوال پیدا کیا جائے۔ اس میں سب سے  
اہم غذا کا سوال ہے۔ انڈیا کرشٹ۔ چھل۔ چھل۔ چھل۔ چھل۔  
زائے طبعیت میں وضع جسمانی کے نشوونما میں بڑی مدد دیتے  
ہیں۔ دودھ کا استعمال اس زمانے میں بچوں کو اگر کرایا

جائے تو ان کے عام نشوونما میں بڑی ترقی ہوتی ہے۔ فلاکس  
اس زمانہ میں درکشل کا سوال بھی بہت اہم ہے۔ بالعموم  
اس زمانے میں عموماً بچے کے دل میں جسمانی طاقت کے  
حصول کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ اب یہ دیکھنا کہ جسمانی توانائی  
اور وضع جسمانی کو قوی کرنے کے لئے کس قسم کی ورزشیں کرنی  
چاہئیں۔ ہم نے معیاری وزن بتا دیا ہے اس کو پیش نظر رکھ  
اور یہ دیکھنا کہ اپنا وزن معیاری سے کم ہے یا زیادہ۔ کم ہونے  
کی صورت میں ایسی ورزشیں کی جائیں جو عضلات اور اعصاب  
کو تقویت پہنچاتے ہیں جن میں یہ ضرورت لاتی ورزشیں بہت سود  
مند ہیں۔ سیدھی سادھی ورزشیں بہ لحاظ صورت کسی باہر  
وضع جسمانی سے تیار کرانی چاہئیں اور اس کے حسب ہدایت ذرا  
صبح و شام ان ورزشوں کو کرتے ہیں۔ البتہ اس سلسلہ میں  
یہ ضرور یاد رکھنا کہ وزن رکھنے والے بچے کھیلوں میں  
زیادہ حصہ لیں۔ بلیک ورزشیں جو بہت کم تکنیکی ہیں اور جن کو  
بہت دیر کر کے بھی کر کے درمیانہ وزن میں درمیانہ جو بہت جلد  
تھکا دیتی ہیں ہرگز نہ کریں۔ کیونکہ اس قسم کی ورزشیں عضلات  
اور اعصاب پر بار ڈالتی ہیں اور اس قسم کے بار سے  
ان میں ممکن زیادہ پیدا ہو جاتی ہے اور اس سے عضلات  
اور اعصاب کے نشوونما میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ بظاہر  
انسان تو ایسی ورزشوں سے موٹا تازہ دکھائی دیتا ہے  
لیکن اس کا اردو خون ہائیمہ اور عصبی نظام پر بہت برا  
پڑتا ہے۔ وقت سے پہلے ہی اعصاب مکرور ہو جاتے ہیں۔  
اس میں کچھ شک نہیں کہ وزنی ورزشیں مثلاً۔ ڈومبل۔ بار اور  
بنگہ اور گٹار ڈانڈا اور بھنگ انسان کے جسم کو بہت جلد  
تیار کر دیتے ہیں۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ انسان کو اس قسم کی  
تیاری کی ضرورت ہے یا نہیں۔ بے ضرورت تیاری سے  
سوائے نقصان کے اور کچھ نہیں۔ وزنی ورزشیں بھی اپنی  
خاص خصوصیات اور افادیت رکھتی ہیں بشرطیکہ ان سے مناسب  
اور ضرورت کے لحاظ سے فائدہ اٹھا جائے جسم کی تیاری کا  
مطلوبہ ہر وقت معیاری وزن رہے۔ اگر آپ کو اپنا معیاری وزن

موتانا نہ صرف وضع جسمانی کو بھرا کر دیتا ہے بلکہ ایسے وضع جسمانی کی تمام کیفیات اور خیالات بھی کچھ نہ کچھ بھرا دین ضرور دے ہوئے ہیں۔

زمانہ بلوغ میں وضع جسمانی کی تمیز میں متوازن  
 غذا و ورزشوں و ورزشوں کے علاوہ عادات کو بھی زیادہ  
 دخل حاصل ہے۔ اس زمانہ میں اکثر یہ دیکھا جاتا ہے  
 کہ بچہ اپنے آپ کو بچہ کم سمجھنے لگتا ہے اس میں عقل دیگر  
 کا تصور زیادہ پیدا ہو جاتا ہے وہ دیکھتا ہے کہ اس کے  
 بڑے یا بزرگ کیا کرتے ہیں۔ اسی تصور میں وہ اپنے بڑوں  
 کی عادات کو دیکھ کر ان کی عادات کو حاصل کرنے میں کوٹھ  
 رہتا ہے۔ یہ ہماری بد قسمتی ہے کہ ہم جو اپنے آپ کو بچوں کے  
 بزرگ و سرپرست سمجھتے ہیں ان کی ایک خاص عادات میں  
 چھنے ہوئے ہیں۔ ہمارے کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے کی  
 عادات میں صحت نہیں ہوتی۔ اس خصوص میں میں نے  
 اس سے قبل کی تقریروں میں بہت کچھ توضیح کی ہے  
 لیکن زمانہ بلوغیت کے اعتبار سے بچوں کو جن عادات سے  
 باز رکھنا ہے ان میں سرگرم شوخی پائے نوشی، مان کا  
 استعمال بہت پیش پیش ہیں یہ عادتیں صحت بخش شوخی  
 نہیں۔ بلکہ ہر کچھ لطف آجاتا ہے لیکن اس لطف کے پس منظر  
 کئی آفتیں پنهان ہیں۔ ان عاداتوں سے وضع جسمانی اور  
 اس کی صحت بخش حالت پر کافی برا اثر پڑتا ہے۔ بلوغ جو  
 تیاری کا زمانہ ہے اس میں انصاف پیدا ہو جاتا ہے۔ ان  
 عاداتوں کے متعلق تفصیل سے بیان کرنے کی یہاں گنجائش  
 نہیں۔ لیکن اس قدر بیان کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ ان  
 عاداتوں سے جسمانی تخیلات میں فتور پیدا ہوتا ہے اور کئی ایک  
 جنسی کمزوریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ لباس  
 کی وضع قطع بھی اس زمانہ میں خاص اہمیت رکھتی ہے۔  
 جہاں تک ہو سکے تنگ کپڑے نہ پہنے جائیں۔ لڑکیوں کا  
 سے زیادہ بناؤ نگہار کو خیال اور اپنی اڑتی کے عادات  
 کا متوازی استعمال ان کی تدریجی جسمانی حالت میں رکاوٹ ڈالنے کا

لی گیا تو یہ کھٹکے آپ نے وضع جہانی کی پوری قاطبیوں کو حاصل  
 کر لیا ہے۔ کم ذنن رکھنے والے وضع جہانی میں کئی نقص  
 پیدا ہوتے ہیں۔ بالخصوص زائد بولخ میں بیانی پر اثر پڑتا  
 ہے۔ جو کہ زبانی ہے۔ دماغی کاموں میں دل نہیں ٹھکتا۔  
 حافظہ بھی کچھ ایسا ویسا ہی ہوتا ہے۔ قوت ملاحظہ میں فتور  
 آجاتا ہے۔ نفسیاتی اعتبار سے بھی ان میں کئی ایک خرابیاں  
 پیدا ہو جاتی ہیں۔ چرچا پڑاؤ میں پیدا ہونے لگتا ہے۔ بار بار معمولی  
 باتوں پر غصہ آئے لگتا ہے۔ صبر و تحمل و طبیعت میں استقلال  
 بہت کم رہتا ہے۔ جب جہانی آورد دماغی اعتبار سے انسان  
 اپنی کم ذریوں کو محسوس کرنے لگتا ہے تو اس میں ایک عام  
 ہستی رونما ہونے لگتی ہے جس سے اس کے آئندہ دور زندگی  
 کے منازل میں بڑی بڑی رکاوٹیں پیدا ہونے لگی ہیں بالآخر  
 وہ ایک کم ذرہ شخصیت کے تحت ایسا کام زندگی بسر کرتے ہو  
 ہو جاتا ہے۔ اس طرح سمجھائی ذنن کے اعتبار سے جن کا ذنن  
 زیادہ کم وہ اور بھی زیادہ توجہ کے قابل ہیں اگر مثنوی کو  
 حسب حال رکھا جائے تو نہ صرف بظاہر وضع جہانی بھی معلوم  
 ہونے لگتی ہے بلکہ اس میں خرابیوں کا ایک اور اسلامی  
 سلسلہ قائم ہو جاتا ہے۔ جو کہ پڑنے کا پہلا اثر قوت باطن پر پڑتا  
 ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جو کہ پڑنے سے پہلے زیادہ پیما جاتا ہے۔ وہاں  
 غفلت اور اضمحساب پر توجہ دیا جاتا ہے۔ ایسی حالت میں جسم  
 کا ذرونی اعضا بجا دباؤ سے بیزار ہو کر بغاوت کرنے لگتے ہیں۔  
 ذیابیطس غلن کا دباؤ نیز نظام باطن اور دوران غلن سے  
 متعلق امراض میں نتیجہ حلاوت ہونے جاتے ہیں۔ زائد بولخ  
 میں اگر مثنوی پر نگاہ رکھی جائے تو آئندہ زندگی میں ان جہلک  
 امراض سے سابقہ نہ پڑے گا جو بچے سمجھائی ذنن سے  
 زیادہ ذنن رکھتے ہوں وہ غلن کے معالجہ میں بہت احتیاط  
 کریں۔ ترک کاربوں اور بھلوں کا استعمال زیادہ کریں۔ پانی کم  
 پئیں۔ پسینہ آور درزئیں اور کھیل زیادہ کھیلیں۔  
 سنے نظری بہت دوری و درزئیں موزوں ہوتی ہیں لیکن  
 چکی اور دشوں کے ساتھ ان درزئوں کو ملا کر کریں۔ بہر حال

اور ناقوان، ظاہر ہے کہ ایسی کمزور وضع جسمانی رکھنے والے  
بچے آئندہ قوی ترقی میں کیا فاک ہاۓ نہیں گئے۔ عرض ضرورت  
اس امر کی ہے کہ برائے لوگوں اور لڑکیوں کی نگہداشت بلوغ  
کے زمانے میں خاص طور سے کریں تاکہ وہ آئندہ ایک صحت مند  
ہاں اور باپ بن کر طاقتور اولاد پیدا کریں۔

(لاسلکی نشر گاہ حیدرآباد سے لپڑا گیا)

محمد غوث الدین

باعث ہوتے ہیں۔ زمانہ بلوغ میں سب سے اہم بات جو مصلحت  
طلب ہے اس زمانے کی شادیوں میں جو زمانہ بلوغ میں وضع علی  
کی ترقی میں سدراہ ہوتی ہیں۔ کم عمری میں شادیوں کے باعث  
وضع جسمانی کا پورا نشوونما اپنی جگہ رک جاتا ہے۔ ایک تو خود  
اپنی وضع جسمانی کی بربادی ہوئی اور دوسرے وقت سے پہلے  
اولاد جو لگے کے باعث بچے اپنے کمزور اور ناقابل پیدا ہو گئے  
ہیں جو بہ مشکل زندہ رہتے ہیں۔ اگر زندہ رہے بھی کئے تو کمزور

## حسین گماں!

دھیمی دھیمی ہے ہوش کی قندیل  
آؤنگا ہوں میں کچھ نخل سنا ہے  
ہو رہی ہے جنون کی تکمیل  
ہر عمل میرا بے عمل سا ہے

(۲) تیرے ان زنگسی کمزوروں میں  
میرے ماضی کا خون چھلکتا ہے  
اور ان سرخ سرخ ڈوروں میں  
ایک آنچل ہے جو جھلکتا ہے  
میری زینت کا سرخ سرخ آنچل  
اس کے شانوں پہ یوں سرکتا تھا  
جس طرح زینت کا نقاب اٹھے  
اور وہ مر مر میں گداز سا جسم  
مخم کیفیت، مست ناز سا جسم

میری باہوں میں یوں تھرکتا تھا  
جوں ترپ کر حسیں جاباٹھے  
میری امید ہو گئی بے گل

(۳) ہو رہا ہے گمان پلکوں پر  
دل شکن، دلنواز پلکوں کا  
تیری جادو بیان پلکوں پر  
ان کھیلے دراز پلکوں کا  
(۴) تیری نظریں ہیں موج ہائے جنوں

اے مری نگار، زندہ باد  
پوچھ مت مجھ سے میرا حال بول  
اے سراپا بہار، زندہ باد  
تنگی اور بھی ہو جس سے فزوں

وہ نظر بار بار زندہ باد افسردہ

# اندھیرا

دور سے وہیلے کی لٹکاک آواز بار بار کان میں آتی تھی۔ نہ جانے کس کی ادھی بچی، لوگ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے تھے۔ ششکان کی طرف جا رہے تھے۔ سب کے چہرے موت کے خوف سے زرد تھے۔ ایک عورت سر جھکا کر سسکیاں اٹھاتی تھی جڑے کے ساتھ ساتھ جا رہی تھی۔ دم بدماس کی سسکیاں تیز ہو رہی تھیں۔ یہ بیوہ تھی۔ دکھوں کی ماری خراب عورت۔ اس کے ساتھ ہی اس کا بچہ ہڈی میں آگ لے جا رہا تھا۔ انان نہیں جانتا تھا کہ آگ کس لئے لجا رہا ہے۔ وہ اپنی روتی ہوئی ماں کے ساتھ تھاموسٹھ چل رہا تھا۔ گرج اس کے بالوں کی موسیقی، بچہ اس کے گالوں سے چھو رہا تھا۔ وہ خود بخود آگ میں پڑا تھا۔ دکھ کر چپختے لگا۔ عورت نے آگ کے ہاتھ کرنا ہی سے اسے گود میں اٹھا لیا اور سینے سے لٹکا کر زور زور سے رونے لگی۔ یہی آپ اس کا سہارا تھا۔ بچہ اس کے سینے سے لگ کر اپنی کوشش ہو گیا۔ اس کی چٹائی کی طرف دیکھا۔ لوگ نہ جھکا کر نہ موش کھڑے تھے۔ مشکوں کے درمیان اسے اب بھی رامو کو کھانا ملتا ہوا جسم نظر آ رہا تھا۔ سرخ سرخ شملوں نے اسے گور سے ہونے والی یاد دلادی تھی اور وہ خاموشی کی یاد میں کھو گئی۔

وہ نئی خاموشی ہو کر آتی تھی۔ دن بھر وہ اور رامو ساتھ لاکھ کرتے۔ بچارہ بڑے پرستے سے مکان بن۔ یہ تھا اور وہ وہ کی بہت ضرورت تھی۔ وہیں ایک بچہ ان دونوں کو کام لے گا تھا۔ انھوں نے مالک سے تھوڑی سی رقم لے کر اپنی بھوپڑی بنائی تھی۔ صبح صبح بھوپڑی آواز سن کر وہ جلد بامسل مکان کی طرف روانہ ہو جاتے تھے۔ دن بھر ساتھ لاکھ کرتے۔ ایک دم دھڑکے قریب پہنچے اسے انھیں کچھ زیادہ ٹھکن محسوس نہیں ہوتی۔ وہ دن بھر تپیں کرتے ہونے کا کام کرتے۔ یہی رامو شہادت سے اس کے کان میں کچھ کہہ دیتا۔ وہ دھڑکا کر سر جھکا لیتی۔ اس طرح دن آہستہ آہستہ گزرا جاتا اور شام میں وہ دونوں لوٹتے۔ وہ کھانا پکاتے تھے۔ علی اور رامو اپنے سے کہیں نکلے۔ دن بھر کی گزرتے رہے۔

ہوئی آتی اور آتش میں جاگ اٹھیں جتنی کے دن رامو اس سے غائب اور بھٹا نہیں۔ چٹا کے طے ہو گئے تھے۔ فضا میں کچھ آواز نہ آ رہا تھا۔ رامو اس کی زندگی پر غصہ جھکا تھا اور خود کو مارنے کے باوجود اسے نہ نہیں مار رہا تھا۔ وہ جانتے جانتے ہی اس کی موت کا کام تھا۔

بازار سے گھال اور کھانڈ کے گورے خرید لیا۔ اس نے اپنی شادی کی ساڑی پہنی۔ سوت کی موٹی سرخ ساڑی۔ اس کے ہاتھوں میں پٹیل کے دو کھڑے تھے۔ یہی اس کا زور تھا۔ رامو نے اپنے لائے ہونے کے لیے اسے پہنا دینے اور خود بھی ایک اپنے گلے میں ڈال لیا۔ اس کی بھوپڑیوں سے بھی مراد اور جو تپیں نکلتی تھیں اور سب نے مل کر ہوئی تھیں۔ چھوڑتیں ہوئی کاکیت کا تے تھیں۔ زیادہ رات گئے کہ وہی ہنگامہ بڑھ کر سب اپنی اپنی بھوپڑیوں کی طرف واپس آئے۔ وہ بھی ٹھکی ہوئی اپنی بھوپڑی میں داخل ہوئی۔ رامو نے پیچھے سے آکر اس کے چہرے پر گھال لٹ دیا۔ سرخ سرخ گھال چٹا کر شملوں کی طرح۔

مکان کا کام نہ پوری سے ختم ہو رہا تھا۔ رامو کو بھر خود ہی کی فکر تھی۔ اپنی اپنی آواز سے آواز کی ایک ڈھنگ کی سی گڑبڑ کی طرح وہ ساتھ نہیں رہ سکتے۔ وہ کہیں اور نہ ہو کر کہنے کے جانے تھی۔ شام میں دونوں مائل کر لوٹتے۔

رامو اب پیچھے ہٹا بیٹا دست نہ رہا تھا۔ گرتی کے شیشے نہیں سے جس کی سمت تڑپا رہی ہوئی تھی۔ وہ رات بھر کھانسی سے پریشان رہتا تھا۔ اس کے نئے زیادہ سے زیادہ ضروری کرتی تاکہ رامو کا کچھ ملے۔ علاج علاج ہو سکے۔ وہ اپنے پہلے کے دوست سے اس کا معنی کر دیتی رہی۔ گورس کی حالت گرتی ہی گئی۔

ایک دن وہ اس کے گھر میں گئی۔ بل کہ نہ جانے میں ان دونوں نے بھی جدایا تھا۔ وہ مالک سے انجیا نہیں کرتی تو اگر اس کے رامو کے علاج کے لئے کچھ روپیہ قرض دے گا۔ اسے ناکام کرنا تھا۔ اس نے جانتے تو ست۔ اس کی مالک کہہ رہی تھی ابھی پڑھنا بلکہ کوئی دن لوگوں نے اپنی غلطی سے مرنا کر کھات۔ ان کا یہ دوسرے طریقہ جو پڑا ان راد ان سے ہم وقت تھا۔ ہر ایک کو جھوٹا رسائی تھا۔ خراب ہو جاتی تھی وہ نہ نہاں سن کر ناکا کر لیتا تھی۔ وہ بھی نہ جانے کی آہستہ گور بھونک کر اپنی بات کہنے لگا۔ رامو کو اس سے قاتل نہیں۔ شادی کا بھی ان لوگوں پر پڑا ہے۔ جو دولت مند ہیں۔ انہی نے اور اور کچھ پھر وہ انھوں نے کیا کرے۔ وہ بھی نہ پڑا۔ وہ بھی اور راد اسے کہتے تھے۔

کے لئے چھوڑ کر مل گیا تھا۔ وہ راد اس کا بچہ سیکھ کر رہے۔ گزرا۔ یہ تھا میں کچھ آواز نہ آ رہا تھا۔ رامو اس کی زندگی پر غصہ جھکا تھا اور خود کو مارنے کے باوجود اسے نہ نہیں مار رہا تھا۔ وہ جانتے جانتے ہی اس کی موت کا کام تھا۔

بچہ سمجھ گیا تھا



# تفہیم و تبصرہ

## اسلام کے معاشی تصور

حیدرآباد دکن - قیمت ۳ روپے ۱۲۰ ۸۱۲۰ سرکاری  
۳ روپے ۸۱۲۰ کلدار - جج ۲۵۸ صفحہ

غلام دستگیر رشید صاحب نے بائیس مقالوں کو ایک کتاب کی صورت میں ترتیب دیا ہے۔ ہر مقالہ اپنی جگہ نہایت اہم اور قابل غور ہے۔ آج کل عوام قصہ و عیاں جو ان طبقہ نظام اشتراکیت سے بہت متاثر ہے۔ اور اسلامی نظام پر اسے غوریت دیتا ہے۔ لافین ترتیب نے اس مجموعہ کی اشاعت سے اس غلط فہمی کو دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ پیشروں میں اس کے معاشی نظام کے مفصل پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے مولانا عبد الماجد دیوبادی، مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی، مولانا ابوالکلام آزاد، ڈاکٹر عبد اللہ اور علامہ اقبال کے مضامین میں اشتراکیت اور اسلام کا بہترین موازنہ موجود ہے۔ مسلمانوں کو موجودہ معاشی پسندوں کا حل ڈھونڈنے کے لئے اس کتاب کو رہبر بنا سچا ہے۔

## اسلام کے سیاسی تصور

حیدرآباد دکن - قیمت ۳ روپے ۱۲۰ ۸۱۲۰ سرکاری  
۳ روپے ۸۱۲۰ کلدار - جج ۲۵۸ صفحہ  
سیاست کے مختلف پہلوؤں پر نظر ڈال کر دیکھا گیا ہے کہ مکمل خانہ کیسی نظام اسلامی ہے اور وہ اسلامی نظام ہے۔ مفکران کی کتاب میں ہر شخص کے لئے اسلامی سیاست سے واقف ہونا ہے ضروری ہے اور اس سے واقف ہونے کے لئے اس کتاب کا مطالعہ ضروری ہے

## سالنامہ آج کل بالتصور

قیمت سالانہ ۵ روپے  
سالانہ چندہ دینے والے

رسالہ آج کل اردو کا پندرہ روزہ رسالہ ہے۔ اس سال کی مقبولیت اس امر کی شاہد ہے کہ رسالہ عام فہم اور پیکر اس میں معلوماتی مضامین خاص طور پر شامل کئے جاتے ہیں۔ مستند اور مشہور لکھنے والوں کے مضامین بھی سالانہ میں موجود ہیں۔ غرض ادنی اعتبار سے تو یہ رسالہ بہت بلند نہیں لیکن معلوماتی لحاظ سے یہ ہندوستان کا واحد مفید رسالہ ہے۔ زیر نظر سالانہ میں تاریخی، نسلی، تعلیمی، معاشیاتی مضامین اشاعت کرائے اور نظمیں سب سے شرف میں زبان عام فہم ہے۔ ہر رنگ و مذاق کے مضامین موجود ہیں۔

## نئی جامع تاریخ ہند

نئی جامع تاریخ ہند - ایک روسی اشاعت کا ترجمہ ہے۔ اشاعت شیلی نہیں زندہ حقیقت ہے۔ اس میں ایک روسی عورت کی داستان حیات، انقلاب کی گہمی پرچوں نے انقلاب میں مردوں کے برابر حصہ لیا اور اپنی عورت اور عورت کی قربانی قومی آزادی کے لئے کی۔ انقلاب سے پہلے اور بعد کی روسی زندگی کا اچھا مطالعہ ہے۔

## ابو جعفر منصور

ابو جعفر منصور - اشاعتی اکادمی، طبعہ نزل، تھانہ لاہور - قیمت ۱۵ روپے  
تاریخ کی اہم شخصیات کی سوانح عربی، شائع کرنا قومی معیار، اصلاح کو بلند کرنے اور بنانے کے لئے ضروری ہے۔ یہ بھی اس قسم کی سوانح عربی ہے۔ طرزیان دلچسپ ہونے اور اچھا تھا کیونکہ لہجہ ان طبقہ نصیحت میں دلچسپی کو ڈھونڈتا ہے۔

”زس“

# نتیجہ امتحان اردو ادبی (دوم) بابۃ

- ۱۲۵۔ محمد عبدالغفور  
۱۳۱۔ میر حسن علی  
۱۳۲۔ محمد خواجہ  
۱۵۰۔ سید افضل  
۱۶۱۔ شیخ بوجراثر ایل  
۱۶۴۔ امجد ادبیر  
۱۶۹۔ حسن  
۱۷۲۔ غلام صمدانی  
۱۹۱۔ کنیا پرکاش  
۱۹۲۔ محمد یعقوب  
۲۰۳۔ محمد بیگ  
۲۰۸۔ محبوب شریعت  
۲۱۴۔ دیا شکر دیویدی  
۲۱۶۔ عبدالقادر  
۲۱۹۔ دوست خاں  
۲۲۰۔ عبدالعزیز  
۲۲۳۔ امجد ادبیر پرشاد  
۲۹۶۔ محمد عمر خاں  
(کامیاب)  
۱۹۔ رام سب  
۲۰۔ محمد عبدالرحیم  
۲۳۔ شیخ چاند  
۲۶۔ محمد حفیظ اللہ  
۲۰۔ محمد عبدالجبار  
۳۲۔ محمد نسیں  
۳۳۔ شیخ شجاع الدین  
۳۳۔ سید حسین

(کامیاب یا امتیاز)

- ۲۱۔ نور احمد  
۲۲۔ عبدالعزیز خاں  
۲۳۔ محمد عثمان  
۲۶۔ محبوب خاں  
۳۱۔ چند زمانہ پرشاد  
۴۰۔ احسان احمد خاں  
۴۹۔ اتیار حسین خاں  
۵۱۔ شام سندر  
۵۹۔ سید سلطان محمد الدین  
۶۲۔ عبدالحق خاں  
۶۳۔ منور علی خاں  
۶۹۔ عبدالحمید  
۷۰۔ احمد حسین خاں  
۷۶۔ محمد عبدالرحیم  
۸۰۔ منور خاں  
۸۱۔ محمد اسحق  
۸۶۔ احمد حسین  
۸۸۔ مارکھنڈے سنگھ  
۸۹۔ رنجیا  
۹۴۔ شیخ ابراہیم  
۱۰۲۔ شیخ محبوب  
۱۱۶۔ نثار ان سنگھ  
۱۱۹۔ عبدالرشید  
۱۲۱۔ محمد فاضل  
۱۲۲۔ سید غوث  
۱۲۳۔ محمد پاشا

حسب ذیل امیدواروں نے علی الترتیب  
سب سے زیادہ نشانات حاصل کئے۔

- ۲۱۴۔ دیا شکر دیویدی اول (بلدہ فوج)  
۳۷۸۔ شوکت جہاں بیگم دوم (نظام آباد)  
۱۶۱۔ شیخ بوجراثر ایل سوم (بلدہ فوج)

بمطابق رول نمبر  
مرکز بلدہ (ناماشہ)  
(کامیاب یا امتیاز)

- ۳۔ محمد بیگم  
۴۔ نوشہ بیگم  
۵۔ مریم بی  
۷۔ ہاجرہ بی  
۸۔ رابعہ بی

(کامیاب)  
۱۔ کنیزہ عائشہ  
۹۔ صالحہ بیگم  
مرکز بلدہ (ذکور)  
(کامیاب)

- ۱۰۔ محمد حسین  
۱۱۔ محمد عبدالوہاب انصاری  
۱۲۔ رام سوامی  
۱۴۔ حیات خاں  
۱۵۔ ٹوٹی ستیا رام  
۱۶۔ ابوالحسن محمد ریاض الدین  
۱۷۔ جے رام ناتھم  
مرکز بلدہ (فوج)

۱۳۷۔ خوش الدین	۸۵۔ شیخ علی الدین	۲۰۔ شیخ احمد
۱۳۸۔ نور خاں	۹۰۔ ہمایوں	۲۱۔ سید رسول
۱۳۹۔ غلام حسین	۹۱۔ محمد شہاب الدین	۲۲۔ سید الفاضل
۱۴۰۔ رام رتن پرشاد	۹۲۔ گارگین دین	۲۳۔ سلطان خاں
۱۴۱۔ نذیر احمد	۹۳۔ علامہ علی	۲۴۔ عسکریہ
۱۴۵۔ وحید الدین	۹۵۔ عبد الوہاب	۲۵۔ محمد قاسم
۱۴۷۔ سرور خاں	۹۶۔ مشتاق حسین	۲۶۔ سید نور الدین
۱۵۱۔ عوض بن سید ابی اہل	۹۷۔ حاجی خاں	۲۷۔ غلام مصطفیٰ خاں
۱۵۲۔ عبدالقادر صاعری	۱۰۰۔ مرزا قیصر بیگ	۲۸۔ غلام حسین الدین
۱۵۳۔ عمر باجمید	۱۰۱۔ محمد ابراہیم	۲۹۔ خواجہ خاں
۱۵۴۔ سید عرفیادی	۱۰۲۔ محمد یعقوب	۳۰۔ تاج محمد
۱۵۵۔ احمد علیس	۱۰۳۔ محمد خلیف الدین خاں	۳۱۔ سیدہ بیگم
۱۵۶۔ علی عکبری	۱۰۵۔ ابوالفضل بن سعید	۳۲۔ محمد باجمید
۱۵۷۔ سالم بلشرم	۱۰۶۔ علی احمد	۳۳۔ امین الدین خاں
۱۵۸۔ حبیب عبدالرحمن بغدادی	۱۰۸۔ عبد الباقی خاں	۳۴۔ محمد رفیع الدین
۱۵۹۔ حبیب خاں	۱۰۹۔ محمد عظیم الدین	۳۵۔ ملک شاکر علی خاں
۱۶۰۔ محمد خاں	۱۱۰۔ شیخ نور محمد خاں	۳۶۔ عبد الرزاق خاں
۱۶۲۔ ناصر باجرائی	۱۱۱۔ شاہ راز خاں	۳۷۔ فیض شریف
۱۶۳۔ احمد بغدادی	۱۱۲۔ عبد الوہاب	۳۸۔ محمد باجمید
۱۶۵۔ محمد بادمج	۱۱۳۔ محمد مصطفیٰ	۳۹۔ احمد خاں
۱۶۷۔ صلاح مشتاق	۱۱۴۔ احسان الدین خاں	۴۰۔ قدرت اللہ بیگ
۱۶۸۔ احمد باخوان	۱۱۶۔ خضر خاں	۴۱۔ نور محمد
۱۷۰۔ تیسر	۱۱۸۔ سید رسول	۴۲۔ عبد المجید خاں
۱۷۱۔ عبد الرحمن	۱۲۰۔ محمد مولانا	۴۳۔ عبد الرحیم خاں
۱۷۲۔ محمد	۱۲۳۔ کے کے جوتی	۴۴۔ شیخ عبدالقدوس
۱۷۳۔ سید	۱۲۵۔ غلام رسول	۴۵۔ محمد حسنین
۱۷۴۔ عمر	۱۲۹۔ محمد ابراہیم	۴۶۔ مسعود خاں
۱۷۶۔ عبد الحق	۱۳۳۔ محمد نظام الدین	۴۷۔ محمد عبداللطیف
۱۷۷۔ عبد القادر	۱۳۵۔ محمد عبدالوہاب	۴۸۔ شیخ محمد بیگ
۱۷۸۔ محمود	۱۳۹۔ محمد باجمید	۴۹۔ محمد سلطان

۲۶۵- گشتی	۲۲۳- قلی کونا	۱۸۱- شیخ نظام الدین
۲۶۶- سید میردام مرقی	(کامیاب)	۱۸۲- واپس خاں
۲۸۰- ایدم بالسیا	۲۲۶- جعفر خاں	۱۸۸- محمد جبار نیکر
۲۸۱- کنگر اچکریا	۲۲۸- جوزت	۱۸۹- عبدالعزیز
۲۸۲- یو میرا راجیا	۲۲۹- جوزت دوات	۱۹۵- محمود علی
۲۸۳- اندر نرما	۲۰۳- زینب	۱۹۶- محمد خاں
۲۸۴- دی نادر	۲۲۳- شهباز خاں	۱۹۷- غوث الدین
۲۸۵- سید علی	۲۳۵- شیخ محبوب	۱۹۸- علی بن محمد مانی
۲۸۶- نور محمد خاں	۲۳۶- شیخ محبوب	۲۰۰- نرسیا
۲۸۷- بی بی مایا	۲۳۹- عبدالحمید	۲۰۱- محمد امام الدین
۲۸۸- سید علی	۲۳۹- محمد قسطل	۲۰۲- محمد عباد الله
۲۸۹- محمد علی مایا	۲۵۰- محمد مولانا	۲۰۵- سید یوسف
۲۹۰- دشتو نیکر	۲۵۵- محمد خاں	۲۰۷- بنده علی
۲۹۱- مولو کوری اوشو نام	مرکز دوم کنده (ذکور)	۲۰۹- شیخ صفر
۲۹۳- ایدم نادر	(کامیاب به اختیار)	۲۱۰- محمد حسین
مرکز دوم کنده (مات)	۲۹۶- پیر میری سید نام مرقی	۲۱۱- شیخ سعید الدین
(کامیاب به اختیار)	۲۷۰- دلی سید	۲۱۳- محمد یونس
۲۹۲- سید علی سوسلیه	۲۷۸- پیر میری ابرام مرقی	۲۱۵- محمود علی
مرکز ماکر کولی (ذکور)	(کامیاب)	۲۱۷- فیاض علی
(کامیاب به اختیار)	۲۶۰- سعید	۲۱۸- سید چاند
۳۰۳- محمد علی سید	۲۶۱- کشتی	۲۲۱- محمد غوث
۳۲۳- محمد علی سید	۲۹۲- سیدی بهاشم	۲۲۳- گوپال بی
۳۲۹- سید وزیر الدین	۲۹۵- سید نادران راو	۲۹۳- محمد عبدالرشید
(کامیاب به اختیار)	۲۹۷- پودری ناگیا	۲۹۴- کریم خاں
۲۹۴- محمد عبدالعزیز	۲۹۸- دیکنده بهوسیب	۲۹۵- محمد اسماعیل دوم
۲۹۷- محمد نظیر الدین	۲۹۹- دلی میرا	۳۱۶- محمد غوث الدین
۲۹۹- محمد علی سید	۲۷۱- گوپال بال	۲۹۸- نادران سنگه
۳۰۰- عبدالغنی	۲۷۲- نرسموان راو	۳۰۰- عبدالحمید خاں
۳۰۱- سید علیات	۳۰۰- ایدم نرسیا	مرکز بمبئی
۳۰۲- سید علی	۲۷۳- آسانی راهو	(کامیاب به اختیار)

۳۰۳۔ محمد قاسم	۳۳۰۔ نظام الدین	۳۶۷۔ وکیلٹ رالمو
۳۰۶۔ کرشن گھاراؤ	۳۳۲۔ محمد عبدالقید خاں	مرکز نظام آباد انارٹ
۳۰۹۔ محمد عظیم الدین	۳۳۳۔ عبدالغنی نقی	(کامیاب بہ اختیار)
۳۱۰۔ بی. وکیلٹ رالمو	۳۳۳۔ کلیم الدین احمد	۳۶۸۔ شوکت جہاں بیگم
۳۲۰۔ محمد جہانگیر	۳۳۵۔ منظور احمد	۳۶۹۔ امتیہ انجم
۳۲۱۔ بی. نرہیت زیدی	۳۳۶۔ احمد حسین	۳۷۳۔ جمیل النصار بیگم
۳۲۲۔ غلام غوث خاں	۳۵۰۔ افتخار علی خاں	۳۸۳۔ رقیہ اختر جہاں
۳۲۸۔ غلام دوست علی	۳۵۱۔ محمد تغیر الدین	(کامیاب)
مرکز ناگل کر نول (انارٹ)	۳۵۲۔ عبدالقادر	۳۶۸۔ شامتا بانی
(کامیاب بہ اختیار)	۳۵۳۔ شجاعت علی خاں	۳۶۹۔ کلادوتی
۳۳۱۔ مانندی	۳۵۵۔ شیخ محمد صلیف الدین	۳۷۰۔ روحی بانی
(کامیاب)	۳۵۶۔ محمد مولانا	۳۷۳۔ دور بانی
۳۳۵۔ نیسبانی	۳۵۷۔ سید وحید الدین	۳۷۴۔ گنگوٹانی
مرکز نظام آباد نوکورا	۳۵۸۔ محمد علی	۳۷۵۔ راجی بانی
(کامیاب بہ اختیار)	۳۶۰۔ گنگارام	۳۷۶۔ طاہرہ بیگم
۳۳۷۔ مجتبیٰ حسین	۳۶۱۔ کے دیر گپتا	۳۷۷۔ رفیع بیگم
۳۳۸۔ محمد اعجاز الدین قریشی	۳۶۲۔ وی. رائیٹور راولپنڈی	۳۸۰۔ امتیہ انجم
۳۳۹۔ محمد عبدالغفور	۳۶۳۔ دیو سنگھ	۳۸۲۔ افسر پاشا
(کامیاب)	۳۶۵۔ بی. فرسیا	۳۸۶۔ حمید الشار بیگم
۳۳۹۔ نصیر الدین	۳۶۶۔ زرمکو	۳۸۸۔ نجم النصار بیگم
		۳۸۹۔ عابدہ بیگم

مرکز بٹنی، لاہور میں آج کو صبح ۱۰ بجے ہی پہنچا اور، جسکے قریب کچن اسلام کو گیا اور وہاں قریشی صاحب سے ملاقات ہوئی قریشی صاحب نے میری آمد سے قبل ہی خطاب مولوی عبدالحق صاحب مولوی کوہ سے استفاد کیا کہ جسے استفاد کیا اور انہیں کھانا کین میری برقی سے برقی ملاقات نہ ہوئی ملاقات خاندان میں اسلام میں میرے لئے ایک کہہ کا انتظام کیا گیا تھا۔ وہ میرے ساتھ ملاقات کے لئے سے قریشی صاحب اور ان کے رفقاء کے ساتھ کہہ کہ انتظامات میں ایک تھے۔ یہ کہہ دیا میرے دندوں تھا ایک ایک ایک حاضر کی کھد پرچہ تعمیر کے لئے اور وقت سے پہلے ہی امیدواروں نے جوابی ملاقات دیدئے۔ قریشی صاحب کی خواہش پر میں نے اپنے امتحان لیا اس کے بعد میرے جوابی چوں کو فائدہ میں بند کر کے ہر گاہ کی گئی امتحان کا کہہ انتظامات کی تعریف میرے لئے میرے ہوتے ہوئے اس کا جواب قریشی صاحب نے میرے پاس کی اس امتحان کی وجہ اور ان کے رفقاء کے کہہ میرے بہت دشواریوں کا خاتمہ کر کے قریشی صاحب نے تشکر انھوں کی طرف کامیابی کے ساتھ فرمایا ہے وہ قابل تحسین دور و دور بہت افزائی ہے۔ آخر میں میں قریشی صاحب اور ان کے رفقاء کی تعریف کا دل سے شکریہ ادا کیا کہ میرے لئے اس وقت چاہیے بلکہ میری صاحب کام کو میرے قیام کی وجہ سے ان کا یہ چھوٹا چارہ جاب قریشی صاحب کی توجہ اور انھیں کہہ انتظامات کو بہت ترقی ہوئی میری بدقسمتی تھی کہ صاحب علی صاحب مولوی صاحب سے ملاقات نہ ہوئی کہ یہ وہ کسی کام پر تھی سے اب کہہ ہوتے تھے۔ "قادی"

# ادارہ ادبیات اردو کی چند ادبی کتابیں

اس مجموعے کی اشاعت سے جدید اردو شاعری میں ایک گرہ لگا  
اضافہ ہوا ہے صفحات ۷۸ قیمت چھ  
چٹا راگھو نیر راہ صاحب قریب  
میرزا کاغذی (۱) عالم پوری (۲) اہلیا رباعیات کا مجموعہ  
ہے۔ اس کے ذریعہ سے سنسکرت ادب کا شاعری کے حلقے  
اور ماضی پہلو کو اردو میں منتقل کیا گیا ہے۔ اکثر رباعیاں سنسکرت  
اور بھاشا کے نسخوں کے خیالات کا نقل ہیں اور بعض خود ان کے  
دل و دماغ کی سنسکرت کاوش کا نتیجہ ہیں۔

سادگی، سلاست، خیالات سے ملے ہوئے اور طرز بیان  
اس قدر سادہ اور بے تعلک کے سمجھنے کی طرح کہ ان میں بھی سمجھنے  
پر باقی دل کی دھڑکن ہے جو شعر محمد بن قحطی ہے۔ ابتدا میں  
جناب امیر القادری صاحب کا ایک بیضا اور معلومات سے قریب مقدمہ  
ہے جس میں انھوں نے سنسکرت اور ہندی شاعری پر روشنی ڈالی  
ہے صفحات (۱۲۰) قیمت چھ

یہ مولوی عزیز احمد صاحب کی اسے آئندہ (۱۹۲۰)  
ماہ لفظ ہے۔ پروفیسر عزیز احمد صاحب نے ہندوستانی  
در شہر کی طویل نظموں کا مجموعہ ہے جس میں یورپ کی شاعری کے  
منہج اثرات جلوہ گر ہیں۔ جدید یا ترقی پسند اردو شاعری کے دلائل  
اس کا ضرور مطالعہ کریں۔ صفحات (۱۰۰) قیمت چھ۔

فیض سخن — میر تقی میر صاحب کی اردو شاعری کے  
میں اثرات — میر تقی میر صاحب کی اردو شاعری کے  
نوع کی بات ہے۔ ان کا کلام ان کا دل کی آواز ہے۔ وہ ایک عالمی کتب  
شاعری کے بانی ہیں جسے جیسے جیسے شاعری میں تصوف کی رنگ  
آئینہ کرتا ہے۔

ڈاکٹر سید علی الدین قادری نے دورے سے حضرت فیض کے کلام  
کا بہترین انتخاب شائع کیا ہے۔ اس کے ساتھ ان کا ایک تعریفی  
افروز مقدمہ بھی ہے جس میں فیض کی حیات اور شاعری پر تحقیق  
بحث کی گئی ہے۔

گر یہ مقبسم — یہ مہاراجہ دیش مکش کی نظموں اور غزلوں کا بہترین  
مجموعہ ہے۔ جناب دیش مکش نے اردو کے نوجوان شعرا میں ایک خاص  
انتخاب کے ایک ڈیزاں کا کلام بہت ہی جموں ہے۔ عالیجناب  
ڈاکٹر زور صاحب کا دیرپا مجموعی اور جناب پروفیسر سروری کا  
مقدمہ بھی اس کے ساتھ شائع ہوا ہے۔ جدید شاعری سے  
بہتر رکھنے والوں کے لئے اس کا مطالعہ دلچسپی سے خالی  
نہیں ہے۔ صفحات ۸۲، طباعت و کتابت نفیس کاغذ اعلیٰ  
قیمت ملے پر سنہری نام، قیمت عال

نمود زندگی — کلام کا مجموعہ ہے جو نہایت سلیقہ سے ترتیب  
دیا گیا ہے۔ اس میں ۱۰۰ غزلیں (۱۰۰ غزلیں) اور ۱۰۰ رباعیات  
ہیں۔ سید علی منظور صاحب نے اردو کے فنیہ عشق شعور شاعروں  
میں سے ہیں۔ ان کی شاعری کے قدر دان دور دور پہلے ہوئے  
ہیں اور وہ کوئی مشہور و مستند رسالہ یا اخبار نہیں جس میں اس کے  
دن ان کی غزلیں اور غزلیں نہ چھپی ہوں اور یہ یہ غزلیں ایک  
رسالے سے دوسرے رسالے میں نقل کی جاتی ہیں۔ علی منظور صاحب  
محمد صاحب کے ان چند اصحاب شاعر ہیں جن سے وہیں جنہوں  
اپنے کلام میں زندگی کی مسیح برپائی کی اور اس میں کامیابی  
بھی حاصل کی صفحات (۲۱۲) قیمت چھ

حضرت علی احمد صاحب نے اردو کی غزلوں اور نظموں  
الوارہ سے کچھ ایسا مجموعہ ترتیب دیا ہے جو اب و تاب کر رہا  
شائع کیا گیا ہے۔ علی احمد صاحب ہندوستان کے نوجوانی کے  
شاعروں میں سے ہیں جن کا کلام ان کے  
دل کی آواز اور غزلیں زندگی کی کچھ بھی ہے۔ وہ نہ صرف  
ایک کہتے عشق اور دیگر شاعر ہیں بلکہ صراحت اور شباب پر ان کی  
نظر بہت دلچسپی ہے۔ ان کے کلام کے مطالعہ سے یہ صاف ظاہر  
ہوتا ہے کہ ہندوستانی کے دماغ نے کون سا دل کی آواز ہے  
زمانے میں ہوا ہے جو شاعری کی شاعری کی شاعری ہے۔

تذکرہ ہے اس کی ترتیب بھی اسی منسلک ہے جیسی پہلے کی ہے  
ہر شاعر کے سوانح حیات اور نمونہ کلام کے ساتھ ساتھ اس کی  
شاعری پر تبصرہ بھی کیا گیا ہے۔ ان دونوں کتابوں سے حیدرآباد  
کی گزشتہ اور موجودہ شاعری کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔  
صفحہ ۴۳۱ تصاویر و قیمت

**تاریخ گوگنڈہ** :- کے معلم تاریخ پروفیسر عبدالحی صاحب مدنی  
ایم۔ ایل۔ ایل بی نے سلاطین اقلب شامیہ کی نہایت مستند اور  
مبسوط تاریخ قلند کی ہے جس میں گوگنڈہ اور اس کے آس پاس  
کی سلطنتوں کے تعلقات و کن کا تذکرہ ارتقا و بادشاہوں اور  
امیروں کے حالات، لڑائیاں علم و فضل کی سر پرستی غرض ہر  
پہلو پر درجہ دار اور قلمی تاریخ کی مدد سے روشنی ڈالی ہے۔  
اپنے موضوع پر پہلی کتاب ہے جو اس اہتمام اور محنت سے لکھی  
گئی ہے۔ ساری سوانحیں سوئے زیادہ صفحات قیمت (۱۰۰)  
یہ کتاب بھی پروفیسر عبدالحی صاحب مدنی  
مقدمہ تاریخ و کن :- نے نہایت تحقیق اور محنت سے مرتب  
کی ہے اس میں انھوں نے مزین و کن کے عیسوی مکران خاندانوں  
آغاز ارتقا وروج اور زوال کے تعلق تغیراتی معلقات کے علاوہ  
حکمرانوں کا بوجہ و نسب اور حکمرانوں کی تاریخیں بھی قلند کردی  
ہیں اس کتاب کے آخر میں ایک بیواؤ اشاریہ بھی ہے۔ متوسطہ نقل  
۴۳۲ صفحات قیمت (۵۰)

**سیرالاربع** :- یہ کتاب ادارہ کے شعبہ تالیف و ترجمہ کی  
مولوی فیض محمود صاحب مدنی بی۔ اے ایم۔ ایل میں جن کو سوانح  
نگاری کا خاص کلمہ ہے اور مفید معلومات کو بطورے دلچسپ اور سادہ  
پیرایہ میں قلند کردیا ہے۔ یہ کتاب بد رسوں کے طلبہ اور عوام  
کے مطالعہ کے لئے بہت ضروری ہے۔ چھپائی قطعہ دم صفحات قیمت  
مجلد (۱۰۰)۔

نواب حماد الملک سید حسن بگڑای عالم فاضل  
عادل الملک :- بہت سے کلام و دہر اور غزلیں تھے۔ وہ آخر غزل

اس کتاب میں غزلیات کے علاوہ فیض کی شہرہ اور دیگر  
کلام کا بھی انتخاب شامل ہے جس کے علاوہ سے معلوم ہوتا ہے کہ  
حضرت خواجہ میر درد اور شاہ سراج اورنگ آبادی کے مخلصین  
و عرفان اور شعریں کا امتزاج جتنا اچھا حضرت فیض کے کلام  
میں موجود ہے کسی اور اردو شاعر کے یہاں نہیں ملتا۔ تھرا لکھنات  
(۱۳۸۲) مع تصویر و قد حضرت فیض قیمت ۱۲  
ڈاکٹر احمد حسین بائی کے کلام کا دلچسپ اور عیاری  
باد و سخن :- انتخاب ہے۔ ان کے کلام میں سادگی اور نداداد  
بے غنی ہے اس انتخاب کے ساتھ ڈاکٹر سید علی الدین صاحب قادری  
ذکر کا معرکتہ آلا مقدمہ بھی شریک ہے۔ جس میں داخل اور مائل  
کے معرکوں کا بھی تذکرہ درج ہے۔ صفحات ۱۲۰ قیمت ۱۲

**متاع سخن** :- نواب عزیز یار جنگ بہادر عزیز و آغ دلو کی  
شاگرد اور حیدر آباد کے ایک نیکو منتقل شاعر ہیں۔  
ان کے کلام میں ادبی لطافت اور زبان کی پاکیزگی نمایاں ہوتی ہے  
اس انتخاب کے ساتھ جناب ڈاکٹر سید علی الدین قادری دوست کا مقدمہ  
بھی ہے جس میں ان کی شاعری پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ شاعری اور  
زبان کا ذائقہ رکھنے والے اصحاب کے لئے اس کا مطالعہ دلچسپی  
سے خالی نہ ہوگا۔ نقد و مصنفات ۱۲۹ مع تصویر شعر قیمت ۱۲

**مقنن سخن جلد اول** :- یہ دکن کے عیسوی شعرا کے دور و صفیہ  
مقدمہ اساتذہ طلبہ و افسانہ نویس اس تذکرہ کی تالیف میں  
حصہ لیا ہے۔ یہ تذکرہ پانچ و دروں پر مشتمل ہے جو دور کے شروع  
میں ایک نمونہ ہے جس میں اس کی ادبی خصوصیات پر روشنی ڈالی  
گئی ہے۔ ہر عہد کے مشاہیر شعرا کے حالات ان کے کلام کا نمونہ اور اس  
پر تبصرہ ہے ان شاعروں کے تذکرہ کے ساتھ دیگر ہم عصر و کئی اور  
شعرا کی ہند کے شعرا کے نام دیے گئے ہیں تاکہ اردو شاعری کا  
تاریخی منظر معلوم ہو سکے۔ شاعروں کی تصویروں کے علاوہ  
فرما زوایاں و کول اور قدروان ادب و شعریں بھی تصویریں شریک  
ہیں۔ (۵۰۰) صفحات ۵۰۰ تصاویر و قیمت (۵۰)

**مقنن سخن جلد دوم** :- یہ سب سے شعرا کے دور و صفیہ کا تصویر

کیونکہ گزشتہ ربع صدی میں اردو تجاہل شعاعوں اور ادیبوں سے متعلق ایسی نئی معلومات حاصل ہوئی جارہی تھیں کہ اس وقت جو بھی کوشش کی جاتی وہ نامکمل رہ جاتی، اب اردو کی گزشتہ صدی تاریخ بڑی خوبصورت نگاہ سے لکھی جا رہی ہے اور بہت سی ایسی کتابیں لکھی جاتی ہیں جن کی وجہ سے ایک مربوط اور مسلسل تاریخ مرتب کر لی جا سکتی ہے۔ اس کہولت کے پیش نظر ادارہ نے یہ تاریخ مرتب کرائی ہے۔ یہ تاریخ صرف طلبہ اور عوام کے لئے لکھی گئی ہے۔ اردو صحافت اور ادب سے دلچسپی رکھنے والے طلبہ و صحابہ کے لئے ایسی معلومات کا بہترین ذریعہ ثابت ہوگی جو یہ قطعاً ۶۹ صفحات قیمت ۱۰۰

**اردو شاعری کا ارتقا** - افسانہ اور مباحثہ کے اظہار کے لئے صرف اس کے مصنف پروفیسر عبدالقادر صاحب سرسوری کا نام ہی کافی ہے۔ سرسوری صاحب کی نظر اردو شاعری کی تاریخ پر تاریخی وسیع اور باریک ہیں۔ اس کی خصوصیت میں خود حاضر کے کسی متعلق و ادیب کو ان کی ہم عصری نصیب نہیں۔ اردو شاعری کی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے اصحاب کے لئے یہ کتاب ایک نعمت غیر متوقع ہے جو اپنے موضوع اور اہمیت کے لحاظ سے سب سے پہلی کامیاب ترین کوشش ہے۔ یہ کتاب دس ابواب پر مشتمل ہے جن سے اس کی اہمیت اور تلاش و جستجو کا اندازہ ہو سکے گا۔ بڑی سائز (۱۲۳) صفحات قیمت ۱۰۰

**مغربی نقاشی کے اردو ترجمہ** - ڈی جے بیٹن کی تصانیف میں سے اس کتاب کے مصنف مولوی حسین صاحب ایم اے نے ان تمام انفرادی اور اجتماعی کوششوں کو اکاب جمع کر دیا ہے جو صدیوں سے اردو زبان کو مالا مال کرنے کے لئے دوسری زبانوں کی کتابوں کو اردو میں منتقل کرنے کے سلسلہ میں کی جاتی رہی ہیں۔ یہ تذکرہ نہایت اہمیت اور تحقیق سے سمجھا گیا ہے اس لئے مستند بھی ہے اور مفید بھی۔ نقد ادب اور تاریخی طریقہ تحقیق کے علاوہ ماخذوں کے متعلق معلومات حاصل کرنے میں ایسی کتابوں کی خاص

سیاسی سازشوں اور ہنگامہ آویزیوں سے بچ رہے انھوں نے حیدر آباد کو طبع کی ایسی دولت سے لالامال کر دیا جس کی وجہ ان کا نام رہتی دنیا تک اس ملک کی تاریخ میں زمرہ رہے گا۔ مولوی فیض محمد صاحب مدتی نے اپنی اہم اور نئے ان کے سوانح پر بڑے قریب سے مرتب کئے ہیں طلبہ اور عوام کے لئے اس کا مطالعہ بہت مفید ثابت ہوگا۔ چھپائی و تصنیف ۶۹ صفحات قیمت ۱۰۰

**میر محمد مومن** - میں چنواں سلطان اور وزیر سلطان تھے۔ دینی عروج کے علاوہ ان کی دینی سیادت و فضیلت بھی بہت مشہور ہے۔ انھوں نے نزار مارو سپہ کے صوفیوں سے ایک دائرہ بنایا تھا جس میں خاک کر لائے محلی بھیادی تھی۔ اور یہ دائرہ اب تک دائرہ میر مومن کے نام سے حیدر آباد میں مشہور و معروف ہے۔ میر محمد مومن صاحب علی بابا کے فارسی شاعر بھی تھے اور حیدر آباد آنے سے قبل شاہ ایران کے استاد و بچارہ پکے تھے۔ ان کے نہایت تفصیلی اور تحقیقی حالات زندگی اس کتاب میں جناب ڈاکٹر سید فی الدین قادری نے درج کیے ہیں۔ دیکھ کر قبول عام اسلوب میں تحریر فرمائے ہیں۔ تقریباً تین سو صفحات میں تصاویر قیمت ۱۰۰

**مدراں میں اردو** - اعلیٰ علمی و فاضل نے مدراس میں اردو کے فن و فنکاروں اور اس کے ارتقا کی تاریخ پیش کی ہے۔ کتاب کو نو ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہر دور کے شاعروں اور شاعرانہ کلام کے سوانحیات اور غور سے کلام فہمیل سے درج ہے۔ تاریخ ادب اردو سے دلچسپی رکھنے والے اصحاب کے لئے اس کا مطالعہ ضروری ہے۔ صفحات ۲۰۰ قیمت جلد چھ

**تاریخ ادب اردو** - تاریخ ادب میں کئی کئی اچھی اردو زبان اور ادب کی کوئی اچھی اس موضوع پر دو چار کتابیں چھپ چکی ہیں لیکن ان سے نہ عالموں کی ضروری نوری ہو سکتی ہیں اور نہ عوام اور طلبہ کی۔ اردو ادب کی کوئی مکمل تاریخ اس سے قبل لکھی جا چکی تھی



بھی خواہ کے علمی و ادبی کا ناموں، طریقہ تعلیم، تلامذہ، کتب خانہ اور دینی حمایت اور تبلیغ کی کوششوں اور اس کے اچھٹکی لیب کی درس گاہوں اور دو کے پروفیسروں اور بیرونی خواہوں کا ایک اجمالی تذکرہ ہے۔ اس کتاب کو جناب ڈاکٹر زور صاحب نے نہایت تحقیق اور جانفشانی سے تالیف کیا ہے۔ طباعت و کتابت دیدہ زیب صفحات (۱۲۰) قیمت چم۔

اس میں دکن کی چار گرجاؤں خاتین انشا پر دواز  
**تذکرہ ولی** - محترمہ جہاں بالو بیگم صاحبہ، محترمہ نعین النساء بیگم صاحبہ، محترمہ نسیم الدین بیگم صاحبہ اور محترمہ نجم النساء بیگم صاحبہ کے دلچسپ مضامین ہیں جو بائے نیچہ حضرت ولی اور ملک آبادی کے حالات زندگی اور خصوصیات کلام پر نہایت دلچسپ اسلوب میں اور جدید ترین نقطہ نگاہ سے لکھے گئے ہیں۔ ان مضامین میں ولی کی معلومات ان کے تخیل ان کے فن نگار اور ذوق عرفان کے علاوہ ان کے اسلوب زبان اور انتخاب الفاظ کے مستقل بھی نہایت سفید اور دلچسپ بحث کی گئی ہے۔ ولی کے متعلق یہ پہلی مستقل اور جامع کتاب ہے۔ اس کا مطالعہ شائقان ادب کی کئی کاپی کا باعث ہوگا۔ صفحات ۸۰۰ طباعت و کتابت نفیس کاغذ اعلیٰ قسم جلد پردہ رنگہ نہری نام قیمت جلد مال۔

**محبت کی چھانچول** - مرزا ظفر حسن صاحب بی اے کے چودہ اس کے جلد افسانے عشق و محبت کی دلوں پر لکھی ہیں اور حسن و خواہ کی رخصتوں سے معمور ہیں۔ ہر فن میں تخیل کی جولانیاں اور مشاہدات کے تاثرات کا فرما ہیں۔ نوجوانوں کے نفس العینی معاشرہ کی کچی تصویر اور مصروف زندگیوں کے لمحات فرصت کے لئے ایک شائستہ ذہنی تفریح ہے۔

چھوٹی قطع (۱۳۲) صفحات قیمت جلد چم۔

اہمیت ہوتی ہے۔ چھوٹی قطع ۴۰۰ صفحات قیمت جلد چم۔  
**آریائی زبانیں** - اس کے مافذوں کا مستند تذکرہ ہے جس کو ادارہ کے لئے ڈاکٹر مسدیش و صاحب ایم اے ڈی لٹ پر پروفیسر سکرت و لسانیات نے خاص طور پر مرتب کیا ہے۔ صفحات ۱۰۴ قیمت ص۔

**شعرا عثمانیہ** - جس میں شعرا نے جامعہ عثمانیہ کے کلام کا پاکیزہ انتخاب درج ہے۔ یہ مختلف نظموں اور غزلوں کا گلہ زنگ و بو ہے۔ ابتدا میں ہر شاعر کے کلام پر ایک مختصر مگر مفید تنقید کی گئی ہے۔ تقریباً بیس سال سے یہ جواہر پارے کے پڑے تھے جن کو مولوی سید معین الدین صاحب قریشی ایم اے اور مولوی عبدالعظیم خاں صاحب باقی ایم اے (رہبرج اسکالر) نے نہایت سلیقہ سے مرتب کیا ہے۔ انہیں خیالات کا لطف و جوتو کہیں زبان کا کہیں جذبات کی سازگی اور بلندی ہے تو انہیں اسلوب بیان کی بدت۔ کلام کا انتخاب اس خوبی سے کیا گیا ہے کہ ہر شاعر کی عظمت اور اس کا معیار اور سے طرز پر سامنے آتا ہے۔ جدید اردو شعاری کے معانات کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے ایک کیاب اور کار آمد تحفہ ہے۔ رائل سائز (۲۳۱) صفحات ہارمور قیمت جلد مال۔

**محمد حسین آزاد** - اس کے کمال حالات زندگی ایک شائستہ نہیں ہوئے تھے۔ اس کتاب کو محترمہ جہاں بالو بیگم صاحبہ ایم اے نے بجز ارادہ و دلکش انشا جامعہ عثمانیہ نے نہایت طرح و بسط اور تفصیل کے ساتھ تلمیذ کیا ہے یہ کتاب سات ابواب میں تقسیم کی گئی ہے جن میں آزاد کی زندگی، شاعری اور نقاشی سے متعلق کمال معلومات شامل ہیں۔ مع تقریر آزاد (۲۰۰) صفحات قیمت مال۔

**گارساں و تاسی** - اردو کے پہلے پروفیسر فرائس کے شعور و گارساں و تاسی - معشر شرق اور ہندوستان میں کے

لئے کاپی: سب کس کتاب گھر خیریت آباد حیدر آباد دکن سے طلب فرمائیے۔



# ادارۃ ادبیات اردو کی کتابیں

قیمت	ت	نام کتاب	قیمت	ت	نام کتاب
روپیہ	مقسا		روپیہ	مقسا	
۴	۴۸	... سحر کا جادو	۸	۸۰	... من کی بیٹا
۸	۶۸	... طبیعیاتی کائنات	۸	۶۴	... سرگزشت غالب
۱۲	۱۲۴	... متاع سخن	۴	۴۰	... نظام الملک
۱۲	۱۲۲	... کیف سخن	۸	۳۳۰	... تاریخ گولکنڈہ
۱۲	۱۲۷	... بادہ سخن	۱	۱۶۰	... ریختہ نمبر (۸ تصاویر)
۱۲	۱۵۲	... سراج سخن	۱۲	۱۱۲۰	... ارمغان جذب
۱۲	۱۲۰	... ایمان سخن	۸	۲۱۸	... یورپ جنگ سے پہلے
۱۲	۱۴۴	... فیض سخن	۸	۳۷۲	... تاریخ سیاست
۵	۵۰۰	... مرقع سخن جلد اول (۵۵) تصاویر	۶	۴۸	... سر سالار جنگ
۵	۴۳۲	... دوم (۵۰)	۴	۱۴۵	... مغربی تصانیف اردو کے تراجم
۱	۱۷۵	... نقد سخن	۴	۱۳۲	... مصیبت کی چھاؤں
۸	۲۴۸	... نذر ولی	۴	۱۶۸	... اقبال نمبر
۲	۱۹۲	... گریہ و تپس	۱	۱۱۲	... سالنس کے کرشمے
۱	۱۸۳	... معافیہ قندھار دکن	۱۲	۲۳۰	... شعرا کے علمانیہ
۱	۱۴۵	... من کی دنیا	۸	۳۰۰	... مکتوبات شاد عظیم آبادی
۸	۱۹۶	... مدراس میں اردو	۲	۱۶	... دادا بھائی
۲	۱۱۲	... محرم نامہ	۲	۲۰۰	... اردو نامہ
۱	۱۵۴	... نذر دکن	۲	۱۶۸	... سرگزشت حاتم
۸	۲۴۰	... روح غالب	۶	۴۰	... عماد الملک
۴	۲۰۰	... حاصر	۵	۵۶	... اردو دان کی پہلی کتاب
۶	۵۶	... دفتری معلومات	۵	۵۶	... دوسری کتاب
۶	۴۸	... آبدوز کشتیاں اور سونگ	۲	۲۰۰	... مصد حسین آبادی
۱۲	۱۴۳	... اردو مثنوی کا ارتقاء	۴	۱۲۰	... کاغذ کی فانی
۸	۲۱۶	... نمود زندگی	۸	۶۲	... فن تقریر
۱۲	۳۰۴	... سرگزشت ادارہ	۱	۱۴۵	... مقدمہ سر تاریخ دکن
۸	۳۱۲	... میر محمد مومن (۳۳) تصاویر	۸	۳۰۰	... ہندوستانی تمدن
۳	۳۲	... بلقان	۵	۸۰	... یودوئی کہانی
۱۲	۱۱۳	... خطا بدلت	۵	۵۰	... سر لقا
۱	۱۵۰	... علم خانہ داری	۶	۴۸	... پانی کی کہانی
۱۲	۸۰	... چپوٹی (۱۶) تصاویر	۸	۳۱۲	... رسالہ طیب
۸	۱۶۸	... ابواب	۴	۴۰	... سبک گوہر
۱۰	۸۰	... کشمش فانی (۴) تصاویر	۸	۷۶	... تاریخ ادب اردو
۳	۱۲۸	... کاساں دتاسی	۱۲	۲۲۴	... رفیق اردو دار
۱	۱۶۸	... رات کا بھولا	۸	۵۶	... اشوب
۴	۲۳	... سکند، جاہ	۱	۸۸	... حیدر آباد
۱۰	۵۶	... بلاغت	۸	۲۷۶	... شاد اقبال
۸	۲۰۰	... ادب سنہ ۱۹۳۴ء میں	۱	۱۰۴	... آرڈر آف انڈیا
۴	۳۲	... نامہ دولہ	۴	۳۱	... نامہ دولہ
۴	۳۲	... افضل الدولہ	۵	۳۶۶	... تذکرہ اردو مصنفین طاعت جلد اول
۴	۳۲	... نواب میر محبوب علی خان	۱۰	۵۶	... عرب اور عربستان





( ماء نامہ )

# سب اس



۷۰۹۵۸

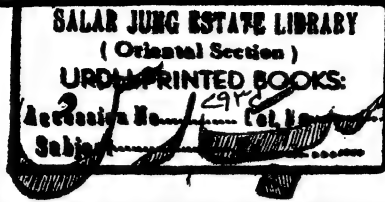
حیدر آباد دکن

ادارہ ادبیات اردو



# ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد دکن کا مہنامہ

ریزنگزانی  
ڈاکٹر سید محمد الدین قادری ندو  
مجلس ادارت  
خواجہ محمد سید الدین ایم اے  
نکینہ بیگم



نشان پستہ صفحہ ۱۵۳  
نشان پستہ برطانیہ ایم ۳۹۵۰  
ٹیلیفون نمبر ۲۲۰۹  
چند سالانہ ساراجیہ طبع  
بچوں کا سیکس انگریز پڑھانے

جلد ۹ باہت ماہ جنوری ۱۹۴۶ء شماره ۱

## فہرست مضامین

۱۔ اردو میں سنی ادب	۲۔ خواجہ محمد سید الدین ایم اے (عثمانیہ)
۲۔ ترقی پسند فن کار سے (نظم)	۳۔ بشیر انصاری (نظم)
۳۔ وصیت (افسانہ)	۴۔ خان بہادری عبدالرحمن عثمانی
۳۔ نوید زندگی (نظم)	۵۔ رومی (اورنگ آباد)
۵۔ جھلک (افسانہ)	۶۔ صحنی شاہ (عثمانیہ)
۶۔ نگہت پر باد (افسانہ)	۷۔ جہاں بانو (نظم)
۷۔ احترام از (نظم)	۸۔ شفیق صدیقی (جلیپور)
۸۔ فیشن	۹۔ فریدہ بی بی
۹۔ خوش آمدید (نظم)	۱۰۔ سلیمان اربیب
۱۰۔ دو قطعے	۱۱۔ قتیل شہنائی
۱۱۔ محوسات (غزل)	۱۲۔ محمود حق دہی
۱۲۔ مشرق (ترجمہ)	۱۳۔ اقبال شین
۱۳۔ دھوکے (نظم)	۱۴۔ محمد مصطفیٰ الدین ایم اے (آخری)
۱۴۔ محرق قلی قطب شاہ اور روانیت	۱۵۔ مظفر الدین ظفر فی اے (عثمانیہ)
۱۵۔ غزل	۱۶۔ شفیق بانو
۱۶۔ فریسیل (افسانہ)	۱۷۔ عظیم سید آبادی
۱۷۔ تجلیات (غزل)	۱۸۔ نوادر: بیعت علی خاں
۱۸۔ پستانوں اور صحت اور دل میں رسول نبی	۱۹۔ رشید قریشی ایم اے (عثمانیہ)
۱۹۔ نئی کتابیں	۲۰۔ حبیب (عثمانیہ)
۲۰۔ نظارے (افسانہ)	۲۱۔ محمد رفیع عثمانی
۲۱۔ ابراہیم ظفر (افسانہ)	۲۲۔ وضع شمسائی
۲۲۔ حسین گمان (نظم)	۲۳۔ اندر
۲۳۔ (افسانہ)	۲۴۔ شعیب و جبرہ
	۲۵۔ ادارہ کی خبریں
	۲۶۔ ادارہ



اردو میں نسائی ادب

شمس اللہ اور ثنا بان اودھ کے بعد انرو کو  
 علمی موضوعات سے روشناس کرانے کی باضابطہ و منظم  
 کوشش دہلی کالج میں کی گئی۔ اس کا دارالخلافہ عملی ان دونوں  
 سے زیادہ وسیع اور منظم تھا۔ غوث حسینی سے اس کو ایسے  
 ہی علم احباب کے تحریجوں نے اردو کے ہی۔ دامن کو مغربی  
 علوم کے حرا پر اردو سے ملا مال کر دیا۔ چونکہ اس کالج کا ڈیپٹی  
 تعلیم اردو تھا اس لئے نصابی ضروریات کے تحت سائنس  
 اور دیگر مغربی علوم کی کتابیں کے ترجمے کئے گئے اور  
 اس کے بغیر یا فیلز نے بھی اس قسم کی کتابیں تالیف کیں۔  
 مختلف علوم اور سائنس کی اشاعت کے لئے مسئلہ عام میں  
 دہلی و نیپلر ٹرانسلیشن سوسائٹی کا قیام عمل میں آیا جس نے  
 پہلی دفعہ ترجمے کے ایسے اصول مرتب کئے جو ترجمے کی اشکات  
 کو دور کرنے میں بڑی حد تک معاون ثابت ہوئے۔ اسے  
 اگرچہ یہ کالج مسئلہ عام میں قائم ہوا لیکن اس  
 ابتدائی (۳۰) سال کے حالات پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ البتہ  
 یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس حصر تک اس میں انگریزی  
 تعلیم کو کافی انتظام نہ تھا۔ مثل دوسرے مدارس کے عمرانی  
 فارسی کی مروریہ تعلیم ہوتی ہوگی۔ مجلس تعلیم عامہ کی سفارش پر مسئلہ  
 میں اس کالج کے لئے پانچ سو روپے ماہانہ مقرر کئے گئے اور باضابطہ  
 تعلیم انتظام عمل میں آیا۔

اس کے علاوہ میں نے اس ملک کی سفارش پر اس برس گاہ میں ایک انگریزی جماعت کھولی تھی۔ خواہ  
اچھا والدہ فیض علی خاں بہادر وزیر اودھ نے  
ملک میں ایک لاکھ ستر ہزار روپے تعلیمی اغراض کے لئے  
وقف کر دیے۔

اس کا علاج کی سب سے اہم خصوصیت اور اس کی کامیابی کا راز یہ تھا کہ یہاں کا ذوقِ تعلیم اور محنت کا انداز انگریزی کے دوسرے تمام مضامین مثلاً ریاضی، فلسفہ، ہیئت

(دہلی کلج کی خدمات)

اور سائیں کا تعلیم اردو میں دی جاتی تھی۔ مغربی علوم کو اردو میں پڑھانے میں سب سے پہلی رکاوٹ یہ تھی کہ ان علوم میں اردو میں کتابیں نہیں لکھی گئی تھیں۔ اردو کے کامیوں نے اس کی کو پرکار کرنے کے لئے ۳۰۰۰ء میں انگریزوں کی تحفہ قائم کی۔ اس سے قبل اسکول کیا سوسائٹی کی طرف سے ہزاروں لٹریچر کی کتابیں تیار ہو کر شائع ہوئی ہیں۔ سب ابتدائی قلم کار تھے جن میں سلسلہ میں انگریزیشن کمیٹی کے تحت ایک ذیلی کمیٹی کا قیام عمل میں آیا جس میں ایسے اصحاب کا انتخاب عمل میں آیا جو غریزی زبان سے اردو میں ترجمہ کرنے کے اہل تھے۔ کمیٹی نے پہلے کیا کو درسی کتابوں کی صفحہ کھینچت اور پھر ہفتی بھر اردو کھینچنے کے لئے کتابیں پہلے انگریزی میں لکھوائی جاتیں اور پھر ان کو اردو میں ترجمہ کر دیا جائے۔

دہلی وزیر پبلک سوسائٹی کے قیام کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ یہ تین کتابوں کی تالیف اور ترجمہ کے ذریعہ سے اردو زبان کو ترقی دی جائے۔ اس مقصد کو آگے بڑھاتے ہیں ہندوستانی اور انگریز برابر کے شریک تھے۔ اس سوسائٹی کے اغراضات کی بنیاد ان کے لئے چندے اور عطیے لئے کئے گئے۔ شاہ اودھ ان کے معاون اور ان کے منصوبہ و امراء نے بھی عطیے دیے۔ اسی طرح حیدر آباد دکن سے نواب سرائے الملک بہادر نے بھی رقمی عطیوں سے اس سوسائٹی کی مالی امداد کی اس سوسائٹی کے سرکاری مسٹر بیروں پرنسپل دہلی کالج تھے۔ سوسائٹی نے انگریزی سے اردو میں ترجمہ کرنے کے جو قواعد وضع کیے تھے ان کا ذکر کرنا ضروری ہے۔

(۱) سائنس کا کوئی ایسا لفظ جس کا مترادف اردو میں نہ ملے تو ایسے لفظ کو اردو میں تعبیر لے لینے میں کوئی عیب نہیں۔ مثلاً سوڈیم، کلورین وغیرہ۔

(۲) اگر تائیل کا کوئی نقطہ ایسا ہے جس کا متراویہ اردو میں موجود ہے تو اردو لفظ ہی استعمال کیا جائے جیسے

آٹھویں کے لئے دو سلف کے لئے گندہک وغیرہ۔

(۳) یہ ضروری نہیں کہ جو انگریزی الفاظ اردو میں لئے جائیں ان کو مجتبہ لکھا جائے بلکہ انہیں اردو میں ادا کرنے کی کوشش کی جائے مثلاً جٹل آت دی پیس کر اردو میں جٹل میں کہہ سکتے ہیں۔

(۴) سائنس کی کتابوں کا ترجمہ چونکہ انگریزی ہی سے کیا جائے گا اس لئے انگریزی الفاظ کا اردو میں استعمال ناگزیر ہے۔ بعض الفاظ ایسے ہیں کہ جن کے مترادف کسی نہ کسی صورت میں اردو میں پائے جاتے ہیں تاہم انگریزی الفاظ اردو میں منتقل کر لئے جائیں تو کوئی ہرج بھلیں مثلاً *Genus, species, order* وغیرہ

(۵) یہ بھی ہدایت کی گئی تھی کہ جہاں تک آسانی سے ممکن ہو انگریزی الفاظ کے استعمال سے احتراز کیا جائے۔ جو شخص کسی سائنس کی کتاب کا ترجمہ کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ اس سائنس پر جو کتابیں اردو میں اس سے قبل بھی جاچکی ہیں انہیں پیش نظر رکھے اور وہی اردو الفاظ اور اصطلاحیں استعمال کرے جو ان کتابوں میں استعمال ہوئی ہیں۔

(۶) اگر انگریزی جملے میں کسی ایسے واقعہ کی طرف اشارہ ہو جس سے اہل ہند ناواقف ہوں تو مترجم کو چاہیے کہ حاشیہ پر یا متن سبب ہو تو متن میں مختصر طور پر اس کی تشریح کر دے۔

(۷) جو الفاظ اردو میں مفہوم ادا کرنے کی کوشش کی جائے۔

(۸) کسی سطر کی اصطلاحات کو مجتبہ اردو میں لے لیا جائے۔ البتہ کیلیاتی عناصر جن کے نام اردو میں موجود ہیں تو انہیں برقرار رکھا جائے لیکن مرکبات کے نام انگریزی ہی میں رہیں جیسے ایٹم و سلفک۔ سلفک ایٹم وغیرہ۔

دہلی کالج نے اردو میں سائنس کی جو کتابیں شائع کیں ان کی اشاعت میں سٹر بتروس پر نیبل

کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ انہوں نے ہی سب سے پہلے یہ کام چھوٹے پیمانہ پر شروع کر دیا تھا جب سوسائٹی قائم ہوئی تو اس کا کام بھی کالج والے ہی کرتے تھے۔ ڈیٹیکل سوسائٹی ٹرانسلیشن سوسائٹی اردو سوسائٹی۔ لائبریری آف یوٹیل ناچ وغیرہ سب اسی کے نام ہیں سٹر بتروس کے خطبہ پر ڈاکٹر اسپرنگر پرنسپل ہونے جو ان کے صحیح معنوں میں باشندین تھے۔

اس انجمن کے قیام سے قبل دہلی کالج میں ترجمہ کا کام شروع ہو چکا تھا۔ چنانچہ کسی کالج کے تین طالب علم (جن میں سٹر راجندر پش پوتھی تھے) اوقات درس کے بعض اوقات اور ریاضی وغیرہ کی کتابوں کا ایک ایک صفحہ اردو میں ترجمہ کر کے سٹر بتروس کو دکھاتے اور وہ اس ترجمے کی اصلاح کرتے تھے۔ اس طرح جب ترجمہ مکمل ہو جاتا تو طباعت کے ذریعہ نیچے کی جماعتوں کے نصاب میں داخل کر دیا جاتا۔ دہلی کالج میں تراجم کی ابتدا ستر سالہ میں ہوئی جبکہ سٹر بتروس کا تقرر کالج کی پرنسپل ہوا۔ ستر سالہ ستر سالہ کے نصاب کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ سائنس کی تعلیم کس درجے تک تھی۔ ستر سالہ میں تو سائنس کی جماعت الگ قائم نہ تھی تھی اور جماعت اول تا ششم کی اردو میں سائنس داخلہ دیا جاتا تھا۔

غرض دہلی کالج ہی ایک ایسی درگاہ تھی جہاں مغربی علوم مثلاً طبیعیات، ریاضیات، فلسفہ وغیرہ کی تعلیم اردو میں دی جاتی تھی اور ستر سالہ میں اچھے رہتے تھے۔ جب کچھ سٹر کا محض پرنسپل دہلی کالج سے ری رپورٹ بابت ستر سالہ میں یہ لکھا ہے کہ

مشرقی شعبے کا طالب علم اپنے مغربی شعبے والے

جوہریت سے سائنس میں کمزور ہیں بڑا ہوا ہے

اس رپورٹ پر نقضت کو رتبہ دہلے نے اس طرح اظہار

خوشنودی کیا ہے۔

طلبہ (مجتبہ مشرقی) کی سائنس کی ترقی کے

(۲۲) حواصت (لائبریری آف ویلنگٹن کے رسالہ کا ترجمہ)

(۲۳) ہائیڈراکس ( " " " " )

(۲۴) Double refraction and Polarization of Light

(۲۵) رسالہ برق (ترجمہ راجٹ)

(۲۶) گالوان ازم ( " " " )

(۲۷) رسالہ اصول حساب (ترجمہ ڈی مورگن) باوہر و لونگ

کالج کے اساتذہ میں مولوی مولک علی، ماسٹر راجندر پٹ

اجرو حیا پر شاہ، پنڈت رام کشن دہوی، باوہر دیو سنگھ

ریاضی، سائینس اور طب پر مکتبہ کتابیں تھیں، ماسٹر راجندر

نے ایک کتاب شائع کی جس میں تقریباً (۱۰) حصوں پر مشتمل ہے

یہ سبکسکت (۱) کا ایک نیا طریقہ بیان کیا۔

اس پر پروفیسر کلاڈ (ڈیپلوم نیورسٹی) اور پروفیسر

(سین اینڈ روس) نے بہت اچھی رائے دی۔ ماسٹر راجندر

نے جو طریقہ ایجاد کئے ہوئے اور ہندوستان کے کالجوں میں

راجی ہو گئے، ڈاکٹر سید سجاد صاحب کا بیان ہے کہ انھوں نے

اس کتاب کا ایک نسخہ دہلی سے لا کر کتب خانہ جامعہ عثمانیہ میں

داخل کیا تھا۔ مگر ہم کو اس کا پتہ نہ چلا۔ اس کتاب کے

دوسرے میں ماسٹر راجندر نے لکھا تھا کہ "اس کتاب کی

کاپیاں انگریزی زبان میں مطبعہ میں بطور میں خود مختار

تھا" یہ کتاب انگریزی زبان میں لیتھو میں چھپی تھی۔ ان کی

ایک دوسری کتاب کلیات و جزئیات (۱۰ حصوں پر مشتمل)

مکتبہ میں چھپی۔ اس کتاب کے کئی

نئے ایڈیشن بھی گئے اور پروفیسر مارگن پروفیسر ریاضیات

لندن نیورسٹی نے اس کتاب کی بہت قدر کی۔ پروفیسر

موصوف نے ان کے چرمین کرل سائنس کو ایک خط لکھا

جس میں ماسٹر راجندر کی اس ایجاد کی بہت تعریف کی تھی

اور یہاں تک لکھا تھا کہ اس کتاب کے انتخابات انگلستان

کی ابتدائی تعلیم کے نصاب میں فزکس کے بائیں کورسٹان

ڈاکٹر کٹر (ایسٹ انڈیا کمپنی کے معزز ممبروں نے ایک ضلع

پنج پانچ اور دو ہزار روپے نقد بطور انعام ماسٹر راجندر کے لئے

جو تین دایا گیا جس سے سبکسکت ہو گیا

دلی کالج اور دہلی کالج سوسائٹی نے جو تحریک ادا کیا

شائع کی ان کی فہرست درج ذیل کی جاتی ہے۔

(۱) اصول علم شلٹ و تراش ہائے مخروطی و علم ہند

باجہ راجندر سنگھ

(۲) رسالہ مساحت متعل و علم شلٹ۔ پنڈت راجندر

سنگھ

(۳) رسالہ درجہ پائین انگریزی بوسیہ تصویف و طالع

ہر دیو سنگھ سنگھ

(۴) اصول قواعد باعیت، پنڈت ہادیو پیا پٹ

(۵) ہیر و مقابلہ، مولوی کریم بخش سنگھ

(۶) ہندوستان، رام چندر سنگھ

(۷) رسالہ تقاضائیں (لائبریری آف ویلنگٹن کے

رسالے کا ترجمہ) سید کمال الدین بیدر سنگھ

(۸) تقریر تھیمز مقالہ (۱۸۹۱ تا ۱۸۹۲)

(۹) الجبر (ترجمہ برجز)

(۱۰) عملی علم ہند

(۱۱) اصول علم ہند (ترجمہ علم ہند ہرشل)

(۱۲) رسالہ گریٹری (ترجمہ پارکر)

(۱۳) استعمال آلات ریاضی

(۱۴) تعلیمی علم ہند

(۱۵) میکانیات (لاٹو)

(۱۶) مساحت (ترجمہ نیو رولنگ)

(۱۷) طبیعیات (ترجمہ اناٹ)

(۱۸) رسالہ طب (انگریزی سے) پنڈت رام کشن دہوی

(۱۹) رسالہ جراحی

(۲۰) حرکیات و سکونیات

(۲۱) علم المناظر (ترجمہ لیلی)

کہیں جو الہ نہیں۔ سرور حق کی اردو عبارت یہ ہے۔

اصول

علم شلٹ و تراشش ہائے مخرومی و علم ہندسہ بالجبر کے ترجمہ راچندرا ساکارا علی دہلی کالج کے تفسیلات ہیں اور بوشارٹ صاحب اور کمن صاحب کے سے کہے۔

صفحہ (۲) اور (۳) پر نقشہ فہرست کی سرخی کے تحت کتاب کو حسب ذیل عنوانات پر تقسیم کیا گیا ہے۔

(۱) علم شلٹ مستقیم الاضلاع بالجبر (اس میں ۱۰ باب ہیں)

(۲) علم شلٹ مستقیم الاضلاع بالجبر (اس کے ۱۰ باب ہیں)

(۳) علم شلٹ کردی (جو چار ابواب پر مشتمل ہے)

(۴) تراشش مخرومی ( )

(۵) علم ہندسہ بالجبر (اس میں ۱۰ ابواب ہیں)

تہنہ

ترجمہ کے دیباچہ کا اقتباس کس طرح ذیل ہے۔

..... باعث تالیف کرنے اس رسالہ کا.....

کرتا ہوں..... کہ صاحب عالی مراتب والا مناقب جناب

بوٹروس صاحب بہادر پرنسپل مدرسہ دہلی کو منظور نظر یہ ہے کہ

جمع کتب علیہ انگریزی زبان سے اردو میں ترجمہ ہو کر طلبہ عربی

اور فارسی خوان کو پڑھانی جاوے اور طلبہ مدرسہ فارسی کا

بھی میل طبیعت طرف تحصیل علم ریاضی کے سبب ان کی سعی بیخ

کے بیخ سیکھنے سالہ جبر و قاعدہ کے جو اسی خاکسار نے پہلے تالیف

کیا ہے۔ دریافت ہوا اس سبب سے اس بیخیدان نے قصد

اس رسالہ کی تالیف کا کیا اور پہلے صاحب اور کمن صاحب

اور بوشارٹ صاحب کے معنیات سے استغاثت چاہی۔

باعث اس کا یہ ہے کہ بہت سی کتابیں علم طبیعت اور علم اوقات

کی زبان انگریزی میں ایسی ہیں کہ بغیر جاننے علم شلٹ اور قاعدہ

ریاضی کی سمجھنا ان کا مستحضر ہوتا ہے۔ پس اول بیان کرنا ان

مطالب ضروری کا جو کتب مذکورہ العبد میں سے افغانی کی

ہیں لازم پڑا..... امینہ ناظرین اس کتاب کے سے یہ

منظور رکھے اور یہ غلٹ و انعام سہلہ کے ایک طلبہ میں

ماسٹر راچندرا کو ان کی علمی و تعلیمی خدمات کے صلے میں عطا کیا گیا

کالج کے قلم طلبہ میں ماسٹر راچندرا نے جو بعد میں

دہلی کالج کے مدرس ہوئے تھے سائنس کی کئی کتابیں لکھیں۔

شمس الغلا و ڈوکارا نے ریاضی کی تمام شاخوں پر ادنیٰ

سے اعلیٰ اور سب سے تک نیز طبیعت و جبر و قاعدہ کا کتاب ہیں

لکھی ہیں جو سچاے خود ایک چھوٹا سا کتب خانہ بن سکتی ہیں۔ ہم

ان کی کتابوں کا آئندہ باب میں تفصیل سے ذکر کریں گے۔

مسئلہ ۱۸ کے چٹا کے دو سے دیا تھا ہوگی۔

کالج (۷) سال تک بند رہا اور مسئلہ ۱۸ میں حکومت ہند

نے اس کو لاہور کالج میں دم کر دیا اور جو عید علی دادی

کام ہو گا غلط اس کا خاتمہ ہو گیا۔ مولوی ڈاکٹر عبدالرحمن صاحب

اپنی کتاب "مروج دہلی کالج" میں اس طرح اپنے ولی تار تہ

کا اظہار کرتے ہیں۔

..... اس نے تعلیم کا صحیح طریقہ اختیار کیا تھا جس سے

بہتر کوئی اور ہمارے ملک کے حق میں ہو نہیں سکتا۔ اگرچہ اس

مٹنے ہی یہ طریقہ ہی مٹ گیا لیکن اتنی مدت کے تجربے کے بعد

ہماری یونیورسٹیاں رفتہ رفتہ پھر اسی طرف عود کر رہی

ہیں اور آخروں کی ڈھنگ اختیار کرنا پڑے گا۔ ایسی ملک

میں اسے مروج تو کیا شہید بھی کہیں تو چاہیے۔ کیونکہ وہ

بلاوجہ اور بغیر کسی الزام کے ملی اور سیاسی مصلحتوں کے

بحیث چل رہا تھا۔

بادجو کو تش اور تلاش کے ہم دہلی کالج کی طلبہ

میں سے صفت (۹) کتابوں کا بیچلا۔ اب ان کتابوں کے تعلق

تفصیلی مباحثات درج کی جاتی ہیں۔

اصول علم شلٹ و تراشش

مخرومی و علم ہند بالجبر

تفصیل ۱۰/۱۰۰/۱۰۰

۳۱۶۱ سنہ طبع

مسئلہ ۱۸ مترجم راچندرا

سرورق پراچندری اور

اردو روزن میں کتاب اور مترجم کے نام درج ہیں۔ مطبعہ کے نام

۱۔ علم شش کروی کے تحت قائم الزاویہ مثلثوں اور غیر قائم الزاویہ کروی مثلثوں کے سوالات حل کرنے کے طریقے بتدریج بیان کئے گئے ہیں۔  
۲۔ تراشیں مخروطی کے تحت بمن قسم کے خطوط کا حامل فوج ہے بمن کو قریب البیضوی، بیضوی اور بعید البیضوی کے نام سے معلوم کیا گیا ہے۔ اور ہر خط کے متعلق ضروری معلومات اور اشکال دی گئی ہیں۔

۳۔ علم منہبہ بالجہ میں عمالات ہمریہ کے ذریعہ سے معادیر ہندی معلوم کرنے کی ترکیب مساوات خط مستقیم و تراش ہانے مخروطی وغیرہ کا تفصیلی بیان ہے۔  
۴۔ تیرہ کی سرخی کے تحت توس اور کرہ مخروطی مساوات کا حال درج ہے۔

۵۔ اس کتاب کا اسلوب بیان تعزینا دی ہے جو اس سے پہلے کی کتابوں کا ہے۔ عربی الفاظ کا ترجمہ جگہ استعمل ہو رہے مثلاً: علی الاستقامت۔ فی النبت۔ متعلق علی الفواہیم۔ مہین اور منطبق وغیرہ لانا کو مانتا۔ ہاتھ کو ہات۔ لوکارم کو لوکارم کھا ہے۔

۶۔ اس کتاب کے بعد کتاب کے آخری صفحات (۱۱ تا ۱۳) ضلعی سے لگ گئے ہیں۔ یہ کتاب کچھ جامعہ عثمانیہ میں نمبر (۱۰) پر رکھی ہوئی ہے۔

(باقی آئندہ)

خواجہ جمیل الدین

صحیفہ مشین پریس میں چھپ کر دفتر ادارہ  
رفعت منزل خیریت آباد سے شائع  
ہوا۔

۷۔ کہ اگر ہر وقت مطالعہ کے اس کی طلب و یا پس پر مطلع ہوں  
تو اس خاکسار کی کم استعدادی پر نظر کر کے ان خاص نظرات  
سے واجب جانیں  
پیشکش گریہ خطائی از سرسی وطنہ مزنا  
کر کچھ نفس بیشتر خالی از خطا ہوو

یہ کتاب اپنے موضوع کے لحاظ سے بہت اہم اور  
معیار کے اعتبار سے بلند پایہ ہے۔ اس ضخیم کتاب میں مستحکم  
نے طری تحت اور کاوش سے پورا مواد یکجا کر دیا ہے۔ ہر  
مشکل کو نہایت وضاحت کے ساتھ سمجھایا گیا ہے۔ ہندی  
اشکال اور مثالوں سے اس کی تشریح کی گئی ہے۔

۸۔ علم شش مستقیم الاضلاع بالہندسہ کے تحت جدول  
شش پانے کے مثلثوں کے سوالات حل کرنے کے طریقے بتائے  
گئے ہیں۔ علم شش مستقیم الاضلاع بالجہ میں جب ششوی  
و خیب المثلث کے جدول بنا کر کی ترکیب شش قائم الزاویہ۔  
حادثہ الزاویہ اور منفرع الزاویہ کے سوالات حل کرنے کے طریقے اور  
پیمائش ششوی وغیرہ کے سوالات مع اشکال درج کئے گئے  
ہیں۔ اس حصے کی ایک عبارت یہ ہے جس میں طالب علم کو تمیز  
کے یاد کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے۔

۹۔ اگر طالب علم خوب جہات پیدا کیا جاوے علم شش  
میں اور خوب واقف ہوا جاوے فوائد صورتوں مذکورہ بالا کے  
سے اور بوسیدان صورتوں کے اور صورتیں پیدا کرنے کی قوت  
حاصل کیا جاوے تو لازم ہے اسے کہ بہت شوق کرے اور ہر  
قیمت جس لاوے جو لاوے اس کا مقصد ذیل کو خوب سمجھے اور  
بغیر اعانت کسی کے ثابت کرے۔

۱۰۔ اس کتاب میں جو سوالات درج ہیں ان میں سے  
ایک کی عبارت یہاں نقل کی جاتی ہے۔  
معلوم ہیں ہمیں تمیز شش ایک شش کے۔ جانتے کیا  
ہم دریافت کرنا ظن نظر اس دائرہ کا جو بنایا جاوے شش اس  
شش کے؟

# ترقی پسند فن کا رے

لیکن بتا، کسی کو ترقی ہے یا پسند ؟  
 تیرے خلوص عزم سے میں بدگمان نہیں  
 تیری فکر میں گہر ہے بے بطنی نظام  
 تیرے تفکرات ہیں دم ساز زندگی  
 تیری صدا شکستہ دلوں کی پکار ہے  
 احساسِ زندگی کو ادب میں بسا دیا  
 لیکن، سمجھ رہا ہے یہ سارا زمانہ کیا۔؟

”کہتی ہے تجھ کو خلقِ خدا غائبانہ کیا۔؟“

سن! میں بتاؤں اصل حقیقتِ قیام کی  
 وابستہ ہے جو شیشہ گران ہنر سے تو  
 دشمنانِ فکرِ نظام کا تو پردہ دار ہے  
 جو نئے محسوس کی عام ہو نہیں رہیہ کاریا  
 سطحِ ادبِ تباہی کی آماجگاہ ہے  
 تنگ آگئی ہے منکرِ فرومایہ نے نظر  
 فہرس میں کر گسول کے جو شاز کا نام ہو  
 محصور کر رہا ہے تجھے تیرا حسنِ ظن  
 ہے مضمحل ضمیر ترا قید و بند میں  
 اس طرح اپنے خونِ جگر کو تلف نہ کر  
 اور اہل فن کی برہی و اجتناب کی  
 ہے دور دور اس لئے اہلِ نظر سے تو  
 مہل نگارشات کا خود افسانہ ہے  
 اناہیت بھی زعمِ ہنر میں ہے سرگراں  
 اور شمسِ عقیقتِ قلب و نگاہ ہے  
 ہے مرگِ ذوق، یہ ترا اندازِ درگزر  
 چھانہ کیوں ضمیرِ فروشی کا عام ہو  
 تو دل شکن نہیں، ترا غمِ غن ہے غن  
 ناحق سمجھ رہا ہے پسندِ ناپسند میں  
 فطری صلاحیت کے تحفظ پر کر نظر

”جس کی بہار تو ہو، یہ ایسا چمن نہیں  
قابل تری نمود کے یہ انجمن نہیں“

ہر دور اپنے دور میں خود مجتہد رہا      مقصد حیاتِ نو کا سدا متجدد رہا  
فرق و تمیز رنگ و اثر ناگزیر ہے      ہر ذوقِ تندرست، ترقی پذیر ہے  
تابندہ یہ جو کاغذِ علوم و فنون ہے      دیکھ، اس کے بند بند میں کس کس کا غزل ہے  
تیرے بیان، تیرے قلم کی ہے جو زبان      وہ خود ہے انقلابِ مسلسل کی داستان  
نقشِ دوام گرئی خونِ جگر سے ہے      یہ ارتقاءِ فن، تب و تابِ ہنر سے ہے  
کسبِ کمال، سلسلہٴ انجام ہے      معمارِیِ سلطنت کا تو قائم مقام ہے  
اسرارِ کائنات کا فنِ کار ہے ایسا      اخلاصِ عالمی سے ہے پیدا دمِ نقیب  
شاہیں کو احتیاجِ نشین، نہ انجمن      ہے شاہِ باز کے لئے سارا جہان چمن  
تو اپنی جاں نشانی کا عنوان بدل کے دیکھ !

جو ہر پیر اپنی ندرتِ سرِ کمرِ عمل کے دیکھ !

بن کر صحابِ فیضِ زمانے پہ بچھا جا      انسانیتِ نواز، ترانے سنائے جا  
افکارِ نو میں وحدتِ نوعی تلاش کر      اور سرمدی حیات کے اسرارِ فاش کر  
نیر اپنا پیامِ منکر و نظرِ عالمی رہے      سررشتہٴ فروغِ عمل باہمی رہے  
پیدا جہانِ تازہ ہو تیری نگاہ سے      روشن ہو چشمِ دہرِ تری جلوہ گاہ سے  
دلبستہٴ تیرے دم سے ہے رنگینیِ حیات      تیرے لہو سے گرم و رواں روحِ کائنات  
احسان کر، رعوبتِ احساں کو بھولنا      سوزِ یقیں میں شہرتِ ازراں کو بھولنا

ذوقِ سفر پہ حشرتِ مندرِ حرام ہے !

یہ تو ہر مقام سے آگے مقام ہے !

بشیر البناکیم بشیر





نہ دیا تو دور وازہ کھٹکٹانے لگی، ماما کو زور زور سے آوازیں دیں۔۔۔ ماما دور وازہ کے باہر آ کر رکی۔

میری موتیا شلوار کہاں ہے؟ — اما لا رنگ  
 زرد دیکھا۔ بیچارے ہم کردار و اس کے ساتھ لگ گئی۔ ہم  
 پھر زود سے چلائی۔ — میری موتیا شلوار —  
 اما نہایت زحمت لے کر بولی۔ بڑی بی بی نے شام کے لیے کپڑا  
 میں ڈال دی ہوا۔ — اسے سخت غصہ آیا، اور  
 سمجھا کر کہا وہ ہر صورت میں اس کی موتیا شلوار پہنا  
 کر کے مانے۔

اما شہنشاہ تلاش کر کے لائی تو گورنر کو یہ خبر گلابی  
 بازو نکال کر شہنشاہ کو پہنچا لیا۔ وہ سب کے ننگے بازو پر شہنشاہ  
 رکھے ہوئے ناما کے سپر میں ایک لڑکھارہٹ سی ڈوڑ  
 گئی، جب چھوٹی بی بی کے ننگے سے دو چار ہو چکی ہے!  
 شہنشاہ نے کہ: سیم کو ایک طعنان اور کنوین حاصل ہوا۔  
 بار ایک روم سے گذر کر ماسکریٹی جاری تھی۔ سیم پہلے  
 پرزے کو دیکھ کر سیم کیلین نے پوچھا: کیا سیم پہلے  
 سہ ماہی کے ہوت پھر میرے درود میں پہنچ کر  
 اور چلے گی؟ صرف مرثیہ شہنشاہی ہی باقی ہے!

کچھ جان ہوئے تھے کہ ویسوی کو موتیا شلوار پر  
پان کا داغ لگ گیا تھا اور پیک کچھ اس طرح سے لڑی  
تھی کہ داغ اُگلنے پر واری سے بھی دیکھا جائے تو انکو  
کچھ ٹاسا بتا معلوم نہ تھا۔ ویسوی جان کھاتے کی عادت  
تھی کسی سے نہ تھا اور وہ شلواریں جس طرح کی تھی  
داغ اس کی موتیا شلوار پر پڑا تھا تو اسے اپنی بیٹی  
شلوار کے خراب ہو جانے کا کافی صدمہ ہوا تھا۔ موتیا  
شلوار اسے اپنی بیٹی شلوار پہنانے کے بعد اس کی  
شلوار سے بھی نہ رہی اور وہ اسے اسی وقت پہنتی تھی  
جب کہ وہ کھڑے ہوئے کی اہمیت نہیں کر لی تھی۔

تازہ دم اور خوبصورت معلوم دے رہی تھی۔ اس کے چہرے پر ایک ہلاکت کھیل رہی تھی، سینہ جانے اور گلزار تھ۔  
فلو دینے کا احساس لئے ہوئے نہایت خوش تھی۔  
ساتھ جب آخری موڑ مڑا، تو اس کی آنکھوں کے سامنے  
بالوں کی ایک لپٹ آگئی۔ اس نے اس کو ہاتھ سے پکڑ  
ہٹا دیا۔ اور بازار کی آمد و رفت پر حیرانہ طور پر سخت غور  
کرنے لگی، سب نے اس کی طرف دیکھا، ایسی طنز اور کٹر جہنی  
وسیع کی فطرت کے خلاف تھی۔ دینے اور اٹھ لڑکیاں  
دو آنکھوں میں تماشا دیکھنے جا رہے تھے اس مختصر  
قافلے پر ہمراہ گزر کی نظر پڑ رہی تھی۔ یہی بات وسیع کی  
گتہ چینی اور طنز کا باعث تھی، وہ جانتی تھی برقعہ اٹھ  
دے اور بے نقاب ہو جائے اور دیکھے کون اس کی  
طرف دیکھنے کی جرأت کرتا ہے۔

[illegible]

اپنی سرت کا اظہار دوسروں پر ظاہر کرنا نہیں چاہتی تھی۔ پان کا داغ چھوٹے انگور کے پتے کی شکل نہ تھا۔ اور ایسا معلوم دیتا تھا جیسے چھوٹا بڑ جانے کے ساتھ ہی کسی نے دبا دبا کر ایک کسی پتے کا ٹکڑا پر سیاہی لگا کر کاغذ میں حکس ڈال کر ایک موبہم سی شکل بنا دی ہے۔ آج ہال کے اندر وہ اٹھتی بیٹھتی جب سادھے رہی، اور پہلی پہلی باتیں کرنے لگی، مگر پان کا داغ کسی کی نگاہ کا مرکز نہ بن سکا۔ سنا میں جب تانگے کے پہنچے گھوم رہے تھے تو وہ ایک مضحکہ خیز آواز میں اسے گزر رہی تھی، اس کا خیال اوز گاؤں پان کے داغ کا پتہ کھار کر ہی نہیں، اگر تانگہ کسی وجہ سے دھیمہ پڑ جاتا تھا تو اس کا ہاتھ بغیر سوچے مجھے راولوں کے درمیان کھٹوٹنے لگتا تھا۔ انھیں جس بن کر مٹی اور گم ہوتی جاری نہیں، اس نے ذرا ترقی کرنا انگوں میں اکڑا پیدا کر لیا، اس کا ہر سانس تانے کی آواز کے ساتھ جلتا جاتا تھا۔ اور وہ بڑے پیار سے کبھی نینا سے اور کبھی روزا سے لگ جاتی تھی۔

فلم پوری رفتار سے سکرن پر چل رہی تھی، ہر لمحہ ایک نیا منظر، آنکھوں کے سامنے آتا تھا۔ ہر کوئی اپنے اپنے مذاق کے مطابق مسرور ہو رہا تھا ساتھ والیاں بھی کافی سے زیادہ لطف اندوز ہو رہی تھیں، لیکن وسیم کے خیالات کا تسلسل ہر بار ٹوٹتا اور ٹوٹتا تھا۔ کبھی جیسے پہلے جاتی لینے لگتی۔ جیسے متحصل ہوتی جا رہی ہو، اور کبھی سیٹ پر اپنا آپ بھیل دیتی، اور پان کا داغ نمایاں کر کے بیٹھ جاتی۔

انٹرول ہوتے ہی اس نے داغ اور بھی نمایاں کر دیا، داغ کو دیکھ کر اس کے اندر کچھ ہيجان سا اٹھ رہا تھا۔ کاش یہ ہيجان طوفان کی صورت اختیار کر لیتا اور اس میں وسیم بہ جاتی، مایوسی نے اس کے چہرے کو مچھل دیا تھا۔ اور انھیں بند ہوتی معلوم ہو رہی تھی۔ جیسے سر سے پاؤں تک رطوبت لپٹنے لگی ہو۔

رحمن۔ نینا۔ بڑا اور روزا، اپنی اپنی دھن میں محو تھیں، وہ محسوس بھی نہ کر سکیں کہ وسیم کیوں چپ چاپ ہے۔ پان اور اس کے خیالات اسے کہاں سے کہاں لئے جا رہے ہیں۔ وسیم ان پر بے انتہا توجہ دیتی تھی، ان کی ہالی کی مانند تھی۔ اس کے سامنے وہ بہت سی باتیں کرتی ہوئی جھجک بھی جاتی تھیں، اور جب کسی اہم بات سے انھیں لذت حاصل ہوتی تھی اور وہ برداشت کر جاتی تھیں تو ایک دوسری کو اعتماد میں لے کر کہہ دیتی تھیں۔ وسیم کو ان حسیاتی بچاؤ سے باخبر کرنے کی ضرورت نہیں۔

وسیم اور اس کی ہسلیاں آج سے ایک ہفتہ پہلے اسی تصویر میں ایک امیجنگ فلم دیکھنے آئیں تھیں، وسیم نے اس روز بھی ہوتا ہوا رہنمائی کی تھی۔ اور پان کا داغ اس کی شلوار پر ایک شام پہلے ہی لگا تھا۔ آج سے ایک ہفتہ پہلے جب یہ جھنڈا کھینچا اپنی اپنی جگہ پر بیٹھا تھا تو سب سے پہلے نینا کی نگاہ اس پان کے داغ پر پڑی تھی۔ وہ پان کے داغ کا ذکر کرتے کرتے اس کی رائے ہاتھ رکے داغ کو مسنے لگی تھی، پھر دوسری اور پھر تیسری اسی طرح باری باری سب نے داغ کو مسلا اور اس کا ذکر کیا تھا۔ اور اس کی قیمتی شلوار کے خراب ہو جانے کا اندیشہ ظاہر کیا تھا۔ جوں جوں اس کی موتیا شلوار کے داغ پر بات چلتی گئی، اس کی راولوں پر پہلے ایک پیر دوسرا اور پھر تیسرا ہاتھ حرکت کرتا رہا۔ اس مسئلے اور حرکت کرنے سے اس کے تمام جسم میں ایک نامعلوم سی سرسراہٹ رنگیتی رہی۔ وسیم چاہتی تھی یہ سب کبھی ختم ہو۔ فائدہ ہو جائے۔ لاشٹ نیل ہو جائے، پان کے داغ کا کچھ چلنا ہے اور مختلف ہاتھ اس کو مسنے ہیں۔ پان کا داغ دوڑوں راولوں کے درمیان لگا تھا۔ نیچے سے تقریباً کوئی باشت جبرئیل چاہتا تھا تو اسے اندر کی طرف سر کا کر چھپا دیتی یا اس روز وہ اپنی موتیا شلوار پہنیتی، داغ کی دھڑکے اس کے جسم میں زندگی کی بالیاں پھوٹ اٹھتی تھیں۔ وہ کسی صورت بھی،

عورتوں کی نگاہ پان کے داغ پر جا پڑی، داغ اس گھڑی کچھ پراسرار سا بن گیا، پہلی نے دوسری کے ہتھکی لیتے ہوئے کہا: بی بی جو ہوئی، نانا دان ہی تو ہے۔  
انجان پن میں خون کا دھبہ لگ گیا ہے غریب کے! —  
انٹول کے بعد فلم پھر چلیے لگا، ہال میں اندھرا چا گیا تھا۔ اس کی آنکھیں ڈبڈبائیں، وہ آگے کی طرف جھکتی ہوئی سیکڑی بیٹھ گئی، پیسے بازوؤں والی کرسی میں دھبہ کر اپنے آپ کو تنہا بنا۔ محسوس کر رہی ہو، اس کی چھوٹی چھوٹی پھانسیاں سڈول اور تاروں کے نیچے گلابی سٹینر میں ٹھنڈی ٹھنڈی ہو رہی تھیں۔ خاکموش اور لیکن —  
فلم تیزی سے چل رہی تھی! چغتائی

گھس گھس ضرورت سے زیادہ پیچھے تھی، میٹھی تھی۔ اور بازوؤں کیلے چوڑے کتے، پیچھے سے روزانہ ویسٹ کو زور سے بھجھکا اور کہا: سب تیری طرف دیکھ رہے ہیں، رات بھر جانتی رہی تھی کیا۔۔۔ تیرے چائیاں لینے کا یہی وقت ہے؟ —  
دیکھ کے سائڈ والی سیٹ پر دو عورتیں میٹھی تھیں، ایک کراہی ہوئی تھی، کچھ چابیوں سے کھیل رہا تھا، دوسری ویسٹ کو بڑے لاڈ سے دیکھ رہی تھی، اسے متوجہ پا کر دوسری بھی دیکھنے لگی۔ دو فوٹوں ویسٹ کے جھولے پن سے نہایت متاثر ہوئیں اور اسے دوسروں سے مختلف پایا۔

## نوید زندگی

غیب لا جواب ہو جائے  
جبکہ صیغہ عذاب ہو جائے  
صبر بھی آ ب آ ب ہو جائے  
ہر عمل کا میاں ہو جائے  
دل بھی اک آفتاب ہو جائے  
کام کوئی خسرا ب ہو جائے  
دل کی حرکت رباب ہو جائے  
فضل حق ہم رکاب ہو جائے  
راز حق بے نقاب ہو جائے  
پاک فرد صاحب ہو جائے  
ورنہ جینا حباب ہو جائے  
ہر سکون اضطراب ہو جائے  
زندگانی سراب ہو جائے

جب نظر اتھا ب ہو جائے  
زندگی کو بھی جی کے تباہ دے  
ضربہ کر یہ ہو کر، تو ایسا ہو  
عقل و تدبیر کے نقاون سے  
روشنی ہو وہ حسن ایماں میں  
ہی آغاز ہو بھلائی کا  
گوئی اسے صدائے حق اس سے  
علوم راسخ ہو جس کی فطرت میں  
گر تو پا جائے نفس پرست بو  
گر بڑے اشک انفعال اگر  
ہے عمل ہی میں زندگی کی بخت  
گر تو سمجھے حیات کا مقصد  
نہ ہو گر موجزن جو الفت و دست

تیری فطرت میں تھا ہی روحی  
شاعر بو ترا ب ہو جائے

”روحی“

# جھکیان

ہوتے پڑتے اکتا جاتا ہوں، لکھتے لکھتے طبیعت اچٹ جاتی ہے یا کبھی فکر آرام کو جی چاہتا ہے تو سونے کے کمرے میں درانا چلا آتا ہوں اور دھڑام سے بستر پر چاروں طرف چٹ کر اس کا قبا بازی سے تعاقب کرنے والے خیالات کے هجوم کو دھکا سالے اور کچھ دیر نے لئے ان سے جانتے پاؤں۔ چٹ لیٹ کر چھت کی باتیں لکھنے لگتا ہوں۔ گھوم پھر کر نظر ایک جگہ ٹپک جاتی ہے، کڑی کے بالے میں۔ اہین ہین ساز ستار پچلا پچلا، اجلا اجلا مال۔ جو لرز لرز، تھک تھک کر اور زیادہ چین اور عاجز نظر ہو جاتا ہے۔ بیچوں بیچ جیسے ڈرامٹک روم ہو جاتی گاڑی بیٹھی ہیں۔ بے مدھلی سی کروہ لیکن آگ ذرا چمک دار۔ کڑی پر نفوس جم جاتی ہیں۔ اگرچہ کرشمہ دامن دل می کشد کہ جاں نہ جانتے، مہ معاملہ نہیں لیکن اس محسوس ہونے لگتا ہے کہ کڑی کی قوت ارادی نے میری آنکھوں پر جادو کر دیا ہے کہ ہنسی ہی نہیں جھپکتی ہی نہیں۔ میری ساری حیات بصرہ میں سمٹ آتی ہیں اور کڑی پر مرکوز ہو جاتی ہیں۔ کڑی پھیلنے لگتی ہے۔ کبھی جالا نظر سے اوجھل سا ہو جاتا ہے، کبھی بڑی پھیلتے پھیلتے ہالے سے پرے نکل جاتی ہے اور صورت طری ہو کر رہ جاتا ہے۔ پھر کڑی سستے لگتی ہے اور ایک نقطہ ہو کر رہ جاتی ہے۔ نقطہ مولاً، بار بار مہین۔ اپنی تمام تر معنوی و صوری کیفیات و تعریفات کا حامل۔ جگتا ہے، اچھلتا ہے، لڑتا ہے، دھم پڑتا ہے۔ روشن ہو جاتا ہے، ڈوبتا ہے اور ابتر ہے۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے نکلا ہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ جالا پھیلنے لگتا ہے، لرز لرز، چمک چمک کر بے نام نقوش بنتے، بگڑتے، ابھرتے اور دھندلا لے جاتے ہیں۔ نقطہ میں حرکت سی ہوتی ہے اور چمک سے روشن، جیسے

میکینزم کا فیتہ آن کی آن میں چلے، تیکے اور پتہ زاری چھانے اور اب لفظ کی بند۔ گوری گوری پتہ زاری رنگت، چوڑا تھا، کھینچی ہوئی بھروس، کسی قدر بیوی تین تارہ جیسی روشن آنکھیں، دلکب و نظا کو برہا میں۔ مناب دھڑا، گلاب جیسے ہونٹ ان پر ادی ادی کسی کی دھڑکی کا لونا پر چھلکی کا کلیں، آڑی مانگ، ناک میں جھل جھل کرتی میرے کی کیل، سونے کے تیکے، بڑا دھن کر دھن بھول، بات بگڑاؤ، پاؤں میں پانی بھرتا، نیوٹیا تک کی بڑے بڑے رپیلے پھولوں والی ساری، اسی کا جیمہ۔ اجلا اجلا فرش، فرش پر قالین، دیوار سے گاؤں تھپکے لگا، دریا اس سے تھپکے لگا، کھینچی میں، سامنے کٹاؤ باڈن، اوپر خاص دایا، اوپر کٹاؤ سر پانچو خیمہ کی رابی، بھر پور جانی، ویتیز دند شرباب خود ہی بدست و سرشار۔ پاس ہی ان کی راز دار ہسپتالی فیر بھٹی ہیں۔ چہرہ مہرہ بالکل عین میں دیباہی۔ ہن کھو تو کسی کو شبہ نہ ہو، ہسپتالی کو تو تھیں کھانے پر کوئی یقین نہ کرے۔ ہاں ایک ڈرامین میں لیکن پیٹ میں کھن بھرے ہیں، میں شیطان کی خاندانیت کی پرکالہ، بنتی ہیں بڑی معصومہ۔ کچھ راز کی باتیں ہو رہی ہیں، دہریہ، دہریہ کسی کو طینک نہ پڑتا ہے۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ اور آنکھوں میں شرارت لوٹ رہی ہے۔ ٹرن ٹرن، سیک کی گھنٹی نے اپنے مخصوص بول بولنے اور انھوں نے تیر کو جھپکے سے اشارہ کیا۔ کمرے کا وہ دروازہ دہریہ سے بند کر دیا گیا جس کے بند ہونے سے یہ حصہ مکان سے بالکل علیحدہ ہو جاتا ہے، اور پھر یہاں کیا کچھ نہ ہو جائے کسی کو خبر نہیں ہوتی۔ سمجھ دیکھتے ہی سر و قد اٹھ کھڑی ہوئیں، سر پر آئینہ ڈال لیا، منہ پر ہار چھائی، آنکھوں میں جالوٹ گئی اور گلاب پر سر دھونکی، گردن خم ہوئی پیچھے جات پیشانی تک پہنچا۔ سلام کرتی ہیں۔ میں کچھ کہہ بھی نہ پایا، قلا کو لیں، سرتاج راہ دیکھتے دیکھتے آنکھیں سبز لگیں آپ تو رونے ہی گئے اپنی لیز سے، یہ سریلے بول



ہوتا۔ جانے کیا بات ہے۔۔۔۔۔ ہاں تو وہ ٹھٹھی میں۔  
ہاتھ میں "سب رس" ہے۔ میں ان کے سلیقوں کا خلاصہ  
بنارہا ہوں۔ پڑھتے پڑھتے بولیں "اللہ یہ کہیے نکھتے  
ہیں آپ" ہمیں بھی لکھا دیتے نا؟ میں نے جلد حجت کیا  
تو اجازت لیے لی ہے اپنی اماں سے۔  
"تم لای گئیں۔ چہرہ پر ہوا میاں اڑنے لگیں، ہونٹ  
خشک ہونے لگے، کھسکی ہنسی منتیں، آنکھ میں آنسو بھر  
آئے، کہنے لگیں "میں ہندوستانی لڑکی ہوں۔۔۔۔۔ اور  
اسی کو بنا دے رہی ہوں" کیوں اس سادو کو پھیلے گاہ میں  
فساد یاد دے سوا کچھ نہیں۔۔۔۔۔"

میں نے کہا: "جی ہاں اور دنیا کو فریاد کی ضرورت نہیں۔"  
وہ رونے لگیں، لڑکا جھٹکائی پڑیں، چٹکائی بندھ  
گئیں، کانوں کے ایرنگ ہٹنے لگے۔ سترے ایرنگ کمری کے  
جال والے باریک باریک بہن بہن دھکتے سے حال چھینا  
بیچ کمری۔۔۔۔۔ میں سوچنے لگا، اور کیا ہی تو ہیں لڑکیاں  
ہی ہیں، نازک نازک سی، چمکیلی، بھڑکیلی، ملی موٹی، چمکیلی  
سنو سے بے آزار اور بس بھری۔ کوئی موٹے پیچھے ہے، کوئی  
گھات لگائے بیٹھی ہے اور کوئی جھپٹ چکی ہے شکار پر۔  
کوئی قلم کے زور سے جال پھیلا رہی ہے، کوئی مرد پر طنز کر کے  
لیس ہو کر ہے، کوئی کوہ پی ہے۔ اگر میں مرد ہوتی۔۔۔  
جیسے ہم نے بڑا ترنارام دھوکے اور جو وہ مرد ہو میں تو  
سارے کہاں کے مردوں کی کمزوریاں دھو ڈالتا۔۔۔  
کاش کوئی انہیں سمجھائے ماں بھوی اور بہن نہیں تو  
سب کچھ بن گئیں مرد کی ساری "مردانگی" قربانی ہے تم پر  
لیکن جہاں تو ہمیں، کلیوین، قمرہ العین اور رادہ پارناک  
کی کہ نہیں۔۔۔۔۔ اتنی لڑکیاں، اور کیا ہی تو جانت  
بھانست کی ہوتی ہیں، اپنی اپنی لال لال، شبلی، دبی،  
موٹی بے آزار اور سہیلی۔۔۔۔۔

بالوں کی خوشبو کی سٹ پٹی اور کانوں پر کھجور کی ایرنگ  
کو گھیر لیا اپنے زائیسہ میں کچھ اس انداز سے جیسے ہنسنے

جاسے تو قدموں پر گر پڑے، لاکھ بھاگے پڑھیا نہ چھوٹے!  
ابھن بڑھنے لگی، ساری سی چھانے لگی۔۔۔۔۔ بیبی لی لفظ  
تھرکتے تھرکتے ناچنے لگے اس تاریکی میں، آن کی آن میں سب  
دوب سے گئے اور صرف ایک نقطہ رہ گیا وہی نظر کرنا، چمکا،  
اجتر اڈوتا۔۔۔۔۔ پھر وہی جال تھا، وہی کمری، زائیسہ نظر  
ٹپٹیا، چمکیلی کمری۔۔۔۔۔

پھر زخرس جمنے لگیں، نقطہ سا بننے لگا۔ ڈوبا، ابھرا  
چمکا، بھرنا۔۔۔۔۔ وہ سارے بیٹھیں ہیں، لگے لگا، جمنے  
رہا سادو، سائو لی سلو لی نکلتے نیکے خط وخال، بڑی بڑی شہا  
آنکھیں، لمبی لمبی پلکیں اک ذرا موٹے ہونٹ اودے اودے  
طلاتی چہرہ گال پر دو بار مہاسے۔ اودی قور کی سفید سفید برا  
ساری، اسی رنگ کا کرتا چھوٹے دامنیوں کا، پھٹا بھرے  
ہوئے۔ پورے آئین پیسے پیسے کھائی میں چست، روہی  
چوڑیاں ہاتوں میں پیسے پیسے تن کی اپنی ویسی ہی سن کی سنیں  
کھنکھنے کے کان موم کی ناک اناں اور بہن نے ہر چہا ہا موٹر  
لیا جاتی ہیں کہ بہن، بلک مار رہی ہیں لیکن یہ سکرا رہی ہیں۔  
کچھ من کی کمزور کچھ سعادت مند کی کا گھٹا۔ اتنا ہی ہیں  
آنکھیں سے کھ رہا ہے۔ ماں بڑی بڑی پر بھی جاتی ہیں، داسے  
تیلے ہو رہے ہیں، نیچے نیچے جاپتی ہیں میں پھو، آنکھیں کوئی چھتا  
نہیں لیکن کیا حال کہ پیشانی پر کوئی بل تک آجائے۔ بلکہ  
بظاہر جو بھی شرک ہے اس لاڈ میں جو کھلا دیا کھانا یا جو  
پینا دیا بہن لیا، نہ شکوہ نہ شکایت لیکن اندر دانا ہی تو  
ماننے، ٹھکی جاتی ہیں اندر ہی اندر۔ بائیں کاسن ہے، ماں  
گھٹی میں ابھی سوجھ ہے اور یہ بل پر پتھر رکھے چپ۔۔۔

کوئی کچھ جاتا ہے، لیکن یہ نہیں پڑھیں، اناں کو جو پسند نہیں  
اور ماں کو کیا پسند ہے یہ خود انہیں بھی نہیں معلوم سادو  
خاندان کے سلی جھولے مشہور ہیں لیکن یہ اور چپ اور وہ  
اور ہر خاموش۔ جانے کب چھوٹے ہو لاکھی، پیا سلام  
بس آنکھوں کی زبانی اللہ، اللہ خیر صلہ، وہ جاساں آتے  
انہیں پرا دھار کھاتے بیٹھے ہیں، ادھر ان کا بھی کچھ نہیں

اور کبھی ادھر کو جیسے کہتی ہو چھاری ماٹو، ہم تنہا رہے لیڈر  
ہیں لیکن وہ ہم جھٹلنے لگیں جیسے کہتی ہوں امن کی  
سندھیری اور آؤ۔۔۔۔۔ سر۔۔۔۔۔ ہوا کا تیز جھونکا  
آیا۔ درمحل سے دروازہ کے دونوں پٹ کھل گئے اور  
پردہ ہرا کر جھٹ کو بھونے لگا۔ آن کی آن میں مالا ٹوٹ  
گیا۔ کڑی فرش پر گر پڑی چٹیا نے جھٹ سے ایک لپا  
کھیرے ہوئے جال ایک سرا ہوا میں لہرا کر عجیب عجیب شکلیں  
اور نقشیں بنا رہا تھا۔ راج کا نقشہ، پاکستان کے حدود  
سکھوستان کی سرحد، گاندھی جناح، دیول، کمری، برلا  
کے کارٹون، دھیرے دھیرے یہ نقشہ دھندلا سنے گئے  
جیسے ریڈیو پر کسی فیچر میں آواز میں منظر میں ڈوب جاتی  
ہے، اور نئی آواز نئی تان بھا جاتی ہے۔ تھکے تھکے سبز  
ہلائی رنگے جھنڈے لہرا رہے، ان سب پر سرخ پرچہ سایہ سایہ  
نئے تھا، آسمان سے بانیں گر رہا تھا اور ہوا میں لڑاٹے  
بھر رہا تھا۔ اسے پائیس کر پور پانڈ تھا، ہوسے تھکے مذہبوں  
اور کٹوں کے ہاتھ بھاری بھرکے اور مضبوط۔ میں ٹانگ سے  
اچھل پڑا، بالا ہر ایسا ہنسائی شکل بنانا نہ امیں تیر رہا تھا۔  
میں لگتا نہ لگا۔

”ہب دست وقدم آگے بڑھیں گے پائیس کر پور انسانوں کے“

حسینی شاہد

طالب علم ہندوستان کا نقشہ اتارنے کی کوشش کر رہا ہو۔  
مجھے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے یہ کالا ذخیرہ، یہ سہرا جال  
اور کٹاوی سامراج، ایک دکا کرکس اور ولی والا صاحب  
ہیں اور چالیں کر رہے ہیں، پر صوبہ کی اس دہرے جال  
میں پھنس جھٹل رہی ہوں۔ کچھ دم تو رکھی ہیں۔ جیسے  
جلبان والا بارگ کے شہید اور دیو کے بارگ انسان، کچھ موکم  
پتلی ہیں صرف بڑھتی رہ گیا ہے۔ جیسے جنگال کی دلاک  
فاتح کی شہر بننا کچھ تیر بان ہیں جیسے ہم اور آپ مر دور  
اور کسان۔ لیکن ان کے لٹو کٹے، ہڈ جھٹے ہمارے ہیں، مٹھیا  
کسی ہوئی ہیں، وہی ہوئی آتھنوں میں خون اتر رہا ہے  
زرد چروں پر عزم کی محبت چھانی ہوئی ہے۔ کیا رگی بھٹنا  
میں نہ ہو جا۔ حرکت بڑھ رہی اور ایک چلکلا۔۔۔۔۔ کمری  
شہجے آ رہی جال ٹوٹ چکا تھا سترہ گئی سامجی۔ اور کھیاں  
آزاد جھٹلنا ہٹا اور بڑی۔ میں چڑھ گیا۔۔۔۔۔  
بائیں میں دی جا آنا تھا، کمری، چوں بیچ ہوئی تھی۔  
سائے وہ کھیاں، ایک ذرا بھوری اور دھڑکی سیاہ  
ایک دو سرے سے لٹی ہوئی تھیں۔ اڑتیں، جھٹلنا تھیں  
لٹہ جاتیں۔ اب کی بہت ویرک تھی، میں، پھر بڑی تیری  
سے الگ ہوئیں۔ سائے ہی جالا تھا، دونوں میں چیل  
سی لگیں۔ کمری نے حرکت کی تھی اور ہر کو اور

محبت کی چھپاؤں

وہ مرزا مظہر الحسن صاحب کی آگے جو وہ انسانوں کا دھبہ نمودہ ہے۔ اس کے ہلکانے  
عشق و محبت کی دلدل انگریزوں اور جن و شباب کی رعنائیوں سے معمور ہیں۔ ہر شانہ میں پھیل کی جولانیاں اور شاہ  
کے خرات کو ڈھرا ہیں۔ تو انوں کے نصب العین جان شہرہ کی انجی تقویر اور مصروفیت کی لہجے غمیت کے لئے  
آپ شالستہ ذہنی توجہ ہے۔ اس کا بہت وقیل سروان دیکھتے ہیں اس شباب کے بے باک اسلوب اور اس کے انسانوں  
بے پناہ شوقی و اندازہ ہو جاتا ہے۔

چوبہ فی نقیصہ ۱۳۲۰ صفحات قیمت مجلہ عمر

# منگھت برباد

بچپن گیا نہیں سچ نہیں آئی، مود کہ نہیں کا۔

والدین کی ایک اور بھی تو مانتا تھی۔ رضوانہ کی شادی خسرو سے ہو جائے۔ سہرا تو دیکھ لیں گے۔ یہ جانے قسمت میں کیا لکھا ہے۔ کلن جیتا ہے اس کی، آپنی تک رضوانہ اور خسرو آپس کے ساتھ تھیلے، جوں جوں سیانے ہوئے محبت کی بل بھی ساتھ ہی ساتھ منڈو سے چڑھتی گئی۔

خسرو کی فوج میں بھرتی۔۔۔ رضوانہ پرستے ہی جیسے بھلی گری۔ جنگ گوا الارم ہے موت کا۔ اس سے وابستہ اقدار کی طرف ذہن انسانی کے کمزور و بڑی بیک نہیں جاتے۔۔۔ اب رسی محبت۔۔۔ اس کی قسمت میں تو بھوکریں بھجانی، ناٹنی، ذلت، سب ہی کچھ دھڑے ہیں، تو پھر اب تو رسی کا جیگا قسمت۔۔۔ بزدلوں کی ڈھارس، خوش جہاں دم توڑ دیتی ہے مینا، ہاں اس سے بدل جاتی ہے، امیدیں جہاں ایک ایک کر کے ساری کی ساری سلب ہو جاتی ہیں، مسیح مصلح میں سے منحصر مرنے پر جو جس کی امید۔

امید کی اس کی دیکھا جا سکتے ہیں۔ وہ دکھاتی ہے، قسمت وہاں جلوہ نما ہو کر تھی دینے لگتی ہے۔ یہ تعذیر کی دیوی۔ اس کے تو آنکھیں کبھی نہ آئیں گی۔

روح میں کہیں بھی بھلی تھی خسرو کی محبت۔ اب جو بھی تو رضوانہ کی ساری ہستی پر چھا کر تھی، محبت کی دیکھی نے تم کو اپنے لئے تھے۔ والدینہ کتب صدمہ سے بدل چکی تھی، اشتیاق، دیش چہاں سے مندھون ہو چکی تھی۔ اس کے جانے کے صرف خیال ہی سے اس کی دنیا اندھیری اندھیری ہو جاتی۔ وہ منقرض ہیں نہ جانے کتنی مرتبہ مری تھی، خنک برعاشہ، اولیٰ کا کیا بھروسہ، ان کے لوٹنے کی بہت کم امید رہتی ہے۔ جیسے کوئی کسی بہت زیادہ خطرناک بیماری سے بچا گئے۔ مردوں کو دغا دیکر بچ جانے، لیکن خواہ اس عقاب کے بندھن سے بہت پہلے ہی خسرو کی ہو چکی تھی۔

کسی نے پوچھا۔ افسانہ کیسے بنتا ہے؟ اس سوال کا جواب سنئے۔ بس ایسے ہی جیسے عورت اپنا بولیں میں کھلی کرتی ہے۔ یہ پھر سوال ہوا۔ یہ بات کس کتاب میں بھی ہوئی ہے؟ جواب ملاحظہ فرمائیے۔ یہ میرا طبع و خیال ہے۔ کھلی کا ایک ایک لہجہ جس کی تاریخ دنیا کے قدیم ترین عقوب کے فن سے بھی پرانی ہوگی۔ برعورت کے ذہن میں ایک عجیب برتری پیدا کر دیتا ہے، اور کھلی جوتی کے ان گنت ڈھنگ رائج ہیں۔ دیس دیس میں۔ افسانہ لکھنے کے ان گنت ڈھنگ ہیں، تو میں یہ یہ قصہ۔ یہ افسانہ بھی لکھا نہیں لکھو اب جا رہا ہے۔ اس کی پیوند زمانہ میں ہر عجیب تر ترقی پسند ہی کہتا ہے۔۔۔ اس تو۔۔۔

جیسے جاتے تھے دن، مینا سال، اگر یہ جنگ جاری رہتی تو شاید مینا، بیت جاتیں، کشت و خون کی آندھیاں، تنہاؤں کی بولی آرزوؤں کے جنازے، جانے کتنے اور کتنے، کتنی تنہاؤں سے بھرا تھا اس کے والدین نے اس کو بڑوں بعد قوالا دھونی تھی، آرزو مان کا درخت تولا دگا۔ جبری بھرتی کے احکام کھلے خسرو نے فوجی خوشی اپنا ہم لکھو ادب جان لی بازی لگانے سے جانا بڑا دلچسپ و پیش کرے۔ اپنے دک اور اپنی قوم پر مینت چڑھنا، کتنی زبردست قربانی، کتنا روح پرور انگیز۔ اس کی خود اعتمادی جرات و شجاعت کے جذبات پر والدین کو فخر سا ہونے لگا۔ اپنی قسمت پر اس ہونہار مسیحت کے غازیانہ اقدام پر۔۔۔

مجموعہ۔۔۔ اس سے صرف دو ہی سال چھوٹا تھا۔ وہ کیا جانے، سام شہادت کا مزہ، قربانیوں کا ذائقہ، موت کے فرشتے سے آنکھیں پاد کرنا۔۔۔ بڑی عاجزی کی۔ کہ عیسائے جاو، ہماری دین تم میں سوئی ہو جانے کی، اتنی کاروتے روکنے برا حال ہوگا۔ ابائی زندگی کا چراغ جھلکانے لگا ہے، مگر خسرو اس کی بزدلانہ تسلیوں کو ٹھکرا دیا۔



کلی شادی ہو جائے گی اور برسوں — خسر بھلاؤ  
 کی جانب قدم بڑھائے گا۔ بڑی دھوم دھام سے شادی  
 ہوئی۔ ایک جنگ پر جانے والے وہاں کی شادی شایانوں  
 میں ایک تھکین سانچہ بھی چھپا دیا تھا جس کو کسی اور نے  
 نہیں۔ صرف رضوانہ کے دل کی دھڑکنوں نے شادی  
 سنو رہی تھی بگڑنے کے لئے۔ قسمت کا بدمن و دونوں کو  
 ایک ہی دھماکہ میں باندھ رہا تھا۔ لیکن جدائی کا تھیل  
 جان لیوا طور پر روح فرساتھا۔ مہاروں کی کثرت تھی۔  
 اس کی جانب ہی نے اس کو ہیرو بنا دیا تھا۔ اور اس ہیرو  
 کو دیکھنے کب کب گونے گونے سے محفلت چلی آتی تھی۔ بھول  
 کے ماروں نے اس کے قد و قامت کو ٹھیک لیا تھا۔  
 بس کہیں ہم اک بہار انا کے مارے ہوئے  
 بلوہ گل کے سوا گرد اپنے دھن بھیا نہیں  
 بھولوں کی زبان لڑن تھے۔ بھول سے بھول کب کب  
 تھا۔ لیکن کیا؟ شادی کے تھفوں میں امام شافعی کی  
 تھیں جزو جان کی توفیق میں ہی تھیں۔ غرض دوسرے ہاں دن  
 خسر روانہ ہوا۔ اس کو کچھ کیا ہوا۔ ایک تیلیہ شدہ امر ہے۔  
 اور اس کا اعادہ ایک دور از کار بات — دن بھر  
 سال، ایک دو نہیں، چھ سات سال گزر گئے۔ انھیں پتھر  
 گئیں سے

تے شروہ وصال: نظارہ جمال

دہ ہوئی کہ شمشیر و گوش ہے

تین چار سال تک تو خدا آتے رہے۔ اس کے بعد سکوت۔  
 افواہیں درود و یار سے۔ رگوں میں کہنے لگیں۔ جا پانی قیری  
 بھی کہیں اسے آزاد ہو سکتے ہیں کہ خط لکھیں۔ وال تو  
 بات پر زبان لگتی تھی۔ کسی نے کہہ دیا زندہ ہوتے تو  
 خط لکھتے۔ غرض بلہ ہوا۔ شمسے ہوئے۔ تنقیدیں عقل کی  
 بارگاہ سے چٹکی ہوئی تھیں آرائیں۔

رضوانہ بیسے بیٹے کی مریختی تھی۔ اس نے اس کی  
 رہی سہی دنیا بھی لوٹ لے کر پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا اس پر لیکن

نظارہ و شادی — یہ سب خود فریب دنیا کے ظاہر و محسوس  
 ہیں۔ روح تو شمسک ہو جاتی ہے۔ بہت چلے ہی —  
 تین کیوں کی اس سنہار میں رہ کر — خسر کے  
 بغیر زندگی۔ موت کیوں نہ کہوں اس زندگی کو غرض یہ  
 آئے جانے والے خیالات تھے۔ اور رضوانہ کی مصطر ایچ نہال  
 راتیں اس کی زندگی کے پرے مقصد سے۔ دن — یہی  
 سوچے جیتے جاتے۔

خسر کی ہم سہی کچھ کم کھن — تھی۔ ایک طرف عزت و  
 شہرت سے علی انزل زمین تھے۔ دوسری جانب محبت  
 جس کی آفت تھانہ کوئی قسمت ہی نہ لگ سکی۔ زندگی کے اس  
 دور اس پر اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ وہ کون سا حق بخت  
 کرے۔ محبت کی موڑ پر صرف رضوانہ تھی۔ — یکہ دہن —  
 ایک دولت بیاہ لئے ہوئے۔ عزت و شہرت کے رخ پر  
 ساری دنیا تھی۔ دنیا والے تھے۔ سماج کی گتہ چیں نظریں  
 تھیں۔ ملک کی امیدیں تھیں۔ قوم کی آرزوئیں تھیں —  
 وہ اب کرے تو کیا کرے۔ بڑی بے بسی کا عالم تھا۔ اس نے  
 پیسے اپنی سوجھ بوجھ ساری کھو دی ہو۔ اس نے سوجھ بوجھ  
 تو کیا۔ وقتی جذبہ ہے۔ جہاں عقل کے پاس ہیں اسے  
 یہ دو مقام ہے۔ پہلے جیسے جلدی ملتا ہے اس سے زبا  
 تیرا دستہ کی تہ بچھ بھی ہاں ہے۔ گھنڈا بھی ہوتا ہے۔  
 دوسرا آواز بپوری ہو جاتی ہے۔ تو پھر پھر بھی نہیں تپتا  
 ل میں — سے دو اس شرکوں ہی — سکتے — جاتے۔

پھر اس نے یہی تو سوچا۔ موت کی آنکھوں میں  
 آنکھیں آں کر دیکھنا۔ شمشیر ہوا کی تپت  
 تپتی بھی سکتی ہے۔ لیکن اس دن ملحق زندگی میں بار بار  
 نہیں آتا۔ نہ بے حد کرب جنگ جھڑپے۔ شادی بڑھائی  
 ہو جاتی اس وقت تک جو ان کا مقصد اس سے بہتر کیا  
 ہو گیا ہے کہ عالم و قوم کے دو تھکے اپنے چروں میں جبکہ  
 دنیا — کے تھکے دنیا میں کیا ہے — زندگی —

رہی محبت — اس کی حفاظت میرا دل کرتا رہے گا۔



احساس ہو گا؟ محمود کے ضمیر اور اس کی اپنی جلد بازی کا آخر کیا نتیجہ ہو سکتا ہے؟ رمنواز اب حقیقت کس کی ہو گی  
 ہے؟ اصولاً و شرعاً۔۔۔ اس کا فیصلہ۔۔۔ کون کرے۔  
 (شرگاہ حیدر آباد سے نشر ہوا)  
 جہاں بانو

## احترار

ان کی محفل میں نہ جاؤں گا نہ جاؤں گا کبھی  
 وہ مجھے بندھے ہے دام سمجھتے ہیں ہمنو ز  
 وہ مجھے نقش تہہ گام سمجھتے ہیں ہمنو ز  
 زر کے زہریلے سببولوں سے ڈراتے ہیں مجھے  
 اپنی محفل میں وہ نہیں ہنس کے رلاتے ہیں مجھے  
 حزن معصوم کی سوگند سترگر میں وہ  
 میری نظروں میں خدا ہو گئے بھی کافروں وہ  
 وہ مے دین کو سمجھتے ہیں جو اہر کا عوض  
 سنگرزے بھی ہو گئے نہیں شاعر کا عوض  
 وہ مجھے شاعر خود وار سمجھتے ہی نہیں  
 وہ تو تلوار کو تلوار سمجھتے ہی نہیں

میں اگر رہا ہوں تو محفل تہہ و بالا کروں  
 ساغر عیش بہر طاق الٹ کر رکھ دوں  
 نرم شادی کو غزا خانہ بنا کر رکھ دوں  
 بر خراغ شب عشرت کو بھگا کر رکھ دوں  
 نوح آدم ہوں فرشتوں کو بھی حلال کروں  
 شاہ خاں کے بھی دامن کو گریب ت کروں  
 میری تقدیر کی مشکل اگر آساں نہ ہوئی  
 قطرت حسن اگر پیر بھی پیشیاں نہ ہوئی  
 اور پھر بھی وہ اگر سر نہ کریاں نہ ہوئے  
 اپنے محبوبہ مشاغل سے گردنوں نہ ہوئے

مستقل طور پر ہے میرا ارادہ ساقی  
 ان کی محفل میں نہ جاؤں گا نہ جاؤں گا کبھی  
 ساقی صیقی

# فیشن

انسان خواہ وہ کتنا ہی اچھا کام کیوں نہ ہو سلسلہ کرتے تک جاتا ہے اور اس میں وہ بھی پیدا کرنے کے لئے تبدیلی ضروری ہوتی ہے اور اسی تبدیلی کا نام فیشن ہے جو زمانے کے ساتھ ساتھ بدلتا رہتا ہے۔

فیشن کا بدلتا ضروری ہے۔ جوں جوں زیادہ گزرتا جاتا ہے نئی نئی ایجادیں ہوتی ہیں اور ہوتی ہیں۔ ہمیں علم ہو رہا ہے کہ فلاں چیز ہمارے لئے مفید ہے اور فلاں مضر۔ بعض مروجہ فیشن میں دیکھیں پشیمانے لگی ہیں اس لئے اس کو ترک کر کے نیا فیشن اختیار کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں رواج کا جو زمانے کے ساتھ بدلتا رہتا ہے ضروری ہے۔ مثلاً پچیس برس سال قبل ہندوستان میں انگریزی کا رواج نہ تھا۔ مکان میں دیئے اور عیس جلائی جاتی تھیں لیکن وہ پہلی کی خصوصیات اور اس کے استعمال کی سہولتیں معلوم ہوئیں تو پچیس لاکھ کے معمولی معمولی گھروں میں بجلی کی روشنی آئی۔

ملک کی فضا اور موسم کا بھی فیشن پراثر پڑتا ہے۔ ہر ملک کے فیشن جدا ہوتے ہیں۔ ممکن ہے جو چیز ہندوستان یا کسی اور ملک میں خراب قرار دیں مثلاً مغربی ملک میں بال کاٹنا فیشن ہے۔ ہندوستان میں لانے بال رکھنا خوب صورت میں مثال ہے۔ مغربی ملک میں دن میں تین چار مرتبہ کپڑے بدلنا تہذیب ہے اور یہاں اس طرح کرنا وقت کی بربادی تصور کرتے ہیں۔ آج کل عموماً فیشن کے معنی صرف کپڑوں کی حد تک لیتے ہیں لیکن دراصل اس کا پتہ نشان کی زندگی کے ہر شعبے سے ملتا ہے۔ مثلاً بودا باش پہننے کا فیشن وغیرہ۔

ہماری معاشرت میں آج کل بناوٹ بہت زیادہ ہو چکی ہے اور ہماری طرز زندگی میں تحولات رونما نہیں بہت

داخل ہو گئے ہیں۔ تہذیب و تمدن اور فیشن کا مطلب غلط سمجھا گیا ہے اور بہت فرق پڑی گئی ہے کہ جب تک غلط فہمی تک ٹھیک سے سادگی اور بے کلفی کا نمونہ نہ بن جائے انسان تہذیب (یعنی تمدن) نہیں رہتا۔ اس طرح ہماری زندگی ایک کھاد بھر کر رہ گئی اور ہماری جسمانی کام میں بناوٹ اور نقص داخل ہو گیا۔ مثلاً ملنے جلنے میں کھانے پینے میں نقص زندگی کے ہر شعبے میں۔

وہی فیشن اچھا اور قابل تقلید ہے جس میں ہمیں آرام و چین نصیب ہو جس سے لوگوں کو انگشت نمائی کا موقع نہ ملے۔ آج کل جیروں عمدہ عمدہ رواج ہیں اور ان فیشنوں پر چھنے سے ہماری زندگی بہت اچھی ہو گئی ہے۔ مثلاً مکانات جو سو سال پہلے بنائے جاتے تھے عموماً بے قرینہ اور سخت لے لئے خوب ہوتے تھے لیکن آج کل کے خوبصورت مکان میں رہائش کے علاوہ حفظان صحت کا بھی بہت کچھ لحاظ رکھا جاتا ہے۔ ایسے مکانات بنانے کی تقلید ہندوستانیوں نے بھی کی اور وہ اس حد تک اچھی تھی کہ بین جرمن و ڈان کے مکان جن کا جدید آباد میں بہت رواج ہے میرے خیال میں ہندوستانیوں کے لئے موزوں نہیں۔ کیوں کہ دسے مکانوں کی قیمت بہت سستی ہوتی ہے جو مغربی ملک کے لئے کافی ہے۔ کیونکہ وہاں کا موسم گرمی بہت سرد رہتا ہے اور بہت مکان گرم ہوتے ہیں لیکن جدید آباد میں اسکی تقلید کرنا کہاں تک مناسب ہے؟

کسی دوسرے ملک کے فیشن کی اندھی تقلید کر کے عیش و تنہ سے پہلے بہتر ہے کہ ہم کو یہیں کان دلوں گے۔ اس قسم کا فیشن اختیار کرنا ہر ملک کے لئے اس کی تقلید میں کیا برائی اور کیا بھلائی ہے۔ اگر اس پر غور کر کے ہم کوئی چیز اختیار کریں گے تو جانے انجمن نہ مانی گئے کہ ہم قلی ہوں گے۔ ہم میں اچھا گزرتا ہوں میں بدی فرق ہے اور ہماری اچھی چیزیں چھین کر اپنے لئے ہیں اور ان کا استعمال سلیقہ سے کرتے ہیں۔ برغلاف اس کے ہم بدحوشی طرح بغیر سوچے سمجھے ان کی پیروی کرتے ہیں اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اوپر کے رہے نہ اوپر کے رہے۔

ہمارے دوسرے ہندوستانی بھائی ہم پرستے ہیں اور اگھیز بھی جو قوت سمجھتے ہیں۔ اس خونریزی تقید سے ہم اپنی انفرادیت کو دھو دیتے ہیں۔

ایک صاحب کیا خوب فرماتے ہیں کہ فیشن کا دورا نام "ایک نام میں سب شے" کا ہے نظائر تو کچھ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ فیشن کی اندھی تقلید کیے یا مصنوعی نقلی ہندوستان کی بربادی اور تباہی کا باعث ہے۔

دنیا کا ہر ملک دوسرے ملک کی اچھی چیز کی پیروی کرتا ہے۔ لیکن ہندوستان میں تقلید اس طرح پھیلی ہے کہ دنیا کے کسی ملک میں اس سے بہت کم متاثر ایسے نظر آتے ہیں گے واپسی خاص وضع پر قائم ہوں درنا عام طور پر غیر ملک کی تقلید اس حد تک کرتے ہیں کہ اچھائی اور برائی کا بھی امتیاز باقی نہ رکھا۔ یورپ سر ملک ہونے کی وجہ سے وہاں شراب کا استعمال کثرت سے ہوتا ہے۔ لیکن ہندوستان میں اس کی نقل شروع کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کڑے اور پھلے پر خراب ہو گئے۔ باوجود اس کے وہ خوش ہوتے ہیں تو ہم میں اور انگریزوں میں کوئی فرق نہیں بہتہ۔

یورپی دنیا میں فیشن کا مرکز کئی سال سے فرانس ہے۔ یہاں جو فیشن رواج پاتا ہے ساری دنیا میں اسی کی تقلید ہوتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آج کل حیدر آباد ہندوستان کا پیرس بنا ہوا ہے۔ یہاں کسی دعوت یا جلسہ میں جائیے قسم قسم کے لوگ نئے نئے روپ میں نظر آتے ہیں اور لطیف تو یہ کہ انھوں نے وہ لباس اچھا معلوم ہو یا برا۔ انگریزوں کا لباس عریاں نہیں تو نیم عریاں تو ہر دور ہے۔ ان کے محلے و دستیں جڑ رہے ہیں۔ ہر غیر عذر بیکے اس نمونے کے لباس پہنتے ہیں۔ اس بات کا خیال نہیں کرتے کہ ہم فیشن کی خاطر عریاں ہوسے ہیں اس لئے ہمیں چاہیے کہ کسی شے کو اختیار کرنے سے پہلے اختیار کریں آیا وہ اچھا ہے یا برا۔

جب کوئی بزرگ مرد ہستی یا کوئی شہزادہ کی کسی چیز کو اختیار کرتی ہے تو لوگ اس کی تقلید کرنے لگ جاتے۔ اس طرح نئے نئے فیشن وجود میں آتے ہیں۔ یہ طریقہ ہر زمانہ اور ہر قوم کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ جتنا چارٹیل نے اپنے ایک خط میں (حضرت صاحب) میں اس مسئلہ پر کافی بحث کی ہے مثلاً سکندر اعظم کی کروٹ ایک طرف ڈرامی جھکی ہوئی تھی لوگ اس کی تقلید کرنے لگے۔ فیشن کے واسطے یہ ضروری نہیں کہ وہ کوئی نئی طرز اختیار کریں۔ آج کل پرانے فیشن کی طرف بہت میلان پایا جاتا ہے۔ اگر ہندوستانی نقالوں کے سامنے چند ترین چیزیں فیشن بنا کر پیش کی جائیں تو وہ اس کو فوراً قبول کر لیں گے۔ ہم لوگوں پر تقلید اس قدر غالب آئی اور ہر چیز پر اس قدر بنا کر غالب ہے کہ ہر خود مصنوعی ہو گئے ہیں۔ ہم ہر چیز میں انگریزوں کی پیروی کرتے ہیں مثلاً ہندوستانی بھائی کے بچانے کا کلیٹ پسند کرتے ہیں۔ روٹی کھانے کو بریائی پر ترجیح دیتے ہیں۔ گودل تو جانتا ہے کہ بریائی پھیلے لیکن فیشن کے خیال سے روٹی مسکھ کھاتے ہیں۔ یہ ہے ہماری معاشرت کا رنگ۔

رہنے پہننے کے طریقوں میں بھی بہت نقل کرتے ہیں۔ مغربی ملک کے لوگ فرش پر نہیں بیٹھتے بلکہ صوفوں پر اپنی عمر گزارتے ہیں۔ لیکن اس کا سبب بھی ہے۔ وہاں فرش اس وجہ سے استعمال نہیں ہوتا کہ وہاں کا موسم بہت سرد ہوتا ہے اور پتھروں کی تقلید کے سے بیار پڑنے کا اندیشہ رہتا ہے۔ برطانات اس کے ہندوستان جیسے گرم ملک میں ہمیشہ صوفہ پر بیٹھنا بہت تکلیف دہ ہوتا ہے لیکن کیا کریں فیشن اہل کھلانے کی خاطر سب کچھ گوارا کر لیتے ہیں۔ موجودہ زمانے میں آدھ پچھ کو بیار بنانا شام ایک فیشن سمجھا جاتا ہے۔ کچھ زمانہ پہلے جس کسی کو دیکھو وہ درگودہ میں مبتلا ہے چاہے وہ اس کے پاؤں میں ہوتا ہو چاہے مرض میں لیکن ہمیشہ وہ خود کو اس مرض میں مبتلا کرتا ہے۔ اب تو

ہے۔ یکسانیت کی زندگی سے موت بہتر ترقی کے لئے تبدیلی ضروری ہے لیکن کس قسم کی تبدیلی — تبدیلی ہمارے موافق ہو اور اس سے ہمیں راحت و آرام ملے نہ دیر تقلید جو ممکن ہے ہمیں پیرس کے کی طرح انجمنیں بنانے کی اجازت دے اور ہماری حالت اس شعر کے مصداق ہو جائے۔  
ہوئے اس قدر ہند کہ نہ کچھ گھر کی صورت  
کئی عمر ہوٹلوں میں مرے ہسپتال جا کر

ہمارے اس کی شکایت عام ہو گئی ہے محسوس ہے آئندہ صحت مند لوگ ٹائیفاؤں میں مبتلا نظر آئیں!!!  
آج کل سینما گھروں کی زندگی کا ایک حصہ بن گئے ہیں سینما کا اثر فیشن پر بہت بڑا ہے۔ اپنے اخلاق والوں پر سینما کا اچھا اثر پڑتا ہے لیکن کمزور اطوار والے چال و چال بات چیت، الغرض ہر ایک چیز میں ایکڑوں کی تقلید کرتے ہیں۔  
باوجود ان تمام باتوں کے فیشن کا جو ضروری ہے۔ اگر ہم اس کو اچھی طرح عمل میں لائیں تو یہ ایک بہت اچھی چیز

فریدہ

## نئی زندگی کا معرکہ آلا راستہ لانا

جو صرف مسئلہ پاکستان پر مشتمل ہے۔

جنوری ۱۹۳۶ء میں شائع ہو چکا ہے۔  
۵۰ صفحات کا فیصلہ نشان سالانہ مطالعہ پاکستان سے متعلق ایک کتاب ہے جس میں شروع سے آخر تک اس مسئلے کی پوری تاریخ اور اس کے مختلف پہلوؤں پر بحث نشان کی ہوئی ہے۔ غارن جدید علم اور سیاسی رہنماؤں کے مضامین ہیں جو مسئلہ پاکستان کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہیں۔ علاوہ اس کے ادارے کی فہم کی ہوئی اس مسئلے سے متعلق ہر قسم کی مفید معلومات اعداد و شمار اور تصویروں کا ایک بیکل بہاؤ ہے جو اس نمبر میں اشاعت کیا گیا ہے۔

نہایت اعلیٰ دیکھ بھال سے ڈھکیا گیا جتنا ہے کہ نئی زندگی کا یہ پاکستان ہر اس مسئلے پر غور و فکر اور آخری فقرہ ہے جو اٹھانے والا ہو۔

بجاء طور پر کہیں نظر سے نہیں گزرا۔  
قیمت سالانہ حال ۱۹۳۶ء

جسم ۵۰ صفحات  
ناظر سے عرض ہے کہ کافذکی رائٹنگ کے زمانے میں ہم ایک سے زیادہ کتابیں شائع نہیں کر سکے۔ اسلئے جب تک آپ کو روپیہ دفتر میں بھیج کر لکھائی کا پی غور کرالیں اور ایک کی قیمت تعادلہ معلوم ہو جائے ہم زیادہ کتابیں دینے کا خواہش نہیں کر سکتے اور لکھائی کی ذمہ داری ہمیں ملے سکتے۔ یہاں ضروریہ کو یہ قیمت نذر کیا جائے گا۔ لہذا پانچ روپے سالانہ چندہ بھیج کر مستقل خریداری بنائیے۔

نیچر سالہ نئی زندگی - شروش چندر باسور وڈ - الہ آباد - یو۔ پی

## خوش آمدید

یہ کون جھجکتا آتا ہے ! کیوں آتے ہوئے شرماتا ہے  
انداز تو چلنے کے میں وہی ہر گام پہ ہے اک موسیقی  
ہے قد میں وہی ڈالی کی لچک سو آئی نظر بندوں کی چمک  
وہ ہاتھ ہے ساغر کھینکے نامید نے پھیڑے ساز نے  
خوشبو کی پٹیلیں آتی ہیں دامنِ فضا ہر کھاتی ہیں  
لو آہی گئے وہ آہی گئے اور دیدہ و ولی پرچہ ہی گئے  
اب جانے کہاں کھو جاؤں گا  
میں ان پرندہ ہو جاؤں گا

## دو قطعے

گر نہیں تیرے لئے لطف بہاراں نہ ہی  
عیش و عشرت نہ ہی بزمِ شبنم نہ ہی  
ہو مبارک یہ جو انروں کا جینا تجھ کو  
ہمتِ مود تو ہے ملکِ سلیمان نہ ہی

لطفِ سائل نہ ہی تلخیِ طوفان نہ ہی  
فوریایاں نہ ہی، ظلمتِ عصیاں نہ ہی  
ہٹے محرومیِ جاوید کہ یہ بھی تو نہیں  
زندگیِ خواب نہ ہی، خوابِ پریشاں نہ ہی

## محسوسات

مگھا ہوں میں بخار آتا ہوا محسوس ہوتا ہے  
تصور جام چمکاتا ہوا محسوس ہوتا ہے  
خرام ناز اور ان کا خرام ناز کیا کہنا !  
زمانہ ٹھوکریں کھاتا ہوا محسوس ہوتا ہے

تصور ایک ذہنی جستجو کا نام ہے شاید !  
دل ان کو ڈھونڈھ کر لاتا ہوا محسوس ہوتا ہے  
کسی کی نقری پازیب کی جھنکار کے صدقے  
مجھے سارا جہاں گاتا ہوا محسوس ہوتا ہے  
تھرکتا ہے گھٹا کا عکس موجوں کی روانی پر  
کوئی آنچل سا لہراتا ہوا محسوس ہوتا ہے

لچکتا جسم رقص بینودی میں دیکھنے والو  
سنہرا سانپ بل کھاتا ہوا محسوس ہوتا ہے  
قتیل ابل کی دھڑکن بن گئی ہے چاپ قدموں کی  
کوئی میری طرٹاتا ہوا محسوس ہوتا ہے  
قتیل شہنائی





گھمڑوں کے سفید کپڑے۔ انسانوں کو یہ کہہ دینے ہوئے  
تحلیف وہ کر سکیں پر بات چیت کرتے ہوئے سڑکوں کے  
کنارے چاہوں گے میں کسی بھی نہیں دیکھنا چاہتا میں اپنے  
حسن و دوکھل مکان میں اطمینان سے زندگی بسر کروں گا۔  
تمام دنیا ہی ہنگاموں سے — اور بہت دور۔ میری  
چار پانچ بیویاں ہوں گی جو قیمتی قیمتی لباسوں میں ملبوس  
رہیں گی۔ یہ دنیا کے مختلف گوشوں سے آئیں گی اصرار مجھے دنیا  
کی ہر نسل کی انسانی خوبصورتی اور لذت کا مزہ چکھائیں گی۔  
ایک دم وہ خاموش ہو گیا اور کہنے لگا۔ تجھے بھڑو دو۔  
تجھے اپنے حال پر بھڑو دو۔ میں وہاں سے اٹھ کر چلا آیا  
اس کے بعد ہم اس سے ملاقات نہ ہو سکی۔ تب تک ہمیں کہ  
بعد اس نے ایک خط لکھا جس میں فقط یہی جج تھا میں خوش  
ہوں۔  
اس کا خط روح پرورد خوشیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔

محمود قادی

میں ایک موز میں گرتے ہیں جس کی تہہ سولے کی بنی ہوئی ہو  
وہاں میں ہر وقت نہاؤں گا۔ میں کوئی ڈگر نہیں دیکھتا  
گا اس لئے کہ وہ اپنے میلے پیروں کی ٹوکروں سے فرش  
کو خراب کرتے ہیں۔ میں اب فرش پر بھی کسی جوتوں کی  
آواز نہیں سن سکتا، میں خوبصورت کالی عورتوں کو ڈگر  
رکھوں گا جو سفید برقعوں میں ننگے پیرقا لین پر مقرر  
رہیں گی۔ میرے مکان کی دیواریں ایسی صاف اور  
چمکیلی ہوں گی جیسے ایک عین عورت کا شفاقت سینہ۔  
جب میں ان تمام عین اور دیکھ سرتوں سے  
تھک جاؤں گا، جب میری خوشی میں تھوڑی سی کمی ہوگی  
کسی سفید یا سیاہ ٹھوسے پر سواری کروں گا۔ میں شام  
کی خاموش فضا میں ٹھوسے پر سوار دیوانہ وار دوڑنے  
سوچ کی طرف دوڑ دلاؤں گا۔ ہر چیز گلابی ہوگی —  
پہلا — ریت — عربوں کے کپڑے — اور

دہوکے

میں جانتا ہوں تخیل میں کیا نہیں ہوتا  
دو فور صبح گل افشان نشاطِ شام بخوم  
ہر ایک چیز نہاں زیرِ دامن امکاں  
وہ چند لمحے تصور کی وسعتوں سے لطیف  
نیم کاش یہ لمحے ہی زندگی ہوتے!

میں اس زمین سے کچھ دور ہو گیا ہوتا  
اُسی جہانِ تخیل میں کھو گیا ہوتا

اقبال متین

# محمد قلی قطب شاہ اور رومانیت

میں پایا جاتا ہے۔ لیکن نظم کا حصہ خاص طور پر محمد قلی کے دیار سے وابستہ ہے جس کے حسن و عشق کی ایک عجیب و غریب تصویر (Eccentric) ہو رہا ہے۔ اس دنیا میں محمد قلی کو ہرگز ساری کائنات سے بڑے عملی جاناؤ۔ فلسفہ اور حکمت اہل کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ ہاں اگر اہمیت ہے تو زانی کیس (Eccentric) کے قول کے مطابق: کھاؤ پیو اور عیش کرو۔ کی جھلک چنانچہ علم کی اربانی کا ٹکڑہ کرتے ہوئے عیش کا تہانہ وہ یوں کاٹا ہوا دنیا کا حکمت والوں جیسے ہرگز عیش کا علم نہیں کھاؤ تہانہ عیش کا ہر دم پیاسے کا نام ہے۔ اس تہانہ عیش کے لئے وہ اپنی مہارایوں کی غفلت جاتا ہے۔ اور ان کے لئے عملی تعبیر کر دیتا ہے۔ ان غفلتوں میں ہر وقت کی نازنیاں بے تکلفی کے ساتھ اپنے حسن و جمال اور آرایش دنیا میں میں مصروف و شگاف اور عشق و مستی کی عجیب و غریب کیفیتوں اور جوانی و دو عنائی کے لئے بے پناہ جذبات کے مظاہرے کرتی رہتی ہیں۔ محمد قلی کی پیاریوں میں فحشی، ساڈھنی، پیاری، گندی، جھیل، لالا، بھلیں زمانہ، ہندی بھوری، پڑوسی، ہندی، مشہوری اور جھاگ مٹی وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں کیونکہ ان پر محمد قلی نے مستقل نظریں بھی ہیں۔ ان کے حسن و جمال کی داد دی ہے اور ان کے ساتھ اپنے عاشقانہ تعلقات کا اظہار کیا ہے۔ محمد قلی کو ان پیاریوں سے جو لگاؤ تھا اس کا اظہار ایک واقعہ سے ہوتا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جھاگ مٹی کی خاطر محمد قلی نے مولیٰ زوی کی تیز دماغی فطانت میں اپنا گھوڑا ڈال دیا اور اپنی پیاری جھاگ مٹی کی جان بچائی۔ اس جرم کی پاداش میں اس کو محض میں چندہ خلیق بھی رہنا پڑا۔ اپنی پیاریوں کے حسن و جمال اور غمزہ و عشق کی تصویر پر محمد قلی نے اپنی نظریں میں لپیٹی ہے اس کے چند اشعار ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

محمد قلی قطب شاہ کا عہد تاج کو گنہگار کا وہ دور ہے جبکہ دکن ہندوستانی ثقافت و تمدن کا سنگ بنا اور ہندو مسلم آرٹ کا ایک حسین امتزاج پیدا ہوا۔ چنانچہ محمد قلی قطب شاہ پہلا کوئی مسلمان بادشاہ ہے جس نے ہندوؤں کے لباس اور طرز نامزد و لوگوں کو اختیار کیا۔ اسی کجاکت اور میل ملاپ کا نتیجہ یہ ہوا کہ محمد قلی کے دربار اور محلات شاہی میں ہندوؤں نے باریاں شروع کیا اور قلی کی حسن پرست طبیعت نے ایک عجیب و غریب رومانی فضا پیدا کر دی۔ کلمات محمد قلی قطب شاہ اٹھا کر دیکھتے تو اکثر وہ چیزیں نقلیں ایسی ہیں جن کی بنیاد یہ ہے کہ محمد قلی کے دربار میں حسن و عشق کے طوائف کھیلے جاتے نظر میں آتے۔ یہ دیار کیا تھا گویا جرم از قی اور یہ نظریں کیا ہیں گویا اس جرم کی زندہ اور جلتی پھرتی تصویر ہیں۔ ان رومان آئینوں فضاؤں میں محمد قلی کا دل بوزندگی اور کائنات میں سوا حسن و عشق کے کسی اور حقیقت کو کارفرما نہیں دیکھتا جو نہیں لکھنے پیرتا نظر آتا ہے۔ محمد قلی میں حسن و عشق کا احساس بچپن ہی سے قدرت نے ودیعت کیا تھا اور رومانیت ایک سست و جمی کیفیت (Semi-sentimental) اس کی ساری زندگی میں رواں دواں نظر آتا ہے۔ محمد قلی قطب شاہ کا کلمات و محمولوں پر مشتمل ہے۔ ایک میں نظمیں کا طویل مجموعہ ہے اور دوسرے میں غزلیات ہیں۔ غزل اور غزل پرچہ ہند کے اعتبار سے دو علیحدہ چیزیں ہیں۔ نظمیں یہ وہ نثریں راز و نیازت محمد قلی قطب شاہ میں ایک ہوا اسپرٹا سے لگنے ہیں اور وہ اسپرٹ رومانیت (Semi-sentimental) ہے۔ غزلوں میں یہ اسپرٹ رومانیت کے پردہ میں جھلکتی ہے اور محمد قلی قطب شاہ کی زندگی کے عام پہلو اس میں دکھائی دیتے ہیں۔ شاہ کے جذبہ و خیال کا ایک دھندلا سا ماحول ان غزلوں

کچھ بھی سمائی نہیں دیتا۔ تیری یاد کچھ اس طرح لگی ہوئی ہے کہ  
پھر کچھ بھی یاد نہیں آتا، محبوب کی یاد اور اس کی مرکزیت  
کی مثال ہمیں موتن میں ملتی ہے۔  
تم مرے پاس ہو تے ہو گویا  
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

مشتی کے متعلق لکھتا ہے :-  
تو رہتی اسی کا، انوفہ تن میں میا ہو  
تو جھمتی تھے تا ابد تک اصف ہو

ای مٹی کے تیلیں توں جب ہیا ہو دیں لہا  
ہزاراں شکر و سجدے کر کہ جھکے سو مر جیہا

ہمن دل کے گوارے میں ہمن کا نور دستیا  
سورج کرناں کی دوریاں سوں جھلکتا تو جی  
(شرح :- زندگی اسی کا ہم نے کہ جسم میں دل ہو اور ہمارا دل  
ہمارا معشوق ہے جس میں عشق کی ادبی مٹی ہے جس کی  
وجہ سے وہ ہمارے دل میں عرصہ سے جگہ پائے ہوئے ہے۔  
جہاں اس کا نور سورج کی شعاعوں سے زیادہ خوشنما اور  
دوست ہے)

ان گفتا سات کے علاوہ ہمیں کلیات محمد قلی قطب شاہ  
میں بیسیوں نظموں ایسی ملیں گی جو محمد قلی کی حسن افزہ اور  
عشق پر زندگی کی آئینہ دار ہیں۔ اپنی پیاریوں کی محبت  
میں محمد قلی نے عذبات و احسانات کا انہما جس صفا کا راند  
اندا میں کیا ہے وہ محض غزل کا بازار نہیں ہیں بلکہ سچی  
نصویریں ہیں۔ ڈاکٹر زور صاحب نے کلیات کے مقدمہ  
میں بڑی درست اور عمیق بات لکھی ہے کہ

دینا کا کوئی شاعر اپنے کلام میں اپنی زندگی  
کو اتنا عراں نہیں پیش کر سکتا جتنا کہ  
محمد قلی نے کیا۔ اس کا کلام قلب کی گہرائیوں

نظمی اور  
دور کلاچ سوں اہل وطنی نکل چمن  
اس نظم ڈال اوپر کیوں لگیں جو سیریں

سوکا سوں کریں جو عرصہ دلاڑی با ستی  
جب ہونٹیاں تھے جھڑپے پھی پھی پھی  
(شرح :- جس جگہ میں نظم محض غلام ہوئی ہے تو خرم کے رہے  
آہل ڈال لکھی ہے بطور جہن کہ اس نظم ڈالی پر ابھی سے  
شباب کے پہل کیوں لگا گئے۔ جب وہ عرصہ یاد سے خط  
سرنے کے اشارہ سے بات کرتی ہے اور اس کے ٹوٹ عرق آؤ  
ہو جاتے ہیں تو دل چاہتا ہے کہ اس کو کمن و کھیل  
کنولی :-

تاڑی تے تازہ چنل آئی میرے برسنے  
بیل کوں سے سبز آہل پھول جیہہ پرسنے

کنولی یاد یاد پہلی باری ڈا و ساری دا و سوں  
نین ناری رنگ و صہاری دا تھاری سرسنے

نیمہ و من کا از من کا پاؤں جھنکا دیں سکھو  
آس من کا پیش تن کا ذوق کمن کا میرنہ

(شرح :- یہ شگفتہ چنل پھر میرے یہاں سبز آہل اور میرے اور  
پھول کی گھنی گھائی ہوئی آئی۔ اس کی نظر چال سے  
شراب کا خمرا اور آنکھوں میں رنگ کے ڈورے نظر آ رہے  
ہیں۔ اس حسین کی محبت اور اس کے پاؤں کی جھنکا دیں  
کے لئے امید و دن کے لئے ہمیش اور کان کے لئے ذوق

کا باعث ہے)

پیادہ کی کے متعلق لکھتا ہے :-  
برن دن کو جہانے تا جو کوئی جواشن تہا  
گلیا ہرادیوں تیر کہ بھیجے یاد آئے گی  
(شرح :- جو دل سے میرا عاشق ہے اس کو رات اور دن

دواں ہے۔ "ماذمیں" امر ایش شباب! اندا شباب! پتچل نمین! ماہ ابرو! کعبیر! سر خوش قد! چاندنی اور بجن۔

چاندنی اور سیاہ۔ ان تمام نظموں میں شباب کی لذتیں اور عشق کی دولت گہرے خیالی اپنے انتہائی نقطہ پر نظر آتی ہیں۔ لیکن اس کا یہ دھابیں کہ محفل کی عشق و عاشقی اس کے دی ہل (یعنی اپنی پیاریوں کی زلموں میں) الجھ کر رہ گئی۔ بلکہ محفل کی اس سے سچی آگے بڑھتا ہے اس کی محبت کی ابتدا محورت سے ہوتی ہے لیکن انتہا اس (Great She) پر بس کو خدا لیتے ہیں۔

When a man loves a woman,  
For he knows God's secret and  
secret of the world. (Oskar Wilde)

اگرچہ اسکو انڈی کی طرح میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ محفل کی اس عشق و عاشقی نے اس پر کائنات کے سارے راز افش کر دیے تھے۔ اور نہ میں اس کا قائل ہوں کہ ایک رومانی شاعر کہاں تک فلسفہ طرازی کر سکتا ہے۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ جس مادی ماحول کی محفل نے اپنے کلام میں عکاسی کی ہے وہ اپنی پوری گہرائیوں کے ساتھ اس میں موجود ہے اور ہر لحاظ کے مطالعہ نے محفل کی طبیعت پر تصوف و عرفان کا کچھ دیا۔ رنگ و بو تھا کہ نض لطیف حافظ کی غزلیات کا بالکل ترجمہ معلوم ہوتی ہیں۔

محفل نے یہ معلوم اپنی پیاریوں کے عشق سے یا کسی اور سیاسی وجہ کی بنا پر یا شہنشاہان دکن سے کچھ ایسے قریبی اور گہرے روابط پیدا کر لئے تھے کہ "رج العجبین" کے بعد ذاتی اسلامی اور ہندو کلچر کے دو دور کے گوگندہ کی نثر میں جن بیٹے لکھے چنا چنا اس نے بعض ایسی حدیں اور بہار راج کیے جو حضرت اس کی روانہ پسند طبیعت میں ترجمیں پیدا کرتی یا بلکہ اس کی رد اداری اور

ٹھٹھا تھا۔ اس کو باغۂ تصنع یا آرد کی ضرورت ہی نہ تھی۔

ایک اور مقام پر تو مصائب یوں رقمطراز ہیں:-

"شباب کی پریشانی رنگوں اور جذبات کی جولانیوں کے انداز میں اس کا قلم غیر معمولی قدرت رکھتا تھا اور یہ قدرت تخلیقی یا فرضی محفل و عاشقی سے نہیں پیدا ہو سکتی محفل صحیح معنوں میں اس میدان کا مہر تھا۔ اس کے رفیع الشان محفل تھے بلکہ اصل میں بین قوی حسن و لغو کی وسیع اور آراستہ ویراستہ نمایاں گاہیں تھیں۔"

محفل کی ان نظموں کا مقابلہ ہمارے دو ادب کے شبابی پیغمبر جوش لیج آبادی کی نظموں سے کئے گئے ہیں۔ دونوں میں ہمیں وہی رومانیت کا شدید ترین احساس مشترک طور پر ملتا ہے۔ لیکن فرق یہ ہے کہ محفل کی عریاں واقفیت ہے اور جوش میں جس کو غالباً محفل کی عریاں عریاں ہوں نصیب نہیں تھیں اور واقفیت کا امتزاج ہے محفل نے بیاریوں کے ذکر میں بعض راز و نیاز کے معاملات بھی اس انداز سے پیش کئے ہیں کہ موجودہ ترقی پسند ادب کے بعض عریاں افسانوں اور نظموں کو بھی شرم آنے لگے۔ لیکن یہ محفل پر کوئی الزام نہیں کیوں کہ عیساکہ ہم نے کیا کیلئے محفل کی اپنی زندگی کے ہر پہلو کو عریاں سے عریاں انداز میں اور پوری پوری واقفیت کے ساتھ پیش کرتا ہے وہ شعر و سخن کا شوق ادبیات میں کوئی خاص مقام حاصل کرنے کے لئے نہیں بلکہ اپنے بڑے عشق کی تسکین کے لئے کرتا ہے اور یہ مقصد بے مقصود یا کائنات کے نصف خلد میں

موجودہ مصائب و مصائب کے ساتھ ساتھ

اس کو محبت معنوں میں ایک بڑا حسن کا رونا دینا ہے۔ خواہ

اس کا پیرائہ انداز عریاں ہی کیوں نہ ہو چلے چنا چہ

"نقشہ وصال" "عیش وصال" اور "بعد وصال"

وغیرہ اس کی عریاں نگاری کی مثالیں ہیں اپنی پیاریوں

کے ناز و انداز پر بھی اس کا قلم جذب و کیفیت کے ساتھ رواں

کی تئیں ایسی نظر آتی ہیں جیسے پہاڑوں پر کالے کالے  
بادل چڑھائی کرتے آئے ہیں۔

بست پر ایک قصیدے کے چند اشعار ہیں:-  
پلا ساقی سرا سرے کو تاہونے کشف ہمناکون  
کہ اس سے تھے دیسے رنج کوں سدا ب راہنہانی  
عہد موعود و مشک وز عفران کا روت آیا  
اسی تھے باس انوکا جگ میں کرنا ہے گلستانی  
بست پہل کا حامل پہن کر آئی انجمن میں وطن  
سرو پہلی سنگار کے نقش ان سے حیران ہے مانی

شرح :- اسے ساقی! شراب پلاتا جاتا کہ مجھ کو کشف ہونے لگے  
کیونکہ شراب کی وجہ سے مجھ پر پوشیدہ راز بھی نظر آنے لگتے  
ہیں۔ عہد موعود، مشک، زعفران کی رت آئی ہے۔ اس وجہ  
سے ان سب کی خوشبو دینا کو کھٹا بنا دیتی ہے۔ بست  
کے گھوڑوں کی مالا پہن کر وہ تئیں جہن میں نکل آتی ہے۔  
جس کے پھولوں کے نقش و نگار کو دیکھ کر مانی بھی حیران ہے

اسی طرح عید میلاد نبی، شبِ حراج، شبِ رات، عیدِ عزا  
عیدِ ذریعہ وغیرہ پر محمد علی کی بلند پایہ نظمیں ملتی ہیں۔ ان نظموں  
کی ایک خاص خصوصیت اس کی منظر نگاری اور محاکاتی پہلو ہے۔  
بعض بعض مقامات پر موسیقی کی کیفیتوں کو اس انداز سے پیش  
کرنا ہے کہ کہیں دردِ موسیقہ کا دھوکا ہونے لگتا ہے۔ اور اپنی  
پیاریوں کی وہ تصویریں (صور) جو  
عیش و طرب کی حالت میں اس کے پیش نظر ہوتیں اس انداز  
سے انجی حاکم کرنا ہے کہ اس کی مثال مشکل سے ہمارے  
ادب میں ملتی ہے۔

حسن کا یہ پرستار محمد علی جو اپنی اپنی شاعری میں کرنا  
ہے وہ رتبہ و کن کی معاشرت اور تمدن کی تعمیر کاری میں بھی  
اسے شامل ہے۔ اپنے عہدِ حکومت میں اس نے بعض ایسے

سیاسی قابلیت کا بھی پتہ دیا تھا۔ "نوروز" "بست"  
شبِ رات، بقرعید اور دوسری عیدوں پر محمد علی نے  
جو نظمیں لکھی ہیں ان میں ان دو نوں پہلوؤں کا اظہار ہوتا  
ہے۔ خاص کر "نوروز" اور "بست" میں محمد علی کی  
سے حسد لیتا اور عیش و طرب کی داؤد مینا تھا۔ ان موضوعات  
پر محمد علی کی نظمیں وہ کے نہایت بلند پایہ قصیدے اور نظمیں  
ملتی ہیں جو اس کی انتہائی مسرت کی ترجمانی کرتی ہیں۔  
"بست" کی عید میں محمد علی کی ہندوستانی پرستی جھلکتی  
ہے اور یوں بھی عیش و طرب کے لئے (جو فطرتاً محمد علی ہیں  
مزید موجود تھا) "بست" سے بڑھ کر ان ساموسم ہو سکتا  
ہے۔ ان نظموں میں اس نے جس بے ساختگی اور رنگینی  
کے ساتھ اظہارِ خیال کیا ہے وہ اپنی آپ نظر ہے۔

شبِ رات پر ایک نظم میں لکھتا ہے :-  
ہر ٹیک دھن ہر ٹیک گردن پہلِ فرقہ کے ابراہن  
پی دمن جھلکا بدن شہ یک جہن کوں آئے ہیں سوں  
کھ شتاب کے رنگ آب کوں آفتاب جوں تار  
دکھائے کر و تار کوں آئے تاب کر جھلائے ہیں  
سو دھن ٹیک کے جب جھلکا دو نوں الیک کے سو دھن  
جھکایا ملک پر تھے ملک بے سد ہو ملک لک آئے ہیں

چھاتی ابرجھاتی سندر لٹ سیادھر کے جس بستر  
جانے کر کالے ابر دو گر پڑا نے آئے ہیں

(شرح :- ہر طرف سے ہر ایک ناگزین نورتن کو لکھ لکھ کر  
آئی ہے تاملہ، آدشتہ کے ساتھ جہن میں نکلے شتاب جہن  
پہننے سے ان کے جسم جھلکنے لگے ہیں۔ اور اپنے نور جان  
چروں کے تاب و رنگ اور آفتاب جیسی جھلک سے متاب  
کو اپنے تاب بنا کر بھجوا رہی ہے۔ ناز میں اس انداز سے محمد  
خرام ہے کہ اس کی زلفوں کے لہانے کی وجہ سے خوشبو  
آسمانی لکھ پڑی ہے اور سیاہ آنکھیں ملک کیست۔ ایکس  
سے جھانک کر پستانِ زریہ و خلیجِ رت میں جن پر سیاہ بادلو

رسم و رواج کی بنیاد رکھی جو اس کے مرنے کے بعد بھی عرصہ  
 درالو تک دکن میں قائم رہیں۔ چنانچہ اب بھی شادی بیلہ  
 کی رسومات میں صلہ اور اجنبی و غمخواری کی ہی روایت برودہ  
 ہیں۔ ان رسومات پر بھی غمخواری کا تلخ حسن افسانہ لکھا جاتا  
 ہے۔ غمخواری کے اسٹائل اور خیال میں وہ ساوگی اور  
 رنگینی پائی جاتی ہے جس کا تقابل ہم یا تو خوش کی شاعری  
 اور نیاز کے رومانی افسانوں سے کر سکتے ہیں یا چراغِ سحر

دائلم، بالوکھ اور والڑ پٹھان وغیرہ کے نشانہ کار مدلی سے۔  
 انماز بیان میں فطری بہاؤ سے دور نہیں بھی نہیں  
 دھوکا نہیں۔ ہونا کہ شاعر نے خواہ مخواہ خیالی آرائی  
 کی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ غمخواری کی شاعری اصل کی  
 بلکہ پروازوں سے خالی ہے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اس  
 غمخواری کے پاؤں اس کے جہانِ خیالی میں غور و خرام ہیں تو  
 اس کے پر شاعری اور خیال کی بلند فضاؤں میں پرواز کرتے  
 ہیں۔

محمد معین الدین

## غزل

فریبِ بہیم سہی یہ جینا، مگر کہاں تک نے یہ کیا نہیں  
 یہی جو ہے زندگی کا حاصل، تو کیوں نہ جینے سے لڑا نہیں  
 جنوں کو کچھ اور آرزائیں، حضورِ جی بھر کے مسکرائیں  
 مرے نشیمن کے تنکے تنکے پہ شوق سے بجلیاں گرائیں  
 غم گزشتہ کا تذکرہ کیوں، کشمکشِ بیم و آرزو کیا  
 وہ لکھو اٹھی ہیں پھر گھٹائیں اٹھاؤ سانسِ بچھڑائی  
 مجھے غم عشق دینے والے فسانہ غم پہ ہنس رہے ہیں  
 الہی! ایسا بھی وقت آئے، مرافانہ مجھے سنائیں  
 مری طرف آپ دیکھیے تو جھکی جھکی سی ہیں کیوں گئیں  
 اگر جفاؤں پہ منفعل ہیں، مری وفاؤں کو بھول گئیں  
 مرے جنوں سے نہ مٹ سکے جو نہیں مانہ مٹا گا کیا  
 مری وفاؤں کے نقش ہیں یہ مٹائیں آپ تو مٹائیں  
 کبھی جو تیں زندگی کا حاصل ظفر وہ اجاب ہوئی ہیں  
 وہ روج پرور سہلانی راتیں، وہ بیگی بیگی ہوئی فضا ہیں  
 مظفر الدین ظفر

(محبت بھرے دل کے ساتھ — اپنی تسنیم بھتیجی کے نام —)

# فریبلس

دو دنوں بچوں پر آنکھ نہ آنے دیتی تھی۔ پسائی میں کمر چڑھ کاٹ کر۔ سلائی سی کر اس نے اپنے بچے کو پڑھایا۔  
تنبیہ کا تو اس نے غریب گدا نے میں نکاح کر دیا۔  
گو یا فرض سے سبکدوشی حاصل کی۔ اور بچے کی فکر میں لگ گئی اب اس کی یہ کوشش تھی کہ میرا بچہ کہیں نہ کر جو جائے۔ انٹرنس تک ہی شکل سے کر دیا تھا آگے کو تو بھلا محنت ہی کیا ہوتی۔۔۔۔۔ دو تین سال اور اسی کش مکش میں گزر گئے۔ خیر خدا خدا کر کے اقبال اس قابل ہوا کہ وہ نکھو کی دکان پر ملازم ہو گیا۔ یہ خوش خبری ناقابل بیان تھی۔ رات شدہ مسکراتی تھی۔ خدا کا شکر ادا کرتی تھی۔ زندگی تو چار روپیوں میں گزار دی تھی اب اکٹھے بچہ روپے ہزار ملا کر لے گئے؟ یہ خیال ہی بس دلفن تھا۔ پہلا تنخواہ اقبال نے ماں کو بھیجی۔ دوسرا امینہ پورا بھی نہ چوٹے پایا کہ اس ختم۔۔۔۔۔ دو روز بخار آیا تیسرے دن کھڑے سے جو غش آیا تو تڑاخ سے گر گئی۔ گرتے ہی دل فیل ہو گیا۔ اس کے دل ناواں میں رکھا ہی کیا تھا؟ سترہ اٹھارہ سال فوری سسرال کے چرکے کھاتے کھاتے محض پتلا سا رہ گئی تھی۔ خون کا چہرے پر نام تک نہ تھا۔ عرف تفتہ سے پتہ اتنا بلیاتھا کہ یہ مسکراتا ہوا چہرہ کبھی حسین ضرور ہو گا۔ پندرہ سال کی عمر میں تمام مدارج طے ہو گئے۔ شادی۔ جوانی۔ سہاگ۔ بچے۔ پرورش۔ شادی۔ تعلیم۔ آرزو۔ ملازمت۔ حرمت بھری موت۔ بس وقت ماں کے مرنے کا تار اتناں کو ملا تو وہ اپنی ماں کی صورت کا عاشق چھلی کی طرح تڑپ کر آیا لیکن وہ غریب تو لاکھوں من مٹی کے پیچھے دب چکی تھی۔ گھر خالی پڑا رہ گیا تھا۔ مختصر مابعد پڑا۔۔۔۔۔ دالان منہ سے

جھل میں جب کوئی بڑا سا جانور مر جاتا ہے تو چاروں طرف سے گدہ ٹوٹ پڑتے ہیں۔۔۔۔۔ کوئی شہد کی مکھی مر جاتی ہے تو اسے میسوں چیونٹیاں گھیسٹ لے جاتی ہیں سمندر میں بڑی پھلی ہزاروں مٹی مٹی پھیل دیں کو ہضم کر جاتی ہے۔  
سو دکھانے والے ہمارے خود چلے جاتے ہیں اور جن سے وصول کرتے ہیں وہ جلدی جلدی سوکھ کر قبر کے کنارے جا پہنچتے ہیں۔  
ہمارے جنت نفاں ہندوستان میں جہاں کوئی مرا مثلاً بھائی۔۔۔۔۔ بھتیجا۔۔۔۔۔ بچا یا اور کوئی رشتہ دار۔ اور یہ فکر لائق ہوئی کہ حق دادوں کو خانہ بدوش بنا کر خود مال غنیمت پر قبضہ کر لیں۔  
بقول شاعر ع  
کسی نے کس کو اسے پیدا کر ادا تو کیا مارا  
راختہ کا سہاگ لٹا تو جیٹھ صاحب کو فوری فکر جو پڑی وہ مکان کی تھی۔۔۔۔۔ صحن میں دو گنی زمین اپنی طرف کر کے دیوار کھینچ دی۔ اس فکر کی داد تھی نہ فریاد؟ پچی دو سال کی تھی اور بچہ دو چھپے کا۔ جس نے باپ کی شکل تک بھی نہ دیکھی تھی۔ باپ کے مرنے کے دوسرے چھپنے دنیا میں قدم رکھا تھا۔ تیرہ سال کی رات شدہ بیامی گئی تھی اور پانچ سال بادشاہت کی۔ سترہ اٹھارہ سال کی کسن لڑکی منہ سے بھول بھرتے تھے۔ دنیا کے کروہ فریب سے نا آشنا۔۔۔۔۔ کچھ خدا کا خوف کر کے کچھ دنیا کی شرم کر کے چار روپے گزارہ کے پانچ دے۔ جیسے بہت بڑا احسان فرمایا ہو۔  
رات شدہ خدا معلوم کس بے زبان ماں کی بچی تھی جس نے یہ تمام مصیبتیں جیکے چیکے سہریں۔ پندرہ سال تک متواتر۔۔۔۔۔ فاقہ پہ فاقہ کرتی تھی اور اپنے





ابھی اہل دل بھی باقی ہیں؟  
 قسمت دھکے دیتی ہے تو دے چلی جاتی ہے۔ یکساں  
 قسم کی ٹھوکریں دھکے بے بسی، محتاجی اور  
 جب پٹنی ہے۔ تاش کے پتوں کی طرح۔ اٹلی چل  
 — تو ہر بانی کا پالنے سیدھا چھینکتی ہے۔ اقبال  
 کے دن جب پھرے تو ایک دنیا اسے اپنا اپنا رشتہ دار  
 بتانے لگی۔ رستہ چلتے خود بخود ”آپ تو میرے  
 چچا زاد بھائی ہیں“  
 ”اے آپ تو ہمارے بہت قریب کے رشتہ دار  
 ہوتے ہیں۔“  
 ”آپ کے والد سے تو میری بہت دوستی تھی“  
 ”آپ کے مدحجت والے ہیں۔ ہم تو آپ کی  
 دادی کی بہن کے پوتے ہیں اتنا قریبی رشتہ ہے۔“  
 یہ آواز ہیں۔ یہ دعوے پرانے زخم ہرے کر ڈالتے  
 ایسا لگتا جیسے کوئی حرا دروں پتھر کھینچ کھینچ کر مار رہا ہو۔  
 جنگ ششما کے بہت ہی بھاگوں چلی۔  
 بہنوں کو تو بے گھر، بے درہنیم بیوہ بنا گئی لیکن  
 بے سہاروں کو زندگی کا عملی سبق بھی دے گئی۔  
 اقبال نے جس وقت نام لکھوایا تو یہ سمجھ کر  
 کہ میرا کوئی رونے والا تو ہے نہیں۔ بیوی بچی  
 سہی۔ اگرچہ وہ خیالات ہیں بے مد آزاد تھا  
 اور غلامی کو موت سے بدتر سوچا کرتا تھا لیکن نہ جانے  
 کیوں فوج میں چلا گیا۔ جوں توں کر کے دو سال وہ  
 مختلف جگہوں پر رہتا رہا۔ پھر مصر، عدن وغیرہ  
 گھوم کر وطن لوٹا۔ اس بد نظریہ وطن کی طرف  
 جہاں وہ سگے ٹائے کے ہاتھوں خانہ بدوش ہوا تھا۔  
 جہاں اسے ٹھوکریں نصیب ہوئی تھیں جہاں سترہ  
 اٹھارہ سال اس کے ساتھ وہ فاقہ کشی کر چکا تھا۔  
 ہاں اس وطن میں اس نے اس انداز میں خدمت رکھا کہ  
 چکتے ہوئے مٹن اس کی رودی میں تھے۔ لڑی میں

ستارہ چمک رہا تھا۔ بازو پر اتبازی نشانات  
 تھے۔ سینے پر تمخ لٹک رہا تھا۔ پاؤں میں  
 بھاری بھاری جوتے۔ لفٹ رائٹ کے انداز سے  
 قدم اٹھتے ہوئے۔ جیسے یہ ساری دنیا کو سرنگوں  
 کرنے کا اعلان فرما رہے ہوں۔  
 اب وہ خاصا خوب صورت جوان نکلا تھا۔ البتہ  
 ماتھے پر چند ٹھنکیں پڑ چکی تھیں جو ثبوت دیتی تھیں  
 کہ دل نے جو تلخیاں سہی ہیں ان کا گہرا اثر چہرہ پر نمایا  
 ہو گیا۔

جو اپنے پرانے پرچہ میں سے صحت کی طرح خوف  
 کھائے تھے اب قریب رہنے کے لئے مختلف پنجاب کے  
 آگے بڑھے۔ کوئی ہمدردی کی باتیں لے کر  
 — کوئی رشتہ داری کے بہانے سے۔ کوئی مبارک باگ  
 کے سہارے انعاموں کے ساتھ۔ کوئی دعوت کا  
 کردہ بہانہ کر کے غرض سب نے قریب کے جاں تیار کر کے  
 قسمت آزمائی کی۔

اقبال جو لاڈ تھا اسے سب کچھ یاد تھا۔ ایک ایک سلوک  
 اس کے کلیجہ پر تاسو رہتا ہوا اب بھی موجود تھا۔  
 جب دنیا کو اس کی ضرورت آئی تھی تو اب اقبال کو  
 مطلق ان مہیاں لوگوں کی حاجت نہ تھی۔  
 اس نے سب سے بے رخی کا بتاؤ کر کے منہ پھیر بیٹھ لیا۔  
 قریبی رشتہ دار اپنے اپنے گھر کو بحال پھندے لے کر  
 اپنے مایوس رہ گئے۔

اقبال نے اپنی عادی کی مانند براہ راست فو  
 ایک غریب لیکن شریف گھرتے کے اندر شادی کے  
 بعد ان ہی لوگوں میں رہنے پہنچے لگا۔ وہ لوگ بھی  
 اپنے بیٹے کی طرح سمجھتے۔ بیوی شاعت کے  
 ساتھ شوہر کی دلدادہ بیوا مصروف رہتی۔ صحیح معنوں  
 میں سچی چھوڑ دینے پرست، ایک طبیعت۔  
 جو کچھ فوج کی ملازمت سے لایا تھا اس روپے سے

اس نے تھارت شروع کی نہایت کامیاب رہا۔ چند سال بعد اس کے پاس سب کچھ ہو گیا تھا۔ مکان، دکان، ٹوکر جاکر عیش و عشرت۔ نیچے، سکون و اطمینان۔ ہاں کبھی کبھی گزشتہ تکلیفیں یاد آکر ضرور تڑپا دیا کرتی تھیں۔ ان سارے کا علیہ کیا ہوا؟ خدا کی ناشکی میں آواز نہیں ہوتی۔ بھار آیا۔ بہت تیز ہوا، ڈاکٹرڈین نے کہہ دیا کہ یہ علامت ہے کہ جیکب حملہ کرے۔ آخر کو وہی ہوا۔ جیکب لنگی اور ایسی زور و شور کی کہ سانس لینا محال ہو گیا۔ زندگی سے سب ہاتھ دھو بیٹھے۔ پاس کھڑا ہوتا نہ ممکن تھا۔ بے حد تعجب تھی۔ اپنے تو خیر ہو گئے لیکن تمام جسم بد گوشت کی طرح آنکھیں جیکب کی نذر ہو گئیں۔ گھر کا گھر غارت سے مچھلنے لگا۔ یوں مارے باندھے اگر تھوڑا بہت لٹا لٹا کیا بھی تو کیا؟ کالا کا بہت زور شور اٹھا۔ ایسا معلوم ہوا کہ وہ اس قریبی دنیا میں فریبیوں سے تو بہ کرانے آیا ہے۔ تین جوان جوان لڑکے منٹوں میں نوٹ پلٹ ہو کر رہ گئے۔ گویا قسائی باپ کے گناہوں میں بے گناہ پس گئے۔ بڑھا یا پھر اندھا پن۔ یہ داغ دیکھتے ہوئے انگارے تھے۔ جن پر ہر وقت تڑپتا تھا اور جل اٹھتا تھا۔ ایک لڑکی رہ گئی تھی۔ اس کا بھی غریب سے نکاح پڑھا رہا۔ باپ تو ٹوکر کی سے جیتے ہی چلے تھے۔ دانے دانے کو محتاج ہاتھ پاؤں سے کچھ تھوڑی بہت بیوی خدمت کرنے کو تھی لیکن مفلسی نے اس کی صحت پر بہت برا اثر ڈالا۔ آئے دن بیمار رہنے لگی۔ ایک دن پھل سستی تک نہ تھی وہ بے لی۔ خدا جانے کس دن کی سڑی لگی تھی۔ پکا کر بھوک میں کھائی۔ اب قدرت نے نئے ڈھنگ سے انتقام لیا۔ دونوں کا جسم پیوٹ نکلا۔ اور ہر دیکھنے والے نے تو یہ تو یہ

کر کے دوری اختیار کی۔ گھر کی چوبیس تو اندھے پن کے بعد ہی سب نیلام کر کے ختم کر ڈالی تھیں۔ اب تو صرف مٹی کے چند ٹھیکے پڑے رہ گئے تھے اور یا وہ عالی شان کھنڈر کھڑا رہ گیا تھا جس کے دروازے سے اقبال ٹھوکریں کھاتا ہوا فریادی نکلتا تھا۔ مدتوں سے مرمت طلب مکان یوں ہی کھڑا تھا۔ اچانک بارشیں ہوئیں۔ ایسی ایسی موسلا دھار کہ پختہ پختہ منزلیں سر بہ سجدہ ہو کے ڈھیر ہو گئیں۔ ایک رات کو پڑا رہنے کا ڈاٹھکانا تھا وہ بھی گیا۔ ورنہ سارے دن تو کھڑی کے سہارے دونوں بڑھے بڑھا لگی کوچوں میں عجیب مانگتے پھرتے تھے۔ کبھی کبھی شہر کی طرف بھی نکل جاتے۔ جہاں بعض آنکھیں اب بھی ان ہستیوں کو پہچان لیتی تھیں۔ برسات جب زور و زور اقبال کے مکان کو بالکل ڈھا گئی صرف بنیادیں چھوڑ گئیں یا وہ یوں کا شاداب چھوٹا۔ ما درخت جو بڑھ کر اب چھت سے بھی اونچا ہو چکا تھا تو موسم نے ایک اور کرڈل لی۔ یعنی سردیاں تو بہ کرانے آن پہنچیں۔ ایک دن حسب معمول جیتھوے لگا دیے عجیب مانگنے جا رہے تھے۔ آہٹ پا کر بڑھے نے دردناک صدا لگائی بابا دے کچے۔ اس ہاتھ دے اس ہاتھ اقبال کا دل جا ہا کچھ خار کر چکا مانے۔ یا دونوں کی گردن دبا دے۔ کجنت اب بھی کچھ اور فریب دینا چاہتے ہیں کیا؟ لیکن اچانک دل کا تپ گیا۔ نیکی نیک راہ۔ بدی پیش راہ۔ جھٹک دس کا نوٹ پکڑا آگے بڑھ گیا۔ لیکن پاس ہی کوئی محلہ کا جوان کھڑا تھا بولا اور بڑھیا! بڑھے کی تو خیر اندھی آنکھیں ہیں وہ تو بھلا کیا پہچانے؟ کچھ تو نے بھی پہچانا یہ کون تھا؟ وہی اقبال۔ اقبال

میں نے ظلم کیا تھا..... بہت بھاری ظلم.....  
بدل لی گیا..... ظلم کیا تھا۔ مکا چھینا تھا.....  
بے گھر کیا تھا.....

اقبال کو خیرگی — بھگا چلا آیا — اس کے  
سینے میں انسانی دل کھٹ کھٹ کرنے لگا —  
نفرت کا جذبہ ختم ہو گیا —

کفن دفن کا انتظام کیا۔ اور بڑھے کی بیٹی کو اطلاع  
دینی چاہی معلوم ہوا وہ تو مدت ہوئی زبگی میں ختم  
ہو چکی۔ اب یہ کھنڈر جس کے لئے درد کی ٹھوکریں  
کھنا چکا تھا اسے ہرگز دیکھنا بھی پسند نہ آیا۔  
کھڑے کھڑے معہ اپنے مکان کے اللہ نام پر  
پانچ چھ بیگس چوڑوں کو تقسیم کر دیا۔  
اس طرح خدا خدا کر کے مسلسل فریب کے ٹکڑے  
ہو گئے۔

شفیق بانو

## تجلیات

راز جو رو بجا نہیں معلوم درد دل کی دو انہیں معلوم  
اے سب! تری عنایت سے دردیوں بڑھ گیا نہیں معلوم  
عشق کی ابتدا تو میں نے کی عشق کی انتہا نہیں معلوم  
ہائے! اُس شوخ نظر کا عتاب کیا غضب بڑھا گا نہیں معلوم  
چچو کو اللہ پر بھروسہ ہے کرم نا خدا انہیں معلوم

اُن کی بیگم عظیم آخر

رنگ لائے گی کیا نہیں معلوم

عظیم حیدر بیدی

جس کو تم لوگوں نے حق سے ناحق کیا — سمجھے —  
ڈوب مرو کہیں چلے بھر پانی میں — نوٹ بڑی جلدی  
سے پکڑ لیا ہے —

یہ سستے ہی دونوں کو گویا سانپ سونگھ گیا —  
نوجوان نے ایک اور تیر پھینکا — ”اگر میں تم لوگوں  
کا بھتیجا ہوتا تو ابھی مارے جو تلوں کے تم دونوں کا بھیسیم  
پہلا کر ڈالا ہوتا — تم دونوں تو بس اس کلمہ سے بھی  
دھان ہو جاؤ — اندھے کوڑھی — تمام محلہ  
کی آب و ہوا گندی کر رکھی ہے — صحت کے ماروں  
نے موت بھی کہیں تم سے دور بھاگ چکی ہے شاید —  
آج کا دن شاید خدا نے انصاف کے لئے رکھا جب  
دودھ کا دودھ پانی کا پانی دنیا کو نمایاں دکھانا  
تھا — رات آئی — اور اپنے ساتھ جاگتا ہوا  
انصاف لائی — ایسا انصاف — جو دنیا والوں  
سے نہ ہو سکا نہ قانون سے ہو سکا۔ نہ بڑے بڑے

عہد و عہد والے فتویٰ دے سکے کہ مظلوم کے لئے کیا  
ہونا چاہئے تھا۔ قدرت نے چند منٹ میں خودی کر دیا۔  
برسوں کی پانی کھائی دیواریں تو ڈھیر ہو چکی تھیں۔

بغلی کو ٹھٹھی ذرا کچھ دم ختم والی کھڑی تھی اسی میں  
یہ فربہی مکار بڑھا معہ بیوی کے پڑا رہتا تھا۔

آج بھی سردی میں دونوں سکرانے ہوئے دیوار سے  
لگے بیٹھے تھے۔ اچانک ایک دھماکے کے ساتھ دیوار  
اڑا..... اڑا دھم ہو کر آ پڑی۔ خود خاکنہ نہیں  
بلند ہوئیں اور ختم۔ کسے غرض پڑی تھی کہ رات کو  
دو بجے کچنوں میں سے نکل کر دوڑتا اور مدد کے لئے  
محلہ والوں کو جمع کرتا۔

یوہنی سسک سسک کر دم صبح تک اٹکا رہا۔

جب تک کہ پولیس آگئی۔ ملہ ہٹا یا گیا۔

آخری سانس آ اور جا رہی تھی۔

بڑھے کے دم بول نکل رہے تھے..... آہ اقبال پر

# ہسپتالوں اور صحتی اداروں میں نرسوں کی کمی

(نرسوں کے لئے بہتر انتظامات اور اعلیٰ تعلیم و تربیت)

قوم کے تحقیقاتی کمیشن نے اپنی رپورٹ میں بھی ہے کہ اگر ذرا مت پیشہ لوگ بیماری کے باعث جسانی اور ذہنی طور پر کمزور ہو چکے ہوں تو وہ بحیثیت جماعت ترقی نہیں کر سکتے۔ یہ بات شہری آبادی پر بھی صادق آتی ہے۔ مگر ہندوستان ابھی تک علاج معالجہ اور صحت و نفعاتی کے انتظامات کے لحاظ سے دوسرے ممالک اور ترقی یافتہ ملکوں سے بہت پیچھے ہے۔ اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ صوبائی حکومتیں ان نرسوں پر اپنی آمدنی کا اوسطاً ساڑھے پانچ فی صدی حصہ صرف کرتی ہیں۔ لیکن امید ہے کہ مرکزی حکومت کی مالی امداد کے ساتھ صوبے ترقی کو بہتر اسکیموں پر عمل درآمد کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔

ان نرسوں کی ترقی کے ساتھ ساتھ تربیت یافتہ نرسوں کی تعداد میں بھی زبردست اضافے کی ضرورت ہے۔ یہ صحیح ہے کہ زمانہ جنگ میں نرسنگ نرسوں کو ترقی دینے کے لئے بہت کچھ کیا گیا لیکن ابھی تک ایسی نرسوں کی کمی شدت کے ساتھ محسوس کی جا رہی ہے جو عہدہ اور اعلیٰ تربیت حاصل کر چکی ہوں۔

نرسنگ نرسوں کی ترقی کا آغاز ۱۹۳۵ء میں ہوا اور انڈین ملٹری نرسنگ سروس قائم کی گئی۔ مگر وہ بڑھتی ہوئی جنگی ضرورتوں کو پورا نہ کر سکی۔ اس کے بعد سرکاری رجسٹرڈ نرسیں اور شہری ہسپتالوں کی نرسیں بھرتی کی گئیں لیکن اس کے باوجود ہندوستانی فوجوں کے بیماروں اور زخمیوں کی خبر گیری کے لئے مزید نرسوں کی ضرورت محسوس کی گئی اور ۱۹۴۲ء میں آرمڈ فوری نرسنگ سروس آف انڈیا قائم ہوئی۔ جس میں ہندو، مسلمان اور عیسائی خواتین شامل ہوئیں۔ اس کے علاوہ برطانیہ سے بھی نرسوں کے دستے آتے رہے۔ مگر مذکورہ کوششوں کے باوجود نرسوں کی بدستوری ہے۔

**نرسوں کی کمی** ۲۰ نومبر ۱۹۴۷ء کو ٹریڈنٹ نرسز ایسوسی ایشن آف انڈیا کی چوتھی کانفرنس کا جو اجلاس منعقد ہوا اس میں تعلیم و صحت و اراضی کے ممبر آرنلڈ سر جو گندر سنگھ ....

..... نے بھی نرسوں کی کمی کے متعلق اظہارِ خیال فرمایا۔ اس سلسلہ میں آپ نے اس امر پر زور دیا کہ نرسوں کے رہنے پینے اور ان کی تعلیم و تربیت کے متعلق بہتر انتظامات کیے جائیں اور یہ امید ظاہر کی کہ اگر سروس کے حالات کو ترقی دی جائے تو ہسپتالوں میں کام کرنے کے لئے تعلیم یافتہ خواتین کافی تعداد میں اپنی خدمات پیش کر دیں گی۔

اس کی سبب یہ ہے کہ ہندوستان میں نرسنگ سروس اور اس کی معاون نرسوں نے اتنی تیزی سے ترقی نہیں کی جتنی تیزی سے طبی سروسوں نے ترقی کی ہے۔ چنانچہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ بڑے ہسپتالوں میں ۱۵ ہزار بیمار ہیں جن کی تیمارداری کے لئے ۷ ہزار نرسیں ہونی چاہئیں۔ مگر ان کی موجودہ تعداد ۷ ہزار ہے جن میں سے صرف نصف تربیت یافتہ ہیں اور چھوٹے ہسپتالوں میں تو حالت اور زیادہ خراب ہے۔

بہر کیف سروس کے حالات کو سدھارنے کے لئے زبردست کوششیں کی جا رہی ہیں۔۔۔۔۔

کل ہند زسنگ کونسل کے قیام کے لئے مرکزی اسمبلی کے آئندہ اجلاس میں ایک مسودہ قانون پیش ہونے والا ہے۔ اس کے علاوہ زسنگ کی اعلیٰ تعلیم کے لئے ایک ہندوستانی اسکول قائم کرنے کا مسئلہ بھی زیر غور ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ اسکول جلد کالج بن جائے جس میں انگریزوں کا نصاب پڑھایا جائے اور صحت عامہ کی زسنگ کے متعلق بھی تربیت دی جائے۔

**تعلیم و تربیت کے بہتر انتظامات** حکومت ہند نے زسنگ کے متعلق صوبوں کے لئے چند مبادیات تجویز کئے تھے۔ صوبائی حکومتیں ان سے دلچسپی ظاہر کر رہی ہیں۔ چنانچہ بمبئی اور صوبہ متحدہ میں زسنگ سروس کی نگران خواتین مقرر کی جا چکی ہیں۔ مدراس میں زسنگ کی سپرنٹنڈنٹ لکچرر ہی میں مقرر کر دی گئی تھی اور اب بنگال میں بھی اس کا تقرر عمل میں آنے والا ہے۔

بیرونی ملکوں میں زسوں کی اعلیٰ تربیت کا سروس پچھلے پچھلے پیمانہ پر بند و بست کیا گیا ہے۔ برطانیہ کے بعض ممتاز ہسپتالوں میں ہر سال ۳۲ ہندوستانی زسوں کو تربیت دی جائے گی اور ان آموزگار زسوں کے لئے وہی سہولتیں اور آسائشیں جہاں کی جائیں گی جو برطانیہ آموزگار زسوں کے لئے جہاں کی جاتی ہیں۔ (۱) طالبات برطانیہ پہنچ چکی ہیں جن میں سے دو "سپرٹوٹرز" کے نصاب کی تکمیل کریں گی۔ حکومت ہند نے بنگال کی ایک خاتون مس سورما بسواس کو بھی رائس کالج آف لندن میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھیجا ہے۔

دو سال ہوئے سر جوزف بھور کے زیر صدارت ایک کمیٹی مقرر کی گئی تھی تاکہ وہ صحت عامہ کا جائزہ اور اپنی سفارشات پیش کرے۔ توقع ہے کہ یہ کمیٹی اپنی رپورٹ جلد پیش کر دے گی اور صحت عامہ کی منصوبہ بندی میں بھی زسنگ سروس کی ترقی کو خاص اہمیت دی جائے گی۔

**ہلت و زیریں خواتین** اس ضمن میں ڈاکٹر جنرل میڈیکل سروس و صدر انجمن تپ ہندوستان لکھنؤ جنرل جے بی۔ بانس کی وہ تقریر بھی دلچسپی سے پڑھی جائے گی جو انھوں نے تپ و دق کے ہلت و زیریوں کی کلاس کا افتتاح کرتے ہوئے حال ہی میں فرمائی ہے۔ یہ کلاس تپ و دق کے کلینک نئی دہلی میں قائم کیا گیا ہے۔

اس میں آپ نے ہلت و زیریوں کی اہمیت نہایت پر زور الفاظ میں بتائی جن میں خواتین کی تعداد میں شامل ہوں گی اور اس امر پر زور دیا کہ "سیمیٹوڈیوں" کے علاوہ "کلینک" بھی کثیر تعداد میں قائم کیے جائیں جو تپ و دق کے ابتدائی درجوں کے علاج کے لئے نہایت ضروری ہیں اور ہر کلینک میں کئی اعلیٰ تربیت یافتہ نائٹ اور سرگرم ہلت و زیریوں کو مقرر کیا جائے۔

اس کام کے لئے بھی ہندوستانی خواتین کی خدمات کارآمد ہیں اور وہ انداد تپ و دق کے متعلق بھی نہایت مفید خدمات انجام دے سکتی ہیں۔

از حکمہ اطلاعات، ہند

## نئی کتابیں

- [illegible]

# نظارے

میں صبح سے مارا مارا پھرتا رہا تھا۔ تحبیک طور سے تو کہہ نہیں سکتا کہ میں جو مارا مارا پھرتا رہا تو وہ آخر کس سلسلے میں تھا۔ کوئی چیز خریدنی نہ تھی، کسی کی تلاش نہ تھی، کسی کا گھر دیکھنا نہ تھا۔ میں بقیوں کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ میں کسی خاص وجہ کے تحت مارا مارا نہیں پھرتا تھا۔ فرصت تھی، ہاں خوب یاد آیا، فرصت تھی۔ دفتر بند تھا اور گھر میں بیٹھے بیٹھے طبیعت اتنا اچھی تھی۔ وقت گزارنے کے لئے گھر سے نکلا تو بس مارا مارا پھرتا رہا، ایک جگہ لوگ بھیڑ لگائے کھڑے تھے میں بھی رگ گیا اور ایک تماشائی کے ہندے کا سہارا لے کر کھڑا ہو گیا۔ انھوں نے میری اس حرکت پر ایک ہتھکڑی کے ساتھ اپنی گردن موڑ لی۔ ارے وہ تو میرے ہم محلہ شیخ صاحب تھے۔ ”کھینے شیخ صاحب اچھے تو ہیں آپ یہ کیا تماشیا ہو رہے ہیں میں نے مسکاتے ہوئے شیخ صاحب سے پوچھا۔ شیخ صاحب کا بڑا ہوا چہرہ، بزرگ، اپنی اصلی حالت پر آگیا۔ ”کچھ نہیں وہ کوئی حالیہ کی طرف سے آئے ہیں بعض جڑی بوٹیوں بہت خاص ہیں ان کے پاس۔ جب آپ بھی دیکھنے خدا کی قدرت، شیخ صاحب نے اپنی گردن پھری۔ وہ حالیہ کے باغیچے کے شیخ میں ایک کپڑا بچھا، اس پر جڑی بوٹیوں کا ڈبیر لگائے کھڑے تھے۔ میں بھی دیکھنے لگا اور میں نے دیکھا اس شخص نے تماشائیوں کو ایک گلاس بتایا، غالی گلاس، اس کے بعد اس نے اس میں پانی ڈالا۔ پھر پھٹی میں سے ایک جڑی نکالی۔ کہنے لگا ”بھائیو! یہ جڑی حالیہ کے دامن میں دستیاب ہوتی ہے۔ اور اس کو پانے کے لئے پانچ سال میں نے جنگلوں میں گزارے، پانچ سال بھائیو۔ میں اس کی تعریف نہیں کرتا۔ اس کا کرشمہ دکھانا ہوں“ اس نے وہ جڑی پانی میں ڈال دی۔ تھوڑی دیر بعد سارے تماشائی پھٹے ہوئے دیدوں سے دیکھ رہے تھے کہ پانی بجنے لگا۔ دوا کا کرشمہ دکھانے کے بعد اس نے کھنکار کر چاروں طرف فحش انداز نظر ڈالی اور ایک دفعہ پہلے سے بھی زیادہ زور دیا کہ لگا کر کھنا شروع کیا ”اس کے گن بھی سن لو۔ یہ۔ بوڑھے کو.....“ میں نے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ لئے اور لاسول پڑھتا ہوا اپنی راہ پر لگ گیا۔ پل پر سے گزرنے لگا تو کئی راہ گیر ایک جگہ جمع ہوتے مارتے تھے اور بھانک بھانک کر نیچے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ میں بھی رگ گیا۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ لوگ آتے کیا دیکھ رہے ہیں۔ میں نے بھی بھانک کر نیچے دیکھا، ندی بہہ رہی تھی۔ صرف ندی بہہ رہی تھی۔ میں نے اپنے بازو والے صاحب سے پوچھا ”کیا بات ہے جناب؟“ کہنے لگے ”میں بھی ابھی آیا ہوں۔ آپ سے پوچھئے، ان صاحب کے بازو صاحب کھڑے تھے ان سے میں نے رکتے رکتے پوچھا کہ آپ کو معلوم ہے جناب یہاں یہ سب کبوں جمع ہیں“۔ ”جی جی“ کہتے ہوئے انھوں نے ہلٹ کر اوپر اوپر دیکھا۔ ”ارے“ ”ارے“ ”ارے“۔ دیکھئے جناب بات دراصل یہ ہے کہ یہاں ایک صاحب بھانکتے کھڑے تھے اور ان کے ساتھ ہم بھی بھانکتے لگے۔ وہ صاحب چلے گئے کہیں۔ ورنہ ان سے پوچھ لیتے۔ ہم کو تو کچھ نظر نہیں آ رہا ہے۔ ندی تو البتہ بہہ رہی ہے۔ گھر صاحب کچھ تو ہوگا۔ کچھ تو ہوگا ضرور۔ تب ہی تو وہ بے چارے دیکھنے لگے۔ خود کشی کے امکانات پر غور کر رہے ہوں گے وہ“ میں نے وہاں سے ہستہ ہوئے اپنے دل میں سوچا کہ مجھے تو وقت گزارنا تھا۔ میں کبوں پل پر سے ندی میں بھانکتا رہوں۔ پل کے فٹ پاتھ پر بیٹھے ہوئے دو فیقر آئیں میں نکلا کر رہے تھے۔ ایک کہتا تھا کہ خواجہ والے کے تو نے ٹانگ کیوں ماری۔ دوسرا کہتا.....“ اور تو نے کیوں سارے بھیجے اس کے



ہزب کرنے۔“ میں جو ان کے قریب پہنچا تو وہ دونوں مسکین صورت بنائے سوال کرنے لگے۔ میں اپنی ناخوشی کو بچاتا دور ہی دور سے جیموں میں ہاتھ ڈالے چلتا رہا۔ میں آگے بڑھ گیا تو وہ بھربھرائیں کرنے لگے۔

”ایک روپیہ کا چلر ہے تیرے پاس“..... دوسرے نے کہا ”پیارے کم ہیں۔ شام تک دیدوں گا۔ یہ بے بارہ آئے۔“ ایک تانگہ بان کی دکان کے آگے کھڑا تھا۔ تانگے والا پان سگریٹ خرید رہا تھا۔ ایک صاحب نے تانگے والے سے پوچھا ”کرایہ کروگے؟“ تانگے والے نے جواب دیا ”کہاں چلتا ہے صاحب۔“ ان صاحب نے کہا ”گلزار حوض“ تانگے والے نے پان چباتے ہوئے کہا ”ایک روپیہ دلو ایسے صاحب۔“ ان صاحب نے ناک ہونے پر دھانے ہوئے کہا ”ایک روپیہ نہیں تین آنے دیں گے“ تانگے والے نے سڑک پر بیک تھوکی۔ وہ صاحب آگے بڑھ گئے۔ تانگے والا کہتا رہا ”چنا چنکا، لکھا س تھکا۔ اور گلزار حوض تک کا کرایہ ایک روپیہ نہیں تین آنے۔“ اس کے بعد اس نے انھیں کچھ کہا۔ کرایہ چکانے والے صاحب تو آگے بڑھ گئے تھے۔

ساری باتیں سمجھی کوسنی پڑیں۔ میں نے سوچ لیا کہ گلزار حوض جانا ہو تو تانگے والے کو تین آنے پر چلنے کے لئے نہ کہوں گا۔ ایک سڑک زیر تعمیر تھی مزہ دور بٹھرا اٹھا رہے تھے اور مزہ دریاں گتہ دار صاحب کے پیچھے تھیں۔ ندی سے پانی لانے جاری تھیں۔ ایک صاحب سیٹھی پر تیزی سے چل آ رہے تھے۔ دوسرے صاحب دوسری طرف سے ان سے بھی زیادہ تیزی سے آئے۔ دونوں ایک دوسرے سے ٹکرائے۔ چاروں گسے۔ دو سیٹھی سوار اور دو سیٹھیں دونوں نے ایک دوسرے کو زور دیکھا۔ کپڑے جھاڑتے ہوئے اٹھے۔ سیٹھیں سنبھالیں اور اپنی اپنی سمت چپ چاپ چل نکلے۔ میں مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ مگر مجھے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے میری فرصت کا وقت ٹھیر گیا ہے۔ کٹنا کٹنا نہیں۔ میں نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور پھر چلنے لگا۔ دو اخبار بیچنے والے لوگ آداریں لگاتے بازو سے گزرے۔ میں نے ایک کو روک کر اخبار خریدا۔ ایک صاحب بوکھلائے ہوئے میری طرف آنے لگے۔ ”جناب!“ جی آپ مجھ سے کچھ کہنا چاہتے ہیں؟ میں نے ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔ ”دیکھئے جناب آپ یہاں کب سے کھڑے ہیں؟ میں نے کہا ”ایسی کچھ دیر تو نہیں ہوئی۔“ تو آپ نے ادھر سے کسی رکشا والے کو جانے دیکھا۔ کچھ سامان تھا اس رکشا میں۔ کیوتروں کی ایک ٹوکری بھی تھی۔ دیکھی ہے آپ نے؟“ میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا ”مجھے یاد تو نہیں۔ البتہ ایک رکشا.....“ ”جی بس ٹھیک یہ ادھر ہی کو گئی ہے نا؟“ میں نے بے بسی کے عالم میں گردن ہلادی۔ وہ اس طرح کو دوڑ پڑے۔ وہ تھوڑی دوری گئے ہوں گے کہ ایک رکشا کچھ سامان تھا جس میں ایک کیوتروں کی ٹوکری تھی جس میں میرے سامنے آکر رکی۔ رکشا والے نے پوچھا ”صاحب ادھر سے کوئی صاحب گزرے دے دے سے عینک لگائے ہوئے چھوٹی سی ڈاڑھی، میں مسکرا پڑا۔ وہ جانے کیا سمجھا۔ واپس ہونے لگا۔ میں نے جلدی سے کہا ”ارے بھائی ادھر ہی کو گئے ہیں وہ مجھے ڈھونڈتے ہوئے، کوہر بھٹکا رہا ہے انھیں“ رکشا والے نے کہا ”صاحب ایک دکان سے کچھ خریدنے کو گئے تو بس لاپتہ ہیں“ میں نے کہا ”اس طرف طے جاؤ، وہ ابھی گئے ہیں تمہیں مل جائیں گے۔“ میں نے اخبار کھولا اور پڑھنے لگا۔ میں درخت کے نیچے کھڑا تھا۔ کوئی چیز اوپر سے عین اخبار کے صفحہ پر گری۔ میں نے اوپر نظر اٹھائی۔ ایک کوڑا لی پر بیٹھا کایں کایں کر رہا تھا۔ میں نے اخبار پھینک دیا اور پھر سے چلنے لگا۔ ایک کتا بھی میرے ساتھ ہو گیا کبھی کبھی وہ

مجھ سے بہت آگے نکل جاتا۔ لیکن وہ کسی پتھر یا دیوار کو سونگھتا کھڑا رہ جاتا تو میں آگے نکل جاتا۔ پھر ہم دونوں ساتھ ہو جاتے۔ ایک دفعہ تو میں نے اسے دھتکارا بھی۔ لیکن وہ تو جیسے شرط بانہ کر میرے ساتھ دوڑ رہا تھا۔ ایک گھر سے پتی نکلی تو وہ اس کے پیچھے لپکا۔ بلی ایک موری میں گھس گئی تو وہ موری کے آگے کھڑا رہ گیا اور میری طرف اس طرح دیکھنے لگا جیسے کہہ رہا ہو کہ دیکھئے اس موری میں گئی ہے بلی۔ وہ کتا بھی میری طرح بیکا رہا تھا۔ جسے صرت وقت گزارنا تھا۔ اس نے اب میرا ساتھ چھوڑ دیا اور ایک چوڑے باورچی خانے کی طرف چلا گیا۔ ایک صاحب کا لے اٹھنے کی صدی پسے گاتے ہوئے آئے۔ بلبل آ تو بھی گا۔ جوں جوں وہ مجھ سے قریب ہوتے گئے ان کی آواز بھی دھیمی ہوتی گئی۔ جب وہ میرے بالکل پاس پہنچے تو چپ ہو گئے اور آگے بڑھتے گئے تو پھر سے کانے کانے کی اونچی ہوتی گئی۔ بلبل آ۔ آ۔ آ۔ ایک بھکاری اپنے دو مردہ نمائیوں کو سامنے ڈالے راہ گبیروں کے آگے دست سوال دراز کرتی تھی۔ ”دو دن کے بھوکے ہیں آفریں ہے اس ماں پر جو دو دن کی بھوک پر اس کے دو بچے دو دن کے بھوکے ہوں اور وہ ان بچوں کا پیٹ پالنے کے لئے بھیک مانگے۔ نگاہ گھونٹ کر انہیں ڈالا۔“ آفریں ہے اس ماں پر۔

طوائف کی دکان مٹھائیوں سے سجی ہوئی تھی۔ دھڑا دھڑا تازہ تازہ مٹھائیاں نمایاں تھیں لپک لپک کر یاں بھٹانے ہوئے بھیرے سے نکل رہے تھے۔ کھیاں بھنھنھاری تھیں اور تو دیکھا سیٹھ اپنے نوکروں پر برس رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ اپنی گدی پر نیم دراز خزانے لینے لگا۔ مٹھائی تیار کر کے۔ جمانے اور تولنے والے ملازم کالے جیتھوں میں ملبوس اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے تھے۔ دکان کے آگے دو بھکاری لڑکیاں کھڑی تھیں ان میں سے ایک کے ہاتھ میں مٹھائی کی پھینکی ہوئی ٹوکری تھی۔ جس پر سے وہ دھیرے دھیرے دھاک گھونٹی جارہی تھی۔ وہ بل بوتے اس کی آنتوں میں پڑے تھے ان میں کچھ اور بیچ بڑے جارہے تھے۔ مٹھائی کی ٹوکری سے لپٹا ہوا قوام قطرہ قطرہ زمین پر ٹپک رہا تھا۔ بعض گاہک دکان پر ہی مٹھائی سے کام و دھن کی تواضع کر رہے تھے۔ گرم گرم جانیں اور تازہ تازہ اترتیاں۔ بھکاری لڑکیوں کے ہاتھ آگے بڑھے ہوئے تھے۔ جھوٹے کاغذ اور پتے پھینکے جارہے تھے۔ دکان پر نمایاں تھیں۔ پتھر سے بھرے جارہے تھے۔ لیکن ان بھکاریوں کے ہاتھ پھیلے پھیلے ہی رہے۔ ایک لڑکی کچھ اور آگے بڑھی۔ سیٹھ کی آنکھ لگ گئی تھی۔ ایک کھیاں ان کی ناک میں گھس گئی تھی۔ ”سیٹھ“ اس لڑکی نے پکارا، چل بھاگ، اور انھوں نے اپنی چوکی کے نیچے سے ایک چھوٹا سا ڈھبلا اٹھا کر لڑکی کی طرف دے مارا۔ سیٹھ صاحب نے ان بھیک منگوں کو مار بھگانے کے لئے اپنی چوکی کے نیچے چھوٹے چھوٹے ڈھبیلوں کا ایک ڈھبیر سا جمع کر رکھا تھا۔ ان ڈھبیلوں کے بازو ہی پیسوں کا صندوق دھرا رہتا۔ لڑکی ڈھبیلے کی چوٹی لکھا کر سر بھام کر بیٹھی۔ دوسری لڑکی ایک موڑ کے پردے کے پاس بھیک مانگتی کھڑی رہی۔ اسے ایک پیسہ ملا۔ دوسری لڑکی کے پیچھے پہنچتے موڑ چلی گئی۔ ایک پردے لگا ہوا تانکہ گزرنے لگا تو اس میں سے ایک چھوٹے بچے نے سر نکالا اور مٹھائی کے لئے چل گیا۔ تانکہ رکوا گیا۔ اور مٹھائی لینے کے بعد پھر سے چل پڑا۔ وہ دونوں لڑکیاں اس تانکے کے پیچھے بھاگنے لگیں۔ ان کے پاؤں اور زباناں مٹھن سنی طرح چل رہی تھیں۔ دو بھکاری

ہوا کیوں اور ایک تازہ دم گھوڑے کا مقابلہ تھا۔ میں دور تک ان کو دیکھتا رہا۔ آخر ایک لمبی ٹوکری  
 کھا کر گڑ بڑی میں سہ اپنی گردن بچھری اور دوسری ٹٹن دیکھنے لگا۔ ایک دکان پر بھیڑ لگ رہی  
 تھی۔ معلوم ہوا اس سے لے کر دکان پہنچے دے کر ایسی مشکل سے انداز لے کر عذاب الہی  
 نہیں تو پھر کیا ہے۔ بڑے کترا رہے ہیں جوان آگے بڑھ رہے ہیں۔ عورتیں ان کے پیچھے  
 جگہ نکال رہی ہیں لیکن سارے مجمع میں ایک سنسنی سی پھیلی ہوئی تھی۔ اناج بھر صورت قابل  
 کرنے کا صدمہ اور خوفناک ارادہ ان کے چہروں سے ابلتا پڑتا تھا۔ پیٹ ابتری ہے۔ ایک سیٹھ صاحب  
 اپنے گاہک سے پوچھ رہے تھے ”کیوں بھائی کچھ سا بٹر زندہ ہے کہتے ہیں“ گاہک نے جواب دیا۔  
 ”بٹر نہیں مر سکتا“ سیٹھ صاحب نے کہا ”تو پھر بٹر کبھی مرے گا“ ”ہاں“ گاہک نے  
 جواب دیا۔ ”اچھا یاد دل کا کیا بھلا ہے“ سیٹھ صاحب نے کہا ”چاندل نہیں میں ہمارے پاس“  
 گاہک آگے بڑھ گیا۔ دو دروازوں سے کھینچ بھری ہوئی ایک ناری سامنے سے گزری۔ مرد دو گانے ہو  
 جا رہے تھے۔ انھیں مرد دروازوں بھی، بڑھی بڑھی لی رہی تھیں اور ساری کے لئے موڑ بھی مگر.....  
 مر جائے مثلاً اگر اسے اب میں ایک بوٹی کے قریب پہنچا تو مجھے وہ ریکارڈ سنانی دیا جس کی موسیقی میرے  
 دل پر چڑھ کر بیٹھی تھی۔ مجھے اس گانے کے بول یاد تھے۔ طرز یاد ہو گئی تھی۔ میں گنگنا سکتا تھا مگر نہیں  
 سکتا تھا۔ میں ایک دھشت کے نیچے قوی گیا اور اس کے بولی ذہن نظیہ کرتے لگا۔ ریکارڈ ختم ہو گیا تو میری  
 خوشی کا ٹھکانہ نہ تھا۔ مجھے اپنا رگیت حرف بہ حرف یاد ہو گیا تھا۔ لیکن آگے بڑھتے ہوئے اسے لگتا ہے کی جو  
 پریشانی کر رہی ہو تو اب اس طرز ہی بھول گئی۔ سانگوں، رگشاؤں اور سائیکل سواروں کو دیکھتے دیکھتے میرا سر  
 گھومتے لگا۔ ادنیائی پر چڑھ کر بیٹھی تھی اور میں چاہتا تھا کہ ساری دنیا ختم جائے۔ سناٹا بچا جائے اور میں  
 کیلا دل چاہتا ہوا ہر چیز کا معاملہ کرنا چھوڑوں۔ مٹے اپنے اڈوں پر گھر رہیں۔ رگشاؤں میں خیر جائیں۔  
 سیٹھ صاحب رک جائیں۔ بگ اپنے اپنے گھروں میں بند پڑے رہیں۔ وہ دو فروش ہمارے کی پی پی پر چلا جائے۔  
 ریکارڈ بھٹا رہے اور میں جلتا ہوا یا تیز تیز چلتا ہوا دوڑتا ہوا چاروں طرف گھوموں۔ چاروں طرف بچروں  
 اور بھری خدمت کا وقت گزرتا ہے۔ لیکن دنیا کے کاروبار بھی بند نہیں ہوتے۔ یہ کئی کچھ رکتی نہیں۔  
 میں کچھ مٹھلی اور بہت زیادہ بے کیف اپنے گھر میں داخل ہوا۔ ایک بوجھ سا میرے دل سے اتر گیا۔ سات  
 دن چلتے چلتے اور مجھے سواٹے رات کا کھانا کھا کر سو جانے کے اور کوئی کام نہ تھا۔

### رشید قریشی

جید آبادی نو جوان افسانہ نگار رشید قریشی ایم اے کے افسانوں کا نفیس مجموعہ ہے۔ اضافی  
 ادب سے دلچسپی رکھنے والے قارئین اس کا مطالعہ اور کریں کتاب بہت دلچسپ اور اذیتناک نہایت

شعبہ ادب  
 افسانہ نگاری میں خیال اور تکنیکی مہارت کا بہترین نمونہ ہے۔ اردو کے نئے ادب سے دلچسپی رکھنے والے اور ترقی پسند  
 قارئین کے لیے یہ ان افسانہ نگاروں کے مطالعہ سے ہزار گنا فائدہ مند ہے۔ جو اصحاب اردو کے جدید ترین افسانوں کا مطالعہ  
 کرتے چاہتے ہیں وہ اس نو جوان مصنف کے ان پر کیف افسانوں سے غرض دلطف اندوز ہوں گے۔ صفحہ ۱۶۷ (۱۶) تجدید  
 سب رس کتاب گھر۔ خیرت آباد سے طب فرمائیے۔

# ابراہیم ظفر

گرم تھا۔ رعایا سے من مانی مالگزاری وصول کی جا رہی تھی۔ پہلے پہل تو ”وطنی مجلس“ نے خفیہ طور پر کام جاری رکھا اور جب رعایا کو کافی اسکا دیگیا تو باضابطہ طور پر کھل کھلا نظریں ہونے لگیں، جلے متفقہ کئے جانے لگے، ابراہیم ان سب کارہ نما تھا۔ عوام اس کے اشارے پر نچتے تھے۔ بالآخر بغاوت ہو گئی، واسدلو حاکم نزل معاہدے ساتھیوں کے قتل کر دیا گیا۔

سورج مغربی پہاڑیوں کے پیچھے تیزی سے بھاگا چلا جا رہا تھا، آسمان پر کلاہی ٹکڑے ادھر سے ادھر منڈلا رہے تھے۔ ایک سوار صبارنا گھوڑے پر نزل سے لٹکا اور شاہی پہاڑیوں کو پیچھے چھوڑتا ہوا جیس میل پر ایک گاؤں میں جا کر دم لیا۔ گھوڑا پسینے میں نثرابوڑ تھا، گھوڑے کی پیٹھ تھکی اور ایک معمولی سے مکان میں داخل ہوا۔

”فاطمہ؟“

”کون؟ ابراہیم! تم آگے میں کب سے تھرا رہا دیکھ رہی تھی۔ میں تو آج بہت پریشان تھی، شاہے نزل میں بغاوت ہو گئی، ابراہیم! تم یہ سب کیا کر رہے ہو بغاوت کر دینا آسان ہے اور اس کا نتیجہ؟ ابراہیم! یہ تم کیا کر رہے ہو؟ اپنی جان کو جان بوجھ کر خطرے میں ڈالنا کوئی عقل مند نہیں!“

”فاطمہ! تم اس کی فکر نہ کرو، سب ٹھیک ہو جائے گا۔ آج کے دن تو تم کو اصل بات بتائی ہی نہیں، سونگی تو پاگل ہو جاؤ گی۔ کہہ دوں؟“

”ہاں ہاں“

”اب تم فکر نہ کرو۔ اور اس نے جھک کر اس کی پیشانی پر چوم لی۔ وہ کھڑی اس کا منہ تک رہی تھی پھر ایک آن لیا۔

”اب میں تمہارے بغیر یہاں نہیں رہ سکتی، ایکس میں جی بہت گھبراتا ہے، خوفناک خیالات شتا تے ہیں۔ رات کو کوئی مرتبہ سوچ کر جاگ گئی۔“

”فاطمہ! اگر میں اب تمہیں اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتا۔“

نزل میں ہر طرف بغاوت کی آگ بجھتی چلی ہوئی ہے۔ گو شاہ حیدر آباد کو جملہ ہی اہلالت ہو جائے تھی لیکن وہ ابھی سہل

اس افنا کا کلات ان تھنوں اور کہاٹیوں سے بھاگتا ہے جو نزل کی پہاڑی بستی میں منظم و پرس (مجید) ”جہاں پٹنا ہمارے جاسوسی نظام کے ذریعہ جو مملکت حیدر آباد کے طول و عرض میں جا ل کی طرح پھیلا ہوا اس مرتبہ نہایت ہی اہم خبریں وصول ہوئی ہیں۔ جن میں سب سے پہلے پرگنہ نزل کے متعلق یہ کہ ابراہیم نامی ایک نوجوان نے نزل میں حکومت کے خلاف رعایا کو اکسایا ہے اور اگر اس طرف جلد توجہ نہ کی جائے تو بغاوت کا ارتقا سرچ حیدر آباد کے طبقہ امرا کا ایک مشہور فرد تھا جس نے دربار آصف جاہی میں یہ کیفیت پیش کرنے کی عورت حاصل کی۔

”ہم بہت جلد توجہ کریں گے سرچ“ اعلیٰ حضرت نے ارشاد فرمایا اس کے بعد دوسرے اور اہم معاملات پیش کئے۔

نزل، ایک پہاڑی بستی ہے، کئی تالاب دار کے کی شکل میں اس کو گھیرے ہوئے ہیں، ان تالابوں کے سروں پر چاروں طرف بیاہ دیو پھیل پہاڑ نزل کے سنتری کی خدمات انجام دیتے ہیں۔ بائیس سال قبل سپاہیوں کا ایک گروہ نزل آیا تھا۔

”یہ سامنے کو کسی بستی ہے؟“ سردار نے اپنے ساتھیوں سے دریافت کیا۔

”یہ بستی نزل کہلاتی ہے سردار۔“ بڑا ہی روح افزا مقام معلوم ہوتا ہے۔ بہتر ہے چند دن میں قیام کیا جائے۔“ بیٹے کی سچوں نے یہیں سکونت اختیار کر لی اور تجارت کو ذریعہ معاش بنالیا۔ ان کا شمار متمول گھرانوں میں ہونے لگا۔ سردار کے گھر ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام ابراہیم رکھ گیا۔ ابراہیم نزل ہی کو اپنے اسلاف کا وطن سمجھتا تھا۔

”وطنی مجلس“ کے صدر ابراہیم اور مجلس کی متفقہ طور پر

یہ رائے قرار پائی کہ نزل کے حکام کو سرزادی جانی جائے۔

اس لئے کہ شاہ وقت دوسرے کاموں میں مشغول تھے اور

ان حکام کو جیسے قید سے رہائی مل گئی۔ رشوت شنائی کا بازار

متوجہ ہونے کے قابل نہیں ہیں۔ وہ آج کل سلطنت کے

دوسرے اور اہم معاملات میں الجھے ہوئے ہیں۔ پھر لہجہ بدلتا

”زل میں کل مابدولت کی رسم تاج پوشی منائی جائے گی

اور علامہ عابدی کی خدمت میں تحفے روانہ کئے جائیں گے۔ فاطمہ!

تم خواہ مخواہ افسردہ ہو رہی ہو۔ تمہیں تو خوش ہونا چاہئے۔

کل تمہارے ابراہیم کی رسم تاج پوشی ہے اور ہاں میں تو

یہ کہنا بھول ہی گیا کہ سال یا ڈیڑھ سال کے بعد ہماری شادی

بھی .....“ اور اس نے مسکراتے ہوئے فاطمہ کی طرف دیکھا۔

فاطمہ کے رخسار انگاروں کی طرح تپ رہے تھے۔

ابراہیم نے کپڑے اتارے اور چار پائی پیرسٹ گیا۔

فاطمہ اس کے لئے گلاس ہیں دودھ لے آئی اور اس نے

مسکراتے ہوئے اسے لے کر پی لیا۔ کچھ دیر آرام کے بعد وہ شخص

ہونے لگا۔ ستارے آسمان پر پھیل آئے تھے۔ ان کی چھاؤں میں

دونوں خراں خراں گھسے لگا۔ پھر ایک جگہ رک گئے۔

”ہم بہت جلد میں گئے فاطمہ! ارے، تمہاری آنکھوں

میں آنسو پھٹکی! پسائی کی بیوی اور آنسو فاطمہ! تم پسائی

کی ہونے والی بیوی ہو“

اور فاطمہ کی آنکھیں جیسے ان آنسوؤں کو پی گئیں۔ ”اچھا!

اب ذرا ہنس دو“ اس نے کہا اور وہ مسکرا دی۔ چاند بادلوں

کے پیچھے چھپ گیا۔

”ابراہیم ظفر الدولہ“ کی رسم تاج پوشی بڑے نزک، احتیاط

سے منائی گئی اور خود تختیاری کا اعلان کر دیا گیا، زل کے

پر رہنے والے کے چیرے پر مسکراہٹ تاج رہی تھی، مسکراہٹیں

قیصق پہل پہل، ذیت نفس سے زل دہن کی طرح سجایا

گیا تھا۔

باضابطہ طور پر حکومتی نظام قائم ہو گیا۔ ایک ہی سال

کے اندر اندر رعایا خوش حالی کی زندگی بسر کر رہی تھی۔ اس کے

ناروغ ہوتے ہی ابراہیم ظفر نے حفاظتی تدابیر شروع کیں

کیونکہ خطرہ روز بروز بڑھتا جا رہا تھا۔ تازہ آنکلی بھڑوں

سے جنگ کا امکان قوی تر ہوتا جا رہا تھا۔

زل کے اطراف، ”خندقوں، کنوئوں، موچوں وغیرہ کی

تعمیر شروع ہو گئی اور فوج میں بھرتی بھی تین چار ہجرتوں

کے اندر اندر تقریباً دس ہزار فوج باقاعدہ زل کی حفاظت

کے لئے تیار تھی۔

”جہاں پناہ! وہی ہو جس کا اندیشہ تھا، خدمت عالی

میں آج سے ڈیڑھ سال قبل یہ عرض کیا تھا کہ زل میں ابراہیم

ایک شخص رعایا کو حکومت کے خلاف بناتو کر کے کی ترغیب

دے رہا ہے اور اب وہی ”ابراہیم ظفر“ کے نام سے وہاں حکومت

کر رہا ہے۔ زل اس کا پائے تخت ہے ہمارے نمائندوں کو

قتل کر دیا گیا ہے“

”بہت عالی ہمت شخص معلوم ہوتا ہے“ اعلیٰ حضرت نے

ارشاد فرمایا۔ ”حضور! باغی کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لئے

غلام کو اجازت رحمت فرمائی جائے“

”یہ تو بہت معمولی سا کام ہے سراج! نیز ہم تمہیں

اجازت دیتے ہیں“ اور پھر دربار ختم کرنے ہوئے سراج

سے مسکراتے فرمایا ”اس کی رگوں میں بھی بہاؤ کا خون

معلوم ہوتا ہے سراج!“

ایک ہی بجھے میں سراج نے اپنی فوج کو تیار کر کے زل

کی طرف کوچ کیا۔ ابراہیم ظفر کو جاسوسوں نے سراج کی آمد کی

اطلاع دی اور زل میں بھی طبل جنگ بج گیا۔

سراج انتہائی تیزی سے تین ہی دن میں زل پہنچ گیا

اور دیئے گوداوری کے دوسرے کنارے پر رٹاؤ ڈال دیا۔

دوسرے ہی دن ”شام گڑھ“ پر حملہ ہوا۔ دن تمام خونریز لڑائی

ہوئی رہی۔ ایک طرف سے گوندوں کے بعد ہر نشان کن حملے

دوسری طرف شام گڑھ کے اونچے قلعے سے آتش باری سراج

کی فوج میں سرایت کی گئی۔ آتما نمایاں ہونے لگے۔ رات ہو گئی

اور لڑائی دوسرے دن کے لئے ملتوی ہو گئی۔

دوسرے دن صبح سراج نے اپنے دو جرنیل اور دو مشیران

خاص ڈیروں میں مردہ پائے، بڑی جراتی ہوئی کہ سراج نے خود

فوج کی کمان لی لیکن دوپہر ہونے پر تھک آتش باری پہاڑوں

کی گرمی اور سب سے زیادہ گوندوں کے عجیب طرز جنگ نے

سراج کو ہراساں کر دیا اور رات ہونے پر تھک سراج اپنی فوج

لے کر زل سے بھاگ رہا تھا۔ ابراہیم ظفر کے گوند پستان نے کئی

میل تک اس کا پیچھا کیا۔



اس توپچی کو ختم کر دو“ اور ایک افسران توپچی کی تاک میں لگا ہوا تھا۔ زنی جرنل جڑھ بڑھ کر چلے کر رہا تھا۔ قلعہ کی طرف سے آتشباری میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ ابراہیم ظفر کا بچہ کھیل گیا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا تاکہ دوسری طرف سے آتشباری تیز کرنے کا حکم دے۔

ٹھائیں!

آہ! اسد! میں طرف کی آتش باری.....

اور تیز..... کر دو“

”جہاں پناہ! یہ کیا ہو گیا حضور کو“

”جاؤ! اسد! تم جاؤ..... پہلے جاؤ“

اور ابراہیم ظفر جسم سے زمین پر گر گیا۔

”میرے سرتاج!“

”کون..... فاطمہ..... میری فاطمہ.....“

تم یہاں کیسے آ گئیں.....“

لڑائی زوروں پر جاری تھی۔

”میرے سرتاج یہ کیا ہو گیا آپ کو؟ افسانہ.....“

اور ابراہیم ظفر مسکرائے لگا۔

”فاطمہ! ہنو۔ ہنو! ایک بار.....“ میں بہادر ہو

..... کی موت..... مر رہا ہوں۔

فاطمہ! میں..... بہت خوش ہوں..... بہت“ اس کا سر

فاطمہ کی گود میں تھا۔ سینے سے فون بہہ رہا تھا اور وہ مسکرا

رہا تھا۔

فاطمہ! وطن کی خاطر سب کچھ.....“

ایک ہی گھنٹہ بعد آصفی پرچم“ بنیں گلو“ یہ لہرا

رہا تھا اور ابراہیم ظفر..... اپنی محبوبہ کی آغوش میں

ابدی عیند سو رہا تھا۔

عبدالمجید (عثمانیہ)

منظر تھا، ابراہیم ظفر مجبور ہو گیا اور اس نے اپنی فوج کا بیشتر حصہ بتیں گڑھ پہنچا دیا۔ شاہی فوجوں نے بتیں گڑھ کا محاصرہ کر لیا۔

”حضور! صلح کر لینی بہتر ہے“ ایک فوجی افسر نے کہا

”جنگ جاری رکھو جبار!“

”جہاں پناہ!“

”یہ میرا علم ہے“

”مگر حضور.....“

ٹھائیں اور جبار اس کی فوج کا ایک افسر زمین پر خون میں

بوٹ رہا تھا۔

”ہم اپنے آخری قطرہ خون تک جنگ جاری رکھیں گے

اسد!“

”بے شک، جہاں پناہ“

”ہم بہادروں کی موت مرنا پسند کرتے ہیں“

ابراہیم ظفر خود چار دستوں کے ساتھ ایک سرنگ کے ذریعہ سے

شاہی فوج کے پچھلے حصے پر نمودار ہوا، شاہی فوج آسانی سے

گھبر گئی، شاہی کماندار پریشان ہو گیا۔ لیکن جلد ہی اپنی فوج

کو اس نے دو حصوں میں تقسیم کر دیا اور لڑائی نے شدت

افتیاد کر لی۔ ابراہیم ظفر اپنے ایک جرنیل کے سپرد یہ کام

کر کے قلعہ میں واپس آ گیا۔

”ادہ! تو بچی دیکھتے نہیں ہو، کیا کر رہے ہو؟“

وہ شیر کی طرح غرایا۔

”ہماری فوج کے اس حصے پر زیادہ دباؤ پڑ رہا ہے

توپوں کے دبانے اس طرف پلٹ دو، تم ہٹ جاؤ، گدھے بچ“

اور اس نے توپچی کی جگہ سنبھالی۔ آتشباری تیز سے تیز تر

ہو گئی، زنی جرنل جو میدان میں شاہی فوج سے مقابلہ

کر رہا تھا اپنی جگہ پر جما ہوا تھا۔

”قلعہ کی اس طرف کی توپ سے“ شاہی کمان دار

نے بائیں طرف اشارہ کیا۔ ”بہت زیادہ آتشباری ہو رہی ہے

جباری فوج پریشان ہو رہی ہے، خدا نخواستہ کہیں۔“

# وضع جسمانی

اس سے قبل کی تقریریں ہیں نے بچپن کے زمانے کی وضع جسمانی کی نوعیت کو ضروری تفصیلات کے ساتھ پیش کر کے اس کے اصلاحی پہلو کو واضح کیا تھا۔ آج کی تقریریں زمانہ بلوغ کی وضع جسمانی پر روشنی ڈالی جائے گی۔ میں اس امر کی توضیح کی کوشش کروں گا کہ زمانہ بلوغ زندگی میں کس قدر اہم ہے اس زمانہ میں وضع جسمانی کی پرورش کس نوعیت پر ہونی چاہیے اور وہ کون سے ایسے داخلی اور خارجی امور ہیں جو زمانہ بلوغ وضع جسمانی پر خوش گوار یا غیر خوش گوار اثرات مرتب کرتے ہیں اور جس سے جوانی اور ہیئرلن اور بڑاپے کے زمانے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔

بلوغ کا دور مختلف ممالک میں آب و ہوا کے لحاظ سے مختلف ہے۔ سرد ممالک میں بالعموم بچے ۱۹-۲۰ اور ۲۱ سال کے درمیان زمانہ بلوغ میں قدم رکھتے ہیں لیکن گرم ممالک میں بچے کسی قدر قبل ہی بالغ ہو جاتے ہیں۔ ہمارے یہاں بچے بالعموم ۱۶-۱۷ اور ۱۸ سال کے درمیان بلوغ کے دور میں آجاتے ہیں اور لڑکیاں ۱۵-۱۶ اور ۱۷ سال کے درمیان بلوغ کے زمانے میں پہنچ جاتی ہیں جنسانی حالات کے علاوہ غذا اور اس کی نوعیت کا تعلق بھی بلوغ کے دور سے بہت زیادہ ہے۔

گرم ممالک اور ادرچٹ ٹیٹا غذا کھانے والے بچے اس سے بھی جلد زمانہ بلوغ کو پہنچتے دکھائی دیتے ہیں۔ قطع نظر اس تحلیلات کو بھی اس زمانے کے قبل از قبل آغاز سے زیادہ تعلق ہے۔ جنسی میلان اور اس کے متعلق معلومات کی فراہمی بچے میں نظر نا وجود ہے۔ انہی معلومات کے حصول میں اگر اس کی کھوج رہی ہو تو وہ خود اس کی کھوج میں لگا رہتا ہے۔ عام حالات اور اس کے نتائج کے اعتبار سے یہ کہنا بھانہ ہوگا کہ کس قسم کی کھوج اور اس کے راست یا بالواسطہ کھوج کے طریقہ بالعموم گمراہ کن ہی ہوا کرتے ہیں۔ وہ تمام اعلیٰ اور

مقدس تحلیلات جو جنسی اعتبار سے دل اور دماغ میں پختہ پانے چاہئیں ان کی بجائے وہ نفسانی خواہشات کا شکار ہو کر اپنی انسانی قدر و قیمت کو کھو بیٹھتے ہیں۔ اسی وجہ سے ہر مذہب میں بلوغ کے آغاز کے ساتھ ہی ہر انسان پر مذہبی پابندیاں حاکم کر دی گئی ہیں جنسی تعلقات کو اس مذہب کے نزدیک ترین حالت میں واضح کئے گئے ہیں جن میں ذمائی فحش ایک گناہ بکیرہ بن جاتی ہے۔ ہر حال اس خصوص میں میں تفصیلات میں جانا نہیں چاہتا بلکہ صرف اس قدر اشارہ کئے دیتا ہوں کہ بچے کے بزرگوں کا یہ فرض ہے کہ اس میں جنسی تحلیلات اور اس کی فراہمی کے طریقے اس پر ایسے ہیں جیسا کہ جس کے ذریعہ ایک پاک اور مقدس خیال اس کے دماغ پر مسلط ہو جائے تاکہ وہ گمراہی سے بچ جائے اور اپنی زندگی کو تباہ و برباد نہ ہونے دے۔ چنانچہ اسی خیال کے تحت ہر ترقی یافتہ ملک میں جو اپنے نوجوانوں کو نندہ رست اور قوی تر بنانا چاہتے ہیں، جنسی تعلیم ان بچوں کے لئے عام اور لازمی کر دی گئی جو زمانہ بلوغ کے قریب تر ہوں غرض مجھے یہاں یہ بتانا مقصود تھا کہ قبل از قبل جنسی تحلیلات کی پیدائش سے بھی بلوغ کے زمانے کا آغاز کسی لڑکے یا لڑکی پر ہونے لگتا ہے۔

زمانہ بلوغ دراصل بچپن اور جوانی کے درمیان کا حد فاصل ہے۔ انسان تعیشات کے لامتناہی پیرے ہیں بزرگ یا معاشی تحلیلات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی زندگی کا مقصد کچھ ہی عین کر کے بین قدرت انسان سے کچھ اور ہی توقع رکھتی ہے۔ زمانہ بلوغ میں انسان میں جنسی میلان کی پیدائش قدرت کی جانب سے ہوتی ہے۔ اس میلان کو پورا کرنے کا یہ خفا ہے کہ انسان اس بات کی تباہی کرے کہ آئندہ اس کو ایک باپ یا ماں بنائے اور اس خصوص میں صحیح معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرے تاکہ اس کی ہونے والی بود و توانا اور طاقتور ہو سکے۔

ابھی ہم نے بتایا کہ بلوغیت کا زمانہ تیاری کا زمانہ ہے۔







اپنے کاقد رکھتی ہوں تو ان کا معیاری وزن ۹۰ پونڈ میرے  
۵ فٹ کا قد رکھتی ہوں تو ان کا معیاری وزن ۱۰۳ پونڈ میرے  
۶ فٹ کا قد رکھتی ہوں تو ان کا معیاری وزن ۱۰۹ پونڈ میرے

۵	۲	"	"	"	"	۱۱۳
۵	۳	"	"	"	"	۱۱۸
۵	۴	"	"	"	"	۱۲۱
۵	۵	"	"	"	"	۱۲۴
۵	۶	"	"	"	"	۱۲۶
۵	۷	"	"	"	"	۱۲۹
۵	۸	"	"	"	"	۱۳۳
۵	۹	"	"	"	"	۱۳۶
۵	۱۰	"	"	"	"	۱۳۹
۵	۱۱	"	"	"	"	۱۴۲
۶	فٹ	"	"	"	"	۱۴۸

ہم نے زائد بلوغ اور اس زمانے میں بچوں اور  
بچوں کا لحاظ معیاری وزن بتا دیا ہے۔ معیاری وزن  
در اصل صحت جسمانی اور عموماً صحت جسمانی کا ایک معیار ہے اور  
اسی سے کسی کی عمر کا بھی تخمینہ کیا جاتا ہے اسی وجہ سے اکثر میڈ  
کینیڈاں میرے وقت عمر اور وزن کے تناسب کا خاص خیال  
رکھتی ہیں۔ فوجی خدمات کے سلسلہ میں بھی معیاری وزن کو  
بظور خاص پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ ہر حال اب ہم صرف زائد بلوغ  
میں وضع جسمانی کے بعض حالات پر روشنی ڈالیں گے کہ اس  
وضع جسمانی کی نوعیت سمجھنے کے اعتبار سے واضح ہو سکے  
بلوغ کے دور میں جسم کے بعض حصوں ایک نیا نیا تبدیل ہوتا  
ہوتا ہے اور یہ تبدیلی خاطر عموماً اس وقت ہوتی ہے کہ اس  
خصوصی طور پر خاص خیال رکھا جائے کہ اس کے صحیح نشوونما کے لئے  
مناسب اور صحت بخش احوال پیدا کیے جائیں۔ اس میں سب سے  
اہم غذا کا سوال ہے۔ انڈیا کو مشیت۔ چھللی۔ چھللی۔ چھللی  
زائد بلوغیت میں وضع جسمانی کے نشوونما میں بڑی مدد دیتے  
ہیں۔ دودھ کا استعمال اس زمانے میں بچوں کو اگر کرایا

جائے تو ان کے عام نشوونما میں بڑی ترقی ہوتی ہے۔ غذا کے ساتھ  
اس زمانہ میں ورزش کا سوال بھی بہت اہم ہے۔ بالعموم  
اس زمانے میں عموماً جو بچہ کے دل میں جسمانی طاقت کے  
مصول کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ اب یہ دیکھنا کہ جسمانی توانائی  
اور وضع جسمانی کو ترقی کرنے کے لئے کس قسم کی ورزشیں کرانی  
چاہئیں۔ ہم نے معیاری وزن بتا دیا ہے اس کو پیش نظر رکھ کر  
اور یہ دیکھ کر کہ اپنا وزن معیاری سے کم ہے یا زیادہ کم ہونے  
کی صورت میں ایسی ورزشیں کی جائیں جو عضلات اور اعصاب  
کو تقویت پہنچا سکتے ہیں جن میں ضرورتاً لاتی ورزشیں بہت مدد  
مند ہیں۔ سیدی سادھی ورزشیں بہت زیادہ مدد دیتی ہیں  
وضع جسمانی سے تیار کرانی چاہئیں اور اس کے حساب دیا جائے ڈاکٹر  
صبح و شام ان ورزشوں کو کرتے ہیں۔ البتہ اس سلسلہ میں  
یہ ضرور یاد رکھنے والے بچے کیلکول میں  
زیادہ حصہ لیں۔ ہر کی ورزشیں جو بہت کم تنہائی میں اور جن کو  
بہت دیر کر سکتے ہیں کر کے کرنا۔ ورزشی ورزشیں جو بہت جلد  
تھکاہٹ میں ہیں کر کے کرنا۔ کیونکہ اس قسم کی ورزشیں عضلات  
اور اعصاب پر بار ڈالتی ہیں اور اس اہم قسم کے بار سے  
ان میں ٹھکنے کی زیادہ پیدا ہو جاتی ہے اور اس سے عضلات  
اور اعصاب کے نشوونما میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ بظاہر  
انسان تو ایسی ورزشوں سے موٹا تازہ دکھائی دیتا ہے  
لیکن اس کا اردو اور خون ہائیمہ اور جسمی نظام پر بہت برا  
پڑتا ہے۔ وقت سے پہلے ہی اعضا مکرور ہونے لگتے ہیں۔  
اس میں کچھ شک نہیں کہ ذہنی ورزشیں مثلاً ڈومبل۔ بار اور  
رنگ اور ٹکار ڈانڈ اور بیٹنگ انسان کے جسم کو بہت جلد  
تیار کر دیتے ہیں۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ انسان کو اس قسم کی  
تیاری کی ضرورت ہے یا نہیں۔ بے ضرورت تیاری طے  
سوائے نقصان کے اور کچھ نہیں۔ ذہنی ورزشیں بھی اپنی  
خاص خصوصیات اور افادیت رکھتی ہیں بشرطیکہ ان سے مناسب  
اور ضرورت کے لحاظ سے فائدہ اٹھا جائے۔ جسم کی تیاری کا  
مفہوم عموماً معیاری وزن رہے۔ اگر آپ کو اپنا معیاری وزن

موٹا یا نہ صرف وضع جسمانی کو بگاڑ دیتا ہے بلکہ ایسے وضع جسمانی کی تمام کیفیات اور خیالات بھی کچھ نہ کچھ بعد اپنی ضرورت کے ہوئے ہیں۔

زمانہ بلوغ میں وضع جسمانی کی تہہ میں متوازن غذا و دوزوں و ورزشوں کے علاوہ عادات کو بھی زیادہ دخل حاصل ہے۔ اس زمانہ میں اکثر یہ دیکھا جاتا ہے کہ بچہ اپنے آپ کو بچہ کہ سمجھنے لگتا ہے اس میں عقل بزرگ کا تصور زیادہ پیدا ہو جاتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ اس کے بڑے یا بزرگ کیا کرتے ہیں۔ انہی تصور میں وہ اپنے بڑوں کی عادات کو دیکھ کر اپنی عادات کو حاصل کرنے میں کوشاں رہتا ہے۔ یہ جاری بدقسمتی ہے کہ ہم جو اپنے آپ کو بچوں کے بزرگ و سرپرست سمجھتے ہیں مگر اپنی ایک ناقص عادات میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ہمارے کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے کی عادات میں صحت نہیں ہوتی۔ اس خصوص میں میں نے اس سے قبل کی تقریروں میں بہت کچھ تو وضع کی ہے لیکن زمانہ بلوغیت کے اعتبار سے بچوں کو جن عادات سے باز رکھنا ہے ان میں سگریٹ نوشی جانے نوشی، پان کا استعمال بہت پیش پیش ہیں یہ عادتیں صحت بخش کچھ نہیں۔ یہ ظاہر کچھ لطف آتا ہے لیکن اس لطف کے پیر کدہ کئی آفتیں نہال ہیں۔ ان عادتوں سے وقت جسمانی اور اس کی صحت بخش حالت پر کافی برا اثر پڑتا ہے۔ بلوغ جو تیاری کا زمانہ ہے اس میں افکار پیدا ہو جاتا ہے۔ ان عادتوں کے متعلق انقباض سے بیان کر کے یہاں تجاویز نہیں۔ لیکن اس قدر بیان کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ ان عادتوں سے جنسی تعلقات میں فحش پیدا ہوتا ہے اور ایسی فحش جنسی کو دیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ لباکس کی وضع قطع بھی اس زمانہ میں خاص اہمیت رکھتی ہے۔ جہاں تک ہو سکے تک کپڑے نہ پہنے جائیں۔ لڑکیوں کا کد سے زیادہ بناؤ گھٹا کر خیال، اور اپنی اڑی کی جوتوں کو متواتر استعمال ان کی تدریجی جنسی حالت میں رکاوٹ دے گا

لی گاتوہ کھیلے کہ آپ نے وضع جسمانی کی پوری قابلیتوں کو حاصل کر لیا ہے۔ کم وزن کھنے والے وضع جسمانی میں کئی نقائص پیدا ہوتے ہیں۔ بالخصوص زمانہ بلوغ میں بیانی پر اثر پڑتا ہے۔ جو کہ از جانی ہے۔ و مانی کا وزن میں دل نہیں لگتا۔ ساتھ کچھ ایسا دیکھی ہوتا ہے۔ قوت مدافعت میں فتور آ جاتا ہے۔ نفسی اعتبار سے بچان میں کئی ایک خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ چڑچڑاہٹ پیدا ہونے لگتا ہے۔ بار بار معمولی باتوں پر غصہ آئے لگتا ہے۔ صبر و تحمل و طبیعت میں استقلال بہت کم رہتا ہے۔ جب جسمانی اور دماغی اعتبار سے انسان اپنی کمزوریوں کو محسوس کرنے لگتا ہے تو اس میں ایک عام ہستی رونما ہونے لگتی ہے جس سے اس کے آئندہ دور زندگی کے مسائل میں بڑی بڑی رکاوٹیں پیدا ہونے لگتی ہیں بالآخر وہ ایک کمزور شخصیت کے تحت ایک ناکام زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اس طرح معیاری وزن کے اعتبار سے جن کا وزن زیادہ ہو وہ اور بھی زیادہ توجہ کے قابل ہیں اگر وہ اپنی کوشش حال رکھا جائے تو نہ صرف بظاہر وضع جسمانی صحت مند ہونے لگتی ہے، بلکہ اس میں خرابیوں کا ایک ایسا علاج بھی سلسلہ قائم ہو جاتا ہے۔ جو بڑے بڑے کا پہلا اثر قوت باطن پر پڑتا ہے۔ تدریج خوراک کم ہونے لگتی ہے پانی زیادہ پیا جاتا ہے۔ دوران خون اور اعصاب پر زیادہ باؤ پڑتا ہے۔ ایسی حالت میں جسم کا اندرونی اعضا جیسا کہ اوپر سے یہاں ہر کثافت کے تحت میں ذیابیطس، خون کا دباؤ، نیز نظام ہاضمہ اور دوران خون سے متعلق جو امراض میں تدریج حوالہ دے ہوئے جاتے ہیں ان زمانہ بلوغ میں اگر مرنائی پر قابو پایا جائے تو آئندہ وہ کئی ایسی صحت کے امراض سے سالق نہ پڑے گا جو بچے معیاری وزن سے زیادہ وزن رکھتے ہوں وہ غذا کے معاملہ میں بہت ناخداہ کریں۔ ترکاڑیوں اور بچوں کا استعمال زیادہ کریں۔ پانی کم پئیں۔ پسینہ آور ورزشیں اور کھیل زیادہ کھیلیں۔ اپنے لئے تھوڑی بہت وزن کی ورزشیں موزوں ہوتی ہیں لیکن ہلکی ورزشوں کے ساتھ ان ورزشوں کو ملا کر کریں۔ بہر حال

باعث ہوتے ہیں۔ زمانہ بلوغ میں سب سے اہم بات جو وضاحت طلب ہے اس زمانے کی شادیاں ہیں جو زمانہ بلوغ میں وضع تھی کہ ترقی میں سدراہ ہوتی ہیں۔ کم عمری میں شادیوں کے باعث وضع جسمانی کا پورا نشوونما اپنی جگہ رک جاتا ہے۔ ایک تو خود اپنی وضع جسمانی کی بربادی ہوتی اور دوسرے وقت سے بیلے اولاد ہونے کے باعث نیچے اتنے کمزور اور ناقص پیدا ہوتے ہیں جو بے مشکل زندہ رہتے ہیں۔ اگر زندہ رہ بھی گئے تو کمزور

اور ناقص۔ علم پر ہے کہ ایسی کمزور وضع جسمانی رکھنے والے نیچے آئندہ قوی ترقی میں کیا خاک ہاتھ لیاں گے۔ عرض ضرور اس امر کی ہے کہ ہم اپنے اولاد اور لڑکیوں کی نگہداشت بلوغ کے زمانے میں خاص طور سے کریں تاکہ وہ آئندہ ایک صحت مند ماں اور باپ بن کر طاقفور اولاد پیدا کریں۔

(لاسلکی نشر گاہ آباو سے پڑ گیا)

مغربی اللہ

## حسین گماں!

دھیمی دھیمی ہے ہوش کی تندی  
آؤ نگاہوں میں کچھ خلل سا ہے  
ہو رہی ہے جنون کی تکمیل  
ہر عمل میرا بے عمل سا ہے

(۲) تیرے ان زگسی کٹوروں میں  
میرے ماضی کا خون چھلکتا ہے  
اور ان سرخ سرخ ڈوروں میں  
ایک آنچل ہے جو بھٹکتا ہے  
میری زینت کا سرخ سرخ آنچل  
اس کے شانوں پیوں سرکتا تھا  
جس طرح زینت کا نقاب اٹھے  
اور وہ مہر میں گداز سا جسم  
مدغم کیفیت مست ناز سا جسم

میری ہانپوں میں یوں سرکتا تھا  
جوں تڑپ کر حسین جا بٹھے  
میری امید ہو گئی بے کل

(۳) ہو رہا ہے گمان پلکوں پر

دل شکن، دلفناز پلکوں کا  
تیری جادو بیان پلکوں پر  
ان نیکی دراز پلکوں کا

(۴) تیری نظریں میں موج ہائے جنوں

اے مری نگار، زندہ باد  
پوچھ مت مجھ سے میرا حال بول  
اے سراپا بہار، زندہ باد

تنگی اور بھی ہو جس سے فزوں

وہ نظر بار بار زندہ باد افسردہ

# اندھیرا

دور سے دھیرے کی المناک آواز برابر کانوں میں بجی تھی۔ نہ جانے کس کی ادھی بچی۔ لوگ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے، نشان کی طرف بارہ تھے۔ سب کے چہرے موت کے خوف سے زرد تھے۔ ایک عورت سر جھکا کر سسکیاں بیتی خزاں کے ساتھ ساتھ جاری تھی۔ دم بدم اس کی سسکیاں تیز ہو رہی تھیں۔ یہ بوجہ تھی۔ دکھوں کی ماری غریب عورت۔ اس کے ساتھ ہی اس کا بچہ ہڈی میں آگ لے جا رہا تھا۔ نادان نہیں جانتا تھا کہ آگ کس لئے بجی رہا ہے۔ وہ اپنی روتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ خاموش چل رہا تھا۔ کرب اس کے باپ کی سوکھی ہڈیوں کو آگ کے جلائے ہوئے ہو تو وہ آٹھوں پر پڑا ہوا دکھ کر چھینٹ گیا۔ عورت نے آگ کے ڈھکھ کر جلدی سے اسے گود میں اٹھا لیا اور سینے سے لگا کر زور زور سے رونے لگی۔ یہی اب اس کا سہارا تھا۔ بچہ اس کے سینے سے لگ کر خاموش ہو گیا۔ اس کی چٹائی کی طرف دیکھا۔ لوگ سر جھکا کر خاموش کھڑے تھے۔ سٹھوں کے دو میدان اسے ابھی رامو کا سوکھا جلتا ہوا جسم نظر آ رہا تھا۔ سرخ سرخ سٹھوں نے اسے گزرے ہوئے دن یاد دلادینے اور وہ ناشکی کی باویں کھوئی۔

وہ نئی نئی پیاد ہو کر آئی تھی۔ دن بھر وہ اور رامو کے ساتھ لاکم کرتے۔ بچارہ بڑے پرنے سے مکان بن رہی تھی اور وزو دین کی بہت ضرورت تھی۔ وہیں ایک جگہ ان دونوں کو کام مل گیا تھا۔ ٹھیلے نے مالک سے ٹھوڑی سی بلگ کر لی جو بڑی بٹائی تھی۔ صبح ہی صبح بھونچو کی آواز سن کر وہ جلد جلد اسمبل مکان کی طرف روانہ ہو جاتے۔ دن بھر ساتھ لاکم کرتے۔ ایک دو برس کے قریب یہ سے سے انیس کچہ زیادہ محسوس نہیں ہوتی۔ دونوں باتیں کرتے ہوئے کام کرتے کبھی رامو شہر سے اس کے کان میں کچھ کہہ دیتا اور وہ شہر کا کمر جھکا لیتی۔ اسی طرح دن آہستہ آہستہ گزر جاتا اور شام میں وہ دونوں لوٹتے۔ وہ کھانا پکاتے بچی اور رامو پہ سے کھینچے لگتے۔ دن بھر بچی گڑے رہے۔

بازار سے گھال اور کھانڈ کے گھر سے خرید لیا۔ اس نے اپنی شادی کی ساری پہنی۔ سوت کی کوئی سبز ساڑی اس کے ہاتھوں میں پٹیل کے ڈوکر سے تھمے یہی اس کا زور تھا۔ رامو نے اپنے لائے ہوئے گھر سے ہٹا دیئے اور خود بھی ایک بنگلے کے میں ڈال لیا۔ اس کی جوڑیوں سے بھی مرد اور عورتیں نکل آئیں اور سب نے من کر ہوئی کھیلی۔ پھر عورتیں ہوئی گاگیت گائے گئیں۔ زیادہ رات کے نکال۔ یہی ہنگامہ رہا پھر سب اپنی اپنی جوڑیوں کی طرف واپس آئے۔ وہ بھی تنگی ہوئی اپنی جوڑی میں داخل ہوئی۔ رامو نے پیچھے سے آکر اس کے چہرے پر لگوال مل دیا۔ سبز سرخ گھال چٹا کر

سٹھوں کی طرح۔ مکان کا کام بہت سی سے تھمہ رہا تھا۔ رامو کو پھر ضروری کی فکر لگ گئی تھی۔ آخر کار اسے ایک گرائی میں کڑی ل کی کر بیٹے کی طرح وہ ساتھ میں رہ سکے۔ وہ کہیں اور ضروری کے لئے جانے لگی۔ شام میں دونوں مائل کر لوٹے۔

رامو اب بیٹے کے ساتھ بہت ندر بازار گئی کے کثیف نہیں سے اس کی سمت خراب ہوئی تھی۔ وہ رات بھر کھانسی سے پریشان رہتا وہ اس کے لئے زیادہ سے زیادہ ضروری کرتی تاکہ رامو کا بھی طرح صلیج ہو سکے۔ وہ اپنے بیل کے لئے سبز کراس کا صلیج کرا داتی یہی کراس کی حالت گئی ہی تھی۔

ایک دن وہ اس گھر میں گئی جس کے خانے میں ان دونوں نے بھی حصہ لیا تھا۔ وہ لگہ سے اچھا نہیں کرتی ہی کہ اس کے رامو کے صلیج کے لئے کچھ روپیے قرض دے گا اسے مالک کو ٹپا لیا اس نے مالے کو سنا۔ اس کی ہانک کہہ رہی تھی ابھی یہی بھٹا بلک کو بھی ان دونوں نے اپنی غلطی سے بدنام کر رکھا ہے۔ ان کی یہ بوسیدہ غلطی بھر پور ماں اور ان سے ہر وقت نکلتی ہوا کثیف دھواں ساری نقشا خراب ہو جاتی تھی۔ وہ کالیاں بن کر ناک ٹوٹ آئی۔ وہ بچی اہیال کی آہیں ہوا بہترین کبھی جاتی ہے۔ گرامو کو کہیں اس سے فائدہ نہیں۔ شام کو بھی انراں کوں بڑا ہے جو دولت مند نہیں۔ اچھی غذا اور اچھی کھانا پھر وہ رامو کے لئے کیا کرے۔ وہ سوچتی ہی رہ گئی اور ماں سے کہتے کے لئے چھوڑ کر چلا گیا۔ وہ اس کا بچہ سیکھنے کے لئے رہ گئے بچہ

ہوئی آئی اور شامیں جاگ نہیں جھپکی کے دن رامو کے لئے کھانیں اور پائیاں۔ جتنے کھلے جھکے تھے فضا میں گرا اندھیرا اٹھ اٹھا۔ یہی اندھیرا اس کی زندگی پر بھی چھ گیا تھا۔ اندھیرے کے باوجود اسے نہیں مل رہا تھا۔ وہ بیٹے کے لئے کھانے کی مسئلہ بن گئی تھی اس کا ہاتھ تمام لے اور کچھ دونوں ایک دوسرے کے سہارا بننے کی کادست ملے کریں۔ مگر وہ اندھیرے میں جھکنے کے لئے تیار نہ تھی۔ سچے سچ اندھیرا

# تفہیم و تبصرہ

اسلام کے معاشی تصور

حیدر آباد دکن - قیمت ۳ روپے ۸/۱۲  
۱۲ روپے ۳۵۸ صفحہ

غلام دستگیر رشید صاحب نے بائیس مقالوں کو ایک کتاب کی صورت میں ترتیب دیا ہے۔ ہر مقالہ اپنی نوعیت میں اہم اور قابل غور ہے۔ آج کل کے مخصوص لوگوں کی طبقہ نظام اشتراکیت سے بہت متاثر ہے اور اسلامی نظام پر اسے قویت دیتا ہے۔ البتہ مرتب نے اس مجموعہ کی اشاعت سے اس غلط فہمی کو دور کرنے کی کوشش کی ہے۔

پڑھنے میں اس کے معاشی نظام کے مختلف پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا عبد الماجد دریابادی، مولانا حبیب الرحمن خان، شروانی مولانا ابوالکلام آزاد، ڈاکٹر عبداللہ اور علامہ انصاری کے مضامین میں اشتراکیت اور اسلام کا بہترین موازنہ موجود ہے۔ مسلمانوں کو موجودہ معاشی پینڈوں کا حل ڈھونڈنے کے لئے اس کتاب کو رہبر بنا لیا جائے۔

اسلام کے سیاسی تصور

حیدر آباد دکن - قیمت ۳ روپے ۸/۱۲  
۱۲ روپے ۳۵۸ صفحہ

زیر نظر مجموعہ میں دس مقالے شامل ہیں اسلامی سیاست کے مختلف پہلوؤں پر نظر ڈالی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ ہمیں عالمی سیاسی نظام پر کیا توجہ دینا چاہیے اور وہ اسلامی نظام ہے۔ مقالہ نگار بھی اشتباہ ہیں۔ ہر شخص کے لئے اسلامی سیاست سے واقف ہونا بے حد ضروری ہے۔ اور اس سے واقف نہ ہونے کے لئے اس کتاب کا مطالعہ ضروری ہے۔

سالنامہ آجکل یا تصور

حیدر آباد دکن - قیمت ۳ روپے ۸/۱۲  
۱۲ روپے ۳۵۸ صفحہ

رسالہ آج کل اردو کا پندرہ روزہ رسالہ ہے۔ اس رسالہ کی مقبولیت اس امر کی شاہد ہے کہ رسالہ عام فہم اور دلچسپ اس میں معلوماتی مضامین خاص طور پر شامل کئے جاتے ہیں۔ مستند اور مشہور لکھنے والوں کے مضامین بھی سالانہ میں موجود ہیں۔ غرض ادبی اعتبار سے تو یہ رسالہ بہت بلند نہیں لیکن معلوماتی لحاظ سے یہ ہندوستان کا واحد مفید رسالہ ہے۔ زیر نظر سالنامہ میں تاریخی، سوانحی، فقہی، علمی معاشیاتی مضامین انسان کے کوائف اور انہیں سبب سے شامل ہیں۔ زبان عام فہم ہے۔ ہر رنگ و مذاق کے مضامین موجود ہیں۔

ترجمہ اول - احمد نادر - قومی دارالاشاعت بمبئی

”نئی صبح“ ایک روسی اضافہ کا ترجمہ ہے۔ اضافہ نیالی نہیں زندہ حقیقت ہے۔ اس میں ایک روسی عورت کی داستان حیات قلمبند کی گئی ہے جس نے انقلاب میں مردوں کے برابر حصہ لیا اور اپنی عزت اور حوریت کی قربانی قومی آزادی کے لئے کی۔ انقلاب سے پہلے اور بعد کی روسی زندگی کا اچھا مطالعہ ہے۔

ابو جعفر منصور

۱۲ روپے ۳۵۸ صفحہ

قومی سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اردو کے لئے ضروری ہے۔ یہ بھی اس قسم کی سوانح عمری ہے۔ طرزیان و محبوب ہوتے تو اچھا قصہ کہانہ ہو جاتا لیکن طبعیت میں دلچسپی کو ڈھونڈ رہا ہے۔

”ز س“

# نتیجہ امتحان اردو وانی (دوم) بابۃ

- ۱۲۵۔ محمد عبدالغفور  
۱۳۱۔ میر حسن علی  
۱۳۲۔ محمد خواجہ  
۱۵۰۔ سید افضل  
۱۶۱۔ شیخ بوکر بنائیل  
۱۶۴۔ احمد اویسر  
۱۶۹۔ حسن  
۱۷۲۔ غلام مدانی  
۱۹۱۔ کنیزہ عاٹشہ  
۱۹۲۔ محمد یعقوب  
۲۰۳۔ محمد بک  
۲۰۸۔ محبوب شریف  
۲۱۳۔ دیا شکر دویدی  
۲۱۶۔ سید انوار  
۲۱۹۔ دوست خاں  
۲۲۰۔ حبیب الدین  
۲۲۳۔ محمد بکر پاشا  
۲۹۷۔ محمد عثمان  
(کامیاب)  
۱۹۔ رام  
۲۰۔ محمد عبدالرحیم  
۲۳۔ شیخ چاند  
۲۷۔ محمد حفیظ  
۳۰۔ محمد عبدالجبار  
۳۲۔ محمد حسین  
۳۳۔ شیخ ساج الدین  
۳۴۔ سید حسین

(کامیاب با امتیاز)

- ۲۱۔ نور احمد  
۲۲۔ عبدالعزیز خاں  
۲۳۔ محمد عثمان  
۲۶۔ محبوب خاں  
۳۱۔ چندر ناتھ پاشا  
۳۸۔ احسان انصاری  
۴۹۔ امتیاز حسین خاں  
۵۱۔ شام سندر  
۵۹۔ سید سلطان محمد الدین  
۶۲۔ عبدالحق خاں  
۶۳۔ مسعود علی خاں  
۶۹۔ عبدالحفیظ  
۷۰۔ احمد حسین خاں  
۷۶۔ محمد حبیب الرحمن  
۸۰۔ مسعود خاں  
۸۱۔ محمد اسلم  
۸۷۔ احمد حسین  
۸۸۔ دار کھنڈے سنگھ  
۸۹۔ رنجیا  
۹۳۔ شیخ ابابکر  
۱۰۲۔ شیخ محبوب  
۱۱۷۔ شادان سنگھ  
۱۱۹۔ خیر الرحمن  
۱۲۱۔ محمد فاضل  
۱۲۲۔ سید غوث  
۱۲۴۔ محمد پاشا

حسب ذیل امیدواروں نے علی الترتیب  
سب سے زیادہ نشانات حاصل کیے۔

- ۲۱۳۔ دیا شکر دویدی اول (بلوہ فوج)  
۳۷۸۔ شوکت جہاں بیگم دوم (نظام آباد)  
۱۶۱۔ شیخ بوکر بنائیل سوم (بلوہ فوج)

لیجاندروں کے نمبر

مرکز بلوہ (اماش)

(کامیاب با امتیاز)

۳۔ محمد بیگم

۴۔ غوثی بیگم

۵۔ مریم بی

۷۔ ہاجرہ بی

۸۔ رابعہ بی

(کامیاب)

۱۔ کنیزہ عاٹشہ

۹۔ صالحہ بیگم

مرکز بلوہ (ذکور)

(کامیاب)

۱۰۔ محمد حسین

۱۱۔ محمد عبدالوہاب انصاری

۱۲۔ رام سواری

۱۳۔ حیات خاں

۱۵۔ ٹوٹی سستی رام

۱۶۔ ابو الحسن محمد ریاض الدین

۱۷۔ جے رام ناتھ

مرکز بلوہ (فوج)



۱۳۷۔ غوث الدین	۸۵۔ شیخ علی الدین	۳۵۔ محمد احمد
۱۳۸۔ انور خاں	۹۰۔ ہمایوں	۳۶۔ سید رسول
۱۳۹۔ غلام حسین	۹۱۔ محمد شہباز الدین	۴۰۔ عبداللطیف
۱۴۱۔ رام ارتھ پرشاد	۹۲۔ گارگین	۴۱۔ سلطان حسن
۱۴۳۔ نذیر احمد	۹۳۔ طاہر علی	۴۲۔ سید انجم
۱۴۵۔ وحید الدین	۹۵۔ عبدالوہاب	۴۳۔ محمد جبار سید
۱۴۷۔ سرور خاں	۹۶۔ مشتاق حسین	۴۴۔ سید نور الدین
۱۵۱۔ عوض بن خدیجی امیل	۹۷۔ حاجی خاں	۴۶۔ غلام مصطفیٰ خاں
۱۵۲۔ عبدالقادر صاعری	۱۰۰۔ مرزا قیصر بیگ	۴۷۔ غلام محمد بن علی
۱۵۳۔ عربا حمید	۱۰۱۔ محمد ابراہیم	۴۸۔ خواجہ ستار
۱۵۴۔ سید عبدالوہاب	۱۰۳۔ محمد یعقوب	۵۳۔ قمر علی
۱۵۵۔ احمد علیس	۱۰۴۔ محمد رفیع الدین خاں	۵۵۔ سید بیگم
۱۵۶۔ علی مکی	۱۰۵۔ ابراہیم بن سعید	۵۶۔ محمد عبدالرحیم
۱۵۷۔ سالم بلشرم	۱۰۶۔ علی احمد	۵۷۔ امین الدین خاں
۱۵۸۔ حبیب عبدالرحمن بھادوی	۱۰۸۔ عبدالبارک خاں	۵۸۔ محمد رفیع الدین
۱۵۹۔ حبیب خاں	۱۰۹۔ محمد عظیم الدین	۶۰۔ ملک عثمان علی خاں
۱۶۰۔ محمد خاں	۱۱۰۔ محمد رفیع الدین	۶۱۔ حبیب الرحمن خاں
۱۶۲۔ ناصر باجرائی	۱۱۱۔ شادرا خاں	۶۲۔ یحییٰ شریف
۱۶۳۔ احمد بھادوی	۱۱۲۔ عبدالغفور	۶۳۔ محمد عبدالقادر
۱۶۵۔ محمد بادشاہ	۱۱۳۔ محمد عتیق	۶۶۔ انور خاں
۱۶۷۔ ساجد مشال	۱۱۴۔ سلطان امین خاں	۶۷۔ قیصر احمد
۱۶۸۔ احمد باجوہ	۱۱۶۔ شفا خاں	۶۸۔ محمد حسین
۱۶۹۔ قیصر حسین	۱۱۷۔ سید رسول	۶۹۔ محمد رفیع الدین
۱۷۰۔ عبدالرحمن	۱۲۰۔ محمد مولانا	۷۰۔ عبدالجبار خاں
۱۷۲۔ محمد	۱۲۳۔ کے کے جوت	۷۱۔ شیخ عبدالقادر
۱۷۳۔ سید	۱۲۰۔ غلام رسول	۷۲۔ محمد عبدالرحمن
۱۷۴۔ عمر	۱۲۵۔ محمد ابراہیم	۷۳۔ محمد خاں
۱۷۶۔ عبدالحق	۱۲۶۔ محمد نظام الدین	۸۲۔ محمد عبدالغفور
۱۷۷۔ عبد القادر	۱۳۵۔ محمد عبدالوہاب	۸۳۔ شیخ عبدالغفور
۱۷۸۔ محمود	۱۳۶۔ محمد اسحاق	۸۴۔ محمد سلطان

۲۴۵۔ گشتیا	۲۴۳۔ غلی کونا	۱۸۱۔ شیخ نظام الدین
۲۴۶۔ سید شہزادہ مورتی	(کامیاب)	۱۸۳۔ ولایت خاں
۲۸۰۔ ایم بالسیا	۲۲۶۔ جعفر خاں	۱۸۸۔ محمد جہانگیر
۲۸۱۔ سید اختر علی	۲۲۸۔ جوزف	۱۸۹۔ عبدالعزیز
۲۸۲۔ یو میرزا اسد	۲۲۹۔ جوزف رودات	۱۹۵۔ محمود علی
۲۸۳۔ اندیسہ نریسا	۲۰۳۔ زیتل	۱۹۶۔ محمد خاں
۲۸۴۔ وی۔ نارائن	۲۳۲۔ شہباز خاں	۱۹۷۔ غوث الدین
۲۸۵۔ دی چٹیا	۲۳۵۔ شیخ محبوب	۱۹۹۔ علی بن محمد ربانی
۲۸۶۔ نور محمد خاں	۲۳۰۔ شیخ محبوب	۲۰۰۔ نریسا
۲۰۷۔ بی ایم بالیا	۲۳۹۔ عبد المجید	۲۰۱۔ محمد امام الدین
۲۰۸۔ سائل کھٹکیا	۲۳۹۔ محمد قسطل	۲۰۳۔ محمد عبداللہ
۲۰۹۔ خواجہ ایاپیا	۲۵۰۔ محمد مولانا	۲۰۵۔ سید یوسف
۲۹۰۔ دوشیزا شمیم بیگم	۲۵۵۔ مختار احمد خاں	۲۰۷۔ بندہ علی
۲۹۱۔ موٹاکری دوشیزا شمیم	مرکز دوم کنڈہ (ذکور)	۲۰۹۔ شیخ جعفر
۲۹۳۔ ایم نارائن	(کامیاب بہ اختیار)	۲۱۰۔ محمد حسین
مرکز دوم کنڈہ (نساء)	۲۰۶۔ پیڑھری سیتا رام مورتی	۲۱۱۔ شیخ معین الدین
(کامیاب بہ اختیار)	۲۷۰۔ ڈی۔ سدا	۲۱۳۔ محمد بلین
۲۹۲۔ بی۔ بی۔ سوسلیہ بانی	۲۷۸۔ پیڑھری بلام مورتی	۲۱۵۔ محمود علی
مرکز ہائر کمرنل (ذکور)	(کامیاب)	۲۱۷۔ فیاض علی
(کامیاب بہ اختیار)	۲۹۰۔ سعید	۲۱۸۔ سید چاند
۳۰۳۔ محمد احسن	۲۶۱۔ گشتیا	۲۲۰۔ محمد غوث
۳۲۳۔ سید عبدالکریم	۲۶۲۔ سری جہانگیر	۲۲۳۔ گوپال جی
۳۲۹۔ سید وزیر الدین	۲۶۵۔ سیتا نارائن رائے	۲۹۳۔ محمد عبدالرشید
(کامیاب)	۲۶۷۔ پوری نامیا	۲۹۴۔ کریم خاں
۲۹۴۔ محمد عبدالعزیز	۲۶۸۔ دیکھتہ جیو میب	۲۹۵۔ محمد اسماعیل دوم
۲۹۷۔ محمد مظفر الدین	۲۶۹۔ دینی دیریا	۳۱۶۔ محمد غوث الدین
۲۹۹۔ خواجہ اسماعیل	۲۷۱۔ گوتہ بالپ	۲۹۸۔ نارائن سنگھ
۳۰۰۔ عبدالخالق	۳۰۲۔ نرسہوان رائے	۳۰۰۔ عبد المجید خاں
۳۰۱۔ سید غیاث الدین	۳۰۴۔ ایوان نریسا	مرکز بمبئی
۳۰۲۔ شیخ داؤد	۲۷۱۔ آسانی رالو	(کامیاب بہ اختیار)



ادارہ ادیبانہ اردو کی مجسٹریٹ ادبی تہذیب

اس مجرم کی اشاعت سے جلدیادہ دو شاعری میں ایک گرا لیا۔  
 الصافہ ہوا ہے، صفحات ۱۶۸ قیمت چھ  
 چٹت و راٹھر ندر راٹھرا صاحب جناب  
 ابن خان جناب ۱۔ (عالم پریس)، باحیات کا مجموعہ  
 ہے۔ اس کے زلیفہ سے سنسکرت اور بھاشا کی شاعری کے اخلاقی  
 اور سماجی پہلو کو اردو میں متعارف کیا گیا ہے۔ اکثر شاعر باعیا سنسکرت  
 اور بھاشا کے شعرا کے خیالات کا عکس ہیں اور بعض خود ان کے  
 دل و دماغ کی سنسکرت کاوش کا نتیجہ ہیں۔

سادگی، سلاست، خیالات کی لطیفی ہونے اور طرز بیان اس قدر سادہ اور بے تکلف کے معمولی کلمہ کا انسان بھی سمجھ سکے۔ ہر باغی دل کا دھڑکن چہ جو شجر مجسم بن گئی ہے۔ ابتدا میں جب باہر القادی میں اب کا ایک کھیتا اور علومات اور فنی مقدمہ ہے جس میں انھوں نے مسکرت اور ہندی شاعر پر پورے خوشی ڈالی ہے صفحہ ۱۲۰۱) قیمت محلہ ۱۱

ماہ نقیہ  
یہ مضمون میرزا کا صاحب بی بی اسے آئندہ (لکھنؤ)  
پروہ میرزا کا بی بی صاحبہ عثمانیہ میں لکھنؤ کی  
دشمنوں کی طویل نظروں کا مجموعہ ہے جس میں یورپ کی شہر کی  
مفید اثرات ملے ہیں۔ جدید یا پھر ابتدائی اور دانشمندی کے دل کا  
اس کا کثیر مطالعہ کر سکتا ہے۔ صفحات (۱۰۰) قیمت ۵۰

فیض سخن: مجلس الدین، مؤلف: اردو شاعری کے  
مجلس الدین، مؤلف: اردو شاعری کے  
مجلس الدین، مؤلف: اردو شاعری کے

یہ اکثر سید محمد الدین قادری زور سے حضرت فیض کے کلام کا یہ تذکرہ انتخاب فرمایا ہے۔ اس کے ساتھ ان کا ایک نصیحت افروز خطہ مہم بھی ہے جس میں فیض کی حیات - شاعری پر محققان بحث کی گئی ہے۔

مگر یہ قسم ہے۔ اور اجزاء و سبب کی نظر اور غزلوں کا تہیہ  
مجموعہ ہے۔ جناب میکین حیدر باد کے نوجوان شاعر ہیں انکے خاص  
انتخاب کے ناک ہیں ازلہ کا کلام بہت بھل ہے۔ انکے  
ڈاکٹر اور صاحب کاویا پوٹھو عمری اور انکے پروفیسر سوری کا  
مقدمہ بھی اس کے ساتھ شائع ہوا ہے۔ جدید شاعری سے  
کچھ رکھنے والوں کے لئے اس کا مطالعہ دلچسپی سے خالی  
نہیں ہے۔ صفحات ۱۰۲ طباعت و کتابت نفیس کاغذ اعلیٰ  
قسم طبع پر بہتر کام قیمت مال

مردوزندگی - کلام کا مجموعہ ہے جو نہایت سلیقہ سے ترتیب دیا گیا ہے۔ اس میں ان غزلیں، رباعی، غزلیں اور اہرام غزل ہیں۔ سید علی منظور صاحب حیدر آباد کے بڑے محض مشہور شاعروں میں سے ہیں۔ ان کی شاعری کے قدردان دور دور و دور پہلے گئے ہیں اردو کا کوئی مشہور مستند رسالہ ایسا نہیں جس میں ان کے دلن ان کی غزلیں اور غزلیں نہ چھپی ہوں اور پھر یہ غزلیں ایک رسالے سے دوسرے رسالے میں نقل ہو جاتی ہیں علی منظور صاحب حیدر آباد کے ان چند کامیاب شاعر ہیں جن سے ہیں مجموعہ کے اچھے کلام میں زندگی کی عجیب تر سچائی ہے اور اس میں کامیابی بھی حاصل کی صفحہ ۱۲۲)۔

[illegible]

تذکرہ ہے اس کی ترتیب بھی اسی طرز کے مطابق ہے۔ یہ بھی جیل کی ہے  
ہر شاعر کے سوانحیات اور نمونہ کلام کے ساتھ ساتھ اس کی  
شاعری پر تبصرہ بھی کیا گیا ہے۔ ان دونوں کتابوں سے حلیہ آباد  
کی گزشتہ اور موجودہ شاعری کا عربی اندازہ ہو سکتا ہے۔  
صفحات ۳۴۴ مضامین ۷۷ قیمت ۷۰/-

تاریخ کو گنبدہ : حیدر آباد کے مشہور مورخ اور جامعہ عثمانیہ کے معلم تاریخ پروفیسر عبد الجبار صاحب مدنی نے اہل اہل بنی سلاطین انقلاب شاہیہ کی نہایت مستند اور مبسوط تاریخ تلمیذ کی ہے جس میں گونبدہ اور اس کے اس کے پس کی سلاطین کے تعلقات، دکن کا تمدنی ارتقاء، بادشاہوں اور امیروں کے حالات، لڑائیاں، علم و فضل کی سر پرستی غرض ہر پہلو پر قدم نادر اور فنی تاریخوں کی مدد سے روشنی ڈالی ہے۔ اسے موضوع پر پہلی کتاب ہے جو اس انتہام اور محنت سے لکھی گئی ہے۔ ڈپٹی سائز سوانحیں سمیت زیادہ صفحات قیمت (۲۰)۔

مقدمہ تاریخ دکن : یہ کتاب بھی پروفیسر عبد الجبار صاحب مدنی نے نہایت تحقیق اور محنت سے مرتب کی ہے اس میں مہولے سرزمین دکن کے پچیس ہزار خانہ دانوں کا آغاز، ارتقاء عروج و زوال کے تعلق تغاریہ معلومات کے کھلاؤ حکمرانوں کا پورا سچو نسب اور حکمرانوں کی تاریخیں بھی لکھی گئی ہیں۔ اس کتاب کے قارئین ایک مبسوط اشارہ بھی ہے۔ متوسط قطع

۴۴ صفحات قیمت (۸)

سرکار جنگ اعظم :- یہ کتاب ادارہ کے شعبہ تالیف و ترجمہ کی مولوی فیض محمد صاحب صدیقی نے اسے ایم اے میں جن کو سوانح نگاری کا نصاب ملکہ ہے اور مفید معلومات کو طے و موجب اور سادہ و سیرامی میں لکھ کر دیا ہے۔ یہ کتاب درسوں کے طلباء اور عوام کے مطالعہ کے لئے بہت ضروری ہے۔ چھپائی و تصحیف و مہمضات قیمت محلہ (۸)۔

علاء الملک :- میرے کمال اور مدبر اور فرہین تھے۔ وہ آخر عمر تک

اس کتاب میں غزلیات کے علاوہ فیض کی ششویں اور دیگر  
کلام کا بھی انتخاب شامل ہے جس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ  
حضرت خواجہ میر درد اہد شاعرِ سراجِ روزگار آبادی کے بعض  
عرفان اور شوخوں کا امتزاج مینما اچھا حضرت فیض کے کلام  
میں موجود ہے کسی اور اوراد و شاعر کے یہاں نہیں ملتا تھا انکسبات  
(۱۴۲۱) بق تصور ہر قد حضرت فیض قیمت ۱۲

متل سخن - وہ شاکر و دادجو کہ آواز کے ایک ایک حرف متعلق شاعر ہیں۔  
ان کے کلام میں ادبی لطافت اور زبان کی پاکیزگی کی نمایاں ہوتی ہے۔  
اس انتخاب کے ساتھ جناب ڈاکٹر محمد علی الدین قادری غور کا مقدمہ  
بھی ہے جس میں اس کی شاعری پر بشرحہ کہا گیا ہے۔ شاعر غری اور  
زبان کا ذائقہ دیکھنے والے اصحاب کے لئے اس کا مطالعہ دلچسپی  
سے خالی نہ ہوگا۔ نقد و تصحیف ۱۶۶ مع نقور شاعر قیمت ۱۲

**فتح سخن جلد اول**۔ یہ کہن کے بھیں شعرا کے دو حصہ  
 مقدمہ اساتذہ مہذبہ فارض اور اہل قلم نے اس تذکرہ کی تالیف میں  
 حصہ لیا ہے۔ یہ تذکرہ بیچ و دوں پر مشتمل ہے جو دور کے شروع  
 میں ایک تہجد ہے جس میں اس کی ادبی خصوصیات پر روشنی ڈالی  
 گئی ہے جو بعد کے شاہ ہر شاعر کے حالات ان کے کلام کا نمونہ اور اس  
 پر مبنی ہے ان شاعروں کے تذکرہ کے ساتھ دیگر تمام عصر و گنی اور  
 شہلی ہند کے شعرا کے نام یہ سب سے پہلے تانکار اور ادبی شاعری کا  
 تاریخ مفتی معلوم ہو سکے۔ شاعروں کی تصویروں کے علاوہ  
 فرزانہ و ان کی اور قدردان ادب و شعر کی بھی تصویریں شریک  
 ہیں۔ (۷۰۰) صفحات ۵۵ تصاویر و قیمت (۷)

مرقع سخن جلد دوم :- پچاس شعرائے دور آصفیہ کا بقصور

کیونکہ گزشتہ ربع صدی میں اردو قلمیوں، شاعروں اور ادیبوں نے مختلف ایسی نئی معلومات حاصل ہوتی جاری تھیں کہ اس وقت جو بھی کوشش کی جاتی وہ نامکمل رہ جاتی اور دو کی گزشتہ تاریخ بڑی عقیدہ کے نقاب ہو چکی ہے اور بہت سی ایسی بڑی علمی میں جن کی وجہ سے ایک مربوط اور مسلسل تاریخ مرتب کر لی جا سکتی ہے۔ اس مہولت کے پیش نظر ادارہ نے یہ تاریخ مرتب کرائی ہے۔ یہ تاریخ صرف طلبہ اور عوام کے لئے تھی علمی ہے۔ اردو صحافت اور ادب سے دلچسپی رکھنے والے طلبہ صاحب کے لئے تاریخی معلومات کا بہترین ذریعہ ثابت ہو گی۔ مجبوری قطعاً ۱۶ صفحات قیمت عام۔

**اردو شاعری کا ارتقاء** — افادہ اور دھیار کے اظہار کے لئے صرف اس کے مصنف پر قلمبر عبد الغفار صاحب مہروری کا نام ہی کافی ہے۔ مہروری صاحب کی نظر اردو شاعری کی تاریخ پر تنقیدی وسیع اور باریک میں ہے کہ اس خصوص میں عبد حاضر کے کسی محقق و ادیب کو ان کی ہم پری نصیب نہیں۔ اردو شاعری کی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے اصحاب کے لئے یہ کتاب ایک نعمت غیر متوقع ہے جو اپنے موضوع اور اہمیت کے لحاظ سے سب سے پہلی کامیاب ترین کوشش ہے۔ یہ کتاب دس ابواب پر مشتمل ہے جن سے اس کی اہمیت اور تلاش و جستجو کا اندازہ ہو سکے گا۔

بڑی سائز (۱۲۳) صفحات قیمت عام  
**مغربی تصانیف کے اردو ترجمہ** — ترجمہ کی طرف سے شائع ہوئی ہے اس کتاب کے مصنف ڈاکٹر جبریں صاحب ایم اے نے ان تمام انفرادی اور اجتماعی کوششوں کو اک یک جمع کر دیا ہے جو صدیوں سے اردو زبان کو مالا مال کرنے کے لئے دوسری زبانوں کی کتابوں کو اردو میں منتقل کرنے کے سلسلے میں کی جاتی رہی ہیں۔ یہ تذکرہ نہایت محنت و تحقیق سے تیار کیا گیا ہے۔ اس لئے مستند بھی ہے، و مفید بھی۔ نقد ادب اور تاریخی طریقہ تنقید کے علاوہ نامزدوں کے متعلق معلومات حاصل کرنے میں ایسی کتابوں کی تلاش

سیاسی سازشوں اور ہنگامہ آویزیوں سے بچے رہے انھوں نے حیدر آباد کو حکم کیا ایسی دولت سے الامال کر دیا جس کی وجہ ان کا نام رہتی دنیا تک اس ملک کی تاریخ میں زعمو رہے گا۔ مولوی فیض محمد صاحب مدنی نے ایم ایڈر نے ان کے سوانح کا بڑے قریضے سے مرتب کئے ہیں طلبہ اور عوام کے لئے اس کا مطالعہ بہت مفید ثابت ہو گا۔ جدید فی قطعیت ۱۶ صفحات قیمت عام۔

**میر محمد مومن** — میں پیشوا کے سلطان اور وزیر مطلق تھے۔

دنیوی عروج کے علاوہ ان کی دہری بیاد و تعلیمات میں بہت مشہور ہے۔ انھوں نے نزار مارو پے کے صوفیہ سے ایک دائرہ بنایا تھا جس میں خاک کر لائے معلیٰ پیکار دی تھی۔ اور یہ دائرہ اب تک دائرہ میر مومن کے نام سے حیدر آباد میں مشہور و معروف ہے۔ میر محمد مومن صاحب علیا یاد نے فارسی شاعر بھی تھے اور شاعر آئے سے قبل شاہ ایران کے دست و پا بھی رکھے تھے۔ ان کے نہایت تفصیلی اور تاریخی حالات زندگی اس کتاب میں جناب ڈاکٹر سید غنی الدین قادری نے ذورے سے اپنے دلچسپ اور مقبول عام اسلوب میں غور فرمایا ہیں۔ تقریباً تین سو صفحات میں تصانیف قیمت عام۔

اس کتاب میں مولوی فیض الدین صاحب طر اس میں اردو — فارسی خوشی فاضل نے مدد اس میں اردو کے نشوونما اور اس کے ارتقاء کی تاریخ پیش کی ہے۔ کتاب کو نواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہر دور کے شاعروں اور شاعرانہ خیالات کو اس حیات اور نمونہ کا قلم حیل سے درج ہے۔ تاریخ ادب اردو سے دلچسپی رکھنے والے اصحاب کے لئے اس کا مطالعہ ضروری ہے۔ صفحات ۲۰۰ قیمت مجلد عام۔

**تاریخ ادب اردو** — تاریخ ادب ایک نہیں کچھ نئی اگرچہ اس موضوع پر دو چار کتابیں موجود ہیں لیکن ان سے نہ عالموں کی ضرورتیں پوری ہو سکتی ہیں اور نہ عوام اور طلبہ کی۔ اردو ادب کی کوئی مکمل تاریخ اس سے قبل کبھی تیار نہ کی تھی

اہمیت ہوتی ہے۔ جھوٹی تقطیع ۱۸ صفحات قیمت جلد ۴  
 یہ کتاب اردو کی ابتدائی تاریخ اور  
 آریائی زبانیں ۱۔ اس کے مضمون کا مستند تذکرہ  
 ہے جس کو ادارہ کے لئے ڈاکٹر سدیشور دیا صاحب ایم اے ڈی  
 لٹ پر فیسر سنکرت ولسانیات نے خاص طور پر مرتب کیا ہے۔  
 صفحات ۱۰۴ قیمت ۱۰۔

شعرا عثمانیہ ۲۔ چھپیں شعرا نے جامعہ عثمانیہ کے کلام  
 کا پاکیزہ انتخاب درج ہے۔ یہ مختلف نظموں اور غزلوں کا گلشن  
 رنگ و بو ہے۔ ابتدا میں ہر شاعر کے کلام پر ایک مختصر مگر جامع  
 تنقید کی گئی ہے۔ تقریباً بیس سال سے جو اہر یا دہ سے کچھ  
 پڑے تھے جن کو مولوی سید مدین الدین صاحب قریشی ایم اے  
 اور مولوی عبدالعظیم خاں صاحب باقی ایم اے (رہبرج اسکالر)  
 نے نہایت سلیقہ سے مرتب کیا ہے۔ کہیں خیالات کا طعنہ چلو  
 کہیں زبان کا کہیں جذبات کی سازگی اور بلندی ہے تو کہیں لہجہ  
 بیان کی بدت۔ کلام کا انتخاب اس نوعی سے کیا گیا ہے کہ ہر  
 شاعر کی عظمت اور اس کا معیار پورے طور پر سامنے آتا ہے۔ جدید  
 اردو شاعری کے رجحانات کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے ایک  
 کیلیب اور کارآمد تحفہ ہے۔ رائل سائزر (۲۳۱) صفحات تصویر  
 قیمت جلد ۱۰۔

محمد حسین آزاد ۳۔ اردو کے بڑے شاعر و دانش ور  
 محمد حسین آزاد ۳۔ اردو کے مکمل حالات زندگی اب تک شائع  
 نہیں ہوئے تھے۔ اس کتاب کو محترمہ جہاں بانو بیگم صاحبہ  
 ایم اے نے تیار اور دیکھا نامہ جامعہ عثمانیہ نے نہایت سلیقہ  
 اور گفتیش کے ساتھ تصدیق کیا ہے یہ کتاب سات اجزاء میں تقسیم  
 کی گئی ہے جن میں آزاد کی زندگی و شاعری اور تصانیف سے  
 متعلق مکمل معلومات شامل ہیں۔ یہ تصویر آزاد (۲۰۰) صفحات  
 قیمت ۱۰۔

گار سال و تاسی ۴۔ اردو کے پہلے پروفیسر فرانس کے شعور  
 کا رسالہ و تاسی ۴۔ اردو کے پہلے پروفیسر فرانس کے شعور

جی خواجہ کے علمی و ادبی کاموں، طریقہ تعلیم، تلامذہ و کتب خانہ  
 اردو کی حمایت اور تبلیغ کی کوششوں اور اس کے اجماع کی قیادت کی  
 درس کا ہوں ۱۔ اردو کے پروفیسر دل اور جی خواجہوں کا ایک  
 اجمالی تذکرہ ہے۔ اس کتاب کو جناب ڈاکٹر نور صاحب نے  
 نہایت تحقیق اور جانفشانی سے تالیف کیا ہے۔ طباعت و کتابت  
 ویرہ زیب صفحات (۱۲۸) قیمت ۱۰۔

تذروں ۵۔ اردو میں دکن کی چار گرجت خاتون انشا پر وار  
 صاحبہ محترمہ لکھنؤ انشا پر وار محترمہ لکھنؤ صاحبہ  
 و نجیب خاتون ہیں جو بانیہ ریختہ حضرت اولی اور کتاب آبادی  
 کے حالات زندگی اور خصوصیات کلام پر نہایت دلچسپ اسلوب میں  
 اور جدید ترین نقطہ نگاہ سے لکھے گئے ہیں۔ ان خاتون میں ولی  
 کی معلومات ان کے نقل ان کے فن شعر اور دو عرفان کے علاوہ  
 ان نے اسلوب زبان اور انتخاب الفاظ کے مطلق سی نہایت سلیقہ  
 اور دلچسپ بحث کی گئی ہے۔ دلی کے متعلق پہلی مستقل اور جامع  
 کتاب ہے۔ اس کا مطالعہ نکتہ شان ادب کی تسلی کا باعث ہوگا۔  
 صفحات ۲۴۰ طباعت و کتابت نفیس کاغذ اعلیٰ قسم جلد پر دو جگہ  
 نہری نام قیمت جلد ۱۰۔

محبت کی جہاں ۶۔ مرزا مظفر الحق صاحب بی اے کے چودہ  
 اس کے جلد افغانہ عشق و محبت کی دوا لکھنؤ اور حسن و حجاب  
 کی مضامین سے معمور ہیں۔ حرف و دبیریش کی جو زبانیاں اور  
 مشاہدات کے تاثرات کا دریا ہیں۔ نوجوانوں کے نصیحتیں  
 معاشرہ کی کچھ تقصیر اور بصورت زندگیوں کے لحاظ فرصت  
 کے لئے ایک شائستہ ذہنی تفریح ہے۔

جھوٹی تقطیع (۱۳۲) صفحات قیمت جلد ۴

ملنے کا یہ سب اس کتاب گھر حیرت آباد حیدر آباد دکن  
 سے طلب فرمائیے۔





## ادارۃ ادبیات اردو کی کتابیں

قیمت	ت	نام کتاب	قیمت	ت	ملاحظات
روپیہ	پایہ		روپیہ	پایہ	
۴	۴۸	سج کا چادر	۸	۸۰	من کی ٹیٹ
۸	۶۸	طبیعیاتی کائنات	۸	۶۴	سرگزشت غالب
۱۲	۱۲۳	متاع سخن	۴	۴۰	نظام الملک
۱۲	۱۲۲	کیف سخن	۸	۳۳۰	تاریخ گولکنڈہ
۱۲	۱۲۷	بادہ سخن	۰	۱۶۰	ریڈیو نمبر (۸ تصاویر)
۱۲	۱۵۲	سراج سخن	۱۲	۱۲۰	ارمغان جذب
۱۲	۱۴۰	ایمان سخن	۸	۲۱۸	یورپ جنگ سے پہلے
۱۲	۱۴۴	نیض سخن	۸	۲۷۲	تاریخ سیاست
۰	۵۰۰	مرقع سخن جلد اول (۵۵ تصاویر)	۶	۴۸	سر سالار جنگ
۰	۴۳۲	دوم (۵۰)	۴	۱۴۵	مغربی تصانیف اردو کے تراجم
۰	۱۷۵	نقد سخن	۴	۱۳۲	معصیت کی چھاؤں
۸	۲۳۸	نذر ولی	۴	۱۶۸	اقبال نمبر
۰	۱۹۲	کریہ و تبسم	۰	۱۱۲	سائنس کے کوشش
۰	۱۸۳	مغایر قد ہار دکن	۱۲	۲۳۰	شعر الہی عثمانیہ
۰	۱۴۵	من کی دنیا	۸	۳۰۰	مکتوبات شاد عظیم آبادی
۸	۱۹۶	مدرس میں اردو	۰	۱۶	داد اہالی
۰	۱۱۲	معوم نامہ	۰	۲۰۰	اردو نامہ
۴	۱۵۳	نذر دکن	۰	۲۸	سرگزشت حاتم
۸	۲۴۰	روح غالب	۶	۴۰	عماد الملک
۴	۲۰۰	عام صبر	۵	۵۶	اردو دان کی پہلی کتاب
۶	۵۶	دفتری معلومات	۵	۵۶	دوسری کتاب
۶	۳۸	آبدوز گفتیاں اور سنگ	۰	۲۰۰	محمد حسین آزاد
۱۲	۱۴۳	اردو مثنوی کا ارتقاء	۴	۱۲۰	کاغذ کی ناک
۸	۲۱۶	نمود زندگی	۸	۹۲	فن تقریر
۱۲	۳۰۴	سرگزشت ادارہ	۰	۱۴۳	مقدمہ تاریخ دکن
۸	۳۱۲	میر محمد مومن (۳۳) تصاویر	۸	۳۳۰	ہندوستانی تمدن
۳	۳۲	بلقان	۰	۸۰	پودوں کی کہانی
۱۲	۱۱۳	خطا بیات	۰	۹۰	مہ لقا
۰	۱۵۰	علم خانہ داری	۶	۳۸	پانی کی کہانی
۱۲	۸۰	چیونٹی (۱۶) تصاویر	۸	۳۱۲	رسائل طیبہ
۸	۱۶۸	انوار	۴	۴۰	سلک گوہرین
۱۰	۸۰	کشمش نانی (۴) تصاویر	۸	۷۶	تاریخ ادب اردو
۰	۱۲۸	کاساں دتاسی	۱۲	۲۳۴	رفیق اردو دان
۰	۱۶۸	رات کا بھولا	۰	۵۶	اشوب
۴	۲۴	سنگد جاہ	۸	۸۸	حبیب آباد
۱۰	۵۶	نلاخت	۸	۷۶	شاد اقبال
۸	۲۰۰	ادارہ سنہ ۱۹۴۲ء میں	۰	۱۰۳	اریائی زبانیں
۴	۳۲	ناصر الدولہ	۴	۳۲	نظام علی خان
۴	۳۲	افضل الدولہ	۵	۳۹۶	تذکرہ اردو مخطوطات حیدرآباد
۴	۳۴	نواب میر محبوب علی خان	۱۰	۵۶	عرب اور عربستان





# سبیل



۷۰۹۰



# ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد دکن کا ماہنامہ

زیر نگرانی  
ڈاکٹر سید محمد الدین قادری رند  
مجلس ادارت  
خواجہ حمید الدین ایم اے  
تکینہ جیسٹم

## سب رس

نشان پندرہ صدیقیہ ۱۵۳  
نشان پندرہ صدیقیہ ۳۹۵۰  
تالیفین نمبر ۲۲۰۹  
چند سالانہ چار روپیہ آٹھ آنے  
پچوں کا سب سے ایک چھپوٹا

شمارہ ۲

بابت ماہ فروری ۱۹۴۶ء

جلد ۹

### فہرست مضامین

۱	اداریہ تطبیقی مطالعہ	۱
۲	موسیقی اور برقی مطالعہ	۲
۳	فترک و یکجہ کر (نظم)	۳
۴	تعارف (نظم)	۴
۵	اردو میں سائنسی ادب	۵
۶	روس اور مذہب	۶
۷	مشرق کا ستارہ سحری (نظم)	۷
۸	دو غزلیں	۸
۹	جاننی رات (افسانہ)	۹
۱۰	انقلاب (فسانہ)	۱۰
۱۱	غزل	۱۱
۱۲	قانون کی ابتداء	۱۲
۱۳	مٹھے ٹھک (نظم)	۱۳
۱۴	کالج کی لاری (فسانہ)	۱۴
۱۵	ایک شام (فسانہ)	۱۵
۱۶	غزل	۱۶
۱۷	خطبہ ہمدرد	۱۷
۱۸	حضرت شاہ ابوالبرکات رحمہ فرما	۱۸
۱۹	احکام (نظم)	۱۹
۲	اجمل علی	۲
۳	بشیر النساء بیگم بشیر	۳
۴	شاہ صاحب	۴
۵	خواجہ حمید الدین ایم اے	۵
۶	احسان اللہ بی اے (عثمانیہ)	۶
۷	پی۔ پیام	۷
۸	نازش پرتاب گرامی	۸
۹	عزیز النساء بیگم بی اے (آخری)	۹
۱۰	کے سلطان بیگم محمد	۱۰
۱۱	حماں خیر آبادی	۱۱
۱۲	عبدالحق ناصر بی اے ایل ایم	۱۲
۱۳	سید علی منظور	۱۳
۱۴	سید محمد الدین احمد بی اے عثمانیہ	۱۴
۱۵	شمس المصطفیٰ شریف (بنگلور)	۱۵
۱۶	افند آفری	۱۶
۱۷	نواب ڈاکٹر مرزا بین جنگ بہادر	۱۷
۱۸	حکیم عبدالقادر شفاء مجددی	۱۸
۱۹	جبریل	۱۹

خواجہ حمید الدین ایم اے کے اہتمام سے صحیفہ مشین پریس میں طبع ہو کر خیر آباد سے شائع ہوا

بات مندرجہ ذیل جاتی ہے۔

حضرت امیر خسرو کی مثال یہاں کافی ہوگی جو سلطان علاء الدین خلجی کے درباری امیر تھے۔ یہ صرف اپنی موسیقی دان تھے بلکہ اچھے شاعر، سپاہی اور سیاست بھی۔ اسی وجہ سے متواتر دو بار طبعین کے عہد حکومت میں عہدہ وزارت پر فائز رہے۔ آپ کا بھتیجا اور شاعر ہی کے جیسا کہ کچھ کاغذات پر کس و ناکس پر عیاں ہے۔ حضرت سلطان حسن نظام الملک اور ناصر آپ کو بہت کثرت بھی ملا رہا ہے۔ مہر شوقیہ کے بہت معمولی نظر سے عوام میں بھی پروان چڑھا اور ان کی طرف سے آئے تھے اور ایرانی موسیقی سے خوب واقف تھے۔ مندرجہ بالا گانا سنئے ہی آپ کو بہت پسند آیا اور اسے تعصیل سے سیکھنے کی خواہش آپ میں پیدا ہوئی اور بہت جلد آپ نے ہندی موسیقی پر عبور حاصل کر لیا۔ اور وہ گمان پیدا کیا کہ آپ اسے وقت کے نایک ماننے جاتے تھے چنانچہ مملکت و جاگیر کے غریب نایک نے بھی آپ کی نائی کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔

نایک اس شخص کو کہتے ہیں جس نے علم و حکمت کا علم حاصل کیا ہو اور دوسروں کو بھی اچھی طرح سمجھا کر پڑھا سکے۔ کل لوگ راگنیوں سے واقف نہ ہو اور ان میں دلچسپی کا گام بھی ہو اور دوسرے کو بھی اچھی طرح گانا سکھا سکے۔ استادانِ سلوک کی بہت سی چیزیں ان کی تہذیب سے یاد ہونا اور ان پر طرح رکھ سکتا ہو۔ نہایت تجربہ کار ہو۔ اس کے شاگرد بھی مافیہ کرانی ہوں اور فن میں اجتہاد کر سکتا ہو جو جنت امیر خسرو نے اسی معیار کے مطابق اجتہاد سے کیا ہے۔ ایرانی اور ہندی موسیقی کی موزوں ترکیب سے کوئی راگ نہ بنا سکا۔

اس بات پر تبصیر یہ جانتا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت امیر خسرو ایرانی موسیقی سے واقف تھے تو انھیں ہندی موسیقی سیکھنے کی ضرورت ہی کی تھی۔ ہندوستان کی نئی موسیقی کو سن کر اس کی قدر کیوں

کرنے لگے؟ ان سوالات کا حل دریافت کرنے سے پہلے ایرانی موسیقی پر ایک سرسری نظر ڈال لینا ضروری ہے،

ورنہ بات صاف طور پر سمجھ میں نہ آسکتی ہے۔ ایرانی موسیقی کی بنیاد علم نجوم پر رکھی گئی ہے۔

بارہ برج کے لحاظ سے (۱۲) نظام کو آدھے کئے گئے ہیں۔

یہی ایرانی راگ ہیں۔ راگ کی کوفارسی میں شعبہ کہتے ہیں۔

وٹ رات کے ۲۴ گھنٹوں کے اعتبار سے باہر نظام کے

(۲۴) شعبے وضع کئے گئے اور ہر شعبے میں چند شعبے ہوتے

ہیں۔ ہر مقام یعنی راگ کے (۴) پتر ہوتے ہیں جن کو

گوش یا گوشہ کہتے ہیں۔ اس لحاظ سے (۱۲) راگوں

بکے (۴۸) گوش ہوتے ہیں۔ ہندی موسیقی میں بھی (۴۸)

پتر ہوتے ہیں۔ ان دونوں تقیوں میں فرق ہے تو صرف

اسی قدر کہ ایرانی موسیقی میں (۱۲) راگوں کے (۴۸)

پتر ہوتے ہیں اور ہندی میں (۶) راگوں کے (۴۸)

کہ ہندی موسیقی ہر راگ میں (۸) پتر ملتی ہے۔ اس کے

علاوہ (۶) آواز سے ہوتے ہیں جو (۶) اصل ہندی

راگ کے مماثل سمجھے جاتے ہیں۔ ایرانی موسیقی میں (۱۲)

تالیں ہوتی ہیں لیکن ہندی موسیقی کے مانند (۱۵) تالیں

ہی زیادہ معروف و مستعمل ہیں۔ انھیں بحر یا ضرب کہتے

ہیں۔ اس لحاظ سے اور تقابلی سے ہندی اور ایرانی فن

موسیقی کی مماثلت اور قربت واضح ہے۔ ان بارہ مقامات

کے ہم بھی درج ذیل ہیں۔

(۱) راست (۲) اصغیاںک (۳) عراق (۴) کوچک

(۵) بزرگ (۶) حجاز (۷) بوسلیک (۸) عشاقی (۹)

حسینی (۱۰) زنگولہ (۱۱) نثار (۱۲) رملوی۔ باقی تقسیم

بحر طوالت خدمت کیا جاتا ہے۔

بعض ایرانی راگ راگنیوں میں بڑی حد تک

ہندی راگ راگنیوں کی سی مشابہت اور کیفیت بھی پائی

جاتی ہے۔ چنانچہ

(۱) مقام راست کوٹھ نارائن۔ مقام عراق کو میرا





کے باجول میں بھی اکثر حرکات مثل نغمہ ہندی کے اور بعض نون (Tone) ہندی راگنیوں سے اخذ کیے جاتی تھیں۔ غرض یہ طرح ایجاد اور روانہ ہوتا چلا آیا ہے۔

جیان بالا سے ظاہر ہے کہ تطبیقی مطالعہ سے اسنے دوسرے علوم کو بھرپور فائدہ پہنچا ہے۔ علوم کی ترقی کے لئے ایسا مطالعہ بھلا ضروری چیز ہے۔ امیر خسرو کو دوسرے نایکوں پر اس لئے بھی فوقیت حاصل ہے کہ یہ دونوں فنون سے واقف تھے جس کی بدولت ان کی ذات سے ہندی موسیقی میں نہ صرف مستقل بہت اور ترقی ہوئی بلکہ دوسرے مالک کی موسیقی پر اثر انداز ہونے کی قابلیت و صلاحیت بھی اس میں پیدا ہو گئی۔ لیکن ان فوس کہ بعد میں اس طرف کسی نے توجہ نہ کی اور نہ ان کی خدمات کو اس نظر سے دیکھا۔

اب رہا بال رنگ کی موسیقی کا ہندی رنگ۔

پھر نا بھی ان کے علماء و محققین کے تطبیقی مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ یہاں بھی دوبارہ یہی کہنا پڑتا ہے کہ ال رنگ بھی تو آریائی نسل سے ہوئے کی وجہ سے ہماری برادری میں داخل ہیں۔ اسی وجہ سے ہر وہ اقوام کی قدر ثقافتی روایات و فنون کی باقیات آپس میں لڑ جاتی ہیں۔ اور وہیں سے تطبیقی مطالعہ اور تخلیقات کی بنا پڑتی ہے۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ انھیں چار سے علوم سے استفادہ کرنے میں ذرا بھی عار نہیں ہوتا تو ہمیں کیوں ہونا چاہیے؟ علوم فن کا معاملہ کلیتہاً نوع انسان سے نکل کر نکلتا ہے اس لئے اس خصوص میں تعصب و تنگ نظری فضول ہے۔

ایسے ہی موسیقی میں پوری راگ بھون اور بھون ہندی کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ بھون اور رنگ بھون کی آمد سے ہندی موسیقی ضرور متاثر ہوئی ہے ممکن ہے یہ اثر بہت زیادہ نہ ہو انگریزوں کو ہوا ضرور ہے۔

اسی طرح سکندر اعظم کی آمد اور متصلہ ہونے کی حکمت کا اثر بھی ہندوستانی موسیقی پر نظر انداز کرنا سلیقہ کس کی نشانی ہے؟

راگ دھن کے مصنف نے اختران کیلئے کہا: گری باقر عثمانی اور مفتی نیر حضرت امیر خسرو نے بڑا کمال دکھا ہے۔ قافی، تراز، نقش بھنگ، بیضا، تالانہ، سہلا وغیرہ بھی حضرت امیر خسرو کی طبعی رسائی ایجادات ہیں۔

مذکورہ بالا بیان سے ظاہر ہے کہ حضرت امیر خسرو نے اپنے تطبیقی مطالعہ کی مدد سے ہندی موسیقی میں بڑی وسعت اور ترقی کے ساتھ جتنی ایجاد کر دی۔ ہر طبقے میں موسیقی کا مذاق پیدا کیا اور اسے ہر دور و جگہ میں نمایاں کر دیا۔

اس موقع پر یہ امر بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس گونا گوں امتزاج کی بدولت غیر شعری طرز ہندی موسیقی میں عربی موسیقی کا عنصر بھی داخل ہو گیا۔ چنانچہ عراق، خماز، عثمانی، جینی، حشیر (نچھو وغیرہ ۲۰) راگ راگنیوں عربی الاصل ہیں جو ایرانی موسیقی میں پہلے ہی سے شامل تھیں اور اختلاط کی وجہ سے ان کے اجزا بھی ہندی موسیقی کا جز بن گئے ہیں۔ جب سے کہ عربی موسیقی کے بعض ٹکڑوں کو سننے سے ہندی مطرب کو اس لئے دیکھی جوتی ہے کہ پہلے ہی سے اس کے کان ان ٹکڑوں سے آشنا ہوتے ہیں۔ اب ہم ہندی موسیقی کی اثر پذیری کی داستان کو مختصر کرتے ہوئے اس کی اس اثر آفریں قوت پر نظر ڈالتے ہیں جو عربی اور فارسی عناصر کی آمیزش سے اس میں پیدا ہوئی تھی، اس اثر آفرینی کے ثبوت میں ہم خوب نظام الدولہ مردان علی خاں رئیس مراد آباد (جو اس فن کے ماہر اور مصنف بھی ہیں) کا قول نقل کرتے ہیں کہ یہ تھی: اس باجول و مرقط ازہں کہ ہے۔

بعض ایرانی اور افغانستانی گانے بجانے والے

جو سے گئے ہر فنون نے ہندوستانی راگ

راگنیوں سے استفادہ کر کے بعض بعض

اپنے کلمی و فارسی مقام کو مرکب کر کے

نئے طور پر خوش آئند بنالیا ہے۔ اب ال

ترجمہ ہوئی تھی اس کا پتہ چا ماہران فن کے ذمہ ہے۔ فیاض  
یونانی موسیقی کا موضوع ہے اس نے شل تان سین کے یونانیوں  
کے لئے ایک موسیقی کا نظام مرتب کیا تھا۔ ہندی موسیقی  
میں ۲۲ سرتیاں شمار ہوتی تھیں لیکن یونانیوں کے ہاں  
۲۴ اور کس ادوی ملک (Centaurs) ۵۰ اور ڈوک (Dionysus) ۱۰۰  
سے بہت مشابہ تھے۔

امجد علی

چند گیت کے ساتھ بیانی گئی تھی یہاں بیوی کی راگ رگنیوں  
میں بھی جوگ ہو کر پڑا ہوا ہے (بیسے ہو) پیدا ہونے  
اور بچے ہونے کے کیونکہ میلاس تعزیر اس کے دربار میں صوم  
مذاہنگ سیفر رہا جس کی وجہ سے پانی پیر میں اکثر یونانیوں  
کی آمد و رفت اور بود و باش جاری رہی تھی۔ تاریخی شہادتیں  
موجود ہیں کہ ہندوستانی فنون لطیفہ میں یونانی اثرات  
طائفہ طور پر نمایاں ہیں۔ ایسی صورت میں یہ ناممکن ہے کہ  
موسیقی اس اثر سے محفوظ رہی ہو البتہ یہ امر کہ کس حد تک

## فتراک دیکھ کر

انکارِ نو میں تاباں، اندازِ محرومانہ  
بے ساختہ تاثر، بیتاب سی نگاہیں  
تغیث تازہ یعنی "فتراک" سامنے ہے  
حسنِ نظمِ سفینہ فطرت کا کھلے رہنے  
بیانی "مسل" مصروفِ جستجو ہے  
سوزِ حیات، دل کا مطلوب بن گیا ہے  
ایجازِ کاریاں ہیں، یادوں کی داستانیں  
محسوس ہو رہے جذبات کی زبانیں

کیا نذرِ دہول میں آخر، اے جذبہ تلافی

تایخ طبع کہہ دے، "فتراک شعرِ بانی"

بشیر النساء بیگم شیر

۱۳۵۶ء

مترجمہاں: ڈاکٹر محمد تقی کے مضامین کا مجموعہ

# تعارف

دل ہند ترقی پسند مفین کا نفرش کا کیا نظم

میں اک ترقی پسند شاعر ہوں اور مرا امتیاز یہ ہے  
کہ مجھ کو اوروں کی طرح آتما نہیں مطابق سہ نہ چھٹا

مرتل فلک سے ادنا مری نظر عرش سے بجا آگے  
گر مرے واسطے ہے مشکل زمین والوں کو بھول جانا

لنا ہے فطرت سے درس میں نے جو دل میں کا لہجہ  
مجھے کسی نے نہیں سکھایا خوشی میں بھی غم نہ گریگا

وطن کا چہرہ ادا کس دیکھا ہے میں نے اور اہل فغان  
مری زبان پر تناسکے کا مسرتوں کا کوئی ترانہ

میں واقعات چین کا نباض ہوں گوارا نہیں بچہ کو  
خیال میں آشیاں بنانا خیال کی جلیاں گرانا

یہ خدمت فن، یہ شوق تحسین، نہیں ہے منزل نہیں میری  
تھکے ہوئے ساتھیوں سے کہہ دو مجھے تو بڑا امد قویا

مرے بزرگوں کی مصیبت نے حیات کو لودیاں سنائیں  
گر مرے نغمہ ہائے مستی سے جاگ اٹھنے کو ہے زمانہ

جن آرزوؤں کو یاد ماضی تھپک تھپک کر سلاچی تھی  
اب ان کو بیدار کر رہا ہے نئے حوادث کا تازیانا

مری محبت کی پرورش زندگی کی آغوش میں ہوئی جو  
میں جانتا ہوں غرضتہی ہے مری محبت کا ہر لانا

ہنسی میں بے وجہ میرے آنسو میں حقیقت سمجھ چکا ہوں  
کہ جذبہ سرخوشی کی توہین ہے غلاموں کا مسکراتا

جو دیکھتا ہوں وہ کہہ رہا ہوں مجھے غروبیاں نہیں ہے  
مرا سخن شرح زندگی ہے سنی ہوئی داستانیں نہیں ہے  
شاہد صدیقی

# اردو میں نسیمی ادب

بسطہ نوشتہ ( دہلی کلج کی خدمت )

بیان کر کے ان کو مشکل کے ذریعہ سے سمجھایا گیا ہے بعض عمل کے طریقے بتائے گئے ہیں مثلاً

نہایت سے ہمیں کہ خطہ مغرب و جنوب کو تحفظ کریں۔  
- نقطہ اہم اور سب سے اہم کہ اگر وہاں کرکسی نے حملہ کرے  
تو خطہ جنوب سے براہ راست قوتیں بھیجیں اس طریق سے کہ وہ  
خطاتوں اور سرے سے بچ جائیں۔ دوسرا ان خطوں کے خط  
نقشہ میں مدد مل کر وہ خطوں سے جہاں کہہ دو خطہ مغرب  
و جنوب سے براہ راست خط اہم سے بچ جائے۔

دوسرے بار جب میں مسئلوں کے خواص بیان کرتا کہ بعد  
چند مسائل کچھ اے گئے ہیں: مسئلہ دوم کی عبارت یہ ہے: "وہ

یہاں سے میں کہ ایک اونچے منار کی بلند جاذبیت سے  
پائش کریں منار منار کی ترکیب اس کی پائش کی یہ  
ہے کہ خط پائش کو پائش کروادہ جبکہ ایک قطر دائرہ کا  
قابل تھا کہ نقطہ تباہی دوسری قطر کو کی دیر سے

اور اس مسئلہ میں اس کے علوم ہوتے۔۔۔۔۔

تیسرے باب میں متقیان کی صفات، منجھوٹ، مکر، کینہ اور بغض  
دراپسے کی اصلاح معلوم کرنے کے قواعد سے آغاز کیا گیا ہے  
میں سطح دریافت کر لیتے ہیں یہاں ایک ذکاوت کا احوال  
دیگا جائے۔

[illegible]

رسالہ مباحثہ عقل و علم و حکمت

مترجمہ پیش کردہ یہاں پر شاید اس رسالہ میں علم سائنس و علم شریعت  
علم ترائش و خط و نقشہ جیسے عمومی کی مبادیات کو لکھا جا رہا ہے جس  
کے کتاب کا یہ ترجمہ ہے اس کا نام انھیں بھیج نہیں۔ یہ سرفوق پر  
انگریزی اور اردو میں کتاب کا عنوان (۱) و ترجمہ کتاب کا لکھا جا رہا ہے  
کے کتاب کے مولوی محمد اقصی صاحب کے مولیٰ اردو انجیا پریس میں پیش کردہ  
مولیٰ لال پر نثار اور پتھر کے ختم نام کے معنی جوئی ہے۔ فہرست مطالب  
کتاب کی سرخی کو قوت دیا جاوے اور مدد کے علاوہ کتاب اور کتاب  
کے ترجمے کے کتاب کے فہرست پر ختم کی سرخی کو قوت دینا چاہیے  
خط مشفقانہ کے تمام کا ذکر، یافت کرنے اور اسی زمین کا نقشہ دینا  
وادی کے عرض میں کی یا زیادتی کے کہ کا فہرست دینے کے کہ کتاب کی کتاب  
وادی کے فہرست دینے کی زمین کے کچھ کے لئے دے دو نقشہ دینے کے لئے  
کتاب کے آخری (۱۰) صفحات میں جیسے عمومی کی جدول کتاب ہے۔  
مترجم نے دیا ہے کہ کتاب کی عرض و باریت پر اس طرح عمومی کی  
مطلب اس کتاب ہے ہے کہ وہ انہی اس جہوں کے کہ علم یا  
میں نہیں کیا ہے اس کے چند فوائد کے مطلب ہو جاوے۔ صرف یہ فوائد  
یا عمومی اور نقشہ کے لئے کے لئے کتاب کی عمومی ہے اور جو وہ  
جیسے عمومی کے فہرست کا اس کتاب کے کہ فہرست کا لکھا گیا ہے، تمام  
یہی ہے نقشہ کے طریق استعمال میں لائے نقشہ جیسے عمومی کے فوائد  
یہ کہ کافی ہے۔ رسالہ کے شروع میں حدود کی سرخی کے کہ کتاب کی  
ان حالات کو لکھا گیا ہے جو جرح و محابہ میں اشکال ہوئی ہیں۔ یہاں  
منہاجی کی علامت ہے۔

علم مساحت کی ان الفاظ میں تعریف کی گئی ہے۔۔۔  
 علم مساحت کہرازدنی ایک ترکیب ہستہ کہنے کا شکل و صورت  
 دل یا پیکار یا کسی اداد کہ جس کو اس مطلب کے واسطے اور  
 میں کہنے ایجاد تلاش کرنے کا آتی جس سے اولیٰ میں شکل کی  
 جس کی گئی ہے اور سطح مستوی زاویہ کو درجہ ششاد منقول وغیرہ تعریف

یہ کتاب بھی کتب خانہ جامعہ غازی میں موجود ہے جس کا نمبر (۱۰) ہے۔

**رسالہ در پیکش گزری**  
تفصیل لہ مرآۃ صفات صلا  
(۴۸) حصہ دوم (۴۶) سن  
طباعت سنہ ۱۲۸۵

مؤلف: ہرودیسک لائبریرین

دہلی کا ج. مطبوعہ مطبع العلوم مدرسہ دہلی قیمت ایک روپیہ۔

اس رسالہ میں زمین کی پیمائش کرنے کے اصول اور طریقے بیان کئے گئے ہیں۔ ہرودیس پر رسالہ مولف اور مطبع وغیرہ کے نام اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں درج ہیں۔

ہرودیس نے سید قادیان علی پھر اسکالر فرسٹ عربک کلاس کی مدد سے اردو میں تالیف کیا اور سید اشرف علی کے انتظام سے مطبع العلوم دہلی میں چھپا۔ زیر نظر نسخہ اس رسالہ کا

دوسرا ایڈیشن ہے اس سے قبل ایک ایڈیشن شاہ جیو کا تھا لیکن یہ پتہ چل سکا کہ کتنے عرصہ پہلے شاہ جیو تھا۔ رسالہ کے آغاز میں فہرست اور دیباچہ ہیں ہے صفحہ ۱۱ سے اصل

کتاب شروع ہوئی ہے۔

ابتداء میں ان آلوں کا ذکر ہے جن سے زمین کی پیمائش میں مدد ملتی ہے مثلاً قیو دو ولاٹ۔ جرب جرب کروسی طائن اور سٹ طائن اور کمپکس یا قطب نما۔

قیو دو ولاٹ علم ریاضی کا ایک آلہ ہے جو درجہ جصل جنگل، راستے، گاؤں اور کشمیر کی پیمائش میں کام آتا ہے۔

اس آلے کے متعلق تفصیلی معلومات درج ہیں۔ اس کے بعد پیمائش اور نقشہ بنانے کا طریقہ سمجھا گیا ہے۔ نقشہ بنانے والے کو حسب ذیل اور دیگر باتیں خیال رکھنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

(۱) جس مقام کی پیمائش کرنی مقصود ہو اول اس کا نام لکھ لیا جائے۔

(۲) گرد و نوح کی جا لگ کر یا جاگردوں کے نام خبر میں لکھنا۔

(۳) بڑی بڑی طرحیں جو اس زمین میں سے گزرتی ہیں

اسی سبب سے جبکہ فی کس پتہ کا رخ ہوا رخ ہوا پانی کا رخ اس کے چھوڑا گا اور اس وقت جو اکا بیلہ وسطانی میں ہوگا۔

چوتھے باب میں محسوس اشکال مثلاً متوازی، منحنی، مخروط اور گڑبہ کی تعریفیں اور ان کی جسامت معلوم کرنے کے طریقے مثالوں کے ساتھ درج کئے گئے ہیں۔

پانچویں باب میں علم مثلث سے بحث کی گئی ہے۔ چھٹے باب میں خطوط منحنی اور ساتویں باب میں تراش مخروط کو وضاحت اور تفصیل سے سمجھا گیا ہے۔

کتاب کے آخر پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے۔

”جس شخص کو کمال فہمیت تحصیل کرنے علم ریاضی کی نہیں ہے اور نہ ان کی طبیعت اس کی تکمیل کی طرف راغب نہ ہو

واسطے اس رسالہ میں خیالات مشہور دیباچہ علم مساحت کا آغاز کیا اور علم پیمائش اور علم ہوا رخ کے کئے ہیں۔ جو شخص خاص

کے خاص تفصیلی علم مساحت کی پیمائش کی جائے پتہ جس ان کو لازم ہے کہ فی فرما صلی کی اور ریونی کیل میں صاحب کی کتاب کو

دیباچہ ان علوم کے تفصیل کریں۔“

اس رسالہ میں ایسے کئی الفاظ ملتے ہیں جو اب ہماری زبان میں ترک ہو چکے ہیں۔ مثلاً

انیو (ناچو) نقصان کرنا، تعریف کرنا، کیا چاہو (کرنا چاہو) وغیرہ

بعض الفاظ کا اور اس طرح کھنکھایا ہے۔

سفر (صرف) پونچھ (پہنچ) (پانے) (جاننے) کھنوا (کھنوا) کٹر (کسر) وغیرہ

”لاحدود اور بے انتہا“ کو علیحدہ دو اور لا انتہا۔ ”دونوں اور تینوں“ کو ”تینوں“ کے اور بیان کی پے کی پچھا۔

”بیان کیس ہیں“ لکھا ہے۔ ”مذہب“ بمعنی ضروری اور ”شبیہ“ بمعنی مشابہ استعمال ہوا ہے۔

ریاضی کی بعض انگریزی اصطلاحوں کو اردو میں بول کا قول لکھا گیا ہے۔ مثلاً

سرٹ لبرول۔ پیریل۔ اور ڈی نیٹ۔ لاپرولا۔

تعداد اشغال کی	اہم مشغلوں کے	تعداد اعداد
۲	مشکت	۱۳۰۳۳۰۱۳
۴	مرج	۱۰۰۰۰۰
۵	پانچ ضلع کی مشکل	۱۰۲۰۳۴۴
۶	چھ	۲۰۵۹۸۰۶۹

اور ان شہروں کے نام جہاں سے وہ آتی ہیں۔  
(۴) پرانے رستوں کے نام  
(۵) ایک ایسے آدمی کو اپنے ساتھ رکھنا جو وہاں کی  
مروجہ سے واقف ہو۔  
(۶) اکثر اوقات ایک جاگیر دار کی زمین کا کچھ حصہ  
دوسرے کی جاگیر میں مل جاتا ہے اس کو بھی خسرو میں درج کرنا  
ضروری ہے اور نقشہ بناتے وقت اس کا ایک الگ نقشہ بنانا۔  
(۷) حریب کا نہ درخت نہ اٹھانے کرنا۔

اسی طرح ہر ضلع کی مشکل تک جدول دی گئی ہے۔  
دارنہ کے کار قبہ معلوم کرنے کی مختلف طریقے بتائے گئے  
ہیں مثلاً دائرہ کا فقط قطر معلوم ہو تو قطر کے مربع کو ۵۵۴۰۰  
میں ضرب کرنے سے رقبہ حاصل ہوگا۔ مستطیل، مربع اور مخروط  
کے رقبہ کے مساوی مربع بنائے اور مخروط و گول کے رقبہ کے برابر  
مشکت تیار کرنے کے قاعدہ بیان کر کے متفرق سوالات حل کر کے  
سمجھائے گئے ہیں۔

عملی مشق کا "کئی سرخی کے تحت حسب ذیل اصطلاحات  
کی فہرست درج ہے۔

جس	واسطے جب مستوی کے
جم	واسطے جب انہماک کے
مس	واسطے حماس کے
م	واسطے حماس انہماک کے
نق	واسطے نصف قطر کے
لوگ	واسطے لوگارٹم کے

حصہ اول کے متر پر ۵ صفحات میں مختلف آلات کے نقشے  
لیتھریس چھاپے گئے ہیں۔ جن میں سے چند یہ ہیں۔ ۱۔  
پیری مل رولر۔ پروٹریکٹر۔ سکیل یعنی مقیاس تقیوٹولا  
وغیرہ۔

حصہ دوم میں حصہ اول کے صفحہ (۴۶) پر جو نقشہ دیا گیا  
ہے اس کے بنانے کا طریقہ سمجھایا گیا ہے اور کئی صنعتی نقشے وصفت  
کے لئے دیئے گئے ہیں۔ جو نئے نقشوں سے بنائے گئے تیار کرنا

ووصفات میں انگریزی پر مبنی شرح کے خسرو کا خاکہ دیا گیا  
ہے۔ جو خسرو کی دوسرے نقشہ تیار کرنے کی توجہ دینے والی گئی ہے  
جس میں کا نقشہ بنایا جاتا ہے اس کی کار کوٹھا اور دوسرے  
قلعات کو نقشہ میں واضح کرنے کے لئے صاف و صاف  
اور نشانات عین کر دینے گئے ہیں۔ آبادی، تالاب، سردھ  
کنوئیں، بڑک۔ دریا، سبہ، مثالہ، باغ، وریل وغیرہ کو مختلف  
علامتوں سے دکھایا گیا ہے۔ دریا کا پاٹ معلوم کرنے کا طریقہ  
مع مثال سمجھایا گیا ہے۔ راستوں، دریاؤں اور نہروں کی کول  
اور مختلف مشغلوں کے مہیتوں کی بنیادیں دریافت کرنے کے طریقے  
مثالوں کے ساتھ سمجھائے گئے ہیں۔ مخروط اور کثیر الاضلاع  
اشمال کا رقبہ دریافت کرنے کے لئے سب ذیل طریقہ بتلایا گیا ہے۔  
ہر شکل میں ضلع سے زیادہ کی تقسیم ہو سکتی ہے مشغلوں  
میں چارے مشغلوں میں اہم کر کے بموجب اس قاعدہ کے جو  
مساحت مشکت میں بیان کیا گیا ہے مشغلوں کی بنیادیں کریں  
اور سب مشغلوں کے مساحت کو جمع کرنے سے اس شکل کی مساحت  
مائل ہو جائے گی اگر کوئی شکل مساوی الاضلاع ہو دوسرے  
مشکت نہ ہو دوسرے یا مربع یا گول یا مساوی بارہ ضلع تک  
تو اس کے ایک ضلع کے مربع کو ان اعداد میں جو اس فہرست  
اس کے مقابل لکھی ہوئی ہیں ضرب کرو۔ حاصل ضرب  
رقبہ اس شکل کا ہوگا۔



یہ فورسنگ پپ اور پلنگر پپ کے اشکال دے کر پانی کو ہندی پر چڑھانے اور کھری کانوں سے پانی کو خارج کرنے کے طریقے سمجھائے گئے ہیں۔ اسی سلسلے میں آگ بجھانے کی کل اور زنجیر وار پپ کبھی بھجایا گیا ہے۔ باب یازدہم کے غلطی سے دو دوز ہم لکھا ہے اور غلط نامہ میں بھی تصحیح نہیں کی گئی ہے۔ اس باب میں حرکت سیال اور مقدار حرکت رائج دریافت کرنے کے متعلق لکھا گیا ہے۔ بارہویں باب میں برہما صاحب کی کل کا بیان ہے جو کسی چیز کو دابے کے کام آتی ہے۔ اس کل کی ساخت کی ترکیب بھی بتا دی گئی ہے۔ چرن میں یہ آگ کام آتا ہے۔ مثلاً جہاز کے موٹے رسوں کی مضبوطی اور دہات کی طاقت دریافت کرنے، بیج اور دھت اکھاڑنے اور ان عمارتوں کو اٹھانے کے لئے جزمین دوز ہو گئی ہیں۔ تیرہویں باب میں حرارت کے اثر اور گرمی کی مقدار معلوم کرنے کے طریقے سمجھائے گئے ہیں۔ اسی سلسلے میں بارہ کے حر موٹیل کی ساخت اور اس کے متعلق بحث کی گئی ہے۔ چودہویں باب میں دھان اور اس کے استعمال کے طریقوں پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ پندرہویں باب میں بخارات کا بیان ہے۔ اس ضمن میں برف پگھلانے کی ترکیب بتائی گئی ہے۔ یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ کس قدر پانی خاص درجہ حرارت میں بخار بن جاتا ہے۔ سوہو پانی اب میں ہوا کے بیان کے لئے وقف ہے۔ اس ضمن میں طوفان ہوا سے تھارتی اور موسموں کی تبدیلی کا حال درج ہے۔ آخری باب میں لمبوں کی کشش پر بحث کی گئی ہے۔ کشش اتصال اجزائے رائج اور کشش اتصال مابین اجزائے رائج اور نئی وغیرہ کو سمجھایا گیا ہے۔ لاپلاس اور دوسرے سائنس دانوں کے تجزیوں کے اختلافات کو بھی واضح کیا گیا ہے۔

کتاب کے ختم پر نقشہ وزن مخصوص، نقشہ زور چک دھان اور نقشہ زور چک بخارات دے دیے گئے ہیں۔

ان کے خاص حرکت کی تشریح کی گئی ہے۔ تیسرے باب میں اجسام سیال پر کشش ثقل کے اثر کو بتلایا گیا ہے۔ اس سلسلے میں ذیل امور کی وضاحت کی گئی ہے۔

(۱) ٹھیرے ہونے پانی کی سطح کے ہر نقطہ پر داب مساوی ہوگا۔

(۲) ٹھیرے ہوئے سیال کی سطح ہر جہت ہموار ہوگی۔

(۳) غہروں میں آبرسانی کے لئے چشمہ ایسے عمار بنانا جو سب سے بلند ہوا نام بیانات کو شامل اور ہندوستانی کلیا سے واضح کیا گیا ہے۔

باب چہارم ہاشم دابہ محدث سیال اور مرکز دابہ اور پانی میں تیرنے والے اجسام کی معدلت کا بیان ہے۔ باب پنجم میں مایعات کے مخصوص اوزان بتائے گئے ہیں اور ہاڈرو سٹیک کے آئے سے دوزی دریافت کرنے کا طریقہ اور اس آئے کے جاننے کی ترکیب سمجھائی گئی ہے۔ ایک صاحب اور نیلکون صاحب کے ہاڈرو سٹیک کی ساخت اور ان کے اعمال کی تشریح کی گئی ہے۔ باب ششم میں لچک دار اجسام سیال کے قواعد کے تحت ہوا کے زور چک، پر تفصیلی معلومات دی گئی ہیں۔ اس ضمن میں ایر پپ، سافن ٹیج، سٹن صاحب کا ایر پپ، کٹ برٹن صاحب کا ایر پپ کنڈنسر اور ہوا کی بدوق وچر کی ساخت اور ان کے اعمال کی تشریح مثالوں اور نقشوں سے کی گئی ہے۔

باب ہفتم میں ہوا کے محیط زمین، تفصیلی بحث کی گئی ہے اور بتلایا ہے کہ تمام سطح اٹھائے واہ سے ہے۔ اس ضمن میں ترمینا اور بائسکل صاحب کے تجزیات پیش کئے گئے ہیں۔ ہر دو مہینے کی ترکیب امداد کے اعمال کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ چہرہ دار ہر دو مہینے کے سلسلے میں لکھا ہے کہ "مال موسم کا دریافت کرنے کے لئے اگر کام آتا ہے۔ موافق تبدیلی موسم کے پانچ گنی ہندی میں کی جیسی واضح ہوتی رہتی ہے۔ دلوں اب میں کل کے ذریعہ سے پانی کو اوپر چڑھانے کے طریقے بیان کئے گئے ہیں۔ نقص کا پپ۔ اٹھانے کا



مطالب بہت مفید اور دلچسپ تھے اس سبب سے لوگوں کو اس کے پڑھنے سے اس فن کی طرف بہت رغبت ہوئی اور جس قدر نئے جرم مقابلہ کے چیسے تھے سب کئے گئے اگرچہ اس کے مشتاق تھے اس واسطے جناب صاحب کا مجھ کترین کو کہ نام یوکریم بخش ہے اور میں ادنی ترین ان کے شاگردوں میں سے ہوں اور شاد فرمایا کہ ایک جرم مقابلہ مرتب کرنا چاہئے۔ اس واسطے اس کترین نے یہ جرم مقابلہ مرتب کیا اور جو مطالب مفید تھے جناب صاحب کی صلاح سے اس میں داخل کئے گئے۔ اور اس جرم مقابلہ میں مطالب ان کتابوں سے جمع کئے گئے۔ دو صاحب کا جرم مقابلہ لینڈ صاحب کا جرم مقابلہ رجا الجلا یولر الجلا اور ادہ کتابیں اس فن کی جو انگریزی زبان میں مشہور ہیں۔

کتاب کو (۵) ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے اور ہر باب میں کئی تفصیلات ہیں۔

باب اول بیان حدود کا۔ اس میں چار فصلیں ہیں جن میں متع، تغریق، ضرب، تقسیم کے قاعدے مثالوں کے ساتھ سمجھائے گئے ہیں۔ دوسرے باب میں کسور کا بیان ہے جو آٹھ فصلوں پر مشتمل ہے۔ تحول کسور کی متع، تغریق، ضرب، تقسیم جزر اور کعب نکلنے کے قاعدے مثالوں کے ساتھ درج کیے گئے ہیں۔ تیسرا باب مساوات کے لئے وقت ہے اس

میں (۷) فصلیں اور کئی ذیلی درخیاں ہیں۔ چوتھے باب میں مختلف ریاضی کے مسائل کو سمجھا گیا ہے۔ مثلاً نیوٹن کا نظریہ۔ لوکارم وغیرہ۔ پانچویں باب میں سوالات جو غیر منقطع کا بیان ہے۔ صفحات (۳۹۱ تا ۴۰۹) میں سوالات کی ایک فہرست درج ہے جو دو صاحب کے جرم مقابلہ سے نقل کی گئی ہے۔

یہ کتاب خانانہ نمائی مندرجات کے تحت رکھی گئی تھی۔ طلبہ اردو میں جرم مقابلہ کی تفصیل کریں۔ اس میں یورپی ریاضی دانوں کے مختلف نظریوں کو بھی بیان کیا گیا ہے اور ہندی اشکال دیگر جرم مقابلہ سے مل کرنے کے طریقے سمجھائے

عبارت کے نمونے کے لئے باہر ہیں باب کے آغاز ہی جگہ یہاں درج کیے جاتے ہیں۔  
یادداشتیں مثلاً جہات کے سطح قوانین کشش کے ہیں اور حرکت ایلیات کی بروقت گری کے زمین پر بعینہ توافق حرکت جہات کے تیزا یہ ہوتی ہے اور صدر اس کا مساوی ہوتا ہے۔ حاصل ضرب وزن اور اس کی رفتار کے.....  
مترجم نے سائنس کی اصطلاحات کا ترجمہ نہیں کیا بلکہ جوں کا توں ان کو اردو میں منتقل کر لیا۔ پوری کتاب میں صرف دو ترجمے ملتے ہیں اور وہ یہ ہیں۔

ہیڈرواسٹیکس۔ مایعات

سپرٹ۔ اکوہال

بقیہ اصطلاحیں مثلاً قدیم۔ کاربوئک ایسڈ۔ مون۔ سون۔ ہڈر۔ انک۔ ریم۔ آکسیجن۔ گیز۔ ہائیڈروجن۔ گیز وغیرہ انگریزی تلفظ کے مطابق اردو میں لکھ دی گئی ہیں۔

”خطوط فور“ بمعنی خطوط زن اور تکرار بمعنی اختلاط استعمال ہوا ہے۔

طول جگہ۔ فارسی ترکیبیں اور عربی الفاظ کثرت سے استعمال کئے گئے ہیں۔ کتب خانہ جامعہ عثمانیہ میں نمبر (۵۲۲) پر یہ کتاب مل سکتی ہے۔

جب ورم مقابلہ | تقطیع ۱۲۱۱ | صفحات (۳۹۰) | مطبعۃ سید احمد علی

مولوی کریم بخش مدرس سو فی فارسی مدرسہ دہلی۔  
یہ کتاب بھی دہلی کالج کی مطبوعات کی ایک کڑی ہے

جو مطبع العلوم سے شائع ہوئی۔ ابتدا میں ”فہرست مطالب“ کی سرخی کے تحت جرم مقابلہ کے جن مسائل سے بحث کی گئی ہے ان کی ایک طویل فہرست دو صفحات میں دی گئی ہے۔ مولف نے اس کتاب کی اشاعت کے بارے میں محدودیت کے بعد یہ لکھا ہے کہ

”اس سے پہلے ایک جرم مقابلہ مولف استاد ی محذوفی کو ری جناب ماسٹر راجندر صاحب کا چچا تھا جو کہ اس میں



پایا جاتا۔ عربی الفاظ اور نارسائی ترکیبیں عبارت میں جگہ جگہ ملتی ہیں۔ جملوں کی ساخت کے چند نمونے یہ ہیں۔

”قبل از تمام کرنے اس باب کے“

”مختل اور پرکس ذریع اس علم کے ہے“

”کتاب کے آخر میں (۱۸) صفحات کا غلط نامہ شکر کی ہے۔“  
(کتاب خانہ جامعہ عثمانیہ غیر کتاب ۵۱۶)

یہ رسالہ سید اشرف علی کے انتہام سے **رسالہ علم طب میں** ۱۸۵۳ء میں مطبع العلوم دہلی میں چھپا۔

اسروہی پر اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں رسالہ کا نام اور قیمت وغیرہ درج ہے۔ اردو عبارت یہ ہے۔

”رسالہ علم طب میں“

انگریزی سٹارڈ زبان میں ترجمہ کیا گیا حصہ اول

(۱۸۴۱ء صفحہ ۱۷)

اصل کتاب کے مصنف اور ترجمہ کا نام ہمیں بھی درج نہیں اس لئے یہ تناہیکل ہے کہ کوئی انگریزی کتاب سے

کس نے ترجمہ کیا شاید ارمین جہا بتائیں۔ کلیات ”کی

سرخی کے تحت یہ بیان کیا گیا ہے کہ دنیا کی ہر شے تغیر پذیر ہے

اور موت سے پہلے ہر ذی حیات کو مختلف آفات اور بیماریوں

کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ امور خارجی مثلاً غذا اور حرارت کی

افراط تفریط سے انسان کے مزاج میں خلل واقع ہوتا

ہے اور جب کوئی چیز دو اعتدال سے بڑھ جاتی ہے تو ہی

مرغل کا باعث بنتی ہے۔ بعض انسان پیدا ہی کمزور ہوتے

ہیں اور یہ کمزوری ان کے اعضاء کی حرکات اور ان کے افعال

جسمانی میں ایسا خلل ڈالت دیتی ہے کہ وہ مرغل کا پیشہ

نہایت ہوتی ہے۔ علم الامراض: *Pathology*

اور علم افعال: *Physiology*

یہ مرغل کی وہ دریافت کی جاتی ہے۔

امراض کی دو اقسام بتائی گئی ہیں ایک افعالی جس کو

عضوی بھی کہتے ہیں اور دوسری ترمیمی اس کے بعد اسباب

امراض پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ علم الامراض کے تحت زیر

مساوات بیضوی، بعید البیضوی، تراش ہائے مخروطی، مخروط مطبق اور مخروط۔

حصہ دوم کے بعض مسائل یہ ہیں۔

کہ اردو جملات جو گروٹ مخفی سے پیدا ہوتے ہیں۔

سطوح مطبق، مستویہ مخروط وغیرہ۔ اس کتاب میں ریاضی کو ایسے

مسائل جملائے گئے ہیں جو اعلیٰ جماعتوں کے طلباء میں داخل

ہوتے ہیں۔ ہر بحث کو نہایت تفصیل اور کثرت کے ساتھ سمجھایا

گیا ہے۔ ان یورپی ریاضی دانوں کے نام اور حوالے بھی دیے

گئے۔ مصنف نے علم ریاضی میں کوئی نیا نظریہ یا آلہ ایجاد کیا۔

”تراش ہائے مخروطی“ کے بیان سے ایک عبارت یہ ہیں

نقل کی جاتی ہے۔

..... اور بیان ان کا اکثر ریاضی دانوں نے

الفاظ کے وقت سے کیا ہے اور یہ خطوط مطبق، الفاظ طون

کے درجہ میں دریافت کے لئے تھے اور جب کہ اس کے

شاگردوں کا اکثر خواص ان خطوط مطبق کے معلوم ہونے تو

انھوں نے غزنی ان کا امتحان کر کے اکثر کتابیں ان کے

باب میں چھپوائیں ان کتابوں میں سے وہ کتاب جو کہ یونانی

باشندہ پر گانے تصنیف کی ہے موجود ہے اس کے آٹھ

باب ہیں چار آسان اور چار مشکل.....

ریاضی کی جو اردو اصطلاحیں استعمال ہوئی ہیں

ان میں سے چند یہ ہیں۔

ادوار التمام، اعظم، قریب البیضوی، بعید البیضوی۔

نقطہ آتش، قطبی مساوات، نقطہ متغیر المقاتات وغیرہ۔

بعض انگریزی اصطلاحوں کے ساتھ ساتھ ان کے

ترجمے بھی درج ہیں مثلاً

”خیر نہ رکس۔ خط متحرک

ڈائی رکس۔ خط مخفی“

اس کتاب کی زبان اردو انداز بیان دیباہی ہے۔

جیسا عام طور پر سکائی مضامین کی کتابوں کا ہوتا ہے اگرچہ

یہ انگریزی کتاب کا ترجمہ ہے لیکن عبارت میں ترجمہ پن نہیں



اس رسالہ کا ایک نسخہ کتب خانہ مصنفہ میں موجود ہے۔

(۱۲۹)

طب ڈاکٹری

## رسالہ اعمال جراحی

یہ رسالہ بھی سالانہ طب کی سائنز پر سید اشرف علی کے ہاتھ سے طبع ہوا۔ طبی سائنس میں ڈاکٹر جیمس ہنری بلر اسٹنٹ سرجن انیسٹینا ایلمی نے کوہر کی انگریزی کتاب سے اردو میں ترجمہ کیا تھا۔ اس پر انگریزی اور اردو دونوں میں اردو مصنف اور مترجم کے نام درج ہیں اور دو عبارتیں ہیں۔  
رسالہ استخراج بیان اعمال جراحی کے  
یہ اعمال فن جراحی کے کیسوسٹیل کوہر صاحب کی کتاب سے ڈاکٹر جیمس ہنری بلر صاحب نے زبان اردو میں ترجمہ کی ہے۔

یہ رسالہ غیر جراحی پر اردو میں دو مرتبہ سالانہ ہے کہو کہ اس سے پہلے سالانہ میں ڈاکٹر جیمس مونٹ کے انگریزی رسالہ فارمیسی سائنس الجرا جیمز کے نام سے باقاعدہ طبع ہوا ہے۔ اس سال میں ایک صفحہ پر انگریزی اور دوسرے صفحہ پر اس کا ترجمہ ہے۔ اس طرح علم جراثیم پر اردو زبان میں یہ قدیم رسالہ ہے جو اپنے موضوعات کے اعتبار سے نہایت اہم ہے۔ رسالے کے آغاز میں اہرست نہیں ہے اور مترجم نے دیا جو کہ بغیر اصل کتاب شروع کر دی ہے۔ اندام میں اعمال فن جراحی سے متعلق ان آلات کا جدول کا ذکر ہے جس کا ترجمہ میں سے چلے خیال رکھنا ضروری ہے۔ اس کے بعد کھوپڑی اور رسولی کے آپریشن

کے متعلق ضروری ہدایات ملکتی کر دی گئی ہیں۔ آلات جراحی کی تفصیل دی گئی ہے اس کے بعد جسم کے مختلف اعضا مثلاً آنکھ، جڑ، سینہ وغیرہ کے آپریشن کے طریقے مندرج ہیں۔ مترجم نے اردو کو انگریزی اصطلاحات کثرت سے استعمال کی ہیں اور کتاب کے نیچے صاحب پران اصطلاحات کو انگریزی میں لکھا گیا ہے۔ بعض جگہ انگریزی اصطلاح کے ساتھ اس کی تشریح بھی کر دی گئی ہے۔ جملہ کی ساخت اور ترکیب میں قدامت پائی جاتی ہے۔ کہیں کہیں متروک الفاظ بھی نظر آتے ہیں عبارت کے نوے درج ذیل کئے گئے ہیں۔  
شکار و شکاری میں بسبب محراب ہوئے شکار ہڈی اور ہڈی کے کوئل خوار کے چہ طبعین لگانے کو بھی مل گیا ہے۔ اور اگر لگتا ہے تو ہڈی کے تیز کو دندان علی سے نقصان ہوتا ہے لیکن اگر اسی جگہ دست کاری کرنی ہو تو جراح کو ناز ہے جب کوئل ہڈی ہدی ہونے کے قریب ہو تو ایسٹیر سے کام لگائے۔

صفحہ (۶۶) کی ایک عبارت کا اقتباس یہ ہے۔  
عمل پہلے جب کہ بیماری الویولاری پر دس یعنی سٹانہ دندان میں پڑے اور ذباہہ صراحت نئی ہو تو اول چاہی کہ رسولی کو قلع کرے اور نہال سے رسولی نکالے اس وسط میں ایک زخم سیدھا صحیحی کرے اور زخم پر ایک ٹوٹی خشک کرپے کی باندھے اور اگر علل بہت جاری ہو تو کدی کرپے کو پیچھڑی سیور میٹر میں کہ یہ عرق کو پسے کا ہوتا پڑ کر کے زخم پر باندھے۔  
(۱۳۰۔ کتب خانہ مصنفہ)

طب ڈاکٹری

خواجہ حمید الدین

نوروز اصحاب نے نیا سال شروع ہو چکا ہے۔ براہ کرم چند سالانہ طور پر ذرا فکر کر کے یہ کام جمع دیجئے۔ سب دن تقیم کرنے والے سے طلبہ کو سید تیکر چندہ دیا جاسکتا ہے۔

اعلام

# روس اور مذہب

سے معری صدیوں تک قوت و ترقی کی جانب اٹل رہی۔  
 ۱۹۱۷ء کا بوشہ یک انقلاب روس کی مذہبی زندگی  
 کے لئے جو بدستور اہمیت ثابت ہوئی۔ تاہم انقلاب ایک خاص  
 مادی حکومت کا خاکہ تیار کر چکے تھے ۱۲ جنوری ۱۹۱۸ء کے  
 قانون کی رو سے کلیسا اور حکومت دو علیحدہ چیزیں قرار پائیں  
 اور قدیم روسی کلیسا جدید روس کا قومی کلیسا نہ رہا۔

ماکسی نظریات کا مذہب کے متعلق رحمان جس پر ہم  
 آج کل کر نفی سے روشنی ڈالیں گے یہ تھا کہ کسی طرح روس  
 سے منظم مذہب کے تصور کو جوش کے لئے متاثر کیا جائے اس  
 بارے میں انکو جوش کی نکلن اور وہی جگہ مکمل اور موثر تھیں۔  
 اشتراکیوں کو کوئی وجہ نظر نہ تھی کہ کیوں کلیسا کی بنیاد اور دوسری  
 املاک میں فرق کیا جائے۔ لہذا کلیسا کی تمام جائگرس ضبط کر لی  
 گئیں مذہبی اداروں کو معاشی کاموں مثلاً اداوارا یاہی اور  
 خیرات قانون کو اپنے قبضے میں رکھنے یا ان کا انتظام کرنے سے  
 سختی سے باز رکھا گیا کلیسا کے خلاف ان اقدامات سے کھفہ  
 یہ تھا کہ مستقدین مذہب کی طاعت کے علاوہ آہنی کے دوسرے  
 ذرائع سے ان کو محروم کر دیا جائے۔ مدارس کو کلیساؤں  
 بالکل علیحدہ کر دیا گیا۔

ارباب کلیسا پر جنھوں نے اس کی مخالفت کی مقدمے  
 چلائے گئے اور ان کی اس حرکت کی پاداش میں سخت سزاؤں  
 دی گئیں۔ حکومت کی کلیسا دشمنی کا نتیجہ یہ نکلا کہ روس کے چار بڑے  
 مذہبی مراکز جو کیوت، مسکو، پٹرو گراڈ اور کازان میں تھے بند  
 ہو گئے۔ لیکن اس کے باوجود حکومت نے پہلے کل خانگی مذہبی  
 تنظیم پر کوئی پابندی نہیں مان لی۔ مگر اس کی سبب سے اکثر  
 کانگریس نے ایک دستور کی تجویز کی۔ ابتدا میں حکومت کی پالیسی  
 یہ تھی کہ ”ہر شہری کو مذہب کی مخالفت یا مخالفت میں ہر طرح  
 کی آزادی حاصل ہے۔ یہ تبدیل شدہ دستور میں یہ فقرہ تھا۔

”مذہبی معتقدات اور جماعت مذہب پر پابندی کے کوچہ کی آزادی  
 دی جاتی ہے۔ اس طرح سے تنظیم شدہ مذہب صرف عبادت  
 تک محدود ہو کر رہ گیا۔ عوام کو مذہبی مسائل پر مخاطب کرنا منع تھا۔

روس میں مسیحی مذہب کی اشاعت کے متعلق ایک  
 قصہ عجیب ہے جس میں ایک غور طلب صداقت کا پتہ پڑا ہے  
 ہے۔ ایک قدیم تاریخی تذکرے کے مطابق شہزادہ ولادیمیر نے  
 جو دسویں صدی کے آخر میں کیوت کا حاکم تھا، عمائدین  
 سے مشورہ اور سمجھ بکھار کے بعد جس عقلمند افراد کو پڑوسی  
 ممالک میں روانہ کیا کہ وہ چتہ لگائیں کہ کونسا مذہب ہاں  
 کے مسند اہل مذہب میں سب سے بہتر ہے۔ اس زمانے میں  
 فوجات روس کے موجودہ مذہب میں یونانیوں کی رائج اور کاتھولک  
 اور پروٹسٹنٹ اور جرمینی اور جزیرہ نمائے اسکندریہ یونانی  
 لاطینی عیسائیت ”عرب کا اسلام اور دریائے وولگا اور ولن  
 کے ساتھ ساتھ اسٹیپ میں پھیلے ہوئے خزاردوں کی یہودیت“  
 شامل تھے۔ ان تمام مذہب کے مطالعے کے بعد وہ نے واپس  
 آکر ایک زبان لافانیوں کی رائج الاعتقادی کی حمایت کی۔  
 انھوں نے کہا کہ ”مقدس عشا نے ربانی تسلط مذہب کے  
 سنٹ مونی میں اس من و بہتام کے ساتھ منایا گیا کہ  
 تھوڑی دیر کے لئے ہمیں اس کا بھی جوش نہ رہا کہ آیا وہ  
 زمین پر ہیں یا آدائی کی زمین میں پہنچا دیے گئے ہیں۔  
 اس قصے میں صداقت کا یہ پہلو مضر ہے کہ اس  
 جن کے متعلق روسیوں کے محنتی احساس کا پتہ چلتا ہے جب کہ  
 اس کی سلطنت اہل اعتقاد میں مذہب سے متعلق ہونے کے  
 بعد اہل صفات ہو گیا ہو۔ روسی دیہاتیوں کے مذہبی جوش  
 اعتقاد کی تدریج نشوونما، اسی مذہب ”رائخ الاعتقادی“  
 کے ذریعہ سامنے آئی۔ سرزمین یورپ میں عظیم نفرت برپا کرنے  
 والے افکار جدید کی لہر میں۔ مذہب طائیت ”نفاثات“  
 سولہویں صدی کی اصلاح دین سمیت (جس سے پروٹسٹنٹ  
 مذہب کی بنیاد پڑی) اور اس کا رد عمل۔ رہا ایک  
 کبھی نہ پہنچ سکیں۔ اور روس کی مذہبی زندگی تمام بیرونی افکار

انقلابی تحریک کے معکرین مارکس اور اینگلس اور دنیا  
انقلاب کے رہنما مشائخ یعنی دراصل سائنٹفک داویت پرست  
نئے دین کے نزدیک مقدس لفظ کی وہ تمام تعلیمات جو  
داویت کے مقابل میں مذہب کی غاصت کے طور پر پیش  
کی گئی باطل غلط تھیں۔ اینگلس نے دعویٰ کیا کہ مذہب کی اہمیت  
کچھ بھی نہیں ہے بلکہ وہ صرف عوام کے دلوں پر ان بیرونی  
قوتوں کے اثرات کی ایک پرچھائی ہے جو روزمرہ زندگی میں  
ان پر مسلط ہیں۔ یہ وہ اثرات ہیں جن کی بدولت دنیاوی  
قوتیں باطنی غلط فہمیوں کا جیسے غائب درگزی ہیں۔  
عہد قدیم کا انسان اس خدا کی عبادت کرتا تھا جو اس کے  
مزدک ابرق جہاں سوز کے پردے میں ظاہر ہوتا تھا جو  
دور کے انسان نے سرمایہ داری کی لائی دعویٰ پر پڑا اور پریشان  
حالی سے بھاگ کر خدا اور حیات بعد الممات کے پردے میں  
پناہ لی ہے جو اس کی نظر میں دنیاوی زندگی کو نا ہیوں کی  
تلافی کروں گے۔ اسی دور میں غلط مذہبی تحریک مکران طبقوں  
کے ذریعہ اثر آگئی۔ جنہوں نے اس کی مدد سے اپنے ضمیر کی  
تسلیم کی خاطر برائے نام خیرات کی تائید کی اور دوسری طرف  
کام کرنے والے غلط طبقے کے حیات بعد الممات پر اعتقاد کو تقویت  
پہنچانی شروع کی۔

حالات کے ساتھ یہ کہ پیش نظر ضروری ہے کہ  
منظم مذہب کے طریق کار کو ختم کر دینا چاہیے۔ جب چیداش  
دولت کے ذریعہ مزدور طبقے کے ہاتھ میں آجائیں گے تو انہی  
اپنی قسمت کا مالک ہو جائے گا اور مذہبی رجحان خود بخود جو  
غلطی طرح مٹ جائے گا۔ غرض جو بھی اینگلس کی منطق مذہب  
کے خلاف۔

روس میں موجود مذہبی رجحان کے اجماع کی تحریک  
مندرجہ بالا نظریے کی تکیہ بھجنا غیر دانشمندی پر معمول  
ہوگا۔ مذہبی اداروں پر جو تنقید کی گئی تھی اس میں  
صدافت کے بعض اہم پہلو مشہور ہیں۔ روسی کلیسا کی آزادی  
جس کی بدولت ملک سولہویں صدی عیسوی کے پہچانی دور سے

مذہب عقلمین کو اپنے ہر پوچھنے کے لیے پوری آزادی حاصل تھی  
جس کا احتمال وہ اپنے قائد "ماز و سلافسکی" کے تحت پورے  
دور و دور سے "جمہوریت" کی طاقت اور اقتدار بڑھانے  
کے لئے کرتے رہے۔ اس طرح مذہب کے خلاف عظیم اقدامات  
اختیاروں، رسالوں اور ادبی کردہ ہوں کے ذریعے جاری رہے۔  
اور اتحاد کے پرستاروں کو اس مخالفت کے لئے خاص  
مشق و تربیت حاصل ہوئی رہی۔ اس میں منظر کو پیش نظر رکھنے  
کے بعد سولہ حکومت کی مذہب کے متعلق تبدیل شدہ حکمت عملی  
کو باطل وقتی کہا جاسکتا ہے۔ اس تبدیلی کی وجوہات کا تجزیہ کرنے  
سے قبل بہتر ہے کہ ہم روس میں مذہب کی موجودہ صورت حال کا  
مرصہ مطالعہ کریں۔ ماسکو اور روس کے دوسرے مقامات  
میں عہدہ بطریق کا پھر سے احیا کر دیا گیا ہے۔ محدود کی انجیل کو  
توقد و مانگا ہے۔ پادریوں کو حق رائے دی عطا کیا گیا ہے۔  
اتوار کو تعلیم دیکر عیسائی ہفتے کو پھر سے افسوس دیکر لیا گیا ہے۔  
عمالی غنیمت کچھ آسانی پیدا کی گئی ہے تاکہ دہقان و مزدور  
پیسے ہمارا سنا سکیں۔ مخالفت مذہب امتحانات جوگز ٹیڈ فوجی  
اور سول عہدہ واروں کے لئے ضروری تھے ختم کر دیئے گئے  
ہیں۔ دس سالوں کے اس حصے کو خارج کر دیا گیا ہے جو مسلمان  
مذہب کی دل آزاری کا باعث تھا۔

عمرانی نظریات کا جب سائنٹفک نظریات سے مقابلہ  
کیا جائے تو ضرور ان میں ایک غامی نظر آئے گی۔ سائنٹفک  
نظریات کا ثبوت آسانی سے ایک تجربہ خانہ میں دیا جاسکتا ہے۔  
لیکن ان کے عکس عمرانی نظریوں کو جن کا حلقہ ایک عظیم انسانی کردہ  
سے بے اول الذکر کی طرح آسان تجربوں سے ثابت کرنا  
مشکل ہے۔ بہر حال دوسری قائدین انقلاب نے اپنے  
نظر یہ مذہب کے موائف جس خوبی سے کام انجام دے کر  
اپنے کمال کا ثبوت دیا ہے وہ حقیقت دنیا کے عظیم پہاڑ  
کے عمرانی تجربوں کے سلسلے میں ایک قیمتی کوشش ہے۔  
یہاں نامناسب نہ ہو گا اگر جہاں "مفروضات" پر  
ایک نظر ڈالیں میں میں کو پیش نظر کر کے تجربے کے گئے۔

اس نے اس کا بھی پرچار کیا کہ مذہب اور توہمات میں بہت بڑا فرق ہے۔ مذہب کا مقصد انسان کی وفا شناسی کو بیدار کرنا ہے جو بلند ہمتی اور انسانیت پرستی کی توثیق کرتی ہے۔ یہ سوشلسٹوں میں جبکہ مخالف مذہب تلخ شدید صورت اختیار کرتے تھے مخالفت کے باقی لیون کا کارسکی وزیر تعلیمات کو ماننا پڑا کہ مذہب ایک سیسل ہے جتنی شدید ضرب تم اس پر لگاؤ گے اتنی ہی گہری یہ گولی میں دھنسی جائے گی:

”رڈ اسکرپر“ کی ایک درگاہ میں جہاں پہلے کنواری آئیریا کی تصویر تھی انقلابی لیڈروں نے ایک نئی دائرے کا یہ جگہ کندہ کر کے لٹکا دی تھی۔ ”مذہب عوام کی آفتون ہے۔“ اب اس جگہ کو وہ اہل شاد و آگیا ہے اور کنواری آئیریا کی تصویر دلوں دوبارہ آؤنٹا کی گئی ہے۔ روس میں ہم آہنگ معتدل شخصیت پسندی اور مذہبی بحران کا ایک نیا دور شروع ہو رہا ہے۔

احسان اللہ شاہ

گزشتہ کے بعد اس کو دکن سے نکالنا ہو گیا تھا۔ پہلے اس کے دو حکمرانوں میں سلب کر لی گئی۔ پڑا عظیم کسی دوسری قوت کو اپنی رقابت پر آمادہ نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ پہلے تو اس نے بطریقیت کی حکمت کے ذوال کے حالات پیدا کر دیے پھر کلیا کو ایک سیسل عہدہ کی نگرانی میں کر دیا جس کو وہ معنی خیز طور پر نزاری کی آنکھ سے کھینچا تھا۔ انقلاب تک روس میں مذہب کی سماجی جڑیں ناکارہ ہو چکی تھیں۔ اور اس کی حالت ایک زائد کھلے پوس کی سی ہوئی تھی۔ پادریوں سے ہمیشہ اس چیز کا غرض رہتا کہ وہ اپنے ملتے کی رعایا کی باتوں کو پوس تک پہنچا دیں گے۔ بعض اوقات پڑیا حکومت سے سنہ شدہ خطبے پڑھتے۔ آزاد خیال پادریوں پرستی کی حاوی اور بعض دفعہ قیدی سزا بھی دی جاتی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مذہب کی مخالفت تحریک نے نظر مذہب کی بہت سی غرابوں کو دور کر کے میں بڑی مدد کی۔ اس کے ساتھ ساتھ

## مشرق کا تازہ سحری

میری آبادی سے کوسوں دور ہے  
مستعمل خاموش جیسے چور ہے  
روح ہے لیکن بہت مجبور ہے  
ایک تازہ رات کے پچھلے پہر

حسن کی دنیا میں مجھ سے آٹا  
عالی امکاں میں صدیوں گم رہا  
زندگی کی راہ میں الجھایا ہوا

بجھ رہی ہے اس کی تبدیل ہوتی  
میں نکل آیا جہاں خاک میں  
رہ گیا یہ منسفل افلاک میں  
اشک بن کر دیدہ غمناک میا  
اس میں ہے آئینہ خنجر

اپ یہ ڈوب جا رہا ہے کیا کروں  
پھر اندھیرا چھا رہا ہے کیا کروں  
جی مرا کھرا رہا ہے کیا کروں  
آہ کہاں ہے اسے کون کائنات  
دیکھ سوز زندگی دیتا ہوں میں  
تجھ کو اپنی روشنی دیتا ہوں میں  
ذیت کی تابندگی دیتا ہوں میں  
ہاں ابھرا ہے آئینہ خنجر

پی۔ پیام



# دُغز لین

محرمانہ کے کہساروں اور چاک گر بہاں کر دے  
 ہم خود بھی پشیاں ہوں سکے ان کو بھی پشیاں کر دے  
 اک تم جو شب تنہائی میں تسکین کا سلاں کر دے  
 کیوں ایسی بھیاں راتوں میں تاری بھی چراغاں کر دے  
 وہ فصل بہاراں کی آمد پر سیر بہاراں کر دے  
 جو اپنے لہو کی بوندوں سے زنداں کو گلتاں کر دے  
 یہ وقت کی طوفانی لہریں راتی ہی راتیں کٹتی ہیں  
 سال پہ جو عیش بداماں تھے اندازہ طوفان کر دے

ہنسنے کا طریقہ یاد نہیں رونے کا سلیقہ بھول گئے  
 اے درد جنوں ہو خیر تری ہم جانے کیا کیا بھول گئے  
 ساتوں میں کسک سبب میں کٹکٹ آنحوں میں اندھیرا چھایا  
 انجلم تنہا سانس ہے آغازِ تمس بھول گئے  
 یہ صحنِ قفس پہ بکستہ پری یہ دردِ بھیری کیا کہو  
 صیادِ ادا دے تپتے ہیں تجھے ہم مٹھن جمن کا بھول گئے  
 دکھ درد کے پھندے کٹ نہ سکے وہ بزمِ قہر ہی میں  
 ہم بھولنے کو بھولے ہیں انہیں پر دل سے بھلا بھول گئے  
 وہ میرے قصود میں آئے کچھ کہی گئے کچھ بھی گئے  
 اب اس کی خبر کس کو آدش کیا یاد رہا کیا بھول گئے  
 آدش پر تاجِ گل بھی

# چاندنی رات

ہوں۔ بی۔ اے۔ پلٹ کا دوست! اس نے جواب دیا بچی واقعی؟ اور ملی گئی۔ مجھے اپنی طاقت پر بھی غصہ آیا۔ بھلا کون پوچھا تھا مجھ کے کہ میں کون ہوں اور کیا ہوں! بہت شرمندہ ہوا اور وہاں سے صاف نکلا۔ پوسٹ نے بار بار اصرار کیا کہ میں اس کے کمرے میں بہت نہ چلی۔ اسخود وہ جیسے جلد وہ مجھے زبردستی لے گیا بہت خاطر مدارات کی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ میری عزیز بہن سے میرا تعارف بھی کروایا۔ اس محمود نے نگر کر کہا۔ آپ مسٹر سلمان بی۔ اے پوسٹ کے دوست۔ پوسٹ نے کہا ہاں ایک دوسرے کو جانتے ہیں لیکن میں دلی ہی میں شرمندہ ہو جا رہا تھا۔ اس نے طے کیا کہ میں سے بات لیا۔ اس دن سے میری زندگی میں ایک تغیر برپا ہو گیا۔ ہر وقت اسی کا خیال۔ پڑائی کے اوقات اسی کے سہانے نظموں میں گزرتے تھے۔ اور میں یہ بھی سمجھا ہوا تھا کہ میری طرح محمود بھی محبت کی آگ میں جل رہی ہے۔ لیکن وہاں دعا علی بی۔ اے اور تھا۔ جدید تہذیب و تمدن کی فضا میں سانس لینے والی لڑکی کے لئے کچھ جیسے ان گنت بیکاری تھے۔ اس زمیری محبت تو کما شکل بھی یاد نہ تھی۔ میری تعلیم کا گمانہ ہو گیا۔ پچھلے دنوں لکائیوں نے میری کمر توڑ دی لیکن دل پر زیادہ اثر نہ ہو سکا جو مجھ کو وہ محمود کی شاندار کامیابیوں پر مسرور اور ذراں تھا۔ کالج میں وہ ایک ممتاز حیثیت کی مالک ہو گئی۔ میرے لئے اس کی کامیابی اور نیک نامی ایک بیش بہا دولت تھی۔ مجھے اور کیا چاہیے تھا؟ میں اس سے بے لوث اور بے غرض محبت کرتا تھا۔ میری محبت کا صلہ مجھے منظور نہ تھا۔ اس لئے میں نے بھی انذار کی حرارت نہ کی۔

وہ آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔ شاید اُسے اُنسو  
 پی جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے بے یمن ہو کر پہلو دیا  
 وہ کہنے لگا۔ ہاں تو میں نے اپنی محبت کا اظہار کبھی  
 کیا کبھی بھی نہیں۔۔۔ وہ اب ڈاکٹر محمود رحمہ اللہ کی اُن  
 بزمی تھی۔ خوشی سے میں پھولوں سے سناٹا تھا۔ مجھے

جب میں سینا سماعت کے ایک کچھ دہریس ہو رہی تھی  
کوئی شریک کے بیچوں بیچ لیٹا ہوا نظر آیا۔ موٹر روک کر ٹامعاج  
کی دوسرے دیکھا تو ٹھٹک کر رہ گئی۔ انسانی صورت پر کینٹرڈ  
کے بچے سے بدتر۔ کچھ دیر پہلے سینا مال میں زندگی ایک  
مجسمہ زنجینی ایک مسلسل قصہ تھی۔ اور سینا مال سے باہر انسانی  
کی کیفیت حالیان میرا دل تھک گیا۔ میں نے اسے اچھی طرح  
لیا۔ وہ دیوانہ۔ قسمت کی غیر معمولی برائتوں پہ اتے بہاتے نہیں  
والا! اب زندگی کی پوری جھڑپ میں سے بھی کھڑا نہ تھا۔ میں نے  
اس کے زخم کی مرہم نہیں کی۔ پر اس گھاؤ کو علاج کس کے پاس  
تھا جو اسے دہریس اندر رکھائے جاتا تھا۔ ایک دن میں نے  
اس کی زندگی کے بارے میں پوچھا۔ بڑے اصرار کے بعد اس  
کہنا شروع کیا۔

ایک مائت ہم سب دوستوں نے ایک جمن میں چاندنی رات منائی کچھ سی اور بعد چمن کے جنوبی حصہ سے ایک بہت ہی پیاری اور سریلی آواز آئی گھونٹی بیٹھی تھی میں نے گاربا تھا۔ ہم اس طرف چلے۔ حسین اور نوجوان لڑکیوں کا ایک گروہ کھل رہا تھا۔ ان میں کی ایک جس کی غار آلود آنکھیں چاند کو چمکاتی تھیں۔ اس نے مجھے گائی تھی۔ ستانہ وار ادا کرتی تھیں۔ سنا۔ اس ایک نظر نے کیا غضب ڈالا۔ دو برسے ہی دن میں نے تہ لگا لیا کہ وہ ایک امیر گھرانہ کی لڑکی ہے۔ کلیہ قبیلہ میں اس کی تعلیم کا پہلا سال ہے اور اس کا بیانی بڑھت چارے ہی کالج میں ہے۔ میں نے بڑھت سے دوستی کر لی کیوں میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ کہاں میں کہاں وہ۔

دوست کہیں باہر گیا تھا۔ میں ڈرائنگ روم میں بیٹھا رہا۔  
گوئی بس منٹ گزرے، جوں کے دوڑے۔ گنگائی جی بھی  
باہر آئی، میری طرف دیکھا۔ میرا دل زود سے دھڑکنے  
لگا۔ فوراً ہی اٹھ کھڑا ہوا اور گھبرا کر بولا: جی میں سمان



# انقلاب

شام کا سامنا وقت تھا۔ نفاذِ نفاذِ ارجمندی  
 جنہی دن جو کاکھانہ اندر سے وہاں کہہ رہا وہاں  
 کی طرف چل رہا۔ سمندر کی جوا سے دھماکے کو ترزا رو کر دیا۔ وہاں  
 بندہ کرسمند کی موجوں کو دیکھنے لگا۔ سمندر کی جنتاب تو جیسا  
 ایک دوسرے سے جو کھا کر بچوں کے حسین ہتھپوں کی سی آواز  
 بلند کر رہی تھیں۔  
 جیسا اس دلکش نظارہ میں بالکل کھو سا گیا۔ اس کی نظروں کے  
 سامنے آئینہ ڈرائی کے دو اوقات ایک ایک کے سامنے آتے تھے۔  
 غریب کی زندگی، پختہ لڑک زمانہ ہوتا ہے وہ جب کہ ایک غریب  
 کے لئے نہیں نظر نہیں ہوتی ہے۔ غریب اور لاشہ دار وغیرہ کی  
 موجودگی میں جی دور پر کی غالی چھائی پڑتی ہے۔ ایسے اوقات  
 بھی ناکہ دینے سے انکار کر دیتے ہیں!

تاکہ اس کی خاموشی آپ پر پڑتی ہوئی ایسا لاش  
 جا بھی۔ اس کے خاویں کا سلسلہ قطع ہو گیا۔ وہ بغیر کسی ہوش  
 سمجھے نفاذِ عیان ہو گیا۔ سمندر میں گویا اور تیرتا ہوا  
 لاش کے باہر گیا۔ لاش کی وجہ وہاں ہونے لگا تو اسے  
 محسوس ہوا کہ اس کے بازو میں اب تنہی کی قوت نہیں ہے کہ  
 اتنی دور لاش کے ساتھ جاتے ہوئے ہی خدا کو ہم نگر موت کے  
 بڑھائیا۔ ساحل پر آکر اس نے اسے سبزہ زار پر ڈال دیا۔ ایک  
 حسین و شیرازہ — نو بانی بیکر لطیف مجسمہ بن گیا۔  
 انھیں، نمودار ہوئے۔ جی اس حسن کے مجسمہ کو دیکھنے  
 میں کھو گیا۔ تاکہ وہ نہ نکلا۔ در اسے ہر ایک شے کے  
 لئے کھیل کی طرف چل کر اڑا کر لائے پرل اور ایشیل  
 سب ڈاؤن جاتے تھے۔ لیکن ایک اب جا رہے تھے چھوٹے  
 پریشانی عیان تھی۔ بالی کھڑے ہوئے سفید سٹار میں موش  
 خزانہ غراں اداں کی کارلی طرف جارہے تھے  
 جی نے سلام کیا اور ڈاکٹر نے جواب دیا لیکن آگے بڑھ گئے جی  
 آگے بڑھ کر ڈاکٹر نے ہاتھ جوڑ کر کہا کہ ڈاکٹر صاحب! آج

کے لئے رک جائیے۔ ایک لاش کا معائنہ کر لیجئے۔ بڑا کم ہو گا۔  
 نہ کچھ بڑا کام صاحب!  
 ڈاکٹر نے کچھ جھگڑت مینر میں اس وقت ہم کو  
 ہوا۔ ڈاکٹر نے ہاتھ مارے تھے۔ کیا دن بھر کو وقت نہیں ہے؟  
 جی نے ڈاکٹر صاحب ایک بے بس لڑکی ہے آپ کا فرض ہے کہ  
 اس کی حالت کو دیکھیں۔ ڈاکٹر صاحب اپنے اولین فرض کو نہ بھولیں  
 جی کی آنکھوں سے آنسو چمک پڑے!

ڈاکٹر نے کچھ سوچ کر اچھا چلو ہم دیکھ لیتے ہیں!  
 ڈاکٹر نے تڑپ لڑکی کو دیکھ کر اپنی تمام تر غصہ اس  
 ہوش میں لانے کی کرنے لگے۔ جی اس کی میران و شل شدہ نظر اس  
 منت اور چہرہ کے آجڑاؤ کو بغور دیکھ رہا تھا!

ڈاکٹر نے لڑکی کی کچھ امید ہے!  
 جی نے ڈاکٹر کی زبان کو مبارک کرے!  
 کہ غلطی کے بعد وہ ڈاکٹر کی بخشش کے بعد لڑکی نے حرکت  
 کی اور اٹھ کھولی۔ دو کی ایک خوراک ڈاکٹر نے پلاوی اور دو بچے شہر  
 دوسری خوراک دینے کی تاکید کر کے پلا گیا۔ دوسری جی نے دو کی  
 دوسری خوراک ویری اور تمام رات بیٹھے گزار دی!  
 صبح ڈاکٹر نے ڈاکٹر نے ایسا کر مریض کو دیکھا دوسری دو تجویز  
 کر دی کہ مبارک باد دیتے ہوئے دوسرے مریضوں کی طرف متوجہ  
 ہو گیا۔

ایک مہینہ میں سسٹن بالکل تندرست ہو گئی۔ وہ آج  
 کچھ دوسری جی نے دریافت کیا: ہونے میں مزاج کیسا ہے؟  
 سسٹن نے سو کے ہونے میں براہ کمال سسٹن کیسے کہیں گئی اور وہ  
 بولی: اب مجھے کیا ہو گا۔ ایک بار موت کے منہ سے نکل آئی زہن!  
 جی: وہ نیاں جو کارسان کی کیا اب ہوئے ہیں؟ یہ تو بھائی  
 قسم تھی آگے سے موت کا بھی تجربہ کر لیا!

سسٹن: کیا میں آپ کے متعلق جانتی ہیں دریافت کر سکتی ہوں؟  
 جی: لیکن اس کی پیشہ کیا تو مجھے بتا سکتی کہ تم نے سمندر کی  
 خوشی میں جانا کیوں پسند کیا؟  
 سسٹن: آپ میرے حسن اور ہر شے کے لئے آپ سے

واپس بلاری تھیں۔ میری کشتی پنج منہ آدمی تھا کہ وہی تیز ہوا ہونے لگی  
طوفان کی صورت اختیار کر لی۔ میرے کان پانی کے شور و غل سے  
بھرے ہوئے تھے۔ آنکھوں کے سامنے تاریکی چھا گئی۔ ہر طرف  
پانی۔ اور پھر طوفان۔ میرے دلخ کا توازن بھی درست  
نہیں۔ کہ میں کچھ سوچ سکتی۔ بالآخر تنگ کرکشتی میں بیٹھ گئی۔ کچھ روز  
بعد ایک وھکا سا لگا اور میری کشتی حیات غرقِ سمندر ہو گئی۔  
مجھے نہیں معلوم پھر کیا ہوا۔

اس لئے اپنا افسانہ غمِ غم کرکے لکھی کہ چہ پر نگاہ ڈالی تو  
دیکھا کہ کئی کے رخسار پر آنسو ٹھلک رہے ہیں۔ وہ بولی نہ بولیں  
بات کی حد سے زیادہ خوشی چھٹکا آپ جیسے نیک اور ہمدرد انسان  
نے مجھے بچایا۔ میں اپنی قسمت پر قناعت ہی ناکر کہ وہ ہو گا۔ کئی  
اپنے آنسو خشک کرتے ہوئے کہا کہ شاید تو کو میرے ساتھ خوشی  
حاصل نہ ہو سکے کیونکہ میں ایک غریب انسان ہوں۔ آنسو غن  
کہا: خدا نہ کرے میں اتنی احسان فراموش نہیں ہوں جو اپنی  
خوشی کا خیال کر لیا اور آپ کا کچھ بھی نہیں!

ابھی جتنی نے کچھ بھی جواب نہیں دیا تھا کہ بھئی کے دس  
ادب سے ٹرے تاجر شوکت حیدری کا ملازم کر گیا  
اداس نے بتایا کہ شوکت صاحب نے انھیں باور فرمایا ہے۔ کئی فوراً  
ملازم کے ساتھ شوکت منزل۔ روانہ ہو گیا۔ شوکت صاحب کئی  
سے بہت محبت سے ملے۔ وہ کئی کے حسنِ اخلاق اور لیاقت سے  
بہت خوش تھے اور کئی کو سب کے طرح چاہتے تھے۔ کئی کو دیکھ کر  
فرمانے لگے: بیٹا طبیعت بہت گھبراہٹی تھی اور تم سے کچھ کام  
بھی تھا اس لئے تمھیں تو معلوم ہے کہ میرا بائیس سالہ اکلوتا  
لڑکا لندن سے واپس آتے ہوئے حرکتِ قلب کے بند ہو جانے سے  
مر گیا۔ اب تو صرف خوشخبری میری زندگی کا سہارا ہے۔ وہ روز دیکھ  
واپس آجائے۔ میں سیر کی غرض سے شہر نکلتا ہوں۔ میرا ارادہ  
ہے کہ میں اپنی جان کا کچھ حصہ شہر سے نام نہادوں سے لے  
کھیتی نے مجھے ہنس دیا۔ لیکن۔ لیکن کیا میں اس قابل  
ہوں۔؟ شوکت صاحب نے انھیں گاہے گاہے میں کہا: کئی  
میں تم کو ہمیشہ اپنے لیے ہی چاہتا ہوں۔ ایک حسین خوشِ اخلاق۔

بات پوشیدہ رکھوں۔ آج سے چھ سال قبل جب کہ میں دس سال  
کی تھی اپنے والدین کے ساتھ کہیں جا رہی تھی۔ دورانِ سفر میں  
ایک حادثہ پیش آیا۔ زمانہ وہ تھا میں چند عمارتوں سے آئے اور  
کئی عورتوں کے سونے کے زینورات لیکر جاتی تھیں سے کوڑا لگیں  
غائب ہو گئے۔ کچھ عرصہ بعد ایک چھوٹا سا لکھن آیا۔ ٹرین ہال  
کی عورتیں رو رہی تھیں۔ خوب شور و غل برپا تھا۔ ایک دوست  
کی کچھ خبر نہیں تھی تھی اسی وقت اگلی ٹرین روانہ ہوئی۔ میں بڑی  
تھی ایک چین لڑکی میرے پاس آئی اور مجھے اپنے ساتھ لیکر  
اپنی والدہ کے پاس گئی وہ بہت اچھی تھیں مجھے چار کیا اور اپنے  
ساتھ ٹرین میں لائیں مجھے والدین بہت یاد رہے تھے میں  
سوچتی تھی کہ ملے۔ مجھے والدین مل جائیں گے۔ میں ان لوگوں  
کے ساتھ ہی رہا کرتے لیکن یہ سوچ کئی صبح ایک نئی اسٹیک  
دولہ اور امید کے ساتھ اچھی ہزاروں قسم کے ہوائی قلعے بنائی لیکن  
باوجود ان کے عالمِ جمہور میری امیدوں کا تباہنا تازہ گھر سار  
کر دیتے۔ اسی امید میں ملنے سے سال گزر گئے۔ میں اپنی محنت کو کچھ  
کھیتی تھی وہ مجھے بیکار کر رہی تھیں۔ انھوں نے مجھے گھر پر تائین  
رکھ کر اعلیٰ تعلیم دلوائی۔ ان کی جائز دیاں تھیں۔ دو شادی ٹھڈ  
تھیں اور دو روز تعلیم تھیں۔ گری کی جھپٹوں میں ہم لوگ سیکھنے  
نکلے۔ ارادہ تھا کہ بی بی آئیں گے اور یہاں کی خوب سیر کریں گے  
اس لئے ہم لوگ پہلے نوٹس گھر سے سورت آئے۔ سورت کے بعد قنیا  
میں ہم نے چاندنی رات میں کشتی کی سیر کا پروگرام بنایا اور جاہ  
کشتی ڈولہ ہم سب اپنی اپنی کشتی پر روانہ ہو گئے۔ کچھ دور گئے  
تھے کہ ہماز دور سے چلنے لگی۔ بڑی باجی نے کہا کہ اب واپس ہونا  
چاہیے کہیں ہم لوگ نصیب میں نہ بیٹھیں جاویں۔ مسمیٰ باجی  
نے بھی تائید کی لیکن چھوٹی باجی نے کہا: "ہم لوگ اتنی جوا سے  
ڈاکھیں کشتی بڑل رہے۔ پھر وہ مجھ سے بولیں۔ چلو سورت کی ہم  
لوگ آگے چلے گئے۔ عجیب گولن آگے نکلتا ہے۔ میں نے اپنی کشتی  
کو آگے کر دیا۔ بہت دیر تک ہم دونوں کا مقابلہ ہوتا رہا۔  
چھوٹی باجی مجھ سے آدھ نیل پچھلے۔ لگیں۔ میں نے دیکھا کہ  
... کئی واپس جا رہی ہیں اور مجھے سب دیکھ کے ہنسا رہے تھے

قریب رہتے ہوئے بھی اتنا تک ایک دو سرے سے ناواقف تھے۔ میرا خیال ہے کہ یہ کوئی بچی کے رئیس اعظم شوکت حیدر صاحب کی ہے۔

عجی نے کہا: جی ہاں آپ کا خیال صحیح ہے۔ وہ مجھے بہت جانتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے یہ عالیشان کوٹھی مجھ تنہا انسان کے رہنے کے لئے دی۔ ڈاکٹر نے قحب سے پوچھا: تنہا؟ کیا آپ کے ساتھ اور کوئی نہیں سوائے سسران کے؟ عجی نے اپنا غم چھپاتے ہوئے کہا: ڈاکٹر صاحب! بیویوں کا دنیا میں کوئی ٹھکانہ نہیں رہتا ہے۔ جہاں رہتے ہیں وہ بھی غیر ملکی طرح سلوک کرتے ہیں وہ ایک دوسرے کا حقیقت انسان سے منشا بنانے لگتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اصرار کے ساتھ کہا: کیا آپ اپنے متعلق کہتے ہیں؟ عجی نے ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا: آپ کے اصرار سے مجبور ہوں درہم میں نہیں جاتا کہ اپنا افسانہ غم کسی کو سنا کر اپنے غم میں شریک کروں۔ لیکن میری عمر تیرہ سال کی تھی اس میں انگریزی کی نوں ساعت میں پڑھتا تھا۔ میرے والد صاحب بہت بڑے رئیس تھے ان کا تین کواٹھال نہیں اور بھی بہت بڑی عمارتوں کے مالک تھے۔ میری زندگی کا ایک ایک لمحہ سرت کے کپورہ میں بھولنے کوڑتا تھا۔ ہمارے شہر میں اس وقت ہفتہ کی دو باہیلیں مولی تھی، والدین کو میں اکلوتا تھا اس لئے انھوں نے مجھے پاس کے ایک گاؤں میں اپنے قریبی کشتہ دار کے پاس بھیج دیا تھا لیکن موت کے ظالم نے مجھ سے وہ نہیں بچ سکا اور وہ وہیں کے بعد بچے بچے بخت کو سدا رہا۔ اس کے بعد ہی چاکر چچا، ماموں وغیرہ ماٹا دیہات میں ہو گئے۔ اب میرا دنیا میں کوئی سہارا نہیں تھا۔ میں فوج سے پیار ہو گیا۔ مجھے اور شہزاد اذیت پھرنے لگے۔ لیکن جن کے گھر میں تھا وہ بہت نیک دل بزرگ تھے۔ ملا علی گان کے صاحبزادے وغیرہ مجھے سحر کرتے تھے۔ تاہم اس نیک مصلحت بزرگ نے مجھے ہیرک اور شریک کے بعد ایف اے کروایا۔ وہ چاہتے تھے کہ میں ہمیشہ ان کے ساتھ رہوں لیکن میں اب زیادہ تکلیف برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

اعلیٰ تعلیم یافتہ بچہ میں وہ خوبیاں ہیں جو آج کل کے جوانوں میں نہ ہوں گی۔ مجھے بھی کہ میرا اکلوتا بیٹا اس دنیا سے چل بسا تو میں نے انھیں دیکھ کر گناہ کا شکار کیا۔ تم کو میں جیسی طرح اب بھی چاہتا ہوں۔ میں نے اور تمھاری مثال دیکھ کر شوکت نے غلطی اور پرارادہ کر لیا ہے کہ وہ کمپیاں تمھارے نام لکھ دیں آج سے تم ان کے مالک ہو گئے اور باقی وہ اپنی لڑکی شوکت حیدر کے نام سے بعد وہ ان دونوں کے مالک ہوئی۔ تمھاری کیا رائے ہے۔ عجی نے میرے ساتھ کرا دیا کہ ساتھ کہا۔ آپ کی خوشی کو اپنی خوشی سمجھنا میرا فرض ہے۔

شوکت: تم یہ تہ سوچو کہ اگر تم میری رائے سے اتفاق نہیں ہو تو میری طاقت میں کمی آئے گی! عجی: آپ میرے بزرگ ہیں اور ہر کام کو میری اجازت کے بغیر کر کے مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ لیکن شوکت صاحب نے زور دیتے ہوئے کہا: ہاں بولو۔ بزرگوں کے شر او نہیں پڑتا۔ عجی خرم سے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر خود غصہ سے ان کی رائے بھی تو بہت ضروری ہے! شوکت صاحب اس کے دل سے شک کاٹنے کی کوشش کرتے ہوئے بولے: تم اس کی طرف سے مطمئن رہو اس نے کبھی میرے کسی حکم کو نہیں ٹالا ہے۔ وہ زیادہ تر یوروپ میں رہی لیکن مشرقی خاقان کا وفادار ایک اس کے دل میں قائم ہے وہ بہت نیک خدمت گزار اور خوش مزاج اور باوقار بیوی ثابت ہوگی! عجی نے اپنی خوشی چھپاتے ہوئے کہا: میری خوش نصیبی ہے۔ میں آپ کا سونپا انسان ہوں! شوکت صاحب نے کہا: اچھا اب تمھارا کام کرو۔ ضرورت ہوگی تو قیصر بلاؤں گا۔ عجی نے سلام کیا اور دعاؤں کے ساتھ گھر واپس چلا گیا۔

میرا چچا اور دھما بیچ کا سہانا وقت بہت ہی دلچسپ و دلآویز تھا۔ عجی اور سسران سال کی طرف سے میرے چچا سے آکر زائستہ کے لئے میرے چچے کے ایک کارڈ لکھی۔ ڈاکٹر صاحب نے بھی میرے ساتھ لکھا۔ عجی نے ڈاکٹر صاحب کو سلام کیا اور اندر دکان تک روم میں لے گیا۔ ڈاکٹر نے مرید کی ڈراگ بجا کی۔ چھوٹی سے کہنے لگے: سسران عجی! مجھے افسوس ہے کہ تم تھے



دوسرے روز شوکت صاحب نے علی بیانہ پرٹی پارٹی دی۔  
دل کھول کر خوشیاں منائی گئیں۔ پھر بیگم نیازی نے بیگم حمید کا  
شکر ادا کرتے ہوئے دوسرے دن اپنے گھر جانے پر مدعو کیا۔  
بیگم شوکت اور دیگر بیگمات کو سرسبز کے بچپن کا اور والدین  
سے ملنے کا واقعہ سن کر بہت خوشی ہوئی اور سب نے بیگم نیازی  
کو مبارکباد دی اور رخصت ہوئیں۔ پھر خجی اپنی حسین بیگم غرضید  
کو ساتھ لیکر انچی کو ملٹی واپس آگیا۔ اب وہ فیروزپور میں بلکہ وہ  
کمپنیوں کا تنہا مالک اور زمین غلام کا داماد تھا۔ وہ اکثر اپنے اس  
انقلاب زندگی پر سوچا کرتا۔

کے سلطان یحییٰ خور

دوسرے سیکرٹریاں جس وقت انہوں نے دلی کے نواب کی بیگم سے  
کھٹوٹ کے بچی کشتہ کی بیگم اور لڑکیوں سے تعارف کروایا۔ لیکن  
متوجہ نہ ہوئے۔ انہیں دیکھ رہی تھی کہ وہ یا میں مونی کا نکاح  
کی جادی تھا۔ اور وہ کاکا کی اپنی جگہ سے اٹھ کر "بابی" کہتی ہوئی  
ایک حسین لڑکی سے جا ملتی تھی۔ اسے سرسبز کہتے تھے۔ کبھی ہونی  
بڑی اور منجھلی بابی اور غلام جان قریب آگئیں۔ اندر سے باہر تک  
شور مچ گیا۔ سرسبز نے تمام واقعہ سنایا اور کہا کہ جس نیک بیگم  
نے مجھے پیا یا کسی کی تقریب شادی میں آج ہم سب شریک ہیں!

## غزل

ہر بار نازِ حسن تو جلوں کو واکرے      مانگو دعا کہ عشق بھی وعدہ وفا کرے  
اس بے وفا کو دم تو آتا ہے عشق پر      آفرغِ غریب گرئی انداز کیا کرے؟  
تسخیرِ ہفت چرخ بھی کیا کچھ محال ہے      یہ شوقِ آرزو بھی کہیں اکٹھا کرے؟  
کہتے ہی دشت و دریا بھی ہوتے ہیں لالہ زار      کچھ صبر بھی تو بلبل رنگیں نوا کرے  
خوں نابہ بارِ اشک کی پریش نہیں وہاں      یوں چاہے رنگ و نور کا دریا بہا کرے  
کیا صدمہ ہائے ہجر کی مر کر ملے گی داد؟      یا جب کہ دل کی تیز غلاش انتہا کرے

تنگ آگیا ہوں کثرتِ امید و بیم سے

اس کشمکش میں حشر چھپا ہوا خدا کرے

حرمِ آبیاری



# قانون کی ابتداء

کے دلوں میں محفوظ کر دیا جاتا ہے۔

قابل تحریر زمانے کے معاشرہ میں تعزیری تہدیک کا کم پتہ چلتا ہے۔ ابتدائی قسم کے سادہ معاشرہ میں وہائش جو عام جنائیات کے تحت آتی تھیں زیادہ تر صورت مرد کے از یا تعلقات میں تھیں۔ سحر یا سٹیجاد، قبائلی رسوم کا نسل توڑا جانا، اور قبر گاہ اور مالک چڑوں کی چوری اور اسی طرح کے بعض افعال قابل مزا سمجھے جاتے تھے۔ لیکن خود کیا جائے تو تعزیری تہدیک میں صورتیں ایسی صورتوں کے لئے تھیں جبکہ عام قبر گاہ کے خلاف کوئی حرکت کی جائے اور اس کا مقصد یہ تھا کہ تہدیک کی مذہبی یا اخلاقی تقدس حاصل رہے۔ مذہبی یا رسمی تہدیک کا تبادلاً اس طرح ہوتی کہ بعض افعال کی وجہ سے کسی فرد یا جماعت کو مذہبی یا ذہنی طور پر ناپاک اور اجماعت قرار دیا جاتا اور اس ناپاک کو دھوکے دینے کے لئے پراشحت کی ضرورت ہوتی ہے جو کچھ ضرور یہ ہے کہ کسی فرد کے فعل سے جو ذہنی قوم متاثر ہو جاتی ہے بعد میں جب سیاسی یا معاشرتی اعتبار سے اس شخص یا جماعت کو حاصل ہو گیا، گو وہ سادہ شکل میں ہی ہے تو اس کے اقتدار سے احترام یا اس کے احکام کی خلاف ورزی بھی عام جنایت ہو گئی۔ اور اگر اس معتد بہ ہستی کی ذات کے خلاف کوئی فعل ہو تو اس کے لئے بھی تعزیری تہدیک تھی۔ نیز ایسا فعل بھی جو عموماً خانگی جنایت کی حد تک پہنچتا تھا، اس فرد کے خلاف کئے جاتے تھے عام جنایت سمجھ کر کیا جاتے تھے۔

خانگی یا خاص جنائیات کی صورت میں جب کوئی فرد یا جماعت کسی ضرر نقصان یا ہرجے سے متاثر ہوتی ہے اور اس کے جائز حقوق پر ضرب پڑتی ہے تو وہ عدلیہ کی مقید رہائی کے روبرو جارجار کے لئے درخواست کرتی ہے۔ یہ مقید رہائی اسی قوم کے کسی دوسرے فرد یا جماعت کو مورد الزام ٹھہرائی اور محکمہ دیتی ہے کہ مدعی علیہ مدعی کے نقصان کی خاطر عواہد تلافی کرے۔ اور یہ تلافی اکثر و بیشتر تادان یا ہرجے کی صورت میں طلب ہوتی ہے۔ دوسرے نظروں میں خانگی جنایت ایک ایسا فعل ہے جس کے لئے باز دہی یا پھر ان (مستندہ مستندہ)

دین پاؤند کے الفاظ میں قانون در اصل اس معاشرے کا یا سوشل کنٹرول کا نام ہے جو ایک منظم سیاسی معاشرے کے ذریعہ باقاعدہ ملزم پر عمل کرنا ہے۔ اور اگر منظور کیا جائے تو قانون کا دائرہ عمل منظم قانونی تہدیکوں ہی سے عبارت ہے جس معاشرے میں قانونی تہدیکیں نہیں ہوتیں وہاں افراد پر جو پابندیاں اور فرائض عائد ہوتے ہیں، وہ قانون کی نہیں، بلکہ رسم و رواج کی بنا پر ہوتے ہیں۔ اس لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ سادہ معاشرہ میں قانون نہیں ہوا گو کہ میں تمام معاشرہ میں رسم و رواج کی پابندی ہوتی ہے اور ان کے پیچھے تہدیک بھی لگی ہوتی ہیں۔ موجودہ زمانے کے قانون میں دیوانی اور جزائی

جو امتیاز کیا جاتا ہے اسے قدیم پڑا سا ج کے مطالعہ میں پیش نظر رکھنا مشکل ہے۔ قدیم اور ابتدائی قانون کو دراصل عام جلیات اور خانگی یا خاص جنائیات کے دائرے سے دیکھنا چاہئے۔ بات یہ ہے کہ کوئی فعل اس وقت عام جنایت سمجھا جاتا ہے۔ جب اس کی وجہ سے پوری قوم یا سماجی اقتدار کے دستور یا نمائندوں کی جانب سے کوئی باقاعدہ اور منظم ضابطہ معین ہو گیا اور ایسا ضابطہ کے ذریعہ قوم کے کسی فرد پر کوئی دادراری یا وجوب عاید ہو سکے۔ اور اگر اس کی خلاف ورزی ہو تو قوم یا اس کے نمائندے خلاف ورزی کرنے والے کو سزا دے سکیں یہ ضابطہ سے تعزیری تہدیک کہا جاسکتا ہے۔ دراصل اس قوم کی طرف سے خانگی فرد کے خلاف ایک رد عمل کا نتیجہ ہے کیونکہ وہ ایک توری اور عین اخلاقی جذبے کو تعمیل دیتا اور اسی طرح سزا کو دکھ پہنچاتا ہے۔ اس کا فردی اثر تو یہ ہوتا ہے اجتماعی طور پر اخلاقی غصہ کے جذبات ظاہر ہونے میں اور اس طرح سزا کے نقصان کی تلافی ہو سکتی ہے۔ اور اس کا آخری اثر یہ ہوتا ہے کہ اس اخلاقی جذبے کو قوم کے تمام افراد

کی تہدید ہوتی ہے۔ امدادی نے قبل تحریر زمانے کے خفاگی جنایات کے قانون کو موجودہ قانون تک یا سبوں لاکھ مال سمجھا سکتا ہے۔ لیکن ان دونوں میں دراصل اہم فرق بھی ہے۔ موجودہ قانون کے لحاظ سے سبوں لاکھ مال صرف ایسے ہی افعال آسکتے ہیں جن کے لئے ہر جادو یا جادو البتہ اتنا ضرور ہے کہ ان افعال کو پوری قوم کے خلاف نہیں سمجھا جاتا۔ گو دیوانی یا سبوں قسم کی تہدیدیوں سے مدعی علیہ ہر جادو ادا کرتا اور قریحی لحاظ سے نقصان اٹھاتا ہے۔ ہم اس کے لئے یہ تاویلی سزا نہیں ہوتی۔ موجودہ سبوں لاکھ مال میں بھی خالی صورتوں میں حاکم عدالت تاویلی سزا میں دے سکتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ جو مسرت پہنچانی گئی وہ پوری قوم کے خیال میں بوجہ ہوئی چاہیے۔ موجودہ قانون میں جب کوئی فعل انفرادی کے خلاف سرزد ہو امداد ساتھ ساتھ مسرت بھی پہنچے تو ایسے فعل کے خلاف دیوانی اور خود امدادی دونوں قسم کے چارہ کار ہیں۔ چوری یا قتل کے لئے جو سزا دی جاتی ہے اس میں زیادہ زور اس چیز پر دیا جاتا ہے کہ وہ پوری قوم کے خلاف ایک جرم ہے۔ اس پر کہ اس فعل کی وجہ سے جن اشخاص کو تکلیف یا مسرت پہنچی ان کو اس کا بدلہ دیا جائے۔

ما قبل تحریر زمانے کے معاشرہ میں خفاگی یا غصہ جنایات عام طور پر چار پانچ چیزوں پر مشتمل تھے۔ جان سے مارنا، زخمی کرنا، چوری، دغا، ختمہ ادا کرنا۔ ان افعال کے متعلق ایک فقہور ہے کہ یہ قوم کے کسی فرد کے خلاف سرزد ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ ہی دوسرا فقہور یہ ہے کہ یہ خلاف معاشرہ افعال بھی سمجھے جاتے ہیں جو اخلاق عامہ کو عیس ٹھانے ہیں۔ ایسے افعال کے خلاف بازو دیا اور دو دونوں تہدیدیوں ہوتی ہیں۔ دوسرے الفاظ میں ایک طرف تو متصرف کے نقصان کی تلافی کا خیال ہوتا ہے اور دوسری طرف اس شخص کی سزا کا جس نے ضرر پہنچایا۔ مثال کے طور پر بعض مذہبی قبیلوں میں یہ روایت ہے کہ جب کوئی شخص دوسرے کا مال چرائے تو اس کے شے کی دو جہتی قیمت ادا کر دیاں کرنی پڑتی ہے۔ اگر نہ

دیکھا جائے تو خفاگی جنایات کا قانون دراصل ایک ضابطہ ہے جس کے ذریعہ معاشرہ یا قوم کے اندر وہی جھگڑوں سے پیدا ہونے والے معاشرہ میں ”(ضابطہ معاشرہ)“ کا علاج کیا جاتا ہے۔ ایک فرد کے کسی فرد سے دوسرے فرد کے خلاف کوئی فعل کیا ہو اور اس سے اس دوسرے فرد کو محسوس ہو کہ اسے مسرت پہنچی تو اس سے عام معاشری زندگی میں ایک ہیجان پیدا ہو جاتا ہے۔ اور جب تک متصرف کے نقصان کی تلافی نہ کی جائے یہ دور نہیں ہوتا۔ اسی لئے ازلیہ کے مطابق قانون کے لحاظ سے جب تک حاکم عدالت تمام متعلقہ فرقوں کی رضی نہ کرے اس وقت تک اس کا فیصلہ خلاف انصاف سمجھا جاتا ہے۔ بہر حال عام جنایات اور خفاگی یا خاص جنایات کے فرق سے اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ قانون کیا اتدا داکہ نقطہ سے نہیں ہونی غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فعل جو قوم کے کسی فرد کے خلاف عمل کیا اسے اور اس کی وجہ سے قوم کا اخلاقی فائدہ متاثر ہو اس کے پیچھے تین تہدیدی ہوتی ہیں عام یا اخلاقی تہدید جس کی وجہ سے قوم خفاگی کی ہر طرح مخالفت کرتی ہے اور اسے خطا وار سمجھتی ہے۔ دوسرے رسمی یا مذہبی تہدید جس کی وجہ سے خفاگی کے اندر مذہبی یا مالی یا عیبت پرستی کی ایک ایسی حالت پیدا ہو جاتی ہے کہ خود اس کے لئے اور پھر ان سب کے لئے جن سے اس کا تعلق رہتا ہے بڑا خطرہ رہتا ہے۔ ایسی صورت میں دم کے مطابق مذہبی طریقوں سے اس کو پاک کیا جاتا ہے۔ یعنی پاپ کا پرستیت ہوتا ہے۔ اگر یہ گناہ ادا نہ ہو تو خیال یہ ہوتا ہے کہ اس گناہ کی وجہ سے وہ بیمار ہو جاتا گا۔ یا مر جائے گا۔ تیسرے تہدیدی تہدید ہے۔ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ قوم بعض اشخاص کے ذریعہ جن کو وہ عدلیہ یا عیبت عطار کرتی ہے خطا کار کو سزا دیتی ہے اور اس سزا کو اس فعل ناجائز کے خلاف عام اور اجتماعی طور پر اخلاقی غصہ کا مظہر سمجھا جاتا ہے یا اس مذہبی یا عیبتی پاپ کو روکنے یا اسے دور کرنے کا ایک ذریعہ۔ یا پھر دونوں۔ اس کے خلاف اگر کسی فعل کا اثر ہو کہ کسی شخص یا عیبت

اشخاص کے حقوق متاثر ہوں تو مستغیر مواخذہ یا جزا کا مطالبہ کرتا ہے۔ اور جب رسم بھی ایسے مواخذہ اور بدلے کو جائز تصور کرے اور اس کے لئے چارہ کار بھی مہیا کرے تو ظاہر ہے کہ مواخذہ بھی تہذیب کا اثر رکھے گا۔ قبل تحریر حاضر میں جنگ کے لئے ہی ایسی تہذیبی چٹانیں بعض قوموں میں جنگ کو ہی مواخذہ سمجھا جاتا تھا جیسے ایک فریق دوسرے غامی فریق کے خلاف اختیار کرتا ہے۔ اس کے لئے چند رسوم بھی ضابطہ کے طور پر رائج تھے جو موجودہ قانون بین الاقوام کے مشابہ ہیں۔ چنانچہ آسٹریلیا کے بعض قبیلوں میں جنگ کے تعلق آج تک یہ تصور ہے۔ ضابطہ اور منظر طور پر بدلے لینے کا طریقہ بھی اسی "مواخذہ" کی تہذیب کی ایک مثال ہے۔ اگر کوئی آدمی جان سے مارا جائے خواہ وہ ارادی طور پر ہو یا حادثہ ہو تو اس سے اس کے خاندان قبیلہ یا فرقے کو جو مصرت پہنچتی ہے اس کی تلافی ضروری ہے۔ یہ مستغیر کردہ کاٹن سمجھا جاتا ہے کہ بدلے بلکہ اکثر و بیشتر تو یہ اس کا فرض ہو جاتا ہے۔ بات یہ ہے کہ مواخذہ کو رسم کی طرف سے حواز ملتا تھا۔ بعد میں *منضمات* (Mundak) قانون مواخذہ کے لحاظ سے یہ اصول بن گیا کہ جس قدر مصرت پہنچانی جاتی ہے اس کی پوری تلافی ہونی چاہیے اور انتہائی ذمہ داری کے اصول کے لحاظ سے تو بدلے لینے والوں کے لئے یہ بھی کافی ہو گیا کہ خود قتل کی جائے کسی اور کو قتل کرویں مثلاً اس کے بھائی کو یا بعض صورتوں میں قبیلے کے کسی فرد کو جب بدلہ لیا جائے اور وہ بہت منظم ہو گیا تو ایک قاتل کردہ نہیں ہی فرد کی موت کو بدلے میں کو اور لکھنے لگا لیکن اس کے بعد یہ مواخذہ کا سلسلہ جاری نہیں رہ سکتا تھا۔ اس کے علاوہ مواخذہ کی تہذیب اس صورت میں بھی استعمال ہوتی ہے بلکہ ایک شخص دوسرے کو کوئی مصرت پہنچاتا ہے چنانچہ خاص حالات میں ایک شخص کو حق پر آتا ہے کہ کسی دوسرے کو بدلہ لینے کی دعوت دے۔ اسے آسٹریلیا کے قبیلوں میں سب کوئی فرد کسی دوسرے کے یا غرضی مصرت ملتا ہے تو مستغیر کا یہی

ہے کہ بزرگوں کی اجازت کے بعد ضرر پہنچانے والے سے مثل قسم کا بدلہ لے لے مثلاً اس پر برہمچا یا بھلا چھینک دے یا جسم کے ایسے حصہ پر جو جان لیوا نہ ہو، مثلاً ران پر برہمچا چھینک دے مواخذہ کی تہذیب کی تمام مثالوں میں رسم کا ایک ضابطہ معلوم ہوتا ہے کہ مستغیر کے نقصان کی تلافی کی جائے اور اس کے لئے عام طور پر ضرر دہاں شخص کو مثل قسم کا ضرر پہنچایا جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ حق پر عمل ہوتا اس کی تلافی کی جاتی ہے اور مستغیر شخص کے ذہن سے یہ بات نکل دی جاتی ہے کہ اسے ضرر پہنچا یا کہ اسے بدلہ لینا ہے۔ بہت سے مشاہد میں مواخذہ کی جائے اور ان کی قرارداد کا بھی ایک طریقہ کار ملتا ہے یعنی ضرر پہنچانے والے اشخاص مستغیر فریق کو جذباتی شہاد دیتے اور اس کو نقصان کی حد تک ملحق کر دیتے ہیں۔ اس طریقہ پر مستغیر کی اطمینان دہانی، قبل تحریر حاضر میں کافی رائج معلوم ہوتی ہے۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ان کے آج تک کوئی نظام قانون نونہا نہ لگا۔

قانون کا بہت ارادہ اور اس کے ارتقا کو سمجھنے کے لئے ان قدیم قبیلوں کا مطالعہ بہت دلچسپ اور مفید ہو سکتا ہے جو آج بھی اپنی قدیم روایتوں کے ساتھ موجود ہیں۔ مثال کے طور پر شمالی کینیڈا کے بعض شکاری قبیلے جو "لوورک" کے نام مشہور ہیں اس سلسلے میں تو بنی و کر میں یہ چھوٹے دیہاتوں میں بستے ہیں اور ان کی کوئی سیاسی تنظیم نہیں۔ قوم کے خلاف کوئی فعل یا جرم سرزد ہو جائے تو اس کے لئے ان کے ہاں کوئی ضابطہ مستغیر نہیں اور اسی لئے ان کے ہاں عام جانیات کا کوئی قانون نونہا نہیں ہے۔ اگر کسی دوسرے کو مصرت پہنچے یا ایک شخص دوسرے کو مصرت دے تو عام رسم کہ سلطان یا سردار ان کی قرارداد سے کام لے جاتا ہے۔ چنانچہ کینیڈا اور یمن پر بھی یہ صورتیں ملتی ہیں۔ ان کے قانون کی تلافی کی جاتی ہے اگر کسی شخص کو جان سے مارا جائے تو اس کے خاندان یا قبیلے کے قریبی رشتہ دار بدلہ لے لے گا۔ اگر آپس میں ملکہ ہو جائے تو جگہ جگہ ہونے کے بعد ان کی طرف سے جگہ جگہ دوسرے

اشخاص کے حقوق متاثر ہوں تو مستغیر مواخذہ یا جزا کا مطالبہ کرتا ہے۔ اور جب رسم بھی ایسے مواخذہ اور بدلے کو جائز تصور کرے اور اس کے لئے چارہ کار بھی مہیا کرے تو ظاہر ہے کہ مواخذہ بھی تہذیب کا اثر رکھے گا۔ قبل تحریر حاضر میں جنگ کے لئے ہی ایسی تہذیبی چٹانیں بعض قوموں میں جنگ کو ہی مواخذہ سمجھا جاتا تھا جیسے ایک فریق دوسرے غامی فریق کے خلاف اختیار کرتا ہے۔ اس کے لئے چند رسوم بھی ضابطہ کے طور پر رائج تھے جو موجودہ قانون بین الاقوام کے مشابہ ہیں۔ چنانچہ آسٹریلیا کے بعض قبیلوں میں جنگ کے تعلق آج تک یہ تصور ہے۔ ضابطہ اور منظر طور پر بدلے لینے کا طریقہ بھی اسی "مواخذہ" کی تہذیب کی ایک مثال ہے۔ اگر کوئی آدمی جان سے مارا جائے خواہ وہ ارادی طور پر ہو یا حادثہ ہو تو اس سے اس کے خاندان قبیلہ یا فرقے کو جو مصرت پہنچتی ہے اس کی تلافی ضروری ہے۔ یہ مستغیر کردہ کاٹن سمجھا جاتا ہے کہ بدلے بلکہ اکثر و بیشتر تو یہ اس کا فرض ہو جاتا ہے۔ بات یہ ہے کہ مواخذہ کو رسم کی طرف سے حواز ملتا تھا۔ بعد میں *منضمات* (Mundak) قانون مواخذہ کے لحاظ سے یہ اصول بن گیا کہ جس قدر مصرت پہنچانی جاتی ہے اس کی پوری تلافی ہونی چاہیے اور انتہائی ذمہ داری کے اصول کے لحاظ سے تو بدلے لینے والوں کے لئے یہ بھی کافی ہو گیا کہ خود قتل کی جائے کسی اور کو قتل کرویں مثلاً اس کے بھائی کو یا بعض صورتوں میں قبیلے کے کسی فرد کو جب بدلہ لیا جائے اور وہ بہت منظم ہو گیا تو ایک قاتل کردہ نہیں ہی فرد کی موت کو بدلے میں کو اور لکھنے لگا لیکن اس کے بعد یہ مواخذہ کا سلسلہ جاری نہیں رہ سکتا تھا۔ اس کے علاوہ مواخذہ کی تہذیب اس صورت میں بھی استعمال ہوتی ہے بلکہ ایک شخص دوسرے کو کوئی مصرت پہنچاتا ہے چنانچہ خاص حالات میں ایک شخص کو حق پر آتا ہے کہ کسی دوسرے کو بدلہ لینے کی دعوت دے۔ اسے آسٹریلیا کے قبیلوں میں سب کوئی فرد کسی دوسرے کے یا غرضی مصرت ملتا ہے تو مستغیر کا یہی

قانون کے تحت قبول کیوں کا خون بہا اور اسے صرف امر و اقار اور  
ہر جانہ کی تقدیر بھی جانتی ہے اور نیت اور ارادے کو نہ غفلت  
یا عاوج پر غور نہیں کرتا اگر ایک مرتبہ تو ادا قبول کر لیا جائے  
تو مستقر شخص اسی قدر کی بات مزید حکایت کا محاذ نہیں  
چونکہ "تاوان" متعلقہ شخص کے مابین مصالحت کی بناء  
پر ملے ہوتے ہیں اور کسی حد تک حاکم کے پاس معاملہ نہیں  
جائے اس لئے یہاں مسج منہوں میں غامضی جنابیات کا وجود  
نہیں۔ شیک اسی طرح قلابان کے بعض فیصلوں کی حالت بھی  
بڑی عجیب ہے۔ شمالی نوزان (سہ سہ سہ سہ)  
کے بارہی قلابان میں آج بوسے والے لوگ جن کو "افکاڈ"  
کے نام سے یاد کیا جاتا ہے سیاسی لحاظ سے بہت قوم ہیں اور  
ان میں خاندانوں یا قبیلوں کا بھی کوئی نظام نہیں۔ اس کا  
آخر یہ ہے کہ مفرقوں کی صورت میں معاشرہ کوئی سزا کو  
نہیں کرتا بلکہ رانے عامہ میں سزا کا کام کرتی ہے۔ دوسرے  
القاب میں ان کے اہل عام جنابیات کا کوئی قانون نہیں  
پایا جاتا۔ اور کوئی حقیقی تقریری تہذیب بھی موجود نہیں۔ انہیں  
بعض اصول قابل ذکر ضرور ملتے ہیں۔ مثلاً کوئی شخص اپنے  
خاندان کے کسی فرد پر جادو کر دے تو اسے خاندان والے  
موت کی سزا دیتے ہیں۔ لیکن جانی بہن سے فعل بد کا مرتکب  
ہو تو یہ کوئی جرم نہیں سمجھا جاتا۔ بد رکھی یا بارہی کی صورت  
میں بھی کوئی سزا نہیں دی جاتی تو ممکن ہے کہ ان افعال  
کی دیکھ بھال کے لئے انہیں مذہبی تہذیب میں موجود ہوں۔ اگر  
ایک شخص دوسرے پر حملہ کر دے یا ایک دوسرے کے حق کو  
متاثر کرے تو اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ دونوں افراد کے خاندان  
ایک دوسرے کے حق کو متاثر کرے تو اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ  
دونوں افراد کے خاندان ایک دوسرے کے درمقابل کھڑے  
ہو جاتے ہیں۔ ادا ان میں ہاں اور باپ و دونوں طرف کے  
میں درجوں تک کے رشتہ دار تو لازمی طور پر فریق بن جاتے  
ہیں۔ قتل، زنا، غیبت، امان کی ادائیگی وغیرہ کی صورت  
میں معاشرہ یہی ہے کہ غامضی یا اس کے خاندان کے کسی فرد

موت کے گھاٹ آنا رہا ہے۔ دوسرے افعال کے لئے تاوان  
کی ادائیگی کا بھی جانتی ہے۔ ان قبیلوں میں عدلیہ کی کوئی  
ایسی سختی موجود نہیں جس کے درجہ نزاعات لائے جاسکیں۔  
عام طور پر تعصبات ایسے نرگ کے ذریعہ ہوتے ہیں جس کو متعلقہ  
فریقین سے کوئی تعلق نہ ہو بعض اشخاص اپنی دیانت داری  
اور غیر جانب داری کے باعث شہرت بھی رکھتے ہیں اور ان  
ہی کے پاس بہت سی نزاعات فیصلے کے لئے آتی ہیں لیکن  
یہ اشخاص کسی طرح مقتدر نہیں ہوتے اور نہ ہی یہ پوری  
قوت کی طرح نمائندگی کرتے ہیں۔ تنازعہ کے دوران میں  
دونوں فریق نہ لٹھ مارے ایک دوسرے کے مخالفت تصور  
کئے جاتے ہیں لیکن جب باعث نزاع دو ہیہ ہو جائے یا  
بہی تصفیہ ہو جائے تو ہر مسلح ایک خاصی رتبہ کے ساتھ  
ہوتی ہے۔ تصفیوں کے لئے رقم و رواج ہی کوئی معیار قرار  
کرتا ہے۔ اور خاص صورتوں میں تو اشخاص کی حیثیت  
کے لحاظ سے یہ معیار بدلتا بھی رہتا ہے۔ مثلاً اللہا کے لئے  
ایک اوسط طبقہ کے لئے ایک اور غریب کے لئے ایک ہی  
افکاڈ کی حد کسری نظام کا رہے اس سے کوئی نظام  
توازن ترتیب نہ پاسا کیونکہ کسی حد یا نہ اقتدار کا وجود  
ہی نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ جب مسئلہ ثالث حاکم عدالت  
موجود ہوں اور وہ شہادت کی جانچ پڑتال کے بعد عدالت  
یا ہر جانہ کی بابت فیصلہ کریں تو اس سے ایک نظام قانون  
کی طرف رہنمائی ہوتی ہے۔ البتہ ایسی صورت میں صرف  
اس علانہ اقتدار کی کمی ہوتی ہے جو ان فیصلوں کی باہر  
کروائے۔ اگر خود کیا جائے تو بعض معاشروں میں غامضی  
با خاص جنابیات کے تصفیوں کے ذریعہ ہی کوئی نظام قانون  
نشو و نما پاتا ہے۔ دوسرے القاب میں کچھ مثالوں کے  
ساتھ آئے ہیں اور ثالث رقم کے بنائے ہوئے قواعد  
عمل کا اعلان کرتے ہیں اور پیش آشرہ معاملہ پاس کو  
منطقی کرتے ہیں مثالوں کی یہی حدائیں رفتہ رفتہ  
بقاعدہ قانونی عدالتیں بن جاتی ہیں اور پھر معاشرے

میں ایک خاص ضابطہ بھی نوپا جاتا ہے جس کے ذریعہ فیصلہ کی تعمیل کروائی جاتی ہے۔ مشرقی افریقہ کے بعض قبیلوں کا بھی مطالعہ کیا جائے تو قانون کا شعور نا اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک 'گلوبا' نژاد کا اور بانتو لوگوں کے علاوہ آفریقہ جو مونٹ کنیا کے جنوب اور جنوب مشرق میں رہتے ہیں اس خطے میں دھچپ ہیں۔ یہ لوگ چھوٹے چھوٹے خاندانوں میں بٹے ہوئے ہیں، مویشی اور کھجیاں پالتے اور انچ بڑتے ہیں، ان میں کوئی سردار یا بزرگ خاندان نہیں ہوتا اور یہ لوگ عمر کے لحاظ سے مختلف طبقوں میں منقسم ہیں۔ ان میں ایک طبقہ سمرادہ بزرگ لوگوں پر بھی مشتمل ہے جو مذہبی پیشہ افی اور عدلیہ دونوں کے فرائض انجام دیتا ہے۔ جب کسی شخص کو یہ یاد کرنے کی وجہ ہو کہ کسی دوسرے نے اسے کسی قسم کی مغفرت پیش پیش کی ہے یا اس کے حقوق متاثر ہوئے ہیں تو مراد پیش پانے والے اور متضرر دونوں فریقوں کی طرف سے ان کے دیہات یا ضلع کے جہاں وہ رہتے ہیں تمام بزرگ بلوائے جاتے ہیں اور اس طرح اس عدالت کے دو برومعاہدہ پیش ہوتا ہے۔ یہ عدالت ابتدا میں قمرنٹ ٹائی کے طور پر کام کرتی ہے اور عام رسم کے قائم کردہ اصول انضام کے مطابق تصدیق کرتی ہے اور تصدیق کے بعد اپنے فیصلہ کی تعمیل کروانے بغیر معاہدہ کو خود متضرر فریقوں کے سپرد کرتی ہے کہ وہ خود اپنے حریف سے نمٹ لے۔ البتہ بعض خاص اور متعلقہ حالات میں جب کہ کسی حملہ یا قتل سے پورا فرقہ یا قوم متاثر ہوتی ہے یا جب کہ قوم کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ وہ عادی مجرم ہے یا یہ کہ قوم کے لئے اس کا وجود خطرناک ہے اور اس طرح ہم ایک فرقہ قتل کو پوری قوم کے خلاف سمجھا جاسکتا ہے تو پھر بزرگوں کی یہ حاجت حالانہ اقتدار استعمال کرتی اور خود اپنے فیصلے کی تعمیل کرواتی ہے۔ یہ بزرگ دراصل ہمیشہ ذہنی اقتدار سے کام لیتے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی شخص ان کے فیصلے کو مننے سے انکار کرے تو اس پر لعنت یا پھینکا

بھیجتے ہیں جس سے ان کے عقیدے کے مطابق باغی نظر سزا اتر آتی ہے۔ ایک خاندان کے کسی فرد کو دوسرے خاندان کوئی فرد جان سے مارے خواہ ارادی طور پر یا حادثے میں تو بزرگوں کی عدالت اس فعل کو ناجائز یا نامناسب خیانت سمجھتی ہے اور مقتول کے رشتہ داروں کو سزا دلانے کی طرف متوجہ کرتی ہے اور یہ تادان قاتل یا اس کے رشتہ داروں سے دلوا یا جاتا ہے۔ عام خیانت سے متعلق بھی ان بزرگوں کو ایک ضابطہ کے تحت اختیارات ہوتے ہیں جسے کنگال یا مونٹ (عصر منہ ۲۲ء مگھ و مینکا) کہا جاتا ہے۔ اگر کسی شخص پر جادو کا الزام ہو، جادو عادی مجرم ہو اور اس طرح اس کا وجود عوام کے لئے خطرناک ہو تو بزرگوں کو اقتدار ہوتا ہے کہ ایسے شخص کو موت کی سزا دیں یا اس کے گھر یا کوٹہ کر کے اسے اپنے ضلع سے باہر کر دیں لیکن ایسی سخت سزا سے پہلے یہ ضروری ہوتا ہے کہ دو دور کے تمام بزرگ اس خطے ہو کر اس کا فیصلہ کریں۔ نیز خاکی کے اہل خاندان کا بھی اس پر رضامند ہونا ضروری ہے۔

ایک لوگوں کے برخلاف مغربی افریقہ کے اشنائی فرقہ میں عام خیانت کا ایک منظم قانون ملتا ہے جو مقامی زبان میں ایک خاص نفاذ سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ اس نفاذ کے معنی ہیں امور جو قبیلے میں نفرت سے دیکھے جاتے ہیں، ان میں یہ چیزیں شامل ہیں۔ بیبی قتل، خودکشی، نسلی یا ازدواجی رشتہوں میں بعض جسمی تعلقات، خاص قسم کی کالی گفتار، زبان پر حملہ، چوری، کسی سردار پر پھینکا جیسا، بجاوے، جادوگری، مسلہ قبائلی رسم و رواج کی خلاف ورزی اور مرکزی اقتدار کے حکم کی خلاف ورزی۔ اشنائی تصور قانون کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام افعال دراصل مقدس یا افریقہ نظری طاقتوں کے خلاف سرزد ہوتے ہیں اور ان ہی طاقتوں پر پوری قوم کی بقیہ اور جب تک ان عاجز افعال کو خاکی کی سزا کے ذریعہ روکا نہ جائے پورا قبیلہ متلاشہ آلام رہے گا۔ لیکن اقتدار کے متعلق تصور یہ ہے کہ یہ بادشاہ یا سردار کو حاصل ہوتا ہے جو

مرکز کی مقتدرہ مستحق لازم کے ظلمات چارہ کار اختیار کرتی ہے۔ راست طور پر موجودہ تعزیری اور دیوانی قانون، علیٰ الصریح عام جنایات اور خانگی جنایات کے قوانین سے انحراف نہیں۔ لیکن فرق یہ ہے کہ جو افعال آج عام جنایات کے تحت آتے ہیں، جیسے قتل، یا چوری، یہی افعال بہت سے قبل تحریر معاشرہ میں خانگی جنایات کے تحت آتے تھے۔ اور مذکورہ اسی طرح وہ افعال جو ان معاشرہ میں عام جنایات تھے ان میں جادوگری اور بدکاری اور تیرک بیڑوں کی چوری بھی شامل تھی۔

اپنا ابتدائی منزلوں میں قانون دراصل سحر یا جادو اور مذہب کا دوسرا نام تھا اور قانونی تہدیدیں دراصل مذہبی تہدیدیں تھیں۔ اسی لئے سادہ معاشرہ میں قانون کی ابتداء کو سمجھنے کے لئے معاشری تہدیدیوں کے تمام نظاموں کا مستعار مطالعہ کہا جانا چاہیے۔

- اس مضمون کی تیاری میں فول کی کتابوں سے مدد لی گئی ہے۔
- (۱) ایبل ورک ہائیم وہ دولڈن وہ تراویل ٹریٹل (پیرس ۱۸۸۷ء)
  - (۲) البرٹ کوکورک اور کورکور۔ اے ویٹن آف لاء۔ پبلڈ (بوٹن ۱۹۱۵ء) (۱۹۱۸ء)
  - (۳) سڈنی ہارٹ لینڈ۔ پری پریٹریڈ (لندن ۱۹۲۴ء)
  - (۴) مالی نووکی۔ کراٹم اینڈ کسٹم ان یونیورسٹی سوسائٹی نیویارک ۱۹۱۶ء
  - (۵) ہیرالڈ ہیلر۔ دی ٹرانزیشنل اینڈ ٹریٹریل ریٹینن ان اسٹریٹیا (لندن ۱۹۱۸ء)
  - (۶) لمبی۔ ہنریٹ لینڈ اینڈ کسٹم (لندن ۱۹۱۲ء) (۱۹۱۶ء)
  - (۷) رات ٹریس۔ اسٹینلی اینڈ کاسٹی ٹیون (آکسفورڈ)
  - (۸) ایل ٹارڈس۔ افریکن ریسس (لندن ۱۹۳۳ء)

ایک مقدس تحت یا چوکی پر انصاف کرنے میں تیار ہے۔ اسی کے سامنے خالی کو مزہ سنا ہی جاتی ہے۔ زیادہ عظیم افعال کی صورت میں سرکار شکاری ایک مزار ہے گو بعض صورتوں میں خالی اور اس کے رشتہ دار خالی کا سرخوردہ دیکھتے ہیں یہ دوسرے انصاف میں جو جان یا نقصان ادا کرکے اس کی جان بچانی جاتی ہے۔ بزرگوں کی عدالتیں خانگی یا خاص جنایات کی صورت میں کوئی اقسیت یا استعمال نہیں کرتیں بلکہ یہ ٹھہریل نزاعات میں جن کے تعصیب یا خونخواران کے صدر کرتے ہیں یا آپس کے سمجھوتے سے نزاع ختم کی جاتی ہے۔ خانگی جنایات سے متعلق بھی کوئی نزاع سردار کے سامنے لائی جاسکتی ہے۔ مثلاً کسی متعلقہ فریق نے قسم اٹھائی ہو تو وہ عام جنایات میں داخل ہے اور اسی لئے سردار کے روپڑ یہ معاملہ پیش کیا جاتا ہے۔

بہر حال ان فیملیوں کے مطالعہ سے بعض کام کی باتیں ضرور معلوم ہو جاتی ہیں۔ اگر کہا کہ بزرگ خانگی جنایات سے تعلق رکھتے ہیں تو شائستگی کے سردار عام جنایات کی صورت میں اپنا اقتدار استعمال کرتے ہیں۔ افریقہ اور دوسرے ملکوں میں بعض قبیلہ اور فرقے ایسے بھی بستے ہیں جن کے سردار یا بادشاہان دونوں قسم کے قوانین پر اقتدار رکھتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں لکڑی اقتدار خانگی اور عام جنایات دونوں پر قائم رکھتا ہے۔ ان مختلف فرقوں میں مضابطہ کے لحاظ سے فرق بھی کیا جاسکتا ہے۔ خانگی جنایات کے قانون میں اشخاص یا اشخاص کے گروہوں کے ہمین تہذیبوں کی صورت میں قانون عدالت کے روبرو مطالعہ لایا جاتا ہے۔ عام جنایات کے قانون کے لحاظ سے خود پرکھا اقتدار کی جانب سے اتمام ہوتا ہے اور خود اپنی طرف سے

## میٹھے ٹھگ

کرومی جنہوں نے ظاہر اپنوں سے بے نیازی وہ بھی جتا رہے ہیں اب اپنی پاک بازی  
عصر جدید کیا ہے؟ عہدِ ریاضتِ رازی ہے فن کی حیثیت سے رائج زمانہ سازی

اُن دہریوں سے کرتا کیونکر نہ میں کٹا

مہرِ دوف کی رہیں ہیں جن کو ناگوارا

داتا شریف داتا کہتے چلے ہیں جھٹھٹ آقا۔ عزیز آقا۔ ہر آن ہے ہی رٹ  
کیوں کھیلتی نہ ان کے چہروں پہ مسکراہٹ ہے طلبِ منفعت کا راز ان کی ہر بناوٹ

دلواتی ہے انہیں زراں کی زمانہ سازی

ہیں نوگر خوشامد صرف دل نوازی

ظالم دکھا رہے ہیں اس شان کا تھُل غیظ و غضب سے گویا نا آشنا ہیں بالکل  
بیجا خوشامدوں سے دیتے نہیں کسے جُل جل دے کے ڈھونڈتے ہیں یہ حلقہ گل و مل

سامانِ عیش و عشرت کرتے ہیں یوں فراہم

طواریک باندھتے ہیں کذب و ریا کا باہم

بے سود پیش کرتے کیوں شکلِ اعتراضی مفتی ہے ان کے بس میں ان کے اثر میں قاضی  
حال ان سے بن رہا ہے جیتو کا عہدِ ماضی ہر شخص کو یہ میٹھے ٹھگ کر رہے ہیں راہی

عمجوار بن کے جن کو دیتے رہے دلا سے

نیبتے ہیں جان اسی کی عبرت فزا ادا سے

علی منظور







اور سچ مجھ وہ مصیبت..... کیا یہ بھی ممکن ہو سکتا ہے  
 سامنے خراب دل انسانوں کی دیرگیاں تباہ ہوتی رہیں،  
 اور پھر بھی منکر اچھا ہے ان اگر کچھ ظاہر ایسی ہوں تو.....  
 مگر یہ کیا! میں یہ کیا سوچے تھی..... بد نصیب اور  
 غرور شاہان رنجیدہ دنیاؤں کے لئے تو نہیں.....  
 اور پھر کچھ ظاہر کے نرم دل با سخت دل ہونے سے آگاہ تو  
 بھی نہ تھی..... میں نے سر کی ایک جنبش سے ان خیالوں کو  
 دور کرنے کی کوشش کی۔ اور چونکہ اندھیرا ہونے لگا تھا، اس  
 اداسی کو دور کرنے کی خاطر جو ان فلسفیانہ خیالوں سے پیدا  
 ہو گئی تھی ایک علمی طرز نہایت ہی بے پرواہ انداز سے  
 گاتی ہوئی بچے اترنے لگی۔ اسی جان ابھی نماز سے فارغ  
 نہ ہوئی تھیں۔ جنگ آج بہت خاموش نظر آ رہا تھا۔  
 آبا جان اور لطافت بستی کا کام پر صبح ہی سے گئے ہونے  
 تھے۔ رنجیدہ اور سیر بھی انہیں کے ساتھ تھے۔ اصل  
 ان دو شریروں کی غیر موجودگی ہی کے باعث آج آنا  
 سکون اور شادمانی کی بھی چھائی ہوئی تھی۔ میں اپنے  
 کمرے میں چلی آئی۔ گو قریب قریب اندھیرا ہونے لگا تھا  
 مگر کمرے کی میں سے باہر قدرت کی لطافت اور نیرنگیاں  
 نظر آرہی تھیں..... ریڈیو کو نے میں گویا زبان حال سے  
 خاموشی پر آم کرنا نظر آ رہا تھا۔ گردل نے نہ چاہا کہ ریڈیو  
 لگاؤں۔

### شمسیہ اسماعیل شریف

رات کا بھولا اور دگر افسانے۔۔۔ پروفیسر عبدالقادر صاحب سروردی ایک اہل ایل بی صدر شعبہ فارسی  
 فارسی و عربی ماہر کا جہد کے مجاہد ملہ پادشاہوں کا دمچپ مجموعہ ہے جو نہایت اہتمام کے ساتھ بہت دیدہ زیب  
 شائع ہوا ہے۔ پروفیسر سروردی صاحب نے اس سے قبل فن افسانہ پر متعدد کتابیں مثلاً دنیا کے افسانہ دار افسانہ  
 وغیرہ شائع کی ہیں۔

طباعت و کتابت پاکیزہ اور دیدہ زیب ہے۔ صفحہ ۱۶۸ قیمت ۵

گردِ غبار ہو تو سرکراتی ہی رہیں اور نہ کتنا خوبصورت منظر  
 ہے، کچھ سما اور کچھ نہ کیا..... اور لیٹنا ایسا ہی تو تھا  
 مگر ان دنوں کی مصیبت نے اس خوبصورتی کو دیکھنے کی  
 فرصت نہ دی تھی۔

اور آنا جلد ہی پھر سکون اور اطمینان چھا گیا ہے۔  
 فطرت پھر سرکراتے لگی ہے..... اس حسین و پرکشت ماحول  
 میں وہ سب ایک پریشان سا خواب حلوم ہوتا ہے.....  
 کا شے کہ وہ صبح ہی خواب ہو جاتا گرد و غبار حقیقت ہے.....  
 ایک بچہ اور پھر حقیقت..... اب بھی جگہ فطرت اتنی  
 جاذب نظر ہو کر گویا ان معمول کا انزال کرنا چاہ رہی ہے  
 کہنے ایسے لوگ ہوں گے جن کی زندگیوں صرف اس ایک  
 دن میں تباہ ہو کر رہ گئیں۔ حافض ہی نے شام کو لوٹ کر  
 بتایا تھا کہ رشتہ صاحب دیر ہی سے آگ میں کوکڑا پناہین  
 اٹھالائے جس میں ہزاروں روپوں کے نوٹ تھے۔ مگر  
 جب تک وہ اندھیرا نہ گویا ایک اور صند ہو تو بھی اٹھالائیں وہ نوٹ  
 سامنے کوئی اٹھا کر کھسک گیا..... اور اس دہرے صدمے  
 کی تاب دلا کر مہیاں بیہوش ہو کر گر پڑے..... اور  
 عبدالصمد صاحب بڑی مشکل سے اپنا "سین" باہر اٹھالائے اور  
 اب اسی پر بیٹھ گئے ہیں۔ کسی کو قریب بھی نہیں آنے دیتے  
 تھے کہ کہیں یہ بھی جلا نہ جائے۔ کوئی ہمدردی ظاہر کرتا ہے  
 تو صرف آٹو پہننے دیتے ہیں۔ آدھیل کا ہجوم ہے۔ لوگ جلتے  
 مکانات سے سامان لا کر بیٹھتے ہیں جو نورانی لائب ہو جاتا ہے  
 عات کی آواز سے غرضی مفعول ہو چکی تھی ان کا  
 شریار دگر افسانہ ہوا چہرہ جو دگر افسانہ اور شکار ہوا نظر آتا تھا۔

# غزل!

ابھی محبت کی ابتدا ہے دلوں کے ارماں نکل رہے ہیں  
عجیب برسا کا سماں ہے، نظر کو ہر وقت یہ گیاں ہے  
ابھی جوانی پہ میں امنگیں، دلوں میں میں کیڑیں  
خدا ہی جانے کہ رنگ بدلیں گے دلوں کے کتنے  
وہ دیکھ! ابھی کے دوش پر میں ہزار ہا ایسی داستانیں  
نہ آمریت کے گاترائے یہ راگ اب ہو چکے پُرانے  
قدم قدم پر تحائف طوفان، جگہ جگہ تحفہ کا سماں  
تھے جن کے اسلاف پیش پر وہ ہیں انکے اخلاف اب گداگر  
سلگ رہے ہیں ابھی ہمارے دلوں کے آتش کے سلسلے  
ہیں زمانے سے کوئی شکوہ، گلہ نہیں ہے تو ضرور ہے

ابھی ہے آواز مستیوں کا شراب کے دوپل پہ نہیں  
کہ حسن انکرائی لے رہا ہے حسین کپڑے بدل رہے ہیں  
جو ڈو چرخ آج بھر رہے ہیں تو دس چرخ اجل پہ نہیں  
ابھی تو گوارہ تمدن میں دل کے ارمان پہ نہیں  
جنہوں نے دل قوم کا جلایا وہ ناز و نور میں مل نہیں  
مذاقِ عالم بدل چکا ہے نظام سارے بدل رہے ہیں  
گر زہ عشق تیری ہمت مرے ارادے اٹل رہے ہیں  
امیر زادوں کے دل کے ٹکڑے یتیم خانوں میں مل رہے ہیں  
جلا چکے تھے ابھی جو ہم کو اب ان کی باریج مل رہے ہیں  
تری نظر میں بھی ہم رنگ شہادت بے محسوس رہے ہیں

ہوئی سحر ختم پر ہے محفل، اٹھو کہ افسر اچاٹ ہے دل  
نہ حسن میں اب وہ دل کشی ہے نہ زلف میں اب بل بل نہیں

افس

# خطبہ صدر

نواب ڈاکٹر سر امین جناب ہمدرد

(جو اردو کتب خانہ اسلامیات کے افتتاحی جلسہ منعقدہ ۲۷ ربیع الاول کو پڑھا گیا) ۱۳۶۵ھ

یوراکسٹنی خواتین و حضرات!

مجھے اجازت دی جائے کہ میں سب سے اوّل اپنے کرم و محترم دوست عالی جناب ڈاکٹر سر سعید الملک بہادر بالقابہ کا شکریہ ادا کروں کہ یہاں تشریف فرما ہو کر اس کتب خانہ اردو کے عامی و معاونین کی ہمت افزائی فرمائی۔ ثنائیا میں اپنے کرم فرما ڈاکٹر یحییٰ الدین قادری مدظلہ کی کوشش کی تحمیل کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ایک ولی اللہ کے مزار مبارک کی خانقاہ شریف کو فیض بخش بننے اور ہمیشہ کے تابور کھٹنے کے لئے یہاں ایک اردو کتب خانہ اسلامیات قائم کیا۔ اردو زبان میں علوم اسلامی کافی تعداد میں موجود ہیں اور ضرورت تھی کہ ایک ایسا مرکز قائم ہوتا جہاں اردو کی تمام اسلامی کتابیں محفوظ رہیں۔ ثنائی میں ان طلبہ اور اصحاب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں جن کو مطالعہ و کتب بینی کے شوق نے کتابوں کے کڑے کپے جانے کا مستحق بنا دیا ہے۔ ان کے واسطے میں خود اپنی نظر پیش کرنے کی جرات کرتا ہوں۔

اگر آپ حضرات ایک ہفتاد و چار سالہ بوڑھے کی خودی یا خود ستائی معاف کریں تو میں اپنے کتب خانہ کی مختصر کیفیت بیان کروں گا کہ کب اور کس طرح مجھے کتابوں سے محبت پیدا ہوئی اور میں کس طرح ان کے جمع کرنے کے شوق میں مبتلا رہا۔ پندرہ سال قبل میرے مدرسے کے تقسیم انعامات کے جلسے میں کوئین دکنٹریہ کے بچا ڈیوک آف بکنگھم گورنر مدراس کے ہاتھ سے مجھے ۱۳۱۲ سالہ لڑکے کو ایک چھوٹی سی کتاب بطور انعام دوم ملی۔ بس جسے اور کتاب کا میرے دل پر ایسا اور اس قدر اثر ہوا کہ میں نے اسی وقت اپنے دل میں عثمان لی اور پیکا ارادہ کر لیا کہ ہر سال ہر جماعت میں اور ہر امتحان میں پہلایا دوسرا ہو کر کتابوں کا انعام لیتا رہوں گا۔ اس کے بعد چند ہی سالوں میں میرے ارادے کا ارتقاء ہوا۔ انعام کی کتابوں سے دو ایک صندوق یا الماری بھر دی جائے۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس کا فضل و کرم ایسا میرے حال میں شامل رہا کہ مجھے ہر سال ہر کلاس میں ہر امتحان میں بچوں کی جماعتوں سے شروع کر کے ایم اے کی جماعت تک ڈل اسکول کے امتحان سے شروع ہو کر ایم اے کے امتحان تک اول، دوم یا سوم درجے کے انعامات کتب کے علاوہ ربی الغامات مثلاً کو بنگھم برری، مامانہ دس روپے کی کپرس پرائز نقد سو روپے کا وغیرہ ملتے رہے۔ حتیٰ کہ مدراس یونیورسٹی کا بڑے سے بڑا (گورنرس اسکالرشپ) مامانہ ۳۹۱ روپے کھدار کا بھی مسلسل چار سال تک ملتا رہا۔ میرے والد ماجد نے مجھے اجازت دیدی کہ میں اپنے اسکالرشپ کی رقم جیسا چاہوں خرچ کروں پھر کیا تھا کہ میں اس مامانہ رقم کا نصف اپنے ساتھی غریب طالب علموں کے کتب اور فیس کے واسطے دے کر دوسرے

نصف سے اپنی خواہش اور ضرورت کی کتابیں جمع کرتا رہا۔ اس زمانے سے اب تک پچاس سال سے زیادہ عرصے تک ماہانہ کم از کم پچاس روپے کے کتب خرید کر جمع کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج میں ایک چھوٹا موٹا یعنی کارآمد اور مفید کتب خانے کا مالک ہونے کا ناز کرتا ہوں اور اپنے کتب خانے کو اپنا خزانہ کہتا ہوں۔ جس روز ڈاکٹر مرزا بندر ناٹھ ٹیگور کتب خانے کا اجلاس منعقد ہوا تو ان سے میں نے انگریزی میں کہا کہ دنیا میں اس کتب خانے کے سوا کوئی چیز نہیں ہے جس پر مجھے ناز ہو۔ میرا بڑا بیٹا کیمبرج کا آنرز ایم اے۔ خطیب محمود حسین مرحوم جو میری محبت کا دم بھرتا تھا، اس کو میری بات مانگا رہا ہوتا تو اس نے فی الفور پوچھا کہ ”باوا جان میں آپ کے ناز میں کہاں ہوں“ میں نے جواب دیا کہ ”بابا تم چیز نہ ہو آدمی ہو۔ دنیا میں تمہارے سوائے کوئی آدمی نہیں جس پر مجھے ناز ہو۔“ راہبدر ناٹھ ٹیگور صاحب نے خوب ہنس کر اہم دونوں کو مبارک باد دی اور فرمایا ”دونوں پر آپ کا ناز بالکل بجا ہے۔“

میرے کتب خانے میں عجیب، نادریا قدیم کتب نہیں ہیں۔ اس قسم کے کتب جمع کرنے کا مجھے کوئی شوق نہ رہا۔ فقط کارآمد کتب میں جمع کی ہیں جن سے روزمرہ سیاسی، سماجی و معاشی مسائل کا جواب مل سکے اور علمی و ادبی مشکلات حل ہو سکیں۔ میرے انسانی کتب فقط اتنے ہیں جتنے مستعار لے جانے والوں کی توفیق سے جمع سکے۔ ان کے علاوہ مصنفین کے ہدیہ کے کتب ہیں میں شکر ہے کہ ساتھ معترف ہوں کہ مابین غنائیئے تراجم و تالیفات جو مجھے تحفہ دی جاتی ہیں اور ان کی دو الماریاں کتب خانے کو رہنمائی بخشتی ہیں۔ مولانا ڈاکٹر عبدالغنی صاحب کی انجمن اردو ملی بھی بہت سے کتابیں ہیں۔ اس انجمن کا میں لائف ممبر کیا مدام الحیات اسرار احسان ہوں۔

ایک افسوس کے سوا اپنے کتب خانے سے مجھے خوشی ہی خوشی حاصل ہوتی ہے اور وہ افسوس یہ ہے کہ بہت سے احباب اور اشخاص میری کتابیں پڑھ کر ان کو واپس لادینے کے وعدوں سے بے گئے مگر لاکر دینا بھول گئے بالابتہ ہو گئے۔ اگر اپنے آپ کو وعدے کے پیکے ثابت نہ کرتے تو میرے کتب خانے کا نصف حصہ جس میں علمی و ادبی کتابیں رکھی ہیں وہ آج دنگنا رہتا۔ ایسے اشخاص سے آئندہ بچنے کے واسطے میں نے اپنی کتابوں پر انگریزی قطعہ کا ترجمہ چسپاں کر رکھا ہے جس کا ترجمہ میرے لئے ڈاکٹر نور صاحب نے یوں کیا ہے جس کو میں اپنی اردو، عربی، فارسی کتابوں پر لگا کر رکھوں گا۔

”اسے کتاب تو خوش آئند ثابت ہوگی اگر میرے دوست مجھ سے مستعار لے کر تجھے پڑھے۔“

مجھے ”والبس کر“ نہ کہ کسی اور کو مستعار دے۔“

غرض مجھے اطمینان اور حکم اس بات کا ہے کہ اللہ نے میری بچپن کی خواہش کو پورا کیا جس سے میرے بڑھاپے میں میرے اوقات بسر ہو جاتے ہیں۔ مجھ پر اپنا وقت گراں نہیں گزرتا۔ امید ہے میرے دوست و احباب مجھے معاف فرمائیں گے اگر میں کہوں کہ ان کا یہ خیال گراں میں نے معمول سے زیادہ لیا ہے کہ کتب پڑھتے ہیں (غلو و مبالغہ سے خالی نہیں) میں اشتیاق

(کتاب پڑھنے والا) نہیں ہوں جتنا کہ (کتاب جمع کرنے والا) ہوں مجھے پڑھنے کے شوق سے زیادہ کتابوں کی مناسب تقسیم کر کے ان کو جوڑ کر موقع محل پر رکھنے کا شوق رہا ہے۔ میں اپنے وطن و انہمازی کا موروثی خطیب ہوں۔ خطبہ خوانی میرا آبائی پیشہ ہے۔ اب تک میں نے خود کتابوں سے آپ کی مغز خراشی ہوئی ہے وہ محض تشبیہ ہے اس قصیدہ یا خطبہ خوانی کی کہ۔

(۱) دہریوں میں تقسیم الفات کے جلسے بے جا و بے کار نہیں ہوتے بلکہ ان کا اثر بچوں کے دلوں پر بہت گہرا اور دیرپا ہوتا ہے جیسا کہ مجھ پر ہوا۔

(۲) آدمی کا معمم ارادہ دزے کو بھی پہاڑ بنا دیتا ہے جیسا کہ الفات لینے کا ارادہ استخوانوں میں

کاسیاب کر کے مجھ ناچیز کو ایک چیز بنا دیا۔

(۳) معمولی آدمی دلی، اوسط درجے کے اشخاص بھی تعویذی سی کوشش سے اپنے گھروں میں

ایک مختصر کتب خانہ اپنے اور اپنے بچوں کے واسطے ہبا کر کے اس کے فوائد سے بہرہ اندوز ہو سکتے ہیں۔

(۴) انفرادی و خانگی کتب خانوں کے کتابوں کی ترتیب جمع، تفریق، تقسیم، ارتقا کے اصول

پر کیے کی جا سکتی ہے۔ میں پہلے تین بابوں کی ”قصیدہ یا خطبہ خوانی“ یعنی تعریف و توصیف و ترغیب میرے

عزیز معزز دوست جو اس کتب خانے کے نائب صدر ہیں نواب لیاقت جنگ بہادر کے واسطے چھوڑ دیتا ہوں۔

فقطا جو کسی بات کی قصیدہ خوانی سے بچنے کی مناسب و سہل ترتیب کے تذکرے سے جو میرے

سالہا سال کے تجربوں پر مشتمل ہے اپنی تقریر کو ختم کرتا ہوں۔

کتب خانہ آصفیہ جیسے بڑے شاندار کتب خانوں کی ہزار ہا کتابوں کی جمع، تفریق و ترتیب

کے طریقے جو اہم و پیچیدہ ہیں ان کی تقلید معمولی اور خانگی کتب خانوں کے لئے مناسب نہیں ہو سکتی۔

ایسے کتب خانوں کے واسطے ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہئے جو کتابوں کی تقسیم، ان کے مضمون کے لحاظ سے

بہت کم شعبے اور شاخوں میں ہو اور ہر کتب اس طور سے الماریوں میں رکھی جائیں کہ جس سے ایک جہتی

بھی سہل طور سے اپنی خواہش کی کتاب دو تین منٹ میں نکال کر پڑھ سکے۔ پچاس سالہ تجربے نے مجھے بتایا ہے

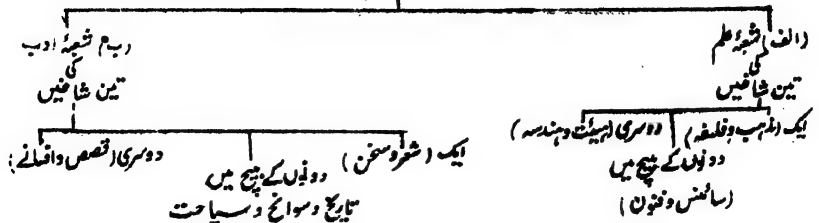
کہ فقہ اور قانون کے کتب، ڈکشنریاں، سائیکلو پیڈیا وغیرہ جیسے فقط ”حوالے کی کتابیں“ ایک طرف الگ کر دے کہ

دوسرے تمام ”مطالعے کی کتابیں“ محض دو (الف و ہ) باب اظہار میں تفریق کر دے کہ اور ہر شعبے کو تین شاخوں میں تقسیم کرنا

چاہئے۔ دوسرے الفاظ میں (حوالے کے کتب) (مضمرات) کے نام سے الگ رکھ دے کہ باقی جملہ

مطالعے کے کتب کے

دو شعبے شعبہ علم و شعبہ ادب



اگر ذرا غور کیا جائے تو ظاہر ہو گا کہ ادھر ادھر کبھی کبھی پڑھنے کے قابل کتب، لغت و دوا ارمعارف جن کا نام میں نے (حوالے کے کتب) رکھا ہے ان کو ایک طرف رکھ دے کر شروع سے اخیر تک یکساں مطالعہ کرنے کے قابل کتابیں جن کا نام میں نے (مطالعہ کے کتب) رکھا ہے، یہ سب کی سب چھ شاخوں میں منقسم ہوجاتی ہیں پہلا (الف) شعبہ علم کی تین شاخوں میں ایک (مذہب و فلسفہ) دوسری (ریاضت و ہندسہ) اور تیسری شاخ یعنی بیچ کی شاخ (اسائنمنٹ و فنون) کی ہوگی۔ یہ جملہ مطالعہ کی کتابیں مصنفوں کے نام کے سر حرف کے سلسلے سے تین یا چھ صدوں قریب یا الماریوں میں رکھی جاسکتی ہیں تاکہ ایک اجنبی بھی اپنے مطلب کی کتاب دو تین منٹ میں پا چن کر اٹھا سکے اور اسی طرح دوسرا (ب) شعبہ ادب کی تین شاخیں ہیں اس کی پہلی شاخ (شعر و سخن) کی ہوگی اس میں کلیات دوا دین، تبصرہ و تنقید کی کتابیں رکھی جاسکتی ہیں۔ شعر و مصنفین کے تذکرے اور مشاہیر کے سوانح و تیسری یعنی بیچ کی شاخ (تاریخ و سوانح و سیاحت) میں ہوں گے۔ شعبہ ادب کی دوسری شاخ میں برہنہ کے ناول و قصص اور کہانیاں ہوں گی اور جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے فقہ، قانون، نقشے وغیرہ ایک جدا گانہ ساؤتھ شاخ (متفرقات) کے نام سے رکھے جاسکتے ہیں۔

القسم آج میرا اصل مقصد اسی قدر ہے کہ اس کتب خانے کی افتتاح کی رسم کی ادائیگی کے وقت کتابوں کی ترتیب، تقسیم و تعریف کا ایک سہل طریقہ بتا دوں۔ اس کو میں نے بقول شخصے جیسا سد و بھائی اپنا کان بٹلے میں دیا ایک ٹیڑھے، ترچھے ٹھٹھکھانے طور سے بتادیا۔ اس سے اگر میں فاس جلسے کا وقت ضائع کیا ہے تو اس کا ذمہ دار میں نہیں ہوں، میرا بولٹھا پائے۔ اس ذمہ داری میں ڈاکٹر سید محی الدین صاحب قادری زور کا بھی بڑا حصہ ہے جنھوں نے اس تقویم پارینہ کو مخلصانہ اصرار سے صدارت کے لئے آمادہ کیا۔ اب میں عالی جناب صدر اعظم باب حکومت سے اقمس ہوں کہ اپنے دست مبارک سے اس اردو کتب خانہ اسلامیہ کا افتتاح فرما کر حامیان کتب خانہ کو ممنون اور حاضرین جلسہ کو مسرور فرمائیں اور میرا دلی شکریہ دوبارہ قبول فرمائیں۔

**میر محمد مومن** - عہد محمد قلی قطب شاہ و سلطان محمد قطب شاہ میں پیشوائے سلطنت اور وزیر مطلق تھے۔ دینی عروج کے علاوہ ان کی مذہبی سیادت و فضیلت بھی بہت مشہور ہے۔ انھوں نے ہزار ہا روپے کے صرفے سے ایک دائرہ بنایا تھا جس میں خاک کر ملائے علی پچھا دی تھی۔ اور یہ دائرہ اب تک ”دائرہ میر مومن“ کے نام سے حیدرآباد میں مشہور و معروف ہے۔ میر محمد مومن صاحب اعلیٰ پایہ کے فارسی شاعر بھی تھے اور حیدرآباد آنے سے قبل شاہ ابراہان کے استاد بھی رہ چکے تھے۔ ان کے نہایت تفصیلی اور تحقیقی حالات زندگی اس کتاب میں جناب ڈاکٹر سید محی الدین صاحب قادری زور نے اپنے دلچسپ اور مقبول عام اسلوب میں تحریر فرمائے ہیں۔ تقریباً تین سو صفحات مع تصاویر قیمت ۳۰ روپے

# حضرت شاہ ابوالبرکات رفاعی

حضرت حافظ سید شاہ ابوالبرکات غلام محمد زقم قدس سرہ سادات کاظمی سے تھے۔ آپ کے اجداد میں حضرت سید احمد کبیر معشوق اللہ رفاعیؒ اور حضرت سید علی سانگے سلطان شکل آسانؒ بہت مشہور و معروف گزرے ہیں۔ مورخ الذکر کی درگاہ قندھار شریف ضلع ناندیڑ میں زیارت گاہ خواص دانام ہے اور انہی کی اولاد و اخفاء اور اعزہ آج تک مالک محروسہ سرکار عالی کے اضلاع اور دیہات میں قاضی، غلیب، مفتی اور محنت جیسی دینی خدمات پر فائز ہے جس کے تذکرے تاریخ قندھار دکن اور تاریخ شاہیر قندھار میں شائع ہو چکے ہیں۔

حضرت شاہ ابوالبرکات کے دادا مولانا سید شاہ بدیع الدین رفاعی حضرت مولانا ابواللہ خاں نصیلت جنگ علیہ الرحمۃ کے استاد تھے اور والد حضرت صاحب عالم حاجی سید شاہ عنایت اللہ حصین شہید ایک صاحب باطن بزرگ اور حضرت پیر الہی بخش قدس سرہ کے رفیق طریق تھے۔ ان کے حالات زندگی اور کثرت و کمالات کا تذکرہ دکن کے مشہور موبخ ششی شمس الدین امیر حمزہ مرحوم نے ایک کتاب روح شہید زاہد غریب میں لکھ کر مطبع مفید دکن سے ۱۳۲۶ھ میں شائع کیا تھا۔

حضرت شاہ ابوالبرکات ۵ محرم ۱۲۹۵ھ کو تولد ہوئے اور جب ان کے پو یا قاضی محمد امیر الدین پوری نے مدرسہ نظامیہ کے بنار ڈالی تو اس میں مولانا محمد عبدالکریم افغانی سے تفسیر اور مولانا محمد یعقوب ہندی سے فقہ اور مولانا محمد عبدالوہاب محدث نقشبندی استاد حضرت سید نور الدین شاہ قادریؒ سے حدیث کی تعلیم پائی۔ عنوان مشاب میں شعر و شاعری کا ذوق پیدا ہوا تو میر تراب علی دور مرحوم کے شاگرد ہوئے۔ چنانچہ زعم نفس انہی کا عطا کردہ ہے۔ شاعری کے علاوہ نیو الفریڈ کینی میسی نامکوں کے لئے ڈرامے بھی لکھے۔ لیکن پچیس سال کی عمر میں قبرستان کی ایک آواز اور مولانا عبدالوہاب محدث کے فیض صحبت سے طبیعت نے یکایک بظاہر یا اور قرآن شریف حفظ کر لیا۔ اس کے بعد اپنے دیوان اور ڈراموں کو نذر آتش کر کے اور صدر محاسنی کی سرکاری ملازمت ترک کر کے ۱۲۲۳ھ میں وعظ و رہنمائی کی خاطر حیدر آباد سے نقل کھڑے ہوئے۔

آپ کو اپنے والد ماجد سے سلسلہ رفاعیہ و قادریہ کی، مولانا عبدالوہاب محدث سے سلسلہ نقشبندیہ کی اور مولانا نصیلت جنگ سے سلسلہ چشتیہ کی بیعت و خلافت حاصل تھی۔ جب آپ کے وعظ اور رشد و ہدایت سے خلق اللہ فیض یاب ہونے لگی اور لوگ جوق در جوق تشریف لائے اور بہت سے لوگ آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے تو آپ کے بعض احباب و معتقدین نے حضرت نصیلت جنگؒ سے کہہ کر آپ کو سرکاری واعظ مقرر کر کے تیار روپے ۱۰ جوار دلائی چاہی مگر آپ نے اس قید و بند کو پسند نہ فرمایا اور اپنی خانقاہی جاگیر اور زمینات کی مختصر آمدنی اور توکل پر اکتفا کیا اور اپنے عدا امجد حضرت سانگے سلطانؒ کی طرح تمام عمر سیر و سیاحت اور رشد و ہدایت میں صرف کی۔ اسی مناسبت سے علاقہ مرہٹوڑی کے بعض معتقدین آپ کو سانگے سلطان ثانی کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔



حضرت نہایت نیک باطن تھے۔ ہر شخص سے سادگی اور خلوص سے ملنے اور بڑے سے بڑے دنیا دار کے آگے بھی صاف گوئی اور پند و موخت سے دریغ نہ کرتے تھے۔ جو دل میں ہوتا وہی زبان پر ہوتا۔ کبھی دنیا داری اور شان و شوکت کو پسند نہ کیا اور نہ اصحابِ ہاہ و خروت کو خاطر میں لائے۔ ہمیشہ خوش پوشاک اور خوش خوراک رہے۔ اتنے سرح و سفید اور وجہ تھے کہ علاء الدین کے جنگِ عظیم کے دوران میں جب خیر مدراس میں آپ کی مجالس و عظمیٰ سارا شہر ٹوٹ پڑنے لگا تو اگرچہ عہدہ داروں کو شبہ ہوا کہ آپ ترک ہیں اور سلطانِ ترکی نے جاسوسی اور ہندوستانی مسلماؤں کو اپنا موبد بنانے کے لئے آپ کو ہندوستان روانہ کیا ہے۔ اس لئے آپ کو نظر بند کر دیا گیا تھا لیکن جب مولانا قطبیت جگت نے حکومت مدراس کو یقین دلایا کہ حضرت ان کے عزیز ہیں اور حیدر آبادی ہیں تو نظر بندی سے رہائی پائی۔

حضرت شاہ ابوالبرکات ہمیشہ نماز باجماعت ادا کرتے اور رات میں بہت کم سو تے تھے۔ آپ کا ارشاد تھا کہ آدھی رات کے بعد کی عبادت اور دعا خدا کے پاس بہت مقبول ہوتی ہے۔ شام کی نماز کے بعد آپ مسجد ہی میں دیر تک اور آدھ ظہر میں مشغول رہ کر بڑی رات کو گھر واپس ہوتے اور گھنٹہ دو گھنٹہ آرام کر کے تہجد و اشراق کے لئے پھر مسجد تشریف لے جاتے۔ جب بھی حیدر آباد میں ہوتے تو عصر کی نماز سے مغرب کی نماز کے بعد تک اپنے والد حضرت صاحب عالم شہید کی طرح چوک کی مسجد ہی میں الشریف رکھتے۔ سواری کے مقابلہ میں پیدل چلنے کو پسند فرماتے اور جہاں کہیں سفر پر تشریف لے جاتے تو امیروں اور عہدہ داروں کے مقابلہ میں غریبوں کے یہاں قیام کرنے کو ترجیح دیتے۔

حضرت کی آواز میں خاص درد اور اثر تھا اور طرزِ بیان اتنا با اثر ہوتا تھا کہ آپ کی مجلس و عظمیٰ سامعین پر بے اختیار رقت طاری رہتی تھی۔ چونکہ حافظہ قرآن ہولے کے سوا حضرت اعلیٰ یانے کے قاری بھی تھے اس لئے ہر رمضان میں آپ کے متفقین تراویح کے لئے دور دور سے ملاتے اور آکر سنے جاتے تھے۔ اس دورِ مدائے دیہانت اور عطاء گزار مقامات تک پہنچ کر رشید دیہانت کرنے میں حضرت نے جو تہمتیں لگائیں اور ہزار مسلمانوں کو جو اصلاحِ عالی کی طرف راغب کیا اور سیکڑوں کو حلقۂ اسلام میں شامل کیا ان سب کی تفصیلات حضرت کے نو و مشتمل سوانحِ حیات میں درج ہیں جو چار ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے اور حضرت کے فرزند و اکابر سید علی الدین قادری صاحبِ رتہ کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔

حضرت کی آپ بیتی چالیس پچاس سال قبل کے مذہبی و معاشرتی حالات کا ایک آئینہ ہے کیونکہ اس میں ہر مقام کی تعلیمی خصوصیات اور وہاں کے مسلمانوں کے حالاتِ شرح و بسط سے بیان کئے گئے ہیں۔ حضرت نے نہ صرف مالکِ محروسہ کی اصلاح اور دیہانت کو اپنے سوا عطا حسنہ سے فیض یاب کیا بلکہ سندھ سے آسام اور بنگالہ سرحد سے لے کر ملک کے طولی دور سے گئے۔ برا اور جزائرِ مشرقِ الہند میں بھی اپنا فیض پہنچایا۔ یوں تو ہر شہر اور قصبہ میں آپ کے مدید و معتقد موجود ہیں لیکن مدراس، میسور، چنای، ممبئی، پونا، ناگپور، ممبکتہ، کراچی، بیدر، گلبرگ اور اننگ آباد میں آپ کے مدین کثیر تعداد میں ہیں۔

غرض حضرت شاہ ابوالبرکات نے مسلسل چالیس سال سیر و سیاحت اور پند و موخت میں گزار دیئے۔ کبھی چند روز کے لئے حیدر آباد تشریف لائے تو یہاں بھی مختلف محلوں میں مجالس و عظمیٰ کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ اور

جب کبھی عید وطن میں ہوتی تو حضرت پرانی عید گماہ طلب شاہی میں وہاں سے منٹولی شاہ عبدالعزیز مرحوم کے اہلکار پر نماز پڑھاتے۔ یہ سلسلہ حضرت کی جلالت اور وفات تک برابر جاری رہا۔ آخر کار یہ اصغر علی شاہ کو حضرت کا وہاں ہوا اور مسلم جنگ پیل کے کاؤزی حضرت کی نشان دہی جگہ پر تین مل میں آئی۔ جس پر ایک گنبد تعمیر ہو چکا ہے۔ حضرت کا عرس ہر سال ۶۵ اور ۷۰ ربیع الاول شریف کو ہوتا ہے۔

حضرت شاہ ابوالبرکات قدس سرہ نے اپنی زندگی ہی میں اپنے غیرہ سید شاہ نقی الدین احمد صاحب قادری ابن واکرہ سیدی الدین قادری زور کو سپردہ مقرر فرمایا تھا اور ان کو اپنے والد حضرت سید شاہ عنایت الدین صاحب کے نام پر "عنایت پاشاہ" سے محفل فرمائے گئے اور ہدایت نصی کر میاں ابھی خورشید سال میں ان کی علمی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا جا رہا۔

استاد العالی علامہ حضرت مولانا مولوی محمد عبدالقدیر صاحب صدیقی حضرت سابق صدر شعبہ دینیات جامعہ مظاہر العالی علیہ السلام کے عرس شریف میں تشریف فرما ہوئے۔ تو میاں عنایت پاشاہ صاحب ممدوح کو طلب فرما کر اپنے دست مبارک سے سجادگی کی تکبیل فرمائی۔ اس موقع پر علماء و مشائخین اور علماء شہر مثلاً حضرت مولانا سید محمد دہشاہ جبینی صاحب متمدن مجلس علماء دکن مولانا سید شاہ ولی اللہ حسینی صاحب متمدن مجلس پیشوایان مذہب مولانا سید محمود مجددی صاحب جناب سجادہ صاحب لنگر حوض، نواب عزیز نواز جنگ بہادر صدرالہمام عرف خاص مبارک، نواب معین نواز جنگ بہادر مستند سیات، مولوی قاضی شہزاد زین العابدین صاحب ناظم آبکاری، مولانا سید احمد حسین صاحب افتخار، مولوی سید محمد حسین صاحب آزاد، مولوی محمد منیر الدین صاحب قاضی پربھنی درگاہ شریف میں شریک مجلس تھے۔

## تفا مجددی

## مشاہیر قندہار دکن

اس تذکرہ میں مولوی اکبر الدین صدیقی صاحب ایم اے نے دکن کے مشہور و معروف اور مردم خیز خطہ قندہار شریف کے معزز خاندانوں اور ان کے باکمال و مایہ ناز افراد کا اجمالی خاکہ کھینچتے ہوئے پروفیسر عبد المجید صاحب صدیقی اسناد تیار کی جامعہ عثمانیہ کالج بصرہ افروز مقدمہ اس کے ساتھ شائع ہوا ہے۔

قندہار شریف دکن کا بلگرام سمجھا جاتا ہے اور محمد تعلق کے زمانے سے آج تک وہاں کی سرزمین سے بڑے بڑے اولیاء و علماء و شہرہ اور مشاہیر پیدا ہوتے رہے ہیں دکن کے مختلف شہروں اور قصبوں میں قاضیوں، خطیبوں، محققوں اور دیگر اہل فداات شریعہ کے جو خاندان آباد ہیں۔ ان میں سے اکثروں کا تعلق قندہار شریف ہی کے بزرگوں سے ہے اس لئے یہ کتاب دکن کے شرق اور بزرگوں کا ایک مستند اور مبسوط تذکرہ بھی جاسکتی ہے اور اس کے مطالعہ سے یہاں کی علمی و ادبی تہذیب بھل کا اندازہ ہو سکتا ہے (قیمت ۵۰)

# احساس

وہ مرے واسطے بے تاب و پریشاں ہوگی  
 بزمِ تنہائی میں وہ سرگرمیاں ہوگی  
 میری فرقت میں محبت سے پشیاں ہوگی  
 اس کو رہ کے مری یاد ستاتی ہوگی  
 دلِ معصوم پہ بجلی سی گراتی ہوگی  
 خوفِ دنیا اسے رونے بھی نہ دیتا ہوگا  
 دردِ دل راتوں کو سونے بھی نہ دیتا ہوگا

شکوہ وہ کاتبِ تقدیر سے کرتی ہوگی  
 چھپ کے باتیں مری تصویر سے کرتی ہوگی

کسی پہلو بھی اُسے چین نہ آتا ہوگا  
 سوزِ فرقتِ دلِ مضطر کو جلاتا ہوگا  
 رازِ ہم جویوں سے کہہ بھی نہ سکتی ہوگی  
 وہ بغیر آہ و فغاں رہ بھی نہ سکتی ہوگی  
 چاند کے سینے میں ظلمتِ نظر آئی ہے مجھے  
 بے قراری مرے دل کی یہ بتاتی ہے مجھے

وہ مرے واسطے بیتاب و پریشاں ہوگی

جبریل



## ادارہ ادبیات اردو کی کتابیں

قیمت	تعداد	نام کتاب	قیمت	تعداد	نام کتاب
۰ ۴ ۰	۴۸	صح کا جادو	۰ ۰ ۲	۱۲۸	سرگزشت حاتم
۰ ۸ ۰	۶۸	طبیعیاتی کالٹا	۰ ۸ ۰	۹۴	سرگزشت غالب
۰ ۱۲ ۰	۱۲۴	مقام سخن	۰ ۶ ۰	۴۰	نظام الملک
۰ ۱۲ ۰	۱۲۲	کیف سخن	۰ ۸ ۳	۳۳۰	تاریخ گولکنڈہ
۰ ۱۲ ۰	۱۲۷	پادہ سخن	۰ ۰ ۱	۱۶۰	ریڈیو نمبر (۸ تصاویر)
۰ ۱۲ ۰	۱۵۲	سراج سخن	۰ ۱۲ ۰	۱۲۰	ارمغان جذب
۰ ۱۲ ۰	۱۴۰	ایمان سخن	۰ ۴ ۰	۴۸	سونیلی مان
۰ ۱۲ ۰	۱۴۴	فیض سخن	۰ ۲ ۰	۱۶	سر سید احمد خان
۰ ۰ ۵	۵۰۰	موقع سخن جلد اول (۵۵ تصاویر)	۰ ۶ ۰	۴۸	سر سالار جنگ
۰ ۰ ۵	۴۳۲	" دوم (۵۰) "	۰ ۴ ۱	۱۴۵	عربی تصانیف کے اردو تراجم
۰ ۰ ۱	۱۷۵	نقد سخن	۰ ۴ ۱	۱۳۲	محبوب کی چھاؤں
۰ ۸ ۲	۲۴۸	نذر ولی	۰ ۴ ۱	۲۶۸	(قبال نمبر
۰ ۰ ۲	۱۹۲	گریو و تبسم	۰ ۰ ۱	۱۱۲	سائنس کے کرمے
۰ ۰ ۱	۱۸۳	مشاہیر قندھار دکن	۰ ۳ ۲	۲۳۰	شعراۃ عثمانیہ
۰ ۰ ۱	۱۴۵	سن کی دنیا	۰ ۸ ۲	۳۰۰	مکتوبات شاد عظیم آبادی
۰ ۸ ۱	۱۹۶	مدرس میں اردو	۰ ۲ ۰	۱۶	دادا بھائی
۰ ۰ ۱	۱۱۲	معصوم ذمہ	۰ ۰ ۲	۲۰۰	اردو نامہ
۰ ۳ ۱	۱۵۳	نذر دکن	۰ ۱۰ ۰	۸۵	حدود آباد
۰ ۸ ۲	۱۴۰	روح غالب	۰ ۶ ۰	۴۰	عماد الملک
۰ ۳ ۱	۲۰۰	عام صم	۰ ۶ ۰	۵۶	اردو دانی کی پہلی کتاب
۰ ۶ ۰	۵۶	دفتری معلومات	۰ ۶ ۰	۵۶	" " دوسری کتاب
۰ ۶ ۰	۴۸	آبدوز کشایان اور سرنگ	۰ ۰ ۲	۲۰۰	محمد حسین آزاد
۰ ۱۲ ۱	۱۴۳	اردو مثنوی کا ارتقاء	۰ ۴ ۱	۱۳۰	کاغذ کی ناؤ
۰ ۸ ۱	۲۱۶	نمود زندگی	۰ ۱۲ ۰	۹۲	فن تقریر
۰ ۱۲ ۰	۳۰۰	سرگزشت ادارہ	۰ ۰ ۱	۱۴۳	مقدمہ تاریخ دکن
۰ ۸ ۲	۳۱۲	میر محمد مومن (۲۴ تصاویر)	۰ ۸ ۳	۱۳۰	ہندوستانی تمدن
۰ ۳ ۰	۳۲	ہلقاں	۰ ۱۰ ۰	۸۰	پودوں کی کہانی
۰ ۱۲ ۰	۱۱۳	خطابیات	۰ ۰ ۱	۱۰۰	سم لقا
۰ ۰ ۱	۱۵۰	علم خانہ داری	۰ ۶ ۰	۴۸	پانی کی کہانی
۰ ۸ ۱	۱۱۸	چوٹی (۱۶) تصاویر	۰ ۸ ۲	۳۹۰	رسائل طیبہ
۰ ۸ ۱	۱۶۸	انوار	۰ ۴ ۰	۴۰	حک گوہرین
۰ ۱۰ ۰	۸۰	نشمش دانی (۴) تصاویر	۰ ۸ ۱	۱۷۲	تاریخ ادب اردو
۰ ۳ ۱	۱۲۸	گارساں دتاسی	۰ ۸ ۰	۵۶	اشوک اعظم
۰ ۰ ۱	۱۶۸	رات ابھولا	۰ ۰ ۱	۸۲	پانیں
۰ ۳ ۰	۲۴	سکندر جاہ	۰ ۸ ۲	۲۱۸	یورپ جنگ سے پہلے
۰ ۸ ۰	۵۲	بلاغت	۰ ۸ ۲	۱۷۹	شہد انبال
۰ ۸ ۰	۲۰۰	ادارہ سنہ ۱۹۳۱ء میں	۰ ۰ ۱	۱۰۲	اریائی زبانیں
۰ ۲ ۰	۲۴	ناصر الدولہ	۰ ۴ ۰	۳۰	نظام علی خان
۰ ۴ ۰	۳۲	افضل الدولہ	۰ ۰ ۵	۲۹۰	نذرہ اردو مخطوطات جلد اول
۰ ۴ ۰	۳۲	نواب میر محبوب علی خان	۰ ۱۰ ۰	۵۶	عرب اور عربستان





سبیل







# ادبیۃ ادبیات اردو حیدرآباد دکن کا ماہ نامہ

زیر نگرانی  
ڈاکٹر سید محی الدین قادیانہ  
مجلس ادارت  
خواجہ حمید الدین شاہد ایم اے  
سیکریٹری سیکرٹری

## سب رس

شان شمسہ صفیہ ۱۵۳  
شان سید پرواز نسیم ۲۹۵  
شلیفین نمبر ۲۰۹  
چند رسالہ چار روزہ  
بجوں کا رس ایک روزہ

جلد ۹ بابت مئی ۱۹۴۶ء شمارہ ۵

۱	شعرونظم	۱	مگر مراد آبادی
۲	ترقی پسند ادب	۲	محمد منظور احمد ایم اے (ادبی)
۳	محوالی دوزخ	۳	پروہ فرخورد ایم اے
۴	وحی اور ابن شیطانی کے اسباب کا موازنہ	۴	محمد معین الدین ایم اے (عثمانیہ)
۵	نقادوں سے	۵	سلام علی شہری
۶	دہ دہ عورتیں	۶	ابجہ رستم زئی ایم اے (عثمانیہ)
۷	قافیہ کی صنعتی قدر و قیمت	۷	حفیظ قتیل ایم اے (عثمانیہ)
۸	تلقین	۸	جہیل (جیلپر)
۹	استغفار	۹	جیل بک
۱۰	تعارف	۱۰	کلب ابن (عثمانیہ)
۱۱	غزل	۱۱	قتیل شکاری
۱۲	فکرت	۱۲	ابوالنظر عون الشرف
۱۳	غزل	۱۳	سید غوث الدین عینی
۱۴	غزل نسیم	۱۴	سید محی الدین احمد ایم اے (آخری)
۱۵	غزل	۱۵	عبدالعزیز فطرت (راولپنڈی)
۱۶	آرٹیکل میں سن کار کی شخصیت کا عکس	۱۶	انجمن علی
۱۷	نہ زبانی	۱۷	سہام مرزا
۱۸	تضمین برقصیدہ سعدی	۱۸	میر محمد اشجاء الدین بہر
۱۹	شعریہ فلسفہ آمیزہ	۱۹	سید علی منظور
۲۰	تفتیش و تبصرہ	۲۰	زیر نگرانی

خواجہ حمید الدین شاہد ایم اے کے اہتمام سے مجموعہ پیشین پرکس میں چکر فرشتل خیرت و شادمانہ

## شعر و نغمہ

اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں  
اب لفظ و بیاں سب ختم ہوئے ابیدہ و دل کا نہیں  
یار بے یقین عشق ہے کیا گودیدہ و دل ناکام نہیں  
کیوں ست شرابِ میثِ طرب تکلیفِ توجہ قرار نہیں  
آنا ہے جو زہمِ جانان میں پندارِ خودی کو توڑ کے آ  
ہر خطِ قصہ و پیشِ نظر ہر جنتِ نطفہ راہِ ماضی  
زاہنے کچھ کس انداز سے پی ساقی کی گاہیں پرے  
عشق اور گوارا خود کر لے بے شرطِ شکستِ عاشِ اپنی  
اس حسن کا شکوہ کیا کیجئے محدود ہے جس کی اک دنیا  
سب جس کو اسیری کہتے ہیں وہ تو ہے اسیری ہی

فیضانِ محبتِ عام تو ہے عرفانِ محبتِ عام نہیں  
عشق ہے خودِ بیخام اپنا اب عشق کا کچھ بیخام نہیں  
تسکین ہے اور تسکین نہیں آرام ہے اور آرام نہیں  
آوازِ شکستِ دل ہی تو ہے آوازِ شکستِ جام نہیں  
لے ہوش و خرد کے دیوانے یاں ہوش و خرد کا کام نہیں  
پھر بھی ہے وہ کیا شے سینے میں مکن ہے آہِ عام نہیں  
میکش ہی اب تک سمجھ تھے شائستہ دورِ جام نہیں  
دل کی بھی کچھ ان کے سازش تھی تنہا یہ نظر کا کام نہیں  
اُس سنی طلب کو کیا کہئے جو سنی طلب ناکام نہیں  
وہ کونسی آزادی ہے یہاں جو آپ خود اپنا دوا نہیں

پینے کو تو سب پیتے ہیں جگرِ مینا نہ فطرت میں لیکن

مخروم نگاہِ ساتی ہے وہ رند جو درِ دہشتِ م نہیں

جگر مراد آبادی

مراد افغان حسین صدیقی  
(مراد آبادی)

(ایڈیٹر کا مضمون نگاری کرنے سے متفق ہونا ضروری نہیں)

## ترقی پسند ادب

انتہائی اہم مقام دیئے چلے جا رہے ہیں جن کی طر امتی میں طبقہ اعلیٰ نے کسی قدر توجہ کے اخلاص شان مسجد آج مزدوروں کی بین الاقوامی انجمن قائم ہیں اور ان بیداری پیدا ہو رہی ہے۔ اسی لئے ان کی آواز پر بہت زیادہ توجہ دی جانے لگی ہے۔ موجودہ صنعتی دور یا صنعتی دور میں مزدوروں کی ضرورت کا لحاظ کرتے ہوئے خود کو زیادہ بحال پر زور دینے کی ضرورت کا لحاظ کرتے ہوئے ضروری سمجھتے ہیں۔ جو صنعتی کا منظر و نظریہ شوشہ دہاویوں میں کمزوروں پر منظر کو دیکھ کر یہ نظریہ قائم کرنے پر مجبور ہوا تھا کہ قدرت انہی ہے۔ اس کی سمجھ میں یہ بات نہ آ سکی کہ دنیا میں ظلم و استبداد اور ناگہانی وحشت و بے ایمانیوں غریبوں اور کمزوروں کے حصے میں آئے ہیں اور کیوں ہر شخص کو اس کی محنت کا صلہ یا معاوضہ صحیح اصول پر نہیں دیا جاتا جس کی وجہ سے غریبوں کی غربت میں اور امیروں کی امارت میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ شوشہ دہاویوں کی آنکھوں نے ہر جگہ انصاف کا خون بہا ہوا دیکھا اور کمزور پر طاقتور کے مظالم کا مشاہدہ کیا۔ اسی وجہ سے دنیا کے حالات سے وہ ایسے سنا ہوئے اور قنوطیت اس کے دل و دماغ میں راہ پا گئی۔ لیکن جو صنعتی کے ایک فلسفی حکیم لٹلٹ کے خیال ہے کہ دنیا میں کمزوروں کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے اور زندگی کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ ہم اقلیت اور اقل کریم کش کش برائے اقتدار کو وہ لازمہ حیات سمجھنا۔ یہ حقیقت ہے کہ پستی ہوشہ بندی کی دشمنی کو لیکن بلند بننے کی پستی کا ہوشہ خیال رکھا اور اس کی اصلاح دھندوں میں کوشاں رہی ہے۔

دنیا میں دولت مند طبقہ مختصر رہے لیکن اس کا وجود ہر حال ہر زمانے میں رہا اور اس کا رہنا ضروری بھی ہے۔ سماج میں فوق مراتب ہمیشہ رہے اور سماج اگر سماج میں تمام افراد کو غذا فراہم کرنے کے انتظامات

ادب زندگی کا آئینہ ہوتا ہے۔ زندگی اور وہ بھی نظم و انعام کی زندگی ہمیشہ عبوری دور سے گزرتی نظر آتی ہے۔ ایسے ہر آن اور ہر دم ایک نئی کروٹ اور ایک متاثر رخ اختیار کرتی ہے۔ ایسے وقت نئے پہلو بدلتے والی زندگی کہ قدرت کو خاطر میں نہ آ سکتی۔ اس کے خیال میں (جیسے یہ خیال غلط ہو یا درست) یہی قدامت غلامی کے بندھنوں کو مضبوط دلتی ہے۔ اس لئے ایسی فضا میں زندگی انسان اور ایسے بندھنوں میں جڑا ہوا انسان ہر وقت اور ہر لمحہ اپنی ہی چیزوں کو برقی نرس سے دیکھتا ہے۔ وہ ہر شے کو تنقیدی نقطہ نظر سے دیکھتا ہے۔ یہ سوال کرتا ہے کہ یہ چیز آزادی کی راہ میں عہد معارف ہے یا مشکلات کا باعث بن رہی ہے۔

اس نقطہ نظر سے اچھی چیزوں کو حیات نو بخشی جاتی ہیں اور بری چیزوں کو مٹا دیا جاتا ہے۔ حیات غلط کی طرح مٹا دیا جاتا ہے۔ آج اردو ادب کی دنیا ادب اختیار کر رہا ہے۔ ترقی پسند ادب مجسم تھا ہر شے کے ہیں۔

ترقی پسند ادب اور اس سے پہلے کے ادب میں بے انتہا تباہی چیز ہے کہ ترقی پسند ادب میں طبقہ سوم یا پست ترین طبقے کی زندگی کو پیش کیا جاتا ہے۔ اس کا مقصد اس طبقے کی ناقصیت و حالت کو پیش کر کے قوم کو اس کی اصلاح کی طرف متوجہ کرنا ہے۔ یہ اس لئے بھی اچھا ہے کہ دنیا کی آبادی کا بڑا حصہ افلاس زدہ افراد پر مشتمل ہے اور یہ کیفیت بالخصوص ہندوستان میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔

آج کل دنیا کے بدلتے ہوئے حالات طبقہ اعلیٰ کو

بھی میرے ہوجائیں تو میری فرق مراتب نظام زندگی کو بچانے کے لئے بعد ضروری ہے۔

قوموں کی قیادت کے لئے طبقہ اعلیٰ ہی سے بہتر افراد اٹھتے ہیں اور قیادت کی باگ دراصل ان ہی کے ہاتھ میں ہوتی بھی چاہیے جو بہترین دماغ رکھتے ہوں لیست طبقہ کے افراد سے ایسی توقعات والے نہیں کی جاسکتیں۔ اگر کسی قوموں کی قیادت طبقہ اعلیٰ کے افراد میں سے کسی نے کی بھی ہے تو اسی صورت میں جبکہ اس میں طبقہ اعلیٰ کی بہترین خصوصیات پیدا ہوئیں۔ یعنی اپنی ذہنی صلاحیت پاکیزہ اخلاق، جرات و ہمت، وسعت نظر وغیرہ۔

قوم کے افراد بیہوش کر لیا ہیں۔ ان کی نگاہ بانی کرنے کے لئے ایک گلابان کی ضرورت ہوتی ہے۔ قوم میں لیڈر کا ہونا بہر حال ضروری ہے جس کے علم کے سبب بلا امتیاز سر تسلیم خم کروں۔

ان کو سننے نے طبقہ اعلیٰ اور طبقہ اعلیٰ کے لئے ایک ہی اچھی مثال دی ہے۔ وہ انھیں انسانی جسم کے اعضاء سے تشبیہ دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ انسانی جسم میں مرکز ملزما مقام پر ہوتا ہے اور پیرینٹھ ہی ہوتے ہیں۔ مرکز کا ملزما مقام پر ہونا ضروری ہے۔ اور پیرینٹھ ہی رہیں تو اپنا فرض بخوبی انجام دے سکتے ہیں۔ دماغ کو اس نے ملزما مقام پر رکھا گیا ہے کہ وہ انسان کی بہت اہم خدمت انجام دیتا ہے لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہیے کہ ہمیں پیر کی اہمیت سے منکر ہے۔ ہمیں پیر کی پراہد نہیں ہے۔ ہم نہیں بھی اپنی بقا کے لئے ایسا ہی ضروری سمجھتے ہیں جیسے دماغ کو کہ ہمیں ہمارا گناہ صرف اس قدر ہے کہ سراسر مقام پر اور پیر اپنے مقام پر رہیں تو زندگی کی یہ گاڑی بغیر موٹی ہو جاتی ہے وہ سارا نظام زندگی درہم برہم ہوجائے گا۔

ترقی پیدا کرنے کے لئے خاص طور پر ضروریوں کی تائید میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ عقیدہ رکھنے کے پاؤں کبھی سر نہ جھکیں چاہتے لیکن ان کی حفاظت آپ کا کارہا اور

سب کا فرض ہے۔ اگر انھیں یوں ہی برہنہ چھوڑ دیا جائے گا اور محض یہ سمجھ کر ان کا کام ہی چلنا ہے تو پھر یہ گروہ ہوجائیں گے اس پر بھی جنہم پوشی کی جائے گی تو ان میں آج بڑے بڑے جاس گئے اور نتیجہ آپ جیسے پھرنے سے معذور ہوجائیں گے۔ اور اس سے آپ ہی کی رفتار ترقی میں خلل واقع ہوگا۔ اس لئے ہر کی حفاظت کیجئے تاکہ آپ نہایت تیز رفتاری سے صدائے عمل میں گامزن ہوں۔ پاؤں کو ٹوٹنے نہیں کیونکہ انھیں تو درگزر آپ اپنی ہی شاہی کاسان رکھتے ترقی پسند ادب کے متعلق ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ اس کی بنیاد وراثت پر رکھی گئی ہے۔ اس کے متعلق یہ عرض کرنا بہت کافی ہے کہ سماج کے جس طبقہ کو اس ادب میں پیش کیا جا رہا ہے وہ خود وہ اخلاق کی حد میں توڑ چکا ہے۔ اس لئے اگر جدید ادب کے اس حصے میں عریانیات آج کے زمانہ ہوں چیز عا کوئی اچھی بات نہیں جب اس طبقہ کی اصلاح ہو جائے گی تو ادب بھی اصلاح پا جائے گا۔ ترقی پسند ادب کے حامی یہ کہتے ہیں کہ وہ اس ادب کے ذریعے انسانوں کی زندگی کو پیش کرتے ہیں۔ ایسے انسانوں کی فن کی تعداد سو سائی میں عوام بہت زیادہ ہوتی ہے اور یہ کہ ادب کو انسانوں سے متعلق رہنا چاہیے، انسانوں سے ہٹ کر جس چیز کو پیش کیا جائے گا، وہ نظر انداز کرنے کے قابل نہیں۔ لیکن ان کے اس خیال کی تردید میں یہ حقیقت بیان کی جاتی ہے کہ ادب کو اس طرح کہ وہ موضوع کا پابند نہ بنائے ادب عالم پر ہوتا ہے۔ اس میں ساری کائنات کو سمجھ دیا جاسکتا ہے۔ اور سمجھ دیا جانا چاہیے۔ ادب میں انسانوں کی زندگی ضرور پیش کی جاسکتی ہے لیکن انسان کا حلق صرف انسانوں ہی سے نہیں ہے بلکہ جو کہ وہ صاحب عقل اور تمام مخلوقات میں اشرف و افضل ہے اس لئے وہ ساری دنیا سے اپنے آپ کو متعلق بنا رہے۔ فطرت کے حین مناظر اس کے دل پر نشاۃ ہوئے ہیں۔ کبھی قومی تائید قدرت اس کی مزاحمت کرتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ مختلف موسم اس کی طبیعت پر مختلف

اثرات پیدا کرتے ہیں۔ انسانی ریت کی نیرنگیاں، جذبات، منہزت اور نظری مناظر سے متاثر ہونے کی صلاحیت سے اس کا دل بھی سرور اور کچھ غموم ہوتا ہے۔ ادیب سے ہرگز جذبات محبت جو انسان حیوان، کمالات و جمادات اخروی کائنات کی بے شمار چیزوں سے اس کی وجہ سے حرکت میں آتا ہے اس کے دل و دماغ کے ساکن ہمدردینا احساس و عقل کی لہریں پیدا کرتا ہے جن کے اظہار پر وہ اپنے آپ کو مجبور ہوتا ہے۔ اسی لئے ہاری شاعری بلکہ دنیا کی تمام زبانوں کی شاعری میں قدتی نظر کے برتار، موسم بہار کے مدح، برسات کی برکتوں کو بیان کرنے والے حسین مناظر سے لطف اندوز ہونے کے اپنے پیش ہوا اثرات کو پیش کرتے چلے آئے ہیں۔ یہ تمام جذبات ہر انسان کی فطرت میں دوامیت کے لئے ہیں جو اعتدال و انانیت سے یاد دہرے و دور سے کبھی فنا نہیں ہوتے اس کے برخلاف ایسے موضوعات کو شاعری کا واحد موضوع بنانا جو وقتی اور شگفتگی میں جن کی اہمیت عارضی ہے جیسے مزدوروں کی مشکلات، امدان کے مصائب، ایک فن کی ناگفتہ بہ حالت یا ملک میں جمالت کا دور دورہ جو بالکل شگفتگی میں اور جنھیں محو شدہ ہو کر کسی کش اور بد و جہد کے بعد دور کیا جا سکتا ہے ادیب جیسی بلند مرتبہ اور اعلیٰ ترین شے کے شایان شان نہیں۔ ادیب میں لافانی احساسات و جذبات اور تاخاوت کو بیان کی جاتا ہے ادیب کا موضوع محدود نہیں ہوتا۔ وہ کسی ایک سماج کی ترجمانی نہیں کرتا۔ وہ کسی ملک کے ایک خاص طبقے کی نمائندگی نہیں کرتا۔ وہ سب کے لئے ہوتا ہے۔ وہ ہر دور اور ہر زمانے کے لئے ہوتا ہے۔ وہ زمان و مکان کی قید سے آزاد ہوتا ہے۔ ادیب مذہب و ملت، رنگ و دل کی تفریق سے بھی زیادہ بلند مقام پر ہوتا ہے۔ بہترین ادیب چاہے وہ کسی زبان میں ہوا اور کسی قوم کی ہو، کسی اس زبان اور اس ملک یا قوم کی میراث پر ہوا کہ نہیں رہتا بلکہ وہ سورج کی طرح بلند ترین مقام پر ہونے کی اپنی شاعری سے دنیا کے چپ چپ کے انسانوں کے دماغوں اور

دلوں کی تلیکی کو دور کرتا ہے۔ ایسے ہی ادیب کو اعلیٰ ترین ادیب کہا جا سکتا ہے۔ اور ایسے ہی ادیب کے پیدا کرنے والوں کی ہمت افزائی کی جاسکتی ہے۔ موسموں کے تغیرات، انسانی طبائع کے تغیرات، عمر کی زیادتی یا کمائی میں سے کوئی چیز بھی ایسے ادیب کی ضرورت اور لطف و اثر کو کم نہیں کر سکتی۔ ترقی پسند ادیب برلین داروں کے دشمن ہیں۔ ان سے دولت چھین کر وہ طبقہ اسفل میں تقسیم کر دیتا ہے جس میں کمزور سماجی گروہ اور لوگوں کی ضرورت ہے۔ طبقہ اسفل کی اصلاح بہت تک متعہ ہے۔ ان کے معیار زندگی کو واقعی بلند کرنا چاہئے۔ ان میں زندگی کا احساس اور سوسائٹی میں ان کی اہمیت کا صحیح احساس پیدا کرنا بھی ہمارا فرض ہے۔ لیکن اس کاٹے اگر ہم ملنی پر رہنے والے چند افراد کو پستی کی طرف متوجہ لائیں تو اسے کسی طرح ترقی کا نام نہیں دیا جاسکتا۔ ہمیں زندگی کو بلندی کی طرف لے جانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اگر ملنی کو بھی ایسے کے برابر کر دیا جائے تو اس کے معنی ہوں گے کہ انسانیت ہزاروں سال کی بدوہد کے بعد جس مقام تک پہنچ چکی ہے وہاں سے اسے پیچھے کی طرف پلٹنے پر مجبور کیا جائے۔ یہ ترقی پسند کسی قوم کے لئے بھی خالی نیک نہیں۔ آگے بڑھتے ہیں زندگی بجاوے دیکھتے ہیں موت، مذہب اقوام نے محنت شاقہ سے اپنی ایک تہذیب اور اپنا ایک تمدن پیدا کیا ہے۔ کیا انھیں پھر اسی دور جاہلیت کی طرف لے جایا جائے گا جب انسان پہاڑوں اور درختوں کی گھوٹیں بیجا کرنا تھا۔ زرخ خاک پر بے تحلف ہو جانا تھا۔ ضروریات زندگی انتہا درجے محدود تھیں۔ محقر تہذیب کا مفہوم ہی سمجھ نہیں ہوا تھا۔ وہ دن انسانیت کی تاریخ میں الیہ ہو گا جب انسانیت کو اس کے ارفع اعلیٰ مقام سے اس بری طرح گرنے کی کوشش کی جائے گی۔ ترقی پسند ادیبوں کو جان لینا چاہیے کہ انھیں انسانیت کے شیرازے کو بکھرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے بلکہ ان کا فرض تو یہ ہونا چاہیے کہ بعض خود عرض اداوار کی جن کوتاہیوں اور لغزشوں کی وجہ سے انسانیت کا شیرازہ فشر

ہوا نظر آ رہا ہے۔ ان کی طرف اپنے زور قلم سے سارے انسانوں کو متوجہ کر دیں اور ان کے دل میں احساس کی آگ مشتعل کر دیں تاکہ انسانیت اپنے بلند ترین نصب العین کو پہلے اللہ مستقبل کی دنیا خطرات سے جہاں تک ہو سکے محفوظ رکھے محفوظ نظر ہوئی چلی جائے۔

اسی سلسلے میں ترقی پسند ادیبوں کی ایک اور کوشش کا ذکر بھی ضرور کیا ہے۔ ان ادیبوں کا خیال ہے کہ تحریر میں جہاں تک ہو سکے سادگی پیدا کی جائے تاکہ ان کے مضامین ہر شخص پر سے ادرجے۔ چنانچہ اسی تحریک کے متعلق مولوی عبدالحق صاحب نے اپنے ایک خطبہ صدارت میں یوں اظہار خیال فرمایا ہے۔

”اسی لئے جہاں سادہ سمجھنے کی چیز ہے وہاں اپنے ملک کی جمہوریت رتبہ کرنے اور علم کے پھیلاؤ کی کوشش بھی کرنی چاہیے۔ جو لوگ ناخواندہ طبقہ اور پرائے گا اور پڑھا جائے۔ ادیب اور مصنف ذرا سچے مجلس گئے اگر لڑا دونوں کے درمیان تفاوت کم کر دے گا اور وہ ایک دوسرے کی بات آسانی سے سمجھنے لگیں گے۔“

ملک کی جمہوریت رتبہ کرنے اور علم کو پھیلاؤ کے لئے نیاں نیاں برآمدات کی ضرورت ہے۔ اور یہ ہر افسوس کھنکھارے اور لین ہے جسے اپنے ملک کی ترقی کا خیال نگار رہا ہے۔ لیکن ناخواندگی کی خاطر ادیبوں اور مصنفوں سے ہمارا یہ مطالبہ ہے کہ وہ اپنے جملہ مضامین سے ”ذرا سچے“ آرائیں کوئی وزن نہیں ملتا کیونکہ طبعی طور پر ادیبوں کے لئے یہ ناگہن ہے کہ وہ اپنے اعلیٰ مقام سے عوام کی خاطر اپنی سطح پر آجائیں۔ یہ تو خطی مر ہے کہ عوام کی ذہنی سطح بہت ہوئی ہے اور وہ ان ادیبوں کو نہیں سمجھ سکتے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ انہیں سمجھنے کی کوشش بھی نہیں کرنی چاہیے۔ ملک میں تعلیم کھلم کھلا ہو رہی ہے اور جمہوریت کی مار چکی کے دور ہونے کے یہ استحقاق نہیں ہیں کہ ہر شخص

میں اعلیٰ ادبی ذوق پیدا ہو چکا ہے اور ہر شخص اعلیٰ پایہ کا ادیب بن رہا ہے، سمجھتا اور اس سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ کیا احمق ان میں تعلیم کے عام ہونے کا یہ مطلب لیا جاسکتا ہے کہ وہاں کا ہر شخص شاہک پیر ملن اور ڈسورنڈ اور دیگر بڑے شہر کے کلام کو پڑھتا سمجھتا اور لطف اندوز ہوتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ایسا نہیں ہے۔ ہمیں عوام سے اس قسم کی توقع بھی نہیں کرنی چاہیے کہ وہ نگر میں پیش آئیے اندکام سے بے پرواہ ہو کر اعلیٰ ادیب اور مشائخہ کریں عوام کے لئے لائٹ لٹریچر (Light Literature) کے مضامین لکھیں تاکہ وہ سمجھ سکیں۔ کی ضرورت ہے اور اس کی فراہمی کے لئے اعلیٰ ادیبوں کو اپنے بلند مقام سے اتارنے کی ضرورت نہیں بلکہ دوسرے سطح پر جمیوں ادیب ایسے ہیں جو عوام کے مذاق اور ان کی پختہ سطح کا لحاظ کرتے ان کی تفریح طبع کا سامان پیدا کرتے ہیں۔ ایسے ادیبوں کی تعداد عوام کی کی طرح مشائخہ الارض کی مانند ہے۔ یہ وہ جو سو کہ ادیب ہیں جن کی تحریر میں اعلیٰ تعلیم یا عامیہ نہیں ہوا کرتا ہے جس کے مطالعے کے لئے عوام کو اپنے دماغ پر زہر و بار ڈالنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ یورپ میں ہر سال ایسی ہزاروں کتابیں شائع ہوتی ہیں جن کی کوئی ادبی اہمیت نہیں ہوتی بلکہ جو فنی سپاہیوں اور عام لوگوں کی تفریح تسلیم کی خاطر بھی بنائی گئی ہیں۔

اس کے علاوہ اعلیٰ ادیب کبھی عوام کے لئے نہیں لکھا جاتا۔ جیسا کہ کہا گیا ہے۔

”There is no such thing as  
writing for the masses“

ترقی پسند ادیبوں کی طرف سے عوام کے متعلق کبھی کبھی اس خیال کا اظہار ہوتا ہے کہ اس زمانے میں ادیب مجبور ہے کہ جائیداد رائے نظام اور شاہی کے خلاف کچھ لکھیں۔ کیونکہ وہ بادشاہ اور ان کے دل و دماغ پر چھایا ہوا تھا۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ دوسرے خیالات کی طرح ان کا یہ خیال بھی صحیح نہیں۔ یوں کہا جاسکتا ہے کہ اس زمانے کے ادیبوں

مختصر یہ کہ ان ادیبوں کے سر میں عجیب سودا سما رہا ہے۔ وہ ادب میں عوام کو پیش کرنا چاہتے ہیں ادبی گوشش میں ان کی تحریریں میں عامیات پرین پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ یقیناً ادب میں زندگی کو پیش کر رہے ہیں لیکن ایسی زندگی کو جسے دیکھ کر زندگی ہی سے جھڑکارا ہو جائے۔ وہ حقیقت نگار ضرور ہیں لیکن ان کی حقیقت نگاری اخلاق و مذہب کی سرحدیں پار کر چکی ہے۔ اور عریاں نگاری کے روپ میں نظر آ رہی ہے۔

اگر کوئی شخص جدید ادب پڑھنے سے پیشتر جدید ادب کی ان تنقیدوں کو پڑھے جو جدید ادب پر کی گئی ہیں تو اسے یقین ہوتا ہے کہ جدید ادب واقعی بہت اعلیٰ پائے کی چیز ہوئی لیکن اس ادب کے مطالعے کے بعد یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ جس ادب کے تخلیق ایسی اعلیٰ پائے کی منتقیدیں بھی گئی ہیں وہ خود کوئی اعلیٰ پایہ کی چیز نہیں۔ گویا اس لحاظ سے یہ تنقیدیں گمراہ کن ہیں۔ لیکن اگر جدید ادب کو کم از کم اس سطح پر آجائے جس پر یہ تنقیدیں نظر آ رہی ہیں تو یہ بھی بہت غصیت ہے۔

اہلِ عالم یہ خواہش ہے کہ جدید ادب کو کم از کم اس سطح پر آنا چاہیے جس پر اس کی تنقیدیں آجکی ہیں۔ اگر یہ ہوگا تو جدید ادب واقعی قابلِ قدر چیز ہوگی۔ ورنہ میرے نزدیک موجودہ حالت میں اس کی ہمت افزائی کرنا ابلی گناہ ہے کہ نہیں۔

محمد منظور احمد

ہیں یا سی شعور بیدار نہ ہوا تھا۔ اور وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھے کہ ان کے اصلی فرغ نفس کیا ہیں۔ اسی لئے انھوں نے کبھی اپنے ماحول سے تنگ آکر صدائے انقلاب بلند نہیں کی۔ ورنہ اگر یہ سی شعور ہو، فرض کا احساس ہوا اور قومی عزت و وقار کو بلند کرنے کی صحن ہو تو بقول اقبال ع مزارِ بخت ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق

کے اصول پر عمل کرنے کا خیال دامن لے رہا ہے۔ کیا آج کے ادیبوں پر پابندیاں عاید نہیں ہیں اور کیا آج بیرونی حکومت ان کے دل و دماغ پر بھی حکمرانی نہیں کر رہی ہے۔ لیکن اس کے باوجود اقبال اور جوش اور دوسرے شعرائے اسی چیزوں کو بیان کیا جن میں پابندیوں اور بندشوں کے اس دور میں سمجھی جان نہیں کیا جاسکتا تھا۔ خود اقبال اسی چیز کی طرٹ اشارہ کرتا ہے۔

سنجھنے نہ گفتہ راجہ قلندر اند گفتم

سچ تو یہ ہے کہ جوازِ ازمِ قدیم ادیبوں پر لگایا جاتا ہے وہ زیادہ صحیح طور پر موجودہ ادیبوں پر صادق آتا ہے۔ آج ترقی پسند ادیب اپنے دور کے ادیبوں کو مجبور کر رہے ہیں کہ ادب کو جو پروگرام سے کے روپ میں پیش کیا جائے۔ مگر پرچم کے اور اوجھا ہونے کی دعا کی جائے۔ عوام کی زندگی اور وہ بھی ایسی زندگی پیش کی جائے جو ہر لحاظ سے نظر انداز کرنے کے قابل ہے جو ادیب ان کے اس عظیم مقصد کا ساتھ نہیں دیتا اسے رحمتِ بلند قرار دیتے اور مختلف دوسرے نازیبا اور ناشائستہ افعال کے ساتھ یاد کر کے دل کی جڑوں میں نکال جاتی ہے۔



## صحرائی زندگی

(ایک تصویر)

یہ صحرائی کہ ہے شہروں میں رسوا جن کی خوشنوازی  
 نہ یہ نیبے، نہ یہ پنڈت، نہ یہ ملا، نہ یہ صوفی  
 نہ دام معبود ہیکل، نہ فتراک کلیسا،  
 کسی مسجد میں یہ جھوٹی حدیثیں گڑبہ نہیں سکتے  
 نہ یہ انفال، نہ یہ سید، نہ شیخ و گبر و نصرانی  
 نہ عصمت کی کوئی منڈی، نہ دلالوں کے پیر ہیں  
 نہ سجدوں کے نشانوں سے کوئی مغرور پیشانی  
 نہ ہونٹوں پر نمسی، جھوٹی، نہ زہر آلودہ ولداری  
 نہ سکوت کی تلاوت ہے، نہ کفر و دین کی ذات  
 شمار ان کا نہیں، زر کے تراشیدہ کمینوں میں  
 کلاہ، یا رجنگی ہے، نہ کفش، آسمان جاہی  
 ضمیر و قلب کو سونے کی لو پگھلا نہیں سکتی  
 کسی لمبوس زرین سے نظر دھوکا نہیں کھاتی

نہ ان کا کفر نیلائی، نہ ان کا دین بازار ی  
 نہ یہ تازی، نہ یہ تازی، نہ یہ مصری، نہ یہ کوئی  
 نہ تسبیحوں کے پھندے ہیں، نہ زماروں کی گہرائی  
 کسی نمبر کے اوپر یہ درندے چڑھ نہیں سکتے  
 نہ سینہ ہے کوئی کالا، نہ ماتھا کوئی نورانی  
 نہ صبح ذکر و توآلی، نہ چکلوں کے ازمیرے ہیں  
 نہ ماتھوں پر کسی کے خون سے تشوں میں بانی  
 نہ اخلاقیوں کی عیاری، نہ آدابوں کی پرکاری  
 نہ یہ چاندی کے پیغمبر، نہ یہ جاگیر کی امت  
 نہ صبحیں ان کے ہونٹوں، نہ راتیں ان کے سینوں میں  
 نہ زنجیروں کی تاریکی، نہ قندیل شہنشاہی  
 ہواٹے بام و در دشت و جبل تک نہیں سکتی  
 گلاب و عطر کی بدبو کہیں پائی نہیں جاتی

یہ حیاں جن کا تاج و تخت سے کوئی نہیں ماتا  
 انھیں خود اپنی نسلوں کو نیکل جانا نہیں آتا

شور

# وجہی اور ابنِ نشاظمی کے سالیب کا موازنہ

زمرہ نظریات میں ہم وجہی اور ابنِ نشاظمی کے اسلوب بیان اور زبان کا مطالعہ صرف صفتِ ثنوی کو پیش نظر رکھتے ہوئے کر رہے ہیں۔ ان کے لٹری کارناموں اور دیگر اصنافِ سخن سے فی الحال ہم بحث نہیں ہے اور سچ تو یہ ہے کہ ملی اور ملک آبادی سے قبل کوئی زبان میں اگر کسی صفتِ سخن کو معراجِ کمال پر پہنچنے کا موقع ملا تو وہ صفتِ ثنوی ہے۔ اور ادب کا سرمایہ عمدہ و دراز تک غزل رہی ہے اور وہ بھی دیگر اصنافِ سخن کی طرح صفتِ نثرِ فارسی ہے۔ غزل کی اردو میں ترقی اور عروج کی غالباً ایک بڑی وجہ اس کی رمزیت ہے اور جس طرح مشرقی شاعر کا مستحقِ پردہ کی رسم و رواج کی وجہ سے "حجابِ اندر حجاب" بنا ملا اسی طرح شاعر کا ہر جذبہ و خیال رمزیت کا پردہ اختیار کر گیا۔ غزل کی ایک بڑی کمزوری یہ ہے (واقعہ جو کہ میں صفتِ غزل کی مخالفت نہیں کر رہا ہوں) کہ وہ شاعر کے بعض اندرون کی آئینہ داری کرتی ہے اور اس پر مبنی دنیا (The world as I see it) کا ہمیں اس میں کوئی نقش نہیں ملتا جس میں خود شاعر ایشیا میں تھا، خود و فکر کرتا اور ہر جذبہ و خیال کا ادراک کرتا ہے۔ غزل کے برخلاف ثنوی میں اتنی وسعت ہے کہ اس میں شاعر کا اندرون اور بیرون اس کے داخلی اور خارجی دونوں عناصر بار پائے جاتے ہیں۔ اور پھر یہاں تک ثنوی کی تکنیک کا تعلق ہے وہ روایتِ قافیہ کے قسطل سے بھی آزاد ہے۔ ہر شو کا قافیہ اور روایت دوسرے شعر سے بالکل الگ ہوتا ہے۔ صفتِ ثنوی اپنے اندرون کے اعتبار سے بھی کچھ اتنی وسعت کی راہ جوئی ہے کہ اس میں تمام اصنافِ سخن کی خصوصیات تجال گئی ہیں۔ غزل کا سوز و گداز، تصنیف کے تشبیہ کا چہن، ڈرامے کی کردار نگاری، نچرل شاعری کی ہر ق شاعری، غرض ہر خیال اور ہر جذبہ جو شاعر کے سینہ میں موجزن ہوا اس میں باسانی ظاہر ہو سکتا ہے۔ غالباً یہی وہ خصوصیات تھیں جن کی وجہ سے ثنوی کی صفت کو دکن میں بہت جلد ترقی حاصل ہوئی۔ دکن کے شعورِ ثنوی نگاروں میں نصرانی، غوامی، وجہی، ابنِ نشاظمی، رتھی، غلام علی وغیرہ کے نام نمایاں بنیتے ہیں۔ کوئی ثنویات کو ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ ایک وہ جو اپنے موضوع اور بلاٹ کے اعتبار سے اور بیکل ہیں اور دوسرے وہ جو فارسی یا ہندی ثنویات کا ترجمہ ہیں۔ چنانچہ ہمارے پیش نظر ثنویوں "قطبہ شہری" اور "پھولبن" میں اولیٰ الذکر اور بیکل اور سلطان محمد علی قطب شاہ کی داستانِ حسن و عشق پر مبنی ہے۔ اور موخر الذکر فارسی ثنوی "بساتین" سے اخذ بلکہ بڑی حد تک اس کا ترجمہ ہے۔

جہاں تک ان دونوں ثنویوں کے اسلوبِ اظہار کا تعلق ہے ہم اک ذرا ان ثنویوں کے لکھنے والوں یعنی ابنِ نشاظمی اور وجہی ہی سے کچھ سن لیں۔ ابنِ نشاظمی، پھولبن میں لکھا ہے۔

اے افشا پو میرا میل دائم  
طبیعت کو مری ہے خطِ دائم

جس سے اس امکا اظہار ہوتا ہے کہ ابنِ نشاظمی کو اپنی شاعری سے زیادہ نثر نگاری یا "اشار پروازی" پڑا نہ تھا۔ دوسرے الفاظ میں ثنوی "پھولبن" آہ نہیں ملے اور دکا نتیجہ ہے۔ ابنِ نشاظمی نے اپنے اندرونی جوہر کو پیش نظر رکھے بغیر بعض اچھی طبیعت پر زور دے کر "پھولبن" لکھی ہے۔ اس کے برخلاف وجہی اپنی خصوصیات شاعرانہ نقلی کے لیے میں اپنے آپ کو ایک بڑا شاعر بتاتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ میں نے "قطب شہری" میں وہ

وہ باتیں لکھی ہیں کہ لاکھ برس تک بھی انسان اس کو سمجھ نہیں پائے گا۔

جو تک برس کوئی سربسویے رنج کوں  
ہوا جو جب شمس یو بولنے  
پناوے کد ہیں اس چھپے چنچ کوں  
خزینے لگیا غیب کے کھولنے  
اگر غوطے تک برس خواص کھائے  
یہ موتی نہیں دو جو خواص پائیں  
یہ موتی نہیں وہ جو کلمات آئیں  
کہ پانی تھے البومجی مٹھتا ہے نیوں

پھر کہتا ہے کہ میرے اشعار کوں کر کوں کا دل اس طرح پھیلنے لگتا ہے جس طرح مصری پانی میں پھلتی ہے۔

وہجی کی یہ نقلی کوئی محذوب کی بڑ نہیں بلکہ درحقیقت خود داری اور انفرادیت کے احساس پر وال ہے۔ قطب شتری کسی فارسی یا ہندی شقوی کا ترجمہ نہیں ہے بلکہ یہ محض وہجی کے ذوق اور اندرونی خواہش کی پیداوار ہے۔ بلاشبہ وہجی کی یہ شقوی اپنے بلند شاعرانہ اور فلسفیانہ موضوعات اور نکات کے اعتبار سے اردو ادب کا بہت بڑا شاہکار ہے جس نے ’پھولین‘ کی طرح لگا نہیں کھا سکتی۔ لیکن جہاں تک شعر کے ظاہری محاسن کا تعلق ہے ہم ’پھولین‘ کی شاعرانہ ذرا توں کو۔ قطب شتری کے مقابلہ میں کسی طرح نظر انداز نہیں کر سکتے۔ سچ تو یہ ہے کہ ابن نشا ملی نے ایک بڑا مفکر نہ ہوتے ہوئے بھی کچھ ایسی شہرت پائی تھی کہ ہمیں اس کے شاعر ہونے میں کوئی گام نہیں (کو وہ شعریت کے اعتبار سے بھی وہجی کی فکر کا شاعر نہیں ہے) ابن نشا ملی نے کچھ ایسا انداز بیان پایا تھا کہ بسا اوقات ہمیں اس کی آواز پر بھی آدکا دھوکا ہونے لگتا ہے۔ بلکہ ہر مقام پر وہ روانی اور بے ساختگی پائی جاتی ہے جو وہجی سے کسی طرح کم درجہ نہیں۔ اور پھر زبان بھی اس کو ایک ایسے دور کی زبان ملی تھی جو وہجی سے بہت سے نکل چکا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ سلاست اور صفائی و سادگی جہاں نشا ملی کے دور کی خصوصیات میں وہجی کی ’قطب شتری‘ میں نہیں ملتیں۔

**جدت اور ابتک**۔ جیسا کہ ہم نے گزشتہ سطور میں بیان کیا ہے شقوی ’پھولین‘ فارسی شقوی ’سباتین‘ سے ماخوذ اور اسی کا ترجمہ ہے۔ لیکن ایک ذرا ہی جدت ابن نشا ملی نے اس میں یہ دکھائی ہے کہ ’منامات‘ کا حصہ اپنی طرف سے اضافہ کر دیا ہے۔ یوں تو اردو بھی ایسے مقامات میں جہاں کہیں کہیں ابن نشا ملی کے انفرادی رنگ کی جب تک نظر آ جاتی ہے۔ خصوصاً مذہبی موضوعات پر جب وہ غماز عطا ہے تو اس کا اندرونی سوز و گداز اور مذہبی خوش و خروش ظاہر ہونے لگتا ہے۔ لیکن ’منامات‘ اس شقوی کا ایسا حصہ ہے جس میں ابن نشا ملی کی ذاتی جدت و اختراع پوری شان کے ساتھ نمودار ہے۔ لیکن اگر ’پھولین‘ کے اس حصہ کو نظر انداز کر کے جب ہم ’قطب شتری‘ سے اس کا مقابلہ کرتے ہیں تو ہمیں کوئی بات سوائے ایک دو مثالوں کے نئی نظر نہیں آتی۔ قطب شتری یوں بھی بلا لٹا اور موضوع کے اعتبار سے اور سبیل ہے۔ لیکن جو خیالات و جذبات وہجی نے اس میں ظاہر کئے ہیں وہ ماخوذ یا ترجمہ نہیں اس کی ذاتی اور انفرادی کاوشوں کا نتیجہ ہیں۔ کہیں تو وہ شاعری کے بلند موضوعات، اس کے اندرون اور اس کی اسپرٹ پر تنقید کرتا ہے تو کہیں جن کی حقیقت و ماہیت کی تعریف کرتے لگتا ہے۔ مثلاً شاعری کی سب سے بڑی خوبی وہجی کے نزدیک اس کا تاثر ہے۔ وہ کہتا ہے کہ بغیر تاثر کے شاعری محض بیکار ہے۔ پھر وہ بیان کرتا ہے کہ شاعری کی عبارت بہت سادہ ہو اور الفاظ اس طرح استعمال کئے جائیں کہ عبارت کا مطلب بآسانی سمجھ میں آ سکے۔ لیکن یہی الفاظ پر اثر بھی ہوں۔

پھر وہ جن کی تصریح رول بیان کرتا ہے کہ 'حسن' معشوق یا کسی شے کے اعضاء و اجزا میں نہیں ہوتا بلکہ خود دیکھنے والے کی چشم بینش میں اس کی جھلک موجود ہوتی ہے۔ حسن کا تعلق دنگ دلو سے نہیں بلکہ وہ ایک اضافی حیثیت رکھتا ہے پناچہ وہ کہتا ہے۔

ایک جنس تک جنس محبوب ہے جو بھادوے اپس کوں دی خوب ہے  
جو عاشق لبتا ہے دیکھا آس ہے وہ کچھ خارج ہے رنگ ادب اس نے  
ایک اور مقام پر بھی نے عشق کی اہمیت سے بحث کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ایک ایسا سوز ابدی ہے کہ اس کی حقیقت اور کنتہ آج تک انسان کو معلوم نہ ہو سکی۔

ع۔ ایک یوگ بھید ہے کوئی کست نہیں  
اور پھر وہ اس حقیقت نامعلوم کو مانتے ہوئے اس کی تاثیر کے متعلق کہتا ہے کہ 'جذبات' عقلیت سے بڑھ کر قوت رکھتے ہیں۔

ع۔ کہ آدم پر غالب ہے دل کیا سبب ؟  
اس قسم کے مبسوط اور بچل موضوعات 'قلب مشتری' کی جان ہیں۔ لیکن انکس ہے کہ 'چولہن' اس طرح کے عمیق اور ادبچل موضوعات سے غالی نظر آتی ہے۔

**معاشرت کے عناصر**  
شادی کوئی ایسا مقام ہوگا جہاں 'دھی' نے 'قلب مشتری' کے انسانی پر وہ میں اپنے دور کی معاشرت پر تنقید کی ہو۔ محاورے قلمب شاہ کو اس داستان کا ہیرو بنا کر دھی نے دکن کے تمام سیاسی، معاشرتی اور ثقافتی اقدار و معیار پر روشنی ڈالی ہے۔ اور ایک تہذیب یافتہ طبقے کے خیالات کو قلم بند کیا ہے۔ 'چولہن' میں (E. M. Forster) محقق نے اسے کہیں بار پکے ہیں۔ شادی ایک دو مثالیں ہم ایسی پیش کر سکتے ہیں جن میں ابن نشا ملی جہاں تمن کے جزیرے کے محل کا نقشہ کھینچتا ہے تو اس کی دیواروں پر عشق شای زہم کی تصویریں بھی دکھائی دے گی۔ اسی طرح تمن کے گردار کے پیچھے ہمیں ابن نشا ملی کے دور کی حسین و خوش نظر آنے لگی ہیں۔ ان ایک دو مثالوں کے قطع نظر ہمیں مشکل سے 'چولہن' میں دکن کی خارجی زندگی کے حقائق ملیں گے۔ اس کے برخلاف وہ بھی نے ایک ناقد اور مہر شاعر کی حیثیت سے اپنے دور کی زندگی پر بیک وقت تنقید کی ہے۔

**محاکات اور کردار نگاری**  
اس میں کوئی شک نہیں کہ ابن نشا ملی نے انشائے کے مختلف کرداروں کے ربط و تعلق اور ان کے موقع و محل کو خوب سمجھا ہے اور ان میں وہ تمام خصوصیات پیدا کر دی ہیں جو ایک درانے کے کردار میں موجود ہونی چاہئیں۔ لیکن پھر بھی 'قلب مشتری' اس شخصوں میں 'چولہن' سے بہت آگے نکل جاتی ہے۔ اس کے کردار زہم، انسان اور طبیعت پھر کی تصویریں معلوم ہوتے ہیں۔ وہ ہر کردار اس خوبی سے پیش کرتا ہے کہ ان کے ہر موقع و محل کی گفتگو اور حرکات و سکنات بالکل فطری معلوم ہونے لگتے ہیں۔ اور ان کرداروں پر ہمیں ایک ادکار کا دھوکا دہم سے لگتا ہے۔ نفع یا تلف یا آ اور 'قلب مشتری' کی کسی کردار میں نہیں نہیں دکھائی دیتی۔ برخلاف اس کے 'چولہن' میں کہیں کہیں نفع اور تلف کا شائبہ پایا جاتا ہے۔

اور پھر جب ہم محاکات پر غور کرتے ہیں تو قطب مشرقی، ایک لا جواب ثنوی معلوم ہونے لگتی ہے۔ ایک ایسے دور میں جبکہ اردو ادب عہد طلوعیت سے گزر رہا ہو، وہی کا ایک ایسا اور بختل شاہکار پیش کرنا معجزہ سے کم نہیں۔ خصوصاً محاکات کا تو وہی باو آدم معلوم ہوتا ہے۔ اک نور میر حسن کے باغ کے سین اور وہی کے باغ کے سین دونوں کو پیش نظر رکھ کر غور کیجئے تو باوجود زبان کی ابتدائی کوتاہیوں کے ہم وہی کو کسی طرح میر حسن سے پیچھے نہیں دیکھتے بلکہ بعض اعتبارات سے وہ ان سے بھی بہت آگے نکل گیا ہے۔

**تشبیہ و استعارہ**  
اگر زبان کے ایک ٹھنڈے سے تغیر کے ساتھ وہی کی تشبیہات و استعارات پیش کی جائیں تو ہمیں ان کے جدید ہونے میں کوئی شبہ نہ ہو گا۔ ایسی حدت اور انوکھا پن ان تشبیہات میں پایا جاتا ہے کہ وہی کے دور کا خیال کرنے سے پس ہیں عجب ہے کہ یہ جدید رنگ کیسے ان میں چلا آیا۔ مثال کے طور پر وہی نے باغ کے سین میں جو نازک تشبیہات باز محی ہیں ان کے ہند ٹوٹے ہم ذیل میں قج کرتے ہیں۔

(۱) اچھیں مین اس کیں کالے منے کہ پچھیاں دو سنڈیاں ہیں جالے منے  
یعنی زلفیں چہرے پر بکھر گئی ہیں تو ان کالے بالوں میں دو آنکھیں ایسی معلوم ہو رہی ہیں جیسے دو پچھیاں جال میں پھنس گئی ہوں۔

(۲) اچھلتیاں ہیں بھلیاں اچھالاں تے کہ نینان جھکتے ہیں بالان تے  
یعنی آنکھیں بالوں میں ایسی چمک رہی ہیں جیسے بادلوں میں بھلی۔

(۳) سودھن کے سوا اور دوسے یوں گھر کہ بیٹھے ہیں جگنے مگر سرو پر  
یعنی مشق کے بدن پر تو ہر ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے سرو پر جگنو۔

(۴) ری چوٹی یوں پیٹ پر اچھبول آ پٹی پر اچھے جیوں الف ٹلٹ کا  
یعنی پیٹ پر پڑی ہوئی چوٹی کو یعنی پر خط ٹلٹ کے الف کی طرح معلوم ہوتی ہے۔

قطب مشرقی کی ان تشبیہوں کو دیکھنے کے بعد جب ہم پھولین، پر نظر ڈالتے ہیں تو وہ یکسر اس لطیف و نازک سے خالی نظر آتی ہیں ان میں وہی پرانہ پن اور روایت پسندی معلوم ہونے لگتی ہے جو قدیم دور کی خصوصیات ہیں۔ قطب مشرقی کا سن تعینت مشاعرہ ہے اور پھولین کا مشاعرہ ہے۔ اس طرح ان کے دسب ان دور میں برس کی تعلقہ حال ہے جس کے دھاروں ریزان مختلف انقلابات سے دو چار ہوئی رہی۔ لا وہی محمد قلی قطب شاہ کے دور کا درباری شاعر تھا اور ابن نشا علی عبد اللہ قطب شاہ کے دور کا۔ اور ان کے اس ظہری فرق سے ہمیں وہی اور ابن نشا علی کے لسانی اختلافات اور تبدیلیوں کا پتہ ملتا ہے۔

وہی یا محمد قلی قطب شاہ کے دور میں دکن بیرونی حملوں کے خطرہ سے آزاد اور ملک میں سرطرت خوشحالی اور امن و امان کا دور دورہ تھا۔ یوں تو وہ رشتہ اتحاد جس کا سنگ بنیاد حسن، کے ساتھ رکھو، یعنی کے جوڑے پیدا کر دیا تھا بروز مستحکم ہو رہا تھا لیکن اندرونی اطمینان اور امن کی وجہ سے یہ اتحاد اور اتحادت محض قطب شاہ کے دور میں اپنے انتہائی نقطہ کو پہنچ چکی تھی۔ محمد قلی قطب شاہ کی دکن زدگی کا تو یہ عالم تھا کہ اس نے لباس اور طرز

اندو لو وک ہندوؤں کی اختیار کرتی تھی۔ اس گنگت اور سیل ملاپ کا ایک بڑا نتیجہ برآمد ہوا کہ اردو ادب (میری مراد دھنی ادب سے ہے) میں دکن کے مقامی عناصر تیزی کے ساتھ داخل ہو گئے تھے۔ چنانچہ دھنی کی قلب مشتری میں اور مس رس میں مختلف زبانوں کے محاورے، الفاظ اور ضرب الامثال اسی اثر کی طرف رہنمائی کرتے ہیں جن خاص طور پر سنسکرت، ہندی بھاشا، تملی اور مرہٹی زبانیں قابل ذکر ہیں۔ دھنی نے بیسیوں ایسے الفاظ اور محاورے استعمال کئے ہیں جو عام طور پر دکن میں بولے اور سمجھے جاتے تھے اور جن کا تعلق بڑی حد تک (مقصود سلسلہ) زبان سے تھا۔ اس کے برخلاف ابن نشا ملی کے دور میں دکنی عناصر سے زیادہ شمالی ہند کے عناصر یعنی فارسی الفاظ و محاورے کثرت سے داخل ہو رہے تھے۔

ڈاکٹر سروملی خدایکتی کے انداز کے مطابق دھنی کے دور میں ہندی بھاشا اور فارسی عربی الفاظ کا تناسب دھنی اور ایک کا تھا۔

دکنی زبان کی ابتداء (سہ سولہ) تو بلاشبہ ہندی بھاشا سے جاتی ہے لیکن الفاظ کے نقل مقام اور مراد یا معنی وجہ سے ان میں ایسی تبدیلیاں پیدا ہو چکی تھیں جن کا تعلق نہ ہندی بھاشا سے تھا اور نہ عربی و فارسی سے بلکہ خاص دکنی زبان کی انفرادی خصوصیات سے تھا۔ کہیں الفاظ کے لفظ میں تبدیلیاں ہو گئی تھیں تو کہیں ان کے لیتے اور بیرونی سمیت ہی بدل کر لے لی تھیں۔ کہیں کچھ حروف کا اضافہ ہوا تھا تو کہیں اختصار پیدا ہو گیا تھا۔ مثلاً 'بوجھا' اور 'دودھ' جس میں (ا) ایک (مقصود ۷) کے طور پر استعمال ہو رہا ہے متغیر ہو کر 'بوجھا' اور 'دودھ' ہو گئے۔ اسی طرح 'آنک' بن گئی۔ بعض عربی اور فارسی کے ایسے الفاظ جن کا صحیح تلفظ دکنی عوام میں نہیں پایا جاتا تھا، دھنی اور دیگر دکنی ادیبوں نے ان کو اسی غلط تلفظ کے تحت باندھا ہے۔ حالانکہ وہ اس غلطی سے آگاہ تھے۔ مثلاً وضع مسج، اور عقل کے بجائے دھنی وضع، صبا، اہل لکھا ہے۔ اسی طرح اور بھی کئی تغیرات کا ہمیں پتہ ملتا ہے جن کا تعلق خاص دکنی معاشرت، دکنی تہذیب، اور دکنی زبان سے ہے جب تک دکن کی سرزمین بیرونی مخلوق سے محفوظ رہی یہ تغیرات بڑے رہے لیکن جب مخلوق کے ساتھ دکن میں مغلوں کی زبان لے قدم چلے تو دکنی زبان میں بھانے دکنی عناصر کے شمالی ہند کے عناصر داخل ہونے لگے۔

چنانچہ ابن نشا ملی کے دور میں عبداللہ قطب شاہ نے شاہجہاں کی اطاعت قبول کر لی تھی اور ملکی آزادی کا خاتمہ ہونے لگا تھا۔ شمال کی سیاست دکن پر تیز گام ابر کی طرح چھائے جا رہی تھی۔ شمال کی تہذیب و تمدن اور ثقافت و زبان دکن میں تیزی کے ساتھ پھیلتے چلے جا رہے تھے۔ چنانچہ شمالی ہند کی وہ زبان جو فارسی سے متاثر اور اس کی اثر پذیر تھی، دکنی زبان میں داخل ہونے لگی۔ لیکن مرہٹی ایسے بیشتر الفاظ و محاورات جو دھنی زبان میں رس برس گئے تھے۔ ان کا بھٹن بہت مشکل تھا۔ یہاں یہ نہ سمجھا جائے کہ شمال کے اس عنصر کے داخل ہونے سے دکنی زبان میں کوئی سانی انحطاط پیدا ہو رہا تھا، بلکہ اس کو خوش گوار نتیجہ بھی برآمد ہوا کہ دکنی زبان روز بروز ان تقاضوں کی۔ ابن نشا ملی کے دور میں اب وہ تنقید اور ثقات باقی نہیں رہی تھی جو دھنی کے دور کی خصوصیت تھی۔ دھنی کی زبان میں بلاشبہ ادب کوٹ کوٹ کر برہمی ہوئی ہے لیکن اس کو کیا سمجھے کہ دھنی کو وہ سادہ و سلیس زبان نہیں کی جو بعد میں منج بکر ابن نشا ملی کے دور میں عوام الناس کی زبان پر بھی بڑھ گئی تھی۔ اگرچہ آج ہم 'قلب مشتری' اور 'مہولین' کا پہلو بہ پہلو مطالعہ کرتے ہیں تو دونوں کی زبان ہمارے لئے ایک ہی قسم کی دشواریاں پیش کرتی ہے۔ لیکن 'مہولین'

کا انداز خود بتائے دیتا ہے کہ یہ دہی کے بہت بعد کی صاف اور نکھری ہوئی زبان ہے۔ سچ پوچھے تو یہ یوں کہ "تو نے شاعری پر اگر کسی اعتبار سے ترجیح دی جاسکتی ہے تو وہ پھولوں کا سادہ و سلیس اور رواں دواں طرز تحریر ہے۔ ابنِ نشا ملی میں وہ بلکہ زیادہ اپنی خصوصیات تو کہیں باقی مائیں جو دہی کی انجی انفرادی خصوصیات ہیں لیکن جہاں تک زبان اور طرز اظہار کا تعلق ہے ابنِ نشا ملی زیادہ قادر الکلام شاعر کہا جاسکتا ہے۔ جذبات کی حقیقی تصویر اس کے لفظی اور معنوی صنایع بدائع کے پردوں میں بھجپ جاتی ہے۔ پوری شاعری پھولوں، مرغ سے ہے لیکن اس کو اعجاز سخن کی بجائے کچھ اور کہ ابنِ نشا ملی نے کہیں بھی سلاست و روانی کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔

بہر حال جہاں تک شعر کی معنویت اور اس کے اندرون کا تعلق ہے ابنِ نشا ملی دہی سے کسی طرح کا نہیں کھا سکتا۔ اور جہاں ہم شعر کے بیرون یعنی زبان اور زبان کے ظاہری و معنوی محاسن پر نظر کرتے ہیں تو ہم ابنِ نشا ملی کے مقابلہ میں دہی کو بہت پیچھے دیکھتے ہیں۔ ابنِ نشا ملی کی طبیعت میں جودت اور تنزلی کا ایک بڑا جوہر موجود تھا۔ اور زبان میں وہ جذباتیں اور ندرتیں پیدا کرتا تھا کہ ہم کو اس کی بہت کم مثالیں دہی میں ملتی ہیں۔ لیکن دہی کی شاعری پختگی اور تجربہ کاری سے وہ عاری تھا۔ دہی ایک شاعر اور صاحب ذوق شاعر کے ساتھ ساتھ ایک مفکر اور حساس انسان بھی تھا، اور یہی وہ ایسی خصوصیات ہیں جو اس کی تصنیفات کو ادبیاتِ عالیہ میں شمار ہونے کے قابل بنادیتی ہیں۔

محمد مصعبین الدین

## نقادوں سے!

— تو یہ سچ ہے کہ میں نے جب بھی اپنا سا زخمیگر مرے نغموں میں غیروں کے تغزل مسکرانے میں؟  
ابھی تک جب بھی میں نے آئینے میں خود کو دیکھا؟  
مرے چہرے پر نہ معلوم ساہے جھلکائے ہیں؟  
کسی نے کہہ دیا چپکے سے ٹھہرو یہ پرانے میں؟  
ابھی تک جب بھی اپنا ہاتھ پھولوں تک بڑھایا؟  
— مگر یہ بھی تو سوچو لے مرے بے رحم نقادو!  
کہ میں نے کس طرح یہ ناکمل گیت "گائے ہیں  
بڑی مشکل سے ٹکرائے ہیں آسنو چاند تاروں سے  
بڑی مشکل سے روشن رہ سکی افکار کی محفل  
ہو اتو کیا بگولے شمع کے دامن تک آئے ہیں  
ابھی کیا ہے مجھے بس اک ذرا زندہ تو رہنے دو  
ہو انیس تیز ہیں یہ شمع تابندہ تو رہنے دو۔

سلام محفل شہری





کہہ دی مگر رادھا کی شرارت بھری ہنسی سے اس کی غلطی اس کی سمجھ میں نہ آئی۔  
 رادھا بھلا آج تجھے بڑی ہنسی آرہی ہے۔ جا میں تجھ سے بولوں گی ہی نہیں۔  
 ایسی بھی کیا تنگ مزاجی۔ ذرا مذاق میں کہا۔ رادھا نے اس کا چلو پڑایا،  
 اچھا۔ اچھا۔ بڑی آئی مذاق والی،

نہیں نہیں میں رونی صورت والی ہی کبھی بس اب تو بولنے کی آواز مجھے بھی کبھی بار بار لکل مندی نہیں آتی۔ ہاں تو دو شیعہ رات کو وہ آیا۔ اس کی آواز سمجھو گے کی تھی،  
 رادھا میری کھنکھاس کے آخری الفاظ سے اتر گیا اور وہ بولنے لگی۔

رات کے دو بجے کے بعد اس پر تماشا دیکھنے کے بعد کچھ دوسوے دیتے مجھے؟ تھوڑی دیر تک شب ہو کر پاک جھپکی نہ جھپکی کہ سویرے کی سیٹی بجی، اور دونوں پڑ پڑا کر (مترجمہ) اچھڑوٹائی

جاگ پڑے اور پھر اس کے بعد..... مل کے صبا کے پاس آئے ہی دونوں نے بولنا گویا ایک دم بند کر دیا، صبا کے پاس پہنچا ان کی طرف ریلی پر ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ جلدی جلدی اندر چلی گئیں۔ اندر کی سب جگہ کالی ہو گئی تھی کھوں کی عجیب عجیب آوازیں ایسی آرہی تھیں جیسے قصائی کاٹنے پر گوشت کے ٹکڑے کاٹتا ہے۔ باہر کے بڑے بڑے پکے برابر چل رہے تھے دونوں طرف نئی جونی ہندو کوئلہ کی گڑھ لگی تھی جس سے ان کا ہر رنگ کالا ہو گیا بن گیا تھا دھت بنوا میں اسی طرح لہرا رہے تھے گونا گونے ہی دونوں سے پانی منٹے پر جمو کے آدھی نے بیزار ہو کر رونی ایک طرف جھکا دی ہو۔ وہ گویا بڑے ہو گئے اسی لئے اور کئی طرہ جی رہے تھے۔

ان پڑوں کی آڑ میں وہ دو عورتیں بھی آنکھوں سے اوجھل ہو گئیں۔

(زشتہ) وامن چور گھڑے

## رات کا بھولا اور دیگر افسانے

فارسی و عربی ہمارا راجہ کالج مسور کے گیارہ بندہ پیر افسانوں کا دُنبب مجموعہ ہے جو نہایت اہتمام کے ساتھ بہت ہی دیدہ زیب شائع ہوا ہے۔ پروفیسر سروری صاحب نے اس سے قبل فن افسانہ پر مستند کتابیں شائع دینے کے افسانہ و غلو شائع کی ہیں۔ طباعت و کتابت پاکیزہ اور دیدہ زیب ہے۔ صفحات ۱۸۰ قیمت ۷۰۔

**محبت کی جھپکوں**۔ مرزا ظفر محسن صاحب نے اس کے چودہ افسانوں کا دُنبب مجموعہ ہے۔ اس کے جملہ افسانے عشق و محبت کی دلولہ انگیزیوں اور حسن و شباب کی رحمتیوں سے معمور ہیں۔  
 نوجوانوں کے نصب العینی معاشرہ کی سچی تصویر اور مصروف زندگیوں کے لمحات فرصت کے لئے ایک شائستہ ذہنی تفریح ہے۔

چھوٹی تقطیع (۱۳۲) صفحات قیمت جلد ۷۰۔

# قافیہ کی صنفی قدر و قیمت

”جو کلمات لٹا بہ آخروں خواہ ایک ہی حرف  
اور اس کا کثرت آہل کاتب بہ ہو۔ جیسے  
”ور۔“ بر سر وہ چند حروف بعینہ ایک ہی  
طرح کے حرکات و سکنات کے ساتھ پائے جائیں  
بشرطیکہ ان حروف میں کم سے کم پہلا حرف  
اصلی ہو مثلاً ”آرد“ ”کار“ میں سب حرف  
اصلی ہیں۔ چنانچہ ”توبانا“ میں ”ب“ اصلی  
ہے۔“ (تخصیص عروض قافیہ)

اس کے باوجود فارسی اور اردو میں قافیہ کے جن و تنوع پر  
ایک مستقل بحث ہے لیکن ان پنج دریچ انجمنوں سے بچنے  
کے لئے قافیہ کا ایک مختصر سالہ پرنٹ کر دیا گیا ہے جو ہماری بحث  
کے سلسلہ میں کافی ہے۔

اعتراض ۱۔ شعر میں التزام قافیہ کی بحث وزن سے نپا  
منازعہ قید ہے۔ جیسا کہ اکثر متذکرین وزن کو شعر کے لئے غرض  
نہیں سمجھتے۔ اسی طرح قافیہ بھی شعر کا لازمی عنصر نہیں سمجھا جاتا۔  
لیکن وزن شعر کی جس ضرورت کو پورا کرتا ہے اسی طرح قافیہ  
کی تکمیل میں سادہ کرتا ہے۔ اب تک عربی فارسی ہندو  
شاعری میں قافیہ کا اس شدت کے ساتھ التزام رکھا گیا ہے  
بخیر قافیہ کے مشرقی شاعری کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن کچھ  
دنوں سے اردو غنائی ادبی انقلاب کے بعد سے قافیہ پر مباحث  
کی جانے لگی ہے کہ اس کے التزام سے انہماقی الضرب میں لگاؤ  
پیدا ہوتی ہے۔ حالی کا بھی پتہ ایسا ہی خیال تھا۔ لیکن قافیہ  
کی افادیت کا انہیں بھی پورا اندازہ تھا۔ اس شخصیت کے  
مونا جن اسباب میں پہلا سبب یہ ہے کہ انگریزی شعر و  
ادب کی تقلید میں ہمارے شعرا نے نظم و نثر کی ترویج  
کرنے پائی۔ وہ سب جاپانی شاعری کے ترجموں اور  
”میکو“ کے شاعرانہ شعر کے تراجم کا وہ اثر ہے جس نے انہیں  
نوجوان شعرا کو شعر شعور کی طرف راغب کر دیا۔ تیسری  
وجہ خود اردو شاعری کا وہ نقص ہے جو قافیہ اور ردیف  
کی بیجا شغالت کے باعث پیدا ہو گیا ہے غرض یہاں واسی

صفت میں قافیہ کے معنی ہیں یکجہ آنے والا، پچھلے  
آنے والا اور اصطلاح میں ان چند حروف معین کا نام ہے جو  
مطلع اور آیات شغوی کے ہر مصرع کے آخر میں اور قطع اور  
باقی اشعار غزل و قصیدہ کے مصرعہ ثانی کے آخر میں انشاءً مطلقہ  
کے اندر دکر آتے ہیں۔ اور مستقل نہیں ہوتے۔ قافیہ کا اطلاق  
فحرفوں پر ہوتا ہے۔ ردیف ”قید“ ”ناسیس“ ”وخیل“  
”روی“ ”اصل“ ”مرب“ ”خروج“ ”فاترہ“ لیکن ان سب حروف  
کا جمع ہونا ضروری نہیں۔ یہ ایک یا دو یا تین یا زیادہ جس قدر  
چاہیں جمع کریں اور یہ بھی خیال رہے کہ حرف ”روی“ اصل قافیہ  
ہے اسی پر قافیہ منحصر ہے۔ باقی اشعار حروف کے لانے نہ لانے  
کا شعرا کو اختیار ہے۔ جنہاں حروف ”روی“ کے کہ اس کے لانے  
پر مشاعرہ بخیر رہے۔

۱) عرب کے یہاں ردیف نہیں ہوتی اس لئے ان کے  
ساری توجہ قافیہ کی خوش آہنگی پر صرف ہوتی ہے۔ چنانچہ  
عربی شاعری میں قافیہ پر طرح طرح کی پابندیاں ہیں۔ مثلاً  
قافیہ آخر بیت میں واقع ہو صرف قید کا التزام مطلق دہو  
تاسیس حرف فیل کا التزام نہ دہو، وزن ضرب بدلنے  
ضربا ہے یعنی اگر قافیہ متواتر ہے تو سارے قصیدہ میں متواتر  
ہی رہے گا۔ ان سبھوں کو ایک ساتھ جمع کرنا بھی درست  
نہیں لیکن یہ بھی ممکن نہیں کہ ان میں سے کوئی قید پائی  
در جائے۔

بر خلاف اس کے فارسی ارادہ و دواؤں کے  
یہاں اتنے قید و بند نہیں۔ شاعر اس کی وجہ یہ ہے کہ  
ان کے پاس ردیف قافیہ کے صوتی سیم کی تلافی کے لئے  
موجود ہے۔ اس کے علاوہ ردیف کی نگاہ اس قدر مشکل  
ہے کہ اس کے ساتھ قافیہ پر بھی قید و بند عائد کرنا نفس مضی  
کا خون کرتا ہے۔ چنانچہ اردو میں قافیہ کا اصول صرف اسی  
قدر ہے۔



انتخاب کرتی ہے

تخلیق شریک دوسری صورت تحریک قافیہ سے شروع ہوتی ہے۔ اور ایسی شاعری کو عام طور پر تیسرے درجہ کی شاعری سمجھا جاتا ہے۔ اور اس کا نام قافیہ پیمانی اور کشتی رکھا گیا ہے۔ یہ تصور غائبانہ دو اسباب کی بنا پر پیدا ہوا ہے ایک سبب قویہ ہے کہ کم مواد شعرا و جن کے پاس کہنے کو کچھ نہیں ہوتا یا کچھ ہے بھی تو کہنے کی استطاعت نہیں رکھتے لیکن اس بے ماغی کے باوجود کچھ کچھ کہنا چاہتے ہیں وہ قافیہ کی مناسبت سے جو مضمون بھی سوچہ جانا ہے باندھ دیتے ہیں یا اس قافیہ کے ساتھ جس قسم کے مضامین منہ پتے آئے ہیں۔ انہیں کوہراد جاتا ہے۔ ایسی شاعری کو قافیہ پیمانی کے سوائے اور کیا کہا جاسکتا ہے۔ دوسری وجہ شاعری کا وہ نقص ہے جو قافیہ کی ناخواری اور رویت کی بے بسی کے باعث پیدا ہوتا ہے جیسے نفس کی تکیاں اور نفس کی تکیاں۔ یہی زمین میں شاعر سوائے تکیاں بننے کے اور کیڑ کر سکتا ہے۔ اسی قسم کی شاعری کو دیگر کریہ کہیں یا گیا کہ قافیہ کی مہم جوں منت شاعری مصنوعی اور بے روح ہوتی ہے۔ حالانکہ متذکرہ دونوں صورتوں میں شاعر کی صلاحیتوں کی کوتاہی اس کی پست شاعری کی ذمہ دار ہے۔ صحت اول میں شاعری گروہ میں کچھ ہی ہیں جس کو قافیہ کی تحریک باصلاحیتی صورت ثانی میں شاعری کو رد و فی ایسا بعد قافیہ اختیار کرتی ہے جو صرف غیر شاعرانہ تجربات کی پیش کشی پر منحصر کرتا ہے۔ غرض نتائج کے اسی ملاحظہ استخلاج کے باعث قافیہ کی مخالفت کرنے والوں کو اس کی بے پایاں قوت تحریک کا اندازہ نہ ہو سکا۔ اگر شاعر کو عدلان تنزاور تحمل قوی ہو تو قافیہ کی اک ذرا سی تحریک اس کے تحت منحصر پڑے ہوئے گراں قدر تجربات کو شعور کی دنیا میں منجھلاتی ہے جہاں وہ شاعر کے مذہم و احساس سے اقتراح پاکر افکار اور دیگر تصور شعور کے مدارج سے گزرتے ہوئے عظیم شعری منزل میں پہنچ جاتا ہے۔ قرآن کو دیکھو یہی نے لہجے

سانٹ کی انگریزی شکل (u n a l c a d e c a e b a r) انگریزی شاعری کی اصناف میں قوافی کی بوقلموں ترتیب سانچوں کی پیچیدہ ساخت اور اوزان کی تبدیلیاں معنی کا خون کرنے کی بجائے موسیقیت اور قوت انہماک اضافہ کرتی ہیں تو یہ فنی فیوہارد و شاعری ہی میں مکمل کیے سنگ راہ کیوں بن جاتی ہیں۔ جہاں تک ہم نے اس اعتبار کی حقیقت پر غور کیا ہے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ قافین نے شاعر کی کم سوادی کو قافیہ کی فنی قید کے سرخونو ہے۔ غزل کی تخلیق شریک باعوم و طرح پر عمل میں آتی ہے۔ ایک صورت قویہ ہے کہ شاعر کسی معینہ خیال کو معینہ ذہن میں پیش کرتا ہے۔ دوسری صورت اس کے برعکس ہے یعنی قافیہ کی تحریک سے جو خیال پیدا ہوتا ہے وہ اس کو شعور کے قالب میں ڈھل دیتا ہے۔ پہلی صورت میں قافیہ کی نزاحت شاعر کی فن کارانہ مہارت کے ساتھ معنی بڑھتی ہے جس طرح ایک فن کار کو ایک کٹر صبر کا شوق و کوشش کے بعد کسی فن پر قدرت نامہ حاصل ہوتی ہے بالکل اسی طرح ایک شاعر کو بھی ایک عرصہ کی سعی و کادوش کے بعد الفاظ ترکیب اور پیرایہ ظہار پر قدرت نصیب ہوتی ہے۔ اعلیٰ انہماک کے لئے محض الفاظ اور اسلوب پر قدرت ہی کافی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ انکار کی قوت بھی درکار ہے جس قدر انقادی ہوگا سنا سی قدرتا سانی کے ساتھ لفظ و بیان کے موزوں ترین سانچے شاعر کی دست رس میں آئے بائیں قدرت بیان اور قوت انکاری ہی وہ ہم آہنگی ہے جو ایسے برجستہ ترین قافیہ کو دھونڈ لیتی ہے۔ اس لفظ اس زیادہ موزوں مقام تصور میں نہیں آسکتا۔ البتہ جس زمین میں قافیہ قبیل ادا ہوا اور ہوا اور پھر اس کے ساتھ ایک بے باطل اور طویل رد و بیت بھی جوڑ دی گئی ہو تو فائدہ ہے کہ ایسے قافیہ و رد و بیت انہماک بانی الفہم میں مزاحم ہوں گے لیکن یہاں بھی قصور قافیہ و رد و بیت کے فن کا نہیں بلکہ اس بد فانی کا ہے جو قافیہ و رد و بیت کے لئے جوصل اور بے ربط الفاظ

مضمون دور حاضر اور اردو غزل گوئی میں قافیہ کی اس افادہ کو پوری طرح واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کی بحث کا حاصل یہ ہے کہ:-

ہر قافیہ میں شاعر کے وارادات حیات بھرتی

واحسانتہ اور نقد حیات کے راز مضمر ہیں۔

قافیہ و روایت غزل نفسی کے ان تاثرات کا کام

کرتے ہیں جو حیات شاعر کے بظاہر ذرا روشن

اور حقیقت کبھی ذرا محسوس نہ ہونے والے

واقعات اور واردات کی ترجمانی میں جھڑک

اور معاون ہیں۔ شاعر کی سونی ہوئی طبیعت

کو قافیہ و روایت چونکا دیتے ہیں۔ مگر یہ صرن

غزل میں داخلی اور نفسیاتی شاعری میں

مکمل ہے۔ غزل میں قافیہ شاعر کی نفسیاتی

سو آئینہ کی علامات ہیں۔ قافیہ شاعر کے

ذہن کے لئے ایک لحاظ سے پہلا قدم اور دوسرا

لحاظ سے منزل پر آخری قدم کا کام کرتا ہے۔

زنگنه کا قول: "قافیہ بابت جو غزل

فراق نے قافیہ کی اس صفت کو داخلی شاعری کے لئے مخصوص

کر لیا ہے۔ اور یہ خصیص ایک اختیار سے درست بھی ہے لیکن

جان ڈرائیڈن (John Dryden) ہر قسم کی شاعری

میں قافیہ کو خیال کا محرک سمجھتے ہیں۔ وہ (The Poet)

کے اقتاب میں نظم مرثیہ کے مقابلہ میں

میں غزل پر فرمائے ہیں۔ تقریباً تین سو صفحات تک تصاویر و قیمت حال

قافیہ کی افادیت پر بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ شاعر کا خیال بے ہمار ہوتا ہے۔ اگر اس پر قید و بند عائد نہ کی جائے تو نفس خیال کے ساتھ جو ضروری جزئیات بھی شامل ہو جاتی ہیں۔

ایسا نہ بھی ہو تو کم از کم وہ غیر ضروری تفصیل اور طوالت اختیار

کر لیتا ہے اس لئے یہ قافیہ کا بڑا وصف ہے کہ وہ شاعر کے

خیال کے لئے ایک داس ستر سین کر دیتا ہے۔ یہ تحدید نہ صرف

خیال کی سعادت کرتی ہے بلکہ شاعر کو ایسے الفاظ کے نقص پر

مجبور کر دیتی ہے کہ قافیہ خود بخود ان کا تاج ہو جاتا ہے بغیر

کے اس تحدید ہی وصف سے وہ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ جب

قافیہ خیال کو معین اور منظم کرتا ہے اور شاعر کی فن کا دانہ

صدا حیرت سے کام لیتا ہے نہ لانا وہ شاعر کو انتہائی بلند اور

واضح خیال بناتا ہے۔

یہاں یہ اعتراض ممکن ہے کہ قافیہ کی اک ذرا سی تھریک

اس قدر پہچان کیونکر پیدا کر سکتی ہے۔ قدوس دہسور

(Dahsore) نے اس سنجی کو بھی سمجھا دیا

سچلہ (Sachle) نے اس کا جواب دیا کہ (The Poet)

میں وہ نقطہ از میں کہ شاعری سکون میں سوچے ہوئے جذبہ

سے پیدا ہوتی ہے۔ جب اس جذبہ میں استغراق ہوتا ہے تو

روح عمل کے طور پر سکون رفتہ رفتہ زائل ہو جاتا ہے اور استغراق

سے پہلے کے جذبہ سے مشابہ ایک جذبہ پیدا ہو جاتا ہے جو تخلیق

شعری کا موجب ہوتا ہے۔

حفیظ قلیل

میر محمد مومن :-

عہد محرق قلی قلب شاہ و سلطان محرق قلب شاہ میں بیٹو اے سلطنت اور وزیر مطلق تھے۔ انہوں نے ہزار

روپے کے صرفے سے ایک دائرہ بنایا تھا جس میں خاک کر لائے معلیٰ بھلاؤ تھی۔ اور یہ دائرہ اب تک "دائرہ میر مومن"

کے نام سے حیدر آباد میں مشہور و معروف ہے۔ میر محمد مومن صاحب اعلیٰ پایہ کے ناسی شاعر بھی تھے۔ ان کے تہا بہت تفصیلی

اور تحقیقی حالات زندگی اس کتاب میں جناب ڈاکٹر سید علی الدین قادری صاحب زور نے اپنے دلچسپ اور مقبول عام مآلوپ

میں تحریر فرمائے ہیں۔ تقریباً تین سو صفحات تک تصاویر و قیمت حال

## استفسار؟

کون ہے جو میرے افکار پہ یوں چھایا ہے؟  
اپنے مرکز سے پرے ہٹ کے نظر گھوم گئی  
روح احساس کی گہرائیوں میں مجھ اگئی  
کون یہ دل میں نشہ بن کے اتر آیا ہے؟  
یک بیک کس نے مرے دل میں یہ چٹائی ہے؟  
دفعۂ کیوں مرے جذبات ادا آئے ہیں؟  
اک گھٹنا بن کے جو احساس پہ لہرائے ہیں؟  
مجھ کو محسوس یہ ہوتا ہے کہ جیسے پی ہے!  
کس نے دنیا کے سکون میں یہ چاودہ بھیل؟  
کون ہے جس نے کیا ہے خرد و ہوش کا ٹپ؟  
کر دیا کس نے مجھے محرم اسرار جنوں؟  
ہو رہا ہوں اسی احساس سے میں تو پاگل!  
کون ہے جو میرے افکار پہ یوں چھایا ہے؟  
کون یہ دل میں نشہ بن کے اتر آیا ہے؟

جمیل ملک

## تلقین

شب فراق کا مفہوم انتظار نہیں!  
نچاہ شوق بہر حال منتظر نہ رہے  
سغینہ درد کا سیلاب اشک ہے  
لبِ محسوس سے بھی اپنی داستان کہے  
زباں پہ حرفِ شکایت نہ آئے ظلم ہے

اس اضطرابِ تنہا سے فائدہ کیا ہے؟  
یہ کس کی یاد میں دل کرو میں نکسے؟  
یہ کیوں جاگ رہیں محبت کا درد پیدا ہے؟  
خیال کس بت بیدار کا آنا ہے؟  
یہ بڑبڑتی بڑبڑتی سی تار کیوں میں ٹھہرا  
خیز قرار پہ بالوسیاں، سکونِ اداس  
نہ موت کی کوئی صورت نہ زندگی کی آس  
نہیں ہوں ان کے قریب اور نہ وہ مج سے ملے

یہ پچھلی شب یہ سکوت و جمود کا عالم  
کہ سانس بیتا ہے رک رک کے کانٹا کھنکھاتا  
اواس اواس فضا میں یہ حکمرانی غم  
تزلزل سے دل مضطرب ہے خدا کی قسم  
شب فراق کا مفہوم انتظار نہیں!  
جبریل

# تعارف

بارانہ ہے ہر دو فوٹ ایک جان دو قالب ہیں "تیسرا بول اٹھتا ہے" ارے تو تو یوں ہی بکا کر رہا ہے اتنا کوئی ثبوت بھی ہے تیرے پاس ان کی محبت کا؟ تو وہ شخص جواب دیتا ہے "کیا میں بھٹ کستا ہوں دوست اگر گواہ اور ثبوت ہی پاس ہے ہو تو لوگوں کو ایک کیا دو ہیں "محبت" کی گواہی کئے لئے

دل صدمہ جاک بھی ہے، دیر غمبار بھی اس کے بعد ایک آدمی صاحب بول اٹھتے ہیں "وہ واقعی محبت کے کرشمے کچھ عجیب و غریب ہوتے ہیں وہ جتنے ملتی ہیں ہر ایک پر اپنا ترالا ہی اثر حاکم اٹھتی ہیں دیکھئے ہم ان کی تعریف اس طرح کرتے ہیں سہ وہ آئے ہیں تو دل میں کچھ غم معلوم ہوتی ہے میں ڈرتا ہوں کہ میں اس کو محبت تو نہیں کہتے اس کے بعد شیعیت نے اس کی تائید اس طرح کرتے ہوئے

غائبانہ تعارف ہم سے کرو یا سہ شائد اسی کا نام "محبت" ہے شفیقہ اک آگ کی ہے سینہ کے اندر کی ہوئی محبت۔ جی نہیں شکریہ آپ نے مجھے کانٹوں میں محبت جو کچھ بھی آپ نے فرمایا وہ آپ کا اور میرے اجاب کا صرف حسن ظن ہے۔ کہئے اب مزاج کا کیا حال ہے؟ کیا بیماری ہے؟ کس کا علاج جاری ہے۔ بیمار۔ محترمہ! یہ دو چھو بیماری کیا ہے؟ ہماری شیخ زندگی بچھا چلا رہی ہے۔ میری ولی آرزو آپ سے ملنے کی تھی سو وہ بڑی ہو گئی۔ علاج تو میں نے بہت کچھ کر دیا لیکن بیماری میں کچھ افادہ نہیں ہوا۔ ابھی ایک شخص صاحب آئے تھے انھوں نے ٹیبلٹ بھی اور صرف یہ کہہ کر تشریف لے گئے سہ انسر بائیں سن بریزر اے نادال طبیب در و مندر ہجر دار و بجز دیدار نیست کے لو محبت!۔ سنا ہے آپ کے سر میں بھی درد ہوتا ہے اس کے

محبت مدد میں اندر نہ سکتی ہوں شباب؟ بیمار!۔ جی ہاں! تشریف لائے۔ محبت!۔ معاف کیجئے گا ملا تعارف کے آپ سے گفتگو کرنے کا شرف حاصل کر رہی ہوں۔

بیمار!۔ جی نہیں کوئی ایسی بات نہیں! اور میں بھی تو بغیر تعارف کے شرف ملاقات حاصل کر رہا ہوں۔ کیا میں یہ معلوم کر سکتا ہوں کہ مجھے کس سے گفتگو کرنے کا شرف حاصل ہو رہا ہے؟

محبت!۔ جی مجھے "محبت" کہتے ہیں۔ چند احباب کی لابی مطلق ہو گا کہ آپ کے مشعل کی طبیعت کچھ ناساز ہے۔ اس لئے دل نہ کہا جیوڑا ویجہی نہیں۔ وہ آپ کے اخلاق کی بہت تعریف کرتے ہیں۔ فرمائیے اب مزاج کیسے ہیں؟

بیمار!۔ اہ محبت صاحبہ معاف فرمائیے! اٹھ نہیں سکتا وہ آپ کے قدم چوم لیتا۔ میں کس زبان سے آپ کا شکریہ ادا کروں۔ میرا ور آپ کا پہلے ہی غائبانہ تعارف تھا اور مدت سے آپ سے ملنے کا اشتیاق بھی رکھتا تھا یہ تمنا آج پوری ہوئی۔ کتنا خوش قسمت ہوں کہ آپ نے غریب خانہ تک زحمت گوارا کی میرے دوست آپ کی بہت تعریف کرتے ہیں۔ اور جب بھی دعا چاہتی ہوں تو آپ ہی کا ذکر خیر ہوتا ہے اور جو آپ سے متعارف ہیں وہ آپ کے کئی کرشمے بنا کر ہمارا اور آپ کا غائبانہ تعارف کرا چکے ہیں۔

ان میں سے ایک کہتا ہے مکمل میاں آپ میں سے کسی کی محبت صاحبہ سے دوستی ہے؟ تو وہ ہوا کہتا ہے۔ ارے یار ان سے تو ہمارا بہت زمانہ کا

کسی اچھے حکیم سے رائے لی ہوتی۔

بیارہ۔ ہاں محترمہ! ایک طبیب کو میں نے بلوایا تھا۔  
دوسری کیفیت بیان کی انھوں نے یہ نسخہ بتایا کہ

ع در دہر کے واسطے صندل لگانا ہے مفید

لیکن میں کہاکم صناع اس کا کھنا اور گرگنا دوسری بھی تو ہے  
بس اس پر وہ غصا ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے آپ

ہی بتائیے کہ کیا کیا جائے؟

محبت۔ جناب مجھے آپ سے پوری دلی ہمدردی ہے میں بھی  
کچھ طبباتی ہوں بتائیے اب اس جگہ درد ہے؟

بیارہ۔ آہ محترمہ کیساتوں درد ایک جگہ ہوتا ہوں  
کبھی دل میں کبھی سر میں ہے کبھی پلو میں

چارہ کر کیا کہوں میں درد کہاں ہوتا ہے؟

محبت۔ دوست! پہلو میں اگر درد ہو تو اسے تو ہمارے  
پاس اس کا سان نسخہ ہے اس پر عمل کرو

جلد آرام ہو جائے گا۔

ع جمل اٹھتا ہے یہ پہلو تو وہ پہلو ہوتے ہیں  
بیارہ۔ شکر یہ عیسیٰ جی یہ ترکیب تو میں نے کبھی کبھی

توفی مذہبیل ہوا۔

محبت۔ مجھے اس کا بہت انوکھ ہے نیز یہ بیماری  
انسان کے دل و دگر پر بہت جلد ملکہ کرتی ہے اس

دل و دگر کی اچھی خبر لینے نہ ہے۔

بیارہ۔ محترمہ! میں آپ کا سن زبان سے شکر ہے اور کر لیا  
مرکبھی میں آپ کی ہمدردی بھول نہیں سکتا۔

ایک صاحب گل ہی آئے تھے انھوں نے مجھی  
فرمایا کہ دل و دگر ہی کا زیادہ خیال رکھنا چاہیے۔

سے شب فرقت میں ہم ہر سانس سے پوچھ پچھتاتے ہیں  
مگر تو فریت سے ہے مزاج دل تو اچھا ہے؟

اور اب سانس بھی مٹتی جواب نہیں دے رہا  
ہے محترمہ!

محبت۔ دوست مجھے بہت جلد ہر شخص سے بے تکلف ہونا

عاتد ہے اس لئے آپ بھی تحلف نہ فرمائیے کہ

آپ کے بعد میرے لائق کو کسی خدمت سے آگاہ اس کو  
میں انجام دوں۔ اور دیکھئے صاحب میرا ایک ذاتی

مطلع ہے۔ اگر آپ کو فی چیز طبع کرانے کے لئے چھوڑتے  
ہیں تو اس خدمت کو انجام دینے کی سعادت مجھے

عطا فرمائیے اس طرح مجھے آپ کی روح کو مسرت  
پہنچا کر بڑی خوشی حاصل ہوگی۔

بیارہ۔ ہاں خوب یاد دلایا اب میرے پاس سوائے  
اس کے رکھا ہی کچھ ہے

چند مقصور بتال چند حینوں کے خطوط  
بعد مرنے کے میرے گھر سے یہ سامان نکلا

اور آپ سے ہی اتنا ہے کہ ان خطوط کو طبع کرادیکھئے  
آپ کو عطف تو ضرور ہوگی۔

محبت۔ اچی جناب کیسی تحف! یہ آپ کیا فرما رہے ہیں  
اچھا اب اجازت دیجئے۔

بیارہ۔ محبت صاحبہ آپ جاتی تو میں لیکن ہماری سیت  
میں ضرور شریک ہونا اور اس کا بھی خیال رکھنا

کر آپ اور میں سے کچھ زیادہ ہی دوستی ناکہ کو لگ  
آپ کو قاتل نہ سمجھیں سہ

ہو نہ دامن گیر کوئی جان کر قاتل نہ تھے  
تو بھی روتا میں جنازے کو ہمارے دیکھ کر

محبت۔ شک تو ہے! لیکن میں اس تذکیوں رنوں؟  
اپنا کتہ میری آنکھیں نہیں جانتی ہیں کہ انوکھا ہوتا

ہیں؟ اس لئے کسی سے کوئی انسان نسخہ تو فرمائیے  
تو فرمائی ہوگی۔

بیارہ۔ مجھے تو کوئی ترکیب سمجھ میں نہیں آ رہی ہے اگر آپ  
ہی کوئی ترکیب بتائیں تو بہتر ہے۔

محبت۔ ہاں صاحب! ایک ترکیب یاد رکھی اگر آپ اس  
عمل کرنے راضی ہیں تو میں بتاتی ہوں سہ

ہو مر کے ہم جودھا ہوئے کھل و غرق دریا نہ سمجھی جانا اٹھنا کہیں اور ہوتا



بیار۔ بہت بہتر مختصر مری میں آپ کی بھلائی ہے کسی کا آپ پر گمان تک نہ ہو گا۔

محبت۔ میں خدا سے صدق دل سے یہ دعا بھیجی ہوں کہ آپ کو جنت نصیب کرے اور آپ کے پیاروں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

بیار۔ نہیں محبت صاحبہ میرا کوئی رشتہ دار نہیں ہے اور تمام احباب میں صرف آپ ہی ایک ایسی ہیں جن سے مجھے محبت ہے۔ اس لئے میں بھی خدا سے دعا کرتا ہوں کہ "رحمت تمام! میری ہر خطا معاف! اور میری جان سے زیادہ عزیز

"محبت" کو عمر خضر نصیب ہو اور ساتھ ہی اس کو صبر جمیل بھی عطا فرما۔

اور محبت صاحبہ میرے کان میں کسی کی آواز آرہی ہے۔ شاید میری دعا مستجاب ہوئی ہوگی۔ کوئی آہستہ سے کہہ رہا ہے "ارے دو! اسے محبت کو تو نے کیا بھر رکھا ہے! محبت زندگی ہے، محبت دنیا ہے اور جب تک دنیا ہے گی اس کے ساتھ محبت بھی رہے گی۔" اچھا محبت! الوداع غ۔ خوش رہو دل و دماغ ہم تو سفر کرتے ہیں۔

ملک ادجن

## عزل

دل کو غم حیات گوارا ہے ان دنوں پہلے جو درد تھا وہی چار ہے ان دنوں  
ایک ایک اشک جان سے پیار ہے ان دنوں موتی ہے ان دنوں کوئی تار ہے ان دنوں  
ہر ایک اشک ساحل تکسین ہے آج کل دریا کی موج موج کنار ہے ان دنوں  
یہ دل ذرا سادول تری یادوں میں گویا ذرے کو آندھیوں کا سہارا ہے ان دنوں  
شمنوں کی انبیس ہے وہ پہلی ہی روشنی کیا واقعی وہ سچن آرا ہے ان دنوں  
تم آسکو تو شب کو بڑھا دو کچھ اور بھی اپنے کہے میں صبح کا بار ہے ان دنوں

نخلا خوشی کا دور بہت مختصر قاتل  
پہلے سے تیز وقت کا دہارا ہے ان دنوں  
قتیل شہانی

# شکست

ہے وہ دلیل صاحب کی بیٹی تصور کئے ہوئے تھے۔ ہائے  
کیسا دکھ کا ہوا۔ آیا جان آپ نے میری زندگی بالکل تباہ  
کر دی۔ اپنی فساد پر میری مسرتوں، میری تمنائوں  
کو بھینٹ پڑا ہوا۔ دنیا ہی یہ کیا سنگ نونہی ہے کہ جس پر جعفری  
فریفت تھے انھیں وہ لا، دریں ہی مرضی کے خیالات ان کے  
پالے پر لگی۔ یہ سوچتے سوچتے بقیں خیرالات کے سمندر  
میں غرق ہو گئی۔

بڑی دیر تک کہہ میں سکوت چھایا رہا۔ وہ مرد وہاں  
غائب تھا وہ مرد وہاں لہجہ کی ہونٹوں اس طول المدت خفاوشی  
کو جعفری نے توڑا وہ ہوتا تھا بقیں کے قریب آیا اور مانت  
کھینچے ہوئے ہچکے میں بولا۔ "مجھے سخت افسوس ہے کہ میرے  
باعث آپ اس قدر روحانی توبہ میں گرفتار آ رہے ہیں  
میری وجہ سے آپ کی خوشیوں کو شک واپار کیا۔ بقیں  
بالکل خاموش تھی جعفری نے تو بھول جاتی۔ کھینچے ہوئے  
کہا۔ "آپ سے میں سنا نہ تھا کہ کہنا چاہتا ہوں میں  
جس رزائی سے شادی کرنے کے تصور میں تھا جس کو میں نے  
ایک دفعہ دیکھا تھا وہ آپ نہیں ہیں۔ مجھے اس رزائی کو  
دلیل صاحب کی صاحبزادی یاد کر رہا گیا۔ بقیں جی پی  
جعفری بھا ہوا۔ مشیت ازوی کہ آگے انسان چور ہے  
یہ خدا کو نظر نہ آتا تھا۔ دوسرے دن شادی کا واقعہ  
میں چور دیے جا میں اپنا اعلان فوت سے جوہر دیے گئے۔  
اپنی شکست پر شاکر وہاں رہنا ہی عبدینت کا ثبوت ہے  
بقین چوکی جعفری اس کے مقصد سے دور ہوت گیا  
تھا۔ بولی آپ بھول رہے ہیں اب بھی نہیں مومن ہے یا  
بھی ہم گمراہی ہوئی تقدیر بنا سکتے ہیں اب بھی مذہب ہمارا  
رہنما ہے اگر نہ ہے اب بھی ہمارا اس زندگی کے رشتہ کو  
توڑ کر آزاد ہو سکتے ہیں اپنی زندگی کے سدھارنے میں  
ہیں کون روک سکتا ہے۔

اس قسم کی گفتگو کو جعفری وہاں سے سننے کے لیے  
تیار نہیں تھا وہ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد بولا دینا

جعفری اندرونی کش مکش سے ناواقف نہ تھا وہ  
خوب مانت تھا کہ یہ شادی محض دلیل صاحب کی ضد سے ہوئی  
ہے۔ جعفری کو یہ صدمہ تو یہ تھا کہ جس پر وہ فریفتہ ہے اس کی  
محبت کا مرکز تو کوئی دوسری ہستی ہے۔ یہ خیال دل میں لائے  
ہوئے وہ وہاں کے کمرے میں داخل ہوا اور کرسی پر دراز ہو گیا  
اس میں یہ ہمت نہ تھی کہ دل شکستہ بقیں کو پھیلے۔ بڑی  
دیر کے بعد جعفری نے کہنا شروع کیا۔ "یہ بھی عجیب بات ہے  
جس کی ہم پرستش کرتے ہیں وہ ہم سے نفرت کرتا ہے۔ آہ وہ بڑا نا  
ایک برقی جوالا کی طرح کیا کیا میرے ہوش و حواس پر لڑی۔  
مجھے سبکنا چھوڑ چھوڑ دوں میں سوچوں سے چھب گئی۔ دیر تک  
جعفری محبت کے سراپا تھا۔ بقیں اپنے خیالات میں متغیر  
رہی جعفری گنگنا رہا کہ کرسی پر سے اٹھا بقیں کا دل بڑے  
دھڑکنے لگا وہ سمٹ کر بیٹھ گئی جعفری قریب آتا ہوا بول لاری  
والہا نہ محبت کے سیرکامیری کتاؤں کی ملک! ایک دفعہ  
زنگین ٹھٹھٹ کو الٹ کر اپنے فدا کی کو دیکھے (قریب ہوتا ہوا)  
یہ جگہ گنگنا، جھلکا رہا کھوٹ کھوٹ کتنا جاذب نظر ہے جیسے کوئی  
حیوان میں سکر رہا ہے۔ بقیں کچھ بکھنے۔ پانی مٹی کو مٹی  
یہ کہتا ہوا پھرتی سے ٹھٹھٹ الٹ دیا صورت پر نظر پڑنے  
ہی بے اختیار جعفری کے منہ سے نکلیا۔ "کون۔ حسرتوں،  
ارٹوں کے ساتھ وہ آگے بڑھا اور گھبراہٹ وراسی کی  
کی حالت میں وہ کرسی پر گر پڑا۔ بقیں پر ایک جبریری سی  
آئی ایک ٹکڑی سی اس کے دماغ میں کوندی۔ پہلے تو اس نے  
جعفری کی بے مٹی باتوں پر غور نہیں کیا۔ ابھی بولی کے حار ہے  
ہیں لیکن اس کے یہ کہتے پر۔ "کون۔" وہ سمجھ گئی کہ یہ بے مٹی  
باتیں محض خیال آرائی نہیں ہیں ضرور حلیت رکھتی ہیں۔  
وہ فوراً ہانپ گئی کہ جعفری میری بجائے کسی اور کو دیکھنے کے  
تمنی تھے اس کو جس نے ان کا دل ہرباز کر لیا تھا اور

ہرگز نہیں ہو سکتا لوگ کیا کہیں گے بقیس بولی "لوگ! آپس لوگوں سے کیا کر سکا۔ ہم تو اپنی کمزوری ہوتی خوشی حاصل کرنا چاہتے ہیں یہ ہمارا حق ہے۔"

جعفری "آپ غور کیجئے یہ نامکن ہے۔ بقیس عاجز نہ ہو جس میں بولی "اب بھی کچھ نہیں کیا۔ مجھ غریب کی زندگی تباہ نہ کیجئے۔ آپ مجھے اس قدر سے رہا کر دیجئے۔ جعفری نے چہن ہو کر بولا مجھے کوئی غدر نہیں۔ میں آپ کے لئے سب کچھ کرنے کو تیار ہوں۔ لیکن یہ بات خجل ہے۔ لوگ کیا کہیں گے۔ جعفری کچھ سوچنے لگا۔

بقیس تیزی سے بولی "ہرگز نہیں ہم باہل حق بجانب ہیں اسی طریقہ سے۔۔۔۔۔ تین زندگیاں سدھر جائیں گی۔ جعفری "مگر آپ خود تو کہتے کہ ایسا کرنے کے بعد آپ متعلق لوگوں کا کیا خیال ہوگا۔ کیا لڑا وہ آپ کو قبول کر لے گا۔ بقیس کے دل میں چہن ہی محسوس ہوئی۔ "وہ اچھا کر لینی" مجھے پورا اعتماد ہے اس کی میں ذمہ دار ہوں آپ کو سوچنے کی ضرورت نہیں۔"

جعفری "اور آپ نے اسے والد محترم کا خیال نہیں فرمایا وہ اس بے عزتی کو کب برداشت کر سکیں گے۔ وہ خود کشی کر لیں گے۔" بقیس "یہ بے عزتی ہرگز نہیں ہو سکتی یہ تو اپنے حقوق کی جنگ ہے۔ ہم مذہب کے حدود سے باہر نہیں ہیں۔"

جعفری "یہ آپ کا خیال ہے۔" بقیس بولی۔ خیال۔ خوب میری زندگی کے متعلق لوگوں سے پوچھوں۔ آپ کو دنیا کی کجی ہے اوروں کو عزت کا پاس ہے۔ آپ نے محبت نہیں کی۔ جب آپ کسی سے محبت کرتے تو آپ کا دل ٹوٹتا تو دیکھتے۔"

جعفری "میں نے جموٹی محبت کی۔ معاف فرمائیے آپ کا الزام غلط ہے آپ کو دبوکا ہوا ہے۔ اگر آپ چند دن پرشیر میری حالت دیکھیں تو معلوم ہوتا کہ میں کس کس میں جن ہاتھ ہیں ایسا محسوس کرنا تھا کہ میری زندگی اس ہستی

کے بغیر بیچ ہے۔ میں نے یہ تہہ کیا کہ میری شادی ہوئی تو اس ہوئی۔ آپ اس روح فرسا غلیظ کا اندازہ نہیں فرما سکتیں جو مجھے غولی دیو پر مشتمل ہوا۔ میری ساری توانائیاں سارے بچپن خواب برباد ہو گئے (دم کیس) اور میں زندہ ہوں۔ دلی برضا رہنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔

بقیس بولی "مہربان میں ایک ہی مذہب کے اثرات و متعلقہ طبعیتوں پر کیا نہیں کر سکتے بعض کے اثرات نقش بر آب ہوتے ہیں اور بعض کے نقش کا کچھ۔ آپ کا یہ کہنا میں نے ایسا نہیں کیا اس لئے تمہارا اتنا عجز و انتہائی ظلم ہے۔"

جعفری "بقیس یہ سب کچھ ٹھیک ہے۔ اول میں نے پہلے ہی آپ سے کہہ دیا کہ آپ کچھ سمجھ سکتی ہیں۔ مجھے مسرت کی تلاش نہیں حسرتوں کو بڑا کرنے کی تمنا نہیں۔ آپ جو کچھ فرمایا ہیں وہ ایک سچا دکھش خیال اور خوبصورت تصور ہے۔ جو عمل کے سانچے میں ڈھل نہیں سکتا۔ ہم موجودہ رشتہ کو توڑ کر خوش و خرم رہیں گے۔ ایک فریب ہے۔ اس سے آپ کی زندگی خراب اور ناقابل برداشت ہو جائے گی اور میں دنیا کی نظروں

میں نہیں دیکھتا۔ غور و فکر بقیس کو متاثر پار "آپ دنیا کو اپنے مقال ہیچ سمجھتی ہیں مگر باور رکھئے آپ اس دنیا کے ایک جز حقیق ہیں۔ کیا جزی می گل سے علاحدہ ہو سکتا ہے۔ کبھی اپنی جڑ سے ٹوٹ کر سر زمین ہو سکتی ہے۔ کیا آپ کو اس ہستی کا اتنا بھی پاس نہیں جس نے آپ کو اپنے خون سے پیدا ہو جس نے آپ کے آرام و راحت کے لئے اپنی جان بھگائی اور اس ساری جان بھگائی کا معاوضہ انھیں ہی ملنا چاہیے کیا اسی کی انھیں توقع تھی۔"

بقیس تنک بولی "حسیانی بی تمہارا فوج ہے۔ آپ موضوع غلط سے بحث کرتے ہیں۔ یہ نظریہ کی گزوری ہے۔ آپ نے مجھے برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ علامت سیکھا حاصل اگر میں کسی فعل فحش کی مرتکب ہو رہی ہوں تو اس کی سزا میں جھکتوں۔ آپ کا کہنا سنا قد نے مسخ ہے کہ رشتہ کا توڑنا ناقابل عمل ہے۔ یہ تو رائے خواہ آپ کا ہی نہیں چاہتا۔ باتیں

کیوں بناتے ہیں۔

محبت کا خواہشمند نہیں۔ میں سکون چاہتا ہوں۔  
 ہنس کر بقیں بولی۔ آپ نے زبردست بھول کر سہمیا  
 تو کیا آپ کو سکون نصیب ہو گا؟ آپ کا گھر تمام کلمہ بنا رہے

جعفری اپنے لہو کو دباتے ہوئے بولا تیر نہ ہو یہ ساری  
 مصیبتیں آپ کی لائی ہوئی ہوں گی اور میں جن سے خائف  
 ہوں وہ دنیا کی ہوں گی۔ دلی جذبات دبا سکتے ہیں۔ دنیا  
 کا مزہ بند نہیں کیا جاسکتا۔ آپ جاہیں تو اپنی زندگی کے ساتھ  
 میری اور اپنے پیارے والد کی زندگیاں کر سکتی ہیں۔  
 بقیں۔ میری زندگی تو عمر جو عرض گوارا نہیں ہو سکتی۔  
 جعفری۔ کم از کم ہماری خاطر۔

بقیں بابوس ہو گئی دل کر کر بولی ظالم کہیں کے زمانہ  
 آپ سے انتقام لے گا اور ضرور لے گا۔

بقیں کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھری لگ گئی جعفری  
 نے لاکھ سمجھانے کی کوشش کی لیکن یہ طوفان امنڈ اٹا۔

ایک ہفتہ بقیں کے لئے انتہائی خود اندوہ میں گزرا۔  
 دگڈارا دھڑک سوزا ہیں اس کے شدید کرب و اضطراب کا پتہ

دس رہی تھیں اس کی آنکھیں نم تھیں۔ اس نے ارادہ کیا کہ  
 خودکشی کرے اور اس سلسلے جاکشی کی تعلیم سے نجات پائے۔

خود داری نے اسے اس بات سے باز رکھا۔ حریف کے مقابل  
 خودکشی کو وہ استقامت و شجاعت سمجھتی تھی۔ جعفری کی گفتگو

سے اسے علوم ہو چکا تھا کہ اس نے جان بوجھ کر اس سے شادی  
 کی اور اس پر یہ مصیبت نازل کی بقیں کا سینہ میں شعلے بجھنے

لگے۔ جس نے اس کی زندگی ختم کی اسے زندہ در گور  
 کر ڈالا اور وہ کسی کو نہیں سے جینے کے لئے نہیں چھوڑ سکتی اس

کے لئے دنیا کو جہنم بنانے کا عزم کر چکی تھی۔  
 رفتہ رفتہ بقیں کے رنج و اہم میں کمی ہوتی گئی مگر نفرت

و انتقام کی آگ اس کے سینہ میں تیز ہو رہی تھی۔ ظالم  
 جعفری اس کے آنکھوں میں خار کی طرح کھینک رہا تھا۔ بقیں

کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ جو تہنیت رنڈ ہیہ نے سلاج نے

جعفری میں موضوع گفتگو کے ہر پہلو پر سوچ  
 چکا ہوں مگر آپ نے ایسا نہیں کیا میں یہ اپنا فرض سمجھتا ہوں  
 کہ آپ کے تاثرات کو ہر طریقہ سے مٹاؤں۔ جن فوائد کو پیش نظر  
 رکھ کر میں آپ کی خواہش پر عمل کروں وہ مفصل ہیں نقصان  
 کا امکان بھی ہے ایسی صورت میں آپ کا کہنا ناقابل عمل نہیں  
 تو اور کیا ہے۔ مجھے آپ سے کوئی تعلق نہیں آپ کی خواہش  
 کی تکمیل سے میری اور آپ کے والد کی زندگی متاثر ہو رہی  
 ہے یہی نہیں بلکہ آپ کے سچے بھائی خواہ کی جان معرض خطر  
 میں ہے۔ میں نہیں جانتا کہ آپ کے خاطر اس مہلک خطر کی ذمہ داری  
 اپنے سر لوں۔ یہ میرا قطعی فیصلہ ہے۔

بقیں۔ بھائی متاثر ہوئی اور بھرائی ہوئی آواز میں  
 بولی۔ آپ کا جی نہیں چاہتا آپ کی جھڑپ صرف دکھاؤ  
 کی تھی۔ ترجمہ کے اس میں شرافت کا رد تھا۔ مجھے تڑپا تھا کہ  
 مارنا آپ کی زندگی کا دائمی مقصد ہے۔ مجھے امید دل کر آپ نے  
 فضول مغز پاشی کی۔ بقیں کا دل سو سننے لگا وہ پھوٹ  
 پھوٹ کر رونے لگی۔ وہ ساری امیدیں مفقود ہو گئیں جو  
 عقلمندی و ریشتر پیدا ہو کر اس کے لئے سامان مسرت بن  
 گئی تھیں۔

جعفری بقیں کے رونے سے پریشان ہو گیا۔ دھجھکی  
 کرتا ہوا بولا۔ آپ تعلیم یافتہ ہیں بھلا اس رونے و مصوئے سے

کیا حاصل۔ اس قدر زبردست انقلاب کی خواہش کرنے کی کیا  
 آپ اپنے دل کو سمجھانے لگے زمانہ آپ کے ساتھ نہیں ملتا تو

آپ زمانہ کے ساتھ چلنے کی کوشش کیجئے۔ سمجھ جائے آپ مجھے  
 ہی کا ہمتی ہیں اور جاہلی رہیں گی۔ میں آپ کو یقین دلانا

ہوں آپ کی کھوپڑی ہوئی مسرت واپس آجائے گی۔  
 بقیں۔ بھئی متاثر آئینہ ہستی ہستے ہوئے بولی۔

میری محبت میں تلون نہیں ایک شریف عورت اپنا دل ایک  
 کو دھکتی ہے۔ ہمارے مذہب کے یہود و رسم و رواج نے آپ کو

مجھ پر اختیار دیا ہے آپ میرے جسم کے مالک ہیں مگر دل۔  
 جعفری جہیز ہو کر۔ اس کا دل طلب کار نہیں آپ کی

مردوں کی بنائی ہوئی دنیا کے جعفری کو دیا ہے کیا وہ انتہا۔  
اس سے جہنم نہیں سختی؟

اس انتظار کے سبب ہو جانے سے ہی اس کا جرج  
دلی صحت پاسکتا ہے اس کی کھلائی ہوئی تن میں تازہ ہوتی  
ہیں۔ اگر قدر نہ اس کا ساتھ دے تو دوسری قوت ہرگز ذوق  
نہیں دے سکتی۔

برخلاف اس کے جعفری کا ہر عمل یہ خواہش لئے  
ہوئے تھا کہ بلیں کی مکنت و بھٹی کا مائے اس کو اطمینان  
میں ملے۔ اس نے بلیوں سے کوئی سروکار نہیں رکھا۔ اس  
کو مکمل آزادی دیدی۔ وہ یہاں پہنچے جا سکتے ہیں جس  
منا چاہتے ہی سکتے ہیں اور جو چاہتے کر سکتے ہیں۔ وہ بہت کم بلیوں  
کے ساتھ رہتا تھا کہ اسے صحیح طور پر جوچنے، ٹھنڈے دل سے  
غور کرنے کا موقع ملے اور اپنے غم کو بدل بھول سکے۔ (ان شبہ  
تعلقات سے وہ ہر ایک کو اور بطور مکمل وکیل صاحب کو نا علم  
رکھنا چاہتا تھا۔ اور اسی وجہ سے اس نے ایسی رانگی سے  
شادی کی جو دوسرے کو پتا نہ ہو۔

جعفری کا بلیوں کے کمرے میں رہنا بلیوں کے لئے  
انتہائی تکلیف کا باعث تھا۔ شادی کے بعد جعفری کی ہر رات  
یہ غرابی بے گلی اور سرائیکی میں گزرتی۔ راتوں میں اٹھ کر  
ٹھنڈوں وہ مجنون کی طرح ٹھٹھا اور سو جتا رہتا۔ جو تازو  
ایسی نیند کو ہاکی بھٹی سی سر نہا ہٹ یا مسولی بلیوں سے اس  
کی آنکھ مل جاتی۔

بلیوں پر سب باغی تھی۔ شروع میں اسے جعفری  
کے کمرے میں روپیہ پھونک کر لے کر قسمت نہیں ملی۔ رنج و ملال کے  
ساتھ ساتھ اس کو اور باتوں کا احساس ہونے لگا جعفری  
کی دوری اس کے لئے غیر معمولی جبر تھا۔ جی۔ وہ خود کو  
اس کی بھجور بنی اور اس کو اپنا مختار باغی سمجھا۔ وہ اس  
اقبنا ب سے جھڑ سورا و اسی دیر پش سندر بھی۔

دن زار رہے تھے دو دونوں کے تو قحاح و تفت کے  
ساتھ وابستہ تھے۔ دو دونوں کے آرزو مند دل انقلاب چاہتے

تھے بابک کی امیدیں غریبی تھیں اور دوسرے کی تعمیر۔  
ایک دوسرے سے دوڑا پس و حسرت کی زندگی گزار رہے  
تھے۔ بلیوں کی صورت میں جھپٹے ہوئے بھول کی طرح بڑبک  
ہو رہی تھی۔ جعفری کا چہرہ زرد و بڑبک تھا۔

تین ماہ گزر گئے اس دن میں جعفری بلیوں سے لگھوڑا  
چلا گیا۔ پہلی بار بلیوں کو اسے باہر بھٹی گئی دوسری بار جھپٹا کو لگی  
آپ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں کہہ دیجئے میں سن رہی ہوں؟

جعفری نے کہا میں آپ سے لگھوڑا چاہتا ہوں۔ بلیوں  
سنگ آکر بولی۔ مجھ سے لگھوڑا گھٹتے تو میری ہیں۔ میں آپ کا دل  
چاہتا ہوں یا ہتی آپ مجھے دن نہ بیٹھے یہ یہ سچی جعفری کی تین  
پہنچنے کی بھٹی اور ضرب کی تاثیر نہ جھپٹا لیکن محل ہی کو بہتر سنا  
ایک دن دوسرے ماہی پر جعفری سے لگھوڑا بلیوں کی انہو  
ساتھ تھا۔ انے کہا "نام میں آئے تھے" دہا بلیوں کا جواب  
اور پھر اچھا ہے اسلام کہہ گئے ہیں۔ جعفری معلوم ہوا کہ ہا  
چا قدم کو کہی طرف بڑھا پھر کا اور ملٹ کر پوچھا بلیوں مجھ سے  
کہہ دیجئے تم نے کیوں تکلیف کی۔ لگھوڑا بی نے سادگی سے کہا  
"بی بی ان سے نہیں ملیں" جعفری بھی سنا یا جھپٹا بلیوں  
سے معلوم ہو جانے کا تو بہانہ تھا جعفری نے حیرت سے

پوچھا۔ کیوں؟ لگھوڑا بولی۔ بی بی نے کہا جھپٹا میں نے  
سامنے تلخے کی اہار ت نہیں کی ہے۔ جعفری دلی میں نہ بک  
رکھ رولج کا اس قدر پاس۔ شادی کی رات کے بعد پہلی دفعہ  
جعفری کے جسم میں موت کی لہر دوڑ گئی۔ جعفری تیزی سے کمرے میں  
داخل ہوا اور اسے باخفا کہنے لگا "معلوم ہوا امر آئے تھے"۔  
آپ نے انہیں اندکیوں نہیں بلایا۔ یہ کیا عجب کیا۔ نہ تو  
پر وہ بلیوں کی صورت میں غور سے دیکھ رہا تھا۔ بلیوں ساکت و  
صامت تھی۔ اس کو آپ کے بھائی میں "..... چلے  
ابھی آپ ان سے معافی چاہیں۔

..... آج پہلی دفعہ جعفری نے بلیوں کے چہرہ پر خون  
دوڑا ہوا دیکھا..... پھر وہ کمرے میں داخل ہوا تو بلیوں  
تیار تھیں۔ رات میں دو دونوں واپس ہو گئے۔

میں گھوم رہے ہیں جعفری معلوم نہ کر سکا۔  
 انہیں دونوں ایک رات جعفری کلب سے واپس ہوا  
 بقیس کو اپنا منظر اور مشاق پایا۔ جعفری کو اپنی طرف آنے پر  
 دیکر بقیس کمرہ بند ہو گئی اور کھنڈہ پی سے بولی میں کھانا  
 کھاؤں گی۔ جعفری منہ ہاتھ دھو کر کمرہ میں پہنچا بقیس جیسی  
 تھی چہرہ ستار ہاتھ جعفری نے سکر اتے ہوئے کہا۔ کیا میرا  
 خیال صحیح ہے کہ آپ کو اپنی غلطی کا احساس شروع ہو گیا۔  
 بقیس جین جیمین ہونے پر آپ ہی غلطی پر ہیں آپ سے  
 دوسری بار اور..... آخری بار میں انتظار کرتی ہوں۔

جعفری افسردہ ہو گیا۔ میں سننے کو تیار ہوں گھر جانا  
 ہوں فضول ہے (کھنڈہ پی کی طرف دھڑک رہا تھا۔  
 بقیس انتظار سے نہیں تھکتی آپ کو مجھے صدمہ  
 ہوا ہے۔ میری اور نامہ کی زندگی تباہ کیجئے۔ رحم کیجئے! میں  
 جعفری تندی سے بولا۔ میں مذکور ہوں؟ میں مذکور  
 تباہ کر رہا ہوں؟ اور آپ تو کچھ کہنا نہیں چاہتیں۔  
 بقیس جی تندی سے بولی میں سوچ چکی۔ آپ ایک  
 بے درد ظالم انسان ہیں۔

جعفری مجھے ہمدردی آپ جاہتی ہیں۔ وہ ظلم ہے  
 میں ظلم کا مرتکب نہیں ہو سکتا۔  
 بقیس لال ہو گئی۔ انتہائی مجبوری جنم خیز ہوئی  
 ہے اب مجھے مجبور نہ کیجئے میں ہر وہ عمل کرنے پر آمادہ ہوں جو  
 مجھے آپ کی قید سے نجات دلائے۔  
 جعفری بقیس کو دیکھ کر دھمکی نہ دیجئے۔ آپ جو  
 چاہے کر سکتی ہیں۔

بقیس کے چہرے پر زہریلی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔  
 اس کی آنکھیں سرخ، آنکھار ہو رہی تھی۔ بالکل خاموشی میں  
 دونوں نے کھانا کھا جعفری گردن جھکا کر ہونے لگا۔  
 پیشانی پر شیشیں تھیں۔ بقیس کے چہرہ کا رنگ بدلا ہوا تھا۔  
 کھانے کے بعد جعفری اٹھا کھنڈہ پی باہر آئی تھی جعفری گلاس میں  
 پانی ڈال کر گلاس منہ کو لگا لپٹی پا ہوتا تھا کہ بقیس نے ہرن

دوسرے دن صبح میں ناشتہ پر بقیس نے پہلی دفعہ  
 گفتگو میں پہل کی بقیس گردن جھکا کر ہونے لگی۔  
 آج اپنے گھر جانا چاہتی ہوں۔  
 جعفری زیر لب بسم سے۔ آپ اپنے گھر میں ہی  
 ہیں۔  
 بقیس جھینپی لیکن فوراً توجہ پڑھ گئے۔ زندہ و گرد  
 ہوں۔  
 جعفری ان غصیوں کا حامی سا ہو گیا تھا مسکرا کر بولا  
 میں آپ کے ساتھ ہوں۔

بقیس خود کردہ راجعہ نیست۔  
 جعفری جیسے شاہی نہیں۔ آپ شوق سے با سکتی۔  
 ہیں۔  
 بقیس نامہ صبح تک رہیں میں وہیں رہوں گی۔  
 جعفری آپ کو اختیار ہے۔

امریکے موجودگی سے بقیس کے تن بدو میں جان پرانی  
 اس کے شباب کی رنگین آرزوؤں اور تناؤں کا پیکر اس کی  
 آنکھوں کے سامنے تھا۔ لیکن وہ اس سے بہت دور تھا اس قدر  
 قرب اور اتنا بعد۔ بقیس کی روح بے چین ہو گئی۔ محرومی اور  
 بد قسمتی کا احساس شہرت سے تازہ ہو گیا۔ نامہ کے جانے کے  
 بعد بقیس مستحکم غمزدہ و استغلاال کے ساتھ اپنے گھر کوئی جعفری  
 نے دیکھا اس قبل کا درمیان بقیس کا رنگ درو پ گھر گیا ہے۔  
 بقیس نے محسوس کیا کہ جعفری لانا اور لاغز ہو گیا ہے۔

بقیس انقلاب کے آثار کو اپنے سوا حق پارسی تھی  
 اب اس کو صبر کا یار نہیں تھا وہ عجلت چاہتی تھی۔ قدرت  
 کی سست رفتار سے وہ بولکھار رہی تھی نہیں معلوم ابھی کتنے  
 پہنچے کتنے سال آزمائش میں گزریں گے۔ جعفری نے بھی  
 محسوس کیا کہ ان دونوں بقیس کا رنگ بدلا ہوا ہے وہ کسی  
 تشویش اور الجھن میں گرفتار ہے۔ دن میں اکثر وہ  
 چنگ پر پڑی رہتی راتوں میں کم سوئی اور بہت نیلگ رہتی۔  
 بقیس کیا سوچ رہی ہے۔ کون سے خیالات اس کے دماغ

اور گراں بہا چتر جھوٹی بازی میں لگا دی۔ اس واقعہ نے اسے یقین دلادیا۔ یہ یقین جاں کس اور دل کس میں رہتا ہوا۔ بد مزگی اور تنہا کے سماجی حصر کی کہ چہرے سے ظاہر ہونے لگے۔ دن بدن اس کی محنت بڑھتی گئی۔ وہ طویل چوکیا۔ بچنے سے اس کو کمزور کر ڈالا۔ بائیکاٹ کا اس پر سخت حملہ ہوا۔ اس زمانہ میں تنہا و جذبات بلقیس کے دل میں دوڑ رہے تھے۔ اس خاص واقعہ سے وہ بیدار متاثر ہوئی۔ اس خیالات میں سکون پیدا ہوا کہ جعفری ہمارا ہو گیا۔ قدرت اس کے جذبات اور اس کی زندگی سے کھیل رہی تھی۔ جعفری کی محنت پر وہ خوشی سے ناچنے لگی۔

جعفری کا اصرار تھا کہ اسے دو اعزاء بھیج دیا جائے۔ اس کی حالت خراب ہوئی تھی۔ اسے دو اعزاء بھیج دیا گیا۔ جعفری جانے وقت بلقیس کو قریب بلایا اور بولا۔ "بلقیس اب آپ ہر طرح آزاد ہیں۔ بلقیس بیتاب ہو کر بولی "نہیں ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا" وہ جذبات سے بے ہوش ہو گئی۔

زندگی اسے خوفناک نظر آ رہی تھی۔ دن گزرتا تو ملت سے وہ خائف ہو جاتی رات ختم ہوتی تو دن اسے بھیاں کہ معلوم ہوتا مسلسل روح فرسائی اور سہم قلبی اذیت سے وقت گزار رہی تھی۔ ہر وقت وہ قسمت کا فیصلہ سننے کے لئے تیار تھی۔ قدرت اب بھی سہل بخاری سے کام لے رہی تھی بلقیس متحیر تھی کہ اس زبردست جاں سودی کی حالت میں اس کی توانائیوں نے جاب کبوں نہیں دیا۔

کمال ۲۰ دن کے بعد اس کو معلوم ہوا کہ جعفری موت کے منہ سے نکل گیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ وہ حیرت و دیر کے لئے کھڑی تھی۔ عورت کا زہر ملا انتقام جس پر اس کی ساری امیدوں کا دار و مدار تھا کیا پانے ہو سکا اور جبکہ وہ جعفری کی شخصیت سے متاثر ہو چکی تھی۔ قدرت نے اس سے بلقیس کی آس ٹوٹ چکی تھی جعفری پر بے موقع اور بے نتیجہ وار کیا۔ وہ سوچنے لگی کیا فی الحقیقت دنیا کو

کی طرح چھلانگ ماری اور گلاس پر ہاتھ مارا۔ گلاس بٹنے لگا۔ گر کر پاش پاش ہو گیا ساتھ ہی اس نے جگ کو بھاڑ میں پھینک دیا۔ جعفری قلب سے بلقیس کو دیکھنے لگا۔ جعفری نے بلقیس آئی تھی۔ اتنا ہی آہستہ وہ وہاں پہنچی۔ جعفری زرد رنگ کی طنز سے بولا۔ "یہ کیا کیا تم نے بلقیس وہی آواز ہے (جعفری کو حتمی نظروں سے دیکھ کر) میں جو چاہے وہ کرے ہوں۔

جعفری "حقارت سے بولا "کاش آپ کا غصہ مجھ پر یا اترتا بلکہ کی طرح آپ مجھے پاش پاش کر ڈالیں (زہر خند)۔

بلقیس زخمی شیرینی کی طرح ہچک کر بولی "عورت کا انتقام بڑا خوفناک ہوتا ہے جعفری طنز سے بولا ہم بھی دیکھیں گے۔

بلقیس اس طرح طنز سے بولی "یہ تو میں دیکھ رہی ہوں" بلقیس اندرونی ہجمن سے بے قابو ہو رہی تھی اس کے ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے وہ دوڑتی ہوئی ٹینک پر گر پڑی اور زار زار روئے لگی۔ اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔

وہ جانتی تھی کہ مذہب و تمدن کے قوانین کا توڑنا بڑا بڑا خلافی گناہ ہے۔ لیکن موجودہ منگو سے رستگاری کا زہر سے زیادہ موزوں و مریض طریقہ اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔ مجبوری و جہنم میں وہ اس گناہ عظیم کی مرتکب ہونے والی تھی لیکن ناشافی نظری کمزوری بیکار کی طرح اٹھی اور اس کے عزم کو ہلا ڈالا۔

اس واقعہ کے بعد بلقیس کے جنون و وحشت میں کمی ہو گئی۔ اس کی آنکھیں موتی پر نہ نکلیں اس کی زندگی بیکار و ناامیدی میں بسر ہونے لگی۔ مذہب اس کی مدد نہیں کرتا تھا قدرت اس کا اعتماد کھو رہی تھی اس کو اپنا انجام غیر یقینی اور زیادہ بھیاں کہ نظر آنے لگا۔

جعفری سوچ رہا تھا کہ اس نے بلقیس کا غلط اندازہ لگا یا مفت میں درد سری لے لی اجوائی جیسی شیریں

شکست دیدی۔ کمرہ میں بالکل سکوت تھا۔ ناصر کے جانے کے بعد بھی یہ سکوت قائم رہا۔ جعفری اور بقیں اس وقت ایک ہی پبلنگ پر تھے۔ دونوں مختلف فنسب وں میں گھوم رہے تھے جعفری نے سکوت توڑا۔

جعفری: ”میں آپ کو خط لکھنے والا تھا۔“

بقیں: ”میں بغیر بلائے آگئی۔ فرمائیے۔“

جعفری روکے پن سے بولا: ”میں آپ کو بلانا نہیں چاہتا تھا۔ میں تعذیب کر چکا ہوں کہ آپ کو مذہب کے قید و بند سے آزاد کر دوں۔ یہ میرا اعتراف شکست ہے۔ انتقام کا رخ پھٹ گیا۔“

بقیں نے جعفری کے اہتہ پر ہاتھ رکھنے کی کوشش کی مگر صرف آنکھیاں جوڑیں۔ جعفری بقیں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالی کچھ دیکھنا چاہا۔

”بقیں سرگوشیاں انداز میں بولی ”آپ کی قید کو آزادی پر ترجیح دیجی ہوں۔ اعتراف شکست بے عمل ہے بقیں نے نظر سنبھلی کر بیں۔“

جعفری کی ہجوتن میں اشارہ..... قربانی..... اس کی ضرورت تیار دہن میں برداشت کر سکتا..... میں ان آنکھوں میں ندامت دیکھنا چاہتا ہوں۔

بقیں کجاہت سے بولی ”وہ مجھے ان آنکھوں میں سوائے ندامت و انفعال کے اور کچھ نہیں جعفری نے زبان لپکا وہ آنکھوں میں اٹھار کھنا دیکھا۔“

جعفری: ”میں یہ کیا دیکھ رہا ہوں۔ کیا یہ حقیقت ہے یا خوش گوار خواب۔“

بقیں بولی ”اب میں جاگ گئی۔“

جعفری بقیں کو غور سے دیکھ کر بولا: ”آپ بدل گیا گی مجھے اس کی کوئی امید نہ تھی۔ مگر وہی کائنات کرنا ہیے“

دل کا کام ہے۔ بقیں بیدار پیمان لکھی۔ لیکن وہ اس فضا کو جلد از جلد مٹا کر لینا چاہتی تھی بولی ”یہ سب میرا مقصود تھا۔“

جعفری کے وجود کی ضرورت ہے۔ کیا دیتا اس سے کسی مسئلہ پر روشنی ڈالنا چاہتی ہے۔ جعفری چونکہ کہہ رہے تھے کیا وہ صبح ہے۔ اس کے پہلے زاویہ نگاہ کی، طوفانی واقعات کے پر زور ہچکولوں نے خبریں ڈھیلی کر دیں جعفری کی صحت کی اطلاع نے اسے اور بھی بالوس کر دیا۔

خیالات نے کروٹ لی۔ نئی روشنی کا نفاذ نہیں اس نے موجودہ حالات کا جائزہ لیا۔ پہلے واقعات کی روکے اثر میں وہ جعفری کے ساتھ دو اٹھانا چاہتی تھی لیکن اس کے والدین نے اسے روکا۔ اب جبکہ جعفری اچھا ہو گیا تھا۔ بقیں دو اٹھانا چاہتی تھی اور یہ وہ سوج رہی تھی کہ جب ضرورت تھی میں نہیں آئی آپ کیا مٹنے کے جانوں وہ غریب آجائیں گے۔

کچھ دنوں بعد بقیں کو اطلاع ملی کہ جعفری دو اٹھا سے اپنے گھر چلا گیا۔ اس کوئی تکلیف ہوئی وہ اس کا انتظار کر رہی تھی۔ بولنے کا انھیں نہیں۔ خود آری اسے اجازت نہیں دی۔ جعفری کی طرف سے بالکل سکوت تھا۔ اب آپ مجھ کو گھر آتے چن دنوں اس نے انتظار کیا۔ آخر پہلی گئی۔

جب بقیں کمرہ میں داخل ہوئی تو دیکھا ناصر کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ جعفری پبلنگ پر دراز ہے۔ ایک گوشہ و خون کا متنوع مجسمہ و سراپا دست و استخوان کا متصل ڈھانچہ بقیں نے

دو دفن کو غور سے دیکھا ناصر پوچھا ”آپ کیسے“ ناصر (جعفری کو بتا کر) ”آپ کی کلمات کی جڑ سے ہی فوراً اور بڑ گیا۔“

تشریعت لائیے۔ ”ابک کرسی ناصر کے قریب رکھی ہوئی تھی۔ بقیں کرسی کی طرف بڑھی۔ مگر وہ جعفری کے پانچ پبلنگ پر بیٹھی تھی۔“

گونا گونہ سب کی معین کر وہ جگہ اسے مرغوب ہو گئی۔ اس کے قمرزل قلب نے کیوں ہی کی راہ میز کر لی۔

قدرت کے کھلنا بیٹنے کا کس میں حوصلہ نہیں رہا۔ جعفری نے بقیں کے پبلنگ پر بیٹھنے پر نہ کوئی اہتیا کی اور نہ اس کی جگہ کے انتخاب پر غور کیا۔ اس کے خوفناک

عزائم اور ہولناک استقلال نے جعفری کے ارادوں کو



جعفری: خدا کا شکر ہے  
 جفتیں: تفصیلات میں نہ جانے میں ہاں گئی آپ  
 غیر معمولی انسان ہیں مضبوط و تحمل کا مکمل نمونہ۔  
 جعفری: شکر ہے۔  
 جفتیں: حیرت سے کہہ رہی ہیں؟  
 جعفری: بلیس میں آپ کا دل جیتا، چاہتا تھا.....  
 جو آسان نہ تھا۔ میں نے دل جیت لیا۔  
 جفتیں: اس خیال میں کبھی تھی۔  
 ابو الظم: عون اللہ

## غزل

پیغام وے رہی تھی فنا کا بقا مجھے  
 وہ آگے تو ہو گئی حاصل شفا مجھے  
 کچھ کہہ گئی ہے کان میں جسے سنا مجھے  
 بجھنے تیرے جب سے کیا آشنا مجھے  
 آباد دل کیا میرا احسان ہے تیرا  
 زلف سیاہ یار ہے یا مارا تین  
 دن رات ہجر میں تیرا تمکین میں  
 آخر بقا کی دھن نے کیا ہے فنا مجھے  
 حیران ہو کے دیکھ رہی ہے بھلا مجھے  
 آنے لگی ہے گہمت گل سے حیا مجھے  
 میرے کہو سے آتی ہے بوئے فنا مجھے  
 رہ رہ کے یاد آتی ہے تیری جفا مجھے  
 جینے کہیں نہ دیگی یہ کالی بلا مجھے  
 کہہ چین لینے دیگی یہ آہ و بکا مجھے

غیروں کی بیوفائی کا یعنی ہے کیا گلہ

خود میری جان دے گئی آخر دعا مجھے

سید غوث الدین سی

# ڈرامہ گلزارِ نسیم

(نثری صورتیہ کے مد نظر)

[سرور ہائیں! پرندوں کی چمک آتش لا کر نا]

تاج الملوک! شہزادے! کچھ کیا باب کی شفقت! ماں کا پیار، بھائیوں کی محبت۔ اب مجھے آگے بڑھنا ہے! اپنی دنیا آپ بنا رہی ہے۔ اپنے پر اعتماد کرنا سیکھ۔ یہ کیا بچی، بچی چا رہی ہے۔ (پتھر پھینکی آواز) سپاہی۔ (اپنے ساتھی سے) اڑی! کہ شہزادوں کا پتہ نہیں چلا۔ جائے کہاں غائب ہو گئے۔

دوسرا سپاہی۔ چلو! اب ڈھونڈنا ضرور ہے۔ شام بھی ہو چکی۔

تاج الملوک۔ کس کی تلاش ہے۔

سپاہی۔ تم نے ہمارے شہزادوں کو دیکھا ہے۔

تاج الملوک۔ شہزادے! مطلب۔

سپاہی۔ کئی دن سے لا پتہ ہیں۔

تاج الملوک۔ کہاں کہ شہزادے ہیں۔

سپاہی۔ شہنشاہ زین الملوک کے فرزند و جند ہیں۔

تاج الملوک۔ شہنشاہ تاج الملوک کے فرزند!

دوسرا سپاہی۔ ہاں! گل بگائی کی تلاش میں تھے ہیں۔

(مدھانہ کھٹکھٹانے کی آواز)

بیوا۔ کون۔

تاج الملوک۔ میں۔ شہزادہ تاج الملوک۔

بیوا۔ (خوشی کے لہجے میں) انشراح لائیے۔ فرمائیے

کیسے زحمت کی۔

تاج الملوک۔ آپ کی بڑی تعریف سنی ہے، سنا ہے کہ شہنشاہ

کمال مامل ہے۔

بیوا۔ (اکثر کے لہجے میں) ازہرہ نوازی ہے۔ غماز خواہ کے

لوگوں نے شہزادہ کو رکھا ہے۔

تاج الملوک۔ تو ایک بازی ہو جائے۔

بیوا۔ خوب۔

(جھل سنا۔ دوسرے خوفناک آوازیں سنائی دیتی ہیں۔)

(ایسے دو پنج رہے ہوں)

تاج الملوک۔ آف! میں کس خوفناک جھل میں پہنچ گیا۔ اچھا

اب تو یہی بچا (دوسرے آوازوں کی گھنٹیوں کی آواز

سنائی دیتی ہے)

دیو۔ (خوفناک آوازیں) اہ!۔ آج میں کیا بیکار ہو گیا۔

ادھر آدھم زادہ اور ادھم۔ پہلے کس کو ڈالنا ہوتا۔

پہلے اونٹ کو چٹ کر لیں! بعد میں حضرت آدھم کی

خبر لیں۔ تمہارے۔

تاج الملوک۔ اودھ! ادھم! میری زندگی کا محافظ ہے، مجھے

بچا۔ اونٹ۔ دیکھیں اس میں کیا ہے۔ شیلا!

دیو۔ (قریب آکر) کیوں ہاں سا خبر دے۔

تاج الملوک۔ آواز بجاتا ہوں بچا جان۔

دیو۔ اپنے بچا کے لئے کیا رکھا ہے۔

تاج الملوک۔ ایسی چیز ہے جس آپ یاد ہی کرتے رہے گا۔

فرمائیے کسی چیز ہے۔

دیو۔ (خوشی کے لہجے میں) بڑی مرے کی ہے۔ آج دم

مجھ سے بہت خوش ہیں۔ اٹھ گیا مانتھا ہے۔

تاج الملوک۔ بچا۔ لیکن آپ وہ چیز نہیں دے سکتے۔

دیو۔ (غصہ سے) ہم ضرور دیں گے۔ دنک۔

تاج الملوک۔ بچا دل میں ایک ہی آرزو ہے۔

دیو۔ وہ کیا۔

تاج الملوک۔ باغ آدم کی سیر۔

دیو۔ باغ آدم کی سیر! یہ سودا گب سے پیدا ہوا۔ جانتا

ہے وہ کس کا باغ ہے۔

تاج الملوک۔ جی ہاں۔ آپ کی مدد و کار ہے۔

دیو۔ افسوس۔ خیر ہم اپنا وعدہ پورا کریں گے۔ (تالی

بجاتا ہے)

دوسرا دیو۔ حضور

دیو۔ اسے حلال دیوی کے ہاں لے جاؤ اور یہ رقم دے۔

دوسرا دیو بہت خوب۔

جائزہ دیو۔ (محمودہ کو آواز دیتی ہے) محمودہ، محمودہ۔

محمودہ۔ جی۔

تھالہ دیوینی۔ خوش ہو جا۔ تیرا ہم نہیں آگیا۔

محمودہ۔ سچ۔

تاج الملوک۔ (عالمہ خیال میں) اُف کیسی سرد ہو اُمیں میں مل گیا محمودہ۔ (مشتاقانہ لہجہ میں) ایسی ہی ہمارے گلابی گلشن ہیں۔ پھول بجتے ہیں جس کی خوشبو سے سارا چین تھکسا شستا ہے۔

تاج الملوک۔ اور میں کے دل کا چین ہی اڑا گیا ہو۔ کاش میرے دل کا نعل بھی کھل جاتا۔

محمودہ۔ کنول! کیسی باتیں کرتے ہیں۔ آپ اتنے اداس کیوں ہیں۔ فرمائیے کیا میں آپ کی کوئی خدمت کر سکتی ہوں۔

تاج الملوک۔ خدمت! — قہقہہ۔ مدد کی بھی ایک ہی کمی۔ محمودہ۔ آپ کی باتوں سے مجھے تو بھول ہوتی ہے۔

[گلزار اراک، ہواؤں کے تیر جھونکے گلے اڑتے ہوئے فوارے۔ درختوں کی ڈالیوں کو پٹانے کی آواز۔ ڈالی سے پھول توڑنے کی آواز۔]

تاج الملوک۔ (خوشی کے لہجہ میں) اہ۔ میں کتنا خوش ہوں اے نورانی دنیا! تیری ہر ترن گنتی معین ہے۔ جس پھول کی خواہش تجھے تیری نورانی سر زمین میں ملانی نہیں

نے وہ پھل حاصل کر لیا۔ میں نے ایسا محسوس کیا کہ جیسے میں بندہ یوں مرا ڈا جا رہا ہوں۔

کیا یہ تم ہو۔ اے حسن کی ملکہ و دنیاؤ! تم ہی دکھاؤ گی جو جن کی توقعات شاکر آقا۔ کاش مجھیں

آپنی جنت ہوتی کہ اس فتنہ ختہ کو بیدار کرتا۔ دھکی

کے کسی جہنم میں نہر کے کنارے چربائی کے ٹھیلے فرش پر ایک دوسرے کے بل کی دھڑکیں سنتے زندگی گزار دیتے۔ جانتے تم عالم خواب میں کن معین خیالیں

کی دنیا میں یہ کر رہی ہونگی۔ اور میں یہاں کھڑا ہوا ہے قریب حسن کی سرکار با ہوں۔ سچ تم اسوگی ٹھیلے اس کا بھی علم نہ ہو گا کہ رات کسی نے ٹھیلے اس حال میں دیکھا کہ اگر تم خود بھی اپنے آپ کو دیکھتیں تو حرام میں۔

رٹن۔ (ایک اہانے سے پہلے تم ٹھیلے اپنی ایک نشانی دیتے جاتے ہیں۔ تاکہ ہماری یاد دہشاری زندگی بن جائے۔)

[زین الملوک کے راکے پائے تخت کو دایں ہوتے ہیں]

ایک بھائی۔ داد رے معتد۔ کس جھل سے پھر جاتے ہیں گھر

کنا رنگ زمانے نے دسکائے گل لینے گئے تھے، داغ لائے

کس معذ سے پردے آتے جا میں کبوتر بے پھول مسرور نکلیں

دوسرا بھائی۔ اور پھول بچائیں کمال کو بے وقوف ٹھہرائیں

ایک بھائی۔ کیا پھول ہے کہ اخر ہے اس میں ہوجاتی ہیں روشن اندھی آنکھیں

فقیر۔ (دبھی آواز میں) صاحبزادے۔ یہ پھول وہ نہیں ہے جس سے آنکھیں روشن ہوجاتی ہیں۔ وہ گل بگاڑ لی

ہے۔ دوسرا بھائی۔ گل ہے کہ علاج نور ہے یہ

گل ہے کہ چراغ طور ہے یہ تاج الملوک۔ بکواسیجین۔

بائے اگر اس درخت کی چھانوں پر رکھتے ہی تو زمین پر پاؤ ڈینگ آپ کی سب فضول ہے یہ بکواسیجین۔

دھنل ٹھڑا دے۔ خوب۔ ہاں۔ ہاں وہ پھول ہی ہے۔ ایک بھائی۔ چھین لو۔ دوسرا بھائی۔ کرلو، جانتے نہ پائے۔

ب

ساج الملوک۔ اس طرح حکمرانے ہوئے تھیں خرم نہیں آتی۔

چھوڑ دو۔ (لالی کی آواز)

کو قوال۔ (بکاؤلی) جہاں پناہ اس پائے تخت ابدت میں ایک بے مثل عمل تیار ہوا ہے۔

بادشاہ۔ بے مثل کیا بکر رہا ہے۔

کو قوال۔ اناٹا۔ سچ کہہ رہا ہوں ہر مذہبے حساب خیرت تقسیم ہوئی ہے۔

بادشاہ۔ (زین الملوک) چھوٹا ایسا کبھی نہیں ہو سکتا ہمارا براہی کوئی بھی نہیں کر سکتا۔

وزیر۔ (شیریں سنوائی آواز میں) حضور ہو سکتا ہے بہتر ہے کہ پل کر دیکھ لیں حقیقت کا نکتانہ ہوا

بادشاہ۔ غیب۔

ساج الملوک۔ حضور نے غریب عاتق پر قدم بخیز کر رونق بخشی۔

زین الملوک۔ ہم نے تمہاری داد و دہش کی بڑی تعریف ہی کر ساج الملوک۔ تمہارا نوازی ہے حضور نے کسی فرزند ماجد نہیں

زین الملوک۔ یہ چارہ صفت

ایک اور ہوا تھا قابل خشم

وہ نور بصر تھا دشمن خشم

جب لائے یہ گل بکاؤلی کا

نخل تاب خار روشتنی کا

ساج الملوک۔ حضور! آخواب وہ کہاں ہے کیا حضور نے کبھی اس کی تجلی۔

زین الملوک۔ ہمیں کوئی خبر نہیں، کہاں ہے کہاں ہے۔

ساج الملوک۔ کیا کوئی اس شہزادے کو جانتا ہے۔

ایک آدمی۔ حضور! یہ وہی ساج الملوک ہے، جن کو حضرت پیر و مرشد نے انجی نظروں سے گرا دیا تھا۔

زین الملوک۔ میرے بیٹے۔

ساج الملوک۔ حضور! ہا

زین الملوک۔ میرے بیٹے! اٹھو، اپنا سراٹھاؤ، مجھے شرمندہ نہ کرو۔

ساج الملوک۔ حضور! آپ سے اور بھی زیادہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

زین الملوک۔ اجازت ہے۔ تخلیہ۔

ساج الملوک۔ دلبر۔ محمودہ۔

دلبر۔ حضور جان کی االی پاؤں تو کچھ عرض کروں۔

زین الملوک۔ اجازت ہے۔

دلبر۔ حضور! ان شہزادوں نے آپ کو دھوکا دیا۔ پائے تخت سے

غل کر کے قید میں گرفتار ہوئے۔ شہزادے ساج الملوک نے عکسین برداشت کر کے گل بکاؤلی کو حاصل کیا مگر

پائے تخت روانہ ہوئے۔ راست میں ان شہزادوں نے پھیل کر چھین لیا اور آپ کے ہاں سرخرو ہوئے۔

زین الملوک۔ بیٹا۔

ساج الملوک۔ حضور! ہا

زین الملوک۔ بیٹا تم نے مجھے اپنی کھوئی ہوئی روشنی دلائی، اب انجی االی سے لو جو تمہاری یادیں کل رہی ہے۔

ساج الملوک۔ حضور! ہا

ساج الملوک۔ بکاؤلی

بکاؤلی۔ (شیریں سنوائی پوچھ میں) کیوں جی تمہیں لے گئے تھے رگ کی کہتی ہوں میں اور ہر تو دیکھو

مری طوت اک نظر تو دیکھو

سہو! انہیں یہ خط تمہاری

فرمائے کیا سزا تمہاری

ساج الملوک۔ خوشی کے لیے میں ارضا ہے جو خوشی ہو

ماشت کی سزا پوچھتی ہو

مکھیں زلفوں سے شکیں کسواؤ

کائے ناکھل سے چھو کو ڈسواؤ

تو اسے جو قتل ہو منظور

ابرو کے اشارے سے گرد چور

زدان میں جو زندہ بھیمت ہو

اپنے دل تنگ میں جگہ دو

بکاؤلی۔ (شیریں پوچھ میں)

میں تو بس فقط جن کا بوجھم ہے سارے تن بدلی

رخ دیکھ چکی ہوں اب ترا میں  
منہ دوسرے کو دکھاؤں کیا میں  
(بکاؤلی کی ہسلیاں بکاؤلی کو بچھانے لگتی ہیں)  
ایک ہسلی۔ ثنات افروز تارے کا ہے  
اس چاند کو گھبراہٹ لگا رہے  
رحم اپنی جوانی پر دُرا رہے  
منہ دیکھ تو آگین۔ منہ گرا رہے  
دوسری ہسلی۔ صورت تیری زار ہو چکی ہے  
کل ہو کے تو خسار ہو چکی ہے  
ہے ہے تیری عقل کس نے کوئی  
ناجنس کو چاہتا ہے کوئی  
بکاؤلی۔ رجور جو ہوں تو میں نصیب کیا  
مجبور جو ہوں تو میں نہیں کیا  
نامری حالت اب رومی ہے  
بہتر ہے دہی جو کچھ بری ہے  
بیل اسی شگ کل کی ہوں میں  
تم کیا ہو ہزار میں کہوں میں  
یہاں عیش لا دوا ہے  
اس باغ کی اور ہی دوا ہے

ہسلیاں ہنسی ہیں۔ ایک تان دیتی ہے۔  
اب تو عشق سر پر چڑھا کر بیل رہا ہے۔ قہقہہ۔

بکاؤلی۔ روح افزا۔ غیر تو ہے۔

روح افزا۔ بھل میٹھا کی گھڑاؤ گی۔

بکاؤلی۔ کس خوشی میں۔

روح افزا۔ بڑی مزے کی بات ہے۔

بکاؤلی۔ بتا تو۔

روح افزا۔ جی جان نے مان لیا۔

بکاؤلی۔ مان لیا۔ کیا مان لیا۔

روح افزا۔ تیرا بیباہ۔

بکاؤلی۔ تیرا بیباہ! کیا ایک ہی ہے۔

روح افزا۔ تیرا بیباہ بشر کے ساتھ۔  
بکاؤلی۔ سچ۔ اہم اب میں کتنی خوش ہوں۔  
ساج الملوک ہنسا ہوا کہ میں دہل ہوتا ہے۔  
بکاؤلی پوچھتی ہے۔

ساج الملوک۔ (ہنسی)

بکاؤلی۔ خیر تو ہے۔

ساج الملوک۔ (ہنسی)

بکاؤلی۔ سبب۔ دیوانے تو نہیں ہو گئے۔

کوئی بے سبب نہیں ہنسا

ساج الملوک۔ خواب دیکھتا تھا۔ آتش پر کباب دیکھتا تھا

بکاؤلی۔ ہم تباہ تھیں۔ دل سوزی کہے گا کوئی دیگر

ساج الملوک۔ سات کو انہیں۔ خورشید آتش شمع میں

بکاؤلی۔ ہرے شبنم روز۔ عالم میں ہو گئے رونق افزوں

ساج الملوک۔ اگر مقام ہو گا۔ گھڑا اقلیل رہ رہے

بکاؤلی۔ بشر جو ہم ولاد۔ سرسبز ہو تو قوم آتش پر

ساج الملوک۔ بکھی اگشت۔ شعلہ ہوا آہن میں رقصاں

بکاؤلی۔ وہ شعلہ میں پر ہی ہے۔ جوانی چاؤ نا چتی ہوں

ساج الملوک۔ جب ہوا اہلا۔ بخشاہ آہن نے ہالا

بکاؤلی۔ ہالہ آہن کا کیا تھا۔ وہ ہار تھا جو گلہ پڑا تھا

ساج الملوک۔ ہار تو کھدا۔ (ہنسی لگتا ہے) کیوں جی یہ اکیلا کھلنا

بکاؤلی۔ (سن اے صلاح دشمن) ابی جا کے کل تو خوش نہیں ہو

ساج الملوک۔ (سن اے صلاح دشمن) ابی جا کے کل تو خوش نہیں ہو

بکاؤلی۔ (سن اے صلاح دشمن) ابی جا کے کل تو خوش نہیں ہو

ساج الملوک۔ (سن اے صلاح دشمن) ابی جا کے کل تو خوش نہیں ہو

بکاؤلی۔ (سن اے صلاح دشمن) ابی جا کے کل تو خوش نہیں ہو

ساج الملوک۔ (سن اے صلاح دشمن) ابی جا کے کل تو خوش نہیں ہو

بکاؤلی۔ (سن اے صلاح دشمن) ابی جا کے کل تو خوش نہیں ہو

ساج الملوک۔ (سن اے صلاح دشمن) ابی جا کے کل تو خوش نہیں ہو

بکاؤلی۔ (سن اے صلاح دشمن) ابی جا کے کل تو خوش نہیں ہو

ساج الملوک۔ (سن اے صلاح دشمن) ابی جا کے کل تو خوش نہیں ہو

بکاؤلی۔ (سن اے صلاح دشمن) ابی جا کے کل تو خوش نہیں ہو

ساج الملوک۔ (سن اے صلاح دشمن) ابی جا کے کل تو خوش نہیں ہو

بکاؤلی۔ (سن اے صلاح دشمن) ابی جا کے کل تو خوش نہیں ہو

ساج الملوک۔ (سن اے صلاح دشمن) ابی جا کے کل تو خوش نہیں ہو

ہوں۔ میں معصیتوں میں گمراہ ہوا تھا اس لئے میں نے رانی سے شادی کر لی۔ چھوڑاں وہاں اہیات باقوں کو، اور کسی درخت کی چھانوں میں بیٹھ کر پیادگی کریں۔

بکاؤلی آپ علیے میں ابھی آئی۔ بابا کو روٹی دیکر آئی ہوں۔ آپ میرا انتظار کیجئے۔  
دہقان: (غصہ سے) یہ بات ہے، کیوں جوانی زور دے رہے ہو۔  
بکاؤلی: بابا۔

دہقان: مکار، دور ہو۔  
بکاؤلی: بابا یہ میرے شوہر ہیں۔  
دہقان: (حقارت سے) شوہرا تبتا ہوں، تو سمجھتی ہے، کیا تو ایسے ہی بیاہتی چائے گی۔ تجھے تو سونے میں لوگوں کا کیڑوں کا جھجھکا ہوا لاکر بٹا کیا ہے۔

بکاؤلی: (غصہ سے) بابا! آپ دولت مانگتے ہیں۔ آئیے میں آپ کو دولت دیتی ہوں، اس شرط سے کہ میں دیکھوں۔ اٹھائیے آپ جتنی دولت لے سکتے ہیں لے جائیے۔ میرا منہ کیا دیکھتے ہیں۔

دہقان: (خوشی کے لہجہ میں) دولت! دولت! بکاؤلی: آپ کو دولت سے محبت ہے نا۔

دہقان: میری بیٹی!  
بکاؤلی: بابا یہ میرے شوہر ہیں۔ آج سے بارہ سال پہلے ان کی شادی ہو چکی تھی، راجہ اندر کی بیٹا سے میں بہتر کی موت میں تبدیل ہو گئی۔ اب معصیت کے دن ختم ہو گئے۔ اب میں آپ سے بیاہتی ہوں۔

سلاج الملوک: بکاؤلی نے مجھے زندگی بخشی، آؤ میں ایک ایسی دنیا میں جہاں محبت کی چھانوں ہو، جہاں یہ دل دکھانے والی باتیں نہ ہوں، بس تم ہوا و مہر پر یوں کے ہو، آؤ بنا کر تم کو ایک ایسی ہی سرزمین میں۔ اپنی زندگی گزار دیں۔

سید محی الدین احمد

بکاؤلی: ستارہ ساجی کی گت پر غزل شروع کرتی ہے۔  
ساقی قدح شراب دے دے دے  
مہتاب میں آفتاب دیدے  
ساقی باقی جو کچھ ہو لے لے  
باقی ساقی شراب دیدے  
اس بت سے نہیں سوال کچھ۔ اور  
اپنے منہ سے جواب دیدے  
یہاں میں نے تجھے بنایا۔  
عجبوں مجھ کو خطاب دیدے  
اس گل سے بکاؤلی زرنہ مانگ  
جو چاہے وہ بھیجا ب دیدے  
راجہ اندر: واہ واہ، کمال کر دیا۔ مانگ، کیا مانگتی ہے۔  
بکاؤلی: حضور۔

راجہ اندر: مانگ۔  
بکاؤلی: حضور۔ تاج الملوک!  
راجہ اندر: تاج الملوک۔ بے شرم ہے جیسا۔ یہ مجال لکھاؤ  
اس کو میری نظروں سے دور کر دو، دور پھینک دو۔  
بکاؤلی: ہمارا راج!  
راجہ اندر: ہمارے برس تک تو پتھر کی مورت بن جا۔  
بکاؤلی: ہمارا راج!

(ہنسی جوتنے کی آواز۔ دہقان کا بیلوں کو ہلکنا)  
سلاج الملوک: بکاؤلی! بکاؤلی!  
بکاؤلی: کون! آپ! شہزادے۔ یہاں کیسے  
سلاج الملوک: بکاؤلی۔ تاجہ تو ہی بکاؤلی ہو۔ کیا میں خراب تو  
نہیں دیکھ رہا ہوں، تم کو پا کر مجھے کتنی خوشی ہوئی۔  
بکاؤلی: کہوں بھوت لیتے ہو شہزادے۔ میں جانتی ہوں  
اس لئے تو آپ نے رانی سے شادی کی۔

سلاج الملوک: مجھو دی۔  
بکاؤلی: مجھو رہی! خوب۔  
سلاج الملوک: بکاؤلی زرخوں پر نہک، میں شرمندہ

# غزل

خوشبو کا کارواں ادھر آیا ادھر گیا طوفان بہار کا جواٹھا تھا گزر گیا  
 ابرسیاہ میکدہ پر سے گزر گیا دیوانہ دل کو اور بھی دیوانہ کر گیا  
 جب سے مذاقِ دیرِ طلوعِ سحر گیا بندہ نواز آپ کا ذوقِ نظر گیا  
 بجلی سے بات چیتِ نشیمن کے دم سے تھی کاشانہ جل گیا تو وہ نشہ اتر گیا  
 گزرا ہے کون رکھ کر منکر سے کہ آج دامنِ تصورات کا جلوہ دل بھر گیا  
 تدبیر اک بہانہ تھی، تقدیر اک خیال تو نے جسے سنوار دیا وہ سنو گیا  
 لالہ بھی دل میں داغِ غمِ زندگی لئے چندے غماؤ اہل جہاں میں ابر گیا  
 اب دل ہے اور جذب کی کیفیتِ لطیف وہ اشتیاقِ سجدہ ہر سنگِ در گیا  
 رندوں کو میکدہ کی روٹیاں سونپ کر ساتی شراب پی کے نہ جانے کدھر گیا  
 بکھرے پڑے ہیں پھول کسی کے مزار پر یہ کون صبحِ صبح غریب جو لگے لگ گیا  
 آتش میں عکسِ ریز ہے کس کی ضیائے کس کی جھلک سے روپ گہرا کدھر گیا  
 طوفان اٹھا اٹھا کے حوادث گزر گئے اپنی ہی راہ میرا دل بے خبر گیا

ساغر نہیں، شراب نہیں، میکدہ نہیں

عبدالعزیز فطرت

فطرت کسی کا عہدِ جوانی گزر گیا

# آرٹ میں حسن کار کی شخصیت کا عکس

یہ جانتا خالی از دہی نہ ہوگا کہ ہر معمول کی شیبہ تصویر حسن کار کے لطافت و ذوق اور نزاکت خیال کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ اسی آئینہ کے اندر مصور کی شستہ ذاتی اور دقیقہ اس ذہانت کا عکس نظر آتا ہے۔ چنانچہ عام طور پر یہ دیکھا جاتا ہے کہ کردار نگاری کی پیشکش میں تصویر کے غلط اور ناہموار سطحوں کو بغور دیکھنے سے مصور کا باطنی جہاں اور فطرت کی انہماکی ظاہر ہونے لگتی ہیں۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ دوسرے موضوعات کے مقابلے میں شیبہ تصویروں کے اندر حسن کار کی شخصیت زیادہ نمایاں اور عکس ہوتی ہے۔ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ بعض قابل استاد فن، کسی شخص کے کردار کی تصویر کو نمایاں کرتے وقت کہیں نہ کہیں اپنی ذاتی خصوصیات کا بھی اضافہ کر جاتے ہیں۔ پوری تصویر کو جب تک خود نہ بناتے تھے اس پر دستخط نہیں کرتے تھے، اسی لئے قدم استاد کی تصویروں پر شاعر ہی ان کے دستخط ثبت ہوتے ہیں۔

ان حضرات کا اسطر عمل اس بات کا بین ثبوت ہے کہ بڑا چتر کار (Portrait Painter) ہمیشہ مکمل اس بات کا بین ثبوت ایک دقیقہ رس اور نازک خیال شخصیت کا حامل ہوتا ہے۔ تاہم جسے بھی بات ثابت ہوتی ہے۔

(۱) اگر کار یا پسندیدہ حسن کار روزمرہ واقعات کا قلمی عکاس ہے تو اس صورت میں ہم یہ خود کرنے پر مجبور ہوں گے کہ اس کا نفس روزانہ وقوع زیر ہونے والے چھوٹے چھوٹے واقعات سے خوش بھی ہو جائے یا نہیں؟ یا محض ہماری خوشی اور خوشنودی حاصل کرنے کی خواہش سے اس نے ایسی تصویریں بنادی ہیں۔ اگر ایسا حسن کار محض ہمیں خوش کرنے کے لئے تصویر کشی کرتا ہے تو حقیقت میں ایک لازمہ پیشہ شاعر سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا، اس لئے کہ جتنا واقعات کی وہ عکاسی کرتا ہے، ان سے اس کو کوئی ذاتی دلچسپی نہیں ہوتی۔ برعکس اس کے اگر وہ

آرٹ کے متعلق کو طرح کہتا ہے۔ وہی چیزیں دیکھنے میں آتی ہیں۔ قدرت کی پیدا کی ہوئی یا انسان کی بنائی ہوئی۔ مادی چیزیں تو غیر قدرت پیدا کرتی ہے، لیکن عکس یا شیبہ بالکل انسانی پیداوار ہوتی ہیں۔ ان دو قول خاصہ مدنی مادی و غیر مادی کے خوش آہنگ اتحاد و امتزاج کو آرٹ کہتے ہیں۔ اس تعریف کے اعتبار سے انسانی شکل اور قدرتی اشیاء کی درمیانی کیفیت کا نام آرٹ ملتا ہے۔ ہاں تو ہر نظر آرٹ میں مرد و نہ بچہ ہی ہوتی ہے جس کے اکثر روز سے عام نقاد کو واسطہ نہ پڑتا رہتا ہے، لیکن کسی بچہ یا انسانی اثر کا اضافہ ہوتے ہی یہ جاننا ضروری ہو جاتا ہے کہ انسان نے قدرت کو کس جذبہ کی میناک سے دیکھ کر بنا یا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ سطح تصویر پر قدرت معصومہ بلکہ دلکاشت ظاہر ہوجاتی ہے جسے ہم دیکھتے ہی نورانہ پہچان لیتی ہیں۔ لیکن اس کے بنانے والے صنایع کا اسی میں سراغ لگاتے کے لئے گہری نظر کی ضرورت ہے۔ حسن کار کی شخصیت کا سراغ لگانے میں قلم کی چند تحقیقات نمودار معاون ثابت ہوں گی۔

(۱) فرض کیجئے کہ ایک حسن کار شیبہ کش مصور یعنی چتر کار ہے۔ اس کی عجیبہ نظر پڑتے ہی، ہمیں خود کرنا چاہیے کہ آیا اس نے اپنے معمول کے جسم کی بیرونی سطح کے نشیب و فراز کی نقاشی کی ہے یا کہ اس کی کرداری خصوصیات کو بھی اجاگر کیا ہے؟ اگر تصویر سے یہ ظاہر ہو کہ مصور نے کردار نگاری میں، چمکتا، پس و پیش کیا ہے، لیکن شبابہت بنانے میں کوئی کسر اٹھانہ بھی۔ تو اس تصویر کے متعلق ہم یہ رائے قائم کرنے میں عین بجانب حق لگے کہ مصور نے اپنے معمول کو کھینچنے سے دیوار پر بنوٹک دیا ہے اور پس۔ اور اگر اس نے کردار نگاری کی کوشش کی ہے تو ہمیں یہ معلوم کرنا پڑے گا کہ اس خصوصیت مند کلمی یا جزوی حیثیت سے اسے کس وزن کا میاں حاصل ہوئی۔



عالیہ زمانے کا کوئی معمولی کرایہ کا لباس زیب تن کئے ہوئے تصور کے لئے رشتہ دے رہا ہو۔ اور تصور ختم ہوئے ہی اپنا اصلی لباس پہن کر ٹھہرنا چاہتا ہو۔ بلکہ تصور کے پیکر اور دوسری اشکال بھی بالکل اپنے زمانے کی معلوم ہوں۔ زیر غور تصور میں یہ نکات ظاہر نہ ہوں تو وہ تصور بیکار ہو۔ (۴) جو مصور گل کاری کرتا ہو اس کے کام کو اس انداز سے جانچا پڑے گا کہ آیا وہ حقیقی معنی میں حسن کار ہے بھی یا نہیں؟ یا کہ وہ ایک ماہر نباتیات معلوم ہوتا ہے۔ اگر حسن کار ہو گا تو اس کی تصویر کے پھول پتے، عمل ہوئے نباتیاتی تفصیلات اور توضیحات سے پاک ہوں گے کیونکہ مصور ادا انداز میں نہانے ہوئے پھولوں کے گلوں اور گلہ تلوں میں سازگی، شگفتگی، ہم آہنگی اور میل کاری کو زبردست اہمیت حاصل ہوتی ہے۔

(۵) جری یا سمندری منظر نگار کی تصویروں کو اسی نقطہ نگاہ سے جانچنا چاہئے جس نگاہ سے خطی کے قدرتی منظر نگار کی تصویروں کو جانچا جاتا ہے۔ دیکھتا چاہئے کہ قدرتی منظر نگار کی طرح، سمندری منظر نگار بھی اپنے بنائے ہوئے منظر سے ای طرح متاثر ہو کر بنا یا ہے یا نہیں؟ ورنہ وہی مثل ہوگی کہ تماشائی بھی مثل حضرت مسیح کے ان پر ایمان لائے بغیر پانی پر چلنے نہیں گئے۔ غور سے دیکھو کہ بحر بیکار کی وسعت اور اس کی شان کو مصور نے کس حد تک دوبالا کیا ہے۔ سمندر کے رنگ اور اس کے ٹون میں کس قدر دلچسپی پیدا کی ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ سمندری پھل اور حرکات کو کس دلکش انداز میں ظاہر کیا ہے؟

(۶) اگر کوئی جن کار، منظر نگاری کا مدعی ہو تو اس کا دعویٰ مذکور بالا انجام حسن کاروں سے انفعیل ہے۔ اس صورت میں تناظر کے اس اصول کو یاد رکھئے کہ جو شے منظر اصل موضوع سے جتنی دور رہتا ہوگا، اس کے بغل میں تماشائی سے جو چیزناصلے میں جتنی دور رہتی جاتی ہے ہر دو صورتوں میں اس چیز کی شکل اور نظارے کی باریک

حقیقت میں اپنی ذاتی دلچسپی کے منظر و مزہ واقعات کا موقع بننا ہے، تو ہم یہ ضرور دیکھیں گے کہ آیا اس نے کل واقعہ کو یا تمام اسٹاٹس کے متعلقہ جزئیات غلوں سے مصور انداز میں نظر ڈالتے ہوئے، کسی نہ کسی جگہ اپنی حقیقی فرست (Mood) کا ایک آدھ خوشہ ضرور ایسا نگاہ یا ہوگا جس سے اس کی حقیقی دلچسپی دلچسپ کا ثبوت ملے۔ ورنہ وہ تماشائی کی خدمت سے بچنے کی خاطر ضروری فہرست کے مطابق کچے بعد و دیگرے گل اشیاء کی تخلیق بنا کر تصور کو اس طرح مکمل کر دے گا کہ اس میں نقاد و تماشائی کو سوائے اشیاء کے بڑھکے اور کوئی سامان دل بستگی نہ ملے گا۔ ایسی تصویروں میں ناظر یا تماشائی کو یہ بھی غور سے دیکھنا چاہئے کہ مصور نے اپنے تصوری موضوع یعنی شے، موضوع اور قدرتی اشیاء کی تفصیل اتنا شے سے ہٹ کر اپنی حدت طاری سے کس حد تک بلند مرتفع بنایا ہے۔ ورنہ اس کی تصویر ایسے عمل کا ثبوت ہے ہوگی جو محض قدرتی اشیاء کی شکل انداز سے ہی آرت کا شکار کمال سمجھا جاتا ہے۔

(۳) اگر کوئی مصور خود کو محض تاریخی واقعات کی تصویر سازی کا پابند بنا لیا ہو تو اس حسن کار کا اولین فرض ہو گا کہ جن معطیات کی بناء پر وہ اپنی تصویریں بنا رہا ہو تماشائی کو اس امر کا یقین دلانے کہ جو موضوع ہمیشہ کیا جا رہا ہے وہ بالکل حقیقی اور مبنی بر صداقت ہے۔ یہ نہ ہو گا کہ اپنی غیر حقیقی تفصیل نگاری کو صحیح مان لینے کے لئے ناظر پر بھڑک دیا جائے۔ یہ بھی جاننا ہو گا کہ جس منظر کو جس حسن کار پیش کر رہا ہے آیا وہ منظر اسے ذاتی اعتبار سے تھا یا کہ محض پامان اور پیش پا افتادہ موضوع کو پیش کرنے کی توفیق کی ہے جس کو ہر معمولی مصور بھی پیش کر سکتا ہے۔ یاد رہے کہ تاریخی تصویر کی خاصو رت یہی ہوتی ہے کہ جس زمانہ کی ہدایت کرتی ہے تماشائی کو کسی نہ کسی کے ماحول میں لاکھڑا کر دیتی ہے۔ تاریخی پیکر اس انداز میں ہر گز نہ پیش کئے جائیں جس طرح

تعب کی بات تو یہ ہے کہ بجایہ بکلی ہوا آدمی ابدو بال  
یہی انسان پر قابو رکھنے والی قدرت کی مٹتی طاقتیں بھی انسانی  
حکمت کا بوجھ ہوتی ہیں۔ پس جن کا بھی ان قوتوں کو اپنے قابو  
میں رکھنے ہوئے، صورت اپنی مظاهرات اور قدرتی اعمال  
کی رونمائی کرتا جاتا ہے، جس انداز سے یہ قوتیں خاص  
خاص حالات کے تحت ظاہر ہوتی ہیں۔۔۔ ان قوتوں  
کو اس خوبی سے اپنی تصویر میں عکس دیتا ہے کہ ان کی  
موجودگی سے تصویر میں 'متناسق'، 'گوننا گونی' پیدا ہوجاتی  
ہے۔ اسی تناسب کی مدد سے، 'ہرمان' طاقتوں کی اضافی  
یا قدرتی اہمیت سے واقف ہوجاتے ہیں۔  
جو تصویر میں ہیں اپنی طوط متوجہ کرتی ہیں، وہ ضرور  
دو جذبات کو اکاتی ہیں۔ ایک کا لعلق تصویر میں موضوع کی  
دکھی سے ہوتا ہے، اور دوسرے کا حسن کی دلکری کی تعریف و  
ستائش سے۔ بصورتی فن کاری کی نسبت یہ عام خیال ہے کہ  
ماہر عمل کے فغا ہوتے ہی (خواہ تصویر ہو یا اور کوئی چیز)  
عال کار مائی قوت، ظہار اور کمال مہارت کا بھی غائب  
ہوجاتا ہے۔ اس لئے تصویر میں شے مصور میں حسن کار  
کا زور قلم اور صناعات مہارت، تماشا کی کو اپنی طوط متوجہ  
کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ علائکہ واحد اس کے علائکہ  
چتر، مٹلی، کاغذ، رنگ یا جو بھی وسائل حسن کاری میں  
استعمال ہوتے ہیں، ہر ایک میں کچھ نہ کچھ ایسی فطری  
گزدی ضرور پائی جاتی ہے، جو مصور کے تصویر کی صحیح چٹائی  
نہیں کر سکتے، لیکن ایک اہر فن حسن کار اپنے عقیدہ وسیلہ  
(medium) کی خامیوں سے تجربی واقعہ ہونے  
کے باوجود اپنی خدا داد قابلیت سے اس میں آرٹ کے زیادہ  
سے زیادہ عناصر کو سنانا اور نمایاں کرتا ہے۔ یہی خوبی  
اس کی شخصیت یا کمال مہارت ہوتا ہے جسے ستائش  
نصیب ہوتی ہے۔ غالباً ایک شاعر کی مثال سے اس اصل  
کی وضاحت ہوجائے گی۔ فرض کیجئے کہ کسی شاعر کے دل میں  
اپنے جذبات کو ظاہر کرنے کے ارمان ٹوٹ رہے ہوں۔

تفصیلات بتدریج وضند ہی ہونے کے علاوہ خدا میں بھی  
کم از کم دکھائی دینے لگتی ہیں، دیکھنے کے منظر نگار نے  
اپنی تصور میں اس اصول کی کہاں تک پابندی کی ہے؟  
اس اصول کو سامنے رکھتے ہوئے تصویر میں ضرورت کے  
مطابق موضوع کی باریک جزئیات یا تفصیلات کو ترک کر دیا  
جاتا ہے، تو اسے عمل اختصار یا سہل کہتے ہیں۔ اور  
ایسے اختصار کا عمل زیادہ تر انفرادی ذوق اور تجربے  
پر منحصر ہوتا ہے۔ اس لئے دیکھنا ہو گا کہ مصور نے کس  
حالت تک اپنے انفرادی ذوق کا ثبوت پیش کیا ہے۔ یہ  
سچ ہے کہ مصور کا نفس بن، شکل و محتات کو قدرتی  
سے اندک تر ہے، بحسب انھیں سطح تصویر پر لوٹا دیتا ہے۔  
لیکن منظر نگار تو حقیقت میں اپنے اور قدرت کے موقتی  
جذبات (Moods) مفسر ہوتا ہے۔  
اور اسی موقتی انتخاب کی مدد سے وہ اپنے باطنی تاثرات  
یا کیفیات کو دوسروں پر ظاہر کرتا ہے۔ منظری تصویر کو  
جاننے وقت یہ دیکھنا پڑے گا کہ یہ مصور کا مقصد یہ تو  
ہیں کہ وہ تماشا کی کو کسی ادبے بہار یا شیلے پر چڑھا کر وہ  
سے دنیا کے پیکلا کو اس انداز سے بتا سکے کہ تماشا کی  
بہار سے جنت کے پرندے کی طرح ہوا میں دوڑنا  
پر قادر ہو، اور گونا گونا جانے اور درمیان میں نہجے  
کے لئے نظر کو کوئی سہارا نہ لے۔ یہی کہ تصویر میں ایسی  
سنگلاخ اور شہوار گزار زمین بنادی ہو جس پر سے  
گزنا تماشا کی کے لئے یعنی نظر کے لئے باعث تکلیف  
ثبات ہو۔ ایک حسن کار کی حیثیت سے اس کا فرض ہو کہ  
قدرت کے ہر نازک، دلکش اور ترغیر کیفیت میں تماشا کی  
کو بھی اپنا شریک اور ہمنوا بنائے۔ اگر اس اصول کے  
علاوہ وہ ماہور ماہر پر موقتی مٹلی بے وضعتی، کثرت  
اور کھردری پٹروں سے ایک روک مائل کردے گا، تو  
واقعی البصیر کار اپنی نا اہلی کے ساتھ باطنی بردوقی اور  
خامی کا ثبوت بھی دے گا۔

تخیل کو بیدار کر کے خراج تحسین حاصل کرتا ہے۔  
 جو شخص بھی میکانی یا تجلی کو بنائے ہوئے مجسموں یا  
 تصویروں کو دیکھے گا یہی بات محسوس کرے گا۔ اسی طرح خوش  
 ہار، عمرات، رویشیں، مان ڈالنگ، ویلاس کوئٹہ،  
 ہی ہیرا، گویا، دالو، ٹے نیا، ٹے، ٹرایان، روسو، ریکو  
 ٹر، کانسٹیبل، کنیس برو، فلڈے، ہالی، ولسلر،  
 سوٹے، رومان، برنارڈ، این ٹیس، والی یانٹل اور بلرچ  
 کے شاہکار مل کو غور سے دیکھیں تو ان میں اتنا استعداد  
 شخصیتیں بخوبی محسوس ہوجا میں گی۔  
 یاد رکھنے کی بات ہے کہ جس طرح ذہب سلطیت کا علم  
 نہیں، ویسے ہی آرٹ جی سلطیت کا علم نہیں ہے۔ حقیقی معنی  
 میں آرٹ رومانیت پر مبنی ہوتا ہے۔ ہر تصویر میں حسن کار کی  
 مدح کو تلاش کرنا ہے۔ اس لئے آرٹ میں انسان یعنی  
 مصور کی شخصیت کا پتہ ٹھکانا وادد دیکھو کہ وہ کون سا اور کیلہ ہے۔

امجد علی

(ترجمہ)

اگر وہ شاعر غن کے وسیع تر حدود سے فائدہ اٹھا کر نظم کے کاغذ  
 ذہن نشی ہرگز نصیب نہ ہوتی، جو سکس یا بارہا جیسے تنگ  
 حدود میں رہتے ہوئے اپنی تخیل کے سارے جہز بکھیرنے پر آمادہ  
 اور اسکی حدود و اثر سے میں رہنے کی وجہ سے اس کی شخصیت  
 کے جوہر بھی زیادہ نمایاں ہوں گے۔ حسن کار کی بھی یہی  
 حالت ہوتی ہے، جو اپنے تخیل و سلیا کے حدود میں کام  
 کر کے تائید حاصل کرتا ہے۔

شخصیت ہی کے مختصرے فول کو گرافی کو بھی حسن کار کی  
 کے سانچے میں ڈال دیا ہے۔ جیسے سی۔ وان ڈالنگ کہتا  
 ہے، غور کرنے پر معلوم ہوا کہ تصویر بعض سوار خ حیات  
 یا سرگشت واقعات سے زیادہ کوئی وقت نہیں  
 رکھتی، حقیقت یہ ہے کہ ہمارے استعجاب و استحسان کو  
 اکسے والے واقعات نہیں ہوتے بلکہ انسان مضمون  
 ہوتا ہے۔ جب تک ہم تصویر میں کسی انسانی کارگزاری اور  
 اس کی خدا واد ذات: حسن و جملہ کو محسوس  
 نہ کریں گے، اس وقت تک تصویر ہمارے لئے محض چند واقعات  
 کا مجموعہ بنی رہے گی اور بس۔ حقیقت میں کام نہیں کام  
 گا کرنے والا رہا ہے نہیں، سانچے کا ڈھانچہ اور بنائے والا۔  
 رنگ نہیں رنگ کا رنگنے والا۔ مصور اپنی ہمارے خوابیدہ

سرگزشت غالب :- اردو اور فارسی کے مشہور شاعر و ادیب مرزا اسد اللہ خاں غالب کی ولادت کا: ۱۸۵۱ء اور لاہور  
 و احباب کا ایک محل تذکرہ ہے جس کو ڈاکٹر حبیبی اللہ صاحب فاہوی زور دیا ہے۔ بی۔ بی۔ جی۔ (لندن) نے نہایت تحقیق اور  
 محنت سے مرتب کیا ہے۔ طلبہ اور ادب کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے یہ عمدہ ملکہ ہے۔ کتاب کی تصویر اور غزلوں کی منتخبے بھی  
 شائع کئے گئے ہیں۔ بی بی سی کتاب سالہا سال کی تحقیقات اور غالب کی تصنیفات اور ان کے متعلق جو کچھ اردو ادب تک شائع  
 ہوا ہے اس کے تنقیدی مطالعہ کا پورا ہے۔

ڈی۔ ایس۔ صفحہ ۶۳۱ کتابت و طباعت و کاغذ اعلیٰ قیمت مر

ملنے کا پتہ۔ سبکس کتاب گھر حیات آباد خیابان لاہور

# زلزلے

اسی قدیم کھان بہاڑی زمین اور معراج کے لئے تھے جو تاریخ میں ایک ممتاز دور سمجھے جاتے ہیں۔ جب تک میر تقی میر کیانی میں رہا ہر روز شام کو کسی دوسری پہلے میں اپنے لازم معراج کو سہ لئے پہاڑ آجاتا۔ کبھی ساتھ وہاں کے خیر بوڑھے بھی ہوتے جن سے کیانی کے متعلق سیکھ سکتے تھے۔ معلومات حاصل ہوتی تھیں۔ اسی دوسری میں کھنوں کو جگہ لیکن چھٹی جگہ آئے۔ کچھ جگہ ایک شام ہم وہاں پہنچے۔ گرد وہاں کی نہ تھا خدا جانے ات کی اتھی عمارت چھین کر لوٹ وہاں آئے سے جگہ تھے۔ اس روز معراج نے بھی شکار کے بہانے میری بندہ وقت اٹھائی تھی خیر قصہ مختصر ہم وہاں پہنچے۔ شکاری و بھاریوں میں ادھر ادھر سے مارے چھڑکے، دو تین دفعہ بندہ بولا کہ کیانی کیانی کیانی خاص بھٹ نہ آیا۔ جباریوں میں سے کل کریم اپنی رانی جگہ آئے۔ جیسے جیسے کچھ غور و درمیانی ہوئی تھی کہ معراج نے اپنی بے جینی کا اظہار کیا اور گھر چلنے پر اصرار کیا۔ میں اٹھ کھڑا ہوا۔ اور حکوم کر وہ قدم ہی بڑھائے تھے کہ نذر پلے آئے اس پاس ادھر ادھر پہنچی ہی محسوس کی اس اجڑا جس کے ساتھ ہی بے خستہ رفتاریں سامنے آتی رات تھیں۔ سورج غروب ہو رہا تھا۔ ایک آتش کی کہ باطل سطح جن سے چھوٹا ہوا۔ سانگہ دل و اعلان کر رہا تھا۔ جس کی تیز شعلیں اور چمکی کرؤں سے تم اپنا منہ چھانے۔ چہنچہ ہو اس کا دوسرا رخ بھی دیکھا۔ اسی کی زنجیر شاہیں تھیں دعوت و نثار دے رہی تھیں اب تم پاس تھے ہلکے ساری عمر ایسا ہی موسم رہے۔ پھر بھی کمرج کی شہید شعلیں تھیں نہ تھیں۔ یہ تمہارے دل کی کیا حالت ہے۔ کبھی اسی چہرے سے بیزاری۔ اور کبھی چہرے خواہش کرتے ہوئے کیا

نفرت اور محبت کا بھی کبھی معاملہ ہے کیا تمہارے دل بدلتے دیر نہیں لگتی۔ میں انہی خیالات میں منہمک وہاں کا وہاں کا تھا۔ اسی دوران میں معراج نے کئی ایک دفعہ چلنے کے لئے کہا، مگر میں نے اس کو جلد سمجھ کر کوشش نہ کی۔ بھلا ایسے وقت، اس کو ان بے وقوف ہو گا جو گھر کی راہ لے گا۔ دیکھو دیکھو، ریح روشن سے روئے احرار اختیار کیا اور پھر خدا جانے اس کے بعد اس نے کونسی شکل اختیار کی، البتہ آنا ضرور ہوا۔ میری جاگتی دیکھنے میں اچانک زلزلہ کی۔

صاحب ۱۴ معراج نے ایک عجیب ذہنی کشمکش کے زیر اثر کہا اندر پھر پھر ہے گھر چلنے اب ۱۴ اس کی آواز میں ایک معلوم نمون اور ایک عجیب کچھ رہا تھی۔

بہنیل چلے۔ میں نے بڑی تانت سے کہا اب تو میں نہیں چلے گا۔ اس وقت میری عجیب حالت تھی۔ یوں کئی بار معراج کو غروب ہوا دیکھا۔ کبھی ایسا اثر نہ ہوا کچھ نہ نقش کی طرح دھوکے کا تھا۔ سورج روز کی طرح غروب ہوا دیکھ غروب ہوتے ہوئے میرے اندر یک دل میں دیا روشن کر گیا۔ آج کو یہ صرغ ایک۔ میری کی کیفیت معلوم ہوئی لیکن سچ پوچھ تو صبح منوں میں اسی دن سے میری زندگی میں ایک نواں تبدیلی پیدا ہو گئی، اکثر اوقات ایسے عظیم الشان انقلاب زندگی سے پیشتر دماغ کو ان خیالات کا آرا جگا رہا تھا ہے۔ وہ رہ کر ہر بار دماغ کے پردوں سے یہ خیال نکلتا تھا کہ ایک کی برادری پر دوسرے کی زندگی کی عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ لیکن ساتھ ہی دماغ کی اندرونی گہرائیوں میں ایک خاموش آواز زلزلے کی کیا باخیاں کے نقصان پر کھڑا رہتا تھا۔ خدا جانے یہ سوجھ بوجھ کب تک قائم رہتا رہتا۔ معراج نے اپنے اندر وہی تعلق رکھا انہماک ان الفاظ سے کہ حضور راؤں کو یہاں صحت کا کرتے ہیں اور جو کوئی بھولا بھلا ادھر آئے گا سہا اس کی تو ہڈیاں بھی پھٹیں چھوڑ دے۔

یہ تو بات اور اچھی ہوئی۔ میں نے ایک اطمینان کا

بولتے کہہ راقوں کو جنوں سے باتیں کرتے ہیں۔  
 "کتنا غلط خیال ہے تمہارا" میں نے اس کے اس خیال  
 سے اتفاق کیا۔ "تمہیں تو میں وہی کہیں رہنے چاہوں۔" جموٹ  
 نہیں سرکار۔ "وہ بالکل قسم کھانے کے انداز میں بول رہا تھا  
 "ہندوؤں کا قوتستان ہے وہ۔" "غلط غلط" سوسائٹیز نے غلطی  
 میں نے کہا۔ "مسلمانوں کا دھرم ہوا ہندوؤں کا سرگٹ۔ یہ مذہبی  
 نہیں کہ دنیا بھر کے شیاطین اور عیث ارواح وہاں وجود چوں۔ اپنی  
 یہ تو تمہارے اپنے دل کی فکری ہے۔ تمہارا مذاہن رات کو میرے  
 ہو تو صبح کہتے ہو، ایک شعلہ نیر کے پائے ملا اور آسمان سے  
 سبز کے پودے میں داخل ہو گیا۔ داخل ہو کر وہ اس کی جڑوں سے  
 ایک عجیب آدمی کی جھل میں غلطی کا سرچنے کرے اس طرح صاف  
 تھا۔ اگر پچھلے تھے سے ایک دم ٹپک دی گئی تھی۔ وہیں اور  
 اسی جگہ ایک ہندو اپنی زندگی کا اگلی راستہ کو لڑو تباہ ہے۔ صبح  
 اٹھ کر کہتے ہیں۔ "سب کو ان کی حکمرانی ہو یہاں رات کو۔" یہ  
 زندہ آرام میں گئی۔ کسی ہندو کو مسجد میں سلاوا اور پھر صبح  
 کو سن لوائے ایسے واقعات بیان کرے گا کہ تیری ہی روح بچ  
 کھڑے ہو جائیں۔ آپ بنا کر لیں گے دو من گھڑات و فحاشات  
 سنائے گا۔ حق معاف فرما وہ اپنی ان اعمال و فجی باتیں کہنے کا  
 جس پر آپ بھی ایمان کریں لائے ہیں یہی تو آپ کی فضیلت الاعمال  
 ہے اگر قریہ خیال کرو کہ زمرہ سے حق میں باعث ہلاکت نہیں  
 اس اعتقاد میں نہایت قدم ہو تو یقیناً، تو زمرہ بھی تمہارے  
 حق میں باعث حیات ہو سکتا ہے۔ تم ہو پانی پاکستان اس فلسفہ کہ  
 سمجھ دے سکو کہ اس کے متعلق فرما کہنا یا سود ہو گا۔ چلو پان کر  
 دیکھ میں گئے وہ ہے کون۔

میں سرکار۔ "وہ جتنی غلطی" ہندوؤں کے زمرہ  
 میں رات کو وقت۔ "ہاں۔" اچھے ایک کر دی گئی  
 تھی آپ تو جانتے ہی ہیں میں ایسے فحشی دلائل کا سرے سے  
 قائل ہی نہیں۔ جب اس نے اپنے رفیق کے ساتھ کہا کہ وہ شیاطین  
 کا مرکز ہے تو یاد دل نے مجھ کو ابھلا۔ پھر استثنائیں اس کی  
 "تائید کیوں نہ کرنا یہاں تو یہ حالت کہ جہاں تو اسی خواہش ہوتی

کشی لیتے ہوئے کہا۔ "وہ بھی تو یاد ہی کریں گے انھیں پالاکس  
 پڑا تھا۔" یہ کہہ کر میں نے منہ سے دھڑکنے کے پچھلے  
 "آپ کی باتیں کر رہے ہیں سرکار۔"  
 "ایسی باتیں ہیں سے ظاہر ہوتا ہے کہ میں جموٹوں کا

قائل نہیں۔"  
 "قائل نہیں۔" اس نے اپنے اچانک تعجب کا اظہار  
 کیا۔ اچھا۔ اب ابھیں اگر تو ان لوگوں کا کھڑو مٹا ہے۔  
 "اچھا۔" مجھے ایک دیہاتی لڑکے کی زبانی ایسا  
 اچھا جلد سن کر سخت تعجب ہوا بعض اوقات آج اچھے چلے  
 کہہ لیتے ہو۔

ساب۔ "ایک شان بے معنی کی گیت اس نے کہا  
 "بل پاس ہوں۔ جماعت میں میرے اول رہا کرتا تھا۔ خدا  
 بخشے، اندیشہ مروج میری بڑی عزت کیا کرتے تھے۔ وہ برابر  
 ہوتا تھا۔ میں خوش تھا کہ ان کے اس کے خیالات تو بٹ گئے۔  
 ممکن ہے اب اس کو جموٹوں کے تعلیم وہ احساس کا خیال  
 نہ رہا ہو۔ مگر وہ کہتے کہتے رک گیا۔ اور پھر وہی اصرار چلے  
 صاحب، رات ہو رہی ہے، گھر پہنچے بہت دیر ہو جائے گی۔"  
 "اچھا!۔" میں نے بایں کن ابھیں کہا جو  
 تیری مرضی، ان سے پھر کبھی اٹھنا پ میں گئے۔

آج تو سننے ہی چھوٹے سرکار۔ اس نے  
 اپنی خوشی کا اظہار کیا۔ اس کے جواب میں میں خاموش ہو گیا  
 چلنے چلتے۔ میں نے دور ایک روشنی دیکھی اس کے بائیں  
 بوجھ اصرار سے دریافت کیا۔ "معراج اولیٰ روشنی کسی  
 ہو رہی ہے، کسی فاکر ہے کیا۔"

آج جموعات۔ ہے نامحور۔ اس نے پھر قدرے  
 قوت کے بعد کہنا شروع کیا۔ "جموعات کو اس مقام پر رہتی  
 سکا دکھائی دیتی ہے، فقیر! یہ کہتے تھے وہ ایک چڑیل کا لنگن تھا  
 جہاں بیٹہ کرو ایک ہفتہ کی غذا اپنے کندھے سے پیٹ میں  
 بھر لیتی ہے۔ صاحب! وہ ایک قبرستان ہے جہاں تمام عیث  
 ارواح رہتی ہیں۔ ہمارے فقیر بابا، ابھی جموٹ انہیں

جہنم کا کھٹکھٹا اور خود کے پاس جنت کا پروانہ کر اس نے جنتے  
بو جیجے راہ جہنمی — کتنی تعجب کی بات ہے۔

راستہ ڈرا ڈھنچڑ تھا وہ برابر ملج سے مجھے راستہ بتاتا  
اُد آنے والے خطرناک کہاصوں سے قبل از وقت چوہیدہ کرتا  
لے جا رہا تھا۔ کبھی کبھی بیان ایسی صاف تھی کہ دم نہ جینے دیتے  
تھے اور کبھی کبھی ایسے بوڑھے تھے کہ زندگی موت سے ہم آغوش  
ہونے کے لئے آگے بڑھ جاتی تھی — لیکن ہم دونوں ایک  
عزم مصمم کے ساتھ بڑے گئے۔ خدا خدا کر کے سادہ قبرستان کے  
قریب آ پہنچے یہاں چند جھاڑیاں ایسی تھیں جن کے کانٹے ایک  
ایسے خوفناک منظر پیدا کر رہے تھے کہ دل لرز اٹھتا تھا ایسی کانٹے  
جسم سے چھ جانے تو قسم لے چو کہڑا پھینے سے جیتیر ہی تھے۔

خیر گواہین تھے ایک طویل عرق درزی کے صدرستان میں داخل ہوئے  
یہاں خود میرے بھی قدم چھ جھاری جھاری پڑ رہے تھے۔ ایک نکاسا  
خون چھار ہٹا نکاس میں میرا اپنا پاؤں کر لیا کرتا تھا۔ کیونکہ اس سے  
ایک حدشہ بھی تھکا کہیں یہی ہلکا سا فوٹ — جیت کا ٹھکانہ ہوگا۔  
میں نے اپنی بندوق پر نظر ڈال کر انسان کی سانس لی  
اور سواج نے دو من گارے پھر اٹھائے۔ ہم پاؤں والے آئے گھنٹی  
اور سینڈ کے ہند کے پیچھے چھپے جہاں سے ہم نے ایک پرانی قبر بھی  
جس کے مرنے ایک وادہ روشن تھا۔

”وہیں پاس ہی چند بتیاں تھیں اور ایک شیشہ میں تیل تھا۔  
اور دباؤ کو سن کر نے والی خود سجدہ میں پڑی ہوئی تھی جس نے  
پہلے اس کے پاؤں بو جیجے وہ چڑیلوں کے سے نہ تھے۔“  
میں نے بندوق کی نالی اور پر کردی اور اس عجیب عورت کو  
تھکا کھڑا رہا اس نے زار زار روئے ہوئے اپنا سر اور اٹھایا  
اور کہا ”ریش تم مجھے معاف کر دو میں اپنی ساری عمر تمھارے  
نام حیثیت چڑھائی ہوں۔“

میری نظر میں اس عورت پر پڑیں اور پچھلے سارے  
واقعات کھم کھم گئے۔ اس اچانک دماغی حملے کے باعث میری  
ذہان سے ہلکی سی چیخ نکل گئی اور میں نے ہوش ہو کر گر پڑا  
اسی آٹھائیس میں نے چند عجیب پرشود غلط دماغی آوازوں

وہاں اشتیاق نے کبھی ٹھکی کا تیل جھڑکنے میں کوئی نئی۔  
مجھے ہمیشہ عجیب احوال واقعات کے انکشافات کا تجسس و اشتہار  
رہتا ہے۔ میں نے کبھی ایسے حالات میں اپنے قدم بھیجے  
نہیں جھٹائے۔

”ہم سے تو یہ نہ ہو گا جناب!“ وہ بولا سہان چلی جائے  
پر میں نہ آنے کا۔“

”یہ میرا حکم ہے اس کی تعمیل تمھارا عین فرض ہے“  
میں نے کرکڑ کر کہا۔ ”جان کے آگے وقت ضرورت اپنا نہ ہب  
جی بدلتی اجازت خدا دیتا ہے۔“ تو پھر باؤ تم آج سے  
پیارے نوکر نہیں ہو گے بڑے صاحب سے اپنا حساب کھٹا  
کر لینا۔“

”جو حکم سرکار —“ وہ بولا ”پائے گدا لنگ نیت! خود  
تنگ نیت خدا کے فضل سے کھانے پینے کی نہیں۔“ اور ہلاؤ  
ٹانج اور میری بندوق پر زول کہیں کا۔“ میں نے اپنے  
پر متعنی جسے کہ موت کچھ رفع دفع کرتے ہوئے کہا اُد اس کے  
ہاتھوں سے ”ٹانج اور بندوق ایک جھٹکے کے ساتھ لے لی میں  
بے مشکل تمام دس قدم چلی گیا ہوں گا کہ اس نے کہا ”تھوڑا  
میری بات مان جائیے ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔“ پہل اپنا  
راستہ کاٹا۔ اب یہ کو اس بندکر۔“

”تو پھر چلے میں بھی آپ کا ساتھ دیتا ہوں۔“  
”کوئی ضرورت نہیں۔“ میں نے متعلق کے لہجہ  
میں کہا ”تو میرے نوکر نہیں ہو۔“

”کوئی پرواہ نہیں۔“ وہ بولا ”آج بہت پرانا ٹھکانہ  
ہوں بڑے صاحب ”جب سے یہاں آئے ہیں“ انھیں کے پاس  
نوکر ہوں“ بھلا آج آپ کا ساتھ کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔“  
میں خاموش تھا سکونیت وقت کے خاطر گول میں دلی  
میں کس کی اس پشیل وفاداری پر عشق عشق کر رہا تھا اس کی  
لظروں کے سامنے موت تھا ہر قسم کی نیکو سن نے اپنی زندگی  
کے آخری لمحات بھی حق وفاداری میں صرف کر دیئے۔ وہ  
اپنی آنکھوں سے صاف صاف دیکھ رہا تھا کہ اس کے الگ کر پنا

ہمدردی، شہرینی محبت اور خدا ماننے اور کون کون سے عناصر سے کہ مریض اس کی تیار داری سے بہت جلد شفا پا رہا تھا اس کی انگلیاں جس سے چھو جاتی تھیں وہ جھڑبھنگ کر کھڑا ہو جاتا تھا۔ وہ مریضوں کے لئے ایک نوید جان فزا اور مردوں کے لئے ہمارے زندگی تھی۔ اسی خصوصیت کے باعث وہ دنیا سے دور تھا میں مسیحا کے نام سے یاد کیا جاتی تھی۔

جب سے محمود دوا خانہ آیا وہ برابر دیکھتے تھے اور سوچتے گئی۔ لیکن بڑی تکلیف کے بعد بھی اس کو اس کا دل نہ مل سکا۔ ایک دن اس نے پانچویں کرا کیا اور واقعی فیصلہ کر لیا کہ آج چھم کر کے رہے گی کہ محمود کون ہے اس نے رات کو بڑی بے چینی سے انتظار کیا۔ رات کی نوکری اسی کی تھی۔ مریض کی دیکھ بھال کو بھانے وہ اس کے کمرے میں گھس آئی جب دیکھا کہ محمود بے خبر پر اسے تو اس نے تپائی پر کے منبر کا غلط استعمال کیا اور چونکہ بڑی معیار محبت کا خدا جس کی جگہ بڑی کھجی تھی، جس کی ملاقات اس میں تھی مگر آج میرے زیر تیار داری چلا ہوا ہے اس نے ایک گہری سانس لی، جس میں لذت نہاں تھی۔ ایک نظر محمود پر ڈالی اس نظر میں ایک تقویٰ شکن قوت مستور تھی پھر وہ چلی گئی۔

”محمود صاحب! صبح میں اللہ نے دوائی کا کلاس دیتے ہوئے کہا۔ آپ نے یہاں اپنا علم غلط کیوں درج کر دیا اور میرے عیب سے کس نام پر آپ کو ایک افشاں نگار کے خطوط کیسے بھیجے جاتے تھے۔ خیر جب فنا و کمال ہو جائے۔ جس میں کمال۔“

”کس نے کہا“ محمود بولا۔ کون کہا ہے میں افشاں نگار ہوں۔“  
”یہ تو آپ کی انکاد ہی ہے۔“  
”تم غلط کچھ رہی ہو لانا۔“  
”آپ مجھے غلط باور کرائی کہ کوشش کر رہے ہیں اب چھپانے سے یا کامل رات یہ حقیقت کھل چکی ہے۔“  
”مس لقا، اگر تم سمجھتی ہو کہ میں افشاں نگار ہوں تو میں اس کو تمہارا حسن ظن سمجھوں گا۔“

کے ساتھ ایک اور صبح سنی لیکن اس وقت ماحول سمجھنے کی دماغی صلاحیت منقطع ہوئی جا رہی تھی اس لئے اس صبح پر بیدار ہو کر کمرے سے مجبور تھا۔ رختہ رختہ چند جلوں کے عرصہ میں دماغ کا شیطانی ناچ ختم ہوا بے سُر و آواز میں دھمکے پڑنے لگیں۔ اور میں اپنے ماحول کے قطعاً بے خبر ہو کر پانچ کلال قبل کے زمانہ میں پہنچ گیا۔

اگر کسی کو اپنی تندرستی پر فخر کرنے کے مواقع مائل تھے تو وہ محمود تھا۔ اس کو تو اسے درود سر کے کسی اور بیماری نے بھی گھیرنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ جب کبھی وہ اپنے کسی دوست کو فریض دیکھتا تو اس کا دل کھول کر خوب مذاق اڑا دیا کہ سا لیکن کر کے کہ ماں کہہ کہ خیر سنا فی۔ آئی نہیں آئی نہیں اور جوتی تو کبھی تیار ہی نہ جانے کا نام نہ لیا۔ دیواروں اور چٹاقوں سے لگے لگے والا، نوجوان بستر بھال کر رہا رہا۔ بہت دقوں تو گھر ہی پر ڈاکٹر دیکھ جایا کرتے تھے، لیکن جب بیماری نے خطرناک صورت اختیار کر لی تو ڈاکٹر کے مشورہ پر اس کو عثمانیہ دواخانہ میں رجوع کر دیا گیا۔ کھاتے پینے کھانے کا تو ادھی تھا ہی، بہت جلد ایک بلورہ کر لیا، جہاں انالہ سہاری کی خاطر بہت سی ہسپتال پر پہنچائی گئیں۔ ہریان ڈاکٹر نے کھانا دیکھا اپنی خاص ہمدردی جتنی جنس و طبی کو خوب اچھی طرح دیکھ بھال دیا۔ پھر اپنے نسخہ خاص کی کپس۔ سے جیب گرم کی اور پتی دفعہ دو نرسوں کو خاص تیار داری اور نہ سب دیکھ بھال کی ہدایت کی۔

لگا کر چوبیس گھنٹے وقفہ کیا آخر یہ ہے کون ہونہ رتہ کورائ خیال کرنا ہے۔ دن کو دن کو دن باوجود بیماری کے یہ دن رات کھانا چاہے۔ باوجود بیماری کے جب جی میں آنا ہے۔ کھینچ بٹھہ جاتا ہے۔ ہر روز باوجود ان کے لافاقیوں کا اصرار ہوتا ہے۔ کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جو ڈاکٹر کے پیرے سے بچتا ہو۔ آخر یہ قوش قسمت ہے کون۔  
لگا، ایک خوش مزاج اور خوش گوشتی جس کی آواز میں

لکاش۔ اسکو اپنی ناکامی محبت کا پہلو ہی سے  
احساس تھا۔ ہمدرد ہوتے۔  
خدا کے ایک ہوا جائیں۔

ناگن ہے مسعود۔ اس نے فوڈ کہا۔ سماج  
سمندر جم دو نول کے زبان حال ہے ہم دونوں ایک دوسرے کو  
جانتے ہوئے بھی ایسے ہی نابالغ اور نا آشنا تھے جس  
جیسے سمندر کے دو ساحل۔

لنا۔ تم میری جگہیں آخر تم یہ سطح یعنی کب چلو  
گی کہہ رہی ہو سمندر کے دو ساحل ایک دوسرے سے نا آشنا ہیں  
تم کیسے کہہ سکتی ہو جبکہ دونوں ساحلوں کو ایک ہی پانی جھتا پھر  
کیا اربوں کے دونوں سطحوں میں کوئی باقی قسط نہیں رہتا،  
کیا انھیں ملانے والا درمیانی تار نہیں، تو یہ تم یہ کیوں کہتی  
ہو کہ ہم دونوں کے درمیان ایک وسیع سمندر ساحل ہے یہی  
تو وہ سمندر ہے جو ہم دونوں کو ملانے کا تم اس کی دوست  
کیوں مانتی ہو، پہلے اپنی کشتہ دیکھو۔

تم تو بال کی کھال آ کر لیے ہو۔ لنا نے اپنی ہنستا  
ہل ڈالتے ہوئے کہا ایک طون سماج کا خوف اور دوسری طون  
ریش کا ڈر۔ وہ میرا منگیتے ہے پھر پر جان پھر کتا ہے  
اس کو کچھ سے واہنا نہ محبت ہے وہ پروانہ وار قربان ہوا چاہتا  
ہے، وہ کب گوارا کرے گا اس کی منگیتے، دوسرے کی آغوش  
میں ملی جائے کیا اس کو اپنی ناکامی کا خیال نہیں۔

تم نہیں جانتیں لنا، میں نے کہا، محبت کی قربانی زندگی کا  
عجیب انقلاب ہے۔  
ہو کرے۔ وہ بولی۔

اجی یہاں تو سوا قناب مغرب سے طلوع ہونے لگا،  
اور مشرق میں غروب، یہ بھی کوئی مشکل ہے، تم صبر نہ اپنے  
منگیتے کو لئے بیٹھی ہو۔  
اس کی اس حرفتگی نے مجھے حیر کیا ہے کہ میں بھی ابر  
کمانک ایک نظر اشفاق ہی ڈال لوں۔

ریش ہمدردی محبت میں تنگ رہ رہا تھا۔

کتنے بے خیال ہیں آپ کی کسی عیب ناکساری ہے آپ کی  
آپ کی اسی ناکساری نے آپ کو کسی کی آنکھوں میں بکھریا دیا  
ہے۔

آپ کیا کہہ رہی ہیں مس لنا!  
میں پوچھ رہی تھی آپ کی ناکساری ہے یا تمہاری محبت  
اب تم نے کیا چھاؤں مسعود نے دونوں ہاتھ ملے  
ہوئے کہا جیسے جو بکرا گیا  
مجھے آپ نے ملنے کی بڑی آرزو تھی جو آج پوری ہو گئی  
مسعود خاموش ہو کر کوئی جواب نہ پڑا۔

آپ کا وہ افسانہ بہت اچھا تھا۔ بہت اچھا تھا۔  
شکر ہے۔ پر نا لفظ جو اباد ہو گیا۔  
پہلی گفتگو جو دو افغانہ کے کسی بھی موضوع پر نہ تھی  
نتیجہ ہو گئی اور میں لنا، شرح چشم لنا، دوسرے سریش کی  
بکھیر جان کے لئے مل گئی۔

اس کے بعد بھی کسی اور ایسے مواقع نصیب ہوئے  
جس میں انھوں نے پورا پورا اظہار اظہار اظہار اظہار اظہار  
ہد نکھل ہوتی رہیں، لیکن کبھی وہ پیچھے نہ ملے، رات کے بیٹھے تھے  
تھے، مگر کوئی بھی نہ ٹھنکا تھا، آخر ایک دن ایسا ہی آجیب کہ  
دنیا کے سلسلے سر موضوعات کو ختم کر کے انھوں نے محبت کو اپنی  
بحث کا نشانہ بنایا۔

اب ہمارے دن قریب ہیں لنا۔ مسعود نے  
تقریباً نیم گریہ آمودہ لہجہ میں کہا۔  
اے لنا، ملنا نے اپنی لابی سانس کے ساتھ کہا، اے  
بیلے چنگے ہو چکے ہو، رہ کر کر دو گئی کیا۔

لنا۔ مسعود نے، دم آواز میں غلاب کیا۔  
تمہارا خیال نام ہے، تم مجھے میں بھی ملو گیا، لیکن کوئی دیر  
باقی حالت دیکھو کوئی کر لیا نہیں گزرتا جبکہ طوفان نہ  
اٹھے ہوں، زلزلے نہ آتے ہوں۔ تم کہتی ہو میں صبر نہ  
ہو گیا، اتنا اتم دیکھو میرے دل کے نامور دیکھو، رستے ہوئے  
خون کو دیکھو، بہتی ہوئی پیپ دیکھو۔ کہو اور کیا بتاؤ!







# تضمین برقصہ سعدی

ہائے بچپن کب گئی وہ خوشی  
چند عیبوں میں وہ تمام ہوئی  
بات پر چھو وہیں جوانی کی  
اب ہے آغازِ دلست پری  
تھک عجیب سچ کا شہنشاہی  
ایک دم میر کی قہی وہ آہوش  
بس فقط چند سانس ہیں باقی

ہر دم از عسری رود نفعی  
چوں مگر کی کنم منہ سے  
دن برس تک نہیں تھے ہوش بجا  
رہا چالیس تک تو دیوانا  
میں تک کیل کو دی میں رہا  
پیش و عشرت میں محمود و خود تھا  
نہیں غفلت میں کچھ کمی اصلا  
موت سر پر کھڑی ہے دیکھ ذرا  
ای کہ بچاہ رفت و در جوانی  
گرایں شش روز دریا بنی

کرنہ دنیا کو بے سبب بدنام  
خاص ہو کوئی یا ہو کوئی عام  
چاہتا ہے جو تیک ہو انجمن  
نیکیاں کر رہے سخی مقام  
عمل خیر کا یہ ہے مقام  
چند روزہ یہاں ہے سب کا مقام  
پرست کر کے نفس نافرمام  
منتظر کوچ کا ہو صبح و شام  
خجل آن کس کہ رفت و کار درخت  
کو بس رحمت زدند و بار نہ ساخت

تو مسافر ہے اور جہاں ہے سرا  
سامنے آخرت کا بے رستہ  
وم میں نکلے کا صبح کا تارہ  
نیل گہری نہ لے رہاں امن  
صرف دو روز ہے تمام ترا  
یہی رستہ ہے تیری منزل کا  
کھوئی منہ زل نہ کرارے بیتا  
خواب فوشین باد اور سیل

باز دارد پناہ را از سیل  
چوڑ بابا خیال بام دور  
نہاں چتر میں کھونہ سیم دور  
ہو کا دون کسی طرح سے گز  
جنگہ ہو گا جہاں سے تیرا مستند  
قول سعدی نہیں شاہے مگر

ہر کہ آمد عمارت زو سمانت  
رفت منزل آہ و گیس پر روت  
جس کا تو آج ہے کہیں یہ مکاں  
دوسرا ہو گا اس پہ قبضہ کنیں  
چھوڑ جائے گا تو رہے تھک سہاں  
اور بڑ جائے گا اس کو تھما مکاں  
رہے کہ کشتش میں وہ سدا بیل  
جائے گا شہر خاموشاں  
ہو کر وہ بھی تیری طرح میاں  
وال درخت ہم جنیں ہو

دیں عمارت بس کہ بڑ گئے  
جان کر تجھ کو صاحب اقبال  
دل میں پچھے پاس دیکھ کے زرد و بل  
دل میں پچھے زباں پہ کچھ ہے عقل  
ہو جو دولت کو تیرے آج زوال  
گر تجھے کچھ بھی ہے خیال مانی  
یہ نہیں دوست چھوڑاں کا خیال

یار نا پائیدار دوست مدار  
دوستی را نہ شاید ایں خدا  
یوں تو ہیں بسم میں کئی اعضاء  
اور ہر ایک کے ہیں کام خدا  
پیش کا حال ہے مگر سیارا  
سادا سامان ہے اسی میں بھرا  
یہی سخن ہے کہ غنہ افک کا  
یہی اعضا و کا ہے تہم غذا  
یہ ہے ٹھیک تو ہے اپنا بھلا  
یہ جو بکرتے تو کام ہو پورا

آدہ عیش آدمی خدا است  
تا بتدریج می رود کو غم است  
ماہرین فنون طبیات  
یہ سننی حکماء نے کی ہے تحقیقات  
کھاتے ہیں جو غذا و ماگوالات  
جا کے پیچھے ہیں مسدود میرا دن دات  
ان سے بہتے ہیں ثوان و فضلات  
خون سے تازگی ت اور حیات  
فصلے خارج نہ ہوں اگر ہیہات  
جان خطرہ میں ہو بلا شہات

گر بہ بسند و چنان کہ نکشاید  
گردل از عم پری کت کشاید  
علم ابدان سے جنیں ہے ساز  
ان جھیموں سے یہ کھلا ہے راز  
دنیا کی جس سے ہو قلیل و دراز  
یہی قصہ ہے یعنی بول و بروز  
ان کا منقذ نہ باز ہو نہ سراز  
رہے ہر حال مستدل انداز  
موت ہی داغ ہو بسوز و گداز  
ہو جو اخراج میں تشیب و فراز

درد کشید چنان کہ متوال بہت

گو بہ شوی از حیات دنیا دست

پہ صفت آگ میں جلانے کی جذب و معدوم کرتی ہے مٹی  
باد ہر شے کو ہے اڑا دیتی آب میں ہے ملکیت بہانے کی  
چار عنصر ہیں آدمی کے یہی شکل انسان ہے انھیں سے بنی  
جمع طہرین ہیں ہر شوار کی بس غنیمت ہے ان کی بھائی

چار طبع مختلف و سرکش

چند روز سے بوند باہم خوش

جسم انسان کے یہ چار افسداد آتش کو آب اور خاک و باد  
ہے الجبار کا اس طرح ارشاد قہر میں باد میں ہیں یہ آزاد  
اعتدال ان کا دل کو رکھنا کمی بیشی ہے ان کی وجہ فساد  
ایک بھی ان میں کا اگر ہو زیاد زندگی ہو تباہ اور ہر باد

گر کیے زمین چار شد غالب

جان شیریں برآید از غالب

زلیت ہے چند روزہ بھائی باں جان اور جو جگر نہ ہو انجباں  
ایک ہمال سرا ہے تیرا مکاں جس میں ہے چاروں کا تو ہواں  
جہ پیم سے بلند ستا امکاں جمع کراچے کوچ کا ساں  
امر حق کہی من علیہا فان ہے ال اس میں شک نہیں ہے جان

لا جرم مرد عارف کا لی

نہند ابر حیات و نیا دل

عالم نامدار و ذی ہمت اور تو شیر و ان با عظمت  
گرچہ دنیا سے ہو گئے رخصت نام زندہ ہیں ان کے با عزت  
اور ہزاروں ہی صاحب دولت باقی انکم و شر بد طینت  
جب انھوں نے یہاں سے کی جوت کچھ نہیں لے گئے بجز حسرت

نیک و بد چوں کہی بیاید مرد

خنگ آں کس کہ گوئے نیک برود

تو کہ ان باپ کو ہے تجھ پر پیار اور بھائی بہن ہیں تجھ پہ شمار  
زن و فرزند بھی ہیں ہنس غم غار دوست کیا ہے چاہتے ہیں سب اختیار  
دوستے اور چہتے بحال زرار ساتھ دیں گے فقط یہ ستا ہزار  
کر عمل نیکو نہندگی ہی میں یار زاو رہ اپنا آپ کرتا ہزار

ہرگیشی پر گور فویش فرست  
کس نہار و پس ز پوش فرست  
کیسے کیسے شہنشاہ زمین جن کے زیر نہیں تھے چین و منت  
کتنے ہی باہرینا عشق و فن اور زہار و عا جان حسن  
کیسے کیسے فصیح و اہل سخن اور سینا و ہر نازک تن  
آئے۔ پندسے اٹھائے رخ و سخن غاک ہو کر ہیں اب تہہ در فن  
ہر برت است و آفتاب تہوز  
اند کے ماند و خواہ غرقہ ہنوز

کیا بازار ہے یہ خوش اسلوب میز دہ آخرت ہے نام بھی خوب  
جس نیکی بدی تو ہو مطلوب تجھے مل جائے گی۔ جسے مرغوب  
فلس بد خواریوں و پر زعمیوب دیکھ۔ شہوات کا نہ ہو مغلوب  
باتھ خالی نہ جا کہ ہے محبوب کام لیا نہ کر کہ ہو معسوب  
اس تہیدست رفتہ در بازار  
ترکست پر نیادری دستار

چار ہوتے ہیں دوسے دول کر کلیہ قاعدہ ہے یہ انظمہ  
موت واقع ہو زیر کھائے اگر حلقے اس کو جس نے کھائی فکر  
تخم نیکی جو بوئے نیک سیر پائے گا شہ بھی وہ شیریں تر  
اور جو باندھے کوئی بے فایہ کر بد عیجہ وہ دیکھے گا اکثر  
ہر کہ مزدور خود خود بہ خود  
وقت غرضش خوشہ باید چید

تا بج غفلت اور نادانی ہو کے گمراہ دشت پسائی  
جس طرت کو ہوا ہے تو راہی نہیں یہ راہ تیری مسئلہ کی  
ہو خبر دار راہ لے سیر ہی بس اسی میں ہے تیرا بیسودی  
تیر نادان حضرت صدیقی کہہ رہے ہیں زراہ ہمدردی  
پند سعدی خوش دل بطنو  
رہ چین است مرد با حق دبرو

میر محمد شجاع الدین

## شعریت فلسفہ امیر

دے کے صبا جھونکے پر جہ و دکا  
 گنہ وہ کب سبجے پھولوں کی  
 پھولوں کے جلوے روشن ہیں  
 پھول حسیں بھی حن فزا بھی  
 خوش زد بھی خوش ہیں پھولوں و  
 ایسا ربط باہر سد یگر  
 لاکھ کہے کوئی البسیل  
 پھول چنبیلی کے نہ ملیں گے  
 سب پھولوں کا حال یہی ہے  
 پھولوں کی جتنی ہیں قسمیں  
 طور یہی ہے خاص پھولوں کا  
 سارے میوے ہر موسم میں  
 میں نہیں کہتا باغ جنتاں کی  
 جی چاہے سول نہیں سکتا  
 آم کا موسم، ستیا پھل دے!  
 ہم جب ان دونوں کو چاہیں  
 ستیا پھل کی ہر اک ڈالی  
 ہر میوے کی فصل جہاں  
 لذت دنیا ہے ہنگامی  
 کیف سے میں خود ہوں بیگانہ  
 یا ہے ادھورا "نعت خانہ"

سید علی منظور

# تنقید و تبصرہ

دنیا ہماری :- ازل و بسی بحکم ۳۰ صفحہ قیمت مال  
ملنے کا پتہ :- راج محل پبلشرز بمبئی

کشمیر :- یہ پر دہی کے پندرہ معصوم انسانوں کا مجموعہ ہے۔  
انسانیوں کے پس منظر میں کشمیر کی فطری سسکتی ہے۔ ہر جگہ  
ترقی پسند مسائل پر بحث کرنے کے عریائیت کا پس پتہ نہیں۔  
زندگی کے مختلف پہلو افسانہ نگار کے سامنے ہیں۔ کار جہ  
اس مجموعہ کا بہترین افسانہ ہے۔ ہر افسانہ کا لفظ لفظ شام  
ہے کہ برابر راستہ انمول نے زندگی کی ایوریسیوں کو کھینچ  
کیا ہے۔

کر وٹ :- از سعادت حسن منٹو قیمت ۱۰ روپے  
کر وٹ :- ملنے کا پتہ اردو انڈیا می لاہور  
اردو کے سب سے زیادہ بڑا نام مصنف منٹو  
کے گیارہ ریڈ بائی ڈراموں کا مجموعہ یہ کر وٹ ہے۔ سروق  
کی لغوی سے پڑنے والا دھوکا کھاتا ہے کہ شاید اس میں  
عریائیت کے سوا کچھ نہیں۔ لیکن ہر ڈراما نظر کو زندگی کی  
نئی نئی داؤں سے روشناس کرتا ہے۔ انسانی فطرت کی عجیب  
خاموشیوں کو دکھاتا ہے۔ انسان کے انہوں سے متاثر اور اس کی  
سکھانوں سے لطف اندوز کرتا ہے۔ منٹو نے زندگی کا  
قریب سے مطالعہ کیا ہے کہ وہ اپنے احساس کی شدت اور  
بیان کے خصوص کے درمیان کوئی حجاب باقی نہیں رکھتا۔  
تصنع اور نماد نہ کوہ میں اس کے کام سے چھٹنے کی کچھ  
اس کی تعقیبات کا بغور مطالعہ کرنا اس کو ادیب تسلیم کرنے کے  
لئے ضروری ہے۔ یوں تو ہر ڈراما اپنی جگہ بہت اچھا ہے لیکن  
کر وٹ، تنک، اور سب سے زیادہ سکہ پڑھ کر محسوس ہوتا  
ہے کہ زندگی کے مختلف روپ ہر جگہ مختلف ہیں۔ لیکن حقیقت  
میں یہ انسانی کشش کے مختلف مظاہر ہیں جن لوگوں  
کا خیال ہے کہ منو جنسی مریض ہے وہ سکہ کا ضرور مطالعہ

کریں۔ کیونکہ اس افسانہ کو پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ یہ عیون ہر  
ایسی چیز بھی کھکتا ہے۔ زبان صاف ستھری اور دلکش ہے۔

کتابت اور طباعت بہترین  
از جگہ نرائن بی۔ آئی ٹی، علی گڑھ  
رسول :- (مکمل سکرین) قیمت ۱۰ روپے  
یہ کلدار نامہ سر حیدر آباد کا ڈیو۔ کاغذی سکرین جنگ سیدرا بک  
میں مصنف کے اعلیٰ انسانوں کا مجموعہ رسول ہے۔ زبان  
سیدھی سادھی ہے۔ اور مصنف کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ  
انسانوں کے روپ میں تو خیر ان کے لوا کیوں کے لئے اخلاقی تہذیب  
کے بایا پند و نصیحت بھی کی تھی ہے۔ کتاب کو دیکھتے ہوئے  
قیمت زیادہ ہے۔

ایک حاکم میں (مکمل سکرین) :- قیمت ۱۰ روپے  
از خواجہ محمد شفیع دہلوی مجموعہ ۱۰  
مکمل سکرین، اردو بازار دلی۔

ایک حاکم میں :- بڑا خوب اول ہے۔ زبان خواجہ محمد شفیع  
دہلوی کی ہے۔ نہایت سلیس اور ستھری۔ ایسی زبان سمجھنے والے  
اب کیا اب ہیں۔ قصہ الف سلیس سے نہیں بلکہ ہماری اپنی دنیا  
کی زندگی سے لیا گیا ہے۔ خواجہ صاحب ترقی پسند ادب کے حامی  
نہیں مگر اس ناول کو لکھ کر وہ اس تحریک کے خاتمہ کو پورا کر رہے  
ہیں۔ کرداروں کو نہایت چابک دستی سے پیش کیا گیا ہے۔  
ایک مقصد کے تحت سب کو ایک مرکز پر لایا گیا ہے۔ نفسیات  
نگاری کا کمال اس سے ظاہر ہے کہ شریعت بوی، لطافت، چور،  
مشہدے اور دلی کے رشتے خواب زاد سے بھی اس میں موجود  
ہیں اور ہر ایک کے کردار پر بڑی خوبی سے روشنی ڈالی ہے۔  
تھیریل میں لکھنے کا ذکر بڑے مزے سے کیا ہے اور اس ضمن  
میں ایک طنز افسانہ "روشن آرا" بھی ناول میں شمول  
کیا ہے۔ اگر کوئی دلی کے حاکم سے اور اس کا استعمال کیا جائے  
تو یہ کتاب نہایت مفید ہوگی۔ کتاب عمدہ ہے۔

نیا رنگ :- (مکمل سکرین) قیمت ۱۰ روپے  
از تہذیب سلطانی ساغر مجموعہ ۱۰  
نیا رنگ :- (مکمل سکرین) قیمت ۱۰ روپے



زمرے کے لوگوں سے۔ ان کو عبدالسلام کی آہام ایسی ہی کچھ  
نیابتیات کا متحدہ ٹھکانہ، حجم ۲۰ صفحات، قیمت ۲۰ روپے، مرنارٹر اسبک دس  
کتاب گھر، لاہور، پاکستان۔

سو کوی عبدالسلام نے نہایت سادہ زبان میں مختلف چڑ  
پڑوں کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کتاب کے زبردست کرنے کا طریقہ بھی  
تبویا ہے۔ سائنس کے متعلق ایسی جامع کتاب کہیں نہ ہو  
نمود بھی جائیں۔ سائنس کے طالب علم اور عوام ہر ایک کے لئے  
اس کا مطالعہ کیاں مفید ہے۔

یونان و روما کے انوکھے قصے - از امجد علی صاحب  
تجم ۱۰ صفحات، ناشر حیدر آباد، لاہور، پاکستان۔

انگریزی ادب میں کچھ عجیب و غریب لٹریچر اور یونانی متعلق ہیں  
جو خود اردو ادب پر انگریزی کا اثر بہت زیادہ ہے اس لئے یہ اردو  
میں بھی رائج ہیں۔

آٹھ عجیب و غریب کوائف ان کی شکل میں پیش کیا ہے اور اکثر  
میں مشہور ہیں۔ اس لئے کتاب کا مطالعہ عوام کے لئے خصوصاً  
انگریزی سے ناواقف ہیں مفید ہوگا۔

تذکرہ باب حکومت - مرتبہ محمد منظر، حجم ۲۰ صفحات  
تقسیم سوم سے مطبوعہ، ناشر، لاہور، پاکستان۔

محمد منظر صاحب نے اپنی ذاتی معلومات سے کام لے کر اس  
تذکرہ کو مرتب کیا ہے۔ ملک اور حکومت سے متعلق ہونے والے  
حضرات اس سے ضرور پڑیں۔

باب حکومت کی نہایت مہذب و جامع ہے۔ اس کا خاتمہ  
فرمان عالیہ کے دو فقرے پر کیا گیا ہے۔

ز. س۔

ماہنامہ آئینہ میں نوٹیں اور غزلیں مختلف اوقات  
میں شائع ہوتی ہیں ان کا نہایت سہرا انتخاب "نیراک"  
کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔

ذکرہ مطالعہ صاحب کے کچھ غزلیں کی داد دینے کو ہی  
چاہتا ہے جب ہم تیار ہیں مشہور شعروں کا عمدہ کام پڑے  
ہیں اور یہ خود بھی شاعر ہیں اور شاعر کی رفیت نہایت بھی۔  
اس لئے انتخاب کا معیار بہت بلند ہے۔ طباعت و نگاشت عمدہ  
اور قیمت نہایت کم۔ ایسے انتخاب کی کاشت اور داد کی  
بڑی خدمت ہے۔

از جناب سید شبیر حسین قیس، حجم ۱۰ صفحات  
ذکرہ مطالعہ صاحب ناشر، لاہور، پاکستان۔

جناب شبیر حسین قیس نہایت پرانے قصے والوں میں  
سے ہیں ان کے یادہ مختصر افسانوں کا مجموعہ سبک دس  
افسانوں کے پلاٹ پرانے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ مومنان کا  
قلم بکثرت کھتے تھک گیا ہے۔ افسانوں میں کوئی جدت اور

انوکھائی نہیں۔ مگر ان اصحاب کے لئے اس کا مطالعہ و پچھ  
ہوگا جو افسانوں کو محض دل بہلانے کے لئے پڑتے ہیں۔ فن کی  
نراکت اور باریکیوں سے بچنا نہیں چاہئے قیمت کے لحاظ  
مجموعہ برا نہیں ایک افسانہ سبک دس بھی اچھا ہے۔

یا اقبال - مرتبہ غلام سرور، ناشر، لاہور، پاکستان۔

یہ جو کسی نے کہا ہے کہ بڑا شاعر کسی مرتبہ نہیں اور زبان  
و مکان کی قید سے آزاد ہوتا ہے۔ بالکل ٹھیک ہے۔ اقبال پر  
روزانہ کچھ نہ کچھ بھار رہا ہے۔ نگار صاحب نے اس مجموعہ

میں دم مشہور شاعروں کو ان غزلوں کو پیش کیا ہے جو اقبال  
کی یاد میں لکھی گئیں۔ خلیفہ جو شہر آبادی کا مرثیہ لاجواب  
مرعوبہ افکار دے مقدمہ لکھا ہے اور جناب محمد حسنین سید

بی اے - جاسمی نے اقبال کی مختصر اور جامع سوانح حیات  
نہایت سلیس اور سادہ زبان میں لکھی ہے۔ اس میں چند غزلیں  
کی نقلیں بھی شامل ہیں۔



# ادارہ ادبیات اردو کی کتابیں

ردیف	تعداد	نام کتاب	قیمت	تعداد	کتاب
۱	۲۸	سج کا جادو	۲	۱۲۸	سرور خانہ
۲	۶۸	طوبیاتی کائنات	۸	۹۳	سرور خانہ
۳	۱۲۳	مناجح سخن	۶	۴۰	نظام الملک
۴	۱۲۲	کیف سخن	۸	۳۳۰	تاریخ گوندہ
۵	۱۲۷	بادۂ سخن	۱	۱۶۰	ریڈیو نمبر (۸ تصاویر)
۶	۱۵۲	سراج سخن	۱۲	۱۲۰	ارمغان جذب
۷	۱۳۰	ایمان سخن	۴	۴۸	سونیل مان
۸	۱۴۴	فیض سخن	۲	۱۶	مرید احمد خان
۹	۵۰۰	مربع سخن جلد اول (۵۵ تصاویر)	۶	۴۸	مرحوم لار جنگ
۱۰	۴۳۲	مربع سخن جلد دوم (۵۰)	۴	۱۴۵	مربعی تصانیف کے اردو تراجم
۱۱	۱۷۵	نقد سخن	۴	۱۳۲	معین کی چھاؤں
۱۲	۲۴۸	نذر ولی	۴	۲۶۸	اقبال نمبر
۱۳	۱۹۲	گولم و تھم	۱	۱۱۲	حائس کے کوشش
۱۴	۱۸۳	مقامی فنکار دکن	۳	۲۳۰	شعرا عثمانیہ
۱۵	۱۴۵	سن کی دنیا	۸	۳۰۰	مکتوبات شاد عظیم آبادی
۱۶	۱۹۶	مدارس میں اردو	۲	۱۶	دادا بھائی
۱۷	۱۱۲	محرم ذمہ	۲	۲۰۰	اردو نامہ
۱۸	۱۵۳	ذکر دکن	۱۰	۸۵	حیدر آباد
۱۹	۱۳۰	روح غالب	۶	۴۰	عماد الملک
۲۰	۲۰۰	عاصم	۶	۵۶	اردو دانی کی پہلی کتاب
۲۱	۵۶	دبیری معلومات	۶	۵۶	دوسری کتاب
۲۲	۴۸	ابدوز نقوش اور سرنگ	۲	۲۰۰	محمد حسین آزاد
۲۳	۱۳۲	اردو نقوش کا ارتقاء	۴	۱۲۰	فاغ کی ناؤ
۲۴	۲۱۶	عہد زندگی	۱۲	۹۲	من تعزیر
۲۵	۳۰۰	سرگزشت ادارہ	۱	۱۴۲	محمد ماریخ دکن
۲۶	۳۱۲	میر محمد مومن (۲۴) تصاویر	۸	۱۳۰	ہندوستانی تمدن
۲۷	۳۲	بقا	۱۰	۸	پودوں کی کہانی
۲۸	۱۱۳	حطایات	۱	۱۰۰	سما
۲۹	۱۵۰	علم خاتم داری	۶	۴۸	ہانی کی کہانی
۳۰	۱۱۸	چیونٹی (۱۶) تصاویر	۸	۳۹۰	رسالہ طیب
۳۱	۱۶۸	انوار	۴	۴۰	سلک گوہرین
۳۲	۸۰	نغمش دانی (۴) تصاویر	۸	۱۷۲	تاریخ ادب اردو
۳۳	۱۲۸	کارخانہ نقاشی	۸	۵۶	اشوک اعظم
۳۴	۱۶۸	رات کا پہلو	۱	۸۲	ہانی
۳۵	۲۳	سکندر جاہ	۸	۲۱۲	پورپ جنگ سے پہلے
۳۶	۵۲	بلاغت	۸	۱۷۰	شہنشاہ
۳۷	۲۰۰	ادارہ علم ۱۹۳۱ء میں	۱	۱۰۱	ایضائی زبانیں
۳۸	۲۴	ناصر الدولہ	۴	۳	ظام علی خان
۳۹	۳۲	افضل الدولہ	۵	۳۹۰	دندہ اردو مضبوطیات جلد اول
۴۰	۳۲	نواب میر محبوب علی خان	۱۰	۵۶	عرب اور عربستان





# سبیل



U.9072



# ادارہ ادبیات اردو حیدر آباد دکن کا مہنامہ

زیر نگرانی  
ڈاکٹر سید علی الدین قادری زکریا  
مجلس ادارت  
خواجہ حمید الدین ایم کے  
سکیتھ بیگم

## سب رس

نشان پیدائش ۱۵۳  
نشان پیدائش ۳۹۵  
ٹیلیفون نمبر ۲۲۰۹  
چھپوانہ چار روپے طے آنے  
پچھلے سب سے ایک روپے طے آنے

جلد ۹ بابت پانچ و اپریل ۱۹۴۶ء شمارہ ۳ و ۴

### (فہرست مضامین)

۱	زندگی - غائب کی نظر میں	۲	محمد منظور احمد بی اے (عثمانیہ)
۲	احاس محبوب - (نظم)	۸	پروفیسر منظور ایم اے (امراؤٹی)
۳	ادبی رجحانات کا تجزیہ	۹	تجربہ سمیع اللہ شاہ
۴	یکے میں - (افسانہ)	۱۵	احمد یوسف زئی بی اے (عثمانیہ)
۵	سینے سے آتش - (غزلیں)	۲۰	سید علی منظور
۶	عزیزی دیر سب کس - (ایک خط)	۲۱	مارموزی (بھوپال)
۷	آشمار اقبال	۲۲	سید مبارز الدین رفعت ایم اے
۸	غزل	۲۳	عبدالعزیز فطرت (راولپنڈی)
۹	غزل	۲۴	علی انشرف
۱۰	اسلوب بیان	۲۵	احسان اللہ بی اے (عثمانیہ)
۱۱	کمیلیں - (نظم)	۲۶	احمد رفیع قاسمی بی اے (لاہور)
۱۲	ماحول اور شخصیت	۲۷	عابد علی ٹالپا بی اے (عثمانیہ)
۱۳	جلووں کے شزار - (نظم)	۳۶	سر دارالہام
۱۴	بیدری کی آبادی اور نام	۴۷	سید محمد بیدری
۱۵	غزل	۴۸	جیسلملک (راولپنڈی)
۱۶	قانون - (فسانہ)	۴۹	قاضی وقار الدین
۱۷	ٹھوکریں	۵۳	رشد سید قریشی ایم اے
۱۸	تنقید و تنصیر	۵۴	ق۔ زس
۱۹	ادارے کی خبریں	۶۲ تا ۵۷	ادارہ

خواجہ حمید الدین شاہد ایم اے کے اہتمام سے صحیفہ مشین پریس میں چھپ کر فوٹو لیتھوگرافی سے شائع ہوا۔



# زندگی۔ غالب کی نظر میں

یہ تو ایک حقیقت ہے کہ شاعر کوئی مافوق الفطرت ہستی نہیں ہوتا بلکہ وہ ہماری ہی سماج کا ایک فرد ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ اس کی طبیعت عام لوگوں سے زیادہ حساس ہوتی ہے اور اس میں فطری طور پر یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ کسی واقعہ سے متاثر ہو کر اسے اشعر کے سانچے میں ڈھالے۔ اسی لئے وہ ہر اس جذبے کو جو انسانی دل میں پیدا ہو سکتا ہے صحیح طور پر پیش کرتا ہے۔ درہم بر انسان کے دل میں وہی جذبات پیدا ہو سکتے ہیں اور ہوتے ہیں جو شاعر کے قلب و دماغ کو دعویت سکر دیتے ہیں لیکن مرث محسوس کرنا اور بات ہے اور محسوس کرنے کے بعد ان کا اظہار ایک علاحدہ چیز ہے۔

ہر بڑے شاعر کے کلام کا عمیق مطالعہ کرنے کے بعد ہمیں اس کی پوری شاعری میں ایک مرکزی خیال ملے گا اور اسی ایک مرکزی خیال کو کے اطراف اس کی شاعری گھومتی ہوئی نظر آئے گی۔ کہیں وہ زندگی کے متعلق تاثرات بیان کرے گا چاہے وہ اپنے ہوں یا پرانے۔ اور کہیں زندگی کو مختلف زاویہ ہائے نظر سے دیکھے گا۔ اور ان زاویوں کی مدد سے چند حقیقتیں و واقعات زندگی کو پیش کرے گا۔ چونکہ انسان کے دل میں اس کی زندگی کی مختلف فیزوں میں متغیر و متبدل پیدا ہوتے ہیں اس لئے شاعر کا کلام بھی متغیر و متبدل خیالات کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ کہیں وہ زندگی کی پیچیدہ تعبیر کو دکھاتا رہتے ہوئے سنجھاتا ہوا پایا جائے گا اور کہیں اس دنیا سے تنگ آ کر اپنے قیل کی مدد سے ایک نئی دنیا بناتا ہو نظر آئے گا۔ کبھی وہ کشمکش زندگی میں پیہم مشکلات اور نا کامیوں سے دوچار ہو کر انسان کی مجبوری اور ان مجبوریوں کے غماتے کا ذریعہ موت کو طے کرے گا۔ کبھی اس کی نظر میں دنیا ایک باوجود اطفال نظر آئے گی اور ہنسی خوشی سے زندگی گزارنا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل نظر آئے گا۔ اگر کسی موقع پر وہ مصائب کی زندگی سے تنگ آ کر ایک آخری بلا یعنی مرگنا مانتا کا خطرہ ہے گا تو کبھی اس سازش کے ایک نیک دن پر مدعا ہو جائے گا یقین کر لینے کے بعد اپنے دل کو یہ شورہ دے گا کہ "نہمائے غم و غمیت ہاں تو کبھی وہ ہستی کی درون بڑھنے اور زیت کا مزہ" پائے کیلئے جتنی خاطر ویراں ساز کا دامن تھلنے کی تعلیم دے گا اور کبھی آلام و مصائب سے گلہ کرنا اور آکر کار و بار شوق کے لئے فرصت اور نظارہ چلنے کے ذوق کا فقدان محسوس کرے گا۔ کبھی فکر و تامل میں سرگھبرانہ اس کے لئے وبال ہو جائے گا اور دینیئے کا مزہ موت کے لازم ہونے میں محسوس کرے گا جہاں وہ اپنی زندگی مشکلات میں بسر کرنے کے سبب یہ کہہ اٹھے گا کہ

ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے  
وہیں زندگی جی گراں قدر تھے کو بارگاہ ایزدی میں پیش کرتے ہوئے یہ کہے گا۔

حق تو یہ ہے کہ حق اور نہ ہو

مختصر یہ کہ شاعر زندگی و موت کے مسائل، انسانی جذبات کی ترجمانی اور اپنے تجربات زندگی کو شاعری کا موضوع بناتا ہے۔ درحقیقت وہی شاعر ادبی دنیا میں اعلیٰ مقام حاصل کرنے کا مستحق ہے اور وہی شاعر ادبی دنیا میں اپنا مقام آپ پیدا کر لیتا ہے جس کی شاعری کا محور زندگی اور واقعات زندگی ہوا کرتے ہیں۔ ان ہی شاعروں نے اپنے تخیل و فکر سے دنیا والوں کو ایک پیام دیا ہے۔ زندگی کی دکھتی رنگ پر نایا زندگی کے شیب و فز کو ہماری نگاہوں کے سامنے لا کر دکھانا اور

ان سے بجائے فرار و گریز کے پامردی سے راہ زندگی کو طے کرنے کی تعلیم دینا ایسے ہی شاعروں کا سطح نظر ہوا کرتا ہے۔ مذکورہ بالا تمام خصوصیات دنیا نے شاعری کی جس عظیم المرتبت اور لائق فخر ہستی میں جمع ہو گئی تھیں، وہ اسد ادرخاں غالب ہے جس نے تمام شعرائے متقدمین کی راہ اسے ہٹ کر اپنے لئے ایک نئی راہ انتخاب کی۔ وہ اپنے رنگ کا پہلا اور آخری شاعر تھا۔ اسی کے کلام کو دیکھنے کے بعد عین کی بندی کا مفہوم ہمارے ذہن نشین ہوتا ہے۔ تب ہی یہ کہا جاسکتا ہے کہ انداز بیان کی خوبی کسے کہتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ تمام اردو شاعری کی حیثیت و سجدگی سمٹ سٹا کر اس کی شاعری میں جمع ہو گئی ہے۔ اس کے کلام میں اردو شاعری ایک شرارہ چلبلی ووششہ کی طرح نہیں بلکہ ایک بادقار، شائستہ اور متین عورت کے روپ میں جلوہ گر ہوئی ہے جسے اپنی شخصیت و مردانگی کا احساس بھی ہوتا ہے۔ اس نے دنیا کے سب سے زیادہ مخصوص انداز میں پیش کیا ہوئے قابل قدر ہے۔ اس کا کلام حیات جاوید حاصل کر چکا۔ وہ باقی رہے گا کیونکہ اس میں چند حقائق ہیں اور حق کبھی مٹ نہیں سکتا۔ یہ فطرت کا اہل قانون ہے۔

غالب کی ابتدائی زندگی نہایت عیش و عشرت اور بے فکری میں گزری لیکن اس کے بعد انہیں اپنی لقیہ طویل زندگی میں اطمینان و مسرت سے کہیں زیادہ پریشانی و غم سے ساقی رہا۔ مصیبت کے ان دنوں میں وہ عیش و عشرت کو یاد کرتے ہیں اور پھر اپنی اس حرکت پر عجیب طرح سے تضحیک بھی کرتے ہیں۔

فلک سے ہم کو عیش رفتہ کا کیا تقاضا ہے  
متاع بردہ کو کچھ ہوئے ہیں قرض رہزن پر

ایک اور مقام پر وہ اس خیال کو کہ جب مشکلات نے ہمیں کھیرا تھا اس وقت ان کے وضع کردہ کی طاقت تھی اور اب جبکہ پریشانی کا سامنا ہے کچھ بھی نہیں ہو جاتا۔ اپنے آپ سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں۔

درآمدی میں غالب کچھ بن پڑے تو جانوں  
جب دستہ بے گھر تھا ناخن گرہ کشا تھا

ہندوستان کے مسلمانوں کی عظمت کے انہماک کا واحد ذریعہ یعنی ری ہنسی سلطنت مغلیہ کا چراغ گل ہو گیا متاع آزادی لوٹ لی گئی اور بد بخت کاروان کے دل سے احساس زبانی بھی ہٹا کر ہندوستان کے مسلمانوں کے ساتھ مایہ کی طرح چھری پھنی۔ ان تمام ناخوشگوار حالات سے غالب کا دل بھی بیٹھ گیا۔ وہ مسلمانوں کی طرف سے ایوں سا ہو گیا تھا۔ کہتا ہے

خزاں کیا فصل گل کہتے ہیں کس کو کوئی موسم ہو

وہی ہم ہیں نفس ہے اور اتم بال و پر کا کس ہے  
آخر عمر میں وہ فقدانِ راحت سے گھرا اسلئے تھے کیونکہ اس وقت نہ ذریعہ معاش باقی رہا تھا اور نہ صحت اور دراصل بھی وہ بنیادی ضرورتیں ہیں جن سے انسان کو بڑی حد تک سکون قلب حاصل ہو سکتا ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ شاہی سرپرستی کے زمانے میں بھی وہ بھی فارغ المالی سے گزیر نہ کر سکے۔ شاید یہی سبب ہے کہ ان پریشانیوں نے انہیں غم و مصیبت کو اپنا موضوع فکر بنانے پر مجبور کیا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے کلام میں غم و ہستی کا بار بار تذکرہ کیا ہے۔ اور انہیں کہیں انداز بیان سے حسرت و یاس جھلکتی ہوئی نظر آتی ہے۔

انسان کی زندگی اپنے اختتام کو پہنچے تک نشیب و فرازا و مصیبت و غم سے گزرتی ہے۔ اس غم ہستی کا دوا و علاج موت ہے۔ اور غالب کے خیال کے مطابق موت ہی وہ "سحر" ہے جس کے طلوع ہونے کے بعد سہاسیات گل بہو جاتی ہیں۔  
غم ہستی کا آئینہ کس سے ہو جز مرگ علاج  
شکستہ ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک  
اسی خیال کو ذوق نے بھی باندھا ہے اور غم باندھا ہے۔

اے شمع تیری عمر طبعی ہے ایک رات  
رو کر گزار یا اسے ہنس کر گزار دے

حکیم آغا خان عیش نے اسی خیال کو یوں نظر کیا ہے۔  
اے شمع صبح ہوتی ہے روتی ہے کس لئے  
تھوڑی سی رہ گئی ہے اے بھی گزار دے

جب تک انسان زندہ ہے غم واندہ بھی اس کے ساتھ ہیں۔ موت ہی غم ورج کا خاتمہ کر سکتی ہے ورنہ زندگی و غم ایک دوسرے سے وابستہ ہی رہتے ہیں۔

قد حیات و بند غم اصل میں دو فوں یک ہیں موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں  
لیکن غالب چونکہ بلند مرتبہ شاعر ہے اور جہاں وہ غم سے متاثر ہوتا ہے وہیں اس کی کوہِ رس و نغمہ و چند حقایق پر بھی ہڈی  
ہے جہاں تک معمولی نظریں نہیں پہنچ سکتیں۔ اس لئے وہ ایک بار غم کو بھی غنیمت سمجھتا ہے کیونکہ جب یہ ساز ہستی  
ختم ہو جائے گا تو پھر غنیمت غم بھی سننے نہ جائیں گے۔

غنیمت اے غم کو بھی اے دل غنیمت جانے بے صدا ہو جائے گا یہ ساز ہستی ایک دن  
جب ہماری زندگی کی رونق، ہما جی اور دھوم بامہنگامہ پر موقوف ہے اور سرت ہمیں حاصل نہیں ہو سکتی تو  
پھر نوہ غم ہی غنیمت ہے۔

ایک ہنگامے پر موقوف ہے گھر کی رونق

نور غم ہی بھی نغمہ شادی نہ سہی

انسان کی زندگی بہت مختصر ہے اس لئے اسے غفلت میں نہیں گزارنا چاہیے۔ زندگی کے مختصر ہونے کی غالب نے  
ایک انوکھی تشبیہ دی ہے۔

بک نظر بیش نہیں فرصت ہستی غافل

گرتی بزم ہے اک رقص بستر ہونے تک

صوفیہ کے ایک گروہ کے خیال کے مطابق دنیا ایک فریب ہے اور کچھ نہیں۔ غالب نے بھی اس خیال کو مختلف انداز میں  
بیان کیا ہے۔

ہاں کھائی موت فریب ہستی ہر چند کہیں کہے نہیں ہے

ہستی کے مت فریب میں آبا تیرا سد عالم تمام ملکہ و ام خیال ہے

شاید سچی مطلق کی کمر ہے عالم لوگ کہتے ہیں کہ ہے پرہیز نمود نہیں

شاعر کو ہستی باز زندگی کیوں فریب نظر معلوم ہوتے ہیں اور وہ اسے کیوں دام خیال سمجھتا ہے۔ محض اس لئے کہ وہ دیکھتا ہے کہ اس زندگی پر دنیا ہر انسان کا کوئی قیود نظر نہیں آتا۔ مشکلات و مصائب سدا رہ جے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ناکامیاں ہمت پست کئے دیجی ہیں۔ اسی سبب سے وہ سمجھتا ہے کہ انسان مجبور محض ہے اور اسے کوئی اختیار حاصل نہیں ہے اس کی مجبوری کی مثال کفایت نے اس شعور میں پیش کیا ہے۔

رو میں ہے رخسار کہاں دیکھئے تھے نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں  
جہاں اس نے زندگی کے متعلق ایسا نظریہ قائم کیا تو پھر دنیا کو وہ یکا کر چیز سمجھنے لگا ہے اور انسان کے عقل و دانش کے دعوے اسے غلط معلوم ہوتے ہیں۔ وہ دنیا و دین کو انسان کے لئے غفلت میں ڈالنے والی چیزیں سمجھتا ہے۔  
لاوت دانش غلط و نفع عباد معلوم دروہک ساغر غفلت ہے چو دنیا و چو دیں

اسی لئے وہ زندگی کو ایک تماشا سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا اور ہستی اشیاء کو ہمارا دہم قرار دیتا ہے کیونکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عالم محض نام ہی نام ہے۔ اس سے بڑھ کر اس کے وجود کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔  
باز بچہ اطفال کہے دنیا مرے آگے ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے  
جز نام نہیں صورت قائم مجھے منظور جز وہم نہیں ہستی اسما مرے آگے  
جہاں زندگی مصائب و آلام سے بے کمزور ہوتی ہے اور جہاں انسان اس سے بد دل ہو جاتا ہے۔ وہیں رونق ہستی کے لئے شاعر ایک لازوال غمے پیش کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ اس شے کے بغیر زندگی واقعی فضول ہے۔

رونق ہستی ہے عشق خانہ و براں ساز سے

انجمن بے سبب ہے گر برقی خرمین میں نہیں

زندگی اور عشق میں گہرا تعلق ہے۔ انسان کے لئے عشق ایک ایسا بلند مقام ہے جہاں سے دنیا کے تمام آلام و مصائب کے پہاڑ نشیب میں نظر آنے لگتے ہیں اور برج و غم کے بدن میں ٹوٹتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں اور اس دنیا کو عشق کے سہارے ایک قدم میں پار کر لیا جاسکتا ہے۔

ہے کہاں تنہا کا دوسرا قسم یا رب ہم نے دشت امکاں کو ایک نقش پاپا پاپا  
یہی عشق ہے جو انسان کو مصائب و آلام کی شدت کے باوجود اپنے حقیقی منصب یا فرض سے غافل نہیں ہونے دیتا اور اس کشمکش حیات میں سچا اپنے آپ کو ایک قابل پرستش ہستی سے وابستہ رکھتا ہے۔

گرمیں رہا رہیں ستم بائے روزگار

لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

انسان کی زندگی کا کمال یہ ہے کہ وہ ذات الہی میں اپنی ہستی کو دفن کر دے۔

عشرت قطرہ ہے دریا میں نشا ہو جانے

درد کا حصہ سے گزرنا ہے دوا ہو جانا۔

اگر انسان کے لئے کسی نہ کسی دن مرنا لازمی نہ ہوتا تو زندگی بے مطلق ہو جاتی۔ زندگی کا مطلق موت میں پہنچنا ہے کیونکہ اس حقیقت سے واقف ہو کر کہ ایک دن مادی زندگی کا ختم ہو جانا ضروری ہے انسان کے دل میں کم سے کم موت میں زیادہ سے زیادہ کام کرنے کی امنگ پیدا ہوتی ہے اور وہ اچا ہوتا ہے کہ جلد سے جلد اپنے بلند ارادوں کی تکمیل کرے تاکہ کہیں فرستہ نہ اہل اسے اپنے ارادوں کو نامکمل چھوڑ دینے پر مجبور نہ کرے۔ اگر موت لازم نہ ہوتی تو انسان بے پروا ہو کر اپنے ہر کام کو "فردا" پر ڈال دیتا اور زندگی جس کا مزا سرا سر مصروف رہنے میں ہی ہے بے مزہ ہو جاتی ہے۔

ہوس کو بے نشاط کار کیا کیا

نہ ہو مرنا تو بیٹنے کا مزا کیا

مقصد میں کامیابی کیلئے نتیجہ کی فکر کئے بغیر اپنے کام میں لگے رہنا چاہیے کیونکہ بالآخر وہی ہو گا جو فکر کرنے کے بعد بھی ہو سکتا ہے۔ مصیبت سے گھبراننا باہمت انسان کا عظیمہ صوبہ نہیں ہے

رات دن گردش میں ہیں میت آسمان

ہو رہے گا کچھ نہ کچھ کھبرا میں کیا

اگر قوت برداشت ہو تو مصیبت بھی راحت سے بدل سکتی ہے۔ رنج و مصیبت کی کثرت انسان کو بے پروا بنا

دیتی ہے اور وہ ان کا خور ہو جاتا ہے۔ چنانچہ غالب کہتا ہے۔

رنج سے جو کر ہوا انسان تو مٹ جاتا ہے رنج

زندگی کے ہر لمحے میں اور انسان کے ہر فعل میں نیت و ارادہ اور غلوں کو دیکھنا چاہیے۔ اور اگر مقصد

پورا ہو جاتا ہے تو سطحی باتوں کو موضوع بحث و تکرار نہ بنانا چاہئے ہے۔

وفا داری یہ شرط استواری اصل ایمان ہے

مرے بت خانے میں تو کعبہ میں گارو برہمن کو

اگر کوئی نہیں برا کہے تو اس پر دہیان نہ دینا چاہئے۔ اگر کسی کو غلط راستے پر چلتے ہوئے دیکھا جائے

تو اس کی رہبری کرنا تقاضہ انسانیت ہے۔ اور چونکہ خطا و قصور ہر شخص سے سرزد ہونے کا امر مکان ہے اس لئے

غفور و درگزر اچھی صفت ہے۔ دنیا میں ہر شخص کو احتیاجات ہیں اس لئے کوئی کسی کی ضروریات کہاں تک

پوری کر سکتا ہے۔ ان خیالات کو غالب کی ربانی سینے سے۔

نہ سو گر برا کہے کوئی

روک لو گر غلط چلے کوئی

کون ہے جو نہیں ہے عاجز بند

کس کی حاجت واکرے کوئی

چاہے حوادث کی کتنی ہی کثرت کیوں نہ ہو ان سے خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہی حوادث

ہمیں بن دیتے ہیں۔ ان ہی سے ہم تجربات حاصل کرتے ہیں اور آئندہ کے لئے احتیاط سے کام لیتے ہیں۔

اہل بنیش کو ہے طوفان حوادث کتب

لغز موج کم از سبیلی استاد نہیں

مرد میدان وہی ہے جو خطرات کو آواز دے کہ وہ آئیں اور اس کے غم و وارادہ اور پامردی کا امتحان لیں۔  
موانعات رخصت ترقی کے لئے تیزیانے کا کام کرتے ہیں اور مشکلات میں گھر کر انسان خوش ہوتا ہے کہ اسے  
اپنی ہمت کے مظاہرے کا موقع مل گیا ہے

ان آبلوں سے پاؤں کے گھر گیا تھا میں  
جی خوش ہوا ہے راہ کو پر غار و یخہ کر

بعض لوگ بہت جلد مایوس ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ اگر مقصد کے حاصل کرنے میں انتظار ہی کرنا پڑے تو اس زحمت  
کو بھی گوارا کر لینا چاہیے ہے

نفس نہ انجمن آرزو سے باہر کھینچ  
اگر شراب نہیں انتظار ساعند کھینچ

غالب کا خیال ہے کہ عبادت، عبودیت کے اظہار کی خاطر کی جاتی چاہئے۔ جنت کی خاطر عبادت کرنا،  
عبودیت کی شان نہیں۔ اس لئے وہ کہتا ہے کہ بہشت کو دوزخ میں جھونک دینا چاہیے تاکہ لوگ صرف اندر  
کے لئے عبادت کریں۔

طاعت میں تار ہے نہ مے دانگیں کی لاگ  
دوزخ میں ڈال دو کوئی لیکر بہشت کو

غالب کے نقطہ حیات اور لافانی پیام کو مختصر آویں بیان کیا جاسکتا ہے کہ زندگی کے سنوارنے میں عشق  
کا بہت بڑا حصہ ہے کیونکہ وہی روفت ہستی ہے اور اسی سے دنیا قائم ہے۔ ہر چیز انسان بے بس اور غریب و خوار  
کا مالک ہے لیکن اگر وہ چاہے تو اس فرصت زندگی میں بڑے بڑے کام انجام دے سکتا ہے۔ عشق ہی کی بدولت  
دشت امکان ایک نقش پانظر آتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ رنج و غم اسے زندگی میں واسطہ بڑھتا ہے لیکن اگر  
عزم و ارادہ ہو اور دل کی عزت نگاہ ہو تو یہ آلام و مصائب راحت و آرام سے بدل سکتے ہیں۔ انسان کی  
معراج کمال یہی ہے کہ وہ اس ذات میں فنا ہو جائے جس کا ایک پر تو ساری دنیا اور وہ خود بھی ہے۔  
مختصر یہ کہ اگر زندگی میں رنج و غم نہ ہوتے تو زندگی کا مزہ حاصل نہ ہوتا۔ رکاوٹیں نہ ہوتیں تو انسان کو  
سچی پیہم کا خیال نہ آتا اور موت لازم نہ ہوتی تو دنیا میں یہ گرا گری اور پہل پہل نظر نہ آتی۔

محمد منظور احمد

محبت کی جھانوں۔ مرزا ظفر الرحمن صاحب فی اس کے پڑاؤہ افانوں کا دلچسپ مجموعہ ہے۔ اس کے حلقہ فاضل  
عشق و محبت کی دولتہ انجمنوں اور حسن و شباب کی رعنائیوں سے معمور ہیں۔ نوجوانوں کے نصب العین معاشرہ کی  
سچی تصویر اور مصروف زندگیوں کے لمحات فرصت کے لئے ایک شائستہ ذہنی تفریح ہے۔

چھوٹی قطع (۱۳۲) صفحات قیمت جلد ص ۴

# احساسِ محبوب

وہ چنگاری کہ جس کی آگ سے خرمن بڑھائیں وہ دل جس کو ہڑکتے ہی ہزاروں دل دہرائیں  
 ترے ہاتھوں فرزاں ہو تو کچلا بھی نہیں سکتا!  
 مرے لب کے تبسم کتنے ہونٹوں پر کبھرتے ہیں مرے نغموں کے شمر سکتے سینوں میں اترتے ہیں  
 میں اپنے دل کو لیکن آپ بہلا بھی نہیں سکتا!  
 دھواں شاداب سیوں اٹھا سکتا ہو محفل میں ہزاروں تیر میں پیوست کر سکتا ہوں ہر دل میں  
 ترے ہی رزم لیکن تجھ کو دکھلا بھی نہیں سکتا  
 فضا میرے فانوں سے فسانہ ساز ہوتی ہے مرے نغموں سے فطرت گوش برآواز ہوتی ہے  
 ترے ہی گیت تیرے سامنے گابھی نہیں سکتا  
 مرے ہی اشک میری آنکھ چھلکا بھی نہیں سکتی مرے ہونٹوں پہ خود میری ہنسی آ بھی نہیں سکتی  
 ترے آگے ترا افسانہ دہرا بھی نہیں سکتا  
 حرم سے دور جانا، تنگدے سے دور تر جانا بہت آساں ہے مجھ کو ان دیاروں کا گزر جانا  
 مگر تیری وفاؤں کے محل دُعا بھی نہیں سکتا  
 تری دنیا کہ ہے نعمت میں نعمت کی دنیا مری صبحوں کی دنیا ہے نہ میری رات کی دنیا  
 گر میں ہوں کہ اس دنیا کو ٹھکرا بھی نہیں سکتا  
 ترے نزدیک اگر چاہوں تو خود آ بھی نہیں سکتا تجھی سے دور تجھ کو چھوڑ کر جا بھی نہیں سکتا  
 تجھے کھو بھی نہیں سکتا تجھے پا بھی نہیں سکتا

شور

# ادبی رجانات کا تجزیہ

کی آخری ساخت یہی وہ درمیانی زمانہ ہے جس کے بعد اردو ادب میں انقلاب پیدا ہوا۔ اسی دور میں وہ مشہور شعرا مبروف کارنیلو آئی ہیں جو ہم عصر تھے ہوئے بھی دو مختلف رجانات کی ترجمانی کرتی ہیں ذوق اور غالب۔

خطاط اور احتیاج میں جو فرق ہے وہی ذوق اور غالب میں ہے۔

ذوق پرانے ادبی دور کا آخری آئینہ ہے۔ اور غالب کی شاعری نئے دور کی پینا میر۔ اسی دور کی کہ جس کے پیا فی حالی سرسید پر بحث اور اقبال ہیں۔

غالب کی حقیقت غزل میں مخصوص رہنے کے باوجود ہر طرح آزاد ہے ان کے اشعار ان کا قصوف و غفلت، طبع، ذوق، غرض ان کی ہر چیز میں ذوق نمودار حرکت جیسا ہے جو اس سے صمد با سناں پہلے کے سکون کو ختم کرتی ہے۔

اس انقلاب کی کہیں سرسید نے کی۔ یہ سرسید ہی کی کہ جس نے شعرا و شاعروں کے اسباب بیان کا رخ بدل دیا اور ان میں آواز کی آواز اور اساد کی پیدا کردی۔ سرسید کا سادہ خالی نہ دیا وہ اپنی وہ انشا پر داز ہے جس نے زمانے کے اقتضا سے واقف ہو کر اردو نثر نگاری کی طرٹ توجہ کی اور زبان کی اہمیت ہمیشہ کا قدر کی کہ توش اسی زمانے میں پریم چند پیدا ہوا جو عسکرا اور

میں مختصاف نگاری کا موجد ہے۔ پریم چند کی فن کا۔ کی کی ہر چیز صدا حقیر کا انداز اس بات سے ہوتا ہے کہ اس نے اپنے فن کی بنیادیں کچھ اس طرح رکھیں کہ سطح نظر سے دیکھنے والوں کو اس احساس نہیں ہو سکا کہ وہ مغربی افشا نگاری سے استہوار پر چند کی جھبک کئی رنگوں کی تیارش سے بنی ہے۔ ان کی انداز نگاری فنی حیثیت سے اردو میں ایک نئی ہر چیز ہے۔

اس سے قبل کے افسانوں کا انداز کچھ اور متضاد تھا۔ اس خیالی باتوں کے ایسی چیزیں مخصوص تھیں جن کو ان کے تخلیق کار تلخ اور طعنے جھبک سے ہو۔ پریم چند نے ہماری زندگی کو اپنا فن بنایا اور اردو ادب میں واقفیت نگاری کو رواج دیا جو

ادب زندگی کی تصویر ہے اور اس کے ہر پہلو کی۔ ادیب کا فرض ہے کہ محققین کے اعتراضات اور موافقین کے رجحانات۔ نے مل کر ترقی نہاد ادب کو گورکھ و صدرا سانا دیا ہے۔ ان باتوں کے پیش نظر ادیب کے شاعرانہ مستقبل سے امید رکھنا بیکار ہے۔ محققین کا یہ خیال غلط ہے کہ ترقی پسند موجودہ دور کی پیداوار ہے۔ دراصل ترقی پسندی کوئی جدید چیز نہیں۔ عام لفظ کا یہ ہے یہ انسانی فطرت کا خاصہ ہے اور یہ معلوم کرنا دشوار ہے کہ ایسے ادیب کی ابتداء کب اور کبکہ ہوئی کیونکہ زمانے اور دور میں ادب میں ترقی ہوتی رہی ابتداء میں کہانیوں کی بنیادیں کھوکھلی تھیں۔ ان کا مقصد زندگی کی عکاسی کرنا نہیں تھا چنانچہ اس زمانے کی کہانیوں "سراپیان" "مکھڑا سیم" "دیو جین" کا فرد کی فوج البشر اور مجسم العقول تو تھیں ہیں اور وہ روبرو کے انسان بننے کی بات دیوناؤں اور عجیب و غریب انسانوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں جن کی شکلیں کو قیاس سے آئے ہوئے مسدس انسان یا دیو پر ہی مل جاتے ہیں۔

مگر زمانے کے ساتھ ساتھ خیال اور ادب دونوں میں تبدیلی ہوئی گئی اور اردو نثر میں بھی انقلاب آیا اور فنی کے اسی شاندار جہاں کا نتیجہ حال اکو مستقبل میں ہمیں ان ادیبوں کا لگا جو ضروری ہے جنہوں نے اپنی زندگیوں ہماری زبان کی شاعری میں صرف کر دی تھیں۔

اردو کی فطرت غالب نے زیادہ کی ہے غالب اردو زبان کا بہت بڑا معمار ہے کیونکہ وہ ایسے دو میں پیدا ہوا جبکہ مقلد سلطنت اپنے زوال کے آخری مراحل سے گزر رہی تھی اور نہ ہی شمع شعل ہو رہی تھی۔ پرانا دور ختم اور نیا دور شروع ہو رہا تھا۔

غالب کا زمانہ ایک ایسا دور ہے جس میں غریب ختم ہوتے ہوئے دور کی آخری شکست تھی اور نئی شکست



زوال کا ہے اس لئے فن کار کو مشرق اور مغرب سے کچھ نہ کچھ ضرور سیکھنا چاہیے۔ اور اس امتزاج سے اگر زندگی کی حسیات کی تحریر ہو سکتی ہے تو۔

مشرق سے ہو بیزار نہ مغرب سے خدکار  
فطرت کا اشارہ ہے کہ ہر شے کو جو کر  
چنانچہ اقبال نے ان دعوات کو اگے بڑھا لیکن اس کا مدد سے آج ہم فنر کے اتنے قریب ہیں۔

جب زندگی بدلتی ہے تو آرٹ بھی بدل جاتا ہے اور اس کسی کو انکار نہیں۔ بے شک ترقی پسندوں کا شعری اہلیہ نیلے انسانہ اور موضوع سخن نیلے ہیں اس پر بھی وہ حکایت رخ زیبائے غافل نہیں۔ ان کی داستانوں میں کبھی اب بھی موجود ہے۔ ہاں ساتی بدل گئے ہیں اور شراب بدل گئی ہے لیکن یہ تو زندگی کا خاصہ ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ قدیم ادب کے ”ولدانہ“ اسی بدلتی زندگی کا ساتھ دینا نہیں چاہتے اور اسے ترقی کی طرف تیز کام ہونے کی بجائے اسی پرانی ڈگر پر ڈالنا چاہتے ہیں۔

نئے ادب کی شعری تعلقات نے ہندی اور ترقی کے بہت سے مدارج کو کمرے میں لے کر لئے ہیں اور ان تمام تحکیمات قصورات کو ابھارا ہے جو عرصہ دراز سے قوم کے سینے میں موجزن تھے جیسے ٹیکوڑ، اقبال، جوش اور لکڑا اسلام نے عرصہ جدید کی زبان دی ہے اور جسے نئے ادب کے شعراء نیت نئے روپ میں پیش کر رہے ہیں۔

ہاں اب موضوع کا خلق ہے مگر وہ نظر ہو آجنگ نظر آئے ہیں مگر جو جوابانی تاثر، حسن، بیان اور ان کی طبعی نصیب کے مدد و معاونان ادب کے حصے میں کم آئی ہے۔ ہاں موضوعات کی انقلابی نوعیت کے پیش نظر ترقی پسند فن کاروں نے شعری اسلوب کو بھی ایسے سانچے میں ڈھال دیا ہے جو کہ موضوع کا ساتھ دے سکے اسی شعری اسلوب کی تبدیلی نظر معترایا آزاد نظم کی سموت میں ملو کر رہی ہے اور اسی پر آج کل اس قدر اعتراضات ہو رہے ہیں اور جو عرصہ میں اور

بالکل نئی چیز تھی۔ وہ زندگی کے ہر پہلو، ہر رخ اور ہر سمت پر روشنی ڈالنا ہے اور ساتھ ہی پیغام بھی دیتا ہے۔ اصلاح کا پیغام۔

پروچند نے اردو انسانوں میں کردار نگاری کو زیادہ اجاگر کیا ہے۔ اصل نے خود کو جو کچھ نکلا ہے وہ بہت بڑی خدمت ہے مگر اس سے بھی بڑی خدمت یہ ہے کہ انھوں نے اردو ادب میں کچھ ایسی روایتوں کی بنیادیں ڈالیں جو دیگر افغان نگاروں کے لئے خضر راہ بنیں۔

جس طرح پروچند وہ توفیق کو لاتے ہیں اسی طرح اقبال کی شاعری بھی وہ توفیق کو لاتے ہیں بلکہ اس میں ہر تمدن کا جو موجود ہے۔ ان کی شاعری، ترقی پسند شاعری کی حرکت ہے۔ ان کے ادب کا نظریہ ترقی پسند ادب کے نظریہ سے بہت زیادہ قریب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے انیولی نسل کے توفیق کی ہے۔

سلطانی جمہور کا آنا ہے زمانہ  
جوشش بہن تم کو نظر آئے شادو  
اور اسی توفیق پر انھوں نے سلفین کے ادب کا پیچلے پر ہے  
تیر مقدم کیا ہے۔

ہوائے دشت سے بونے رفاقت آئی ہے  
عجب نہیں ہے کہ ہوں میرے ہر عثمان پیدا  
اور آج کل اگر انھوں نے یہ بھی کہہ دیا ہے۔

گئے دن در تہا تھا میں انجمن میں  
ہاں اب میرے راز و مال اور بھی ہیں  
اقبال نے عقیدت شاعری کے موضوع کے لئے مختلف تجویزیاں تجویز کی ہیں۔

عشق اب پیروی عقل خدا داد کرے  
آبرو کو کچھ جہاں میں نہ برباد کرے  
کیا بالکل ہی تصور ترقی پسند شاعری کا نہیں ہے؟ تقریباً تمام صاحب عقل و فہم کو ترقی پسند شعرا اور ادیبوں نے اقبال کی رہنمائی کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ چوتھہ یہ زمانہ

پرانے نقادوں کی شدید بحثہ چینی کا مرکز بنی ہوئی ہے۔

سب سے پہلا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ موجودہ شعرا میں "شاعری" کی قابلیت نہیں؛ گو یہ شاعری فطری نہیں، بلکہ سیکھ کر پڑھ کر آجوت یہ ہے کہ انھوں نے قافیہ و ردیف کا بندھنوں سے اپنے آپ کو آزاد کر لیا۔ دوسرے یہ کہ فطری طور پر یوں کہا جاسکتا ہے کہ چونکہ شاعری بغیر قافیہ و ردیف کے ناقص ہے اور اس کے بغیر شاعری شاعری ہی نہیں اور موجودہ شعرا (جنہیں شعرا کہنا بھی درست نہیں) اسے باہر نہیں کھینچ سکتے، انھوں نے اپنی آسانی کے لئے نظم معرا ایجاد کی۔ یہی وجہ ہے کہ آج کل ہر طرف شاعر نظر آ رہے ہیں، کیونکہ اس منصف نظم میں قافیہ و ردیف کے قبح و فحش نہیں۔ اسی سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک نظم معرا شاعری کی قسم نہیں یا اسے شاعری نہیں کہہ سکتے، جس اپنے ان نرگوں کی خدمت میں عرض کرنا ہے کہ آپ کی قابلیت منصفین آپ کا مشاہدہ نظم معری پر مبنی دو معرا اصرار میں یا جائز ہوتا ہے کہ اس صنعت نظم کے نہیں، تاہم ہم انہی میں "نظم" نہیں۔ جس طرح آل باگ کے لئے ضروری ہے اسی طرح قافیہ شاعری کی جان ہے مجھے "تال" کے بارے میں اعتراض ہے۔ یہ بات غلط ہے کہ "تال" کے بغیر شعریت، نیکیت نہیں کیونکہ نیکیت کی دو صورتیں ہیں، پانداور آزاد۔ آزاد کو "تم" لاپ" بھی کہہ سکتے ہیں اور اہل فن جانتے ہیں کہ لاپ جل میں راک کا مکمل شکوہ موجود ہوتا ہے اسے تال کی ضرورت نہیں۔ ستار پر شروع میں یہی "لاپ" بغیر طبلک مدوک اور کیا جاتا ہے۔

اب ترنم کو کیجئے صوفی اعتبار سے ہر نظم میں ترنم ہوتا ہے اور ترنم کے لئے شریانی نظم کی قید نہیں جو کہ دونوں میں ترنم ہوتا ہے اس سے دونوں ملکات میں کاغذ جاسکتے ہیں۔ اس طرح اگر آپ جملہ اصوات کے ایک مرکب کو کسی موسیقار کے والد کہیں وہ اس میں "نیت" کی روح بھر دیا۔ اس اعتبار سے نظم معرا اسلوب شاعری کی بہترین شکل ہے۔

بعض کرم فرما یہ اعتراض کرنے سے بھی نہیں چرکتے کہ آزاد نظم مغرب کی نقالی ہے اور ہماری قدیم تہذیب اس کی روایات اس نقالی کی شکل نہیں ہو سکتیں۔ مغرب کی نقالی کا طعنہ اکثر تنقیدی نگاروں کا شیوہ ہے اور ترکیبی انداز کا ہر شعبہ اس کو نشانہ ہے۔ ہمارا انداز فکر اسانیب بیان موضوعات سب کچھ مغرب سے چرایا گیا ہے اور اس میں ہمارے ذاتی جہر مستعدا، انج یا وطنی احوال کا کچھ تعلق نہیں۔ اور اگر یہ الزام ہی غلط ہے جس کی آگے چل کر تردید کی جائے گی، لیکن مجھے صرف یہ کہنا ہے کہ جب ہم زندگی کے "ادنیٰ" سے اعلیٰ ترین شعبے تعلیم، سیاست، صنعت وغیرہ میں مغرب کی نقالی کرتے ہیں تو اولاً کہہ کر اس سے الگ رکھ سکتے ہیں۔ کیا دینی ہوئی زندگی کے ساتھ ادب نہ بدلے گا۔ کیا ادب تاریخی قوتوں کے ہوا کے ساتھ نہ بدلے گا، یا کسی کی طبیعتی طور پر ولید بن جائے۔ اور باطنی کی طرف نونا لے والی غریب ملک کو ادب کو کیا فائدہ پہنچا سکتی ہے۔

اور یہ الزام غلط ہے کہ آزاد نظم مغرب کی نقالی ہے کیونکہ نظم معرا مغربی ایجاد نہیں جس طرح اٹھانے کی ایجاد کا سہرا ہندوستان کے سر ہے اسی طرح نظم معرا بھی ہندوستان ہی کی ایجاد ہے کیونکہ گودو جو نیکی اور کربن الائی کتاب سمجھی جاتی ہے نظم معرا کا بہترین نمونہ ہے اسی طرح آریالی گیتوں سے لیکر کلاؤس کی شاعری نظم معرا کی شاعری ہے اس طرح نظم معرا مغرب کے نام سے مستعار لیا اور آج عظیم الشان روایت جو قوی ادب کی بنا پر ٹوٹ چکی تھی پھر سے سارے کی ساری ہے تو کیا ہے اس کے کہ اس کو کوشش کی داد دی جائے اور بنظر کمین دیکھا جائے اٹھاؤ وازے کئے جاتے ہیں اور مغرب کی نقالی کا طعنہ دیا جاتا ہے۔

ترنم پسند شاعروں میں غزل سے اب وہ دیکھی جاتی نہیں ہے بلکہ اس دور کی ذہنی و روحانی مسماہی اور سماجی زندگی کا عکس اپنی نظموں میں پیش کر رہے ہیں اور جوش، سحر، حجاز، سافر، تیغ، سردار و استری کی نقالیوں

وہ اپنے اختراع لغو میر ہے۔

زبان اردو کے بہت کم افسانہ نگاروں کو نصیب ہوا کہ ان کے آرٹ کی طرح اس کی نظر نگاری کا کمال بھی اس کے ناول کی شکست میں زیادہ نمایاں ہے۔ منظر نگاری میں اس کے افسانوں کا پس منظر جویشہ کشمیر کی حسین وادی ایسی ہے۔ خوش اور بہترین منظر نگاری آپ کو اگر جن کی ایک شاعری ۱۹۰۷ء کی زندگی کے موثر پر "بالوئی" میں نظر آنے کی۔ اس کی تحریر کا اعتبار ملتا ہے۔ مختصر جو دل کی گہرائیوں تک اترتا ہے۔ سچے سچے پھر انسان اس کی چوٹ سے بے چین ہو جاتا ہے۔ مولا جانتا ہے۔ اس کے طنز و سخری انسان کی غلط روی کا اظہار ہوتا ہے۔

راجا دیکھ کر یہ خیال آتا ہے کہ افسانہ نگار نے لوش و انصاف کی بات سے بھی زہن اس کا احاطہ کر لیا۔ مافی زندگی سچے وہاں کے مسائل گندی معاشرت کے جیلوں میں اور کوئی ترقی پسند ادیب اس کا مقابل نہیں۔

دیو دستیار بھی کو اس کی "خانہ بدوشی" نے افسانہ نگار بنایا ہے۔ اسی لئے اس کے افسانوں میں "خانہ بدوشی" زیادہ ہے۔ مگر خانہ بدوشی کے ساتھ ہی ساتھ وسعت اور ابالا بھی ملتا ہے۔ البتہ ہے۔ وہ اپنے موضوعات کے لئے ایسی چیزوں کا انتخاب کرتا ہے جس پر آج کے مسلمان غما کیا ہو۔ دین و دین کے گہرے متعلق اور انہیں ترمیم و ترمیم سے پیش کرنا اور ان اشیاء کے ذریعے ہمیں دہلی کی تہذیب تمدن و رسم و رنج و غم سے روشناس کر دینا اس کا مقصد ہے۔

پہلی کی طرح اور چند افسانے بھی متوسط طبقہ کی زندگی کے ترجمان ہے۔ متوسط طبقہ کے ہندوؤں کی معاشرت کی پستی جانگزی تصور میں اور چند کے افسانوں کے علاوہ اتنی خوبصورتی کے کہ کہیں نہیں ملے۔ اس کے افسانوں میں کہ دار گار بھی چھوٹی چیز ہے۔

اختراع انداز ہی اپنے افسانوں کے اردوں کی حرکات کا تجزیہ کر رہے ہیں۔ ان کی حرکات سے ہی کا ہزار اہل ان کی دلی کیفیات ان کی خواہشات تک و عالم ان کی دہنی انجمنیں

اب ترقی پسند ادیبوں پر بھی نظر ڈالئے۔ موجودہ دور کے بول اور افسانہ نگاروں میں کرشن چندر راجندر بیدی اور چندر ناتھ شک دیکھ کر سید قتی سعادت حسن منٹو خصوصیت کا بے شک اس کا بڑا نامی اختر انصاری جس کی دنیوی زندگی میں سب کا آواز تھا۔ لکھنؤ میں ایک بات میں سب شہسوار ہیں اور وہ یہ کہ سب زندگی کو قریب سے دیکھتے ہیں اور اس کے مختلف پہلوؤں کی تصویروں کو مختلف رنگوں کی تصویر کشی سے اجاگر کرتے ہیں۔

ان تمام ادیبوں میں کسی کا نام بھی نہ لیتا تو مصیبت کا متعلق نہیں تھا کہ کرشن چندر کا ہے۔ اس کی جو ان کے لیے لوش و انصاف ہے جو ان کی طرح ہے۔ منظر نگاری ہے اور اسی پر ان کے فن ان کے فن کی بنیادیں ہیں ان کی تحریر کی دل آزاری نہیں کرتی وہ دھماکا کرتا کر اچھا کہہ سکتے ہیں۔ شاعرانہ زندگی ہے۔ کرشن چندر کے ہاں زندگی آپ اور ان کے زندگی میں ان طرح کی کمی نہیں کہ وہ ان کی نگاہ نہیں کیا جاسکتا یہ بات کہہ کر اور اس کے کسی ادیب کو مبالغہ نہیں ہوتی۔

کرشن چندر نے افسانہ نگاری میں جو رنگ پیدا کیا ہے وہ بالکل نیا ہے۔ اس وقت کرشن سے زیادہ کامیاب افسانہ نگار نہ ہو سکتے ہیں۔ اس نے اردو افسانہ نگاری میں بالکل نئی راہ نکالی ہے۔ جو زندگی سے بہت قریب ہے اور اس کی بہترین مثال اس کا افسانہ "دو در لکھنؤ" ہے۔ "انے" صحیح ہے۔ افسانے میں ساری انسانی زندگی پرست ہے۔ ہر طبقہ ہوا کی تہذیب کا جائزہ ہے۔ ۱۹۰۷ء کا ہر طبقہ ہوا کی تہذیب کا جائزہ ہے۔ اور لکھنؤ کی فضا اس کی فضا ہے۔ ان کے افسانوں کا کمال کہ قلم نے اگلے کی کمی

نہیں ہے۔ ان کے افسانوں کا اسلوب سادہ اور سادہ اور سادہ ہے۔ ان کی زبان اور تحریر سادہ ہے۔ ان کا اسلوب سادہ ہے۔ ان کی زبان اور تحریر سادہ ہے۔

کرنا جت پسندوں کی طبیعت میں داخل نہیں۔۔۔  
غرض کہ ہماری افاند نگاری نے باوجود ہزار مشکلات کے بہت جلدی ترقی کی ترقی میں ملے کی ہیں اور اب ہر ملک کی افاند نگاری کے دوش بوش ٹھٹھڑی ہو سکتی ہے اس میں شک نہیں کہ اس کا چراغ مغربی افاند نگاری سے روشن ہوگا لیکن بقول توکم کے ”ہم نے فن کی باریکیاں مغرب سے مستعار لی ہیں۔“

”ہم نے فن کے خطوں میں ہندوستانی رنگوں کو ساما ہے۔ ہم نے اپنے دیہات کی کچی ٹھٹھڑی لباسوں پر اسے لیشی نقوش آکر ہیں۔ ہم کا لالہ انہیں دیتے۔ سچائیاں بیان کرتے ہیں۔ ہم عزائی کے شہیدا نہیں ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آپ سطح پر تیرنے کی بجائے تھول میں جائیے۔ زندگی عمیق ہے اور صاف ستھری سطح پر پھرنے والوں کو یہ احساس دلانا بہت ضروری ہے۔ کہ تھول میں بنائیں بھی ہیں اور وہ خوفناک روئیدگی بھی ہیں زندگی پھر پھر اسی ہے۔۔۔۔۔“

بیشک اس میں زندگی کے آداب سارگی سی گہرائیاں ہیں۔ اس میں چمکتے ہوئے جذبات و احساسات کی سی ریائی تڑپا ہے غرض اس میں سب کچھ ہے۔  
نئے ادب میں بلاشبہ ایک چیز کی کمی ہے اور وہ ہے طریقتنا صبر۔ نئے ادب میں شاعری انشائیہ نہیں۔ اس کے نشتر کا زائے سرت آگیں نہیں بلکہ شمشاد میں۔ انسانیت کے اس جلتے سگتے دور میں۔ جلو وار لاشوں اور کراہتے ہوئے ڈھانچوں کی زندگی کی تصویریں۔ اوبار و تیر کی کی طویل داستان۔ انسانی معاشرت کا اذیتناک تجزیہ۔ یہ ہیں نئے ادب کے نشری کارنامے جنہیں پھر بعض اوقات طبیعت اکتا جاتی ہے اور جب ایک نئی دنیا کی

ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں۔ ان کا خاص امتیاز جزئیات نگاری ہے۔

امروزہ ہر کس نے پنجاب کی دیہاتی زندگی کو پیش کیا ہے۔ اس کے فن میں سادگی اور معصومیت پائی جاتی ہے۔ دیہاتی دوستیوں کے حسن کا بیان، دیہاتی نوجوانوں کے جذبات کی تصویر کشی اس کی افاند نگاری کو بہت دلکش بنانے ہوئے ہے۔

اب روئے مساحت و عصمت اور حسن سکری کی خطوں افاند نگاری میں ایک نئے باب کا افتتاح کیا ہے اور کچھ سب طبعیات کے متعلق کہتے ہیں۔ شاید ترقی پسند ادب کے کسی شعبے پر اتنا اعتراض نہیں کیا گیا۔ ہے جتنا کہ طبعیات سے متعلق ادب پر کیا گیا ہے۔ یہ اعتراض ایک دلکش چمکتی ہوئی گزشتہ نظری سے کام لیتے ہیں۔ ہمیں معلوم ہو گا کہ ادب میں عزائی آج کی چیز نہیں۔ پرانے شاعروں پرانے نثر نگاروں اور پرانے ادیبوں نے طبعیات ہی سے متعلق لکھا ہے۔ دنیا کا بہترین ادب بھی اس سے متعلق نہیں۔ کرشن چندر۔ واسے وضاحت سے لکھا ہے میں دنیا کے بہترین ادیبوں کا ذکر کر رہا ہوں۔ شکیلیہ سے لیکر روڈن تک۔ گوئٹے سے لیکر زکے تک۔ پرانے آریائی گیتوں سے لیکر کابیر اس تک۔ ولی دلی سے لیکر مکراداد باو تک ہمارے دنیا کے بہترین ادب کا مزج وہ کہ عورت کی ذات ہے۔ ہر غزل کو اپنی غزل کے ہر دوہرے تیسرے شعر میں عورت وصل کا پیا سا نظر آتا ہے۔ اس پر ہر لوگ ترقی پسند ادب پر عزائی کا الزام لگاتے ہیں۔ درحقیقہ ترقی پسند ادیبوں نے عورت کی اہمیت کو اپنے ادب میں پکاس کی حد تک کر دیا ہے۔ وہ پرانے ادیبوں کی طرح شربت وصل کا رونا نہیں دوتے۔ پانی روتی۔ دھوپ ایک کھلا مکان صاف ستھرے کارخانے اور غبروں سے لائے ہوئے قدن۔ کھوٹا انسانیت، محبت، اشتہاد، عمل سب کچھ جڑا ہوا جن سے ایک نئی دنیا نکھر ہو سکتی ہے۔ لیکن کیا کیا دیا ہے یہاں نوا اعتراض کرنا مقصود ہے۔ کچھنا اور کچھنا اور اعتراض

عمل کی پیداوار نہیں؟  
 "خوشنئے ادب کی آنکھ صرف حسرت و یاس کے مناظر  
 نہیں دیکھتی۔ محض افلاس و ادبار کی غونناک کالی گھٹاؤں  
 کا نظارہ نہیں کرتی بلکہ ان ہولناک تاریک گھٹاؤں کے پرے  
 اس تانناک روشن کیکر کو بھی دیکھ رہی ہے جو زندگی کے لئے  
 ایک نئی مثال ہے۔ وہ ہے جو انسانی دکھوں کو کم کر دیتی ہے اور  
 کائنات میں اجتماعی مسرت کی بنیاد رکھتی ہے اور انسانی  
 حیات کی تاریکی میں تاروں کی روشن کیکر بچھ دیتی ہے۔"

نجمہ سمیع اللہ شہنا

کی تلاش میں ان نظریوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ ادب  
 اسے جو اسی دنیا میں پہنچاتا ہے اور اسے مجبور کرتا ہے کہ  
 اپنے گرد و پیش کے ہول پر غور کرے۔ بقول کرشن چندر۔  
 "اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ جب کہ دنیا کی خوشیاں  
 اور اس کے آرام ایک مخصوص کلسیلہ طیفیہ تک محدود رہیں گے  
 اور انسانوں کی آوازیں کا بیشتر حصہ ان سے محروم رہتے گا۔  
 نیا ادب اسی کی کوشش کرتا رہے گا اور ہر لحظہ اس نثر  
 محرومی کی طرف آپ کی توجہ دلاتا رہے گا کیونکہ نیا ادب مر مر میں

# نیاز زمانہ

ادبیر قاضی عبدالغفار

گزشتہ چند سال میں ترقی پسند ادب کی تحریک نے اتنی کافی ترقی کر لی ہے کہ اس کی ترجمانی کے لئے متعدد  
 رسائل کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ چنانچہ اس خیال کے، نظر حیدر آباد سے ایک میٹھاری سہ ماہی رسالہ  
 "نیاز زمانہ" جاری کیا گیا ہے جسے بعض مشاہیر اہل قلم مثلاً ڈاکٹر عبدالحلیم، پروفیسر امتیاز حسین، کرشن چندر اور  
 فضل الرحمن صاحب، حیدر آباد کی علمی تائید حاصل ہے۔  
 اس کا پہلا شمارہ اواخر اپریل میں شائع ہو گا۔ ہمیں توقع ہے کہ ملک کے وہ اہل قلم جنہیں اردو ادب  
 اور خصوصاً ترقی پسند ادبی رجحانات سے ہمدردی ہے اس طرح توجہ کر کے جلد اہل جلد افسانے، مضامین اور نظمیں  
 عنایت فرما کر اپنے مشوروں سے ہمیں مستفید ہونے کا موقع دیں گے۔

مفجر "نیاز زمانہ" مکرّم جاہی روڈ حیدر آباد دکن

# کہیں

میں عجالتِ محبت سے نصرت ہو ااور بھیج کر کے پر  
سوار ہو مل پڑا۔ چلتے تھے میں اکیلا جٹا سوچتے لگا قمری آدمی  
ہو وقت پرچہ نہیں کر سکتے۔ پھر سوچتے ہو کیوں نہیں کر سکتے؟  
بیٹے سوچا کہ وہ چکر نہیں آتے تھے۔ ماں تو سیدھا سناٹا کھا کر بیٹے  
چلتے آئے۔ بزرگوں کے حوالہ دھو بیٹے ہوئے۔

ابیکہ مل رہا تھا اور یکہ بان اپنے مرل گھوڑے کو  
کے ایک کرتا چار ہاتھ گھوڑا لہو کی کے پوجہ کو ذرا جلدی  
کھینچ پھرا اور فساد برپا ہوا اور ہزاروں کی شرک اور کلمی اس  
طرح باز رہتی جاری تھی۔

سوجا۔ یہ کیا بات ہے جی کہ کہیں جاؤ اور پھر وہاں سے آجاؤ۔ پہلے تو کہیں جاؤ یہ کیوں؟ اور اگر جیل ہی چاہتے اہل پنجاب ہی گئے تو پھر وہاں سے آجا کیوں ضروری ہو جاؤ چاہتے ہیں نہیں، ہمیں یہ سب گڑبڑ ہے۔۔۔۔۔ یہ سب تماشا ہے۔" وہیں نے کہنے سے بچنے کے لئے ایک دم کچھ کا ڈنڈا کھڑا کیا۔ کہا "ٹھیک سے کیوں نہیں چلا کر اسے کہہ"۔ "بولا" بابو جی تنگی کی سوجھ بوجھ میں لکھو بہت ہے۔ اور مرنن میں مرنے سے ڈرے جاتے ہیں۔ یہ میں نے کہا۔ گاڑی کے لئے تھوڑا وقت ہے ذرا یکدم بڑھانے چاہئے۔ اس نے کہا "جو۔۔۔۔۔" ایک ٹنگ اور گھڑے کے کھڑے وہیں کان پر جا کر کاسٹمیری زور سے مارا۔ گھوڑا اگلے پیروں پر بندھ دے کر آگے بڑھا۔ دو ڈنڈا اور پھر پیلے کی طرح دمھ ہو گیا۔ میں باس رکھے پلندے پر کھپتی ٹنگ کر اور ٹھوڑی ہتیلی پر رکھ کر دیکھنے لگا۔ یہ عقائد ہنس کی جنم بھومی ہے اس کے چاروں طرف کہیت ہیں اور بالچے بھی۔ یہ لال نیل مندر لکان کیسے خوبصورت ڈنڈاؤں کا گنا ہے۔ اور یہ عجمد میں زور سے اس کے تیرنڈا خوبصورت لکان کو بھجتی ہیں، ہنس ہنس کر اپنی نوکران فیقی ہیں، گالیاں بھجتی ہیں۔ اپنے سر مدوں کو نیکر اپنے بندھ کر لکان کا دمھوس گڑ گڑ کو اڈھٹنا بھٹنا بٹکار سو فیقی اور دات

کاٹ دیتی ہیں۔ اور پھر وہاں میں آکر اس لال محل کی غرائزِ باطنیہ کے سامنے ہنستی اور پہل کرتی اپنا گوبر پھینچتی اور نوکرانِ جنسی ہیں اور ہم کہتے ہیں جس محبت — محبت کے ساتھ کہتے ہیں 'گلاب، بیل، شراب' محل کے کھینکے کھڑے آئیے اور — کہتے ہیں فرق، اشتیاق، آرزو، کدک، ٹیس، آواز، نوا، ناک وغیرہ کہتے ہیں صن، اجالیات، امداد رٹ..... لیکن یہ عہد میں بچوں کو یہ لیکچر ان گنت دینے لگتی ہیں۔ گوبر پھینچتی ہیں اور نوکرانِ جنسی ہیں۔ ہنستی ہیں اور لڑ لڑ جھگڑا کر رہتی ہیں جس گالی گولٹن کرتی ہیں جنسی ہیں..... اور یہ مقدس شہر چھوڑا دیا اور انصورت بھی تو ہے!

میں نے کہا: کیوں رہے یہ بچہ اور گھوڑا..... کیا اس  
 تو نے چلا چلا کر تجھے اپنے کمر پر ہلکا کر چھوڑا۔ گاڑی نہ ملی تو تجھے  
 دھسلا بھی نہ ملے گا۔

بچے والے نے چاک کر مارا اور ایک گھنٹہ مارا۔ ایک شخص  
گالی دی کھڑے نے دو تہائی بھاڑی اور پھر دو تہائی لگا دی کہ وہ  
نے کہا وہ میرے بیٹے — اور اپنے بیٹے کے ٹپے پر پیار  
کے حارس بن گئے۔

[illegible]

اس کے زور سے میرا سر کس رکھا، اپنے بستر کے پلندے میں لگا خیر ہوئی کہ ٹہک میں نہیں لگا خیال آیا۔ دنیا خیالی نہیں ہے۔ یہ تو بنارس کا ٹھکانہ ہے اور بنارس کی سڑک ہے اس لئے اگر خیالی جافور بن کر بیٹھوں تو سخت غلطی کا مرتکب ہوں گا۔ میں نے کہا، سنبھال کر کیوں نہیں چلا تا اسے یکاوا میں منسل سنبھال چوکنہ چو بیٹھ دیکھتا ہوں کہ سڑک کو پار ہونے کی جلدی نہیں ہے کیونکہ کچھ سے آگے سے چپک کے داغ کے لڑا ہوں والی یہ بڑبھا خالہ سڑک بڑی داغی و دھبی جال سے ٹھک رہی جو میں نے کہا کہ بڑبھا خالہ ہے کہ ریل کا ٹکڑی دھن میں ہے..... ریل ٹکڑی کی پھر تو ہے اور میں، اس نے ٹھوڑے کی پونچھ کے پاس ہاتھ لگا کر کہا ہو..... بڑبھک..... ٹہک..... مجھ سے کہا، بابو کسا جاؤ؟

میں نے غرضی سے کہا۔ دلی۔  
"دلی؟ اور وہ کھینچے آگے جا کر دیکھئے گا، بابو دلی! اس نے سمجھا ہوا کسوئے سے کہ کچھ عجیب و غریب دھن کی سڑکوں میں لگی ہوئی ایک بڑی بڑی دھن کی پونچھ ہے اس نے اس عجیب کے بعد پوچھا بابو تمہارے ہاں کیا ہو چکا؟ موت اسے؟ میں نے کہا چلو چلو کیڑا ہو..... کیڑا پس رہا تھا۔ اور چل پڑا۔ بابو دلی میں غل کے باوجود شاہ بہت تھے۔ دلی دہلی۔ وہاں کلا اسے؟

میں نے کہا، مان وہی دہلی وہاں تھک ہے اور چاندنی چوک بھی ہے۔  
"چاندنی چوک؟"  
"خوب چوری..... کچی ہموار سڑک ہے، ٹرائیں چلتی ہیں بڑی۔ دھن سے تم نے نہیں دیکھی؟"  
"بابو جا رہے چوک سے بھی بڑھا اسے؟"  
"ارے دنیا میں ایک ہے۔"  
"اچھا! اور وہ اپنے ٹھوڑے کی طرف دیکھ کر بولا، چل، بیٹے شاہ کش۔"

اس انجی وہاں شخص کے دل میں دلی کی اہمیت جگا کر

ہے۔ میں نے کہا، دالے کو غور سے دیکھا، ہر پر کچھ کلن ہو چکے ہیں سے یہ جاننا مشکل تھا کہ کونسی ٹھکان کا دھن کر رہی ہے۔ اتنا کم تھا اور جاری بھی مٹنی ہوئی تھکنوں پر دھن کی طرح چھائی غنیل۔ اور غور دلی کی نوک کشی جا رہی تھی۔ میں نے کہا، کب سے بنارس میں رہتے ہو؟

اس نے کہا، بابو کس ہو گئے تب ہی سے یہ جناور (جافور) میرے پاس ہے کھواتے دگا (دغا) ہمیں دی۔ دھن! جناور سے کہہ کر کھڑے ہو کر دھن کو جو دھن ہو رہا تھا، گالی دیکر ایک کوڑا لکھا کر دھن بہت تیرے سالے..... مجھ سے کہا، بابو پورے دس ہوئی گئے اور ہم یہاں پڑی دھن رہت آت ہیں..... یہ جناور بڑا مضبوط ہے اور میں کہنے میں دھن سڑک پار کرنا ہوا ریل کے اسٹیشن کے قریب کھنی ہوا جا رہا تھا۔

کیوں جی یہ کیا ہے؟ ابھی بنارس اور اسی کٹ لیا؟ ریل میں بیٹھے اور کل دلی..... کیوں کل دلی اور آج بنارس؟ کیوں ہر روز ایک ہی تھا ہر دن بنارس اور کیوں پوری طرح چین اور سکون نہیں؟ مگر کس لئے ایک بنارس نہیں رہا جائے؟..... ٹھن ہی کیوں رہا جائے؟ کیوں یہاں سے وہاں جھگٹے پھر بنارس اور ایک دن آئے کہ جہاں ہوں وہیں ٹھٹھے ہو کر دھیر ہو جائیں۔ آخر یہی تو ہوتا ہے پھر کیوں نہیں اور بچا دہاں..... یہ ریل بھی تو عجیب نماشا ہے چپک چپک کرتی ہوئی ہر کھڑی ہو جاتی ہے اور کبھی ہے آؤ کو وہاں سے وہاں چلا اور پانچ دس منٹ دھن کی چپ چاپ انتظار میں کھڑی رہتی ہے اور جو لوگ آتے وہیں اٹھیں اپنے چٹ میں لکر چپک چپک کرتی پیرل پڑتی ہے، اس سے کہ سوا کچھ کام ہی نہیں ہو چکا جیسا کہ کبھی ہے یہاں سے چلو وہاں اور لوگ اسی اتار مل مقام اور آؤ کو جاکو کہتے ہیں، جو کام کر رہے ہیں اسی کو قوسطہ بنا کر کہتے ہیں، ہم تمام کر رہے ہیں اسلحہ کر رہے ہیں تیغ کر رہے ہیں، پیرا کر رہے ہیں، احسان کر رہے ہیں تغیر و تبدل کر رہے ہیں ہم کام کر رہے ہیں۔

نیا پرانا، ہلکا بھاری، درسی غیر درسی، مغربی، غیر مغربی سب  
ہی قسم کا علم کچھ منہ بولا جلدوں میں مل کر بندھ کر کچھ بول  
میں بیٹھا ہے اور اسحاق کی معرفت ڈرگول کے اور علم کے  
مجھ کے انسانوں کو اس آسانی سے مل جاتا ہے جیسے انعام دلوں  
کو ہر ہسپتال سے ہر جگہ کا چاہا۔ اسی طرف علم کی اشاعت  
ہوتی ہے، یہی پہلی سی ہے اور دولت کے خواہئے سمجھو، ہوا تھیں  
اور اسی راہ میں اور اسی کی دولت۔۔۔۔۔ ہزاروں مضامین  
نکارا، ڈیڑھ اور غیر وہ آسانی سے مل جاتے ہیں۔ اور وہ ہمیں بھی  
جعلی کی قوت سے ایسی جوت کی طرح جعلی ہیں کہ ان کے بڑے بڑے  
کے لئے معلوم علم کو کہتے ہی رہنا چاہیے۔ کہیں۔۔۔ کہیں سے  
لوگ کھوکھوڑا ملا لیں، انہیں انہیں کس سے کل جعلی  
رہے۔ اس میں الگ الگ ہوا اور یہ آبی دیتا ہے۔۔۔۔۔ پھر  
علم بڑا رہے۔ اخبارات مل رہے ہیں۔ مضمون کچھ جارہے  
ہیں۔ کتابیں تیار ہو رہی ہیں، تعلیم کی جا رہی ہے۔ کتابیں  
پڑھو اور نالہ نہ کرو۔۔۔۔۔ کیونکہ شین کا بیوت کام اچھا ہے  
اور اس بیوت کے مال کو دولت کی ضرورت ہے۔ یہ لازم  
مزدور ہیں کہ ان کے مال کو کمیشن دے کہ ان سے برکی ایک  
سار اچھے پار لاکھ کی کوٹھی پیدا آئی ہے۔ اسی لئے انھوں  
پڑھو۔۔۔۔۔ میں جانتا ہوں، ان میں میں خوب چیز ہے۔  
بالو اور کوٹن کا کالج ہے؟

میں نے کہا کوٹن کالج نہیں چاہیے۔۔۔۔۔ اس میں کتنی دھڑ

نزدیک ہے بالو جی؟  
مند آئے نکیت آئے انہیں باغیچے و عمارتوں کے مکان  
گھر ایک ایک کر کے آدمی کے سب کھیل کھیں دو آدمی دکھائی دیے  
نوکھیں دو عورتیں انہیں زمین۔۔۔۔۔ لوگ جا رہے ہیں کالم  
کر رہے ہیں جنس رہے ہیں۔ کچھ وہیں جو روٹی رہے ہیں۔  
کو کھلے دو یا لیکر بہت بڑا جوت لگا ہے۔ اس کے کہ کوٹن  
یقیناً کچھ ہوں گے کہ اس سے اور صرف سما میں انسان  
کی جھلکی اور فحاش ہے۔۔۔۔۔ اور ان کی ان کی ان  
سے زیادہ چمکا لگا لگا لگا لگا آدمی سے لگا لگا لگا لگا

سوچا کہ میں نے بھی اپنے بڑے بہن اور بہنوں کی دھاک بٹھا  
دی ہے۔ گویا کہ حقیقت میں دلی میں رہنا ایک خصوصیت ہے  
جس کی بنا پر میں دلی میں نہ رہنے والوں میں بہت ہی بڑا بڑا  
ہوں۔۔۔۔۔ چھی۔۔۔۔۔ چھی میں سوچتا ہوں آدمی آدمی ہے کہ  
بالو رہا

میں نے کہا جی ہاں کہ راستے میں بیٹا ہے کہ کون کیا  
ہے اور کون کیا؟ ہر جگہ کس کس کے ہیں اور کس کس کے ہیں  
تو پھر شہر ہے انسان دلی کی کوئی بھی نہیں؟

اس نے کہا۔ بالو۔ ہمارے۔۔۔۔۔ اس نے جگہ کو  
پورا نہیں کیا اور مجھے افسوس ہوا کہ تیس کو دلی کے آس پاس  
پہنچا دیکھ کر تیس کے بارے میں کچھ شکیاں بھی باقی نہیں رہتا  
بلکہ شرم کا احساس ہی ہونے لگتا ہے۔ بالو ہمارا۔۔۔۔۔ کہہ کر  
وہ ہنسی چاہے، ہنسنے لگا کہ کدھ اور۔۔۔۔۔

دیکھو جی۔ یہ بڑی، بڑی کچھ کیا ہے؟ یہ تم کچھ  
یا کچھ کو تم سے بڑا بناو کہ کئی کئی نہیں ہوتی وہ چیزوں کو  
کو۔۔۔۔۔ ناموں کو ان کا کو کچھ آپ کو دوسرے کے سامنے اونچا کر دے  
اور نیچا کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ میں میں ہوں اس لئے  
تم سے بڑا ہوں اور اس میں راضی نہیں ہوں کہ تم سے اعلیٰ ہے۔  
اسی لئے میری گالی بھی تم سے بڑی ہے۔۔۔۔۔ اس خواہ بڑائی  
کی حد نہیں۔۔۔۔۔ برکی بلا ہے یہ کیا محبت ہے۔

قریب ہی ایک عالی شان کوٹھی دکھائی دینی نہ تو  
کہہ والے نے کہا۔ بابا یہ انڈین پریس ہے۔ میں نے دل میں دہرایا  
انڈین پریس

بالو چھپکھانہ ہے۔۔۔۔۔ کتابیں بہت ہیں۔  
مجھے اس کی یہ بہت چھی بہت معلوم ہوئی کہ کچھ کو  
سمجھانے کے لئے کہیں کیا سیسہ ہونی ہے۔۔۔۔۔ میں نے  
کہا کہ کچھ بڑا عادی دیر ہو رہی ہے۔

کی بڑھاتا اور میں نے سوچا۔ ان میں میں خوب تو  
پیریز ہے دینا انہیں علم و دھرم اور دھرم و دھرم میں  
بند رہتا ہے اور جہاں پھر اس کی خوب قسمت و قسمت کی جاتی ہے





جیسے مستند ہی رہے ہیں اور ایک کے ہاتھ میں ٹینس کا توپ ہے  
دوسرے کے ہاتھ میں راکٹ —

اب اسٹیشن پر  
یکہ واسے نے کہ کیا کرنا — اب — کوئی  
دو تین کوئی دوا کرے اسے اس لئے کہ آواز نہ آئے  
اٹھنا: اور ایک نے ٹرکس۔

بابو دلوں میں —  
میں نے دیکھا میں ان کو انوں کو سب سے پہلے کہا کہ اٹھا  
وہ نہیں سہاس لئے میں نے میرے میں میرے میں — یہ تو  
د appreciate نہیں کر سکتے۔

میں نے کہا — وہ جہاں — وہ —  
اور جب تک جگہ کو چکر چلی رہا ہے اس کی کمر کی کمر کی کمر  
دیکھتا ہوں۔ جو کتاب — کتاب — کتاب —  
سب نے کہا — پھر یہی حکم

میرا اب چہ نہیں

یا اس کا کوئی بھی کچھ کیسے ہو سکتا ہے اگر کشن کی بیٹی ان کو اپنا  
سب کچھ کر کشن کا بنائے اس نے گویا دنیا کی ان قیام کو وہ جڑو  
کو ٹھایا —

ریل کا اسٹیشن کہاں ہے کتنی دور ہے — میں نے  
کہا کیوں — اسٹیشن نہیں آیا اسٹیشن ہے —

بولنا "باوجہ اسی موٹر پر اسٹیشن ہے۔"  
میں نے دیکھا عیب نہیں کا مشن ہے۔ ہو وہ کہتے  
کبھی کبھ ہے اور وہ ہیں نیچے کو سہ کی ایک تھالی میں طبعی اٹھا  
ہوا مونگ پہلی بیچ رہا ہے اس کا ایک رٹک سے جھٹکا ہوا

ہے — ایک درزی کی دکان ہے — ایک سوڈا  
داڑھی دکان ہے اسی قطار میں کئی دکانیں ہیں۔ ایک جگہ  
پانچ سات کوئی لٹے ہوئے سڑک کا ایک دم بار ہے ہیں۔ اور  
سڑک پر چو پانچ چھ عیسائی عیس جارجی ہیں انہیں دیکھتے جاؤ  
ہیں اور کچھ کالج کے لڑکے امریکن کالری میں ہیں بچوں پر

جینڈر لکھا

## ماہنامہ شاہکار لاہو

میں بلند پایہ ادبا شعرا کے تازہ ترین افکار رشتے جاتے ہیں۔ نثر میں معیاری افسانے، ڈرامے، تنقیدی  
مباحثے اور مزاحیہ مضمون کی شکل میں۔ ل۔ احمہ، علامہ مظہر، بشیر محمد، اختر، ناچو، مرزا ادیب، ویدو، رشتہ  
پرچہ ہاتھ پر دسی اور چند کائنات۔ ایسے نامور ادبا کا ایک با اجتماع ہوتا ہے۔ نکل میں خوش آئند، سب  
موبائی، احمق، پیچھونڈی

(مزاحیہ سیاسی کلام، اختر، شرانی، سکیل، دیوینی، تلک، چن، محروم، اور آفیر کو وہ ہینڈی، ایسے ہتھ ہاتھ  
کے تازہ ترین افکار رشتے جاتے ہیں۔

اردو ادب میں شاہکار کی افادہ حیثیت ملے ہے فحش مضامین اور اشتہارات شان شعس کے لئے  
عام شماروں کے علاوہ اپریل میں ایک ضخیم تصویر بہار، قیام، قیام، وگور، ایسے اور ٹیسمہ شاہکار، فحش، تصویر  
قیمت دو روپے

منتقل خریداروں کو مفت نذر کیا جاتا ہے۔ سالانہ چندہ مبلغ چھ روپے۔

ریکوئے بک سٹالوں اور میوزائیکسٹالوں

# منہ آتش

لکھ لیا کس نے مرا نام غزل خوانوں میں  
وہ بچوں میں نظر آئے نہ بیگانوں میں  
ذکر ہے ان کی بھی زلفوں کا پریشانوں میں  
جان اتنی ہے مرے غمزدہ ارمانوں میں  
ایسے دیوں کا نہیں نام بھی افسانوں میں  
ایسی کیا بات ہے جلتے ہوئے پروانوں میں  
روپ وہ دہرتے رہتے ہیں پرستانوں میں  
میرادل بھی ہے محبت کے گہب نون میں  
خود وہ کب رنگ جاتے ہیں گھٹانوں میں  
ہائے یہ جذب سینوں کے گریبانوں میں  
سرد تن تھکے یہ کہتے ہیں گھٹانوں میں  
نماک اڑا جائیں بولے جہالتوں میں  
کیا خدا داد مرے ہیں ترے احسانوں میں  
مہر و مہ خود نظر آتے ہیں پشیمانوں میں  
جگمگاتا۔ یہ یہ عنوان کئی عنوانوں میں  
دھوم دھم ہے کچھ بھی نہیں بت خانوں میں  
عمر کہتی ہے کہ گئے ابھی نادانوں میں  
نام اللہ کا جیتے ہیں صنم خانوں میں  
کاوانہ اثر اتنا ہے مسلمانوں میں  
مسجدوں سے ابھی اٹھ آئے ہیں بیگانوں میں  
ہم کر بیٹھے ہیں ہوئے انسانوں میں علی منظور

مطلبن تمنا میں پراگندہ دل انسانوں میں  
ذہونڈتی ہیں مری نظریں انھیں ہر سو لیکن  
میرے افسانہ دل کے یہ پریشان اوراق!  
چوٹیاں جلوہ گہہ دوست کی چھو لیں اب بھی  
وہ بڑے لوگ ہیں افسانہ جو بن کر رہ جائیں  
ہائے ہم سوختہ دل کیوں ہیں ادھر ہی نگران  
کبھی شہریں کبھی پردوں کبھی کچھ میں کبھی کچھ  
میری آنکھیں ہی نہیں حسن کے دیوانوں میں  
ان کا ہرگز ہے اول گھٹانوں کا  
ماہ نو چھپ بھی گیا ہم نے ادھر رخ نہ کیا  
ان کی ان سرکشوں میں ہیں بہت دھکیلا  
بہر گشت اگر سرفستہ آیا نہ کریں  
اُن پینہ کے یہ قطرے یہ حیا وقت کرم  
میں ترے حسن کے معیار یہ جانچوں نہیں کیا  
حسن پردوں میں نقابوں میں شبستانوں میں  
نہ تجھ نہ تبسم نہ سزا ہے نہ حسد  
غد وہ کہتے ہیں کہ مجھ سا کوئی ہشیار نہیں  
ان بتوں کا بھی ڈر نہیں اللہ اللہ  
چپکے چپکے بت کا فر کی بھی پوج کر لی  
راہِ اصناف م کھلے ہم یہ خدا جانے کب  
خوش دلوں کی یہ نہیں بزم جناب منظور

# عزیزی مذہر سب سے

(ایک خط)

بعد مدت دید اور عرصہ بعد کے اسلام علیکم ورحمۃ اللہ  
وہر کا طے کبھی کہ اس طویل عرصہ میں آپ کے خیال و تصور اور  
آپ کی اصلاحات نے مجھ خدا جانے کن کن صورتوں میں پیش  
کیا ہو گا اور محسوس کرایا ہو گا کہ میں نے اس طویل غیر  
عامر کا کوئی شب بے مبری چاہا بیویوں کا دباؤ و تصور کیا جو طر  
عزیز از زبان مدیر "سب سے سب" یہ کچھ بھی نہ تھا بلکہ معاملہ یہ تھا  
کہ مجھ میں یہ ذات کوئی شرافت انداز مانے کوٹ کوٹ کر بددی  
ہے کہ جس کام کو ہاتھ میں لو اس کو خدا و بت تک پہنچا کر چھوڑ دو  
اس لئے میں کام نہ زیادہ پور سے تین کا دل میں لگا تا رہا کہ وہ  
مہنگا رہا۔

پہلا کام یہ کیا کہ ناقدان قوم کے اصول سے چوٹی  
نقصانات پہنچان کر پورا کرنے کے لئے اور غرض سے نجات حاصل  
کرنے کے لئے ایک کرا بکری ایسوسی ایشن "تعلیمی اور ایک  
"مرفاعی کلب" "کرا بکری ایسوسی ایشن" کا قلم خود مصدرا  
اور ناظم بھی یہ ایسا ہی تھا بیک کر پور میں بعض اوقات  
وزیر ناظم ہی وزیر جنگ بھی ہوتا ہے چاہے وہ توپ و توپ  
کی جگہ بیٹھ بھی تھا جگہ سے نہ ہٹا سکتا ہوا اور مرفاعی کلب  
کا صدر بیوی جبرم کو اور ناظم بیوی نمبر ایک کو بنا یا، مباحثی  
کہ میں کرا بکری ایسوسی ایشن اسے اور میاں مرفاعی کلب  
سے تین چار سال کا بحث عرف میزانیہ درست کر لیں گی مگر  
بیوی جبرم کے قلم اکثر نثری داں ہونے سے یہ نقصان پہنچا  
اس طریقہ نے ہر کام میں یورپ والوں کے کاموں کی نقل  
کی اور اس نقلی کام اس نے "ترقی" اور "مکمل شہرانی"  
رکھا اگر میں نے ثابت کر دیا کہ دیکھو یورپ پرانی جس چیز کو  
ایشیاد و آفریقہ والوں میں قبول بنا، چاہتا ہے اس پر چلنے  
شان دار اور "دش الفاظ کا خلاف چڑھا دیتا ہے جیسے کہ  
یورپ کی تعلیم پڑھے ہوئے کو "اعلیٰ تعلیم یافتہ" کہتے ہیں

اور باقی تمام تعلیموں کے ماہر کو "ادنیٰ تعلیم یافتہ" عین اسی  
اگر تم نے ہندوستان میں مرفاعیوں کے کلب کو بھی یورپی  
اصول پر چلایا تو انشاء اللہ تعالیٰ ان کا کام رہی مگر آخر کار  
بیوی جبرم کر بیویٹ ہی تو تھی مذاق تو کبھی نہیں بس عالی  
جان اس مشکل اعززی داں بنا ہی نے امریکا اور انگلستان  
کے تمام مرفاعیوں کے راسلے پٹل کتا میں اور مضابطہ  
منگ کر جو اس کلب میں رائج فرمائے تو اب زیادہ کیا عرض  
کروں بیوی نمبر ایک کے پاس تو دس پانچ دس مرفاعی ہیں  
سبھی لیکن بیوی نمبر س کے پاس کلب ایک دیکھو تو سب سوا چار  
کہ وہ بھی ابھی کے سینے میں کیونکہ افضل کدا آپ سے تم مجھے کل ہی  
نا بھری میں دیکھا تھا میں نے تو اپنے گلے تک میں یورپ کی  
ایک چیز کو نہیں آنے دیا۔ اب ہی میری کرا بکری ایسوسی  
ایشن "سودا کے مفصل سے وہ برابر نثری کر رہی ہے۔  
نتیجہ میں اب مجھے جو سمجھتی ہے کرا بکریوں کے فائدے اور  
ترقی کی اور آپ جانتے ہیں قوم اور ادب کی ترقی کی اس لئے  
میں مختار تو کیا اور پیش کرنا تو کیا اور یہ آپ ہرگز برداشت  
نہ کرتے کہ میں "سب سے سب" میں مضمون کے بجائے آپ کو ایک بڑے  
بڑے میٹنگ کا کرنا بھی دیتا!

دوسرا کام میں نے یہ کیا کہ علم نجوم اور پامری کو میں نے  
اتنا لگیدا کر اب یہ وہ لوگوں میرے سامنے لایا تھا کہ مجھے علم  
ہستے ہیں وہ تو اونٹ کے ذریعہ یورپ جا رہا اب تک ممکن ہیں  
جو سکا درہ ان علوم میں یورپ کے مکے مکہ کا کان کاٹ کر  
آپ کو لادیتا تب آپ فرماتے کہ یہ بے شبہ قاتل روزی نہ تھا  
مضمون نگار نہیں بلکہ مصدرا کرا بکری ایسوسی ایشن اور  
منجم بھی ہے۔

تیسرا کام میں نے یہ کیا کہ عورت ذات پر میں نے  
ایک ہی سانس میں یہاں سے کیر لندن تک کے برابر طویل

تین کن ہیں مکہ دیں کیا معنی کہ میں نے یورپ کی کتابوں کے ترجموں اور حوالوں سے نہیں بلکہ خود تحقیق کر کے اس راز کا پتہ چلا ہی لیا کہ یہ آخر کار وحدت کو مرد کے برابر ثابت کرنے اور مرد کی طرح کے کام لینے اور عہدے دینے کی چال ہے پہلے کس نے چلی؟

امید کہ آں عزم بھی بخیریت ہوں گے خورد و کلان اور پرسان حال کو درجہ بدرجہ سلام۔

مکررا کنگ  
اگر بنا بہ زور قادی صاحب بعد نماز جمعہ مل گیا تو واجب گراس کو حاضر کجہ کرنا دل کا شرف نہ عطا فرما دیکھا۔

میں نے سنا ہے کہ دنیا میں سب کچھ علی حالہ پیدا ہونے پر بھی جو قطع پڑے گا اس سے آپ ضرور محفوظ رہیں گے تو اگر ایسا کوئی تعویذ نہاب کے پاس ہو تو براہ کرم ایک نفس اس کی؟

چہار کرآئیم  
شاہد کاب ریل گاڑیوں سے زیادہ ہوائی جہازوں کا پلن ہو گا پس اگر ایسا ہو تو ایک دن کے لئے آپ میرے "امیر غائب" پر بھی اگر نزول اجال فرمائیں تو رہے بکرا بکری نوازی؟

بچ کر گدا کما اگر کہیں اخبار "رہبر مکن" کے کارکن مل جائیں تو ان سے میرا دست بستہ آداب ضرور

کہہ دیجئے گا زیادہ مداد اب۔

سب کس کرآئیم

"سب کس" مجھے عزیز ہے اس لئے کہ اس کا تعلق آپ

ہے اور میرے عزیز بھائی زور قادی صاحب سے اس لئے

میں یقین دلانا چوں کہ میں اس میں کھتا رہوں گا اور

الٹا اضر وہ لکھوں گا جو دوسروں کے سوچے ہوئے کا ترجمہ

نہ ہوا اور پہلی بات آپ سب کس میں لکھنے والوں اور

والیوں سے لکھتے رہئے اور ان کو تاؤ دلانے کے لئے یہ بھی

کہہ دیجئے کہ مشرق سے مغرب تک اور شمال سے جنوب

تک کی اردو میں یہ تنہا اپنا ملا زور قادی صاحب جو دوسروں

کے چمپ کئے ہوئے "مسک ادب" کو قبول کرتا نہ مسکالم

سیاست کو لکھ دوسرے کچھ اپنا ہی غور کیا ہوا لکھتا ہے

اور کہتا ہے اور بدبختی سے اردو کے ذخائر اسی اپنے

سوچے ہوئے اور اپنے پیدا کئے ہوئے سے محروم ہیں یقین

نہ ہو تو اس کی حاکم ادب و کتب علم کو ملاحظہ فرما لیجئے

امی کہ اس فنوڑے کے کہو بہت جان کر آپ ایسا ادیب

پیدا کر سکتے جو دوسروں کے مسالک کے پیرو ہونے کے

عوض تقیم خود کسی مسک ادب کے خالق و موجد ہوں گے

اور ہاں علی یہ تو فرمائیے کہ کیا آپ کی طرٹ بھی بارش

ہوئی ہے میری طرٹ تو اتنی ہوئی ہے کہ آج صلیح ۱۹ مارچ

کو بھی صبح کے وقت میں جاؤر اور ذکر صبح کی نماز کے لئے

اپنے حلقہ کی مسجد میں گیا تھا زیادہ مداد اب۔

## ملازموزی

ہمارے قلمی معائنہ  
میں سندربہ لفظ کے آخری حصے میں حضرت ملازموزی نے اپنے اچھوتے انفرادی امنا میں اردو کے کھنے والوں کو اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ وہ دوسروں کی نقالی اور پیروی کر لیں گے بجائے خود کسی خاص مسک ادب کے موجد و خالق بنیں۔ ملاحظہ کراس مغرور کی اجمیت اور افادیت سے کون انکار کر سکتا ہے مگر انوس تو یہ ہے کہ ہمارے لکھنے والے اس طرف توجہ نہیں دیتے۔ اس میں شک نہیں کہ انفرادی اسلوب پیدا کرنا بہت مشکل اور صبرآ نام کام ہے لیکن اگر کوئی اس بات کا پکا ارادہ کرے اور مسلسل مشق کرے تو یقیناً وہ اس معصہ میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ کسی زبان ادب کی ترقی کے لئے تعلیمی ادیبوں اور فن کاروں کا پیدا ہونا ضروری ہے ورنہ اس ادب میں (مستقلہ و خرد) کی بجائے صرف نقالی ہی نقالی رہے گی۔ شاہد

# اثر اقبال

دنیا بھر کی تاریخ اور فلسفہ کی گفتگو ہو رہی ہے۔  
۳۰ مس۔  
تیسری اور آخری مرتبہ اقبال کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے۔

۱۰۔ جون ۱۹۰۷ء بدھ

..... میں نے ان حمایتی فرماؤں کو چاٹنے کی دعوت دی تھی جن کی جہان داری سے فائدہ اٹھایا تھا..... مسٹر جی پتلا موجود تھے..... کسی جہانوں نے دستخطوں کی کتاب میں دستخط اور خدایتیں نہیں..... مسٹر پتلا نے اس روزی شعر فی البدیہہ کہہ کر میری کتاب میں درج کروائے..... جیسی میں نقل کرتی ہوں.....

اے کہ تیرے آستانے پر چہیں گستر قمر

اور فیض آستان بوسی گل بر سر قمر

روشنی لے کر تری موج غبارِ راہ سے

دیتا ہے یسائے شب کو نور کی چادر مرقم

کاروان قوم کو تجھ سے ہے زینت اس طرح

جس طرح گردوں پہ سدرِ مُنفلِ اخیرِ قمر

شمع بزم اہل ملت را چراغ طور کن

یعنی ظلمت خانہ مارا۔ سراپا نور کن

سید مبارک الدین فوت

ہر انیس نازلی رفیعہ سلطان خواجہ بیگ صاحبہ راجا  
جزیرہ میں مصافحت ہوئی اسے دسمبر ۱۹۰۶ء میں انگلستان  
فرانس، سوئٹزرلینڈ، کسٹنطنیہ اور دیگر کاسفر کیا تھا۔ یہ سفر  
اپریل سے اکتوبر تک جاری رہا۔ نازلی رفیعہ بیگ صاحبہ  
کی خواہر محترمہ زہرا بیگم قبضی نے اپنی بہن کا روزانہ چھوڑ  
دیا اور لاہور سے غائب سلطانہ میں شائع کرایا۔  
جس زمانے میں نازلی رفیعہ صاحبہ لندن گئی تھیں  
تھیں اسی زمانے میں حضرت اقبال بھی وہیں تشریف لائے  
تھے۔ رفیعہ صاحبہ اپنے روزانہ چھوڑ بدھ ۲۰ مئی ۱۹۰۶ء  
کو کہتی ہیں :-

بلا اکل انصاری جو آرمہ کے بھائی کے دوست تھا

اور بہت لائق آدمی ہیں، بیٹی میں ہمیں (کندہ)

ملنے آئے۔ اور بہت دیر تک ان سے باتیں

ہوتیں رہیں۔ آپ اصل میں مکشور گناہ کے

رہنے والے ہیں۔ یہاں انہیں ہر ہفتی بس

نظام دکن کی طرف سے ولیفہ تھا ہے۔ سب

امتحان پاس کر چکے ہیں۔ اور یہ ہیں اس کے

میں انھیں کام مل گیا ہے۔ یہاں انھیں نہیں

پونڈ (عین سوز و پے) ماہوار ملتے ہیں۔

اقبال کی شاعری کی بہت تعریف کی گئی ہے۔

امہال ایب دھماے، مگر اس وقت حضور  
درفہ صراج کر شہر ریزہ اور نہیں رکھتے

(اربعہ صاحبہ نے سوچ کر اس شریف میں رہنے  
تقریباً نصف کے انداز سے طے کا شوق نہ

کے۔ علوہ توان سے سے کا حوالا ہے  
”گوہر نہیں آئیں“

۲۶، کتاب مذکور، روزنامہ سفسفور

”پیر ۲۵ مئی ۱۹۰۵ء

..... انقباض بھی اسی شب کو آئے تھے۔ لیکن انہیں کھانا اور صبر

# غزل

دیکھانہ کچھ مذاق تماشا کے باوجود  
ہوں بے نگاہ دیدہ بنیا کر باوجود  
نگین نہیں ہے دل غم دنیا کے باوجود  
نشہ ہوا نہ تندئی مہربا کے باوجود  
برپردہ نظر سے ہوس جھانکتی رہی  
تسکین ملی نہ ترک تہمتا کے باوجود  
تقدیر کی شکست پہ ہے اک لطیفہ  
جینا تسلسل غم دنیا کے باوجود  
سالم سے ہے تعلیق خاطر دی تجھے  
آغوش موج و دامن دریا کے باوجود  
ہم نہ نہیں رفیق نہیں ہمراہ نہیں  
تہنا ہے دل ہجوم تنہا کے باوجود  
پیر حرم سے پیر مغاں کے تعلقات  
قائم ہیں پردہ سنئے و مینا کے باوجود  
جو زمانہ سے کبھی ڈرنا نہ چاہیے  
مزانہ چاہیے غم دنیا کے باوجود  
تم میری زندگی میں بہاراں نہ کر کے  
اپنے تبسم جین آراء کے باوجود  
کیا جانیاں نگاہ کی فطرت نہ جانلی  
آوارگی فسکو تہمتا کے باوجود

عبدالعزیز فطرت

# غزل

ترک الفت کا اگر اذن ہے ایسا ہی سہی  
آرزوؤں کے تسلسل میں بھی وقفہ ہی سہی  
نہ سہی لطف و کرم وعدہ فردا ہی سہی  
انتفا تہ نگہ ناز کا دھوکا ہی سہی  
شیخ افسانہ دل شکوہ بے جا ہی سہی  
آپ کے واسطے کچھ دیر تماشا ہی سہی  
بصورتہ لے گی نگہ شوق تجھے سن نہاں  
راہ میں لاکھ تجاہات کا پردہ ہی سہی  
میں بھی گزرا ہوں محبت کے چمن ناروں سے  
اب مرا جوش جنوں زینت صحرای سہی  
نچھ کو میں تیرے سوا دیکھوں گا آخر کب تک  
یہ کرشمہ بھی نری جلوہ گری کا ہی سہی  
اور بھلے کا بھاننے سے مرا غلغلہ دل  
تیری مرضی ہے تو کچھ اور بہانہ ہی سہی  
مجھ کو جینا ہے تو بس تیرے لئے جینا ہے  
انقلابات محبت کا سہارا ہی سہی  
فاکش کر راہ جنوں بے خبری میں اشرف  
پھر بہ عنوان و گرفتہ جس صہبائی سہی

علی اشرف

# اسلوب بیان

بجنوری غمخس کرتے تھے۔

بہتر اسلوب بیان نہ مروت عبارت کو خلعت و بچا ہے  
مہذب توجہ بنانا ہے بلکہ نفس مضمون کی کمزوریوں کی بھی مڑکا  
حد تک تلاقی کر دینا ہے۔ بجنوری کے محاسن کلام غالب میں  
ان کی غالب سے شدت عقیدت کی بنا پر جو مبالغہ کا منہ  
بڑھ گیا ہے اور انھوں نے غالب کے خیالات کی جو تباہی  
اور اشعار کے نئے نئے مطالب چمکانے میں جو منگنا فسیاں  
کیں اس کے باوجود اس دشمن مقدمے کی مقبولیت کسی طرح  
کم نہیں ہوئی۔ وہ حضرات بھی جنھوں نے اس پر سخت ست  
تقلیدیں کی ہیں اس کی دل پہ طرز تحریر اور مبالغہ و اراغمار  
بیان کا خطا اٹھانے کی خاطر اس کو بار بار پڑھتے ہیں۔ انجلیات  
کی اکثر دہائیوں کو لے کر ادب میں استناد کا درجہ حاصل نہیں کر  
تے۔ آپ دہیات آج ہر ادب کے طالب علم کے لئے ایک تختہ زرین سے کم نہیں  
۔ آزاد کے جادو، گاجڑی کی گلن کا لیل پڑھنے والے پرانے حسانین  
میں اور اس بات کی بالکل پرواہ نہیں رہتی کہ زیر نظر  
واقعات میں سے اکثر حقیقت سے بعید ہیں۔

دست کی شاعری کا بجز یہ کہجئے دو ہی چیزیں نکلیں گی۔  
”زبان و بیان“۔ وہی بایں جو آپ دن بھر سوچتے  
کرتے اور بولتے رہتے ہیں آپ کے سامنے آتی ہیں اور  
آپ چونک پڑتے ہیں منہ سے واہ واہ نکل جاتی ہے۔

بغل میں داب کتاب و توں کو  
کہاں کو اسے دل ناواں کہاں کو  
تو بھی کسی سے دل لگا : ہاتھ لانا سدا کیوں کی کہی  
کبھی ترپا کے دل پہ ہاتھ رکھنا نہ بھی کہنا اسے یہ ہو گیا کیا  
ہم توہ ہے جسے ادب و دل ساں ہو کوئی ہو  
دوسرے دشمن مہربان ناہر بان ہو کوئی ہو  
غالب کی عظمت کا ایک ہزار اس کا انفرادی انداز  
بیان سب کا ایک لحاظ ہے غالب کی شاعری گزشتہ دور سے  
دور منزل کوئی کی روح ہے غالب کی مضمون آفرینی اور  
اس کے فلسفیانہ نکتات کو نظر انداز بھی کیجئے تو غزل گوئی کے

اسلوب بیان تحریر کی جان ہے۔ کئی مضمون کے  
مطالعہ کے وقت جو چیز سب سے پہلے ہمارے توجہ کی طالب  
ہوتی ہے وہ اس کا طرز تحریر ہے۔ نفس مضمون کے دلچسپ  
اور غیر دلچسپ ہونے کا احساس بہت بعد کو ہوتا ہے۔ مضمون  
کا عنوان ہی درحقیقت مضمون سے نصیحت آگاہ کرتا ہے۔  
اس نصیحت آگاہی کے بعد قاری اس کا مضمون نہیں رہتا کہ  
مضمون غلط کیا بات کہنا چاہتا ہے بلکہ غیر شعوری طور پر یہ  
معلوم کرنے کا خواہشمند ہوتا ہے کہ وہ کون سا طریقہ انہار اختیار  
کرتا ہے بہت سے ایسے مضامین جن کے مطالعہ کی افادیت  
کا ہمیں احساس ہوتا ہے صرف اس وجہ سے ہم پڑھنا نہیں  
چاہتے کہ ہم سے اس کا ایک صفحہ بھی پڑھا نہیں جا سکتا  
اس کے اثر و فائدہ کم کوئی رسالہ یا کتاب اٹھا لیتے ہیں صرف  
عزائم پر ایک سرسری نظر ڈالنے کی خاطر۔ وقت کسی  
عنوان کے تحت ایک جگہ ہماری توجہ کو مہذب کر لیتا ہے پھر دہر  
پہلے سے زیادہ مہذب توجہ ہوتا ہے۔ اس طرح مضمون ختم  
کرتے تک ہمیں چین نہیں پڑتا۔

بن بیک۔ پیکر مزہ و گریں کی ابتداء بغیر کسی  
تہدید کے اس طرح کرتا ہے کہ پڑھنے والا دو چار ملکوں کے بعد  
ہی اپنے آپ کو مصنف کے قلوب میں پاتا ہے۔ سید سے ساک  
الغنا چھوٹے چھوٹے جملے ایک فلسفی اثر پیدا کر دیتے ہیں جن  
کی فضا کتاب کی آخری سطح تک برابر قائم رہتی ہے۔ بجنوری  
کا مشہور مقدمہ ”محاسن کلام غالب“ اٹھا ہے۔

”ہندوستان کی الہامی کتابیں دو ہیں۔ مقدس مژدہ  
اور دیوان غالب“۔ روح سے تہ تک نگ مشکل سے ترجمہ کیا  
لیکن کیا ہے جو یہاں حاضر نہیں کون سا مقدمہ ہے جو اس زندگی  
کے کاروں میں سید یا خواجہ ابید و موجود نہیں۔  
یہ اچھوتی طرز تحریر ہمارے دل میں بڑی خوش  
وہی عقیدت اور کلام غالب سے وہی محبت پیدا کرتی ہے جن



نہیں پیدا کر سکتے جس کو ہم سوچتے وقت محسوس کرتے ہیں۔

انگریزی میں کہا گیا ہے (The man) اسٹائل آدمی کا جو ہر خاص ہے ایک اور اسٹائل

ہے (The man of max style) اسٹائل آدمی کی ذات کا آئینہ دار ہے۔ دراصل طبائع کے ساتھ طرز بیان بھی بدلتا جاتا ہے کسی کا جوہرست اور کسی کا چہرہ کوئی نرم اور کوئی گرم ہوتا ہے کسی کا اسلوب بیان دواں دواں ہوتا ہے اور کسی کی طرز تقریر یہ بتلا دیتی ہے کہ کتنے دواں خود کو سوچ سوچ کر لکھ رہا ہے اور پڑھنے والوں سے بھی اسی غور و فکر کا طالب ہے بعض مصنف تحریر کی ابتداء ہی میں بتا دیتے ہیں کہ وہ کیا ہیں اور بعض کی طبیعت کا کھوج لگانا پورا مضمون پڑھ لینے کے بعد بھی مشکل نظر آتا ہے۔

اسلوب بیان و تحقیق آدمی کی طبیعت کا آئینہ دار ہوتا ہے ہر ادیب اپنی زبان کو بالکل اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرتا ہے طرز بیان ایک بالکل ذاتی خصوصیت ہے ایک کا اسلوب دوسرے سے بالکل جدا ہوتا ہے الفاظ کے انتخاب میں ترتیب محاورات جملوں کی ترکیب اور فقرات کی بندش میں ہر ایک اپنے انفرادی ذوق کا پابند ہوتا ہے۔ کارلائل کہتا ہے "اسلوب بیان انشا پر دواز کا لکس نہیں پوسٹ ہے" ایک اور مشہور ادیب کا کہنا ہے کہ "ادب زبان کے ذاتی استعمال کا دوسرا نام ہے" اسلوب بیان کا غائر مطالعہ ہمیں انشا پر دازی ذات سے بہت قریب کر دیتا ہے اس آئینہ میں ہم کو نہ صرف اس کی ذات کا عکس نظر آتا ہے بلکہ اس کی دماغی اور روحانی نشوونما کا خاکہ بھی مل جاتا ہے اس کے ماحول کے وہ تمام اثرات جنہوں نے اس کی حیثیت کی تعمیر میں حصہ لیا ہے ضرور اس کے اسٹائل کی ترکیب میں بھی حصہ لیں گے بالخصوص دیگر اس کا اسلوب بیان اس کی تمام جسمانی اور ذہنی تربیت کا آئینہ دار ہوگا۔

عام اور پامال موضوع گل و بلبل، مرد و قری، بہار و غم عشق بے مہرئی، حبیب و غم و پر جو اس نے شعر لکھے ہیں ندرت، بیان اور تنوع اظہار کی ان سے بہتر بہت کم مثالیں دیکھنے میں آئی ہیں۔

غیر پیرنگا کھلنے آج ہم نے اپنا دل خون کیا ہوا دیکھا کم کسب ہوا پایا زخم نے داؤد دی تنگی دل کی یارب تیر بجی سیئہ بسل سے پر انشاں نکلا بوئے گل نالہ دل دو دو چہرہ راجھض جو تری نرم سے نکلا سو پریشاں نکلا فوارش ہائے بیجا دیکھنا ہموں کا شکایت ہائے زنجیں کا گلہ کیا مندرجہ ذیل اشعار کا انداز بیان دیکھئے۔ اردو

غزل میں واقعی ایک بے ہوا اضافہ ہے :-  
ہے کس قدر ہلاک فریب وفا ہے گل  
بلبل کے کار و بار پر ہے غنڈہ ہائے گل  
جو تھا سوچ جگ جگ کے دھوکے میں آگیا  
اے دوائے نالہ لب خونیں نوائے گل

خیالات پر شخص کے دل میں پیدا ہوتے ہیں ہر انسان کچھ نہ کچھ سوچتا ہی رہتا ہے چاہے اس کے سوچنے کی نوعیت کیسی ہی کیوں نہ ہو۔ مگر ان خیالات کو مجنبہ خاطر دل سے صفحہ قرطاس پر منتقل کرنا بہت مشکل ہے اور ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔ ایمرسن کہتا ہے "آدمی کو وضع ہے دوسرے ضعف اس کا اظہار بیان ہے" آپ کو دنیا میں آدھے آدمی بہت نظر آئیں گے اور مکمل انسان بہت کم ہے۔

آدمی کو بھی میر نہیں انسان ہونا!  
لیکن خیالات کے اظہار جی پر بات تحت نہیں ہوتی ب سے بڑا مشکل مرحلہ ان خیالات کو سلیقے انسان کی تانگی کوئے بغیر پیش کرنا ہے ہی وہ ہے کہ ہم سوچ بہت لیتے ہیں مگر کافی ضمیر کے اظہار میں وہ دیکھی، تخلیقی اور لطافت

اشان جوش و خروش اور ان کی نزاکت طبع کا شاہد  
"آب حیات" کا ایک ایک جملہ ہے ہر بات کو وہ اپنے نہیں  
انداز سے کہتے تھے رنگینی پیدا کئے بغیر انھیں کچھ کنشاش  
اچھا نہ معلوم ہوتا تھا کھٹ اور غوغائی ان کی عبارت کی تمام  
خصوصیت ہے ایک جگہ جنگ کی تیاریوں کی تصویریں نکھینچے  
ہیں :-

"خلوت کے چین میں حکم ہوا کہ مشورت کی مجلسیں آئیں  
کہ جنگامہ کے لئے کیا صلاح ہے بعض کا زمرہ ہوا کہ بڑے  
میں ملک مقبوضہ کا بندوبست ہو جائے سلی آدمیں جنگامہ  
پر غور فرمیں سے گوارا کاغذ کا ڈالا جائے بعض نے فقرہ سرائی  
کی کو غنیمت دم نہ لینے دو اور ادا جائیں اور پھر ی کناری ہومے  
کہ بھی ہمارے جتن کے چھین اور سلطنت کے باخباں نے کہا کہ  
ہاں بھی ہانک ہے"

کلام دوتی کے متعلق آب حیات میں لکھتے ہیں :-

"جب وہ صاحب کمال علامہ اور اح سے کثرت احام کی طرف  
چلا تو فصاحت کے فرشتوں نے باغ قدس کے پھولوں  
کا تاج سجایا جن کی خوشبو شہرت عام بن کر جہاں میں پہیلی  
اور رنگ نے بقاء سے دوام سے آنکھوں کو طراوت بخشی۔

وہ تاج سر پر رکھا گیا تو آب حیات اس پر شبنم ہو کر رہا  
کہ شادابی کو کلاہٹ کا اثر نہ پہنچے۔ کلام کو دیکھ کر معلوم  
ہوتا ہے کہ مضامین کے تسارے آسمان سے آمار ہے جہاں  
"ملک الشعراء" کا سکھ اس کے نام سے موزوں ہوا اور  
اس پر یہ نقش ہو گا کہ اس پر نظر آرو کا خاتمہ کیا گیا۔"

اسلوب بیان اور مضمون بالکل علیحدہ چیز ہیں  
اسلوب بیان کی اہمیت مضمون کے اختصار کے ساتھ ساتھ  
جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ مجبورے مضمون میں تفصیل کا موقع  
نہیں ملتا طویل بحث اور مباحثہ اور دلال کے لئے عجیب  
نہیں رہتی۔ صاحب مضمون کو اختصار سے کام لینا ناگزیر  
ہو جاتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس بات کا خیال رکھنا بھی  
ضروری ہوتا ہے کہ کہیں مضمون میں تشنگی نہ پیدا ہو جاتا

مکالمے کی تاریخ انگلستان "لیجے جس کی تاریخی  
اہمیت کم اور ادبی اہمیت زیادہ ہے تاریخی واقعات اور  
کردار کے متعلق مکالمے نے جو کچھ لکھا ہے وہ واقعی سلی ہے  
مکالمے کو کوئی بڑا معیار نہیں تھا اگر اس کی حدت طرازی  
واقعت پسندی اپنے دور کی ماویت پرستی سے بڑجوش  
اعتقاد اور ہر چیز کو سیدھے سوچنے اور سمجھنے کا شوق  
بھی چہرے اس کے انداز بیان کو متوجہ روشن اور  
پُر نور بنا رکھیں۔

مکالمے ہر چیز کو واضح طور پر سوچنے اور کہنے کا  
کامل تھا اس کا خیال اس کی دلیل سے زیادہ واضح  
ہوتا تھا اس کے اسلوب بیان کے پرزور ہونے کی ایک  
اور وجہ یہ بھی ہے کہ ہر بات جس کو وہ کہتا اس پر پورا پورا  
اعتماد ہونا چاہیے اس کی صحت کے متعلق شبہ بھی نہ ہو  
نہ ہو شک سے کہتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ کسی چیز کے  
متعلق مجھے ایسا یقین حاصل ہو جائے جیسا کہ مکالمے  
کو ہر چیز کے متعلق ہے۔ ڈبلیو۔ ایچ۔ رونا H. R. Rona  
نے مکالمے کے اسٹائل کو پبل شاٹ اسٹائل  
(*Staccato style*) کا کہا ہے۔

بغلاف مکالمے کے رسک کی طبیعت کی نرمی حتی برقی  
روحانیت پر اعتقاد اور اپنے ماحول کی "ماویت پرستی"  
سے نفرت نے اس کے لہجہ کو بھی نرم اور پاکیزہ کر دیا،  
اس کی عبارت ان مصوروں کی نقادوں سے زیادہ یقین  
اور دلکش ہے جن کے متعلق اس نے خاصہ فرسائی کی جو  
حالی کی طبیعت کی متانت ان کی ہیشہ محتاط رہنے  
کی عادت اور سنجیدگی ان کے انداز بیان میں ہر جگہ  
جھلکتی ہے۔ میرا تیس کی طبیعت کی نفاست اور پاکیزگی  
مزاج کا ثبوت ان کے کمرائی کے ہر شعر سے ملتا ہے جس طرح  
زندگی میں وہ سلیقہ اور نفاست کا دامن ہاتھ سے جگہ  
نہ دیتے اسی طرح شعر کہتے وقت بلاغت و فصاحت سے  
کوئی معصرہ باہر نہ ہونے دیتے۔ آزاد کی طبیعت کا بگن

پڑتے وقت کرتے ہیں بلکہ ہمیں "فائدہ آزاد" کا مطالعہ وقفہ وقفہ سے کرنے میں لطف آتا ہے۔

ہر بڑے ادیب کی تحریر کے مخصوص خود غالب ہوتے ہیں اس کا انداز بیان طرزِ ادا اور اظہارِ جذبات کا طریقہ دیگر سے بالکل مختلف ہوتا ہے ہر بڑے انشائیہ پرداز یا شاعر کی غنیمت کی یہی ثبوت نہیں کہ وہ اسلوبِ بیان کا ماہر ہو بلکہ یہ بھی ہے کہ وہ دوسرے کے رنگ میں کہنے سے محذور ہے۔

جس طرح ہم آواز سن کر انشاس کو پہچان لیتے ہیں اسی طرح طرزِ بیان کے مطالعہ سے ہم مصنف کو فوراً معلوم کر لیتے ہیں۔ شخصی کی تحریر دیکھ کر اسے ہم کبھی آزاد کی عبارت قرار

نہیں دے سکتے۔ اور نہ ہم ابولکلام کی شکر و عبدالحی سے منسوب کر سکتے ہیں ایک ہی موضوع پر اگر غالب و ذوق طبع آزمائی کریں اور ان کے نتائجِ فکر ہمارے سامنے لائے جائیں تو ہم فوراً بولیں گے۔ یہ شعورِ ذوق کا ہے اور یہ غالب کا۔ ذوقِ صفائی، روانی اور بول چال کی چاشنی کو کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیں گے چاہے اس سے ان کے بیان میں سطحیت ہی کیوں نہ آئے۔ غالب تنوعِ مدد اور جدتِ طرازی کے قائل ہیں۔ وہ مجددِ شاعر ہے اور ادبِ مطلب کی ضرورت پڑے تو وہ نئے الفاظ اور نئی ترکیب آسانی تراش لیتا ہے معمولی بات کو بھی انوکھے انداز میں پیش کرنا اور اپنے مشاہدہ کے اظہار میں زرفِ نگاہی کا ثبوت دینا اس کا خاص امتیاز ہے۔

ذوق کا شعر ہے۔

ہم آپ جل جہے گراں دل کی آگ کو  
چینے میں ہم نے ذوق نہ پایا بھبھکا ہوا  
یہی مضمون غالب سے کہئے۔

عشق پر زور نہیں ہے تو وہ آتشِ غالب  
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بجھے  
مضمون ہے "مے نوشی" ذوق اس مضمون کو  
لیکھ لے ناگ محاورے کے استعمال سے بے تکلف شعورِ دلا

یا کہیں اختصارِ مطلب سے عبارتِ خشک اور بے مزہ ہو جائے۔ حسنِ نفاذی طویل اور خشک تہید کے بغیر مضمون کو یکایک مٹا کر دیتے ہیں۔ حسنِ نفاذی صاحب کے مضمون میں کوئی اعلیٰ اور اچھوتے خیالات نہیں ملتے نہ ہمیں کسی نئے انکشاف کا اس میں علم ہوتا ہے۔ جو را مضمون پڑھ لینے کے بعد اگر ہم خاموشی سے غور کریں تو اعتراض کرنا پڑے گا کہ ہمیں کوئی نئی بات نہیں معلوم ہوئی۔ مگر ہمارے لطف میں اس کوئی فرق نہیں پڑتا ہماری جہتِ جستجو قائم رہتی ہے کہ کس طرح بات میں سے بات نکلتی رہی گی عبارتِ نئی نہ ایک جوئے شیر کا سرور و رواں۔

مگر یہ طرزِ فکر طویل ناول افسانہ یا مضمون کے لئے جس میں اہم مسائل سے بحث کرنا ہو موزوں نہیں ہوگا۔ اس وقت لیکن کی سادگی اور عبارت کا سلیھا و بالکل کافی ہوتا ہے۔ اگر انا، پرداز اندازِ بیان میں لطف و رنگ پیدا کرنے میں محو ہو جائے تو اصل مطلب کے خطر ہو جانے کا اندیشہ ہو جاتا ہے جیسے کہ "آبِ حیات" میں آزاد نے کیا ہے ہر مضمون کا اندازِ بیان انتہائی سادہ اور فطری ہے اگر ان کا مطلب سیدھے سادے الفاظ میں ایک جملے میں ادا ہو جائے تو پھر وہ ایک لفظ کا اضافہ کے بغیر آگے بڑھ جاتے ہیں۔ سخنِ آرائی اور بات میں بات خنکے کی فصاحت ان کو کم ہوتی ہے ورنہ "گلو دانی" اور "میدانِ عمل" میں صحتِ الارا سا لگائی ناول لکھنے کے وہ کسی قابل نہ ہوتے اس کے برعکس ہر شے کا فائدہ آزاد لے لیتے آئے واقعاتِ حقیقت سے کوسوں دور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ناول نگار لطفِ بیان و زبان کے ملامت کو قائم رکھنے کے لئے قصے میں ہر قسم کی بے اعتنائی کرتے تھے ہے ہم آج "فائدہ آزاد" کو کہتے ہیں اسے لطف اندوز ہونے کے لئے لہر اور زبان و طرزِ ادا سے محفوف ہونے کے لئے زیادہ پڑھتے ہیں غلط ہے کہ اس طویل ذوق کو صرف اندازِ بیان سے خطا دکھانے کی خاطر ہم اس اضطراب اور ذوق و شوق سے نہیں پڑھتے جس کا اظہار ہم ریٹائڈس کے طویل ناول

کر لیتے ہیں گویا میں گہرائی نہیں۔

زادہ شراب پینے سے کافر ہوا میں لکھا  
کیا ڈیرہ چلو پانی میں ایسا بہ گیا  
یہ قاتل کا نتیجہ فکر ہے۔

منے سے غرض نشاط ہے کس رو سیاہ کا

اک گونہ بخودی مجھے دن رات چاہیے

موجن کو بیٹھے اس کا ہر بندہ شدت کا رنگ لئے ہوئے ہے  
معلوم ہوتا ہے گویا اس کے دل و دماغ میں آتش بھری  
ہوئی ہے اس کا انداز بیان بھی شعلہ نوائی سے کم نہیں  
ہر چیز کو اس طرح چٹا کرتا ہے کہ شہید اس اس کی بولنے  
والے کے دل و دماغ میں بس جائے۔

ذوق کہتے ہیں۔

ہنہیں ہے کم زرخاں سے زردی زخاں  
تم اپنے عشق کو اسے ذوق کیسے سمجھو  
یہ مومن کا شہ ہے۔

زرد رخ دکھلا و یاد رخ مکر دکھلا دیا

آج اس کو ہم نے اپنا زور و زور دکھلادیا  
اچھے اسلوب بیان کی بابت یہ بڑی خصوصیت ہے کہ اس کی  
صحیح نقل نہیں کی جاسکتی۔ مرحوم سجاد نے ”محشر خیال“ میں  
ابوالکلام کی شری طرز اختیار کرنے کی کوشش کی ہے مگر اس  
میں وہ شان و حرکت اثر نگیزی بلاغت اور روایتی نہیں  
آئی جہاں عبارت شائع ہو گئی ہے، وہاں آورد کا احساں  
ہوئے جتنا ہے؟ ان عبارت میں روایتی پیدا ہوئی ہے وہاں  
سلوک معنوی یعنی پانگنی ہے آزاد کے پوتے طائرے کے آزاد  
کے شوح و رنگین انداز بیان کی تفصیل اڑانے کی کوشش  
کی تھی مگر کبھی ان کی عبارت ایک جہلی نثر اور بے معنی کوشش  
سے زیادہ نہ بڑھ سکی۔ سرسید کی اردو انتہائی سلیس  
اور رواں ہے تلفظ اور فصیح اس میں نام نہیں بربد  
کبھی بات کو طرہا چڑھا کر کہنے اور مترادفات الفاظ کی بھرا  
کرنے کے قابل نہیں۔ وہ ہمیشہ سیدھی بات سادھے لفظوں میں

ادا کر کے مطمئن ہو جاتے ہیں سرسید کا ہر بڑے ہنر والا شاعر  
یہ سمجھتا ہو گا کہ ایسی آسان اردو وہ بھی بے تلفت لکھ سکتا ہے  
مگر یہ حقیقت ہے کہ ویسے ویدل بھی لکھنا انتہائی مشکل  
معلوم ہوگی۔ سرسید کا ایک چھوٹا سا مضمون ”بحث و تدارک“  
جو اکثر درسی کتابوں میں موجود ہے طنز و مزاح اور سلاست  
و بے تعلقی کا بے مثال نمونہ ہے جو بڑے چھوٹے جملے معمولی الفاظ  
رواں عبارت کہیں مضمون کا نام نہیں گرایا انداز بیان اردو  
میں اور نہیں نہیں مٹا، انداز براداری دراصل الفاظ کی صحیح استعمال  
کا دومرا ہے۔ یہ لفظ کو اس کے صحیح معنی میں صحیح مقام پر استعمال  
کرنے سے اس میں جان پڑ جاتی ہے اسی طرح بہترین اسلوب  
ہی ہے جو فطری ہو مضمون سے پاک ہو اور تلفظ سے دور ہو  
عبارت میں سادگی، اسی وقت پیدا ہوگی جب کہ الفاظ کا استعمال  
بے تلفت کیا جائے فطری انداز بیان وہی ہے جبکہ تحریر و تقریر  
میں کم فزق رکھا جائے۔ تلفظ اسلوب بیان حاصل کرنے میں  
جو بہت سی دیکھیں پیش آتی ہیں وہ صرف اسی صورت میں دور  
ہو سکتی ہیں کہ انسان سمجھنے سے پہلے یہ سوچ لے اگر ایسے ہی  
بات کسی سے کہی جاتی تو کیسے کہتا۔ پس وہی طرز ادا و اختصار  
اور جامعیت کے ساتھ تحریر میں اختیار کرے تو وہ بہترین اہلکار  
مطلب ہوگا۔ اختصار اور جامعیت اس لئے ضروری ہیں  
کہ ہماری گفتگو میں ہر جملے کا مکمل طور پر ادا ہونا ضروری  
نہیں۔ بہت سی باتیں جملہ مقصد کے طور پر ہمارے منہ سے  
نکل جاتی ہیں نیز گفتگو میں عام طور پر ایک ہی بات کو دوہرانا  
اور بار بار کہنا آتا معصوب نہیں ہوتا جتنا تحریر میں ہونا چاہیے۔  
غالب کے خطوط کی مشرک تلفظ اور فطری اسلوب بیان  
کا اعلیٰ نمونہ ہے غالب نے اپنے اچھے انداز بیان سے حواس  
کو مکالمہ بنا دیا ہے وہ اردو نے محلی کا باوٹ ہے۔

اس کی زبان نرم شدت اور فصیح ہے ایسی سلی اردو  
بہت کم لوگوں نے اچھی ہے غالب کے خطوط پڑھتے ہوئے  
ہمیں ایسا محسوس ہوتا ہے گویا غالب خود ہم سے محفل گفتگو  
ہے یہ انداز بیان کا سب سے بڑا کمال ہے اس کی تحریر



ہو جاتے اور نہ جاننے کی وجہ سے استعمال میں نہیں آتے یہاں زبان کا دار و مدار ایک مدت تک شاعروں پر رہا اور شعری کا سبب ان زیادہ ترغزل کے لئے وقف تھا وہ ایسا تنگ کہ اس میں زبان کی کہاں تک گہمت ہوتی ہے۔

ذیل کی عبارت جو ان کے خطبے سے ماخوذ ہے خاص طور قابل غور ہے اس میں ان کے طرزِ تحریر کی عالی کے اسلوب سے قریب ترین شاہدیت کا پتہ چلتا ہے۔ بالکل اسی موضوع پر عالی نے اپنے مشہور مقدمہ شعر و شاعری میں بھی عامہ فرسائی کی ہے۔ اگر وہ عبارت پیش نظر ہو تو اس عبارت سے اس کا مقابل خالی اذہن چھپی نہ ہو گا۔

”یہ جو کہا جیسے کہ ادب زندگی کا اُمنہ دار ہے وہ حقیقت پر مبنی ہے۔ مثلاً عرب جاہلیت کے شعرا کو عجیبے شعری ان کے رگ و پلے میں پھری ہوئی تھی۔ معمولی سامعوں اور جزوی سا جزوی معاملہ بحال کی نظر میں ایک بڑا واقعہ تھا اور تحریکِ شعو کے لئے کافی تھا۔ ان کی لڑائیاں ان کی فتح و شکست اور عشق و محبت (خیالی نہیں) خوف و خطر انتقام مہماں نوازی و بغض یہاں تک کہ ایک پچھڑے کی ولادت کا نقشہ ان کی لکھنوں میں زندہ موجود ہے۔“

اسلوب بیان کے متعلق اکثر دو مختلف نظریے پیش کئے جاتے ہیں بعض کا خیال ہے کہ یہ ایک بالکل فطری چیز ہے جیسے شاعری بعض کے نزدیک اسلوب بھی مضمون نگاری اور علمِ نقد کی طرح محنت اور مشق کا ردیہ ہے۔ لیکن غور کیا جائے اس کا جواب بھی عالی کے اس بیان سے ملتا ہے جو انھوں نے شعر کی آواز اور آواز کے متعلق دیا ہے۔ حالی لکھتے ہیں کہ آواز اور آواز کا مفہوم جیسا کہ عام طور پر لیا جاتا ہے حقیقت سے بعید ہے۔ بیٹ لکھی شعر میں بے ساختگی روانی اور زور ہو تو اسے آمد کا نتیجہ سمجھا جاتا۔

اور کمزور اور سست شعر کو آواز دو کی پیداوار۔ نیز برائے ہر اس شعر کو جس میں روانی اور زور ہونا درستگی اور میر کوئی کا نتیجہ خیال کیا جاتا۔ گویا جو شعر سوچ، چارکہ بھر بڑی دیر میں صفحہ قرطاس پر آتا اس میں آواز کا جونا ضروری تھا۔

بدیہ اتم موجود ہیں وہی عجب گدی وہی خود اداری وہی اعتدال پسندی وہی مخالفتِ آئینہ سے استرازا اور وہی ہر بات کو امتیاز سے پیر فکر کرنے کی عادت جو عالی کا طرزِ امتیاز ہے عجب الحق کے حصے میں آئی ہے مگر عجب الحق صاحب کا اسلوب عالی سے زیادہ سگفتہ اور سادہ ہے عالی اکثر عجب طلب کے اظہار کے لئے انگریزی الفاظ استعمال کرتے رہے جو عالجے میں مگر عجب الحق اوقِ تزلزل انگریزی ترکیب اور الفاظ کو بڑی شگفتگی سے خاص اور دکا جانہ پہنچا دیتے ہیں۔

عبداللہ کی اردو متنی سادہ ہے اتنی ہی شیریں ہے ان کا یہ انداز بیان ہر قسم کے مطالب کے اظہار کے لئے نہایت معززوں سے ان کے مقدمات دیکھنے سے پہلے چلتا ہے کہ وہ کس آسانی سے معاشی، سیاسی اور سائنسی موضوع پر قلم اٹھائے ہیں اور دنیا کی مشکل مسائل کو اسے دل و کش اور سادہ انداز بیان میں یہ تفصیل شریع کرتے پہلے جاتے ہیں۔ کلام غالب کے متعلق ایک جگہ لکھتے ہیں۔

”غالب کے کلام ایک لازوال نعمت ہے جو ان زبانِ گزشتہ جاتا ہے اس کی قدر ابد بڑھتی جاتی ہے جب تک اردو زبان زندہ ہے اس کے زندہ رہنے میں کوئی کلام نہیں اگر یہ نہ سمجھا رہے تو بھی یہ کلام زندہ رہے گا کیونکہ اس کا کمال محض الفاظ اور زبان پر منحصر نہیں بلکہ ان قیود سے بالا و برتر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی متعدد شریں بھی جا بگی ہیں اور آئندہ کیڑوں کو بھی جا بگی اور فاضل شراج اس کلام کے سبب میں اپنی جدت اور ذہانت کو دکھانے کے مواقع دھونڈ لیں گے۔“

مقدمہ باغ و بہار میں میر اس دہلوی کی زبان کے متعلق لکھتے ہیں۔

”راہِ زبان کا معاملہ تو اس کی فصاحت اور خوبیوں کلام نہیں ہو سکتا اس کے طراوت جو بات دیکھنے کے لیے یہ کاس میں کس کیڑوں کا عمار ہے اور لغتِ خالی سے ملے ہیں جو آج کل بول چال یا تحریر میں نظر نہیں آتے بعض تو ایسے ہیں جو قترہ کہ ہو گئے ہیں اور بہت سے ایسے ہیں جو آنکھ سے اوہل



# کھیل

دھرتی کا جو سینہ چیرے آغز منہ کی کھائے      زر کی خاطر خون بہائے، لیکن خاک نہ پائے  
جگ کی جھولی بھرنے والا اور دامن پھیلانے      ہرے بھرے کھیتوں کا آقا اور فاقوں مر جائے  
مجھ سے تو یہ آڑا سیدھا کھیل نہ کھیلا جائے

یہ کہ ساروں کی دیوی، یہ بے پردا چرواہی      جس کی ایک ادا کس نظر سے رستہ بھولیں ہی  
دل کو ہلکورے سے دے جس کی محمور نگاہی      اور اک دور کا دولت والا اس کا مول چکا  
مجھ سے تو یہ آڑا سیدھا کھیل نہ کھیلا جائے

قدم قدم پر گا کر کو یہ چھلکاتی پنہاری      آنکھوں میں تاروں کی نو، سانول میں کی باری  
اٹھی ہوئی باہوں کے خم میں اڑنے کی تیار      اور اک "اپ ٹو ڈیٹ" شکاری اس کی ناک لگا  
مجھ سے تو یہ آڑا سیدھا کھیل نہ کھیلا جائے

کھاؤں کے یہ البیلے، باکھے، متانے، متوالے      بھولی بھالی دہقانی اؤں کی گوو کے پالے  
جن کے ساتھی جیت کے جھونکے اور ساول کچے      ان کو اک منحوس مہاجن ہتھکڑیاں پہنائے  
مجھ سے تو یہ آڑا سیدھا کھیل نہ کھیلا جائے

زترین ٹیلے ہست کھجوریں، خاموشی، رعنائی      بچھنے پرانے خیمے، یعنی یہ قریے صحرائی  
جب ان پر چھا جاتے ہیں تہذیبوں کے ٹوٹے      دھرتی ماتا چلتی ہے۔ میں لٹتی ہوں ملے؟  
مجھ سے تو یہ آڑا سیدھا کھیل نہ کھیلا جائے

مٹی کے معصوم گھر وندے، حسن کی یہ درگاہیں      کھیتوں میں بل پر بل کھاتی پتلی پتلی راہیں  
گھنے گھنے یہ جنگل جن میں بھنگیں تیز گھمیں      اور یہاں منعم مرمر کی مجلس راہنوائے  
مجھ سے تو یہ آڑا سیدھا کھیل نہ کھیلا جائے

آزادی پر مرنے لیکن زنجیروں سے ڈرنا      بڑی بڑی تنخواہیں پانا اور من مانی کرنا  
خود ہی آگ لگانا اور الزام کسی پر دھرنا      شاعر اور بھانڈوں کی طرح نوابوں کے گن گائے  
مجھ سے تو یہ آڑا سیدھا کھیل نہ کھیلا جائے      احمد بدیع قاسمی



## ماحول اور شخصیت

انفصالت کے بعد مد نظر میں اس پر اپنے خیال کی  
آج تردید کر دی ہے کہ ہر دور میں بعض نمایاں شخصیتوں نے  
اپنے احوال کی تشکیل کی ہے۔ لیکن اس سبب خیال کے حافی بھی  
نہیں کہ اس بات پر مصر ہی میں مثلاً ان کا یہ ادھار ہے کہ آرمشہ  
جنگ کے بعد جرمنی کی ناکستہ بہ حالت میں پھلنے کی شخصیت  
تھی جس نے ہٹلر کو ام عروج پر پہنچایا۔ اور وہ ہٹلر کی شخصیت  
کا جائزہ لینے لگتے ہیں کہ اس کے کردار کی استقامت، راسخ  
عزم مضبوط عقیدہ اور قوت ارادی نے اس کی شخصیت  
کی تشکیل کی اور وہ اس قابل ہو سکا کہ ہٹلر کے مقاصد میں  
اپنی تحریک کو گامے لڑ سکے۔ یہ ادب بات ہے کہ اس نے سیاسی نظریات  
کیس جس کی وجہ سے اس کو اپنے ناموں میں ناکامی ہوئی۔  
واقعہ یہ ہے کہ ہٹلر کی شخصیت کا شرم کی ذمہ دار نہیں ہے۔  
جرمنی کی سیاسی اور معاشی تاریخ شاہد ہے کہ وہاں فاشزم  
کے ارتقاء و نمو کی ضرورت تھی۔ جرمنی کی بڑھتی ہوئی سرمایہ دارانہ  
کا تقاضا تھا کہ جرمنی کی قیادت ساری دنیا پر چھا جائے اس  
جس کو امام اور با شہنشاہوں کا مفاد و البتہ تھا اور اس نے  
ساری جرمن قوم نے ہٹلر کی اس تجویز کا خیر مقدم کیا۔ ہٹلر  
کی ترقی با اس کی نظائر شخصیت کا نفسیاتی راز یہ ہے کہ اس  
جرمن قوم کی دلی خواہش کو جان لیا تھا۔ یہ ایک حقیقت ہے  
کہ شخصیتوں کی تشکیل میں ہوشیاری کی کار فرماں رسی ہیں:  
مثلاً چین کا ایک ممتاز فوجی جرنل ہو سو۔ **سنگھت سنگھ**  
بچپن سے شاہد تھا کہ ایک آدمہ و دار فستہ مزاج شخص تھا۔  
اس کی یہ ابتدائی زندگی، فینٹ نوشی اور وحشیانہ زندگی میں گزری۔  
اس کو فوجی میں اس نے فوشاریاں کیں اور تعیش پرستی  
میں وقت گزارا۔ تاہم یہ سیکس جب اس کے شباب کے زمانے  
میں آیا کہ اس نے سین کی کوششوں کی بدولت جمہوری  
حکومت کے قیام کی کوشش ہوئے لیکن، انقلابی تحریکات میں  
سب سے پہلی نواں حصہ لینے لگے اور چین کو بدست حکومت

سے نجات دلانے کی کوشش کرنے لگے۔ ان کوششوں کا علم جو دے  
کو بھی ہوا اس نے اپنی قدیم زندگی کی نعت ترک کر دی اور یہاں  
نوجوان اس زمانے میں کچھ تحصیل عمل کے بعد اس نئی تحریک میں  
شریک ہو گیا۔ آج اس کا شمار چین کے کئی کئی جہاد مشاہیر میں ہے  
اور اس کو چین کا ٹوش سنکو کہا جاتا ہے۔ چینی ٹوشنکو: غلطی  
اس بات کی شاہد ہے کہ اس کے ماحول نے اسے جاہل اور افسردہ  
سے ایک جہاز بنا دیا۔

نفسیات کے جدید نظریات اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ انسان کی زندگی پر اثر انداز ہونے والے اہم ترین عوامل اس دور کے ادبی حالات ہیں۔ مثلاً تخت میں جمعی کی عموماً پیداواریات کا تحلیل نہیں کیا جاتا چونکہ تخت کی دور میں بھی روحانیت اور حقیقی حسیب کا خالق نہیں رہا۔ ادبی حالات وہ اہم ترین ذریعہ ہیں جو کسی شخصیت کی تشکیل کرتے ہیں اور ادبی و معاشی حالات ایسی ہی شخص کی سیرت و کردار کی بھی شکل دے جاتے ہیں۔ اور یہ حالات شخص سے گزر کر قوم تک اپنا احاطہ کئے ہوئے رہتے ہیں۔ مثلاً افریقہ کے حبشی اپنی معاشی پس منظر و حکومتی کے باعث آج تک کوئی ممتاز مقام حاصل نہ کر سکے۔ حالانکہ کئی معجزوں نے اعلیٰ تعلیم بھی حاصل کی اور متدین ممالک میں بھی زندگی بسر کی لیکن انھیں ہمیں عزت کی نگاہ سے دیکھنا نہ گیا۔ یہ ایک کلی بات ہے کہ جس ملک کے معاشی حالات جیسے ہوں اس ملک کی معاشرت بھی ویسی ہوگی مثال کے طور پر جس زمانہ میں جاگیر کی نظامت رائج تھا تہذیب اور معاشرت کے جو اقدار تھے وہ سائنسی اقدار اس مٹی سے دور ہیں جس پر مل گئے معاشرت کی اس تبدیلی سے انسان کا مزاج بھی بدلا۔ اس کا انداز فکر بھی تبدیل ہوا۔ معراج اور انداز فکر کی تبدیلیاں شخصیت کی نشو و نما میں اہم ترین اثر رکھتی ہیں اور یہ تعلیم کرنا پڑے گا کہ احوال نے ہمیشہ انھیں خفیہ تینوں کو جنم دیا ہے شہوت کے طور پر یہ پیش کیا جاتا سب ہوگا کہ آج جس تہذیب پیدا

لگا اور اس پر غشی طاری ہو گئی جبکہ یہ روسی سپاہی خواہ مخواہ جنگ سے محاذ پر سے ہٹا اور فرنگ (تیارواری) کے ادارہ میں شریک ہو گیا۔ لیکن زخمیوں کی حالت کو وہ بھی دیکھ نہ سکا اور اسے وہاں سے ہٹا کر ایک جنگی کارخانہ میں بیجا گلیاں مار کر نرم دلی اور رفیق القبلی نے مجبور کر دیا کہ وہ محاذ سے ہٹ جائے۔ کسی پیل خانے میں آپ کو کئی ایسے شخص ملیں گے جو کسی جرم کی پاداش میں سزا جلتے رہے ہوں لیکن ان کے ارادوں میں جرم کا کوئی شاہد نہیں اور وہ پاک زندگی کا تصور رکھتے ہیں۔ پھر آپ کو ایسے جرم بھی ملیں جن میں سخت ترین سزائیں دی گئی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود مکر جرم کرنا چاہتے ہیں۔ ان تمام حالات میں انسان کی داخلی خواہشات کا بڑا کام ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ کچھ آدمی کا باپ ہوتا ہے یعنی بعض فطرتیں نشوونما پا کر اس کی شخصیت کا ایک اہم جزو بن جاتی ہیں اور ہمیشہ برقرار رہتی ہیں۔

نفسیات کے ماہرین کا ایک گروہ یہ بھی خیال رکھتا ہے کہ بعض اشخاص میں بے انتہا انفرادیت ہوتی ہے۔ ادنیٰ ہی انفرادیت انہیں ممتاز بناتی ہے مثلاً جہان کا گاندھی ہیں وہ اس دور میں ہندوستانی سیاست میں داخل ہوئے جب کہ موٹی لال نہرو اور ہارلک جیسے ممتاز سیاست تھے لیکن گاندھی جی کو ان کی زندگی ہی میں ایک اعزاز نصیب ہوا اور اس کی وجہ ان کا راسخ عقیدہ اور خود اعتقاد ہی ہے وہ اس دور میں بھی ہمسایہ پر پورا بھروسہ رکھتے ہیں اور اسے اپنا مسک ہی نہیں بلکہ اپنی جماعت کا بھی مسک قرار دیتے ہیں اس دور میں آپ کی شریک بننے والے خود ایک انفرادیت رکھتی ہے۔ اور یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ کئی شخص کی داخلی کیفیات بھی اس کی شخصیت کے میں ایک مقام رکھتی ہیں مثلاً مصطفیٰ کمال کی شخصیت کے نائنے میں ان کی خود داری کا بہت بڑا حصہ ہے۔ انگریزی زبان کا پہلا اور شہرہ آفاق ماہر.....

دوسرے دور میں جرنل دھرم دھرم جی جی جی جان بین نے لکھا ہے ہرگز نہ دکھا جاتا اگر بین کو قید نہ ہوتی اور

نہیں ہو سکا آج جتنی سادہ وجود ممکن نہیں اور اسی طرح آج سے ایک ہزار سال پہلے جو ہر یوم کے موجد یا بنی سلیمن کے وقت کرنے والے کا وجود ممکن نہ تھا۔

یہ ایک دلچسپ واقعہ ہے کہ، عرب کی تہذیب کی شخصیتوں کی اہمیت پر بھی بڑا اثر رکھتی ہے مثلاً جنگ کے آغاز سے قبل شہر موسولینی کے متعلق بڑی خوش انتہا دی تھی اور ساری دنیا انہیں خارج عقیدت ادا کرتی تھی کہ ان دو شخصیتوں نے اپنے اپنے ملک کو ترقی کی انتہا پر پہنچا دیا ہے۔ لیکن سات آٹھ سالوں کے اس عرصہ میں سارا ماحول بدل گیا۔ سارا اجتہاد تبدیل ہو چکا اور دنیا کی سیاسی و معاشی تنظیموں میں بھی ایک تغیر رونما ہو گیا۔ یہی دو ممتاز شخصیتیں آج ایک بلا قرار دی جا رہی ہیں۔ اس موقع پر نیولین کی زندگی کو بھی میں چٹین کرنا چاہتا ہوں ایک برمن صنعت کی کھچی ہوئی سوانح کا میں نے ترجمہ پڑھا تھا جس میں اس نے نیولین کو دنیا کا ممتاز ترین فاتح قرار دیا تھا۔ اس کے کچھ دلائل بھی جی ویز کی کھی ہوئی سوانح عالم پڑھنے کا اتفاق ہوا جس کے مطالعہ سے پہلے کتاب کا وہ تاثر پائی نہ رہا اور جب جرمینی نے روس پر حملہ کیا تو روس نے یہ تہلکا کی نیولین نے بھی روس کی تسخیر کے منصوبے باندھے تھے۔ اور وہ سین گراؤنٹک پہنچ چکا تھا لیکن اس کے ارادوں کو ناکامی ہوئی اور یہی شہر جرمینی کا بھی ہو گا۔ جب یہ دعویٰ کئے جا رہے تھے تو نیولین کے حلقوں میں تصور برقرار نہ رہا جو پہلے پیدا ہوا تھا۔ یہ واقعہ ہے کہ اس ایک صدی میں تسخیر اور جہاں بانی کے وہ تصور اب جو پہلے تھے اب بدل گئے اور ان بدلے ہوئے تصورات میں نیولین کی شخصیت بھی وہ برقرار نہ رہی جو پہلے تھی۔

شخصیت کی تشکیل میں جہاں خارجی حالات یا ماحول کی کارفرمائی ہے وہاں کسی شخص کے داخلی فطرت یا اس احساسات کا بھی بڑا دخل ہے۔ مثلاً حال میں میں نے ایک روسی کہانی پڑھی تھی کہ ایک روسی سپاہی نے ایک نامزد کو گولی کا نشانہ بنایا اور جب وہ تیغ اٹاتا ہوا گر پڑا تو یہ روسی سپاہی روئے

نکمی ہے اور ان کی تقریریں ہنگاموں اور نعروں کے درمیان ہوتی ہیں۔ ان کی شخصیات کی زندگی کی حالت ہی کی کافرمانیاں ہیں اور یہ اوقات کسی شخص کی وہ فنی کیفیات بھی اس کی شخصیت کو بنانے میں کام کرتی ہیں، اگرچہ فنی شخصیتیں بگڑی بھی ہیں تو انہی معاشی مادی حالات اور سیرت و کردار کی تبدیلی کا اثر ہوتا ہے۔ اس دور میں تشکیل و تخریب کا نغمہ بانی جاگڑہ لیا جا رہا ہے اور اب یہ کہہ کر زندگی سے اور شخصیت سے گریز نہیں کیا جاسکتا کہ۔

ہستی کے مست فربہ ہیں آج انبوہ اسدہ عالم تمام حلقہ دام خیال ہے

عابد علی خاں

وہ اس زمانہ میں غور و فکر کا عادی نہ ہوتا۔ لیکن کس متعلق مشہور ہے کہ وہ تنہائی پسند اور خاموش تھا۔ زمانہ نے اس کو یہ قوت دیا اور اس نے انگریزی زبان کا مشہور ترین ناول لکھا۔ حال ہی میں ایک انگریز مصنف نے جو ابراہام نہرو کے متعلق یہ لکھا ہے کہ ان کی کتاب - *India - A History* - ۱۹۶۸ء میں لکھی گئی ہے۔ اسے تو معلوم ہوگا کہ نہرو اپنی جگہ بہار کی طرح اہل اراکھتے ہیں لیکن ان کی اخباری تقریروں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ رائے قائم کرنے میں جلد باز ہیں اور میری سابقہ رائے کی مانند وہ یہ ہو کر - *India - A History* - ۱۹۶۸ء میں لکھی گئی ہے۔ جو ابراہام نہرو نے سکون و خاموشی میں

## جلووں کے شرار

رنگ و بکھت کافوں خیز جہاں  
وسعت ماضی میں بکھرے ہوئے نغمے نقوش  
کتنے خوابوں کے نہرے سائے  
ظلمتِ شب سے ہم آغوش ہوئے  
آج اک پر تو رنگیں کے سوا کچھ بھی نہیں  
صبح دم ڈوبتے تاروں کی طرح  
ایک بے جان تصور کے دیئے  
مسکراتے ہوئے جلووں کے شرار

سحر الہام

مسکراتے ہوئے جلووں کے شرار  
ناچنے ناچنے گل ہونے لگے، بجھنے لگے  
چشمِ میگوں کی چمکتی ہوئی صہبا کا رخسار  
حسنِ محبوب کی نو خیز بہار  
اور الفت کا وہ احساسِ جمیل  
چاندنی رات میں اک تازہ ستر تہ کن  
سارے ماحول پہ یلغار کرے  
ہر طرف نور ہی نور

ناچنے ناچنے گل ہونے لگے بجھنے لگے

# بید کی آبادی اور نام

شہر بیدریط سمندر سے (۲۱۰۰) فٹ اور حیدر آباد سے ۹۰۰ فٹ بلند اس وقت ایک فیصل کے اندر واقع ہے۔ یہ ایک قدیم شہر اور دکن کا ابتدائی پایہ تخت تھا۔ پرانی تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ دکن کے نام سے جب اس ملک میں آبادی ہوئی تھی اس کا دار الحکومت یہی شہر قرار پایا۔ دوسرے لفظوں میں اس کو لوہی بھی ادا کیا جاسکتا ہے کہ دنیا میں یہ دکن کے نام سے یہ ملک آباد ہوا تو اس کے ساتھ ہی یہ شہر مستقر حکومت تھا اس قدر پرانا اور تاریخی شہر یا آبادی کا حصہ دکن میں دوسرا نہیں ہے۔

اس میں اختلاف ہے کہ موجودہ آبادی ہی آیا یا زمانہ قدیم میں شہر تھا یا اس کے قریب دھوار میں وہ جمع آبادی واقع تھا۔ انقلاب زمانہ سے قدیم آثار باقی نہیں رہے اور نہ ہی فیصلہ آسانی اس وقت ہو سکتا ہے یہ بڑا پتھر اور گول ٹولیاں مضمون ہے جو ہم انشا اللہ تعالیٰ اپنی تاریخ بھینڈ میں لکھیں گے۔ ہماری رائے یہ ہے کہ موجودہ آبادی کا باقی اعظم المسلمین امیر شاہ ولی بھٹی ہے جس نے قلعہ ارگ بنایا اس میں کسی مورخ اور کسی شخص کو اتحاد بھی نہیں صاحب فرشتہ اور نیز دیگر مؤرخین جو واقعات اس شہر کی آبادی کے متعلق لکھے ہیں وہ قریب قریب اس کے جب سلطنت بھینڈی ملک دکن و تگیاٹ میں کبھی ہوئی اور اس کے بعد وہ ایک طرف بھر ہند تک جا پہنچے اور دوسری طرف ماس گادی سے بھی دور تک مل گئے پہلے بنگال اور ملک اڑیسہ اس سلطنت میں داخل ہو گیا تو ایک مناسب مقام پر دار السلطنت کے قیام کرنے کی فکر ہوئی اگرچہ کہ لوگوں کی طاقت ابتدائی دار الحکومت اور خاندان بھینڈ کے متعلق میں مبارک ہوئے کے بعد سے کچھ اس دور نہیں تھا۔ مگر غلط فہمی کو اس بات کی بڑی فکر تھی کہ اب وہاں کے خاندان سے بھی سفید اور خشتہ مقام منتخب ہونا چاہیے۔ چنانچہ اس نے لوگوں کے اطراف پارچا رستہ سبزی تک دورہ کر کے چپہ چپہ زمین کے

معائنہ کے بعد اسے یہ حصہ زمین بہت پسند آیا اور اس نے اس میں قلعہ بنا کر شہر آباد کیا۔ فی الحقیقت یہ امر واقعی معلوم ہوتا ہے اور جن دلائل پر مبنی ہے اس کا آج بھی ثبوت ہو رہا ہے۔ برصغیر کے بیدریط کے بیدریط کی آبادی کا حصہ دکن میں بیدریط کے لحاظ سے نہایت خوشگوار ہے۔ یہ نہایت لوگوں کے بیدریط کی زمین کی حالت بھی نہایت اچھی ہے۔ آبادی کی غرض سے ایسے دار السلطنت کے لئے جن زمین کی ضرورت تھی وہ سب صفیں بیدریط زمین میں موجود ہیں۔ یہ نرم پتھر کی بہاڑی پودے ہے۔ مشہور ہے کہ اسی زمین میں زعفران اور انعام کے ولایتی انگوڑ وغیرہ کی پیداوار ہوتی تھی۔ اب بھی انہوں نے دھارم وغیرہ کی اچھی پیداوار ہو سکتی ہے مگر یہ حکمران قیون کی کاشت بند ہو چکی ہے۔ اعظم المسلمین کی دانشمندی کا پتہ چلتا ہے کہ اس نے یاسی و سماجی غرض پر پہلے اس خطہ کو منتخب کیا جو فی الحقیقت دکن میں بہترین نظریہ نہیں رکھتا تھا۔ یہ امتیاز صرف اسی ملک کو ہے کہ جاس میں جنوب و مشرق میں سرخ زمین کی سطح واقع ہے جو مکمل بیدریط کی ملی آتی ہے اور اسی طرح شمال و مغرب میں یہ کاس میں تک جو ہر موسم میں اپنی خوبی کے لحاظ سے نہایت زیادہ منظم ہوتی ہے۔ ایک زندہ دل شاعر اس کی سرخ مٹی سے ساڑھوں کرکوں اور غبار خیال کرتا ہے۔

ازبرائے ماندن ششاق منزل کر دہ اند

خانک بدر را بخون عاشقان گل کر دہ اند

یہ بات دلوگوں کے کسی خطہ اراضی پر مشتمل ہے۔ اندریط کے واقعات بیدریط کے غرض یہ کہ بیدریط کی آبادی واقعی ایک نہایت خوش نما خطہ اور دلنیز مقام پر واقع ہوئی ہے اگرچہ کہ یہ مقام سطح سمندر سے ۱۲۰۰ فٹ بلندی سے ۵۰۰ فٹ حیدر آباد سے ۹۰۰ فٹ بلند ہے۔ ۱۵۰۰ فٹ سمندر سے ۲۰۰۰ فٹ (جو اس شہر و ضلع کے اطراف کے مستقر اضلاع میں) بلند ہے تاہم کوئی شخص یہاں پہنچ کر نہ اتنی ایسی بلندی کو محسوس نہیں کرتا

مشہور کر رکھا تھا یہ بات دکن میں کسی اور شہر یا پائنت کو نصیب نہیں ہوئی۔

سلاطین ہمنیب جو دکن میں حکومت حاصل کر کے عرصہ دراز تک کو س لمن الملکی بجائے رہے ان کو یہ بھی بخوبی معلوم تھا کہ دور بہا (بیدر) کے سوائے دوسرے شہر بھی تخت گاہ قدیم میں گران کی نظروں کو سوائے اس حصہ کے دوسری آبادی پسند نہ آئی۔

اس بات کی سلسلہ شہادت موجود ہے کہ دور بہا (بیدر) کی قدامت کے برابر سلاطین بھی دوسرے کو نہیں تصور کرتے تھے۔ اس کے سوا ہم ایک اور بات پر غور کرتے ہیں کہ کہنہ کے بعد باجی سلطنتیں مسلمانوں کی قائم ہوئیں۔ سوائے بریڈیہ سلطنت کے دوسری چاروں سلطنتیں تحلیل قوت کے ساتھ مشہور و معروف رہیں۔ ان چاروں سلطنتوں کی نگاہ ہمنیبہ بیدر پر ہی جو شخص بیدر پر قابض ہوتا وہ فی الواقع دکن کا ایک اور سلطان کہلاتے کا مستحق ہوتا تھا۔ اس کی وجہ وہی تھی کہ بیدر قدیم پائنت اور دارا حکومت تھا۔

حیدر آباد اور ازنگ آباد کو بھی قدیم پائنت تھے۔ ہی نہیں اس لئے زمین پر کوئی بحث نہیں کرتے۔ دولت آباد (دو گڈہ) کی نسبت بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ یہ مسیحی ہوئی کہ دونوں ازنگ آباد اور دولت آباد کو ہم ایک ہی معنام سمجھیں۔ البتہ زمین کو قدیم پائنت کی عزت حاصل تھی دکن کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والوں کو بڑے غور سے

اس بات کی طرف اپنے ذہن کو متوجہ کرنا چاہیے کہ اس کی وسعت کے لحاظ سے کتنے وارا حکومت یہاں ہوسکتے تھے اور کون کون سے ہوں گے۔ معمولی روایت یا قصہ کہانیوں پر قیاس کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ بیدر کے نام کے متعلق ایک فارسی خواں مورخ کا یہ خیال ہے کہ راجہ بدر نے (جو اس مورخ کا حقیقہ ہے کہ یہاں کا راجہ تھا) اپنے نام سے آباد کیا۔ لوگوں کو عزت میں لانے کی غرض سے جب قلعہ میں کوئی سیاح یا مسافر جاتا ہے تو حاشم کلا جوت

کیونکہ تدریجی طور پر بیدر کے اطراف میں جہرہ بدر ہوتا ہی گھائیاں ایسی واقع ہوئی ہیں کہ وہ ہیں ۳۰۰۔ ۴۰۰ اوکھیں ۵۰۰۔ ۶۰۰ فٹ کی بلندی سے دینہ بڑیکے بعد دیکرے ۱۵۰ فٹ چنچہ کنگر گڑے آئیوا لوں کو بیدر سے ۳۰۰ میل کے فاصلہ پر ایک گھاٹی ملتی جو ۶۰۰ فٹ بلند ہے اس سطح گھاٹی کا سلسلہ ۱۵۔ ۲۰ میل تک ایک ساتھ چلا آتا ہے اور یہ معلوم نہیں ہوتا ہے کہ یہ ایک گھاٹی پر مل رہے ہیں پھر اس کے بعد علوم ہوگا کہ ۲۰۰ فٹ کی ایک اور گھاٹی سامنے موجود ہے اس کو طے کرتے پر نہیں معلوم ہوتا ہے کہ بیدر کے قریب و حوا میں ہیں یا جو گڑے سطح اضطرار سطح بیدر کے دوسرے کے بنا۔ اور شاہ علی برادر کے گنبدہ آمل سے اسی طرح دکھائی دیتے ہیں شمال کے شمالوں کو فٹ (خاناں پور) سے ۳۰۰ فٹ کی گھاٹی سے بلندی کی سطح پر پہونچا ہے اور مغرب کے آئے والوں کو۔ سرسی۔ روراو۔ باؤکی۔ بیدل وغیرہ کے پاس اسی قسم کے بلندی پر چڑھتا پڑتا ہے۔ پھر کہیں میل یا دو میل تک سطح زمین کے بلندی کی سطح ملتا ہے جو

خوشنما معلوم ہوتا ہے۔ بیدر کے قریب (فصیل کے باہر کے حصہ میں) اب تک ناموراری ہے لیکن کوئی حصہ اونچے مقام پر ہے تو کہیں اس کے برعکس کہا جاتا ہے کہ زمانہ قدیم میں بیدر کا نام دورا ہما تھا جو مشہور راجہ ہمنیب کا پائنت تھا جس کی بیٹی دمن پر مالوہ کا راجہ مل عاضی ہو کر سلطنت دست بردار ہو گیا۔ انقلاب زمانہ سے جب اس خاندان کی سلطنت بھی تیار ملیٹ ہو گئی تو قسند ہار تخت گاہ بنا اور جب اس میں کئی راج ہو گئے تو کلیان اور درنگ کو یہ عزت حاصل ہوئی۔ پٹن چروا اور پٹن بھی دکن کے پرانے تخت گاہ کہلاتے ہیں اور اثر قدیم آثار جو اس وقت تک برآمد ہوئے ہیں وہ اپنے یا نیول کی شہادت بن کر میٹر کر رہے ہیں۔ خواہ کچھ دیکر بیدر کے جگہ مستدار کلیان اور درنگ پٹن چروا وغیرہ ہوئے ہوں لیکن قدامت اور عزت و شہرت اس خطہ زمین کو حاصل ہے۔ قدیم راجاؤں کے بھاٹ (مورخ) اور کتاب خوالوں (فنا خواتوں) نے اس کا نام دنیا بھر میں

لوگ بڑا دلیل اور مکان بھی تیار دیتے ہیں۔ مگر پڑا دوسرا  
چال کو کیا خاندان کے منکرانوں کا نام لفظ چوکیا کی اور دوسری پر  
محکم تھے۔ خاص وہ راجا (بیدل) کے اخیر راجاؤں میں کوئی  
چال کو کیا خاندان کا دیر نہیں تھا۔ اس زمانہ کے ایک فارسی  
مورخ کی یہ رائے ہے کہ زمانہ قدیم میں بہاؤ بائیں بن تھا  
اس کی وجہ سے اس آبادی کو بیدل کہتے ہیں حالانکہ سنسکرت  
میں بائیں بن کو بید نہیں کہتے۔

بہن نامہ۔ سراج التواضع۔ فرشتہ تاریخ  
مولف خان بہادر اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ بیدر کی  
آبادی کے پاس پہلے ہی سے حمبار بیدر موجود تھا۔ حمبار بیدر  
کے الفاظ سے ان مورخین کا مشنا کسی طائر یا چوکی سے  
ہو گیا کہ جنگی مقام کو قدیم حمبار سے میں حمبار کہتے تھے لیکن  
یہ واجب التظیم مورخین بیدر کی وجہ تسمیہ پر غور نہیں فرماتے۔  
مسلمانوں کی سلطنت جب ہندوستان میں قائم ہوئی  
تو انہوں نے اس شہر کا نام دہلی رکھ دیا۔ دہلی کے معنی آستانہ  
کے ہیں اور بیدر کا اسلام میں رواج رکھا کہ بیدر شہر کو  
مدینہ شریف کہہ دیا کرتے تھے۔ آج تک کے تمام مورخین مدینہ منورہ  
سے ہی اس آبادی کو تعبیر کرتے ہیں اور آج تک مدینہ کے  
معنی شہر کے ہوتے ہیں اور صرف شہر کسی شہر کا نام نہیں  
ہو سکتا۔ مگر ادب و احترام کے منظرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ  
وسلم روحی فائدہ کے مقدس شہر کو اس کے اصلی نام سے  
نہیں لپکا کرتے تھے بلکہ مدینہ طیبہ یا مدینہ منورہ زبانِ زعام  
ہو گیا۔

بہاؤ بائیں خلعے عباسیہ کے پایہ تخت بغداد  
میں منتقل ہے۔ کیونکہ عموا بغداد کو عرب دارالاسلام  
کہا کرتے تھے۔ اس زمانے میں بغداد کو بھی اپنے نام سے  
دنیا سے اسلام میں مشہور نہ ہوا۔ اور مسلمانین اسلام کے زمانہ  
میں دہلی کو خطیباً حضرت دہلی سے یاد کیا جانے لگا اور پھر  
بعض مسلمانین نے اس کو لفظ دارالاسلام سے ملقب فرمایا۔ اسی  
طرح دولت آباد کو حضرت سلطان محمد تغلق شہانہ نے دارالاسلام

دولت آباد کے قریب قلعہ کاہرہ سے شہر۔ تمام جہاں شہر کا فرقی مقام  
چلن کی آبادی زمانہ قدیم کے لحاظ سے آج کل کی جی سے کم تھی اسی طرح ہم  
آسانی اس کو سمجھیں کہ سلطان علاء الدین خلجی سکندری نے کنہن میں لڑائی  
خبر سے راجہ دیو گند میں پائی تھی اور دیو گند لڑائی نام موہن اس شہر  
یا پائنتخت اپنی کو چھوڑ کر دیو گند ہی کو سمجھتے رہے۔

کے خطاب علما و فاضلین میں بھی لقب کنہہ کر یا ہے (ملاحظہ  
ہو فہرست سکجات مرتبہ عامی)۔  
جیب حامی دین مسلمانین اسلام ہندوستان میں اپنا پایہ  
ہنسنا پورا (اندر پت) کے قریب دہلی کے نام سے قائم کر کے  
اس کی عزت و عظمت کے بڑھانے میں مستوجب ہوئے اور لفظ  
عباسیہ کے نائب ہو کر خود ہی شیخ الاسلام قاضی القضاۃ مقرر  
کرنے اور بیت اسلام کی اجازت لے چکے تو اسی دہلی کو حضرت  
دہلی کے معزز لقب سے ملقب فرمایا جس کا اثر خسر و کا شہر موجود  
ہے۔ دولت عثمانیہ عموا دنیا کے اسلام میں اسلام پول اور  
یورپ میں اب مالی سے مشہور ہوا حالانکہ اسلام پول لفظ  
کا نام نہیں اور اب مالی وزیر کا محکمہ ہے۔  
چونکہ مسلمانین بہنہ بھی نائب خلعے صاحب تھے  
وہ اپنے مستقر خلافت کو عزت سے یاد کیا کرتے تھے اس لئے  
اس کو ترکی لفظ بدر (آستانہ) سے موسوم کیا۔ شہر کا  
اصلی نام احمد آباد رکھا۔ جیسا دارالاسلام بغداد کا نام تھا۔ ایسا  
ہی بیدر کا نام احمد آباد سمجھا جائے۔ اس کے علاوہ یہ شہر  
جب تک سلطنت بہنہ کا پایہ تخت تھا ارض اقدس کے  
نام سے بھی مشہور تھا۔ یہ نام اور دارالحضرت اس شہر کی بڑی  
نسبت اور خلافت اسلام کا تعلق ہونے سے بادشاہ۔  
علماء و ذرائع و دارالافتاء میں عام ہو گئے۔ اس شہر کے متعلق  
ہم کو ابھی اور ذرا لکھنا باقی ہے۔ جبکہ دیو گند پر سلطان  
سکندری کا قبضہ ہو گیا تو اس نے اس کے اطراف کے انچلیج  
و جواہر میں اپنی سلطنت کو وسعت دی۔ اسی لحاظ سے اس کو  
سورہ میں دو ایسا تک مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا بہاؤ بائیں  
زمانہ میں کوئی راہ نہیں تھا بلکہ دو راہ طوائف الملوکی سے

کھنڈ ہو گیا تھا مسلمانوں نے اس موقع کی فداست  
اور حالات کو دیکھ کر اپنا خزانہ مقرر کر کے حصار بیدر سے  
منسوب کیا۔ اس میں اچھی مال ہے کہ وہ حصار بیدر کیا ہی  
آبادی بیدر ہے؟ مگر جو لوگ موقعی حالت کو دیکھ چکے ہیں وہ  
ایسی رائے نہیں رکھتے البتہ یہ حصار بیدر موجودہ آبادی (جیدہ)  
سے چودہ میل کے فاصلہ پر مغرب میں ہے جو ایک پہاڑ پرانگ  
اس حصہ کے کھنڈ پانچوں میں سے زیادہ لمبے پانی کی اونٹنوں

کر رہے ہیں۔  
غرض موجودہ آبادی کے متعلق سوئے اس کے کہ اس کے  
قلعہ اور آبادی کا بانی اعظم اسلامین اکبر شخص ہے ہم اور  
کوئی دوسرا رائے نہیں رکھتے۔ اس شہر کو اعظم اسلامین  
احمر شاہ ولی البہمنی نے ۱۵۲۷ء میں آباد کر کے پایہ تخت بنایا  
اور قلعہ کی بنیاد ڈالی۔

محمد سید بیدی

## غزل

رجوم غم میں راحت کی جھلک معلوم ہوتی ہے  
مجھے تاریکیوں میں کچھ جھلک معلوم ہوتی ہے

غیر اپنی محبت کا تقیہ سا ہوتا جاتا ہے  
کہ اب اشکوں میں کچھ خوں کی جھلک معلوم ہوتی ہے

محبت اصل میں شاید اسی کا نام ہے ہدم  
جو دل میں میٹھی میٹھی سی رسک معلوم ہوتی ہے

مجھے ڈر ہے ہی وجہ شکست دل نہ بن جائے  
جو دل میں دامن سی اک کشک معلوم ہوتی ہے

یہ کون آیا مریض عشق کی بیمار پرستی کو  
یہ کس کو بات کرنے میں جھجک معلوم ہوتی ہے

تیری دنیا میں شاید غم سے کوئی دل نہیں ٹالی  
دل ہر ذرہ میں غم کی جھلک معلوم ہوتی ہے

جسمیں اک خواب دیکھا تھا کبھی زلفوں کے سایے میں  
چمک دل میں کچھ اس کی آج تک معلوم ہوتی ہے

جمیل ملک

# قانون

(ڈیوڈ لائل David Laill) کا نفاذی  
 واقعہ (According to Scott's) کا ترجمہ  
 ہے جس میں انسان کے بلند و تکلیف نفسیاتی پہلوؤں کو اجاگر

کिया گیا ہے۔ (مر) ایک دن صبح ہی صبح کہ دفتر ابھی ابھی کھلا تھا اور سر جیمز ویڈربرن اپنے اجلاس پر پہنچے ہی تھے کہ ایک گاڑی گھر گھر کرتی دروازے پر رکی۔ ایک نو عمر خاتون اُتری، تیزی سے بیڑھیاں چڑھتی ہوئی دروازہ پر پہنچی اور دفتر کے بیرونی حصے میں داخل ہوئی۔

”مجھے ان وکیل صاحب سے ملنا ہے“ اس نے تیزی اور باریک آواز میں کہا۔ ”جوں کاروبار کے مد ہیں۔ ابھی۔ فوراً۔“ اس غیر معمولی درخواست اور انوکھی طرز نے ہم سب کی توجہ اپنی طرف مائل کر لی اور سب کے سب اپنی میزوں سے نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔ وہ بالکل نو جوان تھی۔ ۲۳-۲۴ برس کا ہو گا۔ دیکھنے ہی سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی سخت تردد میں مبتلا ہے۔ اس کا جنوبی انگشتان کا باجہ بے حد شیریں تھا۔ بدن شمال کی جھدی لڑکیوں کے برعکس نازک تھا۔ کسی کلرک نے اس سے نام پوچھا مگر اس نے پورا جواب نہیں دیا۔

”تھمارے سرٹو ویڈربرن مجھے نہیں پہچانتے“ اس نے کہا۔ ”کہنا ایک مصیبت زدہ عورت ہوں“ اس پیام نے سرٹو ویڈربرن جیسے شخص کی مشہور سخت ذہنی توجہ پھیلا دیا۔ وہ فوراً کمرہ میں بلائی گئی اور وہ دروازہ بند ہو گیا اور پھر کچھ دیکھ یا سن نہیں سکے۔ میرے افسر نے اس ملاقات کے سارے واقعات مجھ سے بے کم و کاست بیان کر دیے۔ اس میں یہ واقعہ غالب کے صیغہ میں بیان کر دیا گیا اور جہاں میرا اپنا تعلق ہو گا اس حصہ کو ترک کرنا چاہیو گا۔ سرٹو ویڈربرن کے پاس خانگی خطوط کا ایک طومار رہتا تھا اور وہ خط کھولنے کے بارے میں بڑے اولڈ فیشن واقع ہوئے تھے۔ ہر خط اپنے ہی ہاتھ سے کھولتے مگر چونکہ زیادہ خطوط بازی کے عادی نہ تھے۔ جس وقت یہ موقوف آتی ہے وہ خطوط کے ایک پلندے کو پیچھے جھرت سے ٹک رہتے تھے۔ اپنی کھولنے والی کرسی پر بیٹھے ہوئے انھوں نے ایک نصف دائرہ بنایا۔ سونے کے فریم والی ٹینک ٹاک پر درست کی اور نو وارڈ لڑکی کو غور سے دیکھنے لگے۔

”گدازنگ میڈم“ انھوں نے اسی متین آواز میں کہا۔ ”کیا میں آپ کا اسم شریف دریافت کر سکتا ہوں؟“

”میرا نام!؟“ اس نے بے بسی کے انداز میں دہرایا۔ ”میں اپنے نام ہی کے معاملہ میں آئی ہوں۔ بیچ بیچ میں اپنے کو منہ بہ من بیان کر رہی آئی“

”اس نام سے تو میرے کان سنا نہیں میڈم“ انھوں نے نہایت سنجیدگی سے کہا۔ ”میں دیکھ رہا ہوں آپ سخت مضطرب ہیں۔ فرمائے میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں؟“

”کسی بھی کام آپ میری پریشانی دور کر سکتے ہیں“ اس نے کہا اور پچھلی میں ہلکی جلدی دہرائے

”اتارنے لگی۔“ میں سمجھتی ہوں بچے کچھ اپنے متعلق بیان کرنا چاہے؟ ماں اور باپ دونوں بھی دلغ مغارت دے گئے۔ میرا اپنا نام گرتا رہا تھا۔ میرے والد محترم وال کے ایک عمدہ وار تھے اور میری ماں اسکاچی تھیں۔



اے انتقال کو گیارہ برس ہوئے اور جب سے ہم یہیں مقیم رہے۔ مگر میں سسک میں گزشتہ کے مقام پر پیدا ہوئی۔ دو برس قبل آتی تے بھی رحلت کی اور ان کے پچھے رہا وہ حق بنیں جس کی وجہ سے ہمیں بھلے شخصوں میں چھانوں بھیجی تھی مگر بند ہو گئی۔ اس وقت سے میں ایک مدرسہ میں ڈرائنگ کی اساتذی کا کام کرنے لگی۔

”بڑا دردناک واقعہ ہے میڈم۔ مگر بغیر کسی غیر معمولی عنصر کے۔ اچھا آگے چلیے۔“  
 ”اچھی کے انتقال پر میں نے بکا بکا ماتانہ فزوح کر کے تجنن و تکین کے معارف ادا کئے اور ایک کمرہ کرایہ پر لیکر رہنے لگی۔ نیچے درجہ کے محلے میں رہنے کی مجھے کوئی پروا نہ تھی اور اس سے زیادہ کی مجھ میں اشتیاق بھی کہاں تھی چنانچہ میں نے ایک چھوٹا سا کمرہ کھیرل کے مکان میں لے لیا جہاں اور بھی بہت سے لوگ رہتے تھے اور اکثریت مردوں کی تھی۔“  
 وہ بیکار رک گئی اور سینہ پہ ہاتھ رکھ لیا جیسے اس کا دم گھٹنے لگا تھا۔ اس کی حالت سننے والے کو کھانا جسم ہمدردی بنے بیٹھے رہے۔

”اس سارے گھر میں مکاندارنی ہی ایک عورت تھی۔ اس نے عشت کے دن بکا دیکھے تھے اور اب قسمت تنگ دامانی کے ہاتھوں نیچے آ رہی تھی۔ میں اس سے بھی بہت کم ملتی تھی۔ بالکل اکیلی اور لنگی زندگی تھی میری۔ یہاں تک کہ ایک کرایہ دار کا ڈفتری بھیلن سے اتفاقی طور پر شناسائی ہو گئی۔“

”اس نے پھر ایک وقفہ لیا مسٹر ویڈر برن نے پہلے ہی سمجھ لیا کہ اب آگے وہ کیا کہنے والی ہے۔“  
 ”مجھے آپ کو تفصیلات میں الجھانے کی ضرورت نہیں“ حیرت انگیز طریقے سے وہ اپنی طبیعت کو قابو میں لاتے ہوئے بولی۔ ”اتنا کم دینا کافی ہے کہ ہم بہت گہرے دوست ہو گئے اور آپس کے ربط مضبوطی سے خفیہ شادی کی فوج آئی۔ وہ ایک طالب علم تھا۔ طب کا۔ اصل آپ کا دست نگر۔ اگرچہ وہ ہمیشہ شام میں بہت دیر دور کوٹ میں رہتے تھے اس نے کبھی ان کو اس واقعہ سے مطلع کرنے کی جرات نہیں کی۔ میں دیکھ رہی تھی کہ اس کے ڈگری حاصل کرنے سے پہلے ہمارا نکاح کر لینا اس کے لیے سخت مصیبت کا باعث ہو گا اور مجھے اس سے اس درجہ مشتاق تھا کہ میں اپنے لیے اس کا مستقبل تیار کر رہا تھا میں دیکھ سکتی تھی میں نے اسے قوف کرنے پر مجبور کیا۔ مگر وہ کب ماننے والا تھا۔ آخر خرابا بہا ہو گیا۔ وہ فوج میں بھرتی ہو رہا تھا اور پردیس جانے کا بھی بہت کچھ ہمسکان تھا۔ گزشتہ تین ماہ تک تو وہ نشانی میں رہا اور اب ہمیشہ شام میں اپنے گھر پر ہے۔“

”اس ساری مدت آپ کو تنہا چھوڑ کے؟“ مسٹر ویڈر برن نے ان اشارات میں ایک اور لفظ کا اضافہ کرتے ہوئے پوچھا جو وہ اپنی فوج میں دیکھتے جاتے تھے۔

”ہاں مجھے اس کی کوئی فکر نہیں تھی۔ میں آپ اپنے پیروں پر کھڑی تھی مجھے یہ بھی خیال تھا کہ اس کی تعلیم پوری ہو جائے۔ میں نے اس وقت تنگ انتظار کرنا فیصلہ کر لیا تھا۔ محوشتہ بننے وہ کھڑے بن گیا اور آج صبح مجھے یہ خط ملا ہے۔ وہ خط کہ اگر آپ نے مدد کی تو میں سمجھ لیجے کہ اس نے میری زندگی ہی کا خاتمہ کر دیا اور بدنامی و رسوائی کی صورت اٹک دکھائی۔“

کاشیے ہوئے ہاتھوں سے اس نے خط گر بیان سے نکالا۔ جب تک مسٹر ویڈر برن خط کا مطالعہ کرتے رہے وہ آنکھیں بند کئے کرسی پر دراز رہی۔ جب انھوں نے خط میز پر پھینک دیا تو چونک کے اٹھ بیٹھے۔

”محترم خاتون! انہوں نے کہا جس نسبت سے انہوں نے یہ دو کلمے ادا کئے اب تک کبھی ان کا لہجہ ارمقہر ملائم نہیں ہوا تھا۔“ ایک کہنے کا خط ہے۔ ایک سنگدل خود غرض بد معاش کا جواب ہے مقدس بندھنوں کو توڑ دینا چاہتا ہے۔ کتنا ہے کہ کوئی نکاح ہی نہیں ہوا تھا اور جس نے نکاح نامہ جتنا وہ کوئی سرکاری یا داری نہیں تھا اور یہ کہ اب آپ اس پر کوئی دعویٰ نہیں کر سکتیں۔ خیر یہ دیکھ لیجئے۔ دیکھ لیجئے۔ اچھا اب مجھے آپ سے کئی سوالات کرنے ہیں۔ میں جواب کے لیے کوئی جلدی نہیں کروں گا۔ ہر چیز کا انحصار ان کی صحت و صداقت پر ہے۔ فرمائیے یہ نکاح کب اور کہاں ہوا؟“

”مسٹر ورنر کی ایک دوست مسٹر فری کے گھر پر۔ ۲۴ نمبر۔ ولسوڈ سٹریٹ۔ اس نے فوراً جواب دیا اور اسی مختصر و جامع طریقے سے وہ ہر سوال کا جواب دینے کو تیار تھی۔“

”مائی ڈیر مسٹر ورنر“ انہوں نے الفاظ پر زور دیتے ہوئے کہا ”میں سمجھتا ہوں اس نام سے تمہارے جانے کی آپ اب بھی اسی قدر متحمس ہیں جتنے پہلے سمجھتی تھیں۔ آپ کے نااہل شوہر نے اس رسم کے ادا کرنے سے پہلے اسکا چٹان کے قوانین کی کچھ درقی گردانی ضرور کی ہوگی۔ معلوم ہوئے کہ وہ اس بات سے واقف نہیں جسے قانون کا ہر بندی جانتا ہے کہ اسکا چٹان کے قانون کے مطابق مرد اور عورت کا دو گواہوں کے مابین ایک دوسرے کو میلانی ہوئی قبول کر لینا میں شرعی نکاح کے مترادف ہے۔“

وہ لمحہ بھر جیسا ہی بیٹھی رہی۔ اس کے چہرے کی متماسک غائب ہو چکی تھی۔ وہ زرد پڑنے لگی۔ اس کے چہرے پر مردنی سی چھانے لگی۔ مسٹر ورنر برون گھر آئے اور کہیں وہ بیہوش تو نہیں ہوئی جاتی ہے۔

”گھر آئیے نہیں“ وہ بولی ”میں بیہوش نہیں ہو جاؤں گی۔ مگر اس نجات کا اثر بہت قوی ہے“

کچھ دیر وہ ساکت بیٹھی رہی اور مسٹر ورنر اس کے منبسط طبیعت کا دل ہی دل میں اعتراف کرنے لگے۔

”میں نے بڑی نادانی کی۔ کوئی مجھے میدان کرنے والا بھی نہیں تھا اور میں بے اعتدال سے چاہنے لگی۔ وہ بہولت کے ساتھ بولتی جاتی تھی۔ میں خوش ہوں کہ خدا مجھے اتنی کڑی سزا نہیں دے گا جتنی میں لوگ میرے لیے بہت ہو گیا۔“

اب میں زیادہ سزا کی مستحق نہیں۔“

مسٹر ورنر برون میلان تھے کہ کیا جواب دیں۔ وہ بے حد متاثر ہو چلے تھے گران کے پیٹنے کے اعتبار سے اس قدر فحش انقلابی بالکل روایت کے خلاف تھی۔

”پھر آپ کیا کوئی میڈم؟ کیا آپ اس معاملے کو میرے سپرد کر کے میری ہدایات پر عمل کر سکتی؟“

”اوہ ہر وجہ شہ۔“ ہدایت آپ دیں گے میں اس کی تعمیل کو حاضر ہوں۔ صرف دو باتوں کا میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔ اول تو یہ کہ میں اب آپ کے لیے نہیں بندھنے کی مطلب یہ ہے کہ میں اس کے پاؤں واپس نہیں جاؤں گی۔ دوسرے میرا موقف دنیا کے آگے واضح کر دیا جائے۔“

”یقیناً ایسا ہی ہوگا مسٹر ورنر۔ اس کے خاندان کو آپ کی منیت تسلیم کرنی اور آپ کا کفیل ہونا پڑیگا اور میں یہ سب ہوسکتے ہیں۔“

میں نے مسٹر ورنر کو جانتے دیکھا۔ ان کے چہرے سے انتشار کے آثار مٹ چکے تھے۔ ان کے جاتے ہی مسٹر ورنر برون نے مجھے اپنے کمرے پر بلایا اور ساری تفصیلات میرے آگے رکھ دیں جو میں نے ابھی ابھی اوپر



”تو ایسے میں اسے کچھ اضطراب نہیں ہوا۔“  
 ”ابی بہت۔“ ٹمٹم نے اپنی طبیعت کو سمجھ لے رکھا۔ غریب نے ایک لفظ بھی تو زبان سے نہیں نکالا۔ کہتی تھی ہر بات کا انحصار بھی پرہے کے من میں خوب جانتا تھا اگر چیک میں نے کہا نہیں کہ اسی پر ہر جیسٹر کا دار و مدار تھا۔ جب ہم پول پہنچے تو معلوم ہوا کہ ویر کوئٹ کوئی کچھ میل پرہے۔ اٹھائے راہ میں میں نے اسے اچھی طرح سکھا پڑھا دیا کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے۔“

وہ کیا؟ میں نے پوچھا۔ میرا اشتیاق ان کی چپ کو برداشت نہ کر سکا۔  
 ”بس یہی کہ اس وقت تک کسی ملحدہ کمرے میں عیسوی جب تک کہ میں کرنل ویر یا ان کی بیوی سے خود دل لوں یا دونوں ہی سے اگر وہ گھر پر موجود ہوں۔ ہم اچھے وقت پہنچے۔ وہ دو پہر کے کھانے پر بیٹے اور کرنل صاحب کے فارغ ہونے تک میں کچھ دیر انتظار کرنا پڑا۔ ہم ایک چھوٹے سے صاحبی کمرے (Hemling Room) میں ٹھہرے رہے۔ میں نے خانہ مال کو بھیجا کہ مجھے کرنل صاحب سے راز میں گفتگو کرنی ہے۔ اس نے مجھے کتب خانے میں لیجا بٹھا اور میری موکلہ اسی کمرہ میں رہتی تھی۔ ہمیں کتب خانے میں جمت“ میں جانتے ہوئے اس کے کان میں کہا۔ گو اس کی مسکراہٹ پھیل چکی تھی تاہم مجھے یقین تھا کہ وہ آخر تک اپنے کو سمجھالے رہیگی۔ ایسی عورت کی اعانت کرتے ہوئے دل میں مسرت و انبساط کیسے اُبلنے لگتے ہیں۔ سچ ہے۔ واللہ سچ ہے۔“

میں کتب خانے میں بیٹھا ہی تھا کہ کرنل صاحب داخل ہوئے۔ میرے دیکھنے میں تو ایک اداکار فوجی نظر آتے تھے مگر کچھ روکے پن کی آمیزش کے ساتھ۔ میں نے سلام کرتے میں فیصلہ کر لیا کہ جب تک منرو تیرنہ آئیں اپنے مطلب کا آئیک لفظ بھی زبان سے نہیں نکالوں گا۔ لآل! معاملات انسانی کے اس وسیع تجربے نے مجھے باا د کھا ایسے کہ عورت کی ایک مسکراہٹ قافون کی لاکھوں فنون ساز یوں پر حاوی ہوتی ہے۔ اس معاملہ میں اپنی موکلہ کے قانونی موقف سے زیادہ مجھے ”عورت کی گداز دلی“ پر بھروسہ تھا اگر چیک ابھی منرو دیر سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔“

”جناب کو دن مسودہ ہو“ کرنل صاحب نے اسی روکھے پن سے کہا جو ایک انگلستانی سے ایک ایسے اجنبی سے ملاقات کے وقت ظاہر ہوا ہے ملکی ملاقات کے مقصد سے وہ بالکل ناواقف ہے۔ ساتھ ہی میرے پیچھے ہونے کا رد کو وہ اس انداز سے دیکھنے لگے جیسے انھیں تعارف میں اس سے کوئی مدد نہیں مل رہی تھی۔

”آپ میرے نام سے متعارف نہیں“ میں نے کہا ”میں ایک وکیل ہوں۔ آؤ منبر سے اُتر جاؤں۔“ میرا معاملہ آپ کے صاحبزادے سے ہے مگر یہ معاملہ ایسا ہے جسے سب سے پہلے ان کے والد اور والدہ کے اگے پیش ہو جانا چاہیے۔“

اور والدہ کے آگے! کرنل صاحب نے دُہرایا۔ اور میں نے دیکھا ان کے چہرہ پر تشویش کا ایک ہلکا سا رنگ دوڑ گیا تھا۔

”اگر کوئی تکلیف وہ چیز ہو تو میرے خیال میں لیڈی ویر کو معاف ہی رکھیے تو بہتر ہے۔“  
 ”میں کچھ سٹپٹا سا گیا۔ مجھے اتوار ہے۔ میری موکلہ نے خاندان کا نام نہیں بتایا تھا۔ مجھے ایسا

محسوس ہوئے لگا جیسے معاملہ اُبھر نہیں سکا۔  
 ”مجھے انھوں نے کہ لیدی ویر کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ان کا مطلع ہونا لازمی ہے“ میں نے سر ہلوتے  
 جواب دیا ”مجھے لیک سوال کی اجازت دیجئے۔ کیا آپ کے فرزند ہندوستان روانہ ہو چکے ہیں؟“  
 ”ابھی نہیں۔ پیر کو روانہ ہو چکے ہیں۔“

”پھر گھر میں ہیں؟“  
 ”گھر میں ہیں“ کرنل صاحب نے دہرایا اور ساتھ ہی گھنٹی بجادی۔ ”میں تین کروں کہ آپ جو کچھ  
 بیان کریں گے اس سے میری بیوی کو کوئی صدمہ نہیں پہنچے گا؟“ انھوں نے جلدی سے پوچھا۔  
 ”مجھے اندیشہ ہے کہ یہ نتیجہ لازمی ہے۔ بات صرف یہ ہے کہ آپ کے فرزند نے  
 اسکا چتان میں ایک خفیہ نکاح کیا ہے اور میں یہاں سنسکرت میں رہتی ہوں۔“  
 ”کرنل صاحب کا چہرہ بالکل سفید پڑ گیا اور انھوں نے اضطرابی طور پر گھنٹی کو ایک اور جھلک  
 ”خفیہ نکاح؟“ انھوں نے دہرایا۔ ”ہیں معلوم تھا کہ وہاں اس کے کسی سے تعلقات ہیں اسنے  
 اپنی ماں سے یہ واقعہ بیان کیا اور معافی حاصل کر لی۔ میں نے اسے بیچم پر جھوٹا دیا تھا۔“  
 ”اگر آپ اجازت دیں تو ہم آگے بڑھنے سے پہلے لیدی ویر کا انتظار کر لیں۔“ میں نے لینتے  
 کہا۔ ”یا الفاظ مکمل میری زبان سے ادا ہونے کو پہنچے کہ وہ داخل ہوئیں۔ میں نے ان کے چہرہ کا جائزہ لیا۔  
 معاملہ سے تعلق رکھنے والی عورت ہی ہر چیز کا دار و مدار ہوتا ہے۔ اپنی مولا کے بارے میں مجھے سن سنے  
 گئی جب میں نے لیدی ویر کے چہرہ کا گہری نظر سے جائزہ لیا۔ ایک حسین چہرہ۔ عورت جیسی عورت کا۔ جو  
 ”ماں“ مٹی اور سب شیتوں سے پہلے۔ ان کے انداز سلام میں اجنبیت جھلکتی تھی۔ ان کے میاں نے جو  
 بے شبہ ان کے پرستار تھے فوراً کسی پر بٹھا دیا۔  
 ”یہ مجھے کتنا تعجب ہے بیچم“ میں نے انھیں کھپساتے ہوئے سنا۔ ”ہمت سے کام لو“ پھر وہ میری نظر  
 متوجہ ہوئے۔ بیوی کی کرسی سے کھٹکے ادا ان کے شانہ بہا تھ رکھے ہوئے۔  
 ”اچھا میسر وید برن ہم آپ کی بات سننے کو منتظر ہیں“

”میں نے تفصیلی رد و ادنا کر وقت ضائع نہیں کیا۔ اجمالی طور سے سچے واقعات ان کے آگے  
 رکھ دیے مگر اس میں اپنی ساری قوت استعمال کر لی۔ میں عدالت کے کمرے کے پاس بھی زور و کالت دکھا سکتا۔ مگر  
 مدد نہ دیکھا میرے الفاظ نے میدان مار لیا تھا۔“  
 ”فریبک؟“ لیدی ویر نے ایک سو کی ”ہمارا اگر پارہ! اس کے متعلق یہ سوچتے ہوئے کہ  
 وہ ایسے ہیماں سلوک اور دغا بازی کے نگاہ میں آلودہ ہے کس قدر دردناک معلوم ہوتا ہے؟“  
 ”جب میں اپنی تقریر ختم کر چکا تو وہ اٹھیں۔ میں نے دیکھا انھیں سخت صدمہ ہوا تھا۔ ساتھ ہی عجیب  
 یہ بھی تعجب تھا کہ ان کی بلند پایہ کیفیات، تحفظ و قہار کا پہلی احساس اور عدل گستری کا ناکام کر کے رہ چکے۔“  
 ”اگر آپ نے جو کچھ کہا ہے سچ ہے“ وہ بولنے لگیں اور ان کی شہر میں اور گھنٹی آواز بجیں بھی انھیں  
 نہیں کھاتی تھی ”تو ہمارے لیے جس ایک ہزار اہل کلی ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ میرے بچے کی بیاہتی سے ہمارا انتقال

فرزدی ہے۔ اُسے یہاں آنا چاہئے اور فوراً آنا چاہئے۔“  
 وہ میڈم دے میں خوشی سے چلا اٹھا کیونکہ اس قدر فرزدی بہت مطلوب کامیے گمان بھی نہ تھا۔ وہ پہلا  
 موجود ہے اور بازو والے کمرے میں بڑے۔  
 انھوں نے مجھے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا اور دوسرے لمحہ وہ کمرہ سے باہر جا چکی تھیں۔

میں نے ان کا مطلب سمجھ لیا تھا۔ ان کے جانے کے بعد منٹ بھر تک کمرہ پر خاموشی چھائی رہی۔  
 ”کیا یہ حیرت کی بات نہیں؟“ آخر کرنل صاحب بول اٹھے۔ ان کے چہرے کی جلد کے نیچے کرب  
 و آزار گھٹ رہے تھے۔ ”کیا یہ حیرت کی بات نہیں کہ ایسی عورت کا شکم زرا ویسی حرکت کرے جو میرے لڑکے  
 کا ڈری نے کی ہے؟“ نظریۂ تواریخ کی ساری دلیلیں پاش پاش ہوئی دھڑکی ہیں۔

”ہر کچھ دیروں ہی لٹکھو کتے رہے۔“ کرنل صاحب بری طرح متاثر ہو چکے تھے۔ آخر انھوں نے  
 جلدی سے معافی چاہی اور جھٹ سے کمرہ سے باہر نکل گئے۔ میں اپنے خیالات کے میدان میں شہسواری کرنے  
 کو آزاد چھوڑ دیا گیا۔ دس منٹ بعد غناساں آیا اور صبا بھی کمرہ سے بلا دالا گیا۔ جب میں کمرہ میں داخل ہوا  
 تو دیکھا کہ ان تینوں چیزوں نے اپنا اپنا اقتضا پورا کر لیا تھا۔ ”عدل“ حق اور عورت کی گداز دلی“ اور باقی سے  
 میری موکلہ کی پیاری صورت اور جاؤ و نگارو جاہت نے منٹ لیا تھا۔ مگر ابھی اس عجبہ میں الم کی چاشنی  
 پیدا ہوئی باقی تھی اور یہ اس وقت پیدا ہوئی جب شکا ڈری ویر ایک مریڈر لاطلی کے ساتھ طبیبی کے  
 انتہائی میں لے اندیشہ منظر پر گیا۔ میں اس کی وہ صورت بھی نہیں بھولوں گا۔ بس مروئی ہی تو  
 چھائی اس کے چہرہ پر۔ بالکل بے جان نظر آنے لگا۔ اس کی سیمی لوجوان دھن جس سے وہ دلچسپ تھا  
 اور بدنام کر دینے میں کچھ بھی باقی نہ رکھا تھا۔ دوسرے سوانی ہاتھ سے اپنا ہاتھ چمڑے کے ایک طرف لوہوئی  
 کرنل صاحب نے سینہ پر ہاتھ باندھ لئے اور لڑے کو کھونٹے لگے۔ خدا ایسی ہیبتی ہوئی نظروں سے پناہیں  
 رکھے۔

”کیا آپ بتا سکتے ہیں۔“ انھوں نے عجب دار آواز میں پوچھا۔ ”کہ ایک ہونہار سپوت کے بجائے  
 ایک کینہ ہمارے بے سند سے کس قدر تکلیف دہ نہ ہو گا؟“  
 ”الفاظ نے کورے کا سا تیراؤ لگایا۔“ خیالت کی کڑواہٹ اور تھماہٹ سے اس کے زنا  
 تپنے اور جھلنے لگے اور وہ ہاتھ ملنے لگا۔ مگر اس نے زبان نہیں کھولی اور بولتا بھی تو کیا بولتا۔ کس منہ سے  
 بولتا؟ اپنے کروت اس پر عیاں تھے۔ وہ خط جو اس پر لغزش کر رہا تھا، اور جس نے ایک عورت کا کچھ  
 پچھوڑا لٹھا، میز پر کھلا پڑا تھا۔ وہ الفاظ جو اس نے اعتذار میں تھائے تھے ہونٹوں ہی پر پھیل کے رہ گئے  
 میں اس منظر کی تفصیلات پورے طور پر جسن کر نے سے قاصر ہوں۔ جب اس لمحہ کی شدت کشائش  
 اور تناؤ میں تھکلا پڑا ہوا تو پھر لٹکھو ہونے لگی آخر میں سب ایک سمجھوتے کی طرف آنے لگے۔ اتنے  
 میں میری موکلہ کچھ بولنے لگی اور میں سمجھتا ہوں ابتداء میں کسی نے اس کی بات سنی بھی نہ ہوگی۔  
 ”میں جس مقصد کے لئے آئی تھی حاصل کر چکی“ وہ صاف صاف بولنے لگی اور اس نے لیڈی  
 ویر کے چہرہ سے نظریں نہیں ہٹائیں۔ میں نے بھی طرح سے ثابت کر دیا ہے کہ میں آپ کے فرزند کی

شرعی اور جائز ہو ہی ہوئی۔ میں آپ کی شفقت اور مہربانی کو کبھی نہیں بھولوں گی۔ اب رہا "ان" کا معاملہ تو میں اپنی خوشی سے دوبارہ ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھوں گی۔ اور نہ بھی منہ لگاؤں گی۔ مسٹر ویڈربرن! اگر آپ تیار ہیں تو بسم اللہ ہم روانہ ہو جائیں۔"

"میں نے دیکھا اس کی طاقت جواب دے رہی تھی۔ دوسرے لمحہ وہ بے قابو ہو جاتی ہیں۔ اس کا ہاتھ تھم لیا۔ مگر لیڈی ڈیرینچ میں آگئیں۔"

"مگر پیاری تو یوں تو نہیں جاسکتی۔ تو میرے بچہ کی دہن ہے۔ اس نے جو کچھ کیا سو کیا مگر اب تو تو ہمارے ہے۔ میرے کوئی بچی نہیں اللہ پاک نے مجھے نہیں بخشا ہے۔! آ رہا جا ہمارے ساتھ! میری موکلہ نے جلدی سے لیڈی ویر کا ہاتھ لے کے لبوں سے لگا لیا۔ میں نے اسے چھوڑ دیا اس کا رواں رواں کانپ رہا تھا۔"

"نہیں نہیں۔ میں نہیں رہ سکتی۔ مجھے جانے دیجئے" اور میں نے انہیں اشارہ سے کہہ دیا کہ یہیں جانے ہی دیں۔"

"رفتہ رفتہ سب ٹھیک ہو جائیگا" میں نے لیڈی ویر سے کھسپاتے ہوئے کہا۔

"میں سمجھتا ہوں وہ اس وقت حق پر ہے۔ بعد میں کوئی بھی راہ نکل سکتی ہے۔"

"میں انہوں نے مہربانی کی کہ ہمیں چھوڑ دیا۔ میں سمجھ چکا تھا کہ دنیا کی کوئی قوت اسے وہاں روکنے قادر نہیں۔ اس شخص کی صورت کا پیش نظر ہو جانا جس نے اس سے دعا کی تھی اس کی برداشت سے بالکل باہر تھا۔"

"یہاں مسٹر ویڈربرن نے ایک وقفہ لیا اور میں نے دیکھا اس واقعہ نے ان کے دل پر عجیب طرح اثر کیا تھا۔"

"تو کیا وہ واقعی آپ کے ساتھ اسکا چٹن واپس آگئی؟"

"یقیناً۔ آج شام میں لیڈی ویر کی قدیم قیام گاہ پر چھوڑ آیا اور میرا خیال ہے وہ پیر کے دن سے پھر تعلیم دینے میں مشغول ہو جائیں گی۔ اور یہ وہی دن ہو گا جس دن اس کا شوہر ہندوستان کی طرف کوچ کر گیا۔"

"ارے! تو پھر نیچر ہی رہا؟" میں ناامیدی سے پوچھ اٹھا۔

"نہیں بابا! میرے اثر نے اپنے سگریٹ کے دھوئیں کے مرغلوں کو تاکتے ہوئے جواب دیا ابھی نتیجہ باقی ہے۔"

(مزید)

محمد وقار الدین صدیقی

(ڈیوڈ لائل)

# ٹھوکریں

میرے دوست کسی بڑے مفکر کا قول ہے کہ عقل کا کام جذبات کے لئے راستہ صاف کرتا ہے۔ اگر آپ کی عقل نے آپ کے جذبات کی رہنمائی کی ہے تو یقیناً آپ کی زندگی بھئی ناول سے نا آشنا ہوگی اور آپ بھت کے بھیلوں سے دامن کش ہی رہے ہوں گے۔ خوش قسمت ہے وہ شخص جس نے محبت کے صدمے نہیں اٹھائے یقین جانئے محبت کا آغاز جس قدر پر کیفیت ہوتا ہے انجام اسی قدر تلخ۔ یہی ایک حقیقت ہے، جو انسانہ بنتی رہتی ہے۔ مگر ہم نے جذبات کی اندھا دھند پیروی کی ہے اور اسی جوش جنون میں ہم نے مٹا کی تھی۔ اچھا ہے دل کے ساتھ رہے یا سبائے نکلے، لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے۔

دل کی یہ کبھی کبھی کی تنہائیاں ہی تو غضب ڈھاتی ہیں۔ بھولی ہوئی محبتوں کی یادیں ہوتی ہیں۔ کچھ یاد آتا ہے اور دل کے رخم تازہ ہو جاتے ہیں۔ میرا سن چھ سات سال کا ہو گا، اپنے والد کے ساتھ میں ایک گاؤں میں رہتا تھا۔ ہمارے محلہ میں ایک بڑے زندہ دل ملازم رکھا رہتے تھے۔ میں اسکول سے چھٹ کر وہیں جاتا۔ ان کے پاس ایک عورت تھی وہ عورت مجھے ہر روز آنے کے لئے کہتی۔ وہ عورت گوری جی نہ تھی، حسین نہ تھی۔ بس ایک عورت تھی، جسے ہارمونیم بجانا آتا تھا۔ اور گا نا بھی آتا تھا میں وہاں گھنٹوں بیٹھا رہتا۔ بیٹھا گھورتا رہتا۔ اس عورت کو۔ اس گھانے بھانے والی عورت کو اور اندر ہی اندر میرا دل ایک عجیب گھلاوٹ سی محسوس کرتا۔ وہ گاتی، مجھے بھی ساتھ دینے کے لئے کہتی اور میں جب اس کے ساتھ گانے لگتا تو مجھے یوں محسوس ہوتا جیسے میری آواز ہی نہیں۔ میری زندگی بھی اس کا ساتھ دینے کے لئے تخلیق ہوئی ہے۔ کہاں میں چھ سات سال کا بچہ اور کہاں وہ بیس پچیس سال کی عورت۔ لیکن مجھے عمر سے کیا سروکار تھا میں تو اس کی آواز اور ہارمونیم پر ناچنے والی انگلیوں کا دیوانہ تھا۔ میں گھنٹوں اس کے پاس بیٹھا رہتا اور جب وہاں سے زبردستی اٹھا دیا جاتا تو راستہ بھر سوچتا رہتا کہ اگر کبھی میری شادی ہوگی، کسی عورت کو میں اپنی بیوی بناؤں گا تو وہ ایسی ہی عورت ہوگی۔ میرے والد کا تباہ دلہ ہو گیا تو مجھے اس گاؤں کو چھوڑنا پڑا۔ جانے سے پہلے میں اس عورت سے ملا۔ اس نے ایسا صندوق کھولا۔ اس میں سے۔۔۔ ایک قلم نکلا۔ کافر کا قلم، جس پر بھول پٹنے بنے ہوئے تھے۔ اس قلم کو اس نے میرے ہاتھ میں پکڑا دیا۔ کچھ دیر میری طرف تنگی باندھ کر دیکھتی رہی۔ مجھ سے ضبط نہ ہو سکا۔ میری آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ اس نے مجھے اپنی گود میں اٹھانیا اور میری پیشانی اور گالوں کو چومنے لگی۔ جب میں جانے کو ہوا تو اس نے مجھے ہاتھ کے اشارہ سے روکا اور ہارمونیم لے کر بیٹھ گئی۔ اس طرح دل لگا کر گانے لگی کہ میں رو پڑا۔ اسی طرح رونے ہوئے میں وہاں سے چلا گیا اور وہ بھی میرے ساتھ ہو گئی، میرے دل میں تیغی ہوئی۔ تینگ ہوا میں اڑتی ہے تو ڈوبی ساتھ رہتی ہے۔ لیکن اس محسوس محبت کی دھڑوٹ بجی۔ ایک نوخیز اہل لڑائی نے لوٹ لیا۔ مگر اس کا قلم اب بھی میرے پاس محفوظ ہے۔ جانے کب تک رہے۔ میرے دل سے کیسے دیالی یہ دوسری لڑکی میری رشتہ دار تھی۔



میں گمانے کا شوقین ہو گیا تھا۔ جب بھی موقع ملتا میں تائیں اڑاتا رہتا۔ جانے کس گیت کا اثر تھا کہ اس نے ایک دفعہ کچھ عجیب انداز سے دیکھا اس طرح کہ میرا دل زوروں سے دھڑکنے لگا۔ جیسے کچھ میں نے چرایا۔ اس دھڑکت میں اپنے زروں کی روک ٹوک اور نگرانیوں سے محبت کو چوری ہی سمجھنے لگا تھا۔ اس لڑکی کی نظروں نے مجھے نہیں کا نہ رکھا۔ میں ہر وقت اس کے خیال میں گرم ”کیا کرنا چاہئے“ ”اور کیا ہوگا“ کی ادھیڑ میں میں لگا رہتا ایک رات گرمی کے مارے برا حال تھا۔ سب کے پھونے باہر صحن میں بٹھ گئے۔ جس پلنگ پر وہ سو رہی تھی وہ میرے پلنگ سے ساڑاں تھا سات پلنگ میرے اور اس کے درمیان حائل تھے۔ مجھے اس رات نیند نہ آئی۔ پانڈی چٹکی ہوئی تھی اس نے موتیا کے چولہی اپنی چوٹی میں گوندے تھے وہ موتیا کے خوشبودار بھول وہ اس کا دیکھا چہرہ اور وہ اس کے پھیلے آنچے نیند نہ آئی۔ اتنے میں نور کی آندھی چلنے لگی سب کچھ ہڑا کر کھ بیٹھے اور پھر کے سائبان میں سونے کی مصلح ہوئی۔ سائبان کے قتبے بھی پھونوں کی دی ترتیب رہی۔ سات پلنگ میرے اس کے درمیان حائل رہے۔ آندھی کا زور بڑھنے لگا اور یکایک سائبان کا ایک بانس ٹوٹ گیا۔ سائبان اڑا اڑا دھم زمین پر تہا۔ میں ہڑا کر اپنے پلنگ سے اٹھا اور اس لڑکی کے پلنگ کی طرف دوڑ پڑا۔ وہ ہوشیار ہو گئی تھی لیکن اس حادثے سے اس کے ہوش و آس جاس ٹھکانے سے نہ تھے۔ میں نے بے اختیار اسے اپنے ہاتھوں پر اٹھالیا اور باہر نکل گیا۔ میرے اطراف سب گھبرائے جج ہو گئے۔ سب کی نظریں کچھ پوچھ رہی تھیں۔

اس تاریخ اور واقعہ کے بعد سے ہم دونوں کو ایک دوسرے سے ملنے نہ دیا گیا۔ کچھ عرصے بعد اس لڑکی کی شادی بھی ہو گئی۔ اب بھی میں کبھی کبھی اس لڑکی سے ملتا ہوں۔ وہ ہر دفعہ اس واقعہ کی یاد دلاتی ہے۔ کیا وہ کبھی نہ بھولے گی اس طرح یاد رکھ کر اور یاد دلا کر آخر اس کا مقصد کیا ہے؟ زندگی کھڑے آسمان پر بہنے والے کیلے ایسے ٹکڑے کی طرح سست رفتار اور بے سہارا ہوئی۔ دل کے ہر گوشے سے گرم سہارا ملنے لگے کہ پھر وہی چھوٹ۔ میں نے ان کو نہ دیکھا۔ انھوں نے مجھ کو دیکھا۔ ہاں بعض وسائل ایسے تھے کہ انھیں میرے بارے میں بہت کچھ معلوم ہو گیا۔ وہ اپنی سہیلیوں سے کہتیں ”میں ان سے محبت کرتا ہوں“ اور میں اپنے دوستوں سے کہتا ”وہ مجھ سے محبت کرتی ہیں“ اکثر ان کو شبہ ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے نفرت کرتے ہیں۔ لیکن یقیناً ماننے نہ ہم نے ایک دوسرے کو خط لکھے نہ کہیں ہماری ملاقات ہوئی۔ بس دل ہی دل میں شاید ہم ایک دوسرے کو پسند کرتے اور محبت کرتے ہیں۔ اور اسی محبت کی شہرت ہے۔ وہ اب بھی کہتی ہیں کہ وہ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ کون کہہ سکتا ہے اس محبت کا انجام کیا ہو گا؟ یہ محبت بھی ایک دن مٹ جائے گی۔ ہاں میں محبت کی پائیداری کا قائل نہیں ہوں۔ ایک تلخ تجربہ نے مجھے عورتوں اور محبت کا سنا لٹ بنا دیا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ محبت میں فریقین ایک دوسرے سے بے وفائی کی امید رکھتے ہیں اور ہر ایک اپنی ہی محبت کو ”جھوٹا“ ثابت کرتے ہوئے دوسرے کی محبت کو غرضی یا مصلحتی بتلاتا ہے۔ لیکن میں نے ان سے جو محبت کی تو میرے دل میں کسی مطلب یا غرض کا خائبہ تک نہ تھا۔ میں ان کے حسن یا شباب کا وارفتہ نہ تھا۔ مجھے ان میں ایک خاص کشش محسوس ہوتی تھی۔ ایک ایسی کشش جو صرف دل کی پاکیزگی اور گرمی کے زیر اثر پیدا ہوتی ہے۔ لیکن وہ ہمیشہ مجھ سے بدظن رہیں۔ آخر اسی بدظنی میں انھوں نے اپنے لئے ایک دوسرے مرد کا انتخاب کر لیا۔ میری خوش قسمتی یا بدقسمتی کہ اس نے

ان کے ساتھ دغا کی اور وہ پھر میری طرف متوجہ ہوئیں۔ میں اب بھی ان کے لئے اپنے دل میں محبت ہی پاتا تھا وہ بدستور بدظن ہیں۔ کہتی ہیں ”تم جھوٹے تنہا رہی محبت جھوٹی“ ان کی بدظنی انہیں نہ جانے اور کتنی غوکس کھلوائے۔ میں سوچتا ہوں جب ان کی بدظنی دور ہو جائے گی۔ کیا اس وقت بھی میں ان سے محبت کر سکوں گا؟۔ غایب۔

حسن اور محبت کی یہ پوشیں ہی کیا کم تھیں کہ ایک اور ”محبت نامہ“ وصول ہوا جنہیں میں ایک محترم خاتون سمجھتا تھا انھوں نے لکھ بھیجا تھا کہ ”رات کا کھانا“ ان کے ساتھ کھاؤں۔ وہ رات میرے لئے بڑی صبر آزار رہی۔ بڑا پر تکلف انتظام کیا گیا تھا۔ باتوں باتوں میں پوچھ بیچیں ”محبت کیا ہوتی ہے“ اور اس سوال نے ان کی آنکھوں میں وہ خاص چمک پیدا کر دی، جو محبت کی پیاس بھی جاسکتی ہے۔ میں نے انہیں اپنے سے دور رکھنے کے لئے اپنی محبت کی ساری داستانیں بیان کر دیں (ان میں زیادہ تر فرضی اور من گھڑت افسانے تھے) کہنے لگیں ”آپ تو جیسے رستم ہیں۔ ہمیں بھی سکھائیے نا محبت“۔ کون میں؟ بہر اداغ چکرانے لگا۔ وہ اس طرح گند ہو گئیں جیسے میں انھیں مایوس کر ہی نہیں سکتا وہ اپنے پلنگ سے انہیں میرے قریب سے گزریں۔ ان کا پلو میرے چہرے پر لہر ا گیا اور وہ گنگنا نے لگیں ”نیرے من میں بسوں گی۔ او“ میں وہاں سے بھاگ جانا چاہتا تھا۔ لیکن انھوں نے راستہ روک دیا ”آپ صبح جائیے۔ اتنی اندھیری رات میں آپ کیسے گھر جاسکیں گے“ کس طرح میں نے ان سے چھٹکارا پایا ہے، میرا ہی دل جانتا ہے۔ دوسرے دن میں نے اپنے ایک دوست سے رات کا واقعہ بیان کر دیا۔ اس دوست نے کسی سے کہا اور کسی نے ان سے کہہ دیا۔ بہت چراغ پائوئیں۔ مجھے بہت برا لگلا کہا اور جہاں کہیں بھی میرا ذکر آتا ہے۔ کہتی ہیں ”اس سے تو مجھے نفرت ہے“

محبت اور نفرت کے اس ہجوم میں دل دھوک رہا ہے۔ محبت کی آڑ لے کر بہت سی نادانیاں کر بیٹھے بہت سی کامرانیاں حاصل ہوئیں۔ لیکن اب دل کی تنہائی سے وحشت ہوتی ہے عقل کو آگے ہی آگے رکھنا چاہتا ہوں اور دل کی باگ مضبوطی سے تھما ہوا ہوں۔ اب اس کی سرکشی میری جان پر بنادے گی۔ لیکن ان حالات میں سکون اور یکسانیت زندگی کو کچھ اس درجہ بے کیف بنا دیتے ہیں کہ بے اختیار کسی ہلچل سے آشنا ہونے کو جی چاہتا ہے۔ لیکن میں اپنے کچھ عافیت سے باہر نہیں نکلتا۔ بیٹے ہوئے حادثوں کو یاد کرتا ہوں۔ سکون کے سارے بوجھل پردے چاک چاک ہو جاتے ہیں اور دل کی دنیا زبرد زبرد ہو جاتی ہے۔ نامعنی کے لئے میں اپنے حال اور مستقبل سے دامن کش نہیں ہونا چاہتا۔ ٹھوکروں سے سنہلے اور اپنی منزل سے قریب ہو چکنے کے بعد میں لوٹ کر پھر ان پتھروں میں گھرنا نہیں چاہتا۔ رکتناؤں، ٹانگوں اور موڑوں کے شے سرکھے پردوں کی اوٹ میں مجھے کھوئے ہوئے جلوں کی جھلک دیکھائی دیتی ہیں۔ لیکن میرے دل میں کوئی چنگاری نہیں چلتی۔ کسی سے میری مدبھیر بھی ہو جاتی ہے۔ بے دریاں، ٹھکانا تیں، عتاب اس کے سوا بھی کچھ ہونا میرے سر آنکھوں پر۔ لیکن اب میں کیا کر سکتا ہوں اور کوئی مجھ سے کیا چاہتا ہے۔ ان آنکھوں میں مجھے وہی پہلے کی سی ہمت افزائیاں تھکتی نظر آتی ہیں۔ ان کے حسن کی تینا جٹیں لٹاکر لٹاکر پوچھتی ہیں ”ہم نے مایوس کیا تو پھر تمہیں جینے کا حق کیسے ملے گا“ میں محبت کو نشاط زندگی سمجھتا ہوں۔

سواہن روح..... نہیں میں اپنی موت سے ایک بار اپنا دامن چھڑا لیتا ہوں۔ کہیں سے دعوت نامے وصول ہوتے ہیں۔ پھرنے سے ملنے کے جتن کئے جاتے ہیں لیکن میں پوچھتا ہوں۔ اس کے بعد۔ میری عقل کی نارسائیوں پر چل جاتے ہیں۔ دوسرے طریقوں سے سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ میرے ہاتھ کا پاں تو اس کو ہمیشہ سے بڑا مزیدار معلوم ہوتا ہے۔ بنا دوں۔ آپ کو یاد ہے وہ رات ٹانگہ سے ہم دونوں گر پڑے تھے۔ آپ اور میں۔ کس بری طرح گرے تھے۔ اچھا ہوا رات تھی۔ اور بھئی شادی کی تو میں قائل نہیں۔ آپ جو چاہیں سمجھیں ”میں پھر بھی کچھ نہیں سمجھتا ما سمجھتا بھی ہوں تو اپنی سمجھداری کو نا سمجھی کے پردہ میں چھپانا چاہتا ہوں۔ آپ تو بالکل بدل گئے۔ وہ جانی لیتی ہیں۔ میرے پاس ان کے لئے ”شب بخیر“ کے سوا اور کیا رہتا ہے۔

بعض اپنی شادیوں میں ملاتی ہیں۔ میں شریک ہوتا ہوں اور مجھے خوشی ہوتی ہے۔ بعض اپنی ”نئی ملاشوں“ سے تعارف کرانے کے لئے بلا بھیجتی ہیں۔ میں جاتا ہوں اور ان دو گرتاروں کی قسمتوں پر روتا ہوں کہ جس جال میں پھنسے ہو اس سے چھوڑ گے بھی تو ہائے ہائے کرنے کے لئے، چند دل والیاں ایسی بھی نکلیں جنہوں نے ”پریم سندلیہ“ جیسا۔ محبت کے کھیل میں متاثر ہونے کے لئے آواز دی۔ اپنی طوطہ سے ہر طرح الطینان دلایا۔ لیکن انہوں نے راکھ کی ڈھیر پر ہاتھ مارا تھا۔ گرمی محسوس نہ ہوئی تو انہوں نے اس ڈھیر کو پھونک مار کر اڑا دیا۔ اچھا یہ کیا! میری دعائیں ان کے لئے۔

اب بھاگتا ہوں سایہ عشق بتاں سے میں کچھ دل سے ہوں ڈرا ہوا کچھ آسمان سے میں یہ ”کارنامے“ اس شوہر کے ہیں۔ جو اپنی زندگی میں۔ میرا دوست اور اپنی بیوی کا پاکیزہ شوہر تھا۔ آج میری بیوہ بھائی مرحوم کی مصیبتوں اور وفا شعار یوں کا ذکر کرتے تھکتی نہیں۔ اسی کے سوگ میں اپنی زندگی گزار دینا چاہتی ہیں۔ ایسے فرشتے ہم انسانوں میں کہاں؟

## رشید قریشی

من کی دنیا۔ حیدر آباد کے نوجوان افانہ نگار رشید قریشی ایم کے افانوں کا نفیس مجموعہ ہے۔ افانوی ادب سے دلچسپی رکھنے والے ضرور اس کا مطالعہ کریں کتاب بہت دلچسپ اور انداز بیان نہایت شگفتہ ہے۔ ہر فائدہ عنائی خیال اور رنگینی بیان کا بہترین نمونہ ہے۔ اردو کے لئے ادب سے دلچسپی رکھنے والے اور ترقی پسند نظریوں کے پرستار ان افانوں کے مطالعہ سے ضرور محظوظ ہوں گے جو اصحاب اردو کے جدید ترین افانوں کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں وہ اس نوجوان مصنف کے ان پرکیت افانوں سے ضرور لطف اندوز ہوں گے۔ (صفحات ۱۶۰۔ قیمت جلد ص) سہل کی کتاب گھر سے طلب فرمائیے

# تنقید و تبصرہ

## عہد نبوی کے میدان جنگ

۱: ڈاکٹر محمد حمید اللہ استاد قانون جامعہ عثمانیہ  
مطبوعہ انتظامی پریس حیدر آباد دکن  
۵۶ صفحات کا ایک رسالہ ہے جو دراصل مجموعہ  
تحقیقات علمیہ جامعہ عثمانیہ ہیں۔ چھ سات سال قبل  
پہ جینیت مضمون کے شائع ہوا تھا۔ بعد کو لائق  
مولف نے نظر ثانی اور ترمیم و اصلاح کے ساتھ اسے  
کتابی شکل میں شائع کیا ہے۔

یہ کتاب اگرچہ مختصر ہے لیکن مولف نے عہد  
نبوی کی جنگوں کے حالات اور ان کے نکل وقوع  
نہایت تحقیق اور تامل سے تسلیم کئے ہیں اور چونکہ ان  
مقامات کا جہاں یہ جنگیں لڑی گئی تھیں موات نے  
نہ صرف چشم خود سنا ہے کیا بلکہ ان کے نو بھائی نے اور ہشتے  
بھی تیار کئے جو اس کتاب میں شریک ہیں اس لحاظ سے  
یہ کتاب بہت گراں قدر اور ہر معلومات کی حامل بن  
گئی ہے۔ اپنا نیک خدو ات نبوی سے متعلق زیادہ تر تاریخی اور  
روایتی واقعات کتابوں میں درج کئے جاتے تھے لیکن  
ڈاکٹر حمید اللہ نے پہلی بار سائنٹفک نقطہ نظر سے ان روایتوں  
پر نظر ڈالی ہے جس کے مطالعہ سے نہ صرف عہد نبوی کی جنگوں  
کے اسباب ذہن نشین ہو جاتے ہیں بلکہ اس امر کا بھی پتہ  
چلتا ہے کہ مسلمانوں نے پیغمبر اسلام کی قیادت میں کس طرح  
اپنے دشمنوں کو مغلوب اور مغلوب کیا تھا اور جنگ کرنے  
کے کتنے اچھے ڈھنگ انھوں نے رائج کر دیے تھے۔

یہ کتاب اس قابل ہے کہ نہ صرف تاریخ اسلام  
بلکہ عام تاریخ اور سیاسیات کے طلبہ بھی اس سے مستفید  
ہو سکتے ہیں۔

از محمد ناصر علی ایم اے  
ہندوستان کے معاشی مسائل

مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس حیدر آباد دکن  
تقریباً چار سو صفحات کی ضخیم کتاب ہے جس میں  
مولف کے تیس تیس مضامین یک جا کر دیے گئے ہیں۔  
ان سب مضمونوں کا تعلق ہندوستان اور حیدر آباد کے  
معاشی مسائل سے ہے۔ ناصر علی صاحب جامعہ عثمانیہ  
کے ایک لائق تعلیم یافتہ ہیں اور اس سے قبل انھوں  
نے کئی مضامین اور کتابیں لکھیں اور شائع کی ہیں۔  
معاشیات پر جتنا تحریری کام اردو میں انھوں نے  
گزشتہ چند سالوں کے قلیل عرصے میں کیا ہے اتنا کام  
کسی اور شخص نے یا کسی اور زمانے میں اس زبان میں  
نہیں کیا گیا۔

وہ اپنے مضمون پر بخوبی حاوی ہیں اور عوام کو  
معاشی مسائل سمجھانے کے لئے جس انداز بیان اور نقطہ  
نظر کی ضرورت ہے اس سے اچھی طرح واقف ہیں۔  
توقع ہے کہ ان کی یہ کتاب بھی پڑھے لکھے لوگوں میں  
ہندوستان کے معاشی مسائل سے متعلق ضروری  
معلومات میں اضافے کا باعث ہوگی۔

**فتم اک** - از جہاں بانوبیکم کچھ رارادو کلیہ امانت  
جامعہ عثمانیہ

جہاں بانوبیکم حیدر آباد کی ان تعلیم یافتہ خواتین  
میں سے ہیں جنھوں نے اپنے ذوق ادب اور لٹریچر و ادبی  
کی بنا پر ملک محروسہ کے باہر بھی اچھی شہرت حاصل  
کی ہے۔ ان کے ادبی و تنقیدی مضامین کے دو جلد  
مجموعے اس سے قبل شائع ہو چکے ہیں۔ یہ کتاب بھی  
ان کے مزاج اور سماجی مضمونوں کا ایک دلچسپ  
مجموعہ ہے۔ اس میں چھوٹے چھوٹے ستائیس مضمون  
شریک ہیں۔ جہاں بانوبیکم کا اسلوب بیان بہت  
دلچسپ ہے اور ان کی سرعبارات میں ایک خاص شوخی  
اور طنز کی جھلک نظر آتی ہیں۔ وہ اپنے مضمونوں میں  
محاسن کو بھی طنزی میں تبدیل کر دیتی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ

یہ کتاب اگرچہ ایک باضابطہ سفرنامہ افغانستان نہیں ہے لیکن ہندوستان کے ایک مشہور عالم و فاضل کے ایسے احساسات پر مشتمل ہے جو انھوں نے افغانستان کے سفر کے درمیان قلمبند کئے تھے اس لئے اس کی اہمیت ایک معمولی سفرنامے سے بہت زیادہ ہے۔

**یونان اور روما کے نوکھے قصے**  
ناشر- حیدر آباد  
بک ڈپلو۔

اس چھوٹی سی کتاب کے مصنف اجمد علی صاحب ہیں۔ جو اس سے قبل معمولی اور تاریخ حسن کاری کے موضوع پر مختلف کتابیں شائع کر چکے ہیں۔ یہ کتاب بھی انھوں نے اپنے ذوق حسن نگاری کی تشریح ہی کی خاطر لکھی ہے۔ اس لئے کہ قدیم حسن نگاروں نے یونان و روما ہی کے دیومالا کے کرداروں کو تصویروں اور مجسموں کے قالب میں ڈھالا ہے جن کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ان قصوں سے واقفیت ہو جن پر قدیم مصوروں اور مریت تراشوں کی تصویریں اور مجسمے مبنی ہیں۔ یوں بھی اردو زبان میں انگریزی اور یورپین زبانوں کے توسط سے یونان اور روما کے مختلف افسانوی کرداروں کے نام اور حوالے نظر سے گزرتے رہتے ہیں لیکن اردو میں کوئی ایسی کتاب اب تک شائع نہیں ہوئی ہے جس میں ان تعلیمات کی تشریح کی گئی ہو اس لئے یونان و روما کے نوکھے قصوں کا یہ مجموعہ دلچسپی سے پڑھا جائے گا اور افسانوی لطف کے علاوہ پڑھنے والے کو یونان اور روما کے دیومالا سے بھی واقف کرائے گا۔

**دلکش شخصیت**  
از بروزجی فیروز شاہ تارا پوری  
ناشر- راج پبلشنگ ہاؤس حیدر آباد  
یہ کتاب مشہور مفکر و ماہر نفسیات مسٹر ایف اوس کی انگریزی کتاب ویننگ (Winning) کی

اردو ادب میں اب تک خواتین کی جو کتابیں یا مضامین ہم دست ہوئے ہیں ان سبھوں میں جہاں باؤ بیگم کی کتابیں اپنے طعن و طنز پر ایک خاص حیثیت رکھتی ہیں۔ عہد حاضر کی خواتین میں وہ اپنے اس مخصوص انداز کی وجہ سے بہت ممتاز ہیں اور ان کی یہ تحریریں اردو کے مزاحیہ اور طنزیہ ادب میں اضافے کا باعث ثابت ہو رہی ہیں۔ جو لوگ دنیا کو اس خاص نقطہ نظر سے دیکھ کر خوش ہوتے ہیں ان کے لئے اس مجموعہ مضامین کا مطالعہ بہت ہی دلچسپ ثابت ہوگا۔

**سیر افغانستان**  
از سید سلیمان ندوی مطبوعہ  
نفیس الکیڈمی حیدر آباد۔

۱۹۳۳ء میں نادر شاہ دہلی افغانستان نے علامہ اقبال، سر اس مسعود اور سید سلیمان ندوی کو کابل آنے کی دعوت دی تھی تاکہ ان تینوں کے مشورے سے افغانستان میں نظام تعلیم کا ایک اچھا سلسلہ قائم کیا جائے۔ چنانچہ یہ تینوں اصحاب اکتوبر ۱۹۳۳ء میں کابل گئے اور وہاں دو چار روز قیام کیا اس مختصر قیام میں نادر شاہ اور ان کے عاملہ سلطنت اور افغانی ناملوں اور ادبوں سے ان تینوں نے مختلف مسائل پر تبادلہ خیال کیا اور اپنے مشوروں سے مستفید ہونے کا موقع دیا۔

زیر نظر کتاب میں اپنے اپنے ہم سفروں کے تجربات سفر کو مولوی سید سلیمان ندوی نے اپنے سلیبس اور دلچسپ انداز میں قلمبند کیا ہے اور ہر جگہ ان کے قلم سے ایسے درد مندانه اور پر کیفیت خطے نکل پڑتے ہیں جن کے مطالعہ سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک حساس اور صاحب ذوق عالم اپنے شاگردوں کو ساتھ لئے ہوئے سفر کر رہا ہے اور انارکسی تحقیق و تاریخ کے ساتھ ساتھ مزید مطالعہ کے لئے دوسرے ماخذوں کی طرف بھی توجہ دلاتا جاتا ہے۔

تالیف کی وجہ سے جامعہ عثمانیہ کے فیض یافتوں میں ایک خاص درجہ رکھتے ہیں۔ انھوں نے اس سے قبل ترقی پسند ادب پر بھی ایک کتاب شائع کی ہے۔ اور ان کی نظموں کا ایک مجموعہ ”ماہ نقا اور دوسری نظیں“ ادارہ ادبیات اردو کی طرف سے شائع ہو چکا ہے۔ زیر نظر ناول حیدر آباد اور ہندوستان کے ان نوجوانوں کی سماجی زندگی اور ذہنی کشمکش کا ایک بہترین آئینہ ہے جو ہندوستان سے باہر خاص کر یورپی ممالک کو انجمن کے لئے جانتے ہیں۔

اس کے کردار اور اس کا خاکہ کم ہر قدم پر نوجوانوں کی گریزی خصوصیات کو واضح کرتا جاتا ہے۔ اس کتاب میں پلاٹ کے علاوہ اس وجہ سے بھی ایک طرح کی دل کشی پیدا ہو گئی ہے کہ اس میں عام ناول نگاروں کی طرح محض سنی سنائی باتوں پر قصے کی تعمیر نہیں کی گئی ہے بلکہ مصنف نے زندگی کے ان تمام شعبوں کا مشرق اور مغرب میں بہتیرا خود معائنہ کیا ہے جن کا ذکر اس ناول میں نہایت ہی خلوص اور بے باکی کے ساتھ کیا گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ناول خود مصنف کا سفر نامہ یورپ ہے۔

یورپی زندگی کی عام عریانی اور اخلاق باختی کو مصنف نے بعض جگہ اتنی بے تکلفی سے بیان کیا ہے کہ عریانی بھٹکنے لگتی ہے۔ کتاب کا اسلوب جدید اور ترقی پسند

ادب کی اکثر کتابوں کی طرح نہایت بے باک ہے لیکن زبان میں شائستگی اور نفاست بھی پائی جاتی ہے۔ توقع ہے کہ یہ ناول جدید اردو ادب میں بے باکی اور شائستگی کے امتزاج کا ایک اچھا نمونہ ثابت ہوگا۔

**نئی زندگی** - ڈیٹر سید انیس الرحمن صاحب قیمت اسپیشل نمبر ایک روپیہ - چند سالانہ -

چھ روپے لٹنے کا پتہ دفتر نئی زندگی اہل آباد

پرسنیا لٹی کا اردو ترجمہ ہے۔ منترجم برزنجی فیروز شاہ حیدر آباد کے ایک صاحب ذوق پارسی بزرگ ہیں جن کو اردو ادب اور تصنیف و تالیف کا بھی بڑا اچھا ذوق حاصل ہے۔ جتنا بڑا انھوں نے اب تک اس زبان میں کئی کتابیں تالیف و تصنیف کی ہیں جن میں برادر شاہ کے ڈرامے، جوان آف آرک کا ترجمہ مظلوم و مخیر بہت مقبول ہو چکا ہے۔

زیر نظر کتاب ایک شہرہ آفاق اور مفید انگریزی کتاب کا ترجمہ ہے اور اس کا مطالعہ ہر ایسے نوجوان کے لئے ضروری ہے جو اپنی زندگی میں کامیابی اور ترقی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ یہ کتاب چار ابواب پر مشتمل ہے جن کے عنوان ہیں شخصیت، شعوری شخصیت، نیم شعوری شخصیت، اور علی شخصیت۔ ان چاروں ابواب میں متعدد ذیلی سرخوں کے تحت بے سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ زندگی کو کامیاب اور خوش بنانے کے لئے انسان کو کیا طریقہ اختیار کرنے چاہیے واقعہ یہ ہے کہ یہ ایک بہترین اصلاحی کتاب ہے اور اگر اس کے تمام ہوئے طریقوں پر عمل کیا جائے تو بہت سی داپوس اور ناکام زندگیاں امید اور کاروائی سے مملو ہو جائیں گی۔

انگریزی کتاب کا اسلوب بیان خشک اور ناصحانہ ہے مترجم نے اپنے اردو اسلوب کو خلقت اور کاروباری بنانے کی کوشش کی ہے جس کی وجہ سے پڑھنے والے پر کسی قسم کا دائمی بوجھ محسوس نہیں ہوتا۔ توقع ہے کہ طلبہ، عوام اور کاروباری اصحاب اس کتاب کو پڑھ کر اپنی زندگیوں کو سنوارنے اور اپنے کاروبار کو آگے بڑھانے میں کامیاب ہوں گے۔

از عزیز احمد - ناشر مکتبہ جدید لاہور  
گرہ نمبر یہ ایک ناول ہے جس کے مصنف عزیز احمد سابق کچہرا انگریزی جامعہ عثمانیہ اپنے ذوق تصنیف و

یہ شاید ناقص کتابت کی وجہ سے۔ خصوصاً جھلج کی جگہ بھاؤہ ایک جگہ بری طرح ٹھٹھکتا ہے۔ معلوم نہیں یہ تائیت کی تائیت کیسی۔ فارسی ترکیبوں کا بے جا استعمال اگر یہ ترک کر دیں تو زبان بڑی حد تک سدھر جائے۔

افسانہ زرین مترجمہ اسماء صاحبہ۔ قیمت ۱۱۲ صفحے طے کا پتہ۔ اردو اکیڈمی لاہور۔

ایک امریکی مصنف کی کتاب کا ترجمہ یہ افسانہ پیش لفظ فیض نے لکھا ہے اور اس کو شش کو سراہا بھی ہے۔ لیکن درحقیقت ترجمہ اس فن کا نام ہے جو اصل مصنف سے کتاب کو چھین لے۔ آئندہ کوشش شاید کامیاب ہو۔ اس ترجمہ میں تو کوئی دلچسپی نہیں مگر شاید کہانی کی صرف قصہ کی خاطر پڑھنے والے اسے پسند کریں۔

ازادھیکاری مترجمہ سویت یونین کی قومیں احمد حسین صاحب۔ قیمت ۱۲۔ حجم ۵۹ صفحے۔ طے کا پتہ قومی دارالاشاعت جو

یہ کتابچہ اس سلسلہ مضامین کی ایک کڑی ہے جو اشتراکیت کا مطلب و مفہوم عوام کو سمجھانے کے لئے لکھے گئے ہیں۔ ذیلی طور پر موجودہ روسی نظام کو سراہا گیا ہے اور مختلف مثالوں سے یہ بات خاص طور پر واضح کی گئی ہے کہ روس میں مختلف اقوام اپنے اتحاد کی وجہ

ایک ہیں۔ اور آپس میں برابر ہیں۔ لیکن ساتھ ساتھ ان کے اپنے قومی حقوق کی بھی حفاظت ہوتی ہے۔ اور انھیں اس کا اختیار حاصل ہے کہ جب چاہیں الگ ہو جائیں۔ شاہیت اور اشتراکیت دونوں ادوار میں ان اقوام کی حالت کا موازنہ کیا گیا ہے اور یہ شک موجودہ زمانہ ان کو زندگی کے جائز حقوق عطا کرتا ہے۔ ادبی حیثیت سے اس کتابچہ کا کچھ درجہ نہیں لیکن اپنے مقصد کی تکمیل مددگار ثابت کرتا ہے۔ عوام اور خواص دونوں کے لئے اس کتابچہ کا مطالعہ مفید ہے کیونکہ یہ سیاسی

شور پیدا کرتا ہے۔ ”زس“

رسالہ نئی زندگی اردو زبان کا واحد سیاسی

رسالہ ہے۔ عام اور پرسبیاست عالم اور خاص طور پر جو ہندوستان کی سیاسی زندگی سے واقف ہونا چاہیں، ان کے لئے یہ رسالہ بہت زیادہ کامیاب ہے اور یوں بھی تعلیم یافتہ طبقہ کا سیاسیات سے واقف ہونا ضروری ہے۔ زیر تبصرہ شمارہ سان فرانسکو نمبر ہے۔ چار ابواب کے تحت مختلف عنوانات قائم کر کے مضامین شائع کئے گئے ہیں۔ سب مقالے غور و فکر کا نتیجہ ہیں۔ لکھائی پھپھالی عمدہ اور کاغذ بھی اچھا ہے۔

مظالم و شہزادہ مترجمہ رز دجی۔ فیروز شاہ تارا اور آٹھ آنے عانی۔ حجم ۳۶۳ صفحے۔ طے کا پتہ۔ نفیس اکیڈمی عابد روڈ۔ حیدر آباد دکن۔

جون آف آرک کے نام سے کون واقف نہیں۔ انگلستان کے مشہور ڈراما نویس برنارڈ شکس کے ڈرامے جون آف آرک کو ترجمہ نے اردو جامہ پہنایا ہے۔ زبان گوارا ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ المیہ ڈراما کی پوری دلچسپی ترجمہ میں بھی باقی رہے۔

دنیا کے شہزاد از مختصر المیہ محمودہ رضویہ (ادیب فاضل) قیمت۔ ۱۱۶ صفحے۔ طے کا پتہ۔ عباسی کتب خانہ۔ جونا مارٹ بابا بشیر احمد اینڈ سنز۔ جونا مارٹ کراچی۔

مختصر رضویہ اردو کی بڑی زود نویس ادیبہ ہیں۔ یہ ان کی بیسویں تصنیف ہے۔ ان کی گزشتہ تصانیف سے یہ کتاب بہتر ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ اس میں انھوں نے بجاے حسن و عشق کی المیہ کہانیوں کے عراق کی تاریخ و معاشرت پر قلم اٹھایا ہے۔ اپنا سفر نامہ عراق بھی اس میں شامل کیا ہے جو دلچسپ ہے۔ بعض اوقات زبان کی غلطیاں بہت ناگوار ہوتی ہیں

# ادارے کی خبریں

**روڈنار مجلس اُردو امتحانات** | مجلس ہذا کا ایک جلسہ تبلیغ ۲۳ فروری ۱۳۵۵ء مطابق ۲۴ فروری ۱۹۳۴ء بروز یکشنبہ شام ۶ بجے پروفیسر عبدالغنی صاحب مدنی کے سرکان واقع حمایت نگر میں منعقد ہوا۔ م اتفاق آرا پروفیسر مدنی صاحب نے جلسے کی صدارت کی۔ حسب ذیل اصحاب نے شرکت فرمائی۔

۱۔ پروفیسر عبدالغنی صاحب مدنی۔ ۲۔ ملا فخر الحسن صاحب۔ ۳۔ پروفیسر فضل حق صاحب۔ ۴۔ ڈاکٹر سید محمد الدین صاحب قادی زور۔ ۵۔ خواجہ حمید الدین صاحب شاہ۔ ۶۔ مولوی سید محمد کرم صاحب سندھ۔ ۷۔ گزشتہ جلسے کی روداد کی خواندگی اور توثیق کے بعد حسب ذیل امور پیش اور طے ہوئے۔

(۱) مولوی سید علی اکرم صاحب صدر مجلس اُردو امتحانات کی اس خواہش کی بناء پر موصوف کو ختم ۳۵۰ تک نمک بوجھ مصروفیات سرکاری مجلس ہذا کی صدارت کے فرائض کی انجام دہی سے معاف رکھا جائے۔ طے پایا کہ موصوف کی جگہ ڈاکٹر سید محمد الدین صاحب قادی زور ختم ۳۵۰ تک بحیثیت نگران کار صدر کام انجام دیں۔

(۲) طے پایا کہ سال مال کا جائزہ ۱۳۵۵ء اردو ہیشت ۳۵۰ کو منعقد کیا جائے اور اس کی صدارت کے لئے حضرت صاحبزادہ نواب بساات جاہ بہادر سے اور تقسیم اسناد و انعامات کے لئے حضرت صاحبزادہ فیضی صاحب سے درخواست کی جائے۔

(۳) طے پایا کہ آئندہ سے اردو وانی کے ساتھ اردو زبان وانی کا امتحان بھی سال میں دو بار لیا گیا جائے تاکہ طلبہ کی ان دونوں امتحانات میں کافی تعداد میں امیدوار شریک ہوں اور امتحانات کے اخراجات کی شعبے کی تنجائش سے آسانی سربراہی ہو سکے۔

(۴) طے پایا کہ سال مال مجلس ہذا کے امتحانات ۱۰-۱۱-۱۲۔ اردو ۱۳۵۵ء کو لئے جائیں۔ اس کے بعد تمام سالانہ امتحانات ڈسمبر میں منعقد ہوں گے۔

(۵) طے پایا کہ اردو زبان وانی کے امتحان میں بجائے محمد اسماعیل کی قواعد اردو کے بشیر انسابیگم صاحب کی کتاب ”پہلی قواعد اردو“ شریک نصاب کی جائے۔

(۶) طے پایا کہ معاوضہ متغیین کے لئے ڈاکٹر فخر الحسن صاحب علی سید محمد کرم صاحب اور مولوی خواجہ حمید الدین صاحب کی ایک کمیٹی بنائی جائے جو تمام امور پر غور کر کے آئندہ مجلس میں اس مخصوص میں رپورٹ پیش کرے۔

(۷) طے پایا کہ مولوی خواجہ حمید الدین صاحب کو جو بحیثیت ہیتم ادارہ مجلس کے اہلکاروں میں شریک ہوتے تھے مجلس ہذا کا رکن منتخب کیا جائے۔

**جلسہ تقسیم اسناد و امتحانات بابیت ۱۹۳۵ء** | اردو امتحانات بابیت ۱۹۳۵ء کا جائزہ تقسیم اسناد و بعددات و العیاب حضرت صاحبزادہ نواب بساات جاہ بہادر تبلیغ ہر اردو ہیشت ۳۵۰ ختم ۳۵۰ میں ۳۰ مارچ ۱۹۳۵ء شام ۶ بجے کو پڑھو تو یوں اہل متعل نظام کالج میں منعقد۔

ہوا۔ آنریبل نواب ڈاکٹر مرمدی باریک بہادر نائب صدر عظیم دولت آصفیہ و صدر ادارہ اوبیات اردو نے خطبہ استقبالیہ پڑھا۔ نواب صاحب معز کی اسدہ عا پر حضرت صاحبزادہ فیضی صاحب نے اپنے دست مبارک سے



کامیاب امیدواروں کو اسناد اور تحفہ تقسیم فرمائے۔ اس کے بعد حضرت صاحبزادہ نواب ببات جاہ بہادر نے اپنا پرغور خطبہ صدارت ارشاد فرمایا۔ اسناد لینے والوں میں افواج آصفیہ کے امیر و ارباب زادہ تعداد میں شریک تھے۔ انشراح کے مرکزوں میں سے ٹاٹا کی جاگیر بشیر آباد اور پرلی کے نمائندے شریک جلسہ تھے۔ تقریباً دو گھنٹے کی کارروائی کے بعد جلسہ بحسن و خوبی اتمام کو پہنچا۔ علم دوست اصحاب کے علاوہ حسب ذیل جہان قلوب ذکر ہیں۔

آنرہیل نواب لیاقت جنگ بہادر صدر المہم فوج و صنعت و حرقت مولوی سجاد مرزا صاحب منیر نائب ناظم تعلیمات ڈاکٹر راحت اللہ خاں صاحب بہتر کتب خانہ مفتی لدوی میرٹھ عالم صاحب دو گار تعلیمات، ملا فخر الحسن صاحب لکچر عثمانیہ نئی دہلی، یو فیہ عبدالحمید صاحب صدیقی، مولوی فیاض علی صاحب ایڈوکیٹ، مولوی ضامن علی صاحب غازی کٹر اکابر، یو فیہ سید محمد صاحب مسٹر چند راج سنگھ سید ریڈر جامعہ عثمانیہ مسٹر ونیکٹ راؤ، مینٹ ایس شکران آدمی ایکوئیشنل افسر اس جلسہ کو کامیاب بنانے میں مولوی ضامن علی صاحب غازی نے کارکنان ادارہ کا بہت ہاتھ بٹایا۔ نیز فیخیر صاحب کو اپریٹو یونین ہل نے جلسہ منعقد کرنے کی اجازت دیکر شکریہ کا موقع عطا فرمایا۔

## آئندہ اردو امتحانات کی تاریخیں

ادارہ ادبیات اردو کے اردو امتحانات سال ۱۴۰۱ھ / ۱۹۸۰ء / ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۵ اترہ مارچ ۱۹۸۱ء کو منعقد ہوں گے۔

شرکت کی فیس دفتر ادارہ خیرت آباد پر تیرہ مطابق ۱۱ مئی ۱۹۸۱ء تک پہنچ جانی چاہیے نصیب میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے جو اصحاب یا ادارے کی شائیں اپنے اپنے مستقر پر اردو امتحانات کے مرکز قائم کرنا چاہتے ہوں۔ قبل از قبل ادارے سے مراسلت کریں تاکہ ممکنہ سہولتیں بہم پہنچائی جائیں۔

ہر وہ مقام مرکز قرار پاسکتا ہے جہاں سے کم از کم پچاس امیدوار شریک ہوں۔

# خطبہ استقبالہ

جلیلہ تقیر سناو اردو امتحانات ادارہ ادبیات اردو بابتہ ۱۹۳۵ء صوفی  
آزیزیل ڈاکٹر نواب سر محمدی یار جنگیہ اور ایم بی ڈی لٹ صدارت ادارہ ادبیات اردو نواب عبدالعظیم

حضرت صاحبزادہ نوابیال جاہلہ حضرت صاحبزادہ نعیمی السنا ریج صاحبہ! و عزیز خواتین حضرت!  
ادارہ ادبیات اردو کے شعبہ امتحانات کی جانب سے آج اس جلسہ سناو و افادات میں آپ سب خواتین و حضرات  
میں نہایت سترت کے ساتھ خیر مقدم کرتا ہوں۔ ادارہ ادبیات اردو ہندوستان کی عام اور ہماری سرکاری زبان اردو کی ترقی  
و اشاعت، تعلیم بالغاں کی ترویج و خواندگی کی ترویج کے لئے جو کوششیں کر رہا ہے وہ نہ صرف خواص و عام میں مقبولیت  
مائل کر رہی ہیں بلکہ ہمارے لئے یہ ایک فخر کی بات ہے کہ ان کو دو زبان یعنی اردو و انگریزی میں حاصل ہوتی رہی ہے۔ اس ادارہ  
کے امتحانات کی سندوں اور افادوں کی تقسیم کے گزشتہ جلسوں کی صدارت حضرت شہزادہ جیل والا شان سر اعظم جاہ  
بہادر اور حضرت شہزادہ والا شان سر اعظم جاہ بہادر فرمایا تھے۔ آج ہم اپنی خوش بختی پر مسرور ہیں کہ اسی مبارک  
خانوادہ اصفی کے ایک اور چشمہ حیران صاحبزادہ نواب بیال جاہ بہادر ہمارے اس جلسے کی صدارت فرما رہے ہیں  
اور حضرت صاحبزادہ نعیمی السنا ریج صاحبہ اپنے دست مبارک سے اسناد اور افادات تقسیم فرمائے والی ہیں۔  
حضرات! آپ صاحبان اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ حضرت صاحبزادہ نواب بیال جاہ بہادر کو کئی مسائل سے  
بہبود پہنچی ہے۔ آپ نے جن تعلیم خانوؤں کے صدر اعلیٰ کی حیثیت سے ریاست کے مختلف وارس کا وقتاً فوقتاً نفس نفیس ملانہ  
فرما کر توجہ تعلیم میں ذاتی و نجی کا اظہار کیا۔ آپ کی توجہ گرامی سے درسوں میں نہ صرف ذہنی تعلیم کی رفتار ترقی پذیر ہو گئی  
ہے بلکہ طلبہ کی جسمانی تربیت کی ترقی کے لئے آپ نے مختلف جسمانی مقابلوں کے قیام اور ان کے معاہدوں کے ذریعہ سے  
بھی حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔ آپ کی ذات گرامی ہمارے ملک سے جہالت اور ناخواندگی کو دور کرنے کے لئے شمع ہدایت ثابت  
ہو رہی ہے اور اسی مناسبت سے ادارہ کے اس جلسہ کی صدارت کے لئے اس موقع پر حضرت صاحبزادہ صاحب سے  
زیادہ موزوں کوئی اور شخصیت نہیں ہوسکتی۔

حضرت صاحبزادہ نعیمی السنا ریج صاحبہ بھی خواتین کی ہر جہتی ترقی اور خصوصاً ان کی معاشرتی اور تعلیمی صلاح  
و فلاح سے جو خاص دلچسپی رکھتی ہیں اس سے آپ سب حضرات بخوبی واقف ہیں میں نہایت ادب کے ساتھ حضرت  
صاحبزادہ صاحبہ اور حضرت صاحبزادہ نعیمی السنا ریج صاحبہ کا خیر مقدم کرتا ہوں اور کارکنان ادارہ کی جانب سے نذرانہ تشکر  
پیش کرتا ہوں۔

حضرات! ادارہ ادبیات اردو جس کو ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور داران کے چندارد و دوست رفقاء نے  
اب سے تئیں بریں سطر قائم کیا تھا خاناموشی کے ساتھ اردو زبان اور ادب کی جو خدمات اپنے بارہ مختلف شعبوں کے ذریعے سے نیرانی  
مطبوعات و رسائل سب اس کے علاوہ ایک مخزن علوم و فنون یعنی انسائیکلو پیڈیا کی ترتیب و طباعت کے صدر کارماں ملے کر  
انجام دیر ہوا ہے وہ آپ سے مخفی نہیں ہیں تعلیم بالغاں کے سلسلے میں اس کے ایک شعبہ ادارہ و امتحانات کی افادیت اور

دارہ اثر روز بروز بڑھتا جا رہا ہے۔ صرف بلکہ اور متحد و امتناع و دہیات میں بلکہ مالک محروسہ کے باہر بھی اس کے اردو امتحانات کو مقبولیت حاصل ہوتی جا رہی ہے سالہائے سابق کی طرح سال گزشتہ بھی اردو دانوں کا امتحان دو بار لیا گیا جن کے نتائج امید افزا رہے۔ اس امتحان میں ایک ہزار چار سو (۱۰۹۵) باغلوں نے شرکت کی اور پچھلے (۹۹۵) کامیاب ہوئے۔ جن میں (۱۲۲) نے امتیاز حاصل کیا۔

دوسرے امتحانوں کے شرکا، اور کامیاب امیدواروں کی تفصیل یہ ہے۔

اردو دانوں	شریک	۳	غیر حاضر	۱۳۲	کامیاب	۲۶۰	فی صد	۷۸
اردو عالم	۱۵۶	۳۷	۵۱	-	-	-	-	۴۳
اردو فاضل	۴۵	۸	۳۳	-	-	-	-	۸۹
خوش نویسی	۳	-	-	-	-	-	-	۲۰

جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے ادارے کے امتحانات نہ صرف بلکہ جدید باوہی میں مقبول ہیں بلکہ اضلاع اور دہیات میں بھی سالہائے سابق سے بڑھ کر پچھلے سال گزشتہ بلکہ تین مرکزوں یعنی مرکز دکن، مرکز ناٹ اور مرکز فوج کے علاوہ اضلاع میں سب ذیل مقامات کے مرکز تھے۔

انڈولہ، اند، بشیر آباد، بولی، بانسواڑ، پرلی، ہاکلی، کونڈگل، بنگتال، گدوال، ناگر نول، نظام آباد، مٹھلے گاؤں، دوم کٹرہ، موسن آباد۔  
بیات جدید آباد کے ان مراکز کے علاوہ صوبہ بھٹی اور دیاس میں یور میں ادارے کی یہ محقق کی نگاہوں سے بھی کئی ایوانوں و نول جگہ بھی گزشتہ سال مرکز قائم ہوئے۔ مرکز بھٹی سے ایک سو اڑتیس امیدواروں نے شرکت کی اور امتحان اہل دو عالم میں ایک خاتون فیر نام نے درجہ اول میں کامیابی حاصل کی اور سب سے زیادہ نشانہات حاصل کرنے کے صلہ میں نئے کی حق قرار پائی۔  
اردو امتحانات کان عداوہ کا سلسلہ میں آپ کی اطلاع کے لئے اس امر کی وضاحت ضروری سمجھنا ہوں کہ یہ امتحانات ایک خاص قسم کے متعقد کئے جاتے ہیں جو ملک کے اہل تعلیم اور اساتذہ اور برہمنش ہے۔ ان کی ہدایت اور شہدے کے مطابق ادارہ اویات اور تعلیم انڈیا کی ہر کمیشن رشت کے لئے مفید کتابوں کی ترتیب، اشاعت کا کام بھی انجام دے رہا ہے۔ چنانچہ جو لوگ اردو دانوں کا امتحان میں کامیاب ہو جائے ہیں ان کے شوق مطالعہ کو برقرار رکھنے کے لئے وڑوں کتابوں کی ادراک کی جانب سے انھوں نے اور شائع کی ہیں اور تدریسی طریقہ امتحان بھی مختار رکھا گیا ہے۔  
اضلاع میں تعلیم باغلوں کی ترویج کے لئے ادارے کی طرف سے وفد کی صورت میں جب ضرورت دور سے بھی کئے جاتے ہیں اور مختلف مقامات پر تعلیم باغلوں کے مدارس شعبہ کے قیام کی اسکیم بھی مرتب ہو چکی ہے اور جیسے ہی رقمی سہولتیں فراہم ہوں یہ تجاویز بھی رو بہ عمل لائی جائیں گی۔

یہ امر باعث مسرت ہے کہ ادارے کے ان اردو امتحانات میں ہر قوم و مذہب کے لوگ شریک ہوتے ہیں اور انھیں یکساں طور پر ملک و بیرون ملک میں تمام اقوام و نسل میں مقبولیت حاصل ہوتی جا رہی ہے۔ ان امتحانات کی فہمیں بہت قابل رکھی گئی ہے یہ اتنی فہمیں لینے ایک روپیہ، دو روپیہ اور پانچ روپیہ کے اس سے ان امتحانات کے پورے پورے اخراجات نہیں نکل سکتے اور متعین جن میں تقریباً نصف بیرون ریاست کے ماہرین علم و ادب شامل ہیں۔ ہتے میں نہایت ہی ایشیا کویتہ پرچہ بات سوالات کی ترتیب اور جانچ کی ذمہ داری برداشت کرتے ہیں۔

اردو امتحانات میں اول، آئے والے امیدواروں کے لئے ہر سال مختلف علم دوست صحاب اور خود ادارے کی طرف سے نئے عطا کئے جاتے ہیں گزشتہ سال اردو فاضل میں کوئی امیدوار درجہ اول میں کامیاب نہیں ہوا۔

اس لئے حقیقت جنگ مرحوم کا عطا کردہ عطائی تھوڑی نہیں دیا جا رہا ہے۔ نواب صاحب مرحوم اردو امتحانات کے فاضل قدر دان تھے اور انھوں نے پانچ سال قبل اپنے رفیقِ عطیہ کے ذریعہ سے ایسا انتظام فرمایا تھا کہ ہر سال اردو فاضل میں اول آنے والے کو یہ تھوڑا سا رہے گا۔

میں ان تمام شخصوں کا کرکٹان بلکہ واسطوں اور خاص کر عارف الدین حسن صاحب، کمانڈر احمد العیدروس بہادر، کرنل نذیر الاسلام خاں، محمد عیوض صاحب (دوم کنڈہ)، شیخ فضل صاحب وکیل (ملکی)، مولوی عبدالرزاق قریشی اور مولوی اسماعیل منصور صاحب (بہمنی) اور پروفیسر سروری صاحب (میوہ) کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ محض اردو دوستی کے لئے ادارے کے امتحانات کو کامیاب بنانے میں ہر طرح کی امداد فرماتے رہے۔

آپ صاحبوں اور خصوصاً حضرت نواب بہالت جاہ بہادر اور حضرت صاحبزادی صاحبہ کا مکرر شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے اپنی شرکت سے اس سلسلے کو زینت بخشی۔

## ادار کی نئی کتابیں

(۱) ہندوستانی قومیت کا تمدنی پہلو ڈاکٹر ایڈوارڈا صاحب پروفیسر جامعہ عثمانیہ۔ ڈاکٹر ایڈوارڈا صاحب کی ایک کتاب "ہندوستانی تمدن" ادارے کی طرف سے شائع کی گئی تھی۔ اپنے موضوع پر یہ پہلی کتاب تھی جو علمی حلقوں میں بیدار ہونے لگی تھی۔ ادارے کی خواہش پر ڈاکٹر صاحب نے ایک دوسری کتاب "ہندوستانی قومیت کا تمدنی پہلو" لکھ کر ایک اہم موضوع پر روشنی ڈالی ہے۔ ہندوستانی قومیت کا مسئلہ نہایت نازک اور پیچیدہ ہے۔ موجودہ دور میں تو اس کی اہمیت اور زیادہ بڑھ گئی ہے۔ اس لئے اس بات کی بیدار ضرورت تھی کہ ہم اپنی سلج کو ایک نئے زاویہ نگاہ سے دیکھیں تاکہ ہندوستانی قومیت کے مسئلے کی گتیاں سمجھ سکیں۔ ڈاکٹر ایڈوارڈا صاحب اپنے عالمانہ اور ماہرانہ انداز میں اس مسئلہ کو واضح کیا ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ سیاست اور تمدن کی بحثوں کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے بیدار مفید ثابت ہوگا۔ صفحات (۵۲) قیمت ۴۰/-

(۲) عروض از مولوی سید کلیم اللہ حسینی صاحب مولوی فاضل نشینی فاضل اردو و فاضل اردو امتحانات کے نصاب کے لئے مولوی کلیم اللہ حسینی صاحب نے ادارے کی خواہش پر ایک کتاب "عروض" مرتب کی تھی جو اتنی مقبول ہوئی کہ اب تک اس کے دواڑا پیش چھپ چکے ہیں۔ عروض اس سلسلے کی دوسری کڑی ہے جس کے مطالعہ سے متدی اس فن پر بخوبی حاوی ہو سکتے ہیں۔ اس رسالہ کی ترتیب میں عربی فارسی اور اردو کی سہ ماہی کتابوں سے مدد لی گئی ہے۔

(صفحات (۵۶) قیمت ۱۰/-)

# خطبہ صدرا

## حضرت صاحبزادہ نواب بہاؤ الدین اقبالؒ

جلسہ خاصہ

ہمارے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔ ان سے ہم دونوں بہت متاثر ہوئے اور قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اسے ادبیات اور دو کا نصب العین قابل تحسین ہے اور اس کے پرچوش کارکن جو علم و فن کی بے لوث خدمت میں حصہ لے رہے ہیں۔ مبارکباد کے مستحق ہیں۔

مجھے یہ معلوم ہو کر بہت مسرت ہوئی کہ ادارہ اپنی عمر کے سولہ مسنزل اور دو زبان وادب کی خدمت میں نہایت کامیابی سے طے کر چکا ہے اور اپنے دیگر مقاصد کے ساتھ تعلیم بالغان کے سلسلہ میں نمایاں خدمت انجام دے رہا ہے۔ ہمارے ملک کی پست تعلیمی حالت کے مد نظر یہ کام نہایت اہم اور مفید ہے اور دوسرے تعلیمی اداروں کے لئے قابل تقلید ہے۔ امر باعث مسرت ہے کہ ادارہ کا لاٹھیل نہایت وسیع نظر سے مرتب کیا گیا ہے اور ادارے کے امتحانات کو اندرون ملک بڑی مقبولیت حاصل ہوتی جا رہی ہے۔ ہر قوم و ملت کے مرد و خواتین شریک امتحانات ہوتے ہیں۔ نتائج نہایت امید افزا ثابت ہو رہے ہیں نیز سال گزشتہ مرکز بمبئی اور دو عالم کے امتحان میں ایک خاتون نے شاندار کامیابی حاصل کی اور ترقی کی مستحق قرار پائیں۔ گزشتہ ماہ میں تعلیم اور اساتذہ اور دو کی مشترکہ مجلس کے زیر اہتمام ادارہ کے امتحانات کا انعقاد نہ صرف ایک صحیح طریقہ کا ہے بلکہ ادارہ کی افادیت۔ بہبودی اور دائرہ اثر کی روز افزائی کا ضامن ہے اور مجھے امید ہے کہ جو کتابیں تعلیم بالغان کی ہمہ کی پیش رفت کے لئے ادارہ کی جانب سے لکھی گئی ہیں وہ طالب علموں میں وقتی مطالعہ کے علاوہ فرض شناسی، وقت کی پابندی، محنت ضابطہ، تنظیم، استقلال، راست بازی، روشن خیالی، کشادہ دلی، بہدوشی اور سب سے زیادہ ملک و ملک کی محبت کو ترقی دینے کی۔

تعلیم بالغان کے ضمن میں شہیدہ رسول کا قیام خاص اہمیت کا حامل ہے۔ اصلاح کیساتھ ساتھ بلور و بیرونی مریکھا منانات میں جلیقہ دارس قائم کئے جائیں اور ان کی تعداد میں مزید اضافہ کرنے کی پیہم کوشش جاری رکھی جائے۔ مجھے امید ہے کہ وقتی مشکلات سد راہ نہ ہو سکیں گی اور ملک کے باثروت و علم دوست اصحاب مالی اعانت و دستگیری میں در پیچہ نہ کریں گے۔ جہالت اور ناخواندگی کو دور کرنے کی مساعی بار آور ہوں گی۔

ادارہ جس نے امتحانات کے لئے سہولتیں بہم پہنچائی ہیں اور محقق جنہوں نے اشیا کی اعلیٰ مثال پیش کی ہے ملک کے شکریہ کے مستحق ہیں۔

مجھے قوی توقع ہے کہ یہ ادارہ اپنے بانی ڈاکٹر سید محمد الدین قادری زور کی ان تحکیم کوششوں کی وجہ سے شاہراہ ترقی پر گامزن رہے گا اور ملک کی تعلیمی اور تمدنی ارتقا میں قابل قدر حصہ لے گا۔

یہ شاہد و بجاہ اعلیٰ حضرت بندہ گان عالی مقامی مظلما اعلیٰ کی دوراندیشانہ قیادت کے فیوض و برکات میں کمترین علم ادب کا گہوارہ بن گئی ہے اور یہاں نشاۃ ثانیہ کی نسیانی اور شان و کھجے میں آ رہی ہے۔ ملک کے نوجوان ملک کی عام اور فوجی سطح پر پکڑنے میں کوشاں ہیں اور علم و فن کی خدمت کے لئے کمر بستہ اور انسانوں کے قلوب ایسی پگھلائی کا مسکن ہیں کہ جس کے بغیر تعلیم و ترقی ناممکن ہے۔

میں دستا دعا ہوں کہ خدا عز و جل شاہ جم جاہ کا سایہ ہماروں پر سلامت رکھے اور ذات نشاۃ کی رہبری میں ملک ترقی کے مزید منازل طے کرے۔

**روڈا مجلس انتظامی** | ادارہ ادبیات اردو کی مجلس انتظامی کا اجلاس بتیج ۱۲ خور واد ۱۳۵۵ھ میں ۲۰ اپریل ۱۹۳۵ء شام کے پانچ بجے عالیجناب آنریبل نواب لیاقت جنگ بہادر کے دولت کردہ - کوہان - پر منعقد ہوا جس سے قبل آنریبل موصوف نے ارکان مجلس کو اپنی جانب سے ایک عرصہ راہ پر مدعو فرمایا تھا۔ جسٹیل اصحاب نے شرکت فرمائی۔

عالیجناب آنریبل نواب لیاقت جنگ بہادر صدر المہم فوج و صنعت و حرفت  
 " معین نواز جنگ بہادر صدر المہم اصلاحات  
 " مولوی سید علی اکبر صاحب ناظم تعلیمات  
 " عبد المجید صاحب صدیقی صاحب

ڈاکٹر سید نجی الدین صاحب قاضی زونہ مختصر اعزازی ادارہ  
 آنریبل نواب زین یار جنگ بہادر نے بذریعہ تحریر اور آنریبل مولوی سید محمد اعظم صاحب نے بالمشافہ منعقد  
 صاحب کو اطلاع دی کہ وہ دوسری مصروفیات کے باعث شریک اجلاس نہ ہو سکیں گے۔  
 گزشتہ اجلاس کی روڈا سانی کٹی اور جناب صدر نے اس کی توثیق فرمائی۔  
 حسب ذیل امور پیش ہوئے اور طے پائے۔

( ۱ ) عالیجناب نواب معین نواز جنگ بہادر کی صدر المہم اصلاحات پر ترقی کے سلسلہ میں حسب ذیل قراردادیں  
 باتفاق آراء منظور کی گئی۔

" ادارہ ادبیات اردو کی مجلس انتظامی اپنے ہر دعوے پر کن عالیجناب آنریبل نواب معین نواز جنگ بہادر  
 کی خدمت میں دلی مبارک باد پیش کرتی ہے کہ جناب کی اعلیٰ خدمات کی قدر کرتے ہوئے حضرت اقدس اعلیٰ  
 نے بطور شفقت شاہانہ معزز کونسل باب حکومت کی کنیت پر آپ کا تقرر فرما کر عزت بخشی جس کی وجہ سے  
 نہ صرف ادارہ ہذا کے اعزاز میں اضافہ ہوا بلکہ اس کی علمی و ادبی خدمت گزاری کے منصوبے اور  
 زیادہ مستحکم ہو گئے۔

مجلس ہذا کو یقین ہے کہ عالیجناب اپنے اعلیٰ کردار اور ملک و مالک کی خدمات کی بنا پر اس سے  
 زیادہ اعزاز و مناصب حاصل فرمائیں گے اور مجلس انتظامی کو اسی طرح کئی بار مبارک باد پیش کرنے  
 کا موقع ملے گا۔

( ۲ ) مولوی نصیر الدین ہاشمی صاحب کے کتب خانے کی خریدی کے بارے میں مستہم صاحب نے اطلاع دی کہ ہاشمی  
 صاحب سے ان کے کتب خانے کے معائنے کے بارے میں وقت کا تعین نہ ہو سکا اس لئے یہ کارروائی  
 آئندہ اجلاس کے لئے ملتوی کی گئی۔

( ۳ ) عمارت ادارہ ہذا کے سلسلے میں معتد نے گزشتہ اجلاس سے اب تک جو کارروائی اور مصلحت عمل میں  
 آئی اس سے ارکان مجلس کو مطلع کیا۔ اور طے پایا کہ نواب زین یار جنگ بہادر سے مل کر طیف خانہ صفیہ الہ  
 مکان کے بارے میں قطعی طور پر طے کر لیا جائے اسی سلسلہ میں یہ بھی طے پایا کہ اگر اس مقام کے ملنے میں  
 دشواری ہو تو آرائش بلدہ کے محاذی جو زمین خالی ہے اس کے لئے یا آرائش بلدہ کے دفتر کے مقابل







## اداره ادبیات اردو کی کتابیں

[illegible]





سبیل





زیرِ مکرانی  
ڈاکٹر سید محی الدین صاحب  
مجلسِ اُدارت  
خواجہ حمید الدین ایما  
سکینہ بیگم

عثمان طہ اسحق ۱۵۳  
 عثمان طہ برطانیہ ۱۹۵  
 شلیفین نمبر ۲۲۰۹  
 چند سالانہ چار روپے اٹھ گئے  
 بچوں کا بس اس کیو پیڈ  
 فی پرچہ

## سپاہی

۶۰۸۳

بابت ۱۰ جون ۱۹۴۶ء

طبره

۱	حسرت کی شاعری	۱
۲	غزل	۲
۳	ادبی	۳
۴	ماریسی	۴
۵	جس پر بات ہے غزل	۵
۶	مری کی گھر میں دادیں ہیں (نظم)	۶
۷	غزل	۷
۸	آپ نے کہا میں نے پڑھا	۸
۹	غزل	۹
۱۰	حشر تہ بات (غزل)	۱۰
۱۱	کس کا خون (غنائے)	۱۱
۱۲	زندگی (غنائے)	۱۲
۱۳	چکنانہ (نظم)	۱۳
۱۴	غزل	۱۴
۱۵	بی بی کمال حضرت نوجواں صاحبہ کا گلبند	۱۵
۱۶	حبیب (نظم)	۱۶
۱۷	لشکر بانی (غنائے)	۱۷
۱۸	قراردی ہے نظم بھی شعر بھی ہے افسانہ بھی (خاکہ)	۱۸
۱۹	نذر غائی (غزل)	۱۹
۲۰	کلرہ (افغانے)	۲۰
۲۱	تختہ رستمہ	۲۱

خواجہ عبداللہ بن سہیلؒ کے ایک ہتھام سے محسوس میشن پریس میں چھپ کر فونٹس کی نخر کتاباد شائع ہوا

# حسرت کی شاعری

حسرت ایک غزل گو شاعر ہیں اور غزل گو دھماکرے میں محبت پسند خیال کیا جاتا ہے لیکن اگر غصہ سے دیکھا جائے تو حسرت باوجود غزل گو ہونے کے محبت پسند نہیں ہیں۔ انھوں نے دھماکے کا اندازہ دیا ہے کہ ہونے اردو غزل میں ایک نئی اور عجیب سی۔ ان کا سب سے بڑا کام یہ ہے کہ جس وقت اردو غزل بصدِ بے روح ہو جی جی ادا اس سے عام خواہش کا اظہار کیا جا رہا تھا حسرت نے اسی میں ایک نیا رنگ بغزل شاعری کیا اور اسے مقبول بنایا۔ حسرت اردو غزل میں ایک صاحب طرز کی حیثیت رکھتے ہیں، انھوں نے تمام ممتاز اساتذہ سے استفادہ کیا ہے مگر جس چیز نے حسرت کو صاحب طرز کی حیثیت دی ہے وہ ان نئے دھماکے کے پیچھے ہیں جو حسرت کے بیانِ نظر آتے ہیں۔ بہتر ہوگا کہ ہم ان نئے دھماکے کا اندازہ لگا لیں جن کے پیچھے انھوں نے حسرت کی غزلوں میں ایک نئی نازکی اور دل کشی پیدا کی ہے۔

اردو ادب میں ان حضرات اردو ادب میں نہیں بلکہ ادبِ عالم میں اس وقت جو بحمان سب سے زیادہ نمایاں اور ترقی پزیر ہے وہ حقیقت نگاری کا دھماکا ہے۔ فنونِ لطیفہ میں عموماً ادب میں خصوصاً حقیقت نگاری دورِ حاضر کی مسلمہ حقیقت ہے۔ حسرت نے جب اردو غزل کا رنگ لایا تو اس وقت آوازِ آبرو اور جلال کے لمحے کانوں میں گونج رہے تھے۔ ان ہی کے رنگ کا چرچا اور اسی رنگ میں غزل کہنے کو لوگ شاعری سمجھتے تھے۔

ان اساتذہ میں میر نے تو پھر بھی نقاہت کا دامن آٹ سے نہیں جانے دیا مگر دواغ کی پستی، معاملہ بندی اور ایک قسم کی جنسی سلطنت کے ہاتھوں اردو غزل کوئی اپنی تانستہ طغیان بد بند اپنی ادا شائستگی و ذائقہ کو بھیجی تھی۔ اس دور کی غزلوں میں جو حقیقت نگاری تھی وہ درجہ بہ درجہ ادا جنسی قسم کی ہے۔ اس میں وہ حقیقت نگاری نظر نہیں آتی جو پندار اور

غزل کی ادب کا ایک لازمی عنصر ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اردو غزل پر سنجیدہ ادا شائستگی ذوقِ ادب رکھنے والے اعلیٰ ادا نے تھے۔

دواغ کا میرزا و جلال ادا بالخصوص امانت، راز و محبت اور آبرو وغیرہ کے رنگ شاعری کا ردِ عمل شروع ہوا۔ گھنٹوں میں بے غور اور غمزہ کے ہاتھوں اردو شاعری کے جذباتی اسکول کی بنیاد پڑی اور قہر کے پاکیزہ رنگ شاعری کا احیا شروع ہو گیا حقیقت کی شاعری نے اردو غزل کوئی کبھی ایسی نظر میں نہ لیا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان کی غزل کوئی بے نادموں سے پاک چھاندا میں اس ایک ایسی صداقت اور حقیقت نگاری پائی جاتی ہے جو ادب کا عاید کا حصہ ہے۔ ان کے اکثر و بیشتر شعرا مبالغہ آمیز ہیں اور سچی روحانیت سے پاک ہوتے ہیں مگر ان میں کوئی ذکر کوئی جذباتی حقیقت ضرور ہوتی ہے۔

حسرت کے بیان ایسی حقیقت نگاری نظر آتی ہے جس سے ہم اپنی حقیقی زندگی میں دوچار ہوتے رہتے ہیں اور ان کی فلسفیات سے گرا تعلق رکھتی ہے۔ وہ محض الفاظ کے گورکھ و صندے اور خیالی طوطا یا بارانے کو شاعری نہیں سمجھتے۔ ان کے شعرا میں گہری نفسی حقیقتیں پوشیدہ رہتی ہیں۔

حسرت نہ تو ایسے تھے جس کا سرخوشی اور دروغی خیال کو

منوع قرار دیں ادا نہ ایسے چست کو ہوش و خرد کا دامن

ہاتھ سے چھوڑ بیٹھیں۔ ان کے بیان حقیقت نگاری ادا دھماکا

کا حسین امتزاج تھا ہے۔ ان کی حقیقت نگاری میں دُور

خصوصیتیں قابلِ ذکر ہیں ایک تو اس کا بازاریت اور محبت

پاکیزہ ادا دھماکا کا نفسیاتی ہونا۔ ادا تمام بدیر غزل کو شاعرانہ

پیش کرنے میں حسرت سب سے آگے ہیں۔ حقیقتی اعتبارات اور

حیات کی تصویر کشی ادا ان کی نفسیاتی پیچیدگیوں کی نقاشی

حسرت سے زیادہ کامیاب طریقہ سے کسی نے نہیں کی۔

حسرت نفسِ انسانی کے راز و دال میں۔ وہ وقتِ شوخ

کی الجھنوں اور نزاکتوں کو نہایت صفائی اور حسن کے ساتھ

غزل کے اشعار میں پیش کرتے ہیں۔ ان کا سب سے بڑا کمال

کا جس بھی شاعر ادھن و صداقت کو برقرار رکھنے ہوئے ہیں کریم ہیں۔  
 بچہ کو روتا دیکھ کر وہ قصداً جو کسی مرا  
 اور ترا ٹھوکر لگا کر مسکرائے گا۔ یاد ہے  
 دوپہر کی دھوپ میں میرے بلاتے کے لئے  
 وہ ترا کوٹنے پر ننگے پاؤں آگیا بلو ہے  
 بزم اختیار میں ہر چند وہ بیگم رہے  
 ہاتھ آہستہ مڑھو بھی دبا کر چھوڑا ۱

جہاں تک قدامت کے رنگ شاعری کا تعلق ہے حسرت  
 تیرا ادھر تو جس سے زیادہ متاثر معلوم ہوتے ہیں۔ ان کے اکثر  
 وجہ تیرا شاعر ہیں تیرے کلب و لہجہ اس کی پرکھی اور نصرت  
 کی صاف جھگڑا جاتی ہے۔ جہاں تک نغنائی اور فلسفیانہ نقطہ نظر  
 اور مضامین حسرت و غزل کے تعلق ہے وہ دونوں سے اچھڑے  
 معلوم ہوتے ہیں۔

غزل میں جہاں تک خارجیت پیدا کرنے کا سوال ہے  
 حسرت کی خارجیت کا اس خارجیت سے کوئی تعلق نہیں رہتی  
 جو کھٹو کے آخری دور کی شاعری میں پائی جاتی ہے جس سے  
 اپنی غزلوں میں حسرت خارجیت کو راہ دی ہے وہ اس کے  
 ان کے پیر و دل کی خارجیت سے بالکل قطع ہے۔ وہ چوٹی،  
 کنگھی، سرمد، مسیحا، انگیز، ڈو پٹہ والی خارجیت نہیں ہے جو  
 مامیاد اور تبیل جوئے کے علاوہ شعراء ادھن و صداقت  
 سے غالی ہوتی ہے۔ اور جس کے لئے کوئی جالیاتی جواز نہیں  
 ہوتا۔

حسرت کے یہاں جو خارجیت ملتی ہے اس میں شاعر  
 حسن، نازک خیالی اور جالیاتی عنصر ہوتا ہے حسرت کے اردو غزل  
 میں انتہی درجیت اور فیض شاعر اور تبدل خارجیت سے پاک کر کے  
 اسے بہترین غنائی شاعری کے پہلو پہ پہلو کر دیا ہے۔

یاد ہیں سارے وہ عیش و افراغت کے مزے  
 دل ابھی بھلا نہیں آکا زلفت کے مزے  
 حسن سے اپنے وہ غافل تھا میں اپنے عشق  
 اب کہاں سے ملاؤں وہ نادانیت کے مزے

یہ ہے کہ وہ مضامین حسرت و عشق کے غیر شعوری اور غیر محسوس  
 رموز و مقامات کو بھی اتنی سلاکی اور سہولت سے شعر میں  
 کر دیتے ہیں کہ وہ نہیں انداز بھی شکل پر محسوس کن یا سمجھیں  
 نہ آئے والی بات نہیں معلوم ہوتے۔ شاعر کا سب سے  
 بڑا کمال یہی ہے کہ شعر میں کہے سے کہے اور محفل سے  
 محفل مسئلوں کو آسان کر دے۔ بقول ذائقہ کریم یہی شاعر  
 کی شاعری کی سب سے بڑی خصوصیت بھی ہے کہ ان کی باتیں  
 بیک وقت سنانے کی چیز ہیں اور ادھن و صداقت انسانی کی  
 آخری منزل بھی۔

دوسری سب سے بڑی خصوصیت جو حسرت کی شاعری  
 کو جدید اور غزل میں ممتاز بناتی ہے یہ ہے کہ ان کی  
 شاعری سے اردو غزل میں ایک نئی خارجیت کا آغاز ہوتا  
 ہے۔ صفت غزل کا تقاضا ہے کہ اس کا انداز ایک ایسی غزل  
 قسم کی وادیت کا زرا ہے جس کا خارجی محل سے کوئی  
 تعلق نہیں ہوتا۔

یہ وادیت کچھ تو صوفی شعراء کے اثر اور کچھ سہمی  
 بکرا نڈیوں کے وجہ سے روز افزوں ترقی پر رہی۔ لیکن  
 انیسویں صدی کے آخر سے نئی ادیت اور جدید تحریریں بھی  
 پر نمایاں طور پر اپنا اثر ڈالنے لگیں۔ اردو شاعری میں بھی ادنیٰ  
 اور ملتی زندگی کے علاوہ خارجی زندگی کی جھلکوں کی گہرائی  
 تھیں۔ اسی اثر سے نگر نگاری کی ابتدا ہوئی۔ حالی اور نانا  
 نے جب وہ جھلک غزل کی وادیت خارجی اور حقیقی ماحول کی  
 نقاشی کی محفل نہیں ہو سکتی تو انھوں نے نئے اور مختلف  
 موضوعات پر نظر لیکن شروع کیا۔ اس خارجیت کا اثر جدید  
 اردو غزل پر بھی پڑا اور اب وہ ہمیں غزل کے جذبات میں اس  
 پاس کی جاتی رہی اور آشنائیز بھی نظر آتے تھیں۔  
 غزل میں اس دشمن کا سب سے زیادہ کامیاب نمونہ حسرت  
 کے یہاں ملتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حسرت کی غزلوں  
 میں صرف نفسیاتی اور داخلی زندگی کے رموز و مقامات  
 ہوتے ہیں بلکہ وہ خارجی دنیا اور اس کی موضوعی صداقتیں



محبتیں لاکھوں مری تیار ہی غم پر نشا  
جس میں اپنے بارہا ان کی عبادت کے گھر

حسرت کی غزل گوئی کی ایک گہری حقیقت جو سرسری  
مطالعہ میں نظر نہیں آتی ہے کہ حسرت کے تصور میں وہ  
محبت میں فطری انداز اور اس کے ساتھ ایک طرح کی مردانگی  
چلتی ہے۔ اس کا عشق کمزور، نالازم اور زمانہ قسم کا نہیں  
ہے۔ اس میں بلاوی کی گریہ وزاری، پست ہمتی اور ناست  
بھی نہیں ہے۔ حسرت کا عشق وہی ہے جو ایک علیٰ مصرون  
اور مستوازن دل دو دماغ رکھنے والے انسان کا ہونا چاہیے۔  
غزل کی ایک خاص چیز جسے حسرت نے پیدا فرمایا  
دیا معاملہ بندی ہے۔ حسرت کی بدولت اس میں ایک نیا سنگھار

اگر ایک نئی شوقی اور دکھشی پیدا ہوئی۔ حسرت کے شاعر علی نقی  
نے جرات اور قاتل کی سالہ بندی میں بخوبی باکین پیدا کیا۔  
حسرت کی شاعری کی زبان اور معاصر کے تمام غزل گو  
شاعروں کی زبان سے زیادہ صاف ستھری، پاکیزہ اور موثر ہے۔  
اردو غزل کا جو کلچر بن چکا ہے اس کے لئے حسرت کی زبان بیکر  
موزوں ہے۔ اردو مرثیہ اور گھاوہ کا پورا لطیفان کے  
کلام میں غائب ہے۔ ان کے انداز بیان میں بیکر شیرینی اور  
تھکنسی اور ترم ہے۔

غرض کہ حسرت کی کل خصوصیات شاعری کا مایہ جلیے  
ہونے پر کہنا مبالغہ ہوگا کہ دو معاصر کے غزل گو شعرا میں ان  
کا درجہ سب سے ممتاز ہے۔ ان کی بدولت اردو غزل کو ایک نیا  
حراج ملا اس میں ایک نئی تازگی اور نیا باکین پیدا ہوا۔

محمد حفیظ سید

(نذر سلطان محمد قلی قطب شاہ)

# غزل

میں بھی تو کیا جب جیا جائے نا کہ اب زہر بھی تو پیا جائے نا  
وہ سن مجھ ہے اے دوستو اسے نام قاتل دیا جائے نا  
بیابان و تیشے سے مجھ کو غرض محبت کو رسوا کیا جائے نا  
جنوں آشنائیں نے مجھ کو کیا اسی سے گریباں سیا جائے نا  
اک اشک چکیدہ مری کائنات یہ تحفہ بھی اس کو دیا جائے نا  
کسی کی عنایت نہ پوچھو از سب زمانے کا شکوہ کیا جائے نا

سلیمان اریب

# اُوٹی

سرگوشیوں میں غرق ہیں کہساؤ آسمان زنجینوں میں ڈوبے فیضِ ت کے رازداں  
 بستی ہے بادلوں کی ترنم کا دیں ہے اس سرزمین پہ ہوتا ہے دوس کا گماں  
 ہیں جا بجا کرشمہ قدرت کے شاہکار رہ رہ کے جگمگاتے ہیں انوارِ آسمان  
 رقصاں ہے مرغزاروں کے حُسنِ سکوت کچھ کہسا کی حبیبوں سے اٹھتا ہوا دھواں  
 شفاتِ آبشارِ سمندر کے ہیں سفیر ہیں جن کے انتظار میں پھولوں کی اویاں  
 ہے کارگاہِ ابرگہسارِ یہ دیار شادابیوں کے یاں سے گزرتے ہیں کلاواں  
 سرشارِ ذرہ ذرہ ہے کیفِ حیات سے ہر جنبشِ نظر ہے تاثر کی داستاں  
 جھتی نہیں ہیں، روئے زمیں کی بلندیاں یاں زندگی بدلتی ہے رُخِ سوئے آسمان

لا ریب! یہ مقامِ وطن ہے بہار کا۔!

جس کی خنک فضاؤں میں ہے سوزِ جاواں!۔

بشیر النساءِ یگم بشیر

# ایوسی

تقدیرات ہر قدر سے لئے وقت ہو چکے ہیں۔ لیکن یہ میری پہلی  
حمید تھادی زندگی میں جیون نے بھی ایک مقام حاصل کر لیا  
ہے۔ اور میں نے سب کچھ کھو دیا۔ آج کی گفتگو میری  
زندگی میں یادگار رہے گی۔ آئندہ سے ہم ایک دوسرے کے لئے  
اجنبی ہوں گے جیسے کہ ہم ایک دوسرے کو کبھی جانتے ہی نہ تھے۔  
انسان ہمیشہ ایسے و لغزب و صوف کے صفت نازک ہی کیونکر ہے  
برداشت کرتا ہے اور اپنی زندگی کو بچھڑا دیا۔ مصائب میں مبتلا  
کر دیتا ہے۔ اگر وہ ایسے حسین خواب نہ دیکھتا تو اس کی زندگی  
اعتدال پر قائم رہتی۔ پرکاش کے ہونٹوں پر حیا کی لہر لگتی  
کھیل رہی تھی۔ وہ اپنی آخری گفتگو کو ختم کر کے رخصت ہو گیا۔

شام بہت کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن احساس خود واری  
پر غم و غصہ وہ بہت بچی بیٹھی رہی کچھ کہہ نہ سکی۔ پرکاش نے  
دو سال تک اپنی زندگی کو اخلاقی پیتھوں میں جھونک دیا تھا۔  
وہ یہ کہنا چاہتا تھا کہ شام سے اس کی کبھی ملاقات تھی۔

لیکن حقیقت کس طرح بھلائی جا سکتی ہے۔ وہ گزرے  
ہوئے دن کی یاد کو تازہ کر لے پھر ایک بار کشمیر ملا آیا۔ اور پراڈم  
ہول میں بیٹھا ہی سوچ رہا تھا۔

اسی ہول میں کس نے شام کے ساتھ رٹین ساقیں  
بسر کی تھیں۔ آج پھر وہی جان لیوا احساس تنہائی۔

دو سال کی چھم بے اعتدالیوں نے پرکاش کی طبیعت کو بہت  
گرا دیا تھا۔ یادِ ماضی نے اس کے دماغ میں الجھن سی پیدا  
کر دی تھی۔ وہ آج شراب پیہنے لگا تھا۔ خرابی صحت نے  
قوت برداشت باقی نہ رکھی تھی۔ اسی عالمِ دہوشی میں وہ اٹھا  
اور سڑک پر جا پہنچا۔ قدم اڑا کر مار رہے تھے۔ جیسے آج  
وہ کسی فرد کی کام سے جا رہا تھا۔ پرکاش ایک تیز رفتار  
موٹر سے ٹکرا گیا۔ آہ دناں منظور زراں ماں ماں کہہ کر روک  
نہ سکا۔

شام کو پرکاش کے وہ الفاظ یاد آ گئے۔

اب جو ہماری کبھی ملاقات ہو گی تو ہم ایک دوسرے  
کے لئے اجنبی ہوں گے۔

غم تھتی کہ اسباب میں سے بڑی وجہ احساس تنہائی  
بھی ہے۔ کتنی ہی انسانوں نے اپنے احساس تنہائی کو کھانے  
کے لئے اپنی زندگیوں کو تباہ کر دیا ہو گا۔

پرکاش جذرا لہ اسے پراڈم ہول کے چیمبر میں کر سی  
پر ایک گوشہ میں بیٹھا ہی سوچ رہا تھا۔ اس کی نظروں کے  
سامنے زندگی کے جیسے ہوئے دن بھر نے تھے۔ ہاں کی گود  
جیون کا زمانہ جوانی اور اس کی زندگیوں۔ ایک دوسرے  
محول لیکن اس پر بھی تنہائی، اپنی زندگی کا سب سے حسین  
دن یاد آیا جب شام نے پہلی دفعہ اپنی زلفیں اس کے شانے  
پر کھیر دی تھیں۔ اپنی آنکھوں سے سیام الفت سنایا تھا۔

گو یا احساس تنہائی کو جوش کے لئے مشا و یا تھا لیکن اب وہ وہ  
نہ رہے تھے۔ وہ پچھلے ملاقیں انہیں نظر پر ایک دوسرے سے  
قریب کر رہی تھیں۔ لیکن حقیقت کچھ اور ہی تھی۔ محبت کے بے پنا  
سیلاب نے انہیں بحیرہ کی چین وادیوں میں بہا لایا۔ یہاں سے  
واپس ہونے کے بعد ہی شام کے برتاؤ اور میل جول میں  
فرق پیدا ہو گیا۔ اس کی ہر ملاقات میں احساس برتری بڑھتا  
جا رہا تھا۔

ان کی ملاقات کی آخری پچھلی سی دیو ہول کی گفتگو  
تھی۔ پرکاش نے اپنی وسیع دنیا کو شام کی ذات میں مرکوز  
کر دیا تھا۔ اور اس کا مضمین تھا کہ شام کا ہر عمل اس کے لئے  
وقت ہو جائے۔ یہ ایک جیون ان کی زندگیوں میں داخل ہوا۔  
شام سے اس کا بڑا موند ب اور محبت آمیز تھا۔ شام اس کو  
پندرہ گئے تھی۔ پرکاش کو گوارا نہ تھا۔ پرکاش انہیں اور  
شام کی آخری گفتگو کا موضوع جیون تھا۔ اگر میں جیون  
سے ملتی ہوں تو تمہیں کیوں اعتراض ہو رہا ہے۔ شام نے کسی  
قدر سخت لہجے میں کہا۔

پرکاش نے مضبوطی سے جھکا۔ بولا شام، تمہاری ملاقات  
نے میرے احساس تنہائی کو مٹا دیا تھا۔ میں نے یہ سمجھا تھا کہ تمہارا

پر کاش کے بعد شام کی زندگی اداس، بیکسی اور بے  
ہو گئی تھی۔ اب اس کا کوئی مقصد نہ تھا۔ انسان کی زندگی  
مصائب و آلام میں گھربائے تو کیا موت و قتل سے پہلے  
آسکتی؟

قید حیات و بند غم ہل میں دونوں ایک ہیں  
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

شام نے رکاش کا سراپے ڈال دیے رکھا۔ اس کی  
آنکھوں سے وہ گرم قطرے آنسو کے پرکاش کے چہرے پر  
گرے۔ اس نے آنکھیں کھولیں اور سکرایا پھر ہمیشہ کے لئے  
ناموشن۔

غم آہستی کا اسد کس سے ہو جزم گ ملال  
شع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہوئے رنگ

سبب

## رنگ جذبات

پر دے اٹھتے ہیں جلوہ گاہوں کے

دن کے نالوں سے شب کی آہوں کے

آپ چھپتے ہیں کیوں نگاہوں سے

تیرے بھتوں سے بے پناہوں سے

جب بھی فرصت ملی گناہوں سے

کیوں دھواں اٹھ رہا ہے آہوں کے

کام کچھ بن پڑا ہے آہوں سے

جانے کیا ربط خاص ہے دل کو

آپا جب نہیں جہاں میں کوئی

گرد منزل لپٹ کے روتی ہے

دیکھی جانے گی گرئی محشر

کیوں غلش سی ہے دل میں کیا غم

میں وہ آزاد طبع ہوں اغتر

جس کو نفرت ہے کج کلاہوں سے

اختر رضوانی

## مَری کی گلیوش وادلوں میں

مَری کے مسکراتے، گنگناتے، رگڑاؤں میں  
حریری آنچلوں کے دیمیے دیمیے گیت سناتوں  
گروہ گیت جو تیری نگاہوں نے کبھی سے تھے  
انہیں اب تک اُتی کے سرمنی، امن سچے تھا ہوا

مَری کے بھیکے بھیکے اونچے اونچے کوہ سارنیاں  
برستی بوندیوں نے موتیوں کا جال پھیلا دیا  
مَری! اشادِ محبوبہ! تقصیر کے درپچے سے  
ذبحانے کیوں ترا بھیکا ہوا چہرہ نظر آیا!

مَری کی گل بداماں وادلوں میں کھڑے رہ  
اگر مجھ کو تمہارا عارض گلگلوں نہ یاد آئے  
تمہاری یاد نے ہر دم سے مجھ کو بچا دیا ہے  
وگر نہ آدمی، اور بیچہ عیساں سچے جانے!

مَری کی وسعتوں پر زرد کی دیوی راج کرچی  
کبھی لے کاش مزدوروں کی زواروں کی  
پچھے کپڑے پہن کر میں اے کیا نہ کھاؤں  
کوئی بدلی مرے لمبوس کا بیوندر بن جائے

مَری کے پھیلے پھیلے سبز گوں پڑوں کے سائیں  
سنا کرتا ہوں اکثر میٹھی میٹھی پیاری کی باتیں  
تمہارے گاؤں کے شہتوت کیا اب بھی ملا ہیں  
مَری پیاری حسینہ! آ رہی ہیں حیرت کی آرائیں

مَری کا حسن افرونگی اداؤں سے نکھرتا ہے  
برہنہ پنڈلیاں بنتی ہیں ہر محفل کی آرائیں  
مرا ذوق تجسّس ایک گھونگھٹ کو ترستا ہے  
مرے ہمارا! مغرب میں نہیں مشرق کی گونشیں

فتیل شہانی

# غزل

درد کو نیچا دکھانا آگیا چوٹ کھا کر مسکرانا آگیا  
 مرثیہ خوانی سے اب گھٹنا ہم زندگی کا گیت گانا آگیا  
 جاہلوں کی بات نہس کرنا دی جہل سے پیچھا چھڑانا آگیا  
 اُس کو سب کچھ آگیا سمجھو جسے دوسروں کے کام آنا آگیا  
 حسن نے رکھا جوانی میں قدم خود بخود بجلی گرانا آگیا  
 رنج ناکانی سے دل بچتا نہیں وقت سے زور آزمانا آگیا

بے عمل سے کام کچھ ہوتا نہیں

وَجَدَکُو باتیں بنانا آگیا

سکندر علی وجہ

# آپ نے لکھا میں نے پڑھا

عزیز میر "سب بس" زاہد مجذوبہ

اللہ تعالیٰ آپ کو سینا کے تماشے اور ریڑھ کی غزلوں سے ہمیشہ ہمیشہ بخیر گزارے، مارچ اور اپریل ۱۹۴۲ء کا "سب بس" ملا۔ ان توام رسالوں کی پیشانی پر قسمت فی پرچہ لکھنا کا تہ صاحب نے پھر ترک فرما دیا ہے جو اصولی کوتاہی ہے اور اٹھنا کے کرم سے میری عینک سے ہر پرچہ کی اتنی ہی باریک کوتاہی کا رہا نظر آجاتی ہیں۔ لہذا آپ کے کاتب صاحب کے راجن کارڈ میں اگر کمی نہ کر دی گئی ہو تو ان کو تنہائی میں طلب کر کے اردو میں ڈانٹ دیجیے کیونکہ انگریزی زبان میں تو وزارتی دفعہ کا موجودہ نظام بہت موجود ہے!

دیگر احوال یہ ہے کہ "سب بس" کے "یہ توام پرچہ" طے مال معلوم ہوا۔ کیا معنی کہ دل کو سرور دلا سکھوں کو نور حاصل ہوا! اباجد میں یہ اقرا رسالے کہتا ہوں کہ اس زمانے کے اردو کے اخباروں اور رسالوں میں آپ کے بہتر اصولی اور قاعدہ کے عین مطابق ایڈیٹر اس طرح ثابت ہوئے کہ آپ نے میرے تار دیئے بغیر میرے خط کا ایک ایک حرف پڑا ہی نہیں بلکہ کبھی اور اپنا فرض ادا کرنے پر مستعد بھی ہے۔ اسی لئے آپ نے میرے خط کی دھڑاچہ سننے اور بولنے کے لئے ایڈیٹری کا نوٹ لکھا۔ ورنہ میں تو راج کل کہ چپے چپے پرچوں کے ایڈیٹر کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ اپنے مقالہ نگاروں کے مقالات کو اس درجہ بے خبری اور بے پروا حیثیت سے شائع کرتے ہیں جس سے ان کے "کنکھہ انخراش پن" کی حکمت جو بھوسوں کے پانچ کی طرح نماں ہو جاتی ہے گرا کر کتاب "مستعد لوگوں" میں ملے۔ البتہ آپ کے اس نوٹ کی ایک غیر شرعی شرح نہ گئی ہے اور وہ یہ کہ جناب گرامی نے لکھا ہے کہ ہر شخص والے کو ایک بد اسلوب نگارش کا خالق اور وہ ہونا چاہئے اور

میں نے لکھا تھا کہ ہر لکھنے والے کو دو سروں کے کچھ ہوئے کے ترجمہ اقتباس اور حوالہ کے عوض خود کچھ سوچ کر لکھنا چاہئے مثلاً یورپ والے لکھتے ہیں کہ عورت کو بے پردہ بھیجے تو اس کی نعل کے عوض اپنے غور سے نہایت کچھ کے پردہ کی کے یہ نصیحتا ہیں مثلاً یورپ والے لکھتے ہیں کہ فٹ بال کا مکمل مست کے لئے مفید ہے مگر آپ بقول خود تمام اعلیٰ اور جزا فیاتی حالات پر غور فرما کر لکھئے کہ بس بس غمناک ہندوستان ایسے گرم ملک میں فٹ بال کا مکمل مشقت شاق ہے اس لئے ہندوستان کا اعلیٰ نظام اس مکمل سے تباہ ہو چکا ہے۔ مثلاً یورپ والے مسیح کے وقت تک دیکھ رہے تھے میں اور اپنے اس نئے پن کو ڈاکٹری کہتے ہیں تو آپ خود غور کر کے لکھئے کہ کس پن کی ہوا میں جو برقی لہریں پھرتی ہیں ہندوستان کا جسم ان کے اثرات کو جذب کرنے کے عوض بوجھل ہو کر ضعیف ہو چکا ہے گا اس لئے ہندوستانیوں کا اتنی دیر تک تک دھڑلے رہنا سضر ہے اسی لئے اپنے گاندھی جی صاحب کو لکھتے ہی جارہے ہیں اور بیماریاں رہتے ہیں مثلاً یورپ والے لکھتے ہیں کہ سینا کے تماشوں سے اصلاح ہوتی ہے تو آخر غور کر کے لکھئے کہ ہندوستانی قوم ذہنی اور دماغی حیثیت سے ابھی اتنی مستعد نہیں کہ وہ سینا کے تماشوں سے کس لین کر سکے لہذا ہندوستان میں سینا کے تماشے تجارت اور ادائی کے سوا کچھ نہیں آلا ہوا، بس اگر اس طرح غور کر کے لکھئے والے پیدا ہو جائیں تو کچھ کہیں کہ ادب اردو ترقی کر رہا ہے ورنہ کچھ کہیں کہ منظور مطلق مکت ہے اور بس کیونکہ اردو میں ادب اور ایڈیٹر تو ایک طرف آپ تو اردو کی کتابیں لکھتے والوں تک میں ایک ایسا نہ پائیں جس کی کتاب یورپ کے محققین کے تراجم اور حوالوں سے خالی ہو حتیٰ کہ تصنیفات اردو کے نام سے جو ادارے کام کر رہے ہیں ان کی جملہ کتابیں دو مسلم کی کمزوریوں سے خالی ہیں۔ یا تو وہ ترجمہ اور مشتعل ہوں گی چند یورپی حوالوں پر یا پھر تیار اور سوجھ بوجھ کے اعتبار سے حد سے گزری ہوئی بازاری

معیاری اور عوام کے ذوق کی اور پس اس لئے میں نے ہندوستانی  
 داعی کی اس فطری پیدائشی سے تنگ نہ کر لکھنے لکھانے  
 عوض بکرا بکری ایسی اٹھیں اور انجمن مرغامی کی بنیاد  
 رکھ دی ہے۔ اب شتر سواروں کا ادارہ بنانا اور وہ کیا  
 ہے جو امید ہے کہ بعد ازاں حضرات المبارک میری عربی داں ہوی  
 کی صدارت میں بن جائے گا۔ فی الحال میں "مرغامی انجمن  
 کو ملارہا چل جس کی صدر ہوی نمبر ۱۲ اور سکریٹری ہوی نمبر ۱  
 ہیں" اٹھے مجھ کو فروخت کرنا پڑتا تھا اس لئے میں نے  
 "ہوی گرانڈ کونسل" میں اپیل کر کے اس انجمن کے تخریجی  
 کا حقد بقل جو حاصل کر لیا ہے۔ "ہوی گرانڈ کونسل" نے  
 میری تحریر کی لیاقت کے اعتماد پر مجھے کو "انجمن مرغامی"  
 کا قریب دیکھنا بھی مقرر فرمایا ہے اس لئے آنے والی جمعہ  
 کو میں سیرنگ پٹن، دھاروی، عساکر اس عہدہ کا جب  
 چارٹلے لوں گا تب میں مرغامیوں کا ڈاکٹر کو بڑا مشہور  
 ہو جاؤں گا جو ہندوستان جہاں کو زیر پوچھ لگاتا تھا۔ میرا  
 ہی نہیں بلکہ میں ایسی رپورٹ تیار کر چکا ہوں جس میں  
 میں نے قبلہ جس العلماء خواجہ حسن نظامی کے "مرغامی خانے"  
 کے جواب میں ایسی جمودیز مرتب کی ہیں کہ یہ عمل کرنے سے  
 تمام غیر ہندوستانی مرغامیوں سے کہا جائے گا کہ ہندو  
 غالی کرو۔ کیونکہ میں اپنی بیویوں کی "گرانڈ فراسٹ  
 کونسل" میں ثابت کروں گا کہ ہندوستانیوں کو اطالوی  
 مرغامی پالنے خصوصاً لنگ ہارن اور روڈنسل کی دلائی  
 مرغامیوں سے بقدر کئی کروڑ کے نقصان پہنچا اور ابھی  
 مزد نقصان کا اندیشہ ہے۔ ہوی گرانڈ کونسل میں مجھے  
 انجی انگریزی داں ہوی کی مخالفت کے سوا کوئی خطہ نہیں  
 کہ جو بدعتی ہے ہندوستانی دماغ جس زبان کی تعلیم مل  
 کرتا ہے اس زبان کی نسل کے لوگوں کے جو خواص کی بھی لکھ

نہیں کہ یہ نسل عربی فارسی سے کس پر کیا ہے۔ ہندوستانی ماہر امید کہ میرے اس تقریر سے کئے کو بہت  
 جان کر آپ بھی اس طرف کے لوگوں کو میری مذکورہ بالا انجمنوں کا ممبر بنانے کا کام شروع فرمائیں گے زیادہ اہم



# غزل

## حشر جذبات

وہ لطفِ جوانی تو ضعیفی میں نہیں ہے  
ہے دل ابھی پہلو میں خیال اکویر ہے  
دیکھو تو جنوں ہم کو کہاں لیکے چلا ہے  
افلاک ہیں سر پر تہہ پا سطحِ زمیں ہے  
کنندہ تھے خیالاتِ جوانی میں جو دل پر  
ان کی بھی ابھی یاد دم باز نہیں ہے  
انفوسِ جوانی میں اسے بھول گئے تھے  
دل کہتے ہیں جس کو وہ زمرہ کا نہیں ہے  
کس چیز کو ہم زادِ سفر سمجھیں الہی  
ہم ایسے مسافر کی نہ دنیا ہے ندی ہے  
ایک نفسِ یادِ الہی میں ہے منزل  
میں دور اگرچہ ہوں بہت وہ تو قریں ہے  
دنیا کا ہے یہ مال غزیر آپ نے دیکھا  
اپنا جسے سمجھے تھے وہی برسرِ کین ہے

ذوقِ ابیری کا یہ کہتا ہے کہ میعاد نہ ہو  
ہم بھی آزاد نہ ہوں قید بھی آزاد نہ ہو  
ابھی ممکن ہے کہ عشرت کی ہوں ہو پید  
اس فراوانیِ غم میں تو ابھی شاد نہ ہو  
ہاتھ سے سلسلہ قیدِ محبت کو نہ چھوڑ  
روح جب تک بغضِ جسم سے آزاد نہ ہو  
کم سے کم موت سے لے عشق میں تعلیم سیکھو  
ضبطِ آتنا ہو کہ اندیشہ فریاد نہ ہو  
کہتے ہیں بچھ گئی اک شمعِ سحر سے پہلے  
یہ دل وقفِ ستم کی کہیں رو داؤ نہ ہو  
انقیادِ انتہی جبینوں سے نہ کراے زاہد  
کوششِ حسنِ عمل بھی کہیں برباد نہ ہو  
دل محبت کے لئے چاہیے شاقبِ ایسا  
جس میں غمِ سر کوئی من جملہ افساد نہ ہو

شناقبِ کانپوری

عزیزِ یازنک بہادر

# کس کا خون!

جب ہی تو ماں سے لڑکیوں کی طرح لیٹ رہا ہے۔ ہٹ  
یہاں سے تیار رہنا۔ کل معلوم ہو گا کہ توڑا کی ہے یا ایاز بن حسن  
دن بھر دونوں بیٹے کام کرتے رہے۔ آخر کار رات کو تھک کر  
باپ بیٹے دونوں سو رہے۔ دو ہی رات کو کسی نے دروازہ  
کھٹکھٹایا۔ حسن بن عبداللہ! باغیسیب ماں رات بھر نہیں  
سوئی تھی، وہ دوڑتی ہوئی اس کمرے میں آئی جہاں اس کے  
دونوں شیر پرے سوئے تھے۔ خوف اور فکر سے اس کا چہرہ  
زرد ہو رہا تھا۔ حسن بن عبداللہ! حسن فوراً تندر سے چڑھ کر  
کہا ہے؟ میں علی بن عصفی! حسن نے فوراً کھوار بجلی  
اور اٹھ کھڑا ہوا۔ اتنے میں اس کی نظر اپنی بیوی پر پڑی۔  
"کھڑی منہ کی کند رہی ہے؟ اٹھا۔ بچے لڑکے کو۔ آج تیری  
جو افروزی کا امتحان ہے۔ اٹھ، تو سن کر بھی بڑا ہے۔ باپ  
کی۔" واز سہن کا ریا زادہ بیٹھا۔ اپنی تلوار سنبھالی۔ گھر میں کنار  
باندھ دلی! باپ بیٹے جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ ایاز کی ماں  
دوڑتی ہوئی آگے بڑھی۔ اور حسن کے قدموں سے لیٹ گئی۔  
"خدا کے لئے خردوار رہنا۔" پس دوڑ ہو۔ حسن نے اسے  
پر سے دھکیلتے ہوئے کہا: "ایک عرب کی جان کے لئے دوڑی  
ہے؟" میاں حسن! سمجھنا! خدا ہوا با۔ بھل گیا ایاز  
اپنی ماں کو اٹھا لیٹ گیا۔ خدا پر غور نہ رکھو! "یہ کہہ کر  
ایاز سہانک انداز میں غائب ہو گیا۔ ماں کی آنکھیں تار پٹی  
میں کچھ دھڑک رہی تھیں۔ ایاز۔

(۲)

شہر میں ایک کرام سا بیٹا تھا اور سیاسی زمین دو بھائیوں  
کے خون سے اپنی بیویاں بچھا رہی تھی۔ بہادر جوان جو شیلے بڑے  
جو کے شیروں کی طرح ایک دو برس پر تھیں۔ رہے تھے جن میں  
جاننا مسلمان اور بہادر راجپوت سمجھے۔ کیا یہ لڑائی حوصل  
آزادی کے لئے تھی۔ نہیں! نہ جہالت! اور ایک  
دوسرے پر فوقیت جتانے کے لئے۔  
حسن بن عبداللہ جس کے باپ داوا نے سرزمین  
عرب کے لئے اپنی جائیں لڑادی تھیں، اب اس کے پہلو میں

ادب الوجل! ایاز بن حسن نے آواز کی کوئی  
پر دانی۔ وہ کسی گہری سورج میں غرق چلا جا رہا تھا۔  
ماں سن کر کتنی پریشان ہوئی۔ اپنی نے تو شاید اب تک کہ بھی  
دیا ہو گا۔ ادب الوجل! ایاز نہیں گیا۔ ایک لڑکی اس کے  
بیٹے دوڑتی ہوئی آ رہی تھی۔ اس کے خوبصورت ماتھے پر  
شکستیں تھیں۔ کب سے بھائی آ رہی ہوں۔ باوجل! یہ لو،  
یہ کہہ کر اس نے جن کے ایاز کے ہاتھ میں دیر یا ایاز سہانک  
واپس اس کا غور کر پڑا تھا۔ تم نے اسے دیکھ کیوں نہ لیا۔  
ایاز نے شرارت سے پوچھا: ارے! ام رام مجھے پرا یا مال  
نہیں چاہیے۔ وہ واپس چلی گئی۔ اس کے پردوں سے کھنکھو  
کی جھنکار آ رہی تھی۔ بچہ دوڑ جا کر اس نے اپنا کھڑا اٹھایا اور پڑے  
ایاز کی طرف دیکھتے ہوئے سکرانی۔ وہ اپنی سہیلیوں میں جا رہی۔  
ایاز آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا گھر کی طرف چلا جا رہا تھا۔ بے چارے  
سے تیرہ کھولا۔ اس میں سے پانچ روپیہ کا نوٹ غائب تھا!  
ایاز کو ہنسی آئی۔ "خیر یہ کہیں کی؟ یہ کہنا ہوا کہ انوں کے پاس پیٹھا  
سب لڑکیاں جا چکی تھیں۔ ایاز بھی گھر سے کچھ بڑی دور تھا۔  
اس نے دیکھا کہ وہی میں اس کی ماں اس کی منظر کھڑی تھی۔  
جب وہ گھر پہنچا تو اس کی ماں نے فوراً دروازہ کھولا اور ایاز سے  
پرٹ گئی۔ آگے میرے چاند؟ خوشی سے اس کے آنسو نکل  
پڑے۔ لڑا! ایاز کو قیاس میں ٹھیک تھا۔ اپنی ماں کو خبر نہ تھی  
تھی۔ اس کا بیٹا تلوار صاف لڑ رہا تھا۔ چھوڑ دے! اسے  
چلا کر اس نے اپنی بیوی سے کہا: حسن بن عبداللہ کے  
بیٹے کو تو خوف دلایا ہے۔ میں کہتا ہوں مجھ زراستہ  
ماں نے دہلی نافرمانی سے بیٹے کو چھوڑ دیا۔ حسن بڑا بڑا  
لگا۔ روز بروز لڑائی جتنا جا رہا ہے۔ اب تو کھر بیٹھنا! ایاز  
کی بیٹیانی پر پڑ گئے۔ انی میں لڑکی نہیں۔ ایاز بن حسن  
ہوں! حسن نے حقارت سے بیٹے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

تپائی کے لئے سترلا کیتا دوڑتی ہوئی آئی جوت سے اس کا خوبصورت چہرہ زرد پگھلا تھا۔ آخر کار ماں اور بیٹی نے ہندو کو ستر پر لٹا دیا۔ کچھ دیر تو ہندو انھیں بندھے نظر آیا۔ اس کے بعد اس کے زرد بھول کو بخش ہوئی تکیائی ماں نے کہنا تھا "ہندو کی ماں بولی۔" کاش پار لائیوں کے چاکے صرف ایک لڑکا ہوتا۔" تاہم اس وقت لڑکے کی باتیں کہیں کرتے ہوئے تھے بل جوارام کوہ: ہندو اٹھ بیٹھا جوش و نفرت کے جذبات سے وہ کانپ رہا تھا۔ ہاں صرف ایک لڑکا ہوتا تو وہ میرا روشن کرتا جس بن عبدالمشرکے بیٹے نے آج میرا اتھان کیا۔ کاش لڑکا کیتا سے رہ نہ گیا۔ وہ دوڑتی ہوئی ہندو کے قریب آئی۔ تپائی بھڑکی بھی تو راجپوت خون ہے۔ میں بولی کی۔ تو؟ میری چھوٹی کیتا؟۔ ہاں ہاں میں "ہندو مسکرایا۔ کیتا نے ایک نازک ہاتھ باپ کے سینہ پر رکھ دیا جہاں اس کا بھادخون آہستہ آہستہ بہہ رہا تھا۔ قسم ہے اس راجپوت خون کی میں اپنے باپ کا بدلہ لوں گی۔" اگلے ہی لمحے ہندو کے چہرے پر یہی مسکراہٹ طبعیل گئی۔ ایاز صبح اٹھا۔ اپنی گنگوڑی اٹھائی اور کھڑکی طرٹ چل پڑا۔ راستہ میں اسے وہی کنواں نظر پڑا جہاں وہ لڑکی ملی تھی۔ ایاز ٹھہر گیا۔ اس خیر سے رو پے اٹھنے لگے۔ وہ اکیلے گھڑا لئے ہوئے اس کی طرٹ آئی۔ اس کا حلقہ چہرہ دکھایا ہوا تھا۔ اس کی نظر ایاز پر پڑی۔ اس کی سیاہ آنکھوں میں شرارت کی ایک جھلک پیدا ہو کر کچھ گئی۔ ایاز بھی مسکرایا۔ اس نے اشارے سے اسے اپنے قریب بلایا۔ وہ گھر لپٹے رکھ کر ایاز کے قریب آئی۔ کہاں ہیں باقی پیسے میرے۔ بھئی کہیں گی۔ لڑکی کی صورت پر بخند کی چھائی۔ اس نے جلدی سے ایک میلا سا ٹوٹ کالایا۔ یہ تو مٹا رہے پیسے نہیں ہیں تو رکھئے۔ مجھے نہیں چاہیئے۔ کیوں؟ مجھے نہیں چاہیئے میں تو غرق کر رہا تھا۔ میرے تپائی۔ یہاں ہیں اس کے دل کو دھکا لگا۔ نہیں نہیں۔ کیتا اوکیتا۔ کیتا کی سہیلیاں اسے پکار رہی تھیں عکرتہ

اس کا شیرسا بیٹا باپ کے دوش پر دوش لڑ رہا تھا۔ دو فو کی تلواریں سوچ کی کرنوں کی طرح چمک رہی تھیں۔ کوان دو فو کی کے مقابل میں کوئی گیدڑ تھوڑا ہی تھا۔ یہ تو ہندو جیت سنگھ جی تھے۔ اجن کے چھوٹے سے مکان کی دیوار پر بہاوری کے طرائق تھنے لگے تھے۔ وہ حسن بن عبدالمشرک یا اس کے باپ سے کیوں ڈرتا ہوڑے ہندو کی رنگوں میں راجپوت خون تھا۔ حسن نے تلوار روک لی اور کہا میدان میں آؤ۔ اس نے ہندو سے کہا۔ وہ فو نے ایک دوسرے میدان کو لگے ہٹا دیا۔ اور دو فو کی تلواریں پیچھیں۔ حسن بن عبدالمشرک سبب سے زخمی ہو چکا تھا۔ سچ بھی مسکراہٹ اس کے چہرے پر تھی۔ وہ راجا رہا تھا۔ ہوڑے ہندو سے برسوں کی دشمنی تھی۔ وہ آج اس کی جان بچانے بغیر چھوڑے گا۔ جن جانتا تھا کہ آج فتح اس کی ہوگی کیونکہ ہندو اس کے نزدیک ابھی بچہ ہی تھا۔ ہندو بھی اپنی جان کی بڑی دلچسپی تھا۔ ہندو ہر گز ہٹا رہا تھا۔ ایاز کی آواز حسن کے کان میں آئی۔ اس بوڑھے کا دم توڑنے ہی لگ رہا ہے۔ آپ کسی اور سے لڑیئے۔ سنئے فوراً کارروائی کر لی اسے پہلی دفعہ ہندو کے ہٹاپے اور خود کی جوانی کا احساس ہوا۔ ہندو کا سانس پھول رہا تھا۔ اس کے کندھے پر زخم گہرا لگا تھا۔ حسن اور ہندو کی آنکھیں چار ہوئیں جو ہندو کے لڑنے لگے۔ بڑول کہیں کا بچہ جیسے سڑول سے لڑنے کی بجائی بہت ہے۔ ہندو تلوار کھینچ کر آگے بڑھا۔ ایاز نے بھی تلوار سنبھالی۔ اتنے میں ایک پولیس افسر کی آواز آئی۔ لاشی چارج کر دو گنجنوں پر راستی سے کوئی بات مانتے نہیں۔ ایک پولیس والے نے پیچھے سے لاشی لاری ہندو کے ہٹا کر لے گئے۔ کہیں دوسرے ایاز کی سہی کی آواز آئی۔ ہندو دانت جیسے لگا۔ اچھا تو ٹھہر تو ہندو آہستہ آہستہ مٹا ہوا کھڑکے پہنچا۔ اس کی بیوی دوڑتی ہوئی آکر ہندو کے قدموں سے لیٹ گئی۔ یہ کیا ہوا تھا۔ وہ رو رہے تھے۔ کیتا اوکیتا۔ اس نے اپنی لڑکی کو پکارا۔



اور ہر کھڑکی سے ہندو کو دیکھتا ہوا۔ حسن بن عبد اللہ نے ہندو کو مشتبہ نظر آنے سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ایاز نے یہ مشکل تمام آنکھیں کھولیں۔ اس کے زرد چہرے پر ایک فاختہ مسکراہٹ تھی۔ حسن کی کچھ میں کچھ نہ آیا۔ تو کہنے لگا ہے؟ "کیتا کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ میری لڑکی۔ ہندو نے فرسے کہا۔ حسن تلوار بھیج کر ہندو کو بلانے لگا۔ "ایاز نے اس سے غصہ کیا کہ حالت میں کہا۔ لڑکی سے۔ "ایاز نے اس سے کہا۔ اس میں ہندو کا تصور نہیں۔ کیتا اور میں ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔ ایاز کی آنکھیں پتھر کی طرح کھڑے تھے۔ ایاز کا دھسین میں رک رہا تھا۔ وہ مر رہا تھا اس کی آنکھوں میں امیدی نئی روشنی جھلک رہی تھی۔ ایاز اور کیتا کا خون زمین پر بہہ رہا تھا۔ ایاز اور کیتا کے گھٹنے خون نے دوڑنے کے ہاتھ سے تلواریں گرا دیں اور وہیں کھینچنے لگے۔

## خدیجہ بلگرامی

**اشوک عظمیٰ** :- یہ کتاب مجلس ادبیات اطفال کی طرف سے طلبہ اور عوام کے لئے سلیس اور سادہ زبان میں لکھی گئی ہے۔ محترمہ سیدہ ہمدی جعفری صاحبہ بی۔ آ (عثمانیہ اسکول ہندوستان کے اس مشہور فرمانروائے اسکے حالات زندگی اور کارنامے کو دلچسپ پیرائے میں لکھ کر پیش کرتی ہیں۔ کتاب کا تصویر ہے اور کتابت و طباعت اچھی ہے۔ قیمت (۱ روپے) ملے گا پتہ ۱۔ سب سس کتاب گھر رشتہ نزل

حیدرآباد دکن

گئی۔ ایاز لڑتا ہوا ہاتھ اٹھاتا اور اس کے سینہ میں چاقو چسوست کر دیا۔ ایاز کے منہ سے ایک دلدار آواز نکلی۔ کیتا دوڑتی ہوئی کھڑکی تک گئی۔ ایاز نے ایک ہاتھ سے کیتا کو ہاتھ سے لے لیا اور دوسرے ہاتھ سے لالین روشن کی۔ دھندلی سی روشنی میں کیتا کا زرد اور خوفزدہ چہرہ نظر پڑا۔ "کیسے؟" ایاز نے حریت سے بھارا۔ کیتا پر گویا بجلی گزری۔ وہ اس بھاری آواز کو غب کا جانی تھی۔ اس کا سر جھک اٹھا۔ ایاز آواز دہرا کر ایاز کے پہلو میں گر پڑی۔ ایاز نے اپنا ایک ہاتھ کیتا کے گرد ڈال دیا۔ "کیتا تم نے یہ کیا کیا؟" کیتا کے رخسار پر آنسو بہہ رہے تھے۔ ایاز مجھے معلوم نہ تھا۔ ایاز مسکرایا۔ کیتا اس سے لپٹ گئی۔ "نہیں نہیں ایاز۔ تم اور میں جدا نہیں ہو سکتے۔" ایاز پھر مسکرایا۔ "تم ہی نے کہا کہ اگر دیا۔" ایاز میں نے دیکھا کہ تم ہی ملاؤ۔ ایاز گھبراہٹ میں لپٹ گیا۔ کیتا نے ہاتھ سے کیتا کے سینہ پر دھرتے ہوئے کہا۔ "کیتا اب جی جانو۔" کیتا نے چاقو ایاز کے ہاتھ میں دے دیا۔ ایاز چاقو لے کر دیکھنے لگا۔ وہ اس کے بہادر اور جھیلے خون میں ہمارا ہاتھ تھا۔ ایاز تمہیں اپنے خون کی قسم مجھے بھی قتل کر دو۔" کیتا ایاز مجھے بھی ساتھ لے چلا۔ یاد ہے تم نے کہا تھا کہ ہم ہندی ہیں؟ ایاز اگر اپنی شادی ہوئی تو ہم ابھی چین سے نہ رہتے۔ اب مجھے اپنے ساتھ لے چلا۔ ایاز نے ایاز کو دیکھ کر ہنس کر سوچا۔ ایاز نے چاقو تنگ کر لیا۔ اچھا کیتا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ کیتا چوکی سے ایاز کے قریب کھٹک گئی۔ ایاز نے اسے تنگ کر لیا۔ کیتا نے آنکھیں بند کر لیں۔ ایاز نے ہاتھ اٹھایا اور دوسرے ہاتھ سے دھرتے دیا۔ "نہیں نہیں کیتا۔ کیتا آنکھیں کھول کر دیکھو۔ کیتا نے حریت سے پوچھا۔ یہ مجھ سے نہ ہو سکے گا۔ اچھا! کیتا نے چاقو زمین سے اٹھا لیا اور اپنے سینہ میں گھونپ لیا۔ ایک لحظہ میں چاقو اس کا چھوٹا سا سرا یا ز کے کندھے پر ڈھلک گیا۔ درد آواز نکلا۔ حسن بن عبد اللہ اور اس کی بیوی اندر داخل ہوئے۔ اور

# زندگی

وہ دو فرلانگ لابی سڑک پر جا رہا تھا، کالی کالی سفید سفید کنکریاں اس کے بے ڈھب پیروں سے ٹکرا کر آگے پیچھے اچھل رہی تھیں۔ پھر اس کے قدم سوکھے اور مرجھائے ہوئے کھیتوں کی جانب اٹھے، اور وہ چھوٹے چھوٹے ٹرکھوں کو پھانڈتا ہوا ایک ادھیسی چٹان پر پڑ پڑا۔ اس کی نظریں یا سہی زمین اور چھائے ہوئے سرسوں پر پڑیں، بادش کے نہ ہونے کی وجہ سے زمین میں جا بجا شگاف پر لگے تھے۔ جیسے اپنے سوتکے ہوئے مٹیالے لب داسکے، وہ آسمان کی نیلگوں ہر د سے پانی کی بھونگ مانگ رہی ہو، جھلسی ہوئی زمین پر ٹیڑھی کیروں کے نقش، بوڑھی عورت کے جھریوں والے پیرے کے مانند نظر آ رہے تھے۔ وہ سوچنے لگا۔

”گزرشتہ سال تو بادش اچھی ہوئی تھی لیکن اس سال بارش کا نام و نشان نہیں۔ آخر کیوں؟“

اس کی نظریں آسمان کی جانب اٹھیں، اس نے زیر لب کہا ”کیا آج بھی بادش نہ ہوگی۔“ بھگوان کیا تیرے پاس ہم غریبوں کے لئے رحم نہیں کیا تھے ان لٹکتے ہوئے موصوم بچوں، تڑپتے ہوئے کدوروں، بوڑھوں، چیتھی ہوئی مجبور عورتوں۔ پرتزس نہیں آتا۔ تو ہم سے اتنا خفا کیوں ہو گیا ہے۔ اے بھگوان۔“

اس کے قدم آبادی کی جانب اٹھنے لگے، وہ زیادہ دیر چلنے بھی نہ پایا تھا کہ اس کی نظریں مردم خوار گدھوں پر پڑیں۔ ہزار گدھ۔ ایک گائے کی تکا لٹی کر رہے تھے۔ اس نے گائے کو بغور دیکھا۔ اس کی نگاہیں گائے کی سینگوں کے سنہری کندوں پر تیرنے لگیں۔ پیچھے پیچھے لگا ہوں سے وہ جیل لوٹوں والے سنہرے کندوں کو دیکھتا گیا اس کی آنکھوں میں آنسو اٹھ اٹھے۔ اس کے خیالات ماضی کے دھندلوں پر تیرنے لگے۔

”دو سال پہلے اس نے کتنے ہی بیمار سے اس گائے کی سینگوں کے لئے سنہری کندے بنوائے تھے۔ چند راکھی ماں نے اس کو بڑے ہی پس پیٹش سے فروخت کیا تھا،“ دفعتاً اس کو اپنی دکھیاں کے الفاظ یاد آئے۔

”جگت میری گوری دو دن سے غائب ہے۔ ذرا کھیتوں پر دیکھ آ بیٹا۔“ عانے کہاں چلی گئی۔“

اس کی بڑی بڑی آنکھوں سے آنسو جھلک پڑے۔ وہ سوچنے لگا، کھوپڑیوں کو کیا جواب دے گا۔ جب یہ سنے گی کہ اس کی گوری اس سے ہمیشہ بدینہ کے لئے جھین لی گئی ہے تو اس کو کتنا دکھ ہو گا۔ ”خائے کی لاش پر گدھ نہ ہونے تو شاید وہ گائے کی ہڈیوں کے ڈھانچے سے لیپٹ کر کتے۔“

”مقدس ماں تو چلی گئی۔“ لیکن اب معصوم ننڈو اکا کیا ہو گا۔ اس کو دودھ کہاں سے لے گا۔ وہ کیسے زندہ رہے گا۔“

”ہاں میرا ننڈو۔“ مقدس ماں۔“

مکان میں داخل ہوتے ہی اس کی بوڑھی ماں نے پوچھا۔ ”گوری کا کچھ پتہ چلا بیٹا۔“

”ماں، وہ تو امی کے درخت کے نیچے، رامو کے کھیت کے اس پار میری پڑی ہے۔“ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”گوری مر گئی؟“ اس کی ماں نے اس طرح کہا گویا اس سے اس کا ننڈو جھین لیا گیا ہے۔ اس کی بھینگی ہوئی آنکھوں کے آنسو، ننڈو اور گوری کی سینگوں کے سنہری کندے رقص کرنے لگے۔

بوڑھے چچانے ابھن میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ ”گوری تو مر چکی۔۔۔۔۔ اب خود کی فکر کرو۔۔۔۔۔“  
 تالاب کا پانی بھی سوکھنے کو ہے۔ ”اب کیا ہو گا“ ”ہو گا کیا! خطا کی وجہ سے تو ہزار ہا انسان دم توڑ رہے  
 ہیں۔ پانی بھی میسر نہ آئے تو اور کئی لعنیں موت کی چکیوں سے سسکتی نظر آئیں گی۔“ بوڑھے نے پتھر کے ایک  
 کالے کوٹے ٹکڑے کو بے رحمی سے ٹھوکا مارتے ہوئے کہا۔۔۔۔۔ جیسے وہ عربوں کی کالی کلوٹی قسمت کو  
 کوس رہا ہو۔!

تالاب کا پانی سوکھ گیا، فصل برباد ہو گئی اب تک گاؤں والے قحط سے پریشان تھے، جو کچھ اناج  
 ان کے پاس تھا وہ بھی ختم ہو چکا تھا۔ بچے ماؤں کی پیچائیوں میں دودھ بھرنے سوکھ جانے کی وجہ سے  
 ہلک ہلک کر دم توڑ رہے تھے۔ پانی کی قلت نے ان کی مصیبتوں میں اور اضافہ کر دیا تھا۔۔۔۔۔ موسیقی چارے  
 کی تلاش میں سوکھے ہوئے بخر کھیتوں میں آوارہ روجوں کی طرح بھٹکتے پھر رہے تھے۔ کھروں اور دانوں  
 سے عرصہ زمین کا پیٹ کرید کرید کر، اور کچھ نہ پا کر وہ زمین پر ڈھیر ہو جانے اور گدھوں کا چارہ بن جاتے تھے۔  
 اور گاؤں کے کمزور بوڑھے فاقہ کی لعنتوں میں لیٹے لیٹائے، سسکتی زمین کی آغوش میں سوتے جا رہے تھے۔  
 آبادی سے کچھ ناعیلہ پر، بوڑھے برگد کے سائے میں ایک کنواں تھا، گاؤں سے دور ہونے کی وجہ سے یہ  
 کنواں ایک غصے سے اس عورت کی طرح بیکار ہو چکا تھا، جو محض یہ وہ ہونے کے سبب سو سائی اور سماج  
 کی نظروں سے گر چکی ہو۔ کنوئیں کا پانی برگد کے سبز پتوں سے نیلا ہو چکا تھا، گندے پانی پر برگد کے  
 سوکھے پتے کوٹھکے داغوں کی مانند دکھائی دے رہے تھے۔ گاؤں والے اسی پانی کو آخری زندگی کے لئے  
 استعمال کر رہے تھے۔ گاؤں کی ایک تہائی آبادی فاقہ کشی سے موت کے بھیانک غاروں میں پھیل چکی تھی  
 اور گاؤں کے اکثر نوجوان ”غریب بھرتی“ میں اپنا نام لکھ چکے تھے۔ اگر جگت کو رجزا، نندو اور اپنی بوڑھی  
 ماں کا خیال نہ ہوتا، تو شاید وہ بھی فوج میں شریک ہو جاتا۔!

ان مصیبتوں کے باوجود جگت اور رجزا تاروں کی ٹھنڈی چھاؤں میں کنوئیں پر ملا کرتے، ان کے پریم  
 اور پریت کے جدمہن مضبوط ہونے جاتے، رجزا کی بھولی بھالی باتیں۔۔۔۔۔ جگت کے کانوں میں امرت رس  
 گھول دیتیں اور اس کی روح میں ستاروں کی موسیقی سرسرا نے لگتی۔۔۔۔۔ اور اسے محسوس ہوتا کہ وہ  
 سورگ کی رہنیں دروہانی فضاؤں میں اڑا چلا جا رہا ہے۔!

رجزا۔۔۔۔۔ بوڑھی بیوہ کی ان سیاہی لڑکی تھی، چھاؤں کو آنے والی سڑک کے کنارے اس کا بوسیدہ  
 مکان تھا، جس کا ایک حصہ بجلی کے گر نہ کی وجہ سے مہدم ہو چکا تھا۔ بوڑھی بیوہ قرض کے بوجھ تلے دنی  
 اس ٹوٹے ہوئے حصے کی تعمیر کرانے کی سکت اپنے میں نہ پاتی تھی۔۔۔۔۔ رات کی تاریکیوں میں جب بوڑھی  
 ماں کی آنکھ لگ جاتی تو جب سے رجزا اس ٹوٹے ہوئے حصے سے باہر نکل آتی، جگت ٹھیک وقت پر کنوئیں  
 پر پہنچ جاتا، پھر برگد کے تاریک سایوں میں بیٹھ بھی تو وہ پریم اور پریت کی کوسیلی باتوں سے اپنا  
 دل بہلاتے اور کبھی مستقبل کے سہلانے اور سلونے سنہن میں کھو جاتے۔

آج بھی رجزا۔۔۔۔۔ جگت سے ملنے کنوئیں پر چلی آئی، لیکن آج اس کی کنوئل جیسی آنکھوں میں آنسو





ہاں — دہ قہجے شیطان بھڑیلے کے ساتھ نہیں آسکتی — جگت نے اندر داخل ہوئے ہوئے کہا۔  
 راجندر کا سلوٹوں والا چہرہ غصہ سے کسی پتیکے موئے ٹھاڑ کی طرح سرخ نظر آنے لگا۔ اس کی اندر دھنسنی ہوئی  
 آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے۔ اس کے کمر دھڑکا۔ اس کی عجیب کے جانب بڑھے۔ دوسرے طے بیتول کی  
 گولی جگت کے سینے کو پھلنی کو چکی تھی — وہ لڑکھڑایا اور بے جان مجسمے کی طرح قفس پر گر پڑا۔  
 چاولوں کی پھیلی اس کے ہاتھ سے گر پڑی۔ چاول — اس کے شیرازہ حیات کی طرح خشک  
 زمین پر بچھے پڑے تھے۔ امارت، غربت پر مسکرا رہی تھی — شاید اسے عزیز کی نوجوان  
 زندگی پھین کر لذت محسوس ہو رہی ہو۔ کتنی ظالم اور سفاک ہیں یہ امارت کی چڑھیلیں — !!!

### جاوید یزدانی

من کی دنیا — حیدر آباد کے نوجوان افسانہ نگار رشید قریشی کے افسانوں کا نفیس مجموعہ ہے۔ افسانوی ادب سے  
 دلچسپی رکھنے والے ضرور اس کا مطالعہ کریں۔ کتاب بہت دلچسپ اور انداز بیان نہایت خلعت ہے۔  
 اردو کے نئے ادب سے دلچسپی رکھنے والے اور ترقی پسند نظریوں کے پرستان افسانوں کے مطالعہ سے ضرور فائدہ  
 ہوں گے جو صحابہ اردو کے جدید ترین افسانوں کا مطالعہ کر رہا ہے۔ اس نوجوان مصنف کے ان پرکین افسانوں سے ضرور  
 لطافت اندوز ہوں گے۔ صفحات ۱۲۰ قیمت جلد ۷۰۔ یہ کتاب سب رس کتاب گھر سے مل سکتی ہے۔

## ماہرین کتابیات

الہ آباد کے مشہور و معروف ناشرین کتب کتابستان

(نے)

ماہرین کتابیات کی ادبی تنظیم کی نازم ترین تجویز کے ماتحت اردو ادبیات کے ہر شعبے کی جدید تصنیف کی طباعت اور اشاعت کا  
 ہنسیہ کیا ہے۔ اس کتاب کے علاوہ اہل قلم اور باب تصنیف و تالیف کو دعوت دی جاتی ہے کہ وہ اپنی کمال  
 مجوزہ تالیفات کے نمونے طبع اور اشاعت کے لئے ہمارے پاس بھیجیں۔ ان پر غور کرنے کے بعد صحیح اور مناسب  
 مشورے کے بعد طبع و اشاعت کا ایسا معقول اور پسندیدہ انتظام کیا جائے گا جو مصنف اور تصنیف دونوں کے لئے  
 عزت و وقار اور ناموری کا سبب ہے اور ملک اور زبان کی ادبیات میں ہر لحاظ سے صحیح اور قابل قدر اضافہ کرے۔

اس سلسلہ میں ذیل کے پتے پر خط و کتابت کی جائے۔  
**کتابستان نمبر ۱۔ کمالا نہرو روڈ الہ آباد**

## پیکرِ ناز

اے مری روحِ زلیت، پیکرِ ناز  
تیرے ہنسنے میں برق کا انداز  
ہر ادائیری مرکزِ فطرت  
ہر نظر تیری جلوہ گاہِ ناز  
زلفِ پُر پیچ و زرگی آنکھیں  
اک فریبِ حین ہے ان کا راز  
عشقِ عالم شکا رکے ہاتھوں  
حسنِ خواہاں بھی بن گیا عماز  
ایک مدت سے ہائے اتیرے بغیر  
نغمہ آرزو ہے بے آواز !  
یاس و حرام کی تند موجوں میں  
ڈلگاتا ہے زندگی کا جہاز  
نغمہ جادواں کو کیا کہئے !  
اک مسلسل حیات بخش ہے ساز  
میں نے کھایا تھا اک حسیں دھوکا  
عشق تکا دل فریب تمہا آغاز  
شاید ان کا کرم ہے تجھ پہ عظیم  
فکرِ عالی ہے مائل پرواز !

عظیم حیدر آبادی

## غزل

شکستِ ربط سے بھی یہ پریشانی نہیں جاتی  
محبت کی غلشِ تاحدِ امکاں نہیں جاتی  
تسلی لاکھ ہو غم کی فراوانی نہیں جاتی  
تری محفل میں بھی دل کی پریشانی نہیں جاتی  
ہزاروں بار دیکھا ہے جمالِ شاہِ عالم  
مگر ذوقِ نظر کی تشنہ سامانی نہیں جاتی  
یہ کون اٹھا تھا آخر میری آغوشِ محبت سے  
زمانہ ہو گیا پہلو کی ویرانی نہیں جاتی  
ہمیں اپنی تنہائی کا نہیں کوئی نگلہ لیکن  
نگاہِ ناز کی طرزِ پیشانی نہیں جاتی  
یہ نازک لمحے اُن کی یاد کے تو بہ ارے تو بہ  
کہ اپنے دل کی دھڑکن مجھ سے بچانی نہیں جاتی  
قیامت ہو گیا حساس ہو جانا طبیعت کا  
کوئی عالم بھی ہو دل کی پریشانی نہیں جاتی  
وہی احساسِ تنہائی ہے ان کے سامنے عری  
نظرِ آباد ہے اور دل کی ویرانی نہیں جاتی

عشری (بھوپال)

# بی بی کمالہ حضرت خوجہ صاحبہ کا گنبد

**مختصر مآثر** تاریخی اور مقامی دونوں روایتیں اس امر پر متفق ہیں کہ بی بی کمالہ حضرت خوجہ ماں صاحبہ سلطان محمود غزنوی کی اولیٰ صاحبزادی ہیں اور حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلی سے آپ کو شرف بیعت حاصل ہے۔

اس لحاظ سے آپ خواجہ بندہ نواز کی پیر بہن ہوتی ہیں۔ سیر گلبرگہ میں مولوی محمد سلطان صاحب نے لکھا ہے کہ آپ کے شوہر محترم شمس العشاق حضرت میاں حسینی ہیں جن کا مدار موضع سد لگہ تعلقہ ہو کر ی میں ہے جس پر ایک عالی شان گنبد بنا ہوا ہے۔

چونکہ خود محمود شاہ اول ایک نہایت متقی اور پرہیزگار بادشاہ تھا جس نے بیس سال حکومت کرنے کے باوجود ایک سے زیادہ بیوی نہیں کی اور مکر حجب و وصیت و فن بھی ہوا تو حضرت شیخ ضیاء الدین قتل مجر نیمہ حضرت شیخ زید الدین کنج شکر کے پائین میں۔ فقیر دوست اور جوہر شاس الہ کہ اسی نے حضرت خواجہ حافظہ کو شیراز سے دکن آنے کی دعوت دی اور بہت سے قیمتی تحائف از قسم نقد و جنس روانہ کیا، ایسے بنگ اور خازن رس بادشاہ کی بیٹی اگر ایسی ولیہ کا ملہ ہو تو کوئی تعجب کی بات نہیں چنانچہ اب تک آپ کا گنبد زیارت گاہ خاص و عام کمالات باطنی کی وجہ سے ممکن ہے کہ آپ کا لقب کمالہ ہو گیا ہو اور اس کا بھی امکان ہے کہ خوجہ کمالہ آپ کا نام ہو۔ شاہی خاندان سے ہونے کی وجہ سے آپ کو خوجہ سلطانہ بھی کہتے ہیں، مگر آپ کے تقدس کی دلوں پر ایسی عظمت چھائی ہوئی ہے کہ سب آپ کو خوجہ ماں صاحبہ ہی کہتے ہیں۔

**لفظ خوجہ کی تحقیق** | خوجہ جس کا تلفظ خوزہ بھی ہے، فارسی لغت میں اس کا کہیں پتہ نہیں۔ یہ ترکی زبان کا ترک تہی، ناموں میں اکثر ترکی الفاظ نظر آتے ہیں۔ خصوصاً خوجہ کا لفظ مستورات کے ناموں میں، امراء و فقراء، دونوں میں یکساں مقبول تھا چنانچہ حضرت خواجہ بندہ نواز کی دو صاحبزادیوں کے ناموں میں یہ لفظ آیا ہے۔ منجلی صاحبزادی کا نام خوجہ بنتول اور چھوٹی صاحبزادی کا نام خوجہ ام الدین تھا۔ حضرت خواجہ صاحب کی اولاد و احفاد میں بھی یہ لفظ اس قدر پسندیدہ رہا ہے کہ کوئی پیڑی اس سے غالی نظر نہیں آتی۔ چند نام ملاحظہ ہوں خوجہ زینب، خوجہ فاطمہ، خوجہ حیمۃ اللہ، خوجہ بلوچی، خوجہ تجیل، خوجہ روشن، خوجہ یار سہ۔

ان ناموں سے معلوم ہوتا ہے کہ خوجہ کا لفظ کلمہ تعظیم و احترام ہے جو عورتوں کے لئے راجح تھا جیسا کہ مکتوب کے زمانہ میں بیگم نے رواج عام پایا۔ ہمیںوں کے بعد دکن کے دیگر شاہی خاندانوں کے حالات میں بھی یہ لفظ بار بار آتا ہے۔ مثلاً خوزہ ہمایوں اہلبیہ حسین نظام شاہ

**گنبد** | گلبرگہ سے جانب شمال دو ایک میل کے فاصلہ پر موضع کینو کے قریب، درختوں کے جھنڈ میں، کھیتوں سے بچھرا ہوا ایک گنبد ہے جس کا ہر ضلع اندر سے ۳۱ فٹ پانچ انچ اور باہر سے ۷ فٹ ۴ انچ ہے۔ اس کا طرز تعمیر دور اول کے ابتدائی حصہ کا ہے۔ کمالوں کے پاکھے پھیلے ہوئے، لٹکے ہوئے اور بے ڈول سے، اس کی بعض کمانیں تو اندر و باہر کی طرف بدنامائی کی حد تک پہنچ گئی ہیں۔

گنبد اندر سے بالکل سادہ ہے۔ قبة بھی بالکل سادہ ہے۔ کمالوں اور نیم محرابوں پر کسی قسم کا نقش و نگار نہیں۔

صرف سروں پر ہلال اور ہر دو طرف ڈھال نما پھول ہیں جن میں مختلف نقش ہیں۔ البتہ مغرب رو یہ محراب پر کسی قدر معمولی قسم کی کھل کاری ہے اور اس کے نیچے نئی عربی خط میں کچھ لکھا ہوا ہے جو چونے کی تہوں کی تعمیر جانے سے پڑھا نہیں جاسکتا۔ یہ محراب ہلال نما لنگرہ دار ہے جس کے صرف بائیں لنگرہ اب باقی رہ گئے ہیں۔ لنگرہ خوش نما ہیں، جب پورے ہوں گے تو محراب بہت خوبصورت معلوم ہوتی ہوگی۔ اس محراب کے سرے پر لفظ اللہ لکھا ہوا ہے۔ اس محراب کے ہر دو جانب دو چوکونی طاقے ہیں، ایک میں اٹھتیل کا رخ مکتا ہے۔ تین محرابیں کھلی تھیں، بعد میں حفاظت قبور کے لئے میتوں کو چن کر جانب جنوب ایک بہت ہی چھوٹا سائیت دروازہ لگا دیا گیا ہے، اس وجہ سے گنبد میں اندھیرا رہتا ہے۔ گنبد کے بیچوں بیچ ایک مردانہ قبر ہے اور اس سے ہٹ کر جانب مغرب ایک زنانہ دروازہ ہے جس پر غلاف پڑا رہتا ہے اور ہری چوڑیاں لکھی رہتی ہیں۔ یہ دونوں مزار مٹی، پتھر کے ہیں جن پر صندل لپا ہوا ہے۔ زنانہ مزار کافی لمبا چوڑا مگر نسبت سے اور سرمانے کی طرف ذرا اٹھا ہوا جیسے کوئی چادر تانے محو خواب ہے۔ مردانی مزار کچھ زیادہ لمبا چوڑا انہیں البتہ حسب رواج اونچا ہے زنانہ مزار تو یقیناً فخرزہ ماں صاحبہ کا ہے۔ مردانی مزار کے متعلق مقامی روایت یہ ہے کہ یہ آپ کے کم سن صاحبزادے کی قبر ہے جن کا نام لوگ شمنامیراں بتلاتے ہیں۔ شمنامحفت ہے شمس الدین کا بیٹا کہ عین میں ہو جایا کرتا ہے۔ اس لئے آپ کا نام شمس الدین میراں حسین معلوم ہوتا ہے۔ میراں حسین کا جود خاندانی ہوسکتا ہے۔ ایک صاحب نسبت بزرگ سے بھی مجھے اس کی تصدیق ہوئی کہ یہ مردانی مزار صاحبزادے ہی کا معلوم ہوتا ہے۔

کپنر ایک چھوٹا سا موضع ہے۔ یہاں مسلمانوں کے تیس چالیس گھر ہیں۔ یہاں کا مالی پٹیل جو مسلمان ہے وہ اور یہ سب لوگ مل کر ہر سال رجب کی چھٹی کو عرس کر لیتے ہیں اور نذر و نیاز چڑھاتے ہیں۔ گنبد کے سامنے جو حکیت ہے وہ بھی اسی مالی پٹیل کا ہے جس کا نام مشائخ پٹیل ہے۔ یہ گنبد اس سمت کا آخری گنبد ہے۔

ڈیڑھ دو فٹ اونچے چبوترے پر واقع ہے۔ اس میں ایک عبت یہ کی گئی ہے کہ مغرب کی طرف اس چبوترے کے بیچ میں مسجد نما شمل لگا لیا گیا ہے۔ اس کے نیچے ایک اور چبوترہ ہے جو ہر طرف سے ٹوٹ گیا ہے۔ اس لئے اس کا عرض ہر طرف کچھ مختلف ہے۔ جانب شمال ۲۳ فٹ پانچ انچ اور بلندی ۴ فٹ ہے۔ اس چبوترے پر جنوب کی طرف دو قبریں ہیں اسی طرف اس چبوترے کے نیچے ۲۴ فٹ لائیا ایک اور چبوترہ ہے جس پر آٹھ قبریں ہی ہوئی ہیں۔ اس چبوترے کے نیچے بھی ہر طرف چند قبور ہیں۔ جانب مغرب

حکیت میں بھی کچھ قبور ہیں۔ ہتھاباد کی سڑک پر مذکورہ بالا گنبد سے آگے تو کوئی گنبد نہیں ہے البتہ اس کے جنوب ایک اور گنبد | میں ایک میل کے فاصلہ پر ایک چھوٹا سا گنبد ہے ضمناً اس کا بھی مختصر حال سن لیجئے۔

یہ گنبد ایک وسیع چبوترہ پر جو اب ہر طرف سے ڈھ گیا ہے واقع ہے۔ جس کا ہر ضلع اندر سے ۱۹ فٹ اور باہر سے ۲۹ فٹ ہے۔ اس کی کانیں اور نیم محرابیں فیروز شاہی طرز کی ہیں اور یہ سب نقش و نگار نہ خالی ہیں۔ صرف ان کے سروں پر ایک ایک پھول اور ہر دو طرف ایک ایک ڈھال نما پھول ہے۔

مغربی محراب پر کچھ آیتیں لکھی ہوئی ہیں جواب اکثر جھڑکتی ہیں۔ اس محراب کی ہر دو طرف خوش نما لٹپے ہیں۔ دیواروں کی کچھ سب جھڑکتی ہے۔ فرش بھی اکھڑ گیا ہے۔ بیچ میں صرف ایک قبر ہے جو مردانی معلوم ہوتی ہے۔ قبة بھی سادہ ہے صرف بیچ میں ایک گول چول ہے جس کا اکثر حصہ جھڑ گیا ہے۔ باہر کی بھی سب استکار دی لکل کٹی ہے خنبہ کی کچھ باقی ہے۔ گنبد حین طرف سے بند ہے۔ صرف جانب جنوب کھلا ہے جس میں چوکھٹ کے نشان پائے جاتے ہیں مگر اب چوکھٹ موجود نہیں ہے۔ گنبد مجموعی حیثیت سے بہت خستہ حالت میں ہے اور نہ معلوم کس کا ہے۔

میر جہانگیر علی خان

بھیک

سکون زندگی کی کھوپچا ہوں  
جوانی میں جوانی کھوپچا ہوں  
شبابِ زلیت آکر چل دیا ہے  
سرا پا غم بنا کر چل دیا ہے  
تری چشمِ عنایت کا تبسم  
مرے دل کے مقدس ترین ہیں ہے  
خرام ناز کا رنگیں تر ختم  
ابھی تک وہ قیامتِ دشمن  
مری الفت کی تاثیریں غلط ہیں

مری قسمت کی تحریریں غلط ہیں  
مگر پھر بھی دلِ عمکین و مضطر  
ترا معصوم اشارہ چاہتا ہے  
ہر اک تار نگاہِ شوق اکثر  
ترا رنگیں نظارہ چاہتا ہے  
بس اب یہ بے نیازی ترک کر دے

مرا دامن گلِ مقصد سے بھر دے  
نظارہ اور قربت چاہتا ہوں  
گداگر ہوں محبت چاہتا ہوں

جبریل

# پشیمانی

شام کا سماں اوقات تھا آسمان ابرا کو تھا۔ ایک فیہ  
موٹا کارٹری تیزی سے چلی آ رہی تھی کارٹر کوچ میں کھڑی  
ہوئی۔ بچہ ظہیر وہ بیٹہ سنبھالنے ہوئی اٹھ کھڑی ہوئیں کہ رات  
ہو رہی ہے اور ایسے وقت کو ن آیا ہے۔ انھوں نے اپنے  
مہان جیتے جھانکے کو اس کے کمرہ میں بھیج دیا۔ انھوں نے  
برآمدے میں قدم رکھا ہی تھا کہ سامنے سے خالوہ نیلو فران کی  
لاڈلی بیٹی آتی ہوئی دکھائی دی وہ دوڑ کر لپٹ گئی۔ دو سال  
بعد انھوں نے اپنی بیٹی کو دیکھا۔ نیلو فرانی نے ہاس کرکلی تھی۔  
وہ لاہور میں اپنی نانی جان کے ساتھ رہتی تھی۔ بچہ ظہیر نے  
ظہیر میرزا کو فون سے نیلو فرانی کی اطلاع دی۔ وہ بھی فوراً  
آجئے گھر میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی غریب خاتون کو کسی  
نے ایک دم نہ کیا۔ نیلو فران نہیں مانتی تھی کہ آج کل خاتون  
کہاں ہیں۔ والدین نے کھانے کے لئے کہا تو اس نے  
انکار کر دیا کہ وہ شام کو چائے پی چکی ہے وہ اپنے کمرہ میں سبک  
بجھ بیٹھ کر کھڑی گئی۔

ایک خاتون کے سر میں شدت کا درد ہونے لگا۔  
اس نے بہت کوشش کی مگر ن آجائے۔ لیکن کسی پہلو آرام نہ  
ہوا۔ وہ دروازہ کھول کر باہر بیٹنے لگا تاکہ ٹھنڈی ہوا سے  
درد کچھ کم ہو۔ اسی وقت نیلو فران کی یاد آئی رات میں  
کسی کو ملنا ہوا دیکھ کر پریشان ہو گئی۔ چنچ اٹھی۔ ائی ائی  
ہوئیں تو جواب نہیں۔ اس کے دل میں یکایک چور کا شک  
ہوا اس نے خود ہی رات کی کھانچ اور اسٹیک لیکر باہر آئی دیکھا  
ایک شخص گیٹ کی طرف چلا جا رہا ہے۔ شک یقین میں تبدیل  
ہو گیا وہ اس کے پیچھے دوڑی اور اسٹیک سے اس کے سر پر  
سج بٹا اور چونچ پڑے۔ چلائے تھی اس کی آواز سن کر ظہیر  
اور بچہ دوڑیں دوڑ پڑے دیکھا تو گیٹ کے پاس خاتون کی  
پڑا ہے۔ سر پر کاری ضرب آئی تھی۔ بچہ ظہیر کے منہ سے چیخ  
نکل گئی ہائے خاتون۔ ظہیر بچہ کے منہ کی طرح کھڑے رہ گئے۔

خاتون ایک چیخ نیلو فرانی زبان سے نکل گئی۔

ظہیر نے بچہ کے سہاے خاتون کو اٹھایا اور سر ہری پر  
ڈال دیا۔ بچہ ہوا۔ ظہیر نے ڈاکٹر فریڈ جید کو نیلو فران پر  
اس حادثہ کی خبر دیکر جلد آنے کی تاکید کی۔ ڈاکٹر صاحب نے خود  
اپنی کار خال کرکٹ خواتین کے لباس ہی میں آسپوئے ڈاکٹر  
نے خاتون کے زخم کو دیکھا اور تسلی آمیز لہجہ میں بولے۔  
مسٹر ظہیر گھبرانے کی بات نہیں ہے۔ زخم کچھ ضرور ہے  
لیکن ملد ہی اچھا ہو جائے گا۔ رات کی ڈوبی کے لئے ایک  
زس رکھ لیجئے۔ نیلو فرانی کمرہ میں آگئی تھی روتے  
روتے اس کے بچہ کی بندھ گئی۔ بچہ ظہیر نے کہا۔

خدا جانے خاتون کیوں باہر نکل رہا تھا کہ نیلو فران نے  
سوچا کہ چور ہے اس کے کمرہ میں خاتون ہی کی ایک اسٹیک رکھی  
تھی اس نے اسی سے اس کے سر پر مارا ہے۔

ظہیر۔ سچ تو اس میں ہر دونوں کی سخت غلطی تھی ہے  
وہ آئی تھی وہیں خاتون سے بھی ملنا تھا وہ غریب تو سمجھا کہ  
کوئی ٹھنڈی دانی بیوی آئی ہیں تو اپنے کمرہ میں چلا گیا اس کی  
کو کیا معلوم کہ کون آیا ہے۔

فریڈ۔ ہاں ٹھیک کہتے ہو۔ نیلو فران نے اپنی رود و کر  
مان کیوں دکھانے کی تھی ہو۔ تمھاری کوئی غلطی نہیں ہے  
نیلو فرانی طبیعت بگڑنے لگی اور وہ بے ہوش ہو گئی ڈاکٹر  
فریڈ نے کہا۔ بچی ہی تو ہے فرط غم سے طبیعت بڑک گئی ہے۔  
اسے آرام کی سخت ضرورت ہے۔

نیلو فران حالاکہ تندرست تھی لیکن ایک ہی رات میں اس کی  
حالت تب دق کے سرخیوں کی سی ہو گئی تھی۔

خاتون آٹھ کھل کر کہا۔ چچی پانی.....! بچہ ظہیر  
نے جلدی سے پانی کا گلاس دیا اور پوچھیں۔ اب کسی طبیعت ہے؟  
خاتون نے انھیں بند کرتے ہوئے کہا۔ ات، مت پوچھئے چچی۔  
دو سے سرخا جا رہا ہے۔ اور اس کی آنکھوں سے دھوا  
موٹے موٹے آنسو رخسار پر ٹھک رہے۔ ایسا معلوم ہوتا  
تھا جیسے آسمان سے دو تارے ٹوٹ پڑے۔ چچی نے دو تارے

کہل سے آنسو بونچھے اور بولی: بڑا تم بہت بڑا بچہ ہو جاؤ گے ضبط سے کام لو ابھی دو اگر صاحب آکر دوادیں گے تو سر کا درد اچھا ہو جائے گا۔

خاقان: (خفیت آواز سے) انہیں بھی جان۔ اب شاید انہیں بچوں کا؟

بیگم گلبر: (عجربانی ہوئی آواز میں) بیٹی! تم کیا کہتے ہو۔ تم کھارے لئے خون پسینہ ایک کرنے کو تیار رہیں گے۔ نہیں۔ تم ملکہ اچھے ہو جاؤ گے۔

نیلوفر: خاقان کے سر ہلنے بیٹھی اس کا سر آہستہ آہستہ سہلے گئی خاقان کو کچھ آرام ہوا اور وہ گویا: نیلوفر اپنی صحت کا خیال کئے بغیر دن رات اس کی تمارواہی میں لگی رہتی تھی۔ دیکھنا بعد جب خاقان بیدار ہوا تو دیکھا کہ نیلوفر بے تک اس کا سر سہلا رہی ہے۔

خاقان: (نیلوفر پر) تم بے تک جاگ رہی ہو۔ نیلوفر: مجھے نیند نہیں۔

ایک مہینہ بعد خاقان کو کچھ آرام ہوا۔ اس نے حادثہ کی رات کے تمام حالات بتائے پتا چلی کہ نیلوفر اور ساتھ ہی ڈاکٹر فروز حیدر اس کی حالت سمجھنے کے لیے آئے تھے۔ بیک ٹھہر تو ایک گھنٹہ کے لئے بھی ان کو اس کے پاس سے نہیں آئیں۔ اور خوشی سے جاگن ہوئی جاننا تھیں۔ خاقان کی چٹائی پر بوسوں کی بارش کرنے لگی۔ ان کے کوئی لڑکا نہیں تھا۔

نیلوفر بھی ان کی آرزوؤں و تمنائوں کی مر کزی تھی۔ بیگم گلبر خاقان کو سیدھا چاہتی تھیں کالج بند مورتے ہی اسے اپنے پاس بلا لیتا تھا۔ اپنے عزیز و لونڈا جیسے کی عیال سے ان خود کیوں نہ پریشان ہوتیں۔

خاقان حسین: (تندرست) بائیس سالہ نوجوان تھا۔

اس نے اسی سال ایم ایس سی کا امتحان دیا تھا۔ اور اب آئینہ کا سستا انتظار تھا۔

ایک ماہ کی صحت پریشانی کے بعد خاقان بالکل تندرست ہو گیا۔ غسل صحت کے بعد حمام و ستون داہرہ بڑا قارب کو اٹلی

پہنا کر پٹی پارٹی وڈی گئی۔ اسی دن خاقان کے ایک دوست کا ٹیلیگرام آیا کہ خاقان ایم ایس سی میں کامیاب ہو گیا۔ اس خوشخبری نے خوشی میں اور اضافہ کر دیا۔ دوسرے دن نیلوفر نے اپنی سب سہیلیوں کو رات کی کھانے کے بعد سہیلیوں نے اپنی کسی سہیلی سے نہیں ملنی تھی خاقان بھی نیلوفر کے ساتھ چھوٹے چھوٹے کھانوں میں حصہ لیتا رہا۔ کھانے کے بعد سہیلیوں نے بہت اصرار کیا کہ نیلوفر ایک گھنٹہ کے لئے اس نے آج بھی اس کا کہنا نہ کیا۔ خاقان نے کہا: جانتی ہو میں شکار برا جاتی چلیا۔

نیلوفر: (خندہ بازی سانس لیکر) اچی اچی! خاقان: پھوٹوں کو ٹیڑوں کا کہا ماننا چاہیے۔

نیلوفر سچ رہی تھی کیا میرا خواب کبھی حشر نہ ہوگا۔ کیا وہ اب تک میرے دل کے درد کو نہیں سمجھ سکے۔

خاقان کی آواز سے ایک اس کے خیالوں کا سلسلہ منقطع ہو گیا اور وہ چونک پڑی اور نیلوفر کو سوچے سمجھے جی کہہ دیا: خاقان: میں جانتا ہوں نیلوفر کہ تمام رات جاگ کر

تم نے اپنی صحت خراب کر لی ہے، لیکن مجھے یہ بھی امید ہے کہ تمہاری تندرستی بہت جلد واپس آئے گی، تم و اس ہواؤ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ لیکن میری ایک خواہش پوری کرو۔ گانا ناؤ۔ تمہاری طبیعت بھی بہل جائے گی۔

نیلوفر: (اسی سی بات کے لئے اتنی لمبی بھڑکی ہنسید کی کیا ضرورت تھی۔ اگر آپ لوگوں کی یہی خواہش ہے تو ضرور سنائوں گی۔) ایک سہیلی کو پانچوں طرف اشارہ کر کے

انچہ تم یہاں نہ جاؤ۔ انچہ آگن سا گانا گائیں۔

نیلوفر: تم لوگ تیار آؤ۔ سب سہیلیاں: (نہیں بھئی۔ ایسا ٹھیکہ نہیں ہے جو تمہیں پسند ہو گا۔) انچہ کو نیلوفر نے آہستہ سے بتایا اور

دوبارہ بجانے لگی اور نیلوفر کاٹے لگی۔ دن کی دھڑکن بنالیا ان کو۔

اس کے گلے میں لاکا دوڑھا، اس کی سوتلی آواز فضا میں

کردی۔ اور کرسی پر بیٹھی رہی۔ اب آسمان صاف ہوا جانا تھا۔ کہیں کہیں روشن ستارے نظر آ رہے تھے۔ چاروں طرف یہی چاندنی چمک رہی تھی۔ سیلف فوٹو لگاتے ہی۔ اسے چاند پر بھی امیدوں کو سنبھال دیا۔

تکٹ سے کسی چوکی کے گردنے کی آواز ہوئی۔ اس نے دیکھا کہ اس کی گردو سبکاب کر رہی تھی۔ وہ اٹھانے لگی تو بھیجے سفالان کو کھڑا دیکھ کر خراب ہوئی۔

نیلو فر: آپ۔۔۔ اس وقت۔۔۔ یہاں۔۔۔ ۱۔

کونسی کام۔۔۔۔۔؟  
خاتون۔ ایک بات پوچھئے، یاہوں نیلو فر کیا تم جواب نہ گی؟  
نیلو فر۔ خاموش۔۔۔۔۔!

مفتاحان۔ آخر اس خاموشی کا کیا مطلب تھا؟ کیا میں مجھ  
 دوں کہ تم مجھ سے نفرت کرتی ہو؟ تمہیں مجھ سے بات کرنا تک گوارا  
 نہیں۔

نیو فور کی آنکھوں میں آنسو جھلک آئے۔  
نیلوفر، کاش میرے درد کا اندازہ کر سکتے۔ میری قسط  
خاقان نے میں تم سے یہی پوچھے آیا تھا کہ کیا معلوم جب ہم  
اکثر حصہ منجمی سرگڑا تھیں۔۔۔۔۔ لیکن اس کا اظہار اس لئے  
ہمیں کیا کہیں؟ یہ خیال نہ کرو کہ میں خاقان کو معافی مانجھتی  
تھی اور سخت کرتی رہی لیکن۔۔۔۔۔ کئی مرتبہ غلات کے درمیان  
میں یہ خیال ہوتا کہ آخر تم میرے لئے اپنی صحت کو کیوں برباد  
کر چکے ہو؟ تنہائی نظروں میں رات بھی سوچ تھا لیکن ہر  
میں اسے اپنی غلطی سمجھ کر دل سے نکال دیتا۔ لیکن آج میں  
اپنی قسمت پر تنہائی ناگزیروں کم ہوگا۔ کاش بس چنانچی میری  
خواہش کو نہیں ٹھکرائے !

بولی: اب آپ جا کر آرام کیجئے۔ ابھی بستر سے اٹھے ہیں لڑاچا  
 نہیں کرتی جا رہے۔ اور دو گوجی اٹھ کھڑی ہوئی۔ خاقان  
 حجب بخیر کمر کرانے کو میں چلا گیا۔ میلو فورہ بستر پر  
 نید نہیں آئی اسے کچھ کمر کھڑکی کی آواز سنائی دئی اسے

پھیل گئی، کائنات کا ذرہ جھومتا نظر آنے لگا، خاقان کی  
عجب کیفیت ہو گئی، اس کی نگاہیں گڑبگڑ سے باہر ابرام کو دہلا  
پرچی ہوئی نگاہیں چاند بھی چھب تھانا اور کبھی اپنے بلوہ سے  
ویناکو روشن کر دیتا۔ کائنات پر ہو گیا لیکن خاقان اپنے خیال  
میں محو تھا۔ نیلوفر کی دوسری پہلی اقبال نے چھپڑتے  
ہوئے کہا: "جانی خاقان کس خیال میں تھو ہیں۔ کسی دل کی  
دھڑکن، کون کون سا کمر و زور تھو، سنئے؟"

میں نے کہا کہ آپ کو اس سے کچھ نہیں ہوگا۔  
 وہ کہنے لگا کہ مجھے کچھ نہیں ہوگا۔  
 میں نے کہا کہ آپ کو اس سے کچھ نہیں ہوگا۔  
 وہ کہنے لگا کہ مجھے کچھ نہیں ہوگا۔

عاقبت وہ ضرور آپ کا کام سرانجاموں پر پہنچا۔  
 نیو یارک سے جانو لے کر خود جانے لگی اور اس کے  
 موافق پروین گئے انکی توجہ سے سن میں بسوں کی دوسرا بنا  
 گئے کے ختم پر عاقبت نے کہا: آئیہیچی اور وہ جلدی سے  
 کمرہ سے نکل گیا۔ گانا ختم ہوئے پر پروین نے عاقبت کو کلاں  
 کیا۔ وہ بے خبر کے پاس بھی نہیں ملا، غصوں نے کہا کہ میں نے  
 تو نہیں ملا ہے۔

پروہی نے بتایا کہ وہ اس طرح جواب دے کر وہاں سے چلے آئے۔ عظیم ٹکڑے بنے ہوئے کہا: "بڑا فاقی بچہ ہے۔" خیر آج اسے چھوڑ دو کسی دن میں خود سزا دوں گی! "خیر آدینہ بھت و دیگر خاقان کے مذاقی پر ہنستے رہے۔ پروہی کا اداس چہرہ دیکھ کر بے سہیلیاں ٹھٹھکھار کر ہنس پڑیں۔ بارہ کا گھنٹہ بٹنے ہی سب جانے کو، ڈاکو ماری ہوئیں۔ منہ پر نے سب کو خصمت کیا۔ پورا پتہ کو میں اگر کسی پریشانی اور باہر کے پرکین منظر سے لطف اندوز ہونے لگی۔ اس کی آنکھوں سے نیند روپوش ہو چکی تھی۔ والدہ نے بخار کر کہا: "بیٹی! قریب تک کیا کر ہی ہو آرام کرو!" نیندو نے سوچا کہ کل کی آروشنی سے اچھی نے سہا گیا ہے کہ میں جاگ رہی ہوں۔ روشنی کا بین و بار کا لاش بند



یقین ہو گیا کہ اس کے والدین ایک کھیل رہے ہیں۔ وہ دروازہ کے قریب جا کر کھڑی ہو گئی۔ عجم ظہیر کہہ رہی تھیں۔ حوشہ کے لئے اپنا بھی ہوجائے گا۔ بہت حیلن جوڑے اچھو کا۔  
ظہیر نے کہا۔ کل ہی والدہ اور اکرام ظہیر کے چھوٹے بھائی اور خاقان کے والدہ کو آنے کے لئے ٹیلیگرام دے دیتا ہوں! بہت اچھا ہوا جو آج تم نے ان کی باتیں سن لیں۔ وزیر بچی کی زندگی کے بارے ہاتھوں تباہ ہوا جو ابھی وہ ایک لفظ تک غلامت زبان پر نہیں لاتی۔ خانا ہماری امیدوں کو پوری کرے؟  
نیلو فر کا دل دھڑکنے لگا کہ والدہ نے اس کی باتیں سن لی ہیں۔ وہ آہستہ سے آکر کتیر پر راز ہو گئی اور سوچنے ہی سوچنے اسے نیند آگئی۔ صبح دیر سے بیدار ہوئی۔ دیکھا تو سامنے خاقان سفید سوٹ پہنے کرسی پر بیٹھا کوئی کتاب دیکھ رہا ہے۔ اور میز پر بائے ناستہ رکھا ہے۔ خاقان نے مسکراتے ہوئے نیلو فر کو دیکھا۔ نیلو فر کے پریشان بل پریشانی پر کمر کئے تھے۔ گلابا دل کے سیاہ ٹکڑے میں سے چاند مسکرا رہا ہے۔ نیلو فر مسکراتی ہوئی اٹھ کر چلی گئی۔ خاقان نے لازمہ سے کہا کہ ابھی ناستہ تہہ لیاؤ چلے ٹھنڈی ہوجائے گی۔ بی بی آجائیں ٹولے آنا۔

نیلو فر نے سبز سلک کا جوڑا پہنا۔ بال سنوارے اور اپنے کمرے میں آئی۔

خاقان:- اوہو! اس وقت تو سبز پر ہی معلوم ہو رہی ہو۔ بھلا تمہاری اس ناؤں گلفی سے کوئی دل والا کیوں کر بچ سکتا ہے؟

مرتلا:- جی ہاں آپ کی غلطی نہیں تھی شاید آپ کے ہاتھوں کی غلطی ہو! اب کچھ بھی کہو۔ ایک بات تو چور کہہ لیں۔

نیلو فر نے ناستہ کے بعد رات کی تمام باتیں خاقان کے کمرے میں گزرا کر دیں۔ وہ خوشی سے کھل اٹھا۔  
تیسرے دن نیلو فر کی مالی جان اور چچی آئیں! ظہیر نے اکرام سے کہا:- میں نے تم کو کوئی کوس نکلیت دی ہے کہ تمہاری دلی خواہش ہے کہ خاقان کو ہم اپنا داماد بنائیں۔ کیا خاقان کے لئے نیلو فر موزوں نہیں ہے؟  
بلکہ اکرام:- ایسے بھی وہ آپ کا سب سے بھائی صاحب! اکرام:- امیر کی خوش قسمتی ہے۔ آپ کے ہر حکم کے آگے میرا سر خم ہے!

عجم ظہیر:- (اپنی والدہ سے) اتنی جان آپ کی کیلئے ہے؟ والدہ:- تم لوگوں کے دل میں اب یہ خیال پیدا ہوا ہے لیکن میں تربیت دونوں سے یہی چاہتی تھی۔ خدائے تعالیٰ ان کی خوشحالی دیکھنا نصیب کرے۔

ایک ماہ بعد خاقان اور نیلو فر شاہی کی سہری فرخچوں میں بانہ دیئے گئے۔ اب نیلو فر نیلو فر خالہ ہی نہیں تھی بلکہ عجم ظہیر خاقان تھیں چند روز کے لئے نیلو فر مسراں کی۔ سب نے خند پریشانی سے اس کا استقبال کیا اور سب نے انتہا درجہ مسرت کا اظہار کیا۔ نیلو فر نے کمرے میں پہلی خاقان کی شین تصویر جو کہ میز پر رکھی تھی دیکھ رہی تھی۔ یکایک دیکھے سے خاقان نے آکر آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ نیلو فر نے اس کے ہاتھوں کو اپنی آنکھوں پر سے اٹھوا لیا۔ خاقان نے کہا:- ایک چور کہہ بیٹھو کیوں عطا ہوا۔

نیلو فر:- ان باتوں کو بھول جائیے میری غلطی نہیں تھی! خاقان:- بھول کیسے جاؤں اسی حادثہ کی وجہ سے تو یہ مرتلا:- جی ہاں آپ کی غلطی نہیں تھی شاید آپ کے ہاتھوں کی غلطی ہو! اب کچھ بھی کہو۔ ایک بات تو چور کہہ لیں۔ لیکن نیلو فر کا سر پشیمانی سے جھک گیا!

کے سلطان عجم نور

# فریاد بھی ہر نغمہ بھی، شعر بھی ہر فسانہ بھی

(اپنی ان رفیقوں کے نام جو میمنوں پڑھ کر کچھ سے خفا ہو جائیں)

میر کا ایک سہیلی راز سر لبتہ ہیں، مجموعہ افسانوں میں، پر اسرار شخصیت کی مالک ہیں۔ پہلی ملاقات میں ان سے مل کر اکثر ایسی ہوتی ہے۔ نہایت خاموشی، طویل سوالات کا جواب بھی ایک دو لفظ میں اور کوئی ان ہی کا کمال ہے۔ چہرے پر عجب قسم کی مسکراہٹ جس سے دوسروں کے لئے حقارت اور طنز کا پتہ ملتا ہے کبھی کبھی یہ مسکراہٹ قہقہہ بن جاتی ہے۔ سراسر طنز ہے قہقہہ۔ چھوٹی چھوٹی روش آنکھیں۔ جو ہر وقت بے چینی سے ٹھوٹتی رہتی ہیں۔ جن میں دوسروں کے راز معلوم کرنے کا بے پناہ جیس ہے۔ وہ دوسروں کے راز معلوم کر کے شہر و دنیا بہت پسند کرتی ہیں۔ مگر ان کے راز معلوم کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ اتنی ٹھری ہیں کہ الا لالہ! بعض وقت ان کی ٹھرائی معلوم کرنے کے شوق میں دوسرے بھاگھو جاتے ہیں۔ دوست بنانے کی بہت شہیاری ہیں مگر جلد ہی ان کا کسی نئی ساتھی کی تلاش میں لگ جاتی ہیں، اس کے باوجود جس سے بھی کچھ دوستی کا عہد کرتی ہیں اسے عمر بھر نباہتی ہیں پھر درمیان میں کبھی ہی سخت جھگڑوں سے ٹھوٹیں ان کے پائے استقامت کو غرض کش نہیں ہوتی۔ ایک چیز سے بہت نفرت کرتی ہیں اور وہ ہے غریب، دوسروں کو بھی نصیحت کرتی ہیں کہ حتی الامکان غریبوں سے نفرت کرو۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ گفتگو کے درمیان غریبوں کا ذکر آ گیا اور وہ خاموش ہو گئیں۔ کہیں کی کچھ نہیں کہتی، ہر پہلی ہنسی کھیرتی رہیں گی، ان کی یہ ہنسی اور اگر کہیں کی بھی تو سراسر طنز، حقارت، غرض عجب مجموعہ افسانہ ہیں۔

## ۲

صورت سیرت سے بڑھ کر حسین ہے تو سیرت صورت سے بڑھ کر دشمن، محفل اصحاب میں بہت ہر دلچیز نہیں مگر ہر توان کی خاص غنایت ہے۔ میرے دل میں بھی ان کی بہت عزت ہے اور طبیعتوں کے اختلاف کے باوجود بھی باہمی ہے۔ کچھ صاف گواہ اور سادہ لوح واقعہ ہوئی ہیں اس پر غضب یہ کہ جو کچھ سنتی ہیں اس پر بغیر کسی تحقیق کے یقین کر لیتی ہیں، پھر اگلے دن کے ان کا خیال بدل جاتا ہے۔ چاہے آپ کتنی ہی تحقیق سے ان پر ثابت کریں کہ یہ بات غلط ہے کردہ پرگز یقین نہیں کریں گی اور انھیں پھر سے شکایت ہی رہے گی۔ ہر دوسرے تیسرے دن یہ ہو گا: اب دوستوں کو حیرانی کہ آخر کہاں سے انھیں یہ سب یقین معلوم ہوتی ہیں۔ آپ سوچ کر حیران اور وہ شکایت کر کے۔ پھر بے پر لالی مسجد کی گرساٹھی ہلکی کی نرم مسکراہٹ بھی سن سیدھی اور مسکراہٹ کا دھنسنے اور جھانج۔ پہلی ملاقات میں ملنے والے اکثر وہو کھلا جانے ہیں کیونکہ نہایت کا وہ عالم کہ ایک ایک لفظ سوچ کر کہیں کی گزرتا ہے کھلتی ہیں تو بے پناہ ہو کر۔ پھر آپ ان سے زیادہ کسی کو پر مذاق نہیں پائیں گی۔ ان کی فطرت کا یہ رخ مجھ پر ابھی نمایاں ہوا ہے۔

## ۳

ہم ان کی تصویر بناتے ہیں بنے یا نہ بنے  
دیکھ کچھ گورا اور سرخ رنگ کی سرخی میں کچھ کچھ ہجائی قسم کی روحانیت ہے۔ غمنا، ہنستی رہتی ہیں اور ایسا مذاق

کی بات یہ ہے کہ جب بھی ہنسی میں خلوص دل سے ہنستی ہیں مگر جذبات کے یہ معلوم کس کھیل میں ہارنے کا نتیجہ ہے کہ اب نیکان کی ہنسی کو یہ کیفیت بنائے ہوئے ہے۔ ہر وقت کسی گہری سوچ میں رہتی ہیں۔ کیا لکھو؟ یہ تو وہی جانیں مگر کچھ محسوس درمیان ہے۔ اپنی سہیلیوں کی بہت دلچسپی ہے۔ سہیلیوں ہی پر کیا شخصیتوں سے بھی ملتی ہیں اس کے بارے میں ہمیشہ اچھی رائے قائم کرتی ہیں۔ جیسی خود نیکان میں وہ کسی سے کم نہ ہو۔ سب کو دیکھنا چاہتی ہیں اور جب انھیں ملے تو بات اٹھانے پڑتے ہیں تو دوسروں کی اصلاح سے ایسے ہو کر میسر رہتی ہیں۔ ان میں ایک صفت بہت اچھی ہے۔ جہاں کہیں دیکھتی ہیں کہ دوسروں کی برائی کی جارہی ہے۔ وہ خاموشی سے اندھ کرتی جاتی ہیں اور اگر نہ بائیں تو بھولی بھالی شکل بنائے خاموش بیٹھی رہیں گی۔ اب آپ ان سے دوسروں کے بارے میں کچھ بھی پوچھیں وہ سوائے تعریف کے اور کچھ نہیں کہیں گی۔ کہتی ہیں۔ دوستی کے تو معنی ہیں کہ درست کی برائیوں کو بھی عزیز رکھیں اور نہ اچھائیوں کو تو سب ہی پسند کرتے ہیں اور کون انسان برائی سے بری ہے۔“

غرض نعرے زیادہ پاکیزہ اور فرشتے سے زیادہ معصوم ہیں مگر نہ جانے معصومیت کے کون سے انوکھے کھیل میں ناکامی ہوئی جس سے ان کے چہرے کی غفلتگی میں حزن زیادہ نمایاں ہو گیا ہے۔

بڑی بڑی بھوری آنکھیں جن میں عجیب قسم کا حزن و ملال ایک قسم کی حسرت ہے۔ چہرے پر غم سکر اٹھا۔ ان کے لئے دالوں کو سب سے پہلے ہی چیز متاثر کرتی ہے اور بعد میں وہ خود۔ اکثر لوگ انھیں غلط سمجھ کر ان سے شکی رچتے ہیں کیونکہ انھیں عجیب متغیروں میں ان میں وجود وہیں عام لوگوں کی دنیا سازی اور منافقت سے انھیں بڑی تکلیف ہوتی ہے کیونکہ اکثر وہ اپنے سچ و سچے کو چھپا نہیں سکتیں جو ان کے دل میں ہوتا ہے وہی زبان پر آجاتا یا حرکات سے ظاہر ہو جاتا ہے جس سے اکثر لوگ ناراض ہو جاتے ہیں بغلات اس کے غلوں میں ان سے دور بے کاہنہ اور سی غلوں وہ دوسروں میں بھی دیکھنا چاہتی ہیں۔ جس کی طرف سے ان کے دل میں اچھا گمان پیدا ہو جائے اس کی برائیوں کو بھی نظر انداز کر جاتیں اور ہر وقت اس کی مداخلت کے لئے آمادہ رہتی ہیں۔

بعض ذرا ذرا سی باتیں انھیں سخت پریشان کر جاتی ہیں۔ خاص کر غریبوں کی ذرا سی تکلیف بھی وہ نہیں دیکھ سکتیں اور کسی بڑے سے برا صدمہ بھی ان پر اثر انداز نہیں ہوتا۔

ادب و مطالعہ سے انھیں بے پایان محبت ہے۔ ہر اور ہی ان کے سچے دوست ہیں۔ ان کا دامن مشغول کتب بینی ہے۔ ایک چیز ان میں عجیب ہے۔ وہ جس کسی صنعت کے ملازمین اور خیالات سے متاثر ہوتی ہیں اسے دوسروں میں سب سے افضل سمجھتی ہیں اور اس کے بارے میں ذرا سی تنقید بھی برداشت نہیں کر سکتیں۔ دوستوں کی محض میں انھیں زیادہ موقوت بولتے ہیں کیونکہ وہ تنہائی پسند ہیں انھیں ان محفلوں سے نفرت ہے جہاں سوائے عیش و عشرت کے تذکروں کے اور کچھ نہیں۔ جہاں سرگرمی وادوں کے مظالم، بہادری کی داستانیں سمجھی جاتی ہیں۔ غریبوں پر ظلم و ستم اور بے بسی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ایسی کھوکھلی تہذیب سے انھیں نفرت ہے۔ دلی نفرت۔

بہرحال شخصیت کی مالک ہیں انھیں سمجھنا میرے بس کی بات نہیں۔ خوش رہیں گی تو اتنی کہ دنیا میں ہم سے بڑھ کر

انہیں کوئی عز نہیں کران کا زیادہ خوش رہنا بھی نقصان دہ ہوتا ہے کیونکہ نہیں جانتیں کہ وہ جس سے بھی خوش رہیں ! دوستی کریں اس سے دوسرے لوگ بھی ملیں۔ ان کا یہ بے بنیاد مذہب، شک و شبہ دوستوں کو گوارہ ہوتا ہے۔ شریں گفتاری میں سب میں مشہور ہیں مگر اس شریں گفتاری کے پیچھے کتنے نہر پلوں کا شہیدہ ہیں اس سے کچھ ہی لوگ واقف ہیں۔ چہرے پر بھولا پن اور مصومیت۔ ان کی یہی مصومیت کو سب کو متاثر کر دیتی ہے اور لوگ ان پر بھروسہ کر لیتے ہیں۔ آپ اپنی کتنی ہی سنجیدہ اور اہم گفتگو کیجئے وہ یہ ظاہر آپ کی باتوں سے لاپرواہی نہیں کی مگر ایک ایک لفظ بغور سن کر اور دل ہی دل میں انتقاد مسکرائیں گی۔ جس کا نتیجہ دو محبوب دوستوں میں لڑائی ہو جاتا ہے۔ جانے کیوں؟ یہ کسی کی بڑھتی ہوئی دوستی اور محبت کو دیکھتے ہیں سنگین اور قوراً ایسا کچھ کرتی ہیں کہ جہاں محبت کی فوجت بخش ہوا میں مل رہی تھیں وہاں نفرت کی بادِ موسوم و دوستی کے نازک پودے کو جھل رکتی ہے۔ اس غضب کا تیز دماغ ہے کہ کوئی بھی یہ گمان نہیں کر سکا کہ انہی کی "عنائیت" سے دوستوں میں دشمنی کی بنیادیں پڑیں ہیں۔ کیونکہ سب کچھ کرتے ہوئے بھی مصوم اور بھولی ہی رہتی ہیں۔ شاید اسی لئے زمانہ آگے نہ بڑھا کہ سچے دوست دنیا میں بہت کم ہوتے ہیں۔

نجمہ سمیع اللہ شاہ

## نذر فانی

ہوش نہیں ہے، کب کا مجھ سے اشتوق کا چور چھوٹ گیا  
رو بھی نہ سکوں، ہنس بھی نہ سکوں، اوجھنیکی پابند  
تھا کون؟ کہ جس کا بس ملتا، اور راہ نمانی کر لیتا  
اچھی تو تھی مٹس جگر کی اپھانس بھی دل کی اچھی تھی  
اللہ اللہ! اپنا سر ہی مجھ کو وبال دوش ہے جب  
پہلی منسل بھی نہ عدم کی آفرینانی بھی کر کہیں  
دیکھا! آفریناس کے ہاتھوں مضبوط کا سا غر چھوٹ گیا  
جا! شک و شبہ، اور کہیں اس ل سحر اکھر چھوٹ گیا  
اس جاہ و قسمت میں آکر! جبے سار ہر چھوٹ گیا  
ظالم کا ہے کو ہاتھ سے تیرے؟ ظلم کا نشتر چھوٹ گیا  
کس کو کس کو ڈھونڈوں میں پھر! مجھ سے کوئی گھر چھوٹ گیا  
سنجی تھی! جی چل نہ سکا! دو گام ہی چل کر چھوٹ گیا

بیٹھ گیا ہو، جاؤ، اٹھو بھی! راہ لو اپنی! آؤ وقت !!!

ہستی کی اس راہ میں اب تو عیش کا منظر چھوٹ گیا  
وقفا آتھوی

دشمنوں کو رام رکھا تھا نیز مرثی اوب کسب سے بڑا فاضلہ نگار میں جناب ماجد یوسفی نے ان کے افسانہ کلک کلک کا بڑا اچھا ترجمہ کیا ہے۔ اس سے قبل بھی آپ نے کئی مرثی افسانوں کا کامیاب ترجمہ کیا اور اس میں میں نہیں غافل ہوا۔ یہاں پہلا نمونہ ہے۔

گاندھی جی سے خاص عقیدت تھی۔ ان کی دائی ہاتھ کا نوٹ تو بہت  
انھوں نے خاص طور سے خریدنا تھا جب ننھا دیتو اس کو دیکھ کر  
دادا کہتا تو اس کا ذکر وہ دوست احباب میں خاص طور پر  
کرتے اور مسرت سے ان کے گودھیاں ہونے لگتیں۔ وہ  
راہ کوٹ کے بارے میں دامتو اتا سے باتیں کرتے رہے اور  
اس میں دس کب بچے اس کی انہیں خبر ہی نہیں ہوتی۔ محبت  
جا کر وہ جو کہ پر بیٹھ گئے۔ پتے پر پھینک کر طرح زیادہ چاول  
ڈالے گئے تھے۔

یہ تو بہت ہو گیا۔ کچھ کم کر دونا۔

آج روٹی نہیں بکائی؟

ایک ظالم سا ہونکا۔ غلطی جن نگاہوں سے دیکھا جاتا  
ہے ان کی نظر میں بھی اسی طرح بیوی کو دیکھ رہی تھیں۔  
انھوں نے تنیکے اپنے میں کہا کہ ابھی شام کچھ کم ہی ہے۔  
صرف آپ تنیکے لئے تو بکائی،

میرے لئے یا تمہارے لئے،

بچی..... آج منگل ہے نا،

منگل ہی کا دن سب عورتوں کو برت رکھنا چاہیے،

کیا؟

گھر میں خاموش بیٹھ کر آج تو بچی کس طرح ہنسی

جاٹے؟

ان کی بیوی فوراً سمجھ گئی کہ دست راؤ کا یہ طعنہ آج  
روٹی نہ بکنا کی وجہ سے ہے۔ مگر وہ خاموش رہی۔ دست راؤ

کھڑے باہر نکلے تو اپنی بیوی کو برا بھلا کہتے ہوئے مجھے

روٹی پسند ہے یہ تو اسے معلوم ہی ہے اس پر بھی اس کو

کہانا نہیں چاہیے تھا۔ اس کا مطلب..... اس کے معنی

کچھ بھی نہیں..... یہ سچ ہے کہ محبت کا رنگ بٹنا شوخ ہوتا

ہے اتنا ہی کچا ہوتا ہے۔ شاید ہونے کے ایک دو سال تک

بیوی کس طرح کھیتی پھیتی رہی۔ اور اب..... اب تو

اس کو میرے آرام کا مطلق خیال نہیں۔ وہ تو میری طرف آنکھ

اٹھا کر بھی نہیں دیکھتی..... پہلے بیان نہیں کھاتا تھا وہ اصل

اس کام میں یہ روٹنے کا آواز کیوں؟ تو بہ..... تو بہ.....  
بیاد کہ وقت مرو خیال کرتا ہے کہ دنیا موسم بہار ہے لیکن یہ تو صرف  
دھم ہے دھم۔ ازودا کی زندگی میں گرا۔ اگر اس میں بارش  
ہو تو وہ بھی میں بیوی کے جھگڑے سے ہی۔ لیکن کیا اس بارش  
سے اور بھی گرمی نہیں ہوتی ہے؟

چراغ کی بجلی کو بیکار دست داؤب اپنے بستر پر  
آئے اس وقت دو بج گئے تھے۔ ہمارے خود کو ملٹن کرنے  
کے لئے، مگر کی کی ملٹن گئے ابھی ہوا ابھی نہیں رہی تھی۔ سچے  
کی کھڑکی میں دامتو اٹھ رہے تھے۔

کیا ہے دامتو؟

کیا ہے دست راؤ؟

ان دونوں کا پوچھنا ایسا ہی تھا جیسے دو قیدی  
ایک دوسرے کا حال پوچھیں۔

دست راؤ نے اپنے جیم کو ڈھیلے طور سے بستر پر  
ڈال دیا۔ تنکے ہونے تھے فوراً نیند لگ گئی ان کا دل بیکان ہلک

رہا تھا انھیں کئی خواب دکھائی دے رہے تھے ایک خواب میں

آفس کے صاحب اسے توپ کے ذریعہ کوٹا رہے تھے۔ دوسرے

خواب میں وہ ان کا غذا اس کے پیچھے دے رہے تھے۔ آخری

خواب تو عجیب تھا انھیں ایسا دکھائی دیا کہ وہ گھر ہی میں ہیں

اور ان کا گھر بیکان جیل خانہ میں تبدیل ہو گیا۔ دست راؤ کے

بیکان جیل خانہ کا لباس آگیا۔ ہاتھ میں کٹ کرنے والی

گھڑی دے جانے کہاں چلی گئی اور اب گھر کو گھر کرنے والی بیڑی

نظر آئی۔ بولے۔ تم پر دوار کو دیکھا تو حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی

کہ ان کی بیوی خود یہ فرض انجام دے رہی ہے۔

نیند نہ لے سکی وہ جب سے دست راؤ آٹھ بجے اٹھے۔  
چائے وغیرہ کی فکر حسب معمول دامتو کے گھر اخبار پڑھنے  
کے لئے گئے ان کا دل جہاں گاندھی کے اس بیان پر کہ راجکو  
کے معاملہ میں وہ برت رکھنے والے ہیں اسے جین ہو گیا ان کو

تھی۔

’میں باہر جا رہا ہوں‘

’پانچ منٹ نہ جا میں تو‘

’وہ سنت راؤ جواب نہ دیکر باہر آئے اور دوستوں سے

’پوچھا کہیں؟ اب تفریح کو ملیں؟‘

’واہ اگر میں شام کی ہوا بہت اچھی ہوتی ہے۔ ابھی کچھ منٹ

’ہوا نہیں بہہ رہی ہے لیکن.....‘

’دوسرے نے ایک دم بات کافی اور کہا ارے۔ نہیں

’اس عجیب کے پاس جانا تھا نا؟‘

’پیلے نے جواب دیا۔ صحیح تو ہے انھیں سات بجے گھر لپکاؤ۔

’سنت راؤ تنہا ہی تھے انھیں خیالی آیا کہ کہیں وہ بیکر

’ایکے میڈیا میں لیکن رات کے بجائے اور دل کے مضطرب ہونے

’کی دوسرے انھیں شکاوت محسوس ہو رہی تھی۔ انھوں نے پوچھی

’دیکھا۔ برسی رانی نے فکے شہزادہ کی نگاہ پڑی۔ وہ

’تقدیر میں آئے۔ کھیل کبھی شروع ہو رہا تھا انھوں نے اس کے

’پہلے اسے دیکھا تھا اس وقت انھیں آدھ برج پر بھیاری رہتا تھا

’ایک دیر اور نظر آ رہا تھا۔ لیکن اب؟ آج انھیں احساس ہوا کہ

’آدھ برج پیسے کو اپنے ہم پیسے ہوشیاروں سے ہر جہاں بہہ رہا۔

’وہ وقت انھوں نے سامنے دیکھا۔ اس وقت سے دونوں

’پائے کی کرگئے ہوئے دوست بننے ہوئے جیسے تھے۔ سنت راؤ

’کی ہر خاموشی ہوتی کہ مارا کہیں کیا ڈاکٹر کو دھونڈ رہے تھے

’یہاں آئے ہو؟ گرہ اپنی مڈ پر سے نہیں اٹھے۔ سات

’سال ساتھ رہنے والی بیوی سے تو زیادہ ان کی لاروائی نہیں

’تھی۔ خیر کہ تم ہو تے وقت سنت راؤ آدھ برج کو دیکھ کر ڈھانچے

’بٹا آج جس لڑکھل..... ان کے اس ہنسنے پر

’بڈو کا آدمی ہنس پڑا۔

’نورنگے گئے لیکن ابھی کہ وہاں میں نکلی نہیں تھی، ہوا

’اجی گرم تھی کہ کیا معلوم ہو رہا تھا کہ ابھی شام ہی نہیں ہوئی۔

’گرم شام کی طرح ہوا دھانے کہاں لاپتہ تھی، سنت راؤ نے

’سوچا، اہراتی گئی ہے تو کہہ میں تو..... وہ تو کھانسی

’کر کے کھلائی اور اب؟ آج نافذ ریٹ بھر کھایا یا نہیں؟ اس کی

’بھی اسنگ نہیں۔ اسے تو یہی.....‘

’وہ سنت راؤ کی بی بی اسے کی ڈگری آڑے آئی وہ غلط

’یہ جملہ پورا ہی کیا پڑنا۔ راستہ پر اختیار کیجئے والے اس کے کھانسی

’کثرت کے بارے میں زور زور سے چلا رہے تھے لیکن بیوی

’کے روٹی دیکھنے کے باعث یہ خبر ان کو صبح کی کسی اہم معلوم نہ

’ہو سکی۔

’شام کے چھ بجتے ہی سنت راؤ آفس سے باہر نکلے

’اس وقت وہ صوبہ داخل ہو گئی لیکن ان کے قصہ کا پارہ اور بھی

’بڑھ گیا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انھوں نے رات میں

’جاگ کر اپنا کام ختم کیا تھا لیکن صابن کے اس میں نہ ملنے

’کی یہ غلطیاں عمل کر..... راستے میں ان کے پڑی

’دوست مل گئے کیا سنت راؤ کو چاہئے وغیرہ جاتے

’ہیں یا نہیں؟ سنت راؤ کو دل کہنا ہی پڑا دوستوں کو بہر

’جھا کر وہ اندر گئے دیکھتے کیا ہیں کہ یہی میں چائے تیار ہے۔

’ابھی اور دو پیالی پانی پیئے۔

’’وہ سوخا رہا ہے اس لیے نئے آدھی پیالی ہے،

’اور تم؟‘

’میرا کیا؟ رات ہے اس لیے جلدی کھاؤں گی۔

’تم کھانسی کی اور شاد میں وہی سیارہ باؤں کا اول

’پائے کا پانی کھو چکے.....‘

’وہ سنت راؤ نے جواب دیا۔ وہ دھانی پیالی پائے

’ان دو پیالیوں میں اٹھائی اور اٹھائی پیالی میں کی پائے

’گرنے لگی کر وہ ویسے ہی ابتر تھے۔ دو پیالیوں کو دیکھ کر ایک

’دوست نے کہا اور آپ؟‘

’دوسرے نے پیالی کو منہ سے نکالتے ہوئے کہا انھیں

’اندھی پلٹے پلٹے دو پیالی تھی راہ پر ہے اور یہی رانی تب تو۔

’وہ سنت راؤ کو کل کا خواب یاد آیا۔ میرا کھانسی بھیل ہے۔

’انھوں نے سوچا کہ یہی خبر ان کو صبح سے زیادہ ظلم اور کیا ہو

’چہ؟ اندھا کر دیکھا تو بیوی کے سوسلہ لٹی کو شش کر رہی

لینے کا بھی ہے۔ اسی لئے دنیو کا بچہ کم ہونے کے بعد میں  
خود اسے تاکہ پرلے گئی واپس آئی اور چائے بنائی۔

پتی نے ڈاکٹر کی فیس بچائی اور میں.....؟  
دست راوتی کے کمروں گئے، دینو کے جسم کو ہاتھ لگا کر دیکھا  
ابھی وہ گرم تھا۔ وہ پھر سوئی گھریں آئے۔ ان کی پتی کھانا  
بھال رہی تھی اور اس طرف ایک اور برتن چاول کے لئے  
نظر آ رہا تھا۔ انھوں نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے  
کہا یہ کیس کا؟

آٹھ بیٹے واپس آنے والے ان کے لئے؟

اور یہ چولے پرکا؟

ساڑھے دو بجے واپس آنے والے کا؟

وہ تو بہت تھوڑا دکھائی دیتا ہے؟

آپ کو چاول کہاں بھالے ہیں؟

دست راوتی کے دو وزن پے ہوئے چاول کھالے

خند کی پتی نے پکانی ہوئی چھوٹی سی غولبھوت چباتوں کو  
چھوٹے ہی انھوں نے سوچا مردوں کے دکھ ایک سیٹے ہوئے  
آتش نشاں کے بالائی سطح یا جہان کی طرح ہے، لیکن عورتوں  
کے دکھ اس کے اندر کے جوش نکالتے ہوئے لاوے کی طرح  
ہے وہ فوراً دکھائی نہیں دیتا اور محسوس بھی نہیں ہوتا۔

لیکن کیا اس لئے وہ کم گرم ہوتا ہے؟

دست راوتی کی پتی راوتی کھر کو صاف صوف کر کے اپنے

کمرے میں گئی، دیکھی کہ دینو بچھونے پر نہیں ہے۔ وہ باہر کی

ہو گئی۔ دست راوتی کے کمرے میں آتے ہی وہ ہنسنے لگی، دینو

ان کے پیچھے نے سر ہلاتا اور وہ ات پیچھے سے ہوا بھل رہے تھے۔

دینو کو لے ہاؤں؟

اوپر؟

کیوں؟

وہ کیا تھا رات بھر کا؟

لیکن یہاں نہیں، دینو کے کمرے سے اگنا پڑتا ہے۔

اس پر.....

سو گئی ہوگی اگر وہ جاگ کر کھانا لایا ہوتا تو میں بھی کہوں گا کہ  
مجھے بھوک نہیں ایک روز بھوکا رہوں گا۔ اس سے کیا ہوگا؟  
اس کو آگاہ کر دینے کے لئے کچھ کرنا ہی ہوگا۔ ہاں ہاں ازدواجی  
زندگی بھی ایک طرح کی حکومت ہی تو ہے۔ گامدھی بھی کی بھوک  
ہر سال کا اثر نہیں ہوتا کیا؟ پھر..... ازدواجی زندگی میں.....  
وہ آٹھ بیٹے کھڑی تھی اس نے خوشی سے کہا کہ  
مجھے بڑی مسکھوری تھی..... دست راوتی سیدھا جانے گئے  
وہ بازو ہٹا اور بولی۔ میں ساڑھے دو میں ہوں، چھوٹا نہیں۔  
ابھی میں نے بہت نہیں توڑا ہے۔

دست راوتی جوئے..... یعنی وہ میرے لئے ایک

بھوک کی رہی! میں بھوکا رہ کر اس کو سیدھی راہ پرلے آنے والا

تھا لیکن اس نے ہی بھوکا رہ کر مجھے شکست دی لیکن پیچھے

کلے میں کون اثر قبول کرتا ہے؟

دست اس کی طرف آکر بولے یہ کہاں کا برت رکھا

تم نے؟

وہ رسوائی گھر میں جاتے جاتے بولی، ایسا نہ کہہؤ میں نے

دینو کے لئے باجنگ شکل برت رکھنے کی منت کی تھی۔ دینو کے لئے؟

ہاں کل رات اسے پھر غارتا یا میں نے فوراً دیوی

انباہائی سے منت کی رات تمام بڑا بے چارہ تھا میری ہی

گود میں تھا۔ مجھے کیوں نہیں بلایا؟

آپ کو دفتر کے ہی تھوڑے کام رہتے ہیں۔ اب تو

آپ دو تین بیٹے تک جاگتے تھے ہیں۔ اگر پریمی بھی ہوئی

تو وہ دوسرے کام میں بھی تودو دی ہوئی۔ وہ بولنے بولتے زور

سے ہنسنے لگی۔

دست راوتی نے ابھی کہ آج صبح ان کی بیوی دی

کیوں نہیں پکائی تھی۔ وہ رات تمام جاگتی رہی تھی نا۔ مگر اب بھی

ان کے دل میں ایک گرم باقی تھی۔ انھوں نے کہا، میں ڈاکٹر

کو بلانے جاتا ہوں،

اس نے ہنس کر جواب دیا، ڈاکٹر اگر آئے کہ باجنگ

اوپر فیس کے لئے لیتے ہیں۔ ادھر تو آپ کا ارادہ ہی رہتا ہے



دک کا کسی کے ہاتھ میں دیر یا کیا ہے اور اسی کے ہاتھوں  
کا اثر ہے یہ کیوں ہے، ٹھیک؟

دست راؤ محبت بھری نظروں سے اپنی بیوی کے قریب  
آئے۔ اتنے میں سامنے کی کمرلی میں سے آواز سنائی دی۔

کیا دست راؤ اب بھی جاگ رہے ہیں۔ بڑی گری ہو رہی  
ہے جہانی۔

دست راؤ اپنی کمرلی کے پاس جا کر اسے بند کرتے ہوئے  
بولے، چھی۔ کیا ٹھنڈی ہوا ابھر رہی ہے۔

ٹھنڈی ہوا؟ رامونا کا لہجہ ایسا تھا گویا کہ دست راؤ  
پاک تو نہیں ہو گئے۔

دست راؤ سب بولانے ہو گئے گرجا؟ آج ول کا دل  
اودھا جی زندگی کے کڑا میں کتنی کبھی محبت کے سروخو بنے، پچھتے

ہی رہتے ہیں۔

(متروکہ) امجد یوسف ٹی

اس سے کیا ہوتا ہے؟  
گرد و خاک کچھ شمار کیجئے گا بھی تو نہیں؟  
پھر کیا اس کو بیٹھ گئے؟ دو بیٹے تک میں سنا ہوا  
گا کہ اس کے بعد کمرے لیجا۔ یہ بولتے بولتے دست راؤ  
کیوں ہنسے۔ ان کی ہنسی بھر گئیں اس کی نیند بہت گہری ہوئی  
سچ اس لئے درمیان میں اٹھ کر وہ اسے نہیں لیجا سکے گی۔  
دن کا اسے نیند نہیں تھا۔

دست راؤ نے گیارہ کے گھنٹے سنے۔ بارہ کے سنے۔  
اب ان کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ جانتے ہی وہ دینو کو چھا  
جھلکے اور پھر ان کی آنکھیں جھلکنے لگیں۔

دینو کے بدن کو ہاتھ لگا کر اس کی کلاں سے کہا خوب  
پسینہ آیا ہے۔ آپ کے ہاتھ میں بڑا اثر ہے۔

لیکن میرا ہاتھ کچھ میرا نہیں۔

یہی؟

## مرد اقبال پر

جھکی ہے آج مرے پاؤں پر مری تقدیر

یہ ہے وجودِ گرامی کے قرب کی تاثیر

و فر شوق میں پلکوں پہ اشک کن سکے

زباںِ خموش ہے آنکھوں میں آنسوؤں کا جھم

میں آج اپنی نگاہوں میں سر بلند ہوا

تری بلند مقامی کا صدقہ ہو جائے

ہمارے اوجِ سعادت نصیب ہے

کہ آج سجدہ گہ شوقِ تیری تربت ہے

عبد العزیز فطرت

# تنقید و تبصرو

**قرآنی دنیا مہوار** | مدیر ابو محمد مصلح لے کا تہذیب و تمدن کی تحریک قرآن مجید پر آباد ہو سکتی ہے۔ یہ رسالہ خاص قرآنی مضامین شائع کرتا ہے۔ اور مسلمانوں کو ان کے ذہب و ادنیٰ مسائل سے آگاہ کرتا ہے۔ اس میں بچوں کے لئے بھی چند مضامین شائع کئے جاتے ہیں۔ اس لئے بڑوں اور بچوں کے لئے اس کا مطالعہ مفید ہے۔ ابو محمد مصلح صاحب کا نام اسلامی تحریک کے ضمن میں کافی مشہور و عزیز نظر شمار محمد کا ہے جن میں ڈاکٹر باہتم علی کا مضمون خاص طور پر نہایت عمدہ ہے۔

**منو ماہوار** | مدیر مبینہ انساہیم زیر نگرانی ابو محمد مصلح چند سالہ پانچ روپیہ

ترجمہ رسالہ عمر الامام کا شمار ہے۔ اور اسے تذکرہ حیات عیسیٰ کے لئے مختص کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی دوسرے مضامین شائع کئے گئے ہیں۔ عورتوں سے متعلق اسلامی مسائل پر سید محمدی سادھی بحث ہے۔ اور قرآنی تعلیم کو عام کرنے کی باجی تحریک کی گئی ہے۔ مسلمان بچیوں کے لئے اس کا مطالعہ مفید ہوگا۔

ازخزیر احمد: انشاء ادارہ اشاعت اردو  
**تنقید پسند ادب** | مدیر آداب دکن

اس کتاب میں اردو ادب کے جدید رجحانات نہایت باخ نظر کی مساتحان کے لئے گئے ہیں۔ اس کے مولف عزیز احمد صاحب ادب کے ایک ایسے طالب علم رہ چکے ہیں اور کوشش ہے چند سالوں میں ان کی چوتھا میں شائع ہوئی ہیں ان کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے مشرقی اور مغربی ادب کا بظرف غائر مطالعہ کیا ہے اور ان میں تنقید نگاری کی بڑی اچھی مصلحت موجود ہے۔ چنانچہ زیر نظر کتاب میں بھی ترقی پسند ادب کے متعلق نہایت مفرد و معلومات صحیح تنقیدی روشنی میں نگہ بند کی گئی ہیں۔

مولف نے پہلے سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ حقیقت نگاری کیا ہے۔ اس کے بعد انقلابی قدروں کی وضاحت کی ہے۔ پھر اردو ادب پر جدید تحریک کا جائزہ ہوا ہے اس کو بیان کر کے ترقی پسند شاعری، افسانہ اور ناول۔ ڈرامہ۔ طرافت اور تنقید پر سیر حاصل تبصرو کیا ہے۔ یہ کتاب اس قابل ہے کہ ترقی پسند ادب کے موافق اور مخالف دونوں قسم کے اصحاب اس کا مطالعہ کریں اور یقین ہے کہ دونوں کا فائدہ اٹھائیں گے۔

**علا راشد الخیری** | کتاب گہر دہلی۔

اس مجموعہ میں اردو کے مشہور ادیب علامہ راشد الخیری کی ادبی خدمات پر بحث مسکینوں نے مولفین کے تیارہ تنقیدی مقالے شائع کئے گئے ہیں۔ اس کے بعض حصے دہلی اردو کے مشہور انشاد پر دو مثلاً پینڈت برج موہن دتار تریہ کی۔ مولوی شاد احمد دہلوی، ڈاکٹر شریہ احمد سہروردی، ڈاکٹر عابدین۔ مولوی نصیر الدین باہمی اور ڈاکٹر سعید احمد بریلوی ہیں۔ اور ان سبوں نے محنت اور تحقیق کے ساتھ راشد الخیری کی تحریروں کے مختلف پہلوؤں پر اظہار خیال کیا ہے۔ اس کتاب میں جو بھی نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ راشد الخیری کے حالات زندگی اور اصلاح انہوں نے مسئلے میں انھیں بین دشوار لیل کا مقابلہ کرنا پڑا ان کی تفصیلات درج نہیں ہیں۔ ممکن ہے کہ مرتبہ انشاس موضوع پر ایک علیحدہ کتاب شائع کرنا چاہتے ہوں۔ اگر ایسا ہو تو اس موضوع کی ایک مکتبہ کیل ہو سکے گی۔

**ازسید حسین قیس** | تشرکون بک ڈپو حیدر آباد کون۔ قیس صاحب حسب آراء کے ہائے حصے والے ہیں اور ان کے بہت سے افسانے مختلف رسالوں میں ایک شائع ہو چکے ہیں۔ اس چوتھی کتاب میں ان کے گیارہ افسانے ایک جگہ لکھے گئے ہیں۔ جن میں سے بعض ترجمیں اور اکثر طبع زاو۔ قیس صاحب کے قلم میں روانی ہے اور خاکہ کے لحاظ سے بھی ان کے افسانے ایک اچھا معیار پیش کرتے ہیں۔

**نغمہ جاوید** | از نواب مرزا جعفر علی خاں اثر لکھنؤی۔  
۱۰ اشعار محل پبلشرز مومون۔

یہ کتاب بدھل شریذ بھگوت گیتا کا آزاد منظوم ترجمہ ہے۔ بھگوت گیتا کے منظوم اردو تراجم اس سے پہلے بھی شائع ہو چکے ہیں لیکن جعفر علی خاں اثر جیسے اعلیٰ پایہ شاعر کا نتیجہ نقلی ہونے کی وجہ سے یہ کتاب اردو ادب میں خاص اہمیت رکھتی ہے۔ آخر ہندو ماضی کے غزل گو شعرا میں ایک استاد کا درجہ رکھتے ہیں۔ بڑی خوشی کی بات کہ انھوں نے بھگوت گیتا جیسی طویل مقدس کتاب کا اردو میں ترجمہ کر کے نئی زحمت بھی کو ادا کی۔ عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ غزل گو شعرا طبیعت غزل نگاری کی طرف مائل نہیں ہوتے۔ لیکن ان کی اس کاوش نے اس خیال کو غلط ثابت کر دیا ہے۔ اور اس نقطہ کے پائے سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ کتاب کسی قدیم نظم کا ترجمہ ہے۔ اسلوب بیان اور زبان کی عداوت ہریت میں موجود ہے۔ کتاب کی ابتداء میں متعدد اصحاب مثلاً مرکیا کس نارائن ہاکسر۔ راجہ نریندر ناتھ۔ گنگا کشن کمار۔ گنگا ناتھ شرما کی تحریریں بطور تعارف و پیش نظر و رہنما پر شریک کی گئی ہیں جو اثر جیسے اعلیٰ پایہ شاعر کے تعارف کے لئے غیر ضروری بلکہ غیر موزوں نظر آتی ہیں۔

**زمین کانپ ہی تھی** | از سری کرشن سنہا۔ پٹنہ۔  
ادبی روشنی حیدر آباد دکن۔

سنہا صاحب جامعہ عثمانیہ کے ایک فارغ التحصیل اور حیدر آباد سیول سروس کے ایک حوال سال وکن ہیں۔ ان کو اردو ادب کا بڑا اچھا ذوق حاصل ہے اور طالب علمی ہی کے زمانے سے انھوں نے مختلف مضامین اور افسانے لکھ کر اس کا ثبوت دینا شروع کیا تھا۔ ان کی پہلی کتاب شائع ہوئی جو جس میں گل آٹھ افسانے ہیں۔ اس کتاب کا مقدمہ جارت چند صاحب لکھنا ہے جس میں انھوں نے بالکل ٹھیک لکھا ہے کہ مصنف کی طرز نگارہیں اور دھماں نگار کی طرح ترقی پسند کہا جائے تو غیر صحیح نہ ہوگا۔ گران کی ترقی پسندی میں وہ

چیز موجود ہیں جس کے باعث آج کل کے اکثر و بیشتر ترقی پسند ادیب تنقید کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔

**بزم سخنوران** | از سید مجتبیٰ حسن جوہر پوری۔ ناشر نسیم ایک پبلیکیشن۔

مجتبیٰ حسن صاحب صنفی لکھنؤی کے عقیدت مند شاعر ہیں اور انھوں نے اس کتاب میں سات مختلف عنوانات کے تحت مختلف شعرائے اسی دھماں کے کلام کے انتخابات جمع کر دیے ہیں۔ اس قسم کے گلہ استے اردو زبان میں قدم زمانے ہی سے شائع ہوتے رہے ہیں جن میں مولوی الیاس بریلی صاحب کے منتخب نام خاص طور پر قبولیت حاصل کی ہے۔ یہ مجموعہ بھی اسی قبیل کا ہے اور مولف کے ادبی ذوق کا ایک اچھا ترجمان ثابت ہو سکتا ہے۔  
از مولوی فیصل الدین صاحب پٹنہ۔  
۱۰ اشعار حیدر آباد دکن ڈپو۔

اس تذکرہ میں ان تمام سلطنت اصغیر سے مراد ملے ہیں جن کا تعلیم و تہذیب کا تعلیم یافتہ کے لئے جو کشش کی گئی ہیں ان کا حال بیان کیا گیا ہے۔ اس کا پیش نظر مولوی سید علی اکبر صاحب نے تحریر کیا ہے اور اس میں مولف کی محنت اور کاوش کی داد دی ہے۔ اس قسم کی کتابیں کسی ملک کی تاریخ کی تکمیل میں بہت عمدہ معاون ثابت ہوتی ہیں۔

**پریم کرس** | از محمد ابراہیم حسین فاروقی۔ ناشر زعفی پریس بڈالون۔

شاہ جہاں فاروقی اور ہندو کے ایک بڑے صوفی گرو ہیں جو ہندی کے شاعر بھی تھے اور وہ چہن چہن کر تھے۔ سنہ ۱۹۱۷ء میں پیدا ہوئے اور بارہ سالگی میں وفات پائی۔ انھوں نے تصوف میں ایک کتاب لکھی تھی جو لغت بلوے و چین کے نام مشہور اور مقبول عوام تھی۔ اس کا ایک نقلی نسخہ مولف محمد ابراہیم صاحب کے ہاتھ لگا تو انھوں نے اردو میں اس کی شرح لکھ کر پریم کرس کے نام سے اس کو شائع کیا۔ مولف نے تصوف کی اصطلاحوں کو سمجھنا اور سمجھانے کا قابل قدر کوشش کی ہے۔ اس کتاب کی اشاعت سے ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ تقریباً

کی ہیں لیکن ان سب میں رہنمائے قرآن کو خاص طور پر اہمیت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔

**روحِ صہبائی** | از خواجہ عبد السمیع ہالی، اخِ صہبائی۔  
بازارِ راج محل، پٹنہ، زمرجون۔

اخِ صہبائی، پنجاب کے ایک اچھے شاعر ہیں۔ ان کے کلام میں سوز و گداز اور زندگی و سرمستی کی جھلکیں جگہ جگہ نظر سے گزرتی ہیں۔ ان کے اس مجموعہ میں ان کا پرستش کا کلام تاریخ کی ترتیب کے ساتھ جمع کر دیا گیا ہے۔ رباعیاں بھی ہیں۔ نظمیں بھی اور غزلیں بھی۔ پورے مجموعے کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور ہر غزل یا نظم کے نیچے تاریخ تصنیف بھی لکھی گئی ہے۔ علامہ اقبال کی کتابوں کی طرح اس کتاب کی کتابت و طباعت بھی دیدہ زیب ہے۔

**سالنامہ آجکل** | دلی سے ایک پندرہ روزہ رسالہ،  
پبلشر: آغا محمد یعقوب دواداشی کی

ادارت میں شائع ہوتا ہے جس کی ترتیب و تہذیب میں خاص ذوق اور سلیقہ کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ اس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کے ہر شمارے میں اردو کے کسی بڑے ادیب یا شاعر کی تصویر اور حالات بھی شائع کئے جاتے ہیں۔ اور ہر شمارے کی تصویر رہتا ہے۔ چنانچہ زیرِ نظر شمارے میں جوش ملیح آبادی اور ملوک چند محروم کی عمدہ تصاویر کے علاوہ مختلف ممالک کی تہذیب و معاشرت سے متعلق بھی میں پچیس تصویریں شریک ہیں۔ اس کے صفحے والوں میں خواجہ حسن نظامی، جاگیر آزادانہ، تسنیم سیم بخاری، ڈاکٹر انیسار، بادشاہ جیلین خاص کر قابلِ ذکر ہیں۔ یہ رسالہ اس قابل ہے کہ انگریزی اور دوسری ترقی یافتہ زبانوں کے مفید اور دیدہ زیب رسائل سے مقابلہ کر سکتا ہے۔

**تبصرہ حیاتِ شبلی** | از محمد امین زبیری، مطبوعہ سنڈل انڈیا پریس، بمبئی۔

یہ کتاب دراصل علامہ سید سلیمان ندوی کی مہربان حیاتِ شبلی کے جواب میں شائع کی گئی ہے۔ لیکن اس میں صرف شبلی کی زندگی کے رنگین پہلو کو اجاگر کرنے کی کوشش نمایاں ہے۔

ڈیڑھ سو برس پہلے کی ہندی زبان کا ایک اچھا نمونہ منظر عام آگیا جس کی مدد سے لسانیاتی مسائل کے حل کرنے میں سہولت حاصل ہوئی۔

**انتخاب اور رائے دہی** | از محمد نور اللہ صاحب بی ایس سی،  
ناشر: راج محل، پٹنہ، زمرجون۔

یہ چھوٹی سی کتاب وقت کی ایک نہایت اہم ضرورت کو پورا کرتی ہے۔ ہمد حاضر میں جبکہ ہر طرف اصلاحات اور انتخابات کا ہرجا ہے، ضروری تھا کہ عوام کو رائے دہی کے طریقہ اور انتخابات کی نوعیتوں وغیرہ کے متعلق ضروری معلومات ایک کتابچے کی شکل میں شائع کی جائیں اس لئے کہ جب تک عوام کو اس کا علم نہ ہو کہ انتخابات کیا ہیں اور ان کے ضمن میں کون کون سے معاملوں کی تکمیل لازمی ہے اندیشہ ہے کہ انتخابات کا استعمال غلط ثابت ہوگا۔

**دامنِ تہی** | از سید مبارز الدین صاحب، رشتہ دار،  
دانشِ حکمت، سیار آباد۔

رشتہ صاحب حیدر آباد کے نوجوان دانشور پرواز ہیں جن کی بعض کتابیں انجمن ترقی اردو دہلی کی طرف سے شائع ہو چکی ہیں۔ زیرِ نظر کتاب ان کے چند افسانوں کا مجموعہ ہے جن میں سے تین طبع زاد ہیں اور بقیہ تراجم مصنف کی زبان اور بیان کے لحاظ سے یہ مجموعہ قابلِ تدار اور افسانے کی پسندیدہ۔

**لہ نہائے قرآن** | مترجمہ: ڈاکٹر میر دلی الدین، ناشر: ادارہ اشاعت اسلامیات، حیدر آباد۔

یہ دراصل خوابِ مرغلطامت جنگِ بہادر کی ایک انگریزی کتاب "این اپروچ ٹو انڈی آف" کی قرآن کا اردو ترجمہ ہے۔ اصل کتاب زیادہ تر غیر مسلم افراد سے مخاطب تھی اور ختمہ مسافر انگریزوں سے جن کی تعلیمات سے مصنف خود واقف نہیں۔ لیکن ڈاکٹر دلی الدین صاحب نے اس کتاب کا اتنا اچھا اردو ترجمہ کیا ہے کہ ہر نوجوان خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم کتاب کو دلچسپی سے پڑھے گا۔ ادارہ اشاعت اسلامیات نے اسی قسم کے مفید موضوعوں پر قلیل عرصہ میں متحدہ کتابیں شائع

اس چھٹی سی کتاب کا نام بھی تجویز کرتے۔ بظاہر یہ ایک مضمن  
سے اور اس سے علاوہ سلیبان ندوی کی کتاب حیات شمس  
کی غلط اور افادیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ”ق“

اور اس لئے مولف نے اس کتاب کا نام غلط تجویز کیا ہے  
یا تو وہ حیات شمس پر تفصیلی تبصرو کرنے یا اگر ان کا مقصد  
کی شخص ایک مکروری کو اچھا نہ تھا تو اسی کی مناسبت سے

## ادار کی مطبوعات

مگر گزشتہ حاتم ۱۔ دہلی کے پہلے اردو شاعر استاد شاعر  
شاہ غلام الدین حاتم کے حالات زندگی اور اردو فارسی کلام پر  
تبصرہ جس کو ڈاکٹر سید علی الدین قادری صاحب روز نے نہایت  
ہی تحقیق و تلاش کے بعد عالمانہ انداز میں لکھ کر فرمایا ہے۔  
اس چھٹی سی کتاب کے ذریعے سے اردو کے ایک بڑے شاعر  
استاد الاساتذہ کی شخصیت اور کردار کے ایسے پہلو روشنی میں  
آجاتے ہیں جو ہر زمانے میں معیاری سمجھے جائیں گے۔ ان کی زندگی  
کے حالات پر نظر پڑتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کا حال احوال  
ایک ہی تھا۔ ان کی زندگی کی طرح ان کی شاعری بھی خلعت اور  
نفس سے پاک تھی۔ نثر نگار ادب اور محققین کے لئے یہ اذکار  
صفحات (۱۶۰) طباعت و کتابت سے دیدہ زیب  
(قیمت مال)

تاریخ سیاست ۱۔ از پروفیسر عبدالحی صاحب صدیقی ایم اے  
ایل ایل بی۔ استاد تاریخ جامعہ ممبئی۔

اردو زبان میں تاریخ سیاست پر پہلی کتاب ہے جس میں  
پروفیسر صدیقی صاحب نے سیاست کی تاریخ کو اپنے خاص لہجہ  
انداز میں تحریر فرمایا ہے۔ یہ کتاب آپ کی سیاسی معلومات اور  
سالہا سال کے تجربوں کا پتلا ہے۔ کالج کے طلبہ کے لئے اس کا  
مطالعہ بے حد ضروری ہے۔ صفحات (۲۴۲)

(قیمت ۱ روپے)

ملنے کا پتہ۔ سب سب کی کتاب گھر قیمت منزل خیر آباد  
حیدر آباد دکن

## انقلاب آ رہا ہے

لیکن اس انقلابی سیاست کو سمجھنے کے لئے اور موجودہ  
دور کے پیچیدہ مسائل کے فہم و ادراک کے لئے کافی سیاسی  
مطالعے کی ضرورت ہے

## مشہور سیاسی رسالہ نئی زندگی

یہی اردو کا واحد ماہنامہ ہے جو محض سیاست پر بحث کرتا ہے  
کلی اور بین الاقوامی مسائل پر بحث کرتا ہے۔ اس کے مدیر صاحب  
ہر بیسے نئی زندگی میں شائع ہوتے ہیں۔ موجودہ دور کا  
سالانہ چھہ ششماہی کا کٹنگ سے نپٹنے کے لئے  
چھ روپے تین روپے پانچ روپے (۱۱ روپے) درج کر کے

## نئی کتاب وزارتی مشن

ادارہ نئی زندگی نے بڑی جانفشانی سے وزارت مشن  
کے متعلق تمام مواد جمع کر کے یہ دلچسپ کتاب مرتب کی ہے  
تمام پیچیدہ مسائل پر یہ ماحصل تبصرو کیا ہے۔ یہ کتاب کو  
بہندوستان کی گزشتہ سوچ کے سیاست کا پتلا ہے  
۱۰۰ فوٹو بلاک۔ صفحات ۲۲۵ صفحات

قیمت ۵ روپے

الہ آباد

مفتی محمد رفیع الدین

مفتی محمد رفیع الدین



ادارہ ادبیات اردو کی کتابیں

ردیف	ردیف	ردیف	ردیف	نام کتاب	نام کتاب	ردیف	ردیف
۱۲۸	۱۲۸	۱۲۸	۱۲۸	سرگزشت خاتم	سرگزشت خاتم	۱۲۸	۱۲۸
۹۴	۹۴	۹۴	۹۴	سرگزشت غالب	سرگزشت غالب	۹۴	۹۴
۴۰	۴۰	۴۰	۴۰	نظام الملک	نظام الملک	۴۰	۴۰
۳۳۰	۳۳۰	۳۳۰	۳۳۰	تاریخ گولکنڈہ	تاریخ گولکنڈہ	۳۳۰	۳۳۰
۱۶۰	۱۶۰	۱۶۰	۱۶۰	ریگ یو نمبر (۸ تصاویر)	ریگ یو نمبر (۸ تصاویر)	۱۶۰	۱۶۰
۱۲۰	۱۲۰	۱۲۰	۱۲۰	ارمغانِ چنپ	ارمغانِ چنپ	۱۲۰	۱۲۰
۴۸	۴۸	۴۸	۴۸	سونیلی مان	سونیلی مان	۴۸	۴۸
۱۶	۱۶	۱۶	۱۶	سر سید احمد خان	سر سید احمد خان	۱۶	۱۶
۴۸	۴۸	۴۸	۴۸	سر سالار جنگ	سر سالار جنگ	۴۸	۴۸
۱۲۵	۱۲۵	۱۲۵	۱۲۵	عربی تصانیف کے اردو تراجم	عربی تصانیف کے اردو تراجم	۱۲۵	۱۲۵
۱۳۲	۱۳۲	۱۳۲	۱۳۲	معجزہ کی چھاؤں	معجزہ کی چھاؤں	۱۳۲	۱۳۲
۲۶۸	۲۶۸	۲۶۸	۲۶۸	اقبال نمبر	اقبال نمبر	۲۶۸	۲۶۸
۱۱۲	۱۱۲	۱۱۲	۱۱۲	سائنس کے کوشش	سائنس کے کوشش	۱۱۲	۱۱۲
۲۳۰	۲۳۰	۲۳۰	۲۳۰	شعراۃ عثمانیہ	شعراۃ عثمانیہ	۲۳۰	۲۳۰
۳۰۰	۳۰۰	۳۰۰	۳۰۰	مکتوبات شاد عظیم آبادی	مکتوبات شاد عظیم آبادی	۳۰۰	۳۰۰
۱۶	۱۶	۱۶	۱۶	نادان بھائی	نادان بھائی	۱۶	۱۶
۲۰۰	۲۰۰	۲۰۰	۲۰۰	اردو نامہ	اردو نامہ	۲۰۰	۲۰۰
۸۵	۸۵	۸۵	۸۵	مرد رباب	مرد رباب	۸۵	۸۵
۴۰	۴۰	۴۰	۴۰	عماد الملک	عماد الملک	۴۰	۴۰
۵۶	۵۶	۵۶	۵۶	اردو سالی کی پہلی کتاب	اردو سالی کی پہلی کتاب	۵۶	۵۶
۵۶	۵۶	۵۶	۵۶	دوسری کتاب	دوسری کتاب	۵۶	۵۶
۲۰۰	۲۰۰	۲۰۰	۲۰۰	محمد حسین آزاد	محمد حسین آزاد	۲۰۰	۲۰۰
۱۳۰	۱۳۰	۱۳۰	۱۳۰	غند کی ناؤ	غند کی ناؤ	۱۳۰	۱۳۰
۹۲	۹۲	۹۲	۹۲	فن تعمیر	فن تعمیر	۹۲	۹۲
۱۴۳	۱۴۳	۱۴۳	۱۴۳	معدسہ تاریخ دکن	معدسہ تاریخ دکن	۱۴۳	۱۴۳
۱۴۰	۱۴۰	۱۴۰	۱۴۰	غند و حنائی معدن	غند و حنائی معدن	۱۴۰	۱۴۰
۸۰	۸۰	۸۰	۸۰	یودون کی کہانی	یودون کی کہانی	۸۰	۸۰
۱۰۰	۱۰۰	۱۰۰	۱۰۰	سم لعا	سم لعا	۱۰۰	۱۰۰
۴۸	۴۸	۴۸	۴۸	پانی کی کہانی	پانی کی کہانی	۴۸	۴۸
۳۹۰	۳۹۰	۳۹۰	۳۹۰	رسائل طبیب	رسائل طبیب	۳۹۰	۳۹۰
۴۰	۴۰	۴۰	۴۰	سلک گوہرین	سلک گوہرین	۴۰	۴۰
۱۷۲	۱۷۲	۱۷۲	۱۷۲	تاریخ ادب اردو	تاریخ ادب اردو	۱۷۲	۱۷۲
۵۶	۵۶	۵۶	۵۶	اشوک اعظم	اشوک اعظم	۵۶	۵۶
۸۳	۸۳	۸۳	۸۳	پانی	پانی	۸۳	۸۳
۲۱۸	۲۱۸	۲۱۸	۲۱۸	یورپ جنگ سے پہلے	یورپ جنگ سے پہلے	۲۱۸	۲۱۸
۱۷۹	۱۷۹	۱۷۹	۱۷۹	شہنشاہ	شہنشاہ	۱۷۹	۱۷۹
۱۰۲	۱۰۲	۱۰۲	۱۰۲	اریائی زبانیں	اریائی زبانیں	۱۰۲	۱۰۲
۳۰	۳۰	۳۰	۳۰	نظام علی خان	نظام علی خان	۳۰	۳۰
۳۹۰	۳۹۰	۳۹۰	۳۹۰	مذہب اور مخطوطات جلد اول	مذہب اور مخطوطات جلد اول	۳۹۰	۳۹۰
۵۶	۵۶	۵۶	۵۶	عرب اور عربستان	عرب اور عربستان	۵۶	۵۶
۲۸	۲۸	۲۸	۲۸	سج کا جادو	سج کا جادو	۲۸	۲۸
۹۸	۹۸	۹۸	۹۸	طبیعیاتی کائنات	طبیعیاتی کائنات	۹۸	۹۸
۱۲۳	۱۲۳	۱۲۳	۱۲۳	متاع سخن	متاع سخن	۱۲۳	۱۲۳
۱۲۲	۱۲۲	۱۲۲	۱۲۲	کیف سخن	کیف سخن	۱۲۲	۱۲۲
۱۲۷	۱۲۷	۱۲۷	۱۲۷	بادۂ سخن	بادۂ سخن	۱۲۷	۱۲۷
۱۵۲	۱۵۲	۱۵۲	۱۵۲	سراج سخن	سراج سخن	۱۵۲	۱۵۲
۱۴۰	۱۴۰	۱۴۰	۱۴۰	ایمان سخن	ایمان سخن	۱۴۰	۱۴۰
۱۲۴	۱۲۴	۱۲۴	۱۲۴	فوض سخن	فوض سخن	۱۲۴	۱۲۴
۵۰۰	۵۰۰	۵۰۰	۵۰۰	مرتب سخن جلد اول (۵۵ تصاویر)	مرتب سخن جلد اول (۵۵ تصاویر)	۵۰۰	۵۰۰
۲۳۲	۲۳۲	۲۳۲	۲۳۲	دوم (۵۰)	دوم (۵۰)	۲۳۲	۲۳۲
۱۷۵	۱۷۵	۱۷۵	۱۷۵	نقد سخن	نقد سخن	۱۷۵	۱۷۵
۲۳۸	۲۳۸	۲۳۸	۲۳۸	نذر ولی	نذر ولی	۲۳۸	۲۳۸
۱۹۲	۱۹۲	۱۹۲	۱۹۲	گرم و نیم	گرم و نیم	۱۹۲	۱۹۲
۱۸۳	۱۸۳	۱۸۳	۱۸۳	مشاہیر قندھار دکن	مشاہیر قندھار دکن	۱۸۳	۱۸۳
۱۴۵	۱۴۵	۱۴۵	۱۴۵	من کی دنیا	من کی دنیا	۱۴۵	۱۴۵
۱۹۶	۱۹۶	۱۹۶	۱۹۶	مدرس میں اردو	مدرس میں اردو	۱۹۶	۱۹۶
۱۱۲	۱۱۲	۱۱۲	۱۱۲	معہوم ذمہ	معہوم ذمہ	۱۱۲	۱۱۲
۱۵۳	۱۵۳	۱۵۳	۱۵۳	ذکر دکن	ذکر دکن	۱۵۳	۱۵۳
۱۴۰	۱۴۰	۱۴۰	۱۴۰	روح غالب	روح غالب	۱۴۰	۱۴۰
۲۰۰	۲۰۰	۲۰۰	۲۰۰	عامہ	عامہ	۲۰۰	۲۰۰
۵۶	۵۶	۵۶	۵۶	دوسری معلومات	دوسری معلومات	۵۶	۵۶
۴۸	۴۸	۴۸	۴۸	آبدوز کشان اور سرنگ	آبدوز کشان اور سرنگ	۴۸	۴۸
۱۳۳	۱۳۳	۱۳۳	۱۳۳	اردو مثنوی کا ارتقاء	اردو مثنوی کا ارتقاء	۱۳۳	۱۳۳
۲۱۹	۲۱۹	۲۱۹	۲۱۹	نمود زندگی	نمود زندگی	۲۱۹	۲۱۹
۳۰۰	۳۰۰	۳۰۰	۳۰۰	سرگزشت ادارہ	سرگزشت ادارہ	۳۰۰	۳۰۰
۳۱۲	۳۱۲	۳۱۲	۳۱۲	میر محمد مومن (۲۳) تصاویر	میر محمد مومن (۲۳) تصاویر	۳۱۲	۳۱۲
۳۲	۳۲	۳۲	۳۲	بقلاں	بقلاں	۳۲	۳۲
۱۱۳	۱۱۳	۱۱۳	۱۱۳	خطابات	خطابات	۱۱۳	۱۱۳
۱۵۰	۱۵۰	۱۵۰	۱۵۰	علم خانہ داری	علم خانہ داری	۱۵۰	۱۵۰
۱۱۸	۱۱۸	۱۱۸	۱۱۸	چھوٹی (۱۹) تصاویر	چھوٹی (۱۹) تصاویر	۱۱۸	۱۱۸
۱۶۸	۱۶۸	۱۶۸	۱۶۸	انوار	انوار	۱۶۸	۱۶۸
۸۰	۸۰	۸۰	۸۰	دشمن دانی (۴) تصاویر	دشمن دانی (۴) تصاویر	۸۰	۸۰
۱۴۸	۱۴۸	۱۴۸	۱۴۸	کارخانہ دقاسی	کارخانہ دقاسی	۱۴۸	۱۴۸
۱۶۸	۱۶۸	۱۶۸	۱۶۸	رات کا بھولا	رات کا بھولا	۱۶۸	۱۶۸
۲۴	۲۴	۲۴	۲۴	سکندر جاہ	سکندر جاہ	۲۴	۲۴
۵۲	۵۲	۵۲	۵۲	بلاغت	بلاغت	۵۲	۵۲
۲۰۰	۲۰۰	۲۰۰	۲۰۰	ادارہ ستمبر ۱۹۴۱ء میں	ادارہ ستمبر ۱۹۴۱ء میں	۲۰۰	۲۰۰
۲۴	۲۴	۲۴	۲۴	ناصر الدولہ	ناصر الدولہ	۲۴	۲۴
۳۲	۳۲	۳۲	۳۲	افضل الدولہ	افضل الدولہ	۳۲	۳۲
۳۲	۳۲	۳۲	۳۲	نواب میر محبوب علی خان	نواب میر محبوب علی خان	۳۲	۳۲







سبیل





# ادارہ ادبیات اردو حیدر آباد دکن کا ماہنامہ

زیر نگرانی  
ڈاکٹر سید محی الدین قادری نور  
مجلس ادارت  
خواجہ حمید الدین ایم اے  
سکینہ بیگم

## سب اس

شان بابہ اسمعیلیہ ۱۵۳  
شان بابہ برطانیہ ۳۹۵۰  
طبیقون نمبر ۲۲۰۹  
چند سالانہ جاریہ آٹھ آنے  
بچوں کا سب اس اگر دیکھ آئے

جلد ۹ بابت ستمبر ۱۹۴۶ء شماره ۹

### فہرست مضامین

۲	جگر مراد آبادی	تجلیات (غزل)	۱
۳	ابوالفضل ایم اے کچھو دار العلوم کالج	عربی ادب عہد نبی امیہ میں	۲
۸	صاحبزادہ میکیش	ذوق سفر (نظم)	۳
۹	سید مبارز الدین رفعت ایم اے کچھو دار و ملکہ بادکوبہ	داستان (فناں)	۴
۱۱	سیدہ بدر رفیعہ	بناوت اور موت (فناں)	۵
۱۶	پروفیسر عبدالحمید خاں شعبہ فارسی جامعہ عثمانیہ	علی گڑھ کے چند فارسی خطوط	۶
۲۸	رشید قریشی ایم اے	جشنکار (فناں)	۷
۳۲	ادارہ	حیات محمد قلی قطب شاہ کے متعلق رائیں	۸
۳۳	بارلیڈی بی اے	ہزاری قوی زبان	۹
۴۲	جبریل (جیلپور)	آسرا (نظم)	۱۰
۴۳	محمد جمال الدین حیدر	قصہ شاہ داؤد	۱۱
۵۲	منظور احمد القدر قریشی	غزل	۱۲
۵۳	ق	تحقیق و تبصرہ	۱۳

خواجہ حمید الدین شاہ ایم اے کے اہتمام سے دستگیری پریس میں چھپکر فروخت ل خیریت ہو

# تجلیات

غم ہے کیا، زینہٴ صفات و ذات غم نہیں ہے تو آرزو۔ نہ حیات  
 نغمہٴ آرزو و رقصِ حیات مرحب عاشقانِ خوش اوقات  
 تو محبت کو لازوال بنا زندگی کو اگر نہیں ہے ثبات  
 آرزو ہر نفسِ حیات و مرگ عاشقی بے نیازِ مرگ و حیات  
 باتوں باتوں میں آج تو سرِ زم کہہ گئے وہ ہر ایکِ دل کی بات  
 آپ جو کچھ کہیں بحب، لیکن آپ پر بھی ہیں چند الزامات  
 ہم نے دیکھے ہیں جاگتے ہوئے دل ہم سے پوچھوستم کے احساسات  
 عشق وہ تشنہٴ کام ہے کہ جسے زہر کا گھونٹ بھی ہے آبِ حیات

اے کمالِ سخن کے دیوانے

ماورائے سخن بھی ہے اک بات

جگر مراد آبادی

# عربی ادعیا بنی امیہ میں

(۴۱) سے (۳۲) تک

خلفاء بالکل خود مختار اور مطلق العنان تھے۔ سب سے بڑھ کر خلافت راشدہ کے تمام کام دینی اصولوں پر ہی احکام اور خدا اور رسول کے فرامین کے مطابق ہوتے۔ گر شاہان بنو امیہ ان اصولوں کی پابندی پر مجبور نہ تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جن کی بنا پر ابتدائے اسلام کی حق پرستی ساؤ کی راستی اور راست بائیں اس عہد میں بالکل نہیں تو بہت کچھ غائب ہو گئی۔

سیاسی اعتبار سے اموی حکومت کامیاب کہی جائے یا نہ کہی جائے لیکن علمی سرپرستی اور علم و فہم کی منک اس کی مثال قابل تقلید ہے۔ علوم و فنون کی سرپرستی اور ان کی ترقی میں بنو امیہ کے ہر خلیفہ نے کچھ نہ کچھ حصہ لیا۔ خصوصاً شاعری اس عہد میں خوب چلی بھٹی۔ اس عہد میں شاعروں کی قدروں و منزلت ہونے کے کئی وجوہ میں جن میں آگے بیان کیا جائے گا۔

اموی حکومت کے آتے ہی قابل عرب میں پہلی مرتبہ بھوٹ بر گئی۔ اسلام نے اگر جہاں ہزار ہا قابل اور متقدم قوموں میں یگانگت اور اتحاد کی روح بھونک دی تھی وہاں اب سلطنت کی خواہش نے عرب کے ان جنگجوؤں میں پھر اختلافات کا بیج بویا۔ ہر قبیلہ اپنی پرانی روایات کو دہرانے لگا اور اپنے قدیم عز و شرف پر ناز کرنے لگا۔ اصل میں دیکھا جائے تو ان جنگجوؤں کی بناو حضرت عثمان کی شہادت سے ہوتی ہے۔

اسی واقعہ فوج کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف دلوں کی ایک جماعت بن گئی اور دوسری حضرت معاویہ کی حق کی لڑائیوں کا سلسلہ بہت زمانہ تک جاری رہا۔ جس کے آخر میں تاریخ اسلام کا وہ خوشحال اور دھو گدازہ واقعہ پیش آیا جسے ساری دنیا "سانحہ کربلا"

خلافت راشدہ کے خاتمہ پر عرب کے سیاسی حالات میں پھر ایک انقلاب رونما ہوا۔ حضرت معاویہ جو اپنی سیاست و افنی اور تدبیر کے بل بوتے پر اب تک صرف گورنر بن سکے تھے اب موقعہ پا کر انھوں نے اپنی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ خلافت کے حاصل کرنے کی اس کوشش میں انھوں نے متحقیق یعنی اہل بیت ہی سے جنگ کی اس سلسلہ میں انھوں نے اسلام کے بنیادی اصولوں سے انحراف کیا یا نہیں یہ ہمارے بحث سے خارج ہے البتہ یہ ضرور ہے کہ خلافت کو تبدیل کر کے انھوں نے بادشاہی کی بنیاد ڈالی۔

اموی حکومت شام میں قائم ہوئی جس کا دار الخلافہ دمشق قرار ملا۔ اہل شام نے معاویہ کے ہاتھ پر سلسلہ میں بیعت کی اور انھیں اپنا خلیفہ تسلیم کیا۔ عرب کی اس جدید خلافت میں شخصی حکومت کی پوری نشان نمایاں تھی۔ حضرت معاویہ کے بعد یہ سلطنت نہایت کمزور اور کوتاہ اندیش حکومتوں کے ہاتھوں میں چلی گئی۔ صرف عبدالملک بن مروان (۶۸۵ء سے ۷۰۵ء تک) اور حضرت عمر بن عبدالعزیز قابل حکمران گزرے۔ بالآخر سلسلہ میں خلافت عباسیہ کے بانی کے ہاتھوں اس حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

اموی حکومت اور خلافت راشدہ میں بعض اختلافات بھی نمایاں ہیں۔ مثلاً خلافت راشدہ میں خلافت کی بنیاد عوام کی پسند پر تھی۔ سب لوگ شور اور رائے سے جیسے منتخب کرتے وہی خلیفہ ہوتا تھا جس کے بنو امیہ میں سلطنت دست پرست چلی آتی رہی۔ خلفاء راشدین عوام کے شعور اور دھوکے اسلامی امور کی پابجائی کرتے لیکن خاندان امیہ کے

کے نام سے یاد کرتی ہے۔ وہ پھر جواب تک سیاست کے میدان میں چند حادثوں تک محدود رہی اب عوام میں پھیل گئی، حتیٰ کہ بچہ بچہ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہا۔

اس عہد میں فتومات کا سلسلہ بھی جاری رہا چنانچہ کئی نئے ممالک اس زمانہ میں مغربوں نے اسلام میں شامل ہوئے جو ممالک خلافت راشدہ کے زمانے میں پوری طور پر فتح نہ ہوئے تھے یا فتح ہونے کے بعد بھی جہاں پوری طور پر قبضہ نہ ہو سکا تھا وہاں کسی اور اسلامی تصرف میں آگئے اس کی وجہ سے سلطنت کا خزانہ متعور اور رعایا میں آسودہ حالی برپا ہو گئی۔ دہشت گردانہ کی طرح آراستہ کیا گیا۔ نئے فتنے برپا ہوئے۔ باغ لگوائے گئے۔ نہریں اور کنوئیں کھدوائے گئے۔ بڑی عالیشان اور خوبصورت عمارتیں، مساجد اور گاہ سراں، پل، منار اور محلات وغیرہ تعمیر کئے گئے۔

عرض فساد و بد امنی کے ساتھ جیسی کہ فوج کی بغاوت یا دوسری ایسی ہی اندرونی سرکشیوں کی وجہ سے پیدا ہو گئی تھی، ملک میں خوشحالی اور آسودگی پھیل گئی تھی۔ عرب بدوی پہلی مرتبہ اپنے بے برگ و گیاہ صحرائوں کو خیر باد کر کے اموی بادشاہوں کی سرینچی کے نوموثر شہروں میں جا بسے۔ یہ صحرائی، شہری زندگی سے اور ایسے وحشی تہذیب و تمدن سے آگاہ نہ ہوئے تھے۔ دولت کی فراوانی سے عوام کا معیار زندگی بلند ہو گیا۔ ان وجوہ کا اثر لوگوں کے خیالات پر پڑا جس کا عکس ادب کے ہر محکمے اور تحریر کے ہر پارے میں اچھڑا۔

اس زمانہ کے ادب کو ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

(۱) جدید ادب جس میں حسب ذیل علوم شامل ہیں۔

(۲) علوم اسلامی مثلاً علوم القرآن، حدیث،

فقہ، تفسیر وغیرہ۔

(ب) علوم سانی مثلاً لغت، نحو وغیرہ۔

(ج) تاریخ و جغرافیہ وغیرہ۔

(د) وہ علوم جو زمان، فارس اور ہند وغیرہ

ادب عربی میں منتقل کئے گئے۔

(۲) قدیم علوم و فنون جو جہالت اور امام راشدین

و دونوں میں موجود تھے جیسے لغت، خطابت، اشعار وغیرہ۔

علوم و فنون کی مندرجہ بالا فہرست میں بعض علوم ایسے

بھی ہیں جن کی اس زمانہ میں حقیقی معنوں میں بنیاد پڑی

اور جن کی ترقی عہد عباسی میں ہوئی جیسے ہی علوم اسلامی

ہیں۔ بلکہ ایک لحاظ سے ہمارا یہ کہنا بالکل حق بجانب

ہو گا کہ جدید ادب کی صورت بنیاداً اس زمانہ میں رکھی گئی۔

یہ واقعہ ہے کہ علوم و فنون کی حالت بالکل انسانوں کی ہی

ہے کہ انھیں کی طرح علوم کی زندگی بھی ہوتی ہے یعنی پہلے تو

وہ نگویں پاتے ہیں، جل طرح کہ بچہ پیدا ہوتا ہے اس کے

بعد وہ کچھ ترقی کرتے ہیں پھر پورے شباب پر آتے ہیں۔

یہاں تک کہ وہ کمزور ہو جاتے ہیں اور بالآخر بوڑھے

ہو کر ادب کے آسمان سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو جاتے

ہیں۔

انہوں ہی کی طرح ان کے بھی بڑھنے اور گھٹنے

کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں۔ زمانہ اور ماحول!۔

انھیں کو بیش نظر رکھ کر ہم ان علوم کی تفصیلات پیش

کریں گے۔

عربی ادب کے مرکز

جس طرح ادب اردو میں

دہلی اور کلکتہ کی علمی مجالس

اور عقبین تاریخ ادب اردو میں طبعی یا دو گار بن گئیں، یہی

حالت عربی ادب کی تاریخ میں مصر اور کوئٹہ کی ہے مگر

ان کی اہمیت اور دو گے ان ابتدائی گہواروں کے مقابلہ

میں بہت زیادہ ہے۔ عربی ادب، لغت، شعر و شاعری

غلاف باغیاتی کی سرپرستی میں ان شہروں نے اتنی ترقی کی کہ دور دور کے لوگ انھیں دیکھنے اور یہاں کی علمی و تجزیوں میں حصہ لینے کے لئے آتے۔ علم و ادب کے یہ مرکز تاجش میں ابھی آپ نظیر ہیں۔ ان کا تذکرہ یہاں اس لئے ضروری تھا کہ جدید عربی ادب بلکہ کل ادب عربی پر جو اسلام کے بعد تیار ہوا ان مقامات کا بجا اثر پڑا اور اس عہد کے علوم و فنون کے تذکرے میں ان کا ذکر آنا نہایت ضروری ہے۔

**اسلامی علوم** اسلامی علوم میں سب سے پہلے قرأت قرآن کا نمبر آتا ہے عرب میں چونکہ بڑے اچھے لوگ بہت کم ہوتے تھے اور خصوصاً قرآن کے حفاظ اور اس کی قرأت کے سہرا لگتی کے ہوا کرتے تھے اس لئے امتیاز انھیں "القرآن" کہا جاتا تھا جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ قرآن شریف کی باقاعدہ تدوین کے بعد بھی قرأت کے اختلافات کا سلسلہ قائم رہا۔

فتوحات کی وسعت کے ساتھ مسلمان اقصائے عالم میں پھیلے گئے اور ان میں بھی ہر قبیلہ اور عرب کے ہر خانہ ان کے لوگ شامل ہوتے جن کی لغتوں میں ابتدا ہی سے جزوی اختلافات موجود تھے۔ پس یہ اختلافات نئے ماحول کے اثرات اور نئی زبانوں کے اختلاف کی وجہ سے ہر جگہ قرأت میں ایک خاص رنگ پیدا ہو گیا۔ چنانچہ قرآن کی عہد کے سات اہل علم و فضل سے پڑھا جاتا تھا اور اس میں معجزات کی اہم موجودت میں ہر صریح منکر نہ ہوا بلکہ ہر

عبداللہ بن کثیر الترمذی ۱۲۰ھ  
عاصم بن ابی الجوز المتوفی ۱۲۱ھ  
عبداللہ بن عامر المتوفی ۱۲۱ھ  
یزید بن القفعاغ المتوفی ۱۳۲ھ  
حمزہ بن حبیب المتوفی ۱۵۱ھ  
ابو عمرو بن العلاء المتوفی ۱۵۱ھ

ادعو کا ایک مائتہ از حصہ انھیں دو مقامات کا رہنما بنتا ہے۔ بصرہ اور کوفہ کی بناء کا بھی عجیب حال ہے۔ یہ دونوں مقامات آباد تو ہوئے فوجی ضروریات کے تحت لیکن زمانے انھیں علم و ادب کے مرکوزوں میں تبدیل کر دیا۔ ابتدائے اسلام میں جبکہ فتوحات کا سلسلہ جاری تھا اور مقبوضات میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا چلا ہلا تھا اس وقت پایہ تخت سے بروقت فوجیں روانہ کرنے اور واپس لانے میں دقت ہوتی تھی اور دوسرے یہ کہ دور دراز کے علاقے آسانی سے قابو میں نہیں رکھے جاسکتے تھے اور ان کے سرکش ہونے کا خطرہ ہر وقت نگار ہوتا تھا اسی لئے جاہل فوجی چھاؤنیاں بنائی گئیں جن میں ہمیشہ فوج رہا کرتی تھی۔

جب یہ چھاؤنیاں خوب آباد ہو گئیں اور یہ فوجی مرکز بنے شہروں میں بدل گئے اور اڑائیوں کم ہو کر بالآخر امن کا زمانہ آگیا تو ان کی حالت بھی بدلتی گئی۔ حرب چونکہ فطرتاً شور و غوغا ہوتا ہے اسی لئے وہ کسی موقعہ پر بھی (خواہ وہ جنگ ہی کا کیوں نہ ہو) اپنی اس عادت کے پورا کرنے میں پس و پیش نہیں کرتے۔ یہی وجہ تھی کہ ان مقامات میں پہلے پہل شعرو شاعری کے مقابلے ہوا کئے پھر ہر قسم کے ادبی مناظرے اور بحثیں وغیرہ ہونے لگیں تھیں کہ ان اغراض کے لئے باقاعدہ مجلسیں اور مجلسیں قائم ہو گئیں اور جاہلیت کی طرح اسواق بھی بن گئے۔

بصرہ کے مشہور سوق مرید کا نام اس سلسلہ میں بیکھر مشہور ہے۔ یہاں ہر قسم کے علمی و ادبی مشا کا تذکرہ ہوا کرتا۔ حضور و شاعری کے معرکہ آرا مقابلے بھی یہیں ہوا کرتے اور بعد میں جل کر لغت اور نحو کا بھی یہ قدروست مرکز قرار پایا۔ اس کی حالت جاہلیت کے "سوق عکافہ" سے اتنی شاہد ہو گئی کہ اسے "عکافہ الاسلام" کہنے لگے۔



اختلافات پیدا ہو گئے، ان میں مختلف جماعتوں نے اپنی اپنی تائید کے لئے نئی نئی احادیث کو طوطا مار شروع کیا، اصل احادیث ہی سے اپنی مطالب کی باتیں نکالا کرتے جیسے کہ خوارج کے مقابلہ میں مہلب بن ابی صفراء کیا کرتا تھا۔ یہ اختلافات اتنے شدید ہو گئے کہ اصل احادیث کی تحقیقات کے سلسلہ میں یہ فن حدیث کی بنا پر لڑی۔ اسی زمانہ میں حدیثوں کے مختلف نام قرار پائے مثلاً صحیح حسن، ضعیف، مرسل، منقطع، مفصل، شاذ اور غریب وغیرہ اس عہد کے مشہور محدثین میں شعبیہ بن الحجاج المثنوی سلسلہ خاندان الحجاز المثنوی سلسلہ

ابو المعزم اور عاصم بن سلیمان المثنوی سلسلہ وغیرہ بہت مشہور ہیں۔ تفسیر کی طرح اس کی ترقی بھی عصر عباسی ہی میں ہوئی۔

**فقہ** اسلامی قوانین اور احکامات فقہ کی صورت میں جلوہ گر ہوئے۔ قانون سازی میں گو اہل یونان اور ایک مذہب اہل روم بھی عربوں سے آگے رہے ہیں مگر جس کمال پر اسلام نے اس فن کو پہنچایا اس کی نظیر آج تک دنیا کی بڑی سے بڑی قانون قوموں میں بھی نہیں ملتی۔

شخصی تنازعات اور باہمی مناسبات کا فیصلہ بنیادیت وغیرہ کے ذریعہ ہوا کرتا تھا لیکن جب اسلام نے ہر چیز کی منظر اور مدون شکل پیش کی تو عوام کے جھگڑوں کے تسلیہ کے لئے بھی کسی ایسے ہی باطل فن کی ضرورت درپیش ہوئی جس کے لئے سب سے بہتر ذریعہ ان کے پاس خدا سے عز و جل کے احکامات کی صورت میں موجود تھا اس کے بعد فرامین مصطفویٰ ان کی ہدایت کے لئے موجود تھے۔ چنانچہ ہی ہوا مسلمانوں نے تقاضا کے فیصلوں کے لئے قرآن اور حدیث سے ہی کام لینا شروع کیا اور یہ فن آگے چل کر

اولاد بن عبد الرحمن المثنوی سلسلہ وغیرہ ہیں۔ قرأت کے بعد تفسیر کا نرا ہے اسلام کے ابتدائی ایام میں جب قرآن کی سورتوں اور آیتوں کے معانی کے سمجھنے میں وقت ہوتی تو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کرتے اور آپ نہایت آسانی سے ان کے مشکوک رُفع فرمادیتے اس کے علاوہ قرآن چونکہ قریش کی لغت ہی میں نازک ہوا تھا اسی لئے ان کو اس کے سمجھنے میں زیادہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تو پیچیدہ سورتوں اور آیتوں کے جو معانی اور مطالب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کئے تھے انہیں صحابہ نے اور پھر ان کے بعد ان کے تابعین نے محفوظ کر لیا اور یہ سلسلہ اب بھی چلا۔ یہی تفسیر کی بنا ہے۔

اس کے بعد تو انہیں اور احکام کے وضع کرنے میں جب قرآن سے مدد لینے کی ضرورت لاحت ہوئی تو ساتھ ہی مفسرین کی بھی ضرورت پڑی جو شکل عبارت کے مطالب مل کر لے اس مجموعہ میں پہلے حضرت ابن عباسؓ جنھوں نے قرآن کی سب سے پہلی تفسیر کی اور دوسرے مجاہد المثنوی سلسلہ کے نام خاص طور پر یاد رکھنے کے قابل ہیں۔ لیکن ہم بلا خوف و خطر کہہ سکتے ہیں کہ تفسیر کے فن کی صرف بنا اس عہد میں پڑی اور اس کی ساری ترقی مصر حباشی میں ہوئی۔

**حدیث** کلام الہی کے بعد مسئلوں کے نزدیک سب سے قابلِ قدر اور قابلِ احترام اگر کوئی چیز ہے تو وہ اقوال رسول اکرم ہیں۔ آنحضرت نے مسلمانوں کو قرآن شریفین کے مطالب کے ادراک اور دیگر دنیوی امور کی رہبری کے لئے مذہبِ مصطفیٰ فرمایا کرتے یا زندگی کے اہم ترین مسائل کے حل چند عام فقہ اور جمعی الفاظ میں فرما دیتے اور یہ جو اس بارے میں مسئلوں کے مصائب میں مسیح ہدایت کا کام کرتے۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جو سیاسی

”فقہ“ کی صورت میں تبدیل ہو گیا۔

اسلامی سلطنت کی وسعت کے ساتھ ساتھ فقہ نے بھی ترقی کی۔ ہر نئے شہر اور شہرہ مقام میں فقہیادوں علی موجود ہوتے جن نے شرعی امور متعلق ہوئے۔ فقہ کی بنیاد اصل میں دیکھا جائے تو خلفاء راشدین کے ہاتھوں بڑی کیونکہ مسلمانوں کے کل مسائل کے فیصلے دی کیا کرتے تھے اور ان ہی شرعی اصولوں ان کے بعد صحابہ کا فہرہ آتا ہے ان میں عبدالرحمن بن عوف، ابی بن کعب، عبداللہ بن مسعود، معاذ بن جہیل، عمارہ بن یاسر حذیفہ، زید بن ثابت اور ابو موسیٰ اشجری وغیرہ بہت مشہور ہیں۔

عبدالاموی میں یعنی ابولکین میں سعید بن المسیب، ابوبکر بن عبدالرحمن قاسم، عبید اللہ عروہ، سلیمان اور خارجہ نے بڑا نام پیدا کیا اور ان ساتھیوں کے ناموں کو کسی نے ان اشعار میں کیا ہی خوبی سے جمع کیا ہے دیکھئے!

الاکل من لا یفتدی بائمۃ  
فقسۃ خنسی عن النبی خاری  
فخذہم عبد اللہ عروہ قاسم  
سحید سلیمان ابوبکر عمار

## علوم سانی

اسلام کی آمد و عربوں کے ہر طرز عمل کے بعد بھی زبان کی حفاظت اور اپنی سانی خصوصیات کے تحفظ کی طرف عربوں نے کچھ خیال نہ کیا تھا۔ اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ قواعد اور تنہم نحو کے وجود میں آنے سے مدبولہ پہلے سے عرب میں وہ نایاب مارش اور بے نوا و خطابت و غیرہ کا ذخیرہ جمع ہو چکا تھا جو خود بعد میں غوی مسائل اور اختلافات لغت کے حواص میں پیش کیا جانے لگا۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ

زبان کو پوری طور پر ترقی کرنے اور اس کے تمام محاورات اصطلاحیں روزمرہ ضرب الاشغال اور دوسری ایسی ہی چیزوں کے جاری ہوجانے کے بعد انہیں کی بنیادوں پر نحو کی عمارت کھڑی کی گئی۔ عرب اپنی زبان اور اپنی قوت منطق پر بہت غرور کرتے چلے آئے ہیں حتیٰ کہ وہ اپنے سوا ہر ایک کو ”گو گز“ کہا کرتے۔ ان کے تعلقات جب غمیں سے ہونے لگے اور حکومت میں اہل فارس اور ایران بھی شریک ہو گئے تو اس انتظام کا ان کی زبان پر اثر پڑنے لگا۔ عرب یہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی لغت میں کسی قسم کی خرابی ہو۔ کلام رابعیاب لگانے کا قاعدہ گوان کے پاس پہلے سے ہی موجود تھا۔ لیکن اتنی سی حفاظت زبان کی صحت کے لئے ناکافی تھی۔

اور دوسرے یہ کہ موالی اور فارس کے تو مسلم عربی لغت کی نزاکتوں اور پیچیدگیوں سے قطعاً ناواقف تھے انہی گفتگو میں بہت غلطیاں کرتے انہیں وجہ تھی۔ تاہم جو عربوں نے غوی اصول گہرائی شروع کیے۔ علم عربی کے اہل الاسود الدؤلی ہے جن کا انتقال ۱۰۰ھ میں ہوا۔ یہ تابعین کے گروہ میں بہت بڑی شخصیت کا مالک تھا۔ حضرت علی کے ساتھ جنگ مہین میں حصہ بھی لیا اور پھر بصرہ میں آکر رہنے لگا۔ زیادہ ان ابیہ والی عراقین (بصرہ و کوفہ) کے سامنے جس اس نے پہلے پہل اپنی اس ایجاد کو پیش کیا تو اس نے کچھ اتفاقات سے کیا مکر حالات سے مجبور ہو کر اس نے نحو کی کتاب لکھنے کی اجازت دے دی۔ ابوالاؤد نے نہایت محنت سے ایک قواعد مرتب کی جس کے اجزاء مختلف اشعار پر تحریر کئے۔

الوافل  
(باقی آئندہ)

## ذوقِ سفر

گردشِ شمس و قمر، گردشِ شام و سحر  
میرے نفس نے دیا، وقت کو ذوقِ خوام  
وقت ہے گرم سفر، وقت ہے گرم سفر  
رنگیتے رہتے یوں ہی ورنہ یہ شام و سحر  
میری نظر نے لیا جائزہ کا ناست  
مجھ کو نظر آ گیا، میرا ہی حسنِ نظر  
میرے ہی خوابوں میں گم، شام کی آغوش  
صبح کی رنگیں شفق میرا ہی خونِ جگر  
میرے تبسم کی موج میری جہیں کی شکن  
یعنی بہار و خزاں میری ہی طرزِ نظر  
عشق میں بے چارگی، حسن میں غمِ غلط  
عشق رہا سرنگوں، حسن رہا خود مگر  
نالہ بھی میری نوا، نغمہ بھی میری نوا  
وہ بھی مرا چارہ گر، یہ بھی مرا چارہ گر

میری رہِ شوق میں طور بھی تھا اک مقام  
طور سے بڑھنے لگا، اور بھی ذوقِ سفر  
جراتِ پرواز نے عیش کو چھو بھی لیا  
عکس بھی نکلا مگر میری ہی حدِ نظر

میری نظر بڑھ گئی توڑ کے حدِ فلک  
اپنی نظر میں ہوں میں اب بھی مگر کم نظر  
میرے سکون میں بھی ہے آرزو و اضطراب

یعنی یہ شبنم کی بوند رکھتی ہے قصِ شرر  
میکش

# داستان

کسی سے تعارف کرانے کی رحمت گوارا نہیں کی تھی۔ اس کے کچھ معمولی سے تھے، اس کا قدیت تھا، لیکن سینکڑوں تھوہ بہ ظاہر اجد معلوم ہوتا تھا، اور اس کے بال ایک عجیب و غریب طرز سے بنے ہوئے تھے۔

”کیا آپ مجھے اجازت نہیں دیں گے؟“ اس نے اتھا میرا آواز میں دریافت کیا۔ ”میرا نام، ایک مگرے کی طرح پیچھا اور اپنے بازوؤں کو سین پر سے ایک جھوکا دے کر زمین کی طرف لاتے ہوئے حکم فرماؤ اور میں بولا۔

”کیوں نہیں، ضرور، ضرور“

”پھر شروع سے“ آواز ابھی نے سارے مجھے سے طلب ہو کر کہا، ایک لمحہ کے لئے کسی کی آنکھیں سارے سے چاروں اور اس نے سارے کی پہلے لوگوں کے ساتھ اپنا قصہ شروع کر دیا۔ یہ اگلے وقتوں کا ذکر ہے۔ اس وقت سے لے کر اب بہت سے قدیم خاندان دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں، بہت سے قلعے ویران ہو چکے ہیں۔

اس زمانے میں قدیم قلعہ جھیل کے درمیان چٹانوں پر کھڑا ہوا تھا۔ اور اس کے گرد و فواح میں ہر شخص جانتا تھا کہ جھیل جتنا ہی قلعہ قابلِ تخریب تھا، اور یہ کہ بوسے کا لانا پہلی رات کے وقت اٹھایا جاتا تھا۔

میں نے اپنی عمر کی ساتھ مزے لیں گے کی تھیں، تاہم وہ نہایت قوی، بلند و صلہ اور بد سے زیادہ فصیح تھا۔ کسی محراب کی پرستش سے پہلے تھیں کی مشعلوں کے سرخ دھبے، ان مشعلوں میں اپنے سرداروں کے آگے گھوڑے پر بٹھا تیزی سے چل رہے گزرتا، اور اس کے قدموں کے پیچھے جھیل کی بھٹی ایک دوڑے سے لکڑیوں اور بالوں کی آواز سے بھرنا تھا۔ ہوجاتیں۔ پھر نصابت مشعلوں کی مذکورہ جاتے عورتیں رونیں، اور سامان تجارت لانے والے سودا گروں کا قیمتی مال اس کی لوٹ لاری کی مذکورہ جاتا۔

کوئی نہیں جانتا تھا کہ اس نے ایک معمولی لڑکی سے شادی کیوں کی؟ کیا اس کے ہاں کھڑوں کی بیویوں کی ایک

ایک طویل القامت، دلی تیل لانی بال والی تھا لے سارے کی بجائے شروع کی۔ اس شخص کے چہرے سے فقر و فاقہ کے ساخہ ہی برعنوانی اور غریبی کی جھلکیں کے لئے جھلکتے غریب آثار ہو رہے تھے۔ یہ ایک پر عظمت، ساحرانہ اور فوکلہ نعمت تھا جس کے اونچے سر نہایت درد انگیز تھے اور غلے لڑا میں حزن و یاس کوٹ کوٹ کر بھر تھا۔ اس میں قرون وسطیٰ کی کوئی ادا تھی، کوئی ایکس کن، نام گار صد تک دلش، ظالم اور خوف زدہ کرنے والی چیز تھی۔

میرا جان چوائے آپ کو موسیقی کا سر پرست سمجھتا سرخ گون پہنے ہوئے تھا۔ اس کی بڑی، بک، اوپر اوپر گھومنے والی آنکھیں دیوانے آدمیوں کی مانند تھیں، وہ اپنی کرسی سے اٹھا، اس انداز میں گویا وہ ولایت سے بے خود ہو گیا، سارے پر ایک قصہ گانے لگا اور اس کی آستینوں کا مسلسل بے ترتیب حرکت ترتیب سے پر رکھے ہوئے شیشوں اور پیالوں کو الٹ پلٹ کرنے لگا۔

”میں گزریں کہ.....“ اس کے الفاظ بڑی طرح بگڑ رہے تھے۔ اس لئے اس نے اپنی آنکھیں بند کر کے ہوئے منہ کو اوپر اٹھا کر کہا۔ ہر چند کہ وہ ایک اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتا تھا اور نبات خود اس نے اچھی تعلیم پائی تھی، تاہم اس کی گفتگو پر وہ بیویوں کی جیسی اچھی معلوم ہو رہی تھی۔

”اس واقعہ کو صدیاں گزریں..... آہ اس واقعہ رکھتا طویل زمانہ گزریا، قرن ہاں گزر گئے..... صدیاں بیت گئیں..... ہر شخص اس کو فراموش کر چکا ہے..... وہ اس وقت کتنا عجیب تھا.....“

میں نے کہہ دیا بیٹھے ہوئے شخص میں سے ایک شخص کا ایک اٹھا، وہ اس وقت تک خاموش تھا اور اسے شام ہی کو جانتا تھا جو شخص اسے یہاں لے آیا تھا، اس نے بھی اس کا

سردار جب قلعہ پر آخری نظر ڈالنے کے لئے بیٹے کو قلعہ  
وہیں کہ بچ کے سب سے بڑے چھوٹے میں خود وار ہوئے اور  
لوہے کی بڑی گولی کو جس سے قلعہ کے دروازے سے قفل کئے  
گئے تھے، بے تارہ جیل میں بند کئے ہوئے دیکھا۔

سال ہا سال گزر گئے کسی نے بھی اس قدیم ویران  
قلعہ کے متعلق کچھ نہیں سنا۔ سوائے گنڈر کے اب وہاں کچھ  
باقی نہیں ہے۔ ہر طرف کافی آگ آئی ہے اور وصول اڑتی  
رہتی ہے۔ ہری ہری چپکھیاں اور ہر دھڑکتی ہوئی  
ہیں اور شہد کے جھپٹے ہوا میں اپنی بو پھیلاتے ہیں۔ ان  
ڈواں ڈواں فیہتوں کا کیا انجام ہوا؟ کیا وہ طویل اور شدید  
حلیف اٹھاتے رہے؟ ان دونوں میں سے کس نے زیادہ دیر

اٹھائی؟! شخص ہاں کوئی شخص ہی اس راز کو کبھی جان  
سکے۔  
میں پتھر کی بنیادوں سے گرا رہا تھا۔ ایسا معلوم  
ہوتا ہے کہ ان بوجوں کی آواز گھوٹوں کے ناپوں کی وہ پرانی  
دہشت ناکہ آواز کی مدد سے باز گشت ہے۔ کوئی بھی اس راز  
سربستہ کا پتہ سمجھ نہ پاسکا۔

اور خاموش مہینوں سال سے گزاری ہیں۔  
سارنگیہ اود گانے والا دونوں ایک ساتھ چپ ہو گئے  
اور چاروں طرف چھائی ہوئی لڑنے و فیر خاموشی میں نیروان  
نے اس کی پٹکیاں لپیٹے ہوئے کہا۔  
"ہیں اتنا ہی؟! —" ٹھوہل نہیں لیکن قدیم آدمی

سید مبارز الدین

دتر جہانگیر

حسین جوت کی کمی تھی کیا کسی اور بچہ گھرانے کی لڑکی کو یہ  
اعزاز عطا نہیں جاسکتا تھا؟ اس نے وحشانہ طبع پر اپنی  
شاہدہ کاٹش "سنا" خوب خوب بٹرائیں میں اپنے غلاموں  
کو منٹیاں بھر بھر کے جاہرات دیئے اور اپنی جوان بیوی  
کو اپنی بڑی بڑی وحشانہ بے کیف آنکھوں سے گھورتا رہا۔  
وہ ایک غریب مصروف کی بیٹی تھی۔

نزار ہا آنکھوں نے اس حسن و عفت کا نظارہ کیا  
تھا لیکن ایک شخص ایسا بھی تھا جو اس کو محبت بھری نظروں  
سے نکتا جو زبان حال سے کہتیں "میری جان حاضر ہے یہ  
تم پر سے شمار ہے" مجھے تم سے محبت ہے۔۔۔۔۔

ایک دن۔۔۔۔۔ جیسا کہ ماضی کی تاریکی میں لپٹی ہوئی  
داستان میں مذکور ہے۔۔۔۔۔ میں ایک بچہ سے دلی  
آپا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک نوع غلام اس عورت کے قدوں  
پر بڑا ہوا ہے۔ اس نے غلام کو صحن میں آنے کا حکم دیا تو  
اس کی سیدی آنکھ میں گولی مار کر اسے خنڈا کر دیا۔  
اس نے اپنی بیوی کو قہر انگ نہیں لیکن اس  
اشفران بردار اور جفاکش سرداروں کی جمعیت کو طلب  
کیا اور ہر ایک سردار کو شہانہ خیامی سے سزا عطا کر کے کہا۔  
"تم آزاد ہو جاؤ جہاں جی چاہے جاتے ہو۔"

اور جب ان میں سے آخری آدمی نے لوہے کے  
پل کو پار کر لیا تو رئیس خود اٹھا "زنجیر ٹوٹ ڈالی" اور نکلے کے  
عظیم الشان دروازوں کو مقفل کر دیا۔

**محبت کی جھاڑ**  
مرزا ظفر الحسن صاحب نے اس کے چودہ افسانوں کا دلچسپ مجموعہ ہے۔ اس کے سبب  
ہیں۔ ہر فائدہ میں عقل کی جولانیاں اور مشاہدات کے اثراات کار فرما ہیں۔ جو افسانوں کے لٹریچر کے لٹریچر میں  
سچی تصویر اور مصروف زندگیوں کے لمحات فرصت کے لئے ایک شائستہ ذوق تفریح ہے۔ اس کا تینوں درجوں میں  
دیکھتے ہیں اس کتاب کے بیاباں اسلوب اور اس کے افسانوں کے بے پناہ خوشی کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

چھوٹی القلم (۱۳۱) صفحات قیمت مجاہد

# بغاوت اور موت

یہ اختلاف پر کہیں ہنگاموں کا عمل ہو  
 برائے میں ہے جبکہ غیباں غامضی ازل ہو  
 قاتل بالکل سیدھی سادی زندگی گوارتی تھی غاس میں کوئی  
 تھکھٹ تھا نہ تھکھٹ۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس میں مذہبی رنگ  
 چڑا ہوا ہے۔ وہ نماز بھی پڑھتی تھی اور روزے بھی رکھتی  
 تھی۔ وہ جو دو مستین ہونے کے شکار بھی تھی اور ہر دو بھی تب  
 کبھی وہ لڑکیوں سے بات کرتی تو مسئلہ قضا و قدر کے  
 متعلق روشنی ڈالتی تو احکانات الہیات پر بھی وجہ تھی  
 کہ تمام لڑکیاں اس کو زراہہ نہ شگ کہنا کرتی۔  
 قاتل میرے ساتھ میرے کپے میں چھوٹی تو میں  
 چاہتی کہ اے کاش وہ مجھ سے بائیں بچا لئے جائے۔  
 میں ہر امر موقع تلاش کرتی اور اس سنجیدگی کے راز کو  
 فاش کرنے کی کوشش کرتی۔ لیکن اس کے چہرے سے  
 یہ معلوم ہوتا کہ وہ بصداق ہے۔  
 سب زبان حال سے بے حال دروغ  
 جس کو کہتے ہیں غمخوشی ہے وہ گویا بیانی  
 جب میں اس کے غامضی معاملات میں اس کے متعلق پوچھتی تو  
 وہ آہ صحر کر کہا کرتی کہ بیباک تو کیا بتاؤں کہ میں کون ہوں؟  
 کیا کہوں۔ صرف یہی سن لیجئے کہ ہے  
 بکا تا ہے ہر لگ داغ میرے سینے کا  
 لئے ہوئے چمن سوگ کی بہار میں  
 لیکن میرے پیچھے امر سے یہ معلوم ہوا کہ وہ سائیدار کی  
 محروم ہے ایک عمارت بہن بستریاں پر ہے اور اس  
 کمن بجائی بیٹوں کی خلیج کا عسرت فاداری کی وجہ سے کوئی  
 خاطر خواہ انتظام نہیں ہوا۔ اب اس سے اچھی خاموشی ہے  
 ہوئی تاکہ روز میں اسے انتھان کی تیاری کے لئے نہ لگا کر  
 کی درق گردانی میں مصروف تھی۔ قاتل نے میرے پیچھے  
 آکر ایک خط ڈالا اور کہا کہ بڑا ہو۔ مجھ سے اس کی یہ طرفی  
 پر تجب ہوا اور بڑی پر شوق نظروں سے خط معلوم کر  
 پڑھتے ہی یکن آہ میں کیا تھا کھٹا تھا کہ اس کی بہن

مجھے ہوسٹل میں رہتے ہوئے ایک زمانہ گزر گیا تھا  
 اور اس عرصے میں کئی واقعات رونما ہوئے۔ ہوسٹل کی  
 زندگی کا احوال بہت پرشور اور منظم نہ ہوتا ہے۔ اس لئے  
 زندگی کو رنگون بنانے کے لئے کچھ ذریعہ پیدا کرنا پڑتا  
 تھا۔ کیونکہ مجھ جیسی غاموش لڑکی کو اپنی زندگی میں ایسے  
 ہنگاموں کا غم ہونا ایک دشوار امر تھا۔  
 چنانچہ جیٹھیلوں کی ایک گول مدت کے بعد کھانا تھا  
 اس لئے اس کے لئے رنگ پیدا ہوتی اور ہوسٹل میں  
 وسط اور دھڑاچہ شروع ہونے لگتی تھی وہ ہونے کی مہرا  
 کمرہ بھی خالی نہ رہتا اور قاتل نے اگر اس کی کو پورا کر دیا۔  
 قاتل کو ہوسٹل کی نمائندگی کر کے میں اس کا ٹھکانہ بنایا اور  
 اس کی اہل وطن پر قاتل کو مجبور کر جانے لگی تو اس کی صورت  
 سے ایسی شہید کی اور محنت ظاہر ہوئی تھی کہ معلوم ہوتا تھا  
 کہ ایک واجب رہتی گھڑی ہوتی ہے۔  
 میرے دل سے گواہی دے کہ اگر دوست ہو سکتی ہے  
 صرف یہ ہستی کہ کہ میں نے اب تک کسی لڑکی کو ایسا دوست  
 نہیں بنایا تھا میں ایسی پہلی کی ضرورت محسوس کرتی تھی جو مجھ  
 جیسی ہی غامض ہو۔  
 اس لئے میں جس دن اس سے ملا کہس ہو جانا چاہتی  
 تھی جیسا کہ عام لڑکیوں کا خاصہ ہے۔ میں نے اس سے مل کر  
 ہوئے کہا کہ کہنے آپ کو اپنی جگہ پسند آئی۔ میں نے گفتگو کے  
 دوران میں کپے کا دوسرا ٹھکانہ دیا اس نے درجہ کے بارے میں  
 ہونے کہا کہ میں بھی ایسی ہی لڑکیوں کے جو اپنی ضرورت  
 کو رنگ دلوں سے چھین کر رہے لیکن قاتل سے کوئی یہ گفتگو  
 نہ ہوئی۔ سوائے معمولی گفتگو کے۔ کبھی تعلیم کے بارے میں  
 کبھی موصی۔ میں اس کو بار بار مجبور کرتی کہ خدا کے لئے اپنی زندگی  
 کو اس قدر متانت سے نہ گزار دینے۔ لیکن وہ صرف یہ کہہ کر  
 ٹال دیتی ہے۔

کیا اس کی رحمت میں جوش آیا؟

اگر میں دعا مانگوں تو کیا اس کو اپنی رحمت عطا کرنے کا خیال آئے گا کہ وہ نہیں وہ غریب، کو ان کی زندگیوں کو متخ کرنے پر تلا ہوا ہے اس نے ایک سانس میں اتنی لمبی تصویر کر دی ہیں نے ہکا بکا ہو کر اس کی صورت کو دیکھا اور کہا آقا قانتہ! تم سے ایسی امید نہ تھی بجائے اس کے تم خدا کا شکر کرتیں اور دعا مانگتیں، ابھی صبحی باغی بن گئیں۔ اس خدا لاغزال و لم زوال کی شان میں گستاخی کر رہی ہو جس کے قہر اور عذاب کے ڈر سے بڑے بڑے انبیاء نے درود کر شب بیداری کی اور فاقوں پر فاقے رکھ کر بھی اس کی مرضی کے خلاف گردن نہیں موڑی اور جس کے شان میں میں یہ کہہ سکتی ہوں سے

عطر و گلاب و مشک سے دہو کر زبان کو گستاخ ہوں جو میری تمام لے لیں

یہ سن کر اس کی صورت بدل گئی چہرہ سرخ ہو گیا آنکھوں سے سخت حقہ کا اظہار ہونے لگا۔ مجھ سے کہنے لگی بس بس راضہ اس وقت تم پینڈو لٹاخ کے فٹستر سے میرے زخم ہائے جگر کو اور جروح نہ کرو۔ تم کو کیا معلوم کہ میرے دل میں ناامید لیوں کے سمندر کی موجیں امیدوں کے چہار کو بڑی تیزی سے جھنڈ میں پھنسا رہے ہیں اور غم کی موجیں بڑے زور شور سے ساحل دل سے ٹکرا رہی ہیں اور ان موجوں کے نفاڑے کا طلعہ ساحل کرنے والے مضاربے طبعہ والے ہیں آہ میری دل کیفیت کا کوئی انداز نہیں رکھتا شب تاریک و بیم موج و گرد آب چلیں حال

کہا داندہ حال ہاں سک ساراں ساحل

تم نے دیکھا ہو گا سیدہ کہ منٹل نے ناامید ہو کر اب خدا کی عبادت بھی چھوڑ دی ہے جب کہ میری بین کی پہلی دفعہ نا سازی مزاج کی کیفیت معلوم ہو چکی تھی میں نے خدا کو اپنا بنانے کے لئے تاکہ اس کو ہمارے حال پر رحم آجائے اس کے احکام پابندی سے بجالائے۔ لیکن جب مجھے معلوم

خزیت اپنی زندگی کے آخری دنوں کو بڑی بے چینی سے گزار رہی ہے۔ ڈاکٹر نے وقت کے دفعہ کے لئے میور کی موت پیش کیا میں نے پہلی تجویز کی ہے۔ میں نے خط پر مدد کر فاقہ کو دیکھا جو درجہ میں کھڑی ہوئی آنکھوں سے آنسو گراتے ہوئے یہ گفتگو رہی تھی۔

سنتھلنے دے جو ہم ناامیدی کیا قیامت ہے

کہ داناں خیالی یار چھوٹا مٹے سے مجھ سے

اس کے چہرے سے یاس و ناامیدی فلک ہی نمی میں نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ کھراؤ نہیں قانتہ خدا پر ہر دوسہ رکھو اور اس سے مدد مانگو۔

اب اس کے قریب ملی گئی تھی اور میں نے کہا خدا

کریم و رحیم ہے وہ تمہارے حال پر رحم و کرم کرے گا۔

قانتہ نے میری طرف دیکھ کر اس تسرے گھوڑا کر

میں سہم گئی میں بھی شامد اس پر اپنی بہن کی لکڑی کا بہت

اثر ہو رہا ہے لیکن اس نے کہنا شروع کیا کہ تم نے کیا کہا؟

راقعہ خدا سے دعا مانگوں؟ اس خدا سے جس نے مجھے بن

باپ کا کیا۔ اور اس سے جس نے میرے بھائی بہنوں کو

بلے و جومات کا مڑا چکھا کر ہماری زندگیوں کو گوار بنایا؟

اس وجہ سے جواب اس بہن کو موت کے گھاٹ اتارنا

چاہتا ہے جو ہمارے لئے زندگی کی نعمت غمر مرتعہ ہے

اور اس خدا سے جس نے طبقہ امرا کو اپنی تمام زمینیں عطا

کیے طبقہ غریب کے لئے اپنے پاس کوئی ٹکڑہ رکھی کہ جس

دیکھتیں کہ اس کی ہزار ہا مخلوق بے خان کی طرح ڈر لیں

رگڑتی پڑی ہوئی ہے۔

کیا تم اس کو محسوس نہیں کرتیں کہ سیکڑوں بچے بلاؤ

تیم ہو کر اپنی زندگیوں کو نیست و نابود کر رہے ہیں اور

کیا اس کے لاکھوں بندوں کی تعداد بے بار و دوکار بڑھا

ہوئی ہے؟ اور کیا ہزاروں شاکر بائیں اپنے کسں بچوں

کو فاقوں سے بچنے کے لئے دم توڑتے ہوئے دیکھ کر بھی اس کی

محب و مہنی شاکر نہیں رہیں؟ ہم ہی تباہ و تارنا ہونے پر بھی

ہو گیا کہ بعد عیاشی و عشرت میں سرشار رہنے والے انسانوں کی طرح ہماری طوط سے غافل ہے تو ضمیر نے گواہی دیا کہ وہ قاضی الحجابات نہیں اب میں کس طرح امید رکھوں کہ میری بہن اتنی سخت بیماری میں بغیر موثر علاج کے صحت مند ہو سکتی ہے۔ اُن رافضہ! ہماری زندگی کو خدا نے کس قدر پر آلام بنایا۔

میں نے کہا اسے کاش تم اس پر آلام زندگی کو باطنیان گزار رہیں اور سمجھتیں کہ اُن میں سے کون کونسا ہے یاں ہر اٹھا کھیل قاتلہ! ابتدائے آفریقہ سے مخلوق میں خدا کی محبت کی بنا و ست کی صلاحیت بھی موجود تھی اسی کے تحت جب اس کی محبت میں فرق آجائے تو بغاوت کا جذبہ جوش میں آتا ہے قصار سے دل میں خدا کی محبت باقی نہ رہنے سے باغیانہ خیالات جمع ہو کر ہتھارے و داغ کو پرانہ کر رہے ہیں تم اس کو خوب سمجھ لو۔

گرا نہ آئندہ سے آئندہ فریب قسمت پر سکون مل کر چھوڑ دو اضطراب پسند اگر میں کچھ اور کہہ رہی تھی کچھ اور کہنے والی تھی کچھ خوش باش لڑکیاں پر ہلکے گفتگو اور ہسٹل کو گونجا دینے والی تھیں لگائی ہوئی آہیں اور آتے ہی جھیر جھار شروع کر دیا لیکن قاتلہ اندھ گراہے میز پر نہ جانے کیا بھٹی میٹھی رہی جو کہ اس کی یہ عادت تھی ہی اس لئے لڑکیوں نے اس کی اس سے تو بھی کو زیادہ محسوس نہیں کیا۔ اسی طرح دن گزارتے گئے لیکن قاتلہ کی زندگی میں کوئی دوسری پیدا ہوئی وہ اور زیادہ اوکس ہوئی گئی۔ اکثر ایسا ہوتا کہ ہم دو دن معلوم ہو جاتا کہ میں جا کر بیٹھا جاتا ہوں اس کو کھانا دیا اس کی بہن کی طرف سے تسلی و لاقی وہ کہا کرتی آہ رافضہ بقول کسی کے۔

یہاں بیٹھا ہوا دل میں کسی کو یاد کرتا ہوں کبھی آنسو بہاتا ہوں کبھی فریاد کرتا ہوں اور راتوں کو ہم دو ذراں ایک ساتھ سوئے لیکن کسی وجہ سے جب میری آنکھ کھل جاتی تو دیکھتی کہ وہ ٹھل رہی ہے میں اس بات کو بڑی شدت سے محسوس کرتی اس کو سمجھتی لیکن وہ آہ کھینچ کر کہتی ہے شب میں ہو جاتی ہے جب شور و غل عالمناش ہم فضا میں تری آواز سن کر کہتے ہیں وہ بہت ابوس ہو کر کہا کرتی رافضہ تم کو نہیں معلوم میرے دل میں کتنی آرزوئیں بستہ مگر پر پڑی ہوئی بہن کو دیکھنے کے لئے تڑپ رہی ہیں۔ لیکن الٹی کردہ روئی کے باعث لاہور جانے کے قابل نہیں ہوں۔

مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فضا کے جموں کے لمحہ بہ لمحہ ہمارے بہن کی کراہت تڑپ کے راست مجھ تک لاتے ہیں او میں دل سے تڑپ جاتی ہوں۔ آہ اب اس قدر دل و ذہن قحط کا۔ میں نے کہا۔ میرے محبوب و فائستہ کے دل کو سکون نصیب کر دے۔

(۲) ایک روز میں سب معمول کھانے کے وقفہ میں ہوٹل میں اپنے کمرے میں گئی تاکہ ذرا آرام لوں اور کھانے کی کھنٹی بجتے ہی کھانے پر پہنچوں۔ لیکن میں نے جوں ہی کمرے میں قدم رکھا کسی کی سسکیوں کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے دیکھا کہ قاتلہ اپنے پیٹنگ پر بے طعوب پڑی ہوئی رو رہی ہے۔ مجھے تعجب ہوا کہ اس آٹھ چھینے کے کمرے میں وہ بھی اس طرح نہ روتی تھی میں نے طے سے بلند ہو کر سبب دریافت کیا۔ اور اس کو منسلے تھی۔

جانتے اس کے کہ وہ اور زیادہ روتی آٹھ میٹھی اہ اپنا ہاتھ میری طرف بڑھاتے ہوئے ایک لفظ پھینکا۔ میں نے دیکھا اس کی ماں کی طرف سے تار آیا ہے



اس نے انتہائی جوش میں کہا یہ خدا ہے جس کو  
ایوب سلام کا مہربند نہ آیا وہ ہمارے مہربان کیا امتحان لے گا؟  
میں تمہاری عیبت و لیلوں کو سننا نہیں چاہتی تم لوگ ہندوؤں  
کے نشتروں میں مکاری کا اچھٹن دیتے ہیں۔ امرا اور سہار  
کو مت امر تہیں میری ہی وجہ ہے کہ غربا کے حقوق ملنے ہو؟

کیا صرف اٹھ یا نڈر وڈ کی ٹھیسوں میں اتنے دود و راز  
خا صلیے پر اپنی ماں کے پاس ملے نہیں جاتیں تمہارے پاس۔  
معمولی معمولی و جوہ ڈری اہم نہیں ہوتیں؟ لیکن ہماری  
بڑی سی بڑی اہمیت کو کوئی لحوس نہیں کرتا۔ کیا میرے تک  
میرے دل میں یہ غلش نہ رہے گی۔ آہ میں نے اسی غربت  
کی بنا پر مرے والی کا چہرہ تک نہیں دیکھا۔ اس کا احسا  
خدا کو ہی نہیں تو تم جیسوں کو کیا ہونا؟ امرا و سہار  
کے پاس غریبوں کی عزت کا کوئی سوال ہی نہیں۔ غربا کی  
عزت و حرمت ذلیلوں اور بازاریوں کے برابر بھی نہیں  
ہوتی کیا وہ کسی غریب لیکن شریف طبقے کو اپنے بہن یا  
بھائی کی نظروں سے دیکھتے ہیں۔

اے کاش! وہ صرف غربا کی عزت کا ہی احساس کر  
غربا کی دگرنگی نہ دے والی غلطیوں کو قابل قبول سمجھتے؟ لیکن نہیں  
ایسا نہیں ہے۔ ایسا کہوں نہیں سمجھ میں نہیں آتا۔

کیا اچھا ہوتا کہ خدا اپنی تمام رحمتیں اپنی لوگوں پر  
نعم کر کے تمام غربا کو موت دیدیتا۔ اگر موت بھی نہ دیتا  
تو اس قدر تک بلکہ کڑیاں لگا دیتا۔ اگر ایسا مجبور بھی  
کرتا تو اس کا صرف احساس پیدا کرتا۔

لیکن آہ امرا تو غربا کو شراٹ الارض سمجھ کر ان کو  
کھینچنے کے درپے رہتے ہیں کہ مساوا ان کے حقوق ان کے  
اس عیش و عشرت کو قہر زل نہ کر دیں۔

سید! میں سچ کہتی ہوں کہ میرے دل میں خدا  
کی نافرمانی سے نفارت کے شعلے بھڑک رہے ہیں اور  
اور انہی شعلوں سے میں جلی جا رہی ہوں اور اپنے ہنڈیا  
کو بیان کرنے سے قاصر ہوں۔

لکھا ہے تمہارے دنیا میں اکیلے ہونے کا مجھے بہت فکوس ہے  
تم نہ بہت کے خدا کے پاس بالظہان رہنے کی دعا کرو۔  
اس کو بڑھتی سی میرا سر تھکا ہوا معلوم ہوا۔  
دل نے کہا جس کا خدشہ تھا آخر ہو کر رہا۔ آگ میرے منہ  
تو نے قاتلہ کے دل کو زبردست ششہ رنگایا۔

اس کے بالوں خیالات کے دریا کا سیلاب امید کے  
کھیتوں کو کس قدر پال کر دے گا؟ میں لافاذ کو بچنے رکھنے  
گئی اور قاتلہ کو دیکھا کہ وہ سنبھل کر بیٹھی اور کہنے لگی کہ  
را فعدہ تمہارا کیا خیال ہے کیا میں حقیقت میں باجی ہوں؟  
جیسا کہ تمہارا خیال میرے متعلق تھا۔ کیا خدا کو صرف میری  
بہن کی اتنی شہید ضرورت تھی؟ جس کا وجود ہمارے لئے  
ایک ذمہ دار باپ سے زیادہ تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں  
کہ خدا کا محکم ارادہ ہماری زندگیوں کو بالکل تباہ کرنے کا ہے؟

لیکن میں کہتی ہوں کہ وہ کیوں نہ ہیں ایک دم  
موت ہو دیتا؟ وہ کیوں دنیا کو تباہ کر دینا والوں کو ہم پر  
بھنے کا موقع دے رہے ہیں؟ کیا اس کو نہیں معلوم کہ ہماری  
زندگی میں اس بہن کی کتنی اہم ضرورت تھی؟ کیا اس کے  
پاس ایسے بزاروں بندے جن کی دنیا اور دنیا والوں کو  
کوئی ضرورت نہیں پڑے ہوئے ہیں۔ کیا ان میں سے  
کسی ایک کو چن لینا اس کے لئے امر محال تھا؟ اس نے  
انتہائی زور و غصہ سے یہ بائیں کیں۔ اس کی آنکھوں  
سے شعلے برس رہے تھے پھر اس نے میری طرف  
جواب طلب کیا ہوں سے دیکھا میں نے کہا قاتلہ مہر کرد۔  
بہ قول غصے سے

سچ میں! کاشانہ ہستی کے یہ نقش و نگار  
دست قدرت نے بنائے ہیں مٹانے کے لئے

خدا تمہارے صبر کا امتحان کر رہا ہے فوراً اس نے طنز یہ  
لہجے میں کہا کیا تم لوگ اس امتحان میں کامیاب ہو گئے؟  
میں دل میں بڑی غم مند ہوئی تھی افسوس ہوا کہ میں  
نے کیوں کہا؟

کے منتظر رہتے ہیں۔ اسے کاش کیا غرباء کے لئے ہوشیار ان کے  
دروازے درشتی کی طرح بند نہیں رہتے وہ خدا کی خدائی  
میں شریک کر کے فرعون بلے سااں بنے ہوئے ہیں۔ کیا یہ  
ہاں اپنی ذرا سی عیش پرستی کی وجہ سے غربائی زینگیوں  
کے بار آور و رختوں کو جڑے اکیڑ کر لیں پھینک رہے  
ہیں۔ بتاؤ سیدہ کوسا کین کی تختوں کی تہلہ سائی  
کھیتوں پر طوفان فوج برپا نہیں کر رہے ہیں۔ یہ ایسے  
خزانے دار ہیں جن کے ایک خزانہ پر دس قانون کے خزانے  
براہی نہیں کر سکتے۔

اس دوران میں اس کا غصہ بہت بلند ہو گیا  
منہ سے کھٹ جاری ہو رہا تھا۔ اپنے ہاتھ کی ٹھپوں کو  
خوب پیچھے پیچھے کر اسے تغیر کو ادھر دیکھتی تھی پھر کہنے لگی کہ  
تم نہیں سنی القلب اور ظالموں کی طرہ داری کر رہی تھیں  
جو اپنے اندر یہ اوصاف رکھتے ہیں۔

میں خدا کو یہ کہوں گی کہ اس نے نا انصافی کی بیشک  
اس نے نا انصافی کی ہے۔ میں اس کے بندوں میں سے  
ہونا چاہی نہیں پابندی چاہنے والے کے ساتھ ہوئے کسی بندے  
نے کہا ہے۔

خدا کا شاخو پھول ہزاروں بنوں میں پھریں تاکہ  
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پہچانوں

(۳)

ایک روز دوران گفتگو میں قانہ نے کہا کہ سیدہ  
میں بہت دن تک سوچتی رہی کہ سکون کیسے نصیب ہو گا۔  
میری سمجھ میں آتا ہے کہ خود کشی ہی ایک ایسی چیز ہے  
جس سے سکون ابی حاصل ہو سکتا ہے۔

اور اب میں موت صرف موت چاہتی ہوں اور

میں تم کو بتاؤں گی کہ میں کیا کروں گی۔

جان مضطر کی حقیقت کو نمایاں کر دوں

دل کے پوشیدہ خیالوں کو بھی عیاں کر دوں

میں دنیا کے تمام جگہوں کا قاتل خود کشی سے کرتی ہوں۔

مرے جذبات رو جاتے ہیں اکثر تشنہ معنی

سے کتنی دل شکن الفاظ کی تینک دانی

کیا تم نہیں دیکھتیں کہ میں نے اپنے شبابی کوئی اسنگائی  
آرزو پوری نہیں کی بدل مرچا فنا ہو چکا۔ میرے دل کی  
رجحانی اتم کی سیاہی بن گئی ہے

اچھن سے روتا ہوا موبو بہا رہا

شباب سیر کو آیا تھا سو گوارا کھپ

میں نے کہا خدا سے دعا کرو اور اس کے احکام پر چلنا شروع

کر وہ معلوم خدا کی مصلحت کیا ہے؟ اور کیا معلوم وہ

مقدارے صبر سے تم کو وہاں کوئی بھی جگہ ملے۔ اس نے

بلے پروائی۔ سے منہ پھیرتے ہوئے کہا اور پھر

دل کے بھانے کو غالب یہ خیال اچھا

دیکھو سیدہ اب میں نہ جنت کی خواہشمند ہوں نہ دوزخ کی

نہ میں مشاق جنت کا نہ میں بیزار جنت سے

کیونکہ میرے باپ میرے بہن بھائی راہ عدم اختیار کر چکے

اب مجھے کوئی حسن دنیا میں رہنے کا نہیں نہ میں دنیا میں

رہنے کے قابل ہوں نہ دنیا کو میری ضرورت ہے۔

میں نے کہا قانہ آہ تم جی سجدہ اذین اڑا کی سے

ایسی امید نہ تھی کہ تمھاری لکڑی صدمے تجاؤ کر جائیں گی

تم خدا سے نا امید ہو کر موت ایک رہی ہو؟

کیا تم کو نہیں معلوم کہ خدا تعالیٰ اپنے کلام میں فرما

ہے کہ اذعنونی لعلیجہ بکھرو اور اپنی لوگوں کو پسند کرنا ہے جو

اس کی عبادت اور احکامات پر سرخوں رہتے ہیں اس کی

رضاجی کے خواہشمند ہو رہے ہیں جب ہی وہ خدا کے ہو جائے

ہیں اور خدا ان کا ہو جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ امراء و روسا کی تمام خواہشیں انہیں

تمام و کمال پوری ہوتی ہیں میری اس تقریر کو بڑی عجیبی

سے لکھتی رہی اور پھر لکھتی تھی۔ آہ سیدہ میرے نشتر زدہ دل کو

اور زیاہدہ موت دکھاؤ۔

تم نے کیا کہا۔ امراء و روسا ہمیشہ خدا کی رضا چاہتی

تھی میرا دل بھی بولا جیگا تھا لیکن اب دل مجھ سے پہلے چکا۔  
کیونکہ میری دنیا نے حسرت کو دو بالا کر کے والی ہستیاں  
بھی موجود تھیں اور میں یہ کہہ سکتی ہوں کہ  
شفقت نور سحر، کالی گھٹائیں چاند اور تار  
کبھی اجڑاتے یہ سب میری دنیا نے مرے لیے  
لیکن آہ اب کیا ہے

اور اب یہ حال ہے دل خود یہ خودی طعناں

بہاں یک پیتوں تار بچوں میں آتا جاتا ہے  
میں نے سن کر اس کو مٹانے کی حتی الاسکان کو مشتیں  
کیں اور کہا کہ انشاء اللہ تمہاری زندگی ایلی ہی رہے گی  
تم دنیا میں آج کمال کو پہنچ کر اپنی ہمت کی بندی دکھاؤ  
اور بالکل اس شعر کے مطابق اپنا نصب العین کر لو  
دل سے نکال طالع برکت کا خیال

کر رخ کو اسرار ستاروں کو پا کا مال

قانتہ اس غم سن کر بہت خاموشی سے بیٹھی رہی اور آہ  
بھر کر کہنے لگی وقت گزرنے کے بعد کیا ہوتا ہے  
ہر شب وید کے قابل تھی، بسمل کی تزلزل

صبح دم کوئی اگر بلائے نام آیا تو کیا

بہت رات گئے اب تک ہم لوگوں نے اسی قسم کی گفتگو  
کی۔ دوسرے روز قانتہ اپنے وطن کو جا رہی تھی اور  
اپنے نام کے اخراج کی درخواست بھی دیدی تھی۔

مجھے اس کا جاننا ناگوار خاطر ہوا۔ اور ہم نے ایک دفتر

کو خط لکھنے کی تاکید کی۔ تمام لڑکیوں نے بھی اس کو بادل

ناغواستہ خدا حافظ کہا۔ لیکن آہ۔ اس کے جانے کے چند

روز بعد ہی ایک اور کھلا خط قانتہ کا آیا لکھا تھا کہ سیدہ

میں نے جو خود کشی کا ارادہ کیا تھا اس کو پورا کر رہی

ہوں۔ تم کو اس وقت خط ملے گا جب کہ میں دنیا میں

نہ ہوں گی۔ لیکن میرے جذبات اور احساسات کا خیال رکھو

ہوئے میں اپنے آپ کو کافی معافی تقدر کرتی ہوں مجھے

بھول جاؤ لیکن ہو سکے تو میرے جذبات اور خیالات کو

ہیشہ یاد کرنا خدا حافظ سے تازہ نغمہ می دامن گرد آج ہائے سیرنا

گاہے گاہے باز خواں این قصہ پار سینہ را

سیدہ بدر رافہ

خود کشی کا نام سن کر میرے حواس منقطع اور ہاتھ  
پاؤں شل ہو گئے۔ میں نے اس سے کچھ نہ کہا کہ میا دا وہ  
اور منقطع نہ ہو جائے۔ میرے دل میں ایک غمناک  
کہ کہیں سچ سچ وہ خود کشی نہ کر لے میں نے اپنی دواؤں  
کی صندوقچی کو منقطع کیا اور ہمیشہ سامنے روم میں  
اس کی غافل نگرانی رکھنے لگی کہ کہیں کوئی زہریلی گیس  
نہ سمجھ لے اور نہ کوئی ایسی چیز اٹالے جس سے جانی  
خطر لاحق ہو۔

اس کو فرصت کے اوقات میں سمجھاتی کہ تم اپنی  
غربت و افلاس کا سرگرم خیال نہ کرو اس کو ایسا سمجھ کر  
میرے افلاس کی طور پر ہے قارونیت قصا  
میرے گناہوں کی پرکھوں ثروت کی پستی  
یہ سن کر کہنے لگی نہیں برا فہم میرا مطلب ثروت و دولت کو  
مائل کرنا نہیں بقول مجھے ہے

اے زرتو قدائد و لیکن یہ خدا

تار العیوب قاضی الحجاباتی

میں اس کی حامی ہوں۔ لیکن رافہ میرا دل دنیا کے

ہنگاموں سے بھر گیا۔ میں نے نہایت آہستگی سے کہا کہ

قانتہ تم اس کا سامنی ہو خود کشی حرام ہے۔ تمہاری دنیا کو

ضرورت اور شد و ضرورت ہے تم ان فرامات کو چھوڑو

اپنی ہمت کو کام میں لا کر رہیں بلکہ ہو جاؤ گی تو بہت سی

زندگیاں تم کو دیکھ کر اپنے آپ کو سدھاریں گی جو کہ مجھے

اس سے قلبی محبت ہو گئی تھی اس لئے ہر ممکن طریقہ سے

اس کو باز رکھنے کی کوشش کرتی وہ بہت مایوسانہ انداز

میں کہنے لگی رافہ تم کو کیوں مجھ سے اتنی ہمدردی ہو رہی

ہے۔ مجھ جیسی ہزاروں لڑکیاں یاد و فکر منقطع میں سیکر لیا

غربت و ناواری کی وجہ سے خود کشی کر رہے ہیں تم کس

کس کو مٹاؤ گی، کس کس کو روکو گی۔ مجھے دنیا کو چھوڑ دینے

وہ کیونکہ اب دنیا میں کوئی غم نہیں رہا ہے

رافہ! میری زندگی پہلے بھی غمناک خوش باش

ہیشہ یاد کرنا خدا حافظ سے تازہ نغمہ می دامن گرد آج ہائے سیرنا

گاہے گاہے باز خواں این قصہ پار سینہ را

تم سے کہی نہ ملنے والی قانتہ۔

# علی گڑھ کے چنیدہ فارسی مخطوطات

گزشتہ فرمادی میں کانفرنس کے سالانہ جلسہ سے فراغ کے بعد حضرت قبلہ خواب صدر ایجنٹ رہا۔ واللہ العالی کا ارشاد سے کتاب خانہ سلطان جہاں منزل کا فارسی ذخیرہ دیکھنے کی مسرت حاصل ہوئی۔ جناب موصوع کا مکمل کتب خانہ کھڑی اور فارسی کتاب کی فہرست از سر نو مرتب کر دی جائے مگر میرے حیدر آباد کو ملنے میں صرف چار روز رہ سکے تھے۔ تین روز کی کلیل حرت میں سب کفرن وار ترتیب دینا اور مختصر سا مختصر وقت لکھنا بھی دشوار تھا اس لئے اپنے عالیہ شغلہ اور دیکھی کے خانہ سے فارسی کتابیں میں جو ناوردہ کیا بیٹھے نظر آئے خاص کر ان پر جامعہ مطالعہ کے بعد صبیحہ کے کچھ نوزیں بن پڑے کہ جناب موصوع کی خدمت میں پیش کر دئے۔ میں جانتا ہوں کہ ان میں بہت کچھ اضافہ کی گنجائش ہے جس کو کچھ سے زیادہ فرصت اور قابلیت رکھنے والے اصحاب انشاء اللہ پر ہی کر دیں گے۔ پھر بھی اس اجیز کی حوصلہ افزائی کے لئے جناب موصوع نے ازراہ ہمدردانہ شفقت یہ عبارت تحریر فرمادی جس کو تبرک کے طور پر میں نے اپنے پاس رکھ لیا ہے۔

میں نے فہرست ہائے لاطینی، کاشی اور تحقیقی سے بھی لکھی ہے جس کی بابت فکر فہرست نگاہ جناب کانفرنس والا کیا جاتا ہے؟

صیب الرحمن سکریٹری  
مندرجہ ذیل پر پیسے اپنے تمیزی فرمیں کتاب خانہ کی فہرست میں ان کے نمبر اور ہیں۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ  
محمد عبد المجید خان

## (۱) شتوی ولدی در بیان اسرار احمدی۔

اس مجموعہ میں دو شتویاں ہیں جو حضرت مولانا جلال الدین رومی علیہ الرحمۃ کے فرزند حضرت سلطان ولدی تصنیف میں پہلی شتوی کا وزن "فاصلان من مفاصلین فعلن" ہے۔

سلطان ولدی نے اس کی جو تصنیف لکھی ہے وہ ان ہی کے الفاظ میں زیادہ بلفظ و بلیغی عرض — افاضیہ شتوی ولدی در بیان اسرار احمدی آن بود کہ حضرت والدہ و شہنشاہ سلطان العلما و العارفین جلال الحق و الدین محمد بن محمد بن حسین البلیغی در شتوی خود قصہ ہائے اولیائے گزشتہ را ذکر کردہ است و کرامات و مقالات ایشان را بیان فرمودہ و غرض از قصہ ہائے ایشان انظار کرامات و مقالات خود بود و ازال اولیائے کہ ہمدل و ہمد و ہم نفس اولیاء مثل سلطان الواسعین سید بران الدین محقق ترمذی و سلطان الخویشین و المشوقین شمس الدین تبریزی و قطب الاقطاب صلاح الدین زکریا کوکب و زبیرت الاولیاء و السامکین شمس الدین بلیغی و لدانی اخئی ترک توحی۔۔۔۔۔

احوال خود و احوال ایشان را بواسطہ قصہ ہائے پیشتین اینجا درج فرمود

غرضت آنی با شد کہ سر و لسراں

گفتہ آید در حدیث و عیر آن

لیکن چون بعضے را آن فطانت و زیر کاری نبود کہ معدودہ حال را فہم کنند و غرض اورا بداند دریں شتوی مقامات و کرامات حضرت شمس و اولیاء مصاحبان کہ ہمدم او بودند۔۔۔۔۔ شرح کردہ شد تا ماطلاہ

کنہ گمان و متحان را معلوم شود کہ ان ہمد احوال او مصاحبتش بودہ است تا شہرت و گمان زایش برودہ  
(ترجمہ مختص) شتوی ولدنی دبستان اسرار خودی کھنے کی غرض یہ تھی کہ حضرت والد نے پنی شتوی میں پھیلے ادلیہ کے  
جو قصہ اور ان کی کرامات و مقامات بیان کئے ہیں اس سے ان کا مقصد اپنے کرامات و مقامات اور ان اولیاء کے کرامات  
و مقامات کا اظہار تھا جو ان کے ہول ہدم اور ہم نشین تھے (اس لئے) اپنے اور ان کے احوال کو پہلے بزرگوں کے  
قصوں (کے پردہ) میں درج کیا لیکن چونکہ بعض لوگوں میں اتنی زیادہ سمجھ نہیں ہوتی کہ ان حالات اور (ان کو پردہ میں  
بیان کرنے کی) غرض کو سمجھ سکیں اس لئے اس شتوی میں حضرت والد اور ان کے ہدم صاحبوں کے مقامات و کرامات کی  
تشریح کی گئی تاکہ پڑھنے اور سننے والوں کو معلوم ہو جائے کہ (قصوں کے پردہ میں بیان کئے ہوئے) حالات خود ان  
اصدان کے ہمیشہ میں کئے ہیں اور (ان کے متعلق) جو شبہات دل میں ہوں دور ہو جائیں۔  
اس شتوی کا آغاز ابتدائے رجب الاول سن ۱۰۰۰ میں ہوا اور تکمیل اسی سنہ کی چوتھی جمادی الآخر کو ہوئی  
دو مہینے میں ختم ہوئی۔

مطلع این بیان جاں افزا بود و شش صد و نو یارا  
گفتہ شد اول رجب الاول گرد و گشت این مگر طول  
مقطعش ہم شد ست اسے فاخر چارمین مہ جادی آخر

دوسری شتوی کی بحوری ہے جو شتوی مولانا روم کی ہے۔ اس کی وجہ تعقیف یہ تھی کہ میں نے  
بزرگے از بزرگان اول بطریق اعتقاد و استدعا و واسطہ خاک و التماس نمود کہ بوزن الہی نامہ خواہ سنا بی رحمت  
علیہ کتابے انشا فرمودہ آید توقع است کہ بوزن شتوی خداوند کار مولانا قدس سرہ العزیز شتوی انشا فرماید جہت  
خواطر دوستان کہ برآں وزن از خواندن بسیار خوش گردانند و اس وزن در ایشان نشاء است کہ آئے دیگر بسیارند  
زیرا کہ ہر نظم کہ گفتہ آید بطریق متبع و تشبہ حضرتش بودہ است ہم بریں وزن کتابے سامعین آئے ابو و زبیر اکرمی  
مناجعت و مشابہت و دین اہل و اہل است بموجب التماس ان بزرگ و جہت آنکہ "نے" حضرت مولانا قدس سرہ  
العزیز مخصوص و منسوب است این شتوی را از "رباب" آغاز کردہ شدہ  
(مختص ترجمہ) اس شتوی کے کھنے کا سبب یہ ہوا کہ ایک اہل دل بزرگ نے عقیدت مندانہ درخواست کی کہ خواجہ سنا  
کی شتوی - الہی نامہ - کے وزن پر تو آپ نے ایک شتوی لکھ دی ہے (مگر) ہم کو امید ہے کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ کی  
شتوی کے وزن پر ایک شتوی اور لکھ دیں گے۔ ان احباب کی خاطر جو اس وزن (کے اشعار) ہمیشہ پڑھتے رہنے سے اس کے  
خوگر ہو گئے ہیں اور یہ وزن ان کے دل نشین ہو گیا ہے۔ (نیز) اس لئے کہ اب تک ہر نظم میں آپ نے حضرت مولانا کا  
متبع اور تشبہ ملحوظ رکھا ہے اس وزن پر (دوسری شتوی) کھنے سے متابعت اور مشابہت کا مقصد زیادہ بہتر  
اور مکمل صورت میں پورا ہر جائے گا اس بزرگ کے التماس سے اور اس لئے بھی کہ (لفظ) "نے" حضرت مولانا  
رحمۃ اللہ کے ساتھ مخصوص و منسوب ہے اس شتوی کو "رباب" (کے لفظ) سے شروع کیا گیا۔

اس شتوی کا آغاز سن ۱۰۰۰ میں ہوا اور تکمیل تقریباً مہینے میں اس سنہ کی ذی الحجہ کو۔  
رو و لہ خانش کش این سرور از گرچہ داری و درون دریاے راز  
غمرہ شعبان شد آغاز کتاب در سنہ سچ ماہ بہر ثواب

دروہ ذی جوش شد ہم ایں تمام تانساند بر خور معنی غم نام  
دو فوں مثنویوں میں ہر نظر سے پہلے چکر سطرے شکر کے عنوانات ہیں جن میں ان چیزوں کی مختصر  
تشریح ہے جن پر اشعار میں خیال آرائی کی گئی ہے۔  
دو فوں کے ششہ اور پچھتہ الفاظ اور چشت بند ششیں مصنف کی کمال شاعری اور پچھتہ مثنوی کی دلیل ہیں۔ پہلی  
مثنوی کا انداز بیان مولانا رحمۃ اللہ کی مثنوی سے اس قدر ملتا جلتا ہے کہ اگر دو فوں کے اشعار ملا دئے جائیں تو  
فرق کرنا دشوار ہو جائے گا۔

پہلی مثنوی کے دیباچہ میں اپنی غزلیات اور ان میں حضرت مولانا کے خیالات اور اسلوب بیان کے ساتھ  
تشبیہ و تمثیل رکھنے کا بھی ذکر کیا ہے۔ یہ مثنوی حجم میں دوسری مثنوی سے کم ہے۔  
اس مجموعہ کی تقطیع متوسط ہے۔ حدوں کا غذا اور خطا باطل یکساں ہے۔ چند صفحوں کے سوا جو خط نستعلیق میں  
سارے کتاب کی شرح میں ہے اور ایک ہی شخص کی کبھی ہوئی معلوم ہوتی ہے کہ کتاب نے اپنا نام نہیں نکھا صرف تاریخ  
اور سنہ کتابت لکھ کر چھوڑ دیا ہے۔  
”تمت الکتاب بجاہد فی سبیل اللہ روز بروز ہم ماہ محرم الحرام سنہ شین و تین و سبعمائتہ (۱۲۶۲ھ)  
یہ مجموعہ ہر اعتبار سے قیمتی اور قابل قدر ہے۔“

## (۲) تحفۃ الاخبار

یہ مدراس کرناٹک اور میور کے مقامی حالات کی عمدہ تاریخ ہے جس کو منشی غلام حسین خاں نے ایلیٹ صاحب گورنر  
مدراس کے عہد حکومت میں لکھا ہے۔ اس میں تاریخی تفصیلی ہیں۔  
پہلی فصل میں ان روسائے کرناٹک کے حالات ہیں جو عہد عالمگیری سے ۱۷۸۱ء تک برسرِ امارت رہے ہیں۔  
دوسری فصل میں مدراس کے گورنروں اور ان کی طرز حکومت کا ذکر ہے۔  
تیسری فصل میں انگریزی قوانین کے متعلق اظہارِ رائے کیا گیا ہے۔  
چوتھی فصل میں انگریزوں کی معاملہ نمایی اور عدل و انصاف کا بیان ہے۔  
پانچویں فصل میں کرناٹک کے قدیم جاگیرداروں اور راجاؤں کے حالات ہیں۔ یہ حالات و واقعات  
کس صاحب کیسج اور قابل اعتماد ہیں اس کا فیصلہ تاریخ دان ہی بہتر کر سکتا ہے۔  
زبان صاف و سادہ ہے۔ کاغذ قدیم سبکی اعلیٰ خط عمدہ اور تقطیع بڑی معنات کی تعداد ۱۶۲ سنہ تصنیف  
۱۲۶۲ھ مطابق ۱۷۸۱ء تک ہے۔

## (۳) لغات عالمگیریہ

فہرست میں اس کا نام ”مفاح اللغات“ غلط درج ہوا ہے۔ مصنف ”فاضل خان“ اہل اے عالمگیری رہا ہے  
ہے۔ غالباً دربار شاہی میں تحفۂ گویش کرنے کی غرض سے جیسا کہ دیباچہ میں اشارہ کیا ہے۔ خانہ کا تحفۃ والہمدیہ

الے الملک الہام..... یہ لکھ کر اس کا نام "تختہ عالمگیر" رکھا ہے۔

یہ تختہ کی ایک حقیقت اور مبسوط کتاب ہے۔ قرآن احادیث رجال و انساب کے لغات و فقہ کے ان محاورات کی تشریح جن میں علماء کو اختلاف رہا ہے، بہت خوبی سے کی ہے جن الفاظ کے ساتھ تاریخی واقعات یا مذہبی خیالات وابستہ ہیں ان کو پوری تفصیل اور جامعیت سے لکھا ہے بمعنیہ کو زبان اور بیان پر پوری قدرت حاصل ہے۔ یہ کتاب کیاب ہے۔ دیکھا تو نہیں سنا ہے کہ اس کا ایک نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں بھی ہے۔ قطع بڑی ہے کاغذ قدیم خانی کو خط زیادہ قدیم نہیں معلوم ہوتا۔ ناقص الآخر ہونے سے سند کتابت کا پتہ نہیں چلا۔

#### (۴) مکتوبات حضرت امام ربانیؒ

اس کتاب کا جامع اور مولف یار محمد بن خشی طالقانی ہے۔ بہت عمدہ اور بے عیب نسخہ ہے۔ محمد شاہ بادشاہ دہلی کے عہد میں کسی امیر ہدایت اللہ خاں "نامی کی فرمائش سے لکھا گیا۔ کاتب کا نام محمد بیگ ہے۔ سن و تاریخ کتابت غرہ رجب شمس جلوس۔ آخری صفحہ پر سید غلام خواجہ جالی کی ہزا در انہی کے قلم کی کئی ہوتی عبارت ہے۔

تبدست خود ہر کرم شب، ماصفر المظفر طالعہ پیری

#### (۵) تصحیح لغات فرس

یہ کتاب شاہ ملہا سب مغوی کے عہد کی تصنیف ہے بمعنیہ حسین دہلوی نے دوبارہ میں لکھا ہے کہ اس کے لغات تین رسالوں سے اخذ ہیں جن میں سے ایک محمد بن محمد بن الدین ہندو شاہ ہشتی نے خواجہ محمد غیاث الدین محمد زبیدی کے نام پر لکھا ہے۔ دوسرا شمس فخری نے امیر شیخ ابوالحسن بن امیر محمود شاہ ابو کے نام پر تیسرا شمس الدین محمد کشمیری نے اکثر لغات کے خواجہ میں اساتذہ کے اشعار بھی درج کئے ہیں۔ یہ لغت ہے تو مختصر سا مگر بہت مفید اور بصیرت افروز ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ ایران میں تصنیف ہوا اور نہ فارسی کے اکثر مرد و بھگت ہندوستان میں تصنیف ہوئے ہیں۔

تقطع چھوٹی کاغذ ایک اور خط پتہ ہے۔ ۱۰ اشوال ۱۰۰۰ میں بمقام احمد لکھا گیا ہے۔

#### (۶) در مجالس

معنیہ سیف لافز بران "یہ کتاب ۳۲ ابواب پر مشتمل ہے۔ ابتدائی دس بابوں میں حضرت آدم علیہ السلام سے حضور سرور کائنات علیہ افضل التیات تک انبیاء کے فضائل ہیں۔ باقی میں مذہبی قصص و حکایات۔ کاتب کا نام محمد طاہر ابن محمد ابن شمس الدین محمد ہے۔ لاہور میں ہر رجب ۱۰۰۰ جلوس عالمگیر میں لکھی گئی۔ نسخہ سات اور غلط ہے۔

#### (۷) آیات من کلمات الصوفیہ

یہ خطبہ آسا چھوٹی کٹی قطع پر قدیم چھاپا ہوا رسالہ ہے جس کو مصنف نے کسی امیر عبدالرشخاں کے دربار کے سانی کا حیلہ بنانے کے لئے لکھا ہے۔ چھوٹی چھوٹی مدنیوں اقول صحابہ اور کلمات صوفیہ کا مجموعہ چار مصرعوں میں آغا

کیا ہے اور پہلی خط میں حدیث با قول محالی با کمالات موقوفہ کئے ہیں اور ان کے نیچے چار مصرعے: بیجا عربی میں ہے جس کا صرت ایک دو رقی رہ گیا ہے اور کتاب کے آخر میں لگا ہوا ہے۔  
شاعر کے نام شخص اور زمانہ کا پتہ نہیں چلا سکا کلام کا انداز ایرانی ہے اور طباعت بھی وہیں کی معلوم ہوتی ہے۔

### (۸) جنت الفردوس

ذہبی رسالہ ہے۔ اس کی ۳۱ فصلیں ہیں جن میں نماز قرآن خوانی صبر وغیرہ کے فضائل درج ہیں۔ کاغذ اور خط معمولی ہے مصنف کا نام اور سنہ تصنیف معلوم نہ ہو سکا۔ صرت اتنا ظاہر ہوا کہ حاجی ابن ترک سلطان کمال الدین کے ایام سے لکھا گیا ہے۔

### (۹) رسالہ در فقہ فارسی

اول اور آخر سے ناقص ہے۔ اس لئے مصنف کے نام اور سنہ تصنیف کا پتہ نہ مل سکا۔ صفحہ ۴۱ کے بعد داؤد صفحہ غائب ہیں۔ محتاج وصیت اور قصاص وغیرہ کے مسئلے بحوالہ کتب وائے مختصر آئے ہیں۔ مسائل کے ضمن میں بعض ائمہ فقہ کے حالات بھی درج کر دیے ہیں۔ کاغذ خانی قدیم اور رسم الخط نسخ ہے اور موجود مصنف کی تعداد ۲۶۱ ہے جو حیثیت مجموعی رسالہ بہت اچھا اور کارآمد ہے۔

### (۱۰) گننام رسالہ

فہرست میں اس کا نمبر ۲۰ ہے۔ آگے گننام لکھا ہوا ہے۔ اس جلد میں پہلا رسالہ فقہی مسائل کا عربی میں ہے۔ جس کے نام اور مصنف کا پتہ نہ ملا۔ دوسرا رسالہ شیخ علی مستفی کے رسالہ العبارت انقصیت فی الواعظ والنصیحتہ کا پہلا حصہ ہے مصنف کا پورا نام علی بن حسام الدین مشہور یہ مستفی ہے۔ جلد سازی کی غلطی سے صفحہ ۱۵۹ کے درمیان ۵ ورق کسی اور رسالہ کے آگئے ہیں جو عربی میں ہیں۔ کاغذ چکنا اور قدیم ہے۔ تقطیع چھٹی اور خط معمولی۔

### (۱۱) بدایع الانشاء

اس کتاب کے سابق مالک عبد الغنی صاحب فہمہ زبانی کاوری ساکن گلگتہ، زراست حیدر آباد دکن اس نے عربی میں ایک مختصر سے نوٹ میں داد تحفۃ فی دی ہے کہ "بادشاہ مالوی نے اپنے فرزند عزیز قوت العین رفیع الدین حسین کی تعلیم و تربیت کے لئے میرنشی یوسفی سے تصنیف کرائی لیکن مصنف لکھتا ہے کہ۔  
"ایں رسالہ ایست سہی بدایع الانشاء مشتمل بر محاورات خطابی و جوابی کہ بہت فرزند عزیز قوت العین حسین حسین طالع عوف و صابر طابان در تبرعات و قد کتابت فی آئینہ"

اس عبارت کے انداز اور الفاظ کی نوعیت سے صاف ظاہر ہے کہ یوسفی نے اپنے ہی بیٹے اور دوسرے صاحب کے لئے یہ انشاء لکھی ہے۔ مالوی بادشاہ کا کوئی بیٹا رفیع الدین حسین نامی نہ تھا۔  
مقدمہ میں قابل مصنف نے انشاء کی تقسیم اس طرح کی ہے۔



فنِ انشا منقسم می شود بدو قسم یکے تو قیعات کہ مضامین آن خطوی برائشکہ احکام سلاطین و حکام است و دیگر محاورات کہ ترکیب آن اسما و صور و کتاباں مضامینا و قصات است۔

و محاورات منقسم می شود بدو قسم است از برائے آن کہ خالی از آن نیست کہ تہہ مکتوب الیہ از کتاب ہند ترست یا فروتر یا مساوی است اگر ملکہ ترست موافقت گویند اگر فروترست زجاج و اگر مساوی ست مراسلات و ہر یک انہیں اقسام منقسم می شود بہ خطابی و جوابی۔

نمونہ کا طور پر تجھے خطوط اور مراسلات درج کئے ہیں ان میں الفاظ کا جن انتخاب فقروں کا دروہست ان کی شستگی اور عقل مصنف کی اعلیٰ قابلیت اور پیچیدگی کا روشن ثبوت ہے۔ یہ تصنیف مصنف کے ان اشعار سے ۹۴۰ نکلتا ہے۔

اس نامہ کو دستِ فنِ انشا و بہ نظام کر دوہر و خوشش بدایع الانشا نام  
محرار کنی جو نام اور ایک بار شک نیست کہ رہ بری بسال تمام  
بحساب جمل "بدایع الانشا" کے اعداد ۱۰۰۰ ہوتے ہیں جن کی تکرار سے منسلک نکلتا ہے۔  
یہ کتاب بہت کمباب ہے۔ یاد اگر غلطی نہیں کرتی تو اس کا ایک ہند صرف اسہو کے کتاب خانہ میں  
نہ گیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔  
مصنفات کی تعداد ۲۶۲ ہے۔ انفس ہے کہ اخیر کے ۹۷ حصے آہستہ آہستہ دیکھ کی نذر ہو گئے ہیں۔  
کاغذ خطی قدیم اور دیر ہے۔ خط نہایت عمدہ اور پختہ متعلق۔

## (۱۲) خمسہ نظامی۔

ایک بکے تجھے نظر سے گزرے ان میں یہ خمسہ ہر لحاظ سے بہترین ہے اس مجموعہ میں ۶ مثنویاں ہیں۔  
مخزن امرار۔ خسرو شیریں۔ بیلی مجنوں۔ ہفت پیکر۔ سکندر نامہ۔ اور شرف نامہ۔ مثنوی ہفت پیکر میں ۱۱ مثنویاں تصور ہیں  
بھی ہیں جن کے رنگ و طرز سے معلوم ہوتا ہے کہ راجپوتانہ کے انداز میں بنوائی گئی ہیں۔ خط ایرانی ہے نہایت  
صاف اور بے عیب قلم کی شان اول سے آخر تک ایک ہے جو دلیں المانی ہیں۔ شروع کے دو صفحے ایرانی نقاشی  
اور نازک ترین بول قلم کاری کا بہترین نمونہ ہیں۔

مجموعہ کے آخری صفحہ پر کتابت نے اپنا نام اور سند کتابت لکھا تھا مگر کسی اصحق نے کتاب کا نام اس طرح  
ٹپایا ہے کہ پتہ چلا نا ممکن ہو گیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

"تد فرغ الکتاب عن ترویج ذہ الکتاب بعون الملک ابوباب ختم حضرت شیخ الاسلام قطب المصطفیٰ  
شیخ نظامی قدس سرہ العزیز علیہ العالیہ الضعیفین الی جتہ الطیر الغنی۔۔۔۔۔ غفرہ و توبہ و ستر  
عیوبنی عاشر شہر رجب انا ذیل سن۶۹۰ و ۶۹۱ و ۶۹۲ و ۶۹۳ و ۶۹۴ و ۶۹۵ و ۶۹۶ و ۶۹۷ و ۶۹۸ و ۶۹۹ و ۷۰۰ و ۷۰۱ و ۷۰۲ و ۷۰۳ و ۷۰۴ و ۷۰۵ و ۷۰۶ و ۷۰۷ و ۷۰۸ و ۷۰۹ و ۷۱۰ و ۷۱۱ و ۷۱۲ و ۷۱۳ و ۷۱۴ و ۷۱۵ و ۷۱۶ و ۷۱۷ و ۷۱۸ و ۷۱۹ و ۷۲۰ و ۷۲۱ و ۷۲۲ و ۷۲۳ و ۷۲۴ و ۷۲۵ و ۷۲۶ و ۷۲۷ و ۷۲۸ و ۷۲۹ و ۷۳۰ و ۷۳۱ و ۷۳۲ و ۷۳۳ و ۷۳۴ و ۷۳۵ و ۷۳۶ و ۷۳۷ و ۷۳۸ و ۷۳۹ و ۷۴۰ و ۷۴۱ و ۷۴۲ و ۷۴۳ و ۷۴۴ و ۷۴۵ و ۷۴۶ و ۷۴۷ و ۷۴۸ و ۷۴۹ و ۷۵۰ و ۷۵۱ و ۷۵۲ و ۷۵۳ و ۷۵۴ و ۷۵۵ و ۷۵۶ و ۷۵۷ و ۷۵۸ و ۷۵۹ و ۷۶۰ و ۷۶۱ و ۷۶۲ و ۷۶۳ و ۷۶۴ و ۷۶۵ و ۷۶۶ و ۷۶۷ و ۷۶۸ و ۷۶۹ و ۷۷۰ و ۷۷۱ و ۷۷۲ و ۷۷۳ و ۷۷۴ و ۷۷۵ و ۷۷۶ و ۷۷۷ و ۷۷۸ و ۷۷۹ و ۷۸۰ و ۷۸۱ و ۷۸۲ و ۷۸۳ و ۷۸۴ و ۷۸۵ و ۷۸۶ و ۷۸۷ و ۷۸۸ و ۷۸۹ و ۷۹۰ و ۷۹۱ و ۷۹۲ و ۷۹۳ و ۷۹۴ و ۷۹۵ و ۷۹۶ و ۷۹۷ و ۷۹۸ و ۷۹۹ و ۸۰۰ و ۸۰۱ و ۸۰۲ و ۸۰۳ و ۸۰۴ و ۸۰۵ و ۸۰۶ و ۸۰۷ و ۸۰۸ و ۸۰۹ و ۸۱۰ و ۸۱۱ و ۸۱۲ و ۸۱۳ و ۸۱۴ و ۸۱۵ و ۸۱۶ و ۸۱۷ و ۸۱۸ و ۸۱۹ و ۸۲۰ و ۸۲۱ و ۸۲۲ و ۸۲۳ و ۸۲۴ و ۸۲۵ و ۸۲۶ و ۸۲۷ و ۸۲۸ و ۸۲۹ و ۸۳۰ و ۸۳۱ و ۸۳۲ و ۸۳۳ و ۸۳۴ و ۸۳۵ و ۸۳۶ و ۸۳۷ و ۸۳۸ و ۸۳۹ و ۸۴۰ و ۸۴۱ و ۸۴۲ و ۸۴۳ و ۸۴۴ و ۸۴۵ و ۸۴۶ و ۸۴۷ و ۸۴۸ و ۸۴۹ و ۸۵۰ و ۸۵۱ و ۸۵۲ و ۸۵۳ و ۸۵۴ و ۸۵۵ و ۸۵۶ و ۸۵۷ و ۸۵۸ و ۸۵۹ و ۸۶۰ و ۸۶۱ و ۸۶۲ و ۸۶۳ و ۸۶۴ و ۸۶۵ و ۸۶۶ و ۸۶۷ و ۸۶۸ و ۸۶۹ و ۸۷۰ و ۸۷۱ و ۸۷۲ و ۸۷۳ و ۸۷۴ و ۸۷۵ و ۸۷۶ و ۸۷۷ و ۸۷۸ و ۸۷۹ و ۸۸۰ و ۸۸۱ و ۸۸۲ و ۸۸۳ و ۸۸۴ و ۸۸۵ و ۸۸۶ و ۸۸۷ و ۸۸۸ و ۸۸۹ و ۸۹۰ و ۸۹۱ و ۸۹۲ و ۸۹۳ و ۸۹۴ و ۸۹۵ و ۸۹۶ و ۸۹۷ و ۸۹۸ و ۸۹۹ و ۹۰۰ و ۹۰۱ و ۹۰۲ و ۹۰۳ و ۹۰۴ و ۹۰۵ و ۹۰۶ و ۹۰۷ و ۹۰۸ و ۹۰۹ و ۹۱۰ و ۹۱۱ و ۹۱۲ و ۹۱۳ و ۹۱۴ و ۹۱۵ و ۹۱۶ و ۹۱۷ و ۹۱۸ و ۹۱۹ و ۹۲۰ و ۹۲۱ و ۹۲۲ و ۹۲۳ و ۹۲۴ و ۹۲۵ و ۹۲۶ و ۹۲۷ و ۹۲۸ و ۹۲۹ و ۹۳۰ و ۹۳۱ و ۹۳۲ و ۹۳۳ و ۹۳۴ و ۹۳۵ و ۹۳۶ و ۹۳۷ و ۹۳۸ و ۹۳۹ و ۹۴۰ و ۹۴۱ و ۹۴۲ و ۹۴۳ و ۹۴۴ و ۹۴۵ و ۹۴۶ و ۹۴۷ و ۹۴۸ و ۹۴۹ و ۹۵۰ و ۹۵۱ و ۹۵۲ و ۹۵۳ و ۹۵۴ و ۹۵۵ و ۹۵۶ و ۹۵۷ و ۹۵۸ و ۹۵۹ و ۹۶۰ و ۹۶۱ و ۹۶۲ و ۹۶۳ و ۹۶۴ و ۹۶۵ و ۹۶۶ و ۹۶۷ و ۹۶۸ و ۹۶۹ و ۹۷۰ و ۹۷۱ و ۹۷۲ و ۹۷۳ و ۹۷۴ و ۹۷۵ و ۹۷۶ و ۹۷۷ و ۹۷۸ و ۹۷۹ و ۹۸۰ و ۹۸۱ و ۹۸۲ و ۹۸۳ و ۹۸۴ و ۹۸۵ و ۹۸۶ و ۹۸۷ و ۹۸۸ و ۹۸۹ و ۹۹۰ و ۹۹۱ و ۹۹۲ و ۹۹۳ و ۹۹۴ و ۹۹۵ و ۹۹۶ و ۹۹۷ و ۹۹۸ و ۹۹۹ و ۱۰۰۰ و ۱۰۰۱ و ۱۰۰۲ و ۱۰۰۳ و ۱۰۰۴ و ۱۰۰۵ و ۱۰۰۶ و ۱۰۰۷ و ۱۰۰۸ و ۱۰۰۹ و ۱۰۱۰ و ۱۰۱۱ و ۱۰۱۲ و ۱۰۱۳ و ۱۰۱۴ و ۱۰۱۵ و ۱۰۱۶ و ۱۰۱۷ و ۱۰۱۸ و ۱۰۱۹ و ۱۰۲۰ و ۱۰۲۱ و ۱۰۲۲ و ۱۰۲۳ و ۱۰۲۴ و ۱۰۲۵ و ۱۰۲۶ و ۱۰۲۷ و ۱۰۲۸ و ۱۰۲۹ و ۱۰۳۰ و ۱۰۳۱ و ۱۰۳۲ و ۱۰۳۳ و ۱۰۳۴ و ۱۰۳۵ و ۱۰۳۶ و ۱۰۳۷ و ۱۰۳۸ و ۱۰۳۹ و ۱۰۴۰ و ۱۰۴۱ و ۱۰۴۲ و ۱۰۴۳ و ۱۰۴۴ و ۱۰۴۵ و ۱۰۴۶ و ۱۰۴۷ و ۱۰۴۸ و ۱۰۴۹ و ۱۰۵۰ و ۱۰۵۱ و ۱۰۵۲ و ۱۰۵۳ و ۱۰۵۴ و ۱۰۵۵ و ۱۰۵۶ و ۱۰۵۷ و ۱۰۵۸ و ۱۰۵۹ و ۱۰۶۰ و ۱۰۶۱ و ۱۰۶۲ و ۱۰۶۳ و ۱۰۶۴ و ۱۰۶۵ و ۱۰۶۶ و ۱۰۶۷ و ۱۰۶۸ و ۱۰۶۹ و ۱۰۷۰ و ۱۰۷۱ و ۱۰۷۲ و ۱۰۷۳ و ۱۰۷۴ و ۱۰۷۵ و ۱۰۷۶ و ۱۰۷۷ و ۱۰۷۸ و ۱۰۷۹ و ۱۰۸۰ و ۱۰۸۱ و ۱۰۸۲ و ۱۰۸۳ و ۱۰۸۴ و ۱۰۸۵ و ۱۰۸۶ و ۱۰۸۷ و ۱۰۸۸ و ۱۰۸۹ و ۱۰۹۰ و ۱۰۹۱ و ۱۰۹۲ و ۱۰۹۳ و ۱۰۹۴ و ۱۰۹۵ و ۱۰۹۶ و ۱۰۹۷ و ۱۰۹۸ و ۱۰۹۹ و ۱۱۰۰ و ۱۱۰۱ و ۱۱۰۲ و ۱۱۰۳ و ۱۱۰۴ و ۱۱۰۵ و ۱۱۰۶ و ۱۱۰۷ و ۱۱۰۸ و ۱۱۰۹ و ۱۱۱۰ و ۱۱۱۱ و ۱۱۱۲ و ۱۱۱۳ و ۱۱۱۴ و ۱۱۱۵ و ۱۱۱۶ و ۱۱۱۷ و ۱۱۱۸ و ۱۱۱۹ و ۱۱۲۰ و ۱۱۲۱ و ۱۱۲۲ و ۱۱۲۳ و ۱۱۲۴ و ۱۱۲۵ و ۱۱۲۶ و ۱۱۲۷ و ۱۱۲۸ و ۱۱۲۹ و ۱۱۳۰ و ۱۱۳۱ و ۱۱۳۲ و ۱۱۳۳ و ۱۱۳۴ و ۱۱۳۵ و ۱۱۳۶ و ۱۱۳۷ و ۱۱۳۸ و ۱۱۳۹ و ۱۱۴۰ و ۱۱۴۱ و ۱۱۴۲ و ۱۱۴۳ و ۱۱۴۴ و ۱۱۴۵ و ۱۱۴۶ و ۱۱۴۷ و ۱۱۴۸ و ۱۱۴۹ و ۱۱۵۰ و ۱۱۵۱ و ۱۱۵۲ و ۱۱۵۳ و ۱۱۵۴ و ۱۱۵۵ و ۱۱۵۶ و ۱۱۵۷ و ۱۱۵۸ و ۱۱۵۹ و ۱۱۶۰ و ۱۱۶۱ و ۱۱۶۲ و ۱۱۶۳ و ۱۱۶۴ و ۱۱۶۵ و ۱۱۶۶ و ۱۱۶۷ و ۱۱۶۸ و ۱۱۶۹ و ۱۱۷۰ و ۱۱۷۱ و ۱۱۷۲ و ۱۱۷۳ و ۱۱۷۴ و ۱۱۷۵ و ۱۱۷۶ و ۱۱۷۷ و ۱۱۷۸ و ۱۱۷۹ و ۱۱۸۰ و ۱۱۸۱ و ۱۱۸۲ و ۱۱۸۳ و ۱۱۸۴ و ۱۱۸۵ و ۱۱۸۶ و ۱۱۸۷ و ۱۱۸۸ و ۱۱۸۹ و ۱۱۹۰ و ۱۱۹۱ و ۱۱۹۲ و ۱۱۹۳ و ۱۱۹۴ و ۱۱۹۵ و ۱۱۹۶ و ۱۱۹۷ و ۱۱۹۸ و ۱۱۹۹ و ۱۲۰۰ و ۱۲۰۱ و ۱۲۰۲ و ۱۲۰۳ و ۱۲۰۴ و ۱۲۰۵ و ۱۲۰۶ و ۱۲۰۷ و ۱۲۰۸ و ۱۲۰۹ و ۱۲۱۰ و ۱۲۱۱ و ۱۲۱۲ و ۱۲۱۳ و ۱۲۱۴ و ۱۲۱۵ و ۱۲۱۶ و ۱۲۱۷ و ۱۲۱۸ و ۱۲۱۹ و ۱۲۲۰ و ۱۲۲۱ و ۱۲۲۲ و ۱۲۲۳ و ۱۲۲۴ و ۱۲۲۵ و ۱۲۲۶ و ۱۲۲۷ و ۱۲۲۸ و ۱۲۲۹ و ۱۲۳۰ و ۱۲۳۱ و ۱۲۳۲ و ۱۲۳۳ و ۱۲۳۴ و ۱۲۳۵ و ۱۲۳۶ و ۱۲۳۷ و ۱۲۳۸ و ۱۲۳۹ و ۱۲۴۰ و ۱۲۴۱ و ۱۲۴۲ و ۱۲۴۳ و ۱۲۴۴ و ۱۲۴۵ و ۱۲۴۶ و ۱۲۴۷ و ۱۲۴۸ و ۱۲۴۹ و ۱۲۵۰ و ۱۲۵۱ و ۱۲۵۲ و ۱۲۵۳ و ۱۲۵۴ و ۱۲۵۵ و ۱۲۵۶ و ۱۲۵۷ و ۱۲۵۸ و ۱۲۵۹ و ۱۲۶۰ و ۱۲۶۱ و ۱۲۶۲ و ۱۲۶۳ و ۱۲۶۴ و ۱۲۶۵ و ۱۲۶۶ و ۱۲۶۷ و ۱۲۶۸ و ۱۲۶۹ و ۱۲۷۰ و ۱۲۷۱ و ۱۲۷۲ و ۱۲۷۳ و ۱۲۷۴ و ۱۲۷۵ و ۱۲۷۶ و ۱۲۷۷ و ۱۲۷۸ و ۱۲۷۹ و ۱۲۸۰ و ۱۲۸۱ و ۱۲۸۲ و ۱۲۸۳ و ۱۲۸۴ و ۱۲۸۵ و ۱۲۸۶ و ۱۲۸۷ و ۱۲۸۸ و ۱۲۸۹ و ۱۲۹۰ و ۱۲۹۱ و ۱۲۹۲ و ۱۲۹۳ و ۱۲۹۴ و ۱۲۹۵ و ۱۲۹۶ و ۱۲۹۷ و ۱۲۹۸ و ۱۲۹۹ و ۱۳۰۰ و ۱۳۰۱ و ۱۳۰۲ و ۱۳۰۳ و ۱۳۰۴ و ۱۳۰۵ و ۱۳۰۶ و ۱۳۰۷ و ۱۳۰۸ و ۱۳۰۹ و ۱۳۱۰ و ۱۳۱۱ و ۱۳۱۲ و ۱۳۱۳ و ۱۳۱۴ و ۱۳۱۵ و ۱۳۱۶ و ۱۳۱۷ و ۱۳۱۸ و ۱۳۱۹ و ۱۳۲۰ و ۱۳۲۱ و ۱۳۲۲ و ۱۳۲۳ و ۱۳۲۴ و ۱۳۲۵ و ۱۳۲۶ و ۱۳۲۷ و ۱۳۲۸ و ۱۳۲۹ و ۱۳۳۰ و ۱۳۳۱ و ۱۳۳۲ و ۱۳۳۳ و ۱۳۳۴ و ۱۳۳۵ و ۱۳۳۶ و ۱۳۳۷ و ۱۳۳۸ و ۱۳۳۹ و ۱۳۴۰ و ۱۳۴۱ و ۱۳۴۲ و ۱۳۴۳ و ۱۳۴۴ و ۱۳۴۵ و ۱۳۴۶ و ۱۳۴۷ و ۱۳۴۸ و ۱۳۴۹ و ۱۳۵۰ و ۱۳۵۱ و ۱۳۵۲ و ۱۳۵۳ و ۱۳۵۴ و ۱۳۵۵ و ۱۳۵۶ و ۱۳۵۷ و ۱۳۵۸ و ۱۳۵۹ و ۱۳۶۰ و ۱۳۶۱ و ۱۳۶۲ و ۱۳۶۳ و ۱۳۶۴ و ۱۳۶۵ و ۱۳۶۶ و ۱۳۶۷ و ۱۳۶۸ و ۱۳۶۹ و ۱۳۷۰ و ۱۳۷۱ و ۱۳۷۲ و ۱۳۷۳ و ۱۳۷۴ و ۱۳۷۵ و ۱۳۷۶ و ۱۳۷۷ و ۱۳۷۸ و ۱۳۷۹ و ۱۳۸۰ و ۱۳۸۱ و ۱۳۸۲ و ۱۳۸۳ و ۱۳۸۴ و ۱۳۸۵ و ۱۳۸۶ و ۱۳۸۷ و ۱۳۸۸ و ۱۳۸۹ و ۱۳۹۰ و ۱۳۹۱ و ۱۳۹۲ و ۱۳۹۳ و ۱۳۹۴ و ۱۳۹۵ و ۱۳۹۶ و ۱۳۹۷ و ۱۳۹۸ و ۱۳۹۹ و ۱۴۰۰ و ۱۴۰۱ و ۱۴۰۲ و ۱۴۰۳ و ۱۴۰۴ و ۱۴۰۵ و ۱۴۰۶ و ۱۴۰۷ و ۱۴۰۸ و ۱۴۰۹ و ۱۴۱۰ و ۱۴۱۱ و ۱۴۱۲ و ۱۴۱۳ و ۱۴۱۴ و ۱۴۱۵ و ۱۴۱۶ و ۱۴۱۷ و ۱۴۱۸ و ۱۴۱۹ و ۱۴۲۰ و ۱۴۲۱ و ۱۴۲۲ و ۱۴۲۳ و ۱۴۲۴ و ۱۴۲۵ و ۱۴۲۶ و ۱۴۲۷ و ۱۴۲۸ و ۱۴۲۹ و ۱۴۳۰ و ۱۴۳۱ و ۱۴۳۲ و ۱۴۳۳ و ۱۴۳۴ و ۱۴۳۵ و ۱۴۳۶ و ۱۴۳۷ و ۱۴۳۸ و ۱۴۳۹ و ۱۴۴۰ و ۱۴۴۱ و ۱۴۴۲ و ۱۴۴۳ و ۱۴۴۴ و ۱۴۴۵ و ۱۴۴۶ و ۱۴۴۷ و ۱۴۴۸ و ۱۴۴۹ و ۱۴۵۰ و ۱۴۵۱ و ۱۴۵۲ و ۱۴۵۳ و ۱۴۵۴ و ۱۴۵۵ و ۱۴۵۶ و ۱۴۵۷ و ۱۴۵۸ و ۱۴۵۹ و ۱۴۶۰ و ۱۴۶۱ و ۱۴۶۲ و ۱۴۶۳ و ۱۴۶۴ و ۱۴۶۵ و ۱۴۶۶ و ۱۴۶۷ و ۱۴۶۸ و ۱۴۶۹ و ۱۴۷۰ و ۱۴۷۱ و ۱۴۷۲ و ۱۴۷۳ و ۱۴۷۴ و ۱۴۷۵ و ۱۴۷۶ و ۱۴۷۷ و ۱۴۷۸ و ۱۴۷۹ و ۱۴۸۰ و ۱۴۸۱ و ۱۴۸۲ و ۱۴۸۳ و ۱۴۸۴ و ۱۴۸۵ و ۱۴۸۶ و ۱۴۸۷ و ۱۴۸۸ و ۱۴۸۹ و ۱۴۹۰ و ۱۴۹۱ و ۱۴۹۲ و ۱۴۹۳ و ۱۴۹۴ و ۱۴۹۵ و ۱۴۹۶ و ۱۴۹۷ و ۱۴۹۸ و ۱۴۹۹ و ۱۵۰۰ و ۱۵۰۱ و ۱۵۰۲ و ۱۵۰۳ و ۱۵۰۴ و ۱۵۰۵ و ۱۵۰۶ و ۱۵۰۷ و ۱۵۰۸ و ۱۵۰۹ و ۱۵۱۰ و ۱۵۱۱ و ۱۵۱۲ و ۱۵۱۳ و ۱۵۱۴ و ۱۵۱۵ و ۱۵۱۶ و ۱۵۱۷ و ۱۵۱۸ و ۱۵۱۹ و ۱۵۲۰ و ۱۵۲۱ و ۱۵۲۲ و ۱۵۲۳ و ۱۵۲۴ و ۱۵۲۵ و ۱۵۲۶ و ۱۵۲۷ و ۱۵۲۸ و ۱۵۲۹ و ۱۵۳۰ و ۱۵۳۱ و ۱۵۳۲ و ۱۵۳۳ و ۱۵۳۴ و ۱۵۳۵ و ۱۵۳۶ و ۱۵۳۷ و ۱۵۳۸ و ۱۵۳۹ و ۱۵۴۰ و ۱۵۴۱ و ۱۵۴۲ و ۱۵۴۳ و ۱۵۴۴ و ۱۵۴۵ و ۱۵۴۶ و ۱۵۴۷ و ۱۵۴۸ و ۱۵۴۹ و ۱۵۵۰ و ۱۵۵۱ و ۱۵۵۲ و ۱۵۵۳ و ۱۵۵۴ و ۱۵۵۵ و ۱۵۵۶ و ۱۵۵۷ و ۱۵۵۸ و ۱۵۵۹ و ۱۵۶۰ و ۱۵۶۱ و ۱۵۶۲ و ۱۵۶۳ و ۱۵۶۴ و ۱۵۶۵ و ۱۵۶۶ و ۱۵۶۷ و ۱۵۶۸ و ۱۵۶۹ و ۱۵۷۰ و ۱۵۷۱ و ۱۵۷۲ و ۱۵۷۳ و ۱۵۷۴ و ۱۵۷۵ و ۱۵۷۶ و ۱۵۷۷ و ۱۵۷۸ و ۱۵۷۹ و ۱۵۸۰ و ۱۵۸۱ و ۱۵۸۲ و ۱۵۸۳ و ۱۵۸۴ و ۱۵۸۵ و ۱۵۸۶ و ۱۵۸۷ و ۱۵۸۸ و ۱۵۸۹ و ۱۵۹۰ و ۱۵۹۱ و ۱۵۹۲ و ۱۵۹۳ و ۱۵۹۴ و ۱۵۹۵ و ۱۵۹۶ و ۱۵۹۷ و ۱۵۹۸ و ۱۵۹۹ و ۱۶۰۰ و ۱۶۰۱ و ۱۶۰۲ و ۱۶۰۳ و ۱۶۰۴ و ۱۶۰۵ و ۱۶۰۶ و ۱۶۰۷ و ۱۶۰۸ و ۱۶۰۹ و ۱۶۱۰ و ۱۶۱۱ و ۱۶۱۲ و ۱۶۱۳ و ۱۶۱۴ و ۱۶۱۵ و ۱۶۱۶ و ۱۶۱۷ و ۱۶۱۸ و ۱۶۱۹ و ۱۶۲۰ و ۱۶۲۱ و ۱۶۲۲ و ۱۶۲۳ و ۱۶۲۴ و ۱۶۲۵ و ۱۶۲۶ و ۱۶۲۷ و ۱۶۲۸ و ۱۶۲۹ و ۱۶۳۰ و ۱۶۳۱ و ۱۶۳۲ و ۱۶۳۳ و ۱۶۳۴ و ۱۶۳۵ و ۱۶۳۶ و ۱۶۳۷ و ۱۶۳۸ و ۱۶۳۹ و ۱۶۴۰ و ۱۶۴۱ و ۱۶۴۲ و ۱۶۴۳ و ۱۶۴۴ و ۱۶۴۵ و ۱۶۴۶ و ۱۶۴۷ و ۱۶۴۸ و ۱۶۴۹ و ۱۶۵۰ و ۱۶۵۱ و ۱۶۵۲ و ۱۶۵۳ و ۱۶۵۴ و ۱۶۵۵ و ۱۶۵۶ و ۱۶۵۷ و ۱۶۵۸ و ۱۶۵۹ و ۱۶۶۰ و ۱۶۶۱ و ۱۶۶۲ و ۱۶۶۳ و ۱۶۶۴ و ۱۶۶۵ و ۱۶۶۶ و ۱۶۶۷ و ۱۶۶۸ و ۱۶۶۹ و ۱۶۷۰ و ۱۶۷۱ و ۱۶۷۲ و ۱۶۷۳ و ۱۶۷۴ و ۱۶۷۵ و ۱۶۷۶ و ۱۶۷۷ و ۱۶۷۸ و ۱۶۷۹ و ۱۶۸۰ و ۱۶۸۱ و ۱۶۸۲ و ۱۶۸۳ و ۱۶۸۴ و ۱۶۸۵ و ۱۶۸۶ و ۱۶۸۷ و ۱۶۸۸ و ۱۶۸۹ و ۱۶۹۰ و ۱۶۹۱ و ۱۶۹۲ و ۱۶۹۳ و ۱۶۹۴ و ۱۶۹۵ و ۱۶۹۶ و ۱۶۹۷ و ۱۶۹۸ و ۱۶۹۹ و ۱۷۰۰ و ۱۷۰۱ و ۱۷۰۲ و ۱۷۰۳ و ۱۷۰۴ و ۱۷۰۵ و ۱۷۰۶ و ۱۷۰۷ و ۱۷۰۸ و ۱۷۰۹ و ۱۷۱۰ و ۱۷۱۱ و ۱۷۱۲ و ۱۷۱۳ و ۱۷۱۴ و ۱۷۱۵ و ۱۷۱۶ و ۱۷۱۷ و ۱۷۱۸ و ۱۷۱۹ و ۱۷۲۰ و ۱۷۲۱ و ۱۷۲۲ و ۱۷۲۳ و ۱۷۲۴ و ۱۷۲۵ و ۱۷۲۶ و ۱۷۲۷ و ۱۷۲۸ و ۱۷۲۹ و ۱۷۳۰ و ۱۷۳۱ و ۱۷۳۲ و ۱۷۳۳ و ۱۷۳۴ و ۱۷۳۵ و ۱۷۳۶ و ۱۷۳۷ و ۱۷۳۸ و ۱۷۳۹ و ۱۷۴۰ و ۱۷۴۱ و ۱۷۴۲ و ۱۷۴۳ و ۱۷۴۴ و ۱۷۴۵ و ۱۷۴۶ و ۱۷۴۷ و ۱۷۴۸ و ۱۷۴۹ و ۱۷۵۰ و ۱۷۵۱ و ۱۷۵۲ و ۱۷۵۳ و ۱۷۵۴ و ۱۷۵۵ و ۱۷۵۶ و ۱۷۵۷ و ۱۷۵۸ و ۱۷۵۹ و ۱۷۶۰ و ۱۷۶۱ و ۱۷۶۲ و ۱۷۶۳ و ۱۷۶۴ و ۱۷۶۵ و ۱۷۶۶ و ۱۷۶۷ و ۱۷۶۸ و ۱۷۶۹ و ۱۷۷۰ و ۱۷۷۱ و ۱۷۷۲ و ۱۷۷۳ و ۱۷۷۴ و ۱۷۷۵ و ۱۷۷۶ و ۱۷۷۷ و ۱۷۷۸ و ۱۷۷۹ و ۱۷۸۰ و ۱۷۸۱ و ۱۷۸۲ و ۱۷۸۳ و ۱۷۸۴ و ۱۷۸۵ و ۱۷۸۶ و ۱۷۸۷ و ۱۷۸۸ و ۱۷۸۹ و ۱۷۹۰ و ۱۷۹۱ و ۱۷۹۲ و ۱۷۹۳ و ۱۷۹۴ و ۱۷۹۵ و ۱۷۹۶ و ۱۷۹۷ و ۱۷۹۸ و ۱۷۹۹ و ۱۸۰۰ و ۱۸۰۱ و ۱۸۰۲ و ۱۸۰۳ و ۱۸۰۴ و ۱۸۰۵ و ۱۸۰۶ و ۱۸۰۷ و ۱۸۰۸ و ۱۸۰۹ و ۱۸۱۰ و ۱۸۱۱ و ۱۸۱۲ و ۱۸۱۳ و ۱۸۱۴ و ۱۸۱۵ و ۱۸۱۶ و ۱۸۱۷ و ۱۸۱۸ و ۱۸۱۹ و ۱۸۲۰ و ۱۸۲۱ و ۱۸۲۲ و ۱۸۲۳ و ۱۸۲۴ و ۱۸۲۵ و ۱۸۲۶ و ۱۸۲۷ و ۱۸۲۸ و ۱۸۲۹ و ۱۸۳۰ و ۱۸۳۱ و ۱۸۳۲ و ۱۸۳۳ و ۱۸۳۴ و ۱۸۳۵ و ۱۸۳۶ و ۱۸۳۷ و ۱۸۳۸ و ۱۸۳۹ و ۱۸۴۰ و ۱۸۴۱ و ۱۸۴۲ و ۱۸۴۳ و ۱۸۴۴ و ۱۸۴۵ و ۱۸۴۶ و ۱۸۴۷ و ۱۸۴۸ و ۱۸۴۹ و ۱۸۵۰ و ۱۸۵۱ و ۱۸۵۲ و ۱۸۵۳ و ۱۸۵۴ و ۱۸۵۵ و ۱۸۵۶ و ۱۸۵۷ و ۱۸۵۸ و ۱۸۵۹ و ۱۸۶۰ و ۱۸۶۱ و ۱۸۶۲ و ۱۸۶۳ و ۱۸۶۴ و ۱۸۶۵ و ۱۸۶۶ و ۱۸۶۷ و ۱۸۶

ان پانچوں ثنویں کے جتنے جتنے مقامات خصوصاً وہ حصے جو جامعہ کے نصاب کے سلسلہ میں برسوں سے زیر نظر چلے آ رہے ہیں، بغور دیکھ کر حیرت بھی ہوئی اور مسرت بھی کہ یہ مجروحہ متداول اخلاط سے پاک ہے۔

### (۱۳) دیوان حافظ

سورت میں ایک مشہور امیر نواب غلام بابا خاں گزرے ہیں جن کے نام مرزا غالب کے متعدد خطوط اردو دلی اور عہد ہندی میں موجود ہیں۔ یہ بے نظیر شاعرانہی کے کتاب خانہ کا ہے جو علامہ اقبال میں مولوی انوار احمد زہری مرحوم سفیر کاغذ میں کوان کے زمانہ قیام سورت میں نواب ندوچ کے پوتے نواب میر حفیظ الدین احمد خاں نے عطایا تھا۔ سرورق پر نواب میر غلام بابا خاں مرحوم سی آئی ای کی مہر ثبت ہے اور اس سے آگے صفحہ پر انوار احمد صاحب مرحوم کا لکھا ہوا یہ نوٹ ہے۔

”ابن نسخہ نادر دیوان حافظ از کتاب خانہ نواب میر غلام بابا خاں مرحوم سی آئی ای بہ اباحت“  
نواب زادہ میر حفیظ الدین خاں صاحب گرفتہ داخل کتب خانہ سلطان جہاں منزل کر دم۔“  
غاکسار انوار احمد زہری از مرحوم مقام سورت  
۲ جنوری ۱۹۱۶ء

اس کے بچے نواب میر حفیظ الدین احمد خاں نے یہ فقرہ لکھ دیا ہے۔  
”بیاس خاطر محبی انوار احمد صاحب بخیرم۔“

عاشق حنفیہ الدین خاں

دیوان کے آغاز میں وہی دیا جا چکا ہے جو اکثر مطبوعہ نسخوں میں پایا جاتا ہے آخری صفحہ پر ایک جگہ عبارت بے جوڑ ہو گئی ہے غالباً کاتب نے کچھ حصہ ہموا چھوڑ دیا ہے۔  
”تقلع متوسط کاغذ سرخی مال بادامی بست ویز۔“ ہر صفحہ پر طلالی اشعار سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی شائق امیر کے لئے لکھا گیا ہے تمام جہد میں ترقین اور طلالی نہیں۔ خطا بہترین متعلق ہے۔ ابتدا کے اہم سطور پر کہیں کہیں روشنائی آگئی ہے بعض صفحات پر آب و تاب کی کئی کئی جگہاں ہیں۔ کہاں اور کب لکھا گیا کس نے لکھا یہ کچھ پتہ نہ چلا۔ بہر حال نسخہ بہت قوی اور نادر ہے۔

### (۱۴) شرح ذوان السعدن

یہ حضرت امیر خسرو کی مشہور تفسیری ذوان السعدن کی نہایت بہترین شرح ہے جو بعض احباب کی ذہانت سے حضرت شیخ نورالحی محدث دہلوی سے تیار کی گئی ہے۔ یہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند کبریت تھے۔  
نیز القاری شرح شیخ بخاری کے سوا آپ کی اور تصانیف بھی ہیں جن میں سے ایک تحقیق الروایہ میں ہے۔  
غیر مطبوعہ اور کیا ہے اس کا ایک نسخہ خانقاہ مجددیہ سرحد شریعت میں موجود ہے۔ حضرت شیخ نورالحی محدث الامام تاجی علیہ الرحمۃ سے بیعت تھی۔ اور فرقہ خلافت حضرت عروت انور علیہ السلام سے جوڑا ہے۔  
کتبہ بسوم ”ان ہی کے نام ہے۔“



ہے۔ دوسری نقل اخوذ بہا لسان تک۔ سب سے اخیر کا ایک مصنف غائب ہے۔ اس لئے سنہ کتابت وغیرہ کا پتہ چلا قطعاً بڑی ہے۔ کاغذ خانی پکنا اور مضبوط۔

### (۲۰) محمد فی المحمد

یہ کتاب ابو بکر سعد زنگی والی شیراز (۶۸۸-۶۲۳) کے حمد کی تصنیف ہے۔ مصنف نے اس دور کے مسلمانوں کی ضعیف الایمانی اور اسلامیات کی طرف سے غفلت و لاپرواہی کا شکوہ کرتے ہوئے ایسی کتابوں کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ یہ تمام ضروری اعتقادی مسائل صاف اور آسان زبان میں لکھے گئے ہیں۔

ابو بکر سعد زنگی کے نام پر مضمون کرنے کی وجہ یہ بتائی گئی ہے  
”سناو قع ان دروہا لائے عوام افزوں تر باشد و نظر ان درویدہ ہا بکام تقلید بزرگ ترازیں وجہ  
آن را یہ ذکر نہ برگزیدہ خدا بہ بادشاہی بقیہ صالحہ ملوک و سلاطین اسلام بادشاہ نیاز مند دین  
ترحم دل درویش نواز سفر سلطان اکابک ابو بکر سعد زنگی کہ ہموارہ در نظر و گفت خداے باو معنون  
گردانید“

سروق پر مصنف کا نام امام توریشی یا توریشی لکھا ہوا ہے۔ کتاب میں تین باب ہیں اور ہر باب میں دس فصلیں۔  
باب اول۔ درایمان بخداے عزوجل۔

باب دوم۔ درایمان بہ فرشتگان و کتابا و پیغمبران۔

باب سوم۔ درمسائل اعتقادی بر موجب کتاب سنت و اجماع امت۔

مسائل آسان اور مدلل عبارتوں میں لکھے ہیں۔ اس نوعیت کی کتابیں بہت کم دیکھنے میں آئیں۔ کس سنہ میں لکھی گئی اس کا پتہ نہیں چلا۔ خط صاف اور عکاس ہے۔ صفحات کی تعداد ۲۲۲ ہے۔

### (۲۱) منظر الحق فی الاماحۃ السماع

یہ رسالہ کمال صفی حسینی قزوینی کی تصنیف ہے جو سیدہ السادات حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو داز کے متقیدین میں سے تھے۔ ناواقف لوگوں کو روایات اور اصطلاحات فقہاء کے ورد و انکار سے بچانے کے لئے لکھا گیا ہے۔ خط بخیرہ و مستقیم ہے۔ آخری چند صفحے ضائع ہو گئے ہیں۔ اس لئے سنہ کتابت وغیرہ کا پتہ نہ چلا۔

### (۲۲) کلیات حرمین

اس مجموعہ میں پہلے قصائد ہیں پھر یہ ترتیب ابی غزلیات۔ غزلوں کے بعد رباعیات و قطعات ہیں۔ سنہ کتابت وغیرہ کا پتہ نہ مل سکا۔ بظاہر بہت زمانہ کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے شروع کے دو صفحوں پر خوشنح حرمین کا موقوفہ دیا جا چکا ہے۔ کاغذ ولایتی ہے۔ کھرا سفید۔ خط نستعلیق۔

## (۲۳) نزمۃ الارواح۔

مصنفہ لڑکن الدین حسین ابن عالم بن ابو یحییٰ حسینی۔ تصوف و سلوک میں ہے۔ ۲۸ فصلیں ہیں۔ جن میں  
مبدأ سلوک معرفت سلوک مقامات سلوک نصیحت سالک ہدایت غفلت وحدت اور نفس وغیرہ کے مباحث ہیں۔  
عبارتیں مطلق اور مؤنوسے موئے لغات سے بھری ہوئی ہیں۔ آخری صفحہ کی تھوڑی سی عبارت ملاحظہ ہو۔  
"مصنف ابن ربیع لطافت ومولف ابن غرائب و طرائف فقیر حقیر حسین بن عالم بن ابی الی  
الحسینی۔۔۔۔۔ کہ ایں غرافین ابکار یعنی نفائس افکار۔۔۔۔۔ ایں شعیف اند بعد از ان کداز  
من مستغرق فطرت بتووع غفلت نزول کردہ انداز کمال طراوت و نہایت لطافت بغایت  
رسید کہ صیانت در شہور سہ اعد عشر و سبع ہفتہ (۱۱) مشاط نشاط فکر رباط ایں  
بساط کوشش و گردن ہر یک را بزور فصاحت و بلاغت مفرد موشع ساخت۔"  
عبارت مذکورہ میں سنہ تصنیف ۱۱ بتایا گیا ہے۔ کتاب دبیر بادانی کاغذ پر ہے۔ تقطیع متوسط اور ضخیم  
ہے۔ آخر سے چند صفحات غائب ہیں۔

## (۲۴) الجمعات الشائبة جلد ششم۔

اس کتاب میں نویں مکتبی کے ایک ایرانی رفائی بزرگ سید محمد بن عبد اللہ مخاطب بہ شاء عالم کی ہفتہ  
محبوبوں کے حالات اور افادات کو کسی معتقد نے جو اپنے آپ کو "جامع کنوز محمدیہ" جامع محفوظ مہارک" اور  
"جامع محفوظات محمدیہ" کے لقب سے یاد کرتا ہے جمع کیا ہے۔ زیر نظر حصہ یکم محرم ۱۰۲۵ ہجری  
سے شروع ہو کر ۲۰ ذی الحجہ ۱۰۲۵ ہجری کے مجموعہ پر ختم ہوا ہے۔  
ہر جمعہ کی صحبت میں شیخ برہان الدین لقب بہ میان مخدوم قاری خاص اور جامع کنوز محمدیہ کا ذکر ضرور  
آیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لوگ بالائزہ نام حاضر مجلس رہا کرتے تھے کہیں کہیں خواجہ کریم الدین اور شیخ  
فریدین دولت شاہ کا بھی ذکر ہے۔ ایک جمعہ کی مجلس میں باشندگان احمد آباد کے ہجوم کا ذکر بھی ہے۔ اس لئے قیاس  
ہوتا ہے کہ یہ صحبتیں احمد آباد میں ہوا کرتی تھیں۔  
اس حصہ میں برہانی (غالباً منسوب بہ قطب عالم سید برہان الدین) کے خاندان مختلف شاخوں کے ۴۴ شجرے  
درج ہیں اور چند سالے جہاد وغیرہ کے مشعل ہیں۔  
حضرت قطب عالم کے متعلق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اخبار الاخیار (مجتبائی) کے صفحہ ۱۶۸ پر لکھتے  
ہیں حضرت قطب عالم خیرہ مخدوم جہانیاں سید جلال شہیدی ست ازمن اعلیٰ خود بہ کجرات رفتہ توطن اختیار کردہ  
نام او سید برہان الدین ست و مشہور در زبان ملائین ان دیار بہ قطب عالم است۔ و وضعہ اوسہ کردہ پی از  
حیدر آباد ست۔ وفات او ۱۰۲۵ ذی الحجہ سنہ ۱۰۲۵ ہجری و تھیں و ثمان مانعہ الکت۔  
وقت کی تنگی کے باعث کتاب کو بالاستیعاب دیکھنے کا موقع نہ ملا۔ جسے جتن جن عنوانوں پر نظر پڑی  
ان میں سے چند یہ ہیں۔

حقیقت فکر۔ اثبات روتیہ لاکھ لاکھ سلیم۔ روز قیامت۔ مناقب صحابہ کرام۔ صبر و شکر۔ مراقبہ عبودیت۔ استغفار۔ ذراست۔ قنوت۔ حقوق والدین۔

ان میں سے ہر ایک پر حضرت شاہ عالم کے ارشادات بڑے عالمانہ اور محققانہ ہیں۔ جامع کتاب ہر موقع پر جن القاب اور حدیث ادب و احترام سے ان کا نام لیتا ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت موصوف بڑے بلند پایہ عالم اور بڑے عالی مرتبہ موصوف تھے اور خواص و عوام سب ان کا اتہائی ادب کرتے تھے۔ فرصت سے بخیر مطالعہ کرنے والے کو اس کتاب میں ایسے مسائل ملیں گے جن کو زوایہ سے الگ کر کے اگر لکھا کر دیا جائے تو تصوف سے ذوق رکھنے والوں کے لئے بہت مفید اور دلچسپ ثابت ہوں گے۔

کتاب میں نہ کہیں جامع کا نام لانا کتاب کا نہ سنا کتابت۔ البتہ سرورق پر ان اصحاب کے نام مع نہیں کے درج ہیں جن کے قبضہ میں نسخہ رہ چکا ہے۔

۱۔ من نعم اللہ علی عبدہ ابن شیخ بہار الدین۔

۲۔ نیک لوگ اہل بیت النبی ابو الحسن عینی نقشبندی مہر میں ہے۔ خادم درگاہ ابوالحسن دیوانہ۔

۳۔ خادم ابوالحسن درگاہ دیوانہ۔

۲۔ رسالہ دئے حضرت شاہجہ از کتاب خانہ نواب نیک عالم خاں خواجہ عباد اللہ دیر گرتہ دم ہراج تبارخ غرہ جمادی الاول ۱۰۸۱ھ۔

۲۔ ایں رسالہ جماعت شاہجہ جلد ششم از خواجہ عباد اللہ خاں نایا الحال فقیر حمید حسین الدین حسینی تبارخ غرہ جمادی الثانی ۱۰۸۱ھ دیر گرتہ مہر میر حسین الدین ۱۰۸۱ھ۔

عبدالحمید خاں

قاضی عبدالغفار۔ ایسا اچھا رسالہ اور ایسی دیدہ زیب صورت میں  
اختر رائے پوری۔ اب تک میں نے نیا دور کا ذکر نہ تھا اب جو اسے دیکھتا ہوں تو حیرت  
ہوتی ہے۔ آپ نے ترقی پسند تحریک کو اس دشنام سے بچایا کہ اس کی نہ جانی گئے کوئی معقول  
اور مستقل رسالہ تک نہیں ہے۔

## نیا دور

نمبر ۸ شائع ہو گیا ہے

مضامین: چرمین عسکری، عبدالقادر سروری، اختر انصاری، کھنیا لال کپور، نظام الحق، نور محمد کوٹلیوی  
افسانے: از قوۃ العین جدیدہ، ابن سبیل، ہنس راج، مہر پریم ناتھ، پروسی، اشوک صدیقی، اقتصاد  
نیو تنوی، صدیق، اقبال، متین، اکالی گروہ، سنگھ، گرو، پندر۔

نظمیں: شاعرانہ، قاتل شقی، اشعر، آبادی وغیرہ۔  
چندہ سال چھ روپے۔ نیا دور "بھگور سٹی"۔ فی پرچہ ۵۰ کدھر

(سٹریشورشی ایم) حیدر آباد کے کامیاب نوجوان افغان تھکڑا ہیں۔ آپ کے افسانوں کا مجموعہ "من کی دنیا" ادارہ ادبیات اردو سے شائع ہو کر بہت مقبول ہوا اب آپ ایک دوسرا مجموعہ مرتب کر رہے ہیں) ادارہ

## جھنکار

فاروق اپنی خالہ زاد بہن فیروزہ کے ساتھ اپنی کیل میں شریک ہوتا تو اس کا دل دھڑکتا رہتا تھا۔ فاروق کی شرارتیں کیسی مادی تھنڈی اور کھوجی ہو گئی تھیں۔ آٹ ایک رات اس نے وہ خواب بھی تو دیکھا تھا۔ گردلوں کی شادی کا نقشہ چلتا اور توڑے کیسی خرم کی بات گزری کہ مگر وہ خود دہن بنی مٹی بنی اور فاروق..... فیروزہ کا دل سننا اٹھا۔ اور پسینے بھی ٹھنڈے۔ ہوش کرنے والے اسی زمانے میں چھوٹے چچا وہ رنجار ڈلے آ گئے تھے جس میں کئی عورتیں لی کر گئی تھیں۔ "کرلو محبت کرلو" چھوٹے چچا تو ریکارڈ کے ساتھ خود بھی گاتے تھے۔ پر فیروزہ کیا کرتی بے چاری۔ اور اس دن جو چھوٹے چچا اپنی مرنے والی سسرال لائے گئے تھے۔ اس کی کسی درگت بنی مٹی چھوٹے چچا وہ ریکارڈ اپنے ساتھ لیتے گئے تھے۔ لیکن اس کی ایک ہلکی سی کونج فیروزہ کے دل میں بھلتی رہ گئی تھی چھوٹے چچا کی شادی کا دھیان..... اور اس کے بعد اسے یوں محسوس ہوا لگا جیسے اس کے چاروں طرف عورتیں ہی عورتیں جمع ہیں اور اسی گائے کا شور مچ رہا ہے۔ کوئی اس کے اندر بھی گائے لگا کر لو محبت کرلو۔"

فیروزہ نے گھبراہٹ کے عالم میں آنکھیں اوپر اٹھائیں۔ فاروق..... اور فیروزہ کی نظروں نے وہی گیت فاروق کو بھی سنا دیا۔ دھمک۔ دھمک کرلو محبت کرلو۔ فیروزہ وہاں سے بھاگ کھڑی ہوئی۔ اب وہ فاروق کا سامنا کرتے ہوئے جھک جاتی تھی۔ یوں کہ آٹ کافی نہ ہوئی تو دروازے کے پٹ نے پناہ دی۔ اپنا کی یہ اجنبیت۔ کیسی دھچک۔ کیسی عجیب سی۔ جین کا معصوم بندھن جوان انگلیوں کی تاب نہ لاسکا۔ پہلی ہی نظر میں ٹوٹ گیا۔ اور ایک اٹھانڈہ دونوں کو ایک دوسرے

سے قریب کر رہا تھا۔ وہ بھی..... فیروزہ دور مٹی گئی۔ وہ اسے کی آواز مٹی قابل عبور آ رہی ہے۔ کوئی فاروق کے دل سے پوچھے۔ اسے تو ایسا معلوم ہونے لگا۔ جیسے فیروزہ نے بھی۔ کوئی آسانی خلق تھی۔ زمین پر آئی پھر آسمان پر چلی گئی۔ گروہ آسمان سے تارے کو توڑنا چاہتا تھا۔ اس کا دل جھل جھل کر اسے دروازے کی طرف دھکیل رہا تھا۔ اور فیروزہ کی بھانجی ہوئی آنکھیں اس کے قدموں میں بھی جا رہی تھیں۔ آج اس کی سمجھ میں آ رہا تھا کہ وہاں کے میل کو ریتہ اور دولت کی نظر دینا سے دور کا بھی تعلق نہیں اس کے ماں باپ دولت مند اور فیروزہ غریب ہے۔ تو اپنی امارت داری پر اکر لے ہوئے غریب نصیب فیروزہ سے انجان کیوں رہا جائے۔ فیروزہ کو دولت اور حیثیت کی خاطر کنوٹا لٹنی پڑی بھول ہو گئی۔ اس نے اپنے باپ کے کنڈی کی انتظام کی تعمیل میں اپنی خالہ کے ہاں آنا ہونا جو چھوڑا رہا کیا۔ آج اس کی غلطی دروازے کی آٹ کی صورت میں اس کا راستہ روکے کھڑی تھی۔ "فیروزہ ہم سے پرہیز کر رہی ہو" اس نے گھبرائے ہوئے لہجہ میں کہا۔ فیروزہ کیا جواب دیتی دروازے کے پٹ کو خفیہ سی حرکت ہوئی۔ چوڑیاں بھٹکیں۔ اور فاروق کے دل میں ہزاروں جگنو ٹھلٹھلنے لگے۔ فیروزہ کی ماں کے قدموں کی آواز نے اس طرفانی کش مکش میں سکون کی لہر میں دوڑا دیں۔ خالہ بی۔ یہ فیروزہ کی ماں سکرانے کو نہیں سکرانے کی بنیوں پٹائی کی طرف کھینچ گئیں سکرانے کی یہ لکھی سی کن حزن و ملال کے جنور میں بچ کر رہ گئی۔ فیروزہ کے چہرے کی تنہا تھوں اور اس کی خود فراموشی کو بھاپ گئی تھی۔ وہ اس بوجھ سے جس قدر بلے ہوئے سکھوش ہو جانا ہوتا تھا یہی تھی لیکن جہیز میں سوئے کے پازہ اور دوسرے مطالبوں کی تکمیل بیوہ وال کے بس کی بات نہ تھی۔ اس لئے کوئی اچھا پیام جتنا تھا۔ فاروق کے پاس شک کا کوئی لڑکا تو نہیں ڈھونڈا۔ سے نہ تھا۔

سے سپتوں کی طرح ڈھکیل دی گئی۔ وہ روتی رہی۔ اتنا دل  
فیروزہ کو زندگی بھر میں جتنے آنسو وہ بہا سکتی تھی ایک  
ایک قطرہ کر کے اس کے کندھے میں جذب ہو گئے۔ اس کا  
دل اس بچہ کی طرح دہشت زدہ اور مجاہد نامت کے  
زیر اثر لرز رہا تھا جس نے دیا سلامتی کے کھیل میں  
گھر کو آگ لگا دی ہو۔

فاروق۔ فیروزہ کا نہیں۔ نہیں نہیں سونے کے سارے  
تماشاویں نے پکار پکار کر کہا۔ پردہ بیس کے اداکاروں  
نے سچ سچ کر کہا اور خود فاروق نے کہہ دیا۔ فیروزہ  
میں تم سے محبت کی جھبکا اٹھتا ہوں۔ میں مجبوروں  
میں ان اینڈ شوں کو نہیں توڑ سکتا محبت ان ڈھکولوں  
سے بے نیاز ہے۔ لیکن تم میری مجبوروں کو کبھو مجھے  
ٹھکراؤ نہیں۔ فیروزہ کو بھی کھاس کی طرح سنگ اٹھی۔ غم  
کی طرح آپ مجھ پر کچھ خرچ کر اپنی دہشتی کا سامان ڈھونڈ لے  
تے۔ مجھے جہیز بھی۔ میرے دل سے میل رہے تھے۔ اور  
میری تباہی کی پیش بندیوں کی کئی تمیں مجھے علم نہ تھا۔  
دفا باز۔ ذہبی۔ اس کے بعد فیروزہ وطن بنی بیٹی تھی۔  
بادش کے نظروں سے لدی ہوئی ٹہنی کی طرح رو پڑی۔  
فاروق مجھے معافی دولت نہیں چاہیے۔ مجھے یوں  
بچ راستہ میں اکیلان چھوڑ باؤ۔ چلو اس دنیا ہی کو چھوڑ  
جائیں۔ جہاں انسانوں کو درجنوں میں تقسیم کیا جاتا  
ہے۔ اور دل پاؤں کے روندے جاتے ہیں۔ کیا تم میری  
بات نہ مانو گے۔ فاروق نے فاروق نے کوئی جواب نہ دیا۔  
اور فیروزہ دنگ برنگ کے وصف پر اجالوں میں سے غل کر  
جھانک اندھیروں میں کھوئی۔ اس پہلی ہی غم کرنے  
اس کے شیرازہ حیات کو دہم برہم کر دیا۔ فیروزہ اپنی ماں  
سے بھی سارا حال کہہ سکتی لیکن وہ فاروق کو شادی پر  
رضا مند کر لینے کے سوا اور کیا مشورہ دے سکتی تھی۔  
پر کیا وہ نہیں جانتی تھی کہ ایک اظہارِ لڑائی کو کسی نوجوان  
کا من جیتنے کے لئے کیوں کھٹنیاں بھیلنی پڑتی ہیں۔

ابھی یقین تھا کہ فاروق کے اصرار پر ماں اب اس رختہ کو  
ہرگز پسند نہ کریں گے۔ لیکن وہ پردہ سوچنے نہیں۔ شاید  
فاروق کے اصرار پر ماں بائیں۔ شاید فیروزہ کی قسمت  
اس کی طرح حسین ہو۔ انھوں نے فاروق کی آمد و رفت  
کو خطرناک تو ضرور محسوس کیا، پر فاروق کے ساتھ ان کے  
سلوک میں کوئی نمایاں فرق پیدا نہ ہوا۔

فاروق روز آنے لگا۔ وہ نہ نئی آن بان لگتا  
آتا۔ دولت منداں باپ کی دولت اولاد کے حوصلے پر  
نہ کرے تو حق کفیاں کب رنگ لائیں گی۔ فیروزہ تو ویسے  
بھی فاروق کی طرف اٹل تھی۔ اب اس کی دولت نواز  
دستی نے تو اس کے دل کو سارے سہاروں سے  
توڑ لیا۔ فیروزہ کا دل فاروق کے قدموں میں آگرا۔

ایک دن باقول باقول میں فیروزہ کی ماں نے  
پوچھ ہی لیا۔ بیٹی فاروق بڑا اچھا لڑکا ہے۔ مجھے پسند  
ہے۔ فیروزہ نے شرار کر سمجھا لیا۔ مگر بھی ایک بات  
پوچھتی ہوں۔ فاروق نے کسی شادی کا ذکر بھی پھیلا  
ہے۔ فیروزہ جواب دیے بغیر اپنے کمرہ میں چلی آئی۔  
ایک تئویش ناک سنسنی اس کے دماغ میں کسی موسیقی  
کی طرح جھنجھٹائی ہوئی گھس پڑی تھی۔ اس نے  
تہہ کر لیا کہ آج وہ فاروق کے ساتھ سینما خانے گی۔  
آج تک اس نے اس کی اس خواہش کو ہمیشہ ٹال دیا  
تھا۔ پر آج تو اسے جانا ہی ہوگا وہ سینما ضرور جائے  
گی اور وہیں اسے فاروق کے دھمکات کا پتہ چل  
جائے گا۔

سینما سے واپس ہونے کے بعد فیروزہ جب  
فاروق کی موٹر سے اتری تو اسے پہلی بار اپنے پہلو  
تکے زمین کی سخت اور کھردری سطح کا احساس ہوا اور  
جب فاروق کی موٹر کا شور دیکھ دیکھ بے آواز ہو گیا  
تو اسے ایسا معلوم ہوا جیسے وہ زمین سے ابھر کر آسمان  
کی نظر نہ آنے والی بلندیوں میں کھو گئی اور پھر آن لندیا



مجبوریوں کی وجہ سے وہ گھر سے کھیلوں کی طرف انھیں دھکیلتی رہی تھی۔ اور وہ بڑھتی ہی نہیں۔ فاروق کا آغا بھانا اب بہت کم ہو گیا۔ کچھ دن بعد تو یہ کبھی بھٹکا۔ آغا بھی بند ہو گیا۔ ایک فیروزہ نہ ہوئی تو کیا۔ فاروق کے ماں باپ کی دولت اس کے لئے پرویز حسن اور جوانی کی خریداریاں کر سکتی تھی۔ انھیں بھنگ جاتی ہیں تو دل بھی ڈاڑھاں ڈول رہتا ہے۔ فاروق اس چٹ کو سپہ جات کے لئے بیباک جوہر اتودنک ریلیوں کی فضاؤں میں اتنی اونچی ڈان مار گیا کہ اس کے ماں باپ کو اس کی شادی کی فکر لاحق ہوئی۔ صاحب جانداروں باپ کے بچوں کو کون بیٹی نہیں دیتا۔ ایک معزز اور ملکپتی سیٹھ کی بیٹی سے فاروق کی نصیحت قرار پا گئی۔ فیروزہ کے لئے یہ بھرا ایک ایسی افتاد تھی جس نے اس کے ارادوں اور منصوبوں کے محل کو ڈھایا۔ اب وہ کیا کرے۔ لیکن وہ ذہن نہیں کھانے گی۔ کنویں میں وہ نہ مرنے کی۔

اس کا دل ٹوٹ چکا تھا۔ لیکن اس کی شخصیت زندگی کی سانس لے رہی تھی۔ وہ زندہ رہے گی اور تقدیر کے پیڑوں کے مقابل ڈلی رہے گی۔ اچھا ہوتا جو وہ مری جاتی۔ جینے کا ایسا جھوٹا عدم بڑا خطرناک ہوتا ہے۔ یہ ایسا تیز بوتل ہے جو فراتے بڑا ہوا کسی نہ کی طرف نہیں بے مقصد ہی چھوٹ جاتا ہے۔ پھر جو بھی اس کی زد میں آجائے۔ فاروق کی شادی ہو گئی۔ شادی کے کسی مقصد ہوتے ہیں۔ فاروق نے اپنی پسند کے حلال جاننے کے بعد صرف ماں باپ کی خوشی پوری کی تھی۔ اب اس کے بعد ماں باپ کی عزت کو بھر خطہ لاحق ہو گیا۔ فاروق اپنی پھلی ڈاگر پرل ڈا۔ ڈاٹ ڈاٹ ہوئی تھی فراہم ہوں پر روک نظام کی تھی لیکن فاروق کو یہ سمجھنا تھا نہ سمجھنا۔ فاروق کی بیوی کو شوہر کے لیے راہ روی کی کوئی پروا نہ تھی۔ اس کی مرضی کو کسی نے قابل اعتنا

نہ سمجھتا تھا۔ اب وہ فاروق کو اپنے لئے کیوں روک کر وہ سب کچھ دیکھتی اس طرح بے تعلق رہنا چاہتی تھی جیسے قیدی قید خانے کے وارڈ سے۔ فیروزہ کے لئے ایک بوڑھے جاگرو اور صاحب کا نام آیا تھا۔ خاصے مالدار آدمی۔ تھے بڑی ڈیوڑھی میں رہتے تھے۔ انھیں جینے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ صرف ایک جوان لڑکی اور کار تھی۔ بسے وہ اپنی بیویہ چھوڑ جانا چاہتے تھے۔ بھڑی کسی پیردی کے بعد ان کی شادی فیروزہ سے ہو گئی۔ حجم صاحب کا علاج ابھی مکمل نہ ہو۔ نے پایا تھا کہ جاگرو اور صاحب پل بسے وہ اس شادی کے اعتراض پر ہی میں زندگی کی کھوپا گناہ سنہ تھے۔ ہوئی ایک ساڈ جاگرو اب بے عورت کے لئے ہو۔ ہے۔ لیکن فیروزہ کی پیشانی پر تل تک نہ آیا حصہ بجزوں کے بعد کچھ بھی فیروزہ کے لیے پڑا اس کی امیدوں سے زیادہ تھا۔ وہ اب امیر ہو گئی تھی۔

جوان بیوہ اور مزدور۔ ان دونوں سے حبشہ اڈیشہ نکلتا تھا ہے۔ محلہ والوں کی رائے ہوئی کہ فیروزہ وہ سہرا عقد کرے۔ محلہ نے ایک نوجوان نے اپنے آپ کو پیش کیا۔ خیر سے تعلیم یافتہ ہے۔ شکل و صورت میں بھی بڑے نہ تھے۔ فیروزہ ماں کے اصرار پر راضی ہو گئی۔ اور محلہ اس کی زندگی میں اس طرح داخل ہوا جیسے کوئی بڑی رقم کا چیک بنانے کے لئے بنک میں۔ پہلے ہی دن اس نے اپنی بہن کی شادی کے فوضہ کا ذکر جھپٹ دیا۔ فیروزہ سے کوئی چاہتا اس کی جان مانگ لیتا۔ لیکن روپیہ بیسہ کے معاملہ میں وہ بھید مختاط ہو گئی تھی۔ اس نے محلہ کو ملازمہ مشورہ دیا تو محلہ نے تعین دلایا کہ فلاں جو ہیں انھوں نے تمہیں کہا میں ہیں۔ فلاں جو ہیں میرے دوست ہیں۔ فلاں جو ہیں انھوں نے وعدہ کیا ہے اور اب کوئی دن جانا ہے جو مجھے ایک اونچی کر سی پرانے جھانے ہوئے کھیاں مانے کا محکم جاتے گا۔ فیروزہ ان اڑان کھاٹیوں میں آنے والی نہ تھی۔ اس نے صاف صاف نظروں میں کہہ دیا کہ

تھی اور یہ بستر پر پڑی ہوئی بیمار فیروزہ تو پہچانی ہی نہ جاتی تھی۔ اس کی زندگی قبر سے پہلے اس کے دل میں دفن ہو چکی تھی۔ فیروزہ کی آنکھیں دروازے کی آہٹ پر کچھ کھلنے لگیں۔ فاروق کا دھندلا چہرہ اسے نظر آئینا تو فیروزہ کے ہونٹ مسکرانے لگے اور کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اس نے اپنے چہرہ پر اچھل ڈال لیا: مجھ سے پردہ کر دو گی یہ فاروق نے کہہ سکتے ہوئے کہا: فاروق میرے قریب آؤ..... فیروزہ نے اپنے سر ہانے سے ایک گٹھری نکالی یہ سوختے مجھے غریب جان کر نکھایا تھا۔ جانے کے بعد ملنے آپ کو بیچ کر بیعت لکھی کی ہے۔ میرے قریب آؤ۔ میں امیر ہوں اب۔ لو۔ یہ شاید تمہارے کچھ کام آسکے۔ فیروزہ کا کمزور ہاتھ اس وزن کو تمام نہ سکا۔ گٹھری اس کے ہاتھ سے چھٹ کر گر پڑی۔ جین۔ سوٹے چاندی کے سکے اور زورات بستر کی چادر پر بکھر گئے۔ اس جھکناؤ میں کسی کے دل کی قانون دہراؤ کن، گراؤن کر دے گا۔ فاروق آگے بڑھنے لگا۔ بلند۔ گئے قریب بیچ کر اس نے فیروزہ کے چہرے پر سے آئینہ ہٹا دیا۔ فیروزہ کی زندگی ایک مسکراہٹ بن کر اس کے ہونٹوں سے چھٹی رہ گئی تھی۔ اس مسکراہٹ کی ادنیٰ میں غم و اندوہ کے کتنے امڈ سے ہوئے طوفان دم توڑ گئے تھے۔ کئے آنسو۔ کتنی فریادیں۔ کتنی بیچیاں کٹی ہوئی تھیں۔

(جدید رابا ریو سے نشر کیا گیا)

رشید قریشی

اگر تم نے میری دولت کے لئے شادی کی ہے تو بھول کی ہے۔ میری دولت میری زندگی ہے۔ یہ دولت میرے ہر لمحے ہر کی نشانی ہے۔ یہی میرا شوہر ہے! میری دولت! مجھ جیسا کہ بعد بغیر کچھ کے سنے گھر سے غائب ہو گیا۔ اور اس کے بعد فیروزہ کے گلے میں سست اڑا کبھی نظر نہ آیا۔ فاروق نے بیوی کے زورات کو بھی اپنے مثل کی نذر کیا۔ ادا ایک ایسی تلاش زندگی گزارنے لگا جو موت کی آرزو میں سرگرداں تھی جس نے اپنوں سے ناتہ توڑ لیا تھا جس کا اس دنیا میں کوئی نہ تھا۔ ان کے انتقال نے فیروزہ کو ایک تیز زندگی کی سامی چٹان کے برابر پہنچا دیا اب اس مقام سے بھلائی نہ آئی تھی۔ لوٹنے کا کوئی سوال ہی نہ تھا۔ وہ بیمار رہنے لگی۔ اور ناکامیوں کے پھٹکتے ہوئے داغوں نے اسے کھسکا کر قبل از وقت بوڑھا کر دیا۔ ایک دن اس نے اپنے پیروں پر کھجواں اور اس سے فاروق کے بارے میں دریافت کیا۔ فاروق کی تباہ حالی سے کون واقف نہ تھا۔ فیروزہ لگا سارا حال سن رہی۔ ایک ہلکی سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر کھیل گئی۔ جیسے اس کے نزدیک فاروق خود اپنی تباہی کا ذمہ دار ہو چھوٹے چھوٹے گئے تو اس نے آنکھوں میں آنسو بھرا لئے۔ میرا وقت اب قریب آ گیا ہے۔ چھوٹے چھوٹے چھوٹے چھوٹے چھوٹے چھوٹے چھوٹے پاس بیچ دیئے۔ فیروزہ اپنے بستر پر لیٹی تھی۔ وہ کتنی بدل گئی تھی۔ چچن کی فیروزہ۔ جوان فیروزہ سے مختلف

# حیات محمد قلی قطب شاہ

از ڈاکٹر سید محی الدین صاحب قادری زور

اردو کے پہلے صاحب دیوان شاعر اور شہر حیدر آباد کے بانی کی یہ سوانح حیات جدید ترین انداز میں مرتب کی گئی ہے۔ اس کی خصوصیات کا اندازہ اردو کے چند مشہور ادیبوں کی حسب ذیل آراء سے ہوگا۔

**مولانا عبدالمجید رضا دیابادی** | قدرت نے اس کام کے لئے ڈاکٹر زور کو حیرن لیا اور انھوں نے اس مفہوم پر سمجھنے کا حق ادا کر دیا۔ خادم زبان و ادب ہونا تو ان کا پہلے ہی سے مسلک تھا۔ مورخ وہ اب نکلے کتاب قابل دید ہے مفصل بھی، جامع بھی اور بقدر امکان مستند بھی۔ مورخانہ شان ادبی ان دونوں موجودہ عبارت سمجھی ہوئی اور شستہ۔ ہر نکتہ سنجیدہ اور شاکستہ۔ (صدق ۳۰ ڈسمبر ۱۹۷۹ء)

**مولانا نیاز فتحپوری** | پروفیسر زور کی یہ تالیف دونوں حیثیتوں سے مکمل ہے۔ یہ نقیض فن سیرت و انتقاد کے موجودہ اصولوں کو سامنے رکھ کر مرتب کی گئی ہے۔ ہر حیثیت سے معیاری چیز ہے۔ جس محنت و سلیقہ سے کام لیا ہے اس کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ (نگار ڈسمبر ۱۹۷۹ء)

**مولوی قاضی عبدالغفار صاحب ایڈیٹر پیام** | اس لحاظ سے ہم سمجھتے ہیں کہ یہ اپنی قسم کی پہلی کتاب ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ ڈاکٹر زور کی علمی اور تحقیقی کوشش، اہل علم اور عوام کے حلقوں میں قدر کی نظر سے دیکھی جائے گی۔

**حکیم یوسف حسین صاحب ایڈیٹر نیرنگ خیال لاہور** | یہ پہلی کتاب دیکھ کر دل کی آنکھیں روشن ہو گئیں ہمارے خیال میں اردو زبان میں اتنی اچھی کتاب کبھی ساون بھی شائع نہیں ہوئی ہوگی۔ اس کی تیاری میں بلاشبہ سیکڑوں پرانی کتابوں کا مطالعہ کیا ہوگا اور کئی سال صرف کر دیئے ہوں گے۔

**پروفیسر ہارون خواں شروانی** | یہ کتاب تاریخ ادب اور تاریخ سیاسی میں ایک گراں قدر اضافہ ہے اس زمانے کے تمدن کو نہایت صاف اور واضح کر کے رکھ دیا ہے۔ تاریخی تنقیدی حصے بھی نہایت دلچسپ اور سبق آموز ہیں۔

(صفحات ۵۰۰ سے زیادہ تصویریں ملکی ۳۰ سے زیادہ)

قیمت مجلد ۵ روپے ۱۲ آنے

ملنے کا پتہ سب رس کتاب گھر خیرت آباد حیدر آباد

# ہماری قومی زبان

ہندستان اتنا وسیع ملک ہے کہ اس کو براعظم کہنا بجا ہے۔ ایک طرف یہ مختلف مذاہب کا گہوارہ ہے تو دوسری طرف مختلف زبانوں کا خزانہ ہے۔ یہاں رنگ رنگ کی بولیاں بولی جاتی ہیں اور ہر خطہ کی بولی جدا جدا ہے۔ اس لئے ہندستانی بچہ قدرِ ماد و زبان بولنے پر مجبور ہے۔ ایک تو اس کی اپنی مادری زبان جس کو وہ دنیا میں جنم لیتے ہی رات دن اپنے گھر میں سنتا رہتا ہے۔ اور دوسری وہ زبان جس کے ذریعہ سے وہ اپنے ملک کے مختلف زبان والوں کے خیالات سے واقف ہو سکے۔ اپنی بات انھیں سنائے اور ان کی بات خود سمجھ سکے۔

مشترکہ زبان کی ضرورت :- ہر ملک اور قوم کی ایک ایسی مشترکہ زبان ہوتی ہے جس کے ذریعہ سے افراد آپس میں تبادلہٴ خیال کے قابل ہوتے ہیں۔ جیسے عربوں کی زبان عربی، ایرانیوں کی فارسی اور انگریزوں کی انگریزی۔ یہ ایک حلیٰ حقیقت ہے کہ ایک عام اور مشترکہ زبان قومی ترقی کی اولین شرط ہے۔ دنیا کا ہر مذہب و ملک ایک قومی زبان رکھتا ہے۔ کیونکہ باہمی تبادلہٴ خیال کے لئے کسی مشترکہ ذریعہ کے بغیر کسی بغیرِ باطن کو جاننا ایک مشکل امر ہے۔ قدیم زمانہ میں جب ہماری معاشرت، معاشی حالات اور آمد و رفت کے ذرائع محدود تھے، ممکن تھا کہ مقامی زبان ہماری ضروریات زندگی کے لئے کافی ہو۔ مگر آج کل تہذیب و تمدن کی ترقی، سائنسی انکشافات اور آمد و رفت کی سہولتوں نے دنیا کے تمام ممالک اور ہندوستان کے مختلف خطوں کو ایک دوسرے سے اتنا قریب کر دیا ہے کہ اب ہماری ضروریات محض مقامی حد تک محدود نہیں رہ سکتیں بلکہ ہمیں مختلف حصوں سے رشتہ جوڑنا پڑتا ہے۔ مگر اس سلسلے میں ہمیں یہ مشکل پیش آتی ہے کہ جب ہم ہندوستان کے کسی مقام پر جانا چاہیں تو نہ ہماری بولی وہاں بھی جاتی ہے اور نہ ہم وہاں کی بولی سمجھ سکتے ہیں۔ اس لئے ضرورت ہوتی کہ ایک مقام والے دوسرے مقام کی بولی سیکھیں۔ مگر ہم اپنی ضروریات کے تحت نہ صرف ایک مقام بلکہ کئی مقامات پر جاتے پر مجبور ہیں۔ اگر ہم ہر جگہ کی بولی سیکھنے بیٹھیں تو اس کے لئے ہماری عمر و فائدہ نہ کرے گی۔ اس لئے ضرورت ہوتی کہ ایک نہ ایک ایسی زبان ہو جس کو ملک ہند کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک سب بولتے اور سمجھتے ہوں۔

ہاتھ کا گندھی سے سہ ماہی ۱۹۴۵ء میں بمقام "رام پور ہاٹ" اس بارے میں بالکل بجا فرمایا کہ :-  
"اگر ہم سارے ہندوستان کا سفر کرنا چاہتے ہیں اور یہ بھی چاہتے ہیں کہ دوسرے ہمارے پاس آئیں تو ہماری ایک مشترکہ زبان ہونی چاہئے، اور یہ زبان ہندوستانی ہے جو کہ ہندوستان کی خدمت کرنا چاہتے ہیں ان کو ہندوستانی کے دونوں احوال اور رسم الخط دار در ہند ہی سمجھنا چاہئے۔"  
اس ضرورت کو ہماری اپنی میں قومی زبان "لنگوا فریکٹا" ہے۔ ہم اسے اردو کہیں یا ہندی یا ہندستانی پورا کر دیا ہے۔ یہاں اس بات کے بتانے کی ضرورت تو نہیں ہے کہ اس زبان کو بنانے، پال پوس کر پورا و جڑ تلے اور ارتقاء بخشنا کر اسے گراں کر موجودہ حالت پر پہنچانے کا سہرا کسی خاص قوم و مذہب کے سر پہ ہے، بلکہ اس کی پرورش اور پرواخت میں مادر ہند کے دونوں سپوت، ہندو اور مسلمان برابر کے حصہ دار ہیں۔ یہ ایک بڑی غلط فہمی اور لاعلمی ہے کہ اس زبان کو کسی خاص مذہب یا فرقہ سے متعلق کر کے "اردو" اور "ہندی" کا جھگڑا کھڑا کیا جائے کیونکہ اردو

اور ہندی میں بجز طرز نوشتہ کے کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ زبان تو ایک ہی ہے، مگر اس کا لباس جدا جدا ہے۔ ایک کو فارسی خط میں لکھتے ہیں تو دوسرے کو دیوناگری میں۔ اس کے علاوہ اردو میں ہندی کی قواعد اور یکساں فی حد سے زیادہ الفاظ موجود ہیں۔ انوس اس کا ہے کہ لوگ اس حقیقت سے واقف نہ ہوتے ہیں کہ ہندی زبان جو اردو زبان کا بھیلو ہے۔ ہندستان کی ان گنت زبانوں میں جس کا اندازہ ہندستانی زبانوں کے محقق مسٹر گریس کے حساب سے (۷۳) ہے، اردو کو خاص امتیاز حاصل ہے۔ دنیا میں انگریزی کے بعد اردو کو تمام آریائی خاندان کی زبانوں میں یہ فخر حاصل ہے کہ اس کے بولنے والوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ یہ نہ صرف تعلیم یافتہ افراد کی بولی ہے بلکہ یہ عوام کی زبان ہے۔ کانگریس کمیٹی کے فراہم کردہ اعداد کے لحاظ سے ہندستان میں اردو بولنے والوں کی تعداد (۷۱ کروڑ ۲۰ لاکھ ہے۔ اگر اس میں اس کے بچے والوں کو بھی ملا لیا جائے تو ان کی تعداد ۲۵۱ کروڑ ہو جاتی ہے۔

ہندستان کے باہر ہندستانی زبانوں میں سے ہی زبان زیادہ بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ مالک غیر میں بھی اس کو بین قومی حیثیت حاصل ہے۔ چچا ز اور عراق میں تمام ہندوستانی اسی زبان میں آپس میں تبادلہ خیال کرتے ہیں اور اسی طرح چین اور ہانگ کانگ وغیرہ میں بھی اسی سے کام لیا جاتا ہے۔

اردو نہ صرف ہندی ریاست، بلکہ کل ہند اور بیرون ہند کے لئے بھی اہم ہے۔ کشمیر سے لیکر اس کمار بلکہ لکھنؤ، اور بلوچستان سے لیکر برہانپور کی زبان بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ ہندوستان کی دوسری زبانوں کا جاننے والا جیسے ہلالام، تامل، تیلو، مہاراشٹری، بنگالی، سندھی، گجراتی، پنجابی وغیرہ بولنے والا ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ میں چلا جائے تو وہاں وہ اجنبی ہو جاتا ہے۔ کیونکہ نہ تو وہ وہاں کی بولی سمجھتا ہے اور نہ اس کی بات وہاں سمجھی جاتی ہے۔ مگر اردو بولنے اور سمجھنے والا ہندوستان کے کسی خطے میں بھی کسی دشواری سے دوچار نہیں ہوتا۔ حدود ہند سے باہر مشرق میں جاوا، برما، سیام اور مغرب میں عدن اور سوئز وغیرہ تک بھی یہ زبان بولی اور سمجھی جاتی ہے۔

حیدرآباد کی حد تک تو اس کی اہمیت اور بھی زیادہ ہے۔ یہ ہماری ریاست کی بین فرقہ جاتی زبان ہے۔ ہر علاقہ کا باشندہ، چاہے وہ ہر پڑاؤ کا ہو یا کرناٹک اور تلنگانہ کا، یہی زبان اس کے تبادلہ خیال کا ذریعہ ہے۔ اس زبان کو یہاں نہ صرف سرکاری، عدالتی اور کاروباری زبان ہونے کا امتیاز حاصل ہے بلکہ عاموں میں بھی ذریعہ تعلیم ہے۔ ہماری ریاست نے اس کو اپنا کاروباری ذریعہ تعلیم بنا کر جو پہل کی ہے اس کی معقولیت کو مشرق و مغرب دونوں نے مان لیا ہے، اور ہندوستان کی اور جامعات بھی اس کی پیروی پر آمادہ ہو گئی ہیں۔ چنانچہ جامعہ عثمانیہ کی پیروی کرتے ہوئے جامعہ ممبئی نے فیصلہ کیا ہے کہ ابتدا میں بی۔ اے۔ بی۔ سی۔ ایل۔ ایل۔ بی اور بی کام کا سارا انصاف اردو، ہندی میں رہے، اور ذریعہ تعلیم اردو زبان قرار دی جائے، اور آسان اردو یا ہندی زبان میں تعلیم شروع کی جائے۔

اردو زبان ہندوستان کی عام فہم زبان ہے۔ اس کے ذریعہ سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ ہندوستان کی مختلف قومیں ہم زبان ہو کر ایک دوسرے سے تبادلہ خیال کر سکیں گی، اور ہندوستان کی بین المللی معاشرت اس کے استقبال سے زائل ہو جائے گی۔ اس کا جاننے والا بنگال، آسام، گجرات، غزنور، مدراس، سری نگر، بمبئی، اوکھٹہ، عرفہ، تمام ہندوستان میں جہاں کہیں چلا جائے کسی دشواری سے دوچار نہ ہوگا۔

اردو کی خصوصیات اور دوسری۔ اردو زبان کا سیکھنا جو ہندوستان ہی نہیں بلکہ اس کے باہر بھی زبانوں پر اس کی فوقیت :- بولی اور بھی جاتی ہے کسی طرح فائدہ سے خالی نہیں۔

(۱) اردو تاریخی، سماجی اور سیاسی اعتبار سے ہندوستان کے اتحاد اور یکجہتی کی سب سے اہم اور غلیظ الشان یادگار ہے۔ یہ زبان ہندو مسلمانوں کے باہمی میل جول، رواداری اور رفاقت کا شجر ہے۔ یہ زبان تمام ہندوستانیوں کا بلا امتیاز مذہب و ملت موروثی ترکہ ہے۔ سریتج بہادر سپرو نے بالکل صحیح فرمایا ہے کہ: ”ہندو مسلم اتحاد کو اس سے بڑھ کر کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا کہ اردو کو جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے اتحاد سے ہے، مثلاً یہی کوشش کی جائے اور یہ کہنا کہ اردو ہندو مسلمانوں کی مشترکہ نہیں ہے“ تاریخ کو جھٹلاتا ہے۔“

(۲) یہ زبان اسی ملک میں بنی اور اسی ملک و انوں نے بنائی۔ اس کے بنانے میں ہندو اور مسلمان برابر کے شریک ہیں۔ یوں تو زبان کا نہ کوئی مذہب ہوتا ہے اور نہ اس کی کوئی قوم اور ذات ہوتی ہے خصوصاً اردو کی بناؤں تو کچھ اس قسم کی اور اس کی نشوونما کچھ اس ڈھنگ سے ہوئی ہے کہ یہ بلا لحاظ قوم و ملت سارے ہندوستان کی زبان ہو سکتی ہے۔

(۳) مشترکہ زبان ہونے کا دعویٰ ہر بولی نہیں کر سکتی۔ اس کے لئے چند شرطیں ہیں :-

(۱) دیسی ہو دیسی نہ ہو۔ (۲) کسی خاص فرقے اور رقبے تک محدود نہ ہو۔ (۳) ملک کے بڑے علاقہ میں بولی اور بھی جاتی ہو۔ (۴) ہر قسم کے خیالات اور رجحانات کے ادا کرنے پر قادر ہو۔ (۵) زمانے کا ساتھ دے سکے اور حالات کے مطابق ڈھل سکے۔

یہ تمام خصوصیات اردو زبان میں موجود ہیں۔ یہ خالص دیسی زبان ہے۔ یہیں پیدا ہوئی، پہلی ابرھی اور پروان چڑھی۔ تو یہ کسی خاص فرقہ کی زبان ہے اور نہ کسی خاص رقبہ تک محدود ہے۔ سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ اس کے بنانے اور ترقی دینے میں صرف ہندوؤں اور مسلمانوں ہی کا ہاتھ نہیں ہے بلکہ انگریز، پارسی، سکھ وغیرہ بھی اس میں شریک ہیں، اور ان میں سے ہر قوم کے لوگ اردو کے معنی، شاعر اور مضمون نگار گذرے ہیں اور اب بھی موجود ہیں۔

(۴) جب ایسٹ انڈیا کمپنی کا تسلط بڑھنے لگا اور تجارت سے سیاست کی طرف قدم بڑھا، اور ملکی زبان کے بیکراں چانا مشکل ہو گیا تو اس کے لئے انگریزوں نے اردو ہی کا انتخاب کیا، اور فورٹ ولیم کالج کلکتہ کی بنیاد ڈالی، جہاں انگریزوں اور اردو کے ہندوستانی (اردو) کی تعلیم دی جاتی تھی یہاں ہندوستان کے قابل افراد سے اردو میں کتابیں لکھوائی گئیں، اور ترجمہ شاخ کے لئے اس میں اردو کے ہندو مسلمان ادیبوں نے مل کر کام کیا، اور اسے قلم کے زور سے زبان کی ایسی کلاسیک ڈی کڑی ۱۸۳۷ء میں جب دفتر اور عدالتوں سے فارسی زبان خارج کی گئی تو اردو زبان نے اس کی جگہ لی۔ یہ اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ اردو ہی ہندوستان کی عام زبان بن چکی۔ اس کا کالج کے معلم اول جان گلکراٹ اس زبان کو (Hindustani) کہتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ”یہ نہایت کارآمد اور عام زبان ہے جس پر ہندوستان فخر کر سکتا ہے۔“ سیاسی مشنریوں نے بھی اس کو اپنی تبلیغ کا ذریعہ بنایا، اور اس میں کثرت سے کتابیں اور رسالے شائع کئے۔

(۵) ہندوستان کی تمام فوجوں میں یہ زبان عام طور پر استعمال ہوتی ہے۔ ہندوستان کے خانگی معاملات میں کسی زبان کا ایسا عام رواج نہیں جتنا ہندوستانی کا ہے۔ کینٹوں کو درجہ فوجی تعلیم حاصل کرتے ہیں، بنگال، مدراس اور بمبئی میں ہندوستانی

سکھائی جاتی ہے۔ ہندستان میں ہندستانی کا وہی درجہ ہے جو انگریزی کا برطانیہ میں یا ترکی کا ترکستان میں۔  
(۶) اردو زبان اس اتحاد و یکجہتی کا سبق دیتی ہے۔ یہ زبان مختلف زبانوں سے مل کر بنی ہے اور مختلف زبانوں کے الفاظ ایک دوسرے سے مل کر ایسے ایک ہو گئے ہیں کہ ان میں فرق کرنا عوام کے لئے ناممکن ہے۔

(۷) یہ زبان ہندستان ہی میں پیدا ہوئی، ہندوستانیوں نے مل کر اس کو جنم دیا، پالا پوسا اور پروان چڑھایا۔ اگر اب اپنی دونوں میں اس زبان کے بارے میں آپس میں بھیج تان جو قضا ہے کہ اس کا وہی حال ہو گا جو اس کا باپ کی نا اتفاقی سے اولاد کا ہوتا ہے۔ اس کا نام گو بدیسی ہے (کیونکہ اردو ترکی زبان کا لفظ ہے) مگر نام اردو ہو یا ہندستانی، زبان تو ایک ہی ہے اور بقول خان بہادر شیخ عبدالقادر ہم نام کے پابند نہیں، اس کام سے کام ہے، جو نام کسی کو معلوم ہو اسی نام سے اسے یاد کرے۔

(۸) زمانہ جنگ میں ہندستانی مسئلہ طور پر تمام دنیا میں ہندستان کی مشترکہ زبان سمجھی گئی یہی وجہ تھی کہ جاپان، جرمنی، ترکستان، انگلستان وغیرہ ہندوستان والوں کے لئے ہندستانی (اردو) میں خبریں لاسکلی کے ذریعہ سے نشر کی جاتی تھیں۔

(۹) دنیا بھر کی زبانوں میں اردو ہی ایک ایسی زبان ہے جو سب سے کم جگہ گھیرتی ہے۔ چونکہ آج کل معاشی حیثیت سے اختصار کا مسئلہ بڑا اہم ہے، اس لئے اردو زبان اس ضرورت کو پورا کرتی ہے۔

(۱۰) ضرورت ایجاد کا ماں ہے اردو زبان کی ایجاد ایک زمانہ میں ضرورت ہی کے تحت ہوئی۔ آج کل تو اس کی اہمیت اور بڑھ گئی ہے۔ ہر قوم اس کو کشش میں ہے کہ ایک مشترکہ زبان ایجاد کرے۔ چنانچہ ایک روسی عالم نے، یورپ کے لئے اسپرانٹو "زبان امید" ایجاد کی جس میں روسی، فرانسیسی، انگریزی، جرمن، اطالوی زبانوں کے الفاظ شامل ہیں، اور مغرب کا ہر ملک اپنی تجارتی، معاشی اور سیاسی سہولتوں کے لئے اس زبان کی ترویج میں مصروف ہے۔ اس کی وجہ سے تاجروں، سیاحوں اور سیاسیوں کو بڑی سہولت ہو گئی ہے۔ بقول سر شیخ عبدالقادر "ہماری اسپرانٹو وہی پیاری زبان ہے جسے کوئی اردو، کوئی ہندی اور کوئی ہندستانی کہتا ہے۔ مگر اردو مغربی اسپرانٹو کی طرح مصنوعی نہیں ہے بلکہ صدیوں میں قدرتی اسباب کے جمع ہونے سے ہوئی ہے۔ اس لئے اردو کی ترویج کا کام بہ نسبت اسپرانٹو کے آسان ہے۔"

(۱۱) اردو کے پھیلاؤ کا اندازہ اس سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ ہندوستان کے طول و عرض میں تقریباً ۲۵ کروڑ باشندے اردو سمجھتے اور بولتے ہیں ہندوستان کے باہر بھی افریقہ، ایران، عرب اور دیگر علاقوں میں تقریباً ۳۰ کروڑ دس لاکھ اردو بولنے والے موجود ہیں۔

مختصر یہ کہ :-

- ۱۔ یہ بول چال کی زبان ہے۔ اس کے بنانے میں عوام کا بڑا حصہ ہے، اردو زبان کی طرح یہ محض تعلیم یافتہ طبقہ کی زبان نہیں ہے بلکہ عوام کی زبان ہے۔
- ۲۔ یہ ہندستان کی دو بڑی قوموں کے اتحاد کی عزیز ترین یادگار ہے۔
- ۳۔ یہاں سے تمدن و معاشرت ہمہ دل و دماغ کے ستارچ اور ہمارے مادی اور روحانی خیالات کی حامل ہے۔
- ۴۔ ہمارے اسلاف کی صدیوں کی محنت، جا بھٹائی اور دماغی و ذہنی کاوشوں کا بخوبی ہے۔

۵۔ اور بزرگوں کی مقدس وراثت ہے۔

اُردو اور انگریزی : بعض لوگ اُردو کے مقابلہ میں انگریزی کو ترجیح دیتے اور اس کو مشترکہ زبان بنانے کے حامی ہیں لیکن حق تو یہ ہے کہ جتنی قوم وہ انگریزی کے سیکھنے پر صرف کرتے ہیں اگر اس کا دسواں حصہ بھی اُردو پر صرف کریں تو وہ آسانی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اس کا سیکھنا ہندوستانیوں کے لئے بالکل سہل ہے، کیونکہ اُردو شہروں، بازاروں، سڑکوں اور گھروں میں غرض کہ ہر جگہ اور ہر مقام پر سننے میں آتی ہے۔ اس لئے اس زبان سے کان آشنا رہتے ہیں اور یہ زبان ابھی نہیں معلوم ہوتی جتنی کہ انگریزی زبان ہے۔ اُردو کے سیکھنے والے الفاظ ہندوستان کی مقامی زبانوں میں داخل ہونے کے علاوہ یہ زبان ہندوستان کے اکثر صوبوں میں بھولی بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ اپنے پھیلاؤ کے علاوہ یہ زبان آسان ہے، اور اس کا بولنا اور سمجھنا بہت جلد آ جاتا ہے کیونکہ یہ ہر جگہ بولی جاتی ہے اور اس کے الفاظ بچپن ہی سے کانوں میں پڑتے رہتے ہیں۔ ہندوستان میں انگریزی بولنے اور سمجھنے والوں کی تعداد بہت قلیل ہے۔

مہاتما گاندھی فرماتے ہیں کہ :۔ بلاشبہ انگریزی بین قومی زبان ہے مگر یہ کبھی ہماری قومی زبان نہیں بن سکتی۔ قومی زبان کو ہماری قوم کے کرد و دل، افراد کی ملک، ہونی چاہئے۔ وہ انگریزی کو سمجھنے کا بار نہیں اٹھا سکتے۔ ہندوستانی قدرتی طور پر قومی زبان ہے۔ اس لئے کہ اسے اس وقت ۳۱ کروڑ آدمی سمجھ لیتے ہیں اور باقی لوگ بھی اسے آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔ لیکن انگریزی صرف چند آدمیوں (زیادہ سے زیادہ ایک لاکھ آدمیوں) کی قومی زبان کہی جا سکتی ہے۔ اگر ہندوستان ایک قوم ہے تو اس کی قومی زبان بھی ایک ہونی چاہئے۔ ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ :۔ "ہندوستانی زبان عوام سے رابطہ پیدا کرے گا ایک ذریعہ ہے، اور کل ہندوستانی ہندی اور اُردو کے مرکب کا نام ہے۔ جو شخص ہندی جانتا ہے اس کے لئے ہندوستانی آسان ہے۔"

فارسی رسم الخط کا سیکھنا بہت آسان ہے۔ اس خط میں چند ہی بنیادی حروف ہیں جو (۳۷) حروف کے قائم مقام ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ حروف کا ملانا ذرا مشکل ہے۔ لیکن حروف اور ان کے جوڑے سیکھنا زیادہ سے زیادہ ایک ہفتہ کی بات ہے۔ اگر ابتدا میں روزانہ کم از کم ایک گھنٹہ دیا جائے اور اس کے بعد روزانہ آدھ گھنٹہ کی مشق کی جائے تو چھ مہینے میں کام چلانے کی حد تک اُردو سیکھ سکتے ہیں۔ یقینی دونوں قسم کے خطوں کا مطالعہ جو ایک ہی زبان کے لئے کام میں لائی جاتی ہیں، بڑا دلچسپ ہے۔ اگر ہمارے دل میں وطن اور اہل وطن کے لئے محبت ہے تو یہ تمام کوششیں بار آور ہو سکتی ہیں۔ اور انگریزی کے مقابلہ میں اس میں کم محنت کی ضرورت پڑے گی، فارسی رسم الخط مسلمانوں کے لئے ایسا ہی ضروری ہے جیسے ہندوؤں کے لئے سنسکرت۔ اس کے علاوہ یہ خط شمالی ہند میں کروڑوں ہندو اور مسلمان سمجھتے ہیں۔ ایک دوسرے کی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ دونوں قسم کی (فارسی اور دکنگری) تحریر سیکھیں۔"

ایک غلط فہمی کا ازالہ :۔ مشہور ام بابو سیکینہ مصنف تاریخ ادب اُردو، لکھتے ہیں کہ :۔ "عام طور پر لوگ اُردو کو فارسی کی ایک شاخ خیال کرتے ہیں۔ اس غلط فہمی کی بنا پر عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اُردو مسلمانوں کی زبان ہے، اور ہندی ہندوؤں کی، اور اس بحث میں لوگ زبان اُردو کی اصل کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ حالانکہ زبان اُردو اس ہندی یا بھاشا کی ایک شاخ ہے جسے صدیوں تک دفنی اور میرٹھ کے اطراف میں بولی جاتی تھی۔



یہ کہنا بجائے کہ زبان ہندی اردو کی اصل اور ماں ہے۔ زبان اردو کی صرف ونحو، محاورات، اور کثرت سے ہندی الفاظ کا استعمال اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی ابتدا ہندی سے ہوئی اور یہ محض اتفاق تھا کہ وہ ہندوستان کی عام زبان بن گئی۔ مگر حال کی ہندی اردو سے پیدا ہوئی۔ وہ اس طرح کہ اردو سے فارسی الفاظ کو نکال کر اس کی جڑ سنسکرت کے بڑے بڑے الفاظ رکھ دئے گئے ہیں۔

سچ تو یہ ہے کہ اردو اردو ہندی اپنے ماخذ کے اعتبار سے ایک ہی ہیں۔ اگر کچھ فرق ہے بھی تو اس کی نشوونما کے طریقہ میں ہے۔ اردو مسلمانوں میں پئی اس لئے اس میں فارسی الفاظ کی کثرت ہو گئی۔ اور ہندی سنسکرت کی طرف توجہ کر گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ موجودہ زمانہ کی ادبی اردو اور ادبی ہندی میں زمین و آسمان کا فرق ہو گیا۔ ایک میں عربی، فارسی کی بھر مار ہے تو دوسرے میں سنسکرت کی ٹھونس ٹھاش ہے۔

اردو کو عام بنانا کیا ہندوستان کی۔ اردو کے پیر پی ڈاکٹر عبدالحق صاحب اس بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:-  
اور زبانوں کے حق میں مضر ہو گا؟ ”ایک ہی زبان ہونے کا اگر یہ مطلب ہے کہ ملک میں کوئی دوسری زبان نہ رہے“ تو یہ دعویٰ سرے سے نامعقول اور غیر مقبول ہے۔ اگر اس سے مطلب یہ ہے کہ مقامی زبانوں کے علاوہ کوئی ایسی مشترک زبان بھی ہو جو باہم تبادلوں، خیالات، کاروبار اور تعلیم وغیرہ کا ذریعہ ہو سکے تو اس کی معقولیت میں کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔“

ہندی کے بارے میں مولوی صاحب کی رائے ملاحظہ ہو:- ”ہندی کی اشاعت سے ہندی سیکھنے والے اردو سے اور اردو کی اشاعت سے اردو سیکھنے والے ہندی سے زیادہ قریب ہو جائیں گے کیونکہ ہندوستان کی کوئی دوزبانیں باہم اتنی قریب نہیں جتنی اردو اور ہندی ہیں۔ اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ کوئی شخص اردو کا اعلیٰ ادیب اور محقق نہیں ہو سکتا جب تک کہ ہندی نہ جانے کہ کیونکہ ان دونوں زبانوں کا بلا بلا متبادل ممکن نہیں ہو سکتا۔ اور اس لئے ایک دوسرے کی مخالفت لاحق ہو جائے گی۔ ہندی بلکہ مضر ہے۔ جہاں کہیں میں نے ضرورت سمجھی ہندی کی حمایت کی۔ جامعہ عثمانیہ میں ہندی کے رواج دینے میں تھوڑی سی میری ناچیز کوشش کو بھی دخل ہے جس قدر ہندی زبان کا زیادہ رواج ہو گا اسی قدر ہندوہم سے زیادہ قریب ہو جائیں گے۔ کیونکہ ہندی سے زیادہ ہندوستان کی کوئی زبان اردو سے زیادہ قریب بلکہ اقرب نہیں ہے۔“

یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ ملک کی موجودہ نفاذ زبان کے مسئلہ کو پیچیدہ اور ناگوار بنادیا ہے کسی نے اس کا ناٹا مذہب سے جوڑا ہے اور کسی نے سیاست سے۔ یہ باتیں ہیں ایک دوسرے سے جدا کرنے والی ہیں۔ ہر زبان کو خواہ ہندی ہو یا اردو ترقی کا حق حاصل ہے۔ لیکن کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ دوسری زبان کی ترقی میں حائل ہو۔ ایک دوسرے سے بدگمانی کی بجائے ایک دوسرے سے قریب ہونے کی کوشش کرنی چاہئے۔“

علامہ مساب اکبر آبادی کا خیال ہے کہ:- ”ہم پر ہندوستان کی ہر زبان کا احترام فرض ہے۔ ہم کسی زبان کو ناقص یا غیر ضروری نہیں سمجھتے۔ جب ہم غیر ملکی زبانوں میں بھی مہارت حاصل کرنا عیب نہیں سمجھتے تو ہندوستانی زبانوں کے حاصل کرنے سے ہمارا اجتناب بے معنی اور ناپسندیدہ ہے۔ ہیں ہندوستان کی ہر زبان سے لپیچی ہے۔ زبانوں کے متعلق جو باہمی عنقریب آئے دن ہوتے رہتے ہیں، وہ بے فائدہ ہیں۔ زبان قومی نہیں بلکہ ملکی ہوتی ہے۔ کچھ دنوں سے ہندی زبان کو ترقی دینے کی کوششیں جاری ہیں۔ میں اس طریق کار سے بلکلنا بید دل

نہیں ہوں، اور چاہتا ہوں کہ ”ہندی“ سے مسلمان ویسی ہی دیکھی لیں جس طرح ہندو ”اردو“ سے دیکھی لیتے رہے ہیں۔ کیونکہ وہ بھی ایک ہندوستانی زبان ہے، اور کسی زبان کا جاننا نہ جاننے سے بہتر ہے۔“

ان ذمہ داریوں کی آراء سے صاف ظاہر ہے کہ اردو کے ہی خواہ، ہندی یا کسی اور دوسری زبان کے مخالف نہیں ہیں، بلکہ وہ ہندی دیکھنے کی ناکید مسلمانوں کو بھی کرتے ہیں۔ اردو زبان کو مشترک بنانے کے علمی، مقامی زبانوں کی روک تھام نہیں، بلکہ ہندوستان کے عام باشندوں کو ایک زبان بنا کر آپس کے برادرانہ تعلق کو بڑھانا ہے تاکہ ایک دوسرے کو سمجھنے کے قابل بنیں۔

اردو زبان کے بارے میں اہل مشرق — اردو زبان کے فرانسیسی پروفیسر اور عالم انکارسان دتاسی، جنھوں نے اردو زبان و ادب پر پیرس میں خطبے پڑھے، ان کے خطبے میں اور اہل مغرب کے خیالات لکھتے ہیں: — ”اردو زبان ہندوستان میں وہی رتبہ حاصل کئے جو فرانسیسی نے یورپ میں۔ یہ وہ زبان ہے جو کثرت استعمال میں، بہتی ہے۔ یورپین لوگوں سے گفتگو کرے گا ویسی ہی ایک زبان ہے۔“ ایک اور مقام پر کہتے ہیں کہ: —

”اردو دوسرے ہندوستان کی مشترک زبان بن گیا ہے اور روز بروز جو ترقی اس کو ہو رہی ہے، اس کی وجہ سے وہ پورے دیس کی زبان بھی جاسکتی ہے۔ بلاشبہ کچھ عرصہ کے بعد ہندوستانی مشرق کی ایک نہایت اہم زبان کی حیثیت اختیار کرے گی۔ اس زبان کے توسط سے انھوں اہل مشرق تبادلہ خیالات کرتے ہیں۔ اس زبان میں بدرجہ اتم یہ صلاحیت پائی جاتی ہے کہ ہندو مسلمان دونوں کے مفاد کو پورا کرے۔“

مسٹر مارچ کیمل اپنی کتاب (The Hindustani Language) میں لکھتے ہیں کہ: — ”ہندوستانی (اردو) ملک کے اکثر طبقوں میں عام طور پر بولی جاتی ہے، اور اس سے زیادہ بھی جاتی ہے۔ مسلمانوں نے اپنی تحریری زبان کو ایک حد تک فارسی رکھا، مگر بول چال میں عام طور پر ہندوستانی کو استعمال کرتے تھے، اور یہی ہندوستان کی عام زبان قرار پائی۔ اور زبانیں جہاں تک ضرورت ہے سکھائی جائیں، مگر یہ مشترک زبان کے ترقی محال ہے۔“

ڈینی سن رائس، مشہور مشرق کا خیال ہے کہ: — ”اردو ہندوستان کی لنگوا فریکا (عام مشترک زبان) ہے، اور یہ وہ زبان ہے جو مختلف قوموں کو اتحاد اور اخوت کے مضبوط رشتے میں جکڑے ہوئے ہے۔“

سائنس کیمش کو اعتراف ہے کہ: — ”ہندوستان کے باشندوں کی سب سے بڑی تعداد ہندوستانی زبان بولتی ہے۔“

ہمارا راجہ سر کشن پرشاد آجہانی کا خیال ہے کہ: — ”اردو زبان ہندوستان کی دو بڑی قوموں یعنی ہندو مسلم اتحاد کی یادگار ہے، اور جس قدر اسے فروغ ہوگا اسی قدر دونوں قوموں کی یکجہتی کا باعث ہوگا۔“

جنوبی افریقہ کا ڈیلیکیشن اس امر کا اقرار کرتا ہے کہ: —

”جنوبی افریقہ میں جو ہندوستانی لوگ آباد ہیں وہ ہندوستانی بولتے ہیں۔“

نائب ڈاکٹر ہمدی یا رنگ بہادر کا ارشاد ہوتا ہے کہ: —

”اردو زبان ایک این زبان ہے جو تمام ہندوستان میں پھیلی ہوئی ہے، لوگ اس کو بولتے ہیں۔ خاص اس سے کہ ان کا کیا مذہب و ملت ہے۔“

خان بہادر احمد خاں صاحب والی محمود آباد کی رائے ہے کہ : ”اُردو زبان کی بنیاد اتحاد پر قائم ہے، اور اس کا جوہر یا بھی اتفاق کا ثبوت ہے بعض قدرتی اسباب کا لازمی نتیجہ تھا کہ مسلمانوں نے اس کی طرف زیادہ توجہ کی مگر ہندو شعرا و مصنفین کی خدمات بھی کچھ کم قابلِ قدر نہیں۔ اُردو کو مسیحی بہادر سپرو اور مہاراجہ کشن پرشاد بہادر کے سے بزرگوں کی سرپرستی اور حضرت کیفی دہلوی کے جیسے عالموں کی امداد حاصل ہے۔“

سیرج بہادر سپرو کا خیال ہے کہ : ”در اصل اُردو زبان کے دو دیں آئے کی وجہ یہ تھی کہ ہندو مسلمان ایک دوسرے کے ساتھ جو یکساں ہیں یہ تسلیم کرنے تیار نہیں ہوں کہ اُردو زبان صرف مسلمانوں کی زبان ہے اور اُردو جاننے والے محض مسلمان ہیں۔ چارے بزرگوں نے اُردو کی بنیاد اتحاد کے لئے ڈالی تھی۔ اگر آپ اتحاد کے جو بانی اس کے بغیر ہندوستان ترقی نہیں کر سکتا، تو آپ اُردو کو ترقی دیں۔“

جنت ہرے مانہ کنتھرو اُردو ”کو ذریعہ تعلیم بنائے پر زور دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ : ”یہی وہ چیز ہے جس کے ذریعے موجودہ منافرت دُور کی جاسکتی ہے اور ہم آپس میں متحد ہو سکتے ہیں۔ ہمارے ملک میں اگر کسی زبان کو ہندو مسلم اتحاد کی پیداوار کہا جاسکتا ہے تو وہ اُردو ہے، اور اس کے تمام اجزاء ہندو مسلم اشتراک کا صائب مظہر ہونے کے علاوہ اسے ہندوستان میں سب سے زیادہ دست اور اثر حاصل ہے۔“

غرض یہ کہ کیا ہندو کیا مسلمان اور کیا عیسائی سب اس بارے میں اچھی رائے رکھتے ہیں۔ اگر ہم ان اتوال پر غیر جانبدارانہ طور پر نظر ڈالیں تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ اُردو ایک ہر دوزخیز، مقبول عام اور مشترکہ زبان ہے اور ہندوستان کے طول و عرض میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔

**زبان و مذہب :** ————— میں اس بات کو کبھی نہ بھولنا چاہئے کہ زبان کا تعلق مقامات سے ہے، مذہب سے نہیں۔ اس لئے اگر زبان کو مذہب سے متعلق نہ کیا جائے تو زبان کا جھگڑا جلد مٹ سکتا ہے۔ ہندی کو ہندوؤں کی زبان کہا جاتا ہے، مگر جب کانگریس کی طرف سے ہندی کے پرچار کی کوشش کی گئی تو بہار میں بنگالی اور مدراس کے حامل اور آندھرا اس کے خلاف ستیہ گرو کر کے جیل میں تک گئے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہندی کی مخالفت خود ہندوؤں نے کی۔ اُردو کو مسلمانوں کی زبان کہا جاتا ہے، مگر کیا کوئی ترکی، ایرانی، افغانی، عربی اور چینی مسلمانوں کو اس کے بولنے اور لکھنے پر مجبور کر سکتا ہے؟ مدراس کے ہندو مسلمان دو تو ہی تامل اور بنگال کے بنگالی اور گجرات کے گجراتی بولتے ہیں۔ یہی حال حیدر آباد کا ہے جہاں کے ہندو مسلمان بلا تفریق مذہب مرہٹو، گواڑہ میں مرہٹو اور تملکانہ میں تملکی اور کرناٹک میں کنڑی بولتے ہیں۔

**اُردو کو عام کیسے :** ————— ڈاکٹر سید محمد الدین قادری نے زور سے بجا ارشاد فرمایا ہے کہ : —————

”بنایا جاسکتا ہے اُردو زبان کی ترقی دوسری زبانوں سے نفرت کرنے یا دوسری زبانوں کے ہمدردوں سے دشمنی مول لینے سے نہیں ہو سکتی۔ یہ ایک ترقی طریقہ ہے، اُردو بولنے اور سمجھنے والے کشمیر سے لنگاہ تک اور بلوچستان سے آسام تک مغلّ پس نے اب بھی مل جاتے ہیں کہ ان کے اسلاف نے صلح جو یا نہ مسلک اختیار کیا کبھی کسی مقامی یا دوسری زبان کی مخالفت نہیں کی، حالانکہ اس زبان کی تاریخ میں ایسا زمانہ بھی گزر چکا ہے کہ اس کے بولنے والے صاحبانِ تخت و تاج تھے اور ہر طرح کی سماجی اور سیاسی اقتدار رکھتے تھے۔ اگر اُردو کے مصنفین اور مبلغین ایک ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہیں جو اس کی دیرینہ روایات کے خلاف ہے اور جس پر اپنے ہماکار کے اقتدار کے زمانے میں بھی





# قصہ شاہ داؤد

ایک زمانے میں بغداد شریف کا ایک بادشاہ تھا جس کو شاہ مجید کہا کرتے تھے۔ ماضی کے ایک ایک ماضی شاہ داؤد تھا۔ حضرت شاہ مجید کا دھال ہو گیا، اس وقت ان کی ایک بیوی اور کس لڑکا داؤد پیدا ہو گیا۔ بادشاہ کے انتقال کے بعد ان کا بھائی بھی اس تخت و تاج کا مالک بن گیا۔ بیوہ اور شاہ داؤد کو گھر سے نکال کر ساری جائیداد پر قابض ہو گیا۔ لوگ کھانے پینے سے بھی محتاج ہو گئے، بیوہ بھٹی پس لپٹا اور بچے کا پیٹ پالتی۔ حضرت شاہ مجید نے اپنے فرزند شاہ داؤد کی نسبت خدا و شاہ مصر کی لڑکی سے کی تھی۔ شاہ مجید کے انتقال کے بعد خدا و شاہ مصر کی لڑکی شاہ داؤد سے رہنے رضامند نہ تھا، چنانچہ اس کی نسبت کو منقطع کر دیا اور شاہ روم کے لڑکے سے نسبت کی۔ داؤد کس تھا، اپنا سارا وقت کھیل کود میں گزارتا، کھیل ہمیشہ فوجی تخت و تاج اور عدل و انصاف کا کھیل کرتا۔

یہاں شاہ مجید کا ایک کھیل بنایا  
ادبچی دیکھ کے کہ تخت بنایا  
آپ بنا تھا بادشاہ کوئی نوکر لایا  
کوئی بنایا جو بدار کوئی کوئی لایا  
تیلی کا چھوڑ کر کب چور بنایا  
بیرہی ڈنڈا ٹھوک کے ہنسا دھمکایا  
کھال بدن کی دھادی پچھون نہ لایا

جب تملین (جڑبھت نیک اور روشن خیرو ملی مفت تھی) کو اپنے لڑکے کی ماہریت کا حال معلوم ہوا تو اسے اپنے ساتھ لیکر شاہ داؤد کے پاس فریاد کیا اور شاہ داؤد کے سامنے اس کی نسبت کا حال (جس کی اس کو خبر نہ تھی) سنایا اور پھر رشتہ منقطع ہو کر شاہ روم کے لڑکے سے ہوئے کہا ذکر کیا تو داؤد یہ حال سُن کر سوچ اور فکر میں پڑ گیا۔

(۲)

لڑکے کا ہاتھ کر کے جب تملین روئی  
جہاں بیٹھے تھے حضرت داؤد وہاں تملین  
تو نے اپنے پوتے غریب کی تو نے کھاکلی  
خدا و مصر میں بادشاہ تیر کی بھی کھاکلی  
انہیں دیکھ کر کھانا نہ کھا، بادشاہ تیر کی بھی نہیں  
جو تو یہاں سام رہے لا تو کر سیاہی  
اسی سن شاہ داؤد میں چلتا ہوئی

آخر کار بیوہ کو کہنے چھا شاہ آتھس کے دربار میں جا کر اپنا مدعا ظاہر کرتے ہوئے ادا کا طالب ہوا جس کی بنا پر شاہ اس نے امداد دینے کے لئے اپنے بیٹے کو فوج کے کردار کو ساتھ جانے کا حکم دیا، لیکن اس کے بیٹے نے شاہ مجید کے منالیم جیت لینی اور سب کو داروہ اسلام میں لانے کے واقعات کا امداد کیا تو شاہ اس نے امداد دینے سے انکار کرتے ہوئے اپنے گھر واپس بھاگ جانے کا حکم دیا۔

(۳)

بچے کے دربار میں داؤد بیکار ہے  
انگ لے لے میرے مصر میں اتھیا تھا لے

کہتا میں بادشاہِ فرزندِ ہمارے جاؤ دو آؤ کے ساتھ میں لے کر مارتے  
 بڑے کہتا شاہ کا میں بادشاہ ہمارے پیشا شاہِ ہند کا نہیں ظلم کرارے  
 میں جبر کے مسلمان بت تو ہے ہمارے کیسے بغداد سے امر ہے ہمارے  
 اتنا سنا چلے لڑکا بچے اترارے بھاگ جاؤ تے جیندے گھر لو گھر ہمارے

توجہ

جب شاہِ داؤد کو اپنے چچا کی جانب سے بھی ناامیدی ہوئی تو اس نے اپنے باپ حضرت جیندے کا گھوڑا دیکھتے ہیں کہ تہ خانے  
 میں رکھا جاتا تھا، باہر نکالا، اور اس پر سوار ہو کر امداد کے لئے بجانب مدینہ شریف آنحضرت صلعم کے پاس جانے  
 کے ارادے سے راہی ہوا، اثناءِ ماہ میں حضرت علیؑ سے ملاقات ہوئی، دو چوٹکا دھکیلنے کی غرض سے لکھے تھے حضرت  
 علیؑ نے شاہِ جیندے کے گھوڑے کو پہچان کر داؤد سے دریافت کیا کہ تم کون ہو اور کہاں جا رہے ہو؟ اس نے  
 اپنا سارا حال کہہ سنایا اور برائے امداد مدینہ شریف کا قصد ظاہر کیا۔ حضرت علیؑ کو خیال ہوا کہ امداد کے لئے  
 آنحضرت صلعم اس کام پر یقینی مجھ کو ہی مامور فرمائیں گے، اس لئے مناسب تو یہی ہے کہ قبل ہی امداد دی جائے۔

(۳) بمزورے گھوڑا، یا گاڑو، رکھی ہند، گھوڑے اُپر بیٹھا، اللہ کا بندہ، باؤلی نکال  
 چلا مدینہ شریف اللہ کا بندہ، دست میں حضرت علیؑ کے لٹکا رکھتا ہند، کھیلنے والا  
 گھوڑا شاہِ جیندے کا کہاں لٹو جائے، جاؤں مدینہ شریف کو فریادی ہند، جانے ہو  
 شاہِ مصر کا بادشاہ میرا ملک نہیں دینا، دست میں لٹکاؤ لگا کہیں جائیگا، زبردست جانے نہیں دیتا

حضرت علیؑ کے حکم سے پریاں حاضر ہوئیں اور داؤد کو بھول پہنکا کر اور ہندی لگا کر دُلہا بنائیں اور داؤد کو حضرت علیؑ  
 اپنے ہمراہ صلہ لیکر چلے۔

(۵) نارا مارا علیؑ نے میدان کے مائی، گھرے لئے ہاتھ میں علیؑ پریاں آئی، اندر یا میں  
 ہاتھوں کو ہندی لگی ہوئی حکم خدا، اب داؤد گھوڑے پر چڑھ کر حکم لے آیا، دوسریں  
 نعل دو گانہ بوند لئے شکر منائی، گھوڑے اُپر بیٹھ گئے، بار لگائی، دیر

حضرت علیؑ اپنے ہمراہ داؤد کو سخت دھوپ اور ٹوہیں لیکر بجانب شہر مصر راہی ہوئے۔ شہر مصر، شاہِ روم کے لڑکے شادی کی  
 تیاری پور ہو چکی تھی، کسی ایسی کو بلا جاؤ تے شہر کے حدود میں داخل کی ممانعت تھی۔ یہ لوگ مصر کے ایک زانی شایا  
 باغ میں بیٹھے جہاں مرد کا گزروہ دخل نہ تھا۔ اس باغ کی نگہبان تھیں جو باغ کے دروازے میں بیٹھی تھیں، باغ کے اندر داخل  
 ہونے سے روک دی ہیں کی وجہ حضرت علیؑ نے مالن کو کچھ تذکر کرنے داؤد سے ارشاد فرمایا، اس کے داؤد مجبور تھا،  
 پاس پائی نہ تھی، اپنی حالت پر افسوس ہایا، اور افسوس کے ساتھ کہنے لگا کہ میرے باپ جو بادشاہ تھے اور میں نے پاس دولت تھی  
 وہ تو داخل بہشت ہو گئے، وہ لگی ماں، وہ تو بیجاری علیؑ میں کر بسر کر رہی ہے۔

(۶) دھوپ نہ دھتی بنے لوچے جلدے شہر میں دیوار جو کچے  
جاہو بچے تھے مصر میں شہت دالے المینی باغ کی دروازہ کے  
حضرت تھے باڑوں ڈووی کھولے لکے اس کے اندر کچھ ہو تیرے پلے  
آئی تھی داؤد نے سن آسو گھلے جو ہم ہمت بادشاہ کیوں آئے ایسے  
میری ماں پیسے پیسے رب کے حوالے باپ چلے گئے ہشت میں شہت دالے

جب شاہ داؤد کو حضرت علیؑ نے زہیدہ پایا تو خدا سے دعا کی، داؤد سے حضرت کی ابراہیم سے خدا کا نام لے کر اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا تو ایک اشرفی ملی، وہ اشرفی ماں کو دی گئی۔ ماں اشرفی پا کر خوش ہوئی اور باغ کا دروازہ کھول دیا اور انیس اندر گئی حضرت علیؑ نے ماں کو اسلام سے مشرت فرمایا۔ ماں دائرہ اسلام میں داخل ہوتے ہی اپنا لام تک پھول گئی۔ اُس دن شہزادی کے لئے پھول چنے اور دیکھ کر گوندھے۔ حضرت نے ہی بکھرے گوندھے اور ایک چھٹی شہزادی کے نام لکھ کر بکھرے میں لگائی، اور چھٹی میں تحریر فرمایا کہ تیرا پہلا منگیتر باغ میں آیا ہوا ہے، اب تجھ کو شاہ روم کے لڑکے سے بیاہ ہو کر نہ جانا چاہئے بلکہ اسی سے نکاح کر لینا چاہئے۔

(۷) اشرفی لیکر ہاتھ میں ماں شرفائی باغ دروازہ دیا کھولنے دو رکائی  
حضرت نے مسئلہ کیے حدیث کی، ان پر جانے فوراً اپنی بھر دیا مسلمان بنائی  
نہ زورے پھول دگنڈو ہاؤس لگئی حضرت ہارگو ندھے کر کے چترائی  
باغ چھٹی شہزادی کی میری چھٹی آئی آیا تیرے باغ میں تیرا پہلا سائیں  
جو تو خدا سے روم میں جانے دوں ان میں آؤ جن پتھان کے ہوا حکم عدائی

ماں حب معمول پھول کے بکھرے شہزادی کے پاس لے گئی تو شہزادی نے اس میں چھٹی پا کر خلوت میں جا کر پڑھی اور ماں کو ڈرا دھکا کر مہاراجا دل دریافت کر لیا اور فوراً اپنے وزیر سیدی ابراہیم کے نام ایک چھٹی اور حضرت علیؑ کی چھٹی کا جواب لکھ بھیجا کہ شہزادے داؤد کو باغ میں تنہا نہ چھوڑے گا، میں حب حکم ضرور اس سے شادی کروں گی چاہے کچھ ہو۔

(۸) ابراہیم وزیر کو ہے فرزانہ حضرت علیؑ نے باغ میں دو جاہ پرمانہ  
بیٹھے رکھو باغ میں نہیں اور ٹھکانا ان کے چھوڑ کر نہیں دیکھیں جاوا  
دل جاؤں اسکے نام پہ جاہو دل جاؤں مانہ

جب شادی کی تاریخیں قرار پائیں تو شاہ روم نے شادی کے لئے مصر جانے سے قبل بخیر میں سے شادی کے متعلق آنے والے واقعات دریافت کئے تو بخیر میں نے بیان کیا کہ وہاں داؤد اور حضرت علیؑ تشریف رکھتے ہیں اچانک



وہ بیوہ کا لڑکا ہے اُس کا مقابلہ نہ کرنا چاہئے، تمہ کو یہ آسانی کسی اور جگہ لڑکی مل سکتی ہے لیکن اُس کو کوئی اور لڑکی نہیں مل سکتی اس لئے مناسب ہے کہ اُس لڑکی سے بیاہ کا ارادہ ترک کر دیا جائے۔

(۹)

کھڑے بخوی شاہ کے سلام سنائی  
مانگ بیاہ غریب کی تو نے نرم نہائی  
تھے لہجے میں بہت سی اُنھیں ملتی تھیں  
مصر میں بڑو گڑھ علی گاہیں یاسنائی  
وہ بیوہ کا پوتہ ہے اُسے ملتی تھیں

جب شاہ روم نے بخویوں سے یہ سنا کہ وہ لڑکی داؤد کو بیٹے کی تو اپنی کثیر فوج ہاتھی گھوڑے پیدل و سوار لے کر مہر کا رخ کیا تاکہ اسی لڑکی سے شادی کر لائے۔ وہاں پہنچنے کے بعد بخویوں نے کہا کہ تیرا دشمن وہی داؤد و اسی تیری فوج میں بیٹھا تھا شاد دیکھ رہا ہے (چونکہ باوصف حضرت علیؓ کی مخالفت کے داؤد تماشا دیکھنے باغ سے باہر نکل کر شاہ روم کی فوج میں آگیا تھا) اور حضرت علیؓ بھی اس مقام پر تشریف لائیں گے تو یہ سن کر بادشاہ روم کو یقین نہ آیا اور تحقیق ہوئے تک بخویوں کو قید میں رکھا۔ داؤد کی تلاش و گرفتاری کے لئے حکم دیا اور چار دن طرف بہرہ مقرر کر دیا۔

(۱۰)

کھڑے بخوی شاہ کے سلام سنائی  
ہم کرے بہت سی تو مانے تھیں  
بیٹھا تیری فوج میں تیرا دشمن بھائی  
نیلم جا، شاہ داؤد کو تو نے ملتی تھیں  
بھان بڑو خدا آ رہی ہیں و دھوم مچائی  
بکری بخوی کئے قید دی شکی بڑھائی  
اتنا حضرت کو دیکھ نہ بیوں چور دھنچائی  
بہرہ کر دیا قنات دیا حکم چڑھائی  
اُس داؤد کو پکڑ لو کیوں دیر لٹائی

تلاش سے داؤد کا پتہ نہ چلا تو اُس کی نقور ہنگو اگر شناخت کرنے لگا، تصویر کی وجہ داؤد و گرفتار ہو گیا اور بادشاہ روم جو ترکی ظالم بادشاہ تھا، داؤد کو پکڑ کر گٹھڑی بنائی اور فوج کے ایک دست ہاتھی کو داؤد پر بٹھلنے اور مار ڈالنے کے لئے چھوڑ دیا، لیکن ہاتھی داؤد کو دیکھ کر سلام کیا اور پیشانی زمین پر ٹیک دی اور اُس گٹھڑی کو سونڈ سے اٹھا کر سر پر رکھ لیا۔ بہر حال یہ دیکھ کر ترک بادشاہ روم خوف زدہ ہوا، اُس گٹھڑی کو ایک کنویں میں ڈال دیا اور اُس کو چتر کی سبوں سے باٹ کر مہر لگا دی، اور کہا کہ اب دنیا میں تیرا حاتی کوئی ایسا نہیں جو تجھے بچائے، اب اسی کنویں میں سرنگل کر مر جائے گا۔

(۱۱)

دروازہ بے کمان کا بری عقل بنائی  
چاروں طرف فوج کھڑی ہو گئی بڑ لگائی  
ایک ایک کو کونکے پھر باہر نکالی  
اُس لئے شلہ داؤد کی تصویر لگائی  
اُس لئے کو کونکے گٹھڑی بندھوائی  
اُس لئے کو کونکے گٹھڑی بندھوائی  
خون ہاتھی دیا چھوڑ نہیں دیر لگائی  
ہاتھی چڑے کر رہا ہے سیں جھکائی  
اتھا یا پیشانی

گھڑی لکھ سوئلہ میں سر اویہ لکھائی  
دیکھے روم کا بادشاہ لڑنے نہ رکھائی  
گھڑی اٹھائی تھیں کواں گردائی  
اوپر سب جھک دی حد لکھائی  
مہر لکھائی اپنے ہاتھ کی نہیں دیر لکھائی  
ایسا تیرا کون ہے دنیا کے ماہی  
لوں کے مرے لکھائی کے ماہی

مالن کو جب یہ حال معلوم ہوا تو اس نے سارا قصہ شہزادی مہر کو سنایا جس سے وہ بے حد پریشان ہو کر ایک چینی حضرت علیؑ کے نام لکھی کمانسوس کی بات ہے کہ آپ تو بڑے بہادر اور کچھ دار اور شہر ہیں، لیکن آپ کو کچھ خیال نہ آیا کہ آپ نے کیا کیا اپنے ہاتھوں داؤد کو کتوں میں گر دیا، میں حشر کے دن آپ کی دامن گیر ہوں گی اور اگر وہ داؤد (مر جائے تو دنیا میں آپ کی ہنسی اڑاؤں گی۔

(۱۲)  
بیکم چلی لکھ دی کر کے چترائی  
برے بہادر علیؑ تھے کچھ سمجھی ناہیں  
اپنے ہاتھوں کواں میں دیا گردائی  
پلہ کڑوں جناب میں چھوڑ دی ناہیں  
جو مر گیا بادشاہ تیری کروں ہنسائی

حب حضرت علیؑ کے پاس شہزادی کی چھٹی تو آپ نے نگہیں کاغذ لکھایا اور نیزہ کاڑ دیا۔ مالن سے اس باؤلی کا پتہ دریافت کیا جس میں داؤد کو ڈال گیا تھا۔ مالن نے اس باؤلی کا پتہ دیا، تب حضرت نے باؤلی کے ہاتھ جوئے پتروں پر مصلّا بچھا کر نماز و دعا پڑھی اور آواز دی کہ اسے لڑکے اگر کتوں میں زندہ ہے تو جواب دے ورنہ اگر قضا الہی سے مر گیا ہے تو بچو کچھ نہیں حضرت کی آواز سن کر لڑکے نے اندر سے جواب دیا کہ حضرت یہ کواں نہیں ہے بلکہ باغ ہے، یہاں پر یاں مجھے جھولا جھلار ہی ہیں اور اقسام اقسام کا بیوہ کھلا رہی ہیں۔ یہ ایسا باغ ہے کہ آج تک میں نے اپنی عمر میں دیکھا نہیں۔ اس وقت حضرت نے باؤلی کی سہل پر اپنا نیزہ مارا جس کے اثر سے شاہ روم کی فوج کے ڈوسو گھوڑے اور نو سو سپاہی کٹ کر مر گئے۔ بادشاہ روم بے حد پریشان ہو گیا۔ مجرموں نے شاہ کو پھرنکھایا۔

(۱۳)

الف نام اللہ تو ہی جو رہی الہی  
نیزہ کاڑ علیؑ نے دیا باغ ہلائی  
مالن کو شافا کرکون چھو دو بتلائی  
مالن حضرت کو لے چلی نہیں دیر لکھائی  
سہل کے پیران کے دیا جھلا جھلائی  
نفل دو کمانے لکھ گیا غنر سنائی  
آواز دی حضرت علیؑ نے نوازا ناہیں  
جو پچھ زندہ ہوئیں ہو آواز سنائی  
جو مر گیا ہو قضا سے ہو علم خدائی  
اتناس کے لڑکے داؤد نے سلام سنائی  
حضرت کو لے چلی نہیں دیر لکھائی  
کبھی نہ لکھائی تھیں یہ باغ چھوڑ پلانی  
مجھے پر یاں چھوڑ دی رہی سب بوہ لائی  
بھئی نہ لکھائی تھیں اس حق عمر جوائی  
حضرت نے نیزہ مارا سہل نے سماں چھلائی  
بڑی روم کی فوج میں لکھی دو ہائی  
ڈوسو گھوڑے کٹ گئے نو سو سپاہی

لوے روم کا بادشاہ کیا آفت آئی کھڑے برہمن سامنے سلام سُنائی

پھر جب حضرت علیؑ نے داؤد کو باؤلی سے باہر نکالا تو ایک چٹائی کے ذریعہ شہزادی کو اطلاع دی کہ میں نے تیرے دھنکاکر  
باؤلی سے باہر نکال لیا ہے وہ اب باغ میں بیٹھا ہوا ہے اس کی نسبت کوئی فکر نہ کرو۔ اب جلد یہاں باغ میں آجا شاہ روم  
سے دُور سے نئی ضرورت نہیں۔

(۱۳)  
حضرت جیسی لکھے کر کے چترائی      پانچویں شہزادی ہو ا حکمِ خدائی      پڑھو  
کنویں سے باہر لیا کاریوں پئی ابھی      تیرا دل تھا بیٹھا باغ میں میں سفید آسائی  
تم جلدی آجاؤ باغ میں کیوں نہ رکھائی      اس روم کو بادشاہ کو چھ ڈرنا ناپی

جب حضرت کی چٹائی شہزادی کو ملی تو اُس نے اپنی باندھی اور سیلیوں کو جو اُس کے ساتھ رہا کرتی تھیں نکھچولی کھینچنے کے لئے کہا اور چھپ کر  
ایک مقام کو چھوئے کے لئے شرط رکھائی بکھیل شروع ہوا، سب چھپ گئیں تو شہزادی دروازہ لگا کر آہستہ سے ڈول میں سوار ہو  
باغ میں پہنچ گئی اور حضرت علیؑ کے قدموں میں ہو کر اسلام سے مشرف ہوئی اور کہا کہ ہم لوگوں کو جلد بنداد شریف جانا چاہئے  
ورنہ تمہاری ظالم بادشاہ روم ہم کو باغ ہی میں روک دے گا۔

(۱۴)  
بیگم دو ڈیٹھ کے بانچے آئی      بیگم پوت جو ہے دی تم کھاؤ ڈائی      غم آئے مچولی      دروازہ  
بیگم دو ڈیٹھ ہی دی      باندھی نظر نہ آئی      جلدی مصر میں آئی  
ادھر ادھر لہر لگئی  
بیگم ہاتھ اٹھاؤ دیکھ لی کوئی نکل نہ آئی      بیگم دو ڈیٹھ پوڑ کے بانچے آئی  
حضرت علیؑ کے قدم میں سر لیا جھکائی      تم پیالہ کو دین کا دو شہرچہ بڑھائی  
جلدی چلو بنداد شریف کو میں نہ آسائی      یہی روم کا بادشاہ ظالم تر کائی      روکنا  
تم کو جلدی پھر لی باغ میں جاؤ نہ ناپی      اتنا سنو کہ حضرت بیگم بھگائی

شہزادہ کے شور سے پر حضرت علیؑ وہاں سے بنداد شریف چلے تیار ہوئے چنانچہ حضرت اپنے دو دلہل پر سوار ہوئے اور گھوڑے پر  
داؤد نے شہزادی کو اپنے ساتھ لے لیا۔ جب اہل لکھنؤ نے دُور لے لیا ایک جگہ میں بائیں ہاتھ اور گھوڑا تیرہ ہاتھ کو دیا۔ جب شاہ روم نے دیکھا کہ  
شہزادی کو لیکر داؤد جا رہا ہے تو اُس نے کہا کہ ہم جس کو بیاہنے آئے تھے وہ بیاہ نہ ہو سکا۔ اب خواہ میری فوج ساری کھٹ جائے  
لیکن تمہ کو جہان نہ دوں گا بلکہ مار دوں گا۔

(۱۵)  
حضرت کا دلہل بائیں ہاتھ کو دیکھا گھوڑ کو دایرہ      دیکھے روم کا بادشاہ اٹھ گیا ڈیرہ

ہیلم لئے جا رہے ساتھ میں دشمن ہوا میرے آگیا نظر میں بس نے کنوئیں میں گھیرا  
تو چلا یا ہیلم لیکے بیاہ کھو دیا ہوا تجھ کو ماروں میرے چاہے لٹ جاؤ ڈیرا گھیر کے

جب شاہ روم نے داؤد کو شہزادی سے کر جاتے ہوئے دیکھا تو شاہ نے داؤد پر گولہ باری کا حکم دیا حضرت علیؑ نے  
داؤد کے گھوڑے کے اطراف اسم اعظم پڑھ کر لکیر کھینچ دی تاکہ گولہ باری کا کوئی اثر نہ ہو لیکن داؤد نے غصہ میں  
اس لکیر کے حصار سے باہر ہو گیا، جس کی وجہ سے گولہ لگ گیا اور وہ مر گیا شہزادی اس واقعہ سے متاثر ہو کر وہ بھی حصار  
سے باہر داؤد کے پاس آئی جس کی وجہ سے اس کے گولہ لگ گیا اور وہ بھی مر گئی۔ دُعا دُعا کی بے وقت موت سے حضرت کو  
انسوس ہوا کہ بغیر نکاح کے ہی دونوں مر گئے۔ اُس وقت خدا سے دعا کی کہ یا اللہ نکاح تک کم از کم چار گھڑی کے لئے  
انہیں زندگی بخش۔ خدا نے سُن لی اور زندگی عطا کی۔

(۱۷) کار توڑ دی علیؑ کی کچھ سمجھا ناہی گولہ لگ گیا داؤد کے گئے ہر ان چٹائی قیر مر گیا  
ہیلم اچھلی کار سے لڑکے کے برائی دوسرا گولہ لگ گیا ہیلم کے تائی  
دونوں کا ہو گیا خاتروں میں بھی اہی اُکے حضرت علیؑ نے چھپائی لٹائی  
لے اللہ بہ شرح کو مر گیا تیری خدا چار گھڑی کی زندگی اللہ سے پائی

حضرت علیؑ نے بغیر نکاح کیجور اور بچول وغیرہ لالچ کے لئے اُسی باغ میں تشریف لے گئے، اس انتظار میں دوسری راہ سے  
ان لوگوں کے لئے کھانا لے کر مالیں پہنچا لی حضرت نے جب باغ میں اُن کو موجود نہ پایا تو اُس کے انتظار میں باغ میں  
فحیرے رہے (چونکہ بلا اجازت باغ سے کیجور و بچول توڑنا مناسب خیال نہ فرمایا) (بک فقیر اس وقت وہاں  
پہنچ کر سوال کیا کہ مجھ پر تین نائے گزر چکے ہیں، مجھے کھانا کھلایا جائے (یہ فقیر دراصل فرشتہ تھا جس کو خدا نے زندگی  
بخشنے بھیجا تھا) تو باوصف خود ان لوگوں پر کئی نائے گزرنے کے اپنا کھانا کھادے، تو فقیر نے شکر ادا کر کے ان دونوں کو  
نمونہ برسن کی عمر عطا کی اور کہا کہ مجھے موت نہیں آئے گی اور وہاں سے غائب ہو گیا۔

(۱۸) دیگی ہاتھ میں جب پلے پائی صاحب کھانا کھا چکے کیا کُسر منائی  
عمر جو سو برس کی انہیں دیا فرمائی بیٹے شاہ مجید کے بھی مرتے ناہی  
اُسا سائیں کہہ چکے نہ دئے دکھائی

مالن کی واپسی کے بعد حضرت علیؑ نے کیجور بچول لے کر واپس تشریف لائے، اُشا راہ میں حضرت علیؑ کو مال ہی توکا میں نے  
خدا سے صرت چار گھڑی کی ہی زندگی مانگی تھی لیکن اتفاق سے دیر ہوئی انسوس کے پھر وہ بغیر نکاح کے ہی مر گئے ہوں گے۔  
لیکن بیان آ کر دیکھا تو انہیں زندہ پایا حضرت نے متحیر ہو کر داؤد سے دریافت فرمایا کہ تو نے یہ کیا عمل کر دیا اور کیسے  
زندہ رہ گیا، تو داؤد نے حضرت سے سارا واقعہ کہہ سنایا کہ ایک فقیر آیا تھا، اُس کو میں نے اپنا کھانا جو مالن لائی تھی

کھلایا تو اُس نے جس کو تنویرِ بریں کی عمر دے گیا۔

(۱۹) بیٹے شاہِ مجید کے کیا عمل کیا  
اُڑا گھرِ مجید کا آج جس نے سنا  
اُٹا لایا کُسن چکا جواب سُنا  
حکم ہوا جناب سے ایک سائیں آیا  
سائن کھانا لائی ہم نے نہیں کھایا  
عمر دے گیا تنویرِ بریں کی بدلیں آیا  
عملِ یں  
مرے کا وقت

داؤد پھر حضرت کی لکیر کے حصار سے باہر نکل کر شاہِ مصطفیٰ فوج پر تلوا کیج کر ٹوٹ پڑا اور بڑے زبردست کاہلی روہیلوں  
ایک سو اٹھارہ اور شاہِ روم کے بیٹے کو جو شہزادی سے شادی کرنے آیا تھا مار ڈالا۔

(۲۰) لڑکا کھلا تار سے دل کیا دلیر  
روم کی فوج میں جاڑے کھینچا شمشیر  
بیٹا مارا روم کا بندھن صابروہ والا  
کلیجہ مارا کھیت میں ایک سو اٹھارہ  
حضرت علیؑ بھی بولے اب گرد و ڈالا

حضرت علیؑ ان دونوں کو لے کر میدانِ جنگ سے مصرت شریف لے گئے اور شہزادہ شاہِ مصر سے کہا کہ اب جلد نکاح پڑھا دو  
تاکہ ہم لوگ بغداد شریف جلد واپس جا سکیں۔ چونکہ ہم لوگوں نے بے حد تکلیف اٹھائی ہے۔

(۲۱) حضرت چلے دُلوں سے نہیں دیر لگاؤ  
جلدی آگئے مصر میں ہوئی روشنائی  
شہزادہ بادشاہ کو بولے سمجھو جانی  
جلدی نکاح کرو دہم کو دیا سنائی  
ہم جلدی جائیں گے بغداد شریف کی عیانتی

چنانچہ قاضی طابو اُسے گئے اور وکیل لگاوا رکھ کر نکاح کی تکمیل ہوئی اور بے مدعوئی سنائی گئی اور بعد نکاح وہاں سے  
حضرت علیؑ و خاندان کو لے کر نکل گئے۔

(۲۲) قاضی طابو آگئے بڑی دُحومِ نجیائی  
شاہد کیل کھڑے کرے نہیں دیر لگاؤ  
حکم دیا شہزاد نے نکاح فرمائی  
لو کے کی شادی میں بڑی خوشی سنائی  
دہائے حضرت یکے لکے کچھ دیر نہ لگاؤ  
گھوڑوں پر سوار ہو گئے لیا حکمرانائی

حضرت نے داؤد اور شہزادی کی آنکھوں پر پٹی باندھی اور گھوڑے پر تھاپ ماری تو صرف تین گھنٹے میں بغداد شریف پہنچ گئے۔  
داؤد کا چچا امین بادشاہ دیکھا کہ داؤد شہزادی لے کر آیا تو اُس کو قحب ہوا کہ آخر یہ لایا کیسے کیوں مارا نہ گیا؟ داؤد کی  
ماں چلی بیٹے اور روتے روتے اندھی ہوئی، شہزادی بہو بن کر گھر میں آئی تو خدا کی قدرت سے اس کو بینائی عطا ہوئی اور

سب خوش ہوئے حضرت علیؑ نے اب واپس مدینہ شریف ہلنے کی اجازت چاہی تو داؤد حضرتؑ کے سامنے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا کہ میرا چچا آسمان نے میرا تخت و تاج و محل و فوج اور دھن دولت ظلم سے لے لی ہے وہ واپس دلوانی ہلے تو مناسب ہے۔

(۲۳)

انف نام شد قوی جو رہی الہی	لڑکے کی آنکھ دے سچ دتی لگوائی
مگر بے پہ تعاب دیدی نہیں دیکھائی	سفر کیا تھا بہت شہر خدائی
تین گھنٹے میں آئے اپنی بستی کے باہر	دیکھے آسمان بادشاہ دل سپر پائی
لڑکا شادی کر کے آگیا س نے لڑائی	اس کی تاباں جی میں کے اندھی بھائی
جب تکہ آئی گل میں برقی خوشی سنائی	نکم ہوئے اب کو توئی کھسائی لڑائی
حضرت علیؑ بھی بولے لڑکے کے تائیں	لڑکے نیکم دید و حضرت نے مدینہ بھائی
ہاتھ جوڑ لڑکا بکے حضرت کے تائیں	حضرتؑ میرا چچا آسمان بادشاہ ظالم تر لڑائی
میرا گل لٹ لیا سب آیا کھسائی	بارہ ہزار میری فوج ہے یہ دیتا ناہی

۱  
اندرا

۲  
دھن دولت

حضرت علیؑ آسمان بادشاہ کے گل میں تشریف لے گئے اور اس کو کہا کہ داؤد کا تخت و تاج اور محل و دولت سب واپس کر دے اور نہ مجبوراً جگ کرنی ہوگی۔ آسمان بادشاہ نے حضرتؑ کو جب دیکھا اور حکم سنا تو خوشی و آؤد کو سینہ سے لگا کر تخت و تاج حوالہ کر دیا۔ حضرت علیؑ وہاں سے واپس مدینہ شریف تشریف لے گئے۔ اس طرح شاہ داؤد کا قلعہ تمام ہوا۔

(۲۴)

حضرتؑ لڑکے کو لے پلے دیوڑھی کے باہر	حضرتؑ دیکھ آسمان کو دل سوچ پائی
خشت سازی دیدئے ہیں دیا سنائی	جو تو زور دے کھائے کہاں ہوئے لڑائی
آسمان نے لڑکا لیا گو میں لیا بھائی لکائی	داؤد جھک کر دوں بادشاہ میں ہوں سپاہی
حضرتؑ ساری چچی کر گئے جب کڑی پڑھائی	پلے مدینہ شریف کو نہیں دیر لگائی

قلعہ داؤد کا دیا حضرتؑ نے بنائی

۲  
اندرا یا میں

محمد جمال الدین حیدر

# غزل

محبت میں خزاں بھی اک بہار جاودانی ہے  
 شبابِ شعلہ سا ماں ہی امین کا مرانی ہے  
 کسی کے غم کی میرے دل پہ کتنی مہربانی ہے  
 کہ میں ہوں شب کا سناٹا ہے انکوں کی روانی ہے  
 جو آنسو دردِ فرقت میں نگاہوں سے ڈھلکتا ہے  
 وہی غم کا فسانہ ہے، وہی دل کی کہانی ہے  
 محبت میں جو زندہ ہے وہ ناکام محبت ہے  
 رواں الفت میں مٹنا ہی حیاتِ جاودانی ہے  
 ترے رنگین جلوں کی یہ حشر آریاں! تو بہ  
 نقابِ رُخ کے ہر اک تار میں رقصاں بولنی ہے  
 بہاریں رقص کرتی ہیں نفس کے گوشے گوشے میں  
 مجھے رنجِ اسیری ہی نشاطِ جاودانی ہے  
 نہ دن کو چین آتا ہے، نہ شب کو نیند آتی ہے  
 کسی کے حسنِ رنگیں کی یہی نواک نشانی ہے  
 نہ جانے کس کی نظروں کا فسوں ہے آج کلِ انور  
 خموشی میں کھلم ہے، زباں میں بے زبانی ہے  
 منظور احمد انور قمری

# تنقید و تبصرہ

۱۹۳۵ء کی منتخب نظمیں مرتبہ ادارہ ادب لطیف لاہور

اسے ہر سال اس قسم کے چھپ گئے مجموعے شائع کئے جاتے ہیں۔ زیر نظر مجموعہ انتخاب اور ترتیب دونوں کے لحاظ سے گذشتہ مجموعوں سے بہتر ہے۔ اس قسم کے مجموعوں کی اشاعت سے ہمارے ادب کی زخار کا صحیح طور پر اندازہ ہو سکتا ہے۔ یوں تو اکثر و بیشتر منتخبات ناقص ہوتے ہیں اور ان میں صوبہ جاتی تشعب اور جانب داری کی جھلکیں نظر آتی ہیں، اور بعض میں تو خاص کی کئی بھی دکھائی دیتی ہے لیکن چشیت مجموعی اس قسم کے منتخبات تابع ادب کی ترتیب و تدوین میں مدد و معاون ثابت ہوتے ہیں۔ زیر نظر انتخاب کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ہر مہینے اردو کے رسائل میں جو بہترین نظمیں چھپی ہیں ان کو اس خاص مہینے کے عنوان ہی تحت درج کیا گیا ہے اور مرتبین کا یہ دعویٰ ایک مددگار معلوم ہوتا ہے کہ نظمیں کا انتخاب شرکا نام پڑھ کر نہیں کیا گیا بلکہ نظمیں پڑھنے کے بعد شاعر کا انتخاب کیا گیا ہے اور جس کسی نے کوئی کام کیا ہے اسے نظر انداز نہیں کیا گیا۔ سال گذشتہ کی طرح اس سال بھی ممکن ہو انتخاب مجموعہ کے آخر میں شامل کیا گیا ہے۔

مجید علی کلبرگہ مدیر یونیورسٹی لائبریری، صاحب ایم۔ اے۔ بی۔ اے۔ شائع ہو رہا ہے جس کی تیسری جلد کا تیسرا شمارہ اس وقت پیش نظر ہے اس کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ وہاں کے گیارہ اردو مولوی نصیر الدین صاحب ایم۔ اے۔ اپنے طلباء میں علم و ادب کا بہت اچھا ذوق پیدا کر رہے ہیں اور توقع ہے کہ یہ رسائل اپنی کپیوں اور افادیت میں اسی طرح اضافہ کرتا رہے گا۔ اس شمارے میں بھی دور کے اردو ادب پر جو مضمون لکھا گیا ہے وہ خاص طور پر قابل ستائش ہے۔

الوزن ماسہ جو نیر لکچرار اردو مدراس یونیورسٹی۔

یہ کتاب مدراس یونیورسٹی کے سلسلہ اسلامیات کی ایک کڑی ہے اور دراصل کلیات ابجدی کا پہلا حصہ ہے۔ ابجدی، فو اب جمہلی حان والا جاہ اولی والی اکاٹ کے دربار میں ملک الشکر تھے۔ وہ علائقہ مدراس کے قصبہ چنگل پیٹ میں پیدا ہوئے تھے لیکن ان کے آباؤ اجداد بیجا پور کے رہنے والے اور مشہور مورخ محمد قاسم فرشتہ کے اعزہ میں شامل تھے ابجدی نے اردو اور فارسی میں تقریباً دس کتابیں لکھی تھیں جن میں انور نامہ اس نے بھی وراہ ہے کہ یہ فو اب والا جاہ کے معرکوں پر لکھی گئی ہے۔ اس طرح سے اس کتاب کو ایک تاریخی حیثیت حاصل ہو گئی ہے۔ یہ فارسی زبان میں ہے اور مولف نے فارسی کی مشہور ترین تفسیروں کے انداز میں اس کو مرتب کیا ہے۔ ابتدا میں مترجم نے چند صفحہ کا دیباچہ اردو میں لکھ دیا ہے جس میں ابجدی کے حالات اور تصنیفات پر اجمالی طور پر نظر ڈالی ہے۔ ضرورت تھی کہ کتاب کو مرتب کرنے کے وقت تاریخی واقعات کے متعلق ضروری حوالے اور تشریحیں بھی دی جاتی ہیں۔ بجات موجود یہ کام اس نے قابل قدر ہے کہ اس سے دکن کے ایک دور اور تقریبی کی نسبت ضروری تاریخی معلومات فراہم ہو جاتی ہیں۔

تحلیل نقیسی اور تعمیر خواب مصنفہ سگندہ فراند

ایم۔ اے۔ ادارہ دانش و حکمت۔ حیدرآباد۔ اردو کے جدید ادبی رجحانات میں سگندہ فراند کی تحریروں اور تحلیل کا خاص اثر پڑ رہا ہے۔ ضرورت تھی کہ اس کی اصل کتاب کا بھی اردو میں ترجمہ کر دیا جاتا اور خوشی کی بات ہے کہ عبدالحی صاحب نے اس کی تکمیل کر دی ہے۔ لیکن اس



سلسلہ مطبوعات میں شائع کی گئی ہے۔ یہ کتاب ۱۵۰ ابواب میں تقسیم کی گئی ہے جن میں پہلا باب تہیدی ہے اور اس میں لکھنؤ کے حکمرانوں کے مختصر سے حالات درج کئے گئے ہیں۔ دوسرے باب میں لکھنؤ کے تمدن پر نہایت ہی اجمال کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے، اور ایران کا جو اثر لکھنؤی معاشرت اور ادب و شاعری پر پڑا ہے اس کی طرف سرسری طور پر اشارے کئے گئے ہیں۔ یہ موضوع اتنا وسیع ہے کہ اس پر عبدالحکیم شرر نے ایک مہمو کتاب قلمبند کی تھی جو مشرقی تمدن کا آخری نمونہ کے نام سے چھپ چکی ہے اور بعض جامعات میں بطور نصاب پڑھائی جاتی ہے۔ تعجب ہے کہ ڈاکٹر ابوالیث نے اس باب کی تیاری میں اس سے استفادہ نہیں کیا۔ ورنہ یہ باب اتنا مختصر نہ رہنے پاتا۔

زیر نظر کتاب کا قیصر باب اس امر کی وضاحت کرتا ہے کہ لکھنویت کیا ہے اور دراصل اس امر کی چھان بین میں مرتب نے نیچے ذیل سے کام لے لکھنویت کے نشین کرنے میں کامیابی حاصل کی ہے۔ چوتھے باب میں ادوہ کے حکمرانوں کی شاعری پر تبصرہ کیا ہے۔ پانچواں باب دہلی کے ان شعرا کے تذکرہ پر مشتمل ہے جو وہاں سے ہجرت کر کے لکھنؤ چلے آئے اور دراصل ان ہی کی آمد اور قیام لکھنؤ کے باعث لکھنؤ کا ایک جدا گانہ دبستان شعری بن کر وجود میں آیا۔ ایسے شعرا میں تقریباً چودہ اساتذہ سخن کے حالات اور ان کی خصوصیات کلام پر تفصیلی بحث کی ہے۔ ان ہی میں اردو کے مشاہیر میں مثلاً میر تقی میر، سوا، حسین، سہروردی اور انشاء و صفحہ جیسے شاعر شامل ہیں۔ باب بہت طویل ہے اور نحو سے زیادہ صفحات اس کے لئے وقف کئے گئے ہیں۔ اس کے بعد دو باب ناسخ و تراش اور ان کے سلسلے کے شاعروں سے بحث کرتے ہیں۔ انھوں نے باب سلسلہ صفحہ سے متعلق ہے۔ انیس باب میں لکھنؤ کی مرثیہ گوئی پر نظر ڈالی ہے اور چونکہ اس موضوع پر پیشینہ نمانی کا موازنہ اس و دیگر ایک سہولت حثیت رکھتا ہے اس لئے معنی نے کوشش کی ہے کہ

کتاب کے ساتھ خود مصنف اور اس کی دوسری تصنیفات کے متعلق ضروری معلومات کا اندراج بھی کیا جانا ضروری تھا۔ اگر اس کے دوسرے ایڈیشن میں یہ اضافہ کر دیا جائے تو اردو دان اور خاکسار لوگ جو قراؤن کی اہمیت اور اس کی تحریر کی خصوصیات سے ناواقف ہیں اس کتاب سے پوری طرح مستفید ہو سکیں گے۔ یہ کتاب چار ابواب پر تقسیم ہے۔ پہلے مقدمہ جس میں نفسیات پر بحثیں سائنس بحث کی گئی ہے پھر پہلا باب شروع ہوتا ہے جو خلیل نفسی اور نقیب خواب سے بحث کرتا ہے۔ دوسرے اور تیسرے ابواب میں تعجب خواب کی وضاحت کی گئی ہے اور چوتھا باب لازم اختیار کی گئی ہے وقت ہے۔ کتاب اگرچہ ایک نفسیاتی موضوع پر لکھی گئی ہے لیکن دوسرے تعلیم یافتہ افراد بھی اس کو بڑھ کر سمجھ سکتے ہیں۔ از قیس رامپوری، ناشر مہندسانی پبلشرز دہلی۔

## شیطان

اس ناول میں خیس صاحب نے یو۔ بی کے ایروں اور ڈیڑوں کی کمزوریاں، بے انتہا کی ہیں، نائنٹی امیروں کے خبا اور ان کی خود غرضیوں اور بد نفسیوں کو ٹھوسے عمدہ پیرایہ میں نمایاں کیا ہے۔ ساتھ ہی اس امر کی کوشش کی ہے کہ ایسے گھراؤں کی مسلمان خواتین کے علی گڑھ اور کو واضح کیا جائے۔ ناول کی ہیروین ایک علی گڑھ کے ایک ایسی پاکیزہ خاتون ہے جو اپنے خاندان کے ظالم اور خود غرض امیروں کے مقابلہ میں اپنی شرافت اور ایثار نفسی کا اعلیٰ ثبوت دیتی ہے۔

اس ناول کا پلاٹ بہت دلچسپ ہے اور کردار نگاری فنی نقطہ نظر سے قابل توجہ ہے۔ اردو کے جدید ناولوں میں امید ہے کہ اس کا کافی مقبولیت حاصل ہوگی۔

لکھنؤ کا دبستان شاعری از ڈاکٹر محمد ابوالیث صدیقی۔ صفحہ ۶۱۲۔ صفحات پر مشتمل ہے۔ دراصل سلسلہ یونیورسٹی علی گڑھ کی پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری کے لئے بطور مقالہ قلمبند کی گئی تھی، اور اب سلسلہ یونیورسٹی کی طرف سے وہاں کے

اور اس کے مرتب کرنے میں مولوی حسن الدین احمد صاحب نے بڑی تلاش و جستجو اور ملقب سے کام لیا ہے۔ بنگال کے مشہور و معزز خان بہادر عبدالرحمن جغتائی سے طویل کے ایک شعر کا نظمیں مرثعہ تیار کر کے اس کی زیب و زینت میں اضافہ کیا ہے اور خود امام الفن کی بڑی اچھی تصویروں میں بھی جمع کر دی ہیں۔ ایک تصویر ایسی ہے جس میں المصنعت سلطان الشعراء و ارشاد السلاطین حضرت بلبل و لون موجود ہیں۔ ایک تصویر ایسی بھی ہے جس میں حضرت بلبل کے ساتھ حیدر آباد کے عہد حاضر کے دوسرے مشاہیر شعراء مثلاً نواب مفتی ضیاء یار جنگ بہادر ضیاء، نواب عزیز یار جنگ بہادر عزیز، نواب تواب یار جنگ بہادر حسید، نواب قدرت نواز جنگ بہادر، نواب شہید یار جنگ بہادر شہید اور دیگر اصحاب اور جلیل صاحب کے خاندان کے افراد بھی شریک ہیں۔ اس مجموعہ کے مضامین میں کافی تنوع پایا جاتا ہے۔ نواب ہوش یار جنگ بہادر کا مضمون جو مائنشین امیر مثنائی کے عنوان سے شریک ہے بہت دلچسپ ہے حکیم الشواہد احمد حسن امجد کا قطع تاریخ بھی قابل ذکر ہے اور سال کے آغاز میں خود المصنعت سلطان العلوم کا ارشاد پایا ہوا وہ مادہ تاریخ و علت بھی درج کیا گیا ہے جو حضرت بلبل کے لوح مرزا پر کندہ کیا گیا ہے۔ دیگر مضامین میں حضرت بلبل کا رنگ نقوش و حکمت از غنی تہذیب ادب و ادب نظریہ حسن و عشق از نظمیں کاظمی صاحب اور حضرت بلبل کی اصلا میں از مونس احمد صاحب اچھے پایے کے مضامین ہیں۔

الاقرب مرتب نے مختلف اصحاب سے بلبل کے کلام پر مختلف پہلوؤں مثلاً غزل گوئی، نعت گوئی، تاریخ گوئی، غزلیات اور بعدی شعری رجحانات وغیرہ پر بھی کافی مفید اور چیرا زمعلومات مضامین قلمبند کر کے اس مجموعہ میں درج کئے ہیں۔ اس کی اشاعت سے اردو شعروں کی کتابوں میں ایک قابل ذکر اضافہ ہوا جس کے لئے مرتب قابل مبارک باد ہیں۔

از عبدالحکیم خان مددگار ناظم منکلات  
**مرقہ علم الصحرا** ملک سرکار عانی مبلوئے دارالطبع حیدرآباد۔  
 یہ کتاب حیدرآباد کے منکلات کے علم دوست ناظم

اپنی کاوش کے ذریعہ سے اس میں کچھ اضافہ کیا جائے اس کتاب کا آخری باب آخری دور کے لکھنؤی شعراء کے لئے وقف ہے۔ ان میں بعض ایسے شعراء بھی شامل ہیں جو ابھی زندہ ہیں اور ان کے متعلق اظہار رائے میں مصنف نے کافی بے باکی اور محسن ذوق کا ثبوت دیا ہے۔ کتاب کے آخری حصہ میں دو ضمیمے بھی شریک ہیں۔ ایک لکھنؤ کے بعض غیر معروف شعراء سے بحث کرتا ہے اور دوسرے کے ذریعہ سے لکھنؤی شعراء کے سلسلوں کو شجروں کے طور پر ظاہر کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں نہرست اخذات بھی شریک ہے لیکن اس کی سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ اس کے آخر میں کوئی اشاریہ درج نہیں کیا گیا ہے حالانکہ حقیقی کتابوں میں اس کا ہونا ضروری ہے اور اشاریہ کے ثبوت کے بغیر کتاب کی افادیت نصف کے قریب گھٹ جاتی ہے۔

**جلیل نمبر مجلہ عثمانیہ**  
 از حسن الدین احمد ایم۔ اے۔  
 امام الفن نواب فصاحت بیگلر بیگم  
 لکھنؤ کے دبستان سخن کے آخری بڑے شاعروں میں سے تھے اور المصنعت نصف جاہ صالح سلطان الشعراء کے استاد ہونے کی حیثیت سے ان کا رتبہ عہد حاضر کے اساتذہ کبار میں بہت بلند تھا۔ ان کی وفات کے بعد سب اب تک اردو زبان کے مختلف رسائل و جرائد نے ان کے متعلق ایسے ایسے خاص نمبر شائع کئے ہیں لیکن طلباء کا مجموعہ عثمانیہ کے ترجمان قلم عثمانیہ کا زیر نظر شمارہ جو تقریباً چار سو صفحات پر مشتمل ہے اپنی گونا گوں خصوصیات کی وجہ سے ان تمام خاص نمبروں پر فوقیت رکھتا ہے اور اردو ادبیہ کے یہ بچائے خود حضرت جلیل پر ایک مستند کتاب ہے جو آئے دانی سلوں کو حضرت جلیل سے متعلق ان کے معاصرین کے افکار و آرا کا ایک بہترین ذخیرہ ثابت ہوگی۔ اس مجموعہ میں چالیس سے زیادہ مضامین نظم و نثر شریک ہیں جن میں سے اکثر و بیشتر ایسے اصحاب کے لکھے ہوئے ہیں جو جلیل سے ذاتی طور پر واقف تھے اور جن کی قلمبند کردہ معلومات اور خیالات آئندہ حیات جلیل کے مرتب کرنے میں مدد و معاون ثابت ہوں گے۔ یہ مجموعہ بالقویہ رشایا ہوا ہے

دکھائے گئے ہیں۔ یہ فرہنگ بہت ہی مفید اور ضروری تھی۔ اس کے مطالعے سے عوام بھی یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ ہمارے ملک کے معمولی و فحشوں مثلاً جاس، آدم کشی، بھلاؤں، بیل بھیل، پلاس، پاگرہ، دھتورہ، زربٹ اور دیتا بھیل وغیرہ کے فنی اصطلاحی نام کیا ہیں۔

اس کتاب کی زبان میں دقت زبانی زیادہ پائی جاتی ہے اور جگہ جگہ مقامی لب و لہجے کا اثر نمایاں ہے۔ لیکن ان نقائص کے باوجود یہ کتاب اردو دنیا کے لئے ایک غیر معمولی نعمت ثابت ہوگی۔

از ڈاکٹر عبدالمعید خان۔ ناشر  
**تاریخ زبان عربی** اور ادب و اشاعت علوم و فنون میں زیادہ۔ یہ دو صفحہ کا ایک مضمون ہے جس میں عربی زبان کے لسانیاتی ارتقاء پر نظر ڈالی گئی ہے اور مختلف زبانوں مثلاً عہد جاہلیت، عہد اسلامی، عہد اموی، عہد عباسی اور اس کے بعد سے اب تک اس زبان نے جو ترقیاں یا تبدیلیاں حاصل کیں ان کو جمال کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ یہ موضوع ایسا ہے کہ اس پر ایک بہت بڑی کتاب بھی لکھی جاسکتی ہے اور ضرورت ہے کہ لکھی جائے۔ اس کتاب کے آخر میں ائمہ اور اسما کے دو مختصر اشاریے بھی شریک ہیں جو اس کی افادیت میں اضافہ کا باعث ہیں۔ توقع ہے کہ ڈاکٹر عبدالمعید خان صاحب یا عربی کے کوئی اور فاضل اس موضوع پر آئندہ ایک مسموط کتاب لکھ کر موضوع کی اہمیت کا حق ادا کریں گے۔ بحالت موجودہ یہ چھوٹی سی کتاب بھی اپنے اندر کافی افادیت رکھتی ہے۔

مولوی سید عبدالواحد صاحب کی تحریک پر لکھی گئی ہے اور اس کے آغاز میں انھوں نے ایک پیش لفظ بھی لکھا ہے۔ کتاب کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے مرتب ایک واقف کار اور صاحب ذوق عہدہ دار ہیں۔ انھوں نے اپنی کتاب کو پانچ بابوں میں تقسیم کیا ہے اور ان سے پہلے ایک دیباچہ لکھا ہے جس میں اس امر کو خوبی کے ساتھ واضح کیا ہے کہ محض قومی دولت ہوتے ہیں اور ان کا وجود زندگی کے لئے لازمی ہے پہلا باب تربیت صحرا کے لئے وقف کیا گیا ہے اور یہ کافی طویل ہے۔ اس میں دفتوں کے اٹھانے کے طریقے اور اصول بہت عمدہ پیرایہ میں بیان کئے گئے ہیں۔ دوسرے باب میں صحرا کے مصروف سے بحث کی گئی ہے اور یہ سمجھا گیا ہے کہ صحرا کی پیداوار کتنی قسم کی ہوتی ہے اور اس کا استعمال کن کن طریقوں سے ہوتا ہے۔ تیسرا باب فن تعمیر کے عنوان سے لکھا گیا ہے، اور اگرچہ فنون مناسب نہیں ہے تاہم اس کے تحت یہ دکھایا گیا ہے کہ جنگلوں میں ٹرکیں کہاں کہاں اور کس قسم کی بنائی جائیں، اور ان کے ذریعے سے صحرا سے کس طرح استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ اسی سلسلہ میں عمارتوں کی تعمیر ان کی داغ و بڑی اور ان سے متعلق مختلف اجزاء کا اندازہ اور وزن وغیرہ سمجھا گیا ہے چوتھا باب دراصل دفتری ضروریات سے متعلق ہے اور اس میں صحرا کے تواین، اضلاع اور دستور العمل وغیرہ میں کرد وئے گئے ہیں۔ ان سے نہ صرف اس حکم کے ملازم استفادہ کر سکتے ہیں بلکہ وہ لوگ بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں جن کو صحرا سے کسی کسی طرح کا تعلق ہوتا ہے۔ پانچواں اور آخری باب صحرا سے متعلق متفرق معلومات پیش کرتا ہے۔ اس میں اوزان اور پیمانوں کے ضابطے، لکڑیوں وغیرہ کے نرخ نامے، حفظان صحت اور دیگر توجہات شریک کئے گئے ہیں۔ آخر میں ایک ضمیمہ ہے جو دراصل ایک فرہنگ اصطلاحات ہے جس میں انگریزی فنی اصطلاحوں کے اردو مترادفات



## ادارہ ادبیات اردو کی کتابیں

نمبر	نمبر	نام کتاب	نمبر	نمبر	نام کتاب
۴۰	۲۸	سج کا جادو	۲	۱۲۸	سرگزشت حاتم
۸۰	۶۸	طہیمائی کالافات	۸۰	۹۴	سرگزشت غالب
۱۲۰	۱۲۳	مقام سخن	۶۰	۴۰	نظام الملک
۱۲۰	۱۲۲	کیف سخن	۸۰	۳۳۰	قاریخ گولندہ
۱۲۰	۱۲۷	بادۂ سخن	۱۰	۱۶۰	ریڈیو نمبر (۸ تصاویر)
۱۲۰	۱۵۲	سراج سخن	۱۲۰	۱۲۰	ارمغان جذب
۱۲۰	۱۳۰	ایمان سخن	۴۰	۴۸	سونیلی مان
۱۲۰	۱۳۴	فیض سخن	۲۰	۱۶	سر سید احمد خان
۵۰۰	۵۰۰	موقع سخن جلد اول (۵۵ تصاویر)	۶۰	۴۸	سر سالار جنگ
۵۰۰	۳۲۲	دوم (۵۰) "	۳۰	۱۲۵	عربی تصانیف کے اردو تراجم
۱۰	۱۷۵	نقد سخن	۴۰	۱۳۲	معجزہ کی چھاؤں
۸۰	۲۳۸	نذر ولی	۴۰	۲۶۸	اقبال نمبر
۱۰	۱۹۲	گریہ و ہنس	۱۰	۱۱۲	سائنس کے کرمے
۱۰	۱۸۳	مقامی قندھار دکن	۳۰	۲۳۰	شعراۃ عثمانیہ
۱۰	۱۳۵	میں کی دنیا	۸۰	۳۰۰	مکتوبات شاد عظیم آبادی
۸۰	۱۹۶	مدرس میں اردو	۲۰	۱۶	دہلا بھالی
۱۰	۱۱۲	مہم نام	۲۰	۲۰۰	اردو نام
۳۰	۱۵۳	نذر دکن	۱۰	۸۵	حیدر آباد
۸۰	۱۳۰	روح غالب	۶۰	۴۰	عماد الملک
۳۰	۲۰۰	عامہ	۶۰	۵۶	اردو دانی کی پہلی کتاب
۶۰	۵۶	دہتری معلومات	۶۰	۵۶	دوسری کتاب
۶۰	۴۸	آبدوز نگیناں اور سرنگ	۲۰	۲۰۰	محمد حسین آزاد
۱۲۰	۱۳۲	اردو مقلوبی کا ارتقاء	۴۰	۱۳۰	مذکر کی فانی
۸۰	۲۱۶	نمود زندگی	۱۲۰	۹۲	فن تعمیر
۱۲۰	۳۰۰	سرگزشت ادارہ	۱۰	۱۳۲	محمد امین تاریخ دکن
۸۰	۳۱۲	میر محمد مومن (۲۳) تصاویر	۸۰	۱۳۰	ہندوستانی تمدن
۳۰	۳۲	بقا	۱۰	۸۰	یورپ کی کہانی
۱۲۰	۱۱۳	خطبات	۱۰	۱۰۰	میں نما
۱۰	۱۵۰	علم خانہ داری	۶۰	۴۸	پانی کی کہانی
۸۰	۱۱۸	چٹوٹی (۱۶) تصاویر	۸۰	۳۹۰	رسائل طیبہ
۸۰	۱۶۸	انوار	۴۰	۴۰	حکمت گوہرین
۱۰	۸۰	نقش مانی (۴) تصاویر	۸۰	۱۷۲	قاریخ ادب اردو
۳۰	۱۲۸	کارسان دقاسی	۸۰	۵۶	اشوک اعظم
۱۰	۱۶۸	رات کا پہلا	۱۰	۸۴	پانہیں
۳۰	۲۳	سکندر جاہ	۸۰	۲۱۸	یورپ جنگ سے پہلے
۸۰	۵۲	بلاشب	۸۰	۱۷۹	شہنشاہ
۸۰	۲۰۰	ادارہ سلم ۱۹۳۱ء میں	۱۰	۱۰۲	اریائی زبانیں
۳۰	۲۳	ناصر الحق	۳۰	۳	ظام علی خان
۴۰	۳۲	افضل الدولہ	۵۰	۳۵۰	مذکر اردو مضبوط جلد اول
۴۰	۳۲	نواب میر محبوب علی خان	۱۰	۵۶	عرب اور عربستان





سبیل







# ادارۂ ادبیات اردو حیدرآباد دکن کا ماہنامہ

زیر نگرانی  
ڈاکٹر سید محی الدین قادری  
مجلس ادارت  
خواجہ حمید الدین ایم اے  
سکینہ بیگم

## سب سے

نشان ٹیپ اسٹیمپ ۱۵۲  
نشان ٹیپ بریل نیم ۲۹۵  
ٹیلیفون نمبر ۲۲۰۹  
چند سالانہ پارکے پڑھ آئے  
بچوں کا سب سے ایک دیکھ لکھ

شمارہ ۱۰

بابت ماہ اکتوبر ۱۹۶۶ء

جلد ۹

### فہرست مضامین

۲	نجمہ سمیع	۱	نیا ہندوستان
۵	یاسین (حیدر آبادی) کلیہ اثاث	۲	غریب کا دل
۹	سعیدہ سلطانہ	۳	گھر کے جنگلات
۱۱	فرخ جاوید	۴	فیض بخا
۱۲	شری یاجن	۵	خواتین کے مسائل
۱۵	پروفیسر عبد المجید ایس ای کالج (بھادپور)	۶	جوان سے انسان تک
۲۰	سید محمد بیدی	۷	بہمنیہ دھرم میں زراعت تجارت کی ترقی
۲۵	ابوالفضل العباس ایم اے کنگر فار العلوم کالج	۸	عربی ادب عہد بنی امیہ میں
۳۳	پروفیسر منظور حسین شوریہ ایم اے	۹	محبت (نظم)
۳۴	محبوب حسین بگری ایس (عثمانیہ)	۱۰	مہر و مہر و انجم (فائدہ)
۳۷	احمد ظفر (راولپنڈی)	۱۱	عشقل
۳۸	احمد ندیم قاسمی بی اے	۱۲	عشقل
۳۹	سہام مرزا	۱۳	سوز و دل (فائدہ)
۴۰	محشر نقوی	۱۴	نور محمد قلی قطب شاہ (غزل)
۴۹	جبریل	۱۵	خفاہ (نظم)
۵۰	نواب مرزا سیف علی خاں	۱۶	نئی کتابیں
۵۱	تس "ق"	۱۷	نقد و تبصرو
۶۳۱۵۶	ادارہ	۱۸	ادب کی خبریں

خواجہ حمید الدین ایم اے کے اہتمام سے دستگیری میں چھپکر دفتر ادارۂ رنزل زیر نگرانی شائع ہوا

# نیا ہندوستان

آسمان پر شعلوں کی گئی ایسی ہی شعلوں، بلکہ اس  
 کثیر زیادہ نہیں زمین پر گلی ہوئی تھی۔ سرکوں پر ہندو  
 نزاروں سے گزرتے ان ٹول کا خون، شعلوں سے زیادہ  
 نکلیں تھا۔ جگہ جگہ خون کے دھبے اور ان کی اعضا، اسے  
 کھٹے ہوئے ٹکڑے کے کچھ بے نظار پیش کر رہے تھے جنہیں  
 دیکھ کر اس سے بڑی مونی حواسیت پر آنسو بہانے لگی  
 چاہتا تھا۔ کیا یہ جنوں کی دیکھ بڑھاؤ غلط نہیں ہے؟  
 ان سرکوں پر جمی ہوئی انسانی لاشوں کو دیکھ کر تعجب اور  
 انہوں میں بڑا کہ کیا ایک جہی دوسرے جہی کو اس  
 جہاں سے لے کر نکلتا ہے۔ اور کیا کسی بھی  
 انسان سے لے کر انسانی نہیں لے کر انسانی ہے؟  
 جنات کے لئے کیا جہاں ہے؟ جنات کو انسانی جہاں کے  
 وہ ٹکڑے جو جناتوں کے لئے تھے۔ ان کے لئے کیا جہاں  
 ہے؟ یہ بھی وہ آتے اپنے ہی جہاں کے وہ ہیں جنہوں  
 سے انہیں نہیں رہتا۔ یہ اس دنیا کی کیا ہے؟ انہیں  
 انہیں انہیں کہتے عربت کا مکان نہیں کرتی ہیں۔  
 پھر یہ انسانی کیسی ہے؟ یہ سنہی ہے یا یوں پلے کیا؟ کیا  
 اپنی طاقت، اپنے ہی باپوں اور سرور کے برابر ہے؟  
 اس کو وہ بڑی بڑی مصروفیتیں ہیں، ان کے جواب  
 بے غور ہوئی ہیں۔ یہی ہوئے ہوئے ہیں۔ یہی سرور  
 دے گی؟ وہیہ سے لے کر ان کے لئے ہو گیا ہے  
 ناچناؤں والی بھی یہی ہے اور وہ رہ کر اس میں دلاتا  
 ہے۔ نا، اپنے ہی جہاںوں کے لئے، یہی ہوئی ہوئی  
 انسانیت ہو رہی ہے۔

یہ مختصر داستان اس بار دراز کے ہے جو  
 دقت تک دو بڑی قول کو ان کی غلط کاریوں سے روکنے  
 کی کوشش کرتا ہے۔ اور جس نے وہ تپہ سے ہوئے ہمارے  
 کے درمیان صلح و محبت کا پرچم لہرانے کی کوشش کرتے

ہوئے ہاں دی۔ وہ غلط قوت سے ان کے لئے خود بخود ہو گیا  
 اس کے یہ ہمارے شعلے ہوتے رہے گا۔ اس کا معصوم عقول  
 کبھی فائدہ ہو گا۔ بلکہ انہیں جس کی ہر جگہ پر وہیں وہ چپے  
 کا پھولے گا اور پروان چڑھے گا۔

بزرگ روز حالات بڑا تر ہوئے تھے۔ ان کے کوئی ان  
 ایسا نہیں گزرتا جیکہ اس کی دوا نہیں ہے۔ انہیں ہر  
 سے نالہ کو فریاد، آہ و فغان کی آواز میں بلند تھیں۔

ملکوں اور شاہراہوں پر لاشوں کے ڈھیر تھے۔ بڑی  
 اور مردہ انسان سب ایک دوسرے پر عجیب سے کسی کھال  
 میں پڑے رہتے۔ ان اسی قسم کی لاشوں میں لڑ جاتا  
 رات ان تباہ کاریوں کو اپنی لاشوں کی میں نہ کر رہی تھی

اور یہ زیادہ سے زیادہ تھیں۔ ان کے لئے کسی  
 ہر ایک لاش کے اس وہ رنگ، ان کے خون، ان کے  
 اور یہ سرور میں ان کو دیکھنا ہے۔ انہیں ان کی  
 حالت پر نہ ہوتا۔ ان کے لئے یہاں سے ان کے لئے  
 وہ مسلمان وہ لڑا ہوا ہے۔ ان کی لاش کو دیکھ کر  
 بھی اس کے لئے یہ عجیب ہے۔ ان کی سرور میں لاش کو دیکھ کر  
 ہی ہو۔ وہ چاہتا ہے کہ وہ لڑا ہوا ہے۔ ان کی لاش کو دیکھ کر

عجیب اور مسرت وہ ہوتا ہے۔ ان کے لئے یہاں سے ان کی  
 کے لئے اس کے لئے وہ لڑا ہوا ہے۔ ان کے لئے وہ لڑا ہوا ہے  
 ان کے لئے وہ لڑا ہوا ہے۔ ان کے لئے وہ لڑا ہوا ہے

عربی اس کے لئے وہ لڑا ہوا ہے۔ ان کے لئے وہ لڑا ہوا ہے  
 کے لئے وہ لڑا ہوا ہے۔ ان کے لئے وہ لڑا ہوا ہے  
 کی طرح وہ لڑا ہوا ہے۔ ان کے لئے وہ لڑا ہوا ہے

نہ انکار نہیں ہوا تھا۔ ان کے لئے وہ لڑا ہوا ہے  
 واقعات ہوئے۔ بلکہ ہندوستان کی لڑائی ہے۔ ان کے لئے  
 بھائیوں کی خدمت کے لئے تھا۔ اور ان کا مشن تھا اپنے

غریب اور لڑا ہوا بھائیوں کی خدمت۔ وہ بلاتکلیف  
 غریب سب رنجیوں کی تباہی خدمت کے لئے اور انہیں  
 کی زیادتی سے مرہبانے والوں کی لاشوں پر آنسو بہاتے



اور سلمان تلواروں نے پھنسی کر دیا۔ وہ منہ کے بل لاشوں  
گر پڑا اور وہ دل جو دونوں جانتوں کی محبت میں ایک ہی  
طرح سے دھڑکتا تھا۔ ہر شے کے لئے ٹھنڈا ہو گیا۔ وہ انیس  
جودہ نولہ جانتوں کی تباہی پر کیاں آنسو بہاتی تھیں  
ان ہی کے ہاتھوں زندگی کا نور کھمبے لیں۔ اور وہ بہادر  
ہاتھ جودہ نولہ جانتوں کی خدمت کرتے تھے ہر شے کے لئے  
بلے جان اور مرد ہو گئے کران تمام لاشوں کے درمیان  
پڑی ہوئی وہ بہادر لاش اب بھی طوحت کا سستی دیری  
تھی۔ چاروں طرف سبز لہو سپرہ تھا۔ اس بچے سرخ  
خون میں ترکی ٹوٹی اور گاندھی کیپ ڈوب گئی تھی اور  
دور — افق کی منسو سے سرخ سویرا جھانک رہا تھا۔

سجملہ سمیع

اس طرح جو تھا کہ اسے بلوائیوں کے پیچھے کی خبر اس وقت  
ہوئی جبکہ وہ اس کے نقل و حرکت پر پہنچ گئے تھے۔ زرد  
چہروں کا ایک جھوم جن کی صورتیں دیوانہ کی ہریت اور  
خونریزی کی ہوس سے انتہائی بھیاںک ہو گئی تھیں۔  
سروں سے بندہ جھٹکا تواریں، برچیاں اور لاشیاں  
اور تباہی چھانے کے لئے بیقرار تھے۔ یکایک دوسری  
سمت سے اسی طرح کے چہروں کا ایک طاعن انہو جگتی  
ہوئی تلواروں اور لہرائی ہوئی لاشوں کا ناچنا ہوا  
انہو — بے تحاشہ دوسرے گروہ پر ٹوٹ پڑا اور وہ  
لاشوں پر نئی لاشیں پھینکیں۔ بیدہی سے قتل کرنے والوں  
نے تھیل کو بھی کھیر لیا اور ایک ساتھ اس کے سینے کو ہندو

جولائی و اگست ۱۹۲۶ء کے مشترکہ سبکس میں سمتان دوم کڈا کے مضمون کے تحت صفحہ (۶۶) پر ۱۳  
میں سو بیٹور اور کی بجائے سہو را بیٹور اور اوچھپ گیا ہے۔ جب تصحیح فرمائی جائے۔  
اور

تصحیح

من کی دنیا :- حیدر آباد کے نوجوان افسانہ نگار رشید قریشی کے افسانوں کا نفیس مجموعہ ہے۔ افسانوی ادب سے  
آرہ و گئے ادب سے دلچسپی رکھنے والے اور ترقی پسند نظریوں کے پرستاران افسانوں کے مطالعہ سے ضرور غفلت ہو گئی  
جو اسباب اور وہ کے جدید ترین افسانوں کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں وہ اس نوجوان مصنف کے ان پرکیت افسانوں سے  
ضرور مطلقانہ متاثر ہوں گے۔

صفحات (۱۶۰) قیمت مجلد (ع)  
ملنے کا پتہ :- سبکس کتاب گھر ادارہ ادبیات اردو رفعت نزل  
خیرت آباد - حیدر آباد و کن

# غریب کا دل

اے ایک ٹھونڈی پانی باریچے نے کراہتے ہوئے کہا۔  
اس آواز کے ساتھ ہی سلیمہ تڑپ کر اٹھی ایک پیالے میں تھوڑا سا پانی ڈالا اور پیچھے کے طبق میں دھیرے دھیرے پچکا یا۔  
بچے کی تعلیم اور بے چینی اس سے کچھ نہ تھی اس کی آنکھوں میں آنسو چمک آئے اور اس کا دل کسی معلوم خوف کی وجہ سے دھڑکنے لگا آج سترہ دن ہوئے کہ اس کا بچہ ہیکل خانہ میں مبتلا تھا۔ دو ایک کون پوچھے یہاں تو ضروریات زندگی کے کام لے رہے ہوئے تھے۔ اور پھر دیہات کا مقام جس جہاں عظیم اور ڈاکٹر نامیاب ہوتے ہیں اور جو ہوں تو ان کی زبردستی کب انہیں اتنی اجازت دینی ہے کہ غریبوں کا مفت علاج کریں اس میں شک نہیں کہ شہروں کی نسبت دیہات میں انسانیت اپنے کامل عروج پر پہنچ رہی ہوتی ہے۔ سادہ لوح لیکن ہمدرد و پُر دوسی ہر روز پیچھے کی تیار داری میں ایسا ہی حصہ لیتے جیسے وہ ان کا اپنا ہی بچہ ہے۔ لیکن صرف ہمدردی ہی اسے گرم نہیں کرتی ہوتے نہیں تو یہ ملک کس ہسپتال انکس مرض کی دوپہا سب کی بھی تحفہ رائے تھی کہ بچے کو شہر لجا کر وہاں کے ہسپتال میں شریک کروایا جائے۔ سلیمہ بڑی الجھن میں تھی۔ شہر کے ہسپتال میں کیسے شریک کروائے۔ بیماری اور مطلقے کے اس اہم معاشی مسئلہ کو وہ کیسے حل کرے۔ یہ اس کے دماغ سے باہر تھا۔ وہ ابھی اسی دسویں میں تھی کہ اس شہر سے کوئی کمال اور کڑا رام داس نامی آئے ہیں۔ ہر قسم کے نہر کے بخار کا علاج کرنے میں انہیں خاصی مہارت ہے۔ اور ان کا مکان بھی کوئی دور نہیں جی چار پانچ میل کا فاصلہ ہوگا چار پانچ میل کا فاصلہ دیہات والوں کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ اس فرحت افزا خبر کو سن کر اس کو کتنی مسرت ہوئی اس کا انداز صرف وہی لگا سکتے ہیں جنہیں خود بھی کبھی اس قسم کا تجربہ ہوا ہو۔ امید کی ایک ہلکی سی کن

اس کے دل میں پیدا ہوئی۔ اور وہ خوش آمد تزیلات میں کھو گئی۔ اس کو یک گونہ اطمینان قلب حاصل ہو گیا۔ تمام رات گزری لیکن بچے کی بے چینی بے قرار رہی۔ وہ رات بھر گریں بدلتا رہا۔ آہ! مصدم تو کتنی غلیظ! اس نے زندگی کی ابھی صرف تین ہی بہاریں دیکھی تھیں۔ آج سلیمہ کو وہ رات رہ رہ کر یاد آ رہی تھی جب کہ ذہیم اب کی طرح بیمار تھا۔ اس کے سر میں سخت جوش آئی تھی۔ اس وقت قاسم زندہ تھا۔ باریجات کو ان دونوں نے مل کر کس طرح پال لیا تھا۔ کیا ہی بوجھ کیوں نہ ہو اس کو جب وہ آدمی مل کر پائٹ لیتے ہیں تو وہ کہتا ہوں کہ جو جانا ہے۔ آج پڑیشا کی کے باوجود بھی وہ ایک دوسرے کو تسلی دیتے۔ جب کبھی سلیمہ مانتا سے مجبور ہو کر زار و فطارتوں سے تھی تو تین اسی وقت قاسم اس کی گریہ و زاری کو اس کے خدا پر ایمان اور اعتقاد و کمال کے فقدان پر محمول کرتا۔ عورت کے لئے اس سے بڑھ کر اور کوئی سزا یا نہ نہیں۔ سلیمہ فوراً اپنے ہوش میں آجاتی۔ اور بارگاہ الہی میں ٹھٹھوں سر بسجود ہو کر عافیاں اٹھا کرتی۔ لیکن آج ————— آج ————— وہ تنہا تھی۔ اس کا دنیا میں سوائے اس بچے کے اور کوئی نہ تھا۔ آج ایسے ماضی کی ساری باتیں دھیرے دھیرے یاد آ رہی تھیں۔ وہ سوچ رہی تھی کہ میری قسمت ہی میں شاید دکھ لکھا ہوا ہے قسمت کے کچھ کو کون کیا کرے۔ پیدا ہوئی تو ماں کی موت کا فوجی لائی۔ اور ان کے بعد بچے کی زندگی سوتیلی ماں کی موجودگی میں کس عذاب میں گزرتی رہتی ہے وہ ال نظر سے پوشیدہ نہیں۔ دنیا بھر کی تکلیفیں ہیں۔ مظالم برداشت کئے۔ اب دو سال ہوئے فوراً سکون نصیب ہوا تھا کہ زندگی نے بھر ایک پٹا کھایا۔ کرائی زندگی کے بارے میں ہمارا کچھ نہ آئے ہوئے ابھی میں بس مجھ کو گزرنے والے تھے کہ شہر میں طاعون کی وبا پھیلی اور اس شدت سے لگا پڑا کہ دس دس جڑے ہر روز ایک ایک محلے سے غلطے۔ آہ! یہ قاسم بھی اسی خوش ویا کا شکار ہو گیا۔ اور میری

ہندوستان کا معاشی سوال کبھی نہیں تھا۔ ایک نے تو علانیہ سامنے ہی زس بے مخاطب ہو کر (انگریزی میں) اس کی ہیئت کذا فی، مغلطی اور اس کے اپنے ساتھ لے بیٹے کے لئے مصرعونے پر ہایت ہی نرلیفانہ انداز میں خوب خوب مغلطہ اڑایا۔ اور اس پر زس کے فلک شگفتہ خستہ ہو کر ہانگ کا فادر کرے تھے۔ یہ ایک مسئلہ بات ہے کہ ان کی بھر دی پہلے جنہوں سے زیادہ غریبوں سے وقت ڈولا ہے زیادہ دولت مندوں سے ہوتی ہے۔ ان کے کس کوک

ہی کے لیے خوب کہا ہے سے  
ہوں جس نے جب میں خند نہ کی تھے  
کریں مائل وی فرسوں کی نیر نیاں؟

جی بھاری، **مغلطہ** ملی کیسے اس کلیہ سے سنستی ہو  
کتنی سنی۔ اس نے بھی وہی کہ بوس کے جو پندہ کرتے ہیں سلیم  
دول اس بدروی سے پاش پاش ہو گیا۔ جبکہ وہ انگریزی  
زبان کی بھی لیکن یہ بدیور پہچانی ہی نہ سکتی تھی۔ وہ ایک تیار  
شہس کی بہتوں قیاد شاس کچھ سلیم ہی پر سو وقت ہیں  
برہندوستانی عورت بہتر قیاد شاس ہوتی ہے کیونکہ  
وہ ایک ایسے احوال میں رہتی ہے جہاں ہر وقت اسے  
نہانے کے تیور چھپانے ہوتے ہیں۔ لیکن اس پر بھی سلیم  
نہ نہ باری۔ ایک مرتبہ وہ پھر رام داس کے ہاں ہی  
لیکن بھاٹک کے اندر داخل ہونے کے قبل ہی دربان نے  
روکا اور علانہ لہجہ میں پوچھا۔ کون ہے؟ اور پھر سلیم  
کو دیکھ کر مغلطہ کرنا انداز میں (اسی حالہ) آپ کس واسطے  
یہاں تشریف لائی ہیں؟ آؤ ڈاکٹر صاحب کے پاس کی  
ہو۔ بھالار۔ رکھو ایک جی۔ ہم نصیر علی ڈاکٹر صاحب  
تک پہنچے تھے ہیں۔ دیکھتی ہیں ہو کتنی بولہ ہے۔ اسی  
بیمار میں سے فیس کرا جائے آسان کام ہے؟  
سلیم نے ان ان نیت موز سوال سے کوئی جواب  
نہ دیا اس کی آنکھوں میں اپنی مغلطی اور بجا نہ تم کی تصویر  
چمک کئی۔ آنکھوں میں آنسو بھرائے۔ مگو گریہ واز میں جواب

کتنی حیات کو حادث کے منہ باریں چھوڑ کر مصائب و آلام  
کے طوفان کا مقابلہ کرنے کے لئے تنہا چھوڑا۔ اس کو  
اولاد کو کتنی تساعی؟ لیکن ابھی وہ عہد کی زندگی کی ایک  
بہاری دیکھنے نہ پایا تھا کہ موت کی پہلے کن وادی میں  
سو پوٹ ہو گیا۔

نیر کی پرورش کس طرح ہوگی اور عہد کا بیکون اٹھائے گا۔  
یہ دو سوالات سے جو سلیم کو غمناکوں پریشان کرتے۔ لیکن  
سلیم ایک عورت تھی اور عورت معبر و استعجال کا دامن  
آزمنہ بھی نہیں چھوڑتی۔ اپنی کھاتیت شادی اور غریب کی  
سے ہی۔ وہ اپنے بچے کی حیات کو ریل مراؤ تک پہنچانے  
کے لئے ہمیشہ کوشاں رہی لیکن اس بیماری سے اس ہلکا  
خمار سے اس کو کس طرح بچاتے۔ یہ اس کے بس کا روٹ نہ  
تھا۔ وہ باری میں تو رہے پیسے ہی سے کام چمنا ہے۔  
دیہات کے خوش پریش اور غلامانہ زبواڑوں کی رائے سنی  
کندیم کو ڈھنگا ہو گیا ہے۔ اسے تھری غدا زوداڑ دوا  
اور کیل شام کی سخت ضرورت ہے اور اسے شہر کے کسی  
بڑے ہسپتال میں شریک کرنا ناچاہیے۔ لیکن سلیم عجیب تھی  
وہ کیا کہے۔ عام بیماری دوا کی لہ پروالی سے وہ  
جونی واقف تھی۔ اور ذاتی طور پر ضرور کہے علاج کروانا کسی  
امکان سے بہرہ۔ ایک مکان اور تیز زبورات اس کی  
کل کائنات تھی۔ مکان کو تو قریب خواہاں کے تقاضے سے  
تنگ کر کے کرسی ہی نظام کر دیا تھا۔ اور زورات وہ بھی  
یونی ٹنگ تھی کا فادر ہو گئے۔ اب اس کے پاس اگر کچھ تھا تو  
عقیدت کے پندہ۔ اور عاجزانہ التجا میں محبت کا پھر کیوں۔  
رام داس کی شہرت سن کر وہ بھی رام داس کے ہاں  
گئی۔ لیکن دانے بھری باہر دفعہ ہی جواب ملا کہ ڈاکٹر صاحب  
گھر پر نہیں ہیں۔ جی بھائی باہر گئے ہیں اور جلد واپس ہو سکی  
تو قریب ہیں؟ وہ اور بھی دو تین ڈاکٹروں کے پاس گئی لیکن  
سبھوں نے وہی ٹانگا جواب دیا جیسی کہ آج کل کے ڈاکٹر  
اور عیبوں سے تو قریب ہے۔ یعنی وہی فیس کا مسئلہ اور





جس کے لئے اس نے دنیا کے سید و اندام ملا ہے تھے اپنے ہی خزانہ  
 کی معین ملے ہی تھی۔ آہ وہ جاہل تھا اس کی زندگی کا آخری تہا  
 شوہر کی موت کے بعد عورت کی زندگی کا آخری سہارا اس کی اولاد  
 ہوئی ہے اگر عورت اس کو بھی کھودے تو وہ خود کشتی میں ڈرے گا تو اور  
 کیا کرے اس کا جس کی موت کے بعد اس کے ساتھ رہنے والے لوگوں نے  
 جب بار بار اس کی تصویر ہم کی طرف منظر کشی کر دی تو وہ اپنے شوہر  
 نہیں آئی تھی اور بے اختیار ہوا اس سے پٹ کر اتار دئی کہ عرض  
 والے بھی کچھ نہیں کر رہ گئے ہوں کہ لیکن آج وہ کس کے لئے  
 نہ رہے کیا دنیا کے لئے؟ اس دنیا کے لئے جس نے اسے ٹھکرا دیا  
 تھا جس نے اس کو کھد کیا اس اپنی زبان کے تر و تیز چبھا چھا کر کہ  
 بھی افسانہ کیا تھا جو اس کے شوہر اور بچہ کی موت کا باعث اسے  
 بطور بیوی ہو۔ وہ سو سالی کے امونوں سے واقف تھی جس کی  
 لاشی اس کی کہیں "فصا میں ایک ولد و ترنجہ لند ہوئی۔ جزا  
 غلام ساج پر ایک طنز تھا۔ آہا ہا ہا میرے لال! تو بھی مجھے بھڑک  
 چلے گئے؟ اچھا! بہت اچھا! اور تمہارے باپ اس کے لئے رہتے  
 گھر اور قیاس میں بھی تمہارے پیچھے آتی ہوں۔ یہ کہہ کر وہ ایک نور  
 کے سامنے آئی امون کی رفتار سے تیزی لیکن سلیڈ کے دل کی  
 رفتار اس سے نہیں زیادہ تیز تھی۔ ڈاکٹر نے کئی ایک بات کہی  
 آخر میں شمس کوئی پر تازہ بھری ہے یا قصاص کھینچ کے لائی ڈ  
 گھٹنے چہرے ہاتھ دیر ہا ہوں شمس کی ہیں مرنے پر تیز  
 کھا کر نہیں کیوں کو تو لائی کے چندے میں چھپاتی ہے۔

موت پر بیٹھنے والے مضمرات سے جو یہ غور و غفلت کر  
 جھاٹھا اور ڈاکٹر بیور سے کہا۔ چلا اور مجاہد تم میرے ڈر وک اور  
 پہلے دستے کے بیوقوف ہو۔ اگر اسے اپنی جان کی پروا ہوگی  
 تو غوری ہٹ جائے گی۔ عمو! عمو! بہت سخت جان ہوئی  
 ہیں تو مجھے لگتا اس کے جوٹ بھی خدائے ہی۔ لیکن انوس کدان  
 کی پیشین گوئی غلط ثابت ہوئی۔ اور اس بیمار کی روح پیچھے  
 کے ایک زوردار تھا وہ کس ساتھ ہی نفس غصہ سے پروا رکھتی  
 اس میں قوت ہی کیا تھی۔ سلیڈ فادائشی اور سوئے پر سہا کہ  
 بچے کی بیمار داری اور ریشائی اور اب ایک ہلکی ضرب بھی  
 اس کے برابر زندگی کا تار کر کے کو کا فی تھی۔ وہ اس بائی نے ہم  
 دنیا سے جا چکی تھی۔ اپنے معجزاتی کے پاس۔ سلیڈ فادائشی کہ  
 لئے۔ اس دنیا میں کسی دیکھا غریب کی موت بھی سرمایہ دارانہ  
 کے لئے ایک نقصان ہے۔ وہ اپنے معجزہ سے اس نا انصافی اور ترم  
 غلو کر کے کی جنگ میں صاحب کے ساتھ ایک سیم صاحب بھی شریعت نوا  
 تھیں جو جتن کی دلفراڈ اس کے ساتھ تھا۔ آہ امانی کا ڈاکٹر

سوچ رہا تھا کہ یہ پیشہ روزی کمانے کا فائدہ ہونے سے نہیں زیادہ غلو خدا کی خدمت اور ہمدردی کا ہے۔ حال ہی میں میری ایک سہیلی نے  
 مجھے سنا تھا کہ میں سہیلی کا بچہ جا رہی ہوں۔ میں نہیں جانتی تھی کہ اگر وہ اپنے آپ کو حق خدا کی خدمت کرنے کے قابل بنا کر غلو

بقول نور الرحمن صاحب -  
 "وہ ساج جوتا فتور کے ساتھ دم نہ مارے  
 اور کوزہ کو انھیں دکھائے یہاں تک کہ  
 اس کا جینا دشوار کر دے۔ قابل خدا تعالیٰ  
 وہ ساج جوانی کی حقوق کو خنجر کرتا تھا  
 وہ مصنف نازک کے حقوق ہی کیوں نہ ہو؟"

کہہ تاکہ باری ساج کز دروں بظلم کرے۔ آخر کہہ تک سرائی  
 ایک بیوہ اور بچہ کے ساتھ ہی سلیڈ رزار کھڑی تھی۔ اسے ساج کے  
 خشک دار و آگیا تھا۔ بے پلو میں ایک دھڑکتا ہوا دل نہیں ہوا اگر  
 ہے تو اس میں اس کیوں نہیں کیوں ایک ہی جھلکے رہنے والی  
 میں غلٹی اور تو لائی کا تازہ روست تفاوت ہے۔ کیوں ایک  
 گھر میں زندگی اپنی تمام جھانکوں کے ساتھ جھلکے کر رہے  
 اور کیوں اس کے مقابل کی ہی زندگی مسکرتے کہ وہ ہیں بھر بھر کر دم  
 توڑ رہی ہے۔ کیوں ایک فرقہ پیشہ اور طب میں؟ انہوں میں زندگی  
 گزرتا ہے تو دوسرے کیوں اس قدر غلو کالائی، پریشانی میں لپکا  
 رگڑا رگڑا کر جان دیتا ہے۔ کیوں خدا کی مخلوق کے دل میں سے  
 دنیا کا مسیح بھتی ہے چند پہنچا نہیں آیا نہیں۔ کیوں وہ ایک لڑا  
 مرین کو نفس مرض پر ترنجہ دیتے ہیں۔ اس لئے نا، کو وہیں  
 نہیں دیکھا جیتا ہے موت کے بعد اس کو وہیں دیکھا۔ بلیوٹ  
 ہاؤز بطور حق نہیں دے سکتا لیکن ایک حقیقت اور انصاف یہ  
 طبیعت کا ہی لاء عمل ہے کہ جب سے جا رہی از سر نو حیات بخش  
 اور جیسے جا رہی موت کی پر خدا داری میں تمل از دست و لعل کی ہیں۔  
 انسانی زندگی کو ایک کھلی نہیں۔ بلکہ ایکوں مختاری حیات اپنی  
 گزرتی ہے کہ کم سیر و کثرت جنوں کی کا انسانی زندگی کو موت کے کاٹ  
 آدھ دینا چاہتے ہو کہ ایک کھلی کا بچا جائی رہے نہیں ہوا اگر موت کو ہم  
 دوسروں کے دودھ کا احساس کیوں نہیں کیا تھا انسانی زندگی کے  
 رنگ و بے سے اس لئے حق ہو کہ ہر عالم میں اس حیات سے  
 بے نیاز کر دے۔ میڈیکل کالج میں شریعت کو ہونے سے قبل میں

# گھر کے جھگڑے

آج کل جہدہ دیکھتے جھگڑے نظر آتے ہیں کہیں مزدور اور سرمایہ دار جھگڑ رہے ہیں تو کہیں مظلوم اور ظالم میں کش مکش جاری ہے۔ ایک طرف حاکم و محکوم میں رسد کشی ہو رہی ہے تو دوسری طرف زبردست و زیر دست میں جنگ ہو رہی ہے۔ غرض ہر طاقت و دوسری طاقت سے برسرِ پیکار ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدرت کا یہ کارخانہ جھگڑوں کا بارد و خسانہ ہے۔ جھگڑوں کا بانی ابلیس ہے جس نے انڈیا میں جھگڑنا شروع کیا، اور شاید دنیا شیطان کے ہکانے میں آگئی آج کی دنیا جھگڑوں کا گھر ہے لیکن اس وقت دنیا کے جھگڑوں سے زیادہ توجہ کے محتاج گھر کے جھگڑے ہیں۔ آئیے اب ہم اپنی روزمرہ زندگی کا جائزہ لیں۔ جب ہم لوگ اپنی زندگی پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ کہیں میاں بیوی میں لکھنی ہے تو کہیں ماس بیویں لکھنی پڑی ہے کسی بگہ داد و دھم میں لکھنا پڑا ہے تو کہیں باب میوں میں ان بن ہے۔ ادھر چھوٹے بھائی بیٹوں میں جو بیڑا بٹل رہی ہے وہاں دھڑ بھڑ میں تو تو میں میں ہو رہی ہے۔ اسی لئے ہمیں جھگڑوں کا غصیاں بھریہ کرنا ہے۔ یہ جھگڑے آخر تو کیوں ہیں؟ پھر یہ کیسے شروع ہوتے ہیں اور کہاں ختم ہوتے ہیں۔

اگر ہم ان جھگڑوں کے اسباب پر غور کریں تو ان کی تہ میں انسان کی معمولی کمزوریاں نظر آئیں گی۔ جہالت فساد کی جڑ ہے۔ اسی سے انسان میں غصہ اور نفرت، بدکلامی اور بدسلوکی، غلط فہمی اور بدگمانی پیدا ہوتی ہے۔ پہلے پہل آپ کو یقین دلاؤں گا کہ انسانی جہالت انسان کو اتنا نقصان پہنچا سکتی ہے! آپ نے بڑی بڑی عورتوں سے یہ کہا ہے ضرور سنی ہوگی کہ کس طرح ایک جاہل آدمی نے فیش میں آکر اپنی بیوی بچوں کو قتل کر دیا کہتے ہیں کہ کوئی صاحب مریہوں پر بنا دیا ہے پلے جارہے تھے۔ ان کی اس حرکت کو کسی خان صاحب نے دیکھ لیا۔ کہنے لگے ”کیا ان میں کیا حق ہے کہ میرے آگے مریہوں کو بناؤ دیں“۔ راہ چلتے نے خواب دیا خان صاحب! جس طرح آپ مریہیں رکھ سکتے ہیں ویسے میں بھی مریہیں رکھنے کا حق رکھتا ہوں۔ رہا میرا مریہوں کو بناؤ دینا، بھئی آپ ہی بتائیے اس سے آپ کو کیا نقصان پہنچا؟ اتنی سی بات پر خان صاحب فیش میں آگئے کہنے لگے ”میرے سامنے مریہوں کو بناؤ دینے کی ہمت اگر ہوتی ہے تو ڈاؤ، دو دھڑا لیں“۔ یہ کہہ کر خان صاحب نے اپنی تلوار میان سے نکال لی۔ ہوشیار راہ گیر نے خان صاحب سے کہا ”بھائی! میں آپ کا مقابلہ کرنے کو تیار ہوں، لیکن اگر ہم دونوں میں سے کوئی گٹ مرے تو اس کی بیوی بچہ اور بچے پیٹم جو جائیں گے۔ اس لئے بہتر ہے کہ پہلے دونوں اپنی اپنی بیویوں اور بچوں کو قتل کر دیں اور اس کے بعد جی کھول کر لڑیں۔ یہ معلوم کرنے کے لئے کہ دونوں نے اپنی بیویوں اور بچوں کو قتل کیا ہے، اٹے یا کاکل کرنے کے بعد دونوں کیڑا رنگ لیں“ غرض دونوں اسی مقام پر واپس آئے کا وعدہ کر کے پل کھڑے ہوئے۔ خان صاحب جذباتی تھے۔ سیدھے گھر گئے اور آؤ دیکھا نہ تاؤ بس بے گناہ بیوی اور معصوم بچوں کی جانیں لیں۔ خان صاحب غصہ کی آگ کوٹھ کے دھارے نہ دھا کر اسی مقام پر آ پہنچے۔ خان صاحب کا حریف بھی اس وقت تک آچکا تھا۔ وہ بڑا چلتا پرزہ تھا۔ اس نے کبوتر کے خون میں کیڑا ڈبوایا اور ادھر ادھر ٹھوکر بکھروں آگیا۔ دونوں نے ایک دوسرے سے پوچھا کہ کیا تم نے اپنی بیوی بچوں کو قتل کر دیا۔ دونوں نے شہادت کے طور پر خون میں لٹخا ہوا کیڑا دکھلایا۔ خان صاحب کو یقین آگیا کہ اس نے بھی میری طرح اپنی بیوی اور بچوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہوگا لیکن اس راہ چلتے کو معلوم تھا کہ خان صاحب جو کہتے ہیں کر دکھاتے ہیں۔ ضرور انھوں نے اپنی بیوی اور بچوں کو قتل کر دیا ہوگا۔ اب اس نے خان صاحب سے سوال کیا کہ بھائی! یہ تو بتائیے کہ

ہم دونوں میں جھگڑا کس بات کا ہے؟ خان صاحب نے جواب دیا کہ ”مجھے آپ کا موصوفیوں کو ناؤ دینا پسند نہیں! اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے راہ گیر نے خان صاحب سے کہا ”تو لیجئے میں خود اپنی موصوفی بیٹی کے لئے دیتا ہوں“ اتنی سی بات پر خان صاحب خوش ہو گئے اور سمجھ کر میری حیثیت ہوئی ہے، راہ چلتے کو چھوڑ دیا۔ اب آپ ہی بتائیے کہ حقیقت میں حیثیت کس کی ہوئی؟ کیا جہالت نے بیوی بچوں کو نفل نہیں کر دیا؟ کیا جہالت نے غصہ کی آگ کو بھڑکا کر خون سے اپنی پیاس نہیں بجھائی؟ واقعہ یہ ہے کہ ہر جگہ جہالت ہی نے فائدہ اٹھانے کو تباہ و تاراج کیا ہے۔ فسوس تو اس کا ہے کہ بعض تعلیم یافتہ حضرات اور نوآئین میں بھی جہالت پائی جاتی ہے۔ تعلیم ہانے کے بعد بھی بعض لوگ اپنے کو برتر اور دوسروں کو کم تر سمجھتے ہیں اور اس احساس برتری سے جھگڑتے ہوئے ہیں۔ تسلیم حاصل کرنے کے بعد جب اولاد والدین کو بچی نظر دے دیکھنے لگے انھوں نے خون پسینہ ایک کر کے قییدہ دلوائی، تو گھر کے نظام میں انتشار ہونا ضروری ہے۔ تعلیم دوانے والے والدین کو کم تر سمجھنا، جہالت نہیں تو اور کیا ہے؟ اور یہی جہالت جھگڑوں کی بانی ہے۔

جہالت کا ایک لازمی نتیجہ غصہ ہے جس سے جھگڑا پیدا ہونا ضروری ہے۔ جب انسان غصہ میں آتا ہے تو اس کے جذبات ذہن پر غالب آجاتے ہیں عقل سے زیادہ جذبہ کام کرنے لگتا ہے، ایسے وقت انسان اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھتا ہے۔ غصہ سے انسان بد مزاج ہو جاتا ہے، وہ ذرا سی بات پر جھگڑنے لگتا ہے۔ غصہ ایک آگ ہے جو گھر کے سکون کو نکلنے کی طرح ناک میں بلا دیتی ہے۔

عام طور پر معمولی باتوں ہی پر جھگڑتے ہوئے ہیں، اکثر گھروں میں دیکھا جاتا ہے کہ میاں بازار سے بڑی محنت کر کے بیوی کے لئے کپڑے خرید کر لایے ہیں، لیکن بیوی میاں کی دڑو دھوپ کی قدر کرنے کی بجائے کپڑوں کو نا پسند کر دیتی اور بلا سوچے سمجھے یہ کہہ دیتی ہے کہ تمہیں تو کبھی مال خریدنا نہ آیا، ظاہر ہے کہ شوہر پر اس کا ردِ عمل برا ہوگا، اور وہ یا تو بیوی کے لئے آئندہ کو کوئی چیز نہیں خریدے گا، یا اس سے نفرت کرنے لگے گا، جس سے جھگڑوں کا ہونا لازمی ہے۔ اسی طرح اکثر اوقات یہ دیکھا گیا ہے کہ شوہر جب دفتر سے تھکا ماندہ گھر واپس آتا ہے تو بیوی گھر کا دکھڑا شروع کر دیتی ہے کہ فلاں سنے یوں برا بھلا کیا۔ بیڑوس کے بچے نے ان کے بچے کو خوب پیٹا۔ گھر میں بڑے بچے نے چھوٹے بچے کو تعمیر مسد کیا، وغیرہ وغیرہ ان تمام دھڑوں کو سن کر میاں کا بد مزاج ہو جانا یقینی ہے۔ یہ بد مزاجی گھر کے سکون کو ختم کر دیتی ہے۔

بعض اوقات گھر کے جھگڑے بے توہی سے شروع ہوتے ہیں، فرض کیجئے کہ میاں گھر سے باہر جا رہے ہیں، ایسے وقت اگر بیوی ان سے پوچھے کہ آپ کہاں جا رہے ہیں؟ اور اگر میاں یہ جواب دے کہ ہم کہیں بھی جا رہے ہیں آپ کو اس سے کیا! تو یہ جیوتی بے توہی میاں بیوی کے تعلقات کو بری طرح متاثر کرے گی اور دونوں میں بخش پیدا ہو جائیگی۔ اسی طرح اگر ماں بیٹے سے پوچھے کہ ”بیٹا، تم کو کسی کتاب پڑھ رہے ہو؟“ اور اس کا بیٹا اگر یہ کہہ دے کہ ”یہ کتاب آپ کی سمجھ میں نہیں آئے گی“ پھر کیا تاؤں؟ تو اس بے توہی سے جھگڑوں کی بنیاد پڑے گی۔

گھر کے اکثر جھگڑے بدگمانی سے ہوتے ہیں۔ ساس بہو کے جھگڑے اسی بدگمانی کا نتیجہ ہیں۔ اس سمجھتی ہے کہ جب سے بہو آئی ہے، اس کا بیٹا جس کو اس نے پال پوس کر بڑا کیا، چھن گیا، اس کو یہ گمان ہوتا ہے کہ اب اس کا بیٹا اس سے زیادہ بیوی سے محبت کرتا ہے، اس لئے وہ بہو سے بدگمان ہو جاتی ہے کہ اس نے لگا بھگا کراس کے بیٹے کو اپنا بنالیا، ایک اور وجہ یہ ہے کہ ساس اپنے مقابلے میں بہو کو کم سمجھتا ہے اور کم تر سمجھتی ہے جس سے بد مزاجی پیدا ہوتی ہے۔ بہو دیکھتی ہے کہ نئے گھر میں شوہر کے سوا سب اس کے لئے نئے ہیں، اس لئے وہ شوہر کی آگے اپنے جلع دل کے پھینک دیتی ہے۔

بعض اوقات شوہر کے زعم پر ہوا، ساس سے بد تو یہی بڑتی ہے جس سے تعلقات روز بروز بگڑتے جاتے ہیں، اگر بہو اپنے شوہر سے زیادہ ساس کی دیکوئی کرے اور اسی طرح ساس بہو کو اپنے بیٹے سے زیادہ چاہنے لگے تو گھر کے جھگڑے بڑی حد تک دور ہو سکتے ہیں۔

گھر کے جھگڑے جھوٹی بڑائی سے بھی ہوتے ہیں، اکثر بیبیاں سسرال میں بڑی ڈینگیں مارتی ہیں جیسے مکے میں وہ مسونے کے جھوٹے میں جھول رہی تھیں۔ اگر بیوی سسرال کی بجائے میکے کو اپنا گھر سمجھے تو اس گھر میں ضرور جھگڑے ہوں گے، جب بیوی میکے ہی کی بڑائی کرتی ہے تو میاں اس بڑائی سے بچ ہو کر میکے اور بیوی سے بدظن ہو جاتا ہے اور گھر جھگڑوں کا مرکز بن جاتا ہے۔

جھگڑوں کا ایک اور سبب فضول خرچی ہے فضول خرچی انسان کو مقروض بنا دیتی ہے اور قربی انسان کو گھن کی طرح دکھا جاتا ہے۔ اکثر گھروں میں دیکھا جاتا ہے کہ میاں کی آمدنی سو روپے ہے اور ان کی بی بی اپنی آرایش و زیبائش پر فضول خرچی کر رہی ہیں۔ فضول خرچی پہلے پہل برداشت کر لی جاتی ہے اور جب وہ اپنی حد سے گذر جائے تو میاں بیوی کے تعلقات کا بکڑنا یقینی ہے۔

جھگڑوں کا ایک اہم سبب جھوٹ ہے، وہ رانی کا کہا بڑنا ہے، جھوٹ، پھوٹ کا گھر ہے۔ لگائی بھجائی اس کا پیشہ ہے، سسرال اور میکے کی لڑائیاں اسی سے شروع ہوتی ہیں۔ اگر بیوی اپنے ماں باپ کو غلط طور پر یقین دلا دے کہ شوہر اور ساس اس پر ظلم کر رہے ہیں، اور اگر اس کے ماں باپ ان جھوٹی باتوں کو سچ سمجھ لیں تو سسرال اور میکے میں جھگڑے ہونا ضروری ہیں۔

جن گھروں میں جھگڑے ہوتے ہیں وہاں دیکھا گیا ہے کہ لڑکے گھریں نہیں رہتے، بلکہ اپنا سارا وقت باہر گزارتے ہیں، غرض جس گھر میں سکون نہیں، وہ گھر نہیں، جہنم ہے۔ سعیدہ سلطانہ

(دلا سکی نشر گاہ حیدر آباد سے نشر کیا گیا)

## فیض نگاہ

میں وہ مشتیزی و قسرت دیکھتا ہوں میں  
اہل نگاہ ہو نہ کوئی تو حسرت رہی کیا؟  
افتادہ قطرہ شبنم کا یہ اثر؟  
سب تیرگی میں نورِ وحی دیکھتے ہیں اور  
ہوتے ہیں نگاہِ حقیقہ بہ طرزِ عام  
بہر ہر ایک شے پر ادائے نود حسن  
پایاں کا رہی ہو آغاس کا رکیوں؟  
غور مستیز بنے ہر گھمن سے آج!  
منزل مرے قدم پہ نہ قربان جائے کیوں؟

ات اہل ہند اور مجھے ساتھ اسے قمر  
کس پر بڑی ہے تیری نظر دیکھتا ہوں میں

قمر

# خواتین کے مسائل

انسانی زندگی کی تکمیل کے لئے قدرت نے مرد اور عورت کو لازم و ملزوم قرار دیا ہے۔ ہماری زندگی کی گاڑی دو فوں کے تعاون پر چلتی ہے۔ مرد اور عورت زندگی کی گاڑی کے دو پہیے ہیں۔ لیکن ہر ایک کی ذمہ داری علیحدہ علیحدہ ہے جس طرح ان کی ذمہ داری مختلف ہے اسی طرح ان کے مسائل بھی جدا جدا ہیں، مرد کے ذمہ روزی حاصل کرنا ہے، جس پر رہنے، کھانے پینے، پہننے اور کھانے، غرض کہ زندگی کی تمام ضرورتوں کو پورا کرنے کا ذمہ دار ہے۔ اگر مرد فکر معاش نہ کریں تو پھر زندگی کے نظام میں خرابی پیدا ہو جائے گی۔ اس لئے مرد اپنا سارا وقت روزی فراہم کرنے میں صرف کرتے ہیں اور ان کے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا کہ وہ روزی فراہم کرنے کے علاوہ دوسرے معاملوں پر توجہ کریں، اس لئے خواتین پر یہ اہم ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ مرد کی کمائی کو ایسے سلیطے سے صرف کریں کہ گھر کی اور باہر کی تمام ضرورتیں پوری ہو جائیں۔ یعنی نہ صرف اپنے بچوں اور دوسرے متعلقین کی وقتی ضرورتیں پوری ہوں، بلکہ ناگہانی طور پر گھر کو درآشادی بیاہ، ایسے کاری و بے روزگاری، خیر خیرات وغیرہ کے لئے بھی سب جھیشیت اختیار کر رہے۔ خواتین کی یہ ذمہ داری اس قدر اہم ہے کہ اکثر خاندانوں کی خوش حالی و تباہی، ان کی خوش انتظامی و بد انتظامی میں پوشیدہ ہوتی ہے۔ روزمرہ کے تجربات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ جو عورتیں اپنی اس ذمہ داری کو پورا کرنے کا طریقہ جانتی ہیں، ان کے مرد اطمینان اور دلچسپی کے ساتھ روزی کماتے کی گھر میں لگے رہتے ہیں، اور ظاہر ہے کہ ذوقی اس طرح اپنے کام میں لگا رہتا ہے وہ اپنے پیشے میں کافی ترقی کرتا ہے۔ گھر کے باہر بھی وہ عزت کی نظروں سے دیکھا جاتا اور گھر کے اندر اپنے اہل و عیال کو خوش و خرم دیکھ کر باغ و باغ ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی گھر دنیا میں جنت کا نمونہ پیش کرتے ہیں لیکن جو عورتیں اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے برخلاف ہیں جانتیں ان کی وجہ بوجھ گھر میں چند دنوں میں عالی ہو جاتے ہیں اور ان کے مردوں کی کمائی میں روز بروز کمی ہونے لگتی ہے۔ رفتہ رفتہ بے کاری و بے روزگاری، بیکو بیاری، افلاس و محتاجی کا منہ دکھائی دے، اور دیکھتے ہی دیکھتے جہنم بن جاتے ہیں۔

خواتین کے مسائل میں سب سے اہم مسئلہ انتظام خانہ داری کا ہے، اور نظام خانہ داری کی درستی ہی سے زندگی خوشگوار بن سکتی ہے۔ اس کی بالکل ذمہ داری خواتین پر عائد ہوتی ہے۔ خواتین کا پہلا فرض ہے کہ وہ اپنے گھر کا ایسا انتظام کریں کہ زندگی خوشگوار بن جائے۔ نظام یہ مسئلہ بہت مشکل معلوم ہوتا ہے، لیکن ذرا سی ہوشیاری اور اصولوں کی پابندی سے کام لیا جائے تو یہ مشکل نہایت آسان ہو جائے گی۔ اس میں شک نہیں کہ گھروالوں کی معیشتیں جدا جدا ہیں، اس لئے گھروں کے انتظام کی دو معیشتیں ہی مختلف ہیں۔ مثلاً جن گھروں میں نوکر چاکر، خادماں، ماماں ہوتی ہیں ان گھروں کی گھروالوں کی ذمہ داریاں ان گھروالوں سے علیحدہ ہوتی ہیں جن کو گھر کا سارا کام کاج خود کرنا پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ بعض گھر ایسے بھی ہیں جن میں صرف میاں بیوی ہیں، اور بعض گھر رشتہ داروں سے بھرے ہوتے ہیں۔ تاہم نظام خانہ داری کی کامیابی چار چیزوں پر منحصر ہے۔ وقت کی پابندی، کفایت شعاری، قناعت، خوش خلقی، یہ گویا نظام خانہ داری کے چار ستون ہیں جن پر خانہ داری کی عظیم الشان عمارت قائم ہے۔ اگر میں سے کوئی ایک ستون بھی کمزور ہوگا تو جلد یا بدیر سارا نظام خانہ داری خطرہ میں پڑ جائے گا۔

نظام خانہ داری کی کامیابی کے سلسلہ میں وقت کی پابندی نہایت ضروری امر ہے، لیکن وقت کی پابندی طری

ہوں کو نہایت مشکل معلوم ہوتی ہے جب ہوں سے اس کے متعلق کہا جاتا ہے تو اکثر ہمیں کہہ دیتی ہیں کہ "ایک سربراہ سودے" ایک دو کام ہوں تو کوئی وقت کی پابندی کر سکتا ہے، یہاں تو ایک جان اور سو کام۔ وقت کی پابندی کی جانے کو تو کوئی کوئی بات بظاہر صحیح معلوم ہوتی ہے، لیکن ہماری بہنوں کو جان لینا چاہیے کہ مختلف کاموں کے لئے اگر وقت کو تقسیم کر دیا جائے تو اس سے نہ صرف سب کام وقت پر تکمیل پائیں گے، بلکہ ضروری آرام کے لئے فرصت بھی مل جائے گی، کٹر کام ایسے ہوتے ہیں کہ اگر وہ وقت پر نہ ہوں تو ان کا ہونا نہ ہونا برابر ہو جاتا ہے، اور عموماً ایسے خطرناک نتائج برآمد ہوتے ہیں کہ گھر کا چرنا اور آرام ہی چھین جاتا ہے۔ مثلاً کے طور پر یوں سمجھ لیجئے کہ کوئی صاحب کسی دفتر میں ملازم ہیں اور ٹھیک دس بجے دفتر کی حاضری ہے، لیکن بیوی وقت پر کھانا تیار نہیں کرے گی، ایسی صورت میں یا تو وہ صاحب دیر سے دفتر پہنچیں گے یا بھوکے پیٹے جائیں گے۔ اگر دیر سے دفتر پہنچے تو ملازمت پر حشر آئے گا، اور بھوکے پیٹے کے تو بھوک کی حالت میں کام دینی سے نہ ہوگا، اور اگر یہ صورت مستقل ہوگی تو کیا محب ہے کہ ملازمت ہی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ اس کے علاوہ اگر شہر ہو مل میں کھانے کا عادی ہو جائے تو نہ صرف وہ رقم جو گھر میں صرف ہونی چاہیے باہر صرف ہوگی، بلکہ صحت پر بھی بازاری کھانے کی وجہ اثر پڑے گا۔ اس لئے پابندی وقت نہ صرف اپنی آسانی و کامیابی کے لئے لازمی ہے بلکہ گھر کی خوش حالی کو برقرار رکھنے اور شوہر کی کمائی کو قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے۔

پابندی وقت کے بعد سب سے اہم اور ضروری چیز کفایت شکاری ہے، لیکن کفایت شکاری کے معنی مکمل نہیں۔ بخل اور کفایت شکاری میں بہت بڑا فرق ہے۔ کفایت شکاری کا صحیح مطلب یہ ہے کہ تھیل سے قلیل آمدنی کو اس حد تک سے صرف کیا جائے کہ تمام ضرورتیں پوری ہو جائیں اور کوئی ضرورت باقی نہ رہے۔ پائے۔ روپیہ بجائے کی خاطر زندگی کی ضرورتوں کو پورا نہ کرنا بخل کے لگ بھگ ہے۔ کفایت شکاری میں صرف اس بات کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ پیسہ کی چیز سوا پیسہ کا کام دے۔ عام طور پر یہ کہہ سکتے ہیں جس کو ناکارہ سمجھ کر ضائع کر دیا جاتا ہے اگر سمجھو بوجھ سے کام لے کر ان کو کارآمد بنائیں تو بہت کچھ بچت ہو سکتی ہے۔ مثال کے طور پر میں ایک واقعہ بیان کرتی ہوں: ایک بہن کو دیکھا کہ ان کے پاس وضو کرنے کی ایک چوکی پائے بوسیدہ ہونے کی وجہ ٹوٹ گئی تھی۔ خادمہ نے رائے دی کہ اس کو جلا دیا جائے، ناسخ کوڑا جمع کرنے سے کیا فائدہ۔ لیکن انھوں نے کہا کہ اگر کوئی بڑھی ادھر سے گزرے تو بلالینا، چنانچہ انھوں نے اس ٹوٹی ہوئی چوکی کے کارآمد ٹکڑوں سے چراغ رکھنے کی تیاری اور ٹانگوں نہ ہنسنے کے چوکھٹے تیار کر لئے۔ ظاہر ہے کہ اگر خادمہ کے مشورہ پر عمل کیا جاتا تو اس کی لکڑی زیادہ سے زیادہ دو پیسے کے ایندھن کا کام دیتی، لیکن چارچو آئے خرچ کر کے اسی لکڑی سے کارآمد چیزیں تیار کر لی گئیں۔ غرض اس طرح چیزوں کو بے کار ہونے سے بچانے اور بے کار چیزوں کو کارآمد بنانے کا نام کفایت شکاری ہے۔ اس میں ملے، جاری نہیں بڑی غفلت برتی ہیں اور بے کار چیزوں کو کارآمد بنانا کمرشان سمجھ کر خواہ مخواہ اسرار میں مبتلا ہو جاتی ہیں، جس کا اثر مردوں کی آمدنی پر پڑتا ہے، اور وہ ان کی لاپرواہی سے مفروضہ ہو جاتے ہیں جس کی وجہ ان کو سخت پریشانی اٹھانی پڑتی ہے۔ ہماری بہنوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے شوہروں کو قرض میں مبتلا نہ ہونے دیں اور جو کچھ آمدنی جو اسی کو اس سلیقہ سے صرف کریں کہ گھر کی جملہ ضرورتیں پوری ہو جائیں۔

کفایت شکاری کے بعد قناعت ہی سچی مسرت کی کنجی ہے۔ قناعت کے نہ ہونے سے عورتوں اور مردوں کا اطمینان و سکون نہیں جاتا ہے اور زندگی کا طالع ہی جاتا رہتا ہے۔ اکثر ہمیں اپنے سے زیادہ حیثیت والی عورتیں کو دیکھ کر خود بھی ان جیسی بننے کی آرزو کرتی ہیں، لیکن چونکہ ان کے شوہروں کی آمدنی بڑھیا حیثیت کی چیزیں فراہم

کرنے کے لئے کافی ہوتی ہے، اس لئے ان بیویوں میں بددلی پیدا ہو جاتی ہے اور ان کی بددلی کا اثر گھر کے نظام پر پڑتا ہے، جس کی وجہ اچھے خاصے بنے بنائے گھر بگڑ جاتا ہے۔ اس لئے ہماری بہنوں کو یہ بات ابھی طرح جان لینا چاہیے کہ دنیا میں کثرت ان لوگوں کی ہے جس کے پاس پیٹ بھرنے کے لئے کھانا اور تن و حرارت کے لئے کپڑا نہیں اس لئے فکر کا مقام ہے کہ وہ عزت کے ساتھ روکھا سوکھا لپیتی ہیں اور موٹا دھوپا پہن لپیتی ہیں ہماری بہنوں کا فرض ہے کہ مردوں کی محنت و جان فشانی اور خود ان کی انتہائی خوش نظمی و کفایت شعاری کے بعد جو کچھ انھیں حاصل ہوا ہے اس پر اللہ کا شکر کریں اور اس بات کو یاد رکھیں کہ دنیا میں ایک سے بڑھ کر ایک ہے اگر کم حیثیت والی بہنیں بڑی حیثیت والی بہنوں کو دیکھ کر خود بھی حیرت کرے لیکن تو زندگی کی حقیقی لذت جو قناعت میں پوشیدہ ہے مفقود ہو جائے گی لیکن قناعت کے معنی یہ نہیں کہ اپنی حالت کو بہتر بنانے کی کوشش نہ کی جائے بلکہ سچی قناعت تو یہ ہے کہ محنت و کوشش اور کفایت شعاری کے بعد جس حالت میں رہیں اس کو غنیمت سمجھیں۔

پابندی وقت، کفایت شعاری و قناعت کے ساتھ اگر خوش خلقی نہ ہو تو نظام خانہ داری کی کامیابی خطرے میں پڑ جائے گی۔ لہذا ہر خوش خلقی کا متعلق خانہ داری سے زیادہ اخلاقیات سے مشروط نظر آتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ خوش خلقی نہایت ضروری چیز ہے۔ ہماری بہنوں کو سمجھ لینا چاہیے کہ اگر وہ محنت سے کام کریں، وقت کی پابندی کا خیال رکھیں، کفایت شعاری اور قناعت پر عمل کریں، لیکن اگر مردوں اور گھروالوں کے ساتھ خوش خلقی کے ساتھ پیش قدمی نہ کریں تو ان کا سب کچھ کیا دھواں کا رت ہو جاتا ہے گا کیونکہ ان کی بدخلقی سے مردوں کا اور دوسرے گھروالوں کا دل ٹوٹ جائے گا۔ اور اس کا اثر مردوں کی کامیابی پر بھی پڑے گا۔ مرد کے ساتھ خوش خلقی سے پیش آنا اور اس کی کجی کرنا اس کو دوسرے دن کی محنت کے لئے تازہ دم کرنا ہے۔ جو ہمیں خوش خلقی برتی ہیں ان سے ذہن ان کے شوہر بلکہ تمام گھروالے اور ملنے جلنے والے سب ہی خوش ہوتے ہیں اور ہر ایک کو ان سے مل کر مسرت ہوتی ہے۔

(نشر کا دیدار آباد سے پڑھائیے)

### نثر یا جین

نذر ولی اس میں دکن کی چار گز کوچیت خواتین انشا پر داز محترمہ جہاں بانو بیگم صاحبہ محترمہ لطیف النساء بیگم صاحبہ، محترمہ نعیم النساء بیگم صاحبہ اور محترمہ نجم النساء بیگم صاحبہ کے دلچسپ مضامین ہیں جو بابائے ریختہ حضرت ولی اورنگ آبادی کے حالات زندگی اور خص و صیات کلام پر نہایت دلچسپ اسلوب میں اور جدید ترین نقطہ نگاہ سے لکھے گئے ہیں۔ ان مضامین میں ولی کی معلومات، ان کے تخیل، ان کے فن شعر اور ذوق عرفان کے علاوہ ان کے اسلوبی زبان اور انتخاب الفاظ کے متعلق بھی نہایت مفید اور دلچسپ بحث کی گئی ہے۔ ولی کے متعلق پہلی مستقل اور جامع کتاب ہے اس کا مطالعہ تشنگانِ ادب کی تسلی کا باعث ہوگا۔

صفحات ۲۴۸ طبعیت و کتابت بنفس کاغذ اعلیٰ قسم جلد پرو و جلد سنہری نام پر قیمت مجلد ۸

# حیوان سے انسان تک!

## (حیاتیات کی روشنی میں)

آج سے لاکھوں برس پیشتر کا ذکر ہے کہ اس کرۂ ارض پر زندگی کا نام و نشان تک نہ تھا، اور زمین اس قدر گرم تھی کہ اس پر کوئی جاندار زندہ نہ رہ سکتا تھا۔ آہستہ آہستہ زمین سے حرارت کا انتشار ہوتا گیا، اور اس کا درجہ حرارت کم ہو گیا، جس سے اس کی سطح سرد ہو کر سکڑنے لگی، اس لئے اس میں جا بجا شکلات اور دراڑیں پڑ گئیں۔ کچھ مدت کے بعد ہوا سے بخارات نے پانی کی شکل اختیار کر کے ان گڑھوں اور نشیبی جگہوں کو پُر کر دیا۔ اب زمین اس قابل ہو گئی کہ اس پر زندگی کے وجود کا آغاز ہو سکے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ زندگی پانی کے اندر وجود میں آئی اور اس کی ابتدا اقلیمین کے سمندروں میں ہوئی، کیونکہ یہی حصے سب سے پہلے ٹھنڈے ہوئے۔

ماہرین علم ارتقا کا خیال ہے کہ مادہ حیات: نغزایہ (یعنی وہ مادہ جس سے کہ زندگی وجود میں آئی) نے جان مادہ میں کیمیائی تبدیلیوں کا نتیجہ ہے۔ مادہ حیات دراصل ایک پیچیدہ ترین مرکب ہے جو کاربن، ہائیڈروجن، آکسیجن، نائٹروجن اور گندھک وغیرہ عناصر پر مشتمل ہے۔

ابتداء میں جاندار صرف ایک غلیہ (Cell) پر مشتمل تھے، ان کی شکل و شباهت، بلندی یا باجڑوں کی طرح بعضی ایک غلیہ جراثیم جن کی زندگی ہوا، پانی اور پانی میں حل شدہ نمکوں پر قائم تھی، اپنی ادنیٰ اور ابتدائی حالت سے ترقی کر کے اعلیٰ اور ترقی یافتہ قسم کو معرض وجود میں لائے کا باعث ہوئے، پھر ان میں سبزی پیدا ہوئی، یہی، سبز مادہ ہے جس کی وجہ سے درختوں کے پتے سبز رنگ کے دکھائی دیے ہیں۔ مادہ حیات کے کیمیائی عمل سے یہ سبز مادہ ہوا کی کاربن ڈائی آکسائیڈ اور پانی میں حل شدہ معدنی اشیاء سے پودوں کی غذا تیار کرتا ہے۔ اس قسم کے ادنیٰ جراثیم سے عالم نباتات وجود میں آیا۔

بعض ایک غلیہ جراثیم کی قسم کے جاندار جن میں سبز مادہ پیدا نہ ہوا، اور جن کے بغیر وہ اپنی خوراک تیار کرنے کی صلاحیت نہ رکھتے تھے، انھوں نے اپنی غذا کا سامان بنالیا۔ ان سبز مادہ نہ رکھنے والے جراثیم کی قسم کے جانداروں سے عالم حیوانات ظہور پذیر ہوا۔

مسلل تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ مادہ حیات کے عناصر کی ترکیب کچھ میں ہوئی یہی وجہ ہے کہ عالم حیوانی میں سب سے پہلی، ابتدائی اور سادہ ترین مخلوق جس کو امیبا (Amoeba) کہا جاتا ہے، کچھ یا سائن پانی کے ذخیروں میں پیدا ہوتا ہے، اور وہیں نشو و نما پاتا ہے۔

امیبا کی ساخت: بروبریکٹ، بالکل ادنیٰ، غیر ترقی یافتہ اور ابتدائی جاندار مخلوق ہے اس کا جسم ایک غلیہ پر مشتمل ہے جو زندگی کو قائم رکھنے کے لئے ہر کام انجام دیتا ہے یعنی حرکت، تغذیہ اور تنفس۔ بے کار مادہ (یعنی فضلہ جسم سے خارج کرتا ہے۔ بیرونی اثرات محسوس کرتا ہے، اور تولید یا پیدائش سے اپنی نسل کو بڑھاتا ہے۔ فنا ہر ہے کہ تقسیم کار کا جو بنیادی اصول ترقی یافتہ اور اعلیٰ درجہ کے حیوانات میں پایا جاتا ہے امیبا اس سے محروم ہے۔ ابتدا میں امیبا، یا اسی قسم کے بعض دوسرے جاندار اپنی حالت پر قائم رہے، رفتہ رفتہ بعض اپنے ماحول کی تبدیلیوں کے باعث



بدن لگے ہیں ان کے اندر کئی قسم کے جسمانی تغیرات رونما ہوئے۔ گمے چناؤ طویل مدت کے بعد ایک غلوی جان داروں سے ایسی مخلوق معرض وجود میں آئی جن میں جسم متعدد غلیوں سے بنا ہوا تھا۔ آئینا کو اگر ایک غلوی جان دار کہا جائے تو یہ کثیر غلوی جان دار ہوئے۔ کثیر غلوی جان دار ایک دوسرے کے ساتھ مل کر مینو بستیاں بنا کر رہنے لگے تاکہ ہر دو فطرت سے محفوظ رہیں اور زیادہ آسانی سے ترقی کے مدارج طے کر سکیں۔ یہ ابتدائی زندگی سا لہا سال نئے نئے تغیرات اور نئی نئی تبدیلیوں کی فزلیں طے کرتی رہی۔ اس میں طرح طرح کی رنگینیاں اور گونا گون فیس پیدا ہوتی گئیں۔ ایک غلوی ایسا سے بہت کثیر غلوی جان دار حلقہ دار کیجئے اسلج، مونگے، اکیرے، کوزے، ریڑھ کی ہڈی والے اور اعلیٰ حیوانات پیدا ہو گئے اور اپنے اپنے مخصوص ماحول میں زندگی گزارنے لگے۔ ماہرین علم حیاتیات نے یہ متفقہ طور پر تسلیم کر لیا ہے کہ ایسا ہی مختلف مدارج ارتقاء طے کرتا ہوا انسان کی ساخت اختیار کر لیتا ہے۔ گویا پچھلے ترین ساخت کا جان دار انسان سادہ ترین جان دار ایسا ہی ترقی یافتہ شکل ہے! فور کیا جائے تو سب جانور اپنی اندرونی ساخت کے اعتبار سے دو حصوں میں منقسم ہیں: (۱) جمالی یا ریڑھ کی ہڈی والے جانور۔

(۲) غیر جمالی یا ریڑھ کی ہڈی کے بغیر جانور۔

”جلیلے“ وہ جانور ہیں جن کے جسم میں ریڑھ کی ہڈی ہے، جو پسلیوں کے ڈھانچہ کا مرکزی مہار اور مجموعہ ہوتی ہے۔ غیر جمالی“ وہ جانور ہیں جن کے جسم میں ریڑھ کی ہڈی اور پسلیوں کا ڈھانچہ نہ ہو۔ علم حیاتیات کے سرسری مطالعہ سے اس پایہ ثبوت کو پہنچ گیا ہے کہ وہ جان دار جن کے جسم ریڑھ کی ہڈی اور ڈھانچہ کے بغیر ہیں اور جنھوں نے ماضی میں ابتدائی ایام میں فروغ پایا، نہایت ہی حقیر اور بے وقعت تھے۔ ان میں سے اکثر ٹوٹ گئے کیوں کہ وہ نئے ماحول کے مطابق اپنی زندگی کو نہ کھال سکے کچھ ایسے سخت جان اور ڈھیلے مزاج بھی ہیں جو اب تک اپنی ابتدائی صورت میں پائے جاتے ہیں بعض نے اپنی اشکال اور ساخت بدل لی تاکہ وہ نئے ماحول میں زندہ رہ سکیں۔ ان جانوروں سے بتدریج ریڑھ کی ہڈی والے جانور پیدا ہوئے۔ یہ اپنی بناوٹ اور توانیے جسم کے کھانا سے غلیصلی جانوروں پر فوقیت رکھتے ہیں۔ ریڑھ ان کی ترقی کی ایک نمایاں اور مستقل نشانی ہے۔ پس اس اعتبار سے ترقی یافتہ حیوانات کو پانچ قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

- ۱۔ صرف پانی کے اندر رہنے والے جانور، مثلاً مچھلی۔
- ۲۔ خشکی پر اور پانی کے اندر رہنے والے جانور یا حیل قلیے، مثلاً مینڈک۔
- ۳۔ خشکی پر رہنے یا پیٹ کے بل چلنے والے جانور، مثلاً چھپکلیاں، سانپ۔
- ۴۔ ہوا میں اڑنے والے جانور یا پرندے، مثلاً گوا، کبوتر۔
- ۵۔ دودھ پلانے والے جانور، یا شیرخوار، مثلاً گائے، بندر، انسان۔

ریڑھ کی ہڈی والے یا صلی جانوروں میں سب سے پہلے مچھلی ظہور میں آئی۔ یہ جانور صرف پانی کے اندر رہے اور یہاں ہی سے زندگی بسر کرے گا سامان پیدا کرتے رہے۔

دفعہ دہم ایک ایسا زمانہ آیا کہ خشکی (زمین) پر نباتات کی بہتات ہوئے لگی تو بعض مچھلیاں پانی سے نکل کر رہنے پر آئیں۔ جب زمین سے ان کا تعلق ہوا تو ان کے اعضا میں تغیرات ہونے لگا، اور وہ جانور عالم ظہور میں آئے۔ خشکی اور پانی دونوں میں رہتے ہیں اور جن کو پہلے چھلے کہتے ہیں۔ مینڈک ان کی ایک واضح مثال ہے۔ یہ جانور زندگی کے ابتدائی دور پانی میں بسر کرتے ہیں۔ مادہ مینڈک کے گڑھوں کے پانی میں اٹھ دیتی ہے، انڈوں سے بچے پیدا ہوتے ہیں شروع شروع میں

ان کا جسم بالکل پھلی کی طرح ہوتا ہے۔ اس حالت میں اسے غولیکہ (Elongated) کہتے ہیں۔ غولیکہ پھلی کی مانند گلیسرڈوں سے سانس لیتا ہے، کچھ عرصہ کے بعد غولیکہ کی جسمانی حالت میں حیرت انگیز تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔ پھلچھوٹے مگر گلاب ہوئے لگتے ہیں، دم خوردک کے طور پر استعمال ہو جاتی ہے۔ اس مقام پر جہاں دم جسم سے جڑی ہوئی ہے، دو چھوٹے چھوٹے اعضا نمودار ہوتے ہیں، یہ پھلی ٹانگوں کی ابتدا ہے۔ ایک ہفتہ کے اندر اندر یہ اعضا لمبے ہو کر جوڑ درجہ بن جاتے ہیں، پھر ان پر انگلیاں نمایاں ہوتی ہیں۔ اس دوران میں اگلے اعضا کی بالیدگی جلد کے نیچے شروع رہتی ہے اور آزادانہ زندگی بسر کرنے کے قابل ہو جاتا ہے، مگر اکثر اوقات خوردک کی تلاش میں یا دشمنوں سے بچاؤ کی خاطر گڑھوں، کنکڑوں اور ٹالابوں کے اندر آتی جہاں وہ دونوں میں چھپ رہتا ہے۔ یہ جانور اپنی زندگی پانی اور خشکی دونوں جگہوں پر گزار سکتے ہیں، اسی لئے ان کا نام جل پھلی ہے۔

جل پھلی جانوروں کے بعد ریٹکے والے جانوروں کا وجود ہوا۔ ان جانوروں کے ہاتھ اور پاؤں اس قدر کمزور اور مختصر ہوتے ہیں کہ ان کی رفتار سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ پیٹ کے بل ریٹک رہے ہیں۔ ان میں بعض ایسے بھی ہیں جن کے ہاتھ پاؤں نہیں ہوتے، مثلاً سانپ، اور وہ حقیقتاً اپنے پیٹ پر ریٹک کر چلنے پھرنے ہیں۔

اب عالم حیوانی کے ارتقائی دور میں ایک طویل مدت ایسی آتی ہے جبکہ ریٹکے والے یا پیٹ کے بل چلنے والے جانور بکثرت ظہور پذیر ہوئے۔ یہ حیوانات دیکھنے میں بے حد خوفناک جسمانی لحاظ سے کچھ دشیم اور عادات کے مطابق بڑے ہی خون خوار اور پتہ نشتے۔ اکثر دریاؤں کے قرب وجوار میں آگے ہوئی سبزی چٹ کر مائے یا سمندروں کے ساحلوں پر پتھرا کی گھاٹ میں پڑے لیئے رہتے (Plesiosaurs) یا (Ichthyosaurs) اس وقت کے ریٹکے والے حیوانات کا سرد ارتقا، اور اپنے جسم کی لمبائی کے لحاظ سے (جو ۷۰ فٹ سے زیادہ بھی آج تک سب سے طویل قامت حیوان مانا گیا ہے۔ اس کے رکازی ڈھانچے دیکھ کر عقل حیران رہ جاتی ہے۔ یہ حیوان اور اس کے بھائی بند اس قدر عظیم الجثہ تھے کہ موجودہ زمانہ کا سب سے زیادہ جسم حیوان، ہاتھی بھی ان کے سامنے ایک چڑیا سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ ظلم و استبداد کی بے پناہ قوت کے باعث انھوں نے زمین پر ایک قیامت برپا کر رکھی تھی۔ ادنیٰ چھوٹے اور عاجز جانور ہراساں اور پریشانی ہو کر رہ گئے۔ مگر قدرت کا قانون زور اور زبردستی پر مبنی نہیں۔ یہ عظیم الشان جانور اپنی ناقابلِ رشتہ جسامت کے باعث تنازعہ للحقا میں کامیاب نہ ہو سکے، اس لئے معدوم ہو گئے۔ ان کے مقابل میں وہی کمزور اور ناتوان ریٹکے والے جانور مثلاً چھوٹے، گرگٹ، اور ننھی ننھی چھپکلیاں جنھوں نے زمانے کے ساتھ مطابقت کی آج بھی روئے زمین پر آرام و عیش کی زندگی بسر کر رہی ہیں۔

پھلی: جل پھلی، اور ریٹکے والے جانور، سرخون والے جانور کہلاتے ہیں۔ سرخون رکھنے والے جانوروں کا کوئی طبعی یا باقاعدہ درجہ حرارت نہیں ہوتا، بلکہ ان کا درجہ حرارت ان کے گرد و فواح کی ہوا کے مطابق بدلتا رہتا ہے یہی سردیوں میں کم اور گرمیوں میں زیادہ۔ مذکورہ بالا ریٹکے کی ہڈی والے جانوروں کے بعد پرندوں اور دودھ پلانے والے جانوروں کا ظہور ہوا۔ ان جانوروں کے جسم کا درجہ حرارت سخت اور تند رستی کی حالت میں یکساں رہتا ہے یعنی اس میں کمی بیشی واقع نہیں ہوتی۔

زمین اپنے ارتقائی دور میں اس وقت گرم اور مرطوب تھی، ریٹکے والے جانوروں نے اپنے ماحول میں

نقبات پائے، ان میں بھی تبدیلیاں ہونے لگیں۔ وہ عظیم الجثہ چھپکلیاں، یعنی *Megatherium* جو اب تک زمین پر اپنی کارائی کا سکہ نہ مارے، یہی تھیں آہستہ آہستہ مہفوقہ ہونے لگیں۔ گر چھپکلیوں کی وہ اقسام جن کی جسامت موزوں اور متناسب تھی زندہ بچ رہیں۔ انھوں نے گڑھوں اور بلوں میں چھپ کر یا سوا کر گزارے کا طریق اختیار کیا۔ ان میں سے بعضوں کے پر پھٹنے لگے، چونکہ ان کے جسم ہلکے پھلکے اور کم وزن واقع ہوئے تھے اس لئے ان میں طاقت پر واز بملکہ آنے لگی۔ ابتدائی پرندوں کی جسمانی ساخت میں، جھگنے والے جانوروں کی بہت سی خصوصیتیں موجود تھیں جو پچھلے ندوؤں کے گریٹ کی طرح، انھیں ان میں دائرہ چھٹکا ڈر کی طرح کا جعلی دار آلہ پرواز اور جبروں میں بڑے بڑے پھٹے دانت تھے۔ اس قسم کے جانوروں نے ترقی کی اور وہ پرنڈے کہلائے۔

ریگنے والے جانور جو کچھ بلوں پر اٹھتے دیتے، مگر بعد ازاں ان سے بے پرواہ ہو جاتے، پرنڈے اپنے انڈوں کی جید نگہ بھال اور نگرانی کرتے، مادہ اور نر باری باری ان کو سمجھتے ہیں۔ انڈا بھنا، بچوں کو دانہ بھنا، پھر ان کو اڑانے کے طریقوں سے آگاہ کرنا، وہ بہت ہی جانفشانی کا کام ہے۔ انڈوں کی حفاظت، بچوں کی دیکھ بھال اور ان کی تربیت عقل حیوانی کی وہ نشانیاں ہیں جو ابھی تک پختہ نہ ہوئی تھیں۔

زمین پر کش مکش حیات، پوری سرگرمی سے کار فرما تھی۔ اس عہد میں نباتات کی نوعیت عہد حاضر کی نباتات سے بہت قریب ہو چکی۔ پانی کم ہو گیا، خشکی کا رعب بڑھ گیا۔ رطوبت پسند نباتات *Conifers* و *Gymnosperms* اور انڈا پید ہونے لگے۔ اس کی جگہ سیلو، ٹانگ، سیل، جونی ہری، بحری چرائیاں، منظر عام پر آئیں۔ ان ہی سرسبز میدانوں اور وادیوں میں چھپکلیوں، اگے کو ٹوڑوں اور پرندوں کی بہتیاں آ رہی تھیں۔ ماحول کی تبدیلیوں نے بعض ریگنے والے جانوروں میں حیرت انگیز تغیرات پیدا کر دیے۔ اب ان کی ساخت ایسے حیوانات میں منتقل ہونے لگی جو انڈوں کی بجائے بچے جنمے تھے اور انھیں اپنی جھلیوں سے دودھ پلائے تھے۔ یہ حیوانات دودھ پلانے والے یا شیر خوار جانور کہلائے۔ دودھ پلانے والے جانور عالم حیوانی کے سر تاج میں۔ یہ حیوانات اپنی جسمانی، دماغی اور قوی کی خوبیوں میں سب سے اعلیٰ ہیں۔ وہ ہلکی، کسکرو، دریا کی گھوڑا، سم و ارموشی، کرتے والے چوہے، گوشت خور، درندے، کرم خور، خا پشست، چھٹکا ڈر، گیت، سے اور بندر، ناخبروات، مثلاً لنگور، رگین، اور رنگ اوٹان اور چھپانری، ان ترقی یافتہ حیوانات میں شامل ہیں۔

دودھ پلانے والے جانوروں کی خاص شناخت جو ان کو دوسرے جانوروں سے ممتاز رکھتی ہے، ان کے تین ہاں جن کے ذریعہ مادہ اپنے بچوں کو دودھ پر پرورش کرتی ہے اور بچپن میں ان کو ہر قسم کے خطروں سے محفوظ رکھتی ہے۔ دودھ پلانے والے جانوروں کے خون میں حرارت ہوتی ہے۔ ان کے جسم پر بال یا اون کثرت سے موجود ہوتی ہے۔ بالوں کی جگہ بعض جانوروں کے جسم پر سخت اور مضبوط چھٹکوں کی ڈھالیں پڑھی ہوئی ہیں۔ امریکی علم حیوانات دانوں کو، ہم کا ایک اہم حصہ مانتے ہیں، کیونکہ وہ انہیں کی شکل اور ساخت سے ان جانوروں کی خوراک کی نوعیت کا پتہ دے سکتی ہیں۔ شیر خوار جانوروں کے ہاتھ پاؤں ان کی ضروریات کے مطابق مختلف شکلوں کے بن گئے ہیں۔ دودھ پلانے والے جانوروں میں اکثر فراورادہ کی صورت اور وقع میں بہت کم فرق ہوتا ہے۔ ترکی قدر قدر اور جسامت میں بڑا ہوتا ہے، بعض اوقات نر اور مادہ کے رنگ ایک دوسرے سے ذرا مختلف بھی ہوتے ہیں۔

ان ہی دودھ پلانے والے جانوروں سے ذلت و ذلت ترقی کے انسانی شکل اختیار کر لی۔ عرصہ دراز تک انسان

غیر متدن رہا۔ اس کی زندگی ان جیسی جانوروں سے کچھ بہتر نہ تھی جس کا یہ شکار کیا کرتا۔ لاکھوں سال تک انسان وحشی جانوروں کی طرح غاروں میں زندگی بسر کرتا رہا۔ ان ہی کی طرح لڑنا، جھگڑنا اور چیتا چلاتا پھرتا رہا۔ غالباً آج سے ایک لاکھ سال قبل انسان میں گفتگو کی قوت پیدا ہوئی۔ اس پر، نہ صرف مضبوطے بنائے، اور تندہی میں سوچنے کی صلاحیت پیدا ہوئی بلکہ یہ بھی کدوہ اپنے ساتھیوں سے تباہ و لڑخیالات کر لے اور اپنا مافی الضمیر ان کو بتا سکے۔ ان مجموعہ حیات کی بدولت اس کو دنیا کے سبب جانوروں پر غیر معمولی فوقیت اور سرفرازی حاصل ہو گئی۔ اس کی فطرت نے اب اسے مجبور کر دیا کہ وہ صحیح معاشرتی زندگی اختیار کرے جس سے کہ اس کے ذہنی اور دماغی قوی میں جبرت انگیز ترقی ہوئی اور بالآخر موجودہ دور کے مہذب اور ترقی یافتہ انسان کی عظمت کی تکمیل عمل میں آئی۔

### عبدالمجید

اُردو نامہ اس میں اُردو ادب سے متعلق ہندوستان کے بہترین انشاپردازوں اور تنقید نگاروں کے معلومات آفریں مضامین اور مقالے درج ہیں جو خاص طور پر لکھوائے گئے۔ اکثر وہ بیشتر مشہور شاعروں کی فیہ مطبوعہ غزلیں اور نظمیں بطور خاص حاصل کر کے شائع کیں ان میں قدیم اور جدید شاعری کے جو نمونے ہیں ان سے اُردو شاعری کے مختلف رجحانات کا پتہ لگایا جاسکتا ہے۔ ہندوستان کی مختلف جامعات کے اُردو کے پروفیسروں کے مقالات زندگی اور علمی خدمات سے اہل زبان کو روشناس کرایا گیا ہے جن کی دماغی محنت اور ایثار سے نوخیز ادیبوں، انشاپردازوں اور شاعروں کی صحت بخش تربیت ہوتی ہے۔ مشاہیر اُردو کے غیر مطبوعہ خطوط کو پہلی دفعہ منظر عام پر لایا گیا ہے۔ یہ خطوط اُردو ادب میں قابلِ تدار اضافہ ہیں۔ اس میں نئی تصویریں بھی ہیں جو یا تو اُردو ادب کے شاعروں، ادیبوں اور محسنوں کی ہیں یا اُردو سے تعلق رکھتی ہیں۔ اُردو ادب کی تاریخ اور ارتقا پر ایک جامع اور مفید کتاب ہے صفحات (۲۰۰) قیام علی بلاغت یہ کتاب بی شعر و انشا کے محسن سے متعلق ضروری معلومات پیش کرتی ہے جس کا ہر اہل حصہ خانی و دوسرا بیان اور تفسیر، علمِ بدیع سے بحث کرتا ہے۔ یہ کتاب اُردو ادب سے پیش پی رکھنے والوں اور خاص کر اُردو کے طلبہ کے افادے کے لئے مولوی سید کلیم اللہ حسینی صاحب، انشی فاضل، مولوی فیاض، اُردو فیاض سے مرتب کرائی گئی ہے صفحات (۵۶) قیمت صرف (۱۰) (ار)

# بہمنیہ دور میں زراعت و تجارت کی ترقی

ہندوستان زراعت کے اعتبار سے خاص خوبی اپنے میں رکھتا تھا، اور اس لئے ہر اسلامی فاتح کو ہندوستان سے جو محبت ہوتی تھی وہ محض اس کی زرخیزی کی وجہ سے تھی۔ بہمنیہ سلطنت میں مسلمانوں کی جاگیریں، انعام علی الوقت، انعام التمتع وغیرہ سب اس کی زرخیزی کی شہادتیں ہیں کہ وہ یہاں دل کھول کر زراعت کریں۔ بہمنیہ زمانے کے آثار اور بہمنی دور کی ہر وہ چیز اور زراعت کا مختصر حال یہاں لکھا جاتا ہے تاکہ اس دور میں دکن کی زراعت اور مسلمانوں کی اس سے کچھ سی کا اندازہ ہو سکے۔

حال کے انکشافات سے عربوں کی بیسیوں تصانیف کا علم تاریخی دنیا کو ہر باغی کے عربوں نے زراعت پر خوب دل کھول کر محنت کی ہے۔ چنانچہ کتب خانہ سلطانی واقع دارالاسلام قسطنطنیہ سے ایک قسیمی نسخہ کتاب الفلاحت کا عربی اکڑ چھپا جس کا معصنف علامہ ابی ذکریا یحییٰ بن محمد بن احمد شبلیہ ہے۔ اس کتاب کا ایک ہی ایڈیشن مصر سے نکلا ہی تھا کہ اس کا ترجمہ اسپینی، اطالوی، فرانسیسی زبانوں میں ہو گیا۔ فرانسیسی ترجمہ تو اہل عربی نسخہ ایک کالم میں اور ترجمہ دوسرے کالم میں ہے۔ اس نسخہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اول تو یورپ کے جدید علم زراعت کی دنیا و اسی کتاب پر ہے۔ دوسرے یہ کہ جب ابی ذکریا نے عربی میں یہ نسخہ لکھا تھا تو اس کی نقلیں یا اس کے جیسے اور علمائے زراعت نے ایسی اور کتابیں لکھی ہیں اور جبکہ سلطنت بہمنیہ میں عام زبان عربی ہی تھی اس قسم کی تصانیف کا شاہی یادوں ہونا خود اس بات کی دلیل ہے کہ مذاق عام اور اشتیاق زمانہ نے یہ سامان یہاں بھی مہیا کر دئے تھے۔ اگرچہ کوئی خاص تصنیف علم فلاحت عہد بہمنیہ کی اس وقت تک شاہی نہیں ہوئی مگر ان عربی رسائل کی موجودگی سے ان علمائے اسلام کا مشغف معلوم ہوتا ہے جنہوں نے بہمنیہ سلطنت میں زراعت و فلاحت پر جاں سوزی سے کام کیا ہے جس کی کچھ جھلک فرشتہ کے اوراق سے ظاہر ہوتی ہے۔ فرشتہ سلطنت بہمنیہ کی زراعت کی ترقی کے بارے میں بیدر کی سرزمین کی قوت فلاحت بیان کرتا ہے کہ:-

”آب و ہوا میں زمین یہاں کی بہتر ماکن ہندوستان سے ہے۔ میں بلاؤ معظم ہندوستان کو دیکھا، لطافت و خوبی میں مانند اس مملکت کے نظر نہ آیا۔ زمین اس کی شجر سودہ کی طرح سرخ ہے اور اکثر میوہ خراسان اور عراق کا یہاں پیدا ہوتا ہے۔ اور خواجہ محمود کا دان خواجہ جہان زعفران اور مردود و قسم قسم کے انگوڑا اس زمین سے حاصل کئے گئے ہیں۔“ ص ۱۶

یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ علمائے اسلام عہد بہمنیہ میں طریق زراعت و آبپاشی سے واقف تھے اور ان کو اسی قسم کی کتابوں سے مواد ملا تھا جو عربی زبان میں عربوں کے عین زمانہ عروج کی تصنیفات و تحقیقات تھیں۔ اس لئے اس میں شک نہیں ہو سکتا کہ ابی ذکریا کی کتاب جیسی دارالخلافت قسطنطنیہ سے آج پانچ سو برس کے بعد دنیا میں آئی ہے اس طرح پانچ سو برس پہلے دارالخلافت بیدر کے مسلمانین کے کتب خانہ میں ہو گئی جس کو ضرور محمود کا دان خواجہ جہاں یا کسی عالم نے دیکھا اور اس پر عمل کیا ہو گا۔ کیونکہ یوسف عادل خان ترکی (شاہزادہ عثمانیہ) خواجہ محمود کا دان کا معتمد علمیہ و مشیر مل و فرزند لطیف تھا جس کے کتب خانہ میں نایاب کتابیں تھیں۔

عراق و خراسان کے میوے بادام، انگوڑا، سیب، ناشپاتی، امرود، شہتوت، جلیوزہ، لیسے، اخروٹ وغیرہ مشہور ہیں۔ اگرچہ سب سلطنت بہمنیہ میں بولے جاتے تھے تو زراعت کی ترقی کا اس بات سے بہتر ثبوت مل سکتا ہے؟ زعفران کی کاشت سرزمین بیدر کے لئے محض خواجہ جہاں کی زراعت سے کچھ سی اور رشتہ کی کاشت ہے اور

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان حکام اور وزرائے کاشت کاری اور باغبانی کے فن میں کتنی یکجہی لیتے تھے اور اس کو کہاں تک ترقی ہو چکی تھی۔ ان کو اقسامِ فلہ اور سیوہ کی کاشت سے بھی واقفیت تھی اور اس میں کمال رکھتے تھے۔ وہ جانوروں کی پرورش میں بھی ماہر تھے کھیتی کے تجربات کے لئے جداگانہ کھیتوں یا فارم کی تیاری سے بھی یہ پورے ماہر معلوم ہوتے ہیں۔

فنِ زراعت سے متعلق کیمیائی ترکیبیں زمین سے کام لینے کے طریقوں، پرندوں اور چوپایوں کی پرورش اور ان کی بیماریوں کے علاج سے پوری طرح واقف تھے۔

سلطان علاء الدین ثانی بہمنی کا باغ "علائی" جس کی تعریف میں حکیم آرزقی جیسا مشہور شاعر کہتا ہے کہ

گوئی کہ ماہ و مشتری از برج آسمان  
تجیل کردہ اند بہ باغ خدا نیکیاں

سلطان فیروز شاہ کا فیروز آباد سنانا اور قلعہ میں دریائے پشیرا سے نہریں کاٹ کر لانا اور فیروز آباد میں طرح طرح کے کوٹنگ اور باغات بنوانا، اس کے شوقی خلافت کا تین ثبوت ہے جو ہندوستان کے بہت کم بادشاہوں میں بھی پایا ہے۔ درختوں اور ترکاریوں کی کاشت اور ان میں بیوند وغیرہ لگانے کے بھی عجیب طریقے رائج تھے جن کے

ذریعہ سے شہر میں میوے کو اور زیادہ میٹھا خوشبودار اور مفید بنایا جاتا تھا، یا ان سے پہلے کی دوائ بنائی جاتی تھی۔

کتاب کے پھول کا رنگ حسب مرضی تبدیل کیا جاتا تھا یعنی زرد، لاجوردی اور سفید رنگ کا پھول بن سکے۔ بے موسم

مسیب کے درخت میں ایسی ترکیب استعمال کی جاتی تھی کہ پھل پیدا ہوں تو ان پر کوئی مہارت یا تصویر برتی ہو۔ ناشپاتی

اور امرود اور سیب کے پھلوں کو اپنی پسند کے مطابق جس شکل کا چاہیں بنا سکتے تھے، انھیں دانے اور بے دانہ کرنا،

ایک خوش میں مختلف رنگ کے دانے پیدا کرنا، اور انجیر کی ایک شاخ میں جدا جدا رنگ کے انجیر پیدا کرنا، بلکہ ایک ہی

دانے انگوٹھ میں مختلف رنگوں کا ہونا، درخت خیری میں کئی رنگ کے پھول لانا وغیرہ مختلف اقسام کی ترکاریوں کا ہونا،

مثلاً مولیٰ، گاجرا، شلج کو بڑے بنائے کی ترکیب۔ غرض ایسی ہی بہت سی باتیں ہیں جن کو پڑھ کر عقل حیران رہ جاتی ہے۔

امد شاہ ولی بہمنی کے خوش محل میں پانچ پانچ ہاتھ کے کھجور کے درخت تھے جو ہر موسم میں رسیدہ ہوتے تھے، اور

حکیم آرزقی نے سلطان کے خوش محل کے لئے چند منٹوں میں ایسے انگور لائے کہ جیسے انگور کھائے اسی قدر دست آئے۔

(ملاحظہ ہو سوانح عمری حکیم آرزقی، مطبوعہ رسالہ حکمت)۔

اب رہ رہ کے یہ خیال ہوتا ہے کہ کیا یہ وہی سرزمین تھی جہاں سلطان احمد شاہ ولی بہمنی کا "خوش محل" تھا، اور علاء الدین ثانی بہمنی کا باغ "علائی" تھا، اور محمود گکاواں خواجہ جہاں کے وہ زراعتی قطعات اور سیوہ دار

درختوں کا جھنڈ جہاں عراق کے میوے اور زعفران و انگور پیدا ہوتے تھے۔

(۳)

ہندوستان قدیم کے تجارتی تعلقات اہل فارس سے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایران کی تہذیب و تمدن کا

اثر ہندوستان پر بہت کچھ تھا۔ جب ایران پر عربوں کا قبضہ ہوا تو عربوں اور ایرانیوں نے مل کر اسلامی تہذیب و

تمدن کو آگے بڑھایا۔ اگرچہ ابتداً سندھ، مکران، مکرمان پر قبضہ ہوا، مگر بعد میں زیادہ تر ایرانیوں ہی کا تسلط رہا۔

ہندوستان پر برہمن والدہ سلطان محمود غزنوی کا قبضہ ہوا، اور اس کے بعد جو فاتح ہند، ستان آئے وہ ایران کی

خاک پاک سے حلقی رکھتے تھے، چنانچہ سلاطین بہمنیہ ایرانی نژاد تھے، اور ایک عرصہ کے رسم و رواج اور تجارتی

تعلقات سے ان کا ملک متاثر ہو گیا تھا، اس لئے ان کے حدود و مملکت میں بھی ایرانی تجارت کا اثر غالب تھا۔ ایران کی بندرگاہوں میں خرمز، بصرہ اور مملکت دکن کی بندرگاہوں میں مصلیٰ آباد، درہل، بلگام، تہامیر، گواشتہ پور تھا جہاں تجارتی جہاز آ یا کرتے۔

اہل فارس بومایہ کے ابتدائی زمانے سے تجارت میں بڑے مشتاق ہو گئے تھے اور پانچویں برس کی تجرہ کاری نے جہانیاں جہاں گرد بنا دیا تھا کبھی عماد الدین محمود گرجستانی بیدریں ذاتی جہازوں کا بیڑا اقسام اقسام کے مال سے لدا ہوا لاتے ہیں کبھی عماد الدین محمود گرجاواں کے تجارتی جہازوں کا بیڑا بیدریں بندرگاہوں پر نظر آتے ہیں اور کبھی خود سلاطین ہمنہ کے جہازوں سے درآمد و برآمد شدہ مال اتنا ہوتا تھا کہ اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔

ملک البتار خلف حسن بھری کی تجارت کا وہ حال تھا کہ قسطنطنیہ سے لے کر چین تک ان کے جہازوں کا تانتا بندھا رہتا۔

بعض مشہور یورپین اور چینی سیاح نے ہندوستان کی قدیم تجارت پر فوج خوانی کرتے ہوئے اندرون ملک اور ساحل کار و منڈل کی تجارت پر بھی دو آنسو بہائے ہیں جن کا اقتباس اس موقع پر کچھ بیجا نہ ہوگا۔

جب ہندوستان کی تجارت بھی مسلمانوں کے ہاتھ آگئی تو ایران اور ممالک عراق و عرب اس سے بے انتہا فائدہ اٹھانے لگے جس کو دیکھ کر اہل شام و عرب نے اسے اپنے ممالک میں فروغ دینے کی کوشش کی جب مہر و شام غلیفہ کے ہاتھ آگئے تو اسکندریہ کے تاجروں کو روم اور یونان کے ساتھ تجارت کرنے کی ممانعت ہو گئی اور چونکہ مسلمانوں اور یونانیوں کے مابین ہمیشہ جنگ رہا کرتی تھی اس لئے اہل یونان بلکہ ان کے ساتھ اہل اطالیہ بھی ہندوستانی مال سے محروم ہو گئے۔ اس سے کچھ پہلے وہ چین سے تیشی کٹر اچرا کر لائے اور ریشم کی تیار کیا کا حال چشیم خود دیکھا تو اپنے بادشاہ کے حکم سے چند سال چین میں رہ کر یہ کام سکھا اور واپسی کے وقت ایک لکڑی کے اندر چند کیڑے رکھ کر قسطنطنیہ بھیجا۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ ابھی آل عثمان کا قبضہ قسطنطنیہ پر نہ ہوا تھا۔ اس وقت شاہ قسطنطنیہ ان پادریوں کی مدد کر کے ریشم کا کارخانہ قائم کر دیا اور وہ مشرقی ریشم کی تجارت سے مستغنی ہو گئے۔ مگر ان پادریوں کو یہ معلوم تھا کہ دریائے چنچون پر دو شہر ایسے آباد ہیں جو ہندوستان اور چین کے مال کی منڈیاں ہیں چنانچہ بعض الوالہ العزم تاجروں نے ان مقامات میں اپنے آدمی بھیجے اور وہاں کا مال بغیر ٹیکس و دہانے کے اپنے سر کے راستے آنے لگا، اور دریائے سیرس سے یہ مال جو وسط ایشیا کے مال سے تبادلہ میں بیکرہ اسوکو کجا تھا اور وہاں کا مال پھر ہندوستان آتا تھا جو اندرون ملک تک پہنچ جاتا تھا اس وقت مسلمانوں کی طاقت بہت بڑھ گئی تھی انھوں نے اٹالیا میں ایک سیٹی قائم کی اور بنگال، سیام اور چین کے ساتھ بھی تجارتی تعلقات قائم ہو گئے۔ اسلامی طاقت کے اس عروج کو یورپ کے صنایع نہایت حسد کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔ دینس قسطنطنیہ اور اسکندریہ کے مابین ابتدائے اسلام سے ہی تجارتی تعلقات قائم ہو گئے تھے چنانچہ دوسری صدی ہجری میں ہندوستان اور چین کو اسلامی قافلہ روانہ ہونے لگے اور پانچویں صدی ہجری میں تو ادویہ، ریشمی مل اور مسالے دیش میں پہنچنے لگے اور رفتہ رفتہ یہ شہر تجارت کی وجہ دولت سے اٹا مایا ہو گیا۔

خلفائے عباسیہ مصر کے زمانے میں مصر کا راستہ عیسائی اور مسلمانوں کی لڑائیوں کے اختتام پر کھل گیا، اور سابق کی طرح پھر براعظم یورپ ہندوستانی تجارت سے مستفید ہونے لگا۔ دینس سے شہر چینو میں بھی ہندوستانی مال آتا تھا، اگرچہ اس کی مقدار کم ہوئی تھی۔ ان ہر دو مقامات کے باہمی مقابلہ کے زمانہ میں فلورنس ترقی پرتھا اور اس کی تجارت مشرقی ممالک کے ساتھ

برہمچاری تھی۔ جب مصر اور شام سلطان سلیم خان (معاہد سلطان احمد شاہ ولی بہمنی) کے ہاتھ آئے تو وہیں اپنے ہمسایہ شہروں سے بڑھ گیا۔

مشہور جزیرہ نویس مولانا آذری لکھتے ہیں کہ سلطنت بہمنیہ سے جو مال برآمد ہوتا تھا اس میں زیادہ تر جمینٹ، لٹیل، لڑبھی دھاکے، نیل اور دیگر قسم کے رنگ، الائچی، سیاہ مرچ، ہیرے، موتی، فولاد، ہاتھی دانت، ادویات، عطریات شامل تھے۔ بیدری ظروف بھی ایک حد تک ممالک غیر کو بھیجے جاتے تھے، جس کی بڑی قدر دانی ہوتی تھی کبھی کبھی غلاموں یا غلام لڑکیوں کی تجارت ہوتی تھی، جو اشیاء درآمد کی جاتی تھیں ان میں اونی، مٹھی زرین پٹری، قالین، بانات، پوستیں، ہفتا ہفتیاری، عربی گھوڑے، مغزیات، میوہ جات، سونا، چاندی، فیروزہ، عقیق، یشب، ترکی، اردو غلاموں کی تجارت ہوئے لگی۔ ایک اور مشہور سیاح کا بیان ہے کہ آرم، نادرنگیاں، کافور، صندل کی لکڑی بھی یہاں سے برآمد ہوتی تھی۔

دیں کا ایک گراں قدر امیر جو دھیریں صدی کے شروع یعنی سنہ ہجری کے کچھ قبل (عہد محمد شاہ بہمنی شہری) میں ممالک شرقی کی سیر کے لئے دھڑ آیا تو ہندوستان کے مختلف مسالوں کا ذکر کرتا ہے۔

جینو کا سیاح پرتو مہسان سیسٹہ خانو جو سنہ ہجری میں آیا تھا۔ ان قیمتی پتھروں اور مسالوں کا ذکر کرتا ہے جن کی تجارت ہوتی تھی۔ ان قیمتی پتھروں سے وہ ہیرے مراد ہیں جو مملکت بہمنیہ میں گو لکندہ کے ہیروں کے نام سے سارے یورپ میں مشہور تھے، اور بن کی نسبت مارکو پولو اور دیگر سیاحوں نے اپنے سفرا ناموں میں ذکر کیا ہے۔ ایک فرانسیسی مورخ لکھتا ہے کہ سنہ ہجری میں جبکہ بہمنی سلطنت کے تخت قلب شاہ کا یہ جہم تنگناں اور ساحل مالابار میں اہراتا تھا تو اس وقت غیر ملکیوں کے (۳۰۰) ہزار ساحل مالابار پر آتے تھے اس کے علاوہ فرمانروائے کالی کٹ راجہ سامری نے جو خط شاہ پرنگال کو لکھا اس میں یہاں کی اشیاء برآمد و درآمد کا ذکر پایا جاتا ہے۔ لکھا ہے کہ:-

”آپ کے خاندان کا ایک امیر واسکو ڈی گاما میری سلطنت میں آیا اور مجھے اس کی

ملاقات سے خوشی ہوئی۔ میری سلطنت میں الائچی، جانفل، ادراک، سیاہ مرچ اور

قیمتی پتھر کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ آپ کے ملک سے سونا، چاندی، مرجان اور

یاقوت درکار ہے۔“

یہ ظاہر ہے کہ علاقہ راجہ سامری اور ویسے کئی علاقے ڈیڑھ سو برس سے سلطنت بہمنیہ کے زیر نگین تھے اس لئے ان علاقوں کی تجارت دراصل مملکت بہمنیہ کی تجارت تھی۔

(۳)

سلاطین بہمنیہ نے گرائی کی روک تھام کے لئے چند اہم اعتبار کی تھیں ان میں سے ایک کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے۔

جب سلطان علاء الدین بہمنی نے اشیاء خورد و نوش کی گرائی اور دریا کی شکایت محسوس کی تو نہ صرف اس مصیبت میں رعایا سے ہمدردی ظاہر کی بلکہ اپنی فیاضانہ طبیعت و رحم دلی سے وہ چند تاجروں کے خاندانے کے لئے کروڑوں انسانوں کو بھوکوں مہنت نہ دیکھ سکا۔

فکر وئے بہمنیہ سے قطع و گرائی معدوم کرنے کی غرض سے سلطان نے اجناس خورد و نوش کے نرخ مقرر کر دیئے تاکہ لوگوں کو خریدنے میں دشواری نہ ہو، اور اس بات کی خاص طور پر گرائی رکھی کہ احکام سلطانی سے کوئی شخص سرمو اخراجات



دکرنے کے خشک سالی اور کثرت باران سے بعض مقامات کی فصلوں کو جو نقصان پہنچتا تھا اس کا بھی عام نرخ پر مطلق اثر نہ پڑتا تھا۔ سلطان نے غلہ کے سرکاری ذخیرے اور گودام بھی خالی کر دیے۔ یہ ذخیرے سلطنت کے ہر حصے اور پرگنوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ اس زمانے میں غلہ غیر مالک کو براہ میں کیا جاتا تھا، اس لئے سلطان کو گرانے کے انتظام میں چنداں وقت بھی نہ تھی۔ کاشت کی زمینوں کا مالیہ نقد رقم کی بجائے اجناس کی شکل میں لیا جاتا تھا جو غلہ کے زمانے میں سابق نرخوں پر فروخت کئے جاتے تھے تاکہ تاجروں کو نفع اندوزی کے مواقع حاصل نہ ہو سکیں۔

ایک دفعہ تاجروں نے سلطان کو نرخ پر غلہ فروخت کرنے سے انکار کیا تو سلطان نے حکم دیا کہ کوئی شخص سلطان کی ذخیرہ سے سو کسی تاجر سے غلہ نہ خریدے۔ چنانچہ سلطان کی ذخیرہ سے تمام رعایا چھ ماہ تک ارزاں غلہ خریدتی رہی۔ ادھر تاجروں نے یہ دیکھ کر اگر اور کچھ عرصہ تک یہی کیفیت رہی تو ہمارے غلہ کے ذخائر کو دیک کر چاک چاگے اور تجارت کو نقصان پہنچنے کا سلطان سے عفو تقویٰ کی درخواست کی جو اس شرط پر منظور ہوئی کہ پہلے جس نرخ پر فروخت کرنے سے انھوں نے انکار کر دیا تھا اس سے کئی ارزاں نرخوں پر فروخت کرنے کا رضی ہو جائیں۔

ملک نائب نے تمام تاجروں کو طلب کر کے تنبیہ کی کہ سرکاری نرخ سے انحراف کرنے کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔ مگر فداوار اور سرنگر اس حکم کی تعمیل کا ذمہ دار تھا جس کا فرض تھا کہ ان سلطان کے احکام کی پوری پوری تعمیل کرانے کے مستحب نرخ یعنی مہمان بازار و شہداداد اور حوالہ دار پر لازم تھا کہ روزانہ کے نرخوں سے سلطان کو مطلع کرتے رہیں۔ سلطان نے غلہ کی طور پر اپنے آدمی بھی بھیج کیفیت کے لئے نہ صرف دار الخلافہ میں بلکہ دور دراز صوبوں اور ملکوں میں متعین کر رکھے تھے بلکہ ان کا رپہ داروں پر بھی لگان اور حاسوس مقرر تھے۔

اگر کبھی کوئی بات غلط ٹھہرتی یا کسی فرد بشکر نرخ معینہ کے مطابق کوئی چیز نہ ملتی تو مستحب و نرخی دونوں قتل کر دیے جاتے تھے یا باقی کے پیر سے بندھو کر شہر میں ان کو گشت کرایا جاتا تھا۔ یہ عبرتناک سزائیں تھیں جو بہت کم دی جاتی تھیں۔ مگر ہمیت و رمب کا وہ سنگ بیٹھا ہوا تھا کہ کوئی شخص کسی طرح کی کوئی سزا یا نہ کرتا خرید بیل تاجروں کو زیادہ قیمت کی توقع سے غلہ ذخیرہ کرنے کی (جس کو احتکار کہتے ہیں جو شرعاً حرام ہے) اجازت نہ تھی اور نہ کوئی شخص سستے داموں خرید کر مہنگے داموں بیچنے کا مجاز تھا۔ ایسے شخص کو بھی وہی سزا تھی جو نرخی و مستحب کے لئے مقرر تھی، بلکہ فداوار اور سرنوبت بھی اس سزا سے نہیں بچ سکتے تھے۔

یہی حکم تھا کہ کوئی تاجر یا جو پارسی فعل کاٹے جانے سے پہلے غلہ نہ خریدے۔ کاشت کاروں پر واجب تھا کہ غلہ کاٹنے کے بعد سب سے پہلے سرکاری محفل کا غلہ ادا کریں اور اپنی ضرورت کا غلہ رکھ کر بقیہ کو قریب ترین بازار میں فروخت کریں، غلہ کا ذخیرہ کرنے کی اجازت نہیں تھی۔

سلطان علاء الدین بہمنی نے صرف اسناد و گرانے کا انتظام کیا بلکہ اس بات کا بھی بندوبست کیا کہ تاجر غلہ کے اوزان اور پیمانوں میں کمی زیادتی نہ کریں۔ چنانچہ وہ خفیہ طور پر بازار سے اجناس قیماً منگو کر اپنے سامنے ٹکراتا تھا۔ وزن میں جس جتنے چھٹانک کم جوتی تھی اسی قدر گوشت فروشنده کے جسم سے کاٹ لیا جاتا تھا۔

# عربی ادب عربی امیہ میں

(سلسلہ گزشتہ)

سے سوا او باطل کہا جاسکتا ہے۔

تاریخ کی تحقیقی ابتدا خلفاء عربی امیہ کے عہد میں ہوئی ہے۔ اس عہد کی تاریخی کتابیں دو نوع کی ہیں۔ پہلی قسم میں مسلمانوں کی فتوحات، غزوات اور بہاؤان اسلام کے سوانح صحابہ کے تذکرے جو اکرتے اور دوسری قسم میں دیگر اقوام کی تاریخ شامل ہیں جو مکہ خلفاء عربی امیہ کو دوسری قوموں کے طرز حکومت سیاست اور حالات جانتے کا بجا شوق تھا اسی لئے وہ انہیں جمع کرتے اور دوسری زبانوں سے ترجمہ بھی کراتے تھے۔

حضرت معاویہ بن سفیان کو تاریخ سے اپنی دلچسپی تھی کہ رات کا بارہ حصہ وہ مورخین کی صحبت میں گزارا کرتے تھے جو انہیں ایام عرب کے علاوہ شہنشاہان ایران و یونان و روم کی حد دل گسری اور تذکرے لکھنے سے مانگتے جنگوں کے واقعات اور فن حرب کی عجائبات کی داستانیں سننے کا بھی انہیں بے حد شوق تھا۔ مشہور سلاطین کی سوانح عمریاں اور ان کی زندگیوں کے عبرت خیز اخلاقی مسائل کے لئے ان کے پاس مستند و غلام مقرر تھے جو ان واقعات کو دوسری زبانوں سے مثلاً لاطینی، یونانی اور پہلوی زبانوں سے ترجمہ کر کے انہیں سنایا کرتے تھے۔

دوسری اقوام کی تاریخ سب سے پہلے معاویہ کے اہلکار پر عبید بن شریع نے لکھی جس کا ذکر صاحب الفہرست نے بھی کیا ہے۔ اس کے علاوہ ابن ندیم نے اس قسم کی ایک کتاب کا ذکر کیا ہے جسے ابو محنف الازدی نے لکھا تھا اور خود معاویہ اور بنی امیہ کے دوسرے خلفاء کی سیرت کو حواشی بن ابی اسحاق نے جمع کیا تھا لیکن ان میں سے اب کوئی کتاب دستیاب نہیں ہوئی۔

تاریخی علم میں طرک انساب کی ابتدا اس زمانے کے نہایت اہم کارناموں سے ہے۔ مختلف قبائل کے نسب ناموں

قرامد کی ترتیب کے ساتھ ہی اس نے علامات، حکایت اور اشارات کی طرف بھی توجہ کی لیکن اعراب ابھی ابتدائی حالت ہی میں تھے یعنی اگر کسی لفظ کے حروف پر فتح و ضمہ کسرو غلظہ نہ لگتا تو اسے نقطہ سے ظاہر کیا جاتا مثلاً فتح ظاہر کرنا ہوتا تو حرف کے سامنے نقطہ لگایا جاتا ضمہ کے اظہار کے لئے نقطہ حرفت کے اور نقطہ لگایا جاتا۔ اور اسی طرح کسرو کے لئے نیچے قحطا۔

ابو الاسود کی یہ ایجاد زیادہ عرصہ تک عالم ظن و گمان میں نہ رہی بلکہ دو تہا فوقتاً اس میں اضافے ہوا کئے۔ پھر بھی اس کی اصلی ترقی عہد عباسی ہی ہوئی۔

عربی حروف تہجی کی اشکال میں بھی اسی زمانے میں تبدیلی ہوئی۔ عربی خط چونکہ سریانی اور بنیعی سے پیدا ہوا تھا اسی لئے اس میں حروف تہجی اپنی زبانوں سے لئے گئے تھے۔ اسلامی عہد میں دوسری قوموں کو عربوں کے ان حروف کی تیز کرنے میں وقت چھوٹ گئی۔ اسی لئے عجاج بن یوسف دلی عراقی نے عبد الملک بن مروان کے عہد میں غمی حروف ابجد سے نقاط وغیرہ مستعار کر کے عربی میں جاری کئے۔ اس سے عربی خط کے سمجھنے میں بڑی آسانی پیدا ہو گئی۔ اور پہلی مرتبہ عربی حروف کی سو پودہ شکل وجود میں آئی۔

**تاریخ و جغرافیہ** | جاہلیت میں تاریخ و جغرافیہ کا جو عرب کی رزمیہ داستان میں یا بعض مقامات کی تفصیلات میں مل جاتی ہیں۔ قبائل کے تعلقات امراء سلاطین کے فرمانے اور ہری بھری چراگاہوں اور غلٹ لاش کی تلاش میں جن جن مقامات پر انہیں جھبہ زن ہونے کے سوانح ملتے تھے ان کی مناظر کشی میں اس حد تک قدیم عربی شاعری

کو جمع کرنے اور نسخوں کی تحقیق کرنے کا شوق اسی زمانے میں ہو اخصو صاف زیادہ ابن ابیہ نے اس کی طرف بہت توجہ کی۔ وہ خود ایک کتب خانہ کا مالک تھا جس کو معلوم ہے کہ اپنی اعانت اور دشمنوں کے مقابلہ کے لئے اپنا بھائی ہونا تسلیم کیا تھا۔

اس جبر فیہ کا علم اس عہد میں بہت ہی ابتدائی حالت میں تھا۔ حضرت عمرؓ کو ہر مقام کی حالت آپؓ کو ہوا اور باسٹندوں کی کیفیات جاننے کا طراشوق تھا اور وہ خاص طور پر ان مقامات کے تفصیلی حالات منگوا کرتے جہاں مسلمانوں کے قدم جم چکے تھے۔ مسعودی نے اپنی کتاب "مروج الذهب" میں اس پر کافی طرہ بحث کی ہے۔ علوم و تعلیم مسلمانوں نے دوسری قوموں سے لے کر عربی میں منتقل کئے بیسہ یونان، روم، اور فارس و ہند کے متقدم علوم و فنون سے پہلی بار عربی کا نشانہ ہوئے ان میں زیادہ مشہور علم نجوم، فلکیات، علم کیمیا اور طب وغیرہ ہیں۔

خلفائے بنی امتیہ ان علوم سے گہری دلچسپی رکھتے تھے اور ان کے عاملوں کی امداد بھی بے دریغ کیا کرتے تھے۔ اس خصوص میں خالد بن ولید کا نام بہت مشہور ہے۔ خالد بن ولید نے معاویہؓ کی وفات کے بعد خلافت حاصل کرنے کی بہت کوشش کی لیکن اس میں ناکام رہا۔

خلافت کے حصول میں ناکام ہونے کے بعد اس علم و فنون کے حاصل کرنے کی بنیادی خصوصیات اس نے جن میں علم کیمیا، کارگوں کو طراشوق تھا۔ اس کے پاس دوسری زبانوں کے علمی عالم موجود تھے جن میں بعض راہب بھی تھے۔ اس کے پاس ایک سی کتابیں یونانی ادب سے ادب ملتی تھیں۔ منتقل کی گئیں۔ علم نجوم کا بھی یہ براشوق تھا چنانچہ اس نے نجوم کی

دریافت اور تحقیق کے لئے متعدد آلات تیار کئے تھے۔ طریق بہت ہی کتابیں عربی میں ترجمہ کی گئیں جن میں اس فن کی ایک مشہور کتاب کو عباسی زمانے میں مابرجیہ نے عربی میں ترجمہ کیا تھا حکومت کے خزانے میں داخل کروا گیا جب حضرت عمر بن عبدالعزیز علیہ السلام ہوئے تو مسلمانوں کے بعد اصرار پر انھوں نے چالیس دن تک استخارہ دیکھ کر اس کتاب کو عوام کے حوالے کیا کیونکہ اس کتاب کو انصاف کی کتب میں سے سمجھا جاتا تھا اور مسلمانوں کو بھی اتنا شوق تھا کہ اس کو حاصل کئے بغیر نہیں رہے۔

ابن ندیم نے لکھا ہے کہ ہشام بن عبدالملک کے کاتب (سکرٹری) سالہ نے اس سطر کے سال کا ترجمہ عربی میں کیا تھا لیکن اب یہ کتاب آسمان ادب سے پیدا ہو چکی ہے اس زمانہ کی ان مشہور کتابوں سے بہت کم ایسی ہیں جو آج کل دستیاب ہو سکتی ہیں۔

عصر اموی کے علوم کی تعلیم کے قدیم علوم کا احیاء، تحت جہاں ہم نے جدید ادب کے آغاز کا تذکرہ کیا وہاں ہمیں قدیم

علوم کے حالات بیان کر دینا بھی ضروری ہے۔ بلکہ یہی بہت اچھا ہے کیونکہ جدید ادب ابھی اس فن پر پختہ نہیں ہوا اس کی تفصیلات کی ضرورت درکار ہوگی۔ یہی قدیم علوم تھے جو ابھی اپنی بہار دکھاتے آ رہے تھے۔ قدیم علوم سے مراد وہ علوم ہیں جو جہات سے مسلسل ملے آتے ہیں ان میں یہاں قابل ذکر لغت، شعر، خطابت اور کتابت ہیں۔

لغت میں اس عہد میں کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی بلکہ یہی پیمانہ ذکر جاری رہا۔ اس کے علاوہ اس کی آمد سے بعض اصلاحات اہم حاصل ہوئی کا اضافہ ہوا جس کا ذکر خلفائے راشدین کے عہد میں آچکا ہے۔ اب یہاں خطابت اور کتابت کی کچھ تفصیلات۔ بعض مشہور خطیبوں کے حالات اور کاتبین کے واقعات بیان

## سبحان و ایل المتونی

قبلہ

و ایل سے سبحان کا تعلق تھا۔ ان کا نام سبحان بن زفر بن ایاد ہے۔ اور تجمیلہ کی نسبت سے انہیں سبحان و ایل کہا جاتا ہے۔ جاہلیت میں پیدا ہوئے لیکن فلاح اسلام کے ساتھ ہی ایمان لے آئے۔ معاویہ موافق شامی اور مردم شناس تھا۔ میں مدنی رکھتے تھے سبحان کو کام کا آدمی دیکھ کر انہوں نے حبشہ کے لئے اپنے سے متصل کر لیا۔ معاویہ ہی کے عہد میں مدینہ میں ان کا انتقال ہو گیا۔

سبحان نے اپنی لمبائی کی وجہ سے بہت جلد معاویہ پر اپنا اعتماد قائم کر لیا جس طرح شاعری ایک نداداد عطیہ ہے اسی طرح خطابت بھی عبادی کی دیں ہے۔ جن اثر شاعر اپنے کلام کے ذریعہ حاضرین پر اپنا اثر کرتا ہے۔ اتنا ہی بلکہ اس نے اس پر مدد کر خلیفہ اپنی جادوئی سے سامعین کے دلوں پر کرتا ہے۔ سبحان خلیفہ کے اثر میں ڈوبے ہوئے الفاظ پھیلنے میں آگے سے زیادہ سریع تیروں سے زیادہ تیز، صبر کی تیز تند ہواؤں کی طرح جیسا کہ ادھلوں کو موہ لینے میں طلسم سے بڑھ کر تاثیر رکھتے ہیں۔ سبحان کی خطابت ان تمام خوبیوں سے ملتی تھی۔

سبحان بلا شکران کہنے والے شخص تھے۔ اور پھر عربی یہ کہ ان کی ساری تقریریں ضربات کام کی اور ہر لفظ فصیح و بلیغ ہوا کرتا۔ ان کی تقاریر کا کوئی حصہ مہمل اور بیوقوفانہ نہ تھا۔ اس زمانے کے اکثر موضوعیں اور محصور ادیبوں کی آراء کے بموجب ان کی خطابت کسی افاقہ البشر ہستی کا کارنامہ بھی جاتی تھی۔ ان کے خطابات کے دوران میں سامعین کی سانسوں کی آواز بخوبی سنی جاسکتی تھی۔ اور اثر ظاہم خیر مسند کی

کر کہ ہم اس عہد کی شاعری کی طرٹ توجہ دیتے ہیں جو نہایت اہم ہے اور جس پر اس باب کا خاتمہ کیا جائے گا۔

## خطابت

جس کا اسلام کی آمد نے خطابت میں گویا ایک روح پھونک دی۔ مسلمانوں کے ہر طرٹ پھیل جانے سے دور واز کے مقامات میں اسلام کی دعوت دینے کے لئے پروگوا اور فصیح البیان خطیبوں کی سخت ضرورت تھی۔ دوسرے اس وجہ سے بھی خطیبوں کا درجہ بڑھا کر تھا کہ وہ اجتماعی روح جو اب تک مسلمانوں میں جلی آ رہی تھی کہیں اس میں تفرقہ نہ پڑ جائے اور ان کا شیرازہ اسی طرح مجتمع رہے۔ علوم کے عام ہو جانے اور ہر کس و نا کس کے علم کی طرٹ توجہ کرنے کی وجہ سے بھی خطیبوں کی تعداد اس عہد میں زیادہ نظر آتی ہے۔ ہر شخص کو بیان مقرب بننا چاہیے تھا۔ خصوصاً اموی دور میں جدی جماعت بندی کے تحت انہیں خطیبوں کی بد وقت امداد کا محسوس ہونا پڑا۔ اسلامی تعلیمات اور قرآن و حدیث کے اثر سے اس میں تفرقہ و نبات کی خیر بینی اور جادو سے بڑھ کر اثر پیدا ہو چلا تھا۔ اس عہد کے بعد میں مشہور خطیبوں کے حالات ہم دیکھ کر حیرت کرتے ہیں۔ خلفا راشدین کی خطیبانہ قابلیتیں کو کون نہیں جانتا۔ اسلامی دنیا کا بچہ بچہ آج ان کی سیر و نشین سے زیادہ اثر کرنے والی تقریروں کا مزاج ہے۔ ان کے بعد حضرت معاویہؓ بھی کچھ معمولی درجہ کے معزز نہ تھے۔ بلکہ اموی سلطنت کے قیام میں جہاں ان کی دوراندیشی مسلم اور سیاست دان کی کو دخل تھا، وہیں ہر خطرناک موقع پر حضرت معاویہؓ نے اپنی سحر بیانی سے مدد لینا بھی نہ چھوڑا۔

ان کے بعد سبحان و ایل، زیادہ ان ابیہ، جلال ابن یوسف، اور قطری بن العبادہ مجدد شہرہ ہیں۔

کے نزدیک ان کو سونے چاندی میں تلوانا کچھ بڑا کام تھا۔  
نصاحت و بلاغت، لہجہ کی ولہنی شاعرانہ انداز، سلاست  
ان کی خطابت کے ساتھ یوں وابستہ ہے جس طرح شاعری  
تخیل کے ساتھ وابستہ ہے۔

### زیادہ ابیہ المتونی ۵۳

ایک نہایت بزرگ ادھیمین کیرتھی جس کا نام سمیتہ تھا۔ اور  
انھیں کیراس ایک خوش رو و بی ظلام تھا۔ جسے عید کہتے  
تھے۔ حادثہ نے ان وہ نون کی شادی کر دی تھی معلوم  
ہوتا ہے کہ ابوسفیان اس کمزور و دلکش اداؤں پر  
لٹو ہو گئے تھے۔ کیرتھی بھی ممکن ہے ان کا ساتھ  
دیا ہو۔ — ہر حال اس شادی کے ایک سال بعد  
ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام زیاد رکھا گیا۔

شریف خوں کی آمیزش اور عروق صالح کی  
کوشش نے زیاد میں اعلیٰ قابلیتوں کے پورے جوہر  
ہمایا کر دیئے تھے۔ دن گزرتے گئے اور زیاد سنہ  
حسن ظاہری میں بلکہ دولت علم سے بھی مالا مال ہوئے  
کئے۔ حتیٰ کہ محصوروں میں اپنی ذاتی لیاقت کی بنا پر  
انھوں نے بڑی عزت پیدا کر لی۔

سمیتہ سے ابوسفیان کے تعلقات اس وقت  
تھے جب انھوں نے امی اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ ہلام  
قبول کر کے وہ ان سب چیزوں سے بری الذمہ ہو چکے  
تھے۔ اس واقعہ کا اظہار انھوں نے حضرت عمرؓ  
کے خوف سے ان کے ہڈ تک کسی سے نہ کیا تھا۔ مدینہ  
حضرت عمرؓ ان واقعات پر شرعی سزائیں دینے میں  
معلق تامل نہ کرتے گو وہ عمل کفر کے زمانے ہی میں  
کیوں نہ کیا گیا۔ ایک مرتبہ ہاجرین اور انصار کے ایک بڑے  
جمع کے آگے زیاد نے ایک نہایت فصیح و بلیغ خطبہ دیا۔  
حضرت علیؓ اور حاضرین میں توفیق کے بہت سے  
سربراہ اور وہ صحابی بھی موجود تھے۔ عمر بن العاصؓ نے

صلح کی طرح لوگوں کے چہروں سے ظاہر ہوتا۔  
ان کی تقاریر کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ سنہ  
سے کہتے تھے بلکہ ان کے دل کے گوشوں سے آواز  
نکلتی تھی۔ خطابت کی دنیا میں ان کا نام آج بھی بڑی اہمیت  
سے ہے۔ ایک مرتبہ خراسان سے ایک وفد حضرت معاویہؓ  
کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وفد کی گفتگو کا جواب  
دینے کے لئے معاویہؓ نے سبحان کو طلب کیا۔ اتفاقاً  
یہ کہیں گئے ہوئے تھے۔ ہر حال کچھ ور بعد جس محل  
میں تھے اسی محل میں معاویہؓ کے سامنے پیش ہوئے  
معاویہؓ نے حکم دیا کہ وفد کے سامنے اپنے خیالات کا  
اظہار کریں۔ انھوں نے ایک عرصہ اٹکا۔ لوگوں نے کہا کہ  
عصا لیکر گیا کہ جگہ فراموشیوں کے سامنے ہو  
انھوں نے فوراً کہا دی کروں گا جو عصا لیکر موسیٰ  
نے اپنے خدا کے ساتھ کیا تھا۔ معاویہؓ نے ہنس کر  
انھیں عصا دینے کو کہا۔ عصا کے سہارے کھڑے ہو کر  
انھوں نے کہنا شروع کیا۔ لڑکے قبل سے لیکر عصا کی  
نماز کے وقت ہونے تک یہ مکمل کہتے رہے نہ انھوں  
نے اس اشارہ میں کھانا نہ جانی لی ادھ نہ ابھی وقفہ  
لیا۔ — بلا توقف کہتے ہی چلے گئے۔ وفد کے لوگ  
ادھر دیکر حاضرین مبہوت بنے ہوئے تھے۔ بس ان کے  
ہونٹوں کی طرف دیکھ رہے تھے جہاں سے وقفہ  
تقدیر نہات سے زیادہ غیرتی لئے ہوئے بے درپے  
نکلے تھا۔

اس شعبہ کو سن کر معاویہؓ نے کہا: پہلے تو  
نماز پڑھ کر کیا نماز کا وقت ختم ہو رہا ہے؟ لیکن سبحان  
نے انھیں روکنے سے منع کیا۔ معاویہؓ نے ان کی یہ  
حالت دیکھ کر جوش نہ کیا۔ ترجمہ میں سب سے بڑے  
خطیب ہو، اس سبحان نے کہا: نہ صرف عرب بلکہ  
عجم اور جن انس سب سے بڑے گروہ  
سبحان الی و دولت کے شائق نہ تھے۔ وہ نہ معلوم

مثالوں سے لیکھا ہے۔ تاریخ میں یہ مشہور ہے کہ زیادہ نے حضرت عمر کی تقلید کی اور سختی دکھائی اور حجاج نے زیادہ کی تقلید میں سخت ہزاروں کا خون بہایا۔ یہ یمن اور حبشہ پر سزائیں دیتے تھے۔ علانیہ جرم پر قتل اور خفیہ طور پر کرنے والوں کو سزا ملتی۔

ان کے زمانے میں مجرموں کی تعداد بالکل ہی ختم ہو گئی تھی۔ ہر شخص ان کے نام سے سزا تھا۔ اپنی آخر تک انھوں نے یونہی بسر کی۔ چھ مہینے نوڈ میں رہتے اور چھ مہینے بصرہ میں گزارتے بالآخر سزا میں طاعون سے ان کا انتقال ہوا۔

خطابت میں سبحان و ایل کی طرح ان کا نام بھی ہمیشہ سنانِ شہرت پر ہمدردی کی طرح جلوہ گر رہے گا۔ حکومت کے اثرات لوگوں پر ڈالنے، بغاوتوں کو فرو کرنے اور ارکانِ حکومت کی تالیفِ قلوب کے لئے جتنا انھوں نے اپنی خطابت سے کام لیا ہے اتنا شائد ہی کسی اور نے لیا ہو۔ حجاج بھی اس میں شک نہیں اس معاملہ میں اپنی آتش بیانی سے کبھی باز نہ رہتا۔ لیکن واقعات کے مطالعہ سے ہمیں کہنا پڑے گا کہ حجاج نے زیادہ کی پیروی کی اور ان کے نقش قدم کو اپنا رہنما بنایا۔

خطبہ بقرہ کے نام سے ایک خطبہ تاریخ خطابت میں ہمیشہ کے لئے زیادہ کے نام کے ساتھ وابستہ رہے گا۔ کہتے ہیں کہ اس خطبہ میں انھوں نے نہ خدا کی تعظیم کی تھی اور نہ رسول اکرم کی شفاء۔ ان امور کا اس زمانہ میں اتنا خیال کیا جاتا تھا کہ ان کے اس مشہور خطبہ کو خطبہ بقرہ کہا جاتا ہے جس کے معنی میں باجِ تقریر۔

اس کے زمانے کا ایک مشہور شخص شعی کہتا ہے۔ "نہر پر جب کسی بہترین تقریر کرنے والے کو میں نے کوئی دشمن بات کہتے سنا تو دل ہی چاہتا کہ وہ اس کو بھجے

ان کی پر مغز اور دلکش تقریریں کر کہا کہ۔ کاش یہ نوجوان قرین سے ہو تا کہ عرب اس کے عصا کو چومتے۔ اس پر ابوسفیان سے نہ رہا گیا اور انھوں نے اتنا واقعہ سکے سامنے بیان کر دیا اور کہا کہ۔ حضرت عمر کے عروت میں نے اب تک اس کا اظہار کسی سے نہ کیا تھا۔

حضرت علیؓ کے زمانہ خلافت میں زیادہ نے انہی غیر معمولی ذہانت اور لیاقت کی بدولت خزانہ کی نگرانی کا عہدہ حاصل کیا۔ یہیں سے ان کی ترقی کا زمانہ شروع ہوتا ہے۔ حضرت علیؓ کی سخت شہادت اور

معاویہ کے سر پر آرائے خلافت ہونے کے بعد یہ کہیں سے کہیں پہنچ گئے۔ استاد معاویہ نے انھیں اپنا بھائی کہتے ہوئے پس و پیش کیا۔ بلکہ وہ چاہتے ہی نہ تھے کہ انھیں اپنی نسب میں شریک کر لیں۔ اگر دیا و معمولی قابلیت کے انسان ہوتے اور گناہی میں رہتے تو معاویہ سے مجید تھا کہ انھیں بالکل دروغ ہی کہیں۔ جب معاویہ نے اپنی سلطنت سے استحکام دولت اموی کے قیام کے لئے زیادہ جیسی شخصیتوں کی امداد کو ناگزیر سمجھا تو اس وقت کہیں وہ انھیں بھائی کہنے اور زیادہ بنانی سفیان کہہ کر خطوط لکھنے سے بھی باز نہیں آئے۔ یہ معاویہ کی مردم شناسی اور سیاست دانی کا نتیجہ تھا۔

معاویہ کے زمانے میں یہ بصرہ اور کوفہ کے گدز بنائے گئے۔ اس خدمت کو جس عہدگی اور محنت انھوں نے نبھایا ہے اس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ صرف یہ شکرت کی جاتی ہے کہ یہ ذرا سخت گیر تھے۔ لیکن اس زمانے کی حکومت عملی کے لحاظ سے ان کی سخت گیری بالکل بجا تھی۔ یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ زیادہ وہ مضبوط ستون اور سنگم بنائے جس پر بنی امیہ کی عمارت کھڑی کی گئی۔

زیادہ نے حکومت کے طریقوں کو حضرت عمرؓ کی

حجاج کو حکم دیا کہ حضرت عبداللہ کے ہاتھوں سے  
چھین لے۔ حجاج کی فطرت اور فنی الطبعی کی شہادت  
تاریخ سے ملتی ہے۔ وہ بغیر کسی کی پروا کے شہابی  
کڑا گیا۔ اور قمر کا کلی فتح حاصل کر لی۔ اور حضرت عبداللہ  
کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے مگر عبداللہ کے دل میں  
اس کا رتبہ و جنبہ نہ بڑھا۔ عوان میں جھینوں کی تختہ اندازی  
اور عارضہ جہول کی تشریش کا حال سن کر عبداللہ ملک نے  
وہاں کی گورنری کے لئے حجاج سے زیادہ مناسب آدمی  
کسی کو نہ پایا۔ لہذا وہاں کا گورنر خراج کی تاریخ  
شام ہے کہ غلطی سختی اور جس قدر ظلم حجاج نے مال عراق  
پر کیا اس کی مثال تاریخ عالم میں شاید ملے کہ اور پیٹنر  
نے سوانہ میں لکھے۔

حجاج نے رحمت سلطنت میں جی تحصیل اور  
چھین تک اپنی لوگوں کی دھاک دھکی باہر شریقی فسادوں  
کی اس نے بجائے کے لئے نوج لکھی اور یہی بقیہ ساری عمر  
اس نے عراق ہی میں گزار لی اور سیاسی اغراض کے  
تحت اس نے جو شہر واسطہ کے نام سے ایسا انتخاب کیا مگر  
سلسلہ میں مکر رہا جس دن ہوا۔

بلخا کا فطرت حجاج کتنا ہی شقی عقلمند اور سچ والی تھا  
کیوں نہ ہو بلخس کا کسی باہمی کے لئے اس کا کوئی توفیق نہ تھا۔  
سخت گیری میں اس نے زیادہ کو بھی نیچا دکھایا۔ تاریخ  
میں حجاج کی شخصیت کے متعلق پوری بھی کہا جائے یہاں  
بلخا کا ادب۔ اور وہ بھی بلخا کا خطابت اس کی  
بستی کو میں دکھانا مقصد ہے۔ حجاج کے ابتدائی  
کارناموں میں سے ایک آخری عمر تک کے امور پر نظر ڈالنے  
تو اس میں اس کی ذکاوت اور میدان بازی کے ساتھ  
ساتھ جا دو جانی اور آتش فنی کا بھی بڑا حصہ ہے۔  
لوگوں کو اپنا بنانے میں عموماً اسے حاصل تھا۔ اور  
اپنی آہستہ نظریہ تھا۔ مخالفین کے گرد میں گھومتے ہو کر  
اپنے ولی نہیں جیسے سے ان کی دشمنی کو تبدیل یہ وہ بھی

اپنی لشکر کو ختم کر دے کیونکہ یہ خوف نہ تھا کہ اس کے بعد  
وہ اتنی عمدہ بات نہ کہہ سکے گا۔ لیکن جب زیادہ خطبہ  
کے لئے کھڑے ہوئے تو دل ہی چاہتا کہ یہ چوبیس کے ہتھی  
رہیں۔ کیونکہ انہی کی ہزیمات بھی بات سے زیادہ  
شاندار زیادہ نصیح و نصیحت اور بہت ہی پراثر  
ہوا کرتی تھی۔ اس سے ان کی خطابت کے خدا داد  
ملکہ کی غیر معمولی طاقت کا اندازہ ہوتا ہے۔

حجاج بن یوسف المتوفی  
یوسف بن یحییٰ بن  
۹۵ھ

عمرت میں پیدا ہوا۔ باپ کی سرپرستی میں اس نے ابتدائی  
تعلیم کا کچھ حصہ طائف میں حاصل کیا لیکن زمانے کی  
گردش اور غور اس کی فطری تجسس و اضطراب کی وجہ  
اسے بہت جلد درس گاہ سے ٹھکر کر ملی دنیا میں قدم  
رکھنا پڑا۔ اس کی ذکاوت اور غور و فکر کو دیکھ کر یزید  
میں زینباں جذبی نے جو عبداللہ بن مروان کے  
حکمہ پولیس کا اقتدار تھا اسے اپنے حکم کے دائرہ ملازمین  
میں داخل کر لیا۔ موقع شامی اور دور اندیشی کی  
وجہ سے حجاج نے بہت جلد اپنا سوخ پیدا کر لیا۔  
ایک مرتبہ فوج کے ایک دستہ نے اطلاع سے  
انحراف کیا جس سے امام انظام میں بے چینی پھیلنے  
کا اندیشہ تھا۔ عبداللہ نے اس کی شکایت روح  
میں زینباں سے کی اس نے اس کو واقعہ کے رفع دفع  
کرنے کا انظام حجاج کے سپرد کیا اس نے بے حد حسن انظام  
اور حکمت عملی سے نہ صرف محو شدہ فوجوں کو راہ  
پر لایا بلکہ عسکری نظام میں وہ بھی پیدا کی کہ بھی  
شکایت کا موقع نہ ملا اس سے اس کی شہرت بہت  
بڑھ گئی۔ اس کی زندگی کا دور مرا کا زمانہ حضرت  
عبداللہ بن زبیر کے خلاف کی پرتوجہ تھی کا ہے۔  
عبداللہ اپنے تمام مخالفین پر غلبہ پانے کے خیال

تعلیٰ من یتبع البقیۃ پر چڑھنا۔  
مندرجہ بالا ابتدائی اصولوں پر عربوں کے ایک  
خیال وحدت پسند و دانشمندی نے زیادہ عرصہ ٹیکا لینا  
مناسب نہ سمجھا اسی لئے کچھ عرصہ بعد ابتدائے  
رسائل میں حدود شمار کے طبعی الفاظ کا استعمال کیا جاتا  
رہا۔ مخاطبات کے طریق بھی بہت بدل گئے۔

سیح اور یسعی چھوٹی چھوٹی امتیں تھیں کی تاریخ میں  
اب زمانہ بھی آیا کہ شرکا اور ظلم سے بڑھ گیا۔ اس  
دور کے کہتے ہیں میں سے ہم صرف عبد الحمید بن یحییٰ  
کا اجمالی حال بیان کر کے اس کو ختم کرتے ہیں۔

**عبد الحمید بن یحییٰ المتوفی ۳۳۵ھ**

یہی شام میں پیدا ہوا۔ باعتبار اس نام عرب ہونے کا  
اسے فخر حاصل تھا کہ قبیلہ یحییٰ عامر سے اس کا تعلق فخر  
تھا خود اعتمادی اور ذاتی تقدیریت کی وجہ سے اس نے  
بڑی ترقی کی اور ہشام بن عبد الملک کے پیچھے بھاگی سالم  
کا نائب اور پھر یحییٰ بن سکر بن یحییٰ بن گیا۔

ایک زمانے تک اس نے خطاب مملوک کی رہبری  
اور ان کے دوس و دہریس کے لئے شہر شہر اور دوس دوس  
گھومنا اس کی شخصیت کا علم مردان ہمنام کو بھی ہو چکا  
تھا۔ مردان نے اسے اپنے ہی پاس رکھا۔ اور ان میں  
بڑی دوستی ہو گئی جب مردان غلیہ ہو تو اس کے  
نقیب ہی جاگ اٹھے اور یہ سلطنت کا سکرٹری  
بن گیا۔

سیاحی پیچیدگیوں کی بنا پر رب مردان کے  
مستغلاقت پر پہنچی تو نئے نہری تب بھی اس نے  
اس کا ساتھ نہ چھوڑا۔ بالآخر جس بات کا خوف تھا  
پورا پورا ہوا اور مردان قتل ہو گیا۔ عبد الحمید نے  
اس جملہ کے دوسرے بہترین اشراف و اہل انصاف  
کے پاس بھرتی میں بنامہ کی جس کا قادی و دست تھا۔

کرنا یہ کہ معمولی کا زمانہ نہیں عراق میں جہاں اس نے  
ہر قسم کے ظلم و ستم کو سہہ سہہ کرنا دیکھا تھا۔ اس سے مخالفت  
مردان کی تھی۔ وہاں بھی اس کی رائے نفعگو اور  
خلفہ کی تعادیر کے آنگے عوام کو لوگوں کی طرح اس کو  
تھا کرتے۔ بحث مباحثہ میں اٹھ اڑی کوئی اس سے  
بازی لیجاتا ہوگا۔

امک بن دنیار کہتا ہے منبر پر حجاج سے زیادہ  
مطالبہ کو واضح کرنا اور اس کے کسی کو نہ پانا جب  
غلیہ میں اہل عراق پر اپنے اصرار سے اور عسکریوں کو  
جٹانے لگتا اور ان کی طرز روش کو نکتہ پیمانی کرتا  
تو ہر ایک یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتا کہ وہ بالکل سچ کہتا  
ہے اور اس کے سامعین سارے دروغ گو ہیں۔

**کتابت** صدر اسامہ میں پہلی مرتبہ کتابت اور  
ان کی طرف توجہ دینا سنے

تھی۔ بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ وجود عربی شرا اور اس  
خاص مملوک کا آغاز یہیں سے ہوا ہے۔ یہ ظلم کے ساتھ  
ساتھ اس کی اہمیت کو بھی تسلیم کر لیا۔ تو زمین کی حالت  
اصول و فرائض غلطت کے امور خاص اہل طرز کا ش  
کے نہ بھجی تھیں اس دور کی کتابت میں سنے میں واقع  
کی اس نو ساخت صورت میں اگر عربوں نے روح بھونکی  
تو وہ ایوں اور عجیبوں نے اس کی تراستی اور  
پیرائے میں حصہ لیا۔ چونکہ اس کا آغاز یہیں سے  
ہوتا ہے اسی لئے اس کا اسلوب بھی آج تک کی عربی  
سہ نسبت کچھ مختلف ہے۔ شاید ان الفاظ و دوسری چیزیں  
اختصار اور سادگی کا فقدان۔ اس زمانے کی عربی

خاص خصوصیات میں غماز کے استعمال میں ایسی کوئی فرق  
نہ تھا۔ جیسے کہ بعد میں منظر کے لئے وضع کے سبب استعمال  
کئے جانے لگے۔ عوام پر ترقی کی ابتدا اس سبب سے ہوئی  
سے کوئی کہن کے بعد خدا کی حمد ہوئی۔ اظہار شد  
کا اختتام بھی عام طور پر۔ بالسلام یا۔ والسلام



کی داغ بیل ڈالی۔

تنوع مضامین اور جدت تنقید سے اسے مالال کیا۔ تنقیدات اور خطاطی کی تبدیلیاں بھی اسی کی داغی پیداوار تھیں۔ ابتدائے رسائل میں خاص طرز کی حواہی تحریر کرنا اور اختتام بھی ایک مخصوص انداز میں کرنا یہ اسی کی جدت تھی۔

عبدالحمد کا انداز بیان نہایت شیریں سلیس ہوا کرتا۔ اس کے الفاظ میں ایک نوع اور دلکشی ہوتی۔ حکیمانہ خیالات اور فلسفیانہ مضامین کی بھی اس کے پاس کمی نہیں۔ اس کی قدرت تحریر کا اندازہ اس واقعے سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ ابومسلم خراسانی نے عبدالحمد کی تحریر کو جو مردان کی طرف سے اس کی ہدایت کے لئے بھیجی تھیں پڑھنے سے انکار کیا کہ کہیں اس کے خیالات کی تہذیب جاہل اور اسی خوف سے انھیں آگ کی نذر کر دیا۔ عربی نثر کے آغاز میں عبدالحمد کی شخصیت اتنی گراں گاہ تھی کہ اسے بعد میں "عربی نثر کا داد آدم" کہنے لگے۔

ابوالفضل

خالفین کی ایک جماعت اس کی تلاش میں یہاں بھی پہنچی جس میں سے بعض لوگ ابن المقفع کے گھر میں ٹھہر گئے۔ عبدالحمد اور ابن المقفع کی انتہائی دوستی کا ثبوت اس واقعہ سے ملتا ہے کہ جب خالفین نے گھر میں داخل ہو کر عبدالحمد کو طلب کیا تو یہ دونوں سامنے ہی موجود تھے ان کی وضع قطع صورت شکل اور چال و چال میں اتنی مشابہت تھی کہ تو اہم صحابی معلوم ہوتے تھے۔ اب ان لوگوں کو یہ حیرانی پیش تھی کہ کہیں عبدالحمد کی بجائے دوسرا قتل نہ ہو جائے جب انھوں نے دریافت کیا کہ عبدالحمد کون ہے؟ تو ابن المقفع نے اپنے کو پیش کیا جس پر فوراً عبدالحمد نے آگے بڑھ کر دلی ہی سے ان علامات کو بیان کیا جس کا اس عبدالحمد ہونا ثابت تھا۔ خالفین نے فوراً اسے گرفتار کر کے قتل کر دیا۔

عبدالحمد سے پہلے کتابت بالکل ابتدائی حالت میں تھی اور عوام کے خیال کے بموجب کتابت کوئی شریف اور قابل احترام فن سمجھا نہیں جاتا تھا۔ اس نے زمر لوگوں پر

تایخ ادب اردو اور دوزبان اور ادب کی کئی اچھی تالیفات اب تک

نہیں لکھی گئی۔ اگرچہ اس موضوع پر دوچار کتابیں خوب چلی ہیں لیکن ان سے نہ عالموں کی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں اور نہ عوام اور طلبہ کی۔

اس سہولت کے پیش نظر ادارہ نے یہ تاریخ مرتب کرائی ہے۔ یہ تاریخ صرف طلبہ اور عوام کے لئے لکھی گئی ہے۔ اردو صحافت اور ادب سے دلچسپی رکھنے والے علماء و اصحاب کے لئے تاریخی معلومات کا بہترین ذریعہ نہایت ہوگی۔

چھوٹی تالیف ۹۷ صفحات قیمت ۵۰ روپے

آریائی زبانیں

یہ کتاب اردو کی ابتدائی تاریخ اور اس کے ماخذوں کا مستند تذکرہ ہے جس کو ادارہ کے لئے ڈاکٹر سدیق شہزاد صاحب ایم اے ڈی لٹ ریڈ فیر سنسکرت ولسانیات و معد کل ہند آریہ زبانیں ولسانیات کے خاص طور پر مرتب کیا۔ صفحات ۱۰۴ قیمت ۵۰ روپے

ملنے کا پتہ: سبکدس کتاب گھر خیر آباد  
حیدر آباد دکن

# غزل

دیر و حرم کی بنیادوں پر آؤ نئے مینار اجاہیں

صدیوں سے چھپنے والے کو ایک نئی منزل سے پہنچاں

جیری کو بھی پوشیدہ ہے اپنا حرم بھی خوابیدہ ہے

وصواں و صواں ہستی و بلند کی کیسی ہیں

بندوں کو دھمکانے والے کاش کہیں یہ سوچا ہوتا

ساننوں کی خیرات کے بدلے ہم دو جگہ بوجھ سہارا

پلو جگہ کے بھوکے دیوتاؤ، تم ہی کوئی ڈھنگ بھاؤ

رنگ اجاڑے، روپ بگاڑے، سب کچھ وار، اکیچھ وار

تند ہواؤں کی شدت کو پل پل بعد بڑھاتے کیوں؟

کب تک کامل گیتی کو ہم بچھا کر انسان سناں

وقت ہے اک چکر میں خرا ماں گھوم گھوم کر لوٹ آئے گا

اڈیں گی گھنگھور گھٹائیں، ہکیں گی بحرِ پربہاریں

کہتے ہیں یہ بے نام اجاڑے، اجاگیں گے قافلے دارے

قلبِ افق میں کند بن کر ڈوبے ہیں تیرے ہاتھ آگے

فرشِ ہلدا، فرشِ ہمارا، آؤ غبارِ آؤ و نہیا لو

احمدیم قناری

تو مادل کی رکشن آفتان کو و مرقی کے مانعہ پاتیاں

# مہر و مہ واجم

بکھڑوں پریش میں عابد روڈ کی ایک دوکان پر قطار میں کھڑا ہوا تھا۔ ابھی میری باری آنے بھی نہ پائی تھی کہ بارش شروع ہو گئی اور قطار میں ٹھٹھکی مچ گئی چناہ کے لئے سب دوکانوں کے سائبانوں میں ٹوٹ پڑے۔ میں بھی ایک کتبہ فروش کی دوکان کے برآمدے میں چناہ کے لئے دوڑا جب میں فطارسے ٹھٹھکی کر دوڑا ہاتھ دھو بیٹھی کے کھیمے سے قریب ایک لفافہ پڑا ہوا ملا، جو معلوم ڈاک میں حوالے کئے جانے لگا۔ وہاں کیسے گر گیا تھا میں نے اسے اٹھا لیا تاکہ ڈاک خانہ میں ڈال سکوں۔ سائبان میں جب میں نے لفافے پر نظر ڈالی تو معلوم ہوا کہ سوائے لفافہ ہی کے باقی تمام چیزیں بارش سے دھل گئے ہیں، اور ڈاک میں داخلے سے پہلے صرف لاوارقی غلوہ کے دفتر میں پہنچ کر فطارسے ہوجائے گا۔ جب تک بارش ہوتی رہی رہیں بھی چوتھا رہا کہ اس خط کو کیا جائے۔ سہ ماہی خیال آیا کہ خط کو کھول کر کاتب کے پتے پر واپس کر دیا جائے۔ گو اس خیال پر صمیم سے مامست بھی تھی کہ اور دن کا راز کیوں جان رہے ہو؟ جانے کسی مجبور کا خط نہ ہو کسی بڑی نے اپنے شوہر کو خط لکھا ہو، یا یہ ہو سکتا ہے کہ کسی صاحب نے اپنے توفیق دار کو نوٹس دیا ہو، ان لمحوں میں مجھے ان شاعروں کی یاد دہشت ستائی جو لفافہ دیکھ کر خط کا مضمون بھانپ لیتے تھے۔ جب میں گھڑانا تو یہ خط پھر یاد آ گیا، اور مجھے سند باور چاکر والے پیرسم یاکی یاد آئی۔ چونکہ یہ خط صبح سے میرے خیالوں پر چھا ہوا تھا اس نے لفافہ جاک کیا۔ انداز تحریر سے صاف پتہ چل رہا تھا کہ کسی لڑکی نے لکھا ہے کسی لڑکے کا خط یا کہ میرے میں ہوا تو آج میں ہی ایک لڑکی کی دل کا ذکر کرنا شروع رہا ہوں اس خط میں پیار کی باتیں ہوں گی، راز کی لافانیوں کا ذکر ہو گا، انہ جیسے سے آجائے ہیں آئے کے احوال ہیں گئے۔ میں نے جب القاب پڑھے میری یہ خیال آنریاں دفعتاً فوٹ ہو گئیں۔ ایک جھپٹتی ہے چاکو یہ خط لکھا تھا اس خط میں مہر و مہ واجم ہی کا ذکر تھا۔ مہ نے یہ خط لکھا تھا۔

بیجا جان! قدم بوسی اور ہزار احترام!

بہت دنوں سے آپ نے میری خط نہیں لکھا، اور نہ ہماری غیریت معلوم کی۔ اماں کہتی ہیں کہ ہم تینوں یتیم بہنوں کا آپ کے سوا اور کون سہارا ہے۔ وہ یہ فرماتی ہیں کہ اس پر وہ کے صرف آپ ہی پرسان حال ہیں۔ لیکن آپ نے بھی جاتے کے بعد صحت کوئی خط نہیں لکھا، جس سے یہ گھر والی آمنہ معاملے بتلا یا کہ ان کے بھائی کے ہاں آپ کا خط آیا ہے کہ آپ کو بھی میں اچھی ملازمت مل گئی ہے۔ کیا اس غرض تیری کے لئے کہ ہم حق دلا ہیں ہیں۔

مجھے بھی آپ کو یس کریمہ ٹھٹھکی ہوگی کہ تہہ باریسم ٹوٹ گیا۔ اماں اس واقعہ سے اتنی دل گیر ہو گئی ہیں کہ وہ روتا رہیں سید آجائے اور وہ گھبراہٹ ہوئی ورنہ انوں کی کھانسی بانیں کرتی ہیں۔ گھڑی میں روتی ہیں، گھڑی میں دلو انوں کی دلچ، کھنکھیں ہیں تو پتا ڈر فٹن میں ٹھٹھکی بانگر بھتی رہتی ہیں۔ بہت درد دیر سے مجھے میں کہتی ہیں کہ لکھ رہے ہیں، ان دن دکھانے کے لئے زندہ دکھا ہے۔ کل جب وہ کہہ رہی تھیں کہ یہ تین لڑکیاں میرے سینے پر تین پہاڑ ہیں۔ ان تین پہاڑوں نے میرا دم نکلا جا رہا ہے تو انجم برامان لکھی، اور کہنے لگی کہ اماں

اگر آپ کو ہمارا وجود اس قدر برا معلوم ہوتا ہے تو ہمیں نہ ہر دے دو! انجمن عجمین ہی سے اعلیٰ باتیں کرنے کی عادی ہے۔ وہ اماں کی باتیں سمجھ نہ سکتی۔ اس کے اس جلد پر اماں زار زار روئے گئیں، اور انکو اپنے سینے سے لٹا لیا۔ کہنے لگیں کہ ”میری کھٹ جگر تو نے کچھ کھا نہیں، میری بھولی بی بی میری کلی میسی نازک بچی تجھے کیا معلوم! پھر انجمن بھی روئے لگی پرچا جان! اماں کو اس قسم کے ٹوٹ جانے کا سخت ملال ہے۔ کہتی ہیں کہ اس انتظار اور اس بھری ہلکا ہواں میں روشنی کی ایک کرن اگر ہی تھی وہ بھی جاتی رہی۔ تھر آپا کے منگیتے پر ہوں کھلا بھو یا کہ مہر آپا کی عمر بہت زیادہ ہے اس لئے وہ بیاہ نہیں کر سکتے، البتہ انجمن سے بیاہ کرنے تیار ہیں۔ اماں نے بہت دیر سوچنے کے بعد کھلا بیجا کہ یہ ممکن نہیں۔ پھر وہ سب کو اپنے کچھے سے لگا لیں۔ ان کی آنکھوں سے آنسو ٹپک کر ہمارے رخسار اور پیشانی پر پڑے۔

اماں نے کہا کہ انجمن کو اگر بیاہ دوں تو پھر میری دونوں بیویاں تھر و تر کو کون بیاہے گا۔ تم دونوں کے متعلق یہ دنیا کہتے اعتراضات نہیں اٹھائے گی۔ میں تو سمجھتی ہوں کہ یہ جودیم ٹوٹ گیا اچھا ہی ہوتا ہے۔ منگیتے صاحب کو دیکھا ہے نا! سر پر ننگوں کی طرح سفید بال ہو گئے ہیں۔ شکر ہے سر اٹھانک کر سپیدی چھپانا چاہتے ہیں۔ جینائی رنگ کی ٹوچیں، خفصا بی مدد کا صاف پتہ دیتی ہیں، لیکن اس کے باوجود یہ چاہتے ہیں کہ انجمن سے بیاہ کر لی۔ تھر آپا کو بھی اس رسم کے ٹوٹنے کا افسوس سا معلوم ہوتا ہے۔ وہ بھی کچھ بھیجی بھیجی سی اداس اداس غماض میں معلوم ہوتی ہیں۔ جب سے شادی کی بات کہی ہوئی تھی ان کا رنگ جیسے فکھ رہا تھا اور وہ خوش خوش دکھائی دے رہی تھیں، لیکن دفعتاً جیسے انھیں اب چہ ہو گیا ہے۔ اماں ہر آپا کو کھلتے کھاتے تنگ آ چکی ہیں کہ اتنی دل گیر نہ ہو، لیکن لڑکی اور شادی کا تصور۔ اس افسوس کو اماں کی باتیں کیسے دیر کر سکتی ہیں، آپ ہی بتائیے نا!

انجمن اس سال بڑی کمزور تھی، وہ دو پرچوں میں ناکام ہو گئی۔ اس سال وہ اسکول نہیں جاتے گی۔ گھر ہی میں وہ امتحان کی تیاری کر کے خاتمی امیدوار کی حیثیت سے شریک ہونا چاہتی ہے۔ بے چارہ کی کامیاب ہو جاتی، لیکن اس کے پاس پڑھنے کے لئے کتابیں بھی نہ تھیں۔ اماں کہتی تھیں کہ امتحان کے قریب کتابیں دلو! میں گی، لیکن مشیت کو ہمارا امتحان لینا مقصود تھا۔ آپ تو جانتے ہی ہیں کہ ہماری گزربھر صرف ایک مکان پر ہے، جیسے ہم نے گرا یہ پردے دکھا ہے، اور اس چھوٹے سے مکان میں معمولی کرلیہ پر ہیں۔ ہمارے مکان کا چالیس روپے ہو کر آیا ہے اور یہی ہماری نصیب کا آسرا ہے۔ اس مکان میں جو کچھ کہنی کا جو میٹر تھا وہ ایک ہی رات میں مکان خالی کر کے بلا کسی علم و اطلاع کے معلوم نہیں کہاں چلا گیا۔ ایک ہیبت کا راز یہ کیا ڈر بازم سب کی دنیا ڈوبی۔ اماں کے ہاتھ میں چاندی کا جواہر آخری کر، تھا وہ بچی کو ہرے ایک ہرے کاٹا۔ اگر یہ حادثہ پیش نہ آتا تو بچہ کو کدیا دلائی جاتی، اور شاید وہ رب العالمین کے صدمے کا سیاب بھی ہو جاتی، لیکن میں اسے

آپ سے ابھی جو کہا کہ مشیت ہمارا امتحان لینا چاہتی ہے۔ اماں انجمن سے کہہ رہی ہیں کہ ابھی امتحان کو ایک سال باقی ہے، جب تک کسی اسکول میں نوکری کر لے لیکن انجمن اماں کی بات نہیں مانتی۔ وہ کہتی ہے کہ بئرسنڈ والوں کو نوکری کے لئے سفارش کی ضرورت ہے، اور ہم غریب سفارش کہاں سے لائیں۔ پھر جب وہ ایک مرتبہ ملازم ہو جائے گی تو اس پر میں وہ بیڑک بھی کامیاب ذکر سکے گی۔

آپ کو آخر میں میں خوش خبری سنانا چاہتی ہوں کہ میں نے انٹر میڈیٹ کا امتحان کامیاب کر لیا ہے، اور اب بی۔ اے میں داخل بھی لے لیا ہے، لیکن مجھے کالج جانے سے ڈر سا لگتا ہے، مجھ سے کوئی لڑکی نہیں ملتی، مجھ سے کوئی دوستی نہیں کرتی، سب مجھ سے کٹر کر بھاگتی ہیں۔ کیا میں بھی مجھے نہیں چاہتی ہیں۔ چونکہ میں تیلیار و مال پہنے کالج جاتی ہوں، میرے پاس اچھے کپڑے کہاں؟

بیجا جان! میں نے سنا ہے کہ بمبئی میں جموں کے بازار میں سپید ساریاں وغیرہ سستی ملتی ہیں، اگر آپ سے ہو سکے تو میرے لئے مستقبل سستی ساریاں اور پھیروں کے لئے ستارا میشی کپڑا بھجوائے، اور مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ وہاں پر آئے سینڈل اور انانی جو سے بھی فروخت ہوتے ہیں، اگر کوئی سستا جو شامل جائے تو میرے لئے ضرور خریدے۔ برسوں جب میں ننگے پیر کا کچھ تھی تو میری جماعت کی لڑکیوں نے بہت بری نظروں سے مجھے دیکھا۔ اگر وہ مجھے اسی طرح دیکھتی رہیں گی تو میں کالج جانا چھوڑ دوں گی۔ جب میں کالج جاتی ہوں تو بوں معلوم ہوتا ہے کہ احساس کتری میرا نگلا دو بوج رہا ہے۔ میری غربت میری مدد کو سلب کر رہی ہے۔ میری بیجا دگی میری شرافت کا غاتمہ کر رہی ہے۔ لیکن یہ غریبی بھی عجیب ہے کہ پھر بھی ہم بچے جاتے ہیں۔

میں نے اتنا طویل خط آپ کو لکھ دیا، لیکن اصل بات لکھنا ہی بھول گئی۔ اماں کہتی ہیں کہ آپ بھی جاتے وقت ان سے جو پاؤ تو لے لی ملائی انگریزی لیکر رہیں گے کہ ان سے تھیں۔ اب ان کو اس انگریزی کی سخت ضرورت ہے۔ چونکہ ہم سب کے کپڑے تار تار ہو چکے ہیں۔ آپ کے انتقال کے بعد سے کوئی کپڑے ہم نہ بوائے سکے، اور چار سال تک وہی پرانے کپڑے استعمال کرتے رہے۔ براہ کرم آپ کو مدد فرمائیے، ہم پر احسان ہو جائے۔ مجھے امید ہے کہ میرے اچھے چچا کا جلد جواب دیں گے۔ تھراپا اور انجمن آپ کو تدبیریں بھی بتاتی ہیں۔ اماں آپ کو دعا فرماتی ہیں۔

آپ کی

یہ خط اس لئے میں نے چاک کیا تھا کہ کاتب کے پاس واپس کروں۔ لیکن واپس کرنے کی مجھ میں اب ہمت نہیں کہتے۔ ارادے کتنی امیدیں کتنی آرزوئیں اس خط میں ہیں جو یہ خط واپس پہنچ جائے تو تین لڑکیوں اور ایک ضعیف ماں پر

ایک اور بجلی گرے گی۔ یہ خط مہر و مہر و انجم کے حیا تک بھی پہنچ نہیں سکتا۔ چونکہ بارش کے قطروں سے پتہ وصل چمکا ہے، شاید قدرت کو ان لڑکیوں کا اور امتحان مقصود ہے۔ لیکن اس امتحان میں میں بھی شریک کر لیا گیا ہوں۔ پیاری ستم نصیب لڑکیوں نے نام بھی کتنے اُٹنے رکھ لئے ہیں، مہر و مہر و انجم تینوں کے پاس اندھیرا ہے، اندھیرے میں جا رہی ہیں۔ آئے بھی اندھیرا ہے۔ اس اندھیرے میں وہ اس خط سے نور کی کرن کی کتنی امید باندھی ہوئی ہیں اور یہ خط میرے پاس ہے۔

گزشتہ چار روز سے یہ خط میرے پاس ہے اور میری عقل کم ہو گئی ہے کچھ سمجھائی نہیں دیتا کہ اس خط کو کیا کروں۔

محبوب حسین جگر

## غزل

ان کی الفت میں سب گوارا ہے وہ ہیں پیارے تو غم بھی پیارا ہے  
موت کی جستجو میں نکلا ہوں زیست بے کیوں مجھے پکارا ہے  
دیدہ تر سے اشک یوں ٹپکا جیسے ٹوٹا ہوا ستارا ہے  
زندگی جس کو لوگ کہتے ہیں نگہ دوست کا اشارا ہے  
دل کی کشتی جہاں بھی رک جائے ہم سمجھتے ہیں وہ کتنا ہے  
اشک آنکھوں میں ہے نہ خون باقی سسکیوں پر ہی اب گزرا ہے

دو ہی آنسو تلفرہاے تھے

ایک جگنو ہے ایک تارا ہے

احمد ظفر (راولپنڈی)

# محبت

اے وہ طغیانِ محبت! وہ جوشِ جنوں  
 موج و طوفاں میں بھی جو مرکز سے ہٹ سکتا ہے  
 عشق کی فطرت ہواؤں سے بدلتی ہے کہیں  
 صرصرِ ایاک سے افسردہ ہوں غموں کے پھول  
 عشق کی فطرت حریفِ گردشِ ایام ہے  
 گرم احساسِ شباب تیز نبضِ کائنات  
 ایک نشہ، اک تبسم، اک ترمِ صبح و شام  
 اک سرورِ سرمدی، اک عالمِ کیفِ تمام  
 وقت بدلے عشق کا عالم بدلتا ہی نہیں  
 صفحہ فردا کے افسانے پڑھتے جاتے ہی ہیں  
 روئے مہر و ماوے پر کد اٹھا سکتا ہے کون  
 آرمے نزدیک او فردوسِ فطرت کی بہا

وقت کے قدموں پہ ہوتا ہی نہیں چرنگِ لکھا  
 جس کا رخ دریا کا دھارا بھی لپٹ سکتا نہیں  
 قالبِ شبنم میں ایسی آگِ فصلنی ہے کہیں  
 قہقہے ہو جاؤ گے طوفانِ حوادثِ فلول  
 عشق جس عالم میں ہے آزادِ صبح و شام ہے  
 از زمین تا سماں قہقہے گہ جانِ حیات !!  
 گریہ فطرتِ دل کے قہقہوں کا انتقام !  
 عشق کیا ہے روح کی مستی میں کھو جانا  
 وقت کے شعلے میں یہ سونا پگھلتا ہی نہیں  
 عشق کے پر کیف لٹے جا کے پھرتے بھی ہیں  
 قسمتِ آدم کی تحریریں مٹا سکتا ہے کون  
 عشرتِ کوئین کر دوں تیرے قدموں کی نشان

لوٹ کر اے دوست پھر عہدِ شباب آنا نہیں  
 انقلاب آتے ہیں ایسا انقلاب آتا نہیں !!

شور

# سوزوروں

و اس افسانے کی تخلیق اپنے وقت سے دو سال پہلے ہوئی ہے اس لئے دو سال بعد پڑھئے اس افسانے کو،

وہ ایک اندھیری گلی تھی، جہاں سے کسے سرسبز چاندنی آوازیں آ رہی تھیں۔ شاہم کے دھندلکے من لائے رام جی کی کوئی کچھانندی پر چند انسانی صورتیں سوئے ہوئی تھیں۔ انہوں نے غصہ مندی ہوئی نفوس کو جھٹکنا سیکھا تھا، اور اکیلے دیکھنا آتا ہی جاتی کسے کرکٹ پر پڑی تھیں۔ یہیں تنگ گلی کے شیر کھانی تھیں، تاہم گواہ سے کبھی اٹک کر دیکھو تو تپے ملے کہ انھوں نے کیسے کیسے سورماؤں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا، جہاں کا جھٹکا پھینکا ہوا دھواں اور ہمیشہ زندگی کو مار کر رہتے تھے۔ یہ صرف انھوں نے سورماؤں کی جانیں لیں بلکہ زمین پر پڑے ان کے سر سائے صرف کسی بلندی سے اس پڑیں، سینک کر پاش پاش کر دیا تھا، ان کی کیا کیا کارروائیوں اور اصل ان کی اپنی جماعت کا ناقابلِ شکست اتحاد تھا، یہ جماعت ہمیشہ لائے رام جی کی کوئی پر بھیجا کرتی تھی، یہیں ساری کانفرنسیں ہوا کرتی تھیں، یہیں سوڑے کے شیشے کا بیچ کر گڑے، لوہے کے گولے اور پتھر کی تینٹیں لے کسی بھوکے بھالے، لقمہ کر دے راہِ مسلمان کا انتظار کیا کرتے تھے وہ! یہ وہ تنگ و تاریک گلی تھی جہاں سے پولیس سکاڈر کبھی نہ ہوا تھا، اور ان کے اپنے بیان سے یہاں کی مکمل ناقابلِ توجہ تھی۔۔۔۔۔ اور ناقابلِ توجہ ہوتی چیزیں نہیں جبکہ یہاں پر جوئے کی دکانیں اور کھیرانی تھی، اور جوئے اس کی آمد کا نام سننے پر دم سا دھ کر خاموش ہو جتے۔ بہر حال جب سے اپنی جان و مال کو دھری سندھ عاقلین دیکھتے تھے، اور

نفسا کو شروع ہوئے کچھ، اور دو گھنٹے ہوئے تھے۔ مگر ابھی تک پولیس کیلے کھلے میدانوں میں فسادوں پر آتش باری کر رہی تھی، مگر نفسا ہی تھے، اپنے حقوق کو دم توڑ کر لڑ رہے تھے کہ ایک کی جاوڑ اور گولیوں کی دلواریں اینٹی یون میں اپنی جگہیں رکھے اٹھے، ہمارے تھے۔ ایسے میں میڈیٹ کا مارا ایک لڑکھو ان گھبرا کر پاس کی جانی پہچانی گلی میں گھس گیا، اور ادھر ادھر دیکھ کر اطمینان کی ایک سانس لی۔۔۔۔۔ وہ لڑائیوں میں سے نہیں تھا۔ اس نے آج تک کبھی ایسے انسانی کشمکش مظاہرے نہیں دیکھے تھے، وہ اپنی زندگی کی گلیوں میں باسیوں کی گرد وال رہا تھا، مگر اس قسم کے گانے بھلے بھی تو کہیں انسان کے حلقوں سے ابلتا ہوا خون نہ دیکھا ہو۔ میدان جنگ سے لوٹے ہوئے سپاہیوں کی زبانی اس نے صرف مریخ سائے کے ساتھ تیز زار اوقات سنے تھے، کوئی مڑائی باتیں، آج حقیقت کا روپ کاڑھے جلوہ افروز تھیں۔ انسان جو کوکاب و دیبا میں اٹھنا بیٹھتا ہے، انسان جو گھاس پھوس کے نرم نرم بستر پر لیٹنا اٹھتا ہے، سرکوں پر گلیوں میں ادھر ادھر میں نیت پمت ہاتھ پاؤں مار رہا تھا، جاے روح اُڑ رہے، و زبور بھی یا قرآن علیحدہ ہو رہا تھا، ایسا نہ وہ انسان غرقہ داریت اور باہمی نفاق پریرے لاشہ فخرہ زن تھے۔ بن و ستان کو آزادی دلائے داتے ہوا اور ایک ایک کر کے ختم ہو رہے تھے۔ اگرچہ ہر سرکوں پر جان دینے والے اور ہر سنگ و خشت سے ٹکر لینے والے مذہبی فریاد ہند ماتا کے نام قربان ہوئے تو کیا انھیں آزادی نہیں مل سکتی تھی؟ مگر یہ ہندو! یہ مسلمان! ایک دوسرے کے خون کا شہسایے۔۔۔۔۔ ان میں ہوش و خرد کا نام کہاں! جو سمجھتے ہندو مسلمان خون کوئی علیحدہ خون نہیں۔ دُش و دُخت پاس پاس پاس ہوئے ہیں تو قسم ہو کہ ایک ہو جاتے ہیں، لیکن یہ دونوں آپس میں



لٹے تلے تیل کے پانی کی طرح غلغلہ ہو کر موسیٰ کی فوج کو گزرے کیوں دیتے ہیں، ہوش کی دوا کیوں نہیں کرتے بہت ساری فوجیں گزرتی رہیں، اب فوجوں کی فوج بھی گزرنے لگی ہے۔ کیا ہوا انہیں جو موسیٰ اور فزوں میں تفریق نہیں کرتے؟ یہ دونوں مل جائیں تو کیا فزوں کی سادی فوج اور اس کے اپنے سارے دروازوں کا خون نہ بہ سکے گا؟۔۔۔

وہ گرم گرم گولیوں کے درمیان سے گھسی نہ گزرا تھا، ہر باجیب گولی اس کے کان پر سے گزر جا کر تھی خاص گولہ گئی کی کچھ قند و قیمت محسوس ہوتی، اس کا سارا جسم پینے سے تر ہوتا تھا، اور ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کے ہر عضو سے پینے کے جھرنے بہہ رہے ہیں۔ تقریباً کچھ دن اور ایک سال تک اس نے بحرِ زمین پر مل چلایا تھا، بڑے بڑے پہاڑ ٹکڑے کر نہیں نکالی تھیں، سہل اور گدال لئے پہرہوں میں لوگوں پر پسینہ بہا یا کیا، پسینہ اس کے ہر سر بال سے بہتا تھا، ہر بال کی جڑ میں پسینے کے چٹے ہی چٹے تھے۔ گردہ پسینہ ہی کیا تھا، جو اس کا مقابلہ کرتا، کیا ٹھانا لطافت اور کیا بلحاظ شدت، اس پسینے اور اس پسینے میں حورِ شید و اختر کا فرق تھا۔ پہلے چون مرق ہو کر بہتا تھا، اور اب ہمت پانی جو بھی تھی، اور یہ مناظر دیکھ کر نقد مرآپ ہی آپ پانی پانی ہو رہی تھی۔ وہ اپنے خیالات کے سہارے بڑھنے لگا، اس گلی میں سے وہ کئی دفعہ گزر چکا تھا، وہ اچھی طرح جانتا تھا، یہی گلی آگے چل کر بڑی شرب میں کھلتی تھی، جہاں سے پڑخانہ بالکل قریب پڑتا تھا، بس یہی کان اور ناک کی مسافت! جہاں تک ہو سکے فوجی کو پلٹ آفس کو محالمت تمام پہنچ جانا چاہیے تھا، اس لئے کہ ذرا سیٹ ہوتی اور اس کا تھوڑا سا دلچسپ دھچ جبب کی طرت اٹھ جاتا تھا، حالانکہ اس کو وہاں کا ڈرہ ڈرہ جانتا اور پہچانتا تھا، وہ دل ہی دلی میں کچھ گھٹا ہی تو ہے چند بھان کی کوٹھی، اور یہ جو بار میں ہے سیلہ کششی ناراین ہی تو ہے، اور ہاں یہ اونچا مکان سردار بابو کا ہے نا۔۔۔ یکایک وہ ٹھٹکا، کیا انتظار اس کو دینا کا۔؟ بابو نے کوئین سمجھتا، موقع پر پہن بھائی، گواٹھیں دکھاتی ہے۔۔۔ یہاں تو بند و مسلم بات ہے، وہ قدم قدم پر پیچھے ہوئے انسانیت سوز حال، آزادی کی راہ میں پیچھے ہوئے روڑوں کو دیکھ کر شائے گھر چلا جانا مناسب جانا، اگر اس کے پیش نظر شائے گھر، بلوغت اور بیرونی وقار ہر دو چیزیں تھیں، اگر وہ چلا جاتا تو بہت ممکن ہے شائے اس کو چھپا لیتی، مگر اس کے باب کو پتہ چل جاتا تو۔۔۔ مائے بیٹی کا کیا شہر ہوتا، آخر وہ مسلمان ہی تو تھا اور جو محلے والی کو اس کی خبر ہو جاتی، کیا ایسے نازک موقع پر شائے سر اٹھانے کا قابل بنتی؟ اس کے اپنے مذہب والے اس کی نکال پھینک دیتے۔۔۔؟ وہ چہرے کا پسینہ پونچھ لگا، اور خدا کا نام لیکر جلد جلد اس سے قدم اٹھائے، ابھی گلی کی اس تک پہنچ نہ پایا تھا جہاں سے اس کو قوی امید تھی کہ جیون بگھڑی کو بکھرے ہوئے غارِ خیال کی چیرہ دستیوں سے محفوظ ایک اچھے مقام پر پہنچا دے گا، عین اس وقت جب وہ رام جی کی کوٹھی تھے تھا، لمبا ریس سے ہم پھینکے والوں کی طرح ان لوگوں نے بھی نشانہ اندھ کو ایک دو۔۔۔ تین چار سلیں غریب جھوسی پر دے ماریں، تورا کر کہاں سے گرتا بس کھڑکھڑا دھن ہو گیا، دسری جگہ سر رہا اور زل و ملگر کوئی اتنا زہری باقی رہا، وہ ہو کر خیر ہوئی دو تین سلیں اوپر ہی اور ٹکرا کر دور دور جا پڑیں، کھوپڑی بچک کر رہ گئی، اور اس کے اوپے اوپے خیالات، بس آرام کی کوئی کرسٹ ہوئے اوپر چلے گئے۔ ”بھٹوان کی قسم! بارگاہ کے ستور کی طرح گر پڑا سالے کا بچہ“ شفیق القاب حیوان اپنی جو انمردی پر دانت دھلے لگا۔

ہی۔۔۔۔۔ ہی ہی ہی ہی ہی۔۔۔۔۔

”ہم سے کہیں فرقہ نہیں ایک قدم بھی یہ“ دوسرا غاندی بھادری کا تذکرہ کرنے لگا۔

”پر ماما کی قسم کھیں گے! ماروں تو کھان میں اپنے ایک باب کا بیٹا نہیں“

ایک ہی وار میں سکھت کی تاب بھی نہ رہی، آیا ہے جاسوسی کرنے، ذرا اس کا دل گڑو تو دیکھو کیسے خطرناک موقع پر

نئے نئے کپڑے پہن رکھے ہیں، بس نئی شہرہ آفاق اس کے حق میں کلن ہو کر رہ گئی۔  
 ”سوچ سمجھ کر پہننے ہوں گے اس نے کپڑے غسل بھی کر لیا ہوگا، بدیشاری سے تلاشی لو، کہیں  
 اٹھ نہ جائے وہ، اگر کلنوں کی طرح سخت جان ہوتے ہیں بڑے وہ، کچھ مل جائے تو اچھا ہے۔“

دو تین نئے کپڑے اور دو چاکر اور کے اوپر ہی رہے۔

رضوی نہ جانے کیوں ہر سال ایک ایک ٹوکڑ کھاتا آیا، اور جب اس نے بائیسویں ٹوکڑ کھائی تو گھر پر  
 پھر اٹھ نہ سکا۔ اس کو حیدر آباد چھوڑے کچھ دن ادھر ایک سال ہو چکا تھا۔ حیدر آباد میں اس کو کس چیز کی کمی تھی،  
 کھاتے پیئے گھر سے کاغذ خوش حال فرد تھا، خیال امر و زمر نہ کر دیا، بس زندگی ہنسی بھینتی ایک ہی مرکز پر دوڑتی تھی۔  
 کالج سے گھر سے کالج، ان فزمت کے اوقات میں سسکتی ہوئی روجوں اور لرزے ہوئے جون کو، دل سوز، دل نکار  
 مناظر کی اس عہدگی سے پُر نازی کرتا کہ الفا کا کی صورت میں تلاش پھینچی ہوئی تصویریں، ہندوستان کا منظر جانی نہیں،  
 وہ پُر سوز مناظر دیکھ کر خود کے دل میں بھی جلادینے والے سٹلے محسوس ہوتا تھا، اگر اس کی عائدانی خوش حالی اور دل سے  
 بڑا تھا اس کے دل میں سوز، اور رنج و غم پیدا ہونے کا موقع نہ دیا تھا، لاکھ دولت ہو، لیکن زندگی سدا مست و خوشی کا  
 ملنا نہیں ہوتی، اس کو اٹھتے ہوئے، بڑے بڑے طوفانوں میں سے بھی گزرنا ہوتا ہے، کمی صرف شکر ہے ہی نہیں ہنسی،  
 زخموں پر بھی بیٹھ بیٹھ کر زخمی کو تنگ کر دیتی ہے، ہنسی خوشی زندگی کے دن کاٹنے والے خاندان پر کیا کیا عقاب کا بھرم کر دینے والی  
 نظر میں پڑیں، اور رضوی کے بڑے بھائی پر ناگاہاں پھاڑ ٹوٹ پڑے اور حکومت نے اس کو حادثہ شاہ منزل کا  
 لازم ہمارا حراست میں لے لیا۔ بات فی الحقیقت یہ تھی کہ حکومت کی ذرا سی غلطی پر سید شہید ہو گئی، ہمارا احتجاج بھی  
 حکومت کے کان پر جوں نہ رہی، اگر اس کو اپنی غلطی کا علم ہو چکا تھا تو یہ احساس بہت دیر بعد موملا مسلم عوام  
 تاخیر کا سبب نہ سمجھ سکے، ان میں مزید تاب صبر نہ تھی، اپنے سر دل پر منڈلاتے ہوئے عقاب کو دیکھ کر پہلے تو انھوں نے  
 اپنا منہ چھپایا، لیکن جب انھیں یقین ہو گیا کہ بلند پرواز عقاب کے اوپر نہ کرکڑاٹانے والی جلی موجود ہے تو فوراً بے ادب پر  
 کمر باندھ لی اور جوش غضب میں صدر اعظم ہمارے گھر کو بھی آگ لگا دی۔

رضوی کے بھائی کی ایک بڑی دکان تھی، اور دکان کا ایک ایک بند ہو جانا تجارتی نقطہ نظر سے  
 زبردست خسارہ کا موجب ہوتا ہے۔ بڑے بھائی نے جیل میں بند و نعلایح کا دامن پھیلایا، درخویش نصیب تھیں کس،  
 زندگی کے نشیب و فراز کھیلے، اور اس دنیا میں زندگی بسر کرنے کے طریقے بتائے۔ رضوی بھائی کی حسرت، بھری  
 نظروں سے نظر نہ ملا سکا، قدوسی کے باپ نے بھی بہت دنوں پہلے اپنی آخری سانسوں میں باطل اس طرح دیکھا تھا کہ  
 وہ نظر نہ ملا سکا، اور بے اختیار ایک ہنسے لگے تھے۔ بھائی کی گریہ آواز اس کے کانوں میں دھماکے پیدا کر رہی تھی،  
 جوہری بم کے دھماکو سے بھی بڑی اور خطرناک آواز، وہ لرزے لگا، اور جی میں آئی کہ کھڑے ہوئے پھر یہ دالے کو  
 ایک ایسا چھڑ جائے کہ گھر اگر خیر کھائے ہوئے گئے کی طرح گئے اور یہ جو چیل بٹھا ہے اس کے ایک ایسی دھاتی لنگے لگے ایسا  
 دم چھوڑ دے، آفران لوگوں کو محض شب پر حراست میں رکھنے کا حق کیوں حاصل ہو گیا، وہ جیل کی اونچی اونچی دیواروں کو  
 اپنے سر کی ضربوں سے بے باور دسنا کر رہتا تھا، اور وہاں سے اپنے بھائی سمیت نو دیکھتا رہتا تھا، راہ صفر تلاش  
 کرتی نظروں پاس ہی کھڑے ہوئے، پھرے دالے پڑیں، اور اس کو ایسا لگا کہ آسودوں میں سے گزرتی ہوئی دھندلی  
 نظریں پہرے۔ دالے کو نہیں چاند لہی کو دیکھ رہی ہیں، جو فاصل سے لگی کھڑی تھی، چاند لہی کے آگے اس نے ہتھیر

ڈال دیا اور بھائی کی طرف متوجہ ہوا۔ حالانکہ بھائی شروع سے اب تک برابر کہے جا رہا تھا، رضوی نے بھائی کو دلایا دیا اور نعمات پر چڑھ کر ایسے ہی ممکنہ سی کا وعدہ کیا، حالانکہ مجلس اتحاد المسلمین "گرتی را بن شاہ منزل کو چمڑے کی کوش کر رہی تھی، پھر بھی اپنوں کی دُور و دُور معوب قیدی کو ایک نعمت غیر مترقبہ معلوم ہوتی ہے، کافی تسلی اور تسخنی دینے کے بعد اس نے اپنی ساری توانائیاں، دوکان پر صرف کر کے کا پڑ زور و وعدہ کیا۔

رضوی سے جیسے بھی بن بڑا دہشتہ دکان سنبھالی اور جب بھائی آیا تو چند جمعہ ٹوٹا اور چند چٹوں نے وہ کان بھرے کہ خود بھائی کو بھائی پر شبہ ہونے لگا۔ جب بھائی پر بھائی شبہ کرنا ہے تو دونوں میں اتفاق میسر نہ ہو سکتا، اور جب اتفاق ہی نہ ہوگا تو کھڑکیسے چلے گا، کیا دوسرے اس گھر کی تاک میں نہ لگے رہیں گے، ہندو، مسلمان، کوہن بھائی بھائی اگر ہر دو ایک دوسرے کو مشکوک ٹھکا ہوں سے دیکھتے ہیں، کیا ایسی صورت میں اتحاد ممکن ہوگا، کیا وہ اپنا گھر بجائے میں کامیاب ہوں گے؟ ..... بھائی کے جھوٹے ہی خواہوں نے اپنی ہمدردی جتانے کے شوق میں اور اپنے احسان کے دکھانے کی خاطر اتنی دفعہ اتنی دفعہ کہا کہ جھوٹ بھی سچ ہو کر رہ گیا، اور ایک دن بھائی نے رضوی سے حساب لینے ہوئے کہا: "تم نے چار سو روپے اپنی ناجائز خواہشات پر صرف کئے ہیں، رضوی بھائی کی زبانی یہ الفاظ سننے کے لئے کسی قیمت بھی تیار نہ تھا، اس کی کرا و دریا میں ڈال کے معداق معالجہ درمیش تھا، اپنے مذاق کے خلاف اس نے دوکان چلائی تھی، چونکہ دوکان داری اس کے مذاق کی چیز نہ تھی، بہت ممکن ہے کہ نقصان بھی ہوا ہوگا۔ دن بھر غور و فکر کر کے والا، اپنے خیالات میں آپ مست رہنے والا انسان بھلا تجارت کیا خاک کرے گا، یہی وجہ تھی کہ دوکان کا وہ پہلے کا ساز و برگ نہ رہا تھا، لیکن چار سو روپیوں کا اس کی نابینا خواہشات پر صرف ہونا سراسر ہسٹن تھا، اس نے تھوڑی سی دیر میں جو کچھ فیصلہ کرنا تھا کر لیا، اور بھائی کے لٹکائے ہوئے اہتمام پر جھلٹنا وہاں سے اٹھ گیا۔ سیدھا گھر گیا، کسی سے کچھ کہا نہ کسی کو کچھ بتایا، اپنے افسانوں کے مجموعے کو اٹھایا، اور برسوں کا بکھرا ہوا سوز لے جو فتنہ سوز کی طرح چمک رہا تھا، اپنے کمرے سے باہر نکل گیا۔ بھائی نے پہرے پر ناگوار نگاہیں دیکھیں جن میں سے غم و اندوہ کے بادل، اور رنج و غمال کی جھلیاں جھانک رہی تھیں، بس مکہ اور ہیبت صاف رہے، والے چہرے پر رنج و غم کی لکیریں شدت کے ساتھ مرتسم ہوئی جا رہی تھیں۔ خلاف معمول چیز دیکھ کر بھائی دنگی، اور بولی: "کیوں بھیا خیر تو ہے؟"

”دعا ہے بھائی! رضوی نے نظریں نیچی رکھے ہوئے ہی جواب دیا۔  
آج کچھ کھوئے کھوئے سے معلوم ہو رہے ہو؟ بھائی کا نظریں جذبہ انگڑائی لینے لگا۔ بھائی اپنے دیور کو بیٹے بھی زیادہ جانتی تھی۔  
”کھانا کھا لونا بھیا۔“

”نہیں بھائی!۔“ وہ کتاب کے اوراق الٹ پلٹ کر رہا تھا، مگر نظریں بہت دُور دیکھ رہی تھیں۔  
”جھوک نہیں ہے مجھے“

بھائی کھجور کی آج کچھ وال میں کالا ضرور ہے۔ اس نے اپنے دیور کی کمزوری سے ناگدہ اٹھنا چاہا،

”نہیں آ رہی ہے تجھے فرصت بہت کم ہے گی۔“  
”پر داہ نہیں۔“ وہ حیران رہ گئی، نہ سن سے اتنی دلچسپی رکھنے والا لاکا آج جانے کیوں بھئی بھئی باتیں کر رہا تھا، وہ بکارتی کی پکارتی رہ گئی اور رضوی گھر چھوڑ چل دیا۔

افسانوں کا مجموعہ اس نے ایک ناشر کے حوالے کیا جس میں پندرہ ترقی پزیر زندگیوں کی تصانیف، بولہ، مہربانی کیجئے، اس مجموعے کو آپ اپنے یہاں محفوظ رکھ لیا، آج مجھ پر یہی گری ہے، اگر زندگی باقی رہے تو مستقبل قریب میں واپس لے لوں گا۔  
 — در نہ —  
 ”اُدھ آگے نہ بول سکا، اُدھ وروہ بول بھی نہ سکتا تھا۔ اس سے پہلے ہی اس نے اسی ناشر کو اپنی کتاب دے دی تھی اور نہایت غم سے کہا تھا: ”دل و جگر کے خون سے لکھا ہے میں نے“ ناشر نے اس کا معاوضہ اتنا کم بتایا کہ وہ صحت اس کے ایک لمحہ کی بے مینی اور اضطراب کی بھی قیمت نہ تھا، رضوی اس معاوضہ پر راضی نہ ہوا تو اس نے کہا تھا ”یہ فاسفوس ہے، صحت رات میں چمکتا ہے، روپیہ پٹورے کے لئے دیکھا ہوا، نگارہ پیدا کرو کہ دن میں بھی چمکے اور رات بھی چمکے۔“ رضوی نے مجموعہ پر سچے ہوئے واپس لے لیا تھا کہ سٹورج بھی تو آخر صرف دنی ہی میں چمکتا ہے، اور چاند بھی تو صرف رات ہی میں روشن نظر آتا ہے۔ ناشر نے جلد ہی اس کی رسید چھاپ دی اور احتیاط سے اپنی شہزادی کے حجب میں رکھتے ہوئے ”شکر“ کہا اور ملتا ہوا ناشر شکر یہ کہ جواب میں جیسے سے خوشی کا اظہار کرنے لگا۔ بھائی کے بھیجے ہوئے نوکروں نے بھائی کو اطلاع دی، اور بھائی کے آدمی اور بھائی کے نوکروں نے ٹکڑا سا حیدر آباد چھان مارا، مگر کس بھی اس کی پرچھا میں تک نہ ملی۔

البتہ کچھ ہی دنوں بعد وہ دہلی کی سڑکوں پر ٹن کرتا، دوڑتا پھرتا نظر آیا، اگر دادرسیہ میں آتا ہوا مزدور رکشا بھیج رہا تھا، اور وہ رکشا بھی بڑی مشغلوں سے سیٹھ کے دم کھا کر دیتا تھا۔  
 ”خیر بابا! تیرا ایمان تیرے ساتھ، اگر واقعی جو کچھ کہتے کہتے ہیں سچ ہے تو مجھ پر سے یہ رکشا قربان لے جا، اپنا پیٹ پال، مگر سن! رو رو رو پیہ وہ دیا کرنا اس کا“

وہاں اس نے دن کو دن بھٹا اور نہ رات کو رات جاتی، بس ایک دھن سوار تھی کسی طرح بھی بن پڑے چادر و بے الگ کرے۔ رکشا کھینچنے میں اس کو ایک فائدہ یہ بھی تھا کہ وہ پیسہ زیادہ بچا سکتا تھا، اس لئے کہ اس نے آمدنی کافی ہوتی ہے اگر نقدی حالت پر پیسہ نہ ڈالایا جائے تو بہت جلد چادر سو گیا، ایک ایک کر کے پانچ سو بھی ہو جاتے تھے، ان کا معیار زندگی پست ہو جاتا ہے۔ رہی یہ بات کہ اس نے اچھی سی نوکری کیوں نہیں دیکھ لی، آخر تسلیم کا مہرٹ کیا؟ وہ جانتا تھا کہ ہندوستان میں اچھی نوکری اور اچھی بیوی بہت کم ملا کرتی ہے، اور پھر نوکری کے ساتھ ساتھ معیار زندگی میں بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے، جو لاکھ کما تا ہے سو لاکھ خرچ کرتا ہے۔ اور میں کتنا والا! ۱۹ روپے صحت کرتا ہے۔

ایک دن ایک عجیب واقعہ ظہور پذیر ہوا۔ حالانکہ اس نے موٹی موٹی سواریاں بھی کھینچیں تھیں، پیٹ بٹلے ہوئے مرد اور بیٹلی عورتوں کو بھی اس نے رکشا میں بٹھایا تھا، سیٹھ لوگوں کو بھی بتائے ہوئے مقام پر پہنچایا تھا، کالج کے ہال لوگ اور بی بی لوگوں کو بھی وقت پر پہنچایا تھا، مگر اس دن جیسے اس کی کون رات تھی جو بھلا لکھی، بھلی چلنی، ایسی نازک نوکری کو مہرٹوں پر کھینچنا کھینچا پھرا، اور اپنی محنت کا معاوضہ لیتے ہوئے اس نے لڑکی کا شکر یہ ادا کیا، دیکھ تو وہ ہر ایک کا اپنی محنت کا صلہ پا کر شکر یہ ادا کیا کرتا تھا مگر کسی نے اس کے شکر یہ پر اپنے کان نہ دہرتے تھے، حتیٰ کہ اس ناشر نے بھی کچھ نہ کہا تھا جو ادب کی بڑی بڑی کتابیں شائع کرتا ہے، نفسیات کی یہ طالع پڑ کر رہ گئی، ”در نہ ہی ذہن میں نفسیات کی موٹی موٹی کتابیں نیچے اوپر کر دیں گے کچھ بھی بھائی نہ دیا، جیسے اس کے داغ کے محفوظ ہزار ہا سطحوں پر کالک پڑی، دنوں اندر تک گھس کر رتی رتی کی جانچ کرنے والی نظریں بار بار رکشا والے کے سینے پر سے لوٹ لوٹ جاتی تھیں۔ حالانکہ وہاں دوا چھوڑے ہوئے کپڑے نہیں تھے، اگر دوا بھی دیکھتے میں آئے ہوئے رکشا والے کے نیچے اس نے ایک بلند شخصیت دیکھی اور

جائے جلتے اس سے اس سے وعدہ لیا کہ وہ روز کالج چھوڑ دیا کرے اور گھر پہنچا دیا کرے۔

وہ دن بھر کالج میں اسی رکشا والے کے متعلق سوچتی رہی کئی دفعہ خواہش ہوئی کہ زبان تک آکر رہ گئی ورنہ وہ اپنے پروفیسر کے آگے اپنی قلبی کشش اور ذہنی انتشار کا راز کھول کر رکھ دیتی مگر نفسیات سے کچھ لینے والی وہ بین طالبہ جانتی تھی کہ اندرونی غلط فہمی اور دلچسپی میں غلط فہمی کی پیمائش کو دھور کر دیا جائے تو وہ میں کی لذتوں سے کبھر محروم ہو جائے گی تو اپنے قیمتی جذبات کے اظہار کے بعد اب اس کی قیمت ہی کیا رہی؟ اس معاملہ میں پروفیسروں کی مدد کی توقع محض فضول تھی، دارالمطالعے میں نفسیات کی ساری کتابیں کھول کھول کر رکھ دیں مگر ان سے اس معاملہ میں کچھ بھی مدد نہ ملی۔ ڈھیروں کتابیں سارے پڑی تھیں، مگر ان کتابوں میں محض فضولیات اور خرافات کے کچھ نہ دھرتھا اس کا ہی پھر یا پھر سے ہلکانے لگی، تنہیم ضخیم کتابیں لکھ کر عالمی شہرت کمائے والے، اس کے سامنے بازاری اطفال سے زیادہ وقعت نہ رکھتے تھے، آج یہ پہلا موقع تھا کہ نفسیات کے شہرہ آفاق عالم اور ماہر نفس و دانشکدہ کی طرح سیل جذبات میں رواں دواں تھے۔ ان کی عزت و توقیر ہی کیوں کی جائے، جبکہ یہ اوٹ بیٹانگ لکھ کر اپنے نام کا معمول پیٹ لیا کرتے ہیں۔ وہ ان ساری کتابوں کو دیاسلائی دکھا دینا چاہتی تھی مگر بس نہ چلتا تھا۔

تین بجے ہی سے وہ رکشا والے کا انتظار کرنے لگی لیکن وہ ٹن ٹن کرتا ہوا عین وقت پر چمک کالج کی گھنٹی ٹن ٹن کرتی رہی تھی گیٹ کے سامنے پہنچا، وہ دھڑ سے رکشائیں سوار ہو گئی، جیسے اس کے سارے اعضا شدت تفکر کی باعث مضطرب ہو کر رہ گئے، وہ اپنے تقریباً مفلوج اعضا کو دیکھ دیکھ سوچنے لگی، میرے اعضا جاتے کیوں مفلوج ہو رہے ہیں، وہ اپنے بازو میں چوٹی لے کر اعضا کی حساسیت کا پتہ چلانے لگی، ابھی اس کے سارے جوڑ اپنے کام میں مصروف تھے، اس سے کچھ پوچھنا چاہتی تھی، مگر قوت گویائی جواب دے دیا کرتی تھی، ورنہ وہ تو رکشا والوں کو چھوڑ سوڑ والوں کو پاسائی ڈانٹ لیا کرتی تھی۔ اس کے ننھے سے دل میں ہمدردی دھڑبانی کے جذبات ابھریں لیکن وہ بہت دیر تک رکشا والے کی پشت پر کہیں اور ڈنڈے کو اپنی گرت میں لے ہوئے تھوڑے تھوڑے دھبے، لیکن وہ قطعی بے جبر تھا کاجار ہا تھا۔ ادھر ادھر دیکھ بنا۔ وہ اس کی پینڈلیوں کو تکتے لگی، بھاگتے وقت جو جھلی جھلی تھی وہ مزدوروں کی سی نہ تھی اس نے ننگے پنجوں کو دیکھا، ایڑی پر قطر پڑے ہی وہ آپ ہی آپ کہنے لگی "شائستہ! میں تجھ سے شرمادہ سکتی ہوں، یہ صاف ایڑی رکشا والے اور مزدور لوگوں کی نہیں ہوتی، مزدور دل کی ساری ایڑیاں ہمیشہ پرہیز رہتی ہیں اور گرمی اور شدت سردی کی تاب نہ لا کر پیٹ پٹا جاتی ہیں۔ میں شلو بدھکتی ہوں، بہت بڑی شرط! وہ تیز ہونے لگی، رکشا والے نے رفتار سست کرتے ہوئے کہا کیوں بی بی ہاں اتنا چاہتی ہو؟ پاپا! "نہیں! نہیں! وہ مدہوشی "گھر تو ابھی بہت آگے ہے۔ میں ذرا جھلی قسم کی لڑکی ہوں، جاتے وقت بے وقت کیوں بڑبڑا لیتی ہوں" اس نے اپنی ایک کمزوری کو دوسری کمزوری میں چھپا لیا۔

میں بھی کیسا عقل سے گیا گرا ہوں سرکار! آپ کی باتیں سمجھ نہ سکا، وہ بھی اپنی کمزوری کا پھانڈا پیوٹے لگا۔ اب کوئی چیز مانجھت خیال نہ تھی کہ کچھ اس نے رکشا والے کے متعلق اپنا خیال باندا تھا سو فیصدی سچ نکلا، اس نے صرف دو باتیں کیں، اور دو باتیں بھی کس لطیف انداز اور کس پیارے پیرایہ میں! میری کمزور کا اس نے اپنی کمزوری میں ڈھکیل کر مجھے سمجھا یا کہ کمزوری ہر فرد بشر میں ہونی ضروری ہے۔



اجہا جب تم موٹر سیکہ جاؤ تو مجھ کو دکاچ پہنایا کرنا، وہاں سے پارک جائیں گے، جب کالج کی لڑکیاں سرکاری طور پر پبلک منائے جائیں گی تو ہم بھی اپنی موٹریں وہاں جائیں گے، میں تعارف کروانے کی تمھارا میری ایک بڑی پیاری سہیلی ہے بڑی خوب صورت ہے وہ۔ وہ بیک بکلی ہائیں کرنے لگی۔ ”رکشائیں چھوڑ دو، بہت بُرا اثر پڑتا ہے اس کا صحت پر“ رضوی شائستا کو کالج چھوڑ کر دوسری سواری کی فکر میں آگے بڑھ گیا، وہ شائستا کی باتوں پر غور کرنے کے لئے کسی طرح تیار نہ تھا، مگر اس کو رد کر تو جب ہوتا تھا، یہ لڑکی اتنی تیز کیوں ہے سمجھتی نہیں، جب بولنے پر اترتی ہے تو سب کچھ کہہ جاتی ہے، حیدر آباد میں بھی لڑکیاں رکشادلوں سے ایسی ہی باتیں کرتی ہیں کیا؟ شائستا کدھر کدھر لیکن وہ مجھ سے چاہتی کیا ہے یہ نہ شگفتہ کلی جس پر ابھی ابھی باوصہا کے لطیف لطائفوں کے نشانات اترے ہیں، وہ نکلیں گی طرف اپنا ہاتھ کیوں بڑھا رہی ہے۔ وہ سوچنا نہیں چاہتا تھا، گریختالات تھے کہ وہ کہہ کر آتے تھے، اس کے ملاقاتی رنگ بڑی موٹریں ملے عطر و گلپا میں لیے ہوئے آتے ہیں مگر میں۔۔۔۔۔ میں تو ایک ادنیٰ مزدور ہوں، جس کے سارے جسم سے پیسے کی بو آتی ہے۔

رضوی شائستا کی باتوں میں پچھی لینے لگا، محض اس لئے کہ وہ اخلاقی فرض سے مجبور تھا، مگر بولتے وقت شائستا کہنے لگی، ”وہ اس گلی سے چلو، میں اپنی سہیلی سے مل لیتی ہوں۔ بہت دیر دعوپ کے بعد گھر ملا، شائستا کہنے لگی، ”خیر ملو ابھی ملتے ہیں اس سے“ اب گھر بھی نہیں ہوگی! رکشادالائے دور آنے کی وجہ کافی تھک چکا تھا۔ لیکن شائستا کی بیٹی بائیں ٹھکانٹ کو ایک حد تک کم کر دیتی تھیں، نماز پڑھنے جاتے ہیں، تو قدم قریب قریب ڈال کر خدا کو زاید قدیم دکھاتے ہیں تاکہ معمول نیاز میں ہیں اتنے قدم اٹھانے پڑے۔ شائستا بھی ہی طریقہ اختیار کرنے لگی، گھر ایک طویل پکر کاٹ کر کرنا چاہیے۔ شائستا رکشائے اتر کر رکشادالے پر محبت بھری نظر ڈالتے ہوئے کہتا میں اٹھانے لگی ”دیکھو رضوی آج تو تم خوب تھک چکے، آؤ کھانا کھاتے جانا۔“

”ہنس شائستا! وہ کتاب کے ادراقی الٹ پلٹ کر رہی تھی، مگر نظریں بہت دُور دیکھ رہی تھیں“ بھوک نہیں ہے مجھے“ رضوی کا دھیان یکایک اس جگہ پر بھائی کی طرف پٹا، وہ کھانا کھانے ملا رہی تھی، بھائی کو اس نے نفی میں جواب دیا تھا، یہ تو شائستا توئی۔۔۔۔۔ ”آپ بُرا نہ مانتے مجھے بھوک نہیں ہے اس وقت“

شائستا دل گیر ہو گئی، گھر سے اس نے روپیہ منگوایا اور دیتے ہوئے کہنے لگی ”رضوی اپنی دل گیر اور آرزوہ شائستائے اپنا معاوضہ لیتے ہوئے کھارت کرنا، میں تمھیں انعام نہیں تمھارا پنا معاوضہ دے رہی ہوں!“

”شش شش۔۔۔۔۔“ وہ شکر یہ نہ بول سکا، اس لئے کہ یہ معاوضہ اس کی محنت سے سوا تھا۔  
دوہرت دون تک شائستا کو لاتا اور لے جاتا رہا، کبھی دفعہ شائستا کالج جاتے کی بجائے رکشادالے کے ساتھ پارکوں میں پھرتی رہی۔ شائستائے آگے رضوی ایک وفادار ملازم کی طرح پیشہ نازا رہا، مگر شائستا کا اصرار تھا، وہ اس کو بہت کچھ سمجھتی تھی، دیوانگی نہیں تو اکر کیا ہے اس کی شائستائے دس ہزار بارانی تھیں دے کر پوچھا ہوگا، مگر وہ سرے ہی سے انکار کرتا رہا، شائستا کہتی ”تم خاصے پڑھے لکھے ہو، طور طریقہ بُرے گھر لے کے معلوم ہوتے ہیں، گفتگو بانداز رکشادالوں کا سا نہیں۔ تم اپنے آپ کو چھپا رہے ہو، ایک دفعہ میں نے اپنی دوست کے سامنے انگریزی میں تمھیں بُرا بھلا کہا تھا۔ اس وقت میں تمھارا انتہان لے رہی تھی، تم نے ایک دم پلٹ کر غضبناک نظروں سے ہمیں گھورا، جیسے تمھاری خودی پر کسی نے اپنا دزنی پاؤں رکھ دیا تھا، جب میں نے تمھاری رخ غلط نہیں کی خاطر انگریزی ہی میں لڑکی سے کہا“ رضوی کو انگریزی خوب آتی ہے۔“ اس وقت میں بلاشبہ کہتی ہوں تم بہ طور محبوب

ہوئے تھے۔ رضوی اب نہ چھپاؤ تم، خود کو میرے سامنے، اگر میں نے غلطی کی ہے اس میں تو پھر کچھ میرا غصہ تھا پڑھنا محض فضول ہوگا، صرف تم اٹنا کہو میں آج کل جس آزمائش میں مبتلا ہوں اس میں پوری پوری اتروں گی۔ یہی سوال اور اسی قسم کے بے شمار سوالات اس نے تاروں کی جھاڑوں میں، کھکشاں تلے، چمنوں میں، باغوں میں پوچھے تھے، مگر رضوی جانے کیوں مصرقا، صرف اٹنا کہہ کر شائستگی ستوش میں مسلسل اضا دے کر جاتا تھا۔ شائستا، میرے برسوں کے زخم کو نہ چھپو، کیا تمہیں مسرت ہوگی میرے زخم کو دو بارہ جو رستا دیکھو گی، میں وہ نہیں ہوں جو تم سمجھتی ہو۔ میں ایک ادنیٰ رشتہ والا ہوں۔ دن بھر سڑکوں پر دوڑتا دوڑتا پھرتا ہوں، کبھی کوئی مرد ہوتا ہے، اور کبھی کوئی عورت لدی لدی پھرتی ہے۔

”رضوی! شائستا بولی اب تم رکشا کھینچنا چھوڑ دو، کچھ اپنی حالت بنا لو، روز بروز گھر سے جا رہے ہو، کل پرسوں میری موٹر آج بلانے لگی، چلانا سیکھ لو۔۔۔۔۔ یہ۔۔۔۔۔ نو۔۔۔۔۔“ شائستا منی بیگ رضوی کو دینے لگی۔

”کیا۔۔۔ رضوی گھبرائے لگا  
”رکھو تو تم۔۔۔ کام آئیں گے“

”نہیں شائستا، مجھے شرمندہ نہ کرو“

”رضوی! تم میری بات نہیں مانو گے تو میں سمجھ لو کل تمہیں شائستا کہیں بھی نظر نہ آئے گی“

”شائستا! تم میری سوانح حیات سننا چاہتی ہو تو میری قسم اٹھاتی ہوں کہ لو، پرسوں میں تمہیں اسی پارک میں اپنی کہانی سنائوں گا“ وہ ایک بڑے احسان سے بال بال بچ گیا۔

”رضوی نے اسی دن رکشا واپس کر دیا کچھ کپڑے سوائے، اور تین برسے روز جمع کئے ہوئے سارے روپیے شہر دانی کی جیب میں رکھے، اور پوسٹ آفس کی طرف جانے لگا، شام کو اسے اپنی دودھ بھرتی تھی۔

”رضوی ہلنے بھی نہ پایا کہ جان کھل گئی۔ اس کی جھڑکی تو دہی جیب میں سے چار سو کے نوٹ اور بائیس جیب سے ڈیڑھ سو کے نوٹ، چند خون میں لت پت اور چند پتھر کی ضرب سے چور چور ٹپٹ۔

لالہ رام جی کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ ایسا بھولا بھلا کارا انھوں نے کم از کم اپنی پوری عمر میں کہیں نہیں دیکھا تھا، انھیں تعجب ہو رہا تھا، کہ یہ پگلا گھر میں اپنی بیوی نہیں بنا کر اس گلی میں کیوں آکھلا۔ کیا پہچانتا نہیں تھا اس گلی کو وہ؟ لالہ جی کو اس کی موت پر افسوس ہونے لگا، لالہ جی بہا در تھے، اور ہمیشہ بہا دروں کی قدر کرتے تھے۔ انھیں بہت افسوس ہوا، کہ بعد کے پچھتلے سے کیا ہوتا ہے۔ وہ نوٹوں کو پھاڑ دینا چاہتے تھے مگر ہاتھ نہ بڑھتے تھے۔ خدا کی دین ہے۔ خدا کی دیں سے انحراف کرنے والا، پاجی ہوتا ہے، بھگوان جس کو دینا چاہتے ہیں، پچھیر پھاڑ کر یا سر پھوڑ کر بھی دیدیتے ہیں، وہ نوٹوں کی غلامی زور سے وہ باتے ہوئے اپنے بہا دروں کی ہمت افزائی کی خاطر بولے:-

”پانچ روپے کی مٹھائی دوڑ کر بھگوان داس کی دوکان سے لے آؤ، ہم سب مل کر کھاؤں گے“

لالہ جی مال غلبیت اپنی جیب خاص میں اتار دے ہوئے لوٹدے کو مٹھائی لائے بیچ رہے تھے، اور اس دوران میں، چیل کی تیز نظر محلے میں پڑی ہوئی چاندی کی توید پر پڑی، جو پتھر کی ضرب سے سینے پر پک گئی تھی، پک گئی تو کیا ہوا، چاندی تھی آخر وہ! ایک دوسرے شخص نے لالہ رام جی کی نظریں بچا کر توبہ اتار لی، اگر لالہ جی دیکھ پائے تو وہ بھی ان کی نذر ہو جاتی۔



پٹرول اور مٹی کا تیل چھڑک کر عشق کو کچرے کی کندی میں پھینکا گیا اور دیاسلائی دکھادی۔  
جب سب مٹائی گئی تھی تو بیٹھے بیٹھے اس شخص نے تعویذ نکالی اور اس کو کھولا تو غلاب توقع اس میں سے کسی  
ناشر کی رسید نکلی:

”مسٹر رضوی سے اُن کے اپنے پندرہ افسانوں کا ایک مجموعہ بعنوان ”درو کی کہانیاں“ وصول ہوا....“  
سب تعجب کرنے لگے، اور آخر میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ مرحوم بلاشبہ پاگل تھا، اور دنیا کا بہت بُرا بے وقوف!

میں نے میں شائنا ہر روز نو بجے ہی سے رکشا والے کا انتظار کرتی ہے، مگر مہینوں گزر گئے، وہ (دوسرے) نہیں بچ سکا۔  
آخر انتظار سے تنگ آ کر خود ہی بیدل محل پڑتی ہے، باپ موٹر میں جانے کے لئے اصرار کرتا ہے مگر وہ اس کی ایک نہیں مانتی!

سہام مرزا

## نذر محمد قلی قطب شاہ

بیک فصلِ گل کو کیا جائے نا  
گر بیانِ دو امن سیا جائے نا  
لگے جو نہ لب سے ترے سا قیا  
وہ ساغر تو مجھ سے بیا جائے نا  
تری دل رہائی ہے افسوں گری  
مجھے دے کے دل پھر لیا جائے نا  
یہی زندگی ہے تو مرنا بھلا  
یہاں پر تو اک پل جیا جائے نا  
تری کل سے ہے رات دن بے گلی  
موا جائے نا اور جیا جائے نا  
ترے اک اشارہ کے ہیں منتظر  
جو تو چاہے پھر کیا کیا جائے نا  
تنتا ہے تجھ سے یہی سا قیا  
کہ تم شہر کو رسوا کیا جائے نا

محشر نقوی

# جنازہ

نفسا کی چہیں پر پسینہ ہے غم کا  
ہر اشک شرہ آجگینہ ہے غم کا  
جوانی کا دامن خربینہ ہے غم کا  
یہ دنیا میں کوئی قریبہ ہے غم کا

نفس در نفس شور ماتمہ بیا ہے  
یکس اہل دل کا جنازہ پڑا ہے  
تری نچن ہیں!

رخ زندگانی پہ آنسو ہیں رقصاں  
کہ کیلائے شب کی ہیں زلفیں پریشان  
مشیت بھی جیراں ہے غطرت بھی لڑاں  
قبائے محبت کا دامن گر میاں

نفس در نفس شور ماتمہ بیا ہے  
یکس اہل دل کا جنازہ پڑا ہے  
تری نچن ہیں!

چراغِ شبتاں کی کو تھر تھرائی  
کہ ورت سی آئینہ کمن پہ آئی  
ہوئی رنگ ماحول سے غم نمائی  
بیت کفر پر ور خدا کی دہائی

نفس در نفس شور ماتمہ بیا ہے  
یکس اہل دل کا جنازہ پڑا ہے  
تری نچن ہیں!

کرم چاہتا تھا ستم ہو رہا ہے  
قیامت کا محیا رکم ہو رہا ہے  
وجود اب پر نگ عدم ہو رہا ہے  
فرشتوں کو جبریل غم ہو رہا ہے

نفس در نفس شور ماتمہ بیا ہے  
یکس اہل دل کا جنازہ پڑا ہے  
تری نچن ہیں!

جبریل

## نئی کتابیں

- مرزا سیف علی خاں

# تنقید و تبصرہ

**تاریخ علم نباتات** از پروفیسر محمد سعید الدین، مطبوعہ چشتیہ پریس حیدر آباد۔  
 یہ چھوٹی سی کتاب ادارہ اشاعت علوم و فنون کے سلسلہ مطبوعات کی چوتھی کڑی ہے۔  
 اس میں جامعہ عثمانیہ کے صدر شعبہ نباتیات نے اس علم کی مختصر سی تاریخ پانچ ابواب میں قلمبند کی ہے سعید الدین صاحب نے  
 اردو میں نباتیات کے مختلف پہلوؤں پر اب تک چار پانچ کتابیں لکھی ہیں جن میں سے ایک کتاب ”پودوں کی کہانی“  
 بچوں اور طلبہ کے لئے خود پودوں کی زبانی بہت ہی سلیس اور سادہ انداز میں لکھی گئی ہے اور دوسری کتاب جو  
 ”تاریخ علم نباتات“ کے عنوان سے چھپی ہے اس کا اسلوب بیان عالمانہ ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ پروفیسر سعید الدین صاحب  
 اپنے موضوع پر بخوبی مادی ہیں۔ انھوں نے اس کتاب کی تنہید میں علم نباتات کے متعلق گزشتہ زمانوں میں جن  
 مصنفین نے اپنی تحریریں چھڑی ہیں ان کی طرف اشارہ کیا ہے۔ پھر اصل کتاب کا پہلا باب شروع ہوتا ہے جو  
 ۱۳۵۷ھ سے ۱۳۷۱ھ تک اس علم کے جو ماہرین گزرے ہیں اور انھوں نے جو کارنامے اپنی یادگار چھوڑے ہیں  
 ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ اسی طرح سے ہر باب میں علم نباتات کے سنہ دار ارتقا کو بیان کیا گیا ہے۔  
 چونکہ یہ کتاب مشاہیر، علماء اور ان کے علمی اور فنی نظریوں کے ناموں اور اصطلاحوں سے  
 بہت زیادہ بحث کرتی ہے، اس لئے اس کے سمجھنے کے لئے نباتات سے بخوبی بہت واقفیت ضروری ہے  
 اور اسی نے نباتیات کے طلب اس کتاب سے بطور خاص استفادہ کر سکیں گے۔

**حیدر آباد کے جدید دستور پر ایک نظر** از جانی پرشاد صاحب۔  
 اس کتاب میں حیدر آباد کے جدید دستور کا ایک عمدہ پیرامین  
 تعارف کرایا گیا ہے اور اس امر کی کوشش کی گئی ہے کہ جدید دستور کے پس منظر اور اس کی ترتیب و تدوین کی  
 منزلوں کو نہایت عموماً سے واضح کیا جائے۔ چونکہ اس کتاب کے مرتب جانی پرشاد صاحب کا انداز بیان نہایت ہی  
 شگفتہ اور سلیکھا ہوا ہے اس لئے اس کتاب کے پڑھنے میں وہ ذہنی ہارموس نہیں ہوتا جو بالعموم قانونی اور  
 دستوری موضوعوں پر لکھی ہوئی کتابوں کے پڑھنے سے ہوتا ہے۔ ادھر کچھ عرصہ سے حیدر آباد کے رسائل و جرائد میں  
 حیدر آباد کے جدید دستور کے متعلق جو بیانات اور مضامین شائع ہوئے رہے ہیں ان کے پیش نظر پڑھنے والے  
 اس دستور کی خوبیوں یا خرابیوں کو صحیح طور پر نہیں سمجھ سکتے اور اصل دستور کے پورے خدوخال ٹھیک طور پر واضح  
 نہیں ہو سکتے، اس لئے زیر نظر کتاب پر اس قابل ہے کہ اس کے ذریعہ سے حیدر آباد کی جدید دستور کی کشمکش کو سمجھا جائے۔  
 اس میں جانی پرشاد صاحب نے اس موضوع کو بہت ہی دلکش پیرامین میں ذہن نشین کرنے کی کوشش کی ہے اور  
 ان کے طرز بیان کی دلکش کتاب کو یک وقت ختم کر لینے کی طرف توجہ دلاتی ہے۔

**معروضہ** از مولوی محمد الیاس برقی صاحب، مطبوعہ عیس الاسلام پریس حیدر آباد۔  
 یہ چھوٹی سی کتاب جس کے دو حصہ اب تک شائع ہو چکے ہیں۔ مولوی الیاس برقی صاحب کی متفرد شاعرانہ کا  
 مجموعہ ہے اور اس کے ہر حصہ کی ابتداء میں مصنف نے جو صفات نشر کے لئے وقف کئے ہیں وہ بھی اپنی معنوی اور ادبی  
 خوبیوں کے لحاظ سے مصنف کے شاعرانہ کلام سے کم نہ کہیں نہیں۔ مولوی الیاس برقی صاحب کی تقریر اور تحریر

دولوں کا انداز بیان نہایت شگفتہ اور رنگین ہے۔ ان کو شعر و سخن کا بھی ایک خاص ذوق حاصل ہے۔ چنانچہ اس سے قبل ان کے مرتب کردہ منتخبات نظم کی متعدد جلدوں کے ایک سے زیادہ ایڈیشن شائع ہو کر اردو دنیا میں مقبولیت حاصل کر چکے ہیں، لیکن زیر نظر مجموعہ کلام کی اشاعت سے قبل شاید کسی کو بھی علم نہ تھا کہ برنی صاحب خود بھی شعر لکھتے ہیں۔ ان کے زیر نظر دولوں معدنیہ شاعری کے اعلیٰ نمونوں سے موز ہیں اور ان کے کلام میں لغت و منقبت کے پاکیزہ مضامین کے علاوہ اتنی رنگینی اور موسیقیت بھی موجود ہے کہ یقین ہے کہ ان کا کلام بہت جلد شاعری کی مجلسوں میں مقبولیت حاصل کرے گا۔ تصوف کا ذوق رکھنے والوں کے لئے تو یہ دولوں کتابیں ایک نعمت کی حیثیت رکھتی ہیں۔

از غور مشیدہ مکھڑی۔ ناشر کتابستان لاہور۔

**سلطانہ رضیہ** یہ ایک مختصر سا ڈرامہ ہے جس میں ہندوستان کی مشہور جانا زنگ سلطانہ رضیہ کی زندگی کے ڈرامائی پہلوؤں کو دلچسپ اور فنی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ ڈرامہ فلم کی ضروریات کے پیش نظر قلمبند ہوا ہے اور اس کا پیش لفظ سید احتشام حسین لکھا اور دو مکھڑیوں پر مبنی ہے لکھا ہے جس میں انھوں نے یہ بھیجے رائے ظاہر کی ہے کہ جب اس ڈرامہ کی فلم تیار کی جائے تو وہ ضرور پسندیدہ ہوگی۔

رضیہ سلطانہ کی زندگی کے متعلق بہت سی غلط فہمیاں عام طور پر رائج ہیں اور لوگ سمجھتے ہیں کہ رضیہ سلطانہ اور اس کے حبشی غلام یاقوت کے آپس میں عشق و عاشقی کا تعلق تھا۔ اس ڈرامہ کے مصنف نے اس واقعہ کا بڑی خوبی کے ساتھ بطلان کیا ہے اور تاریخ کی اس تحقیق کو پیش نظر رکھ کر یہ ڈرامہ لکھا ہے کہ یاقوت دراصل ایک ونا دار اور غفلت غلام تھا، اس لئے رضیہ اس کی عزت اور قدر کرتی تھی اور حقیقت میں اس کو بھٹکے گئے گورنر ملک القویا سے محبت تھی۔

موجودہ فلمی ڈراموں میں جہاں تاریخی پس منظر پیش کیا جاتا ہے یا تاریخی اشخاص سے متعلق قصہ تیار کیا جاتا ہے تو اس امر کا خیال نہیں رکھا جاتا کہ جو باتیں ڈرامہ میں پیش کی جا رہی ہیں وہ تاریخی نقطہ نظر سے کہاں تک صحیح ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر تاریخی فلموں سے متعلق اخبارات و جرائد میں اعتراضات شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ایسے اسلاف کی برائیوں کو اُجاگر کرنا یا ان کے معائب کو نمایاں کر کے دکھانا بجا کے خود بہت بُرا عیب ہے، اور جو بُرائیاں یا خرابیاں ان میں موجود ہیں ان میں دلچسپی پیدا کرنے کی خاطر ان کو زیب و آستان کرنا نہ صرف عیب بلکہ جرم ہے اور اس قسم کے ڈرامے پیش کرنے والی فلم کمپنیوں کے خلاف شاید مقدمہ بھی دائر کئے جاسکتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ فلم کے لئے ڈرامہ تیار کرتے وقت فلم سازی کو فلکیٹک کی پابندی ضروری ہوتی ہے اور مکالمے اور کہانی میں ایسے پہلو بھی پیدا کر کے بڑھتے ہیں جو فنی کی ضرورت کو پورا کر سکیں ان ضرورتوں کی خاطر کوئی غیور قوم اپنی تاریخ اور اپنی زبان کو تسخیر ہونے کی اجازت نہیں دے سکتی۔ زیر نظر کتاب میں جو مکالمے قلمبند کئے گئے ہیں وہ نہایت برجستہ ہیں۔ اس میں زبان کی ادبیت کو بھی باقی رکھنے کی کوشش کی گئی ہے بعض مشہور تاریخی فلموں کی طرح اس کتاب کے مکالموں اور زبان میں تصنع نظر نہیں آتا، اور واقعہ یہ ہے کہ اگر اس ڈرامہ کے پیش لفظ اور تہمدیں اس امر کی طرف اشارہ نہ کیا جاتا کہ یہ ڈرامہ فلمی ضرورتوں کو پیش نظر رکھ کر لکھا گیا ہے تو زیادہ بہتر ہوتا، اس لئے کہ بحالت موجودہ اردو ادب میں اچھے ڈراموں کی جو کمی ہے اس کو رفع کرنے کے لئے اس قسم کے عمدہ ڈراموں کی بجد ضرورت ہے۔

ہندوستان میں اقلیتوں کا مسئلہ از سید عبدالہادی ایم۔ اے لکچرار دارالعلوم کالج ناشر

عہد حاضر کے ہندوستان میں سب سے زیادہ اہمیت اسی مسئلہ کو حاصل ہو چکی ہے، اور اہل ہند کی قدیمی تنگ نظریوں میں برطانوی راج کی پیدا کردہ تہذیب و ثقافت کے باوجود کسی طرح کی کمی ہوتی نظر نہیں آتی۔ دنیا کے دوسرے ممالک اور خاص کر مصر اور بلقان میں بھی اقلیتوں کا مسئلہ موجود تھا، لیکن وہاں کسی کے اس کو حل کر لیا گیا۔ ہندوستان ہی ایک ایسا بدقسمت خطہ ہے کہ جہاں اس میں روز بروز یہ گھبراہٹ پیدا ہو رہی ہے، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر انگریز ہندوستان چھوڑ بھی دیں تو اقلیت و اکثریت کے تصور کی جو متعدی بیماری وہ اس ملک میں پھیلا چکے ہیں اس کی سمیت میں اضافہ ہی ہوتا رہے گا۔ زیر نظر کتاب اسی موضوع پر بحث کرتی ہے۔ اس کے مضامین کو نو ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے باب میں مسئلہ اقلیت کا تاریخی پس منظر دکھایا گیا ہے۔ دوسرے باب میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ بیسویں صدی کے اوائل میں برطانوی سامراج کو ہندوستان میں کس قسم کے خطرے درپیش ہوئے تھے اور کس طرح فرقہ واریت کی ابتداء کی گئی۔ تیسرے باب میں مسلمانوں کے مطالبات اور مسئلہ کی اصلاحات پر روشنی ڈالی گئی جو تھا باب ہندوؤں اور مسلمانوں کے سیاسی اتحاد اور اس کے محرکات پر مشتمل ہے اور چھٹوں کے مسئلہ کے پیشق سے بحث کرتا ہے۔ پانچویں باب میں یہ دکھایا گیا ہے کہ ۱۹۱۹ء میں جو اصلاحات نافذ کی گئیں ان میں اقلیتوں کے ساتھ کیا برتاؤ کیا گیا۔ چھٹا باب اس فرقہ واری جدوجہد کو پیش کرتا ہے جو ۱۹۱۹ء سے ۱۹۳۵ء تک کی گئی۔ ساتویں باب میں ۱۹۳۵ء کے قانون عدولت ہند کے ذریعہ فرقہ وارانہ مسائل کے لئے جو تجویزیں نافذ کی گئیں ان کو پیش کیا گیا ہے۔ آٹھواں باب ہندو مسلم اختلافات کے حقیقی اسباب بیان کرتا ہے، اور آخری باب میں مسئلہ اقلیت کی موجودہ صورت حال سے بحث کی گئی ہے ہمیشہ مجموعی کتاب پُر از معلومات اور مفید ہے۔ خاص طور پر ان نوجوانوں کو چاہیے کہ اس کا مطالعہ کریں جو سیاسی امور میں حصہ لے رہے ہیں یا اس سے دلچسپی رکھتے ہیں۔

سارگند گورکھا

ہمالیہ کی گود میں

۱۱۹ صفحات قیمت ۳۰/- راج محل پبلشرز جہون کشمیر۔ سارگند گورکھا کا نام کسی کتاب کے مصنف کی حیثیت سے پہلی دفعہ سنایا گیا ہے۔ سترہ مجموعے ملے ادب پاروں کو انھوں نے ہمالیہ کی گود میں "سارگند" نام دیا ہے، جو بکران کے ناثرات دی ہیں جو ہمالیہ کی گود میں "انھوں نے محسوس کیے۔ انھیں قدرت سے محبت ہے۔ خصوصاً ہمالیہ کے حصے سے۔ طرزیان دلچسپ ہے اور راج کی لگا لگی لہریں ہیں۔ مگر ہر مقدمہ بچہ بچے کے لئے خود بے حد مختصر اور تشنہ ہے۔ گورکھا اگر اپنے مشاہدات کو فن کا رانہ تفصیل سے بیان کرتے تو یہی باتیں اور جگہ جاتیں بہر حال اردو ادب میں یہ ایک نیا تجربہ ہے۔ سینوں کی دنیا میں وہ لکھتے ہیں کہ اگر ان کے بس میں ہوتا تو وہ ہمالیہ کی چوٹیوں پر چھنے والی برف بن جاتے۔ اس سے زیادہ فطرت سے محبت کا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے۔ کوئی دلی، پاما، کمز، بہت اچھے انسا لکھے ہیں۔ شعلہ کی آب و ہوا اچھا طرز ہے۔ ان کے افسانوں کے پس منظر میں کشمیر کی مغلّس و معصوم دیہاتیں مسکراتی ہیں، روتی ہیں اور فطرت سے محبت

کرنے کی دعوت دیتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔

راجندر سنگھ بیدی اُردو کے سب سے بلند پایہ ادیب نے مقدمہ لکھا ہے، مگر انھوں نے بجائے گور کھا کے فن پر بحث کرنے کے ان کے ذاتی حالات زیادہ لکھ دیئے ہیں، اس سے صفت کے متعلق معلومات تو حاصل ہوجاتی ہیں مگر ساتھ ہی محسوس ہوتا ہے کہ بیدی نے مقدمہ لکھا تو بے گروہ ان کے فن کے متعلق کچھ لکھنا نہ چاہتے تھے۔

از صائب ماصبی۔ (۳۲) صفحے۔ قیمت ۸

**مثنوی عورت اور سماج** پبلشرز یونائیٹڈ، چوک انارکلی لاہور۔ دلتو از بک ڈپاٹ۔ بیرون دہلی دروازہ لاہور۔ اس مثنوی میں شاعر نے طوائف کی زندگی پر آنسو بہائے ہیں نتیجہ ہی نکالا ہے کہ مفلسی اور بھوکِ صمت کو بھی ویران کر دیتے ہیں جو ہندوستانی عورت اور ہر عورت کا جوہر ہے۔ زبانِ ستھری، طرز بیان دلکش۔

مثنوی کا مقدمہ شریامیس صاحبہ بی۔ اے ناضل نے لکھا ہے جو اس چھوٹی سی مثنوی کے لئے بے حد مددگار ہے۔ اگ صائب ماصبی اسے اپنے دیوان کے لئے بھی محفوظ رکھیں اور استعمال کریں تو اچھا ہے، کیونکہ اس میں ان کی شخصیت اور شاعری کے متعلق نہایت تفصیل سے کام لیا گیا ہے۔

**اسلام اور مشاہیر عالم** مرتبہ حبیب عبداللہ ابن حسن بالغیبہ۔ (۱۱۶) صفحات۔ قیمت اور ملنے کا پتہ درج نہیں۔ اس میں انھوں نے قرآن مجید، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور حبشہ اسلام کے متعلق ہندو، سکھ، عیسائی، مالون کے اقوال اور تاثرات جمع کر دیے ہیں جنہیں پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ دشمنان اسلام بھی جب اسلام کے متعلق کچھ کہتے ہیں تو سوائے تعریف کے کچھ نہیں کہہ سکتے۔

زیر نظر مجموعہ میں رابندر ناتھ لیگور، سر جینی ٹائیڈ اور گاندھی جی کے تاثرات بھی موجود ہیں۔

**انیسیات** مجموعہ کلام انیسہ ہارون شروانیہ۔ ۱۹۲۵ صفحات۔ قیمت مال۔ ملنے کا پتہ اُردو محل حیدر آباد دکن۔ محترمہ انیسہ شروانیہ کی تحفہ لغیں، غزلیں، نعت اور حمد اس مجموعہ کلام میں شامل ہیں ترتیب میں مختلف ادوار کا خیال رکھا گیا ہے جس سے موصوفہ کے فن کی ارتقائی منازل کو سمجھنے میں سہولت ہوتی ہے۔ زبان شیریں اور سلیس ہے۔ ہر شعر خوب دل اور شدت احساس کا آئینہ دار ہے خصوصاً وہ نظمیں جو بارگاہ رسالت میں حج کے موقع پر لکھی گئی ہیں عشقِ محمدی و عشقِ خداوندی کی بہترین تفسیر ہیں۔ جہاں جہاں ضرورت ہوئی ہے آسان حدیثوں اور آیاتوں کا حوالہ بھی دیا ہے۔

مرتبہ اقبال سلمانی۔

**البیان** ختم نبوت نمبر قیمت ۸۔ ملنے کا پتہ دفتر امت مسلمہ۔ بیرون دروازہ کھیاں امرتسر۔ سلمانی صاحب نے فرقہ اُحدیہ کے دعوے نبوت سے متاثر ہو کر یہ کتاب مرتب کی ہے، اور سولہ لاپرواہی مشاہیر اسلام کے مضامین درج کئے ہیں، اور یہ ثابت کر دیا ہے کہ اسلام میں نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گئی، اب ہر دعویٰ باطل ہے۔ مضامین نگاروں میں مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا عبداللہ سندھی، سر محمد اقبال، سید سلیمان ندوی اور مولانا اسلم جیراج پوری کے نام ہی اس بات کے ضامن ہیں کہ مضامین دلائل و براہین کی مدد سے لکھے گئے ہیں کچھ کرنے کی کوشش نہیں کی گئی ہے۔

## پنجم مضمون

محمد عمر (نور الہی)

(۲۰۸) صفحات قیمت عاں۔ راج کل پبلشرز۔ جمن کشمیر۔

محمد عمر صاحب کے سات ڈراموں کا مجموعہ ہے۔ ان میں سے اکثر ڈرامے جو جمعیت نے تیربان سے لے کر ہندوستانی طرز پر اردو میں ڈھالے ہیں۔ اکثر ڈرامے تاریخ سے متعلق ہیں۔ مگر تخت طاؤس کا خاتمہ غیر مکمل ہے جو عہد شاہجہانی سے متعلق ہے۔ عادتہ جو اس مجموعہ کے آخر میں ہے ان کا طبعاً ڈرامہ ہے، مگر یہ ڈرامہ ہے۔ اردو ادب میں ڈرامہ نگاری کے فن نے ترقی نہیں کی، اس لئے یہ قدر کی نظر سے ضرور دیکھے جائیں گے بعض اوقات زبان ثقیل استعمال کی ہے۔

از سید عبدالقدوس مہاراج کالج میسور۔

**ساحلی خاموشی اور دوسرے ڈرامے** (۵۶ صفحات قیمت دو روپے) مبلور پبلشنگ ہاؤز۔ شہر منگور۔  
ادارہ ادبیات اردو نے اب حیدرآباد سے باہر بھی اشاعت اردو ادب کا کام شروع کر دیا ہے اور اردو میں لکھنے کا شوق پیدا کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ یہ کتاب بھی وہاں کے ایک طالب علم کی پہلی ادبی کوشش ہے اس نے قابل قدر ہے۔ تین مختصر ڈرامے شامل ہیں۔ آئینہ، مہار اور بڑھایا جائے کتاب میں فن ڈرامہ نگاری ایک مضمون بھی ہے جو بجا کے خود قابل قدر ہے۔ عبدالقادر مسروری صاحب اور عبدالواحد صاحب نے دیا چھ اور پیش نظر لکھا ہے۔

**ادب لطیف سالنامہ ۱۳۶۶** مکتبہ اردو، حجم ۳۲، ۲۷ صفحات۔ سالانہ چندہ پھر دیے۔  
سالناموں کو اس قدر حسن ترتیب دیکھنا پیش کرنا ادارہ ادب لطیف کا ہی حصہ ہے۔ کیا مقالات و منظومات، کیا غزلیات و افسانے، سبھی انتخاب میں۔ تقریباً تمام مشاہیر اہل قلم نے حصہ لیا ہے خصوصاً افسانوں کا مجموعہ تو بے حد اچھا ہے۔ کرشن چندر نے اردو ادب میں اس دفعہ نئی چیز پیش کی ہے۔ پودے جس میں واقعات نگاری کے ماوجود افسانوں کا سا حسن ہے۔ اختر حسین رائے پوری نے اپنے افسانے کے لئے نیا موضوع اختیار کیا ہے۔ راجندر سنگھ بیدی "اسوا" لکھ کر عیشہ کی طرح اپنے آپ کو ممتاز ثابت کر دیا ہے۔ ان کے ہر افسانہ میں کچھ نہ کچھ اٹکھا اچھوتا بن ضرور ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ عزیز احمد علی عباس جی عصمت چغتائی اور ابراہیم حلیم نے اچھے افسانے لکھے ہیں۔ بحیثیت مجموعی پورا شمارہ دلچسپ ہے۔ نئے ادب کے نئی لطیف کو اسے بڑھنا چاہیے اور سونا چاہیے کہ اگر ترقی پسند ادب یہ کچھ ہے تو پھر کیا چاہیے لکھا تو چھپائی عمدہ اور کاغذ اچھا ہے۔

ماہنامہ بھوبال۔ چندہ سالانہ چھ۔

**افکار** بھوپال ہمیشہ سے علمی و ادبی خدمت کے لئے مشہور ہے۔ چنانچہ ترقی پسند رجحانات کا عکاس ایک رسالہ افکار جاری کیا گیا ہے۔ مجلس ادارت میں رشتہی بھوپالی، ضہبیا لکھنوی اور کوثر جانا پوری کے نام ہیں مگر میاں رکافی چھاپے۔ مقالات، نظموں اور افسانوں کا انتخاب اچھا ہے۔ زیر نظر شمارہ میں تسنیم سلیم کا افسانہ بہت اچھا ہے۔

**سویت روس اور مسئلہ قومیت** مرتبہ تنائی، حجم ۱۶۷ صفحات قیمت امر لٹے کا پتہ نیا حسنا راہگی پورہ پٹنہ۔  
تنائی صاحب مترجم کی حیثیت سے کافی مشہور ہیں۔ زندہ چین کا انھوں نے ہی ترجمہ کیا تھا۔ روسی مسائل پر چھوٹے چھوٹے مضامین کا ترجمہ کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ اس کتابچہ میں سویت روس میں قومیت کے مسئلہ اور اس کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے۔ عوام کے لئے اس کا مطالعہ صحت بخش اور



معلومات آفریں ہو گا۔

**دور دیس کی شہزادی** بھائی جان (دفترمیزان) قیمت ۴ روپے حجم (۲۳۵ صفحات)۔ بھائی جان نے بچوں کے لئے ایک انتہائی دلچسپ قصہ لکھا ہے۔ ایسی کہانیاں کہیں میں بھی بڑے بڑوں سے سنتے آئے ہیں۔ لیکن اندیشہ تھا کہ زمانہ شاید اسے بھلا دے، اس لئے ان کو لکھنا اور محفوظ کر لینا مفید ہے۔ ان شہزادے شہزادیوں کے روپ میں بچے ان کرداروں سے متاثر ہوتے ہیں جو حصول مقصد کے لئے دھوکہ بھیلے ہیں، زمانہ کا مقابلہ کرتے ہیں۔ بھائی جان کی زبان فصیح نہیں ہے، اکثر کٹر لکھنوی نے معمولی معمولی غلطیاں کی ہیں۔ اس طرف انھیں زیادہ توجہ دینی چاہیے کیونکہ بچوں پر اس کا بہت اثر پڑتا ہے۔ زبان بھی ہونی چاہیے۔

**راجہ مہدی علی خان**۔ حجم (۴۸۵ صفحات) قیمت ۶ روپے۔ راج محل پبلشرز۔ جموں کشمیر۔

**راجہ مہدی علی خان** نے پانچ چھوٹی چھوٹی کہانیاں دیکھ کر انداز میں لکھی ہیں۔ زبان عام فہم اور سادہ ہے۔ سرور بھی خوب صورت ہے۔ ان کہانیوں کو پڑھ کر یقیناً بچے خوش ہوں گے۔

**بولوں کا قلعہ**۔ راجہ مہدی علی خان۔ حجم (۴۷۱ صفحات) قیمت ۶ روپے۔ راج محل پبلشرز۔ جموں کشمیر۔

اس میں بھی پانچ دیکھ بھلی چھوٹی چھوٹی کہانیاں ہیں۔ ”بہادر پشین“ اور ”دواریہین“ ان میں تاریخی ہیں۔ بچوں کے لئے ایسی دیکھ بھلی کہانیاں بہت اچھی ثابت ہوں گی، اور دل بہلائی کے ساتھ ساتھ وہ بہت کچھ سیکھیں گے۔

**غوث نصاریٰ قیمت ۶ روپے حجم (۵۱۰ صفحات)۔ راج محل پبلشرز۔ جموں کشمیر۔**

**ہمارے آس پاس** بچوں کے لئے سائنس کی عام فہم کتابیں بہت کم لکھی گئی ہیں۔ اس کی بے حد ضرورت ہے۔ انصاری صاحب نے آسان پیرایہ میں بچوں کے لئے اکثر اہم ایجادات کے بارے میں معلومات، ہم پہنچائی ہیں مثلاً ”برقی کہانی“ ”برقی قوت کی کہانی“ کیڑے کوڑے وغیرہ۔ کتاب کا انتخاب بچوں کو بہت پسند آئے گا کیونکہ لکھا ہے ”ہمارے مام“ ہر سچے اسے پڑھے اور زمانہ کی ترقی سے باخبر ہو۔

**توافق للبقا**۔ نعیم صدیقی (۶۹۰ صفحات) قیمت ۱۰ روپے۔ دارالاشاعت نشاۃ الثانیہ۔ حیدرآباد دکن۔

یہ کتاب ڈارون کے نظریہ تنازع للبقا، کی ترویج میں لکھی ہے۔ اپنے مضمون کا انھوں نے اچھی طرح مطالعہ کیا ہے۔ انداز علمانہ ہے۔ زبان ادبی استعمال کی گئی ہے۔ باوجود خشک نظریوں سے بحث کرنے کے طرز دیکھ بھلی ہے۔ لکھا ہے چھپائی عمدہ۔

**ایک کاروباری اور نیوی کا نام** ادبی دنیا میں محتاج تعارف نہیں۔ ان کے افسانوں کا پس منظر جنوبی ہند کی فطری دل کشی ہے۔ مگر اس کاروباری کی نفسیات نگاری کرنے کرتے انھوں نے انوکھی چیز پیش کی ہے کہ فطری حسن دل کشی کی بھی قیمت وصول کرنا چاہتا ہے۔ اس کی نفسیاتی الجھنوں کا خوب مطالعہ کیا ہے۔ انجام تو بس ایسا ہے کہ قاریف کے بغیر نہ رہا جائے۔ ”زس“

# ادارے کی خبریں

## شمس العلماء حضرت خواجہ حسن نظامی ضادلہوی کی تہنیت

بتاریخ ۱۸ جنوری ۱۹۳۶ء ۳۳ صفر ۱۳۵۵ھ روز جمعہ صبح پانچ بجے آنرہیل مولوی سید زاہد حسین صاحب صدر المہاجرینس برکات  
شمس العلماء مولانا خواجہ حسن نظامی صاحب لہوی ادارہ ادبیات اردو کے معائنہ کے لئے تشریف فرما ہوئے۔ اس موقع پر  
ادارے کی مصروفیات معلوم کر کے حضرت خواجہ صاحب اتنے متاثر ہوئے کہ وہ ملی تشریف لیجانے کے بعد اس گروپ  
فوتو کو جو اس روز ادارے میں لیا گیا تھا ایک ٹیپس پوسٹر میں شائع کیا۔ اور اس پوسٹر میں حضرت ملی جو بہت ازراہ قدرانی فوج فرامی رہے ہیں۔

### ایوانِ اردو حیدر آباد دکن ادارہ ادبیات اردو

#### گروپ فوتو

”آل انبی اولاد علی سیدی الدین قادری زور نے حیدر آباد دکن میں اردو زبان کا یہ ایوان بنایا ہے جس نے  
”اعلیٰ درجہ کی علمی اور ادبی کتابیں شائع کی ہیں۔ زور صاحب کی ثقافت میں بڑے بڑے تعلیم یافتہ ہندو  
مسلمان بااعتماد اردو زبان کی ترقی کا بہت بڑا کام انجام دے رہے ہیں۔“  
جنوری ۱۹۳۶ء کے شائع میں آنرہیل مولوی زاہد حسین وزیر خزانہ شاہ دکن اور خواجہ حسن نظامی دہلوی کو یہ ایوان اردو  
دکھایا گیا۔

ادارہ ادبیات اردو حیدر آباد دکن میں ہندو مسلمان مل جل کر اردو زبان کا وہ شاندار کام کر رہے ہیں  
جس کی مثال ہندوستان کے کسی مقام پر نہیں ملتی۔

شمس العلماء حضرت خواجہ حسن نظامی جانشین حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء دہلوی کے لئے ایڈیٹر اخبار  
منادی دہلی نے شائع کیا۔ ۳۰ جنوری ۱۹۳۶ء

یہ پوسٹر ہزاروں کی تعداد میں شائع ہوا اور ہندوستان کے مختلف شہروں کے علم دوست اصحاب کی خدمت  
میں روانہ کیا گیا۔ اس قدر افزائی کے لئے منجانب ادارہ حضرت شمس العلماء خواجہ حسن نظامی صاحب کا شکریہ  
ادا کیا جاتا ہے۔

مجھے کوئی وقت سکون اور آرام کا نہیں ملتا ہے۔ وہاں نقد و بر بھی لی گئی، مگر رواجی تکلفات بھل نہیں تھے۔ کیونکہ ایک سچے مخلص کا علمی ایوان تھا۔ یکم ستمبر کے منادی میں حضرت خواجہ صاحب کے چار روزہ سفر حیدرآباد کے تاثرات درج ہیں ان میں خواجہ صاحب نے حسب ذیل تاثر ادارہ کے متعلق ظاہر فرمایا۔

### ادارہ اوبیا اردو کے بانی

”مولوی سید محمد الدین صاحب قادری زور حیدرآباد کے ان درخشندہ باشندوں میں ہیں جن کے کاموں کی روشنی اب بھی حیدرآباد کو منور کر رہی ہے۔ اور اس قدر بھی امدادیں دے کر ان کے ادارے کے رفیقوں نے اردو زبان کی ترقی اور قابل عقیدہ خدمات انجام دی ہیں۔ اور مجھے یقین ہے کہ اگر فرصت ملے تو میں ادارہ اوبیا حیدرآباد کے ان کاموں کو بار بار دیکھوں جن سے اردو زبان کی خدمت کر سکتا ہے۔“

شمس العلماء حضرت خواجہ حسن نظامی نے اپنے روزنامے میں جو اخبار منادی مورخہ ۹ دسمبر ۱۹۴۶ء کے ساتھ شائع ہوا ہے۔ ۸ مارچ ۱۹۴۷ء کی تاریخ کے تحت ادارہ اوبیا اردو کا عنوان قائم کر کے اپنے معاون کے حسب ذیل تاثرات نقل کئے ہیں۔

ادارہ اوبیا اردو میں کیا تھا۔ یہاں مولوی زاہر حسین صاحب صدر المہام فیضائے شریعت لائے تھے۔ مولوی سید محمد الدین صاحب زبانی ادارہ اوبیا اردو نے اپنے لیے مثال کاموں کو دکھایا۔ اپنی زیادہ خوبیاں یہاں جمع تھیں کہ روزنامے میں ان کی تفصیل کھول تو ایک کتاب بن جائے۔ صدر المہام صاحب بھی بہت زیادہ متاثر ہوئے۔ ایسے سائنٹفک طریقے سے اردو کی خدمت معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ اور ایسی عجیب غریب خدمت انجام دی گئی ہیں کہ زور صاحب کو اردو پاشا خطاب دینے کو جی چاہتا ہے۔

### ایک عجیب کتاب

الواضح تاج شاہ کی تہذیب کے زمانے میں نقد و راج روزنامے نے لکھنا تھا جو معروف شہنشاہ اورنگ زیب کو بہت اچھا لگا اور جس قسم کے انتظامی جوابات اور نگزب کی طرف سے آتے تھے۔ وہ سب اس کتاب میں درج ہیں اور یہ دن کی تاریخ کا وہ قیمتی خزانہ ہے جو دنیا میں نہیں رہتا۔ نہ آسکے گا اور ایک کتاب حضرت طہو سلطان شہید کا روزنامہ ہے اور وہ بھی نہایت بیش قیمت چیز ہے۔ میں نے زور صاحب سے درخواست کی کہ وہ ان دونوں کتابوں کی نقیصں مجھے شائع کرنے کے لئے عنایت فرمائیں اور انھوں نے وعدہ کیا ہے۔ اگر میں اس ارادے میں کامیاب ہوں تو یہ بھلی لگا کہ موجودہ سفر و گن بہت کامیاب ہوا جس نے مجھے تھکا دیا ہے۔ کیونکہ رات دن کے ہجوم کی وجہ

## اردو امتحانات کے مرکزوں کی رودادیں

**مرکز بمبئی** سالانہ ادارہ ادبیات اردو کے امتحانات انجمن اسلام بمبئی کی شان و امارت میں تبلیغ

دارچون سلسلے منعقد ہوئے۔ امتحان دینے والوں میں جمہور بڑے اور ہر طبقہ کے امیدوار شریک تھے۔ امیدواروں کے تعلیمی شوق کا حال سن کر بہت خوشی ہوئی۔ ان میں سے اکثر کسی کسی کارخانے، کرنی صنعتی ادارہ یا مکان سے تعلق رکھتے تھے بعض محرم صاحب بھی امتحان گاہ میں نظر آئے جو ادارہ کے امتحانات کے ذریعہ سے نکلنے پر اپنی کفالت سے بہرہ ور ہو رہے ہیں۔ میں نے جہاں سے گفتگو کی تو معلوم ہوا کہ انھیں زبان سمجھنے اخبارات و رسائل پڑھنے اور خطوط لکھنے کی بڑی اشتیاق ہے۔ اب باوجود تمام دن کی مشقت و مصروفیت کے وہ کچھ نہ کچھ وقت اس علمی بھوک اور پیاس بجھانے کے لئے نکال رہے تھے۔

بمبئی کی ایشیئم ٹیمر ہے اس زمانہ میں یہ ایشیئم شباب پر تھی۔ بارش کا سلسلہ امتحان کے دن بھی جاری رہا۔ علاوہ ان میں امتحان کے دن کریموں اور کارخانوں کو تعطیل نہ ہونے کی وجہ سے مزدور طبقہ لوگ متوقع تعداد میں نہ آ سکے۔

ادارہ کی یہ شاخ عبدالرزاق صاحب قریشی مدگار انجمن اسلام ہائی اسکول کی کرنی میں تعلیم یافتہ کا کام انجام دے رہی ہے۔ صاحب موضوعات اس شاخ کے بانی اور روح رواں ہیں۔ صاحب دھون کی ذاتی دہشی اور اردو کی نشرو اشاعت سے وابستہ لگاؤ قابلِ داد ہے۔ قریشی صاحب نہایت مخلص کارکن ہیں جو تہذیب سے مستعد ہیں۔ سے باوجود کچھ ممانعت کے باوجود ان کی خدمت میں مصروف تہذیب اگرچہ یہ بمبئی کا محکمہ تعلیم با اطفال ادارہ کی شاخ بمبئی کو اپنے اطفال میں لے اور

اس کی بہت فزائی کرے تو بہت آسانی سے اور ایک سب سے زیادہ اردو کی نشرو اشاعت کا انتظام انجام دے سکتا ہے۔ چنانچہ اس مسئلہ پر مجھے ہاں کی علمی علم دوست اصحاب سے تبادلہ خیالات کا موقع ملا۔ قریشی صاحب نے اس مقصد کے تحت چند حضرات کو چاہے پر مدعو کیا تھا۔ اس پارٹی میں تعلیم بانغاں اور دوئی نشرو اشاعت اور ادارہ کے امتحانات کے متعلق بات چیت ہوئی۔ دیگر تبادلہ خیالات کے بعد طے پایا کہ بمبئی کے افسر تعلیم بانغاں سے اس مخصوص میں رابطہ پیدا کیا جائے تاکہ ان ٹیک مقصد کے لئے سرکاری دفاتر کی ذرائع کو استعمال میں لایا جاسکے۔ اس گفتگو میں شہاب الدین صاحب دستوری سابق پریل انجمن اسلام ہائی اسکول اور موجودہ پریل صاحب نے بھی نمایاں حصہ لیا۔ دستوری صاحب دو کے ایک مخلص اور دیرینہ خدمت گزار ہیں۔ آپ بمبئی کی انجمن ترقی اردو کے معتد بھی ہیں۔ ادارہ کے امتحانات سے آپ کو کبھی دیکھی ہے۔ ادارہ سے آپ کا یہ اشتراک عمل نہ صرف قابلِ تہنیت ہے بلکہ لائق تقلید بھی۔

میر تقیانی بمبئی میں کو مختصر ہالکین دھپ میں متعلیل منصوری صاحب اور انصار احمد صاحب وارڈن انجمن اسلام ہائی اسکول کی عنایات کو فراموش نہیں کر سکتا۔ منصوری صاحب کا حسن سلوک انصار صاحب کی ہماں دوزی اور قریشی صاحب کا خلوص میرے لئے ناقابل فراموش ہیں۔ مختصر یہ کہ

**مرکز ناگپور** کی شاخ ۱۳ رجسٹرڈ ایم پی جی شام کی شاخ کی شاخ سے ناگپور ہوا غلط نہ ہر کسی کی وجہ سے مرکز ناگپور کے پنجے میں چند مٹھوں کی ناخبر ہو گئی۔ نظام الاوقات میں خفیت کی ترس کے بعد جب امتحانات سب قاعدہ پابندی اوقات لئے گئے۔ چنانچہ ذکور وانات میں حسب ذیل امیدوار شریک رہے۔

اردو فاضل (ذکور) ایک

ہیں۔ میرے قیام و طعام کا انتظام آپ ہی کے ہاں رہا۔ آپ نے جس عمدگی کے ساتھ مجال نوازی فرمائی ہے میں اس کو کبھی بھی نہ بھلا سکوں گا۔ آپ کی اعلیٰ ظرفی مجھے متاثر کرنے بغیر نہ رہ سکی۔

**شکریہ** | مذکورہ اصد حضرات جن کامیں نے مختصر طور پر ذکر کیا ہے قابل مبارک باد اور انتہائی شکر ہے کہ قابل میں چنانچہ ہمیشہ صدر مکران کامیں ادارہ اویات اردو کی جانب سے مجھ ان سب حضرات کا شکر ادا کرتا ہوں۔ فیض الہی بجز صاحب کاجی شکر ادا کیا جاتا ہے کہ موصوف نے اپنا قیمتی وقت دیکر ادارہ کی پر خلوص خدمت انجام دی۔ منظر الدین

**ہرگز پرلی** | بتایا کہ جن ۳۴ روز جمعہ تقریباً تو مجھے سچ حسین صاحب دو گار مدرسہ محمدیہ روکن شاخ سابقہ منتظم مولوی ابو ظفر محمد الدین صاحب اور لال خاں صاحب موجود تھے۔ ان کے ہمراہ ادارہ کے دفتر پر پونچھا جہاں میرے قیام کا انتظام کیا گیا تھا۔ طعام کا انتظام دایمی تک مولوی ابو ظفر محمد الدین صاحب۔ مولوی سچ حسین صاحب مولوی سچ وزیر صاحب منتظم شاخ اور مولوی محمد عز الدین صاحب قریشی سابق نائب صدر نے کیا تھا۔ امتحان گاہ کے انتظامات کی نیت دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ سب کچھ مقامی ادارہ نے کر لئے ہیں۔ چنانچہ میں صبح ۱۰ بجے پہنچ کر امتحان گاہ کا انتظام محفل ہذا امیدواروں کی نشیمن بہت ہی اصولی طریقہ پر بنائی گئیں تھیں۔ انٹاک کی نشستوں کا انتظام ایک محلہ مکان میں کیا گیا تھا۔ شرکار امتحان کی تفصیل درج ذیل ہے

اردو عالم (۱)	۱۴	(ذکر)
اردو زبان (۱)	۳	(انٹ)
زبان اردو (۱)	۵	(ذکر)
اردو عالم (۱)	۱	(انٹ)
اردو عالم (۱)	۱	(۴)

جلد ۲۶

اردو عالم (۱) انٹ) ایک

اردو زبان (۱) (ذکر) ۱۲

اردو دانی (ذکر) ۲۰

اردو دانی (انٹ) ۹

طبقہ ذکر کی نگرانی مولوی کریم خاں صاحب صدر مدرس و طبعاً و مولوی آغا نامک صاحب مدرس و طبعاً باب نے نہایت فائدہ طور پر فرمائی اور طبقہ انٹ کی نگرانی افضل الناصر صاحب بنت کریم خاں صاحب اردو فاضل نے کی۔ سرپرست شاخ ادارہ مولوی شیخ علی بی بی سی ایل ایل بی ویل بائیکورٹ ادارہ کی شاخ کے سرپرست ہیں۔ صاحب موصوف اپنی غیر معمولی مصروفیات کی وجہ اور بگڑاؤ تشریف لے جا چکے تھے چنانچہ دایمی پراورنگ آباد میں شیخ طاقت کی صاحب موصوف کا خلوص علمی و دینی اور اجتماعی نے نہ صرف اعلیٰ جاگیر مداحان کی ہے بلکہ مستقر اوزنگ آباد میں بھی غیر معمولی شہرت کے مالک ہیں۔

**صدر شاخ ادارہ** | مولوی محمد حنیف صاحب تحصیلدار مالکی جاگیر شاخ ادارہ کے صدر ہیں۔ آپ ہر روز امتحان تشریف لاتے رہتے۔ آپ کا وجود مالکی جاگیر کے لئے ایک نعمت سے کم نہیں۔

**مستند** | مولوی وزیر خاں صاحب شاخ ادارہ کے مستند اور نہایت برگزیدہ کارکن ہیں۔

ایک بے لوث خدمت گزار | مولوی کریم خاں صاحب مدرس و طبعاً باب، بیضا ہر سن رسمہ معلوم ہوتے ہیں مگر آپ کی محنت اور غیر معمولی قابلیت سے میں متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ موصوف کی ان محنت کو نشوں سے ایک خالص دعا مدرسہ مالکی جاگیر کے سربراہ آئندہ حضرات کی اعانت سے انتہائی کامیابی کے ساتھ جاری ہے اور ممکن ہے کہ وہ نہایت جلد فوقانیہ کدر تک پہنچ جائے۔ چنانچہ صاحب موصوف نے اس مدرسہ کا تفصیلی معائنہ کر لیا۔ بس منتظم لوہیں | مولوی محمد جعفر صاحب مالکی جاگیر کے منتظم

## مقامی حالات اور دو کی سرگرمی مولوی شاخ ذہیر

صاحب مہر مولوی شیخ حسین صاحب اور مولوی ابو نعیم علی صاحب اور دو زبان کی اشاعت اور ترویج میں سعی و کوشش کر رہے ہیں اور مجھے جہاں تک معلوم ہوا مقامی ادارہ نے جو بھی اس وقت تک ترقی کی ہے وہ ان ہی حضرات کی انتہائی دلچسپی کا نتیجہ ہے جو ہمیشہ رہائی کاموں میں سرگرم عمل رہتے ہیں۔ ان حضرات کا وجود باشندگان پرلی کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔ ان اصحاب کے دلوں میں اردو کی خدمت کا جتنی جذبہ موجزن ہے۔ اور عام لوگوں کی بھلائی کے لئے جو کام کئے ہیں وہ قابل تحسین ہیں مجھے امید واثق ہے کہ مستقبل میں اس ادارہ کے فارغ طلبہ پرلی میں اردو کی ترقی و ترویج میں سب سے زیادہ حصہ لیں گے۔

مولوی شیخ حسین صاحب دو گاتھانیا واران کی اہمیت صاحبہ صدر مہملہ مدرسہ نوال نے ہالیان پرلی میں تعلیمی بیداری پیدا کرنے میں جو حصہ لیا ہے وہ قابل تعریف و مبارکباد ہے۔ میں وہاں کے کسٹن طلبہ و طالبات کے علمی شوق کو دیکھتے ہوئے یہ اندازہ لگتا ہوں کہ وہ آئندہ پرلی کر اردو کی گراں بہا خدمات انجام دیں گے۔ جن حضرات نے ادارہ کے کاموں کو نئے پیمانے پر اپنے قیمتی اور عزیز وقت کو صرف کیا۔ ضروری انتظامات اور کاروبار امتحان میں مدد دی ان کے نام حسب ذیل ہیں۔

مولوی شیخ وزیر صاحب مدرسہ نوال

.. شیخ حسین صاحب مدو گار ..

.. ابو نعیم علی الدین صاحب ..

.. محمد ہاشم صاحب کرانی ..

.. محمد عزیز الدین صاحب قریشی ..

.. لال خاں صاحب ..

.. محمد نیاز الدین صاحب مدو گار مدرسہ نوال ..

.. صدر مہملہ صاحب مدرسہ نوال ..

ظہیر الدین

## مرکز میو

اس وفد مرکز میو میں اردو امتحانات ہمارا کالج میو میں منعقد ہوئے اور میری شخصی نگرانی میں نہایت باضابطگی کے ساتھ تکمیل کو پہنچے۔ نگرانی میں حسب ذیل حضرات نے میرا ہاتھ بٹایا۔

(۱) مولوی غلام حیدر صاحب بی اے آنرز، لکھنؤ، انڈیا کالج، میو۔

(۲) مولوی سید عبدالغفر صاحب اردو فاضل، مستحکم جات مولوی، گورنمنٹ ٹریننگ کالج، میو۔

ان کے علاوہ خواتین امیدواروں کی نگرانی میں محترمہ رحمت النساء بیگم صاحبہ بی اے بی ٹی، صدر اردو زنانہ ماہل اسکول، میو نے حسب سال گزشتہ میرا ہاتھ بٹایا اور خواتین کو امتحانات کے لئے تیار کیا جس کے لئے وہ ادارے کے شکر کی مستحق ہیں۔

## ادارہ ادبیات اردو شاخ میو

بات عرض ہے کہ۔

۱۔ یہ شاخ میو میں اردو کی اشاعت کے لئے ممکن ہو کر رہی ہے۔ اردو پڑھو اور پڑھاؤ کا براہ راست پروگرام کیا جا رہا ہے۔ گزشتہ دو سال سے اردو امتحانات کے لئے امیدواروں کو تیار کیا جا رہا ہے جن میں سے اکثر امتحانات میں شریک ہو کر کامیاب بھی ہو رہے ہیں۔ چنانچہ اس سال اردو فاضل کے ایک امیدوار، مسٹر سعید احمد بی اے، سی (علیگ) جو اس امتحان میں شریک ہوئے تھے، وہ صرف درجہ اول میں کامیاب ہوئے بلکہ سائے امیدواروں میں اول آئے اور سرٹیفیکٹ جنگ تعلیمی کے مستحق قرار پائے۔

ادارہ میو کی شاخ اشاعت کی جانب سے اس وقت تک حسب ذیل تین کتابیں شائع کی گئی ہیں اور چند ڈیرے ترتیب میں۔

۱۔ قرآن المہرا، انشاء محمد عبداللہ، جو آج سے دیکھ

متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ ماہ شہرہ میں ہی پریشانی پھیل گئی۔ اور آبادی کا تحلیف ہو گیا۔ شہر پر مہربان تین ماہ تک ادارہ کے کاروبار حالت مشکل میں رہے۔

جلد انتخاب عہدہ داران ارکان | جب ماہ آذر میں لوگ آبادی میں قتل ہو گئے تو فوراً ہی ضروری انتظامات عمل میں لائے جا کر بعد ازاں علی بابا مولوی سید عزیز الدین صاحب وکیل ہائیکورٹ بلیک ۲۲، ڈسٹرکٹ راجہ صاحب انتخاب عہدہ داران کا ایک جلسہ مقام نکارت مدرسہ منعقد ہوا۔ بجلتہ آرا حسب ذیل عہدہ دار منتخب ہو گئے۔

- ۱۔ مولوی سید عزیز الدین صاحب وکیل ہائیکورٹ مندر شاہ
  - ۲۔ مولوی علی بخش صاحب نشی قاضی نائب صدر
  - ۳۔ سید کریم الدین قاضی نشی قاضی راضی مندر شاہ
  - ۴۔ سید بدیع الدین احمد نائب شہنشاہ نشی قاضی شریک مختار
- علاوہ ان حسب ذیل ارکان انتظامی کا انتخاب بھی عمل میں آیا۔

مولوی شری علی خاں صاحب اڈیشنل امداد باہمی۔  
مولوی داؤد خاں صاحب انصاری سب الیکشن کار۔  
مستر ٹکارام جی اسٹون کنٹرولر مالو اور اوصاحب (مشافہ)  
جنرل مرچنٹ۔ مولوی عبدالباری صاحب اردو عالم۔ مولوی مرزا حسن بیگ صاحب مدرس۔ مولوی ابو علی صاحب احمد صیغہ دار۔ مولوی محمد عزیز الدین صاحب صیغہ دار۔ مولوی محمد وہاب الدین صاحب مدرس۔

جلد دوم برائے باشعہ | تقریر تبریر | یہ جلد خباب صدر علی صاحب کی صدارت میں ۲۳ اگست ۱۹۴۶ء منعقد ہوا۔ اس میں ارکان ادارہ کے علاوہ مدرسین اور طلباء مدرسہ نے بھی کثیر تعداد میں حصہ لیا مقررین نے اپنی بحث و تقریر سے یہ ثابت کر دیا کہ انھوں نے اس مباحثہ کی تیاری میں کافی محنت اور دلچسپی سے کام لیا ہے۔ یہ تصدیق کرنا مشکل ہو گیا تھا کہ کس کو ترجیح دینا ہے۔ بالآخر آرا شمار ہوئی اور

دو سال پہلے مورکی اردو نثر کا نمونہ ہے میرے حواسی اور مفقہ کے ساتھ شائع کی گئی ہے۔  
۲۔ سال خاموشی اور دو ڈرامے۔ از سید عبدالقدوس بنی اسے آنند۔

۳۔ کتاب سخن۔ لالا کتاب دار نے منشی سرکاچہ کے اردو و فارسی کلام کا مجموعہ جو میر کی ترتیب اور مفقہ کے ساتھ شائع کیا گیا۔  
عبدالقادری

شہنشاہ باد | بشیر آباد پہلی مرتبہ امتحان اردو دینی منعقد ۲۰ نومبر ۱۹۴۶ء ۲۶ دسہ سنہ ۱۳۶۵ء کا مرکز بنا۔ میرے رفقاء کے کارمولوی سید بدیع الدین صاحب شہرت منشی قاضی اردو و فاضل دو گار مدرس اور محترمہ جیلانی بیگم صاحبہ تاجپور اردو و فاضل مدرسہ نوال کی کوشش اور دیگر علماء و دست احباب کے نفاذ عمل سے یہ کام بخوبی انجام پایا اور امتحان کا نتیجہ (۶۹) فیصد رہا۔

قیام شاخ ادارہ ادبیات اردو | مرکز امتحان کے قیام کے ساتھ قیام شاخ ادارہ کا مسئلہ بھی پیش نظر رہا۔ اردو مولوی خواجہ حمید الدین صاحب شاہد ایم آہتمم ادارہ کی ترغیب اور وصلہ افزائی سے اس کا قیام بھی عمل میں آیا۔ چنانچہ حسب ذیل نشان (۱۶۴۱) نمونہ ۱۱۱۱ ادارہ اسکالین قیام شاخ کی منظوری بھی شرف صدر لائی۔

دوسرا امتحان منعقد ۳۱ مارچ ۱۹۴۷ء | اس امتحان میں اردو دینی کے علاوہ زبان فارسی، اردو عالم اور اردو فاضل کے امیدواروں نے بھی شرکت کی۔ اردو دینی اور اردو فاضل کا نتیجہ صد فی صد اور زبان فارسی اور اردو عالم کا نتیجہ (۶۰) فیصد سے زائد رہا جو کارکنان ادارہ کی محنت اور دلچسپی کا بین ثبوت ہے۔

شیور معرط علوان | اگرچہ بشیر آباد ایک اونچے اور پختہ مقام پر واقع ہے۔ مکانات بھی دور دور واقع ہیں۔ صفائی کا معقول انتظام ہے۔ لیکن گرد و نواح کے کثرت مقامات کے باشندوں کی آمد و رفت کے باعث بشیر آباد بھی

جلد پنجم منعقدہ آستان قدس قیام سال ۱۳۵۳ھ  
کتب خانہ و دارالمطالعہ

آخری جلد بصدارت مولوی سید عزیز الدین صاحب  
وکیل ہائیکورٹ صدر ادارہ بقام عمارت مدرسہ مستند  
ہوا جب کہ اس کو علم دوست عمدہ دارمولوی حافظ  
محمد علی صاحب اول تعلقہ دار کی سرپرستی کا شرف بھی  
حاصل ہو چکا تھا۔ اس جلد میں ایک کثیر تعداد نے شرکت  
کی۔ مطالعہ کے فوائد و تقیم کتب خانہ کی ضرورت پر  
پر زور تقاریر ہوئیں۔ آخر میں متبادارہ نے اس کی  
اہمیت و ضرورت پر زور دیتے ہوئے ایک موثر تقریر  
کی اور کہا کہ کوئی علمی ادارہ کوئی درس گاہ اس وقت  
تک ترقی نہیں پاسکتی جب تک کہ اس کو مقامی مقتدر  
اور اہل کرم حضرات کی توجہ اور امداد حاصل نہ ہو۔ ہم  
کام کرنے تیار ہیں جب تک کہ علم دوست اور خیر اصحاب  
دوست تعاون اور دست کرم و اذن نہ فرمائیں ہماری  
تمام سعی اور ساری کوششیں بیکار اور بے سود ثابت  
ہو جائیں گی۔

خاتمہ تقریر پر بیشتر اصحاب نے ہاتھ پینہ دینے  
کا وعدہ فرمایا۔ صدر ادارہ مولوی سید عزیز الدین صاحب  
نے اپنی ملکی اور ذاتی کتب کے علاوہ کتب خانہ مسجد کی  
کتابیں بھی ادارہ ہذا کے کتب خانہ کو مستعار دینے کا  
 وعدہ فرمایا۔ مسٹر ناگور اوجی جنرل منہٹ بشیر آباد نے  
بھی اپنے پاس کی تمام کتابیں مستعار دینے کا وعدہ  
کیا۔ علاوہ انہیں جب ذیل حضرات نے رسالہ و اخبارات  
عطا فرمائے کا وعدہ کیا ہے۔

۱۔ مولوی سید عزیز الدین صاحب صدر ادارہ۔ اخبار سہر دکن  
نویں۔ ترجمان القرآن۔

۲۔ دیو نکر اڑی صاحب سب الیکٹریسیٹ۔ اخبار میران

۳۔ مسٹر ناگور اوجی جنرل منہٹ بشیر آباد۔ اخبار مدینہ سکر روزہ

۴۔ مسٹر شکٹ لال جی ساہو۔ اخبار پیام

نجلیہ آراء دیگر کو ترجیح دی گئی۔ آئندہ مباحثہ کے لئے شہری  
اور دیہاتی زندگی کا عنوان مقرر کیا جا رہا ہے۔

جلد سوم منعقدہ اردو ہیئت قدس  
مباحثہ بر عنوان شہری و دیہاتی زندگی۔  
اس جلد کی مدار  
بھی نائب صدر  
نے کی۔ اس جلد میں مباحثہ کے لئے جو عنوان مقرر تھا، اکثر  
مقررین نے شہری زندگی کو پسند کیا۔ بچوں کے مباحثہ کے  
وجہ سے جن سے حاضرین بہت ہی محفوظ ہوئے  
بالآخر نجلیہ آرا طے پایا کہ شہری زندگی، دیہاتی زندگی  
سے اچھی ہے۔

جلد چہارم منعقدہ ۱۰ شہر گور  
انعام تعلیم برائے میران انتظام  
مولوی سید عزیز الدین صاحب

صدر ادارہ نے فرمائی۔ اولاً منعقد ادارہ نے صدر صاحب سے  
یہ خواہش ظاہر کی کہ ادارہ کی سرپرستی کے لئے علم دوست  
عمدہ دار مولوی حافظ محمد علی صاحب سے استدعا کی جائے۔  
صدر صاحب نے یہ کام اپنے ذمہ لیا اور بالمشافہ تصفیہ  
کر لینے کا وعدہ فرمایا۔

دوسرا مسئلہ اردو امتحانات کے لئے امیدواروں  
کی تیاری کا تھا۔ مستقر کے حالات کے پیش نظر یہ ضروری  
تھا کہ بلا معاوضہ یا کم سے کم معاوضہ پر کام کرنے والے  
مل جائیں۔ چنانچہ اس کا حسب ذیل انتظام رو بہ عمل لایا  
گیا۔

برائے اردو عالم وارو و فاضل

۱۔ مولوی محمد علی صاحب انشی فاضل نامہ صدر ادارہ

۲۔ سید کریم الدین فیاض انشی فاضل اردو فاضل مستند ادارہ

برائے اردو دوائی و زبان دانی

۱۔ مرزا حسن بیگ صاحب مدرس و دکن ادارہ

۲۔ محمد ذاب الدین صاحب مدرس

۳۔ محمد بشیر احمد صاحب مدرس



زیادہ تر امیدوار شریک امتحان ہوا کرتے ہیں۔

مستقر پرلی اردو امتحانات کے لئے اپنا بظلم ہے اس کام کے انجام دینے کے لئے صاحبانِ صدر منتخب ہیں اور تدریس کا انتظام قاضی محبوب الدین صاحب صدیقی نے دیا۔ نئے میں ہوا کرتا ہے شاخ ادارہ جناب قاضی صاحب کا بہت سی مضمون ہے کہ موصوف نے ازراہ غیایت اپنا دیونگی شلح کے لئے وقف کر دیا ہے جہاں تدریس کا کام ہوتا ہے اور شاخ کا کتب خانہ بھی ہے۔

کتب خانہ | شاخ کا کتب خانہ جو مولوی قاضی محبوب الدین صاحب کے دیوا ن خانے میں قائم ہے روزانہ شاخ میں لوگ کتب کا مطالعہ کر کے مستفید ہوتے ہیں۔ چند اہم اردو کتب پر مشتمل ہے جس کے مطالعہ سے لوگوں میں اردو کے تدریس کا حقوق ہو کر امتحانات میں شرکت کا باعث بنتے ہیں۔

اردو امتحانات | ہر سال شاخ ہائی کوشش سے پرلی امتحانات کا مرکز ہا کرتا ہے اور ہر سال تقریباً ۵۰ سے زائد امیدوار مندرجہ بالا امتحانات میں مرکز پرلی سے شرکت کا میانی عامل کرتے ہیں۔ مولوی اردو نڈا نڈائی، اردو عالم اکبر، ادارہ کی کوششوں سے ان امتحانات میں ہندو امیدوار بھی شریک ہوتے ہیں۔

نتائج امتحانات | ہر سال مرکز پرلی کے امتحانات کے نتائج شخصی روش پر ہر سال مرکز پرلی سے ۳۰ امیدوار شریک ۱۲ کا مابہ ہندو نڈائی مقامات کے حضرات شاخ ادارہ پرلی کی جانب سے عکریہ ادا کیا جاتا ہے جو ہر وقت ادارہ کے لئے دئے دئے، سنے اعانت کرتے ہیں۔

پرلی تاحی مولوی محبوب الدین صاحب، بیہ حاجی بیلان احمد صاحب۔ سالار امی بھاو صاحب، عبد اللہ مہلی، میہتم صاحب، لاکٹ، مولوی جلال صاحب، مولوی عبد اللہ خاں صاحب، مولوی ہشتاب صاحب، انجینئر مولوی سید رسول صاحب کتہ دار۔

سوان بیہ۔ مولوی بنے میاں صاحب، اجم۔ بیل گاؤں مولوی دایت علی صاحب بیل بروی تاحی بیل لاکٹ گھاٹ اندھہ۔ مولوی امین الدین صاحب۔

مکھیا کٹر مولوی، مصطفیٰ صاحب، بواگر مولوی جسٹس اشفاق احمد بیل

۵۔ مولوی محمد عزیز الدین صاحب صفیہ دار اخبار مدنیہ (اخبار کی مدت کچھ باقی رہ گئی ہے اس کے بعد آپ دوسرا کوئی اخبار یا رسالہ جاری فرمائیں گے)

۶۔ مشر محارم جی اسٹون کنڈا کٹر اخبار رعیت اس کے بعد آئندہ یکم آؤرسٹ ۱۹۷۷ء کو کتب خانہ ادارہ وار مطالعہ کا افتتاحی جلسہ کیا جاتا قرار پایا اور طلبہ کے برخواست کا اعلان کر دیا گیا۔

شاخ پرلی | شاخ پرلی ادارہ ادبیات اردو کے کاروبار مولوی فیض محمد خاں صاحب

بی اسے ڈیپ ایڈ صدر مدرس مدرسہ وسطانیہ پرلی کی عوار میں بحسن خوبی انجام پاتے ہیں ہر سال شاخ ہڈا کے مزموم رکن مولوی نیر الدین صاحب، مولوی شیخ حسین صاحب، مولوی نواز الدین صاحب، مولوی سعید الدین صاحب

صدیقی کی کوششوں سے اردو کی ترویج اور اردو امتحانات کے ہم کام پورے ہو رہے ہیں۔ سال میں دو مرتبہ شاخ کی جانب سے تقصبات میں وفد بغرض ترویج و اشاعت اردو کی تشہیر کے لئے روانہ کیا جاتا ہے وفد کے ارکان مولوی شیخ حسین صاحب، مولوی سعید الدین صاحب، مولوی ابو ظفر محی الدین صاحب معلم سٹی کالج (جولہیلیات میں

پرلی آیا کرتے ہیں) ان ہی حضرات کی دہجی اور کوششوں کا نتیجہ ہے کہ شاخ ادارہ ادبیات اردو پرلی قائم اور کامیابی کے ساتھ جاری ہے۔ وفد ہر سال مندرجہ ذیل تقصبات و ہجاول

کا دورہ کر کے سابقہ کامیاب شدہ امیدواروں کے استناد ذریعہ جدید عام تقیم کے عوام الناس پر اردو امتحانات کی ہیئت کو واضح کرتا ہے اور آئندہ سال کے لئے بالاتر امتحانات میں شرکت کے لئے سنگ گیرندہ امیدواروں کو ترغیب و تحریک

کرتا ہے۔ بیل گاؤں، سون چڈیا گارہ ہمارا کوشش پر شاؤ، گھاٹ کٹر گھاٹ ناڈوہ جاگیر، رتیا پور، پان گاؤں۔ وفد کا دوسرا دورہ ہر سال ماہ تیرس فرامی امیدواران برائے امتحان ادارہ مندرجہ تقصبات میں ہوا کرتا ہے اور ان تقصبات سے

کرتا ہے۔ بیل گاؤں، سون چڈیا گارہ ہمارا کوشش پر شاؤ، گھاٹ کٹر گھاٹ ناڈوہ جاگیر، رتیا پور، پان گاؤں۔ وفد کا دوسرا دورہ ہر سال ماہ تیرس فرامی امیدواران برائے امتحان ادارہ مندرجہ تقصبات میں ہوا کرتا ہے اور ان تقصبات سے

کرتا ہے۔ بیل گاؤں، سون چڈیا گارہ ہمارا کوشش پر شاؤ، گھاٹ کٹر گھاٹ ناڈوہ جاگیر، رتیا پور، پان گاؤں۔ وفد کا دوسرا دورہ ہر سال ماہ تیرس فرامی امیدواران برائے امتحان ادارہ مندرجہ تقصبات میں ہوا کرتا ہے اور ان تقصبات سے

کرتا ہے۔ بیل گاؤں، سون چڈیا گارہ ہمارا کوشش پر شاؤ، گھاٹ کٹر گھاٹ ناڈوہ جاگیر، رتیا پور، پان گاؤں۔ وفد کا دوسرا دورہ ہر سال ماہ تیرس فرامی امیدواران برائے امتحان ادارہ مندرجہ تقصبات میں ہوا کرتا ہے اور ان تقصبات سے

کرتا ہے۔ بیل گاؤں، سون چڈیا گارہ ہمارا کوشش پر شاؤ، گھاٹ کٹر گھاٹ ناڈوہ جاگیر، رتیا پور، پان گاؤں۔ وفد کا دوسرا دورہ ہر سال ماہ تیرس فرامی امیدواران برائے امتحان ادارہ مندرجہ تقصبات میں ہوا کرتا ہے اور ان تقصبات سے

کرتا ہے۔ بیل گاؤں، سون چڈیا گارہ ہمارا کوشش پر شاؤ، گھاٹ کٹر گھاٹ ناڈوہ جاگیر، رتیا پور، پان گاؤں۔ وفد کا دوسرا دورہ ہر سال ماہ تیرس فرامی امیدواران برائے امتحان ادارہ مندرجہ تقصبات میں ہوا کرتا ہے اور ان تقصبات سے

کرتا ہے۔ بیل گاؤں، سون چڈیا گارہ ہمارا کوشش پر شاؤ، گھاٹ کٹر گھاٹ ناڈوہ جاگیر، رتیا پور، پان گاؤں۔ وفد کا دوسرا دورہ ہر سال ماہ تیرس فرامی امیدواران برائے امتحان ادارہ مندرجہ تقصبات میں ہوا کرتا ہے اور ان تقصبات سے

کرتا ہے۔ بیل گاؤں، سون چڈیا گارہ ہمارا کوشش پر شاؤ، گھاٹ کٹر گھاٹ ناڈوہ جاگیر، رتیا پور، پان گاؤں۔ وفد کا دوسرا دورہ ہر سال ماہ تیرس فرامی امیدواران برائے امتحان ادارہ مندرجہ تقصبات میں ہوا کرتا ہے اور ان تقصبات سے

کرتا ہے۔ بیل گاؤں، سون چڈیا گارہ ہمارا کوشش پر شاؤ، گھاٹ کٹر گھاٹ ناڈوہ جاگیر، رتیا پور، پان گاؤں۔ وفد کا دوسرا دورہ ہر سال ماہ تیرس فرامی امیدواران برائے امتحان ادارہ مندرجہ تقصبات میں ہوا کرتا ہے اور ان تقصبات سے



## ادارۃ ادبیات اردو کی کتابیں

ردیف	نمبر	نام کتاب	تعداد	نمبر	نام کتاب
۴۰	۲۸	سحر کا جادو	۲	۱۲۸	سرگزشت حیات
۸۰	۶۸	طبیعیاتی کائنات	۸۰	۹۲	سرگزشت غالب
۱۲۰	۱۲۳	مناخ صحنی	۶۰	۳۰	مقام الملک
۱۲۰	۱۲۲	کیف صحنی	۸۰	۳۳۰	تاریخ گوندہ
۱۲۰	۱۲۷	باد صحنی	۱۰	۱۶۰	ریڈیو میجر (۸ تصاویر)
۱۲۰	۱۵۲	سراج صحنی	۱۲۰	۱۲۰	ارمغان جنپ
۱۲۰	۱۳۰	ایمان صحنی	۲۰	۳۸	سوہیلی مان
۱۲۰	۱۳۳	غیش صحنی	۲۰	۱۶	مرید احمد خان
۵۰	۵۰۰	مربع صحنی جلد اول (۵۵ تصاویر)	۶۰	۳۸	سر سالار جنگ
۳۳۲	۳۳۲	دوم (۵۰) "	۳۰	۱۲۵	عربی تصانیف کے اردو تراجم
۱۷۵	۱۷۵	نقد صحنی	۳۰	۱۲۲	محببت کی چھاؤں
۲۸۸	۲۸۸	لذرو کی	۳۰	۲۶۸	اقبال نمبر
۱۹۲	۱۹۲	گولیم و تھسم	۱۰	۱۱۲	سائنس کے کرمی
۱۸۳	۱۸۳	سفاحیر فندھار دکن	۳۰	۲۳۰	شعرا عثمانیہ
۱۳۵	۱۳۵	من کی دنیا	۸۰	۳۰۰	مکتوبات شاہ عظیم آبادی
۱۹۶	۱۹۶	مدرس میں اردو	۲۰	۱۶	داد بھائی
۱۱۲	۱۱۲	معصوم نامہ	۲۰	۲۰۰	اردو نامہ
۱۵۳	۱۵۳	ذکر دکن	۱۰	۸۵	حدود آباد
۱۳۰	۱۳۰	روح غالب	۶۰	۳۰	عماد الملک
۲۰۰	۲۰۰	عاصم	۶۰	۵۶	اردو دانی کی پہلی کتاب
۵۶	۵۶	دبتری معلومات	۶۰	۵۶	" " دوسری کتاب
۴۸	۴۸	آپدور نقاشیاں اور سرنگ	۲۰	۲۰۰	محمد حسین آزاد
۱۲۳	۱۲۳	اردو مثنوی کا ارتقاء	۲۰	۱۳۰	غاند کی ناؤ
۲۱۶	۲۱۶	حدود زندگی	۱۲۰	۹۲	من تعارف
۳۰۰	۳۰۰	سرگزشت ادارہ	۱۰	۱۳۲	ہندوستان کی تاریخ دکن
۳۱۲	۳۱۲	میر محمد موسیٰ (۲۳) تصاویر	۸۰	۱۳۰	ہندوستانی تمدن
۳۲	۳۲	بقا	۱۰	۸۰	یورپ کی کہانی
۱۱۳	۱۱۳	خطابات	۱۰	۱۰۰	سہ ماہ
۱۵۰	۱۵۰	علم خاتم داری	۶۰	۳۸	پانی کی کہانی
۱۱۸	۱۱۸	چٹوٹی (۱۶) تصاویر	۸۰	۳۹۰	رسائل طبع
۱۶۸	۱۶۸	انوار	۳۰	۳۰	حکمت گوہر من
۸۰	۸۰	نہشت دانی (۳) تصاویر	۸۰	۱۲۲	تاریخ ادب اردو
۱۲۸	۱۲۸	گارساں دتاسی	۸۰	۵۶	اشوک اعظم
۱۶۸	۱۶۸	رات کا بھولا	۱۰	۸۰	ہائیں
۲۳	۲۳	سکندر جہا	۸۰	۲۱	یورپ جنگ سے پہلے
۵۲	۵۲	بلاغت	۸۰	۱۷۴	شہنشاہ
۲۰۰	۲۰۰	ادارۃ سلم ۱۹۳۱ء میں	۱۰	۱۰۱	ایرانی ریاضی
۲۳	۲۳	ناصر الدولہ	۳۰	۳	ظہار علی خان
۳۲	۳۲	افضل الدولہ	۵۰	۳۹۰	دکنہ اردو - مضبوطیات جلد اول
۳۲	۳۲	نواب مر محبوب علی خان	۱۰	۵۰	عرب اور عربستان





